قدیم و غیر مطبوعہ تذکرۂ صوفیہ کا اوّلین اُردو ترجمہ

مراۃ الاسرار

زمانۂ تالیف ۱۰۴۵ھ تا ۱۰۶۵ھ

مؤلفہ

حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی قدس سرہٗ

۱۰۰۵ھ ——— ۱۰۹۴ھ

تحقیق و ترجمہ

مولانا الحاج

کپتان واحد بخش سیال

چشتی صابری

نعت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سرورِ سروراں رسول اللہ
دلبرِ دلبراں رسول اللہ

شاہِ شہنشہاں رسول اللہ
مالکِ دوجہاں رسول اللہ

کعبہ انس وجاں رسول اللہ
قبلۂ کن فکاں رسول اللہ

ماوائے بے کساں رسول اللہ
ملجائے عاصیاں رسول اللہ

سایۂ دوجہاں رسول اللہ
مایۂ دوجہاں رسول اللہ

ساقیِ دوجہاں رسول اللہ
شافعِ عاصیاں رسول اللہ

واحدِ بے نوا طلب کند
[illegible] اللہ

قدیم و غیر مطبوعہ تذکرۂ صوفیہ کا اوّلین اُردو ترجمہ

مرآۃ الاسرار

زمانۂ تالیف ۱۰۴۵ھ تا ۱۰۶۵ھ

مؤلفہ

حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی قدس سرہٗ

۱۰۰۵ھ ——— ۱۰۹۴ھ

تحقیق و ترجمہ

مولانا الحاج

کپتان واحد بخش سیال

چشتی صابری

نام کتاب .... مرآۃ الاسرار

مترجم .... مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال چشتی

.... اللہ آباد ضلع رحیم یار خان۔ فون نمبر ۸۷

اشاعت .... محرم الحرام ۱۴۱۴ھ - ۱۹۹۳ء

تعداد .... پانچ صد (۵۰۰)

طباعت .... حامد جمیل پرنٹرز ریٹی گن روڈ لاہور

ناشر .... ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

Rs 300

حسب ارشاد

حضرت شاہ شہید اللہ فریدی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۹۸ھ)

سعی و اہتمام

حضرت شاہ سراج علی مدظلہٗ

عرضِ ناشر

کتاب مرآۃ الاسرار کے مؤلف حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی صابری عباسی العلوی ہیں۔ آپ کا تعلق سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ سے ہے۔ آپ حضرت شیخ حمید قدس سرہٗ کے خلیفۂ مجاز تھے، جن کا سلسلہ طریقت سات واسطوں سے حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی قدس سرہٗ سے جا ملتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالرحمٰنؒ کی ولادت باسعادت ۹ ربیع الآخر ۱۰۰۵ھ رسول پور عرف دھتی (لکھنؤ) میں ہوئی اور وصال ۱۰۹۴ھ میں ہوا۔

کتاب مرآۃ الاسرار کی تالیف آپ نے حضرت خواجۂ خواجگان، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ کے باطنی اشارہ پر ۱۰۴۵ھ میں شروع کی اور یہ عظیم کام مورخہ ۲۷ شوال ۱۰۶۵ھ میں تقریباً بیس سال کے عرصہ میں اختتام پذیر ہوا۔ اس کتاب کی تالیف میں آپ نے تقریباً ۷۴ کتابوں سے استفادہ فرمایا جو قبل ازیں اولیائے کرام تصنیف فرما چکے تھے۔

یہ کتاب اسلامی تاریخ کے پہلے ایک ہزار سال کی مکمل تاریخ تصوف ہے۔ جس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک سے لے کر مصنف کے وقت تک تمام سلاسل طریقت، مشائخ عظام اور ان کے بیان کردہ حقائق کی پوری تصویر نہایت ہی عالمانہ اور فاضلانہ انداز میں پیش کی گئی ہے۔

تصوف کی یہ مایۂ ناز تصنیف جب سے معرضِ وجود میں آئی ہے بفضلہٖ تعالیٰ پہلی بار طبع ہوئی ہے اگرچہ اس کے اقتباسات اور حوالہ جات مختلف کتب میں نظر آتے تھے لیکن اصل کتاب ناپید تھی۔ اس کتاب کو حاصل کرنے کا سہرا سیدنا و مرشدنا حضرت شاہ شہید اللہ فریدی رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے جن کی ذاتی دلچسپی اور خصوصی توجہ سے لندن میوزیم سے اس کی مائیکروفلم حاصل کی گئی اور ترجمہ و تحقیق کا کام سات سال میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کتاب منظرِ عام پر آگئی ہے۔

دعا ہے کہ اس سلسلہ عالیہ کا فیض قیامت تک جاری رہے۔

آمین ثم آمین

(ادارہ)

چمنے کہ تا قیامت گُلِ او بہار بادا
صنمے کہ بر جمالش دل و جاں نثار بادا

**

فہرست

مقدمہ

رشحات

مقدمہ

در ذکر خرقۂ خلافت و بیان چار پیر و چودہ خاندان اصلی و خاندان فروعی اور بیان رجال اللہ۔ غوث و قطب وغیرہ اور مشرب صوفیہ اہل صفا و مرتبہ ولایت مطلقہ۔

طبقہ : ۱

طبقہ : ۲

طبقہ : ۷

طبقہ : ۸

طبقہ : ۹

طبقہ : ۱۰

در بیان مجمل از احوال خواجہ ابواسحاق چشتیؒ

طبقہ : ۱۱

در بیان مجمل از احوال خواجہ ابواحمد چشتیؒ

و خواجہ ابویعقوب نہرجوریؒ و غیرہم

طبقہ : ۱۲

در بیان مجمل از احوال خواجہ ابو محمد چشتیؒ و خواجہ ابوالعباس نہاوندیؒ وغیرہم

طبقہ : ۱۳

حضرت خواجہ یوسف چشتیؒ و حضرت خواجہ ابوالعباس قصابؒ وغیرہم کے مجمل حالات میں

طبقہ : ۱۴
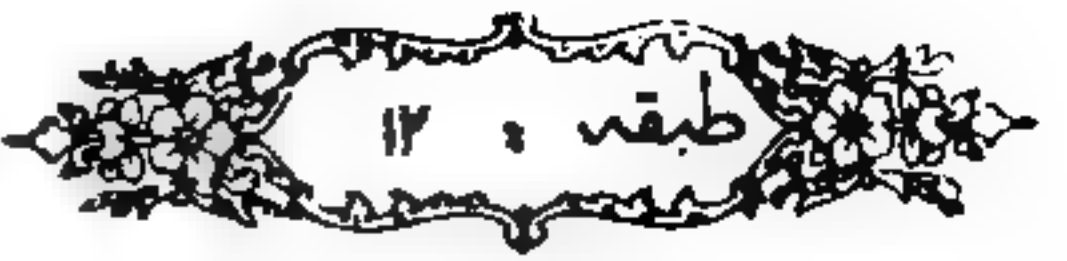
حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی اور حضرت خواجہ احمد بن مودود چشتی وغیرہ کے حالات میں

طبقہ : ۱۵

دربیانِ مجمل از احوال حضرت خواجہ شریف زندنیؒ و خواجہ یوسف ہمدانیؒ وغیرہم

طبقہ : ۱۶

دربیانِ مجملے از احوال حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ و حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ وغیرہم

طبقہ : ۱۷

احوال حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ و شیخ نجم الدین کبریٰ رضی اللہ عنہم

طبقہ : ۱۸

احوال خواجہ قطب الدین بختیار اوشی وغیرہ
شیخ بہاء الدین زکریا و سعدی وغیرہ

طبقہ : ۱۱

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر اجودھنی خلیفہ
[illegible]

طبقہ : ۲۰

شیخ علی صابرؒ اور شیخ نصیر الدین محمود اودھیؒ وغیرہ کے مجمل حالات

طبقہ : ۲۱

در بیان مجملے از احوال شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ و ذکر شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہم

طبقہ : ۲۲

در حالات شیخ جلال الحق والدین پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
و میر سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہم

طبقہ : ۲۳

در بیان شیخ احمد عبدالحق ردولوی
مع فرزندان و دیگر شیخ ز قطب عالم وغیرہ رحمہم مستقلے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مقدّمہ

حالاتِ مصنّف کتاب مراۃ الاسرار کے مصنف کا اسم گرامی حضرت شیخ عبدالرحمٰنؒ ہے آپ سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ مغلیہ خاندان کے بادشاہ جہانگیر اور شاہجہان کے ہمعصر تھے۔ شہنشاہ اورنگزیب کے چند ایام آپ نے دیکھے ہیں۔ نسباً آپ قریشی ہاشمی علوی تھے۔ اور آپ کے آباؤ اجداد کا شمار مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔ آپ کی بیعت حضرت شیخ حمیدؒ سے تھی جو حضرت شاہ احمد عبدالحق رودلوی قدس سرہٗ کے خاندان میں مشہور بزرگ ہو گذرے ہیں۔ روحانی طور پر آپ پر حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ قدس سرہٗ کی چشم عنایت رہی ہے جس کی وجہ سے آپ نے بڑے روحانی مقامات طے کئے نیز حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری قدس سرہٗ کی روحانیت سے بھی آپ نے بہت فیضان حاصل کیا اور حضرت اقدس کے زیر تربیت رہ کر بلند روحانی منازل پر پہنچے۔ نیز نظام باطنی کے تحت آپ شاہانِ مغلیہ کے معاملات کی دیکھ بھال اور حفاظت سلطنتِ اسلامیہ پر بھی مامور تھے۔ ظاہری طور پر بھی آپ کو جہانگیر اور شاہجہان کے دربار میں آنے جانے کے مواقع حاصل تھے اور اکثر مجالس میں آپ کی شرکت رہتی تھی۔ آپ شاہ ابوسعیدؒ کے بڑے دوست تھے جو حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ سے تیسری پشت پر تھے اور اکابر مشائخ میں سے تھے۔ یاد رہے کہ شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ کے نامور مشائخ میں سے ہیں۔ آپ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ آپ کو لاتعداد سلاسل سے روحانی فیضان حاصل تھا اور آپ کی بدولت یہ سارے سلاسل آج تک جاری ہیں۔ یہاں تک کہ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ بھی حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی

قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فخریہ کہا کرتے تھے کہ مجھے پہلی خلافت سلسلہ عالیہ چشتیہ میں ملی ہے۔

خصوصیاتِ کتاب کتاب مراۃ الاسرار کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں اسلام کی گیارہ طویل صدیوں کے اولیار کرام کے حالات، نظریات، منازل و مقامات اور ملفوظات بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اولیار کرام کے حالات اور باطنی احوال کے متعلق اگرچہ لاتعداد کتابیں وجود میں آچکی ہیں لیکن اس قدر طویل عرصے کے اولیار اللہ کا ذکر کسی کتاب میں یکجا نہیں ملتا۔ رسالہ قشیریہ اسلامی تاریخ کی صرف تین صدیوں کے اولیار کرام پر مشتمل ہے، کشف المحجوب چار صدیوں پر، تذکرۃ الاولیار پانچ صدیوں پر، اور نفحات الانس تقریباً سات صدیوں کے اولیائے کرام کے حالات پر مشتمل ہے لیکن مراۃ الاسرار نہ صرف تاریخ اسلام کی گیارہ صدیوں کے اولیاء اللہ کے حالاتِ زندگی اور باطنی احوال پر مشتمل ہے بلکہ مختلف ممالک، مختلف ادوار، مختلف اقوام اور مختلف قسم کے تہذیب و تمدن، عادات و خصائل، حسب و نسب، رنگ و نسل کے اولیار اور مشائخ کی تعلیمات میں جو یکسانیت، وحدتِ فکر، وحدتِ مقصد اور وحدتِ عمل کا جذبہ کارفرما رہا ہے وہ فاضل مصنف نے روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا ہے۔

دوسری خصوصیت اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مصنفؒ نے مسلکِ تصوف کا مطالعہ براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی روشنی میں کیا ہے اور تصوف کی ہر چیز کو قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق پایا ہے۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام، آئمہ اہل بیت، تابعین اور تبع تابعین کی تعلیمات میں بھی زبردست روحانی تربیت اور سلسلہ ہائے بیعت، رشد و ہدایت، اذکار و مشاغل، اخذِ فیضان، اور قرب و معرفتِ حق کے مختلف طرائق و کوائف پر ریسرچ کر کے ثابت کر دیا ہے کہ ان تمام صدیوں کے اولیار کرام کا مسلک و مشرب بعینہٖ وہی تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، ائمہ اہل بیت، تابعین و تبع تابعین کا تھا یعنی عبادات، ریاضات و مجاہدات اور توجہ شیخ نے طالبانِ حق کا تزکیہ نفس کر کے اُن کی روحانی طاقت میں اضافہ

کرنا اور قوتِ پرواز کے ذریعے قرب و وصالِ حق حاصل کرنا۔ بدقسمتی سے یہی وہ چیز ہے جسے علمائے ظواہر نے کھو کر اسلام کے صرف ظاہری ڈھانچے پر اکتفا کر لیا ہے اور جس سے اسلام کو وہ ضعف و زوال لاحق ہُوا کہ جس کا ہم آج مشاہدہ کر رہے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ علمائے ظواہر نے بڑی کاوش اور شد و مد سے اسلام کی ظاہری تعلیمات کو ترویج دی ہے اور اسوۂ حسنہ پر کافی حد تک عمل پیرا ہونے کے لیے جدّ و جہد کی ہے لیکن انہوں نے بدقسمتی سے اُسوۂ حسنہ کے ظاہری پہلو کو مدِنظر رکھا ہے لیکن باطنی پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ یہ بھول گئے کہ اتباعِ نبوی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اتباعِ معنوی یا اتباعِ باطنی، دوسرا اتباعِ صُوری یا اتباعِ ظاہری۔ اتباعِ ظاہری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح زندگی بسر کرنا، عبادت کرنا، جہاد کرنا، غرضیکہ تمام افعال و اقوال میں آپ کی پیروی شامل ہے۔ لیکن اتباعِ معنوی یا باطنی کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالےٰ کے ساتھ جو عشق و محبت، ذوق و شوق، قرب و معرفت، حضوری اور وصال حاصل تھا اسے حسبِ استعداد حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ یہی غرض و غایتِ اسلام ہے اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کا مدعا و مقصد ہے اور اولیاء کرام خلعتِ بارگاہ کی وہ جماعت ہے جنہوں نے نہایت شد و مد سے اتباعِ ظاہری اور اتباعِ باطنی دونوں پر عمل کر کے اپنی قلبی اور ذہنی استعداد کے مطابق قرب و وصالِ حق کی مختلف منازل و مقامات تک رسائی حاصل کی، دولتِ کشف و کرامات سے نوازے گئے اور ذات و صفاتِ باری میں فنا و بقا حاصل کر کے خلافتِ الٰہیہ کا تاج اُن کے سروں پر رکھا گیا اور اسلامی دنیا کے مختلف علاقوں میں ہدایتِ خلق کے لیے مامور من اللہ ہوئے۔

اولیائے کرام کی اس جامعیت یعنی اتباعِ ظاہری و اتباعِ باطنی کو اپنانے سے دو امور واضح ہو جاتے ہیں۔ اوّل یہ کہ علمائے ظواہر کی تعلیمات کے برعکس اسلام صرف ظاہری عبادات و اعمال کا ڈھانچہ نہیں ہے بلکہ حق تعالےٰ کے قرب و معرفت اور فنا و بقا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ دوم یہ کہ اولیاء اللہ کا مشربِ تصوّف، سلوک الی اللہ، طریقت، معرفت اور حقیقت بعد کی چیز نہیں جیسے کہ بعض کج فہم اور کم عقل معترضین کا دعویٰ ہے۔

بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، آئمۂ اہلِ بیت، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کی تعلیمات جدّوجہد اور ساری زندگی کا مقصد و مدعا ہے۔ لہٰذا اس کتاب نے تصوّف، علم روحانیت اور طریقت کے خلاف معترضین خواہ وہ مُسلم ہیں یا غیر مُسلم کے تمام الزامات اور اعتراضات کو قطعی طور پر ختم کر دیا ہے۔ نیز آج کل کی نئی ریسرچ نے بھی یورپ کے غیر مسلم معترضین جن کو اصطلاحِ عام میں مستشرقین (Orientalists) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے پر ثابت کر دیا ہے کہ اسلامی تصوّف کی اصلیت کے متعلق جو اعتراضات اُن کے آباؤ اجداد نے کئے تھے وہ سب غلط اور بے بنیاد تھے۔ اس سلسلہ میں احقر مترجم کی کتاب "مشاہدۂ حق" کا باب پنجم قابلِ ملاحظہ ہے۔ جس میں خود یورپین مصنّف کی اپنی تحریرات سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ تصوّف کی اصلیت (Origin) کے متعلق جتنے نظریات انہوں نے قائم کئے تھے سب غلط اور بے بنیاد ہیں۔ کیونکہ ان کے یہ تمام نظریات ایک دوسرے کی خود تردید کرتے ہیں، مثلاً یورپین مصنّفین کا ایک نظریہ یہ تھا کہ تصوّف عیسائیت کا مرہونِ منت ہے۔ دوسرا نظریہ یہ تھا کہ صوفیاء کرام نے فلسفۂ یونان سے استفادہ کیا۔ تیسرا نظریہ یہ تھا کہ تصوّف ہند و فلسفۂ روحانیت سے متاثر ہوا ہے چوتھا نظریہ یہ تھا یہ بدھ مذہب سے متاثر ہوا ہے لیکن اس کتاب میں دنیا کے مختلف ممالک، مختلف اقوام کے اولیائے کرام کی زندگیوں کے حالات، ان کے باطنی احوال، اور منازل و مقامات کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اولیائے کرام دیگر مذاہب سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ اُنہوں نے دوسرے مذاہب کے بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کو متاثر کیا اور اپنی روحانی قوت کے زور سے اُن کو مسلمان بنا کر قربِ حق کے ایسے بلند مقامات پر لے گئے جن کی گرد تک بھی فلسفۂ یونان، عیسائی روحانیت اور ہندو یا بدھ فلسفۂ روحانیت نہیں پہنچ سکے تھے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ناظرین دیکھ لیں گے جب دیگر مذاہب کے روحانی پیشوا گرجتے ہوئے، دھاڑتے اور چنگھاڑتے ہوئے صوفیاءِ کرام کے مقابلہ کے لیے نکلے تو دیکھو دکھائی کے تمام میلوں میں انہوں نے منہ کی کھائی۔ ذلیل و خوار ہو کر اولیاءِ کرام کے قدموں میں گر کر معافی کے خواستگار ہوئے۔

اور اسلام قبول کر کے بڑے بڑے مراتب کو پہنچے اور پھر مشائخ عظام کی طرح تبلیغ اسلام میں کمربستہ ہو کر اپنے سابقہ بھائی بندوں کو دولت اسلام سے مشرف کیا چنانچہ یہ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے کہ اس نے یکجا ساری دُنیا کے مختلف ممالک اور مختلف اقوام کے اولیاء کرام کے حالات پیش کر کے صوفیائے اسلام کے خلاف اس سب سے بڑے الزام کو خاک میں ملا دیا ہے۔

تیسری خصوصیت کتاب مراۃ الاسرار کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ گیارہ صدیوں کی اسلامی روحانیت کی تاریخ پیش کر کے فاضل مصنف نے علماء ظواہر کے ان غلط الزمات اور تمام توہمات و خدشات کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ کہ صوفیائے کرام کے مجالس سماع، عرائس، قبروں پر اجتماعات، نذر و نیاز کی رسومات جن کو بدعت جیسے قبیح اسم سے موسوم کیا گیا ہے اسلام کی صورت بگڑ جائے گی اور کوئی نیا مذہب وجود میں آ جائے گا بلکہ مطالعہ کتاب سے جو حقیقت سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام نے ہر صدی میں اسلام کی جو صورت پیش کی ہے وہ بعینہٖ وہی صورت ہے جو جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش کی تھی۔ ان حضرات نے تن من دھن کی بازی لگا کر جس جوش و خروش اور ذوق و شوق سے کفر و شرک کی خفیف سے خفیف اقسام کا کھوج لگایا اور سنت نبوی کے ظاہری اور باطنی پہلو پر جس شدّ و مد سے عمل پیرا ہوئے اسے دیکھ کر مخالفین بھی عش عش کر تے ہیں حضرت شیخ بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے ساری عمر خربوزہ اس لیے نہیں کھایا کہ معلوم نہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کاٹ کر کھایا تھا اور ممکن ہے غلط عمل سے ترک سنت کے گناہ کے مرتکب ہو جائیں۔ حضرت شیخ جنید بغدادی قدس سرہٗ نے جب بارگاہ ایزدی میں دعویٰ کیا کہ ساری عمر شرک نہیں کیا تو حق تعالیٰ نے شرک کی خفیف ترین قسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم شب شیر بھول گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک رات حضرت جنید قدس سرہٗ کے پیٹ میں درد پیدا ہوا جو گرم دودھ پینے سے رفع ہو گیا۔ جب کسی دوست کے سامنے بیان کیا کہ گرم دودھ سے شفا ہو گئی ہے تو حق تعالیٰ نے انہیں متنبہ فرمایا کہ گرم دودھ سے نہیں بلکہ

رحمتِ حق سے شفا ہوئی تھی۔

شہنشاہِ ہند سلطان علاؤالدین خلجی ساری عمر کوشش کرتا رہا کہ ایک بار حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی زیارت نصیب ہو جائے لیکن آپ نے اجازت نہ دی۔ آخر تنگ آکر بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ اب میرا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے اب بغیر اجازت حاضرِ خدمت ہوں گا اس پر حضرت شیخ نے کہلا بھیجا کہ بحمد اللہ میرے گھر کے دو دروازے ہیں اگر تم ایک دروازے سے داخل ہوئے تو میں دوسرے دروازے سے نکل کر باہر چلا جاؤں گا۔

سلطان محمود غزنوی نے جب حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی تو آپ نے کہلا بھیجا کہ پیاسا کوئیں کے پاس چل کر جاتا ہے نہ کہ کنواں پیاسے کے پاس۔ اس کے بعد بادشاہ نے خود ان کے درِ دولت پر جا کر حاضری دی۔

ہمارے شیخ حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ صاحب قدس سرہٗ کو جب ریاست حیدرآباد دکن کے وزیراعظم مہاراجہ سری کرشن پرشاد نے اپنے گھر پر آنے کی دعوت دی تو آپ نے اسکے خط کی پشت پر لکھ دیا کہ ہمارے ملنے کا وقت دس سے بارہ بجے تک ہے اس کے بعد وہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وظائف طلب کیے۔ یہ ہے کمال ترک و توکل اور دنیاوی دولت اور جاہ و جلال سے اجتناب، غرضیکہ ماسوائے اللہ سے اجتناب اور حق تعالےٰ کے کمال خلوص میں تمام اولیاء کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نمونہ اور جیتی جاگتی تصویر تھے۔ اور یہی وہ بات ہے کہ جس کی وجہ اسلام تند و تیز آندھیوں اور طوفانوں کے باوجود آج تک زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ورنہ علمائے ظواہر نے تو اتباع نبوی کے باطنی پہلو کو زندگی سے خارج کر کے اسلام کو بالکل مسخ کر دیا تھا اور ساری دنیا میں خود بھی مضحکہ خیز بنے ہیں اور اپنے اسلام کو مضحکہ خیز بنا لیا ہے۔ آج کل کیوں لفظ ملاں یا مولوی کو تنفر کے لہجے میں استعمال کیا جاتا ہے اس لیے کہ ان حضرات کے کردار نے اسلام کی جو صورت پیش کی ہے وہ ایسی ہے کہ اس میں کوئی جاذبیت اور کشش نہیں ہے اس کے برعکس اولیائے کرام کی زندگیوں میں وہ مقناطیسی اثرات ہیں کہ لوگ دور دور سے کھچ کر ان کے پاس پہنچ جاتے

ہیں اور تسکینِ قلب حاصل کرتے ہیں۔ حضرت شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہٗ
نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں اولیائے کرام کی زندگی کے جو حالات بیان فرماتے ہیں ان
کو اور دوسری تصوف کی کتابیں پڑھ کر یورپ اور امریکہ کے بیشمار لوگوں نے اسلام قبول
کر لیا ہے، باوجودیکہ مسلمانوں کی حالت خراب ہے اور اقوام مغرب کو بڑا اقتدار حاصل ہے
یہ ہے فرق اولیائے کرام کی تعلیمات اور علمائے ظواہر کی تعلیمات کے درمیان۔
اسی طرح اس کتاب مراۃ الاسرار میں بھی اولیاء کرام کی زندگیوں کے ایسے محیّر العقول
واقعات بیان کئے گئے ہیں، عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

مقصدِ اشاعت کتاب

کتاب ہذا کی اشاعت کا مقصد بھی یہی ہے کہ آج کل کے الحاد اور دہریت کے
دور میں حقیقی اسلامی زندگی یعنی بندہ اور مولا کے درمیان قرب و معرفت اور محب و
محبوبیت کے جو بے مثل و بے مثال تعلقات ہیں ان سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔ کیونکہ

اسلام کیلئے سب سے بڑا چیلنج

ہمارے زمانے میں ہم مسلمانوں کو اور اسلام کو
جو سب سے بڑا خطرہ لاحق ہے وہ یہی تہذیبِ مغرب
کا بے پناہ طوفان ہے جس نے دنیا کے ہر ملک، ہر گھر اور ہر فرد بشر کو گھیرے میں ڈال
لیا ہے اور جس سے بچنے کی اسلام کی زبردست روحانیت کے سوا کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔
ذاتِ باری تعالےٰ کے مکمل یا جزوی انکار اور مذہبی اقدار سے روگردانی کی وجہ
اہل مغرب کے دماغ اس قدر مسخ ہو گئے ہیں۔ ان کے ہاں حق و باطل اور خیر و شر کی تمیز نہیں
رہی۔ لہٰذا اب وہ لوگ شر کو خیر، باطل کو حق، تخریب کو تعمیر، بے ایمانی کو ایمانداری،
اور مکر و فریب کو بہترین پالیسی کہہ کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک حق وہ ہے جو ان
کی اپنی قوم اور اپنے افراد کے حق میں مفید ہے، خواہ دوسروں کے حق میں وہ کتنا مضر ہو۔
کمزور قوموں کے خون کی ندیاں بہانا، بستے ہوئے شاداب شہروں کو تباہ و برباد کرنا،
لاکھوں کو یتیم اور بیوہ بنانا ان کے نزدیک بالکل جائز بلکہ مستحسن ہے، بشرطیکہ ان کی قوم

کی اس میں بہتری ہو۔ ایک دوسرے پر فوقیت اور برتری حاصل کرنا موجودہ نظریۂ نیشنلزم کا بنیادی اصول ہے اور یہی وہ بات ہے جو بین الاقوامی خلفشار اور جنگ و جدال کو ہوا دے رہی ہے اور جس نے دنیا کو جہنم کدہ بنا دیا ہے۔

تہذیب مغرب کی دوسری بڑی لعنت یہ ہے کہ ہر قوم اور ہر فرد بیشتر پورا زور جسمانی خواہشات کے پورا کرنے پر لگا رہا ہے اور روحانی ضروریات کو ہر شخص بھول چکا ہے، چونکہ انسان مجموعہ ہے روح اور جسم کا۔ جس طرح جسم کو مادی غذا کی ضرورت ہے اسی طرح رُوح کو روحانی غذا کی یعنی ذکر اللہ اور قرب حق کی ضرورت ہے۔ جس طرح جسم غذا نہ ملنے سے بے چین ہو جاتا ہے رُوح بھی غذا نہ ملنے کی وجہ سے سخت بیقرار ہوتی ہے۔ چنانچہ موجودہ دنیا کی بے چینی، انتشار، اور جنگ و جدال کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جہاں آجکل کے انسان نے سائنس کی تمام ایجادات کو جسمانی اور نفسانی خواہشات کے پورا کرنے پر لگا رکھا ہے رُوح کو اس کی فطرتی غذا بہم پہنچانے کا کوئی انتظام نہیں کیا اور نتیجہ آپ کے سامنے ہے اور ہر قوم دوسری قوم کی دشمن نظر آرہی ہے۔ مولانا رُوم سچ کہہ گئے تھے ؎

علم را بر تن زنی مارے بوَد علم را بر جاں زنی یارے بود

یعنی اگر تو سائنس کو نفسانی خواہشات پورا کرنے پر لگائے گا تو زہر قاتل ثابت ہوگا اگر تو اُسے روحانی ضروریات پورا کرنے پر صرف کرے گا تو یار و مددگار ثابت ہوگا۔

اہلِ مغرب کی گمراہی کی بڑی وجہ

یوں تو مغربی دنیا کی مذہب سے بغاوت کی کئی وجوہات ہیں لیکن سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عیسائی مذہب میں یا اس کی مسخ شدہ صورت میں ایسے خلاف عقل (Irrational) اور خلاف فطرت (Un-Natural) عقاید اور روایات مروّج ہو گئے تھے جو بنی نوعِ انسان کی ترقی میں بُری طرح سے حائل تھے۔ مثلاً عیسائی مذہب میں رہبانیت یعنی ترک دُنیا ضروری تھا اور دنیا داری کے کاموں میں حصہ لینا گناہ کا کام سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح شادی کرنا بھی مذہبًا ناجائز تھا۔ عورت کو تمام برائیوں کی جڑ تصور کیا جاتا تھا

خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور اللہ تعالیٰ کو ان کا باپ مانا جاتا تھا۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نام نہاد پھانسی سے ساری اُمت کے گناہ معاف ہونے کا عقیدہ بھی عقل تسلیم نہیں کرتی تھی۔ اسی طرح آدم علیہ السلام اور حوّاؑ کے بنیادی جرم (Original Sin) کی وجہ سے ہر بچے کا گنہگار پیدا ہونا بھی خلاف عقل تھا ان تمام خلاف عقل اور خلاف فطرت عقاید کی وجہ سے یورپ بھر میں مذہب کے خلاف لاوا ایک رہا تھا لیکن شاہانِ وقت کی پشت پناہی سے مذہبی پیشواؤں نے عوام الناس کو بُری طرح سے دبا رکھا تھا اور بدترین قسم کی درندگی، جہالت اور بربریت کا دَور دورہ تھا یہی وجہ ہے تاریخ عالم میں اس زمانے کو یورپ کا تاریک ترین دَور (Dark Ages) کہا جاتا ہے۔ غرضیکہ ان حالات میں یورپ کے اربابِ عقل و دانش نے عیسائی مذہب کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور عملاً اپنے مذہب کو زندگی سے خارج کر دیا۔ چونکہ نظریۂ خیر و شر اور حق و باطل کا سرچشمہ ہمیشہ مذہب ہی رہا ہے۔ مذہبی اقدار کو خیر باد کہہ کر اہلِ یورپ پوری طرح بے لگام ہو گئے اور حق و باطل کی تمیز سے یکسر بیگانہ ہو گئے اور یہی رفتارِ بے ڈھنگی اب بھی باقی ہے بلکہ ہر روز ترقی پر ہے۔

اسلام کی طرف ایک قدم اگر غور سے دیکھا جائے تو اہلِ مغرب کی مذہب یعنی عیسائی مذہب سے بغاوت اسلام کی طرف ایک قدم تھا کیونکہ اسلام بھی عیسائیت اور دیگر مذاہب کے انہی کے خلاف فطرت اور خلاف عقل عقاید اور روایات کو ختم کرنے کے لیے آیا تھا جن کے خلاف اہلِ مغرب نے علم بغاوت بلند کیا۔ اس لحاظ سے ان عقائد کو ختم کرنے میں اہلِ مغرب نے قرآنی تعلیمات پر عمل کیا۔ لہٰذا ہم مسلمان اور عیسائی مذہب کے خلاف بغاوت کرنے والے ہم خیال ہوئے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اہلِ مغرب کو اس حقیقت سے آگاہ کیا جائے اور اسلامی احوال سے ان کو روشناس کرایا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ عیسائیت سے باغی ہو کر نادانستہ طور پر وہ لوگ اسلام کی طرف آگے بڑھے ہیں۔

اسلام کی جامعیت علاوہ ازیں اہلِ مغرب کو اس بات سے آگاہ کرنے کی ضرورت

ہے کہ اسلام میں رہبانیت اور ترک دُنیا ناجائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام (اسلام میں ترکِ دنیا ناجائز ہے) اسلام مادی ترقی پر بھی اُسی طرح زور دیتا ہے جس طرح کہ وہ روحانی ترقی پر زور دیتا ہے۔ قرآن عظیم نے اعلان کر دیا کہ جو شخص اپنی دنیا نہیں سنوار سکتا وہ اپنا دین بھی نہیں سنوار سکتا۔ اس لیے خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں بنی نوع انسان کو اس جامع دُعا کی تعلیم دی رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً (اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھی بہتری عطا کر اور آخرت میں بھی) جہاں عیسائیت میں سائنس اور علوم و فنون کی مخالفت پر زور دیا جاتا تھا اور سائنس دانوں اور دانش وروں کو چُن چُن کر تختۂ دار پر لٹکایا جاتا تھا قرآن عظیم نے بنی نوعِ انسان کو کائنات کی نیرنگیوں کا مشاہدہ کرنے اور ہر چیز میں حکمت (سائنس) کے بیش بہا خزانے تلاش کرنے کا حکم دیا۔ پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان کر دیا کہ حصُول علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ عالم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ پاک ہے۔ آپؐ نے فرمایا علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ قرآن اور حدیث کے ان احکام نے مسلمانوں کے قلوب میں رموز کائنات معلوم کرنے کا جوش پیدا کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت جب کہ شاہانِ یورپ اپنا نام لکھنا سیکھ رہے تھے مسلمانوں نے سائنس کے میدان میں وہ ایجادات کیے کہ جن سے مورخ دنگ ہیں۔

تہذیبِ مغرب کو کہاں تک اپنایا جاسکتا ہے

اس سے ظاہر ہے کہ اسلام مادی ترقی کے خلاف نہیں ہے بلکہ مادی ترقی پر بھی اتنا زور دیتا ہے جتنا کہ روحانی ترقی پر۔ لہذا اسلام میں دنیا کا ہر کام عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ اسلام نے تجارت کو بھی عبادت قرار دیا۔ کھیتی باڑی کو بھی عبادت قرار دیا۔ بال بچوں کی پرورش کو عبادت بتا دیا۔ غرضیکہ ہر کام میں ایسی لِلّٰہیت بھر دی کہ نہایت ہی قلیل عرصہ میں مسلمانوں نے مادیت اور روحانیت کے میدان میں ترقی کرتے ہوئے علوم و فنون کو ترقی دی۔ موجودہ سائنس کی تمام شاخوں کی بنیاد ڈالی اور

یورپ کے تاریک ترین دور کو پاش پاش کر دیا۔ لہذا تہذیب مغرب کی جس چیز کو ہم نے ترک کرنا ہے وہ اس کی مادی ترقی اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی نہیں ہے۔ بلکہ اقوام مغرب کے وہ غلط نظریات، انسان کے بنائے ہوئے غلط قوانین اور خلاف عقل اور خلاف فطرت اصول ہیں جن کی وجہ سے وہ لوگ اقتصادی خوشحالی کے باوجود آج کل سخت بے چین اور آپس میں لڑ رہے ہیں۔ مہلک سے مہلک تر ہتھیارات اور ایٹم بم، میزائل اور راکٹ تیار کرنے کی دوڑ میں وہ اس قدر پھنس چکے ہیں کہ اس سے رہائی مشکل نظر آتی ہے۔ بالفاظ دیگر جس دیو کو ان لوگوں نے سائنس کے ذریعے پیدا کیا ہے اب وہ ان کو نگل جانے کے لیے منہ کھولے کھڑا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اب مکمل تباہی سے بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ لیکن کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ اب وہ گندے چکر (Vicious Circle) میں پھنس چکے ہیں۔ نیز اپنی رُوح کو مسلسل اس کی قدرتی غذا یعنی ذکر اللہ اور قرب حق سے محروم رکھ کر وہ لوگ ایسی روحانی بے قراری میں مبتلا ہو چکے ہیں کہ طرح طرح کی دماغی امراض کا شکار ہو گئے ہیں، کس قدر حیرت کی بات ہے مغربی ممالک میں عیش و عشرت کے سامان کی فراوانی کے باوجود وہاں کے ہر شہر کے تمام ہسپتالوں میں پچاس فیصدی سے زائد بستر صرف دماغی امراض کے مریضوں کے لیے مخصوص ہیں، ان امراض سے نجات حاصل کرنے کے لیے انہوں نے نشہ آور ادویات کی طرف رجوع کیا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ اب ان ملکوں میں نیند آور گولیوں کے بغیر کوئی سو نہیں سکتا۔ لندن کا ایک بہت بڑا ڈاکٹر اس لیے مسلمان ہو گیا کہ اس نے دیکھا کہ دورہ کرنے والی تبلیغی جماعت کے لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر سو گئے اور فوراً خراٹے لینے لگے۔ امریکہ میں نشہ آور ادویات کا اس کثرت سے استعمال ہو رہا ہے کہ ہر جوان اور بچے کی جیبیں نشہ آور ادویات سے بھری رہتی ہیں۔ قتل اس قدر عام ہو گیا ہے کہ امریکہ کے اعداد و شمار کے مطابق وہاں ہر دو منٹ کے بعد ایک قتل ہوتا ہے۔ ہوٹلوں میں ڈبل لاک (دہرا قفل) سسٹم ہے ورنہ شکاری لوگ کمروں میں گھس کر مہمانوں کو قتل کر دیتے ہیں اور یہ کام وہ تیتر اور بٹیر کے شکار کے عام مشغلے کی طرح کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کا جنون ہے جو ذات باری تعالیٰ کے مسلسل

انکار اور رُوح کو اس کی فطرتی غذا سے محروم رکھنے کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ ویسے تو دولت مند مغربی ممالک میں خودکشی کا ارتکاب غریب مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے لیکن اقوامِ متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا میں سب سے زیادہ خودکشی کی واردات سوئٹزرلینڈ جیسے ملک میں ہوتی ہے جو کشمیر کی طرح جنت نظیر ہے اور جہاں عیش و عشرت کی کوئی حد نہیں اور طرّہ یہ کہ بین الاقوامی معاہدوں کی وجہ سے وہ ملک گذشتہ عالمگیر جنگوں سے بھی محفوظ رہا ہے اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مادیت (Materialism) اور لادینیت (Secularism) جیسے ناپاک اور زہریلے نظریات نے بنی نوعِ انسان کو کس قدر تباہ حال کر دیا ہے۔

اب دُنیا کو روحانیتِ اسلام ہی بچا سکتی ہے

بس اب تو صرف ایک امید باقی رہ گئی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی روحانیت کی بلندیوں اور پُرسکون زندگی سے ان بے لگام لوگوں کو آگاہ کیا جائے تاکہ ان کے بےچین دلوں کو تسکین حاصل ہو اور افراط و تفریط سے نجات حاصل کر کے زندگی کے حقیقی مقصد کا تعین کر سکیں، مادی اور رُوحانی ترقی کو زندگی میں جائز مقام دے کر ان کے مابین توازن پیدا کر سکیں اور خدا تعالےٰ کے بنائے ہوئے قوانین کی روشنی میں حق و باطل اور خیر و شر کے درمیان تمیز کر سکیں روحانی ترقی سے مُراد وہی ذکر اللہ اور قرب و وصالِ حق ہے جو ایمان باللہ اور عبادات کی کثرت سے حاصل ہوتا ہے اور جس کی بدولت آدمی بمصداق حدیث تخلقوا باخلاق اللہ اور بی یبصر و بی یسمع حق تعالےٰ کی ذات و صفات میں فنا حاصل کر کے صفاتِ باری تعالےٰ سے متصف ہوتا ہے اور حقیقی معنوں میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے بمصداق منصبِ خلافت نیابتِ الٰہیہ کے قابل ہوتا ہے۔ اس وقت وہ انسانِ کامل، عارف باللہ، واصل باللہ اور مقربِ بارگاہ بن جاتا ہے اور اس کی ہدایت کے نتیجے عوام الناس بھی قرب و وصالِ حق کی منازل طے کرتے ہیں۔

حق تعالےٰ تک رسائی حاصل کرنا آسان ترین کام ہے

اولیاء کرام کا کہنا ہے کہ

دنیا میں آسان ترین کام حق تعالےٰ تک رسائی حاصل کرنا ہے اور یہ صحیح ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ میری طرف ایک بالشت آگے بڑھتا ہے تو میں دو بالشت اس کی طرف بڑھتا ہوں اور جب وہ ایک ہاتھ آگے بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ آگے بڑھتا ہوں اور جب کوئی شخص چل کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کر اُس کی طرف بڑھتا ہوں۔ اب بتائیے کہ دنیا میں اور کون سی چیز یا کون شخص ہے جو آپ کی طرف اس شوق و ذوق سے آگے بڑھتا ہے۔ نیز یہ بھی یاد رکھیں کہ اللہ تعالےٰ کا قدم کتنا لمبا ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ گھر میں بیٹھے اپنے دل میں اس کی طلب پیدا کریں تو وہ آپ کو گھر پر ملیں گے۔ دور جانے کی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔ اور حق تو یہ ہے کہ یہ طلب بھی وہ خود آپ کے دل میں پیدا کرتے ہیں مغربی فرماتے ہیں:-

تا نگشد از و طلب طالبِ او کسے نشد   ایں ہمہ جستجوئے ما ہست ز جستجوئے او

(جب تک دوست کی طرف سے طلب نہ ہو اس کا طالب کوئی نہیں ہو سکتا یہ جو ہمارے دل میں اس کی جستجو ہے یہ دراصل اس جستجو کا نتیجہ ہے جو وہ ہمارے لیے کر رہا ہے)

حضرت غوث الاعظمؒ کا الہام

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے الہامات جمع کیے ہیں۔ پہلا الہام یہ ہے یا عبدالقادر خیرُ الطّالبُ انا وخیرا لمطلوب الانسان، اے عبدالقادر بہترین طالب میں ہوں اور بہترین مطلوب انسان ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ حق تعالےٰ کا قرب و وصال کس قدر آسان ہے اور حق تعالےٰ کا انسان پر کتنا بڑا کرم ہے کہ خود ہی انسان کے طالب ہیں خود ہی انسان کے دل میں طلب پیدا کرتے ہیں اور خود ہی مطلوب بن کر سامنے آجاتے ہیں۔ اس لیے ہم مسلمانوں کو پست ہمت نہیں ہونا چاہیئے بلکہ نہایت مستعدی کے ساتھ آگے بڑھ کر اقوام مغرب کو اسلام کی روحانیت سے روشناس کرانا چاہیئے۔ یہ دولت ایسی جاذب اور دلکش ہے کہ لوگ خود بخود دیکھ کر آپ کی طرف دوڑنا شروع کر دیں گے۔

ایک اور خوشخبری

ہزار خوشخبریوں کی ایک اور خوشخبری یہ ہے کہ آجکل روس جیسے

بے دین اور ملحد ملک میں رُوح کی حقیقت معلوم کرنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے بلکہ مشرقی یورپ کے تمام ملکوں میں بھی یہی لہر دوڑ چکی ہے اور سرکاری تجربہ گاہوں میں رُوح اور عالم مثال کے اجسام کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے بڑی تیزی سے تجربے ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اب انہوں نے اورا ۔۔۔۔ اور آسٹرل باڈیز ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
(Aura and Astral Bodies) کے طاقت ور کیمروں کے ذریعے فوٹو بھی لے لیے ہیں نیز اسلامی روایات کے مطابق وہ فرشتوں کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے تازہ مُردوں کی قبروں میں کیمرے رکھ کر فوٹو بھی لیتے ہیں۔ لیکن وہاں ان کے کیمرے پھٹ جاتے ہیں اس سے وہ لوگ اور بھی زیادہ فرشتوں کی ہستی کے قائل ہو رہے ہیں۔ ٹیلی پیتھی اور پیرا سائیکالوجی کے ذریعے وہ دور دراز مقامات پر پیغام بھیجنے اور گفتگو کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے ہیں نیز روحانی قوت کے ذریعے وہ وزنی چیزوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے تجربوں میں بھی کامیاب ہو رہے ہیں اور کشف و کرامات کے ذریعے دُور کی چیزیں دیکھنے اور سننے کے تجربے بھی کر رہے ہیں۔ روس میں یہ انقلاب دیکھ کر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ رفتار جاری رہی اور انشاء اللہ ضرور جاری رہے گی تو روس سب سے پہلے مسلمان ہو گا۔ بشرطیکہ ہم مسلمان بھی اپنی روحانی تعلیمات سے اُن کو آگاہ کرنے کی جدوجہد کریں۔
آپ یقین جانیں کہ اس گئے گزرے دَور میں بھی جب کہ مسلمانوں کی حالت خراب ہے اور دنیا میں غیر مسلم اقوام کو مکمل اقتدار حاصل ہے۔ یورپ اور امریکہ کے لوگ خود بخود حضرت سید علی ہجویری ؒ کی کتاب کشف المحجوب اور دیگر تصوّف کی کتابوں کا مطالعہ کر کے بڑی تعداد میں مسلمان ہو چکے ہیں اور ان ممالک میں اسلامی روحانیت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا بے حد شوق پایا جاتا ہے۔ اگرچہ ہندوؤں اور بُدھوں کی طرف سے اپنا فلسفۂ روحانیت پیش کرنے کی مہم بڑی باقاعدگی سے جاری ہے لیکن اس کے باوجود وہاں کے لوگ زیادہ کثرت سے اسلامی روحانیت کی طرف آ رہے ہیں کیونکہ خدا کے فضل و کرم سے اسلامی روحانیت کے اندر وہ جاذبیت اور وہ بلندی ہے کہ باقی مذاہب کے روحانی فلسفے اس کی گرد کو بھی نہیں چھو سکتے۔

لہٰذا یہ کام مشکل نہیں بلکہ بہت آسان ہے خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں کے پاس اس کام کو کرنے کے لیے ذرائع بھی موجود ہیں اور مطلوبہ قابلیت بھی موجود ہے کسی چیز کی کمی نہیں ہے اگر کمی ہے تو صرف ہمت اور تنظیم (Courage and Co-Ordination) کی ہے اور اللہ تعالےٰ کی مہربانی سے یہ کمی بھی پوری ہو سکتی ہے کیونکہ اس بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں کافی شوق پایا جاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ تک رسائی کس طرح ہو سکتی ہے

اب ہم ناظرین کو ایک نہایت ہی اہم بات بتا کر نہایت ہی اہم مسئلہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ جو ہم نے قرب و وصالِ حق اور فنافی اللہ اور بقا باللہ کی باتیں کی ہیں یہ محض زبانی الفاظ نہیں ہیں نہ ماضی کے قصہ ہائے پارینہ ہیں بلکہ عملی اور قابلِ حصول چیزیں ہیں اور آج بھی اسی آسانی کے ساتھ حاصل کی جا سکتی ہیں جس طرح کے گذشتہ زمانے میں۔ بلکہ جو لوگ اپنے آپ کو اس وجہ سے ان منازل کے حصول کے قابل نہیں سمجھتے کہ عشق و محبت کی فراوانی کی وجہ سے مجبورًا وہ دوسری لائن اختیار کر چکے ہیں ان لوگوں کے لیے یہ خوشخبری ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اولیاء اللہ حصول قرب و وصالِ حق کے لیے سب سے زیادہ موزوں اور اس لائن کا بہترین خام مال (Raw Material) تصور کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے یہی عشق و محبت ہی وہ جنس ہے کہ جس کی اس کوچے میں بڑی قدر و منزلت ہے اور یہی وہ سٹیم ہے جو ان کو نہایت تیزی سے منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے۔ ضرورت صرف کانٹا بدلنے کی ہوتی ہے کچھ عرصہ مجاز پر لے جا کر شیخ کامل ان کا کانٹا حقیقت کی لائن پر بدل دیتے ہیں اور عاشق صادق اس تیزی سے منازل طے کرتا ہے کہ عبادات و مجاہدات والے حضرات منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ غیر اللہ کا جنگل جو انسان کے قلب پر حاوی ہوتا ہے اس کو صاف کرنے کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ کلہاڑہ لے کر ہر درخت کو جڑ سے نکالا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جنگل کو آگ لگا کر آن کی آن میں صاف کر دیا جائے۔ طریق مجاہدہ اور طریق عشق میں یہی فرق ہے اس لیے جن لوگوں کو عام مذہبی پیشوا اس لیے حقارت کی نظر سے دیکھ کر خارج

از بحث قرار دیتے ہیں کہ اُن کی طبیعت میں عشق و مشک بھرا ہے حضرات اہل اللہ اُن کو سب سے زیادہ پسند فرماتے ہیں۔ کیونکہ درد بڑی دولت ہے حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

درد حاصل کن کہ درماں درد تست　　در دو عالم دار وئے جان درد تست

کفر کافر را و دیں دیندار را　　ذرہ دردت دلے عطار را

مولانا رُوم فرماتے ہیں ؎

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما　　اے طبیب جملہ علت ہائے ما

ملتِ عشق از ہمہ دینہا جُدا است　　عاشقاں را ملت و مذہب خدا است

سلوک الی اللہ اولیائے کرام نے حق تعالےٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے جو کورس مقرر کیا ہے اُسے سلوک الی اللہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے

اس کورس میں اسلام کی تمام عبادات یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تلاوت وغیرہ کے علاوہ کچھ زائد کام بھی کرنا پڑتا ہے تاکہ یہ رُوحانی سفر جلدی طے ہوجائے۔ یہ زائد کام اوراد، وظائف اذکار، مشاغل اور مراقبات پر مشتمل ہوتا ہے جس سے جلدی تزکیہ نفس ہوتا ہے جسمانی یا نفسانی خواہشات کا زور کم ہوتا ہے اور رُوح میں قوت پرواز پیدا ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ انسان مجموعہ ہے روح اور جسم کا۔ روح عالم قدس کی چیز ہے اور اس کا تقاضا اوپر کی جانب کشش کرنا ہے اس کے برعکس جسم عالم ناسوت کی چیز ہے اور سفلی یعنی نیچے کی طرف کشش کرتا ہے تمام اسلامی عبادات، مجاہدات، اور ریاضات کا مقصد یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کو کم کیا جائے اور روح کو اُس کی حقیقی خوراک یعنی ذکراللہ سے قوی کر کے اس کے اندر قوتِ پرواز پیدا کی جائے۔ نیز انسان کے جسم کے اندر چھ لطائف یا روحانی مرکز ہیں جن پر ذکراللہ کی ضربیں لگا کر ان کو زندہ کیا جاتا ہے۔ زندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر ذکراللہ جاری ہو جاتا ہے اس کے بعد انسان کا پورا گھر روشن ہو جاتا ہے۔ پہلا لطیفہ ناف پر ہے۔ جسے لطیفہ نفس کہتے ہیں، دوسرا لطیفہ قلب کہلاتا ہے جس کا مقام بائیں پہلو میں ہے تیسرا لطیفہ روح ہے جس کا مقام دائیں پہلو میں ہے۔ چوتھا لطیفہ سِر ہے جس کا مقام لطیفہ قلب و

روح کے درمیان ہے۔ پانچواں لطیفہ خفی ہے جس کا مقام وسطِ پیشانی ہے۔ چھٹا لطیفہ اخفیٰ ہے جس کا مقام سر کی چوٹی میں ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ یہ لطائف کیا ہیں رُوح کے مختلف پہلو یا اس کے صفات ہیں۔ چنانچہ سلوک الی اللہ میں ان تمام لطائف پر ذکر اللہ یا ذکر نفی اثبات وغیرہ کی ضربیں لگائی جاتی ہیں۔ جن سے یہ لطائف زندہ اور روشن ہو کر انسان کی روح کو منور کر دیتے ہیں۔ جب رُوح میں نورانیت اور لطافت پیدا ہوتی ہے تو روح باری تعالےٰ یا ذاتِ باری تعالےٰ میں فنا ہو جاتی ہے اور اللہ ہی اللہ باقی رہ جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ نوافل یعنی زائد عبادت کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں قریب ہو جاتا ہوں یہاں تک میں اس کے کان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سنتا ہے میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے پکڑتا ہے میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے چلتا ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جو کچھ وہ مجھ سے چاہتا ہے میں عطا کرتا ہوں۔ اب آپ خیال فرما سکتے ہیں جو آدمی اللہ کی آنکھوں سے دیکھے اور اللہ کے کانوں سے سُنے تو وہ کیا نہیں دیکھ اور سُن سکتا اور یہی اسلامی زندگی کے تمام کشف و کرامات، القا اور الہام کا راز ہے۔

لیکن ذاتِ حق میں فنا ہو کر سالک ہمیشہ کے لیے وہاں نہیں رہ جاتا ہے۔ اگر ہمیشہ کے لیے وہاں رہ جائے تو یہ رہبانیت ہے جو ہندو، بدھ اور عیسائی مذاہب میں کمال سمجھا جاتا ہے لیکن اسلام میں نقص سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس حالتِ استغراق میں رہ کر آدمی ہمیشہ کے لیے کھویا جاتا ہے اور کسی دوسرے کام کا نہیں رہتا۔ اسلامی زندگی میں فنا آخری مقام نہیں ہے بلکہ فنا کی محویت اور استغراق میں حق تعالےٰ کی صفات سے متصف ہو کر آدمی اپنے پہلے مقام پر واپس آتا ہے اور منصبِ امامت یا خلافتِ الٰہیہ پر متمکن ہو کر امورِ زندگی سرانجام دیتا ہے۔ رشد و ہدایت خلق میں مشغول ہوتا ہے۔ شادی بیاہ کرتا ہے، جہاد کرتا ہے، سیاست میں حصہ لیتا ہے۔ اس تنزل یا دوبارہ نیچے آنے کا نام "عبدیت" "عبودیت" یا بقا باللہ ہے اور یہی انسانی زندگی کی بلند ترین منزل ہے اور یہی عبدیت خاصہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی نیچے آکر پھر اوپر نہیں جاتا۔ بلکہ جب آدمی چاہتا ہے اوپر چلا جاتا ہے جب چاہتا ہے نیچے آجاتا ہے اس میں کوئی وقت نہیں لگتا۔ چشم زدن میں اُوپر چلا جاتا ہے اور چشم زدن میں نیچے آجاتا ہے۔

لذّتِ قُرب مقامِ فنا پر پہنچ کر سالک پر اس قدر محویت طاری ہوتی ہے اور ایسی لذت حاصل ہوتی ہے کہ دنیا کی کوئی لذت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام لذات کا احساس صرف لطیفۂ نفس یا لطیفۂ قلب میں ہوتا ہے جو سب سے زیریں اور کم درجہ لطائف ہیں لیکن قرب اور وصال باری تعالےٰ میں پہنچ کر جو لذّت حاصل ہوتی ہے اس کا احساس لطائف رُوح، سِرّ، خفی اور اخفیٰ میں محسوس ہوتی ہے جو لطیفۂ نفس و قلب سے کئی درجہ زیادہ قوی اور ارفع و اعلیٰ ہیں۔
ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ قربِ حق میں پہنچ کر ہمیں اس قدر لذت محسوس ہوتی ہے کہ اگر بادشاہوں کو اس کا علم ہو جائے تو تلواریں لے کر ہمارے سر پر آجائیں۔ کس قدر بدقسمتی اور محرومی کی بات ہے کہ جن دنیاوی لذات مثل خورد و نوش راگ رنگ، عشق و محبت اور حُسن پرستی کی وجہ سے لوگ مذہبی زندگی سے گریز کرتے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ ان دنیاوی اور جسمانی لذات سے ہزاروں لاکھوں کروڑوں گنا زیادہ لذات جن میں حسن و جمال کی جلوہ گری بھی شامل ہے، محبوبِ حقیقی کے قُرب اور وصال میں ہے اس کے علاوہ اسرار و رموزِ کائنات اور کشف و کرامات کی دولت بھی حاصل ہوتی ہے جو بارگاہِ باری تعالےٰ سے بطور انعام انسان کامل کے حصہ میں آتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔
(یعنی جو شخص اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے) اب آپ خود خیال فرما سکتے ہیں کہ جس شخص کا اللہ ہو جائے اس کو کس چیز کی کمی ہے حق تو یہ ہے کہ جس کا اللہ ہو جائے پوری کائنات اُس کی ہو جاتی ہے۔ قربِ حق میں پہنچ کر آدمی قیودِ مکان و زمان سے بھی آزاد ہو جاتا ہے اور جہاں چاہتا ہے آن کی آن میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ تسخیر موت بھی کر لیتا ہے اور زندہ جاوید ہو جاتا ہے اس کی موت صرف ظاہری پردہ پوشی ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت میں زندوں سے بھی زیادہ زندہ ہوتا ہے۔

لہٰذا اس کتاب کی اشاعت کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ بھٹکی ہوئی دنیا کو اسلام کی روحانیت اور قربِ حق کی شاندار زندگی سے آگاہ کیا جائے تاکہ ان کو اپنی مادہ پرستی اور نفسانیت میں گرفتاری کا احساس ہو اور تہذیبِ مغرب کی تباہ کاریوں سے آگاہ ہو کر حقیقی اسلامی زندگی کی عظمت کی طرف راغب ہوں۔ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ ۔

احقر العباد

واحد بخش سیال ربّانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رشحات

الحمد للہ الذی رب المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین ط قال اللہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ط

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو رب ہے مشرق اور مغرب کا (یعنی تمام جہانوں کا) پس جس طرف پھر کر دیکھو۔ اللہ کا رخ انور (یعنی ذات باری تعالیٰ) موجود ہے اور درود ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو بہترین خلق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) لوگوں کو کہہ دو کہ اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری (نبیؐ کی) اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری اور باطنی اطاعت فرض ہو گئی۔

اطاعت ظاہری و باطنی

اطاعت ظاہری مرتبہ نبوت سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اطاعت باطنی مرتبہ ولایت سے۔ صوفیہ کرام کی اصطلاح میں مرتبہ نبوت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے احکام خداوندی حاصل کر کے خلق کو خدا تک پہنچاتے تھے اور مرتبہ ولایت یہ ہے کہ مقام لی مع اللہ وقتٌ میں جبرائیل علیہ السلام کی وساطت کے بغیر آنحضرتؐ براہ راست حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ سے اخذ فیض کرتے تھے۔ اَلْوِلَایَتُ[1] اَفْضَلُ مِنَ النَّبُوَۃ (ولایت نبوت سے افضل ہے)

---

[1] اس کے یہ معنی نہیں کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے کیونکہ ہر نبی ولی بھی ہوتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ نبوت ایک سرکاری عہدے کا نام اور ولایت ذات حق سے ذاتی تعلق کو کہتے ہیں۔ جیسے اگرچہ گورنر بادشاہ کا نائب ہے۔ لیکن جو تعلق بادشاہ کے ایک دلی دوست کا اس کے ساتھ ہے۔ گورنر کا نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی گورنر بادشاہ کا دلی دوست بھی ہو اور گورنر بھی۔

کے یہی معنی ہیں۔ پس لوگوں کی اکثریت رسولِ خدا کی اطاعتِ ظاہری میں رہ گئی اور بہت کم لوگ آیۂ پاک یھدی اللّٰہ من یشاء (اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے) کی منشا کے مطابق اثر ولایت سے بہرہ ور ہو کر اطاعتِ باطنی میں مشغول ہوئے ہیں۔ یہ حضرات اہلِ باطن کہلاتے ہیں اور فرقۂ اول الذکر اہلِ ظاہر کہتے ہیں۔

اہلِ ظاہر کا دار و مدار اجماع و دلائل اور رائے و قیاس پر ہے اور اہلِ باطن کا دار و مدار نفوص و اجازت و اخلاص پر ہے۔ حضرت قدوۃ الابرار خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ رسالہ اشغال میں لکھتے ہیں کہ حضرت رسالت پناہ مامور تھے کہ اسرارِ مرتبۂ ولایت بغیر طلبِ صادق کسی کو تعلیم نہ کریں اور یہی حضرات اہلِ باطن کا معمول ہے۔

اسرارِ باطن تعلیم کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شوق

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغموم بیٹھے تھے کہ ہر شخص مجھ سے احکام شریعت کے متعلق دریافت کرتا ہے اور اسرارِ باطن کے متعلق کوئی نہیں پوچھتا۔ شاید یہ راز ہمارے ساتھ قبر میں چلا جائے گا (یعنی) اس سے کوئی متفیض نہ ہوگا، لیکن بمصداق اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا ھَیَّأَ اَسْبَابَہٗ (جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کے لیے اسباب پیدا کر دیتا ہے) اسی وقت اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری متابعت تو کمل ہے لیکن انہوں نے اپنے احوالِ باطن کے بارے میں کوئی تعلیم نہیں دی۔ تا کہ متابعت باطنی سے بہرہ ور ہوتا۔ پس کمال صدق و اخلاص کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر سوال کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے کہ مجھے اسی طرح حکم تھا کہ بغیر طلبِ صادق یہ راز کسی کو تعلیم نہ کیا جائے۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ راز حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ لِعَلِیٍّ یَا عَلِیُّ اَنْتَ نَظِیْرِیْ اَیْ مِثْلِیْ فِی الْوَلَایَۃِ اَلَّتِیْ ھِیَ مُعَایَنَۃُ الْحَقِّ۔

ترجمہ، فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ اے علی تو میری مانند ہے میری ولایت میں کہ یہ ولایت معاینہ حق ہے۔ پس وہ راز حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرقہ صوفیہ تک پہنچا۔ العلماء ورثۃ الانبیاء (عالم وارث انبیاء ہیں) اسی سبب سے کہا گیا ہے۔ چنانچہ

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ نے اپنی کتاب خیر المجالس میں اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی ہے

تصوّف عین اسلام ہے

سالک کو صدق دل سے جاننا چاہیے کہ صوفیہ کرام کی متابعت صورتاً اور معناً عین متابعت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔
پس طالب راہِ حق کو لازم ہے کہ صوفیاء کرام کے احوال و اقوال وعقائد کو کما حقہٗ سمجھے اور ان کے قدم بہ قدم صراطِ مستقیم پر سلوک تمام کرے۔ صراطِ مستقیم کو حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فتوحات مکی میں مفصل بیان کیا ہے اور وہی چیز بے کم و زیادہ حضرت شیخ علاؤ الدولہ سمنانیؒ نے بھی اپنی کتاب عُروۃُ الوثقیٰ باب ششم میں بطریق احسن بیان فرمائی ہے۔ غرض اس موضوع پر جو عقائد راہِ سلوک سے تعلق رکھتا ہے۔ ان دو بزرگوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ تمام انبیاءؑ اور اولیاءؒ کا یہی مسلک رہا ہے لیکن جس جگہ حضرت شیخ اکبرؒ نے حق تعالیٰ کو وجودِ مطلق کہا ہے حضرت شیخ علاؤ الدولہؒ کو اول حال میں اس سے اختلاف تھا۔ لیکن صاحب لطائف اشرفی اور مولانا عبدالرحمن جامیؒ نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ حقیقت توحید پر ان دو بزرگوں میں صرف نزاع لفظی ہے نزاع حقیقی نہیں ہے۔ کیونکہ وجود کے تین اعتبار ہیں۔ ایک اعتبار یہ ہے کہ وجود[1] لابشرط شئی ہے۔ دوم یہ کہ بشرط لاشئی[2] ہے سوم لابشرط شئی[3] ہے۔ یعنی وجودِ مقید، وجودِ عامہ اور وجودِ لاتعین ہے۔
حضرت ابن عربیؒ نے حق تعالیٰ کو وجودِ مطلق کہا ہے۔ یعنی لابشرط شئی کے اعتبار سے۔ شیخ علاؤ الدولہؒ نے اسے وجودِ عامہ پر محمول کیا گویا ہوتے ہوئے شیخ اکبرؒ کے انکار و نفی میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ تصوف کی اصطلاح میں وجود کے تین مراتب مقرر کیے گئے ہیں۔ احدیت وحدت، واحدیت۔ پس "لابشرط شئی" اشارہ ہے مرتبہ احدیت کی طرف جو وجودِ مطلق ہے اور "بشرط" اشارہ ہے وجودِ مقید کی طرف کہ مرتبہ وحدت اور حقیقت محمدیؐ اور برزخ کبریٰ اور جامع جمیع

---

[1] احدیت: اس سے مراد ذات لاتعین ہے۔

[2] وحدت: سے مراد حقیقت محمدیہ ہے۔

[3] واحدیت: سے مراد حقیقت انسان ہے۔ وحدت برزخ ہے درمیان احدیت اور واحدیت کے۔ اس کی ایک جہت احدیت سے وابستہ ہے۔ دوسری واحدیت یعنی حقیقت انسان سے۔

حقائق اشیاء ہے اور لبشرط لاشی اشارہ ہے مرتبۂ واحدیت کی طرف کہ اسے وجود عام اور عالم شہادت کہتے ہیں کہ جو کچھ سامنے ہے، سب ذاتِ حق کا پرتو ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان الم تر الی ربک کیف مد الظل اسی راز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی کیا تو نہیں دیکھتا اپنے پروردگار کی طرف کہ کیسے کیسے اپنے سایہ کی درازگستری فرمائی ہے۔ چنانچہ مولانا جامیؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ حق آفتاب ہے اور سارا جہان سایہ ہے اور حضرت شیخ علاؤالدولہؒ نے اپنی کتاب عروۃ الوثقیٰ میں کل پانچ حواشی لکھے ہیں، پہلا حاشیہ اسی بیان یعنی مرتبۂ احدیت، وحدت اور واحدیت میں ہے۔ دوسرا حاشیہ مقدمہ کتاب یعنی مراتب خلافت الٰہی پر ہے، تیسرا حاشیہ حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ کے عالم برزخ کے احوال پر کہ جسے عالم مثال بھی کہتے ہیں۔ چوتھا حاشیہ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ کے ذکر میں ہے جہاں انھوں نے تناسخ[1] کی نفی اور بروز[2] کا اثبات کیا اور دیگر صوفیائے اہل صفا کے مقدمات بیان کیے ہیں۔ پانچواں حاشیہ حضرت میر سید اشرف جہانگیر کے ذکر میں ہے۔ اور خلیفہ وقت شاہ جہاں بادشاہ کے حالات میں شروع سے آخر تک۔ حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ جو حضرت شیخ علاؤالدولہؒ کے معاصر اور محرم راز ہیں، لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ اصحاب تصوف کے عقائد کا لب لباب اور ارباب تصوف و اولیاء کے ملفوظات کا خلاصہ وحدت الوجود[3] ہے اور اس باب میں حضرت عبدالرزاق کاشیؒ اور حضرت علاؤالدولہ سمنانیؒ کے درمیان جو معمولی اختلاف تھا۔ اوائل حال ہی میں تھا......

شیخ علاؤالدولہؒ کا شیخ اکبرؒ سے انکار و مراجعت

میں ایک دن اکابر کی جماعت میں بیٹھا تھا حضرت شیخ علاؤالدولہؒ تشریف لائے اور پوچھا کہ شیخ ابن عربیؒ جنھوں نے حق تعالیٰ کو وجودِ مطلق[4] کہا ہے۔ قیامت میں اس وجہ سے معتوب ہوں گے یا نہیں؟ فرمایا میں اس قسم کی باتیں قطعاً زبان پر لانا نہیں چاہتا۔ کاش کہ وہ بھی ایسی بات نہ کرتے۔ کیونکہ مشکل بات کہنا روا نہیں۔ لیکن چونکہ یہ بات کہی گئی ہے۔ اس لیے مجبوراً

---

[1] تناسخ ایک روح کا بار بار مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا۔ یہ عقیدہ غلط ہے۔

[2] بروز: کمون و بروز سے مراد تجدد امثال ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰ کتاب ہذا

[3] وحدت الوجود: یعنی ہمہ دوست۔

[4] یہاں متن بوسیدہ ہے صحیح ترجمہ مشکل ہے۔ شاید یہاں وجود مطلق کہا ہے۔

اس کی تاویل کرنا واجب ہے تاکہ درویشوں کے دل میں شبہ نہ ہو نیز بزرگوں کے حق میں بے اعتقادی بھی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ شیخ ابن عربی کی مراد اس سخن سے یہ تھی کہ وجود حق کو وجود خلق کہنے سے معراج دوم بیان کیا جا سکے۔ کیونکہ معراج دو ہیں۔ ایک یہ کہ کان اللہ ولم یکن معہ شیئاً (اللہ تھا اور اس کے ساتھ کسی چیز کا وجود نہ تھا) اور اس کا سمجھنا آسان ہے۔ معراج دوم یہ ہے کہ وھو الآن کما کان (اب بھی وہ ویسا ہے جیسے پہلے تھا) اور اس کی شرح زیادہ مشکل ہے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ اس بات کو ثابت کریں کہ مخلوقات کی کثرت سے حق تعالیٰ کی وحدت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چنانچہ وجود مطلق کا خیال ان کے دل میں جاگزیں ہو گیا ہے۔ جب اس کی ایک شق ان معنوں میں صحیح ثابت ہوئی تو ان کو خوشی ہوئی۔ لیکن دوسری شق سے جو نقصان لازم آتا ہے۔ اس سے غافل رہے چونکہ ان کی نیت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت کرنا تھی۔ اس لیے اللہ ان سے درگذر فرمائے گا۔ چونکہ ان کی مراد کمال حق کا اثبات تھی۔ اہل نجات اور اہل درجات میں سے ہوں گے اور حضرت مولانا عبدالغفور نے شاہ علی فراہی سے جو شیخ علاؤ الدولہ کے اصحاب میں سے ہیں صحیح نقل سے یہ وضاحت کی ہے۔ حضرت شیخ علاؤ الدولہ آخری زندگی میں یہ فرماتے تھے کہ جو بچپن کہ میں نے شیخ ابن عربی کے حال کے متعلق ظاہر کیا ہے۔ وہ میری اپنی سمجھ کا قصور تھا۔ اس وقت شیخ ابن عربی کے عقائد سے انحراف میں نے ضروری سمجھا۔ اب بصیرت اور دانائی سے جس جگہ تجھے میری ایسی بات نظر آئے میرے صحائف اور اوراق اور اجزائے میں قلم زن کر دینا۔

مخدوم جہانیاں کا انکار و مراجعت

اور دوسری روایت جو متواتر مشہور ہے یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں شیخ جلال الدین بخاری قدس سرہ نے ابتدائے سلوک میں جب ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کا مطالعہ کیا تو فرمایا جو شخص اس کو پڑھے گا۔ زندیق یعنی کافر ہو جائے گا۔ لیکن انتہائے سلوک کے بعد جب فصوص الحکم کو دوبارہ پڑھا تو فرمایا کہ جو شخص اس کتاب کو پڑھے گا۔ صدیق ہو جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ سالک جب انتہا کو پہنچتا ہے اختلاف دور ہو جاتا ہے اور وہ راز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بتایا تھا۔ انتہائے کار میں منکشف ہو جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اخلاص میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے (یہاں متن بوسیدہ ہے)

خلاصہ عُروۃ الوثقیٰ

آمدم بر سرِ مطلب، صراطِ مستقیم کا پہلا طریق حضرت شیخ علاؤ الدولہؒ نے اپنی کتاب عروۃ الوثقیٰ کے باب ششم میں مفصل بیان فرمایا ہے۔ لیکن یہ فقیر مختصر بیان کرتا ہے،

فصل اوّل از باب ششم

اس بارے میں مختلف فرقوں کے عقائد اور طرائق اور پھر ہر فرقے کے اندر فرقہ ناجیہ معلوم کرنا کسی شخص کے لیے ممکن نہیں (یہاں متن صاف نہیں)،

جب میں مدرسے سے باہر آیا (فارغ ہوا) پندرہ سال کا تھا۔ دس سال بلا طمع رہا اور خلعت اور مال دنیا کو فضولیات سمجھتا رہا۔ علوم عقلی ونقلی سے جو کچھ سیکھ چکا تھا۔ وہی تھا تا وقتیکہ حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے جب شاہ ارغوان جو خاندان چنگیز خاں سے تھا، کا لشکر سلطان احمد کے لشکر کے ساتھ قزوین کے مقام پر جمع ہوا تو اس وقت یہ بے چارہ لشکر میں تھا جس کی عمر چوبیس سال تھی۔ یہ سال ۶۸۳ھ تھا۔ جوشِ جوانی میں چاہا کہ دشمن پر گھوڑا دوڑاؤں۔ لیکن عین اسی وقت میرے سامنے سے پردہ اٹھ گیا اور میں گھوڑے کی پیٹھ پر اسی طرح متحیر اور بے ہوش بیٹھا رہا اور دونوں لشکر جنگ سے فارغ ہو کر چلے گئے۔ اس وقت میرا دل دنیاوی خواہشات سے سرد ہو گیا۔ بہرکیف شاہ ارغوان کی ملازمت سے اپنے آپ کو فارغ کیا۔ اس وقت میرے پاس بہت مال و دولت تھا سب تقسیم کر دیا اور بال بچوں کو ان کا حق دے کر تحصیلِ علوم باطنی میں معروف ہو گیا اور سلوک کو جس طرح کہ حضرت شیخ ابوطالب مکی کی کتاب قوت القلوب میں ہے۔ اپنے اوپر لازم کر دیا۔ حق تعالیٰ کی عنایت لاتناہی ذکر وشغل اور ترک وتجرید کے باوجود ایک دفعہ شیطان نے میرے دل میں وسوسہ ڈالا اور قسم قسم کے مسائل سامنے لایا۔ لیکن میں نے ہمت سے اس کے وساوس کو ہٹا دیا۔ اس کے بعد بار بار شیطان آتا تھا اور کہتا تھا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہوتے۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ کس کی متابعت بہتر ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی شریعت مختلف تھی۔ اب میں مزید ریاضت ومجاہدہ میں مصروف ہوا، تاکہ شیطان کے سوال کا جواب میرے باطن سے نکلے، ناگاہ میرے دل سے آواز آئی کہ شیطان کے وسوسہ اور مکر کی طرف توجہ نہ کر اور یقین جان کہ انبیاء علیہم السلام کے طریق کا انحصار سات پیغمبروں پر ہے جو ان میں سے اولو العزم ہیں یعنی حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ،

حضرت داؤد، حضرت عیسیٰ اور سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلوٰۃ والسلام علیہم
ان میں سے ہر ایک نبی اپنی امت کو اس شریعت کی دعوت دیتا تھا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے
رائج الوقت تھی۔ اب تمہارے لیے لازم ہے کہ اس شخص کی متابعت کرے، جس کی تعلیم آسان ترین
ہو جس کی طہارت مکمل ترین اور خوبصورت ترین ہو جس کی عبادت کامل ترین ہو اور مختصر ترین اور ثواب
زیادہ ترین ہو، چنانچہ میں نے گذشتہ امتوں میں سے ہر ایک امت کا جائزہ لیا۔ تاوقتیکہ میں اس امت
وسطہ پر پہنچا جس کو حق تعالیٰ نے خیر الامت کہا ہے۔ پس میرا نفس مطیع ہو گیا اور اسی وقت ایمان
شہودی[1] کا مشاہدہ کیا۔

ایک دفعہ پھر شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا
ہے کہ عنقریب میری امت تہتر فرقوں یا اس سے کم میں منقسم ہو جائے گی۔ لیکن اس میں سے نجات پانے
والا ایک فرقہ ہوگا۔ باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔ اب یہ حدیث صحیح ہے اور ہر فرقہ کا یہ دعوےٰ
ہے کہ ہم نجات والے ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ کونسا فرقہ حق پر ہے تاکہ تو طاعت اور عبادت اسی
فرقے کے عقائد کے مطابق بجالائے اور اپنے اعمال کی بنیاد اس کی تعلیمات پر رکھے۔ کیونکہ عقل و نقل
کا یہی تقاضا ہے۔ شیطان کے اس وسوسے کے بعد میں نے پھر حق تعالیٰ کی جناب میں عاجزی سے
عرض کیا کہ حقیقت حال سے خبر ملے تاکہ اسی کے مطابق عمل کروں۔ اس وقت عنایت الٰہی سے مجھے
الہام ہوا کہ اس خیر الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت تفرقے کے باوجود سات گروہوں میں منقسم ہے
یعنی جبریہ[1]، قدریہ[2]، معطلہ[3]، مشبہ[4]، خارجی[5]، رافضی[6] اور اہل سنت و جماعت۔ پس تم اس فرقے کی
متابعت کرو جو غلو[2] اور تقصیر سے پرہیز کرتا ہو۔ جب میں نے ان کے اندر غور کیا تو سب کو غلو میں غرق
پایا۔ فرقہ جبریہ توحید کے بارے میں مبالغہ کرتا تھا اور جبریہ اس میں تقصیر کرتا تھا۔ یعنی کمی کی جانب مائل
تھا اور فرقہ معطلہ تنزیہ میں حد سے گزر گیا تھا اور فرقہ مشبہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی صفات میں بے ادب
تھا۔ خارجی اہل بیت کے حق میں بے وقوف (سفیہ) اور بددیانت تھا۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے خود اہل

---

[1] ایمان شہودی اسے کہتے ہیں جو حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حاصل ہو۔ بخلاف ایمان بالغیب کے جو بلا دیکھے
لایا جاتا ہے۔

[2] مبالغہ اور کمی۔

بیت کی مدح فرمائی ہے اور اس خاندان کے وجود کو پاک کرنے والا ہے۔ حق تعالیٰ نے خود اس خاندان کی محبت کا حکم دیا ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ (اے نبیؐ کہہ دو کہ میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا بجز اس کے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو) اور رافضیوں کو دیکھا کہ حرمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہنے میں ان کو ایک قسم کا خبط ہے حالانکہ حق تعالیٰ نے کلام پاک کی چند آیات میں ان کی تعریف فرمائی ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دین کو اہل بیت سے سیکھو۔

اور رافضی لوگ جہالت اور حماقت کی وجہ سے صحابہ کرام کو بھی برا کہتے ہیں۔ حالانکہ کلام پاک میں کئی مقامات پر ان کی تعریف بھی بیان کی گئی ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اہل سنت وجماعت کے چاروں ائمہ کرام دوسرے فرقوں کی نسبت بہت زیادہ متابعت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کرتے ہیں اور میں نے ان کا ہر قول عقل ونقل کے مطابق پایا۔ پس میں نے ان چھ فرقوں سے انکار کیا۔ لیکن اہل سنت وجماعت کو بھی میں نے دیکھا کہ ایک دوسرے کی غیبت کرتے تھے اور دوسرے امام کی شکایت کرتے تھے۔ چنانچہ حنفی شافعیوں کی شکایت کرتے تھے۔ "انشاء اللہ" کہنے کے مسئلہ پر۔ اسی طرح شافعی حنفیوں کی تشنیع (شکایت) کرتے تھے۔ جب میں نے نگاہ کی تو دونوں اماموں کو اپنے اپنے قول میں محقق پایا۔ لیکن ان کے پیروان کو میں نے متعصب پایا۔

جب میں نے ان چاروں اماموں کو قرآن وحدیث کے مطابق پایا تو ان کے اتباع کی طرف مائل ہوا لیکن جھگڑے فساد اور تعصب سے بھی میری طبیعت گھبرا گئی تاہم ان کا راستہ میں نے تمام راستوں سے زیادہ سیدھا اور زیادہ نزدیک پایا اور دل میں خیال کیا کہ برے آدمی کی صحبت سے اکیلا بیٹھنا بہتر ہے۔ "الوحدت خیرٌ من جلیس السوء"۔

کون سا فرقہ نجات پانے والا ہے

لیکن حق تعالیٰ سے امیدوار تھا کہ اکیلا نہیں رہوں گا۔ صبر وانتظار کرتا رہا۔ تاوقتیکہ حق تعالیٰ نے کرمِ ازلی سے میرے دل سے پردہ اٹھا لیا۔ میں نے عالم غیب میں بطریق کشف اہل صفا کے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان کی بوئے محبت جاں پرور اور ان کا دیدار زندگی بخشنے والا تھا۔ میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے بہترین جواب دیا اور ازراہِ کرم اس حقیر کی تعظیم کی۔ میں نے عرض کی کہ آپ

پھر فرمائیں کہ آپ کون ہیں کہ آپ کے مبارک چہروں پر صالحین کے سے نشان ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم بندگان خدا ہیں اور تین شرائط یعنی سیاست و عبادت و طہارت کی پابندی صورتاً اور معناً دل وجان سے بجالاتے ہیں۔ دینِ محمدیؐ اور ملتِ حنفی و ملتِ ابراہیمیؑ، کی متابعت ہمارا وظیفہ ہے۔ ہمارا طریق اور مذہب یہ ہے کہ ہم غلو اور تقصیر سے پرہیز کرتے ہیں اور اس بارے میں جس قدر احتیاط لازم ہے بوجہ احسن ہم اسے اپنا مذہب بنا لیتے ہیں اور کسی کلمہ گو کو ہم کافر نہیں کہتے اور نہ اس شخص کو جو ہمیشہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے۔ جب میں نے ان سے چاروں امام یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام حنبلؒ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے ان کے اقوال اور اجتہاد کی تعریف کی اور ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ کا شکر بجالائے۔ پس ان اہل کمال کے حسن مقال و افعال سے میں بہت حیران ہوا اور اس گروہ کا نام و نشان دریافت کیا تو انہوں نے کہا۔ ہمارے گروہ کو صوفیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ہمارے سات طبقات ہیں۔ پہلا طبقہ طالبین کا ہے، دوسرا مریدین کا، تیسرا سالکین کا، چوتھا سائرین یعنی چلنے والوں کا، پانچواں طائرین یعنی اڑنے والوں کا، چھٹا واصلین کا اور ساتواں قطبِ ارشاد کا کہ اس کا قلب قلبِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہے اور وہ ہر زمانے میں ایک ہوتا ہے۔ چنانچہ قطبِ ابدال بھی ایک ہوتا ہے اور اس کا قلب قلبِ اسرافیلؑ پر ہوتا ہے اور دنیا میں پوشیدہ رہتا ہے اور قطبِ ارشاد خلق کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ لدُنی کا وارث ہوتا ہے اور نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت میں پوری طرح لطیفۂ حقیقت پر ہوتا ہے اور واصل اسے کہتے ہیں کہ لطیفۂ خفی[1] اس کا قوی اور مرکزی لطیفہ بن چکا ہو۔ طائر اسے کہتے ہیں جو لطیفہ روحی پر پہنچ گیا ہو اور سائر اسے کہتے ہیں کہ جس کا لطیفۂ سر قوی مرکز بن گیا ہو اور مرید اسے کہتے ہیں کہ جس کا لطیفۂ نفس قوی مرکز بن چکا ہو اور طالب اسے کہتے ہیں جس کا لطیفۂ قلب قوی مرکز بن چکا ہو یعنی ہر

---

[1] لطیفہ روحانی مرکز کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جسم کے اندر رکھا ہے۔ انسان کے جسم میں چھ لطائف ہیں۔ جن کو لطائف ستہ کہتے ہیں۔ پہلا لطیفہ نفس ہے۔ جس کا مقام ناف ہے۔ دوسرا لطیفہ قلب ہے جس کا مقام بائیں پستان سے دو انگشت نیچے ہے۔ تیسرا لطیفہ روح ہے جس کا مقام دائیں پستان سے دو انگشت نیچے ہے۔ چوتھا لطیفہ سر ہے جو لطیفہ روح اور قلب کے درمیان ہے۔ پانچواں لطیفہ خفی ہے جو وسط پیشانی میں ہے۔ چھٹا لطیفہ اخفیٰ ہے جو سر کی چوٹی میں ہے۔ کثرت ذکر و شغل اور فضل ایزدی سے جب یہ لطائف زندہ ہوتے ہیں تو ان میں ذکر اللہ جاری ہو جاتا ہے اور سارا گھر نورانی ہو جاتا ہے۔

ایک عالم غیب میں دس ہزار حجاب قطع کر کے (اپنے) لطیفے تک پہنچ گیا ہو کیونکہ لطیفہ قلب سے لطیفہ خفی تک ستر ہزار پردے ہیں اور ان سات طائفوں کی تعداد تین سو ساٹھ ہے ایام شمسی کی طرح۔

جب میں بیدار ہوا تو ان کے وجود شریف کا مشتاق ہو گیا اور عالم شہادت یعنی ظاہری دنیا میں کوئی شخص مجھے ان جیسا نظر نہیں آتا تھا۔ اگرچہ صاحب خرقہ بہت تھے۔ پس میں ان کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا اور ان کے مجاہدات اور سلوک کے حالات پڑھتا رہا اور ان کی خلوت و عزلت (گوشہ نشینی) کے حالات میں سے بعض پر عمل بھی کرتا رہا۔ پس ان کی کتابوں سے مجھے بہت انس ہو گیا اور میں کہا کرتا تھا کہ "خیر جلیس فی الزمان کتاب" (یعنی اس زمانے میں بہترین ہم نشین کتاب ہے) اور ان بزرگوں کے دیکھنے کا شوق زیادہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ سے ان حامیانِ دین متین کی صحبت و خدمت میں پہنچنے کی دعا مانگتا تھا۔ پس ظاہری دنیا میں مجھے ان صوفیان باصفا کی صحبت نصیب ہو گئی۔ اور شیطان مکار میرے دل میں وسوسہ، شبہات اور شکوک پیدا کرنے سے ناامید ہو کر بھاگ گیا میں تفرقہ ظاہر اور تردد باطن سے آزاد ہو گیا اور مجھ پر صحبت کا طریق روشن ہو گیا اور میرا نفس طریق عبادت پر نہ کہ طریق عادت پر ثابت قدم ہو گیا۔

حضرت شیخ علاؤالدولہؒ نے اپنی کتاب عروۃ الوثقیٰ کی فصل دوم وسوم میں حضرت شیخ نورالدین عبدالرحمن اسفرائنیؒ سے بیعت و تلقین کا ذکر کیا ہے۔ ان کی خدمت میں رہ کر انہوں نے تینتیس سال ریاضت و مجاہدات کیے اور صوفیائے کرام کے نقش قدم پر انہوں نے ایک سو بیس چلے کیے۔ اس فصل میں انہوں نے اس طبقہ کے مشرب کے مطابق اپنے تمام عالم غیب کے تمام انوار اور مکاشفات کا شروع سے آخر تک مفصل ذکر کیا ہے جو طوالت کے خوف سے میں یہاں مختصر بیان کرتا ہوں اور جواہر التفسیر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں صراطِ مستقیم کو بہت مفصل بیان کیا ہے۔ پہلے انہوں نے اہل ملل اور اہل نحل کے ادیان مختلفہ کا ذکر کیا ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے ظہور سے پہلے تھے۔ اہل ملل ان کو کہتے ہیں جو کسی نبیؑ اور کتاب کے تابع ہوں اور اہل نحل ان کو کہتے ہیں جو اسلامی عقائد کی رو سے کسی کتاب یا نبی کے تابع نہ ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہتر فرقوں کا مفصل ذکر کیا ہے۔ اس کے بیان کی گنجائش نہیں لیکن بہتر فرقوں کے بیان کے بعد جو کچھ انہوں نے لکھا ہے۔ اس سے صوفیاء اہل صفا کا مطلب ظاہر ہوتا ہے جواہر التفسیر

کی عین عبارت اس جگہ درج کی جاتی ہے :

خلاصہ آنکہ بہتر فرقوں کا ذکر ہو چکا۔ اور اہل وصول اور ارباب وصول دو گروہ ہیں۔ اول اہل حدیث جن کے احکام کی بنا نصوص یعنی قرآن وحدیث پر ہے اور یہ حجازی ہیں۔ اصحاب ملک بن انس اور محمد بن ادریس شافعیؒ کے۔ دوم ارباب رائے کہ جن کے احکام کی بنا بروجہ رائے وقیاس یا استنباط ہے۔ یہ عراقی ہیں اور اصحاب ہیں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کے اور ان کے متابعان کے مثلاً محمد بن حسین حسن بن زیاد، ابو یوسف قاضی ہندیل۔ اور جاننا چاہیے کہ بہتر فرقوں کے علاوہ ایک اور فرقہ ہے جسے اہل سنت وجماعت کہتے ہیں۔ وہ اصول میں اشاعرہ[1] کی متابعت کرتے ہیں اور خواجہ فارس بن عیسیٰ بغدادیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ فروعات میں مذاہب اربعہ یعنی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی میں سے کسی ایک کے مطابق عمل کرتے تھے اور جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ "فرقہ ناجیہ (نجات پانے والا) وہ ہے جو میری اور میرے اصحاب کی روش پر ہے"۔ اس طائفہ یعنی اہل سنت وجماعت کی روش فوز وفلاح کے قریب تر ہے اور ان کو نجات سے نسبت دینا بہت مناسب ہے۔ کیونکہ اس جماعت کے احکام کی بنا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت اور متابعت پر اور اہل بیت وصحابہ کرام کی روش پر ہے۔ جن کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اھل بیتی کمثل سفینۃِ نوح یعنی میرے اہل بیت حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہیں۔ یعنی نجات کا ذریعہ ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اصحابی کالنجوم بایتھم اقتدیتھم اھدیتھم، یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کسی کی متابعت کرو گے، ہدایت پاؤ گے۔ ان احادیث سے اہل بیت اور صحابہ کرام کی ہدایت ودیانت ثابت ہے۔ پس یہ گروہ یعنی اہل سنت وجماعت اعتدال یعنی صراط مستقیم پر ہیں اور افراط وتفریط سے پرہیز کرتے ہیں اور محبت حق تعالیٰ ومحبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور محبت خلفاء اور ائمہ کرام سے متصف ہیں کہ عین مطابق شرع شریف ہے اور انھوں نے اپنے لوح دل کو تعصب کی میل سے پاک صاف رکھا ہے اور تنگنائے تقلید محض سے گزر کر خالص تحقیق تک پہنچ گئے ہیں۔ ابیات

---

[1] اشاعرہ یعنی ابوالحسن اشعریؒ کے تابعین جو جماعت معتزلہ کے سخت مخالف تھے۔

ز تقلید و تعصب برطرف باش | زلوح دل خیال هر دو بتراش
تعصب از ہوائے نفس خیزد | ز تقلید آبروئے خلق ریزد
تعصب سالکاں را بند راہ است | رہ تقلید از راہ تباہ است
خدایا نفس سرکش را زبوں کن | تعصب از نہادِ ما بروں کن
مرا تحقیق بنما سوئے توحید | رہائی بخش از زندان تقلید

صوفی کا مذہب

اور جلد دوم تذکرہ اولیائے کرام میں لکھا ہے۔ حضرت خواجہ ابوالحسن حصریؒ جو حضرت خواجہ شبلیؒ کے خلفائے صاحب مقامات واحوال میں سے ہیں سے خلیفہ وقت نے سوال کیا کہ آپ کون سا مذہب رکھتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مذہب ابوحنیفہؒ رکھتا تھا۔ بعد میں امام شافعیؒ کا مذہب اختیار کیا اور اب ایسی چیز میں مشغول ہوں کہ کسی مذہب سے کچھ یاد نہیں آتا۔ اس نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ تصوف۔ اس نے پوچھا تصوف کیا ہوتا ہے۔ فرمایا تصوف وہ چیز ہے کہ اس کے بغیر دنیا کی کوئی چیز آرام نہیں کرتی۔ خواجہ حافظ شیرازیؒ اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ | چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

(بہتر فرقے کیا کریں معذور ہیں۔ جب ان کو حقیقت نظر نہ آئی تو اپنی قیل وقال شروع کر دی)

حضرت شیخ شرف الدین منیری قدس سرہٗ امام ابوعبداللہ قشیریؒ سے کتاب آداب المریدین کی شرح میں نقل کرتے ہیں کہ بہت برا ہے۔ وہ مرید جو اپنے آپ کو کسی مذہب سے منسوب کرتا ہے۔ کیونکہ صوفیوں کو مختلف مذاہب میں سے کسی مذہب سے نسبت نہیں۔ سوائے مذہب اہل تصوف کے اور اہل تصوف کی حجت تمام مسائل میں دوسرے لوگوں کی حجت سے زیادہ ظاہر ہے

اہل تصوف و دیگر فرقہ جات میں فرق

اور اہل تصوف کے مذہب کے قواعد قوی تر ہیں۔ کیونکہ دوسرے مذاہب والے اصحاب نقل واثر ہیں یا ارباب عقل وفکر ہیں لیکن مشائخ علیہ الرحمۃ کا طائفہ اس سے آگے گذر گیا ہے۔ جو کچھ دوسروں کے لیے غیب ہے۔ ان کے لیے ظاہر ہے اور جو کچھ اوروں کے لیے استدلال ہے۔ ان کے لیے کشف ہے۔ نیز مذہب اہل تصوف کا ایک ظاہر ہے اور

ایک باطن۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں اور یہ شریعت ہے۔ یعنی خلق خدا کے ساتھ اسلام کی ظاہری تعلیمات کے مطابق معاملہ کرتے ہیں۔ چنانچہ حکم شریعت کے مطابق وہ اپنی مراد طلبی کرتے ہیں بلکہ لوگوں کی مراد پوری کرتے ہیں۔ اہل تصوف کے مذہب کا باطن یہ ہے کہ وہ ہمیشہ احوال و مقامات صدق میں رہتے ہیں اور یہ مذہب کی حقیقت ہے یعنی باطن میں حق تعالےٰ کے ساتھ ہم جلیس ہوتے ہیں۔ چنانچہ حکم حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو جب حرکت دیتا ہے تو وہ حرکت کرتا ہے اور جب آرام دیتا ہے تو آرام کرتا ہے۔ متصرف حقیقی حق تعالیٰ ہوتا ہے اور بندہ درمیان میں کٹھ پتلی ہوتا ہے اور حضرت شیخ شرف الدین منیریؒ نے یہ بھی کہا ہے۔ جیسا کہ مشائخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص کہ اہل طریقت و فقر ہوا ہے۔ اپنے شیخ کے مذہب پر ہوا ہے۔ چنانچہ سلطان العارفین ابویزید بسطامی قدس سرہٗ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر تھے اور طریقت میں مرید کے لیے درست نہیں کہ اپنے شیخ کے سوا کسی دوسرے کے مذہب پر ہو اور انہوں (حضرت شیخ شرف الدین منیریؒ) نے اس موضوع پر شرح آداب المریدین میں مشائخ کے بہت اقوال نقل کیے ہیں جو مختصراً درج ذیل ہیں۔

خلاصہ آداب مریدین مصنفہ شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ

جاننا چاہیے کہ چودہ سلسلوں کے تمام اولیاء اللہؒ اپنے پیروں کے مذہب پر رہے ہیں۔ اگرچہ ظاہری معاملات میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کی اقتدار کرتے تھے۔ لیکن عبادات و عقائد اور باطنی امور میں اپنے مشائخ کے نقش قدم پر چلتے تھے اور اپنے مشائخ کے مشرب کے خلاف کسی کی اقتدار نہیں کرتے تھے۔ حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے کہ خاندان چشت کے اکمل اولیاء میں سے ہیں۔ لطائف اشرفی میں بھی یہی لکھا ہے۔ بیت:

بداں کاندر جہاں از روئے عرفاں	گرفتہ ہر کسے پاکیزہ مذہب
ہمہ اصحاب از وجدان عرفان	تفاخر مے کنند باہم ز منصب
اگر دانند فرقے[1] از مشرب	گذارند مذہب و گیرند مشرب

[1] مصرع اول کی کتابت میں غلطی نظر آتی ہے۔

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ دنیا میں ہر شخص اپنے عرفان کے مطابق کوئی نہ کوئی مذہب اختیار کیے ہوئے ہے۔ سب لوگ اپنے ذوق و وجدان میں اپنے اپنے مسلک پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے مذہب (فقہی مسلک) اور مشرب میں فرق ہے تو مذہب (فقہی روش) کی بجائے مشرب شیخ اختیار کرتے ہیں۔

جس طرح سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء بدایونیؒ و دیگر مشائخ چشت قدس اسرارھم نے اکثر معاملات میں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی اقتدار کی ہے اور اپنے آپ کو اس مذہب کے ساتھ منسوب کر دیا ہے۔ میں بھی اسی مذہب پر ہوں (یعنی مذہب امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر) لیکن سماع جو امام صاحب کے مذہب میں حرام ہے۔ اسے حضرت نظام الدینؒ اولیاء اپنے مشائخ کی متابعت میں سنتے تھے۔ اس بارے میں علمائے وقت نے سلطان غیاث الدین تغلق شاہ سے حضرت محبوب الٰہیؒ کے خلاف محضر (مجلس مناظرہ و جواب دہی) تیار کرایا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہٗ کے زمانے میں بھی علماء نے بہت غلو (مبالغہ) سے کام لیا۔ آخر ان حضرات نے بالاتفاق یہی جواب دیا کہ ہم اپنے مشائخ کے مشرب کی متابعت کرتے ہیں اور اس کا خلاف ہم سے نہیں ہو سکتا اور احادیث نبوی کا حوالہ دیا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کئی بار سماع سنا ہے۔ چنانچہ صحاح ستہ میں موجود ہے۔ اسی طرح مریدوں کی زمین بوسی کے موضوع پر شیخ ضیاء الدین برنی نے حضرت سلطان مشائخ سے سوال کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پیر حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر مسعود قدس سرہٗ کی خدمت میں مریدین زمین بوسی کرتے تھے اور ان کو اپنے مشائخ کے مشرب کے مطابق منع نہیں فرماتے تھے۔ اب اگر میں اپنے آپ کو اس بات سے منع کروں (یعنی باز رکھوں) تو اپنے فعل پر اعتراض کرنے والا بنوں گا۔ اور یہ ممکن نہیں ہے۔ حضرت مولانا رومؒ نے اسی مقام کی طرف اشارہ فرمایا۔ بیت ؎

می کند ہر لحظہ خود را سجدہ او | سجدہ پیش آید از بہر او

حضرت شیخ فریدالدین عطار نے بھی فرمایا ہے۔ بیت ؎

گر نبودے ذات حق اندر وجود | آب و گل را کے ملک کردے سجود

(اگر ذات حق (آدمؑ کے) وجود میں نہ ہوتی تو آب و گل کو فرشتے کیسے سجدہ کرتے)

اسی طرح میر سید محمد کرمانی جو حضرت سلطان المشائخ کے مرید پاک اعتقاد ہیں تے اس مضمون کو مفصل اپنی کتاب سیر الاولیاء میں بیان کیا ہے اور بالآخر قرآن مجید کی نص کا حوالہ دیا ہے جیسا کہ حضرت آدمؑ اور حضرت یوسفؑ کے قصوں سے ظاہر ہے۔ میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ جو دو واسطوں سے حضرت سلطان المشائخؒ سے ارادت اور خلافت رکھتے ہیں نے بھی لطائف اشرفی و اپنے مکتوبات میں فتوحات مکیہ و دیگر معتبر کتب کا حوالہ دے کر اس بات کو اچھی طرح واضح کیا ہے کہ اس طائفہ کے تمام افعال و احوال کا مدار ان کے مشائخ کی متابعت ہے اور الصوفی لامذہب لہٗ (صوفی کا کوئی خاص مذہب نہیں ہے) کے مطابق صوفیائے کرام کا اپنے مشائخ کے مذہب اور مشرب کے سوا کوئی مذہب اور مشرب نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کے مسلک کی بنا نصوص (قرآن و حدیث نہ کہ اقوال آئمہ) پر ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ نیازمند کاتب حروف یعنی حقیر فقیر عبدالرحمٰن چشتی بن عبدالرسول بن قاسم بن شاہ بدہ عباسی علوی بھی خواجگان چشت کے مذہب پر ہے۔ اگرچہ یہ بندہ اتنے سلسلوں سے فیض یافتہ ہے۔ جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔ لیکن یہ بندہ خاندان چشت اہل بہشت کا پروردہ خاکسار ہے۔ اس نیازمند کاتب حروف نے مشرب صوفیہ ناجیہ کے فیض کا اقتباس قطب الوقت حضرت شیخ حمید قدس سرہٗ سے کیا۔ انہوں نے اپنے والد حضرت شیخ قطب الدین قدس سرہٗ، انہوں نے اپنے والد حضرت شیخ پیر قدس سرہٗ، انہوں نے اپنے والد حضرت شیخ بدہ قدس سرہٗ، انہوں نے اپنے والد حضرت شیخ محمد قدس سرہٗ، انہوں نے اپنے والد حضرت شیخ عارف قدس سرہٗ، انہوں نے اپنے والد حضرت قطب ابدال مرشد معنوی ایں فقیر شیخ احمد عبدالحق قدس سرہٗ، انہوں نے اپنے پیر حضرت بندگی شیخ جلال الحق والدین پانی پتی قدس سرہٗ۔ انہوں نے اپنے پیر حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی قدس سرہٗ۔ انہوں نے اپنے پیر حضرت شیخ علاؤالدین علی احمد صابر قدس سرہٗ، انہوں نے اپنے پیر حضرت شیخ فریدالدین مسعود اجودھنی قدس سرہٗ، انہوں نے اپنے پیر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ، انہوں نے اپنے پیر حضرت قطب وحدت مقرب بحضرت محبوب رب العٰلمین خواجہ بزرگ معین الحق والدین چشتی قدس سرہٗ۔ حتیٰ کہ ان کا سلسلہ حضرت امام المومنین علی المرتضیٰ اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ختم ہوتا ہے اور باطنی طور پر یہ نیازمند اویسی ہے۔ کیونکہ ابتدائے سلوک سے آج تک ارادت و

تربیت وفیض ونظرِ قبول حضرت خواجہ معین الحق والدین چشتی قدس سرہٗ کی روحانیت پاک کی فرزندی میں حاصل کیا ہے۔ پس ان کی روحانیت کے فیض کی امداد سے صوفیہ کے مشرب کے مطابق تمام مقامات واحوال سے گذرتے ہوئے اور امامِ مطلق کی ولایت کے مشاہدہ سے فیض یاب ہوتے ہوئے وجودِ مطلق کے اسرار سے بہرہ مند ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل تحریر میں نہیں آتی۔ فَہِمَ مَنْ فَہِمَ۔ یعنی سمجھا جس نے سمجھا۔ بیت :

من کہ بر روئے یار حیرانم — طاقت وصف او کجا دارم

(میں تو دوست کے رُخِ انور کو دیکھ کر حیران ہوں۔ اس کے اوصاف کس طرح بیان کر سکتا ہوں۔)

شیخ فرید الدین عطار تذکرۃ الاولیار کی جلد اول میں لکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے بعد میں نے اس طائفہ کے کلام کو بہترین کلام پایا اور ان کے جملہ اقوال کو قرآن وحدیث کی شرح پایا۔ پس میں نے اپنے آپ کو اسی شغل میں ڈال دیا۔ تاکہ اگر ان میں سے ہوں تو ان کی تشبیہ مجھ پر لازم ہے مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَہُوَ مِنْہُ (جس نے جس قوم کی تشبیہ کی، اسی سے ہوا)

اسی طرح ایک دن میں امام مجد الدین خوارزمیؒ کی خدمت میں گیا۔ دیکھا کہ رو رہے تھے میں نے پوچھا کیا خبر ہے۔ فرمایا کیا شان ہے سپہ سالاران امت محمدیہ کی کہ انبیار علیہم السلام کی مثل تھے۔ بمصداق اس حدیث کے کہ علماء امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل (میری امت کے علماء واولیاء، بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں)، پس میں اس لیے روتا ہوں کہ رات میں دعا کر رہا تھا کہ خداوندا تو علت یعنی اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ مجھے اسی قوم میں سے کردے۔ یا اس قوم کے نظارہ کنندگان میں سے۔ کیونکہ دوسری قسم کی میں طاقت نہیں رکھتا۔ جب ان کے احوال کا مطالعہ کرتا ہوں، ان کی روحِ پاک سے مدد پاتا ہوں۔ ان کے کلمات نامردوں کو مرد بناتے ہیں، مردوں کو شیر مرد اور شیر مردوں کو فرد اور فردوں کو عین درد بناتے ہیں۔ شعر ذیل میں اسی مقام کی طرف اشارہ ہے ؎

کفر کافر را و دین دیندار را — ذرۂ دردت دلِ عطار را

(کفر کافر کو پسند ہے اور دین دیندار کو۔ مجھے تو تیرے درد کا ایک ذرہ درکار ہے)

وسطِ سلوک میں ایک دفعہ اس فقیر نے اس طائفہ کے احوال میں سے ایک حالت معلوم

کہنے کی غرض سے چند اربعین دچلے، کیے اور ریاضت شاقہ کی۔ لیکن جو آرزو دل میں رکھی تھی پوری نہ ہوئی۔ اتفاقاً ان ہی ایام میں یعنی سن ایک ہزار تیس عہدِ نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ میں کتاب تذکرۃ الاولیا رپوری تربیت وشرائط کے ساتھ شروع سے آخر تک حرف بحرف پڑھی جب سلطان العارفین حضرت خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے معراج کے ذکر پر پہنچا، وہ حالت کہ جس کی ہمیشہ تمنا رہتی تھی منکشف (ظاہر) ہوگئی۔ یقیناً اگر بزرگان سلف کے حالات فائدہ مند نہ ہوتے تو حق تعالیٰ ہرگز قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر انبیا علیہم السلام کے احوال نازل نہ فرماتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم گذشتہ لوگوں کے حالات آپ سے بیان کرتے ہیں، تاکہ آپ کا دل اس سے مطمئن اور قوی ہو)

الغرض اسی وقت سے اس نامراد کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ خاندان چشت رحمۃ اللہ علیہ کے احوال[1] واقوال معتبر کتابوں سے انتخاب کرکے ایک کتاب لکھوں۔ جس میں دوسرے سلاسل کے مشائخ کا ذکر بھی طبقہ بعد طبقہ جیسے کہ وہ ایک دوسرے کے ہم عصر تھے۔ درج کردوں لیکن چونکہ ہر کام کے لیے ایک وقت ہوتا ہے۔ کچھ مدت گزر گئی۔ اس وقت کہ سنہ ۱۰۴۵ھ ایک ہزار پینتالیس ہجری ہے۔ حضرت پیر دستگیر خواجہ بزرگ معین الحق والدین چشتی قدس سرہٗ کے باطنی حکم سے شروع کرتا ہوں۔ یعنی در عہد سلطنت حضرت خلیفہ الٰہی موصوف جمیع کمالات لا متناہی سلطان العہد والزمان بالعدل والاحسان خدا تعالیٰ اس کے قلب کو نور ایمان سے منور کرے اور اس کے جسم کو اتباع شریعت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے منور کرے۔ وہ بادشاہ جو ابی المظفر امیر المومنین شہاب الدین محمد شاہ جہاں صاحب قران ثانی کے لقب سے ملقب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ملک و زندگی کو ہمیشہ قائم رکھے۔ یہ ہیں بیٹے نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ ابن جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ابن نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ ابن ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ ابن سلطان عمر شیخ مرزا ابن سلطان ابوسعید میرزا

---

[1] احوال سے مراد صرف حالات نہیں بلکہ احوال جمع ہے حال کی۔ جس کے معنی ہیں کیفیت قلبی۔ مقام اور حال میں یہ فرق ہے کہ حال عارضی ہوتا ہے۔ یعنی آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ لیکن مقام مستقل حالت کو کہتے ہیں جو سالک پر ہمیشہ طاری رہتی ہے۔

ابن سلطان محمد میرزا ابن سلطان میراں شاہ میرزا ابن حضرت امیر تیمور صاحبقران جس کا سلسلۂ نسب
چودہ پشت کے بعد نورسجز قاان ابن النقوا سے جا ملتا ہے اور یہ النقوا ایک عورت تھی۔ جو
حسن و جمال ظاہری و باطنی سے آراستہ تھی۔ یہ عورت ترک بن یافث بن حضرت نوح علیہ السلام
کی اولاد میں سے تھی اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا بھی سام بن حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں
سے تھی۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت سے جبرائیل علیہ السلام کے مساس یا روح
پھونکنے سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ چنانچہ کلام پاک اس پر شاھد ہے
کہ فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ترجمہ: پس بھیجا ہم نے اس کی (مریمؑ)
کی) طرف جبرائیل کو جو آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ (حضرت مریمؑ) کے سامنے اور اپنا جمال مریمؑ
کو دکھایا۔ جیسا تفاسیر میں مذکور ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے آفتاب جہاں تاب
نے جو عالم افلاک و عناصر کا مدبر ہے۔ آدمی کی صورت اختیار کر کے النقوا سے مساس کیا اور
قدرت الٰہی سے نورسجز قاان اس کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ بغیر باپ کے اسی وقت سے ولایت
اور سلطنت کا منصب نورسجز قاان ابن النقوا کی اولاد میں ظاہر ہوا۔ حتیٰ کہ اب تک ہے۔

پس حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ ابن مریم صلوٰۃ اللہ علیہ کو مرتبۂ نبوت و رسالت تک
پہنچایا کہ ساکنانِ زمین کو ہدایت دے کہ آج چوتھے آسمان پر یعنی نیر اعظم (سورج) کے مقام میں
حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں زندہ ہیں اور امیر تیمور گورگانی کو ولایتِ ظاہری و باطنی سے مستفیض فرمایا
کہ ولایتِ شمسی کی قوت و تصرف سے جو قطب کا خاصا ہے اور نبوت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی متابعت کے فیض سے تمام دنیا پر حکمران ہوا اور صاحبقران کا لقب پایا حتیٰ کہ آج اس کی
بجائے سلطان عادل و باذل و فاضل و عارف شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ نور اللہ برھانہٗ
مملکت موروثی پر حکمران ہے اور اسی وجہ سے صاحبقران ثانی کے لقب سے ملقب ہے۔
اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے نبی کریمؐ کی حرمت سے اس قدردان، جوہر شناس اور خلق
پرور بادشاہ کو عمر طبعی کی نعمت سے سرفراز کرے اور اس کی اولاد کو قیامت تک خلق میں معزز
فرما دے۔

پس یہ مجموعہ کہ جس کا نام مرآۃ الاسرار ہے۔ اس زمانِ فیض بخش و عدیم المثال میں جمع کیا گیا اگرچہ

یہ نامرادعلم نہیں رکھتا کہ عبارت سرائی کرے اور اس طائفہ کے احوال سے بھی بے بہرہ ہے کہ ان کے کلمات کی کنہ تک پہنچ سکے۔ تاہم اس فرقہ کی محبت میں بے اختیار ہے۔ بحکم مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ (جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے، کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے) ان کے احوال کو بلے کم وکاست کتب ذیل سے جمع کیا ہے۔ جواہر التفسیر، تفسیر حسینی، شرح مشکوٰۃ، روضۃ الاحباب، کشف المحجوب، انیس الارواح، دلیل عارفین، فوائد السالکین، راحت القلوب، افضل الفوائد، فوائد الفواد، سیر الاولیار، بحر المعانی، معدن المعانی، شرح آداب المریدین، صفات العارفین، تکملہ غوث الصمدانی، فتوحات مکی، فصوص الحکم، ترجمہ عوارف، کلام الصدیقین، مناقب الاولیار، مناقب الاصفیار، لطائف اشرفی، تذکرۃ الاولیا، جامع العلوم، خزانہ جلالی، مراۃ العارفین، تاریخ یافعی جس کو روضۃ الجنان بھی کہتے ہیں۔ روضۃ الریاضین، عروۃ الوثقیٰ، چہل مجلس شیخ علاؤ الدولہ، فصل الخطاب، شواھد النبوت، نفحات، اشجات، روضۃ الصفا، حبیب السیر، روضۃ الشہدار، سیر العارفین، اخبار الاخیار، لطائف صوفیہ، تاریخ فیروز شاہی مصنفہ ضیا برنی، تاریخ مرات سکندری، تاریخ نظامی، منتخب التواریخ، ملفوظ شیخ احمد کھتو، ملفوظ شیخ احمد عبدالحق وغیرہ ہر جگہ سے انتخاب کر کے نقل کر دیا ہے۔ امیدوار ہوں کہ حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ بحرمت فیضان باطن خواجگان چشت قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم سہو اور خطا سے بچائے اور اس بے چارہ پر فیض خاص اور قبولیت کتاب فرمائے۔

الغرض کتاب ہذا میں مقدمہ اور خاتمہ کے علاوہ انتیس باب باندھے ہیں اور ہر باب میں چند اولیائے کرام کے حالات و احوال بیان کیے ہیں اور بعض جگہوں پر ایک ہی ذکر میں چند بزرگوں کے احوال مجملاً بیان کیے ہیں۔ باب اوّل حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر میں ہے کہ آپ اسم اعظم جامع کے مظہر اور تعین اوّل مرتبہ وحدت اور برزخ مطلق ہیں اور باقی اٹھائیس باب اولیا مکمل و کامل متصوف و ملامتیہ و فقرار و مجذوب وغیرہ جو زمرۂ صوفیہ میں شامل ہیں اور جو اس طائفہ کے مشابہ ہیں۔ بمصداق مَنْ تَشَبَّہَ قَوْمًا فَھُوَ مِنْہُ ان کا بھی ذکر کر دیا ہے اور یہ اٹھائیس باب اللہ تعالیٰ کے ان اٹھائیس اسمار حسنہ کے مطابق ہیں جو اولیائے اللہ کے قلوب کے مربی ہیں اور ہر ولی اپنے مربی اسم کی صفت سے موصوف ہوتا ہے اور اپنی استعداد

کے مطابق مقتدائے عالم کو فیض پہنچاتا ہے اور اس جگہ مقتدائے عالم سے مراد سلاطین ہیں کہ ظاہری عالم کے اعتبار سے خلق ان سے فیض حاصل کرتی ہے۔ مراتب[1] ذات احدیت و وحدت و واحدیت کے ظہور کے مطابق اس طائفہ کے پاس جو نعمت و رحمت و معیبت ہے۔ ذات احدیت سے شروع ہو کر تعین اوّل پر جو کہ مرتبۂ وحدت اور حقیقت محمدیؐ ہے پہنچتی ہے اور تعین اوّل سے حق تعالیٰ کے اٹھائیس اسماء جن میں سے ہر ولی ہر اسم کا مظہر ہے ان کے قلوب پر توقف کرتے ہیں۔ اس کے بعد مقتدائے عالم تک پہنچتے ہیں اور اکثر مقتدائے عالم کے ذریعے اور بعض اوقات براہِ راست عوامِ عالم کو مرتبہ واحدیت سے ہے تک پہنچتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت شیخ علاؤالدولہ اور حضرت میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہما نے لکھا ہے کہ جس قسم کے سلاطین ہوں۔ ان کے آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں۔ حضرت شیخ شرف الدین منیری شرح آداب المریدین میں لکھتے ہیں کہ خواجہ محمد[2] بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے خدائے عزوجل آسمان سے یہ حکم دے کہ آج جو دعا مانگو گے قبول ہوگی تو میں تمام دعائیں سلطان وقت کے لیے مانگوں گا۔ اس واسطے کہ جو دعا سلطان وقت کے لیے کروں گا۔ اس میں تمام خلق کی بہتری ہوگی۔ اور اپنی کتاب مکارم الاخلاق میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ نے سلطان علاؤالدین خلجی سے بہت تواضع کا اظہار فرمایا مریدین حیران ہوئے کہ اس کا کیا مطلب۔ فرمایا۔ اس کی ولایت منقول (ظاہر) ہے اور ہماری ولایت مستور (پوشیدہ) ہے اور قوت القلوب میں لکھا ہے کہ اگر بادشاہ ظالم ہے تو اس کا مرتبہ ابدال کا ہے اور اگر عادل ہے تو

---

[1] مراتب ذات سے مراد تنزلات ہیں یعنی ذات حق کے ظہور کے مختلف مدارج جن کے ذریعہ ذات کا ظہور ہوا۔ مختصراً یہ کہ سب سے پہلے ذات خالص کا ظہور مرتبہ اول یا تعین اوّل میں ہوا۔ جو حقیقت محمدیؐ ہے۔ اسے وحدت کہتے ہیں۔ یعنی لاتعین سے ذات تعین میں آئی اور ایک کہلائی۔ تعین ثانی حقیقت انسان ہے۔ جو جامع ہے تمام عالم کا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، سرّ دلبراں مصنفہ حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ صاحب

[2] حضرت خواجہ محمد بن سیرین حضرت خواجہ حسنؒ بصری کے ہم عصر ہیں اور بڑے عالم و فاضل تھے۔ آپ بھی خواجہ حسنؒ بصری کی طرح غلامان اسلام میں سے ہیں۔ لیکن درحقیقت مسلمانوں کے سردار ہیں۔ آپ کے والد سیرین ان چالیس لڑکوں میں سے تھے جو جنگ تمرین میں گرفتار ہو کر غلام بنائے گئے۔ موسےٰ بن نصیر کے والد نصیر بھی اسی جنگ میں گرفتار ہوئے۔

اس کا مرتبہ قطب کا ہے۔ کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے اسم ظاہر کا مظہر ہیں اور ارکان الٰہی میں سے ایک رکن ہیں جو عالم ظاہر کے ظاہری انتظام کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اسی طرح باطن میں رجال اللہ (یعنی وہ حضرات جو نظامِ باطن کے تحت دنیا کے انتظام پر مامور رہیں) ہوتے ہیں۔ رجال اللہ مرتبہ وحدت سے جو حقیقتِ محمدیؐ ہے قائم ہیں اور اس مرتبہ کے وسیلہ سے ذاتِ احدیت سے فیض حاصل کرتے ہیں اور عالمِ واحدیت یعنی مخلوق تک پہنچاتے ہیں اور جہان کا قوام یعنی انتظام ان کی ذات سے ہوتا ہے اور یہ لوگ قیامت تک رہیں گے۔ جب ان میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کی بجائے خلق میں سے کوئی اور مقرر کر دیتے ہیں اور ان کی بارہ قسمیں ہوتی ہیں جو انبیا علیہم السلام کی نیابت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کا ذکر اپنے مقام پر مفصل آئے گا۔ پس اس قوم کی متابعت کے سوا کسی کو چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (فرمانبرداری کرو اللہ کی، فرمانبرداری کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اور اپنے میں سے ان کی جو صاحب حکومت ہیں۔)

اقسامِ خلافت

صوفیۂ اہلِ صفا کے نزدیک خلافت و امامت کی چار قسمیں ہیں۔ اوّل اصالتاً، دوم وراثتاً، سوم اجازتاً، چہارم اجماعاً۔ خلافت اصالت وہ ہے جو بلا واسطہ (یعنی براہ راست) حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو۔ وہ خاصہ ہے چار انبیاء علیہم السلام کا۔ خلافت وراثت یہ ہے کہ کوئی پیغمبر یا مشائخ اپنے وارث لڑکے یا بھائی کو اپنی جگہ مقرر کر کے خلیفہ بنائے۔ خلافت اجازت یہ ہے کہ جس کسی کو اس کام کے قابل دیکھیں اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کریں خواہ وہ شخص رشتہ دار ہو یا بیگانہ۔ خلافت اجماعی یہ ہے کہ مثلاً ایک بزرگ اس جہان سے چلا جائے اور کسی شخص کو اپنی جگہ مقرر نہ کیا ہو اور نہ کسی کو اجازت بخشی ہو۔ قبیلے کے لوگ اور اکابر جمع ہو کر کسی شخص کو مل کر ان کا جانشین مقرر کریں۔ ان میں سے تین قسمیں نصوص (قرآن و حدیث) سے ثابت ہیں اور چوتھی قسم اجماع خلق سے اور جو کچھ نصوص سے ثابت ہے۔ یہ ہے کہ سب سے پہلے حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی خلافت سے مشرف فرمایا۔ فرماتے ہیں: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (یعنی ہم دنیا میں اپنا خلیفہ بنانے والے ہیں) پس انھوں (آدمؑ) نے اپنی آخری عمر میں حضرت شیث علیہ السلام کو بطریق وراثت

اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا اور اسی طرح کئی پشت تک یہ خلافت جاری رہی۔ حتیٰ کہ سام بن نوحؑ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ دوم حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو مرتبہ امامت و خلافت عطا کیا۔ چنانچہ کلام الٰہی شاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (یعنی ہم تم کو خلق کے لیے امام بنانے والے ہیں) شیخ بدرالدین اسحقؒ خلیفہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر چشتیؒ آیہ مذکورہ کے شان نزول میں یہ روایت کرتے ہیں کہ جب نمرود نے بہت مظالم کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کپڑے اتار کر انہیں آگ میں پھینکا۔ آپ مرتبہ تسلیم و رضا میں ثابت قدم رہے۔ حتیٰ کہ جبرائیل کی طرف بھی توجہ[1] نہ کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کرم بخشی فرمائی اور خلعت امامت و خلافت یعنی ایک پیراہن اور ایک گلیم سیاہ بہشت سے آپ کے پاس بھیجی جس سے آگ باغ بن گئی پس وہ پیراہن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحق علیہ السلام کو عنایت کیا۔ ان کے ذریعہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا اور انہوں نے یوسف علیہ السلام کو دیا۔ جیسا کہ سورۃ یوسف کی تفسیر سے ظاہر ہے۔ اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لڑکے وراثت کے قابل تھے۔ تاہم انہوں نے اجازت خلافت اپنے بھائی یہودا کو عطا فرمائی۔ وہ خلافت بطریق اجازت بطناً بعد بطن انبیاء بنی اسرائیل مثلاً حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام تک پہنچ کر حضرت زکریا علیہ السلام تک پہنچی۔ جیسا کہ کلام الٰہی سے خبر ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ولیاً یرثنی ویرث من آل یعقوب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ گلیم سیاہ بطناً بعد بطن دست بدست بطریق وراثت و اجازت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی۔ اسی وجہ سے وہ گلیم سیاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہو کر زیب تن فرماتے تھے اور اسی وجہ سے آپ نے ملتِ ابراہیمی کی اقتدا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا قول قل بل نتبع ملة ابراهيم حنيفا (تو کہہ بلکہ میں ملتِ ابراہیمی کی متابعت کرتا ہوں) اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ نیز حضرت بدرالدین اسحقؒ خواجگانِ چشتؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ گلیم سیاہ حضرت

---

[1] جب منجنیق میں ڈال کر لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا تو آپ ابھی ہوا میں تھے کہ جبرائیلؑ آئے اور پوچھا کہ ابراہیم کوئی کام ہو تو بجا لاؤں۔ آپ نے فرمایا کام ہے لیکن آپ سے نہیں ہے۔ یعنی اللہ سے ہے۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا: اِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی (ابراہیم وہ ہے جس نے ہمارے ساتھ وفا کی) یعنی غیر سے سوال نہ کیا۔ بلکہ ہم پر توکل کیا۔

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے : علی خلفتی علیکم فی حیاتی و مماتی (یعنی اے علیؓ میں نے تم کو اپنا خلیفہ بنایا اپنی حیات میں اور ممات میں) اور یہ حدیث روضۃ الاحباب کی جلد دوم میں مندرج ہے اور صحاح ستہ میں سے بھی روایت کرتے ہیں تیسرے خلیفہ الٰہی داؤد علیہ السلام ہیں کہ حق تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے : یاداؤد انا جعلناک فی الارض خلیفۃ (اے داؤد ہم نے تم کو دنیا میں خلیفہ بنایا) تفسیر حسینی میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے اور ان میں سے ہر ایک ملک کی خواہش رکھتا تھا۔ حق تعالیٰ نے ایک نامہ جس پر مہر لگی ہوئی تھی۔ آسمان سے بھیجا۔ اس میں چند مسائل درج تھے۔ فرمان ہوا کہ تمہاری اولاد میں سے جو ان مسائل کا جواب دے گا۔ تمہارے بعد ملک کا وارث ہوگا۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور بنی اسرائیل کے شرفاء کو بلایا۔ داؤد علیہ السلام کی سب اولاد جواب سے عاجز آئی۔ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہر مسئلے کا جواب باصواب دے دیا چنانچہ تفسیر حسینی میں اس کا مفصل ذکر ہے۔ پس بنی اسرائیل کے تمام اکابر حضرت سلیمان علیہ السلام کے فضل و کمال کے معترف ہو گئے۔ داؤد علیہ السلام نے اپنا ملک ان کے حوالے کیا اور دوسرے دن وصال پا گئے۔ ان کے بعد سلیمان علیہ السلام تخت پر بیٹھ گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَرِثَ سُلَیْمَانَ دَاوٗدَ (یعنی ہم نے سلیمانؑ کو داؤدؑ کا وارث بنایا) پس حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بیس پشت تک سلسلۂ خلافت ان کی اولاد میں رہا۔

چوتھے خلیفۂ الٰہی باستحقاق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ جن کی شان میں حق تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے کہ وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن پس اس صورت میں بحکم آیۂ کریمہ فَضَّلْنَا بَعْضَہُمْ عَلٰی بَعْضٍ (ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلیفۂ مطلق ہوئے اور دوسرے انبیاء خلیفۂ مقید۔ کیونکہ حضرت آدمؑ اور حضرت داؤد علیہ السلام خلیفۂ زمین تھے اور حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام خلیفہ ہوئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْن (میں نبی تھا اور ابھی آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے) پس آنحضرتؐ آدم علیہ السلام کے وجود میں آنے سے پہلے نبی اور خلیفۂ عالم معنوی تھے۔ جیسے حضرات صوفیہ عالم مثال و عالم برزخ اور

حیاتِ مثالی کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور آدم علیہ السلام اور ان کے بعد دوسرے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام صوری یعنی ظاہری دنیا کے خلیفہ تھے۔ جس کا مفہوم ربع مسکون اور پہاڑ اور جزائر ہیں۔ بلکہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ فتوحات مکی میں تحت الثریٰ سے لے کر ساتویں آسمان تک کو دنیا میں شمار کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اول و آخر، ظاہر و باطن پر ان کا (آنحضرتؐ کا) تصرف ہے۔ اسی لیے نعمتِ الٰہی آپ پر ختم ہوئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کلام پاک میں فرماتا ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (یعنی آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی)، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حجۃ الوداع کے بعد مدینہ طیبہ روانہ ہوئے تو غدیرِ خم کے مقام پر جبرائیل علیہ السلام آئے۔ آیۂ مذکورہ آپ پر پڑھی اور وفات کی خبر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی داؤد علیہ السلام کی طرح تمام اصحاب کو جمع فرما کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ چنانچہ یہ واقعہ معتبر کتب سے مع متن مفصل نقل کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔
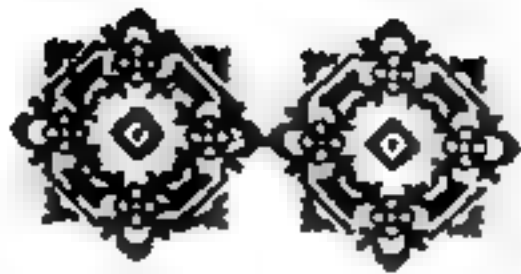
مقدمہ

در ذکر خرقہ خلافت و بیان چار پیر چودہ خاندان اصلی او رخاندان فروعی او ربیان رجال اللہ غوث و قطب وغیرہ اور مشرب صوفیہ اہل صفا و مرتبہ ولایت مقیدہ و مطلقہ

نوٹ : اس کتاب میں جن مقامات پر "شیخ الاسلام" لکھا گیا ہے۔ اس سے مراد حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ ہیں اور جہاں جہاں "خواجہ بزرگ" واقع ہوا ہے۔ اس سے مراد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہیں اور جس جگہ "خواجہ قطب الاقطاب" لکھا گیا ہے۔ اس سے مراد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ ہیں۔ جس جگہ "گنج شکر" واقع ہوا ہے۔ ان سے مراد حضرت شیخ فرید الدین مسعود اجودھنیؒ (پاک پتن) ہیں جس جگہ "سلطان المشائخ" لکھا ہے۔ اس سے مراد حضرت شیخ نظام الدین بدایونیؒ ہیں۔

اے عزیز خرقہ خلافت فقر کے بارے میں تمام ارباب تصوف متفق ہیں۔ چنانچہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ راحت القلوب اور سیر الاولیاء میں خواجگان چشت سے روایت کرتے ہیں کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب العزت سے خرقہ حاصل کیا ہے۔ جب معراج سے واپس تشریف لائے تو صحابہؓ کو طلب کیا اور فرمایا کہ میں نے خرقہ حاصل کیا ہے اور مجھے فرمان ہوا کہ اسے کسی کو دوں۔ اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر یہ خرقہ تم کو دوں تو کیا کرو گے۔ انہوں نے کہا۔ میں صدق سے کام لوں گا اور طاعت کروں گا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ خرقہ تم کو دوں تو کیا کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ عدل و انصاف کروں گا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر یہ خرقہ تم کو دوں تو کیا کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں انفاق کروں گا اور سخاوت سے کام کروں گا۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ اگر یہ خرقہ تم کو دوں تو کیا کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں پردہ پوشی کروں گا اور بندگان خدائے عزوجل کے عیب چھپاؤں گا۔ پس پیغمبر علیہ السلام نے وہ خرقہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مرحمت فرمایا اور فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ

کا یہی فرمان ہوا تھا کہ جو شخص یہ جواب دے بخرقہ اس کو دینا۔

روایت دیگر دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ اس پر مشائخ رضوان اللہ علیہم کا اتفاق ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بارگاہِ صمدیت سے ایک کپڑا لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیا۔ آپ نے اس کے چار حصے کیے۔ ایک حصہ حضرت ابوبکرؓ کو، ایک حصہ حضرت عمرؓ کو، ایک حصہ حضرت عثمانؓ بن عفانؓ کو اور ایک حصہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کو دیا اور فرمایا کہ اس کی حفاظت کرنا اور بوقتِ ضرورت لے آنا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ کپڑا اصحاب مذکور سے طلب فرمایا۔ تین آدمی گئے اور اسے نہ پایا۔ حضرت علیؓ نے اس کے چاروں حصے لاکر حضرت اقدسؐ کی خدمت میں پیش کیے۔ فرمان ہوا کہ "مبارکباد! اسے پہنو اور پہناؤ"

خلافتِ کبریٰ و خلافتِ صغریٰ حضرت شیخ محمد مینا چشتی میر سید محمد گیسو درازؒ کی کتاب جامع الکلم سے یہ ملفوظ نقل کرتے ہیں کہ خلافت پیغمبر علیہ السلام سے دو قسم کی ہے۔ کبریٰ و صغریٰ۔ خلافتِ کبریٰ خلافتِ باطن ہے اور خلافتِ صغریٰ خلافتِ ظاہر ہے اور اجماع امت یہ ہے کہ خلافتِ کبریٰ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مخصوص تھی اور خلافتِ صغریٰ کے متعلق امت میں اختلاف ہے۔ اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت صدیق اکبرؓ کے لیے ہے۔ شیعہ اور رافضی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ہے اور حضرت میر سید جمال الدین محدث روضۃ الاحباب میں صحیح مسلم و بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع ادا کرکے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو راستے میں غدیر خم کی منزل پر جو جحفہ کے قریب ہے، پہنچ کر نماز عصر اول وقت میں ادا کی۔ اس کے بعد اپنے اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا، اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی کیا میں مومنین کے ہاں ان کی اپنی ذات سے زیادہ عزیز نہیں ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ "مجھے عالم بقا کی طرف طلب کیا گیا اور میں نے قبول کر لیا۔ تم کو جاننا چاہیے کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے۔ یعنی قرآن مجید اور اہل بیت۔ تم ان کو قبول کر لو اور احتیاط کرنا کہ میرے بعد ان دونوں کے ساتھ تم

کیا سلوک کرتے ہو اور ان کے حقوق کس طرح ادا کرتے ہو گے اور وہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی حتیٰ کہ لبِ حوضِ کوثر تک پہنچ جائیں گے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ میرا مولا ہے اور میں تمام مومنین کا مولا ہوں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا کہ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ (یعنی جس کا میں مولا ہوں علیؓ بھی اس کا مولا ہے۔ اے اللہ دوست رکھ اس کو جو علیؓ کو دوست رکھتا ہے)، وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ اور دشمن ہو اس کا جو علیؓ کا دشمن ہے۔ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہُ (اور امداد کر اس کی جو امداد کرے علیؓ کی)، وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہُ (اور چھوڑ دے اس کو جو چھوڑ دے علیؓ کو)، وَاَدِرِ الْحَقَّ مَعَہُ حَیْثُ کَانَ (یعنی حق کو یاد رکھ جہاں بھی وہ ہو) روایت ہے کہ قدوۃ اصحاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے علیؓ آج صبح سے آپ ہر مومن مرد اور ہر عورت کے مولا بن چکے ہیں"۔ بیت ؎

رواز برائے سرور دین خویش تاج ساز ‏ ‏ ‏ زخاکِ پاک جوانمرد وآل من والاہ

ازدِل عداوت او دور دار تا نخوری ‏ ‏ ‏ زتیغ لفظ نبیؐ زخم عاد من عاداہ

ترجمہ: دعا اپنے دین کی خوشی کے لیے تاج بنا۔ کس چیز سے؟ اس جواں مرد کے پاؤں کی خاک سے جس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وال من والاہ" (یعنی اے اللہ محبت کر اس سے جو محبت کرے علیؓ سے) اور علی کی عداوت سے اپنے دل کو پاک رکھ تاکہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ "وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ" کی تلوار سے زخم نہ کھائے۔

صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی طور سینا کی طرف متوجہ ہوتے وقت بنی اسرائیل کو جمع کر کے ہارون علیہ السلام کو اپنا وصی (نائب) مقرر فرمایا۔ انہی معنوں میں حضرت رسالت پناہ صلوٰۃ اللہ علیہ نے حضرت علیؓ کے بارے میں فرمایا کہ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا لَا نَبِیَّ مِنْ بَعْدِیْ (تو میرے لیے وہ حیثیت رکھتا ہے جو موسیٰؑ کے لیے ہارون رکھتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں)، مولانا رومؒ نے شعر ذیل میں اسی مقام سے خبر دی ہے ؎

فرد افتخار ہر نبی و ہر ولی   در جہاں آمد وجود آں علیؓ

(یعنی ہر نبی اور ہر ولی کا فخر جہاں میں علیؓ کا وجود ہے) اور سندِ خلافت جو انہوں نے کتاب فصوص الآداب مصنفہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ سے نقل کی ہے اور اس کو پایۂ صحت تک پہنچایا ہے۔ اس کا ذکر دوسرے طبقہ میں حضرت علیؓ کے احوال میں درج آرہا ہے۔ الغرض حضرت علیؓ سے خرقۂ خلافت چار شخصوں کو پہنچا ہے۔ جن کو چار پیر کہتے ہیں۔ اوّل امام حسنؓ دوم امام حسینؓ، سوم خواجہ کمیل بن زیادؓ، چہارم حضرت خواجہ حسن بصریؒ۔ لیکن بعض رسائل متعارف میں یوں لکھتے ہیں کہ خرقہ حضرت علیؓ سے صرف حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو پہنچا ہے اور ان سے چار سلسلے وجود میں آئے ہیں لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ حضرت امام حسنؓ کی امامت اور خلافت اکثر معتبر کتابوں سے ثابت ہے اور صاحبِ نفحات امام مجدالدین بغدادی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا خرقۂ خلافت دو شخصوں کو ملا ہے۔ ایک حضرت خواجہ حسن بصریؒ دوسرے خواجہ کمیل بن زیادؓ اور صاحبِ لطائف اشرفی، مصنفہ تذکرۃ اولیاء ہند اور مؤلف اوراد غوثیہ اور سائر مشائخ کبار ہر سلسلہ اثبات پر متفق ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا خرقۂ خلافت چار بزرگان کو ملا ہے یعنی حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت خواجہ حسن بصریؒ، حضرت خواجہ کمیل بن زیادؓ۔ لیکن لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی بیعت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ان کا کہنا ہے حضرت حسن بصریؒ کی بیعت حضرت امام حسنؓ سے ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی بیعت حضرت خواجہ کمیل بن زیادؓ کے ساتھ تھی۔ لیکن سب سے صحیح قول یہ ہے کہ ان کی خلافت براہ راست حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہٗ سے تھی۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے۔ انہوں (حضرت حسن بصریؒ) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی تربیت حاصل کی ہے اور حبیب السیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ اٹھارہ سال جوان ہونے کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے کہ حضرت علیؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا جب آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے ان کی اقتداء کی اور ان کی صحبت کا فیض حاصل کیا۔ چنانچہ کشف المحجوب میں ایک دوسرے کے مکتوبات بعینہٖ منقول ہیں۔ (انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام بیان کا ذکر ہوگا) اور خواجہ کمیلؓ کی صحبت بھی ان کو ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کرم اللہ

وجہہ کی قبولیت کی وجہ سے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو مقتدائے شیخ بنایا ہے۔ چنانچہ اکثر سلسلے ان کے ذریعے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک جاملتے ہیں۔

ذکر چہار خانوادہ اصل و دیگر خانوادہ ہائے فرع

پہلا سلسلہ پہلا سلسلہ زیدی ہے جو حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ سے منسوب ہے۔ آپ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ نے خواجہ کمیل بن زیادؒ کی خدمت میں بھی تربیت حاصل کر کے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اتمام سلوک کے بعد وہ مسند ارشاد پر بیٹھے۔ حضرت عبداللہ بن عوفؓ کی اولاد میں سے پانچ حضرات نے بھی آکر حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ سے بیعت کی اور نہایت اخلاص سے اپنے باپ دادا اور شہر مدینہ کی نسبت کو چھوڑ کر زیدی بن گئے۔ اسی وقت سے یہ سلسلہ مشہور ہوگیا۔ زیدی ہمیشہ جنگل میں خلوت کرتے تھے اور کمال مجاہدہ کی جہ سے تین چار روزے جنگل میوے یا گھاس سے افطار کرتے تھے۔ کسی شہر یا گاؤں میں نہیں جاتے تھے۔ اور کسی جانور کو ذبح نہیں کرتے تھے اور فتوح نہیں لیتے تھے (یعنی لوگوں سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے) جب حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ کا آخری وقت آیا تو آپ نے وہ خرقہ خلافت جو حضرت امام حسن بصریؒ سے حاصل کیا تھا۔ حضرت فضیل ابن عیاضؒ کو عطا فرمایا اور دوسرا خرقہ خلافت جو حضرت کمیل بن زیادؒ سے حاصل کیا تھا۔ ابو یعقوب السوسی کو مرحمت فرمایا اور یہ دونوں سلسلے ان دو بزرگوں سے جاری ہوئے۔

دوسرا سلسلہ دوسرا سلسلہ عیاضیاں ہے جو حضرت خواجہ فضیل ابن عیاض سے منسوب ہے جو خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ کے۔ بلکہ اکثر مشائخ وقت سے انہوں نے فیض حاصل کیا ہے۔ آپ ترک و تجرید اور مریدوں کی تربیت میں شان عظیم رکھتے تھے جو کوئی ان کی خدمت میں جا پہنچا تھا۔ اپنے آباؤ اجداد اور شہر کی نسبت ترک کر کے ان کا ہو جاتا تھا اور اپنے آپ کو ان سے منسوب کر لیتا تھا۔ یہ سلسلہ اسی وقت سے ظاہر ہوا ہے۔ عیاضیاں ہمیشہ سفر میں اور مجرد رہتے تھے۔ شادی نہیں کرتے تھے اور گھروں میں آباد نہیں ہوتے

تھے۔ نیا کپڑا نہیں پہنتے تھے۔ کپڑے پھٹ جاتے تو ان کو پیوند لگاتے تھے۔ کسی شخص سے سوال کرنا روا نہیں رکھتے تھے۔ جو کچھ غیب سے بغیر طلب ان کو مل جاتا خرچ کرتے تھے اور اکثر کھانا مہمانوں کے ساتھ کھایا کرتے تھے اور خلق سے میل جول نہیں رکھتے تھے۔

تیسرا سلسلہ

تیسرا سلسلہ ادہمیہ ہے جو حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ سے منسوب ہے۔ حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ کو تین بزرگوں سے خرقۂ خلافت ملا ہے۔ ان کے ترک دنیا کا پہلا سبب حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ آپ مدت تک حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت میں رہے اور ان سے خرقہ (خلافت) حاصل کیا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے بھی تربیت اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اس کے بعد حضرت امام محمد باقرؓ کی خدمت میں سلوک کی تربیت حاصل کی اور امام علیہ السلام کی خلافت سے مستفیض ہوئے۔ آپ نے اس راہ میں بہت بلند مراتب حاصل کیے اور ایک جہاں آپ کی خدمت میں رہ کر ہدایت پاتا تھا۔ جو شخص آپ کی بیعت سے مشرف ہوتا، اپنے آباؤ اجداد اور اپنے شہر کی نسبت ترک کر کے آپ کے ساتھ منسوب ہو جاتا تھا۔ اسی وقت سے یہ سلسلہ پھیلا۔ ادہمی سلسلے کے لوگ مجرد اور سفر میں رہتے تھے اور ذکر جلی بہت کرتے تھے جو کچھ بغیر سوال غیب سے مل جاتا کھا لیتے تھے اور اہل دنیا کی صحبت سے پرہیز کرتے تھے اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے تھے۔ یہ سلسلہ حضرت امام محمد باقرؓ کے واسطے سے حضرت امام حسینؓ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے اور حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ کے واسطے سے حضرت خواجہ حسن بصریؒ تک جا پہنچتا ہے۔

چوتھا سلسلہ

چوتھا سلسلہ ہبیریہ ہے جو حضرت خواجہ ابو ہبیرہ امین الدین بصری رحمۃ سے منسوب ہے۔ حضرت خواجہ ابو ہبیرہؒ حضرت خواجہ حذیفہ مرعشیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے اور وہ مرید اور خلیفہ تھے حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ کے تا آخر سلسلہ۔ حضرت خواجہ ابو ہبیرہ امین الدین بصریؒ کو ارشاد مریدین میں قبول عظیم حاصل تھا اور جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوتا اپنے آباؤ اجداد اور شہر کی نسبت ترک کر کے ہبیری کہلاتا تھا۔ اسی وقت یہ سلسلہ ظاہر ہوا۔ ہبیری لوگ شہر اور گاؤں میں نہیں رہتے تھے۔ بلکہ شب و روز وضو کے ساتھ جنگل میں اکیلے رہتے تھے اور نماز حضور قلب کے ساتھ ادا کرتے تھے اور لوگوں سے میل جول نہیں رکھتے

تھے اور فتوح (لوگوں کے عطیے) قبول نہیں کرتے تھے۔ تین چار دن کے بعد جنگلی میوہ یا گھاس سے افطار کرتے تھے اور ہمیشہ اپنے دل کی پاسبانی کرتے تھے (یعنی اپنے دل کو خطرات و وساوس سے محفوظ رکھتے تھے۔)

پانچواں سلسلہ

پانچواں سلسلہ چشتیاں حضرت خواجہ علی دینوریؒ سے جاملتا ہے۔ آپ حضرت خواجہ ابو ہبیرہ امین الدین بصریؒ کے مرید اور خلیفہ تھے اور وہ حضرت خواجہ حذیفہ مرعشیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے اور وہ حضرت خواجہ ابراہیم ادھمؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ کو جو نعمت اور امانت حضرت خواجہ خضرؑ، حضرت امام محمد باقرؓ بن امام زین العابدینؓ بن حضرت امام حسینؓ اور حضرت فضیل ابن عیاضؒ کی صحبت سے ملی تھی۔ آخر عمر میں سب خواجہ حذیفہ مرعشیؒ کے حوالہ فرمائی اور ان سے آج تک یہی امانت بطریق سلوک صحیح طور پر اس سلسلے میں موجود ہے۔

الغرض سلسلہ چشتیہ حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامیؒ سے شروع ہوا ہے۔ آپ ملک شام سے بغداد میں حضرت خواجہ علی دینوریؒ کی خدمت میں مرید ہونے کی نیت سے حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہؒ نے دریافت فرمایا۔ کیا نام ہے؟ عرض کیا ابو اسحاق شامی۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا۔ آج سے تم چشتی کہلاؤ گے۔ تم خواجہ چشت ہو، چشت تمہاری وجہ سے مشہور ہوگا اور جو شخص تم سے منسوب ہوگا، وہ بھی قیامت تک چشتی کہلائے گا۔ پس ان کو مرید کیا اور تربیت دی۔ اس کے بعد خرقہ خلافت عطا کر کے چشت بھیج دیا۔ خواجہ ابو احمد چشتیؒ جو کہ چشت کے رئیس و اشراف تھے۔ آپ کے مرید ہو گئے اس کے بعد اس ملک کے تمام لوگ آپ کی طرف مائل ہوئے اور حضرت خواجہ مریدین کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ آپ بہت عالی ہمت اور بلند شان رکھتے اور ابدالوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ جب آپ کا آخری وقت آیا تو خرقہ خلافت حضرت خواجہ ابو احمد ابدالؒ کو عطا فرما کر اپنا جانشین مقرر کیا۔ یہ خرقہ خلافت ان کے ذریعے حضرت خواجہ محمد چشتیؒ کو پہنچا۔ ان سے حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ اور ان سے حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کو اور یہ حضرات سلسلہ چشتیہ کے پنج تن ہیں۔ اسی طرح ان کے خلفاء میں سے ملک ہندوستان میں بھی پنج تن ہیں۔ ایک حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، دوسرے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ چشتی، تیسرے حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر چشتیؒ، چوتھے حضرت خواجہ نظام الدین چشتیؒ، پانچویں حضرت خواجہ نصیر الدین

محمود چراغ دہلی چشتیؒ جس شخص کا شجرہ ان پنج تن سے ان پنج تک جا ملتا ہے چشتی کہلاتا ہے جن
پنج تن سے سلسلہ مذکور ظاہر ہوا۔ وہ سب صاحب ریاضت و مجاہدہ اور صاحب ذوق کامل تھے۔
اور اہلِ سماع کو دوست رکھتے تھے اور مشائخ کا عرس کرتے تھے اور فقراء کو امراء پر فوقیت دیتے
تھے اور شہر اور گاؤں میں رہائش رکھتے تھے اور ہر فرقے کے ساتھ تواضع سے پیش آتے تھے
اور مریدین کی تربیت میں عالی ہمت اور شانِ عظیم رکھتے تھے۔ چنانچہ انیس الارواح میں حضرت
خواجہ معین الدینؒ نے لکھا ہے کہ ہمارے سلسلہ میں ایک روز و شب کا مجاہدہ ہے اور زیادہ ذوق
مشاہدہ ہے۔ لطائفِ اشرفی میں لکھا ہے کہ چشت دو ہیں۔ ایک شہر ہے جو ملک خراسان میں ہرات کی
نواحی میں واقع ہے، دوسرا قصبہ ہے، ہندوستان میں جو ملتان اور اوچ کے درمیان ہے۔ ہمارے
خواجگان خراسان والے چشت سے تعلق رکھتے ہیں۔ میر سید علاؤ الدین چشتیؒ نے شعر ذیل میں اسی
مقام کی خبر دی ہے ؎

گر ز ہندوستان شدیم چہ باک ۔۔۔ سبزۂ گلشن خراسانیم

اور لطائفِ اشرفی میں لکھا ہے کہ جو شخص خاندانِ قدیم اور سلسلہ کریم اہلِ چشت کی محبت
اور موافقت کا دعوے کرتا ہے۔ اس کے اندر دو وصف ہونے ضروری ہیں۔ اول ترک و ایثار،
دوم عشق و انکسار۔ جس شخص کے اندر یہ دو وصف نہیں ہیں۔ اس کو چشتیوں کے مذہب سے
کوئی حظ اور بہشتیوں کے مشرب سے کوئی نصیب نہیں ملتا۔

چھٹا سلسلہ

چھٹا سلسلہ عجمیوں کا ہے جو حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ سے جا ملتا ہے اور وہ مرید
اور خلیفۂ عظیم تھے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے اور ترک و تجرید استجابت دعا میں
اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ آپ اکثر مشائخ کے مقتدا، رہبر حلقہ، ہیں اور جو شخص آپ کا مرید ہوتا تھا
تمام نسبتوں سے خالی ہو کر اپنے آپ کو ان سے منسوب کرتا تھا۔ اسی وقت سے یہ سلسلہ ظاہر ہوا۔
عجمی لوگ اکثر پہاڑوں میں رہتے تھے اور تنہا رہتے تھے اور فتوح (لوگوں کے عطیات) قبول نہیں
کرتے تھے۔ وہ صرف اسی قدر کپڑا پہنتے تھے جس سے ننگا پن ڈھانپا جا سکے اور سات دن
کے بعد ایک یا تین کھجور کے ساتھ افطار کرتے ہیں اور جنگل کے جانور اور پرندے ان سے الفت
کرتے تھے۔

ساتواں سلسلہ ساتواں سلسلہ طیفوریوں کا ہے جو سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامیؒ سے جا ملتا ہے۔ جن کا نام طیفور ہے۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایک سو سولہ مشائخ کی صحبت پائی ہے۔ آپ بارہ سال حضرت امام جعفر صادق رضؓ کی خدمت میں رہے اور ان سے خلافت حاصل کی۔ لیکن میر سید شریف جرجانی ساکن جرجان (جارجیہ) اور دوسرے سوانح نگاروں کا یہ خیال ہے کہ ان کو حضرت امام جعفر صادق رضؓ کی ظاہری صحبت نہیں ملی۔ بلکہ باطناً ان کی روحانیت سے تربیت حاصل کی ہے۔ یہ دونوں صورتیں مقبول ہیں اور لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت حبیب عجمیؒ سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا ہے۔

الغرض وہ مقتدائے قوم تھے اور نہایت بلند ہمت اور عظیم شان رکھتے تھے اور ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں کہ میں اٹھارہ ہزار جہاں بایزیدؒ کی بدولت دیکھتا ہوں اور بایزید درمیان سے غائب رہے۔ مطلب یہ کہ وہ ذات حق میں گم ہیں۔ غرضیکہ جب حضرت بایزید نے سلوک تمام کیا تو وہ مسند ارشاد پر بیٹھے۔ شیخ مسعود، شیخ محمود، شیخ ابراہیم اور شیخ احمد چاروں حضرات نے ان سے بیعت کی اور غلبۂ صدق کی وجہ سے اپنے آباؤ اجداد کی نسبت ترک کر کے ان سے منسوب ہوئے۔ اسی وقت سے یہ سلسلہ مشہور ہو گیا۔

آٹھواں سلسلہ آٹھواں سلسلہ کرخیوں کا ہے جو حضرت معروف کرخیؒ سے جا ملتا ہے۔ آپ مشائخ قدما میں سے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محفوظ ہے اور آپ کے والد کا نام فیروز ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ان کا نام علی تھا۔ وہ حضرت امام علی موسیٰ رضاؓ کے غلام تھے اور کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور حضرت معروفؒ نے کئی سال حضرت امام صاحب کے حجرۂ خاص کی دربانی کی اور ان سے روحانی تربیت حاصل کی۔ کمال صدق اور خدمت اور اخلاص کی وجہ انہوں نے ایسی ترقی کی کہ حضرت امامؓ کی خلافت سے مشرف ہوئے اور آپ کے مجاز کی حیثیت سے کرخ میں کہ بغداد کا ایک موضع ہے، مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔ حق تعالیٰ نے ان کو ایسا مقتدائے وقت اور پیشوائے مشائخ بنایا کہ سات مشائخ کے سلسلے ان کی وساطت سے حضرت امام علی موسیٰ رضاؓ تک پہنچ کر حضرت علی مرتضیٰ رضؓ پر ختم ہوتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت داؤد طائیؒ نے بھی جو کہ مرید و خلیفہ ہیں حضرت حبیب عجمیؒ کے حضرت

معروف کرخیؒ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور تمام مشائخ وقت نے حضرت خواجہ معروف کرخیؒ کے طریق کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا ہے۔ آپ اپنے مریدین کی تربیت میں بڑے عالی ہمت تھے جو شخص کہ آپ کے حلقۂ ارادت میں آجاتا تھا۔ اپنے باپ دادا کا حسب و نسب بھول جاتا تھا۔ اور اپنے آپ کو موضع کرخ سے منسوب کر لیتا تھا۔ اسی وقت سے یہ سلسلہ ظاہر ہوگیا۔ کرخی سلسلہ کے لوگ اکثر اوقات ترک و تجرید کے ساتھ خلوت میں رہتے ہیں اور تلاوتِ قرآن مجید اور ذکر میں بہت مشغول رہتے ہیں۔ اللہ کے خوف سے بہت روتے ہیں اور اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتے ہیں۔

نانواں سلسلہ

نانواں سلسلہ سقطیوں کا ہے جو حضرت خواجہ سری سقطیؒ سے جاملتا ہے۔ آپ حضرت معروف کرخیؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور ترک و تجرید و ریاضت و مجاہدہ اور علم فنا میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ تکمیل سلوک کے بعد آپ تربیت مریدین میں مشغول ہوگئے پہلے پہلے بادشاہوں کی اولاد میں سے تین آدمی آپ سے بیعت ہوئے اور کمال اخلاص سے انہوں نے اپنے آپ کو اپنے پیر کی نسبت سے منسوب کر لیا۔ اسی وقت سے یہ سلسلہ مشہور ہوگیا۔ سقطی سلسلہ کے لوگ صائم الدھر (ہمیشہ روزہ رکھنے والے) اور قائم اللیل (راتوں کو جاگنے والے) تھے۔ لوگوں سے عطیات قبول نہیں کرتے تھے۔ تین دن کے بعد خلوت سے باہر نکلتے تھے اور شام کے وقت دس گھروں سے بھیک مانگ کر اپنے پیر بھائیوں کے ساتھ افطار کرتے تھے۔

دسواں سلسلہ

دسواں سلسلہ جنیدیوں کا ہے جو سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے جاملتا ہے۔ آپ حضرت خواجہ سری سقطیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ایک دن کسی بزرگ نے حضرت سری سقطیؒ سے دریافت کیا کہ کوئی مرید پیر سے بھی زیادہ کامل ہو سکتا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہاں! جس طرح مجھ سے جنیدؒ۔ الغرض ان کے کمالات کو اس پر قیاس کر لینا چاہیے آپ بالاتفاق مشائخ کے مقتدا اور پیشوا تھے۔ اکثر مشائخ ان کے سلسلہ میں منسلک ہو کر اپنے آباؤ اجداد اور شہر کی نسبت چھوڑ کر کمالِ عشق سے ان کے ساتھ منسوب ہوئے ہیں۔ حدیثِ نبوی اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ (شیخ اپنی قوم میں ایسے ہوتا ہے جیسے

نبی اپنی امت میں، گویا محض ان کی شان میں وارد ہوئی ہے۔ الغرض یہ سلسلہ اسی وقت سے پھیل گیا جنیدی سلسلے کے لوگ توکل پر رہتے تھے اور ریاضات اور مجاہدات بہت کرتے تھے اور جو کچھ غیب سے بلا سبب خلق ان کو ملتا تھا۔ اس سے افطار کرتے تھے۔

گیارھواں سلسلہ

گیارھواں سلسلہ گازرونیوں کا ہے جو حضرت خواجہ ابو اسحاق گازرونیؒ سے جا ملتا ہے۔ آپ گازرون کے بادشاہ تھے۔ اس حال سے باہر آکر جب آپ حضرت خواجہ ابو عبداللہ خفیفؒ کے مرید ہوئے تو انہوں نے فرمایا میں نے تجھے دنیا بھی دی اور دین بھی دیا تو عَلَم اور طبل (جھنڈا جو علم کا نشان ہے اور طبل یعنی نقارہ جو نشان شاہی ہے) دونوں بلند کر۔ حضرت خواجہ اسحاقؒ کی حقیقت تصوف اور کمالات صوری ومعنوی (ظاہری و باطنی) کے ظہور کا ذکر اکثر کتابوں میں ملتا ہے۔ اس مختصر جگہ میں اس کی گنجائش نہیں۔ الغرض ان کا سلسلہ اس طرح ہے کہ وہ مرید وخلیفہ حضرت ابو عبداللہ خفیفؒ کے ہیں اور وہ حضرت خواجہ رویمؒ کے اور وہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے الی آخرہ۔ جب لوگ کثرت سے حضرت خواجہ ابو اسحاق کے مرید ہوئے اور کمال شوق میں اپنے آپ کو ان سے منسوب کیا تو یہ سلسلہ مشہور ہوا۔ گازرونی سلسلہ کے لوگ خلق کے درمیان رہ کر حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں اور اسمائے اعظم اور دعائے یَا اَنْتَ الْقُدُّوْسُ بہت پڑھتے ہیں۔

بارھواں سلسلہ

بارھواں سلسلہ طوسیوں کا ہے جو شیخ علاؤالدین طوسیؒ سے جا ملتا ہے۔ آپ اکابر طوس میں سے تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ اکابر فردوس میں سے تھے۔ دونوں حضرات کے درمیان دینی اخوت تھی۔ دونوں اکٹھے حضرت شیخ ابو النجیب سہروردیؒ کی خدمت میں گئے اور عرض کی کہ عمر گذر چکی ہے۔ لیکن کام نہیں بنا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہم بھی اسی درد میں مبتلا ہیں۔ جب تک اللہ کے کسی دوست کا دامن نہیں پکڑیں گے، اس کام کا سرانجام ہونا ممکن نہیں۔ چنانچہ تینوں حضرات حضرت خواجہ وجیہ الدین ابو حفصؒ کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے شیخ علاؤالدینؒ اور شیخ ابو النجیبؒ کو مرید کر لیا اور تربیت فرمائی اور خرقہ خلافت دے کر رخصت کیا کہ تم دونوں اپنے مقام اور مسکن پر جا کر خلق خدا کو ہدایت دو اور شیخ نجم الدین کو شیخ ابو نجیبؒ کے حوالے کیا تاکہ ان کی تربیت کریں۔ یہ سہرورد چلے گئے اور شیخ علاؤالدین طوس جا کر

مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے اور تمام خلق نے آپ کی اقتدا کی۔ جو کوئی ان کا مرید ہوتا۔ کمال اخلاص سے اپنے آپ کو ان سے منسوب کر لیتا۔ اسی وقت سے یہ سلسلہ مشہور ہوا۔ طوسی اور فردوسی سلسلے کے لوگ ایک روش پر چلتے تھے۔ مجالس سماع منعقد کرتے تھے۔ مزامیر سنتے تھے اور رقص و تواجد کرتے تھے اور ذکر جلی (اونچی آواز سے ذکر کرنا) بہت کرتے تھے۔ جہاں سے کوئی چیز آتی تھی کھاتے تھے اور چوں و چرا نہیں کرتے تھے اور جو کچھ ان کی مجلس میں موصول ہوتا تھا۔ مومن، کافر اور غنی میں برابر تقسیم کر دیتے تھے۔ مجاہدہ اور ریاضت بہت کرتے تھے۔ سلسلہ طوسیاں چھ واسطوں سے حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ سے جا ملتا ہے۔

تیرھواں سلسلہ

تیرھواں سلسلہ سہروردیوں کا ہے جو حضرت شیخ ضیاؤالدین ابوالنجیب سہروردیؒ سے جا ملتا ہے۔ آپ حضرت شیخ وجہ الدین ابو حفصؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ شیخ وجہ الدین ابو حفصؒ اور سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے درمیان چار واسطے ہیں۔ شیخ ابوالنجیبؒ نے خرقۂ خلافت شیخ احمد الغزالیؒ سے بھی حاصل کیا تھا اور شیخ احمدؒ اور حضرت جنید بغدادی کے درمیان پانچ واسطے ہیں۔ شیخ ابوالنجیبؒ نے مرید ہونے سے پہلے دس سال ریاضت کی اور بیعت اور خلافت کے بعد تیس سال ریاضت شاقہ (سخت مجاہدہ) میں مشغول رہے۔ اس مدت میں نیند کو پاس نہ آنے دیا۔ آپ بڑے عظیم القدر اور بابرکت بزرگ تھے۔ جو شخص آپ کی خدمت میں پیوست ہوتا۔ عرش سے فرش تک اس کی آنکھ سے کچھ مخفی نہ ہوتا اور جس قدر مشائخ اس سلسلے کے ساتھ منسلک ہوئے ہیں کسی دوسرے سلسلے میں نہیں ہوئے۔ کمال اخلاص سے تمام ان کے مرید اپنے آپ کو ان کے ساتھ منسوب کرنے لگے۔ اسی وقت سے اس سلسلے نے شہرت حاصل کی۔

چودھواں سلسلہ

چودھواں سلسلہ فردوسیوں کا ہے جو حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ سے جا ملتا ہے۔ آپ اکابر فردوس میں سے تھے۔ شیخ وجہ الدین ابو حفصؒ کے اشارے سے حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ سے بیعت ہوئے اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ تم مشائخ فردوس ہو۔ پس اسی روز سے سلسلہ فردوسیہ ظاہر ہوا اور نفحات الانس (مصنفہ مولانا جامیؒ) میں لکھا ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ نے حضرت شیخ عمار یاسر

سے جو شیخ ابو نجیب سہروردی کے اعظم اصحاب میں سے تھے بھی تربیت حاصل کر کے نور علی نور ہوئے اور حضرت شیخ ابو نجیب سہروردی کا سلسلہ چھ واسطوں سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے پیوست ہوتا ہے۔ الغرض فردوسی، سہروردی، طوسی اور گازرونی یہ چاروں سلسلے حضرت جنید بغدادیؒ اور ان کے ذریعے حضرت سری سقطیؒ سے اور ان کے ذریعے حضرت معروف کرخیؒ سے پیوست ہوتے ہیں اور یہ سات سلسلے حضرت امام علی موسیٰ رضاؓ سے جا ملتے ہیں اور ان کے بعد ان کے والد حضرت موسیٰ کاظمؓ اور پھر ان کے والد حضرت امام جعفر صادقؓ اور ان کے بعد ان کے والد حضرت امام باقرؓ اور ان کے والد حضرت امام زین العابدینؓ اور ان کے والد حضرت امام حسینؓ بن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔ معدن المعانی میں سلسلہ فردوسیہ اسی طرح مذکور ہے جس طرح ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ لیکن حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے سلسلے میں ہم نے دیکھا ہے کہ حضرت امام حسینؓ کے اسم گرامی کے بعد حضرت امام حسنؓ کا اسم گرامی بھی درج ہے اور ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم گرامی آتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک خرقہ حضرت امام حسنؓ سے حضرت امام حسینؓ کو بھی ملا ہے۔ اس وجہ سے ان کا نام درمیان میں آتا ہے اور ایک شجرہ قادریہ بھی حضرت حسنؓ مثنیٰ کے ذریعہ حضرت امام حسنؓ تک جا پہنچتا ہے۔ انشاء اللہ اس کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا۔

نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ نجم الدین کبریؒ کو ایک خرقہ حضرت کمیل بن زیادؓ سے بھی ملا ہے۔ وہ اس طرح پر ہے کہ حضرت شیخ نجم الدین کبریؒ نے حضرت شیخ اسماعیل مصریؒ کی صحبت میں رہ کر ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ انہوں نے حضرت شیخ محمد بن مانکیلؒ سے، انہوں نے شیخ محمد بن داؤدؒ المعروف خادم الفقراء سے۔ انہوں نے ابو العباس بن ادریسؒ سے۔ انہوں نے ابو القاسم بن رمضان سے۔ انہوں نے ابو یعقوب طبری سے۔ انہوں نے ابو عبداللہ عثمان المکی سے انہوں نے ابو یعقوب نہرجوریؒ سے۔ انہوں نے یعقوب السوسی سے۔ انہوں نے حضرت عبدالواحد بن زیدؓ سے اور انہوں نے حضرت کمیل بن زیادؓ سے حاصل کیا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ اور محرم راز ہیں۔ حق تعالیٰ نے حضرت نجم الدین کبریٰ کو کمالات عظیم سے سرفراز کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اپنے جیسے ستر مرید رکھتے تھے۔ یہ کمال تصرف اور ولایت ہے! ان کے مرید دو فرقوں میں

منقسم ہوئے۔ ایک فرقہ فردوسیہ اور دوسرا کبرویہ کہلاتا ہے۔ دونوں ایک ہی چمن کے پھول ہیں۔
چار پیر اور چودہ سلسلوں کا ذکر ختم ہوا۔

دوسرے چالیس فروعی سلسلے ان چودہ سلسلوں سے نکلے ہیں۔ طوالت کے سبب سے ان تمام کا ذکر ترک کر کے ان میں سے صرف بارہ سلسلوں کا ذکر درج کیا جاتا ہے جو سب سے زیادہ مشہور اور مروج ہیں۔ غرضیکہ یہ چالیس سلسلے ان چودہ سلسلوں سے جا ملتے ہیں اور چودہ چار سے جا ملتے ہیں اور چار ایک سے جا کر پیوست ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ الآخر (میں اور علیؓ ایک ہی نور میں سے ہیں تا آخر)

بارہ سلسلوں کے بیان میں

پہلا سلسلہ قادریہ وغوثیہ

یہ سلسلہ حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے جا ملتا ہے۔ آپ حضرت شیخ ابو سعید مخزومیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے، آپ شیخ ابوالحسن علی القرشیؒ کے، آپ حضرت شیخ ابو الفرح طرطوسیؒ کے، آپ شیخ ابوالفضل عبدالواحد یمنیؒ کے، آپ شیخ ابوبکر شبلیؒ کے، آپ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے تا آخر۔ حضرت غوث الاعظمؒ کو ایک خرقہ خلافت جدی طریق سے حضرت امام حسن الرضاؓ سے بھی ملا ہے۔ بالفعل سلسلہ قادریہ میں اکثر ہم اسی سلسلہ کا ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔
حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کو شاہ ابو صالح موسیٰ سے۔ ان کو شاہ عبداللہ ولی سے، ان کو شاہ یحییٰ زاہد سے، ان کو شاہ محمد سیف اللہ سے، ان کو شاہ داؤد سیف اللہ سے، ان کو شاہ موسیٰ سے، ان کو شاہ عبداللہ محض یعنی حسن الحسینیؓ سے، ان کو شاہ حسن مثنیٰ ابن امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ بن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے۔

حق تعالیٰ نے حضرت شیخ عبدالقادرؒ کو شان عظیم، کمالات بزرگ، کرامات والفراد اور نفس قاطع عطا فرمایا تھا۔ تمام خلقت بالاتفاق آپ کے کمالات کی قائل ہے۔ آپ مرتبہ غوثی اور قطبی

اور فردانیت سے ترقی کر کے مقامِ محبوبیت تک گئے تھے اور اسی حال میں آپ نے فرمایا، قدمی ھٰذہٖ علیٰ رقبۃِ کلِّ اولیاء اللہ (میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے) اور تمام اولیاء اللہ نے اپنی گردن نیچی کر لی تھی۔ یہ مقام کیسے حاصل ہوتا ہے۔ جانے کہ کس است حرف بس است (عقل مند کے لیے ایک حرف کافی ہے)

دُوسرا سلسلہ یسویہ

اس سلسلہ کے بانی حضرت خواجہ احمد یسوی ہیں جو ترکستان کے شیخ ہیں۔ آپ خواجہ یوسف ہمدانی کے مرید خلیفہ ہیں۔ وہ خواجہ علی الفارمدیؒ کے، وہ حضرت خواجہ ابو القاسم گرگانیؒ کے، وہ ابو عثمان مغربیؒ کے، وہ خواجہ ابو علی کاتبؒ کے، وہ ابو علی سعد باریؒ کے، وہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے تا آخر۔

خواجہ احمد یسویؒ حضرت پیر خوردؒ کے اشارے سے ملک ترکستان میں جا کر مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے۔ آپ کے فیضِ ھدایت سے ایک جہان فیض یاب ہوا۔ حضرت احمد یسوی کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت محمد حنفیہ بن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر منتہی ہوتا ہے۔

تیسرا سلسلہ نقشبندیہ

اس سلسلے کا ظہور حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ اور ان کے تابعین سے ہوا ہے۔ آپ حضرت امیر سید علی کلالؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں، وہ خواجہ محمد سماسی کے، وہ خواجہ علی رامتنیؒ کے، وہ خواجہ محمود ابو الخیر فغنویؒ کے، وہ خواجہ عارف ریوگیری کے، وہ خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ کے، وہ خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے، وہ خواجہ علی الفارمدیؒ کے، وہ خواجہ ابو القاسم گرگانیؒ کے اور وہ تین واسطوں سے سید الطائفہ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ کے مرید وخلیفہ ہیں۔ اشحات میں لکھا ہے کہ حضرت ابو القاسم گرگانیؒ کا ایک سلسلہ باطن روحانی طریق پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ہے۔ اسی طرح انہوں نے باطنی تربیت حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانیؒ کی روحانیت سے۔ ان کو حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ کی روحانیت سے، ان کو حضرت امام جعفر صادقؒ کی روحانیت سے اور حضرت امام جعفر صادقؓ کی دو نسبتیں ہیں۔ ایک اپنے والد بزرگوار امام محمد باقرؓ سے جو سب کو معلوم ہے۔ دوسرے حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیقؓ سے ہے۔ حضرت قاسمؒ، حضرت امام جعفر صادقؓ کی والدہ ماجدہ کے والد تھے حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر کی بیعت اور خلافت حضرت سلمان فارسیؓ سے تھی۔ جن کو حضرت

رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے شرف کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے بھی فیض ملا ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ ظاہر و باطن سنوارنے میں بلند شان رکھتے تھے اور مریدوں کی تربیت میں قدرت کمال رکھتے تھے۔ تھوڑی سی توجہ سے لوگوں کو عالم سفلی سے عالم علوی پر پہنچا دیتے تھے۔ اس سلسلہ عالیہ میں اکثر اکمل اولیاء اللہ کا ظہور ہوا ہے۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کو خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کی روحانیت سے بھی باطنی طور پر فیض ملا ہے (یعنی اویسیؒ طریقے سے) آپ حضرت شیخ عبداللہ بلیانیؒ کی مندرجہ ذیل رباعی ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ رباعی:

تا حق بدو چشم سر نہ بینم ہر دم	از پائے طلب مے نہ نشینم ہر دم
گویند خدا بچشم سر نتواں دید	آں ایشانند من چنینم ہر دم

ترجمہ رباعی (جب تک کہ حق تعالیٰ کو سر کی دو آنکھوں سے ہر وقت نہ دیکھوں طلب چھوڑ کر ہرگز میں نہیں بیٹھ سکتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جسمانی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا (ہاں)، وہ اسی طرح ہیں اور میں ہر دم اسی طرح ہوں یعنی وہ نہیں دیکھ سکتے ہوں گے، ہم تو دیکھ سکتے ہیں)

چوتھا سلسلہ نوریہ یہ سلسلہ حضرت شیخ ابوالحسن نوریؒ سے منسوب ہے۔ آپ کا اسم گرامی احمد بن محمد تھا۔ آپ بغبوری کے نام سے مشہور ہیں۔ کیونکہ آپ کے والد ماجد بغبور کے باشندہ تھے جو ہرات اور مرو کے درمیان ایک شہر تھا۔ آپ بغداد میں پیدا ہوئے اور خرقہ خلافت حضرت سری سقطیؒ سے حاصل کیا۔ جو حضرت جنید بغدادی کے بزرگ ہیں۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ نے محمد علی قصاب ذوالنون مصری کو دیکھا ہے۔ طریق ارشاد میں آپ کو خاص مقبولیت تھی (قدس سرہٗ)

پانچواں سلسلہ خضرویہ یہ سلسلہ حضرت خواجہ احمد خضرویہ سے شروع ہوا۔ آپ مرید و خلیفہ تھے حضرت خواجہ حاتم اصمؒ کے، وہ حضرت شفیق بلخیؒ کے، وہ حضرت خواجہ ابراہیم ادھمؒ کے، وہ حضرت امام باقرؓ، وہ حضرت امام زین العابدینؓ کے، وہ حضرت امام حسین شہیدؓ بن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے۔ ابوحفصؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ اس

طائفہ سے آپ نے کس کو بزرگ دیکھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ احمد خضرویہؒ سے میں نے کسی کو زیادہ بزرگ اور زیادہ بلند ہمت نہیں دیکھا۔ اہل بصیرت کے نزدیک آپ بڑے عظیم القدر بزرگ اور مریدین کی تربیت کے بارے میں بہت قوی الحال تھے۔

چھٹا سلسلہ شطاریہ عشقیہ

ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت عبداللہ شطاریؒ سے شروع ہوا۔ آپ حضرت خواجہ شیخ محمد عارفؒ کے مرید و خلیفہ تھے وہ شیخ محمد العشقیؒ کے، وہ شیخ خدا قلی ماورالنہریؒ کے، وہ شیخ ابوالحسن العشقی خرقانیؒ کے، وہ شیخ ابی المظفر مولانا ترک طوسیؒ کے، وہ شیخ بایزید العشقیؒ کے، وہ شیخ محمد مغربیؒ کے، وہ سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامیؒ کے، وہ حضرت امام جعفر صادقؓ بن حضرت امام باقرؓ کے۔ تا آخر۔ سب سے پہلے اس سلسلے کے جو بزرگ ہندوستان میں آئے حضرت شیخ عبداللہ شطاریؒ تھے۔ اپنے پیر کے حکم سے جس شہر میں جاتے۔ نقارہ بجا کر اعلان کرتے کہ اگر کوئی اللہ کا طالب ہے تو آ جائے تاکہ میں اس کو اللہ سے ملا دوں۔ جونپور کے علاقے کے بہت سے لوگوں نے آپ سے تربیت حاصل کی۔ بڑے بزرگ اور بابرکت آدمی تھے اور ان کی تعلیمات میں کمال اثر تھا۔ چنانچہ اس ملک میں ان کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

ساتواں سلسلہ حسینیہ بخاریہ

یہ سلسلہ سادات کرام سے منسوب ہے۔ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ تمام سلسلوں کا مرجع اور منبا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں خصوصاً سلسلہ سادات کے۔ اشرف الشہداء امیر المومنین حضرت امام حسینؓ نے خلافت، علوم الٰہی اور حقائق لامتناہی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے حاصل کیے۔ یہ کمالات آپ کے ذریعے حضرت امام زین العابدین کو حاصل ہوئے۔ ان سے حضرت امام باقرؓ کو، ان سے حضرت امام جعفر صادقؓ کو، ان سے حضرت امام موسیٰ کاظمؓ کو، ان سے حضرت امام علی رضاؓ کو، ان سے حضرت امام محمد تقی کو، ان سے حضرت امام علی نقیؓ کو ان سے حضرت سید علی اشقرؒ کو، ان سے حضرت سید عبداللہؒ کو، ان سے سید احمدؒ کو۔ ان سے حضرت سید محمود بخاریؒ کو، ان سے حضرت سید جعفر بخاریؒ کو، ان سے علی ابی المؤید بخاریؒ کو، ان سے حضرت سید جلال اعظم بخاریؒ کو، ان سے حضرت احمد کبیر الحق بخاریؒ کو، ان سے سید المتاخرین و مرشد العلمین حضرت

سید جلال الدین مخدوم جہانیاں بخاری کو حاصل ہوئے قدس اسرارھم۔ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں سلسلہ سادات بخاریہ کے منبع اور مصدر مقامات عالیہ ہیں۔ جس قدر حقائق و معارف و دقائق (لطیف نکتے) و عوارف (معروف مضامین) و خوارق عادات (کرامات) آپ سے سرزد ہوئے ہیں، متاخرین کے کسی طائفہ میں ظاہر نہیں ہوئے۔ آپ مظہر العجائب (وہ ہستی جس سے حیران کن امور ظاہر ہوں) اور مصدر الغرائب (شاندار امور کے منبع) تھے دنیا میں کوئی ایسا درویش نہ رہ گیا جس کی صحبت سے آپ مشرف نہ ہوئے ہوں اور اخذ فیض نہ کیا ہو۔ انہوں نے ایک سو چالیس سے زائد مشائخ اہل ارشاد سے خلافت و اجازت حاصل کی ہے لیکن مکمل تربیت اور ارشاد حضرت شیخ رکن الدین سہروردی (ملتانی) اور حضرت شیخ نصیر الدین چشتی چراغ دہلوی سے حاصل کی اور آپ کے خاندان میں اب تک یہ دو سلسلے جاری ہیں یعنی سہروردی اور چشتی۔ علاوہ اس تیسرے سلسلے یعنی سلسلہ سادات کے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ غرضیکہ آپ کے کمالات اظہر من الشمس ہیں اور آپ اپنے وقت کے غوث اور قطب ارشاد تھے۔ قدس سرہٗ۔ آپ کے بعد یہ کمالات آپ کے ذریعے بمع متعدد بزرگوں سے خلافت حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی کو پہنچے۔

آٹھواں سلسلہ زاھدیہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ بدر الدین زاھد سے شروع ہوا۔ آپ خواجہ فخر الدین زاھد کے مرید و خلیفہ تھے۔ وہ خواجہ صدر الدین سمرقندی کے، وہ خواجہ عبد السلام کے، وہ خواجہ عبد الکریم کے، وہ خواجہ قطب الدین عبد المجید کے، وہ خواجہ ابو اسحاق گازرونی کے، وہ حضرت خواجہ حسین بازیار ہروی کے، وہ حضرت خواجہ ابو محمد رویم کے جو سید الطائفہ حضرت خواجہ جنید بغدادی کے خلیفہ اعظم تھے۔ یہ سلسلہ پہاڑی علاقوں میں بہت پھیلا ہے اور بہت مقبول ہوا ہے۔ شہر جونپور میں بھی یہ سلسلہ ہے۔ اس ملک کے بعض لوگ بھی اس سلسلے میں مرید ہوتے ہیں۔

نانواں سلسلہ انصاریہ

اس سلسلے کا مرجع حضرت شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاری ہیں (جن کو پیر ہرات بھی کہتے ہیں) یہ پیر ہرات حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی کے مرید و خلیفہ تھے۔ جن کی باطنی تربیت حضرت بایزید بسطامی کی روحانیت سے

اویسی طریق پر ہوئی۔ ظاہری طور پر حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ کو اجازت و خلافت حضرت شیخ ابوالعباس قصابؒ سے ملی ہے۔ ان کو حضرت شیخ ابومحمد بن عبداللہ طبریؒ سے۔ ان کو شیخ ابومحمد جریریؒ سے ملی جو عظیم الشان کمالات و کرامات کے مالک اور قبلۂ وقت اور غوث زماں تھے۔ آپ سید الطائفہ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ کے اعظم خلفاء میں سے تھے۔ آپ کو حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ کی مسندِ ارشاد پر بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا اور یہ سلسلہ عالیہ خراسان کے علاوہ ہرات میں بہت مشہور ہے۔ حضرت خواجہ عبد انصاریؒ (پیرِ انصار یا پیر ہرات) اس ملک کے قبلۂ حاجات اور صاحب ولایت ہیں۔ شیخ الاسلامؒ اپنے وقت کے غوث تھے۔

دسواں سلسلہ صفویہ

یہ سلسلہ حضرت شیخ صفی الدین اسحاق اردبیلیؒ سے شروع ہوا۔ آپ حضرت شیخ زاہد ابراہیم گیلانیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ وہ حضرت امیر سید جمال الدین تبریزیؒ کے، وہ شیخ شہاب الدین ابہریؒ کے، وہ حضرت شیخ رکن الدین سنجاسیؒ کے اور وہ شیخ قطب الدین ابہریؒ کے، وہ حضرت شیخ ابونجیب سہروردیؒ کے اعظم خلفاء میں سے تھے۔ بالآخر یہ سلسلہ سید الطائفہ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ سے اور ائمہ اہل بیت کے ذریعے حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جا ملتا ہے۔ یہ سلسلہ عراق اور خراسان میں بہت پھیلا ہے۔ حضرت شیخ صفی الدینؒ کے وقت میں لوگ کثرت سے اس سلسلے سے فیض یاب ہوئے اور تربیت حاصل کی کہ کبھی دوسرے مشائخ سے اس قدر سننے میں نہیں آیا۔ آپ ارشاد مریدین میں قبولیت تمام اور نفس کبریٰ رکھتے تھے (یعنی آپ کی تربیت میں بہت مقبولیت تھی اور اس معاملہ میں آپ نہایت عالی ہمت تھے)

گیارھواں سلسلہ عیدروسیہ

یہ سلسلہ حضرت میر سید عبداللہ المکی العیدروسؒ سے شروع ہوا۔ آپ شیخ ابوبکرؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ وہ شیخ عبدالرحمنؒ کے وہ شیخ مولاؒ کے، وہ شیخ علیؒ کے، وہ شیخ علویؒ کے، وہ شیخ محمد بن علی المقدمؒ کے، وہ شیخ ابومحمد مدین مغربیؒ کے جو چند واسطوں سے سید الطائفہ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور سید عبداللہ عیدروسؒ سلسلہ سہروردیہ سے بھی خرقہ خلافت رکھتے تھے اور ان کے سلسلے کی نسبت حضرت امام جعفر صادقؒ پر منتہی ہوتی ہے۔ آپ بڑے بابرکت اور عدیم المثال

بزرگ تھے، آپ سے بڑے بڑے کلمات حقائق و خوارق، عادات ظہور پذیر ہوئے۔ آپ کا سلسلہ عرب
عدن اور گجرات و احمد آباد میں بہت پھیلا ہوا ہے۔ جامع علوم ظاہری و باطنی شیخ علم اللہ اتقی اور
قدوہ ارباب طریقت شیخ بہاؤ الدین محمد خراسانی اسی سلسلے میں تھے۔

بارھواں سلسلہ قلندریہ

سلسلہ قلندریہ چند سلسلوں کے لوگوں پر مشتمل ہے جو مختلف سلسلوں سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو مشرب قلندریہ
سے منسوب کرتے ہیں، چنانچہ محمد قلندر اور ان کے مریدین ایک گروہ کثیر تھا جو یہ عظیم القدر مشرب
(قلندریہ) رکھتا تھا۔ یہ شعر ان کا ہے۔

ما ز دریائیم دریا ہم ز ماست　　　　این سخن داند کسے کو آشنا است

(ہم دریا سے ہیں اور دریا ہم سے ہے۔ یہ بات وہ جانتا ہے جو آشنا ہے)

ان کے علاوہ شاہ حیدر قلندر، شاہ حسین بلخی اور ان کے مرید، نیز شیخ شمس الدین تبریزی،
مولانا روم اور ان کے اصحاب اور دیگر اہل اللہ مثلاً شیخ فخر الدین عراقی، خواجہ اسحاق مغربی اور
خواجہ حافظ شیرازی وغیرہم۔ ہر سلسلہ کے بہت شہباز قلندریہ مشرب رکھتے تھے اور ابدال اکثر اسی
مشرب پر ہوتے ہیں اور ہمیشہ اصلاح باطن میں کوشاں رہتے ہیں چنانچہ نفحات الانس (مصنفہ
مولانا جامی) میں لکھا ہے کہ مولانا روم کی خدمت میں بعض لوگوں نے امامت کی درخواست کی۔
شیخ صدرالدین قونوی بھی اسی مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ مولانا نے کہا۔ ہم ابدال لوگ ہیں ہم
ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ بیٹھ جاتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ امامت کے لائق اہل تمکین ہیں۔
(اہل تمکین اسے کہتے ہیں جو غلبۂ حال سے مغلوب نہ ہو سکے۔ ایسے حضرات کو ابوالحال بھی کہتے
ہیں۔ ان کے برعکس وہ لوگ جو غلبۂ حال سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ ان کو اہل تلوین اور ابن الحال
کہتے ہیں ——— مترجم) چنانچہ مولانا روم نے حضرت شیخ صدرالدین کی طرف اشارہ کیا اور
انہوں نے امامت کرائی۔ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ خواجگان چشت کے سرحلقہ (سردار) حضرت
خواجہ ابو احمد ابدال سے لے کر آج تک ہمارے اکثر خواجگان چشت ابدال تھے اور ان سے عالی شان
کرامات اور خوارق و عادات ظاہر ہوئے۔ اخبار الاخیار (مصنفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی)
میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں مشرب قلندریہ نے شاہ حضرت رومی سے شہرت پائی۔ وہ سلطان

شمس الدین التمش کے زمانے میں قلندری لباس میں حضرت خواجہ قطب الارشاد خواجہ قطب الدین اوشی قدس سرہٗ کی خدمت میں دہلی آکر مرید ہوئے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے تربیت کے بعد خرقۂ خلافت ان کو عطا فرمایا اور رخصت کیا۔ لیکن لباس قلندری کو تبدیل نہ کیا۔ شاہ حضرت رومی بڑے مستغنی اور عظیم الشان بزرگ تھے۔ ان سے بہت کرامات اور خوارق و عادات ظاہر ہوئے۔ جب جونپور کے علاقے میں تشریف لے گئے تو شاہ نجم الدین قلندر آپ کے مریدین میں داخل ہوئے اور تربیت کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا اور خود روم واپس چلے گئے۔ اب ان کا سلسلہ شاہ قطب مینا دل کی بدولت ہندوستان میں جاری ہے۔ شیخ محمود قلندر لکھنوی اور شیخ عبدالرحمٰن لاہرپوری اسی سلسلے میں تھے۔ اس سلسلے کو چشتیہ قلندریہ کہتے ہیں۔

حضرت شیخ شرف بوعلی قلندر جنھوں نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ کی روحانیت سے تربیت حاصل کی۔ بھی یہی مشرب رکھتے تھے۔ یہ بیت ان کا ہے ؎

گر بوعلی نوائے قلندر نواختے　　　صوفی بدے ہر آنکہ در عالم قلندر است

(اگر بوعلی قلندرانہ نغمہ نہ الاپتا تو جہاں میں قلندر ہیں سب صوفی ہوتے۔ قلندر کوئی نہ ہوتا)

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کے خلفاء میں سے حضرت شیخ علی احمد صابر اور ان کے خلیفہ حضرت شیخ شمس الدین ترک بھی قلندری روش رکھتے تھے اور میر سید محمد گیسو دراز بھی یہی مشرب رکھتے تھے۔ یہ اشعار ان کے ہیں ؎

زمین و آسمان ہر دو شریعت اند　　　قلندر را دریں ہر دو مکان نیست
نظر در دیدہ ہا ناقص فتادہ　　　وگرنہ یار من از کس نہان نیست

(زمین و آسمان دونوں کھلے ہیں۔ لیکن قلندر کے لیے ان دونوں میں جگہ نہیں ہے۔ آنکھوں میں نظر کمزور ہے۔ ورنہ میرا دوست کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

میر سید محمد مکی جو حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی کے اعظم خلفاء میں سے ہیں بھی اسی مشرب پر تھے۔ یہ اشعار ان کے ہیں۔ رباعی ؎

اندر رہ عشق سرسری نتواں رفت　　　بے دیدہ رہ قلندری نتواں سفت
خواہی کہ پس از کفر بیابی ایماں　　　تا جاں نہ دہی بکافری نتواں رفت

دراہِ عشق میں سرسری طریق پر نہیں چلنا چاہیے۔ آنکھوں کے بغیر قلندری کے راستے
پر نہیں چلا جا سکتا۔ اگر تو چاہتا ہے کہ کفر کے بعد ایمان حاصل کرے۔ جب تک تو جان
نہ دے گا۔ کافری تک نہ پہنچے گا۔ کفر سے مراد یہاں کفر حقیقی ہے)

اور خواجہ مسعود بکؒ جو کہ شیخ رکن الدین بن شیخ شہاب الدین امام سلطان المشائخ کے
مرید و خلیفہ تھے، بھی قلندری مشرب رکھتے تھے۔ آپ بڑے بے باک بزرگ تھے اور چشتیہ سلسلے میں
آپ کی طرح کسی نے حقائق سے لبریز مستانہ کلام نہیں کہا۔ یہ شعر ان کے قصیدہ سے ہے ؎

مجرد شو از دین و دنیا قلندر — کہ راہِ حقیقت ازیں دو برتر

(اے قلندر دنیا و دین دونوں سے آزاد ہو جا۔ کیونکہ راہِ حقیقت ان دونوں
سے برتر ہے)

ہمارے مخدوم قطب ابدال حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ بھی یہی عالی قدر مشرب
رکھتے تھے۔ شاہ نعمت اللہ ولیؒ رسالہ قلندریہ میں فرماتے ہیں کہ ؎

صوفی منتہی[1] چوں بمقصد رسد قلندر گردد، ذکر قلندر حق است کز و ہمہ عالم مستی است، دین
قلندر دانا کہ او بر ہمہ عالم توانا، دنیائے قلندر تفرید کہ بشارت دے دہد بتوحید، علم قلندر سہو و عمل
قلندر محو، دراہِ قلندر عشق است، العشق ہو اللہ۔"

نوٹ: عبارت فارسی اس قدر خوب صورت ہے کہ قارئین کے لیے اسی طرح نقل کر دی گئی ہے۔

"ترجمہ: صوفی منتہی جب مقصد کو پہنچتا ہے۔ قلندر ہو جاتا ہے۔ ذکرِ قلندر حق ہے،
جس سے تمام جہاں مستی یعنی مستفیض ہوتے ہیں۔ قلندر کا دین دانا ہے جو تمام
جہاں پر توانا ہے۔ قلندر کی دنیا تفرید یعنی ذات حق میں محویت تامہ ہے جو توحید کی
بشارت دیتی ہے یعنی جس کی وجہ سے قلندر ذات حق میں ایک ہو جاتا ہے۔ قلندر

---

[1] سالکین کے تین درجے ہیں۔ مبتدی، متوسط اور منتہی۔ یعنی ابتدائی حالت والا، درمیانی حالت والا اور آخری حالت
والا۔ ابتدائی حالت بندگی ہے۔ وسطی حالت فنا ہے اور آخری حالت بقا ہے۔ جسے عبدیت بھی کہتے ہیں لیکن
عبدیت کے بعد ایک غلبہ ہوتا ہے جسے غلبہ عبدیت کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے سالک مکمل طور پر کھو یا جاتا ہے۔ اس
لیے آخری عمر میں اکثر حضرات صاحب تمکیں حالت محو و استغراق میں چلے جاتے ہیں۔

کا علم ہوئے یعنی اپنے آپ کو بھول جانا اور حق رہ جاتا ہے۔ قلندر کامل محو ہے یعنی ذات حق میں محو ہو جانا اور قلندر کا طریق عشق ہے۔ عشق کیا ہے اللہ ہے،

شاہ حسین بلخی فرماتے ہیں : بیت

قلندر کے بیاید در عبارت — قلندر کے بگنجد در اشارت

(قلندر کی حقیقت بیان کرنا ناممکن ہے۔ قلندر ہر قسم کی تعریف و توضیح سے بالاتر ہے)

ختم ہوا ان سلسلوں کا اجمالی ذکر ....

صاحب کشف المحجوب (حضرت سید علی ہجویریؒ معروف بہ داتا گنج لاہوریؒ) فرماتے ہیں کہ تمام اہل تصوف کے بارہ گروہ صاحب مذہب ہیں۔ ان میں سے ہر گروہ تصوف میں ایک مخصوص مذہب رکھتا ہے۔ ان میں سے دو گروہ مردود ہیں۔ ایک گروہ حکما (یعنی فلاسفہ) کا جو حلولی ہیں یعنی عقیدہ حلول[1] رکھتے ہیں۔ دوسرا گروہ حلاجیوں[2] کا ہے جو ترک شریعت اور الحاد (بے دینی) سے منسوب

---

[1] حلول کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں ذات حق اس طرح حلول کیے ہوئے ہے۔ جس طرح پانی میں شکر۔ یہ عقیدہ خلاف اسلام ہے۔ کیونکہ اس سے متعدد وجود لازم آتے ہیں۔ لیکن وجود ایک ہے یعنی واجب الوجود۔

[2] حلاجی، صاحب کشف المحجوب نے اپنی کتاب کے ص۳۲۰ مترجمہ مولوی فیروزالدینؒ پر لکھا ہے کہ "اس طریقہ (حلولیہ) کے دو گروہوں میں سے ایک ابوسلمان دمشقی سے محبت رکھتا ہے اور دوسرا گروہ اپنے اقوال کو فارس (یا حسین فارسی) کی طرف منسوب کرتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہ حسین بن منصورؒ کا مذہب ہے۔ حالانکہ ان کے سوا ہم نشینان حسینؒ میں سے کسی کا بھی یہ مذہب نہیں۔ چنانچہ میں نے ابوجعفر صیدلانیؒ کو اور چار ہزار آدمیوں کو جو عراق میں پھیلے ہوئے ہیں دیکھا ہے کہ جو سب حلاجی تھے۔ وہ سب فارس (حسین فارسی) کو اس قول کی وجہ سے لعنت کرتے تھے اور حسین بن منصور (حلاج) کی کتابوں میں بھی جو ان کی تصنیف ہیں۔ سوائے تحقیق کے اور کچھ بھی نہیں اور میں علی بن عثمان (جلابی) ہجویری کہتا ہوں کہ میں نہیں جانتا کہ فارس اور ابوسلمان کون ہوئے ہیں اور انھوں نے کیا کہا ہے۔

ہیں. سوائے حسین بن منصور حلاج اور ان کے خاص اصحاب کے اور ان میں سے دس گروہ مقبول ہیں۔ پہلا گروہ محاسبیہ کا ہے جو ابی عبداللہ حارث محاسبیؒ سے منسوب ہے۔ دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے جو ابی صالح حمدون القصارؒ سے تعلق رکھتا ہے۔ تیسرا گروہ طیفوریہ ہے جو ابی یزید طیفور البسطامیؒ سے تعلق رکھتا ہے۔ چوتھا گروہ جنیدیہ ہے جو ابی القاسم جنید بغدادیؒ سے تعلق رکھتا ہے۔ پانچواں گروہ نوریہ ہے جو ابی الحسن نوریؒ سے تعلق رکھتا ہے۔ چھٹا گروہ سہیلیہ ہے جو سہل عبداللہ تستری سے تعلق رکھتا ہے۔ ساتواں گروہ حکیمیہ ہے جو ابی عبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذیؒ سے تعلق رکھتا ہے۔ آٹھواں گروہ خرازیہ ہے جو ابی سعید خراز سے تعلق رکھتا ہے۔ ناواں گروہ خفیفیہ ہے جو ابی عبداللہ محمد بن خفیفؒ سے تعلق رکھتا ہے۔ دسواں گروہ سیاریہ ہے جو ابی العباس سیاری سے تعلق رکھتا ہے اور یہ سب محققین اور اہلِ سنت وجماعت ہیں اور ان دس گروہوں میں سے ہر ایک گروہ نیک سیرت پسندیدہ طریق، بے نظیر مشاہدات، پاکیزہ آداب اور بلند مجاہدات کا مالک ہے۔ اگرچہ ان کے معاملات اور مجاہدات ایک دوسرے سے مختلف ہیں تاہم اصول اور فروع، شرع اور توحید میں متفق ہیں۔ انشاءاللہ ان دس طبقات کے مذاہب کے طریق مجملاً اپنی جگہ پر بیان کیے جائیں گے۔ فی الحال معتبر کتابوں سے ان رجال اللہ یعنی اقطاب اور غوث کے اسمائے گرامی نقل کیے جاتے ہیں جو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ مبارک سے اس وقت تک مذکورہ بالا سلاسل میں ہوئے ہیں اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدیؑ کے ظہور تک ہوں گے۔

رجال اللہ

حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فتوحات مکی اور حضرت شیخ علاؤالدولہ سمنانیؒ عروۃ الوثقیٰ میں لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارک تک جہان کی محافظت کے لیے ہمیشہ رجال اللہ رہے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدیؑ کے ظہور تک رہیں گے۔ دنیا کا قوام و قائم رہنا ان کے وجود سے ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں قطب الابدال حضرت عصام قرنیؓ تھے جو حضرت اویس قرنیؓ کے چچا تھے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یمن سے رحمٰن کی رحمت کی بو آتی ہے۔ کیونکہ قطب الابدال تجلی صفات رحمٰن کا مظہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

تجلیٔ ذاتِ الوہیت کے خاص مظہر ہیں جب قطب مذکور (حضرت عصامہ قرنی رض) کا وصال ہوا۔ ابن علا احمد عربی رح ان کی بجائے قطب ابدال ہوئے اور بلال حبشی رض اور حذیفہ یمانی رض اس وقت ہفت ابدال میں سے تھے۔ (علیٰ ھذاالقیاس ایک جاتا ہے اور دوسرا ملق میں سے نکال کر اس کی جگہ مقرر کیا جاتا ہے۔ نیز انہوں نے حضرت (علاؤالدولہ سمنانی رح) نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرات صفات بشری میں یکساں ہوتے ہیں یعنی کھاتے ہیں پیتے ہیں، آرام کرتے ہیں، بول و براز کرتے ہیں، بیمار ہوتے ہیں، علاج کرتے ہیں، شادی کرتے ہیں، بال بچے، مال واسباب اور املاک رکھتے ہیں۔ لوگ ان سے حسد کرتے ہیں، منکر ہوتے ہیں، ایذا پہنچاتے ہیں لیکن یہ حضرات اپنی قوت ولایت سے ان جھمیلوں سے مستغنی (آزاد) رہتے ہیں۔ صاحب عروۃ الوثقیٰ نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے ان میں سے بعض کو ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہے اور ان سے ظاہر کرامات کا مشاہدہ کیا ہے۔ مثلاً طے ارضی (چند لمحوں میں دور دراز ممالک میں پہنچ جانا) بغیر کشتی کے پانی پر چلنا۔ ہوا میں اڑنا دور رہنے والے بزرگوں کے پاس تھوڑی دیر میں پہنچ جانا۔ لوگوں کی آنکھوں سے گم ہو جانا اور تنگ مکان میں جمع ہو جانا کہ اہل ظاہر میں سے کوئی ان کو نہ دیکھ سکے اور نہ ان کے سائے کو دیکھ سکے اور نہ ان کی آواز کو سن سکے۔ باوجودیکہ وہ لوگوں کے سامنے باآوازِ بلند قرآن پڑھتے ہیں۔ اشعار گاتے ہیں۔ اہل سماع کے درمیان رقص کرتے ہیں اور روتے ہیں لیکن کوئی شخص ان کو نہیں دیکھ سکتا اور نہ ان کی آواز یا حرکات کو کوئی سمجھ سکتا ہے۔ کیمیاگری جانتے ہیں اور جب کبھی کسی حاجت مند کو ضرورت ہوتی ہے۔ سونا چاندی بنا کر ان کو دے دیتے ہیں اور اپنے نفس کے لیے کچھ نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ وہ ایسے خواص رکھتے ہیں کہ دیکھ کر عقل دنگ ہوتی ہے۔ پس کسی غافل کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے بلکہ چاہیے کہ ان کے احوال کی حقیقت سمجھنے میں اپنے عجز کا اقرار کرے اور حق تعالیٰ کی کمال قدرت کا معترف ہونا چاہیے۔ اس وجہ سے کہ یہ چیزیں عقل سے بالاتر ہیں۔

ان لوگوں کے باقی صفات و عادات صوفیا کے آداب و عادات کے مطابق ہوتے ہیں۔ بلکہ راقم بے چارہ کو تو یہ نظر آتا ہے کہ صوفیاء کرام نے ان ہی سے تمام آداب و عادات سیکھے ہیں ایک صفت ان کی یہ ہے کہ تمام دنیا کی سیر کرتے ہیں اور ہر سال دوبار جمع ہوتے ہیں۔ ایک بار عرفات

میں اور دوسری بار ماہ رجب میں ایسے مقام پر کہ جس کا ان کو حکم ملتا ہے جمع ہوتے ہیں اور ان کو خلق کے درمیان سوائے اس زمانے کے ایک شخص کے اور کوئی نہیں پہچان سکتا جب وہ شخص وفات پاتا ہے، دوسرے شخص کے ساتھ صحبت رکھتے ہیں اور حضرت حذیفہ یمانیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ان اشخاص میں سے تھے جن کا ذکر ہوا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام ان کو پہنچاتے تھے اور ان کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیغام پہنچاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور محبت نبوی سے فیض یاب ہوتے تھے۔ بیکن حضرت حذیفہ یمانیؓ کے سوا ان کو (رجال اللہ کو) اور کوئی نہیں پہچانتا تھا اور بات جو میں نے کہی ہے۔ مشہور عام ہے۔ اسی وجہ سے امیر المومنین حضرت عمرؓ حضرت حذیفہؓ سے دریافت کرتے تھے کہ اے حذیفہؓ آپ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رازدار ہیں، میرے منافق ہونے کی بابت آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ سنا ہے یا نہیں سنا اور یہ سوال کرتے ہوئے حضرت حذیفہؓ کو قسمیں دیتے تھے۔ حضرت حذیفہؓ یہ جواب دیتے تھے کہ آپ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفاق کی کوئی بات نہیں فرمائی۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے تھے۔ وہ جماعت (رجال اللہ) اپنے وقت کے نبیؑ کی تابعداری پر مامور ہوتی ہے اور ان کا کلمہ پڑھتی ہے۔ ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ ان کے حال کو لوگوں سے مخفی رکھتے ہیں۔ حدیث اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری (میرے ولی میری قبا کے نیچے ہوتے ہیں اور میرے سوا ان کو کوئی نہیں پہچانتا) اسی راز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے برہان نبویؐ کو باقی رکھا ہے (یعنی محفوظ رکھا ہے) اور اولیائے کرام کو برہان نبویؐ کے اظہار کا سبب بنایا ہے تاکہ آیات حق اور حجت صدق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ظاہر برقرار رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے خاص اولیاء کو جہان کا متصرف کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ تنہا اللہ تعالیٰ کے کام کے لیے وقف ہوگئے ہیں اور متابعت نفس کا راستہ ان پر بند ہو گیا ہے حتیٰ کہ آسمان سے بارش ان کے قدموں کی برکت سے نازل ہوتی ہے اور ان کے احوال کی صفائی کی وجہ سے نبات (سبزی) اگتی ہے اور مسلمان ان کی توجہ باطنی سے کفار پر فتح حاصل کرتے ہیں۔

(صفحہ ۳۲۵ کشف المحجوب مترجمہ مولوی فیروز الدین، طبع جدید)

لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے بعض اولیا کو اپنی درگاہ کے نیکوں اور اپنی بارگاہ کے نائبوں کا سردار بنایا ہے اور مخلوقات کی اصلاح اور ان کی حاجت روائی کا کام ان کے سپرد کیا ہے اور یہ برگزیدہ حضرات اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشورے سے کام کرتے ہیں۔ ان سب کی دس اقسام ہیں ان میں سے دو اقسام مکتومان (پوشیدہ رہنے والوں) اور مفردان (علیحدگی اختیار کرنے والوں) کی ہیں جو احکام عالم اور امور بنی آدم سے فارغ ہیں۔ لیکن شروع کے باب میں جن رجال اللہ کے احوال فتوحات مکی سے نقل کیے گئے ہیں۔ بارہ اماموں کے مطابق ان کی بارہ اقسام ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے۔ ائمہ من بعدی اثنی عشر (میرے بعد بارہ امام ہیں) ہر ایک قسم کے اولیا، ایک امام سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت میر سید محمد مکی نے صاحب فتوحات مکی کے کلام کا عین ترجمہ شیخ داؤد قیصری ؒ سے بحر المعانی میں نقل کیا ہے اور اس طرح تفصیل کے ساتھ تلخیص کی ہے کہ اس سے بہتر صورت تصور میں نہیں آسکتی۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ میں نے وقت کے تمام رجال اللہ سے ملاقات کی ہے اور ہر ایک سے فیوض حاصل کیے ہیں اور سب کے مقامات (درجات) کا مشاہدہ کیا ہے۔ الغرض انھوں نے اپنے ایک مرید کو محبوب کے لقب سے مخاطب کر کے سب کچھ لکھا ہے۔ چنانچہ لفظ اے محبوب کتاب بحر المعانی کی خاص علامت ہے۔ جیسا انشاء اللہ تعالیٰ آگے بیان آتا ہے۔

اقسام رجال اللہ

(بحر المعانی میں لکھا ہے) پہلی قسم اقطاب ہے، دوسری غوث تیسری امامہ، چوتھی اوتاد، پانچویں ابدال، چھٹی اخیار، ساتویں ابرار، آٹھویں نقبا، نویں نجبا، دسویں عمدا، گیارھویں مکتومان، بارھویں مفردان۔ اے محبوب! قطب عالم سارے جہان اور زمانے میں ایک ہوتا ہے اور دنیا اور آخرت یعنی عالم سفلی اور علوی کے تمام موجودات (مخلوق) قطب عالم کے وجود سے قائم ہوتے ہیں اور بارہ اقطاب اور ہیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ قطب عالم کو فیض براہِ راست حق تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے۔ قطب عالم کو قطب کبریٰ و قطب ارشاد، قطب الاقطاب و قطب مدار بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ موجودات

عالم سفلی وعلوی کا وجود ان کے وجود کی برکت سے ہوتا ہے۔ اس قطب مدار کے دو وزیر ہوتے ہیں جن کو حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے اپنی کتاب فتوحات مکی میں امامان کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ایک ان کے دائیں ہاتھ کی طرف ہوتا ہے۔ دوسرا بائیں ہاتھ کی طرف۔ جو دائیں طرف ہوتا ہے اس کا نام عبدالملک ہے اور جو بائیں طرف ہوتا ہے اس کا نام عبدالرب ہے۔ دائیں طرف والا وزیر جس کا نام عبدالملک ہے۔ قطب مدار کی روح سے فیض حاصل کرتا ہے اور عالم علوی پر تقسیم کرتا ہے اور بائیں طرف والا وزیر جس کا نام عبدالرب ہے۔ قطب مدار کے دل سے فیض حاصل کرتا ہے اور عالم سفلی کو پہنچاتا ہے۔ جب قطب مدار دنیا سے رحلت کرتا ہے اور عقبیٰ کو جاتا ہے۔ عبدالملک جو دائیں طرف کا وزیر ہوتا ہے۔ اس کا قائم مقام ہوتا ہے اور قطب مدار کا نام جب وہ قطبیت پر پہنچتا ہے۔ عبداللہ ہو جاتا ہے۔ یعنی آسمانوں اور زمینوں میں اسے عبداللہ کہتے ہیں۔ اگرچہ اس کا نام کچھ اور ہو۔ علی ھذالقیاس تمام رجال اللہ کا باطن میں اور نام ہوتا ہے اور اسے حق تعالیٰ کے مربی اسم سے موسوم کرتے ہیں۔ جب دائیں طرف والے وزیر کی جگہ خالی ہوتی ہے تو بائیں طرف والے وزیر یعنی عبدالرب کو عبدالملک کی جگہ پر مقرر کر دیا جاتا ہے اور بدلاء (جمع ابدال) میں سے ایک ابدال کو جو اسرافیل کے قلب پر ہے۔ عبدالرب کی جگہ پر بٹھایا جاتا ہے۔ پس عبدالملک قطب مدار بن جاتا ہے۔ عبدالرب عبدالملک ہو جاتا ہے اور ابدال مذکور عبدالرب کی جگہ پر آجاتا ہے اسی طرح روزِ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

فتوحات مکی میں لکھا ہے کہ عبدالملک بایاں وزیر ہوتا ہے اور عبدالرب دایاں فَاَمَّا الاقطاب علی قلوب الانبیاء علیھم السلام (تمام اقطاب حضرات انبیاء علیھم السلام کے قلب پر ہوتے ہیں) قطب اول حضرت نوح علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے اور اس کا ورد سورۃ یٰسین ہے۔ قطب دوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے اور اس کا ورد سورۃ اخلاص ہے۔ قطب سوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر اور اس کا ورد سورۃ اذا جاء نصر اللہ ہے۔ قطب چہارم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قلب پر اور اس کا ورد سورۃ فتح ہے۔ قطب پنجم حضرت داؤد علیہ السلام کے قلب پر اور اس کا ورد سورۃ اذا زلزلت الارض ہے۔ قطب ششم حضرت سلیمان علیہ السلام کے قلب پر اور اس کا ورد سورۃ واقعہ ہے۔ قطب

ہفتم حضرت ایوب علیہ السلام کے قلب پر اور اس کا ورد سورۃ بقرہ ہے۔ قطب ہشتم حضرت الیاس علیہ السلام کے قلب پر اور اس کا ورد سورۃ کہف ہے۔ قطب نہم حضرت لوط علیہ السلام کے قلب پر اور اس کا ورد سورۃ نمل ہے۔ قطب دہم حضرت ہود علیہ السلام کے قلب پر اور اس کا ورد سورۃ انعام۔ قطب یازدہم حضرت صالح علیہ السلام کے قلب پر اور اس کا ورد سورۃ طٰہٰ ہے۔ قطب دوازدہم حضرت شیث علیہ السلام کے قلب پر اور اس کا ورد سورۃ ملک ہے۔

اقطاب مذکور اثنی عشر قطباً و عیسیٰ و مہدی خارجان عنہم من المفرد بیت کما قال رسول علیہ السلام العلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ ازیں علما مراد اند اولیاء ربانی۔ اما قطب المدار فواحد و اسمہٗ عبداللہ وکان ساکنا فی سواد الاعظم وفیضۃ فی العالم العلوی والسفلی والاقطاب المذکور کانو ماموربین لقطب المدار۔

اے محبوب! اس فقیر کو تمام اقطاب کی قدم بوسی میسر ہوئی ہے اور ہوتی ہے اور ہر نعمت اس فقیر کو ابتدائے حال میں وافر نصیب ہوئی ہے۔

ان بارہ اقطاب میں سے سات قطب سات اقلیم میں ہوتے ہیں۔ یعنی ہر اقلیم میں ایک قطب اور باقی پانچ قطب میں سے ہر ایک ایک ایک ولایت میں ہوتا ہے۔ ان کو قطبِ ولایت کہتے ہیں اور اقطاب اقلیم کو قطبِ اقلیم کہتے ہیں اور قطب عالم (قطبِ مدار) کا فیض اقطاب اقالیم پر وارد ہوتا ہے اور اقطابِ اقالیم کا فیض اقطابِ ولایت پر وارد ہوتا ہے اور اقطابِ ولایت کا فیض تمام اولیاء پر وارد ہوتا ہے۔ اسی طرح قیامت تک یہ فیوض جاری رہیں گے۔ اے محبوب! جب ایک ولی ترقی کرتا ہے تو قطبِ ولایت کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے اور قطب ولایت ترقی کرتا ہے تو قطبِ اقلیم کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے اور جب قطبِ اقلیم ترقی کرتا ہے تو عبدالرب کے مقام پر پہنچ جاتا ہے جو قطبِ ارشاد (قطب مدار) کی دائیں طرف کا وزیر ہوتا ہے اور یہ قطبِ اقلیم ابدال ہوتا ہے اسرافیل کے قلب پر۔ اس کو

قطب ابدال کہتے ہیں۔ اس کے بعد تیسرے درجے پر قطب ارشاد ہو جاتا ہے یعنی قطب عالم ہو جاتا ہے۔ پس قطب عالم کی عمر دراز ہوتی ہے۔ سلوک میں ہوتا ہے اور ترقی کر کے مقام فردانیت تک پر پہنچ جاتا ہے۔

اے محبوب! قطب عالم پیر دستگیر حضرت شیخ نصیر الدین محمود چشتی قدس سرہ مدت اٹھائیس سال تین ماہ اور دو دن تک قطب مدار رہے اور یہ مرتبہ تحمل کی بنا پر ان کو ملا ہوا تھا۔ جب تحمل ختم ہوا۔ مدت مذکور کے بعد آپ مقام فردانیت پر پہنچ گئے اور مقام فردانیت سے عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی اور جس زمانے میں آپ قطب مدار رہے، آپ عبداللہ کے نام سے موسوم ہوتے تھے۔ جب آپ نے مقام فردانیت کی طرف نزول فرمایا تو ان کے دائیں طرف والے وزیر شیخ نجم الدین دمشقیؒ جن کا نام عبدالملک تھا آپ کی بجائے قطب مدار ہوئے اور قطب مدار عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک متصرف ہوتا ہے (یعنی اس کا حکم چلتا ہے) اور جب ترقی کر کے مقام فردانیت تک پہنچتا ہے۔ تصرفات محو (نابود) ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ فردانیت مقام انبساط (انتہائی مسرت) اور موانست (محبوب کے ساتھ الفت) کا ہوتا ہے۔ پس اس کی مراد ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کی مراد حق تعالیٰ کی مراد ہو جاتی ہے۔

لطائف اشرفی میں فتوحات مکی سے نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت سے پہلے افراد میں تھے (یعنی مقام فردانیت میں) اور خضر علیہ السلام بھی افراد میں ہیں۔ اے محبوب! اس لئے کہ قطب مدار اور دیگر اقطاب کے مراتب اس قدر بلند ہیں کہ ایک ولی کو ولایت سے معزول کر کے اس کی جگہ دوسرا ولی مقرر کر سکتے ہیں، چنانچہ قطب ابدال شیخ احمد عبدالحقؒ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ سعد اللہ کنوزیؒ نے شیخ مسعود اولیا کو خرقہ خلافت دے کر جب قصبہ الیسو لی کی طرف روانہ کیا اور فرمایا کہ شیخ احمد عبدالحقؒ رہتے ہیں ان کی غیرت سے ہوشیار رہ کر جانا۔ انہوں نے اپنے پیر کی ہدایت پر عمل نہ کیا اور بے ادبی سے قصبہ ردولی (جہاں حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ کا مسکن تھا) میں داخل ہوئے۔ حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ غیرت میں آکر حجرے سے باہر آئے اور شیخ مسعود کی طرف غصہ سے نگاہ کی جس سے ان کے سب احوال ایک لمحے میں سلب ہو گئے اور عام مخلوق سے ان کی حالت ابتر ہو گئی۔ اب نہایت عاجزی

سے انہوں نے اپنے آپ کو حضرت شیخ احمد عبدالحق کی خدمت میں ڈال دیا۔ ایک دن آپ نے مہربان ہو کر اپنی دستار ان کے سر پر رکھ دی اور نظر شفقت سے دیکھا۔ اس سے ان کی سابقہ حالت بحال ہو گئی اور حضرت شیخ کی رضامندی سے وہاں سے رخصت ہو کر قصبہ الیسولی میں جا کر مقیم ہوئے۔ آج تک ان کی اولاد قصبہ الیسولی میں موجود ہے اور ان کا مزار زیارت گاہ خلق بنا ہوا ہے۔

اے محبوب! قطب مدار یعنی قطب عالم کا وہ مرتبہ ہے کہ اگر چاہیں تو اقطاب کو قطبیت کے مرتبے سے معزول کر سکتے ہیں اور قطب الاقطاب اور غوث کی دعا سے دوسرا شخص مرتبۂ قطبیت پر پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم شیخ علاؤالحقؒ نے مجھے فرمایا تھا کہ جس وقت تجھے مرتبۂ غوث کا شرف حاصل ہو تو میرے فرزند شیخ نور قطب کے لیے مرتبۂ قطبیت کی کوشش کرنا۔ چنانچہ حضرت مخدومؒ (حضرت شیخ علاؤالدولہؒ) کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد جب قطب ولایت بنگال واصل بحق ہوئے تو غلامان بارگاہِ سبحانی اور وزیران درگاہِ ربانی کا اجتماع کر کے ان کے مشورے سے حضرت شیخؒ کے مخدوم زادہ کو قطبیت کے شرف سے مشرف کرایا۔ حضرت غوث الاعظم میر سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے زمانے میں ہفت ابدال میں سے ایک صاحب نے انتقال کیا۔ انہوں نے ایک کافر کو لے کر اس کا زنار توڑا اور ابدال ہفت گانہ میں داخل کر دیا۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ فرماتے ہیں: ؎

چوں نزدیک سلطان بنشیند در ملک حکومت خود بنید

(جو کوئی بادشاہ کی خدمت میں بیٹھتا ہے، حکومت کرتا ہے)

اور حضرت شیخ علاؤالدولہؒ فرماتے ہیں کہ قطب ارشاد کی ولایت شمسی ہوتی ہے جو آفتاب کی طرح دنیا پر چمکتی ہے اور قطب ابدال کی ولایت قمری ہوتی ہے جو ہفت اقلیم پر تصرف کرتی ہے اور قطب ابدال شیخ احمد عبدالحقؒ کے ملفوظات میں آیا ہے کہ ایک دفعہ آپ کے ایک مرید بختیار نامی نے مروارید کی تجارت کی غرض سے باہر جانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ ہماری ولایت کی حدود سے باہر نہ جانا۔ اس نے عرض کی کہ آپ کی ولایت کہاں تک ہے۔ فرمایا کہ سمندر کے اِس کنارے سے لگا کر اس کنارے تک۔ الغرض قطب ابدال تمام ابدال کا سردار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر جگہ اس کا تصرف ہوتا ہے۔ فصل الخطاب میں لکھا ہے کہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ

اقطاب کی بے شمار اقسام ہیں اور ہر قسم کے لیے ایک قطب ہوتا ہے۔ مثلاً قطب زہاد الگ ہوتا ہے، قطب عباد الگ، قطب عرفا الگ اور قطب متوکلاں الگ ہوتا ہے۔ چنانچہ نفحات الانس (مصنفہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ) میں شیخ احمد جامیؒ کو قطبِ اولیا کہا گیا ہے جو تمام دنیا میں ایک ہوتا ہے اور اسے قطبِ ولایت مطلق کہتے ہیں۔ ان کو قطب جہاں اور جہانگیر عالم کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ کیونکہ تمام قسم کی ولایت کا قوام ان کے وجود سے ہوتا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس ھر مقام پر اس کی محافظت کے لیے ایک ولی اللہ ہوتا ہے جو اس شہر کا قطب ہوتا ہے خواہ اس شہر میں مومن بستے ہوں یا کافر۔ اگر مومن ہوں تو اسم ھادی کی تجلی کے تحت پرورش پاتے ہیں۔ اگر کافر ہوں تو اسم مُذِل کی تجلی کے تحت پرورش پاتے ہیں۔ دونوں صفتیں اسی ایک ذات کی ہیں۔ من فہم فہم (سمجھا جس نے سمجھا)

ہفت ابدال

اے محبوب! شاھدان حضرت لایزال خلائق کی آنکھوں سے مستور ہوتے ہیں (یعنی حق تعالیٰ کی درگاہ کے حاضرین و مقربین لوگوں کی آنکھوں سے چھپے ہوئے ہوتے ہیں)، اور اہلِ حال اور انسان کامل کے سوا ان کو اور کوئی نہیں جانتا اور نہ کوئی سمجھ سکتا ہے اور ان کے سات گروہ ہیں۔ جن کے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیثِ پاک میں خبر دی ہے۔ بَدُلَاءُ اُمَّتِیْ سَبْعَۃٌ" (میری امت میں سات ابدال ہیں) یہ ابدال سات اقلیم میں ہوتے ہیں۔ ایک ابدال فی اقلیم کے حساب سے۔ ان کا کام عاجزوں اور محتاجوں کی امداد کرنا ہوتا ہے۔ جب اس قوم میں کوئی درویش کامل ہوتا ہے وہ درویش ان عاجزوں کی فریاد رسی کرتا ہے۔ جب ان میں کوئی رحلت کرتا ہے تو اس کی جگہ پر کسی دوسرے صوفی کو لگایا جاتا ہے اور اسی متوفی کے نام سے اسے موسوم کرتے ہیں۔ سات ابدال میں سے ہر ایک کسی نبی علیہ السلام کے مشرب پر ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک پہلی اقلیم میں ہوتا ہے۔ وہ قلب ابراہیم علیہ السلام پر ہوتا ہے (یعنی ابراہیمی مشرب پر ہوتا ہے) اور اس کا نام عبدالحی ہوتا ہے۔ دوسری اقلیم کا ابدال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے اور اس کا نام عبدالعلیم ہوتا ہے۔ تیسری ولایت کا ابدال ہارون علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے اور اس کا نام عبدالمرید ہوتا ہے۔ چوتھی اقلیم کا ابدال ادریس علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے اور اس کا نام عبدالقادر

ہوتا ہے۔ پانچویں اقلیم کا ابدال یوسف علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے اور اس کا نام عبدالقاہر ہوتا ہے۔ چھٹی ولایت کا ابدال عیسےٰ علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے اور اس کا نام عبدالسمیع ہوتا ہے۔ ساتویں ولایت کا ابدال آدم علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے اور اس کا نام عبدالبصیر ہوتا ہے اور یہ ساتواں ابدال خضر علیہ السلام ہے۔

اے محبوب! یہ فقیر ان تمام ابدال کے ساتھ سفر میں ہم صحبت رہا ہے۔ ان میں سے ہر ابدال لطائف اور معارف الٰہی کا عارف ہوتا ہے اور ابرار سات ستاروں میں ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے اندر سب تاثیر رکھی ہے اور جو دو ابدال عبدالقادر اور عبدالقاہر ہیں وہ اس ملک یا قوم پر مامور ہوتے ہیں، جن پر قہر نازل ہوتا ہے۔ اس ملک یا قوم کی مقہوری (تباہی) ان کے قدموں کی بدولت ہوتی ہے۔

تین سو ستاون ابدال

اے محبوب! تین سو (سیصد) اور ستاون ابدال اور ہیں۔ ان میں سے تین سو قلب آدم علیہ السلام پر ہیں۔ اس فقیر نے ان سے دریائے نیل پر ملاقات کی ہے اور یہ تین سو ستاون ابدال پہاڑ میں رہتے ہیں۔ ان کی خوراک درختوں کے پتے اور جنگلی جانور ہیں اور کمال معرفت میں مقید ہیں۔ سیر اور طیر (یعنی چلنا پھرنا اور اڑنا) نہیں جانتے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ ثَلٰثَمِائَۃَ نَفْسًا قلوبھم عَلٰی قلب آدم علیہ السلام ولہ اربعون قلوبھم علیٰ قلب موسیٰ علیہ السلام وَلہ سبعۃ قلوبھم علیٰ قلب ابراھیم علیہ السلام وَلہ خمسۃ قلوبھم علیٰ قلب جبرائیل علیہ السلام وَلہ ثلٰثۃ قلوبھم علیٰ قلب میکائیل علیہ السلام ولہ واحد قلبہ علیٰ قلب اسرائیل علیہ السلام (اللہ تعالےٰ نے تین سو افراد پیدا کیے جن کے قلب آدم علیہ السلام کے قلب پر ہیں۔ ان میں سے چالیس ایسے جن کے قلب موسےٰ ؑ کے قلب پر ہیں۔ ان میں سات ایسے ہیں جن کے قلب ابراہیم ؑ کے قلب پر ہیں۔ ان میں سے پانچ ایسے ہیں جن کے قلوب جبرائیل ؑ کے قلب پر ہیں۔ ان میں سے تین ایسے ہیں۔ جن کے قلوب میکائیل ؑ کے قلب پر ہیں اور ان میں سے ایک ایسا ہے۔ جس کا قلب اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر ہے)

جب یہ ایک (یعنی جو حضرت اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے) وفات پاتا ہے ان تین افراد میں سے ایک کو اس کی جگہ مقرر کیا جاتا ہے۔ جب ان تین افراد میں سے کوئی وفات پاتا ہے۔ ان پانچ افراد میں سے ایک کو اس کی جگہ پہنچایا جاتا ہے۔ جب پانچ افراد میں سے کوئی وفات پاتا ہے۔ سات افراد میں سے ایک کو اس کا قائم مقام کیا جاتا ہے۔ جب سات افراد میں سے کوئی رحلت کرتا ہے، چالیس افراد میں سے ایک کو اس کی جگہ مقرر کیا جاتا ہے اور جب چالیس افراد میں سے کوئی وفات پاتا ہے تو تین سو میں سے ایک کو اس کی جگہ بٹھایا جاتا ہے جب ان تین سو میں سے کوئی انتقال کرتا ہے تو زہاد میں سے جو کوئی صوفی سیرت ہوتا ہے۔ اس کی جگہ مقرر کرتے ہیں اور یہ سب ابدال اسی ترتیب سے قلب ابدال سے فیض حاصل کرتے ہیں کہ جس کا قلب اسرافیل م کے قلب پر ہوتا ہے۔

چار سو چار ابدال

اے محبوب! ابدالوں کی کل تعداد چار سو چار ہے۔ تین سو چونسٹھ کا ذکر ہم نے کیا ہے۔ اب باقی چالیس ابدال ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے بدلاء امتی اربعون رجلاً اثنی عشر بالشام ثمان عشرون بالعراق (میری امت میں چالیس ابدال ہیں (ان میں سے) بارہ شام میں اور اٹھائیس عراق میں ہیں)

لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری دنیا کے دو خطے فرض کیے ہیں۔ نصف دنیا خطۂ شرقی کہلاتی ہے اور نصف خطۂ غربی۔ عراق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد حصہ شرقی ہے۔ چنانچہ خراسان، ہندوستان، ترکستان اور تمام مشرقی ممالک خطۂ عراق میں شامل ہیں اور باقی ممالک مثلاً بلاد مصر و مغرب وغیرہ خطۂ شام میں ہیں اور ان چالیس ابدالوں کا فیض تمام دنیا پر پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ صاحب کشف المحجوب اور اکثر مشائخ نے ان چالیس ابدال کو ابرار قرار دیا ہے اور یہ دونوں قول صحیح ہیں۔

اوتاد

اے محبوب! چار اوتاد میں سے جو دنیا کے ہر چار حصوں میں رہتے ہیں۔ ایک سے میں نے مغرب میں ملاقات کی ہے۔ اس کا نام عبدالودود ہے۔ دوسرے کو میں نے شرق میں دیکھا ہے اس کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ تیسرے سے میں نے جنوب میں ملاقات کی

اس کا نام عبدالرحیم ہے۔ چوتھے نے شمال میں ملاقات کی ہے۔ اس کا نام عبدالقدوس ہے جب ان میں سے کوئی وفات پاجاتا ہے تو تابعین میں سے ایک کو ترقی دے کر اس کی جگہ مقرر کرتے ہیں۔ دنیا کے چاروں حصے ان چار اوتاد کے وجود کے ساتھ پُر ہیں چنانچہ یہ زمین کو ساکن رکھنے کے لیے پہاڑ کا کام دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا (یعنی پہاڑ مثل اوتاد کے ہیں)

نقبا اے محبوب! نقبا کی تعداد تین سو ہے۔ تمام نقبا کے نام علی ہیں۔

نجبا نجبا کی تعداد ستر ہے، تمام نجبا کا نام حسن ہے۔

اخیار اور اخیار کی تعداد سات ہے۔ جن کا نام حسین ہے۔

عمدار عمدار کی تعداد چار ہے، جن کا نام محمد ہے۔

غوث اور غوث ایک ہے اور نام اس کا عبداللہ ہے۔ جب غوث کا وصال ہوتا ہے تو اس کی جگہ عمداریں سے ایک کو مقرر کیا جاتا ہے۔ جب کوئی عمدا فوت ہوتا ہے تو اخیار میں سے ایک کو ترقی دے کر اس کی جگہ پر پہنچایا جاتا ہے۔ جب کوئی اخیار میں سے وفات پاتا ہے تو اس کی جگہ نجبا میں سے ایک کو لگایا جاتا ہے۔ جب کوئی نجبا میں سے فوت ہوتا ہے تو نقبا میں ایک کو لگایا جاتا ہے جب نقبا میں سے کوئی فوت ہوتا ہے۔ اس کی جگہ پُر کرنے کے لیے عام خلق میں سے کسی کو لگایا جاتا ہے۔ بدلا وغیرہ کا اوپر ذکر ہو چکا۔

اے محبوب! نقبا کا مسکن ارض مغرب ہے یعنی ارض سویدا (سیاہ) وہاں دن کی لمبائی صبح سے چاشت کے وقت کے برابر ہوتی ہے باقی سب رات ہوتی ہے۔ لیکن وہ نماز سلے ارض کے ذریعے سورج کی تاثیر دیکھ کر مقررہ وقت پیدا کرتے ہیں۔ پانچ نمازیں باقاعدہ پڑھتے ہیں۔ ہم نے ان سب کو اسی طرح دیکھا ہے اور نجبا کی سکونت مصر میں ہے۔ اخیار ہمیشہ سیاحت میں رہتے ہیں۔ ان کو سکون و قرار نہیں ہے اور عمدار دنیا کے گوشوں میں رہتے ہیں۔ غوث کا مسکن مکہ معظمہ ہے، لیکن یہ ہمیشہ صحیح نہیں آتا کیونکہ اکثر بزرگان جو غوث ہوئے ہیں مکہ معظمہ میں نہیں رہتے تھے۔ چنانچہ غوث الاعظم شیخ ابو العباس قصاب قدس سرہٗ آمل میں رہتے تھے اور حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ بغداد

میں، میر سید اشرف جہانگیر جو غوثِ وقت تھے۔ لطائفِ اشرفی میں یوں فرماتے ہیں کہ کعبہ کی مجاوری غوث کے لیے ضروری نہیں ہے اور اولیائے اکمل کو اللہ تعالیٰ یہ طاقت عطا فرماتا ہے کہ بیک وقت کئی مقامات پر موجود ہو سکتے ہیں اور طرفۃ العین (آنکھ کے جھپکنے) میں مختلف مقامات پر اپنے آپ کو ظاہر کر سکتے ہیں اور بعض مشائخ ایک ہی شخص کو غوث اور قطب لکھتے ہیں چنانچہ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ ایک ہی شخص کے دو نام ہوتے ہیں۔ غوث اور قطب۔ لیکن اس طائفہ کے سردار حضرت محی الدین ابن عربیؒ اپنی اکثر تصانیف میں فرماتے ہیں کہ غوث جدا ہے اور قطب الاقطاب جدا۔ چنانچہ میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ لطائفِ اشرفی میں فرماتے ہیں کہ اگر غوث کا وجود اور قطب کا وجود دنیا میں نہ ہو تو سارا جہان زیر و زبر ہو جائے۔ لیکن جب غوث ترقی کرتا ہے۔ افراد بن جاتا ہے اور قطب بھی ترقی کرتا ہے تو افراد بن جاتا ہے اور جب افراد ترقی کرتے ہیں تو قطبِ وحدت ہو جاتے ہیں یعنی محبوبیت کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔

اے محبوب! مذکورہ بارہ اقطاب اپنے اپنے حلقۂ ولایت کے قصبات میں رہتے ہیں اور قطب الاقطاب کی سکونت شہرِ معظم میں ہوتی ہے۔ الغرض قطبیت کی حالت میں شہر، قصبہ یا بستی میں ساکن ہوتے ہیں۔ لیکن جب ترقی کر کے افراد کے مقام پر پہنچتے ہیں، تربیت ختم ہو جاتی ہے (یعنی ان کا منصب رشد و ارشاد ختم ہو جاتا ہے) اور مقام کا تعین ان کے لیے نہیں رہتا۔ اس لیے جہاں چاہتے ہیں سکونت اختیار کرتے ہیں اور جب مقامِ محبوبیت پر پہنچتے ہیں، تب بھی تربیت (منصب ارشاد) ختم ہو جاتی ہے۔

مکتومان صاحب کشف المحجوب (حضرت سید علی ہجویریؒ) فرماتے ہیں کہ مکتومان (اولیاء پوشیدہ) چار ہزار ہیں جو ہر زمانے میں ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور نہ اپنے حال کے جمال کو جانتے ہیں۔ وہ کل احوال میں اپنے آپ سے اور خلق سے مستور (پوشیدہ) ہیں اور لطائفِ اشرفی میں لکھا ہے کہ اکثر مکتومان (اولیاء مخفی) غیر آشنا لباس میں ظاہر ہوتے ہیں اور موحد اہلِ باطن کے بغیر ان کو کوئی نہیں پہچانتا۔ بیت ؎

مردے باید کہ باشد شہ شناس   تا شناسد شہ را در ہر لباس

(بادشاہ کو پہچاننا مرد کا کام ہے تاکہ ہر لباس میں اُسے پہچان لے)

افراد اے محبوب! کوشش جاری رکھ تاکہ مقامِ افراد میں لکھا جاسکے۔ اَمّا المفردون فمنھم من ھو علیٰ قلب علی کرم اللہ وجہہ و علیؓ علیٰ قلب محمد علیہ السلام۔ کما قال علیہ السلام ما رأی علی الحقیقۃ التی خلقنی اللہ تعالیٰ علیہا غیر علی ابن ابی طالب (پس مفردین وہ ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قلب پر ہوتے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب پر ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ علیؓ ابن ابی طالب کے سوا مجھے کسی نے حقیقتِ نبوت میں جس پر کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا فرمایا ہے، نہیں دیکھا)

اے محبوب! اچھی طرح غور کر کہ ان کلمات میں علما، شاھدان لم یزالی کے کیا علوم پوشیدہ ہیں۔ اے محبوب! افرادِ کامل وافرادِ غیر کامل قطب الاقطاب سے افضل ہیں۔ لیکن افرادِ کامل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تفردِ روح کے مظاہر ہیں اور افرادِ غیر کامل حضرت علیؓ کے تعلق روح کے مظاہر ہیں اور "تفرد" اور "تعلق" کے درمیان بہت فرق ہے۔ ان سب چیزوں کو میں نے مختلف اقالیم کے سفر و سیر اور طیر (پرواز) میں حاصل کیا ہے اور ان نعمتوں میں سے ہر ایک نعمت اس فقیر کے حق میں نازل فرمائی گئی ہے اور میں نے ان کے مراتب کا مشاھدہ کیا ہے۔

اے محبوب! خاطر جمع رکھ تجھے بھی اس فقیر کے پیر شیخ نصیر الدین محمود اودھی قدس سرہٗ کی بدولت سب مشاھدہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اے محبوب! طائفہ افراد (افراد حضرات کے گروہ) کی تعداد کی کوئی حد نہیں، بہت ہیں اور لوگوں کی آنکھوں سے مستور ہیں۔ لیکن قطب مدار اور بعض اقطاب ان کو جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور افرادِ کامل (یعنی وہ حضرات جو قطبیت سے ترقی کرکے فرد اور فردیت سے ترقی کرکے مقام محبوبیت میں پہنچ جاتے ہیں) جو قطب مدار وجہ تفردِ علی کرم اللہ وجہہ پر ہیں، سلوک میں ترقی کرکے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب (مشرب) پر پہنچ کر قطبِ حقیقی کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جو مقامِ معشوقی (یعنی محبوبیت) یا قلبِ وحدت بھی کہلاتا ہے۔ اے محبوب! کل اولیاء میں سے دو حضرات ایک حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ اور دوسرے حضرت شیخ نظام الدین بدایونیؒ سب سے آخری مقام پر پہنچے۔ ان کے ساتھ سلوک میں کمال نے وفا کی اور جلد ہی جلد ہی ترقی حاصل کرتے ہوئے مقامِ معشوقی

(محبوبیت) پر پہنچ گئے۔ یعنی دونوں حضرات کا مشرب روحِ احمد تھا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ایک دن یہ فقیر دریائے نیل میں خضر علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھا۔ شاہدانِ لایزالی کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت شیخ نظام الدین بدایونیؒ مقامِ معشوقی میں تھے۔ ان کی مثل کوئی دوسرا نہیں ہوا۔ باقی تمام حضرات نبی علیہ السلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طفیل مقامِ فردانیت میں تھے۔ سلوک میں عمر نے ان کے ساتھ وفا نہ کی اور عالمِ بقا کی طرف رحلت کر گئے۔ بحر المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ اور خواجہ شبلیؒ بھی مقامِ محبوبیت میں پہنچ گئے تھے اور ممکن ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ اس مقام پر پہنچاتا ہے اور اس نعمت سے بہرہ ور کرتا ہے۔

اے محبوب! قطبِ مدار متصرف ہوتا ہے۔ عرش سے تحت الثریٰ تک اور افراد متحقق ہوتا ہے عرش سے تحت الثریٰ تک اور تحقق اور تصرف میں بہت فرق ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ قطبِ مدار الدوام (ہمیشہ) تجلیٔ صفات میں ہوتا ہے اور افرادِ کامل ہمیشہ تجلیٔ ذات میں پس قطبِ مدار خاص ہوتا ہے اور افراد اخص (یعنی خاص الخاص) اور بعض اولیاءِ کرام کو تجلیٔ افعالی نصیب ہوتی ہے اور بعض کو تجلیٔ اسماء اور بعض کو تجلیٔ آثار حاصل ہوتی ہے۔ پس بعض مقامِ محو (ہوشیاری) میں ہوتے ہیں۔ بعض مقامِ سکر (محویت یا استغراق) میں اور بعض دونوں میں (یعنی کبھی محو اور کبھی سکر کی حالت میں ہوتے ہیں) اور اولیائے کرام کے یہ مقامات عالمِ کثرت میں ہوتے ہیں لیکن اہلِ فردانیت کو ان مقامات سے باہر تجلی نصیب ہے اور فردانیت لامکان ہے۔

اے محبوب! یہ فقیر انیس (اُنّیس) سال عالمِ محو میں رہا اور اکیس سال عالمِ سکر میں رہا۔ اس حد تک کہ مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ لیکن چونکہ شیخ احمد تمیمیؒ کے قرب میں رہتا تھا جو کہ قطبِ اقلیم تھے انہوں نے مجھے ان اکیس سالوں کی خبر دی اور تب مجھے معلوم ہوا کہ اتنا عرصہ مست رہا ہوں۔ اس مدت کے بعد اپنے پیر قدس سرہٗ کی بدولت چند سال ہوئے ہیں کہ مقامِ فردانیت میں داخل ہوا ہوں۔

اے محبوب! فردانیت جو اس فقیر کو حاصل ہوئی ہے۔ اس مقامِ لاہوت میں گم ہونے کا نام ہے اور لاہوت دراصل "لاھُوَ اِلّاھُوَ" ہے۔ حرف تا قانونِ زبانِ عربی کے مطابق زائد ہے۔ کیونکہ جب کلام مخلوط (ملا جلا) کرتے ہیں۔ کوئی خبر حذف کر دیتے ہیں اور کوئی زیادہ کرتے

ہیں تاکہ نامحرم لوگوں کو حقیقت حال کا پتہ نہ چلے۔ پس (لَا ھُوَ اِلَّا ھُوَ) میں لَا نفی کا ہے یعنی افراد کے لیے تجلیٔ صفات نہیں اور ھُوَ اسم ذات ہے۔ لہٰذا لَا ھُوَ اِلَّا ھُوَ کا مطلب یہ ہے کہ افراد کے لیے تجلیٔ صفات نہیں بجز تجلیٔ ذات (یعنی افراد کے لیے تجلیٔ صفات نہیں ہے بلکہ تجلیٔ ذات ہے) پس افراد کے لیے ہمیشہ مقام لاہوت یعنی تجلیٔ ذات ہے اور لاہوت یعنی افراد کے لیے کوئی مقام نہیں۔ کیونکہ یہ تمام حدود سے بالاتر ہے اور اس لفظ مقام سے جو کہ بیان کیا جاتا ہے۔ مقام مراد نہیں ہے مجازاً اسے مقام کہا جاتا ہے کہ یہ مقام لاہوت ہے لیکن لاہوت کا کوئی مقام نہیں ہے اور اچھی طرح سمجھ لے کہ جو کچھ میں بیان کر رہا ہوں۔ مشاہدۂ یقین سے بیان کر رہا ہوں اور جو کچھ بحر المعانی میں بیان کیا گیا ہے علم الیقین اور عین الیقین سے نہیں، بلکہ مشاہدہ حقیقت (حق الیقین[1]) سے ہے۔

اور لاہوت سے نیچے مقام جبروت ہے یعنی جبروت کسر خلاق[2]۔ یہ مقام قطب عالم کا ہے جو عرش سے تحت الثریٰ تک متصرف ہوتا ہے۔ جبروت کسر بھی شش جہت میں سمایا ہے۔ قطب عالم کو فیض عرش مجید سے ملتا ہے اور طاقت عزل و نصب (مقرر کرنا اور معزول کرنا) رکھتا ہے۔ اس مقام کو جبر و کسر اس لیے کہتے ہیں۔ اولیاء کرام کی کرامات اور انبیاء علیہم السلام کے معجزے اسی عالم سے ہوتے ہیں جب جبر و کسر کے مقام سے ترقی کرتے ہیں۔ مقام فردانیت میں پہنچ جاتے ہیں یعنی مقام لاہوت میں اور عالم فردانیت میں عالم جبروت یعنی جبر و کسر کفر ہے۔

---

[1] علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین سلوک میں تین مقام ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین علم الیقین یہ ہے کہ آدمی نے آگ نہ دیکھی ہو لیکن اس نے سنا ہو کہ آگ جلاتی ہے۔ عین الیقین یہ ہے کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ آگ میں جو کچھ ڈالا جاتا ہے۔ جلا دیتی ہے۔ حق الیقین یہ ہے کہ آگ میں اپنا ہاتھ یا اپنے آپ کو ڈال کر دیکھ لے کہ اس طرح جلاتی ہے۔ اس طرح جن حضرات کو مقام حق الیقین حاصل ہے۔ وہ حق تعالیٰ کے متعلق علم اور مشاہدہ سے بھی آگے گذر کر ذات حق میں اس طرح فنا ہو جاتے ہیں کہ جس طرح لوہا آگ میں جا کر آگ بن جاتا ہے۔ واللہ علم بالصواب (مترجم)

[2] جبروت کسر خلاق کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آسکا۔ شاید اس سے مراد یہ ہے کہ خلق کی مناسبت کے لیے مقام احدیت میں کمی کر کے وحدت اور وحدت سے کمی کر کے مقام واحدیت یعنی ذات سے تنزل فرما کر صفات میں آنا مراد ہے۔

اکفر اس لیے کہا ہے کہ مقامِ فردیت میں تجلی ذات سے واسطہ ہوتا ہے۔
اور ذاتِ لاتعین میں فنائیت حاصل ہوتی ہے۔ عالمِ جبروت اور اس سے نیچے
کے مقامات یعنی عالمِ ملکوت و عالمِ ناسوت میں تعینات سے واسطہ ہوتا ہے۔
حقیقتِ مطلقہ اور ذاتِ لاتعین سے تعین کی طرف آنا کفرِ حقیقی کہلاتا ہے یعنی
وحدت سے نکل کر کثرت کا قائل ہونا ۔

کافر نشدی لذتِ ایماں چہ شناسی　　　خود را نہ پرستی عرفاں چہ شناسی

سے یہی کفرِ حقیقی مراد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ، مترجم)

لیکن افراد عالمِ جبروت پر قادر ہوتے ہیں جب جبر د کسر میں مشغول ہوتے ہیں تو فردانیت
یعنی تجلیٔ ذات سے گر جاتے ہیں ، اس کی وجہ یہ ہے کہ افراد مستور (پوشیدہ) ہوتے ہیں جب
قلم یہاں تک پہنچی تو فردانیت نے جو کہ مقامِ لاہوت ہے۔ زبانِ حقیقت سے فقیر کے گوشِ
باطن میں یوں کہا ۔

کم گو زمن ازیں پس اسرارِ خوبرویاں
ایں در چوں مے کشائی دیوار گوش دارد

(اس کے بعد مجھ سے حسینوں کے اسرار نہ کہنا۔ اگر تو نے یہ دروازہ
کھولا تو دیوار بھی کان رکھتی ہے)

اے محبوب ! غور سے سن ، قطبِ مدار کی عمر ، میعاد مختلف ہوتی ہے۔ بعض کی میعاد
تینتیس سال تین ماہ ، بعض کی تینتیس سال چار ماہ اور آٹھ دن ہوتی ہے۔ بعض کی اٹھائیس سال
تین ماہ اور دو دن ، بعض کی پچیس سال ، بعض کی بائیس سال گیارہ ماہ اور بیس دن ہوتی ہے اور
بعض کی میعاد انیس سال پانچ ماہ اور دو دن ہوتی ہے۔ اے محبوب ! تینتیس سال اور چار ماہ
سے زیادہ نہیں ہوتی اور انیس سال پانچ ماہ دو دن سے کم نہیں ہوتی ، اگر میعاد مذکور میں کسی کا اجل
آجاتا ہے تو رحلت کر جاتے ہیں ، جب قطب اس میعاد کے اندر سلوک میں ترقی کرتے ہیں افراد
کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور افراد کی عمر (میعاد) پچپن سال ہوتی ہے ، نہ زیادہ نہ کم۔ اگر اس میعاد
میں اجل آجاتا ہے تو رحلت کر جاتے ہیں اور اگر اس مدت میں سلوک میں ترقی کرتے ہیں قطبِ حقیقی

کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور قطب حقیقی کی عمر (میعاد) تئیس سال اور دس دن ہوتی ہے اور یہ مقام مقامِ معشوقی ہے۔ قطب وحدت اور مرتبہ محبوبیت یہ ہے کہ جو کچھ معشوق کہتا ہے حق تعالیٰ عزوجل وہی کرتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ اس مرتبہ قطب وحدت پر پہنچے تو عالمِ وحدت سے خطاب ہوا کہ اے فریدؒ! اس وقت تک جو ہم نے حکم کیا تو بجا لایا۔ اب جو کچھ تو کہے میں پورا کروں گا۔ یہ حکایت حضرت شیخ نصیرالدین محمود قدس سرہٗ نے اپنی کتاب خیرالمجالس میں مکمل بیان فرمائی ہے۔ سبحان اللہ جسے یہ دولت عظمیٰ نصیب ہو اور جس کے لیے یہ دروازہ کھلے۔ حضرت شیخ نظام الدین بدایونی اپنے شیخ علیہ الرحمۃ کی منقبت میں فرماتے ہیں ؎

پیرِ ما پیر ست مولانا فریدؒ ہمچو او در خلق مولانا فریدؒ

(ہمارا پیر مولانا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ وہ پیر ہے کہ وہ خلق میں بالکل فرید یعنی منفرد (بے نظیر) ہستی ہے۔

حضرت الیاس و خضر علیہم السلام کا زندہ ہونا اور امت محمدیہ سے تعاون

الغرض ہم نے رجال اللہ کے حالات مجملاً بیان کر دیے ہیں اور حضرت علاؤالدولہ سمنانیؒ قدس سرہٗ نے اپنی کتاب عروۃ الوثقیٰ کے باب ششم فصل چہارم میں حضرت الیاسؑ اور حضرت خضرؑ کا بھی اس امت کے طبقہ رجال اللہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت خضرؑ نبی علیہ السلام قطب ابدال کے ساتھ صحبت رکھتے ہیں۔ ان کی عزت کا خیال رکھتے ہیں اور ان کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں اور نماز میں ان کی اقتدا کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ضرورت ہوتی نقدی وغیرہ کی صورت میں پورا کرتے ہیں اور خضرؑ کا نام ملکان بن طلیان بن طلیان بن سمعان بن سام بن نوح علیہ السلام ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کا نام ملکان بن متوشلخ بن ادریس اور ادریس کا نام اخنوع ہے۔ چونکہ وہ درس بہت دیتے تھے اس لیے ان کا نام ادریس ہو گیا۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نوحہ اور زاری کی وجہ سے جو آپ کیا کرتے تھے نوحؑ مشہور ہو گئے اور خضرؑ کو اس لیے خضرؑ کہتے ہیں کہ جس جگہ آپ بیٹھتے تھے سبز ہو جاتی تھی اور خضر علیہ السلام کی ولادت فارس کے مقام پر ہوئی جو شیراز سے دو کوس دور ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے تین مسلمان بیٹے تھے۔ یعنی

سامؑ، حامؑ اور یافثؑ۔ حضرت نوحؑ نے سامؑ کے لیے برکت اولاد کی دعا کی۔ چنانچہ ان کی پشت سے انبیا علیہم السلام ظاہر ہوئے اور حضرت الیاسؑ سام بن نوح کے بیٹے ہیں۔ خضرؑ کے والد کے دادا الیاسؑ کے بھائی تھے۔ خضرؑ اور قطب ابدال اور ان کے اصحاب حضرت الیاسؑ کے سامنے اس طرح ادب سے بیٹھتے تھے۔ جیسے ایک شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بلند قامت، بزرگ سر (بڑا سر رکھنے والے) کم گو، بہت مراقبہ کرنے والے، باوقار و تمکین اور باہیبت اور بہت دانا ہیں۔ معارف اور کرامات بہت رکھتے ہیں اور شرع مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبع ہیں اور سنت نبوی کے کما حقہٗ بجا لانے والے ہیں حضرت الیاس اور خضر علیہم السلام دین محمدؐ کے اوامر و نواہی کے پابند اور عامل ہیں۔ پس ان کی پیغمبری سے ختم نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا (یعنی ان کی پیغمبری سے ختم نبوت سے متعارض نہیں ہے) جیسا کہ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ختم نبوت کو کوئی تعارض نہیں کیونکہ وہ بھی خلق کو دین محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت دیتے ہیں اور اسی طرح امت محمدیہ کے امام کی اقتدا کرتے ہیں جو شخص حضرت الیاسؑ اور خضرؑ کے وجود کا انکار کرے۔ بہت جاہل ہے۔ یہ تینوں حضرات زندہ ہیں۔ ایک آسمان میں ہے اور دو زمین پر ہیں اور یہ دین متین (دین محمدیؐ) کی امداد کرتے ہیں اور قرآن کریم کے مصدق (تصدیق کرنے والے ہیں)

صفات خضر علیہ السلام

حضرت خضر علیہ السلام کی کنیت ابوالعباس ہے۔ وہ نزول وحی سے پہلے اور نبوت کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مصاحبت رکھتے تھے اور بے شمار احادیث آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے انھوں نے روایت کی ہیں۔ معلوم ہے کہ جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو اپنا آپ علاج کرتے ہیں چنانچہ ایک دفعہ مدینۃ الرسول میں وہ تھے۔ کچھ لوگ آپس میں جنگ کر رہے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام بھی وہاں موجود تھے۔ ایک پتھر ان کے سر پر لگا اور وہ زخمی ہوگئے۔ تین ماہ تک درد میں مبتلا رہے۔ تین ماہ کے بعد آرام ہوا۔ خاتم الانبیا علیہ السلام کے زمانۂ مبارک سے پہلے پانچ سو سال کے بعد ان کے نئے دانت نکلتے تھے۔ لیکن اب ایک سو بیس سال کے بعد نئے دانت نکلتے ہیں اور اس سال جو کہ ۱۲۰۳ھ ان کے دانتوں کی تجدید کا وقت ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وقت سے

اب تک سات مرتبہ ان کے دانتوں کی تجدید ہوئی ہے۔ ان کی بیویاں بہت ہیں اور لڑکے بے شمار ہیں۔ لیکن ان کی بیویوں اور بچوں کو کوئی نہیں پہچانتا تھا کہ یہ خضر علیہ السلام کے ہیں اور قاضی کے سامنے بھی وہ اپنا نام مغربی بتاتے تھے اور اب ایک سو بیس سال اور سات مہینے ہوئے کہ انہوں نے شادی کرنا ترک کر دیا ہے اور بیوی نہیں چاہتے اور ان کا اب کوئی بیٹا باقی نہیں رہا۔
خضر علیہ السلام کی دوسری صفت یہ ہے کہ تمام خلق کے ساتھ خوش خلق، جواں مرد اور مشفق ہیں۔ اور نقدی و عمدہ پارچات کی شکل میں بہت عطا کرتے ہیں اور کرامت اور علم حق کی بدولت علم کیمیا جانتے ہیں اور روئے زمین کے تمام خزائن کا انہیں علم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے حاجتمندوں پر ایثار کرتے ہیں۔ لیکن اپنے نفس پر اور اپنے دوستوں پر جو ان کے ساتھ ہوتے ہیں کچھ خرچ نہیں کرتے۔ وہ رفع حاجت کے لیے قرض بھی لیتے ہیں اور گروی بھی رکھتے ہیں اور دمشق کے بازاروں اور دوسرے بازاروں میں دلالی بھی کرتے ہیں اور اجرت لیتے ہیں اور اسی سے خرچ کرتے ہیں اور اچھے گانے کو بہت پسند کرتے ہیں اور رقص و وجد بہت کرتے ہیں۔ جس مجلس سماع میں صاحب حال لوگ ہوتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ معتبر اور متواتر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اکثر اوقات حضرت نظام الدین اولیاء بدایونیؒ کی مجالس سماع میں حاضر ہوتے تھے اور ان کی صحبت میں رہتے تھے اور یہ بھی عروۃ الوثقیٰ میں لکھا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے ہمراہ انیس اصحاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح دس اصحاب خضر علیہ السلام کے ہمراہ ہوتے ہیں اور ان کی مصاحبت اکثر اقطاب اور ابدال کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس زمانے میں خضر علیہ السلام اور قطب ابدال امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں، جیسا کہ عروۃ الوثقیٰ میں مفصل مذکور ہے حضرت خواجہ محمد پارساؒ نے بھی اپنی کتاب فصل الخطاب میں حضرت الیاسؑ اور حضرت خضرؑ کے کے کمالات اور خارق و عادات نہایت خوبی سے بیان کیے ہیں۔ عوام الناس میں بعض ضعیف روایات کی وجہ سے یہی مشہور ہو گیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام سلطان سکندر رومی کے ہم زمان تھے اور اس کے ساتھ چشمۂ ظلمات کا سفر اختیار کیا۔ آب حیات پیا اور زندۂ جاوید ہو گئے لیکن یہ قول ارباب تفسیر اور ارباب سیر (سیرت) کے خلاف ہے۔ کیونکہ تفسیر اور سیرت کی کتابوں میں اکثر یہ نظروں سے گذرا ہے کہ خضر علیہ السلام ذوالقرن اکبر کے ہم عصر تھے اور ذوالقرن اکبر حضرت

صالح علیہ السلام کے بعد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہوئے۔ صاحب روضۃ الصفا اور بعض اصحاب سیر کا بیان ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ذوالقرنین اکبر کی خالہ کے بھائی ہیں اور ساری دنیا کی سیر میں ان کی رفاقت کی اور خضر علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ صحبت کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

صاحب روضۃ الصفا اور صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ سکندر رومی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تھا اور ان کی شریعت کا متبع تھا۔ پس حضرت خضر علیہ السلام کا سکندر کے ساتھ رہنا محال نہیں ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ خضر علیہ السلام امیر تیمور صاحب قران کے ساتھ رہتے تھے اور تمام اولیاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ انہوں نے خضر علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ پس یہ ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے آب حیات کی وجہ سے حیات جاوداں پائی ہو۔ حضرت ادریس اور عیسیٰ علیہ السلام نے کون سا آب حیات پیا تھا کہ زندہ ہیں۔ اس طائفہ کی زندگی مشاہدہ حق سے ہے۔ یہ حضرات اسم اعظم یا حیّ کی تجلی دوام سے زندہ رہتے ہیں۔ اس فقیر کاتب حروف نے بھی چندم تبہ خضر علیہ السلام کو دوسرے مردان غیب اور شہداء کی طرح دیکھا ہے اور ان کی ذات بابرکات سے استفادہ ظاہری و باطنی کیا ہے۔

مشرب صوفیہ اہل صفا

اب ہم تائید الٰہی سے مشرب صوفیہ اہل صفا بیان کرتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ یہ طائفہ صورتاً و معناً ہر حال میں طالب حق ہے۔ ان کا مشاہدہ ظہور حق ہے۔ ان کا سننا کلام حق ہے۔ ان کا بات کرنا سخن حق ہے اور ان کا سکون مذہب حق پر ہے۔ بحکم آیہ کریمہ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ اس آیت کے معنی تفسیر حسینی میں یوں بیان کیے گئے ہیں۔ یعنی نیست ہیچ جنبندہ مگر حق تعالیٰ گیرندہ است بموئے پیشانی او رابدرستی کہ آفریدگار من برطریق عدل وحق است۔

(ترجمہ: نہیں ہے کوئی جاندار جس کو حق تعالیٰ اس کی پیشانی کے بالوں سے نہ پکڑے ہوئے ہو۔ بے شک میرا پروردگار طریق عدل اور حق پر ہے)

اور بحر معانی میں لکھا ہے کہ صراط مستقیم یہ ہے کہ منتہی بحق باشد (یعنی آخری مقام کا

سالک حق کے ساتھ پیوست ہوتا ہے) ذکرِ حق کے غیر کے ساتھ اور قول "اصلح خیراً" پر استقامت رکھتے ہیں، کیونکہ تعصب اور شرارت کو اس مسلک میں کوئی دخل نہیں۔ تمام علمائے اہلِ سنت و جماعت اس بات پر متفق ہیں کہ حق ان چار مذاہب میں دائر ہے اور اس طائفہ کا مطلوب بھی یہی حق ہے۔ لہٰذا ان چاروں مذاہب کو صحیح مانتے ہیں۔ لیکن ایک مذہب پر عامل ہوتے ہیں اور ان تمام مذاہب کے جن اقوال کو قرآن و حدیث کے مطابق پاتے ہیں۔ ان پر عمل کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے۔ اَلصُّوْفِیُّ لَا مَذْهَبَ لَهٗ (یعنی صوفی وہ ہے جس کا کوئی خاص مذہب نہ ہو۔ یعنی ان چار ائمہ کرام میں سے کسی خاص کا متبع نہ ہو بلکہ محقق ہو یا اپنے شیخ کے مذہب پر ہو) کسی بزرگ نے اسی باب میں لکھا ہے: بیت

چوں بادِ صبا دربدر کوبکو طلب گار اویم طلب گار او

(یعنی بادِ صبا کی طرح ہم دربدر اور کو بکو (کوچہ بکوچہ) اس کی طلب میں پھرتے ہیں۔ اس کے طلب گار ہیں)

شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی قدس سرہٗ جو اس قوم کے مقتدا ہیں۔ چہل مجالس میں فرماتے ہیں کہ اہلِ سنت و جماعت کی تقلید بڑی چیز ہے۔ مگر یہ حضرات سب اس بات پر متفق ہیں کہ ہر شخص کا اعتقاد اس طرح ہونا چاہیے کہ اپنے امام کے مذہب کو اچھا سمجھے۔ لیکن محتمل خطا (یعنی ممکن ہے کہ اس میں خطا ہو) اور دوسرے ائمہ کرام کے مذہب کو خطا سمجھے۔ لیکن محتمل صواب (یعنی ممکن ہے کہ وہ صحیح ہو) ظاہر ہے کہ اس قسم کے اعتقاد سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور خطا کے احتمال سے اطمینان حاصل نہیں ہوتا تاکہ حق تعالیٰ کی عبادت اطمینان کے ساتھ کر سکے اور قیامت میں شرمساری نہ ہو اور وہ طریقہ جو بالکل صواب یعنی بہتری پر مبنی ہے۔ طریقِ صوفیا کرام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تمام مجتہدین کو بزرگ جانے اور کسی کے قول کی مذمت نہ کرے اور جو کچھ نفس کے خلاف اور تقویٰ کے نزدیک ہو۔ اس پر عمل کرے اور عوارف المعارف کی پہلی فصل میں لکھا ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں آپ کی صحبت، نزولِ وحی کی برکت اور انوارِ نبوت کے پرتو سے امت کے نفوس برے کاموں کی سیاہی سے پاک و صاف ہو جاتے تھے اور لوگوں کے قلوب کی ہوا و ہوس سے طہارت ہو جاتی تھی لہٰذا لازماً ان کے عقائد اختلافات سے مبرا ہوتے

تھے اور ان کے قلب نفسانی خواہشات سے پاک اور سلیم ہوتے تھے۔ چنانچہ سب یکدل یک جائے اور یک زبان تھے۔ اس کے بعد جب آفتاب رسالت حجاب غیب میں چھپ گیا قلوب کا مزاج استقامت کے اعتدال سے منحرف ہو کر اختلاف کی جانب مائل ہوا اور شیطان کے لیے لوگوں کے عقائد میں تصرف کرنے کا راستہ کھل گیا۔ عہد رسالت کے بعد نورِ عصمت حجاب میں چلا گیا اور ہر روز قلوب کا رجحان دنیا کی طرف بڑھتا گیا اور زیادہ اختلاف رونما ہوتا گیا حتیٰ کہ ہمارا زمانہ آگیا۔

پس طالب کو چاہیے کہ عقیدہ کی درستی کے لیے طبقۂ اول یعنی صحابہؓ کی اقتدار کرے اور ان کے آثار (اقوال و احوال) کی مطابقت کرے۔ صوفیاء کرام کی یہی خصوصیت ہے کہ ان کے دل محبت الٰہی کی حلاوت کی وجہ سے محبتِ دنیا سے بالکل بیزار رہتے ہیں اور اختلاف اور نزاع سے قطعاً کوئی تعلق نہیں رکھتے اور خلق خدا کو نظر رحمت اور شفقت سے دیکھتے ہیں۔ عداوت اور مخالفت کے عذاب سے نجات پاتے ہیں اور فرقہ ناجیہ کے لقب سے ملقب ہوتے ہیں۔ چنانچہ فقرائے امت محمدیہ کے مشرب کی شان میں چند آیات قرآنی اور احادیث نبوی وارد ہوئی ہیں۔ جن کا ذکر اصحاب صفہ کے ضمن میں آئے گا۔ اس خصوصیت کے باوجود اکثر ارباب ظاہر (ظاہری علماء) کا یہ دعویٰ ہے کہ طریق صوفیہ اور مذہب اہل تصوف کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ کہ کچھ عرصے سے چند اہل بدعت نے اپنے آپ کو صوفی کا لقب دے کر کتابیں لکھی ہیں اور اپنے طریقے کو ظاہر کیا۔ چونکہ علمائے ظاہر صوفیاء کرام کے اقوال و افعال اور احوال سے آگاہ نہیں ہیں۔ ناواقفیت کی وجہ سے اس قسم کے کلمات کہتے ہیں۔ پس ہمارے لیے ضروری ہے کہ اس طائفہ کے احوال ابتدائے کار سے لکھیں۔

احوال صوفیاء کرام

یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع علوم ظاہری و باطنی تحریر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی) اس بات کا شاہد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ظاہری و باطنی علوم حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو تعلیم فرمائے۔ چنانچہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا (یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے وہ تمام اسرار و حقائق جو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہنچے تھے۔ ایک جامع میں لکھ کر امانت کے طور پر اپنے فرزندان کے سپرد کیے اور وہ جامع ائمہ

اہل بیت کے علاوہ اغیار کی نظروں سے نہیں گذری اور ذوق وشوق کے وقت کبھی کبھی حضرت علیؓ ان اسرار وحقائق میں سے کوئی بات خلوت کے وقت حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت حذیفہ یمانیؓ اور اپنے حلقہ کے خاص لوگوں کے سامنے بیان کر دیتے تھے اور اپنے خوش اوقات کے دوران اپنے محرم راز اصحاب مثل حضرت محمد بن ابو بکرؓ، مالک اشترؓ، عبداللہ بن عباسؓ، خواجہ کمیل بن زیادؓ، اور خواجہ حسن بصریؒ وغیرہ سے بیان فرماتے تھے۔ چنانچہ یہ مقدمہ خواجہ کمیل بن زیاد کے احوال میں لکھا جاتا ہے۔

صاحبِ کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس طائفہ کے امام اور مقتدا رہے۔ فرمایا ہے کہ شَیْخُنَا فِی الْاُصُوْلِ وَالْبَلَاءِ عَلِی الْمُرْتَضٰی رضی اللہ عنہ (یعنی اصول اور بلاکشی میں ہمارے شیخ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں) حضرت شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی قدس سرہٗ چہل مجالس لکھتے ہیں کہ جب حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ خلیفہ مامون کے طلب کیے جانے پر باغ میں گئے اور خلیفہ کے ہاتھوں زہر آلودہ انگور کھائے تو جانتے تھے کہ یہ انگور زہر آلودہ ہیں اور اسی دن فوت ہو جائیں گے۔ اس وقت ان کے سات سالہ بیٹے امام محمد تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغداد میں تھے۔ ایک لمحے میں انہیں بغداد سے طوس پہنچا دیا اور وصیت کی کہ فلاں جگہ سے مٹی ہٹانا۔ ایک پتھر برآمد ہوگا۔ اس پر کچھ لکھا ہوگا۔ مجھے اس پتھر کے نیچے دفن کرنا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب تم بلوغ کو پہنچو تو میں نے فلاں درخت کے نیچے امانت رکھی ہے تم وہاں سے جا کر لے لینا۔ وہ امانت ایک کتاب ہے جو علم جفر وجامع پر ہے اور یہ وہ جامع ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لکھی ہے اور جس میں انہوں نے اسرار غیب فرمان فرمائے ہیں اس کتاب کو صرف وہی دیکھ سکے گا جو امام ہوگا اور امام کے لیے ضروری نہیں کہ ہر وقت ظاہر ہو اور یہ کتاب اس وقت تک موقوف رہے گی، جب تک امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزندان میں سے ایک فرزند اس درجہ کو نہ پہنچے گا اور وہ امام سلسلہ حسینی کے بغیر کوئی نہ ہوگا اور اس وقت وہ کتاب اور چند نصائح جو انبیاء علیہم السلام سے موصول ہوئے ہیں، پوشیدہ ہیں، جس وقت امام محمد مہدیؑ ظاہر ہوں گے۔ ان کو ملے گی، چنانچہ میر سید شریف جرجانیؒ جو کہ خلیفہ ہیں حضرت خواجہ علاؤالدین عطار نقشبندیؒ کے اپنی کتاب شرح مواقف میں فرماتے ہیں کہ اِنَّ الجفر والجامع

کتابان لعلی رحمۃ اللہ وقد ذکر فیہما علی طریقہ علم الحروف العوادث التی تعدث الی الارض العالم وکان الائمۃ المعروفون من اولادہ یعرفونہما ویحکمون بہما۔

(یعنی جفر اور جامع دو کتابیں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جس میں علم الحروف کے طریق سے وہ تمام واقعات درج ہیں جو دنیا کے اختتام اور قیام تک اس دنیا میں واقع ہونے والے ہیں اور ائمہ اہل بیت جو ساری دنیا میں مشہور و معروف ہیں۔ ان دونوں کتابوں سے واقف ہوں گے اور ان کے اسرار و رموز کے مطابق حکم دیں گے)

پس اس امر میں سب اہل معنی (اہل معرفت) متفق ہیں کہ یہ علوم اسرار اہل بیت نبوت و ولایت کا خاصا ہیں اور اس امت کے بعض اور لوگ بھی ان کے فیض صحبت کی وجہ سے اس نعمت سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ پس پہلے دو شخص جو اُن علوم سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت خواجہ کمیل ابن زیادؒ اور حضرت خواجہ حسن بصریؒ ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جو امام مطلق ہیں نے ان حضرات کو بلاواسطہ یہ علوم تعلیم فرمائے۔ پھر ان دونوں حضرات سے یہ علوم حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ وغیرہ تک پہنچے جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ بھی کمال صدق و اخلاص کی وجہ سے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہے اور یہ اسرار ان سے حاصل کیے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ بھی امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں رہے اور سالہا سال کی ریاضت اور مجاہدہ کے بعد یہ علوم اُن سے اخذ کیے اور سربلندی حاصل کی۔ ان کے بعد حضرت خواجہ معروف کرخیؒ نے حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت کا شرف حاصل کر کے ان علوم سے آگاہی حاصل کی۔ پس ارباب تصوف کے سرحلقہ (سردار) یہ پانچ حضرات تھے جنہوں نے ائمہ اہل بیت سے بلاواسطہ یہ علوم اخذ کیے اور ان علوم کے فیض سے دنیا میں ممتاز ہو گئے اور اہل بیت کی نیابت میں مسند ولایت اور امانت طریقت پر متمکن ہوئے اور انہی کی وجہ سے تمام

۱؎ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا حضرت امام باقرؓ سے اور بایزید بسطامیؒ کا امام جعفر صادق سے فیض حاصل کرنا بطریق اویسیؒ تھا یعنی ان کی روحانیت سے فیض حاصل کیا۔ ورنہ ان کا زمانہ مختلف تھا۔ قید حیات میں ہو کر ان کی صحبت سے فیض یاب ہونا تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

ارباب تصوف کو فیض پہنچا، جیسا کہ قبل ازیں چودہ سلسلوں کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔

اس قوم کے مقتداؤں میں سے پہلے بزرگ حضرت خواجہ اویس قرنیؓ ہیں جنہوں نے باطنی طریق سے بالواسطہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تربیت حاصل کی اور ظاہری طریق پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا خرقہ مبارک حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے حوالہ فرمایا تاکہ خواجہ اویس قرنیؓ کو پہنچا دیں۔ چنانچہ اس طائفہ کی معتبر کتابوں میں اس کا مفصل ذکر آیا ہے۔ حضرت خواجہ اویس قرنیؓ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں زندہ تھے اور آخر جنگ جمل میں آکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیعت کی۔ اس کے بعد وہ حضرت علیؓ کی صحبت میں رہے، حتیٰ کہ جنگ صفین میں شہید ہوئے رحمۃ اللہ علیہ۔ غرضیکہ طبقۂ اول میں مشائخ وہ علوم اور اسرار اپنے مریدوں اور طالبوں میں کنایات اور اشارات کے ذریعہ بیان کر دیتے تھے اور ان پر عمل کرانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور بعض تصانیف بھی ان سے وجود میں آئیں، لیکن ظاہر نہیں کرتے تھے۔

طبقۂ ثانی میں جب سید الطائفہ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ، خواجہ ابوالحسن نوری، خواجہ ابوسعید خرازؒ اور خواجہ شبلیؒ وغیرہ کی نوبت آئی تو وہ حضرات ان باطنی علوم کو کھلم کھلا اپنے مریدین کے سامنے بطریق درس بیان کرتے تھے اور اسی وقت سے ہر سلسلے میں سے اکثر بزرگان نے ان علوم پر کتابیں لکھی ہیں، جن کی تفصیل طویل ہے۔ لیکن یہاں چند ایسی معتبر کتابوں کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے جو مشائخ کبار قدس اسرارہم کا معمول رہی ہیں۔

کتب طبقات صوفیہ

پہلی کتاب جو سلسلہ جنیدیہ میں تصنیف ہوئی طبقات صوفیہ ہے جو حضرت شیخ عبدالرحمن سلمی قدس سرہٗ نے لکھی اور جس میں انہوں نے طبقۂ اول سے اپنے وقت تک کے مشائخ کے اقوال واحوال و رموز بیان کیے ہیں۔

کشف المحجوب

اس کے بعد حضرت شیخ علی بن عثمان ہجویری الغزنوی (لاہوری) قدس سرہٗ نے جو سلسلہ جنیدیہ سے تعلق رکھتے تھے، کشف المحجوب لکھی۔ مسلک صوفیہ میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔

احیاء العلوم و کیمیائے سعادت

اسی سلسلہ جنیدیہ میں حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے اس طائفہ کے علوم و اسرار اپنی دو کتابوں یعنی احیاء العلوم

اور کیمیائے سعادت میں بطریقِ احسن بیان فرماتے ہیں۔

کتاب تمہید و مکتوبات

اس کے بعد حضرت عین القضاۃ ہمدانیؒ نے ان حقائق و معارف کو اپنی کتاب تمہید و مکتوبات میں بیان فرمائے ہیں جو اہل طریقت کے لیے کافی ہیں۔

حجت السالکین

اس کے بعد حضرت خواجہ مودود چشتیؒ نے علم سلوک میں کتاب تصنیف فرمائی۔ جس کا نام حجت السالکین ہے جو طالبانِ صادق کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے۔

آداب المریدین

اس کے بعد حضرت شیخ ابو نجیب قدس سرہ نے جو مشائخ سہروردیہ کے سرحلقہ (سردار) ہیں، کتاب آداب المریدین لکھی جس میں انہوں نے مریدین کی تربیت کے لیے طریقِ مذہبِ صوفیہ کو ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے، حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اس کتاب کی شرح لکھی ہے جو مرشد کا محتاج نہیں ہے (یعنی جس کو سیکھنے کے لیے استاد یا مرشد کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ بہت واضح ہے)۔

عوارف المعارف

اس کے بعد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ قدس سرہٗ نے آداب المریدین کی طرز پر اپنی کتاب عوارف المعارف لکھی، جو اہل طریقت کے لیے حجت ہے۔

فتوحاتِ مکیہ و فصوص الحکم

اس کے بعد حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے جو سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ علم حقائق و معارف و رموز کو بے پردہ اہلِ عالم پر آشکارا کر دیا اور بہت کتابیں لکھیں۔ جن میں سے دو کتابیں فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم اس فن میں ممتاز ہیں۔ انہوں نے ان کتابوں میں اس قدر اسرار و حقائق بیان فرماتے ہیں کہ اس سے بہتر تصور میں نہیں آسکتے۔ لیکن ان کا سمجھنا بھی بہت مشکل ہے۔

مناہج العباد

حضرت ابن عربی قدس سرہ کے متبعین میں سے حضرت شیخ سعید الدین فرغانیؒ نے مذاہبِ اربعہ کے اختلاف میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام مناہج العباد ہے جو بہت پسندیدہ ہے اور ایک صوفی کے لیے اس سے چارہ نہیں۔

عُروۃ الوثقیٰ و چہل مجالس

اس کے بعد حضرت رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی قدس سرہٗ نے جو مقتدائے سلسلہ فردوسیہ کبرویہ ہیں۔ عروۃ الوثقیٰ اور چہل مجالس وغیرہ تصنیف فرمائیں اور عقائدِ صوفیہ کو آداب طریقت وحقیقت کے ساتھ اس خوبی سے بیان فرمایا کہ قلم اس کے حسنِ عبارت بیان کرنے سے قاصر ہے۔

فصل الخطاب

سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ نے آداب طریقت اور اسرارِ حقیقت میں کتاب فصل الخطاب لکھی اور اکثر مطالب فتوحات مکی سے اخذ کیے جو نہایت دل چسپ ہیں۔

نفحات الانس و لوائح

اس کے بعد اسی سلسلہ میں مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے مذکورہ بالا کتابوں سے انتخاب کر کے نفحات الانس اور لوائح تصنیف کیں جن کی نظیر نہیں ملتی۔

علیٰ ھٰذا القیاس بزرگانِ مذکور نے مریدین کی تربیت کے لیے بہت کتابیں لکھی ہیں لیکن دراصل یہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے درمیان کوئی اختلاف تھا۔ اس طائفہ کی جس کتاب کی اقتدار کی جائے مقصد سے قریب تر ہے اور ہمارے خواجگانِ چشتؒ کی تصانیف میں سے بالفعل دو کتابیں ہیں جو قابلِ اقتدار ہیں۔

سیر الاولیاء

ایک سیر الاولیا یعنی ملفوظات حضرت سلطان المشائخ و دیگر پیرانِ چشتؒ جسے میر سید محمد کرمانیؒ نے لکھا ہے۔

لطائفِ اشرفی

دوسری لطائف اشرفی یعنی ملفوظاتِ میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ ان دونوں کتابوں میں اس طائفہ کی تمام کتابوں کا خلاصہ درج ہے۔ اگر مرید اہلِ بصیرت سے ہے تو جلدی مطلب کو پہنچ سکتا ہے۔ اگرچہ لطائفِ اشرفی میں بعض لوگوں نے تعصب کی وجہ سے بعض مقامات پر عبارت کم و بیش کی ہے۔ پھر بھی اصحابِ بصیرت سے اصل مطلب مخفی نہیں رہتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور حضرت شیخ شرف الدین منیری آداب المریدین کی شرح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ہر شخص کے لیے درست نہیں ہے کہ طریق صوفیائے کرام اختیار کرے بغیر ان کے عقائد جاننے کے

یعنی ان کے دل کے احوال کے ساتھ تعلق رکھے۔ ان کے اطلاقات کو سمجھے، یعنی ان کے سوالات و جوابات کے مطالب کو سمجھے اور ان کی اصطلاحات سے واقف ہو۔ کیونکہ یہ طائفہ بکثیر رموز و اشارات سے کام لیتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حضرات رموز و اشارات میں اس لیے بات کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اختلافی معاملات میں برحق ہوتا ہے اور سننے والے چونکہ اس مقام سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اگر یہ حضرات صراحت سے کلام کرتے تو سننے والے لامحالہ منکر ہو جاتے اور دینِ حق کے انکار کی وجہ سے نقصان اٹھاتے۔ اس واسطے انہوں نے خلقِ خدا پر شفقت سے کام لیتے ہوئے رموز و اشارات میں کلام فرمایا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے راز پر غیرت کرتے ہیں اور اس کی نگہداشت کرتے ہیں اس لیے اشارات اور رمز میں بات کرتے ہیں تاکہ جو شخص واقفِ حال ہوتا ہے وہ خود بخود ان کے مطالب سمجھ لیتا ہے اور جو لوگ ان رموز و اشارات کو نہیں سمجھ سکتے وہ اس بات سے سروکار نہیں رکھتے کہ کیا بات کہہ گئے ہیں نیز رموز و اشارات بذاتِ خود مسلّم امر ہے۔ ہر طائفہ کے خواص کے لیے ایک راز ہوتا ہے جو ان کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ ہر چیز کی اصل توحید ہے اور تمام موحدین کا راز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور خداوند جل علیٰ کو آنحضرت کے ساتھ کچھ اشارات و رموز تھے کہ جن کو سمجھنے سے تمام خلق عاجز ہے اور وہ قرآن مجید میں حروفِ مقطعات ہیں اور بیشتر مفسرین اس پر متفق ہیں کہ یہ (حروف مقطعات) راز ہیں اللہ اور اس کے حبیب کے درمیان ھٰذا السر بین اللّٰہ و حبیبہ جب یہ امر مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان راز ہے (تو اولیاء کرام کے درمیان راز داری کیونکر نہ تسلیم ہو[1]) بعض متکلمین نے حضرت خواجہ ابن عطارؒ سے دریافت کیا کہ اے اہلِ تصوف آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے درمیان یہ الفاظ (یعنی اشارات) استعمال کرتے ہو اور مستعملہ الفاظ ترک کر دیتے ہو۔ شاید تمہارے مذہب میں کوئی عیب ہے کہ جسے ان الفاظ کے ذریعے چھپانے کی کوشش کرتے ہو۔ خواجہ ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ہمیں اپنے مذہب سے غیرت آتی ہے۔ کیونکہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے طائفہ کے سوا کوئی دوسرا اس راز سے بہرہ مند ہو نیز اولیاء کرام کے لیے اپنے راز کو پوشیدہ رکھنا ضروری ہے۔ خود اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ چونکہ اولیاء خود رازِ سربستہ ہیں۔ اس لیے ان کا راز بھی رازِ سربستہ ہے۔

---

[1] یہ جملہ ملفوظ و معانی اصل عبارت میں نہیں ہے۔

یہ سب تقریر ان کی اصطلاحات کے عذر کے بارے میں تھی۔ پس جس کسی نے ان کے رموز و اشارات سمجھ لیے، ان کے مذہب (مسلک) سے بھی واقف ہو گیا۔ چنانچہ اس باب میں کسی بزرگ نے فرمایا ہے:

بیت:

سُلیمانے ہمیں باید کہ مرغاں رازبان داند سلیمان نیستی آخر زبانِ مُرغ کے دانی؟

(یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان ہے کہ پرندوں کی زبان جانتے تھے

جب تو سلیمانؑ نہیں ہے تو پرندوں کی زبان کیسے جان سکتا ہے)

چنانچہ اولیاء کرام نے اپنے آپ کو سنت اللہ کے موافق کر لیا (یعنی اپنے آپ کو چھپالیا) اور اپنے اعتقاد کو قولاً و فعلاً عام لوگوں کے موافق کر لیا۔ جب مدعیانِ باطل کی کثرت سے محققین کا حال خلق پر پوشیدہ ہو گیا تو لوگوں نے یہی گمان کر لیا کہ اس مذہب (یعنی صوفیہ کے مذہب) کی کوئی اصل نہیں لیکن یہ غلط ہے۔ بلکہ یہ مذہب سچا ہے۔ قصور مدعیانِ باطل کا ہے نہ کہ مذہب صوفیہ کا۔ اس لیے اگر کسی کو اس کے اندر کوئی شک و شبہ ہے تو قصور مدعیانِ باطل کا ہے نہ کہ اصل مذہب کا۔

اب ہم ان کے عقائد اور مذہب کا ذکر شروع کرتے ہیں:

عقائد و مذاہب صوفیہ

درحقیقت کوئی ایسا گروہ نہیں ہے کہ جس پر بہتان نہ باندھا گیا ہو۔ یہ طائفہ صوفیہ بھی اس کلیہ سے بری نہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ طائفہ تمام خلق میں برتر اور بزرگ تر ہے۔ کیونکہ ہر گروہ کسی نہ کسی چیز سے سیر ہو جاتا ہے لیکن یہ گروہ دو جہان سے بھی سیر نہیں ہوتا جب تک کہ خداوندِ عزوجل تک نہ پہنچ جائیں پس لوگ ان پر بہتان لگانا شروع کر دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مَحْسُوْدًا وَّلَا تَجْعَلْنِیْ حَاسِدًا (یعنی اے اللہ مجھے محسود بنا اور حاسد نہ بنا۔ یعنی مجھ سے لوگ حسد کریں، یہ بہتر ہے اس سے کہ میں ان سے حسد کروں)

اور یہ ایسا گروہ ہے کہ جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ مَعَ الْمَسَاکِیْنَ (یعنی اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ، مسکینی کی حالت میں مجھے موت دے اور مساکین کے گروہ میں مجھے قیامت کے دن اٹھا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ مساکین کو میرے ساتھ زندہ

رکھ، میرے ساتھ مار اور میرے ساتھ قیامت میں اُٹھا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ مجھے مساکین کے ساتھ زندہ رکھ اور میرا حشر مساکین کے ساتھ کر۔ غرضیکہ ان کے اوصاف اور نعمت کی کوئی حد نہیں۔ کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے: بیت

مسکنت بیچارگی گر دست آید مرد را　　سوز و تمتع عشق را راند تمتع فرد را

اقسام اولیاء اللہ

صاحب نفحات الانس کتاب عوارف المعارف کے تیسرے باب کی دسویں فصل کے ترجمہ میں روایت کرتے ہیں کہ اس طائفہ کے طبقات کے مراتب ان کے درجات کے مطابق تین اقسام پر ہیں۔ پہلی قسم واصلین و کاملین کا مرتبہ ہے اور یہ طبقہ سب سے اونچا ہے۔ دوسری قسم سالکان طریق کمال کا مرتبہ ہے اور یہ طبقہ درمیانہ ہے۔ تیسری قسم اہل نقصان کی ہے جو سب سے زیریں طبقہ ہے۔

واصلین

پہلا طبقہ یعنی واصلین و مقربین اور سابقین، سالکین ابرار، اصحاب یمین، مقیمان امرار، اصحاب شمال اور اہل وصول۔ بعد از انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اس طبقۂ اول کی بھی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم مشائخ صوفیہ کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال متابعت کی وجہ سے مرتبۂ وصول (وصال باللہ) تک پہنچ کر اس کے بعد مخلوق کی ھدایت پر مامور ہوئے ہیں ان کو کاملان مکمل کہتے ہیں۔ کیونکہ خلق کی ہدایت اور تکمیل پر مامور ہوئے ہیں۔ دوسری قسم ان حضرات کی ہے جو وصول کے بعد خلق کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ کیونکہ انہیں یہ خدمت تفویض نہیں ہوتی۔

سالکین

اسی طرح سالکین کی بھی دو قسمیں ہیں۔ یعنی طالبان حق اور طالبان آخرت و بہشت پھر طالبان حق کی دو قسمیں ہیں پہلی متصوفہ، دوسری ملامتیہ۔ متصوفہ وہ حضرات ہیں جو اپنے نفس کی بعض صفات سے خلاصی حاصل کر لیتے ہیں اور اوصاف حسنہ میں سے بعض اوصاف اور احوال سے متصف ہو جاتے ہیں۔ لیکن ملامتیہ وہ لوگ ہیں جو اخلاص کی سختی سے نگہداشت کرتے ہیں اور اپنے تمام اوقات میں اخلاص کی تحقیق کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ جس طرح ایک گنہگار اپنے گناہ کے ظہور سے پرخوف رہتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ اپنی طاعت کے ظہور سے ڈرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے ریا کا گمان پیدا ہوتا ہے۔ اس ملامتیہ فرقہ کے بعض لوگ فرقہ قلندریہ کو بھی اپنے اندر شمار کرتے ہیں۔

اسی طرح طالبانِ آخرت کے چار گروہ ہیں یعنی زہاد (جمع زاہد)، عباد (جمع عابد)، خدام (جمع خادم)، اور فقرار (جمع فقیر)۔ زہاد وہ ہیں جو نورِ ایمان ویقین سے آخرت کے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور دنیا کی بُرائی ان کی نظر میں ہوتی ہے۔ زہاد اور صوفیہ میں یہ فرق ہے کہ زاہد اپنے حظِ نفس کی وجہ سے حق سے محجوب ہوتا ہے۔ کیونکہ بہشت حظِ نفس کا مقام ہے اور صوفی مشاہدہ جمال ازلی میں ہر دو عالم سے محجوب ہوتا ہے۔ عباد وہ گروہ ہے جو ہمیشہ عبادت، نوافل، وظائف وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں اور ہمیشہ آخرت کے ثواب کی امید میں رہتے ہیں۔ اگرچہ یہ وصف صوفی میں بھی ہوتا ہے لیکن صوفی حق کی خاطر پرستش کرتے ہیں نہ کہ ثوابِ اخروی کی خاطر۔ خدام ان لوگوں کو کہتے ہیں جو فقرار اور طالبانِ حق کی خدمت اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے اوقات کو فرائض کی ادائگی کے بعد معاش اور امدادِ خلق میں صرف کرتے ہیں اور اس بات کو وہ نوافل پر ترجیح دیتے ہیں اور جائز طریق سے طلبِ معاش کرتے ہیں۔ بعض کسب کے ذریعے، بعض بھیک مانگ کر اور بعض فتوحِ غیب کے ذریعے اور لینے اور دینے میں ان کی نظر حق پر ہوتی ہے۔ اس حالت میں خادم اور شیخ کی حالت ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہے۔ لیکن خادم اور شیخ میں یہ فرق ہے کہ خادم کی خدمت امیدِ ثواب پر منحصر ہوتی ہے۔ لیکن اس میں مقید نہیں ہوجاتا اور شیخ مرادِ حق سے قائم ہوتا ہے نہ مرادِ نفس۔ یعنی حق کا طالب ہوتا ہے۔ فقرار وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو دنیا کی کسی چیز کا مالک نہیں سمجھتے۔ اللہ کی رضا جوئی میں سب کچھ ترک کر دیتے ہیں۔ ان حضرات کا ترک تین وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے۔ پہلی وجہ تخفیفِ حساب اور خوفِ عقاب ہے۔ کیونکہ حلال کا حساب ہوتا ہے اور حرام کا عذاب۔ دوسری وجہ توقعِ فضلِ ثواب اور جنت میں داخل ہونے میں سبقت ہے۔ کیونکہ فقرار پانچ سو سال غنی لوگوں سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔ تیسری وجہ جمعیتِ خاطر اور سکونِ قلب ہے تاکہ یکسوئی اور حضورِ قلب کے ساتھ عبادت کر سکیں اور فقرار اور جماعتِ ملامتیہ اور متصوفہ میں یہ فرق ہے۔ فقرار طالبِ بہشت اور خواہانِ حظِ نفس ہیں اور ملامتیہ اور صوفیہ طالبِ حق اور اس کے قرب کے خواہاں ہیں۔ اس مرتبے سے اوپر فقر میں ایک مقام ہے جو ملامتیہ اور متصوفہ کے مقام سے اوپر ہے۔ وہ صوفیہ کا وصفِ خاص ہے۔ کیونکہ اگرچہ صوفی کا مرتبہ فقر کے مرتبے سے بلند ہے۔ مقامِ فقر کا خلاصہ صوفی کے مقام میں درج ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفی کو مقامِ فقرار پر تمام شرائط ولوازم کے ساتھ عبور حاصل

ہوتا ہے اور جن مقامات پر وہ ترقی کرتا ہے۔ ان پر اپنے مقام کا رنگ چڑھا دیتا ہے۔ پس فقیر کو
مقامِ صوفی میں ایک اور وصف حاصل ہوتا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے تمام اعمال و احوال و
مقامات کی نسبت اپنی ذات سے نہیں کرتا۔ بلکہ عدم تملک سے کام لیتا ہے (یعنی کوئی چیز اُس کی
ذات سے نہیں بلکہ حق تعالیٰ سے ہے)، چنانچہ اپنے کسی عمل، کسی حال اور کسی مقام کو اپنی وجہ سے
نہیں دیکھتا اور اپنے ساتھ مخصوص نہیں کرتا۔ بلکہ خود پر نگاہ نہیں ڈالتا۔ پس نہ اس کا وجود باقی رہتا
ہے نہ ذات اور نہ صفات۔ محو در محو اور فنا در فنا ہوتا ہے اور یہ حقیقت فقر ہے کہ مشائخ نے اس کی
فضیلت میں بہت کچھ کہا ہے اور جو کچھ اس سے قبل فقر کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ رسم فقیر ہے نہ کہ
حقیقتِ فقر۔ اور صوفی کا مقام فقیر کے مقام سے اس لیے بلند ہے کہ فقیر ارادت فقر اور ارادت حظِ
نفس کی وجہ سے محجوب (پردے میں) ہوتا ہے۔ لیکن صوفی کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا اور فقر و غنا میں اس کا
ارادہ حق تعالیٰ کے ارادہ میں محو ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا ارادہ عین حق کا ارادہ ہوتا ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ جب
چاہتا ہے۔ اپنے بعض اولیاء کو اپنی قبائے عزت کے نیچے اغیار کی نظروں سے چھپا لیتا ہے اور
ان کے ظاہر کو غنا کا لباس جو صورت رغبت ہے (یعنی طلب دنیا) پہنا دیتا ہے تاکہ اہل ظاہر
ان کو طالبانِ دنیا میں سے سمجھیں اور ان کے حال کا جمال نامحرموں کی نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے۔

لفظ صوفی کی اصل

فقر اور رند کی یہ حقیقت صوفی کے حال کا خاص وصف ہے اور صاحب
کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اسم صوفی کی تحقیق میں بہت
کچھ کہا ہے اور کتابیں لکھی ہیں ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ صوفی کو اس لیے صوفی کہتے ہیں
کہ صوف کا کپڑا پہنتا ہے۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ اس لیے صوفی کہتے ہیں کہ صوفی اصحابِ صُفّہ
کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ لفظ صوفی صف سے مشتق ہے اور ہر شخص
نے اپنی اپنی تحقیق میں بہت لطائف بیان کیے ہیں۔ لیکن لغت کے لحاظ سے معنی بعید۔ پس صوفی
کا لفظ "صفا" سے مشتق ہونا سب سے محمود ہے (مستحسن ہے)، کیونکہ اصحاب صفہ بھی اہل صفا
تھے۔ جب اس طبقہ کے لوگوں نے اپنے اخلاق و اعمال درست کر لیے اور طبیعت کی برائیوں سے
نجات پائی۔ پاکیزہ اوصاف کی وجہ سے صُوفی کہلانے لگے اور جاننا چاہیے کہ صفا کے لیے ایک اصل
(جڑ) ہے اور ایک فرع (شاخ)، صفا کی اصل دل سے غیر اللہ کو منقطع کرنا ہے۔ اس کی فرع یہ ہے کہ

دنیائے غدار کو ترک کیا جائے۔ کیونکہ صفا دوستوں کی صفت ہے اور جو کوئی اپنی صفت سے فانی ہو جاتا ہے۔ دوست کی صفت میں باقی ہو جاتا ہے۔ یہ ہے مقامِ دوستی جس کی حقیقت اربابِ معانی کے نزدیک سورج کی طرح عیاں ہے اور یہ بھی انھوں (حضرت سید علی ہجویریؒ) نے فرمایا ہے کہ صوفی نام ہے کاملانِ ولایت کا اور اولیاءِ محققین کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے تو ترکِ حظ بھی ایک حظ ہے اور جب حظ فنا ہو جاتی ہے تو اس مقام کو حقیقتِ مشاھدہ کہتے ہیں۔ پس ترکِ حظ بندے کا فعل ہے اور فنائے حظ حق کا فعل ہے۔ بندے کا فعل رسم اور مجاز ہوتا ہے اور حق کا فعل حقیقت۔

حضرت امام محمد باقر علیؓ بن حسینؓ بن علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ تصوف خوش خوئی کو کہتے ہیں جو زیادہ خوش خو ہوتا ہے۔ وہ زیادہ صوفی ہوتا ہے اور خوش خوئی دو قسم پر ہے اول حق کے ساتھ، دوم خلق کے ساتھ۔ حق تعالیٰ کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ اس کی قضا کے ساتھ رضا اختیار کرلے۔ خلق کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی خاطر خلق کی صحبت کا بوجھ برداشت کرے اور یہ دونوں صفات مشاھدۂ وحدانیت کے ساتھ وابستہ ہیں (یعنی جب مشاھدہ وحدانیت حاصل ہوتا ہے یہ صفات پیدا ہو جاتے ہیں)

اور ابوالحفص پشاوریؒ فرماتے ہیں کہ تصوف سراپا ادب ہے۔ ہر وقت، ہر مقام اور ہر حالت کے لیے ایک ادب ہوتا ہے جو شخص ان اوقات کا ادب ملحوظ رکھتا ہے۔ مردانگی کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ جو کوئی آداب ضائع کرتا ہے وہ قربِ حق سے دور رہتا ہے اور قبولِ حق سے مردود ہو جاتا ہے اور حضرت ابوالحسن نوریؒ کا قول مندرجہ بالا حقیقت کے مطابق ہے۔ فرماتے ہیں کہ تصوف رسوم و علوم کا مجموعہ نہیں ہے۔ لیکن اخلاق ہے اور حضرت خواجہ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو دونوں جہانوں میں سوائے خدا تعالیٰ کے کچھ نہیں دیکھتا۔ اس جگہ تصوف کے متعلق چند مشائخ کے اقوال نقل کیے جا چکے ہیں اور تصوف کے بارے میں مشائخ کے ان اقوال کو ہم نے اس لیے بیان کیا ہے کہ تم پر یہ راستہ کھل جائے اور اس کے (یعنی تصوف) کے منکر سے تم پوچھ سکتے ہو کہ آخر انکار سے تمہاری کیا مراد ہے۔ اگر لفظ تصوف سے اسے انکار ہے تو پروا نہیں لیکن اگر تصوف کی حقیقت سے انکار کرتا ہے تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری شریعت اور انبیاء علیہم السلام کے پسندیدہ افعال کا انکار کرتا ہے۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تصوف کے احوال

کا حق ادا کرو۔ انصاف سے کام لو۔ دعویٰ نہ کرو اور اہلِ تصوف کے ساتھ نیک اعتقاد رکھو اور ان کے حقوق بجا لاؤ اور سب توفیق اللہ تعالیٰ دینے والا ہے۔

ولایتِ مطلقہ وولایتِ مقیدہ

اب ہم ولایتِ مطلقہ اور ولایت مقیدہ کو بیان کرتے ہیں۔ غوث الوقت حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ جو سلسلہ چشتیہ کے اکابر اولیاء میں سے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دیوان کی شرح اور مشائخ متقدمین سے لطائفِ اشرفی میں یوں روایت کرتے ہیں۔ ولایت کی چار قسمیں ہیں۔ اول وہ ولایت جو نبوتِ مطلقہ کا باطن ہے۔ دوم ولایت مقیدہ ہر نبیؑ (یعنی وہ ولایت جو ہر نبی کی انفرادی شان وحقیقت پر مبنی ہے) سوم ولایت مطلقہ ہر نبی۔ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مشکوٰتِ اقتباس ولایت انبیاء ہیں (یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کے انفرادی خصوصیات کے جامع ہیں) اور دوسرے انبیا علیہم السلام مشکوٰت اقتباس ولایت اولیا ہیں۔ (یعنی دوسرے انبیا علیہم السلام ولایت اولیاء کے جامع ہیں) ولایت کی چوتھی قسم (ولایت مطلقہ عامہ ہے جو نبوت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ نیز ہر ولایت کے لیے ایک خاتمہ ہوتا ہے۔ پہلی قسم کی ولایت کا خاتمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ اسی لیے آپ نے فرمایا ہے کہ اگر چاروں آسمانی کتابوں والے جمع ہو جائیں تو میں ان میں سے ہر ایک کو اس کی اپنی کتاب سے حکم کر سکتا ہوں۔

اور دوسری قسم کے ولایت کے خاتمہ یعنی خاتم ولایت مقیدہ بہ محمدؐ بقول حضرت ابن العربیؒ خود شیخ ابن عربیؒ ہیں اور خاتم ولایت مطلقہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام مہدیؑ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل سے ہوں گے اور حضرت میر سید علی ہمدانیؒ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ خاتم ولایت مقیدہ بہ محمدؐ علیہ السلام قلب محمدؐ علیہ السلام کے مرتبہ پر پہنچتا ہے اور خاتم ولایت مطلقہ محمدؐ حضرت محمدؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روح مرتبہ پر پہنچتا ہے اور خاتم ولایت مطلقہ عامہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ جن کے زمانہ میں حضرت امام مہدی ہوں گے

مصنف کتاب جامع المعارف قدس سرہٗ نے فصوص الحکم کے بعض مقدمات کی شرح میں بھی فتوحاتِ مکی کے بارہویں باب وغیرہ سے یہی نقل کیا ہے کہ ولایت کی چار قسمیں ہیں۔ جس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

خلاصہ

ولی کی تعریف

فرماتے ہیں کہ پہلے لفظ ولی کی تعریف کرنی چاہیے۔ اس بارے میں حضرت ابن عربیؒ کا قول نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عربی فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا عارف ہو طاقت بشری کے مطابق اور اس عرفان کے باوجود ظاہری و باطنی طاعت وعبادت کا پابند ہو اور ظاہری و باطنی گناہوں سے پرہیز کرتا ہو اور کرامات وخوارق عادات کا ظہور ولایت کی شرط نہیں اور عصمت شرط ولایت ہے لیکن ولی محفوظ ہوتا ہے اور نبی معصوم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین مرتبے رکھتے ہیں اوّل ولایت، دوّم نبوت، سوم رسالت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اوّل ما خلق اللہ نوری" (یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو پیدا کیا میرا نور تھا) پس تمام انبیاء اور اولیاء کے انوار نورِ محمدیؐ سے پیدا ہوئے ہیں۔ نیز تمام اولیاء اہل کشف اس پر متفق ہیں کہ تمام حضرات انبیاء و رُسل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ (میں نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے) یعنی میں اپنی نبوت سے آگاہ تھا پس حق تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کر دیا۔ جب کہ آپ ابدان اور اجسام انسانی سے قبل حالتِ روح میں تھے اور دنیا میں تمام انبیاء علیہم السلام حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہیں اور روز قیامت تک سب آپ کا ملک ہے جو آپ کی روحانیت سے ہر زمانے تک رسولؑ تک پہنچتا رہا اور اس زمانے کے رسولؑ کی شریعت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جب کہ وہ رسولؑ موجود تھے۔ لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری دنیا میں موجود نہ تھے۔ ہر نبیؑ کی شریعت اس کے اپنے نام سے منسوب ہوئی، دراصل وہ شریعتِ محمدی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علمت علم الاولین والاخرین (مجھے اولین اور آخرین سب کا علم دیا گیا)، اور چونکہ اولیاء کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں

اس لیے جو ولی اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت کا وارث ہو۔ اسے محمدیؐ کہتے ہیں اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولایت کا وارث ہے اسے عیسوی کہتے ہیں علی ھذا القیاس ابراھیمی، اسحاقی و یعقوبی اور تمام انبیاء علیہم السلام۔

فلاں ولی کا فلاں نبیؑ کے قدم پر ہونے کا مطلب

اسی وجہ سے صوفیہ کی اصطلاح میں کہا جاتا ہے کہ فلاں ولیؒ فلاں نبیؑ کے قدم پر ہے یا فلاں ولیؒ فلاں نبیؑ کے قلب پر ہے۔ یعنی وہ علوم اور تجلیات اور مقامات و احوال جو اس پیغمبرؑ سے مخصوص تھے۔ اس ولی کو اس پیغمبرؑ کی مدد سے حاصل ہیں لیکن ہیں یہ سب مشکوٰۃ محمدیؐ سے۔ پس وہ ولی مثلاً محمدی، ابراھیمی ہوتا ہے یا محمدی موسوی ہے یا محمدی، عیسوی ہوتا ہے۔ جیساکہ یہ فقیر مقرر ہوا ہے۔

ولایت محمدیؐ کی قسمیں

جاننا چاہیے کہ ولایت محمدیؐ کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کی ولایت جامع ہے۔ تمام تصرفات معنوی کی جو کہ قطب کا خاصہ ہے اور تصرف ظاہری کی جو سلاطین کا خاصا ہے اور اس ولایت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو مقرون بخلافت ہو۔ دوسری وہ جو مقرون بخلافت نہ ہو۔ تیسری قسم ولایت کی وہ ہے جو تصرف ظاہری اور باطنی کی جامع نہ ہو۔

لیکن وہ ولایت محمدیؐ جو تمام انبیاء علیہم السلام کی ولایت کی جامع ہے۔ اس کی صاحب فتوحات مکی کے قول کے مطابق چار قسمیں ہیں اور ہر قسم کی ولایت کے لیے ایک خاتم ہوتا ہے۔ ولایت کی پہلی قسم جو کہ جامع ہے تصرف ظاہری و باطنی کی اور مقرونِ خلافت ہے۔ اس کے خاتم حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ ہیں۔ کیونکہ آپ خلفائے راشدین میں سے آخری خلیفہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: الخلافۃ من بعدی ثلثون سنۃ ثم یصیر ملکا عضوضا (میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔ اس کے بعد بادشاہت ہوگی) اور امام حافظ ابن عساکر رضی اللہ عنہ جو اکابر ائمہ اہل سنت وجماعت میں سے ہیں امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا خاتم الانبیاء وانت یا علی خاتم الاولیاء (میں خاتم الانبیا ہوں اور تم اے

علیؓ خاتم الاولیاء رہو، پس اس خاتم کو خاتم کبیر کہتے ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہیں۔

ولایتِ محمدی کی دوسری قسم

ولایتِ محمدی کی دوسری قسم جو جامع ہے۔ تصرف ظاہری و باطنی کی لیکن مقرون خلافت نہیں ہے۔ اس کے خاتم امام مہدی علیہ السلام ہیں جو آخری زمانے میں ظاہر ہوں گے۔ آپ کا اسم گرامی محمد ہوگا اور خلق میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صورت کی مانند ہوں گے۔ لیکن خلق ان کے تابع ہوگی اور ان کے بعد کوئی ولی بادشاہ نہ ہوگا۔ پس اس قسم کی ولایت ان پر ختم ہو جائے گی۔ ان کو خاتم صغیر کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ اکبرؒ نے فتوحات میں ان کا وصف بیان کیا ہے۔

ولایتِ محمدی کی تیسری قسم

ولایت محمدی کی تیسری قسم کے خاتم شیخ محی الدین ابن عربیؒ ہیں۔ ان کو خاتم اصغر کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ ولایت کی اس قسم کے خاتم ہیں جو تصرف ظاہری و باطنی کی جامع نہیں ہے۔ بلکہ صرف تصرف معنوی (باطنی) سے مخصوص ہے اور مقرون بخلافت بھی نہیں ہے۔

چوتھی قسم

ولایت کی چوتھی قسم کے خاتم حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں کہ ان کے بعد کوئی ولی نہ ہوگا اور اس قسم کی ولایت ان کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ ان کو خاتم ابجد کہتے ہیں۔

حضرت شیخ ابن عربیؒ فتوحات کے چوبیسویں باب میں لکھتے ہیں کہ ولایت محمدی جو مخصوص ہے اتباع شرع محمدی کے ساتھ۔ اس کے لیے ایک خاص خاتمہ ہے اور وہ خاتم مرتبہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کم ہے۔ کیونکہ وہ رسول تھے۔ وہ خاتم ہمارے زمانے میں ہیں میں نے ان کو دیکھا ہے اور ان کے ساتھ ایک مقام پر رہا ہوں اور علامت ختمیت جو ان میں تھی ہم نے دیکھی۔ اسی طرح شیخ اکبرؒ نے فتوحات اور فصوص الحکم میں چند مقامات پر مختلف الفاظ میں مرتبہ ختمیت کو بیان کیا ہے کہ عقل اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

اور حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے بھی الکتروںؒ مکتوب میں لکھا ہے کہ ولایت کی چار قسمیں ہیں اور ہر ایک قسم کے لیے ایک خاتم ہوتا ہے۔ لیکن اس درویش (میر سید جہانگیر سمنانیؒ) نے اپنے وقت کے اکثر مشائخ مثلاً امام عبداللہ یافعی و شیخ ابوالوفا خوارزمیؒ اور شیخ رکن الدین

قشیریؒ وغیرھم سے اس بارے میں گفت گو ہوئی۔ لیکن یہ گفتگو ادراک صُوری کے ساتھ (یعنی ظاہری صورت میں) دل میں نہیں اترتی بجز عنایت الٰہی کے۔ اور حضرت میر سید جہانگیر سمنانیؒ نے اپنے مکتوبات میں ولایت کی اسی قسم کا ذکر، مسئلہ تجدد امثال کے باب میں کیا ہے اور اکابر اولیاء سے اس بارے میں مختلف روایات نقل کرکے مواہب الٰہی (عنایت الٰہی) کا حوالہ دیا ہے۔ پس اس بارے میں کافی غور و فکر کے بعد اتنا پتہ چلتا ہے کہ مسئلہ خاتمیت اور مسئلہ تجدد امثال اللہ تعالےٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے، جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے فیض سے عارفین کے دل پر یوں آشکارا ہوجاتی ہے کہ بیان صُوری کے لائق نہیں (یعنی الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتی) اسی وجہ سے حضرت جہانگیر سمنانیؒ نے رموز و اشارات کے ذریعہ مواہب الٰہی (عنایت الٰہی) کا حوالہ دیا ہے فھم من فھم (سمجھا جس نے سمجھا) لیکن اہل دنیا کی رسم (عادت) اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اس قسم کے مضامین کی بحث میں مشغول رہتے ہیں تاکہ یہ دورہ ختم ہو اور قیامت قائم ہوجائے یعنی صورتہائے موہوم ختم ہوجائیں اور النھایت ھوالرجوع الی البدایت (آخری مقام ابتدائی مقام کی طرف رجوع کرنے کا نام ہے) کی حقیقت آشکارا ہوجائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

سب کچھ فنا ہوجانے والا ہے اور اللہ تعالےٰ کی ذات باقی رہنے والی ہے۔

---

[1] تجدد امثال جسے اصطلاح صوفیہ میں کمون و بروز بھی کہتے ہیں کا مطلب یہ ہے کہ کائنات نتیجہ ہے اسم رحمٰن کے فیضانِ وجود کا۔ چونکہ تجلیات رحمانی کا فیض ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے یہ جہان ہر وقت اور ہر لحظہ خلق جدید میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ یعنی عمل فنا و بقا ہر وقت جاری ہے۔ کل یوم ھو فی شان سے یہی مراد ہے برلئے تفصیل ملاحظہ ہو کتاب سر دلبراں مصنفہ حضرت مولانا سید محمد ذوقیؒ مکتبہ المعارف گنج بخش روڈ لاہور

طبقۂ اوّل

حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

خلفائے راشدین

اور

عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم

کا

مجمل بیان

ذکر سرور کائنات فخر موجودات سرور انبیا خاتم رسل بزرگترین اولاد حضرت ابراہیم خلیل الرحمن و بہترین خلائق کون و مکاں از قید بشریت پاک محبوب حق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف

روضۃ الاحباب میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سوموار کے دن ہوئی۔ اور وحی کا نزول بھی سوموار کے دن شروع ہوا اور حجرِ اسود کو بھی اپنی موجودہ جگہ پر آنحضرتؐ نے سوموار کے دن رکھا، مکہ معظمہ سے ہجرت بھی سوموار کے دن ہوئی مدینہ منورہ میں بھی سوموار کے دن داخل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بھی سوموار کے دن ہوا، نیز حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت دس ربیع الاول کو ہوئی اور بعض کے قول کے مطابق ماہ ربیع الاول کے پہلے سوموار کو ہوئی، اور اہل سیر (سوانح نگار) کی اکثریت اس پر متفق ہیں کہ سال فیل میں تولد ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت طلوع آفتاب کے بعد ہوئی جبکہ سورج برج حمل میں تھا اور وہ دن رومی ماہ نیسان کی بیسویں یا اٹھائیسویں یا پندرھویں تاریخ تھا اور فرس کے مہینوں کے مطابق ماہ دے کی سترھویں تاریخ تھی۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ نوشیروان کے عہد کے ابتدائی بیالیس سال گذرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور سکندر رومی کی وفات کو آٹھ سو بیاسی سال گذر چکے تھے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے زمانے سے آپ کی ولادت تک چھ سو سال گذر چکے تھے معارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی ولادت باسعادت تک چھ ہزار سات سو پچاس سال اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے چار ہزار چار سو نوے سال۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تین ہزار ستر سال۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار چھ سو سال۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے ایک ہزار آٹھ سو سال، ذوالقرنین سے آٹھ سو بیاسی سال اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ سو سال گذر چکے تھے کہ آپؐ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر دو ماہ کی ہوئی، آپؐ کے والد عبداللہؓ کا انتقال ہوگیا۔ اور جب عمر شریف چھ سال کے قریب ہوئی شق صدر واقع ہوا، (یعنی آپؐ کا سینہ مبارک فرشتوں کے ذریعہ چاک کرایا گیا) اور روضۃ الاحباب میں شق صدر کے باب میں مختلف روایات درج ہیں، سب سے زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ شب معراج میں واقع ہوا۔ جب آپؐ کی عمر چھ سال کی ہوئی آپ کی والدہ ماجدہ آمینہؓ کا انتقال ہوگیا اور آپ کے دادا حضرت عبدالمطلبؓ نے آپؐ کی تربیت کی۔ جب آپؐ کی عمر آٹھ سال ہوئی حضرت عبدالمطلبؓ جن کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور دوسری روایت کے مطابق بیاسی سال تھی رحلت کر گئے۔ وفات کے وقت آپؐ کے چچا حضرت ابوطالبؓ سے وصیت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت کریں۔ جب آپؐ کی عمر شریف بارہ سال دو ماہ اور دس دن ہوئی حضرت ابوطالبؓ نے تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہمراہ لے گئے۔ وہاں ایک راہب تھا جو تمام نصاریٰ میں زہد و پرہیزگاری میں کمال کا درجہ رکھتا تھا اور اس نے انجیل اور دوسری آسمانی کتابوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم کر کے حضرت ابوطالبؓ سے بیان کیے اور کہا کہ آپ کا یہ بھتیجہ نبی آخر زماں ہے۔ نیز اس سفر میں نصاریٰ قوم کے اکثر راہبوں نے حضرت ابوطالبؓ کو یہ خوشخبری دی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف بیس سال ہوئی اکثر ملائکہ اور دیگر رجال الغیب آپؐ پر ظاہر ہونے شروع ہوئے جب آپؐ کی عمر پچیس برس ہوئی حضرت خدیجہؓ بنت خویلد نے جو قریش قوم میں بہت معزز اور اجمل تھیں آپؐ کے ساتھ شادی کی خواہش کی اور حضرت ابوطالبؓ نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ جب ولادت کو پینتیس سال گذر گئے قریش نے خانہ کعبہ کو جس کی عمارت خراب ہو چکی تھی از سر نو تعمیر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تعمیر کعبہ میں شریک رہے اور حجر اسود کو اپنے ہاتھوں سے اس کی موجودہ جگہ پر نصب فرمایا۔

جب عمر شریف چالیس برس ہوئی آثارِ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ نزولِ وحی سے پندرہ سال پہلے آپ آوازیں سُنتے تھے اور سچے خواب دیکھتے تھے اور نزولِ وحی سے بیس سال پہلے آپ روشنی دیکھتے تھے اور سال میں ایک مہینہ آپ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ اس کے بعد مکہ معظمہ آکر سات مرتبہ طوافِ کعبہ فرماتے تھے اور پھر اپنے گھر جاتے تھے اور وحی سے چند سال پہلے پتھر اور درخت آپؐ پر سلام کہتے تھے۔ آپ یہ سُن کر حیران ہوئے تھے اور حضرت خدیجہؓ سے بیان کرتے تھے وہ سُن کر خوش ہوتی تھیں۔ جب اکتالیسواں سال شروع ہوا آپ حسبِ معمول غارِ حرا میں تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے سامنے ظاہر ہوئے اور سورۂ کریمہ اقرا باسم ربک ..... الی آخر تعلیم کی۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صفا اور مروہ کے درمیان لے گئے۔ اپنے دونوں پاؤں زمین پر مارے وہاں سے پانی کا چشمہ نکلا۔ پہلے انہوں نے خود وضو کیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کی ترتیب بتائی اس کے بعد آگے بڑھ کر حضرت جبرئیلؑ نے دو رکعت نماز پڑھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتدا کی۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا یہ طریقہ ہے۔ اور آج تک یہ سُنت مشائخ میں جاری ہے کہ مرید کی تلقین کے وقت اُن کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھتے ہیں۔

اور روضۃ الاحباب میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کئی طریق پر ہوتی تھی۔ ایک سچے خواب کی صورت میں دوسری یہ کہ جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر القا کر دیتے تھے۔ تیسری یہ کہ جبرئیل علیہ السلام آدمی کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے اور اکثر دحیہ قلبی کی صورت میں ظاہر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کرتے تھے۔ چوتھی صورت یہ بھی کہ گھنٹی کی آواز کی صورت میں وحی نازل ہوتی تھی۔ پانچویں صورت نزولِ وحی کی یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیلؑ کو اپنی اصلی صورت میں دیکھتے تھے۔ چھٹی یہ کہ آسمان پر شبِ معراج میں آپ پر وحی نازل ہوئی۔ ساتویں یہ کہ حق تعالیٰ کے ساتھ آپ بلا واسطہ اور بغیر کسی حجاب کے کلام کرتے تھے۔ جس طرح کہ حدیثِ معراج میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالےٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ ایک بزرگ نے یہ مضمون اس طرح ادا کیا ہے۔ بیت

دید محمدؐ نہ بچشم دیگر   بلکہ ہمیں چشم کہ دارد سر

(حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور آنکھ سے حق تعالےٰ کا دیدار نہ کیا۔ بلکہ انہیں سر کی آنکھوں سے کیا۔ یعنی دل کی آنکھوں سے باطنی نظر سے نہیں۔ بلکہ جسمانی آنکھوں سے)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے والی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد تھیں۔ اس کے بعد اس دن یا دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ اس کے بعد حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ ایمان لائے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے اور جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فیض اسلام سے فیض یاب ہوئے اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد جس مرد نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق روضۃ الاحباب میں سب سے صحیح روایت وہی قرار دی گئی ہے۔ جو پہلے بیان ہوئی۔ اس کے بعد عشرہ مبشرہ میں سے پانچ حضرات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت کی وجہ سے ایمان لائے۔ ان میں سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسرے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، تیسرے حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، چوتھے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور پانچویں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کے بعد دوسرے دن حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ مشرف باسلام ہوئے۔ اس جماعت کے اسلام لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلم کھلا اسلام کی دعوت شروع کی۔ جس سے کفارِ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر دستِ ظلم دراز کیا۔

نبوت کے پانچویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ظلم کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دوسرے دس آدمیوں کے ساتھ مع بال بچوں کے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ یہ حضرات حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی مدد سے وہاں رہے۔

نبوّت کے چھٹے سال حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔ جن کی وجہ سے اسلام کو بہت تقویت پہنچی۔ نبوت سے دسویں سال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو طالبؓ بن عبد المطلبؓ نے رحلت کی جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا۔ اس کے بعد آپ مکہ معظمہ سے طائف وغیرہ کے قبائل کی طرف تشریف لے گئے اور دعوتِ اسلام دی اور کافی لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ طائف سے واپسی پر راستے میں ایک جگہ آپؐ پہنچے اور قیام فرمایا۔ جب رات ہوئی تو سات اور بعض روایات میں ہے کہ نو جن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن کو آپؐ نے اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے فوراً قبول کر لی اور مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ جب اپنے گھروں کو جاؤ تو میرا پیغام اپنی قوم کو پہنچانا۔ انہوں نے یہ بات تسلیم کی۔ کہتے ہیں کہ وہ سات جن یہودی جن تھے۔ جب وہ اپنی قوم میں گئے تو ان کو بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک کتاب نازل ہوئی ہے۔ اس پر تم ایمان لے آؤ۔ یہ سن کر بہت جن آنحضرت کو دیکھے بغیر مسلمان ہو گئے۔ چند دنوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن مسعودؓ کو ساتھ لے کر باہر تشریف لے گئے۔ اس روز بارہ ہزار اور بعض روایات میں ہے کہ ساٹھ ہزار جن اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس جھنڈے تھے اور ہر جھنڈے کے نیچے بے شمار جن تھے۔ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ بنت حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت سودہ بن ربیعہ سے عقد نکاح فرمایا۔

نبوت کے گیارھویں سال قوم انصار کے اسلام قبول کرنے کی ابتدا ہوئی۔ چھ شخص جو مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آئے ہوئے تھے۔ مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری ان میں سے ایک تھے۔

نبوت کے بارھویں سال معراج واقع ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ نبوت کے پانچویں سال معراج واقع ہوا۔ بہر حال اس بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ لیکن قولِ اول سب سے زیادہ صحیح ہے اور اسی سال جبرائیلؑ کے توسط کے بغیر معراج کے وقت پنجگانہ نماز فرض ہوئی۔

نبوت کے تیرھویں سال بیعتِ العقبہ واقع ہوئی۔ قبیلۂ انصار کے سات آدمی مثلاً کعب بن مالک رضؓ اور اسعد بن زرارہ رضؓ وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایمان کی پختگی اور اخلاص کا مشاہدہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بیس صحابہ کے ہمراہ مدینہ منورہ بھیجا۔ اس کے بعد کفارِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر لے کا ارادہ کیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو اس بات سے آگاہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا کر خود رات کو گھر سے باہر نکلے۔ حضرت جبرائیل و میکائیل کو اللہ تعالےٰ نے حضرت علی رضؓ کی حفاظت پر مامور کر دیا۔ تاکہ کفار ان پر دست درازی نہ کر سکیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پر تشریف لے گئے اور وہاں سے ان کے ساتھ غارِ ثور میں تشریف لے گئے۔ تین رات دن اسی غار میں رہے۔ اس جگہ حضرت صدیق اکبر رضؓ کو سانپ نے کاٹا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن اس مقام پر لگایا تو وہ فوراً ٹھیک ہو گئے۔ کفار نے بہت تلاش کی لیکن حق تعالیٰ نے ان کی نظروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپا لیا تھا۔ تین دن کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا لڑکا ان کی ہدایت کے مطابق دو اونٹ غارِ ثور کے سامنے لایا۔ ایک اونٹ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور دوسرے پر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے جب مدینہ کے قریب پہنچے تو اہلِ مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پرجوش استقبال کر کے سعادت دارین حاصل کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ قبا میں اُترے۔ لوگ جوق در جوق آتے رہے اور مشرف بالسلام ہوتے رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد تین دن مکہ میں رہے۔ لوگوں کی امانتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ادا کیں اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابھی آنحضرت ﷺ مقامِ قبا ہی میں تھے کہ حضرت علی رضؓ پہنچ گئے۔ پیدل چلتے چلتے آپ کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک ان پر پھیرا تو فوراً درست ہو گئے اور ان کے پاؤں میں کبھی درد نہ ہوا۔

ہجرت کے پہلے سال عبداللہ بن سلام جو علمائے یہود میں سے تھے۔ اسلام لائے اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی تعمیر کی اور اسی سال نماز جمعہ ادا کی اور لمبا خطبہ

پڑھا اور یہ جمعہ کا پہلا خطبہ تھا۔ اسی سال دو رکعت نماز ادا کی (یعنی نماز جمعہ میں)، اور نماز ظہر اور عصر میں چار چار رکعت نماز مقرر ہوئی۔ پہلے دو دو رکعتیں پڑھی جاتی تھیں اور نماز فجر اور مغرب دستورِ سابق کی طرح رہیں اور اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثؓ اور ابو رافعہؓ جو آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام تھے کو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو مدینے لے آنے کے لیے مکہ بھیجا۔ اسی سال حضرت سلمان فارسیؓ ایمان لائے۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان برادرانہ قائم فرمایا اور پچاس مہاجرین اور پچاس انصار کو عقدِ مواخات (برادری) میں جوڑ دیا۔

روضۃ الاحباب میں صحیح بخاری سے منقول ہے کہ اس برادری کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے اندر اور برادری قائم فرمائی۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے درمیان، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے درمیان اور اپنے اور حضرت علیؓ کے درمیان۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ (تو میرا بھائی ہے اس دنیا اور آخرت میں) اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پنج وقتہ نماز سے پہلے آذان کا حکم فرمایا اور حضرت بلالؓ کو اس کام پر لگایا اور اسی سال عاشورہ کے دن روزہ رکھا۔

ہجرت کے دوسرے سال رجب کے مہینے میں سوموار کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی ایک مسجد میں عصر کی نماز پڑھا رہے تھے اور بیت المقدس کی طرف منہ تھا کہ دوسری رکعت کے رکوع کے وقت وحی الٰہی کے مطابق کعبہ کی جانب رُخ کرنے کا حکم ہوا اسی وقت آپ نے کعبہ کی طرف منہ کر لیا۔ آپ کے ساتھ جماعت صحابہ کرامؓ نے بھی کعبہ کی طرف منہ کر لیا۔ اسی وقت سے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا فرض ہو گیا اور اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عقد حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ اس وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر اٹھارہ برس تھی اور حضرت علیؓ کی پچیس برس۔ ان کا حق المہر چار سو مثقال نقرہ (چاندی کا سکہ) مقرر ہوا اور اسی سال کے ماہِ شعبان میں ماہِ رمضان المبارک کے روزہ کا حکم نازل ہوا۔ اسی سال نمازِ عید پڑھی گئی اور صدقۂ فطر واجب ہوا۔ اسی سال کفار کے ساتھ جہاد کی ابتدا ہوئی۔ آنحضرتؐ کے غزوات

کی تعداد انیس ہے۔ بعض روایات کے مطابق اکیس اور بعض روایات کے مطابق ستائیس ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے عہدِ مبارک میں چھپن سرایا واقع ہوئے۔ سوانح نگاروں کی اصطلاح میں غزوہ اسے کہتے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے اور جن مہمات میں آپ خود شریک نہ ہوئے۔ بلکہ دوسرے لوگوں کو اس کام پر مقرر فرمایا۔ انہیں سرایا (واحد سریہ) کہتے ہیں اور اسی سال غزوہ ابوا اور غزوہ ذوالعشیر، غزوہ کرزین اور غزوہ بدر واقع ہوئے اور جنگ بدر میں چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ جن میں سے چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے اور ستر کافر مارے گئے اور ستر کافر قیدی بنائے گئے۔ حضرت عباس ابن عبد المطلب ان قیدیوں میں سے تھے اور اسی سال غزوہ قینقاع واقع ہوا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جنگ سے واپس آئے تو عید قربان ادا کی اور قربانی کی۔ اور اسی سال غزوہ سویق اور غزوہ قرات الکدر واقع ہوئے۔

ہجرت کے تیسرے سال غزوہ غطفان واقع ہوا۔ جسے غزوہ ذی امرہ اور غزوہ انمار بھی کہتے ہیں اور اسی سال نورِ دیدۂ مصطفےٰ اور جگر گوشۂ مرتضےٰ یعنی حضرت امام حسن مجتبےٰ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور اسی سال حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہؓ کو حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح میں لیا اور اسی سال اپنی لڑکی حضرت اُمِ کلثوم کی شادی حضرت عثمانؓ بن عفانؓ کے ساتھ کی۔ اسی سال غزوہ اُحد واقع ہوا۔ جس میں آپ کے چچا حضرت امیر حمزہؓ اور دیگر صحابہ کرام شہید ہوئے۔ تین دن کے بعد غزوہ حمرار اسد وقوع پذیر ہوا۔

ہجرت کے چوتھے سال غزوہ بنی نضر وقوع پذیر ہوا اور اسی سال اُمّ المومنین زینبؓ بنت خزیمہؓ نے وفات پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمِ سلمہؓ کو عقدِ نکاح میں لیا اور اسی سال حضرت امام حسینؓ ابن حضرت علیؓ پیدا ہوئے۔ اسی سال غزوہ بدر موعد واقع ہوا۔ اسے بدر صغیر بھی کہتے ہیں اور اسی سال وحی حق تعالےٰ کے ذریعے شراب حرام ہوا اور فاطمہ بنت اسد والدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وفات پائی۔

ہجرت کے پانچویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، زینبؓ بن جحش کو جو حضرت زیدؓ بن حارث کی مطلقہ تھیں۔ وحی الٰہی کے حکم سے اپنے عقدِ نکاح میں لائے اور آپ کا نکاح آسمان میں پڑھا گیا اور ملائکہ گواہ ہوئے اور حجاب (پردہ) کی آیت اُن کے ولیمہ کے دن نازل ہوئی۔ اس سے پہلے

پردہ نہ تھا اور اسی سال غزوۂ مریسیع واقع ہوا۔ اسی سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں اور ان پر تہمت لگائی گئی۔ لیکن حق تعالیٰ نے ان کی عصمت کی آیہ نازل فرمائی۔ اسی سال غزوۂ خندق واقع ہوا۔ اسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔ اسی سال غزوہ بنو قریظہ وقوع پذیر ہوا۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند گرہن کے وقت نمازِ خسوف ادا کی اور اسی سال غزوۂ دومۃ الجندل وقوع پذیر ہوا۔

ہجرت کے چھٹے سال حج فرض ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہجرت کے نویں سال حج فرض ہوا۔ لیکن پہلی روایت صحیح ہے اور اسی سال غزوہ ذات الرقاع واقع ہوا۔ اسی سال غزوۂ بنو الجنان اور غزوۂ ذی قرہ بھی واقع ہوئے۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ استسقا گزاری اور بڑے زور سے بارش ہوئی۔ بارش کے نہ ہونے سے ملک میں سخت قحط تھا۔ جب بارش ہوئی تو لوگوں کی مصیبت دور ہو گئی۔ اسی سال صلح حدیبیہ ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کے ساتھ تین سال کے لیے اور بروایت دیگر دس سال کے لیے صلح کر لی اور واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ واپسی کے سفر میں سورۂ فتح نازل ہوئی جس سے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی اور اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہانِ عجم کے نام خطوط تحریر فرمائے اور اسلام کی دعوت دی۔ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ وہ بغیر مہر کے خطوط نہیں پڑھتے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر کے لیے سونے کی ایک انگشتری بنوائی۔ صحابہ کرامؓ نے بھی اس سنت پر عمل کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انگوٹھی پہنی تو دوسرے دن حضرت جبرائیلؑ پیغام لائے کہ آپ کی امت کے مردوں کے لیے سونا حرام ہے۔ پس آپ نے سونے کی انگوٹھی فوراً اتار دی اور چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ صحابہ کرامؓ نے بھی اس پر عمل کیا اور نگینہ پر کلمہ طیبہ کا نقش تھا۔

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی شاہِ حبشہ کو خط لکھا۔ جب نجاشی کو وہ خط ملا تو اس نے کلمۂ شہادت پڑھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اور خط کا جواب تحفوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ارسال کیا۔ دوسرا خط آپؐ نے ہرقل قیصرِ روم کو لکھا۔ لیکن ہرقل ایمان نہ لایا۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ وہ دو سال

کے بعد ایمان لایا اور مسلمان ہو گیا۔ لیکن پہلی روایت صحیح ہے۔ تیسرا خط آپؐ نے کسریٰ (شاہِ ایران) کو لکھا۔ اس وقت شاہِ ایران پرویز بن ہرمز بن نوشیروان تھا۔ اس بدکار نے آپؐ کا خط پھاڑ ڈالا اور وہ نامناسب کلمات زبان پر لایا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میرے خط کے انتقام میں اس کا پیٹ پھاڑا ہے۔ چنانچہ سات گھنٹے کے بعد شیرویہ بن پرویز نے اپنے باپ کے پیٹ کو خنجر سے چاک کر ڈالا اور خود اس کی بجائے تخت نشین ہوا۔ چوتھا خط آپؐ نے مقوقس شاہ اسکندریہ (مصر) کو لکھا۔ اس نے نہ کوئی نامناسب کلمہ کہا اور نہ وہ ایمان لایا۔ لیکن خط کا جواب تحفہ تحائف کے ساتھ ارسال کیا۔ ماریہ قبطیہ ان تحائف میں سے تھیں جو آنحضرتؐ اپنے تصرف میں لائے۔ اس نے ذوالفقار نامی تلوار بھی بطورِ تحفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجی جو آپؐ نے چند روز اپنے پاس رکھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عنایت فرمائی۔ پانچواں خط حارث بن ابی شمر غسانی بادشاہ دمشق کے نام لکھا۔ اس نے خط کو زمین پر دے مارا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو ایک سو مثقالِ زر (سونے کا سکہ) زادِ راہ کے طور پر دے کر رخصت کیا اور خط کا کوئی جواب نہ دیا۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ خفیہ مسلمان ہو گیا تھا۔ چھٹا خط آپؐ نے ہوذہ بن علی حنفی حکمرانِ ایمامہ کو لکھا۔ ہوذہ نے آنحضرتؐ کے خط کو تعظیم کے ساتھ لیا اور قاصد کو انعام دے کر خط کے جواب کے ساتھ واپس کیا۔ خط میں اس نے یہ لکھا تھا کہ یمن کے بعض علاقے مجھے دے دیجئے تاکہ آپ کی اطاعت کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست منظور کر لی۔

ہجرت کے ساتویں سال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے اور اسی سال غزوۂ خیبر واقع ہوا۔ قلعہ صعب، قلعہ قموص اور خیبر کے تمام قلعے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے فتح ہوئے اور جب فتح خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قلعہ قموص سے واپس آئے تو ایک یہودی عورت نے آپ کو بھونے ہوئے گوشت میں زہر کھلا دیا اس سے آپ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ عورت پشیمان ہوئی اور مسلمان ہو گئی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی، جنہوں نے

زہر آلودہ گوشت کھایا تھا۔ فوت ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قتل کے بدلے میں اس عورت کو قتل کرا دیا۔

صفیہ بنت حیی الخطب کو جو سب اسیران جنگ سے زیادہ خوبصورت تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آزاد کر کے اپنے عقد نکاح میں لائے۔ جنگ خیبر میں چودہ صحابہ کرام رض شہید ہوئے اور ترانوے ۹۳ یہودی مارے گئے اور اکثر قیدی بنائے گئے۔ جب آنحضرت غزوۂ خیبر سے واپس تشریف لائے تو عصر کی نماز کے وقت اپنا سر مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھ کر استراحت فرما رہے تھے۔ اس وقت آپ پر وحی نازل ہونے لگی۔ جب وحی سے فراغت ہوئی تو دیکھا کہ سورج غروب ہو چکا ہے۔ آپ نے حضرت علی رض سے دریافت کیا کہ عصر کی نماز پڑھی ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سورج پھر ظاہر ہوا اور حضرت علی رض نے نماز ادا کی۔ اس کے بعد سورج پھر غروب ہو گیا۔ اسی سال فدک اور وادی القرار فتح ہوئے۔

ہجرت کے آٹھویں سال حضرت خالد بن ولید رض، حضرت عمر بن عاص رض اور حضرت عثمان بن طلحہ رض نے اسلام قبول کیا اور اسی سال غزوۂ لوتہ وقوع پذیر ہوا۔ حضرت زید بن حارث رض اور حضرت جعفر طیار رض (حضرت علی رض کے بھائی) اسی لڑائی میں شہید ہوئے اور حضرت خالد بن ولید رض کے ہاتھ پر فتح حاصل ہوئی اور اسی سال غزوۂ ذات السلاسل واقع ہوا اور فتح مکہ بھی تائید الہی سے حاصل ہوئی اور تمام پتھر کے بتوں کو جو کافروں نے خانہ کعبہ کے گرد اگرد جمع کر رکھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توڑ کر باہر پھینک دیئے اور کفار نے انبیاء علیہم السلام کی جن تصاویر کو کعبہ کی دیواروں پر بنا رکھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی مٹا دیا۔ اس کے بعد آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور اسی سال ابو سفیان کافی لڑائیوں کے بعد پشیمان ہو کر اسلام لائے۔ جسکی تفصیل روضۃ الاحباب میں موجود ہے۔ غزوہ حنین، غزوۂ طاس اور غزوۂ طائف بھی اسی سال واقع ہوئے اور اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے فرزند پیدا ہوا۔ انکا نام ابراہیم رض رکھا گیا اور اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی زینب رض کا جو ابو العاص رض بن ربیع کی بیوی تھیں۔ انتقال ہوا۔ اسی سال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ضحاک کلابیہ اور علیکہ لُسیہ سے شادی کی۔ اسی سال سورج گرہن واقع ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف ادا کی۔

ہجرت کے نویں سال مال پر زکوٰۃ فرض ہوئی۔ آنحضرتؐ نے نصاب زکوٰۃ مقرر فرمایا۔ اور اس کے مطابق زکوٰۃ ان قبائل سے وصول کی گئی جو اسلام لا چکے تھے اور زکوٰۃ از قسم مال و جانور مدینہ منورہ میں لائی گئی۔ اور اسی سال حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق بتخانہ قلس جو قبیلہ طے میں تھا۔ منہدم کر کے جلا ڈالا۔ اور حاتم طائی کے خاندان کو مال غنیمت کے ساتھ قید کر کے مدینہ لائے۔ چند روز کے بعد عدی بن حاتم طائی جو ملک شام کی طرف بھاگ گیا تھا واپس آیا اور مشرف باسلام ہوا۔ اور اسی سال غزوہ تبوک وقوع پذیر ہوا۔

ہجرت کے دسویں سال آنحضرتؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو قبیلہ بنی حارث کی طرف بھیجا تاکہ اسے دعوت اسلام دیں اور اسی سال باذان حاکم یمن نے وفات پائی۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو تین ہزار کی جماعت کے ساتھ یمن کی طرف روانہ کیا اور رخصت کے وقت اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر دستار باندھی۔ ابھی حضرت علیؓ یمن میں تھے کہ آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع کا احرام باندھا اور حضرت علیؓ کو کہلا بھیجا کہ مکہ معظمہ پہنچ کر حج میں شریک ہوں۔ جب آنحضرتؐ حج سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں غدیر خم کے مقام پر جبرائیلؑ نے آپ کو وفات کی خبر سنائی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اصحاب مہاجرین و انصار کو جمع فرما کر حکم دیا کہ اونٹ کے پالان کا منبر بنائیں۔ آپؐ نے منبر پر بیٹھ کر ایک طویل خطبہ دیا اور حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر یہ الفاظ فرمائے: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا الْعَلِیُّ مَوْلَاہُ ...... الیٰ آخرہ (جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؓ مولا ہے ......) چنانچہ اس بات کا کتب حدیث و سیر میں مفصل ذکر ہے۔ اسی سال حضرت ابراہیم آنحضرتؐ کے نور دیدہ کا وصال ہوا۔

ہجرت کے گیارھویں سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور وصال فرمایا۔ تمام سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں کہ جب آنحضرت حجۃ الوداع سے آتے ہی بیمار ہو گئے۔ اسی زمانے میں بعض جھوٹے لوگوں نے نبوت کا دعوےٰ کر دیا۔ ان میں سے ایک مسیلمۃ الکذاب بن

یمامہ تھا جسے رحمیہ یمامہ بھی کہتے ہیں۔ دوسرا طلحہ بن خویلد، تیسرا اسود بن کعب عنسی، چوتھی ایک عورت بھی جس کا نام سجاح بنت الحارث تھا۔ اللہ تعالےٰ نے چند دنوں میں ان لوگوں کے کذب سے خلق کو آگاہ کر دیا۔

اسی سال ماہ صفر کی اٹھائیسویں تاریخ بروز چہار شنبہ (بدھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ آپؐ کے مرض کی مدت میں اختلاف ہے۔ اکثر سوانح نگاروں کا خیال ہے کہ آپ تیرہ دن اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ چودہ دن اور بعض کے نزدیک بارہ دن اور بعض کے خیال کے مطابق دس دن بیمار رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعرات کے روز جب آپ کو زیادہ تکلیف ہوئی تو صحابہ کرامؓ سے فرمایا میرے پاس آؤ تاکہ میں تمہارے لیے وصیت لکھوں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے کاغذ اور قلم دوات طلب فرمائی تاکہ ایسی چیز لکھ کر چھوڑ جائیں کہ لوگ ہرگز گمراہ نہ ہوں۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہو گیا۔ بعض کہتے تھے کہ کاغذ اور قلم دوات لائی جائے تاکہ آپ جو کچھ چاہتے ہیں لکھ لیں بعض کہتے تھے کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ اس نازک وقت میں آپ کو لکھنے کی تکلیف دی جائے۔ اس بات پر کافی بحث ہوئی۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کا ارادہ ترک کر دیا۔ روضۃ الاحباب میں اس کا مفصل ذکر آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے تین دن پہلے نماز کی امامت کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا۔

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہؓ جسے آپنے شام پر لشکر کشی کے امیر لشکر مقرر فرمایا ہوا تھا۔ وصال سے دو دن پہلے یعنی دس ماہ ربیع الاول بروز سوموار باوجود تکلیف میں مبتلا ہونے کے اپنے ہاتھ سے جھنڈا بنا کر عطا فرمایا۔ اور ان کے حق میں دعائے خیر فرما کر رخصت فرمایا۔ حضرت اسامہؓ جھنڈا لے کر باہر آئے اور کیمپ تیار کیا تاکہ لشکر جمع ہو۔ مہاجرین وانصار کے اکابر مثلاً ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ سب کو اس لشکر میں شامل ہونے کا حکم تھا۔ (یہ اسلام کی شان ہے کہ حضرت اسامہؓ ایک غلام زادہ نوجوان تھے۔ لیکن فن سپہ گری میں ماہر تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اکابر صحابہؓ کا سردار مقرر فرمایا اور کسی نے چوں وچرا نہ کی ...... مترجم)

اس میں شک نہیں کہ یہ بات بعض لوگوں کو ناگوار گذری کہ ایک غلام کو اکابر قریش کا سردار مقرر کیا گیا ہے۔ جب یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک تک پہنچی تو آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا : مَنْ تَخَلَّفَ جَيْشَ أُسَامَةَ فَهُوَ مَلْعُونٌ (جس نے اسامہؓ کے لشکر کی مخالفت کی وہ ملعون ہے) یہ سن کر تمام صحابہ کرامؓ حضرت اسامہؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ بنو ہاشم اور اہل بیت کے سوا کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ رہا۔ سب صحابہ کرامؓ حضرت اسامہؓ کے کیمپ میں چلے گئے۔ چنانچہ امیر لشکر نے کوچ کا حکم دیا اور سب سوار ہونے والے تھے کہ خبر موصول ہوئی کہ آنحضرتؐ حالتِ نزع میں ہیں۔ حضرت اسامہؓ واپس آنے اور باقی صحابہ کرامؓ بھی سخت پریشانی کی حالت میں واپس آ گئے۔ کہتے ہیں کہ سکرات موت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر تھی کہ کبھی آپ کا رنگ سرخ ہو جاتا اور کبھی زرد۔ پانی کا پیالہ اپنے سامنے رکھا ہوا تھا۔ آپ اس میں ہاتھ تر کر کے اپنے جسم مبارک پر ملتے تھے۔ اسی نزع کی حالت میں آپ نے مسواک فرمایا اور سوموار کے دن بتاریخ بارہ ربیع الاول جاں بحق ہوئے۔ قال علیہ السلام : اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُوصِلُ الْحَبِيبَ إِلَى الْحَبِيبِ (فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست کے ساتھ ملا دیتی ہے) اور حضرت سلطان المشائخ (حضرت نظام الدین اولیاءؒ) نے راحت القلوب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک صحیح حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دو ماہ ربیع الاول کو ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نو حجرے تھے۔ ہر روز ایک ایک حجرے سے طعام خیرات کیا گیا۔ ربیع الاول کی بارھویں تاریخ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کثرت سے طعام خیرات کیا کہ تمام اہل مدینہ کو ملا اور بہت شہرت ہوئی۔ اس لیے تمام اہل اسلام کہتے ہیں کہ ماہ مذکور کی بارھویں تاریخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس ہے۔ لیکن صحیح روایت کے مطابق آپ کا وصال دو ربیع الاول کو ہوا۔ اسی وجہ سے اکثر حضرات چشت دوسری تاریخ کو عرس کرتے تھے۔ چنانچہ صاحب روضۃ الاحباب نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اہل بیت سے تعزیت کرنے کے بعد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین آپ کا حق ہے اور خود اکابر مہاجرین کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف چلے گئے۔ تاکہ خلافت کا مسئلہ طے کیا جا سکے۔

اہلِ بیت غسل میں مشغول تھے کہ کسی نے باہر سے آواز دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل نہ دیجئے کہ آپ طاہر اور مطہر ہیں۔ اس کے بعد ایک اور آواز آئی کہ غسل دو اور پہلی بات کی پروا مت کرو کیونکہ وہ شیطان کی آواز تھی۔ اور میں خضر ہوں پس حضرت عباس رضؓ، حضرت علی رضؓ، حضرت فضیل حضرت وقثم رضؓ پسرانِ عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضؓ اور صالح حبشی جو آنحضرت ؐ کے آزاد کردہ غلام تھے اور جن کا لقب شقران ہے۔ ان چھ حضرات نے حجرہ کا دروازہ بند کر دیا اور آنحضرت ؐ کے غسل میں مشغول ہو گئے۔ حضرت علی رضؓ نے تین مرتبہ آپ ؐ کے جسم مبارک کو پانی سے دھویا۔ اور حضرت علی رضؓ اس وقت کہہ رہے تھے کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ زندگی اور موت میں کس قدر خوشبو ہے! غسل کے بعد پانی کے چند قطرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشۂ چشم اور ناف میں جمع ہو گئے تھے۔ حضرت علی رضؓ نے ان کو اپنے جسم پر مل لیا۔ اس وجہ سے ان کے علم اور قوتِ حافظہ میں مزید اضافہ ہوا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفید کفن میں ملبوس تھے اور پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے۔ جس طرح کہ آپ کی وصیت تھی۔ آپ ابھی کمرے کے اندر تھے۔ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ آپ کا وصال سوموار کے دن ہوا اور ہم نے منگل کے دن ہاتف سے آسمان کی جانب سے آواز سن کر پہلے مسلمانوں کا ابتدائی گروہ اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نمازِ جنازہ پڑھے۔ پس اس ترتیب سے جو ابنِ مسعود رضؓ نے روایت کی ہے۔ لوگ جوق در جوق آتے رہے اور ہر شخص نے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرما دیا تھا کہ کوئی امامت نہ کرے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تمہارے امام ہیں حیات میں بھی اور ممات میں بھی۔ اس کے بعد آپ ؐ کو حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جہاں آپ کا وصال ہوا دفن کیا گیا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ وصال کے تیسرے روز حضرت خضر علیہ السلام فاتحہ خوانی کے لیے حضرت علی رضؓ کے پاس آئے۔ فاتحہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دلجوئی کی اور تسلی دے کر رخصت ہوئے۔

اربابِ سیر و سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارہ بیویاں تھیں۔ جو ساری زندگی میں آپ کے نکاح میں رہیں۔ ان میں سے گیارہ پر سب کا اتفاق ہے اور ایک میں اختلاف ہے۔ سب سے پہلے آپ ؐ نے نبوت سے قبل حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کے ساتھ شادی

کی اور جب تک آپ زندہ رہیں آپ نے کسی اور سے شادی نہ کی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے دو فرزند اور چار دختر پیدا ہوئے۔ ایک فرزند جن کا اسم گرامی قاسمؓ تھا اور تین لڑکیاں نبوت سے پہلے پیدا ہوئے۔ دوسرا لڑکا جس کا نام عبداللہؓ تھا اور لقب طیب و طاہر تھا اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ نبوت کے بعد پیدا ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار خادمائیں تھیں جن میں ایک ماریہ قبطیہؓ تھیں۔ جن کے بطن سے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ آپ کے تینوں صاحبزادے بچپن میں رحلت کر گئے تھے اور دوسری کسی بیوی سے اس کے بعد کوئی اولاد نہ ہوئی۔

روضۃ الاحباب میں ایک صحیح حدیث نقل کی گئی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے کوئی شادی نہ کی بجز اس کے کہ جبرائیلؑ آکر فرماتے تھے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ کرلو۔

ذکر قدوۃ المہاجرین والانصار، ثانی اثنین اذھما فی الغار، معدن صدق وصفا، صاحب السیف والسخا، پیشوائے ارباب تحقیق، خلیفۃ الرسولؐ

امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا اسم شریف عبداللہ بن ابی قحافہ تھا اور ابی قحافہ کا نام عثمان بن عامر تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی قوم قریش میں سے تھیں۔ آپ کی نسبت پانچ واسطوں سے سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت کے ساتھ جا ملتی ہے۔ (یعنی پانچ پشتوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک جدِّ امجد کی اولاد ہیں) حضرت ابوبکر صدیقؓ قریش میں بہت معزز اور مالدار آدمی تھے۔ آپ کا شمار اپنی قوم کے رؤساء اور اہل مشورت لوگوں میں ہوتا تھا۔ آپ علم انساب (خاندانوں اور نسلوں کے حالات)، علم تعبیر خواب، علم عروض و قافیہ (شعر و سخن) میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ آپ کی طرف بہت اشعار منسوب تھے اور آپ تمام کمالات انسانی سے متصف تھے۔ جب آپ سفر شام سے واپس لوٹے تو آپ نے ایک خواب دیکھا اور فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف اسلام حاصل کیا۔ آنحضرتؐ کی نبوت سے لے کر وصال تک آپ سفر و حضر میں بہت کم آنحضرتؐ سے جدا

ہوئے۔ آپ نے کمال صدق سے اپنی جان اور مال کو سرکارِ دو عالمؐ پر قربان کر دیا اور کسی امر میں آنحضرتؐ کی متابعت ترک نہ کی۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد آپ قوم کے سردار ہوئے۔ اور مشائخ آپ کو اربابِ مشاہدہ سے مقدم جانتے ہیں۔ سیرالاولیا میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد ان کی بیوی سے شادی کر لی اور آپ نے اُن سے دریافت کیا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مشاغل کیا تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میں اس قدر جانتی ہوں کہ رات کا اکثر حصہ حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول میں گزارتے تھے۔ جب صبح ہوتی تو آپ سانس لیتے اور آپ کے جگر سے جلے ہوئے گوشت کی بُو آتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں ان کے باقی ہر کام کی متابعت کر سکتا ہوں۔ لیکن جگرِ سوختہ کہاں سے لاؤں۔ اس کے بعد انہوں نے اس کو طلاق دے دی اور کہا کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حالات دریافت کرنے کے لیے آپ کے ساتھ شادی کی تھی۔ اس کے سوا اور کوئی مقصد نہ تھا۔ آپ کے کمالات اور خوارق وعادات (کرامات) اس قدر ہیں کہ اس مختصر تحریر میں نہیں سما سکتے۔ اربابِ سِیَر لکھتے ہیں کہ حضرت خیرالبشر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے وصال کے بعد تمام صحابہؓ کی اتفاق رائے سے آپ مسندِ خلافت پر بیٹھے۔ اسی وجہ سے آپ کو خلیفۃ الرّسُول کہتے ہیں۔ قوم انصار نے خلافت کے معاملہ میں کچھ اختلاف رائے ظاہر کیا۔ لیکن تبادلۂ خیال کے بعد وہ اختلاف بھی دور ہو گیا اور انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بیعت کر لی۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور اکثر بنو ہاشم نے فوری بیعت نہ کی۔ جب حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔ اس وقت حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔

بعض معتبر کتب تاریخ مثل تاریخ طبری وغیرہ میں ہے کہ جب حضرت علیؓ نے سُنا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ مسجد نبوی میں بیٹھے لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں تو جس طرح بیٹھے تھے اسی طرح فوراً اٹھے اور جا کر اُن سے بیعت کی اور واپس آنے کے لیے گھر سے کپڑے طلب فرمائے۔ لوگوں نے عرض کی کہ آپ نے اس قدر عجلت کیوں فرمائی کہ باہر جانے کے کپڑے بھی نہ پہن لیے۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ خیال ہوا کہ میرے بھائی ابو بکرؓ یہ نہ کہیں کہ علیؓ نے بیعت کرنے میں دیر لگائی۔ ہاں مجھے

ان سے یہ شکایت ضرور تھی کہ انھوں نے ثقیفہ بنی ساعدہ میں جب امرِ خلافت طے کیا تو مجھ سے مشورہ نہ کیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ شکایت حضرت ابوبکرؓ سے کی تو آپ نے فرمایا کہ ہم کس طرح آپ کو مشورہ کے لیے بلا سکتے تھے۔ آپ تو آنحضرت کے اہلِ بیت تھے۔ آپ تجہیز و تکفین میں مشغول تھے۔ اگر ہم آپ کو بلاتے تو لوگ کہتے کہ نبی کو ان کے گھر والے بھی چھوڑ کر خلافت کے معاملے میں مصروف ہو گئے تھے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ عذر سنا تو مطمئن ہو گیا۔ ..... مترجم)

چنانچہ روضۃ الاحباب کی دوسری جلد میں اس کا مفصل ذکر ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں اعراب (دیہاتی لوگ) کی ایک جماعت جن کا ایمان ابھی تک پختہ نہ ہوا تھا۔ مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے مقابلے میں فوج بھیجی۔ لڑائی ہوئی۔ ان میں سے اکثر قتل ہوئے اور بعض از سرِ نو مسلمان ہوئے۔ الغرض یہ فتنہ ان کی کوشش سے رفع ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو فوج دے کر قوم بنی اسد کی طرف طلحہ کہ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ وہاں سے فراغت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خالد بن ولید کو یمامہ کی طرف مسیلمۃ الکذاب کے ساتھ جنگ کرنے کو بھیجا۔ کیونکہ اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مسیلمۃ الکذاب نے بڑے زور سے مقابلہ کیا۔ بہت لڑائی ہوئی۔ آخر اس کے بے شمار آدمی قتل ہوئے اور مسیلمۃ الکذاب بھی مارا گیا۔

روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بارہ قبیلے حبِ مال اور زکوٰۃ سے انکار کی وجہ سے مرتد ہو گئے تھے۔ جن میں سے دو قبیلوں کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سیدھا کر لیا تھا اور باقی قبیلوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح کیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں حضرت عمرؓ کی وساطت سے قرآن مجید جمع کیا گیا۔ اس سے پہلے متفرق تھا۔ جو صحابیؓ کوئی آیت لے کر آتا تھا۔ قبول نہیں کی جاتی تھی۔ جب تک کہ دو گواہ شہادت نہ دیتے۔ حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کو یہ کام سپرد کیا گیا تھا۔ انھوں نے کمال احتیاط سے اس کارِ عظیم کو سرانجام دیا۔ خلافت کے دوسرے سال جو ہجرت کے بعد بارہواں سال تھا۔ حضرت مثنیٰ بن حارث شیبانیؓ

جو اپنی قوم کے علماء میں سے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ اور عرض کیا کہ شاہانِ عجم کی ریاستوں کو ضعف پہنچ چکا ہے۔ مجھے اجازت دی جائے تاکہ ایک لشکر کوفہ اور اس کے نواح کی طرف لے جاؤں۔ صدیق اکبرؓ نے ان کو اجازت دے دی۔ انہوں نے کوفہ پہنچ کر گردونواح کے علاقوں کو فتح کر لیا۔ ان کی مدد کے لیے حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دس ہزار فوج دے کر روانہ کیا۔ خالد بن ولیدؓ نے عجم کے حکمرانوں سے بڑے بڑے معرکے جیتے اور بہت قیدی اور مالِ غنیمت حاصل کر کے امیر المومنینؓ کی خدمت میں ارسال کیا۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے والد جو ان قیدیوں میں سے تھے۔ صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ صدیق اکبرؓ نے بعض بلادِ عرب و عجم میں جنہیں مقرر کیا یہ ایران کے بادشاہ شیرویہ بن کسریٰ پرویز کا عہد تھا۔

ہجرت کے تیرھویں سال صدیق اکبرؓ نے چار سپہ سالاروں کو ایک عظیم الشان لشکر دے کر شام و روم کی تسخیر پر مامور فرمایا۔ جنہوں نے شام و روم کے اکثر علاقوں کو فتح کر لیا۔ اس کا ذکر تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں مفصل ملتا ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ سالِ فیل کے دو سال چار ماہ بعد پیدا ہوئے تھے۔ آخر عمر میں پندرہ دن کی بیماری کے بعد سوموار اور بعض اقوال کے مطابق منگل کے دن اور ایک روایت کے مطابق جمعہ کے دن بائیس یا تئیس جمادی الآخر ۱۳ھ کو وصال فرمایا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر شریف ۶۳ سال اور ایک روایت کے مطابق ۶۵ سال تھی اور مدتِ خلافت دو سال چھ ماہ اور ایک روایت کے مطابق دو سال دو ماہ پچیس دن تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق دو سال اور چار ماہ تھی آخر عمر میں آپ نے خلافت کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نامزد فرمایا اور جان جاناں کے سپرد کی۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفن ہوئے۔

آپ کی چار بیویاں تھیں، جن میں سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں وجود میں آئیں۔ فرزندوں کا نام حضرت عبداللہؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ، اور حضرت محمدؓ تھا اور دختران کا نام حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ تھا۔ صدیق اکبرؓ کے خلافت کے زمانہ میں حضرت عثمانؓ بن عفان ان کے وزیر تھے۔ صدیق اکبرؓ کے دیگر حالات و کرامات اور وہ احادیث جو اُن کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔ روضۃ احباب کی دوسری جلد اور دوسری کتبِ سیرت میں مفصل درج ہیں۔ وہاں دیکھ کر بہرہ مند ہونا چاہیے۔

ذکر قدوۃ الاصحاب والاحباب، متکلم بالحق والصواب، شیخ الحدیث والاجتہاد، صاحب الدرّۃ، دافع الفساد اور رموز دانِ حضرت الوہاب، مخصوص لعدالت

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کی کنیت ابوحفص ہے۔ آپ کا نسب نو پشتوں کے بعد سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا ملتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی قریش سے تھیں۔ صدیق اکبرؓ کے بعد آپ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ اکابر و اشرافِ قریش میں سے تھے۔ ایامِ جاہلیت میں قریش کی سرداری اور صلاح کاری کا شرف آپ کو حاصل تھا۔ جب کسی دوسرے قبیلے کے ساتھ قبیلہ قریش کا لڑائی جھگڑا ہوتا تو صلاح کاری کے لیے حضرت فاروقِ اعظمؓ کو بھیجا جاتا تھا اور فریقین اس بات پر فخر کرتے تھے کہ فاروقِ اعظمؓ ثالث ہیں۔ آپ نبوت کے آٹھویں سال مشرف باسلام ہوئے۔ جس سے اہلِ اسلام کو بے حد قوت حاصل ہوئی۔ آپ کے کمالات اور خوارق و عادات بہت ہیں۔ آپ کے کمالات کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ قرآنِ مجید کی بعض آیات آپ کی رائے کے مطابق نازل ہوئیں۔ اور علمائے دین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کا تبحرِ علمی، عقل و دانش، زہد و تقویٰ، تواضع، مسلمانوں پر شفقت اور کافروں پر شدت اور رعب، کمالِ عدل و انصاف، حق سے عدم تجاوز، باطل سے اجتناب، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تعظیم اظہر من الشمس ہے۔ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ آپ کے عہدِ خلافت میں ایک ہزار چھیاسی شہر مع ان کے مال و متاع اور باشندگان کے فتح ہوئے اور چار ہزار مساجد تعمیر ہوئیں، چار ہزار گرجے تباہ ہوئے اور جمعہ کی نماز کے لیے نو سو منبر تعمیر ہوئے۔ سب سے پہلے شخص جو امیر المومنین کے لقب سے ملقب ہوئے، وہ حضرت عمر فاروقؓ تھے اور پہلے آدمی جو مدینہ منورہ کے کوچہ و بازار میں ضعیفوں، غریبوں اور بے چاروں کے حالات معلوم کرنے اور خبر گیری کرنے کیلئے گشت لگاتے تھے۔ آپ تھے۔ جہاں تک بیت المال پر تصرف کا تعلق ہے۔ آپ نے صحابہ کرامؓ

سے کہہ دیا تھا کہ عمرؓ کے لیے بیت المال سے دو جوڑے درکار ہیں۔ ایک موسم سرما کے لیے، ایک موسم گرما کے لیے اور سواری صرف اس قدر درکار ہے جو سفر حج وعمرہ اور جہاد کے لیے کافی ہو اور اپنے اور اہل وعیال کے گذارہ کے لیے بیت المال سے اس قدر خوراک کی ضرورت ہے جو اہل قریش کے ایک متوسط آدمی کے لیے درکار ہے جو نہ زیادہ غریب ہو نہ امیر۔ حضرت امام جعفر صادق فرمایا کرتے تھے کہ میں اس شخص سے بیزار ہوں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو نیکی کے بغیر یاد کرتا ہے۔ کیونکہ یہ حضرات قدم قدم پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے تھے۔ جس روز حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وصال ہوا اس سے دوسرے دن حضرت عمرؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ پہلا کام جو انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو شام کے لشکر سے معزول کیا اور ابو عبیدہ بن جراح کو کمانڈر انچیف مقرر کیا۔

اس میں اختلاف ہے۔ مختلف تواریخ میں مختلف روایات درج ہیں۔ احقر مترجم کتاب ھذا نے اسلام کی فوجی تاریخ کی تالیف کے دوران جو تحقیقات (ریسرچ) کی ہے۔ اس سے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ملک شام میں چار فوجی جرنیلوں کے ساتھ افواج روانہ کیں۔ وہ سب مختلف علاقوں میں بھیجی گئیں اور خود مختار تھیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ بھی ان چار جرنیلوں میں سے ایک تھے۔ جب قیصر روم نے مسلمانوں کے مقابلے میں دو لاکھ کے قریب فوج بھیجی تو ان چار جرنیلوں نے یکجا ہو کر مشورہ کیا کہ چونکہ ہماری فوج دشمن کے مقابلے میں بہت کم ہے (اسلامی فوج کل پینتیس ہزار کے درمیان تھی) اس لیے ہمیں علیحدہ علیحدہ لڑنے کی بجائے متفق ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے اور ساری فوج کو ایک کمانڈر انچیف کے ماتحت کر دینا چاہیے۔ جب اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا تو دوسرا کام کمانڈر انچیف کا انتخاب تھا اس کام کے لیے سب نے اتفاق رائے سے حضرت خالد بن ولیدؓ کو پسند کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ شروع میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو افواج کا شام کا کمانڈر انچیف مقرر کر کے نہیں بھیجا تھا۔ لہذا حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں ان کی معزولی کا جو واقعہ مشہور ہے اس کو کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ میدان جنگ میں کمانڈروں کا ردوبدل روزمرہ کی چیز ہے۔ اس کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو حضرت عمرؓ نے کیا۔ وہ یہ تھا کہ انہوں نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو زیادہ موزوں سمجھ کر فتح یرموک کے بعد بقیہ لڑائیوں کی کمان ان کے سپرد

کر دی تھی۔ لہٰذا بعض کتب تواریخ میں جو رد و کد اور بدمزگی بیان کی جاتی ہے۔ اس کی حقائق کے سامنے قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ نیز یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ وفات سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنی ساری جائداد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام پر وقف کر دی تھی اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سب سے زیادہ حضرت عمرؓ محبوب ہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ اس بارے میں بعض سوانح نگاروں نے مبالغہ سے کام لیا ہے۔

ہجرت کے چودھویں سال حضرت ابو عبیدہؓ کے ذریعہ دمشق فتح ہوا۔ جب عجم (غیر اسلامی) حکمرانوں کو اسلامی افواج کی متواتر فتوحات کی خبر موصول ہوئی تو یزدجرد کسریٰ جو نوشیروان کی نسل سے تھا۔ ایران کے تخت پر بیٹھتے ہی جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

ہجرت کے پندرھویں اور سولھویں سال حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو چھ ہزار فوج دے کر شاہِ عجم کے خلاف روانہ کیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ دشمن کی افواج کو متواتر شکستیں دیتے ہوئے شاہِ ایران کے دارالحکومت مدائن کے قریب پہنچ گئے۔ یزدجرد کسریٰ مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور مدائن چھوڑ کر عراق اور خراسان کی طرف بھاگ گیا۔ شاہِ ایران کا تمام مال و دولت جو چار ہزار سال سے مدائن میں جمع تھا۔ سب مسلمان کے ہاتھ آگیا۔ حضرت سعدؓ نے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ فتح کی خوشخبری کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں ارسال کیا۔ آپ نے یہ مال صحابہ کرامؓ میں تقسیم کر دیا۔ اس کی تفصیل تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں درج ہے اسی سال آپ نے شہر بصرہ کی بنا ڈالی۔ اسی سال حضرت ابو عبیدہؓ نے روم کے اکثر شہر فتح کیے۔ اسی سال حضرت فاروق اعظمؓ بیت المقدس تشریف لے گئے اور فتح کو مکمل کیا اور اسی سال شہر ہائے موصل وغیرہا فتح ہوئے۔

ہجرت کے سترھویں سال شہر کوفہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ چونکہ مدائن کی آب و ہوا اہلِ عرب کو موافق نہ آئی تھی۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے کوفہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ (حدودِ سلطنتِ اسلامیہ پر بصرہ اور کوفہ پہلی دو چھاؤنیاں تعمیر ہوئیں تاکہ افواج کو فوری کارروائی کے لیے مختلف اطراف میں بھیجا جا سکے) اسی سال صوبہ اہواز کے اٹھتیس شہر فتح ہوئے۔

ہجرت کے اٹھارھویں سال حضرت ابو عبیدہؓ کا خط حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں

آیا کہ بعض لوگ شراب خوری کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے اس عادتِ بد کی روک تھام کر دی۔ ہجرت کے انیسویں سال مسجد نبوی کی توسیع کرائی گئی۔ کیونکہ کثرتِ اصحاب سے توسیع کی ضرورت تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عباسؓ سے ان کا گھر بھی خرید کر کے مسجد میں شامل کر دیا گیا۔ ہجرت کے بیسویں سال حضرت عمرو بن عاصؓ کے ہاتھ پر مصر فتح ہوا۔ سب سے نادر امر جو حضرت فاروقِ اعظمؓ کی خلافت کے زمانے میں وقوع پذیر ہوا۔ یہ تھا کہ ایامِ جاہلیت میں ہر سال دریائے نیل کا پانی رک جاتا تھا اور جوش میں آکر گردو نواح کے علاقوں کو زیرِ آب کر دیتا تھا۔ اس کے دفعیہ کے لیے اہلِ مصر ایک لڑکی کو عمدہ کپڑے اور زیورات سے آراستہ پیراستہ کر کے دریا میں پھینک دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے دریا کا پانی نیچے چلا جاتا تھا۔ فتح مصر کے بعد جب وہ موسم آیا تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے امیر المومنینؓ کی خدمت میں خط لکھا کہ اب کس چیز کی قربانی کرنی چاہیے حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ شریعتِ محمدیؐ کے خلاف کوئی بات نہیں کرنی چاہیے۔ ہم ایک خط بھیج رہے ہیں اسے دریائے نیل میں ڈال دو۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا کا پانی چلنے لگ جائے گا۔ جب دریا کا پانی جوش میں آکر رک گیا تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے امیر المومنینؓ کا خط پانی میں ڈال دیا۔ خط کے ڈالتے ہی پانی اتر گیا اور بدستور سابق بہنے لگا۔ اس خط کے یہ الفاظ تھے۔ "اے آبِ نیل اگر تو خود ٹھہر گیا ہے تو یہ درست نہیں ہے اگر تیرا چلنا خداوند یکتائے وہے ہمتائے و قہار کے فرمان سے ہے تو ہمیں تیری پروا نہیں اور میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو اپنے سر کو قدم بنائے اور اپنا چہرہ زمین پر مَل کر بدستورِ سابق چلنا شروع کر دے"۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ کے کمالات کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔

ہجرت کے اکیسویں سال نہاوند اور ہمدان فتح ہوئے۔ ہجرت کے بائیسویں سال حضرت مغیرہ شعبہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر آذربائیجان فتح ہوا اور عجم کے اکثر لوگ جو ہمدان میں تھے۔ بھاگ گئے۔ اسی سال حضرت نعیمؓ نے رَے کو فتح کر کے گردو نواح کے علاقوں کو مسخر کر لیا۔ اسی سال حضرت عمرؓ کے حکم سے آصعث بن قیسؓ لشکر کثیر لے کر خراسان پر حملہ آور ہوئے۔ یہ دیکھ کر یزدجرد کسریٰ نے لڑائی کے بغیر بھاگ کر دریائے آموں کو عبور کرتے ہوئے خاقانِ چین کے ہاں پناہ لی۔ اسی سال والئی ماژندران نے گرگان و نواح کے علاقوں کا خراج دینا تسلیم کیا اور طبرستان کے

باشندگان نے اہلِ اسلام سے صلح کر کے پانچ لاکھ درہم بیت المال میں جمع کرا دیے۔ ہجرت کے تیسویں سال ملک فارس اور اصطخر جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کا دارالخلافہ تھا۔ فتح ہوئے اس کے بعد کرمان، شیراز، سیستان، مکران، عمان اور ملک روم کے اکثر شہر فتح ہوئے۔ اور اسلام کی شان و شوکت میں بے حد اضافہ ہوا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے فضائل اور کرامات اس قدر ہیں کہ اس مختصر سی کتاب میں درج نہیں ہو سکتے۔ پہلے شخص جنہوں نے تاریخ ہجری مقرر کی۔ آپؓ تھے۔ پہلے شخص جو جمع قرآن کا باعث ہوئے۔ آپؓ تھے۔ پہلے شخص جنہوں نے لوگوں کو اپنی مساجد میں نماز تراویح کے لیے جماعت کا حکم صادر فرمایا۔ آپ تھے۔ پہلے شخص جنہوں نے شراب خوری کے لیے ستر کوڑوں کی سزا مقرر کی آپ تھے۔ پہلے شخص جنہوں نے بیت المال جاری کیا آپ تھے پہلے شخص جنہوں نے غیبت گوئی کی سزا مقرر کی آپ تھے۔ پہلے شخص جنہوں نے بچوں کی ماؤں کی خریداری کی ممانعت کی۔ آپ تھے۔ پہلے شخص جنہوں نے نماز جنازہ میں چار تکبیر کا حکم دیا۔ آپ تھے۔ اس سے پہلے چار چار پانچ پانچ اور چھ چھ تکبیریں کہا کرتے تھے۔ پہلے شخص جنہوں نے اسلام میں وقف جاری کیا۔ آپ تھے۔ پہلے شخص جنہوں نے دُرّے کا استعمال شروع کیا آپ تھے آپ کے عہدِ حکومت میں بے شمار ملک اور شہر فتح ہوئے۔ اکثر شہروں کی بنیاد ڈالی گئی اور ہر سال کثرت سے خراج بیت المال میں داخل ہونے لگا اور اسی سال فاروق اعظمؓ حج ادا کر کے مدینہ منورہ واپس آئے۔ ایک دن آپؓ نے مسجد نبویؐ میں ممبر پر چڑھ کر فرمایا کہ اے مسلمانو! مجھے خواب میں دکھایا گیا ہے کہ ایک مرغے نے دو یا تین دفعہ مجھے اپنی چونچ ماری ہے۔ بلاشک و شبہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ میرا اجل قریب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میری موت جلدی واقع ہو جائے تو خلافت کے متعلق چھ اصحاب میں مشاورت کی جائے۔ یعنی حضرت عثمانؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت سعدؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ لوگ ان چھ اصحاب میں سے جسے خلافت کے لیے پسند کریں، خلافت اس کے سپرد کی جائے۔ چند دنوں کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے غلام ابولولو المعروف فیروز نے آپ پر خنجر کا وار کیا۔ تین دن کے بعد آپ نے جام شہادت نوش فرمایا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اجازت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضہ مبارک میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ آپ کی

عمر شریف ترسیٹھ سال، ایک روایت کے مطابق چونّن سال، روایت کے مطابق چھپّن سال اور ایک روایت کے مطابق اٹھاون سال تھی۔ آپ یکشنبہ (اتوار) کی رات پہلی محرم ہجرت کے تیئیسویں سال جاں بحق ہوئے۔ آپ کی خلافت کی مدت دس سال اور چند ماہ تھی۔ آپ کی چھ منکوحہ بیویاں اور دو کنیزیں تھیں۔ ان میں سے نو بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں۔ آپ کی بڑی بیوی زینب قبیلہ قریش سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے بطن سے دو لڑکے یعنی عبداللہؓ اور عبدالرحمٰنؓ تھے اور ایک لڑکی حفصہ تھیں جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے تھیں۔ آپ کی دوسری بیوی امّ کلثومؓ بنت حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھیں۔ جن کے بطن سے ایک لڑکا بنام زیدؓ اور ایک لڑکی رقیہؓ تھیں۔ ان دونوں کا صغیر سنی میں انتقال ہوگیا تھا۔ چھ لڑکے اور دو لڑکیاں باقی بیویوں اور کنیزوں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ زید اصغرؓ، عبداللہ اصغرؓ، عیاضؓ، عبدالرحمان اوسطؓ، عبدالرحمٰن اصغرؓ۔ یہ دونوں عبدالرحمٰن کنیزوں کے بطن میں سے تھے۔ دو لڑکیاں یعنی فاطمہؓ اور زینبؓ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ہجرت کے سترھویں سال فوت ہوئیں۔ نیز فضل بن عباسؓ بائیس سال کی عمر میں طاعون کی مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے۔ ہجرت کے بیسویں سال ابو عبداللہ بلال بن رباح حبشیؓ جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے محرمِ راز اور مؤذن تھے۔ بھی حضرت عمرؓ کے زمانے میں فوت ہوئے۔ آپ کے عہد کے تمام واقعات اس مختصر کتاب میں درج نہیں کیے جا سکتے۔ روضۃ الاحباب کی جلد دوم میں مندرج ہیں۔ قارئین وہاں سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ذکر آں مفتاح الامصار و البلدان، آں منبع الجود و الاحسان آں معدن صدق و صفا آں جامع العلم والسخا، آں مخاطب بذو النورین و الجامع القرآن مقتدائے دین

امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کی کنیت زمانۂ جاہلیت میں ابو عمر تھی۔ اسلام سے مشرف ہونے کے بعد آپ کو ابو عبداللہ کہتے تھے۔ آپ کا نسب حضرت عبد مناف یعنی نسب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی قبیلہ قریش سے تھیں۔ آپ کا شمار قریش کے سرداروں اور بنی امیہ خاندان کے مقتداؤں میں ہوتا ہے۔ آپ قبیلہ بنی امیہ کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ بے حد مال و دولت کی کثرت بھی اور قدر و منزلت رکھتے تھے۔ آپ اپنے خویش و اقربا کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔ آپ حلم و حیا، اور حق تعالیٰ کے ساتھ تقویٰ اور عبادت اور سخاوت و بذلِ مال (مال کے خرچ کرنے) میں مشہور تھے۔ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہونے کا شرف حاصل تھا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ آپ کے نکاح میں تھیں۔ لیکن ان میں سے کوئی اولاد زندہ نہ رہی۔ جب امیر المومنین حضرت عمرؓ ابو لولو کے زخم سے شہید ہو گئے اور خلافت کا فیصلہ چھ اصحاب کے سپرد ہوا۔ تو حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے درمیان مشاورت اور بحث مباحثہ شروع ہوا۔ جس کی تفصیل روضۃ الاحباب جلد دوم میں درج ہے۔ بالآخر خلافت کے لیے حضرت عثمانؓ منتخب ہوئے اور انہوں نے کمال عدل و احسان سے یہ کام سر انجام دیا۔

ہجرت کے پچیسویں سال اہل سکندریہ نے عہد نامہ کی خلاف ورزی کی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمر بن عاصؓ کو ان کی سرکوبی کے لیے کثیر فوج دے کر روانہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے

وہ تمام ملک فتح ہو گیا۔ روم کے چند خطے بھی اسی عرصہ میں فتح ہوئے۔ اسی سال اہل آذربائیجان بھی نقضِ عہد کے مرتکب ہوئے۔ امیر المومنین نے سلمان بن ربیعہ کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا اس دوران میں اہل روم نے بھی بغاوت کی۔ جس کے دفعیہ کے لیے امیر المومنین نے حضرت معاویہؓ کو روانہ کیا۔ دونوں لشکروں نے دشمنانِ اسلام پر فتح پائی اور بے شمار مال و دولت اور بھیڑ بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔

ہجرت کے چھبیسویں سال امیر المومنین عمرہ کی غرض سے مکہ معظمہ گئے۔ رات کے وقت بیت اللہ شریف میں حاضری دی اور طواف کیا۔ صبح صادق سے قبل عمرہ سے فارغ ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے مسجد الحرام کی توسیع کا حکم دیا اور چند مکانوں کو مسمار کر کے آپ نے خانہ کعبہ میں شامل کرایا۔ اسی سال حضرت عثمانؓ نے حضرت عمر بن عاصؓ کو فتح نیشاپور کے لیے متعین فرمایا۔ وہاں کے لوگوں نے صلح کر لی۔ اسی سال حضرت عبداللہ بن سعدؓ کے ہاتھ سے افریقہ فتح ہوا۔ ہجرت کے ستائیسویں سال حضرت معاویہؓ نے قمیص کا علاقہ فتح کیا۔ اٹھائیسویں سال بصرہ کے لوگوں نے مدینہ منورہ آکر حضرت ابو موسیٰ اشعری کے خلاف امیر المومنین سے شکایت کی۔ انہوں نے بصرہ کی حکومت عبداللہ بن عامرؓ اور دوسری روایت کے مطابق اپنے خالہ زاد بھائی عبدالشمسؓ کے حوالے کی۔ تیسویں سال امیر المومنین نے ولید بن عقبہ کو شراب نوشی کے جرم میں معزول کر کے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو اس جگہ کی حکومت پر متعین فرمایا اور اسی سال ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ مہرِ نبوت جس پہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تھی۔ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ مسندِ خلافت پہ متمکن ہوئے تو انہوں نے مہرِ نبوت امیر المومنین کے حوالہ کر دی۔ اس کے بعد وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی۔ انہوں نے اپنی مرض الموت میں مہرِ نبوت حضرت حفصہؓ کے سپرد کر کے حکم دیا کہ جو شخص خلافت پہ مامور ہو۔ اس کے حوالہ کر دی جائے۔ چنانچہ حضرت حفصہؓ نے اسے حضرت عثمانؓ کے حوالہ کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے ایک کنواں کھدوایا تھا۔ ایک دن اس کنوئیں کے کنارے پر بیٹھے تھے اور مہرِ نبوت کو ایک انگلی سے اتار کر دوسری انگلی پہ لگا رہے تھے کہ اچانک وہ کنوئیں کے اندر گر گئی۔ اس سے آپ بے قرار ہوئے اور کنوئیں کا تمام پانی باہر نکلوا کر تلاش کیا۔ لیکن ناکام رہے۔ اس کے بعد مہرِ نبوت

ہمیشہ کے لیے گم ہوگئی اور کسی شخص کو نہ ملی۔ صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ اسی دن سے حضرت عثمانؓ پر حوادث اور فتنہ و فساد کے دروازے کھل گئے اور صحابہ کرامؓ کے قلوب ان سے متغیر ہوگئے اور امورِ خلافت میں نقص واقع ہوا۔ اس سے حضرت ذوالنورینؓ کے قلب پر بے حد حزن وملال طاری ہوا۔ بیت :

چنیں است کردار گردندہ دھر   گہے نوش پیش آورد گاہ زھر

(ترجمہ) زمانے کی رفتار یہی ہے کہ کبھی تریاق پیش آتا ہے کبھی زہر۔

ہجرت کے اکتیسویں سال آرمینیہ حضرت حبیب بن مسلمہؓ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ قرآن جمع کرنے اور صحیح نسخے لکھوا کر مختلف مقامات میں بھیجنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ آرمینیہ اور آذربائیجان کی فتوحات کے وقت صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت میں قرأت کلام مجید کے متعلق کچھ اختلاف رونما ہوا۔ اس کی اطلاع حضرت عثمانؓ کو دی گئی۔ آپ نے انصار و مہاجرین کے اکابر صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا اور یہ فیصلہ ہوا مختلف نسخہ جات کو جمع کیا جائے۔ چنانچہ وہ نسخہ جات جو حضرت عمرؓ کی کوشش سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں لکھا گیا تھا۔ حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ سے حاصل کیا گیا۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی نسخے جمع کر کے لکھ رکھے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان سب کو یکجا کر کے حضرت زید بن ثابتؓ انصاری، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعدؓ بن ابی العاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارثؓ کو حکم دیا کہ ان سب نسخوں کو یکجا کیا جائے۔ الغرض نہایت جدوجہد کے ساتھ یہ اہم کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی اس وقت سات کاپیاں تیار کی گئیں۔ ایک کو مکہ معظمہ ایک یمن، ایک شام، ایک بحرین، ایک بصرہ، ایک کوفہ بھیجا گیا اور ایک مدینہ منورہ میں رکھا گیا۔ حضرت عثمانؓ نے حکم دے دیا کہ اس نسخے کے علاوہ جو صحائف وغیرہ ہوں، سب کو جلا دیا جائے۔ یا دریا میں غرق کر دیا جائے تاکہ اختلاف ختم ہو جائے۔

ہجرت کے تینتیسویں سال امیر المومنینؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ربیعہؓ کو ان علاقوں میں روانہ کیا۔ تاکہ اختلافات کا قلع قمع کریں۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے مختلف شہروں کا محاصرہ کیا اور لوگوں کی اصلاح کرتے رہے۔ ان محاربات میں حضرت عبدالرحمٰنؓ اور چند اور مسلمان بھی شہید ہوئے۔

ہجرت کے تینتیسویں سال حضرت معاویہؓ نے سلطنتِ روم کا رُخ کیا اور اکثر علاقوں کو تخت و تاراج کر ڈالا۔ روضۃ الاحباب میں وارد ہے کہ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے مدینہ میں جمع ہو کر حضرت عثمانؓ اور اُن کے مقرر کردہ عاملوں کے اعمال کا شکوہ کیا کہ یہ امور خلافِ سنتِ نبوی سرزد ہو رہے ہیں۔

اور آخر ان کی رائے یہ ٹھہری کہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا ان کے بیان کرنا چاہیے اور تا کہ وہ حضرت عثمانؓ کو نصیحت کریں۔ چنانچہ حضرت علیؓ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے گھر پر تشریف لے گئے۔ اور ان سے کہا کہ لوگ آپ کے والیانِ ممالک سے تنگ آ گئے ہیں اور ہمیشہ حکام کی بداعمالیوں کا ذکرِ عام مجالس میں کرتے ہیں۔ لوگ ان بداعمالیوں کی اکثر شکایت دربارِ خلافت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان کے دفعیہ کی کوئی صورت نہیں بنتی۔ اب دو صورتیں ہیں اگر آپ ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں تو جو کچھ شکایت کرنے والے کہتے ہیں۔ آپ قبول کر لیں۔ ورنہ آپ تحقیقات کرائیں تا کہ حق ظاہر ہو جائے گا۔ الغرض جس قدر حضرت علیؓ نے نصیحت کی۔ انہوں نے دیکھا کہ امیر المومنینؓ اپنے قبیلہ کے لوگوں سے جو اکثر صوبہ جات کے والی تھے۔ درگذر کر رہے تھے۔ ناچار حضرت علیؓ اپنے گھر چلے گئے۔

(نوٹ) احقر ترجمہ کرنے والے نے مختلف تواریخ کا مطالعہ کیا ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کو مختلف مقامات سے عمال یعنی والیانِ صوبہ جات کی بداعمالیوں مثلاً شراب نوشی وغیرہ کی خبریں موصول ہوئیں تو وہ غصہ میں آ کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی۔ اس پر امیر المومنینؓ نے چند اصحاب پر مشتمل ایک جماعت مختلف ممالک میں تحقیقات کی غرض سے بھیجی۔ اس جماعت نے دورہ کر کے واپس مدینہ منورہ میں امیر المومنینؓ کو رپورٹ پیش کی۔ سب شکایات غلط ہیں اور کسی سازش کی بنا پر من گھڑت باتیں بنائی گئی ہیں اس کے بعد سب لوگ مطمئن ہو گئے۔ دراصل یہ افواہیں عبداللہ بن سبا منافق یہودی نے پھیلائی تھیں۔ اس کی سازش یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ پر الزام لگا کر مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کیا جائے۔ تا کہ وہ جماعتیں ہو کر آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں۔ فتوحات کا

سلسلہ ختم ہو جائے اور یہود و نصاریٰ کو از سر نو اقتدار حاصل کرنے کا موقع مل جائے)

ہجرت کے پینتیسویں ۳۵ سال مصر، کوفہ اور بصرہ سے کچھ لوگ اس غرض سے مدینہ منورہ پہنچ گئے کہ حضرت عثمان کو خلافت سے برطرف کرائیں۔

(مختلف کتب تواریخ کے مطالعہ سے ایسی معتبر روایات ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مصر، کوفہ اور بصرہ سے جو لوگ مدینہ منورہ آئے تھے۔ وہ بھی عبداللہ بن سبا یہودی کی سازش کا نتیجہ تھا۔ یہ آدمی عقلمندی، تیز فہمی اور فتنہ پردازی کا پتلا تھا اس نے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرف سے جعلی خط مصر، کوفہ اور بصرہ کے لوگوں کو لکھے کہ تم لوگ مدینہ آکر حضرت عثمانؓ کو خلافت سے معزول کرنے میں میری مدد کرو۔ چونکہ مصر، کوفہ اور بصرہ میں حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے حامی بہت تھے۔ اس لیے یہ جعلی خط پہنچتے ہی ایک ہزار باغی کوفہ سے، ایک ہزار مصر سے اور ایک ہزار بصرہ سے مقررہ وقت پر مدینہ پہنچ گئے۔ اگر سازش نہ ہوتی تو مختلف سمتوں اور دور دراز کے ممالک سے کس طرح لوگ بیک وقت مدینہ پہنچ سکتے تھے۔ نیز سازش کا اس بات سے مزید ثبوت ملتا ہے کہ یہ تینوں گروہ مدینہ پہنچ کر پہلے باہر جمع ہوئے اور آپس میں صلاح مشورہ کرکے یہ فیصلہ کیا کہ مدینہ جانے سے پہلے ایک وفد بھیجنا چاہیے جو حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جن سے ان کو جعلی خط وصول ہوئے تھے سے جا کر ملے اور اپنی خدمات پیش کرے۔ یہ وفد حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہنے لگے کہ آپ کا خط ملا تھا۔ ہم لوگ حاضر ہو گئے ہیں۔ اب جس طرح چاہیں ہم حکم کی تعمیل کرنے کو تیار ہیں۔ حضرت علیؓ نے دریافت کیا۔ کونسا خط۔ انہوں نے کہا وہ جو آپ نے ہمارے پاس بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے تو کوئی خط نہیں بھیجا۔ یہ سن کر وہ لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ اسی طرح وہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس گئے۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ چنانچہ یہ لوگ سراسیمہ ہو کر واپس باغیوں کے کیمپ میں چلے گئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ لیکن چونکہ باغیوں میں چند

ایسے لوگ بھی تھے جن کو حضرت عثمانؓ سے ذاتی رنجشیں تھیں۔ اس قسم کے لوگوں کو بھی عبداللہ بن سبا نے اپنی جماعت میں شامل کر لیا تھا۔ انہوں نے اب یہ فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ ہو ہم تو حضرت عثمانؓ کو معزول کر کے دم لیں گے۔ اس کے بعد سب باغی مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے۔ چونکہ وہاں کوئی فوج نہیں تھی۔ وہ سارے شہر میں چھا گئے اور حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے کہنے کے مطابق بعض عمال کو برطرفی کا حکم دے دیا۔ مصر کے عامل کی بجائے حضرت محمد بن ابوبکرؓ کو جو حضرت علیؓ کے پروردہ تھے۔ مقرر کیا اور مصر کے والی کی طرف اسی قسم کا حکم لکھ کر ان کو دیا)

جب مصر، کوفہ اور بصرہ سے باغی مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے مختلف لوگوں سے حضرت عثمانؓ کی معزولی کی گفت و شنید شروع کی۔ یہ دیکھ کر ایک رات حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کے گھر تشریف لے گئے اور کہنے لگے کہ اے اباحسن! آپ پر مجھے حق قرابت ہے۔ قبل اس کے کہ یہ لوگ مجھے نقصان پہنچائیں۔ حسن اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ آپ درمیان میں آکر ان لوگوں کو سمجھائیں تاکہ سب واپس چلے جائیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس سے پہلے میں نے آپ کو نصیحت کی تھی۔ لیکن آپ نے میری ایک نہ مانی اور مروان اور معاویہ کی مرضی کے مطابق آپ نے عمل کیا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ آج سے میں ان کی رائے پر عمل نہیں کروں گا۔ آپ کے مشورے کے مطابق کام کروں گا۔ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو پند و نصائح دے کر واپس بھیجا۔ لیکن شریر مروان نے پھر حضرت عثمانؓ کو اس قرارداد پر عمل پیرا نہ ہونے دیا۔ یہ دیکھ کر تمام صحابہ کرامؓ حضرت عثمانؓ سے متغیر ہو گئے اور روز بروز خلافت میں شیخین (یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) کی سنت کے خلاف واقعات رونما ہونے لگے۔

حضرت عثمانؓ کے معاملات مروان کے ہاتھ میں تھے۔ ان کی قوم کے لوگ ہر جگہ عامل تھے۔ جنہوں نے بدعت کا آغاز کیا۔ یہ دیکھ کر تمام مسلمان بدظن ہو گئے۔ مصر کے لوگ عبداللہ بن سعید بن سرح جو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی بجائے والی مصر مقرر ہوئے تھے کے ظلم و ستم کی شکایات لے کر دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرامؓ کے کہنے پر عبداللہ بن سعید کے

پاس حکم نامہ بھیجا۔ اس نے حکم نامہ دیکھتے ہی مصر کے تمام اکابر و معزز لوگوں کو قید کر دیا۔ ان میں سے ایک کو قتل بھی کر ڈالا۔ اس کے بعد چند لوگوں نے دوبارہ مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر اکابر صحابہؓ کی خدمت میں تمام حالات بیان کیے۔ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہہ کر عبداللہ بن سعید کو معزول کرا دیا اور اس کی جگہ حضرت محمد بن ابوبکرؓ کو والیٔ مصر مقرر کرایا۔ محمد بن ابوبکرؓ کو حضرت عثمانؓ نے چند اور آدمیوں کے ساتھ حکم نامہ دے کر مصر روانہ کیا تھا تاکہ وہاں جا کر مظلوموں کی دادرسی کریں۔ تین رات دن سفر کرنے کے بعد انہوں نے ایک غلام کو دیکھا کہ اونٹ پر سوار ہو کر پریشانی کی حالت میں جا رہا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ حضرت عثمانؓ کا غلام ہے۔ مزید تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کے پاس حضرت عثمانؓ کی مہر اور مروان کے دستخط شدہ عبداللہ بن سعید کے نام ایک خط تھا جس میں یہ لکھا تھا کہ تم بدستور والیٔ مصر ہو اور یہ کہ محمدؓ بن ابوبکرؓ اور اس کے ہمراہیوں کو وہاں پہنچتے ہی قتل کر دو تاکہ اہلِ مصر کا یہ فتنہ ختم ہو جائے۔ یہ دیکھ کر محمدؓ بن ابوبکرؓ واپس مدینہ منورہ چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے وہ خط مہاجرین و انصار کو دکھایا۔ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ خط لے کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ کیا اونٹ اور نوکر آپ کے ہیں؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ "ہاں"۔ اس کے بعد انہوں نے پوچھا کہ یہ خط آپ نے لکھا ہوگا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ حاشاؤ کلا۔ نہ یہ خط میں نے لکھا ہے نہ مجھے اس کے متعلق کوئی علم ہے۔ پس صحابہؓ نے سمجھ لیا کہ یہ کام مروان شریر کا ہے۔ لہٰذا انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ مروان کو ہمارے حوالے کر دیجیے تاکہ ہم اس سے تفتیشِ حال کریں۔ لیکن آپ نے یہ بات نہ مانی۔ باوجودیکہ مروان آپ کے گھر میں موجود تھا۔ اس سے صحابہ کرامؓ رنجیدہ خاطر ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

(احقر مترجم نے مختلف کتب تاریخ سے یہ تحقیق کی ہے کہ در اصل وہ جعلی خط نہ حضرت عثمانؓ نے لکھا تھا۔ نہ مروان نے بلکہ یہ عبداللہ بن سبا منافق یہودی کی سازش کا نتیجہ تھا۔ احقر اپنے گذشتہ نوٹ میں تحریر کر چکا ہے کہ عبداللہ بن سبا نے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرف سے

اہلِ مصر، کوفہ و بصرہ کو جعلی خط لکھ کر وہاں سے ایک ایک ہزار باغی مدینہ منورہ
میں شرارت پھیلانے کے لیے منگوا لیے تھے۔ اب جب عبداللہ بن سبا لعین
کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے والیِ مصر کو معزول کر کے محمد بن ابو بکرؓ کو اس
کی جگہ مقرر کر دیا ہے تو اس نے دیکھ لیا کہ اس کی سازش کارگر نہ ہوئی۔ اس لیے
اس نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے جعلی خط لکھ کر والیِ مصر کی طرف بھیجا تاکہ
مصر کا وفد حضرت سے برگشتہ ہو کر مدینہ واپس آئے اور دوبارہ شرارت پھیلانے
میں مدد دے۔ تواریخ میں لکھا ہے کہ یہ نکتہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پکڑا کیونکہ
جب مصر کا وفد وہ جعلی خط لے کر مدینہ منورہ پہنچا تو اس کے ساتھ کوفہ و بصرہ کے
وفد جو سمت مخالف میں واپس جا رہے تھے۔ وہ بھی واپس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوفہ و بصرہ کے وفود سے دریافت فرمایا کہ اگر فی الواقع
حضرت عثمانؓ نے یہ خط والیِ مصر کو لکھا اور راستے دیکھ کر مصر کا وفد واپس آ گیا۔
تو تم کوفہ و بصرہ کو یعنی سمت مخالف میں جانے والوں کو اس کا کس طرح علم ہو گیا۔
اس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ خط خود باغیوں کا تحریر شدہ
ہے ...... مترجم کا نوٹ ختم ہوا)

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت طلحہؓ اور محمد ابن ابو بکر نے مصر کے لوگوں سے مل کر حضرت عثمانؓ
کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ بعض اہلِ سیر کے نزدیک محاصرہ کی مدت چھ ماہ تھی۔ بعض کے نزدیک دو ماہ
آٹھ دن یا ۴۹ دن یا ۴۰ دن۔ صاحب روضۃ الاحباب کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو یہ خبر
ملی کہ جمعہ کے دن باغی حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ آپ نے حضرت حسنؓ اور حضرت
حسینؓ اور قنبر کو ایک کثیر جماعت دے کر حضرت عثمانؓ کی مدد کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت طلحہؓ
اور حضرت زبیرؓ نے بھی اپنے آدمیوں کو حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کر دیا۔

(نوٹ ---) یہاں مصنف کتاب ھذا کی تضاد بیانی یا عدم تحقیق
قابلِ ملاحظہ ہے۔ اوپر لکھتے ہیں کہ حضرت طلحہؓ و حضرت محمدؓ نے حضرت
عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں یہ لکھ رہے کہ حضرت طلحہؓ نے اپنے آدمیوں

کو حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی مدد کے لیے روانہ کیا)

ان کو دیکھ کر باغی اشتعال میں آگئے اور ان پر پتھر پھینکنے شروع کیے۔ اس افراتفری میں حضرت امام حسنؓ کا چہرہ مبارک خون آلودہ ہوگیا۔ حضرت زبیرؓ کا لڑکا بھی زخمی ہوگیا۔ اس کے بعد باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کو آگ لگا دی۔ جس سے لوگ ان کے گھر سے دور بھاگ گئے۔ اب باغی ایک انصاری کے گھر سے جو حضرت عثمانؓ کے گھر سے متصل تھا۔ حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہوگئے۔ اس وقت آپ تلاوت کلام پاک میں مصروف تھے۔

(سکون قلب ملاحظہ ہو)

کہتے ہیں کہ محمدؓ بن ابوبکرؓ نے آکر آپ کی ریش مبارک پکڑ لی۔ آپ نے فرمایا۔ اے بیٹے اگر تیرا باپ زندہ ہوتا تو اس ڈاڑھی کا وہ بھی شرم کرتا۔ محمدؓ شرمندہ ہوا اور باہر چلا گیا۔ اس کے بعد ایک اور آدمی جو پست قد اور ازرق چشم تھا اور جس کا نام روان بن سرخان تھا۔ خنجر تان کر ان کے سر پر جا پہنچا اور اس خلیفہ کان حلم وحیا کو شہید کر ڈالا۔ آپ کے خون کے قطرات قرآن مجید پر جا پڑے اور آپ کی روح مبارک روضۂ رضوان میں جا پہنچی۔ آپ کی خلافت کی مدت بندرہ سال گیارہ ماہ اور اٹھارہ دن تھی اور آپ کی عمر شریف ایک قول کے مطابق نوے سال تھی اور ہجرت کے پینتیسویں سال جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ آپ کی آٹھ بیویاں تھیں۔

(اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیک وقت آٹھ زندہ تھیں۔ بلکہ کل آٹھ بیویوں سے آپ نے نکاح کیا)

ان میں سے دو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں تھیں۔ یعنی ایک حضرت رقیہؓ، اور دوسری ام کلثوم۔ تمام بیویوں میں سے آپ کے آٹھ لڑکے اور نو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ایک اور روایت کی رو سے سات لڑکے اور آٹھ لڑکیاں تھیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں سے کوئی اولاد زندہ نہ رہی۔

چنانچہ کتب تاریخ میں اس کا مفصل ذکر ہے۔ آپ کی خلافت کے زمانے میں یعنی سال ۳۱ھ ہجری میں حضرت دحیہ کلبیؓ نے کہ جن کی صورت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام آکر وحی لاتے تھے۔ وفات پائی۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؓ نے بھی آپ کے عہد خلافت یعنی سال ۳۲ھ

میں وصال پایا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مہاجرین اور انصار کی دعوت پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ جیسے کہ کتاب "حدیقہ" میں اشارتاً درج ہے۔ بیت

۱۔ اے سنائی بقوتِ ایماں وصفِ حیدرؓ بگو از دل وجاں

ترجمہ: (اے سنائی ایمان کی قوت سے حیدرِ کرارؓ کا وصف دل اور جان سے بیان کر)

۲۔ آں مدیح مدائح مطلق زہق الباطل است وجار الحق

ترجمہ: (آپ یعنی حضرت علیؓ تمام صفتوں کے سزاوار ہیں اور آپ کے وجودِ مسعود سے باطل بھاگ جاتا ہے اور حق قائم ہوتا ہے)

ذکر اسد اللہ الغالب امیر المومنین والمومنات

علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علیؓ کے جملہ حالات حصہ دوم میں آ رہے ہیں۔ اس جگہ تمام عشرہ مبشرہ (یعنی دس صحابہ کرامؓ جن کے قرآن مجید میں بہشتی ہونے کی بشارت آئی ہے) کے حالات تبرک کی خاطر اجمالاً بیان کیے جاتے ہیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ بن جرّاح

عشرہ مبشرہ میں سے پہلے چار صحابہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ پانچویں صحابی حضرت ابوعبیدہؓ ابن جراح ہیں۔ جن کا اسم شریف عامرؓ تھا۔ آپ قریش کے سرداروں میں سے ہیں۔ واقعہ فیل کے تیرھویں سال پیدا ہوئے اور اٹھائیس سال کی عمر میں مشرف باسلام ہوئے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق

میں فرمایا ہے کہ "ہر امت کے لیے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے لیے امین ابوعبیدہ بن الجراحؓ ہے۔" آپ کے کمالات کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کا کیا مرتبہ تھا۔ روضۃ الاحباب کی جلد دوم میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اسی روز تمام انصار ثقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہوئے اور خلافت کے متعلق بحث مباحثہ کرنے لگے۔ وہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو گھر سے باہر لائے تاکہ ان کو خلیفہ مقرر کر کے ان کی بیعت لی جائے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوعبیدہؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے جماعتِ انصار کو دلائل و براہین سے سمجھایا اور خلافت کے معاملہ میں ان کو مطمئن کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امین کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ آگے آئیں تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں، کیونکہ خلافت کے مستحق آپ ہیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی موجودگی میں خلافت کا مستحق نہیں ہوں۔ اس کے بعد سب نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کر لی۔ کتاب مذکور میں اسی مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو پہلے دن انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کو ملک شام کا عامل مقرر کر کے بھیجا۔ وہاں آپ سے بہت کارہائے نمایاں سرزد ہوئے، جن کا ذکر کتب تاریخ میں مفصل ملتا ہے۔ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ کے خلافت کے زمانے میں ہجرت کے اٹھارہویں سال شام کے علاقوں میں مرضِ طاعون پھیل گئی اور یہ پہلا مرضِ طاعون ہے جو اہلِ اسلام کو پیش آیا۔ اس مرض سے پچیس ہزار صحابہؓ و تابعینؒ وغیرہ فوت ہو گئے۔ ابوعبیدہؓ نے ممبر پر چڑھ کر اس موضوع پر ایک بلیغ خطبہ دیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے بعد فرمایا کہ بے شک یہ مرض طاعون حق تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت ہے اور پیغمبر سلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کا نتیجہ ہے اپنی امت کے حق میں کہ جس کی وجہ سے صالحین کی موت واقع ہوئی ہے۔ میں ابوعبیدہؓ بھی صدقِ نیت سے اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے بھی اسی مرض سے موت نصیب ہو تاکہ میری روح اسی کے سبب اعلیٰ العلیین میں جا پہنچے۔ یہ کہہ کر آپ ممبر سے نیچے اتر آئے۔ اسی دن آپ طاعون میں مبتلا ہوئے اور عالمِ بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ آپ کا دفن حمص میں ہے۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ اپنی آخری عمر میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابوعبیدہؓ

زندہ ہوتے تو خلافت ان کے سپرد کرتا۔ آپ کے کمالات بے شمار ہیں۔ جن کی گنجائش اس مختصر کتاب میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمادیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

عشرہ مبشرہ میں سے چھٹے اصحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں جو واقعہ فیل کے دوسرے سال پیدا ہوئے اور نبوت کے تیسرے سال مشرف باسلام ہوئے۔ آپ کا شمار اکابر قریش میں ہوتا ہے۔ آپ حضرت عثمانؓ کے داماد تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے خلافت کا معاملہ چھ صحابہؓ کے سپرد کیا۔ ان میں سے ایک حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے۔ دیگر صحابہ کرامؓ یہ تھے۔ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے صحابہ کرامؓ کی اس جماعت سے خطاب کرکے فرمایا کہ آپ سب احباب کو معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے امر خلافت سے کوئی اختلاف یا رغبت نہیں ہے۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کی طرف سے خلیفہ تجویز کردوں۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنا معاملہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کیا۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنا کام حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے سپرد کیا۔ الغرض گفت و شنید کے بعد خلافت کا معاملہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان رہ گیا اور اس بات پہ سب کا اتفاق ہوگیا کہ ان دونوں یعنی حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جن کو منتخب کریں، سب ان کی بیعت کریں گے۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تین دن تک صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ بعض کو حضرت علیؓ کے حق میں پایا اور بعض کو حضرت عثمانؓ کے حق میں۔ تیسرے دن بعد نماز فجر آپ تلوار لگا کر مسجد نبوی میں آئے اور تمام مہاجرین و انصار کو منادی کردی کہ سب حاضر ہوجائیں۔ اس کے بعد آپ ممبر پر تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کے بعد پہلے انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ کیا آپ عہد کرسکتے ہیں کہ اگر آپ کو خلافت کے لیے منتخب کیا جائے تو آپ اللہ تعالیٰ کے احکام اور سنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے طریق کار پہ عمل کریں گے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں وثوق کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا

لیکن حتی الوسع میں اسی طرح کرنے کی کوشش کروں گا۔ تین مرتبہ اس سوال و جواب کے بعد حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہی بات دریافت کی تو آپ نے پہلی نوبت میں بلا توقف و بلا قید قبول کیا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی موافقت کی۔ یہ قصہ بہت طویل ہے اور اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش نہیں۔ روضۃ الاحباب کی جلد دوم میں اس کا مفصل ذکر ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

(نوٹ ...... منجانب احقر مترجم) بعض کتب تاریخ میں یہ مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت سے قبل حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کروں تو آپ کو کوئی عذر ہے۔ انہوں نے فرمایا، کوئی عذر نہیں۔ اس طرح انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منتخب کروں تو آپ کو کوئی حرج ہے انہوں نے فرمایا، نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مشورہ کیا۔ ان میں سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں تھی۔ پس انہوں نے ان کو خلیفہ مقرر کر کے پہلے خود ان کی بیعت کی اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی موافقت کی۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہجرت کے تبیسویں (۳۲) سال میں وفات پائی۔ آپ کی عمر ستتر (۷۷) سال اور دوسری روایت کے مطابق ستاسی (۸۷) سال تھی۔

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

عشرہ مبشرہ میں سے ساتویں صحابی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبیداللہ ہیں جو قریش کے معزز سرداروں میں سے ہیں۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

عشرہ مبشرہ میں سے آٹھویں صحابی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام بن خویلد ہیں۔ آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے برادر زادہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔ آپ اہل قریش کے معزز ترین اصحاب میں سے تھے۔ واقعہ فیل کے پندرھویں سال پیدا ہوئے اور نبوت کے تیسرے سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسی دن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دلالت

سے مشرف باسلام ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت سے عشرہ مبشرہ میں داخل ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد آپ تینوں خلفائے کرامؓ کے ساتھ مشاورات میں ہمراز رہے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو پہلے شخص جنہوں نے ان سے بیعت کی۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بن عوام تھے۔ چند روز کے بعد حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ سے کوفہ اور بصرہ کی حکومت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم مجھ سے جدا ہوگئے تو میں کس سے مشورہ کیا کروں گا۔ یہ بات ان کو ناگوار گزری اور طواف کعبۃ اللہ کے لیے رخصت طلب کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں جس کام کے لیے آپ جانا چاہتے ہیں لیکن میں کچھ نہیں کہنا چاہتا، آپ جو چاہیں کریں۔ پس حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے لشکر جمع کیا اور مروان ابن حکم جو تمام فتنہ کی جڑ تھا کے ساتھ مل گئے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اپنے ساتھ متفق کر کے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف خروج کیا۔ چنانچہ جنگ جمل کا واقعہ مکمل، روضۃ الاحباب کی جلد دوم میں مندرج ہے اور اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جنگ جمل کے آخر میں حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو اپنے پاس بلایا اور وہ احادیث نبویؐ ان کو یاد دلائیں جو حضرت علیؓ کی خلافت کے بارے میں وارد ہوئی تھیں۔ اس سے انہوں نے شرمسار ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا اقرار کیا۔ پس حضرت زبیرؓ نے خجالت سے مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ راستے میں حضرت علیؓ کی فوج کا ایک سوار آ رہا تھا جس نے حضرت زبیرؓ کا کام تمام کر دیا۔۔۔ حضرت طلحہؓ بھی شرمسار ہو کر اپنی فوج کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔ مروان بن حکم نے اپنے غلام سے کہا کہ یہ وہی طلحہؓ ہے کہ جو حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر کے ان کے قتل کی کوشش کر رہا تھا اور ابھی ان کے خون کے بدلے لینے کے لیے کمربستہ تھا۔ لیکن اس وقت یہ ارادہ ترک کر کے پیچھے جا کھڑا ہے۔ اس کا کام تمام کر دو۔ پس اس غلام نے ان کے ایک تیر مارا جس سے وہ چند ساعت کے بعد جاں بحق ہوگئے۔ اونٹ کے پاؤں کٹ جانے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے صلح کر لی۔ حضرت علیؓ نے ان کو مکمل اعزاز کے ساتھ روضۂ اطہر کی خدمت کے لیے مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی وفات ہجرت کے تیسویں

سال ہوئی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ حضرت معاویہ رضؓ بن ابوسفیان رضؓ کی حکومت کے زمانے میں قیدِ حیات میں رہیں اور ستاون ہجری یا بروایت دیگر اٹھاون ہجری میں رحلت فرمائی۔ آپ کی عمر شریف چھیاسٹھ یا چھپن سال تھی۔ آپ کا دفن جنت البقیع میں ہے۔ اللہ ان پر رحمت کرے۔

(مختلف تواریخ کے مطالعہ سے احقر مترجم کی تحقیق یہ ہے کہ جنگ جمل سے پہلے صحابہ کرام کی کوششوں سے حضرت علی رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مابین صلح ہوگئی جس سے باغی مفسدین کا گروہ غمزدہ تو ہوا لیکن مایوس نہ ہوا۔ رات کو بیٹھ کر انہوں نے باہمی صلاح مشورہ سے اپنے چند جوان بھیج کر حضرت علی رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ کی افواج پر بیک وقت حملہ کر دیا۔ رات کے اندھیرے میں جب ان سے پوچھا گیا کہ تم کون ہو تو جن لوگوں نے حضرت علی رضؓ کی فوج پر حملہ کیا۔ انہوں نے کہا ہم عائشہ رضؓ کی فوج ہیں اور جن لوگوں نے حضرت عائشہ رضؓ کی فوج پر حملہ کیا۔ انہوں نے کہا ہم حضرت علی رضؓ کی فوج سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے طرفین نے ایک دوسرے پر عہد شکنی کا الزام لگایا اور زور سے لڑائی شروع کر دی ساری رات لڑائی ہوتی رہی اور کثرت سے مسلمان شہید ہوئے۔ صبح کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے خود میدان جنگ میں جاکر لڑائی بند کرانے کی کوشش کی اور حضرت علی رضؓ سے ملاقات کے بعد ان کو دشمنانِ اسلام یہودیوں کی سازش کا علم ہوا جو عبداللہ بن سبا چلا رہا تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ

عشرہ مبشرہ میں سے نویں صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ ہیں۔ آپ کا شمار سرداران قریش میں ہوتا ہے۔ آپ واقعہ فیل کے آٹھویں سال پیدا ہوئے اور سترہ سال کی عمر میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ساتھ اسی دن یا دوسرے دن مشرف باسلام ہوئے۔ انہوں نے اپنی جان اور مال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں قربان کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چاروں خلفائے کرام کے ساتھ بھی آپ تعاون کرتے رہے۔ آپ کے فضائل کمالات بے شمار ہیں جو اس مختصر سی کتاب میں نہیں سما

سکتے۔ آپ نے ہجرت کے پینتالیسویں ۴۵ سال حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت کے زمانے میں وفات پائی۔ آپ کی عمر اسّی سال تھی۔ آپ کا مدفن مدینۃ الرسولؐ میں ہے۔ اللہ ان پر رحمت کرے۔

حضرت سعد بن زیدؓ

عشرہ مبشرہ میں سے دسویں صحابی حضرت سعد بن زیدؓ ہیں آپ حضرت عمر ابن خطابؓ کے چچازاد بھائی اور قریش کے محبوب ترین فرد تھے، حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ بھی ان کے عقد میں آئیں۔ آپ عین شباب میں مشرف با سلام ہوئے۔ آپ تمام کمالاتِ انسانی سے آراستہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے نہایت شفقت سے پیش آتے تھے۔ آپ تمام خلفائے اربعہؓ کے زمانۂ خلافت میں معزز و مکرم رہے۔ آپ کے کمالات اور خارق عادات بہت ہیں۔ اس مختصر سی کتاب میں ان کی گنجائش نہیں۔ اکاون ۵۱ ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ کے زمانۂ حکومت میں رحلت فرمائی۔ آپ کی عمر اسّی سال تھی اور مدفن مدینہ منورہ میں پایا۔ الغرض تمام علمائے امت اس پر متفق ہیں کہ یہ عشرہ مبشرہ مذکورا اہل جنت ہیں اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث قطعی ہیں۔ حضرت شیخ شرف الدین منیریؒ آداب المریدین کی شرح میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے اور اس حدیث کے راوی حضرت سعد بن زیدؓ ہیں جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دس آدمی جنتی ہیں۔ ابوبکرؓ جنتی ہیں، عمرؓ جنتی ہیں، عثمانؓ جنتی ہیں، علیؓ جنتی ہیں۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ جنتی ہیں، عبدالرحمنؓ جنتی ہیں، طلحہؓ جنتی ہیں، زبیرؓ جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاصؓ جنتی ہیں اور سعد بن زیدؓ جنتی ہیں پس یہ شہادت مضبوط ہوگئی۔ ان کے کمالات کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے۔ فہم من فہم (سمجھا جس نے سمجھا)

حضرت زید بن حارثؓ

صحابہ کرامؓ میں سے دوسرے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین صحابی حضرت زید بن حارثؓ ہیں۔ آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے آزاد کردہ غلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے (لے پالک) ابنائے ہوئے بیٹے) تھے۔ چنانچہ اس کے بعد ان کو زید بن محمدؐ کہا کرتے تھے۔ اگر کوئی ان کو زید بن محمدؐ نہ کہتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو جاتے تھے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس قدر مہربانی فرمائی کہ اپنی چچازاد بہن زینبؓ کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا چنانچہ

یہ حکایت مفصل روضۃ الاحباب میں درج ہے۔ حضرت زیدؓ بن محمدؐ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت محرم راز اور مزاج شناس تھے۔ چنانچہ ساری عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں گزاری اور کبھی آپ کی مرضی کے خلاف ان سے کوئی بات سرزد نہ ہوئی اور اکثر غزوات میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ چنانچہ غزوہ موتہ میں سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پورا کرنے میں جان دے دی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت کے ساتویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکم بصریٰ کو ایک خط لکھا اور حارث بن عمرؓ کے ہاتھ وہ خط ارسال فرمایا۔ جب حارثؓ موتہ کے علاقے میں پہنچے، قیصر روم کا وزیر اعظم وہاں موجود تھا۔ اس نے دریافت کیا کہ کہاں جاتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت محمدؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایلچی ہوں اور ملک شام کو جا رہا ہوں اس نے حارثؓ کو شہید کر دیا۔ اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچیوں میں سے کوئی قتل نہیں کیا گیا تھا۔ اس خبر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا، چنانچہ آپ نے جہاد کی تیاری شروع کر دی اور لوگوں کو حکم دیا کہ جرف کے مقام پر جمع ہو جائیں۔ جب تین ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود وہاں تشریف لے گئے اور اس فوج سے خطاب فرمایا کہ میں نے زیدؓ کو تمہارا امیر مقرر کیا ہے۔ اگر زیدؓ قتل ہو جائے تو جعفر بن ابی طالبؓ امیر ہو جائے۔ اگر وہ مارا جائے۔ عبداللہ بن رواحہؓ امیر بنایا جائے۔ اگر وہ بھی مارا جائے تو مسلمان اپنا امیر خود مقرر کر لیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید جھنڈا بلند فرما کر حضرت زیدؓ کے ہاتھ میں دیا اور نصیحت فرمائی کہ جاؤ اور حارث کو قتل کرو اور اس قوم کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر قبول کریں تو بہتر ورنہ ان کے ساتھ جہاد کرو۔ پس حضرت زیدؓ بن محمد اس لشکر کا سردار بن کر روانہ ہو گئے۔ جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ہرقل قیصر روم نے ان کی امداد کے لیے قریب ایک لاکھ فوج وہاں بھیج دی ہوئی ہے۔ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو حضرت زیدؓ بن محمدؐ نے علم بلند کیا اور جنگ شروع کر دی۔ اس دوران ان کے ایک نیزہ لگا اور شہید ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے جھنڈا بلند کیا اور بے شمار کافروں کو قتل کیا۔ آخر وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ نے جھنڈا بلند کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ الغرض خالد بن ولیدؓ کی بے حد کاوشوں اور کوششوں سے اہل اسلام کو فتح ہوئی اور کفار نے شکست کھائی۔ صاحب روضۃ الاحباب

لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں مسجد میں بیٹھے جنگِ موتہ کے حالات دیکھ رہے تھے اور زار زار رو رہے تھے اور زیدؓ اور جعفرؓ وغیرہ کی شہادت کا مفصل ذکر فرما رہے تھے۔ اور یہ فرما رہے تھے کہ بعد ازاں اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار یعنی خالدؓ نے علم بلند کیا اور اس کے ہاتھ پر فتح حاصل ہوئی۔ اسی دن سے حضرت خالد بن ولیدؓ کا لقب سیف اللہ ہو گیا۔ (یعنی اللہ کی تلوار) نیز آپ نے اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا کہ زیدؓ وغیرہ کو میں نے دیکھا کہ بہشت میں سونے کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جعفرؓ کو میں نے دیکھا کہ ایک فرشتے کی شکل میں پرواز کر رہے ہیں اور اوپر کے درجات طے کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو جعفر طیارؓ کہا جاتا ہے۔ حضرت زیدؓ بن محمدؐ کے کمالات اس قدر زیادہ ہیں کہ اس کتاب میں ان کی گنجائش نہیں۔ اہلِ معرفت کے لیے یہی کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی فرزندیت میں قبول فرمایا ہے۔ ان کی شہادت ہجرت کے آٹھویں سال میں بلادِ روم میں واقع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے۔ ان کی شہادت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کمالِ شفقت سے ان کے لڑکے اسامہ بن زیدؓ کی تربیت شروع کی جس کی وجہ سے وہ اپنے باپ سے بھی زیادہ صاحبِ کمال ہوئے اور بعض غزوات میں ان سے کارہائے نمایاں رونما ہوئے۔

صاحب روضۃ الاحباب صحاحِ ستہ سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ سوموار کے دن ماہ صفر کی چھبیسویں تاریخ ہجرت کے گیارھویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو لشکر تیار کرنے کا حکم فرمایا۔ تاکہ روم کی طرف روانہ کیا جائے اور اسامہ بن زیدؓ سے فرمایا کہ میں نے تم کو اس لشکر کا امیر بنایا ہے۔ جاؤ اپنے باپ کی طرح اس قوم سے جنگ کرو اور ان کے ملک کو فتح کرو۔ جلدی جاؤ تاکہ تمہارے آنے کی خبر ان تک پہنچنے سے پہلے تم وہاں پہنچ جاؤ۔ بدھ کے دن یعنی اٹھائیس صفر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے۔ دوسرے دن بیماری کے باوجود آپ نے اپنے ہاتھ سے اس جنگ کے لیے جھنڈے تیار فرمایا۔ اسامہؓ کو جھنڈے عنایت فرما کر روانہ فرمایا۔ انہوں نے مقام جرف میں پڑاؤ کیا تاکہ سب لشکر جمع ہو جائے۔ تمام اکابر مہاجرین وانصار مثل حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبیدہ بن جراح اور حضرت سعدؓ بن زیدؓ وغیرہ

کو آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ اسامہؓ کے لشکر میں شامل ہو جائیں۔ اس سے بعض لوگوں کی طبیعت کچھ مکدر ہوئی اور از راہ طعن کہنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام کو اکابر مہاجرین پر امیر بنا دیا ہے۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک تک جا پہنچی۔ آپ بے حد غضب ناک ہوئے اور مرض کے باوجود گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنا سر مبارک باندھا ہوا تھا۔ ممبر پر تشریف لے جا کر پہلے حمد و ثنائے حق تعالیٰ پڑھی اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے جو اسامہؓ کی امارت کے بارے میں مجھ تک پہنچی ہے۔ اگر آج کسی نے اسامہؓ کے امیر بننے پر طعن کیا ہے تو درحقیقت انہوں نے انکے باپ زیدؓ کے امیر بننے پر طعن کیا ہے۔ یعنی جنگ موتہ کے وقت۔ اللہ کی قسم۔ وہ امارت کے لائق تھا اور اس کے بعد اس کا لڑکا بھی امارت کے قابل ہے۔ زیدؓ مجھے سب سے زیادہ عزیز تھا اور اسامہؓ بھی اس کے بعد مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ پس اس کے حق میں میری وصیت نیکی کے ساتھ قبول کرو اور اس کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو۔ کیونکہ وہ برگزیدوں میں سے ہے۔ اس کے بعد آپؐ ممبر سے نیچے تشریف لائے اور اپنے گھر چلے گئے۔ یہ شنبہ یعنی ہفتہ کے دن اور دسویں ماہ ربیع الاول کا واقعہ ہے اس کے بعد لوگ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الوداع کہہ کر حضرت اسامہؓ کے لشکر میں شریک ہو جاتے تھے۔ اس وقت آپؐ مرض کی تکلیف میں تھے اور فرماتے تھے جاؤ اور اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشم کے علاوہ اپنے پاس کوئی آدمی نہ چھوڑا۔ اتوار کے دن آپ کی حالت نازک ہو گئی۔ حضرت اسامہؓ آپ سے الوداع ہونے کے لیے آئے۔ انہوں نے اپنا سر نیچے کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر علیل تھے کہ بات کرنے کی طاقت نہ تھی۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور اسامہؓ کی طرف لے گئے۔ اسامہؓ کو معلوم ہو گیا کہ آپؐ میرے حق میں دعا فرما رہے ہیں۔ وہ باہر چلے گئے اور رات کو اپنے لشکر میں پہنچ گئے۔ سوموار کی صبح آنحضرتؐ کو افاقہ ہوا۔ اسامہؓ واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو الوداع کیا۔ جب وہ اپنے لشکر گاہ میں پہنچے اور فوج کو کوچ کا حکم دیا تو کسی نے آکر اطلاع دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حالت نزع میں ہیں۔ چنانچہ اسامہؓ واپس آئے اور ان کے ساتھ اکابر صحابہؓ بھی واپس آ گئے۔ حضرت اسامہؓ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت پر حاضر ہوئے اور عَلَم بھی ساتھ لائے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتدفین سے فراغت ہوئی اور حضرت ابوبکر صدیق رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین (خلیفہ) مقرر ہوئے تو انہوں نے حکم دیا کہ اس جھنڈے کو اسامہ رض کے گھر لے جایا جائے اور وہی لشکر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا، روانہ کیا جائے۔ پس حضرت اسامہ رض نے گھر سے نکل کر جرف میں قیام کیا۔ تاکہ لشکر جمع ہو جائے۔ اس دوران میں خبر ملی کہ عرب کے بعض قبائل مرتد ہو گئے ہیں۔ لوگوں نے حضرت صدیق اکبر رض سے عرض کی کہ اسامہ رض کے لشکر کی روانگی ملتوی کی جائے تاکہ مرتد لوگوں سے پہلے نپٹ لیا جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ جو کچھ ہو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد اسامہ رض نے درخواست کی کہ حضرت عمر رض کو اجازت دی جائے تاکہ وہ آپ کے پاس رہ جائیں۔ پس حضرت اسامہ رض کی درخواست پر حضرت عمر رض لشکر کے ساتھ نہ گئے۔ جب ماہ ربیع الاول شروع ہوا۔ حضرت اسامہ رض اپنے باپ کے قاتل کی طرف متوجہ ہوئے اور دشمنانِ اسلام پر فتح پائی اور بے شمار کفار کو تہ تیغ کیا۔ ان کے بعض باغوں اور درختوں کو جلا دیا اور مکانوں کو گرا دیا۔ اپنے باپ کے قاتل کو قتل کرایا اور بے شمار مالِ غنیمت حاصل کر کے واپس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اسامہ رض بن زید رض کے کمالات کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسامہ رض بن زید رض کی عمر لمبی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر حضرت امیر معاویہ رض کی حکومت تک زندہ رہے اور پینتالیس ہجری میں دار البقا کی طرف رحلت کی۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے۔

اصحابِ صُفّہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری عزیز ترین جماعت اصحابِ صُفّہ تھی کیونکہ ان حضرات کی وجہ سے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنابِ باری تعالیٰ سے تنبیہ ہوئی تھی جیسا کہ کلام پاک میں وارد ہے اور اہلِ تاریخ بیان کرتے ہیں۔ نیز حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیا بدایونی رح اور حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح ملتانی رح کے کلام اور سیر الاولیاء رح سے بھی پایا جاتا ہے کہ اصحابِ صُفّہ مدینہ منورہ میں ایک ایسی جماعت تھی جو فقر و زہد، توکل و تجرید میں مستقیم تھی اور ان میں سے کوئی شخص بھی شغل مع اللہ کے بغیر کوئی کام یا کسب نہیں کرتا تھا اور اسی چبوترہ پر سکونت

رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے لوگ ان کو اہلِ صُفّہ کہتے ہیں۔ وہ اہلِ صفا بھی تھے بوجہ صفائے باطن انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال اعتقاد واخلاص تھا۔ جب آپ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے یہ جماعت بھی کمال نیازمندی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی اور فیضِ صحبتِ نبویؐ سے بہرور ہوتی رہی۔ چنانچہ کلام پاک اس پر شاہد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کبھی جہاد میں شامل نہیں فرماتے تھے اور ان کو اسی توکل وتجرد کے حال پر چھوڑ دیتے تھے حضرت شیخ علاؤ الدولہ بھی عروۃ الوثقیٰ میں یہی اشارہ کرتے ہیں کہ اصحابِ صُفّہ ایک گروہ تھا رجال اللہ میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر نماز باجماعت ادا کرتے تھے اور فیضِ صحبت سے مستفیض ہوتے تھے اور حضرت حذیفہ یمانی کے سوا کوئی شخص ان کو نہیں پہچانتا تھا۔ چنانچہ اس کتاب کے شروع میں رجال اللہ کے حالات مفصل بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب خلاصۃ المناقب میں لکھا ہے کہ ایک دن کسی نے حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ سے سوال کیا کہ شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کو اللہ تعالیٰ سے کیا راز و نیاز رہا۔ انہوں نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ستر ہزار کلمات کی وضاحت کی قدرت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو پینتیس ہزار پوشیدہ اسرار سے بھی آگاہ فرمایا۔ ایک دفعہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصحابِ صُفّہ پر گذر ہوا تو وہ رموز جو لوگوں سے پوشیدہ تھے۔ ان سے سُنے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ یہ راز تم لوگوں کو کس نے بتائے ہیں انہوں نے عرض کی کہ وہ راز جو آپ کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کا حکم ہوا ہے۔ ہمیں بلا واسطہ دلیعنی براہِ راست ملکِ مقرب اور نبی مرسل نے اسی طرح بتائے ہیں۔ جس طرح آپ کو بتائے گئے ہیں اور حضرت مولانا رومؒ کے کلام کا اشارہ اس بات کی طرف ہے ؎

من نہانی ز جبرائیلِ امین　　　جبرائیلؑ وکرامین دارم

(میں جبرائیلِ امین سے پوشیدہ جبرائیلؑ اور فرشتے رکھتا ہوں)

اور اکثر اربابِ تفاسیر و سیرت نگار اس پر متفق ہیں کہ اصحابِ صُفّہ مہاجرین وانصار میں سے تھے۔ لیکن ان کی تعداد اور ناموں میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چار سو افراد تھے بعضوں کے نزدیک ان کی تعداد چالیس ہے۔ تفسیر حسینی میں چند اصحاب کے نام دیئے گئے ہیں۔

اور کشف المحجوب میں صحابہ مہاجرین میں سے چونتیس کے احوال نام بنام درج ہیں۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت عمار یاسرؓ، حضرت حذیفہ یمانیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت بلال حبشیؓ اور حضرت مقدادؓ وغیرہ یہ تھے اصحاب صفہ اور اس امت کے فقراء جو مسجد نبویؐ میں مقیم تھے اور ہر وقت حق تعالیٰ کی عبادت میں مصروف تھے۔ وہ تارک الدنیا تھے اور ہر چیز سے آزاد تھے۔ کلام پاک ان کے فضائل میں یوں ناطق ہے: قال اللہ تعالیٰ للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لایستطیعون ضربًا فی الارض تحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیماھم لایسألون الناس الحافًا۔ انتقعوا من خیر فان اللہ بہ علیم۔

یعنی ان فقراء کی روزی کا انتظام کرو جو حق تعالیٰ کی عبادت کے لیے مخصوص ہوگئے ہیں اور طلب رزق کے لیے وہ کہیں نہیں جا سکتے۔ حالانکہ جاہل لوگ ان کو دولت مند سمجھتے ہیں۔ اس وجہ کہ وہ کسی سے سوال نہیں کرتے اور مستغنی عن الناس ہیں اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کو ان کی علامت سے پہچانتے ہیں اور یہ لوگ لوگوں سے الحاح (عجز و زاری) سے سوال نہیں کرتے اور جو لوگ فقراء کے لیے صدقہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کس کو دیتے ہیں اور کس لیے دیتے ہیں۔ فھم من فھم (سمجھا جو سمجھا) یہ بھی صاحب کشف المحجوب نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث ہم تک پہنچی ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ وقف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی اصحاب الصفہ فرای فقرھم وجھدھم وطیب قلوبھم فقال البشروا یا اصحاب الصفہ فمن لقی من امتی علی النعت الذی انتم علیہ راضیا بما فیہ فانہ من رفقائی فی الجنۃ۔ یعنی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر گذر ہوا تو آپ وہاں ٹھہر گئے اور فقر و مجاہدہ میں ان کو خوش و خرم دیکھ کر فرمایا۔ میں تم کو اور تمہارے نقش قدم پر چلنے والوں کو اور اپنے فقر پر راضی رہنے والوں کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ جنت میں میرے رفیق ہیں اور حضرت شرف الدین منیریؒ نے کتاب آداب المریدین کی شرح میں لکھا ہے کہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ کے امراء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ بشرطیکہ آپ اپنی امت کے فقراء کو منع کر دیں کہ آپ کے قریب نہ آئیں۔ کیونکہ ہمیں ان

سے شرم آتی ہے اور ان کے جسم اور کپڑوں سے ہمیں بدبو آتی ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے ایمان لانے کی دلی تمنا تھی۔ آپ نے از روئے مصلحت حضرت عمرؓ کو ان فقراء کے پاس بھیج کر فرمایا کہ چند دنوں کے لیے نہ آئیں تاکہ یہ لوگ ایمان لے آئیں۔ ابھی حضرت عمرؓ روانہ نہ ہوئے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔ لا تطرد الذین یدعون ربہم بالغداۃ والعشی یریدون وجہہ وما علیک من حسابہم من شیء وما من حسابک علیہم من شیء فتطردہم فتکون من الظلمین ۝ یعنی روز کر ان لوگوں کو جو رات دن اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں اور اپنے مولا کی رضا کے طلبگار ہیں اور نہ ان کا حساب آپ پر اور نہ آپ کا حساب ان پر ہے۔ اگر آپ ان کو دور کریں گے تو آپ گروہ ظالمین میں سے ہوں گے۔ جب کافروں کو معلوم ہو گیا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فقراء کو دور نہیں کریں گے تو انہوں نے کہا کہ ہمارے اور فقراء کے درمیان باری مقرر کریں۔ ایک دن وہ آپ کے پاس آئیں اور ایک دن ہم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ اسی طرح کیا جائے۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربہم .... الی آخر یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ یعنی فقراء کے ساتھ صبر کرنے کا حکم فرمایا۔ یہاں صبر کے معنی حبس کے ہیں۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ رکھو جو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہیں۔ کیونکہ اگر ان کو یہ کہا جاتا کہ اپنے آپ کو پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ رکھو تو ہر حالت میں ان کے لیے یہ بات باعث فضیلت ہوتی۔ لیکن ان کی فضیلت کا کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ اپنے آپ کو ان کے ساتھ رکھو۔ جب کفار کو اس آیت کا علم ہوا تو ان کو معلوم ہو گیا کہ ان کی تجویز کارگر نہ ہوئی۔ اب انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ فقراء اور ہمارے درمیان آپ باری مقرر نہیں کرتے اور آپ چاہتے ہیں ہم اور وہ ایک مجلس میں بیٹھیں تو آپ اتنا کریں کہ اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف رکھیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے اسلام لانے کی تمنا تھی۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو فقراء کے پاس بھیجا کہ چند روز تک [illegible] لوگوں کی طرف ہوگا۔ تم لوگ اس کو برا نہ سمجھنا اللہ تعالیٰ کو یہ مجلس پسند نہ [illegible]

جبرائیل امین یہ آیت شریفہ لائے وَلَا تَعْدُ عَیْنَاکَ عَنْھُم ...... الی الآخر۔ اپنی آنکھوں کو ان درویشوں سے باز نہ رکھیے۔ بلکہ ان کی طرف مجلس میں دیکھیے۔ کیونکہ میں بھی ان کی طرف دیکھتا ہوں۔ اس آیت کے نزول کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بھی ان میں سے کسی کو دیکھتے تو فرماتے کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری وجہ سے مجھ پر عتاب فرمایا ہے۔ چنانچہ تفسیر حسینی اور دیگر تفاسیر میں ان آیات کے شان نزول کے وقت فقراء کے بہت فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تمام امت میں ان فقراء کا مشرب بہت ممتاز تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مصداق آیۂ پاک قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت اور مصاحبت میں بھی بہت وہ ممتاز تھے۔ چنانچہ میر سید محمد گیسو درازؒ جامع الکلم میں فرماتے ہیں کہ کسی نے حضرت علی کرم وجہہ سے عرض کیا کہ اپنے محبان کا وصف بیان فرمائیں: آپ نے دریافت فرمایا کہ کس کا وصف چاہتے ہو۔ اس نے کہا۔ حضرت عمار یاسرؓ کا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ ایک ایمان سے بھرا ہوا مومن ہے۔ اس نے پھر پوچھا کہ حضرت سلمان فارسیؓ کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا کہ اس کے پاس اولین و آخرین کا علم ہے۔ اس کے بعد حضرت حذیفہ یمانیؓ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار ہیں۔ پس صوفیان اہل صفا کیوں اصحاب صفہ کی اقتدا نہ کریں۔ جبکہ ان کا مرتبہ اللہ عزوجل اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس قدر بلند تھا۔ اس وجہ سے صاحب طبقات صوفیہ، عوارف المعارف، کشف المحجوب اور دوسرے ارباب تصوف اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص صحیح عقیدہ کا طلب گار ہے۔ اسے چاہیے کہ صحابہ کرامؓ کے طبقۂ اول کی اقتدا کرے کیونکہ فی الحقیقت ان کا زمانہ تمام دوسرے زمانوں سے بہتر تھا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ...... الی آخر۔ یعنی زمانوں میں سے بہترین زمانہ میرا ہے۔ اس کے بعد اس کے متصل کا زمانہ۔ اس کے بعد اس کے متصل کا زمانہ اس کے بعد کذب ظاہر ہو جائے گا۔

عاقل کے لیے نکتہ کافی ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

طبقہ دوم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

اور

ائمہ کرام

کے

مجمل حالات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

آپ شیرِ خدا کے لقب سے ملقب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ وحی، تمام صوفیانِ اہلِ صفا کے پیشوا، عشق و بلا کو سر پہ اٹھانے والے امام المشارق والمغارب امیر المومنین علی ابن ابی طالب ابن عبد المطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں۔ آپ کی ولادت جمعہ کے دن تیرہ ماہ رجب واقعہ فیل کے تیسویں سال ہوئی۔ دوسری روایت کے مطابق واقعہ فیل کے اٹھائیسویں سال ہوئی۔ اس عاقبت محمود کی جائے ولادت خانہ کعبہ ہے۔ یہ سعادت ازل سے ابد تک کسی بشر کو نصیب نہیں ہوئی۔ چنانچہ کسی بزرگ نے یہ رباعی لکھی ہے ؎

در معرفت علی نہ چوں است و نہ چند
در خانۂ حق زاد بجانش سوگند
نے فرزندے کہ خانہ زادی دارد
شک نیست کہ باشدش بجائے فرزند

(یعنی معرفت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کوئی مثال نہیں ہے۔ اس کی جان کی قسم وہ اللہ کے گھر میں پیدا ہوئے۔ آج تک کوئی ایسا بچہ پیدا نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کا خانہ زاد ہو اور اس میں شک نہیں کہ وہ حق کے نزدیک بجائے فرزند ہے)

آپ کی کنیت ابو الحسن اور ابو تراب ہے اور آپ کے القاب امیر المومنین، امام المسلمین مرتضیٰ، اسد اللہ اور ولی اللہ تھے۔ روضۃ الشہدا میں لکھا ہے۔ آپ نے تین دن تک ماں کا دودھ نوش نہ فرمایا۔ پس حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنی گود میں اٹھا کر اپنا منہ آپ کے منہ پر رکھا اور اپنی زبان وحدت بیان حضرت علیؓ کے منہ میں دے دی۔ آپ کافی دیر تک آنحضرتؐ کی زبانِ مبارک چوستے رہے اور لعابِ دہن نبویؐ جو کہ سرچشمہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى تھا لاشربت حیاتِ ظاہری و باطنی پیتے رہے۔ جب آپ پانچ سال کے ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو لے گئے اور خود ان کی تربیت فرماتے رہے حتیٰ کہ

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت حاصل ہوئی۔ آپ دس سال کے تھے اور مشرف باسلام ہوئے۔ پس اسی طرح آپ ہمیشہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ہجرت کے دوسرے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو ان کے عقد میں دیا۔ اس وقت ان کی خاطر آپ نے ایک علیحدہ حجرہ مقرر فرمایا۔ نکاح کے وقت حضرت علیؓ پچیس سال کے تھے اور حضرت خاتونِ جنت اٹھارہ سال کی اور شواھد النبوت میں لکھا ہے کہ آپ بارہ اماموں میں سے امامِ اوّل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَئمہ مِنْ بَعْدِیْ اِثْنیٰ عَشَرَ خَلِیْفَتِیْ (میرے بعد بارہ امام میرے خلیفہ ہوں گے) اور میر سید محمد کرمانی رحؒ نے سیر الاولیاء میں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات نقل کیے ہیں۔ جن میں لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تمام صحابہ کرامؓ میں جود و کرم اور بخشش و عطا فقر و دعا میں ممتاز تھے اور قوت اور شوکت کی وجہ سے حق تعالیٰ سے آپ کو اسد اللہ الغالب کا خطاب ملا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا (میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں) کے بموجب کثرت علم کی بنا پر تمام صحابہ کرامؓ میں مخصوص تھے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ (یعنی اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا) اور خرقۂ فقر کی خلعت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی طرف سے شب معراج میں عطا ہوئی۔ اس کے متحمل چاروں خلفائے کرام میں سے حضرت علیؓ ہوئے اور خرقہ عطا کرنے کی یہ سنت مشائخ عظامؒ میں قیامت تک رہے گی اور دین کے اس کام میں ان کی وجہ سے بڑی استقامت ہوئی اور روحانیت میں آپ کا درجہ بہت بلند اور شان بہت ارفع ہے۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ شیخنا فی الوصول دا البلا علی المرتضیٰ یعنی وصول الی اللہ اور بلا کو برداشت کرنے میں حضرت علیؓ ہمارے امام ہیں یعنی علم معاملات و طریقت میں آپ ہمارے شیخ اکبر ہیں اور مولانا رومؒ نے اپنے دیوان میں بہت قصائد اور غزلیں حضرت علیؓ کی مدحت میں لکھی ہیں۔ ان میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

۱۔ آفتابِ وجودِ اہلِ صفا   واں امامِ متیں ولی خدا

۲۔ آں امامے کہ قائم است بحق ۔۔۔ در زمین و زماں و ارض و سما
۳۔ اوست جانِ حقیقتِ انساں ۔۔۔ جملہ فانی شود او بر جا
۴۔ او بعلم است بر سرِ عالم ۔۔۔ او بفقر است بر سرِ فقراء
۵۔ تا شود روشنت کہ والی اوست ۔۔۔ با من اے خواجہ کم کنی غوغا!
۶۔ مومناں ہمہ رو بہ او دارند! ۔۔۔ کہ امیر است و ہادی و مولا
۷۔ گفت احمدؐ خود از سرِ تحقیق ۔۔۔ کہ علیؓ است ولی ہر دو سرا
۸۔ بہتر او دید سیّدِ کونین ۔۔۔ در شبِ قرب در مقامِ دنیٰ
۹۔ او علیؓ است ابنِ عمِ رسولؐ ۔۔۔ اوست والی و شوہرِ زہراؓ
۱۰۔ از علیؓ مے شنید نطقِ علیؓ ۔۔۔ لعلی جز علی نبود آنجا،
۱۱۔ ذرہ نیست بے مشیتِ او ۔۔۔ از ثریٰ تا کہ فوقِ فرقِ ثرا
۱۲۔ عارفاں را جمال و قدرتِ قدر ۔۔۔ شادیٔ جاں مردمِ عرفا
۱۳۔ ما ہمہ ذرہ ایم او خورشید ۔۔۔ ما ہمہ قطرہ ایم او دریا
۱۴۔ ما ہمہ مردہ ایم او زندہ! ۔۔۔ ما ہمہ پستی ایم او اعلےٰ،
۱۵۔ شمس الدین چونکہ صافی در عشق ۔۔۔ جان فدائے کن برائے مولا
۱۶۔ تا شود جانت واصل جاناں ۔۔۔ تا رسد قطرہ ات سوئے دریا
۱۷۔ بندہ خاندان سجاں مے باشں ۔۔۔ گر بخواہد رسی بہ تخت و دوا

ترجمہ:

۱۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اہلِ صفا یعنی اولیاء اللہ کے وجود کے لیے مثلِ آفتاب ہیں۔ آپ مومنین کے امام اور اللہ کے ولی ہیں۔

۲۔ آپ ایسے امام ہیں کہ جن کا وجود حق تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔ زمین و زماں اور ارض و سما رہیں۔

۳۔ آپ حقیقتِ انسان کی جان ہیں۔ جب کہ سب کچھ فنا ہو جائے گا، وہ اپنی جگہ مستقل رہیں گے۔

۴- آپ اپنے علم کی وجہ سے سارے عالم کے سردار ہیں اور اپنے فقر کی وجہ سے سارے فقراء کے آقا ہیں۔

۵- اے بحث کرنے والے میرے ساتھ بحث نہ کر جب تک تجھ پہ یہ روشن نہ ہو جائے کہ حضرت علیؓ سب کے مولا ہیں۔

۶- تمام مومنین کا روئے ارادت آپ کی طرف ہے۔ کیونکہ آپ امیر، ھادی اور مولا ہیں۔

۷- خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از روئے تحقیق فرمایا ہے کہ حضرت علیؓ دونوں جہانوں کے ولی ہیں۔

۸- حضرت علیؓ کی حقیقت کا سرورِ کونینؐ نے شبِ قرب یعنی شبِ معراج میں مقام اَوْ اَدْنیٰ میں مشاہدہ کیا۔

۹- حضرت علیؓ وہ ہیں جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں اور خاتونِ جنت کے والی اور شوہر ہیں۔

۱۰- علیؓ نے علیؓ کا کلام سنا (خدا کا نام بھی علیؒ) اور علیؓ کے لیے علیؒ کے سوا یعنی خدا کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

۱۱- تحت الثریٰ سے ثریا تک کوئی ذرہ اس کی مشیت کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی مشیت، مشیتِ حق میں گم ہے۔

۱۲- تمام عارفانِ حق کا حسن اور قدر و کمال حضرت علیؓ کے وجود سے ہے اور ان کی سب خوشی آپ کے دم سے ہے۔

۱۳- ہم سب ذرات ہیں اور وہ خورشیدِ عالم تاب ہیں، ہم سب قطرے ہیں اور وہ دریا ہیں۔

۱۴- ہم سب مردہ ہیں اور وہ زندہ ہیں۔ ہم سب پستی کے مقام میں ہیں اور وہ ارفع و اعلیٰ ہیں (زندہ وہ ہے جس کا دل زندہ ہے)

۱۵- اے شمس الدین (تبریزی) چونکہ تم عشق کی وجہ سے مقامِ صفا میں پہنچ چکے ہو

اپنی جان اپنے مولا علیؓ پر قربان کر دے۔

۱۶۔ تاکہ تیری جان وصل جاناں ہو جائے اور قطرہ (محدود) دریا (لا محدود علیؓ) میں مل جائے۔

۱۷۔ تو دل و جان سے اس خاندان (اہل بیت) کا غلام بن جا۔ اگر تجھے تخت و تاج تک رسائی کی ضرورت ہے (لا امعنی جھنڈا یعنی علم شاہی)

روضۃ الشہداء میں امام احمد بن حنبلؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک آدمی سے ہم تک اتنا علم نہیں پہنچا جتنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے پہنچا ہے اور روضۃ الاحباب میں حضرت جابرؓ بن حضرت عبداللہ انصاریؓ سے روایت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے محاصرہ کے وقت حضرت علیؓ کو طلب فرمایا اور دیر تک ان کے ساتھ راز کی باتیں فرماتے رہے۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا۔ آپ نے اپنے چچازاد بھائی سے لمبے لمبے راز بیان فرمائے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان سے راز بیان نہیں کیے بلکہ حق تعالیٰ نے بتائے ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ ان کو ان رموز سے آگاہ کروں اور روضۃ الشہداء میں شرح تعرف سے منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وہ رموز بیان فرمائے ہیں جو کسی نے نہ ان سے پہلے نہ بعد کسی بیان کیے ہیں۔ ایک دن آپ نے ممبر پر چڑھ کر فرمایا "سلونی ما دون العرش" یعنی پوچھو مجھ سے جو کچھ عرش سے ما وریٰ پوچھنا چاہو۔ کیونکہ میرے قلب میں بے شمار علوم ہیں اور یہ سب اس لعاب دہن کی برکت سے ہے جو میری تولید کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے منہ میں دیا تھا اور شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ پاؤں رکاب میں رکھتے تھے۔ قرآن مجید شروع کرتے تھے اور جب دوسرے رکاب میں پاؤں ڈالتے تھے تو قرآن ختم کر لیتے تھے۔ شواہد النبوت میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات جب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ میرے ساتھ دعوت عروسی میں مشغول تھے۔ میں ان سے ڈر گئی۔ کیونکہ زمین ان سے کلام کر رہی تھی۔ صبح یہ بات میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ آپ نے ایک لمبا سجدہ کیا اور پھر سر اٹھا کر فرمایا اے فاطمہؓ تم کو مبارک ہو نسل کی پاکیزگی کی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے خاوند کو تمام

خلائق پر فضیلت دی ہے اور زمین کو حکم دیا ہے کہ شرق سے غرب تک جو اس پہ گزرا ہے اس سے بیان کرے۔ لیکن ان کمالات اور خصوصیات کے باوجود متعصبین کے ایک گروہ نے آپ کی سیادت پر اعتراض کیا ہے۔ اسی بنا پر صاحب تفسیر حسینی اور میر جمال الدین محدث نے اپنی کتاب تحفۃ الاخیار میں صحیح مسلم، ترمذی اور مصابیح سے روایت کی ہے کہ یہ آیۂ کریمہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور ان کی اولاد کی شان میں حضرت ام سلمہؓ کے گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اہلِ بیتِ رسولؐ کہ رجس اور ناپاکی تم سے دور کرے اور نہایت پاک وصاف کرے تم کو۔ یہ بھی حضرت ام سلمہؓ سے منقول ہے کہ اس وقت حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو طلب فرمایا اور حضرت علیؓ کو اپنے برابر بٹھا کر حضرت فاطمہؓ کو ان کے پیچھے بٹھایا اور حضرت حسنؓ ایک ران پر اور حضرت حسینؓ دوسری ران پر بٹھا کر ایک گلیم (اوڑھنی) یا عبا جس کا رنگ سیاہ تھا اور اس پر سفید لکیریں تھیں۔ آپ نے یہ عبا اپنے اور حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ و حضرت حسن و حضرت حسینؓ کے سر پر پھیلائی اور آیۂ مذکور دوسری بار پڑھی اور بعدہٗ یہ دعا مانگی: اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ آلِ مُحَمَّدٍ فَاجْعَلْ صَلَوٰتَکَ وَبَرَکَاتَکَ عَلَیْھِمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ یعنی یا الٰہ العالمین یہ آلِ محمدؐ ہیں۔ اپنی رحمتیں اور برکتیں ان پر نازل فرما۔ بیشک تو سب صفات اور بزرگی کا مالک ہے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم تھیں نے اس عبا کا ایک کونا اٹھایا اور چاہا کہ وہ بھی اس کے نیچے ہو جائیں اور اپنے آپ کو ان سے متصل کر دیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبا کو ان سے کھینچ لیا اور فرمایا تو نیکوں میں سے ہے۔ لیکن یہ میرے اہلِ بیت ہیں اور یہ خاص مرتبہ ہے۔ کسی بزرگ نے اہلِ بیت کی کیا خوب مدحت کی ہے ؎

زابتدائے عدم تا بہ انتہائے وجود — چنانچہ قدرتِ حق جل ذکرہٗ فرمود

کدام پنج تن آمد بعالم مقصود — کہ جبرئیل ششم شاں نمے تواند بود

ترجمہ: ابتدائے عدم سے لے کر انتہائے وجود تک قدرتِ حق تعالیٰ نے سے

نہ کیا علیؓ تھے۔

۵۔ ساری کائنات کے سب ظاہری و باطنی رموز جو شمس الدین تبریزیؒ نے بیان کیے وہ علیؓ تھے۔

۶۔ اقلیم ولایت کے ہارونؑ، بعد حضرت موسیٰؑ وعمرانؑ خدا کی قسم علیؓ تھے، علیؓ تھے، علیؓ تھے۔ (یہاں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علیؓ میرے لیے اس طرح ہیں جس طرح ہارونؑ موسیٰؑ کے نزدیک تھے۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں (یعنی ولایت کے میدان میں)

۷۔ یہ ایک دو تین شعر جو میں نے کہے ہیں۔ میری مراد اور میرا مقصود اس میں وصال علیؓ تھا۔ یا حضرت علیؓ کی خوشنودی طبع۔

ایک دن حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا، لاتجعل شغلك باهلك وولدك فان كان اهلك وولد من اولياء الله فان الله لايضيع اولياءه فان كانوا عداء الله فما همك وشغلك لاعداء الله ۔ اور اس قول کا ترجمہ صاحب کشف المحجوب نے یوں لکھا ہے کہ اپنے بیوی بچوں کے فکر میں زیادہ محو نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ اگر تیرے بچے اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو ضائع نہیں کرتا۔ اگر وہ خدا کے دشمن ہیں تو خدا کے دشمنوں کی تجھے کیوں فکر ہے۔ اور اس مسئلہ کا تعلق غیر حق کو دل سے مٹا دینے سے ہے (یعنی غیر اللہ سے دلی تعلق نہ رکھے۔ ظاہری کاروبار اور تردد میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندگان کو جس طرح چاہتا ہے، رکھتا ہے بشرطیکہ تیرا یقین محکم ہو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکی کو جس قدر سخت حالات میں بھی حق کے سپرد کر کے چلے گئے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت بی بی ہاجرہؓ کو بیابان میں لے گئے۔ اللہ کے سپرد کر کے چلے گئے۔ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو بیوی بچوں کے ساتھ مشغول نہ رکھا اور اپنے دل کو پوری طرح حق تعالیٰ کے ساتھ لگایا۔ تاہم ان کی دونوں جہانوں کی مراد نامرادی میں پوری ہوئی۔ اس کا نام ہے تسلیم رموز بخود بحق تعالیٰ۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے دریافت کیا کہ دنیا میں پاکیزہ ترین شغل کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ غنا القلب بالله یعنی اللہ پر توکل کر کے

دل غنی ہو جانا۔ جو دل کہ حق تعالیٰ کے وصال سے تونگر (دولتمند) ہو گیا۔ دنیا کی کمی اسے مفلس نہیں بنا سکتی اور دنیا کا ہونا بھی اسے خوش نہیں کر سکتا (یعنی نہ وہ دنیا کے ہونے سے خوش ہوتا ہے نہ نہ ہونے سے غمگین) اور اس کی حقیقت فقر اور تعلق باللہ سے میسر آتی ہے۔ پس اہل طریقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقائق و معارف، دقائق، اشارات، تجرید اور ترکِ دنیا و آخرت اور تقدیر حق کی معرفت میں اقتدا کرتے ہیں قَالَ عَلِیٌّ لَوْ کَانَ حَبَّۃٌ مُجَرَّدٌ وَ النَّاسُ کُلُّھُمْ عِیَالِیْ فَوَاللّٰہِ لَا اُبَالِیْ ترجمہ (حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس ایک گندم کا دانہ ہو اور ساری خلقت میرے اہل و عیال ہوں تو خدا کی قسم مجھے کچھ فکر نہ ہوگی) یہ مقام یا استغنائے قلب ولایتِ مطلق کے کمال نور کی علامت ہے۔ دوسروں کو یہ بلند ہمتی کیسے میسر آسکتی ہے ؎

ہر کہ صاحب ہمت آمد مرد شد
ہمچو خورشید از بلندی فرد شد

(جو صاحبِ ہمت ہوا وہ مرد ہو گیا اور سورج کی طرح بلندی میں بے مثل ہو گیا)

روضۃ الاحباب کی جلد دوم اور حبیب السیر میں لکھا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے جام شہادت نوش فرمایا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے گھر میں ساری دنیا سے کنارہ کش ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اکابر مہاجرین و انصار اور ہر شہر کے ہر علاقے کے شرفاء آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے تھے کہ امت ایک امام، پیشوا اور خلیفہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اور آج آپ سے بڑھ کر کوئی اس کا مستحق نہیں ہے۔ علی مرتضیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ یہ جواب دیتے تھے کہ مجھے اس کی کوئی خواہش نہیں جس شخص کو آپ متفق ہو کر خلیفہ مقرر کریں، میں اس کی بیعت کر لوں گا۔ لیکن لوگ پھر آپ سے کہتے تھے کہ جب تک آپ ہمارے درمیان ہیں، کسی کو دم مارنے کی مجال ہے کہ خلافت کا دعویدار بنے۔ الغرض جب مہاجرین و انصار کا ہجوم اور ان کی گریہ وزاری حد سے بڑھ گئی تو آپ راضی ہو گئے۔ پہلا شخص جس نے کھڑے ہو کر آپ سے بیعت کی۔ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ تھے۔ اس کے بعد حضرت زبیرؓ نے بیعت کی۔ پھر سب اکابر مہاجرین و انصار و عام خلقت نے بیعت کی۔ ایک روایت کی رو سے جس روز لوگوں نے آپ کی بیعت کی، جمعہ کا دن تھا اور اسی روز حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تھے۔ لیکن صحیح اور قوی روایت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے

ایک ہفتہ لبعد لیعنی جمعرات کے دن پچیس ماہ ذی الحجہ ۳۵ھ کو لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیعت کی۔ الغرض دوسرے روز بھی لوگ بیعت کرتے رہے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے خطبہ پڑھا اور صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی۔ ان امور سے فارغ ہوکر آپ نے مروان اور بنی امیہ کے چند افراد کو بلا بھیجا کہ لوگوں کے سامنے آکر حضرت عثمانؓ کے خون کا دعویٰ کریں اور قاتلوں کو ثابت کرائیں تاکہ ان کو قتل کیا جائے لیکن کافی چھان بین کے بعد بھی اس جماعت کا کوئی فرد سامنے نہ آیا۔ ان میں سے بعض لوگ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور اکثر ملک شام میں امیر معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔ بنی امیہ میں سے کسی نے حضرت علیؓ سے بیعت نہ کی اور نہ ان کے سامنے کوئی حاضر ہوا۔ پس حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیوی حضرت نائلہؓ سے پوچھا کہ قاتل کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ دو آدمی گھر کے اندر گھس آئے اور محمد بن ابوبکر بھی ان کے ساتھ تھے۔ ان دو آدمیوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا۔ میں نے ان کے چہرے تو دیکھے لیکن اب پہچان نہیں سکتی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے محمد بن ابوبکر کو طلب فرما کر واقعہ کی کیفیت دریافت کی۔ اس نے جواب دیا کہ واللہ میں حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہوا اور ان کے قتل کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن جب انہوں نے میرے والد بزرگوار حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نام لیا۔ میں سخت شرمندہ ہوا اور اپنے ارادہ سے باز آکر تائب اور پشیمان ہوا۔ قسم ہے خدا جل کی میں نے ان کو قتل نہیں کیا۔ حضرت عثمانؓ کی بیوی نے بھی ان کے بیان کی تصدیق کی۔ بعدازاں امیر المومنینؓ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اگرچہ میرے ساتھ آپ لوگوں نے بیعت کی ہے۔ لیکن میں آپ لوگوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں حدِ شرع سے تجاوز نہ کروں گا اور کسی کی رعایت نہ کروں گا۔ تمام امور کا فیصلہ جمہور کے مشورہ کے مطابق ہوگا اور اپنی ذات کے لیے بیت المال سے ایک درم بھی نہیں لوں گا۔ لوگوں پر اپنے آپ کو ترجیح نہیں دوں گا۔ بلکہ ہر شخص کو رحمت اور مہربانی کی نظر سے دیکھوں گا اور لوگوں کے درمیان فیصلے کتاب اللہ اور حدیث و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کروں گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ مسجد کی طرف چلو۔ کیونکہ یہ معاملہ خفیہ طور پر طے نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ محضر عام میں طے ہوگا۔ پس امیر المومنینؓ جمعہ کے دن ممبر نبویؐ پر تشریف لائے اور نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ آپ کا پہلا خطبہ یہ تھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ قَدْ رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰی مَکَانِہٖ ‏ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس کے اس

احسان کا کرح تجی دار رسید) دوسرے دن آپ نے حکم دے دیا کہ بیت المال کا دروازہ کھولا جائے۔ وہ چیزیں جو بیت المال میں محفوظ تھیں۔ آپ نے باہر نکلوا کر لوگوں میں تقسیم کردیں۔ صدقہ کے اونٹوں کا جو سامان پڑا تھا۔ آپ نے ضبط کرکے بیت المال میں جمع کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کا مال آپ نے ان کے ورثاء میں تقسیم کر دیا۔ ان امور سے فراغت کے بعد آپ نے چاہا کہ حضرت امیر معاویہؓ کو شام اور حضرت عمرو بن عاصؓ کو مصر کی حکومت اور حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ دوسرے عمالوں کو معزول کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مشورہ دیا کہ یہ جماعت طالب جاہ و حکومت ہے۔ ان کا معزول کرنا باعث فتنہ و فساد ہوگا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں ہمیشہ حضرت عثمانؓ سے کہا کرتا تھا۔ ان حکمرانوں کو معزول کر دیں تاکہ لوگ ان کے مظالم سے بچ جائیں اور اب جبکہ میں خود اس کی قدرت رکھتا ہوں۔ کس طرح سنت نبویؐ اور سنت شیخینؓ (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کے خلاف عمل کروں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ پس آپ نے دیانت دار اور نیک حاکموں کو مختلف شہروں اور صوبوں میں تعینات فرمایا۔ اس وقت حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے عرض کیا کہ کوفہ اور بصرہ کی حکومت ہمیں دی جائے۔ آپ نے جواب دیا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ تمام کام آپ لوگوں کے مشورے سے کروں۔ جب تم ایک طرف چلے جاؤ گے تو میں کس سے مشورہ کروں گا۔ ان کو یہ بات پسند نہ آئی اور ناراض ہو کر مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اپنے ساتھ متفق کرکے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف جہاد شروع کردیا۔ حضرت ام سلمہؓ حرم محترم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بہت سمجھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مجمع میں پڑھی۔ لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی خلیفتی علیکم فی حیاتی ومماتی فمن عصاہ فقد عصانی ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن عصی اللہ فقد کفر (یعنی علیؓ میرا خلیفہ ہے تم پر میری زندگی میں اور میری زندگی کے بعد پس جس کسی نے علیؓ کی نافرمانی کی میری نافرمانی کی اور جس نے میری نافرمانی کی، خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جس نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اس نے کفر کیا) یہ حدیث سن کر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے آپ کو ان سے الگ کر لیا۔ لیکن چونکہ عبداللہ بن زبیرؓ آپ کے بھانجے تھے۔ ان سے ان کو بہت انس تھا۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کو مجبور کرکے

اپنے ساتھ شامل کر لیا اور اکثر بنی امیہ جو مکہ میں تھے۔ طلحہؓ و زبیرؓ سے مل گئے۔ زبیرؓ نے کہا۔ پہلے شام میں امیر معاویہؓ کے پاس جانا چاہیے۔ کیونکہ وہ حضرت علیؓ کے خون کا پیاسا ہے۔ لیکن طلحہؓ نے یہ تجویز قبول نہ کی۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ ملک شام چھوڑ کر ان کے ہمراہ نہیں ہوں گے۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے دوران ان کو کئی بار خط لکھا گیا تھا لیکن وہ نہ آئے اور نہ مجھے ملک شام میں آنے دیں گے۔ آخر یہی ہوا نہ حضرت امیر معاویہؓ نے ان کا اتباع قبول کیا نہ ان کو ملک شام کے اندر آنے دیا۔ پس طلحہؓ اور زبیرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مل کر ایک لشکر تیار کیا اور بصرہ پہنچ گئے۔ دوسری جانب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی سہیل بن حنیف کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنا کر بصرہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ روضۃ الاحباب میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت امیر المومنین علیؓ کا گذر موضع ذی وقار سے ہوا۔ حضرت خواجہ اویس قرنیؓ نہایت اخلاص سے باہر نکلے اور حضرت علیؓ سے آکر ملے۔ آپ نے ان کی بہت تعظیم کی۔ اس کے بعد حضرت اویسؓ نے کہا۔ یا علیؓ۔ ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں۔ آپ خلیفہ برحق ہیں۔ الغرض اسی وقت وہ حضرت علیؓ کے ساتھ رہے۔ حتیٰ کہ جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہؓ کی فوج سے لڑ کر شہید ہوگئے۔ امام عبداللہ یافعیؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ خواجہ اویس قرنیؓ حضرت علیؓ کی خدمت کرتے ہوئے جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہؓ کے لشکر کے ہاتھوں سنہ ۳۷ ہجری میں شہید ہوئے۔ سب مورخین اور سیرت نگار متفق ہیں کہ اپنے ایام خلافت میں حضرت علیؓ نے تین بار جنگ کی پہلی جنگ کو ناکثین کہتے ہیں۔ دوسری کو قاسطین اور تیسری کو مارقین۔ ناکثین سے مراد طلحہؓ اور زبیرؓ اور ان کی جماعت ہے۔ جن کی حضرت علیؓ کے ساتھ بیعت میں نقص واقع ہوگیا تھا اور اس جنگ کو مورخین جنگ جمل بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس جنگ میں حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار تھیں۔ اس جنگ میں فتح حضرت علیؓ کو ہوئی اور بہت مخالفین کام آئے۔ طلحہؓ و زبیرؓ نے بھی اسی جنگ میں رحلت کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی گفت و شنید کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت قبول کر لی اور حضرت علیؓ نے عزت و وقار کے ساتھ ان کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔ جس کے بعد آپ روضۂ اطہر کی خدمت انجام دیتی رہیں۔ قاسطین سے حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے معاونین مراد ہیں۔ کیونکہ قاسطین صحرائے صفین میں واقع ہوا ہے۔ کافی کشش اور کوشش

کے بعد فریقین کے مابین صلح ہوگئی۔ اور حکمین مقرر ہوئے [یعنی دو ثالث حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاصؓ مقرر ہوئے]

مارقین نہروان کے خارجیوں کو کہتے ہیں جن کا سردار عبداللہ بن وہب تھا اس جنگ میں فتح حضرت علیؓ کو نصیب ہوئی اور تمام خارجی مارے گئے۔ لیکن ان کے لشکر سے نہ کوئی بھاگ نکلا اور نہ حضرت علیؓ کے لشکر کا کوئی آدمی شہید ہوا سب سلامت رہے۔ ان تینوں جنگوں کی تفصیل روضۃ الشہدا اور روضۃ الصفا اور دیگر معتبر کتب میں موجود ہے۔ اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش نہیں۔ خوارج پر فتح پانے کے بعد امیر المومنین کوفہ تشریف لے گئے۔ آپ چاہتے تھے کہ حاکم شام پر لشکر کشی کریں لیکن یہ واقعہ پیش آگیا بیت ؎

در آمد ز ہجرت چو سالِ چہل
بماتم نشستند اصحابِ دل

[ہجرت سے جب چالیسواں سال گزرا تو تمام اہل دل ماتم کی صف میں بیٹھ گئے]

جب ہجرت سے چالیسواں سال شروع ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اکثر فراق آمیز باتیں کرنے لگے۔ ایک دن انھوں نے حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ کو بلایا اور وصیت فرمائی اور وہ امانت جو ان کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی تھی، خلافتِ امامت کے ساتھ حضرت امام حسنؓ کے سپرد کی۔ روضۃ الشہدا میں لکھا ہے کہ اس رات آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ آپ تمام رات عبادت اور شوقِ حضور میں جاگتے رہے۔ صبح کے اوّل وقت میں وضو فرمایا اور مسجد میں جا کر نماز میں مشغول ہوگئے۔ نماز کی حالت میں ابن ملجم ملعون نے زہر آلود تلوار کی ضرب آپ کے سر مبارک پر ماری، جس سے مغز کٹ گیا۔

الغرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قسم کھائی کہ شکر ہے میں اپنے مطلوب کے وصال سے مشرف ہوگیا ہوں یعنی قیدِ وجود سے رہائی پاکر دوست سے واصل ہوگیا ہوں۔ اس کے بعد حضرت امام حسنؓ

سے فرمایا کہ امامت کے فرائض ادا کر کے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھو۔ انیس ماہ رمضان ۴۰ھ کو ابن ملجم نے آپ کو زخمی کیا اور ماہ مذکور کی اکیس تاریخ کو آپ نے جان مشاہدہ حق میں تسلیم کر دی۔ حضرت امام حسنؓ اور دیگر لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی اور آپ کے جسم مبارک کو آپ کی وصیت کے مطابق مقام غرو میں جس کا آج کل نام نجف اشرف مشہور ہے دفن کیا۔ چنانچہ اس واقعہ کی تفصیل روضۃ الصفا اور حبیب السیر میں درج ہے۔ اس مظہر العجائب کی خلافت کی مدت چار سال اور نو ماہ تھی۔ آپ کی عمر شریف صحیح ترین روایات کے مطابق ترسیٹھ ۶۳ سال تھی۔ آپ کی نو بیویاں تھیں۔ لیکن جتنا عرصہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ زندہ رہیں آپ نے دوسری شادی نہ کی۔ جب حضرت خاتون جنت نے ہجرت کے گیارھویں سال ماہ جمادی الآخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے پانچ ماہ بعد رحلت فرمائی، حضرت علیؓ نے آٹھ مزید عورتوں سے شادی کی۔ تمام بیویوں سے اٹھارہ لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک روایت کی رُو سے آپ کے بارہ لڑکے اور پندرہ لڑکیاں تھیں۔ آپ کے پانچ لڑکوں کی اولاد زندہ رہی باقی لاولد فوت ہوئے۔ ان پانچ لڑکوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ (۱) حضرت امام حسنؓ (۲) حضرت امام حسینؓ (۳) محمد حنیفہؒ (۴) عمرؒ (۵) عباسؓ۔ حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ حضرت فاطمہؓ کے بطن میں سے تھے۔ اور محمد اکبر معروف محمد حنیفہؒ اسماء بنت عمیس الحنیفہ کے بطن سے، عمرؒ خولہ بنت جعفر بن قیس بن سلمہ اور عباسؓ ام البنین بنت خزام بن خالد بن جعفر بن ربیعہ کلابی جو کہ قبیلہ قریش کے سرداروں میں سے تھے، کے بطن سے پیدا ہوئے اس حقیر فقیر عبدالرحمن چشتیؒ اس کتاب کے مصنف کا سلسلہ نصب حضرت عباس ابن حضرت علیؓ سے جا ملتا ہے۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس پاک خاندان کے وسیلہ سے مجھے محفوظ رکھ کر میری عاقبت محمود فرمادیں۔ اہل بیت کے حالات میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ اپنی کتاب خزانہ جلالی میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اپنی کتاب اعلام الہدیٰ وعقیدہ ارباب التقیٰ میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ اور

ان کی تمام اولاد سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں چنانچہ حدیث صحیح اسی مضمون پر ناطق ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المشکوٰۃ ان اللہ جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ وجعل ذریتی فی صلب علی ابن ابی طالب۔

(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد کو اس کی پشت سے پیدا کیا لیکن میری اولاد علی کرم اللہ وجہہ کی پشت میں رکھی ہے) صاحب کشف المحجوب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ ہیں جو ازلی طہارت سے مخصوص ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اس میدان میں مرد کامل اور اس طائفہ کا رہبر اعلیٰ تھا۔

حضرت شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانیؒ چہل مجلس میں اپنے مریدین کو وصیت کرتے ہیں کہ تم کو چاہیئے کہ ائمہ اہل بیت کی بے حد تعظیم کرو اور ان کے حق میں عام اہل سنت وجماعت کے لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو دروغگو رافضیوں کی مبالغہ گوئی سے تنگ آکر یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، حضرت بایزید بسطامی اور حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ ائمہ اہل بیت سے زیادہ بزرگ تھے۔ وہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ امام ابو حنیفہؒ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور امام شافعیؒ کو اہل بیت کی مدحت پر ناز تھا۔ چنانچہ تذکرۃ الاولیا کے مقدمہ میں ان سے ایک شعر نقل کیا گیا ہے اور حضرت بایزید بسطامیؒ اور خواجہ جنید بغدادیؒ کا یہ حال تھا کہ اگر اہل بیت کے قدموں کی خاک ان کو ملتی تو آنکھوں کا سرمہ بناتے تھے۔ ائمہ اہل بیت کے مراتب اس قدر بلند ہیں کہ زبان بیان کرنے سے قاصر ہے تمام عارفین نے اپنی تصنیفات میں ان کی مدحت سرائی کی ہے۔ چنانچہ مولانا رومؒ کے دیوان میں سے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں ؎

۱۔ اے شاہ شاہان جہاں واللہ مولانا علیؓ ۔ اے نور چشم عاشقان واللہ مولانا علیؓ

۲۔ حمد است گفتن نام تو اے تو فرخ نور تو ۔ خورشید و مہ ہندوئے تو واللہ مولانا علیؓ

۳۔ اے نور چشم انبیا احمد کہ بُد بدر دُجیٰ۔ میگفت در قرب دنیٰ واللہ مولانا علی
۴۔ قاضی و شیخ و محتسب دارند بدل بغض علی۔ ہر سہ شدند از دین بری واللہ مولانا علی
۵۔ گر مقتدائے جاہلے گردست در دین جاہلی۔ تو مقتدائے کاملی واللہ مولانا علی
۶۔ شاہم علی مرتضیٰ بعدش حسنؑ نجم السما۔ خوانم حسینؑ کربلا واللہ مولانا علی
۷۔ آں آدم آل عباد دانم علی زین العباد۔ ہم باقر و صادق گواہ مولانا علی
۸۔ موسئے کاظم ہفتمین باشد امام راہنما۔ گویدعلی موسیٰ رضا واللہ مولانا علی
۹۔ سوئے تقی و ہم نقی در مہدا مہدی بجواں۔ با عسکری راز ے بگو واللہ مولانا علی
۱۰۔ مہدی سوارے آخرین بر جسم بکشاید کمیں۔ خارج رود زیر زمین واللہ مولانا علی
۱۱۔ دیو و پری و اہرمن اولادِ آدم مرد و زن۔ دارند ایں سر در دین واللہ مولانا علی
۱۲۔ اقرار کن اظہار کن مولائے رومی ایں سخن۔ ہر لحظہ سرے من لدن واللہ مولانا علی
۱۳۔ اے شمس تبریزی بیا بر ما بکن جور و جفا۔ رُخ را بہ مولانا نما واللہ مولانا علی

ترجمہ (۱۔ تمام بادشاہوں کے بادشاہ خدا کی قسم مولانا علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور عاشقوں کی آنکھوں کا نور واللہ مولانا علی ہیں۔

۲۔ تیرا نام لینا احمد ہے، تیرا نور مبارک نور ہے۔ سورج اور چاند تیرے غلام ہیں خدا کی قسم مولانا علی ہمارے آقا ہیں۔

۳۔ تمام انبیوں کی آنکھوں کے نور یعنی احمد مجتبیٰ جو سیاہ رات کی روشنی ہیں، شب معراج یہ کہہ رہے ہیں واللہ مولانا علی ہمارے آقا ہیں۔

۴۔ قاضی، شیخ اور محتسب (یہ دنیوی عہدے ہیں) میں سے جو بھی علیؓ سے بغض رکھتا ہے، دین سے دُور ہو جاتا ہے۔ خدا کی قسم مولانا علی ہمارے آقا ہیں

۵۔ اگر قوم کا راہنما جاہل ہے تو دین حق جاہل کے ہاتھ میں ہوتا ہے لیکن اے مولانا علی خدا کی قسم تو راہبر کامل ہے۔

۶۔ میرا بادشاہ علی مرتضیٰ ہے۔ اس کے بعد امام حسنؑ آسمانوں کا تارا ہے۔ پھر امام حسینؑ مالک کربلا ہے واللہ مولانا علی ہمارے آقا ہیں۔

۷۔ آل عبا یعنی نیک لوگوں کے آدم حضرت امام زین العابدینؓ ہیں اور اس پر حضرت امام باقرؒ اور امام صادقؒ گواہ ہیں۔

۸۔ امام موسیٰ کاظمؒ ہمارے راہبر ہیں۔ یہی فرماتے ہیں علی موسیٰ رضا والله مولانا علی ہمارے آقا ہیں۔

۹۔ امام تقیؒ اور امام نقیؒ جنھوں نے مہد (بچپن) میں عہد کیا، امام عسکری کیساتھ راز کی بات کرا ے مولانا علی ہمارے آقا ہیں۔

۱۰۔ امام مہدی سب سے آخری سوار ہوں گے جو دشمن پر وار کریں گے۔ اس سے تمام خارجی زمین میں دب جائیں گے۔

۱۱۔ دیو، پری، جن اور اولاد آدم مرد و زن سب یہی سخن زبان پر رکھتے ہیں والله مولانا علی ہمارے آقا ہیں۔

۱۲۔ اے مولانائے روم اس بات کو مان لے اور ظاہر کر کہ ہر لحظہ لدنی راز کا مظہر مولانا علی ہیں۔

۱۳۔ یہاں مولانا روم اپنے شیخ حضرت شمس الدین تبریزی کے فراق میں نوحہ کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اے شمس تبریزی اب آجا اور رحم پر بے شک سختی کر۔ ایک دفعہ اپنے غلام جسے لوگ "مولانا" کہتے ہیں کو منہ دکھلا جا۔

ذکر جگر بند مصطفےٰؐ ذ زہرؓ بزرگترین اولاد مرتضےٰ
صاحب الجود والسخا امام ابو محمد حسن مجتبےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ

ائمہ اہل بیت میں سے آپ دوسرے امام ہیں۔ آپ کی ولادت منگل کے دن پندرہ ماہ رمضان ۳ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود مبارک میں آپ کی پرورش ہوئی۔ اور اکثر اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سواری بن جاتے تھے اور ان کو اور امام حسینؓ کو سوار بنا لیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین خلائق یہ ہیں

اور ان کی دوستی باعث نجات ہے اور ان کے ساتھ دشمنی موجب ضلالت و گمراہی ہے۔ اور آنے والی حدیث نبوی کا اشارہ اسی راز کی طرف ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **اهل بیتی کمثل سفینة نوح۔**
[میرے اہل بیت کی مثال نوح کے سفینہ کی سی ہے] اور صاحب کشف المحجوب لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ کو طریقت کے حقائق و دقائق میں کمال حاصل تھا۔ اور عرفان میں آپ کا مقام بلند ہے چنانچہ آپ کا قول ہے کہ۔ **علیکم بحفظ السرائر فان الله مطلع علی الضمائر۔**
[یعنی تم پر اپنے قلب کی حفاظت ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ دل کے بھیدوں کو جاننے والا ہے] اس کا مطلب یہ ہے دل میں خطرات و وساوس اور عقائد بد کو نہیں گھسنے دینا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تمہارے قلوب کی کیفیت مخفی نہیں ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ بندہ کے کوائف قلبی کی حفاظت کی اتنی ضرورت ہے جتنی کہ ان کے حفظ اظہار کی ہے۔ حفظ اسرار کا مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کے خیال سے دل کو محفوظ رکھا جائے اور حفظ اظہار کا مقصد یہ ہے کہ عقائد کے اظہار میں اللہ کی مخالفت نہ ہو۔ [یعنی صحیح اسلامی عقائد کے سوائے منہ سے اور کچھ نہ نکلے] کشف المحجوب میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب قدرتی فرقہ کے لوگوں نے غلبہ حاصل کر لیا اور معتزلہ عقائد دنیا میں پھیلنے لگے تو حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں ایک عربی خط لکھا اور وہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اے ابن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اما بعد! پس آپ بنو ہاشم مثل چلنے والی کشتی کے گہرے سمندر میں اور ستارگان کی طرح راہ دکھانے والے ہیں (اندھیرے میں)، لوگوں کو ہدایت دینے والے اور خلق کے امام ہیں۔ جو کوئی آپ کی متابعت کرتا ہے ہدایت پاتا ہے جس طرح کہ لوگوں نے کشتی نوح میں بیٹھ کر

نجات حاصل کی۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے آپ کا قدر و جبر کے متعلق کیا حکم ہے تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ کی روش اس معاملہ میں کیا ہے۔ آپ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں، آپ کا علم خدا کا علم ہے۔ اللہ آپ کا محافظ ہے اور آپ خلق خدا کے محافظ ہیں۔ جب یہ خط ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے یہ جواب لکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اما بعد۔ فقد انتھی الیٰ کتابک عند حیرتک من زعمت بمن امتنا والذی علیہ رای ان من لم یؤمن بالقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ فقد کفر ومن حمل المعاصی علی اللہ فقد فجر ان اللہ لا یطاع باکراہ ولا یعصی بغلبہ ولا یھمل العباد ملک لکنہ لمالک ملکھم والقادر علی ما علیہ قدرھم فان ائتمو بالطاعتہ لم یبن بھم صادا ولاھم عنھا شیطاوان اتوا بالمعصیۃ وشاء ان یمن علیھم فیحول بینھم وبینھا فعل وان لم یفعل فلیس ھو حملھم علیھا اجبارا او اکراہ ایاھا والزمھم باحتجاجہ علیھم ان عرفھم ومکنھم وجعل لھم السبیل الیٰ اخذ ما دعاھم اللہ وترک بانھاھم عنہ وغتہ الحجہ البالغہ والسلام۔

[یعنی آپ نے اپنی حیرت کے متعلق لکھا ہے اور ہماری امت کے متعلق اور مسئلہ قدر کے متعلق میری رائے دریافت کی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ جو شخص خیر و شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں سمجھتا کافر ہے اور جو شخص گناہ کو اللہ کے ساتھ منسوب کرتا ہے فاجر ہے۔ یعنی تقدیر کا انکار مذہب قدر ہے اور گناہ کو اللہ کے ساتھ منسوب کرنا مذہب جبر ہے۔ پس بندہ اپنے فعل میں اس قدر مختار ہے جس قدر اللہ عزوجل نے اسے استطاعت دی ہے اور ہمارا

دین قدر و جبر کے درمیان ہے یعنی تمام خیر و شر تقدیر حق تعالیٰ ہے لیکن تیرے اختیار کی وجہ سے موجود ہو جاتا ہے]

اور میری مراد اس خط سے اس سے قبل صرف ایک کلمہ تھا لیکن میں نے پورا خط نقل کیا ہے، کیونکہ نہایت فصیح اور عمدہ تھا۔ کشف المحجوب میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سب اس لئے نقل کیا ہے کہ خط لکھنے والے ابن علیؓ ہیں جو علم حقائق و احوال میں اس قدر بلند درجہ رکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ ہر اک علوم میں آپ کی متابعت کرتے تھے۔ انھوں نے یہ حکایت بھی نقل کی ہے کہ امام حسنؓ اپنے مکان کے دروازے پر تشریف رکھتے تھے کہ جنگل سے ایک اعرابی (دیہاتی) آیا اور ان کو گالیاں دینے لگا کہ تو ایسا ہے تیرا باپ ایسا ہے تیری ماں ایسی ہے۔ آپ نے اٹھ کر دریافت کیا کہ اے اعرابی کیا تم بھوکے ہو۔ یا تمھیں کوئی اور تکلیف ہے لیکن وہ اسی طرح گالیاں دیتا رہا۔ حضرت امام حسنؓ نے اپنے نوکر سے فرمایا کہ سونے چاندی کا ایک تھیلا لا کر اس کو دے دو۔ جب نوکر نے تھیلا دے دیا تو آپ نے فرمایا، اے اعرابی معاف کرنا کیونکہ آج ہمارے گھر میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے اور تجھ سے کچھ چھپا کر نہیں رکھا۔ جب اعرابی نے یہ بات سُنی تو فوراً بول اٹھا، اشھد انک ابن رسول اللہ۔ [میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں] میں اس جگہ آپ کا علم آزمانے آیا تھا کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ خلق کی مدح و ذم [تعریف اور مذمت] آپ حضرات کے نزدیک یکساں ہے۔ آپ کے کمالات اور خوارق عادات بے شمار ہیں، جن کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔

الغرض جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جام شہادت نوش فرمایا تو دوسرے دن ماہ رمضان ۴۰ھ میں امیر المومنین حضرت امام حسنؓ اپنے والد بزرگوار کی مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ چالیس ہزار آدمیوں نے آپ سے بیعت کی۔ اس کے بعد انھوں نے قیس بن سعد بن عبادہ کو بارہ ہزار لشکر دے کر امیر معاویہؓ

کے مقابلہ کے لئے شام کی طرف روانہ کیا۔ اور خود مداین میں کسریٰ نوشیروان کے محل میں قیام فرمایا۔ آپ خلافت کے معاملات چھ ماہ تک انجام دیتے رہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ۔ **الخلافت من بعدی ثلثون سنۃ ثم یصیر ملکا عضوضا۔** [خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی۔ اس کے بعد ملوکیت ..... ہو جائے گی] اس میں سے انتیس سال چھ ماہ کی مدت تک پہلے چار خلفا کرام حکمران رہے۔ باقی چھ ماہ حضرت امام حسنؓ نے پورے کئے جب آپ نے دیکھا کہ امیر معاویہؓ طلب حکومت میں بے اختیار ہیں اور اس معاملے میں مسلمانوں کا خون بہے گا، آپ نے حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کر کے حکومت ان کے حوالہ کر دی۔ اور خود مدینہ منورہ میں گوشہ نشین ہو کر مشغول بحق ہو گئے۔ تاریخ طبری اور خزانۂ جلالی میں لکھا ہے کہ اس سے بھی امیر معاویہؓ کے دل کی تسکین نہ ہوئی اور امام حسنؓ کی جان کے پیچھے پڑے رہے۔ آخر کار انھوں نے اسما بنت اشعب زوجۂ امام حسنؓ کو بڑے بڑے انعامات کا لالچ دے کر ان کے قتل پر آمادہ کر لیا اور اس ناقص العقل اور ناقص الدین نے آپ کو زہر دے دی جب حضرت امام حسنؓ نے دیکھا کہ میری زندگی تمام ہو چکی ہے۔ حضرت امام حسینؓ کو اپنے پاس بلا کر خلافت و امامت کی امانت ان کے سپرد کر دی اور اٹھائیس صفر ۵۰ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کی عمر شریف سینتالیس۴۷ سال اور مدت خلافت چھ ماہ تھی۔ آپ کے دس لڑکے اور چھ لڑکیاں تھیں، اس کا مفصل ذکر روضۃ الصفا میں ہے۔ حضرت امام حسنؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ نے دس سال حکومت کی اور پندرہ رجب ۶۰ھ میں طاعون کی مرض میں مبتلا ہو کر دمشق میں رحلت فرمائی ان کی ولادت بعثت نبوی سے پانچ سال پہلے ہوئی اور ہجرت سے آٹھ سال بعد مشرف باسلام ہوئے حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں حاکم مصر مقرر ہوئے اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوران میں بیس سال حکومت کی۔ اس کے بعد دس سال حضرت علیؓ کی کوفہ سے مراجعت کے بعد حکومت کی،

ایک روایت کے مطابق ان کی عمر اٹھاسی سال تھی اور دوسری روایت کے مطابق پچاسی سال۔ ان کے وزیر ان کا لڑکا یزید لعین اور ابو منصور رومی تھے۔ ان کے تین لڑکے تھے۔ ان میں سے حکومت انھوں نے یزید کے سپرد کی۔ حضرت معاویہؓ کی حکومت کے زمانے میں حضرت علیؓ کے غلام قنبر نے نیشاپور میں ۴۳ھ میں وفات پائی اور اسی جگہ دفن ہوا۔ ۵۹ھ میں حضرت ابو ہریرہ بن عبدالرحمٰن الروسی محدث نے رحلت کی۔ آپ کی عمر ستتر سال تھی۔ جنگ صفین کے دوران میں آپ کھانا حضرت معاویہؓ کے دستر خوان پر کھاتے تھے اور پانچوں وقت نماز حضرت علیؓ کے پیچھے پڑھتے تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ کھانا حضرت معاویہ کا مزے دار ہے اور نماز حضرت علیؓ کی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ذکر آں شمع خاندانِ مصطفوی آں وارثِ شجاعت و سخاوت مرتضوی

آں غریقِ عشق و بلا امام ابو عبداللہ حسین شہید کربلا بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ

آپ ائمہ اہل بیت میں سے تیسرے امام ہیں۔ آپ کی ولادت منگل کے دن ماہ شعبان ۴ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ شش ماہے تھے اور یہ ان کی اور حضرت یحییٰ بن حضرت ذکریا علیہ السلام کی خاصیت تھی۔ کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ طریقت میں آپ کا کلام بہت لطیف ہے۔ آپ سے بہت اسرار و رموز کی باتیں اور عجیب و غریب معاملات منقول ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ۔ اشفق الاخوان علیکم دینکم [تمہارا شفیق ترین بھائی تمہارا دین ہے] انسان کی نجات دین میں ہے۔ اور اس کی ہلاکت دین کی مخالفت میں۔ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ کمال بندگی کیا ہے۔ فرمایا بندگی کا کمال یہ ہے کہ آدمی اپنے اختیار کو ترک کر دے۔ یعنی ذات حق میں اس قدر غرق ہو کہ اپنے آپ کو نہ دیکھے یہ بھی کشف المحجوب میں ہے کہ ایک دن ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اے ابن رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مفلس ہوں اور میرے بہت سے

بال بچے ہیں مجھے گزر اوقات چاہیئے۔ حضرت امام حسینؓ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ کیونکہ ہمارا رزق راستے میں ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کسی نے دینار کے پانچ تھیلے آپکی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے وہ پانچوں تھیلے اس کو دے دیئے اور معذرت کی کہ ہم اہل بلا ہیں اور دنیا کی تمام راحتوں سے ہم نے کنارہ کشی کی ہوئی ہے ہم نے اپنی مرادوں کو کوتاہ کر کے دوسروں کی مراد برآری کے لیئے زندگی وقف کر رکھی ہے۔ آپ کے کمالات اور خوارق عادات بہت مشہور تھے اور کسی سے پوشیدہ نہ تھے۔ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ جب امیر معاویہ نے وفات پائی تو ان کی وصیت کے مطابق یزید بن معاویہ مسند خلافت پر بیٹھا۔ تمام اہل شام نے اس کی بیعت کی۔ اس نے تمام سرحدوں کی طرف خطوط لکھے۔ پہلا خط اس نے ولید بن عتبہ کو جو اس کے باپ کی طرف سے حاکم مدینہ تھا لکھا جس میں یہ حکم دیا کہ چار شخصوں سے میرے لیئے بیعت حاصل کرو۔ یعنی عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ، عبداللہ بن عمر فاروقؓ عبداللہ بن زبیرؓ، حسین بن علی کرم اللہ وجہہ۔ اگر بیعت کرلیں تو بہتر ورنہ ان سے بنا کر رکھو۔ جب ولید کے پاس خط پہنچا تو اس سے مروان بن حکم کے ساتھ مشورہ کر کے ان چاروں مستحقین خلافت کو یزید کی بیعت کی دعوت دی۔ جب یہ حضرات امیر معاویہؓ کی حکومت سے راضی نہ تھے یزید سے کس طرح بیعت کرتے۔ اس لئے کہ خواہ مخواہ شر پیدا نہ ہو۔ وہ سب مکہ معظمہ چلے گئے۔ جب یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت امام حسینؓ وغیرہ نے یزید کی بیعت قبول نہیں کی اور مکہ معظمہ چلے گئے ہیں تو کوفہ کے لوگ اس خبر سے خوش ہوئے اور امام حسینؓ کی خدمت میں محضر نامہ لکھ کر قاصدوں کے ذریعہ ان کے پاس بھیجا کہ آپ اٹھیں اور اپنا حق سنبھالیں تاکہ ہم اپنی جانیں آپ کی خاطر قربان کریں۔ کوئی بارہ ہزار آدمیوں نے متفق ہو کر یہ پیغام بھیجا۔ یہ خبر سن کر امام حسین بہت خوش ہوئے اور اپنا سارا کنبہ لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے بہت سمجھایا کہ کوفہ کے لوگ بہت بے وفا ہیں ان پر اعتبار نہ کریں اور اپنے بال بچے ساتھ نہ لے جائیں

اگر اہل کوفہ آپ کے وفادار ہیں تو انھوں نے یزید کو کوفہ سے باہر کیوں نہ نکال دیا لیکن حضرت عبداللہ ابن عباس کی نصیحت کارگر نہ ہوئی اور امام حسین اپنے ہمراہ چالیس سوار اور ایک سو پیادہ لے کر مکہ سے روانہ ہوئے۔ یزید کے خیرخواہوں نے یہ خبر اس کو پہنچادی۔ جس سے وہ سانپ کی طرح پیچ وتاب کھانے لگا اور عبیداللہ بن زیاد کو خط لکھا کہ بصرہ سے لشکر جمع کر کے امام حسینؓ کو راستے میں جا کر ملو۔ اگر میری بعیت قبول کریں تو بہتر ورنہ ان کو ان کے تمام خیرخواہوں سمیت قتل کر دو۔ عبیداللہ بن زیاد نے عمرو بن سعد کو چار ہزار فوج دے کر امام صاحب کے قتل کرنے کے لیئے روانہ کیا۔ وہ لشکر لے کر صحرا میں روانہ ہو گیا۔ محرم کی پہلی تاریخ کو حضرت امام حسینؓ نے قادسیہ سے تین میل دور پڑاؤ کیا۔ عمر بن سعد نے ایک آدمی آگے بھیجا کہ لشکر کے لئے کیمپ کی جگہ تلاش کیجئے۔ وہ جب قادسیہ سے تین میل کے فاصلہ پر پہنچا تو حضرت امام حسینؓ کو دیکھا اور پوچھا کہ اے مسلمانوں کے امام آپ کہاں جانا چاہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ کوفہ جارہا ہوں۔ اس نے کہا آپ واپس جائیں کیونکہ عمر بن سعد چار ہزار لشکر کے ساتھ پہنچ چکا ہے اور اس نے مسلم بن عقیل جسے آپ نے پہلے کوفہ بھیجا تھا کو قتل کر دیا ہے امام عالی مقام وہاں سے کوچ کر کے کربلا کے صحرا میں پہنچ گئے اور وہاں قیام کیا۔ عمر بن سعد پیچھے کی طرف سے پہنچ گیا۔ کوفہ کے لوگوں نے بے وفائی کی۔ اور اس کے ساتھ مل کر دریائے فرات کا پانی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت پر بند کر دیا تاکہ پیاسے مر جائیں۔ گفت وشنید میں ایک ہفتہ گزر گیا جمعہ کے دن دس محرم ۶۱ھ کو جنگ چھڑ گئی۔ حضرت امام صاحب اپنے تمام بھائیوں اور بیٹوں کے ساتھ پیاسے جنگ میں مشغول ہو گئے۔ آخر اسی روز پانچ بھائیوں، تین بیٹوں اور اسی جانثاروں سمیت شہید ہو گئے۔ آپ کا سر مبارک کاٹ کر یزید لعین کے پاس لے گئے۔ آپ کی عمر اٹھاون سال اور دوسری روایت کے مطابق ستاون سال تین ماہ اور دو دن تھی۔ آپ کے چار بیٹے اور

دو بیٹیاں تھیں۔ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ تمام شہدا تین دن تک میدان کربلا میں پڑے رہے۔ اس کے بعد قبیلہ بنی اسد کے لوگوں نے آکر امام حسین کو دفن کیا۔ اور علی اکبر بن حسینؓ کو ان کی پائنتی میں دفن کیا۔ باقی شہدا کو بھی انھوں نے ایک جگہ اکٹھا کر کے دفن کر دیا حضرت عباس بن علی کرم اللہ وجہہ امام حسینؓ کی زندگی میں چند ساعت پہلے بہادری کے جوہر دکھا کر شہید ہو گئے تھے ان کو علیحدہ جگہ سڑک کے کنارے دفن کیا گیا۔ وہ امام حسین کے محبوب ترین بھائی اور ان کی فوج کے علمبردار تھے، جب عباسؓ شہید ہوئے تو امام حسین نے فرمایا، اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے اور مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی الغرض تمام اہل بیت یکبارگی چل بسے سوائے زین العابدین بن حسینؓ کے جو خیمے میں مریض تھے۔ امام حسینؓ نے خلافت اور امامت کی امانت ان کے سپرد کی اور جان جاں پرور کے حوالہ کر دی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بیٹوں میں سے محمد حنیفہ اور عمر جو اس وقت امام حسین کے ساتھ نہ تھے زندہ رہ گئے حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ میں مجتہدان امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر حیران ہوں کہ امت کے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں کو بے گناہ قتل کر دیا اور پھر بھی ان کی مسلمانی باقی رہ گئی۔ ہمارے خواجگان چشت کے ملفوظات میں اکثر جگہ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر اور دیگر خواجگان نے یہی فرمایا ہے کہ اے کافرو! تم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندان کو کیوں بے پناہ قتل کیا۔ حضرت مخدوم جہانیاں شیخ جلال الدین بخاری قدس سرہٗ اپنی کتاب خزانہ جلالی کے سترھویں باب میں لکھتے ہیں کہ سلاطین بنی امیہ نے فرزندان رسول اللہ صلعم کو قتل کیا۔ اور حضرت علیؓ حسنؓ اور حسینؓ پر لعنت بھیجتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت پر قسم قسم کے مظالم ڈھاتے تھے پس میں ان کو دشمن جانتا ہوں اور ان کو مسلمان نہیں کہتا بلکہ منافقوں میں شمار کرتا ہوں۔ الغرض خزانہ جلالی میں بہت چیزیں مفصل درج ہیں لیکن اس مختصر

سی کتاب میں ان کی گنجائش نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔
[اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے]

امام حسین کی شہادت کے بعد یزید شرب دوام (ہمیشہ شراب خوری) میں
مبتلا ہو گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا میں دین محمدی سے بیزار
ہوں اور عیسیٰ بن مریم کے مذہب میں داخل ہو گیا ہوں اور منتخب التواریخ میں
لکھا ہے کہ چار ربیع الآخر ۶۴ھ کو رقص و مستی کی حالت میں چھت سے گرا جس سے
اس کا مغز پھٹ گیا اور مر گیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ رقص و مستی کی حالت میں
شکار کو گیا اور گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو گیا۔ وہ ہجرت کے چھبیسویں یا بائیسویں
سال پیدا ہوا۔ اس کی حکومت تین سال اور آٹھ ماہ رہی۔ اس کا مدفن دمشق کے
قریب قصبہ حوارین میں ہے۔ اسی کے زمانے میں یعنی ۶۳ھ میں حضرت عبداللہ
بن عمر کا مکہ میں انتقال ہوا۔ یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ بن یزید تخت پر بیٹھا
چالیسویں دن ممبر پر آیا اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ میرے باپ نے
اہل بیت پر ظلم کیا ہے۔ خلافت ان کا حق تھا، میں اس سے دست بردار ہوتا ہوں
یہ دیکھ کر تمام بنی امیہ کے لوگ اس غریب تائب شدہ مسلمان (معاویہ بن یزید)
کے خلاف متفق ہو گئے اور اسے زہر دے کر مار دیا۔ اور اس کی جگہ مروان بن حکم
کو تخت پر بٹھایا۔ مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کو مردود قرار
دے دیا تھا۔ ۶۵ھ ہجری میں مروان نے یزید کی بیوی سے نکاح کر لیا تھا کسی
وجہ سے وہ نئے خاوند سے ناراض ہو گئی اور اسے قتل کرا ڈالا۔ اس کے بعد
عبدالملک بن مروان تخت پر بیٹھا۔ اور اسی کے زمانے میں مختار نے محمد حنیفہ بن
حضرت علیؓ کی طرف سے امام حسینؓ کے خون کا بدلہ لینے کی غرض سے بنی امیہ کے
خلاف جہاد شروع کیا۔ اس نے عہد کیا کہ انشاء اللہ بنی امیہ اور ان کے معاونین کا اسی
طرح خون بہاؤں گا جس طرح بخت نصر نے یہودیوں کا خون بہایا۔ پس اس نے
لوگوں سے کہا کہ میں محمد حنیفہ بن علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے آیا ہوں اور ان کے

لئے تم سے بیعت لیتا ہوں۔ یہ سن کر تمام اہل کوفہ نے اس کے ساتھ بیعت کی
ابراہیم بن مالک اشتر [یاد رہے کہ مالک اشتر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے معاونین
میں سے تھے اور جنگ جمل وصفین میں اس نے اپنی بہادری کے خوب جوہر دکھائے]
بھی اپنی کثیر جماعت کے ساتھ مختار سے متفق ہو گیا اور ہزاروں آدمیوں کا عظیم لشکر
بنا کر مخالفین کو قتل کرنا شروع کر دیا اور امام حسینؓ کے شہید کرنے والوں میں سے کوئی
نہ چھوڑا۔ اس کے بعد انھوں نے اہل بیت کی دوستی میں اپنی جان بھی نثار کر دی۔
مختار کا خروج (جہاد) پنجشنبہ (جمعرات) کی رات ماہ ربیع الاول ۶۶ھ شروع ہوا
ابوالقاسم محمد حنیفہ بن علی اپنے علم و فضل اور فضل و شجاعت کی وجہ سے بہت مشہور
و معروف تھے۔ چنانچہ ان کے کمالات کتب تاریخ میں مفصل درج ہیں۔ امام حسینؓ کی
شہادت کے دن سے انھوں نے کسی کام کو ہاتھ نہ لگایا حرمین شریفین کا طواف کیا
کرتے تھے اور ہمیشہ گوشہ عزلت میں ذکر الٰہی میں مشغول رہا کرتے تھے۔ عبدالملک
بن مروان کے زمانے میں ۸۱ھ میں ان کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ آپ ۱۶ھ
میں پیدا ہوئے تھے۔

عبدالملک کے زمانے یعنی ۷۳ھ میں حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیرؓ
کو مکہ معظمہ میں قتل کیا اور خانہ کعبہ پر گولہ باری کی۔ ۶۸ھ میں عدی بن حاتم طائی نے
کہ جس کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور جو جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کے ہمراہ لڑا تھا مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی عبدالملک
کے زمانے میں ۶۸ھ میں اکتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ الغرض ان بزرگان کی وفات
کے بعد سلاطین بنی امیہ بے خوف ہو گئے۔ جس طرح کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام
کی پہلی ہجرت کے بعد بے خوف تھا۔ پس انھوں نے دست ظلم دراز کیا۔ الغرض
تمام بنی امیہ بن حضرت امیر معاویہؓ سے مروان بن محمد تک چودہ آدمیوں نے تقریباً ایک
سو سال حکومت کی۔ اور اہل بیت پر قسم قسم کے مظالم ڈھاتے رہے۔ اس کے بعد
تائید ایزدی سے جمعہ کے دن ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن

علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب نے بنی امیہ کے خلاف خروج کیا اور ابو مسلم خراسانی کی امداد سے جمعہ کے دن تاریخ مذکور کو مسند خلافت پر متمکن ہوا۔ حضرت امام حسینؓ اور تمام اہل بیت کے خون کا بدلہ لینے کی خاطر بنی عباس نے سیاہ کپڑے پہن لئے، اور سیاہ جھنڈے بلند کر کے بے شمار لشکر جمع کیا اور بنی امیہ کے درپے ہو گئے۔ محمد بن مروان نے جو بنی امیہ کا آخری حکمران تھا ان کے ساتھ جنگ کی لیکن اپنے تمام لشکر اور قبیلہ سمیت مارا گیا۔ اس کی تفصیل تاریخ طبری اور روضۃ الصفا میں موجود ہے۔

حاصل کلام یہ کہ محمد بن مروان کے قتل کے بعد ابوالعباس عبداللہ نے حکم عام دے دیا کہ تمام ممالک اور تمام شہروں میں جہاں بنی امیہ اور ان کے معاذین ملیں بلا سوال و جواب انہیں قتل کر دیا جائے۔ پس اس قوم میں سے کوئی فرد زندہ نہ بچا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ بنی امیہ کی تمام قبروں کو کھود کر ان کی ہڈیوں کو جلا دیا جائے تاکہ اس قوم کا کوئی نشان باقی نہ رہ جائے۔ پس انھوں نے حضرت معاویہ، یزید اور دیگر لوگوں کی قبروں کو کھودا، ان کی ہڈیوں کو جلایا اور قبروں کو مسمار کر دیا اور ان کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑا۔ اس کے بعد بنی عباس سلطنت کے امور میں مشغول ہو گئے اس زمانے میں صوفیائے کرام کو حیرت اور سکوت کے سوائے اور کسی چیز کے ساتھ سروکار نہ تھا۔ ان معاملات کے باوجود اکثر علمائے امت بنی عباس کی خلافت کے جواز میں متفق ہیں اور تمام خلفائے بنی عباس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین مانتے ہیں۔ علمائے وقت نے دیگر سلاطین مثل سلطان محمود غزنوی اور سلطان سنجر سلجوقی جو خلفائے بنی عباس کے ہم عصر تھے کے حق میں یہ فتویٰ دیا کہ پہلے خلفائے بنی عباس سے خلافت حاصل کریں اور پھر ان کی نیابت میں حکومت کریں۔ چنانچہ پانچ سو سے زائد عرصہ تک اسلامی ممالک کے تمام حکمران اسی طرح کرتے رہے حتیٰ کہ ہلاکو خان پسر چنگیز خان نے بغداد پر حملہ کیا اور ۶۵۶ھ میں خلیفہ بغداد ابو احمد عبداللہ بن مستنصر مستعصم باللہ کو اس کے اہل و عیال سمیت تہ تیغ کر ڈالا اور شہر بغداد اور اس کے نواحی علاقوں کو جلا کر خاک کر ڈالا۔ خلفائے بنی عباس نے جن کی تعداد سنتیس

تھی کل پانچ سو بیس سال چار ماہ حکومت کی۔

ذکرِ آں یادگارِ نبوت، آں پروردہ صفوت آں پیشوائے دین

امام علی زین العابدین بن امام حسین ابن علی کرم اللہ وجہہ

آپ ائمہ اہل بیت میں سے چوتھے امام تھے۔ آپ کی والدہ شہربانو بنت یزد جرد بن شہریار بن خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیروان تھیں۔ روضۃ الصفا اور حبیب السیر میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانے میں یزدجرد کی تین لڑکیاں گرفتار ہوئی تھیں۔ یہ تینوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لے لیں۔ اس وجہ سے کہ یہ سلاطین عجم کی بیٹیاں ہیں۔ ان کو فروخت کرنا مناسب نہیں۔ پس انھوں نے ایک کو اپنے بیٹے امام حسینؓ کو بخشا۔ جن کے بطن میں سے امام زین العابدین پیدا ہوئے ایک کو حضرت محمد بن ابوبکرؓ کو دیا جن کے بطن سے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ تیسری کو عبداللہ بن عمرؓ کو مرحمت کیا۔ جن کے بطن سے سالم پیدا ہوئے۔ پس علی بن حسینؓ قاسم بن محمد بن ابوبکر اور سالم بن عبداللہ بن عمرؓ آپس میں خالہ زاد بھائی تھے اور ان تینوں حضرات کی بے شمار اولاد ہوئی۔ امام زین العابدینؓ کی ولادت جمعہ کے دن پندرہ ماہ جمادی الآخر اور دوسری روایت کے مطابق ماہ شعبان ۳۸ھ میں واقع ہوئی۔ آپ کا اسم شریف علی تھا اور کنیت ابو محمد اور ابوالقاسم تھی۔ آپ کے القاب زین العابدین، زکی اور امین ہیں۔ آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے وقت دو سال کے تھے اور واقعہ کربلا کے وقت آپ کی عمر تیئیس سال تھی۔ آپ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد مسند امامت پر بیٹھے۔ محمد حنیفہ بن علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی خلافت کے بارے میں اختلاف کیا۔ امام زین العابدینؓ نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ ہم خانہ کعبہ میں حجر اسود کے نزدیک چلیں اور اس سے پوچھیں کہ امام زماں کون ہے تاکہ حقیقت حال دونوں پر واضح ہو جائے۔ پس دونوں نے حجر اسود کے پاس جا کر یہی سوال کیا۔ حجر اسود حرکت میں آیا اور فصیح زبان سے کہنے لگا کہ امامت حسین بن علیؓ کے

بعد علی بن حسینؓ کو پہنچی ہے اور امام زمان زین العابدین ہیں۔ محمد حنیفہ یہ کرامت دیکھ کر امام زین العابدین کی امامت کے قائل ہو گئے اور ان کی محبت ان کے دل میں قوی ہو گئی۔ آپ کی کرامات اور خوارق عادات اس قدر زیادہ ہیں کہ جن کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔ تمام امت پر ظاہر ہے کہ علم وعمل نبوی کے وارث اور متصرف ولایت مطلق مرتضویؓ آپ ہیں۔ آپ کا وصال منگل کے دن اٹھارہ ماہ محرم ۹۵ھ ولید بن عبدالملک بن مروان کے زمانہ خلافت میں ہوا اور جنت البقیع میں حضرت امام حسنؓ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی عمر ستاون سال تھی۔ آپ کی امامت کی مدت چوبیس سال تھی اکثر مورخین کا خیال یہ ہے کہ ولید بن عبدالملک نے اس امام معصوم کو زہر دی۔ آپ کے گیارہ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں۔

ذکرِ عالم مصطفویؐ وارثِ ولایتِ مرتضوی پیشوائے اہلِ یقین

امام محمد باقر بن امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

آپ ائمہ اہل بیت میں سے پانچویں امام ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت حضرت امام حسنؓ تھیں۔ آپ کی ولادت جمعہ کے دن تین ماہ صفر اور دوسری روایت کے مطابق یکم ماہ رجب ۵۷ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کا اسم شریف محمد اور کنیت ابوجعفر اور القاب باقر و شاکر اور ہادی تھے۔ امام حسین کی شہادت کے وقت آپ کی عمر تین سال تھی اور اپنے والد ماجد امام زین العابدین کی وفات کے وقت آپ کی عمر اڑتیس ۳۸ سال تھی کہ مسند امامت پر متمکن ہوئے۔ حبیب السیر میں لکھا ہے کہ ایک دن حبابہ حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ ہمارے پاس دیر سے کیوں آئی ہو۔ حبابہ نے کہا کہ میرے سر پر مرض برص کی وجہ سے سفیدی ہو گئی ہے اس سے میری خاطر ملول رہتی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے دکھاؤ۔ حبابہ نے سفید داغ دکھایا۔ حضرت امام نے اس نشان پر ہاتھ پھیرا جس سے وہ اپنے اصلی رنگ میں آگیا اور تمام بال بھی سیاہ ہو گئے۔ آپ کے کمالات اور خوارق

عادات اکثر کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔ آپ امام برحق، جانشین پیغمبر علیہ السلام اور کلید حقائق و معارف تھے۔ سوموار کے دن ساتویں ماہ ذی الحجہ ۱۱۴ھ کو ہشام بن عبدالملک کے عہد حکومت میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی عمر ستاون سال تھی۔ آپ کی امامت کی مدت انیس سال تھی۔ آپ کا مدفن جنت البقیع میں امام زین العابدین کے مزار کے پاس ہے۔ آپ کے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ چھ بیٹے اور ایک دختر تھیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

ذکر آں سر حلقۂ اہل کمال، آں امام مشاہد ذو الجلال رضی اللہ عنہ
آں طبیب جمیع امراض ظاہر و باطن امام ابو عبداللہ جعفر بن محمد الصادق

آپ ائمہ اہل بیت میں سے چھٹے امام تھے۔ آپ شش جہات عالم میں ازروئے حقیقت متصرف تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق تھیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ہفتہ یا اتوار کے دن سترہ ماہ ربیع الاول ۸۳ھ میں ہوئی۔ آپ کا اسم مبارک امام جعفر، کنیت ابو عبداللہ، ابو اسماعیل اور آپ کے القاب صادق، صابر اور فاضل تھے۔ آپ کی عمر اپنے دادا امام زین العابدینؓ کی وفات کے وقت پندرہ سال تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق بارہ سال تھی۔ آپ کی عمر اپنے والد ماجد امام محمد باقرؓ کے وصال کے وقت چونتیس سال تھی۔ ایک روایت کے مطابق اکتیس سال تھی کہ آپ مسند امامت پر متمکن ہوئے اور دنیا کو زیور ہدایت سے منور فرمایا۔ آپ کے کمالات اور خوارق عادات شرق سے غرب تک مشہور ہیں۔ وہ کرامات و تصرفات جو آپ کے آباؤ اجداد سے پردے میں تھے آپ سے بلاتکلف ظاہر ہونے لگے اور عجیب و غریب علوم جو وراثتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سینہ بسینہ چلے آ رہے تھے آپ نے ظاہر کئے۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ علمنا غابر و مزبور و نکت فی القلوب و نقر فی الاسماع وان عندنا الجفر الاحمر والجفر الابیض و مصحف فاطمۃ وان عندنا الجامعۃ فیہا ما یحتاج الناس۔

ترجمہ [ہمارے علوم ہیں غابر، مذبور، نکث فی القلوب، نقر فی الاسماع، جفر الاحمر، جفر الابیض، مصحف فاطمہ اور جامعہ] ہمارے پاس ہیں۔

حبیب السیر میں حضرت امام رضؓ کے اس کلام کے متعلق یوں لکھا ہے کہ غابر وہ علم ہے جس کے مطابق مستقبل کے واقعات معلوم ہوتے ہیں، مذبور وہ علم ہے جو گزشتہ واقعات کے متعلق ہوتا ہے۔ نکث فی القلوب سے مراد الہام ہے۔ نقر فی الاسماع سے مراد کلام ملائکہ ہے کہ جن کی باتیں میں سنتا ہوں اور ان کی شکلوں کو نہیں دیکھتا۔ جفر احمر وہ مقام ہے کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیار ہیں اور اس وقت تک وہاں رہیں گے جب تک امام مہدی علیہ السلام کا ظہور نہ ہوگا۔ جفر ابیض بھی ایک ظرف ہے کہ جس میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کی تورات، حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی انجیل، حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور اور تمام آسمانی کتابیں ہیں۔ اور مصحف فاطمہ ایک کتاب ہے کہ جس میں ہر وہ چیز جس کا ظہور ہوتا ہے اور ہر ملک اور اس کے حکمرانوں کے نام تاظہور قیامت درج ہیں، جامعہ ایک کتاب ہے کہ جس کا طول ستر گز ہے یہ کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوائی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ اور خلقت کے جتنے واقعات تا قیامت سب اس میں درج ہیں اور یہ علوم ائمہ اہل بیت کا خاصا ہیں اور دوسرے کسی بشر کو حاصل نہیں۔

ابن جوزی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب میں حضرت لیث بن سعدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں (لیث بن سعدؓ) حج کے موسم میں عصر کی نماز پڑھ کر کوہ ابوالقبیس پر چڑھ گیا وہاں میں نے ایک شخص دیکھا جو کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے یہ کہہ رہا تھا یا رب یا اللہ یا حیّ یا رحیم یا ارحم الراحمین۔ اس نے سات مرتبہ یہ کلمات زبان پر دہرائے اور حق تعالیٰ سے پہننے کے لئے کپڑے اور کھانے کے لئے کوئی چیز طلب کی، اس کے بمجرد تازہ انگوروں کا ایک تھال اور

دو نئی چادریں اس کے سامنے ظاہر ہوگئیں، حالانکہ وہ انگور کا موسم بھی نہ تھا، جب انھوں نے ارادہ کیا کہ انگور کھائیں، میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ میں بھی اس میں آپ کا شریک ہوں، انھوں نے فرمایا کہ آگے آؤ لیکن جمع نہ کرنا پس میں نے ان کے ساتھ پیٹ بھر کر انگور کھائے اور اس تھال میں کچھ کمی واقع نہ ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ ان دو چادروں میں سے جو پسند کرتے ہو لے لو۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے انھوں نے ایک چادر کا تہ بند بنایا اور دوسری کو اوڑھ لیا اور وہ دو پرانی چادریں جو ان کے پاس تھیں اٹھا کر روانہ ہو گئے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا راستے میں ایک آدمی ملا، انھوں نے پرانی چادریں اسے دے دیں اور چلے گئے۔ میں نے اس آدمی سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ یہ امام جعفر بن محمد باقرؒ ہیں۔ اس کے بعد میں نے ان کو بہت تلاش کیا لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔

حبیب السیر میں فضل بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن چھٹے امام کسی کوچے میں جا رہے تھے دیکھا کہ ایک عورت اپنے بال بچوں کے ساتھ بیٹھی رو رہی ہے آپ نے اس سے وجہ دریافت فرمائی۔ اس نے کہا کہ میرے پاس ایک گائے تھی جس کے دودھ پر میرا اور میرے بال بچوں کا گزارہ تھا۔ اب وہ گائے مر گئی ہے اب حیران ہوں کہ کیا کروں۔ حضرت امامؓ نے دعا کی، اپنا پاؤں گائے پر مارا، اور آواز دی۔ گائے فوراً زندہ ہو کر کھڑی ہوگئی اور چلنے لگی۔ علی بن حمزہؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت امام جعفر صادقؓ کے ساتھ ایک خشک کھجور کے پاس کھڑا تھا۔ حضرت امام نے اس کی طرف دیکھ کر اپنے دولبوں کو حرکت دی۔ فوراً وہ کھجور ہری ہوگئی اور پھل ظاہر ہوئے۔ پس ہم نے ان کے ساتھ تازہ کھجور کھائے ان میں ایسی لذت تھی کہ ایسی کھجور کبھی نہ کھائی تھی۔ وہاں ایک اعرابی (دیہاتی) بھی موجود تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا کہ میں نے اس قسم کا جادو کبھی نہیں دیکھا حضرت امام نے فرمایا کہ ہم انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ ہم جادو نہیں جانتے ہم دعا

کرتے ہیں اور حق تعالےٰ قبول فرماتے ہیں۔ اگر تو چاہتا ہے تو میں دعا کردوں کہ
اللہ تعالیٰ تجھے مسخ کردے اور کتا بنادے۔ وہ ایک جاہل آدمی تھا اس نے کہا اچھا
دعا کرو۔ امام صاحبؒ نے دعا کی تو وہ آدمی فوراً کتا بن گیا اور گھر کی طرف گیا۔ گھر کے
لوگوں نے اسے مار کر گھر سے بھگا دیا۔ اس کے بعد وہ کتا امام صاحب کے سامنے
آیا، مٹی پر لیٹنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر امام علیہ رحمہ
کو رحم آیا۔ آپ نے دعا کی اور وہ اپنی اصلی صورت میں آگیا۔ شواہد النبوت میں لکھا
ہے کہ داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ نے امام جعفر صادق کے غلاموں سے ایک
کو قتل کر ڈالا اور اس کی جائیداد پر قبضہ کرلیا۔ امام صاحب نے وہاں جاکر اپنی چادر
کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے فرمایا کہ تم نے میرے غلام کو قتل کردیا ہے اور اس کے مال
پر قبضہ کرلیا ہے واللہ تمہارے لئے بددعا کروں گا۔ اس نے کہا آپ مجھے اپنی
دعا سے ڈراتے ہیں۔ آپ نے اسے بددعا کی، ایک ساعت بھی نہ گزرا تھا کہ
کسی نے داؤد کو قتل کردیا۔ شیخ فریدالدین عطارؒ لکھتے ہیں کہ ایک دن ایک آدمی
نے حضرت امام صاحب کے پاس آکر عرض کیا آپ مجھے حق تعالیٰ کا دیدار کرادیں۔
آپ نے فرمایا کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے اس قدر کمال کے باوجود جواب لن
ترانی سنا، تو کس طرح خدا کو دیکھ سکے گا۔ اس نے کہا کہ یہ کلمہ (لن ترانی) حضرت
موسیٰ علیہ السلا م کے لئے صادر ہوا ہے میرے لئے حجت نہیں ہے کیونکہ میں
امت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہوں، ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے حق
تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا، اچھا دریا کے اندر آ اور صادق صادق
کہتا رہ۔ پانی جوں جوں اسے نیچے دباتا تھا وہ صادق صادق کہتا جاتا تھا۔ جب غرق
ہونے کے قریب پہنچا تو تنگ آکر یا اللہ کہنے لگا۔ اللہ کہتے ہی اس کے دل کی
کھڑکی کھل گئی۔ اور اسے مطلوب کا مشاہدہ ہوگیا اور غرق ہونے سے بھی بچ گیا اس
کے بعد امام صاحب نے فرمایا جب تم صادق صادق کہہ رہے تھے کاذب تھے جس
وقت تم نے اللہ کا نام لیا اور اس سے پناہ طلب کی صادق ہوگئے۔ آپ کے کمالات

اس قدر ہیں کہ تحریر سے باہر ہیں۔ آپ نے سوموار کے دن پندرہ ماہ رجب ۱۴۸ھ
کو ابو جعفر المنصور کے عہد میں رحلت فرمائی۔ اکثر مورخین کا خیال ہے کہ خلیفہ ابو جعفر
المنصور نے آپ کو زہر دی تھی۔ آپ کی عمر اڑسٹھ سال اور دوسری روایت کے مطابق
پینسٹھ سال تھی۔ آپ کی امامت کی مدت چونتیس سال تھی۔ آپ کے چھ لڑکے اور
ایک لڑکی تھی۔ لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ آپ کے سات لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں
سب سے بڑے لڑکے کا نام اسماعیل تھا اور امام صاحب کو بہت پیارا تھا۔ لوگوں
کا خیال تھا امامت اسے ملے گی۔ لیکن امام صاحبؓ کی زندگی میں اسماعیلؓ کا انتقال
ہوگیا۔ لہذا امامت حضرت کاظمؓ کو ملی۔

ذکرِ آں ہمہ وقت پیشوائے اہلِ بصیرت، آں معشوقِ حضرت حق معنی وصورت متابعش بر جمیع امم لازم، امام ابو الحسن موسیٰ بن جعفر کاظم رضی اللہ عنہ

آپ ائمہ اہل بیت میں سے ساتویں امام ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام حمیدہ
تھا۔ آپ کی ولادت اتوار کے دن ماہ صفر کی سات تاریخ ۱۲۸ھ میں منزل ابوالہ
جو کہ مکہ و مدینہ کے درمیان ہے پر ہوئی۔ آپ کا اسم شریف موسیٰ، کنیت ابوالحسن
ابو ابراہیم اور ابو علی تھی، بکمال حلم اور غصہ دبانے کی وجہ سے آپ کا لقب کاظم ہو
گیا تھا۔ آپ کو صابر، صالح اور امین بھی کہا کرتے تھے۔ آپ کی عمر اپنے والد ماجد
کی وفات کے وقت بیس سال تھی کہ مسند امامت پر متمکن ہوئے۔ آپ کے کرامات
خوارق عادات بہت ہیں۔ جبیب السیر میں لکھا ہے کہ ایک دن ایک آدمی آپ
کی خدمت میں حاضر ہوا، اور پرندوں کی سی بولی میں آپ سے باتیں کرنے لگا اس
قسم کا کلام پہلے کسی نے نہ سنا تھا۔ امام صاحبؓ بھی اسی زبان میں اس کو جواب دیتے
رہے۔ جب وہ چلا گیا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ کون سی زبان ہے۔ فرمایا یہ جنوں
کے ایک فرقے کی زبان ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ امام وقت کو تمام مخلوقات کی

زبان سکھا دیتا ہے۔ یہ تعجب کی بات نہیں ہے وعلم آدم الاسماء [یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم عطا فرمایا] حضرت خواجہ شقیق بلخیؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں حجاز کے سفر کے دوران میں قادسیہ پہنچا میں نے ایک پست قد اور گندمی رنگ والا آدمی دیکھا کہ جو پشمینہ اوڑھے ہوئے تھا۔ وہ مصلےٰ کاندھے پر رکھے ہوئے اور جوتا پہنے ہوئے تنہائی کے گوشہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا، کہ یہ جوان صوفیا کرام میں سے معلوم ہوتا ہے جس طرح کہ میں چاہتا تھا، پس میں اس کے نزدیک گیا، ابھی منہ سے کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ اس نے میرا نام لیا اور جو مقصد کہ میرے دل میں تھا بغیر سوال کئے انھوں نے ظاہر کر دیا، اس کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چل دیا۔ دوسری منزل پر میں نے دیکھا کہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ اس کے جسم پر لرزہ تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں پاس کھڑا ہو گیا کہ نماز سے فارغ ہو جائے نماز سے فارغ ہو کر اس نے میرے دل کی بات پھر بتائی اور چل دیا۔ دوسری منزل پر میں نے دیکھا کہ ایک کنویں پر کھڑا ہے اور کوزہ ہاتھ میں لئے پانی طلب کر رہا ہے جب میں نے کنویں کے پانی کی طرف نگاہ کی، دیکھا کہ پانی اوپر آگیا ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کوزہ بھر لیا اور وضو کر کے چار رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد وہ ایک ریت کے ٹیلے کی طرف گیا اور کوزے میں ریت بھر کر اس کو ہلاتا جاتا تھا اور کھاتا جاتا تھا میں نے قریب جا کر سلام کیا، اس نے جواب دیا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے بھی حق تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت سے کچھ عنایت فرمایئے۔ انھوں نے فرمایا اے شقیق حق تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمت ہمیں ہمیشہ ملتی ہے، تم کو چاہیئے کہ اس رزاق مطلق کے متعلق نیک ظن رکھو، پھر کوزہ مجھے دے کر فرمایا کہ کھاؤ، جب میں نے کھایا تو شہد اور شکر تھی اور اس میں اس قدر لذت اور شیرینی تھی کہ واللہ اس سے خوشتر کبھی نہ کھائی تھی۔ پس میں سیر ہو گیا اور چند دنوں تک مجھے کھانے کی قطعاً ضرورت پیش نہ آئی۔ اس کے بعد پھر میں نے ان کو کبھی نہ دیکھا بجز اس کے کہ ایک دن مکہ معظمہ

میں، میں نے ان کو دیکھا کہ آدھی رات کے وقت نماز میں مشغول تھے صبح تک نماز پڑھتے رہے۔ صبح ہوتے ہی مکہ اور اطراف کے لوگ مکھیوں کی طرح ان پر گرنے لگے۔ میں نے حیران ہو کر کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ یہ امام موسیٰ بن امام جعفر صادق ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ عجیب و غریب باتیں جو میں دیکھتا آیا ہوں ان سے بعید نہیں۔ آپ کے کلمات حقائق اور کرامات اس قدر ہیں کہ اس کتاب میں ان کی گنجائش نہیں۔ آپ نے پچیس ماہ رجب ۱۸۳ھ کو خلیفہ ہارون الرشید کے عہد حکومت میں اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ آپ کی عمر پچپن سال تھی اور آپ کی امامت کی مدت پینتیس سال تھی۔ اکثر ارباب تاریخ اور سیرت اس بات پر متفق ہیں کہ ہارون الرشید کے حکم کے مطابق مسندی بن شاہک یا یحییٰ بن خالد برمکی نے امام بے گناہ کو زہر دی۔ آپ کا مدفن بغداد میں ہے۔ آپ کے اکیس بیٹے اور آٹھ بیٹیاں تھیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے بیس لڑکے ستر لڑکیاں تھیں۔ رحمۃ اللہ علیہ

ذکر آں قبلۂ جمیع اہل اسلام آں متکلم بکلام الہام آں واقف اسرار قدر و قضا امام ابوالحسن علی بن موسیٰ رضاؓ

آپ ائمہ اہل بیت میں سے آٹھویں امام ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ام بنت نجم تھا۔ شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ وہ ان کی دادی حمیدہ کی کنیز تھی، اور امام موسیٰ رضا کی والدہ نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کنیز اپنے بیٹے موسیٰ کو بخش دے کہ اس کے بطن سے ایک ایسا جوان پیدا ہو گا جو بہترین اہل زمین ہو گا۔ پس اس نے کہا کہ جب علی رضا میرے پیٹ میں آئے تو نیند میں میں تسبیح اور تہلیل کی آواز سنتی تھی۔ آپ کی ولادت جمعہ کے دن گیارہ ماہ ذوالحجہ ۱۴۸ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ دوسری روایت کے مطابق آپ کی ولادت ۱۵۳ھ میں ہوئی۔ آپکا اسم مبارک

علی تھا کنیت ابوالحسن اور ابومحمد اور القاب رضا، مرتضیٰ، ضامن وصابر وغیرہ تھے آپ کی عمر اپنے والد ماجد کی وفات کے وقت تینتیس سال تھی کہ آپ مسند امامت پر بیٹھے۔ آپ سے اس قدر کلمات حقائق اور خوارق عادات ظہور میں آئے کہ اہل بیت میں سے کسی سے ظاہر نہ ہوئے۔ شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ اہل نساج کے صالحین میں سے ایک بزرگ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مسجد نساج میں جہاں حاجی لوگ منزل کر رہے آپ تشریف فرما ہیں اور کھجوروں کا ایک تھال آپ کے سامنے پڑا ہے، آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے سترہ کھجور کے دانے اٹھا کر مجھے عنایت فرمائے۔ میں نے اس خواب کی تعبیر یوں کی کہ سترہ سال اور زندہ رہوں گا۔ اس کے بیس دن بعد میں نے سُنا کہ امام علی رضا اس مسجد میں تشریف لائے ہیں۔ میں فوراً وہاں پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اسی جگہ بیٹھے ہیں جہاں میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھے دیکھا تھا اور کھجوروں کا تھال بھی اسی طرح ان کے سامنے پڑا ہے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب دیا اور مجھے اپنے پاس طلب فرما کر سترہ کھجور مجھے عنایت فرمائے۔ میں نے عرض کیا یا ابن رسولؐ! میں اس سے زیادہ چاہتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ دیتے تو ہم بھی دیتے شواہد النبوت میں یہ بھی مروی ہے کہ ایک دن امام نے ایک شخص کو دیکھ کر فرمایا کہ جو کچھ وصیت کرنی ہے کر لے اور اس چیز کے لیے تیار ہو جا جس سے گریز نہیں۔ تین دن کے بعد وہ شخص مر گیا۔ شواہد النبوت میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابو اسماعیل سندی حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور سندی زبان میں آپ پر سلام کہا آپ نے بھی اسی زبان میں جواب دیا۔ اس کے بعد اس نے امام صاحب سے سندی میں سوال کئے اور اسی زبان میں جواب حاصل کئے۔ جاتے وقت اس نے عرض کیا کہ میں عربی نہیں جانتا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ عربی زبان کو مجھ پر آسان کر دے۔ آپ نے اپنے دست مبارک اس کے لبوں پر ملے۔ فوراً عربی زبان

بولنے لگا۔ ابوصلت ہرویؒ کہتے ہیں کہ جس ملک سے کوئی شخص آپ کے پاس آتا تھا، آپ اس کی زبان میں اس سے بات کرتے تھے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ فصیح زبان استعمال کرتے تھے۔ آپ کی نظر کیمائے اثر سے نابینے بینائی حاصل کر لیتے تھے۔ اور برص جیسی امراض ایک لمحہ میں دور ہو جاتی تھیں۔ جب آپکے کمالات اور کرامات مشہور ہوئے اور خلیفہ ماموں الرشید تک پہنچے تو اسے یقین ہو گیا کہ خلافت کے مستحق حضرت امام ہیں، چنانچہ اس نے حضرت امامؓ سے عرض کیا کہ میرے بعد آپ خلیفہ وقت ہوں گے۔ لیکن آپ راضی نہ ہوئے اور فرمایا کہ ہمیں خلافت کی خواہش نہیں ہے۔ بہرحال کافی گفتگو شنید کے بعد خلیفہ نے آپ کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس معاملہ میں ہمارا علم جفر اور جامع (یہ بھی جفر کی طرح ایک علم ہے جس سے مستقبل کا علم ہو جاتا ہے) ہمیں کوئی خبر نہیں دے رہا، آخر یہی ہوا، تمام عباسی لوگوں نے خلیفہ ماموں الرشید کے پاس جمع ہو کر عرضداشت کی کہ خلافت کو اپنے خاندان سے منتقل کرنا مناسب نہیں۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ماموں رشید امام معصوم کی ہلاکت کے درپے ہو گیا اور انھیں زہر دے دی۔ چنانچہ شواہد النبوت اور دوسری معتبر کتابوں میں یہ واقعہ مفصل بیان کیا گیا ہے۔ حضرت علاؤ الدین سمنانی مع چہل مجالس میں فرماتے ہیں کہ جب امام صاحب ماموں رشید کی دعوت پر باغ میں تشریف لے گئے۔ اس نے چند زہر آلود انگور آپ کو کھلائے۔ آپ جانتے تھے کہ یہ انگور زہر آلود ہیں اور کھاتے ہی فوت ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے محمد تقی کو جو ہفت سالہ تھے اور بغداد میں مقیم تھے زورِ کرامت سے ایک ساعت میں بغداد سے طوس منتقل کر دیا۔ اور وصیت کی کہ فلاں جگہ مٹی کھودنا وہاں ایک پتھر ملے گا جس پر کچھ لکھا ہوا ہو گا۔ مجھے اس پتھر کے نیچے دفن کر دینا۔ اس کے بعد فرمایا کہ فلاں باغ کے فلاں درخت کے نیچے ہم نے تمہارے لئے امانت رکھی ہے۔ وہ امانت کتاب جفر و جامع ہے۔ جامع وہ کتاب ہے جو امیر المومنین

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لکھی ہے اور غیب کے بھید اس میں درج کئے ہیں۔ اور امام وقت کے علاوہ ان بھیدوں کو کوئی نہیں جان سکتا۔ امام وقت کے لئے ضروری نہیں کہ ہر وقت ظاہر رہے لیکن وہ کتاب اس وقت تک جو قوف رہتی جب تک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے کوئی امامت کے درجہ کو نہ پہنچے۔ اور امام حسینؓ کے سوا کوئی نہیں ہوتا۔ (یعنی حضرت امام حسینؓ کی اولاد میں سے ہوتا ہے) اور اس وقت وہ کتاب مع چند دوسرے اجزا کے جو انبیاء علیہم السلام سے ودیعت ہیں پنہاں (چھپی ہوئی) ہے اس وقت تک کہ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا اور ان کو یہ کتاب ملے گی۔ شیخ علاؤ الدولہ کا کلام ختم ہوا۔ حضرت امام کے کمالات و کرامات اظہر من الشمس لیکن اس کتاب میں گنجائش نہیں۔ منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ حضرت امام علی رضاؒ کی وفات آخر ماہ صفر ۲۰۳ھ رسنا باد طوس (جو آج کل مشہد کے نام سے مشہور ہے) میں ہوئی۔ حبیب السیر میں امام کی وفات کے متعلق دو قول نقل کرتے ہیں ایک ماہ رمضان سن مذکور ا دوسرے سن ۲۰۶ھ امام علی رضاؒ کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی، دوسرے قول کے مطابق چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ سوائے امام محمد تقی کے آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔

ذکرِ آں کعبہ مقصودِ اربابِ ہدایت، امام ولایت جانشین مصطفےٰ و مرتضےٰ

امام ابو جعفر محمد بن علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ ائمہ اہل بیت میں سے نانویں امام تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ریحانہ یا سکینہ تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت جمعہ کی شب پندرہویں یا سترہویں ماہ رمضان ۱۹۵ھ میں مدینہ منورہ میں واقع ہوئی۔ آپ کا اسم مبارک محمد ہے۔ آپ کنیت اور نام میں حضرت امام محمد باقر سے مشابہت رکھتے تھے اس لئے آپ کو ابو جعفر ثانی کہتے ہیں۔ آپ کے القاب تقی، جواد اور قانع ہیں۔ آپ کی

عمر اپنے والد کی وفات کے وقت سات سال اور چند ماہ تھی کہ مسند خلافت پر بیٹھے حدیث۔ من سعد سعد فی بطن امہ (جو سعید ہوا وہ سعید ہوا اپنی ماں کے پیٹ میں) آپ کے حق میں صادق آتی ہے۔ آپ کے کمالات اور کرامات بہت ہیں۔ شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ امام تقیؓ نے صغیر سنی میں علم و ادب و فضل اور ظاہر و باطنی کمالات میں اس قدر ترقی کرلی تھی کہ جس کی اس زمانے میں مثال نہ تھی اسی وجہ سے مامون رشید خلیفہ وقت امام کا شیدا ہو گیا اور اس نے اپنی لڑکی کا عقد اُن سے کر کے ان کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا خلیفہ ہر سال ہزاروں دینار انکی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔ جب آپ کوفہ پہنچے، آخری دن مسجد میں قیام کیا۔ اس مسجد میں ایک درخت تھا جو ابھی باردار نہ ہوا تھا۔ آپ نے پانی کا کوزہ منگوا کر اس درخت کی جڑ میں وضو کیا اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ ایک ساعت میں اس درخت کے پھل نمودار ہوا جو نہایت تر و تازہ، شیریں اور بے دانہ تھا۔ لوگ اس کے پھل تبرکاً لے جاتے تھے اور کھاتے تھے۔ شواہد النبوت میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ شام کے لوگ ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑ کر لے آئے کہ اس نے نبوت کا دعوٰے کیا ہے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا ملک شام کا رہنے والا ہوں میں اس مسجد میں مشغول بہ عبادت تھا جس میں بنی امیہ نے حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک لٹکا دیا تھا۔ ایک رات میں قبلہ رو بیٹھا تھا کہ ایک بزرگ اچانک میرے سامنے ظاہر ہوئے۔ اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ اٹھو۔ میں اٹھ کر ان کے پیچھے ہولیا۔ چند قدم چلا تھا کہ اپنے آپ کو مسجد کوفہ میں پایا۔ میں نے ان کے پیچھے نماز ادا کی، وہاں سے روانہ ہوئے تو چند قدم چلنے کے بعد ہم مدینہ منورہ میں روضہ رسول اللہ صلعم پر پہنچ گئے اور ان کے ساتھ نماز ادا کی۔ وہاں سے بھی روانہ ہوئے اور تھوڑی دیر میں مکہ معظمہ پہنچ گئے اور ان کے ساتھ طواف کیا۔ وہاں سے باہر آکر وہ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ اور پھر میں نے اپنے آپ کو اسی شام کی مسجد میں پایا اور حیران رہ گیا۔ دوسرے دن پھر وہ بزرگ تشریف لائے اور اسی طرح تمام مقامات

کی سیر کے بعد انھوں نے مجھے واپس اسی مسجد میں پہنچا دیا۔ میں نے ان کو خدا تعالیٰ کی قسم دے کر دریافت کیا کہ آپ کون صاحب ہیں۔ فرمایا، میں محمد بن علی بن موسیٰ کاظم ہوں۔ جب صبح ہوئی میں نے یہ قصہ اپنے دوستوں کے سامنے بیان کیا۔ آخر یہ بات حاکم شام تک پہنچ گئی۔ اور مجھے مشتبہ سمجھ کر انھوں نے مجھے قید میں ڈال دیا ہے اور یہ الزام لگاتے ہیں کہ تم نبوت کا دعویٰ کرتے ہو۔ چنانچہ چند اہل دانش حضرات نے حقیقت حال سے واقف ہو کر والیٔ شام سے درخواست کی کہ یہ آدمی بیگناہ ہے اسے رہا کر دینا چاہیئے۔ اس نے جواب دیا کہ جو بزرگ اسے ایک رات میں شام سے کوفہ، کوفہ سے مدینہ، مدینہ سے مکہ اور مکہ سے واپس شام پہنچا سکتا ہے وہ اسے قید سے کیوں نہیں چھڑا سکتا۔ حق تعالیٰ نے فوراً امام محمد تقی کی توجہ سے اسے خلاصی دی۔ اس کے ہاتھوں سے لوہے کے زنجیر ٹوٹ کر گر پڑے اور پہرہ داروں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ حضرت امام کی اس قسم کی کرامات اس قدر زیادہ ہیں کہ اس مختصر کتاب میں درج نہیں ہو سکتیں۔ آپ کا وصال منگل کے دن چھ ماہ ذالحجہ ۲۲۰ھ کو خلیفہ معتصم باللہ کے عہد حکومت میں ہوا۔ آپ کی عمر پچیس سال اور مدت امامت سترہ سال تھی۔ بعض مورخین کی رائے یہ ہے کہ خلیفہ معتصم باللہ نے امام معصوم کو زہر دی۔ آپ کا مدفن بغداد میں مقبرہ بنی ہاشم کے اندر اپنے دادا امام موسیٰ کاظمؒ کے قریب ہے۔ آپ کے تین لڑکے اور ایک لڑکی تھی، لیکن حبیب السیر کے مطابق آپ کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

ذکر آں کاشفِ اسرار لاتناہی، آں تعلیم کردہ بعلم الٰہی محبوب ترینِ اولادِ احمدی، امام ابوالحسن علی نقی ابن محمد تقی رضی اللہ عنہ

آپ ائمہ اہل بیت میں سے دسویں امام ہیں آپ کی والدہ ماجدہ ام فضل بنت خلیفہ مامون تھیں۔ آپ کی پیدائش مدینہ منورہ میں پندرہ ماہ ذالحجہ ۲۱۲ھ کو ہوئی۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش ماہ رجب ۲۱۴ھ ہے۔ آپ کا

اسم مبارک اور کنیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امام علی رضا سے مشابہ ہے اسی وجہ سے آپ کو امام ابوالحسن ثانی کہتے ہیں، آپ کے القاب نقی، ہادی، عسکری، ناصح، متوکل، فتاح اور مرتضیٰ ہیں۔ امام ابوالحسن علی نقیؒ کی عمر اپنے والد بزرگوار کی وفات کے وقت چھ سال تھی کہ آپ مسند امامت پر بیٹھے۔ آپ سے اس قدر کرامات صادر ہوئے کہ دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ وہ علوم لامتناہی جو خانوادہ اہلبیت کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پہنچے تھے، امام وقت کو مسند امامت پر بیٹھتے ہی اپنے والد بزرگوار کی طرف سے منکشف ہو جاتے تھے حدیث پاک **الائمۃ من بعدی اثنیٰ عشرہ۔** [میرے بعد بارہ امام ہوں گے] کے مطابق بارہ پشت تک یہ سنت جاری رہی، حبیب السیر میں لکھا ہے کہ ایام صغیر سنی میں امام نقیؒ سے قسم قسم کے کرامات ظاہر ہونے لگے تو تمام خلقت ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس سے خلیفہ بغداد متوکل عباسی کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ اس لئے اس نے حکم دیا کہ امام نقی کو مدینہ سے عراق بدر کیا جائے اور سر من رائے میں کہ جو سامرہ کے نام سے مشہور ہے رکھا جائے۔ جب حضرت امام اس وحشت کدہ میں پہنچے تو ان کے ایک محب نے کہ جس کا نام صالح ابن سعید تھا امام صاحب سے عرض کیا کہ اے ابن رسول صلعم، یہ لوگ تمام امور میں آپ کے خاندان کو حقیر جانتے ہیں اور اس ویران منزل میں جگہ دی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ ابن سعید تو ابھی اس مقام میں ہے (یعنی عالم اسباب میں پھنسا ہوا ہے) آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا، اس ابن سعید نے دیکھا کہ فوراً اس مقام پر ہرے بھرے باغ، بہتی ہوئی نہریں اور بلند محل پیدا ہو گئے۔ یہ دیکھ کر وہ حیرت زدہ ہوا، حضرت امام نے فرمایا اے ابن سعید ہم جہاں جائیں، یہ سب چیزیں ہمارے ساتھ ہیں اور ہمارے لئے یہ کوئی ویران اور وحشت بھری منزل نہیں ہے۔ شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری بیوی حاملہ ہے دعا فرمائیے کہ لڑکا پیدا ہو۔ آپ نے فرمایا لڑکا پیدا ہوگا اور اس کا نام محمد رکھنا،

چند دنوں کے بعد اس کے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام انھوں نے محمد رکھا۔ شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے امام صاحب کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ کوفہ کا قاضی مجھ پر ظلم کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا، تین دن اور صبر کر۔ تین دن کے بعد وہ قاضی ملازمت سے معزول ہو گیا۔ شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ ایک بازی گر ہندوستان سے بغداد آیا اور خلیفہ متوکل کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ایک دن متوکل نے اس سے کہا اگر تو ایسا شعبدہ دکھائے کہ جس سے امام علی بن محمد تقی شرمندہ ہو جائیں تو ایک ہزار دینار انعام دوں گا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ جب امام نقی متوکل کی مجلس میں تشریف لے گئے، وہ بازی گر آیا اور امام صاحب کے پہلو میں بیٹھ کر بازی گری کرنے لگا۔ حضرت امام نے جس قدر بے توجہی فرمائی وہ باز نہ آیا۔ مجلس کے لوگوں نے بھی ہنسنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر امام صاحب کو غصہ آیا۔ اس مجلس میں ایک تصویر کدہ تھا جس پر شیر کی تصویر کھنچی ہوئی تھی۔ امام صاحب نے شیر کی تصویر کو حکم دیا کہ اس بازی گر کو پکڑ لو۔ چنانچہ وہ تصویر شیر مجسم بن گئی اور شیر نے بازی گر پر ایک جست لگائی اور پاؤں کے نیچے روند ڈالا۔ متوکل نے عرض کیا کہ مہربانی فرما کر اس کی جان بچالیں۔ لیکن امام صاحب نہ مانے۔ شیر اس کو جان سے مار کر باہر چلا گیا۔ اس کے بعد کسی نے اسے نہ دیکھا۔ آپ کا وصال سوموار کے دن آخر ماہ جمادی الثانی یا ماہ رجب کی دو تاریخ کو ۲۵۴ھ میں خلیفہ مستنصر بن متوکل کے عہد حکومت میں ہوا۔ ایک روایت یہ ہے کہ خلیفہ مستنصر نے امام معصوم کو زہر دیکر ہلاک کیا اور سامرہ میں دفن کرایا۔ آپ کی عمر چالیس سال اور مدت امامت تینتیس سال اور چند ماہ تھی۔ آپ کے چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

ذکر آں گنجینۂ علم و حکمت آں نور مجسم بے ظلمت

آں بالاتفاق مجتہد، ولی اور امام ابو محمد حسین بن علی رضی اللہ عنہ

آپ ائمہ اہل بیت میں سے گیارہویں امام ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی

سوسن تھا۔ آپ کی ولادت سوموار کے دن دس ماہ ربیع الاول یا ربیع الآخر ۲۳۱ھ اور ایک روایت کے مطابق ۲۳۲ھ کو مدینہ میں ہوئی۔ گیارہویں امام کے نام اور کنیت کی مشابہت حضرت امام حسن بن علیؑ کے ساتھ تھی۔ آپ کے القاب ذکی، عسکری، خالص اور سراج ہیں۔ آپ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے وقت تیئیس سال کے تھے۔ دوسری روایت کے مطابق آپ کی عمر بائیس سال تھی۔ جب اپنے والد کی مسند پر بیٹھے۔ آپ کے کمالات وکرامات کا ذکر اکثر کتابوں میں ملتا ہے

شواہد النبوت میں محمد بن علی بن ابراہیم بن موسٰے بن جعفرؑ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم افلاس میں مبتلا ہو گئے۔ میرے والد نے کہا آؤ امام محمد عسکری کی خدمت میں چلیں۔ اگر آپ پانچ سو درہم ہمیں دے دیں تو ہمارا کام بن جائے گا جب ہم امام عسکری کے دروازہ پر پہنچے، قبل اس کے کہ ہم کسی سے بات کرتے ان کے غلام نے باہر آکر کہا کہ علی بن ابراہیم (آنے والے کا نام ہے) اور اس کا لڑکا محمد اندر آجائیں۔ جب ہم اندر گئے تو ہم نے سلام کیا، امام صاحب نے فرمایا، اے علی تجھے کس چیز نے روک رکھا تھا کہ آج تک ہمارے پاس نہیں آئے، میرے باپ نے عرض کیا اے میرے آقا! مجھے شرم آتی تھی کہ اس حال میں آپکے سامنے حاضر ہوں۔ جب ہم ان سے رخصت ہوئے تو حضرت امام کے غلام نے باہر آکر میرے والد کے ہاتھ میں پانچ سو درہم کا ایک تھیلا دیا اور میرے ہاتھ میں تین سو درہم کا تھیلا دیا۔ اس نے کہا کہ اس رقم سے اپنا سامان خریدو لیکن کوہستان کی طرف نہ جاؤ بلکہ فلاں جگہ جاؤ کیونکہ وہاں تمہیں کافی نفع ہوگا۔ پس جس جگہ کا انھوں نے اشارہ فرمایا تھا ہم وہاں گئے، وہاں میری شادی ہو گئی اور مجھے ایک ہزار دینار بھی ملے۔

شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام کی خدمت میں آکر اپنی مفلسی کی شکایت کی۔ آپ کے ہاتھ میں ایک چابک تھا جس سے آپ نے زمین کھودی۔ وہاں سے پانچ سو دینار برآمد ہوئے۔ آپ نے وہ رقم اس

آدمی کو دے دی۔ حق تعالیٰ نے اپنے خزانوں کی چابیاں حضرت امام کے ہاتھ میں دے رکھی تھیں جو چاہتے تھے بلا تکلیف تصرف فرماتے تھے۔ یہ بھی شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ ایک شخص خلیفہ کے قید خانے میں مقید تھا۔ اس نے اپنی بے کسی اور قید کی گرانی کا حال حضرت امام کی خدمت میں لکھ کر ارسال کیا۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ حضرت امام سے اپنی تنگ دستی دور کرنے کے لئے کچھ طلب کرے لیکن شرم کے مارے خط میں یہ بات نہ لکھ سکا۔ جب وہ خط حضرت امام کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ آج ظہر کی نماز کے وقت تم اپنے گھر میں پہنچ جاؤ گے۔ پس اسی روز اسے قید خانے سے خلاصی ملی اور ظہر کے وقت گھر پہنچ گیا۔ نیز حضرت امام نے اس کے دل کے خیال سے آگاہ ہو کر اس کے پاس ایک سو دینار بھی خرچ کرنے کے لئے ارسال فرما دیئے۔ آپ نے اسے ایک خط بھی لکھا جس میں آپ نے فرمایا کہ تمہیں آئندہ جو ضرورت ہو مجھ سے طلب کر لیا کرو۔ اور شرم نہ کیا کرو کیونکہ جو کچھ مانگو گے تمہیں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور مل جائے گا۔ آپ کے کمالات اس قدر ہیں کہ دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کا وصال جمعہ کے دن آٹھویں ماہ ربیع الاول یا ربیع الآخر ۲۶۰ھ کو خلیفہ معتمد کے عہد حکومت میں ہوا۔ تاریخ طبری میں یوں لکھا ہے کہ خلیفہ معتمد نے آپ کو زہر دی اور آپ کو اپنے والد بزرگوار کی قبر کے پاس بمقام سامرہ دفن کرایا۔ آپ کی عمر انتیس سال اور دوسری روایت کے مطابق اٹھائیس سال تھی۔ آپ کی امامت کی مدت سات سال تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق چھ سال تھی۔ گیارہویں امام کا ایک لڑکا تھا جو امام محمد مہدی ہوں گے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

ذکر آں آفتاب دین و دولت، آں ہادی جمیع امم و ملت

آں قائم مقام پاک احمدی امام برحق ابوالقاسم محمد بن حسن مہدی رضی اللہ عنہ

آپ ائمہ اہل بیت میں سے بارہویں امام ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی

نرجس (نرگس) تھا۔ آپ کی ولادت جمعہ کی شب پندرھویں ماہ شعبان ۲۵۵ھ کو ہوئی۔ شواہد النبوت کی روایت کے مطابق تئیس ماہ رمضان ۲۵۸ھ بمقام سامرہ واقع ہوئی۔ بارھویں امام اسم شریف اور کنیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔ آپ کے القاب مہدی، حجت، قائم المنتظر، صاحب زمان، خاتم، اثنی عشر تھے۔ آپ کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت پانچ سال تھی کہ مسند امامت پر بیٹھے۔ جس طرح حق تعالیٰ نے حضرت یحییٰ بن ذکریا علیہما السلام کو لڑکپن میں حکمت و کرامت عطا فرمائی تھی۔ اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کو بچپن میں پیغمبری جیسا بلند مرتبہ مرحمت فرمایا تھا۔ اسی طرح حضرت امام کو صغیر سنی میں امام بنایا۔ آپ کے کمالات اور کرامات اس قدر ہیں کہ اس کتاب میں ان کی گنجائش نہیں۔ ملاں عبدالرحمٰن جامیؒ شواہد النبوت میں حضرت امام علی نقی کی ہمشیرہ حلیمہؒ سے جو حضرت امام عسکری کے پاس رہتی تھیں روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن عسکری نے مجھ سے فرمایا کہ اے پھوپھی آج رات ہمارے گھر میں رہیں۔ آج اللہ تعالیٰ ہمیں نئی مخلوق عنایت فرمائیں گے۔ میں نے کہا بیٹے! نئی مخلوق کہاں سے آئے گی، نرجس میں تو کوئی علامت حمل ہی نہیں ہے۔ اس نے کہا اے پھوپھی! نرجس کی مثال حضرت موسےٰ علیہ السلام کی والدہ کی سی ہے کہ ان کا حمل بھی ولادت سے پہلے ظاہر نہ ہوا تھا۔ پس میں نے وہ رات وہاں گزاری۔ رات کو میں اٹھی اور نماز تہجد ادا کی۔ نرجس نے بھی نماز تہجد ادا کی میں نے کہا صبح ہونے والی ہے جو کچھ حسن عسکریؒ نے کہا تھا ظاہر نہ ہوا۔ حسن نے اپنی جگہ سے آواز دی کہ پھوپھی! جلدی مت کرو اور نرجس کے کمرے میں رہو۔ جب میں وہاں گئی تو نرجس میرے سامنے آئی۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے سینے سے لگایا۔ اور قل ہو اللہ احد، انا انزلنا اور آیت الکرسی پڑھ کر اس پر دم کیا۔ جو کچھ میں نے پڑھا نرجس کے پیٹ سے بھی وہی پڑھنے کی آواز آئی تھوڑی دیر کے بعد سارا گھر روشن ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ بچہ زمین پر پڑا ہے اور

سجدہ کر رہا ہے۔ میں نے اسے اٹھا لیا۔ حسن عسکری نے اپنے کمرے سے آواز دی کہ پھوپھی بچے کو میرے پاس لائیں۔ میں بچے کو ان کے پاس لے گئی۔ آپ نے اسے اپنی گود میں لیا، اپنی زبان ان کے منہ میں دے دی۔ اور کہا اے میرے فرزند! اللہ کے حکم سے بات کرو، یہ سنتے ہی بچے نے کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور دو تین آیات قرآن مجید سے پڑھیں۔ شواہد النبوت میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ پیدا ہوئے دو زانو تھے اور شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے فرمایا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یہ بھی شواہد النبوت میں حلیمہؓ سے روایت کی گئی ہے کہ اس وقت میں نے دیکھا کہ سبز رنگ کے پرندے نیچے اتر رہے ہیں۔ میں نے امام حسن عسکریؓ سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ جبرائیل علیہ السلام اور دیگر ملائک ہیں۔ پس امام حسن عسکری نے کہا کہ بچے کو اپنی ماں کے پاس لے جاؤ۔ جب میں اسے ماں کے پاس لے گئی تو وہاں دیکھا کہ ان کی ناف کٹی ہوئی تھی اور ختنہ ہوا، ہوا تھا۔ اور ان کے دائیں بازو پر یہ لکھا تھا جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ (حق آیا اور باطل بھاگ گیا۔ تحقیق باطل بھاگنے والا ہے) شواہد النبوت میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک آدمی نے امام ابو محمد عسکری کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ اے ابن رسولؐ آپ کے بعد امام کون ہو گا۔ آپ اپنے گھر میں تشریف لے گئے اور اپنے لڑکے کو کندھے پر اٹھا کر لے آئے۔ بچے کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ اس وقت اس کی عمر تین سال تھی۔ حضرت امام نے فرمایا کہ اے فلاں اگر تو حق تعالیٰ کے نزدیک گرامی نہ ہوتا تو میں اپنا بیٹا تم کو نہ دکھاتا! اس کا نام اور کنیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک اور کنیت سے مشابہ ہے پس دنیا میں یہ عدل گستری کرے گا۔ اس وقت جب کہ جور و ظلم کا دور دورہ ہو گا۔ شواہد النبوت میں یہ بھی لکھا ہے کہ خلیفہ معتمد نے دو آدمی سامرہ کی طرف بھیجے، یہ کہہ کر کہ امام حسن عسکری فوت ہو گئے ہیں جلدی وہاں جاؤ اس

کے گھر میں جاؤ، جو کوئی وہاں ملے اس کا سر کاٹ کر میرے سامنے لے آؤ، پس وہ دونوں ان کے گھر میں داخل ہوئے۔ درمیان میں ایک پردہ حائل تھا۔ انھوں نے پردہ اٹھایا۔ پردے کے پیچھے وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک دریا بہہ رہا ہے اور اس دریا کی سطح پر مصلیٰ بچھائے ایک نہایت خوبصورت جوان کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ یہ دونوں اس کے پاس گئے لیکن اس نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی، ان میں سے ایک آدمی نے یہ جسارت کی کہ ان کے قریب جاکر دیکھے، جونہی وہ آگے بڑھا دریا میں ڈوبنے لگا۔ دوسرے نے آگے بڑھ کر اس کو باہر نکال لیا۔ یہ دیکھ کر دونوں حیران ہوئے اور ان سے معذرت کرنے لگے کہ ہم نے اپنے اختیار سے یہ گستاخی نہیں کی، غرضیکہ ان لوگوں نے جسقدر اظہار عجز کیا انھوں نے ذرا بھر توجہ نہ کی، اس کے بعد وہ دونوں واپس خلیفہ معتمد کے پاس گئے اور جاکر سارا ماجرا بیان کیا، معتمد بھی بہت حیرت زدہ ہوا اور اس نے حکم دیا کہ یہ واقعہ کسی سے نہ کہنا۔ حبیب السیر میں لکھا ہے کہ اس امر پر تمام علماء عالی مقام کا اتفاق ہے اور امت محمدیہ کے تمام فرقے اس پر متفق ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ضرور ہوگا اور اس امام عالی مقام کے حسن اہتمام اور اجتہاد سے اور اس کے عدل و انصاف سے ساری دنیا جگمگا اٹھے گی لیکن اختلاف اس بات میں ہے کہ مہدی موعود [یعنی وہ امام مہدی جس کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے] امام محمد بن حسن عسکری ہوں گے یا بنی فاطمہؓ میں سے کوئی اور ہوں گے۔ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اہل بیت کا قائم مقام ایک ایسا شخص ہوگا جو اولاد فاطمہؓ میں سے آخری زمانے میں پیدا ہوگا، اہل سنت و جماعت امام محمد بن عسکری کو امام مہدی قرار نہیں دیتے چنانچہ شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی اپنی کتاب عروہ میں لکھتے ہیں کہ امام محمد بن حسن عسکری جب لوگوں کی نظروں سے غائب ہوئے تو ابدال میں داخل ہوگئے۔ اس مرتبہ سے ترقی کر کے قطب اعلیٰ کے مرتبہ پر پہنچ گئے۔ اسی مرتبہ میں وفات پائی

اور مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔ لیکن فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امام مہدی وہی امام محمد بن حسن عسکری ہوں گے۔ وہ سامرہ میں روپوش ہو گئے اور جب مشیت ایزدی ہوگی وہ ظاہر ہوں گے۔ فرقہ امامیہ اس امام کو امام غیب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ایک غیبت قصریٰ (یعنی قلیل مدت کے لئے غائب ہونا) جو امام حسن عسکری کی وفات سے انقطاع سفارت تک ہے اور دوسری غیبت طولیٰ (یعنی طویل مدت کے لئے غائب ہونا) جو انقطاع سفارت سے لے کر اس وقت تک ہے جب وہ حق تعالیٰ کے حکم سے ظاہر ہوں گے۔ غیبت قصریٰ کے دوران میں آپ صغیر سن تھے اور کوئی نہ کوئی صغیر سن شخص یکے بعد دیگر ان کے اور خلق کے درمیان وسیلہ ہوتا تھا تاکہ لوگوں کی حاجات اور سوالات ان تک پہنچائے اور جواب لے کر لوگوں تک پہنچائیں اس عرصہ میں ان سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوا چنانچہ روضۃ الصفاء اور حبیب السیر میں اس کا مفصل ذکر ہے۔ سفارت یعنی درمیانی وسیلے کا یہ زمانہ ایک شخص علی بن محمد پر ختم ہوا۔ علی بن محمد کی وفات (جو امام اور لوگوں کے درمیان آخری سفیر تھے) ۳۲۶ھ میں واقع ہوئی۔ اس کے بعد کسی سفیر صغیر نے حضرت امام کو نہ دیکھا، نہ ان کی بات سنی۔ ایک فرقے کا یہ عقیدہ ہے کہ مہدیؑ آخر الزمان حضرت عیسٰے علیہ السلام ہوں گے اور یہ روایت نہایت ضعیف ہے۔ کیونکہ احادیث صحیح و متواتر سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ مہدی آخر الزمان بنی فاطمہؓ سے ہوں گے اور حضرت عیسٰے علیہ السلام ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ تمام عارفین با تمکین بھی اسی بات پر متفق ہیں۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے فتوحات مکیہ میں مفصل لکھا ہے کہ مہدی آخر الزمان آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولاد فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے ظاہر ہوں گے اور ان کا اسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی طرح ہوگا اور تین سو ساٹھ اولیاء اللہ ان کے ہمراہ ہوں گے۔ پس وہ دنیا

کو ظلم و ستم سے پاک کریں گے..... الی آخرہ۔

کتاب مقصد اقصیٰ میں لکھا ہے کہ شیخ سعد الدین حموی قدس سرہٗ نے امام مہدی آخر الزمان کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے امام آخر الزمان کے ساتھ ایسی چیزیں منسوب کی ہیں کہ کسی بنی البشر کے مقدور میں نہیں ہیں، جب ان کا ظہور ہوگا تو ولایت آشکارا ہو جائے گی اور مذہبی اختلاف اور برائی مٹ جائے گی۔ ولایتِ مطلق محمدی ان پر ختم ہو جائے گی جب کہ اس کتاب کے مقدمہ میں لکھا جا چکا ہے۔ جو کچھ عالی قدر اولیا کرام اور عارفین نے اس بارے میں لکھا ہے بیان کر دیا گیا ہے بلکہ رسالہ مراۃ مدارس میں اس سے بھی زیادہ وضاحت کی گئی ہے۔

من و تو رفتہ و خدا ماندہ   کے بود خود ز خود جدا ماندہ

۳

دربیانِ حضرت خواجہ حسن بصریؒ و کمیل ابن زیادؓ وغیرہم

ذکر آن پروردۂ ولایت نبوت آں کان حقیقت و فتوت، آں بحر ورع و علم، آں گنج عمل و حلم آں متفق علیہ بصاحب صدری، امام المتقین ابوسعید خواجہ **حسن بصری** رحمۃ اللہ علیہ۔

کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ آپ کا اسم شریف ابو علی الحسین بن الحسن البصری ہے رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کی کنیت بعض کے نزدیک ابو محمد ہے اور بعض کے نزدیک ابو سعید۔ صوفیا کرام کے ہاں آپ کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ معاملاتِ تصوف میں آپ کے اشارات لطیف ہیں۔ اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ نے حضرت امام حسنؓ اور حضرت کمیل زیاد سے بھی فیض حاصل کیا ہے آپ کے فضائل

اور مناقب بے شمار ہیں۔ روضۃ الاحباب کی آخری جلد میں لکھا ہے کہ آپ کے والد ماجد ہجرت کے بارہویں سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے جب حضرت خواجہ حسن بصری پیدا ہوئے تو آپ کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے فرمایا اس کا نام حسنؒ رکھا جائے کیونکہ خوش شکل ہے آپ کی والدہ ماجدہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں۔ ایک دن آپ کی والدہ کسی کام میں مشغول تھیں، خواجہ حسن بصریؒ دودھ کے لئے رو رہے تھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے شفقت سے اپنا سینہ مبارک ان کے منہ میں دے دیا اور دودھ کے چند قطرے آپ نے پی لئے۔ یہ ان چند قطروں کی وجہ سے ہے کہ ہزارہا برکات و کرامات حق تعالےٰ نے ان کے سینے کے اندر رکھ دیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا دعا کیا کرتی تھیں کہ یا اللہ اس کو خلقت کا راہبر بنا، چنانچہ اسی طرح ہوا آپ نے ایک سو تیس صحابہ کرام سے فیض صحبت حاصل کیا، اور پیشوائے خلق ہوئے۔ تذکرۃ الاولیاء اور دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ جب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ بصرہ تشریف لائے اور انھوں نے تمام واعظین کو وعظ کرنے سے منع فرمایا اور سب منبر توڑ دیئے تو چپکے سے خواجہ حسن بصری کی مجلس میں آ کر دریافت فرمایا کہ تم عالم ہو یا طالب علم؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، جو کچھ مجھے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا ہے اسے میں خلق تک پہنچاتا ہوں۔ حضرت علی نے ان کو منع نہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ یہ جوان شائستہ کلام ہے یہ کہہ کر چلے گئے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے فراست سے انھیں پہچان لیا، منبر سے اتر کر ان کے پیچھے ہو لئے۔ جب ان کے پاس پہنچے تو عرض کیا کہ اے امیر المومنین خدا کے لئے مجھے وضو کرنا تعلیم کیجیے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مقام پر انھیں ظاہری و باطنی طہارت کی تعلیم دی۔ اس مقام کو اب باب السلطنت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ آپ نے امیر المومنین سے کافی تربیت حاصل کی۔ اور اسی وجہ سے مقبول جہان ہوئے۔ تذکرۃ الاولیاء میں یہ

بھی لکھا ہے کہ سفر شام میں ان پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی جس سے ان کا دل تمام مرادات ماسوی اللہ سے سرد ہو گیا (یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب کے سوا دل میں کوئی خواہش باقی نہ رہی) جب بصرہ پہنچے تو قسم کھالی کہ آئندہ دنیا میں کبھی نہیں ہنسوں گا، جب تک کہ اس کی عاقبت نہ معلوم ہو جائے۔ پس انھوں نے اپنے آپ کو اس قدر مجاہدات اور عبادات میں ڈال دیا کہ آپ سے بڑھ کر اس زمانے میں کوئی مجاہدہ کرنے والا نہ تھا۔ آپ نے اس سختی سے گوشہ نشینی اختیار کی کہ اہل دنیا سے قطعاً بے نیاز ہو گئے، ایک شخص نے کسی بزرگ سے دریافت کیا کہ حسن بصریؒ ہم سب سے کس وجہ سے بہتر اور مہتر ہیں۔ انھوں نے جواب دیا اس وجہ سے کہ تمام خلقت کو ان کے علم کی ضرورت ہے اور ان کو سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے سب ان کے محتاج ہیں اور وہ کسی کے محتاج نہیں ہیں، یہی ان کی بزرگی اور ان کا کمال ہے۔ آپ ہفتے میں ایک بار مجلس میں وعظ فرمایا کرتے تھے، منبر پر چڑھ کر دیکھتے کہ اگر حضرت رابعہ بصریؒ موجود ہوتیں تو وعظ کرتے ورنہ نیچے آجاتے۔ کسی نے عرض کیا کہ اتنے عالی قدر بزرگ موجود ہیں، اگر ایک بڑھیا نہ ہوئی تو کیا ہوا، آپ نے فرمایا کہ وہ غذا جو ہم نے ہاتھیوں کے لئے تیار کی ہوئی ہے کس طرح چیونٹیوں کے منہ میں ڈال سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب مجلس گرم ہو جاتی تھی اور لوگوں کے دلوں میں آگ بھڑک اٹھتی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تو آپ حضرت رابعہ بصریؒ کی طرف دیکھ کر فرماتے کہ یہ سب گرمی تمہاری ایک آہ جگر سوز کی بدولت ہے۔ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ اپنی مجلس میں لوگوں کا انبوہ دیکھ کر آپ خوش تو ہوتے ہوں گے، آپ نے فرمایا کہ میں لوگوں کی کثرت سے خوش نہیں ہوتا بلکہ اہل دل درویش کی موجودگی سے خوش ہوتا ہوں۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ مسلمانی کیا ہے، آپ نے فرمایا مسلمانی کتاب میں ہے اور مسلمان خاک کے نیچے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ اصل دین کیا ہے آپ نے فرمایا ورع۔ اس نے پوچھا وہ چیز کیا ہے جو ورع کو تباہ کرتی ہے، فرمایا طمع۔ کسی

نے سوال کیا کہ اگر طبیب بیمار ہو جائے تو دوسروں کا کس طرح علاج کرے آپ
نے فرمایا کہ تم میری بات سُنتے ہو میرا علم تمہیں فائدہ پہنچاتا ہے لیکن میرا عمل تمہیں
نقصان نہیں دیتا۔ لوگوں نے کہا یا شیخ! ہمارے قلوب سو چکے ہیں آپ کا کلام
ان پر کوئی اثر نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا کاش کہ تمہارے دل سوئے ہوئے ہوتے
کیونکہ سوئے ہوئے دلوں کو بیدار کیا جا سکتا ہے لیکن تمہارے دل مُردہ ہو چکے
ہیں، مُردہ دلوں کو جس قدر ہلاتا ہوں زندہ نہیں ہوتے۔ روایت کرتے ہیں کہ ایک
دفعہ بصرہ میں خشک سالی ہوئی، دو ہزار آدمی نماز استسقاء کے لئے شہر سے باہر
آئے۔ ایک منبر بنا کر حضرت خواجہ حسنؒ کو اس پر بٹھایا اور دعا کی درخواست کی،
آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ بارش ہو تو مجھے بصرہ سے باہر نکال دو تاکہ حق
تعالےٰ تمہارے لئے باران رحمت بھیجے۔ یہ کلمات آپ کے منہ سے نکلے ہی تھے
کہ بارش شروع ہو گئی۔ آپ پر خوف خدا اس قدر طاری رہتا تھا کہ کسی نے آپ
کو کبھی ہنستے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ آپ بڑے فراخ دل تھے اور تمام خلق کو اپنے
آپ سے بہتر سمجھتے تھے۔ اور یہ مقام آپ کو کمال توحید سے حاصل تھا کیونکہ ہر
جگہ آپ ظہور حق کا مشاہدہ کرتے تھے۔ اور اپنے آپ کو درمیان میں نہیں دیکھتے تھے
نقل ہے کہ ایک رات آپ اپنے گھر میں رو رہے تھے، لوگوں نے پوچھا اس عظمت
کے باوجود آپ کیوں رو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس وجہ سے کہ ممکن ہے میرے
ارادہ اور قصد کے بغیر مجھ سے کوئی ایسا کام ہو گیا ہو یا میرا قدم کسی ایسی طرف چلا
گیا ہو جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ یہ حال کمال قرب اور دائمی حضوری کا نتیجہ ہے
شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ ایک خارجی ہمیشہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا، اور
آپ کو اور اہل مجلس کو ایذا دیتا تھا۔ ایک دن لوگوں نے کہا اے خواجہ! آپ حاکم سے
شکایت کریں تاکہ ہم اس خارجی کے شر سے نجات پائیں، آپ نے کچھ نہ کہا۔ ایک
دن آپ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے کہ وہ خارجی آتا ہوا نظر آیا۔ آپ نے کہا
یا الٰہی تو جانتا ہے کہ یہ مجھے تکلیف دیتا ہے۔ پس میں تجھے کافی سمجھتا ہوں، آپ کے

الفاظ یہ ہیں الٰہی علمت علیٰ اداءٍ فاکفنا بہ بشیتک وہ خارجی منہ کے بل گرا اور مر گیا، آپ کے کمالات اور خوارق عادات بے شمار ہیں جو مختلف کتابوں میں ملتے ہیں، آپ بڑے بڑے اولیاء کرام کے پیشوا تھے، آپ کی ہدایت اور ارشاد کا سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا، نقل ہے کہ جب آپ کی وفات قریب ہوئی تو آپ ہنسے، حالانکہ زندگی بھر کسی نے آپ کو ہنستے نہ دیکھا تھا، اور یہ کہتے ہوئے آپ نے جان دے دی کہ کون سا گناہ؟ کسی بزرگ نے آپ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ آپ ساری عمر تو کبھی نہ ہنسے تھے، نزع کے وقت کیوں ہنسے۔ فرمایا میں نے آواز سنی کہ اے ملک الموت دیکھنا ابھی اس کا ایک گناہ باقی ہے مجھے اس خوشی سے ہنسی آگئی اور میں نے پوچھا کہ "کون سا گناہ" اور جان دے دی، ایک اور بزرگ نے اسی رات خواب دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے اور یہ آواز سنی کہ حسن بصریؒ خدا تک پہنچ چکا ہے اور خدا اس سے خوش ہے منتخب التاریخ میں لکھا ہے کہ ہشام بن عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں یکم ماہ رجب ۱۱۰ھ کو ابو سعید حسن بصریؒ نے بصرہ میں وفات پائی، آپ کی عمر نواسی ۸۹ سال تھی، رحمۃ اللہ علیہ۔

ذکر آں رئیس الاولیا، آں پیشوائے اصفیا، آں بزرگ ترین عباد قطب الارشاد

خواجہ کمیل بن زیاد قدس سرہٗ

آپ اپنے زمانے کے شیخ اور کاملین روزگار میں سے تھے، آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کے کمالات و کرامات بے شمار ہیں آپ کے سلسلہ میں بڑے بڑے اولیاء کرام داخل ہونا فخر سمجھتے تھے حتیٰ کہ خواجہ حسن بصریؒ اپنے کمالات کے باوجود ان سے فیض صحبت حاصل کرتے تھے، الشیخ رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی چہل مجالس میں فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اونٹ پر سوار تھے اور حضرت کمیل زیادؒ کو اپنے پیچھے بٹھایا تھا،

امیر المومنینؑ کی عادت تھی کہ جب علوم و اسرار آپ کے قلب میں موجزن ہوتے اور چاہتے کہ کوئی چیز باہر نکالیں تو حضرت کمیلؓ کے گھر جاتے اور ان کو اپنے سامنے بٹھا کر اسرار بیان کرنا شروع کرتے۔ بعض اوقات حضرت کمیلؓ سوال کرتے کہ یا امیر المومنین حقیقت کیا ہے۔ فرماتے تجھے حقیقت سے کیا کام۔ وہ کہتے کہ کیا میں آپ کا محرم راز نہیں ہوں۔ آپ فرماتے کہ بے شک ہو لیکن جب میرے سینے کی دیگ جوش میں آتی ہے جو کچھ ہوتا ہے تم پر ڈال دیتی ہے اور تجھ جیسے سائل کو محروم نہیں رکھتا اس کے بعد آپ اس قدر اسرار حقائق اور توحید بیان فرماتے تھے کہ قلم لکھنے سے قاصر ہے آپ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ کی عظمت بیان میں نہیں آسکتی کیونکہ جو چیز بیان میں آجائے وہ دوئی اور غیریت طلب کرتی ہے اور درحقیقت دوئی باطل ہے۔ یہ سن کر حضرت کمیلؓ نے عرض کیا کہ اس سے بھی زیادہ اظہار حقیقت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ محو کرنا نام ہے موہوم، اور خلاف واقعہ اشیا کے ناچیز کرنے یعنی مٹا دینے کا، جو عالم اضافی کا وجود ماسوای اللہ ہے اور بیدار ہونا نام ہے امر معلوم اور محقق کے جاننے کا، جو کہ وجود حق تعالیٰ ہے [یہاں مقام فنا و بقا یا سکر و صحو کی تشریح کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ محویت یا سکر یا فنا فی اللہ اسے کہتے ہیں کہ سالک ماسوی اللہ یعنی تمام اشیائے جن کا وجود وہمی اور اعتباری ہے کو ناچیز کر دے یا مٹا دے اور بقا باللہ یا بیدار ہونا یا ہوشیاری یا صحو یہ ہے کہ وجود حق تعالےٰ سے محقق ہو جائے اور غیر، غیر نہ رہے]

کمیلؓ نے کہا اس کی مزید تشریح کیجیے۔ حضرت علی فرماتے تھے،

"یک کردن و پردہ دریدن از سر و امر نہاں نزدیک غلبۂ سر"

[ایک کرنا اور پردہ اٹھانا راز اور امر پنہاں سے، جب راز کا غلبہ ہو، یعنی وہ حالت طاری ہو] اس کے بعد حضرت کمیلؓ نے عرض کیا کہ حقیقت بیانی ذرا اور فرمائیے، حضرت علی نے فرمایا۔ "جذب کردن و گرفتن احدیت بصفت توحید" [جذب کرنا یعنی ذات میں فنا ہونا اور احدیت ذات میں ایک ہو جانا]

حضرت کمیلؒ نے کہا ذرا اپنی حقیقت بیانی کو زیادہ کیجئے میرے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا "نوریست کرمے درخشد از صبح پس ظاہر مے شود بر ہیا کل وصور ہائے توحید آثار آں نور" (وہ یعنی ذات باری تعالیٰ ایک نور ہے جو صبح ازل سے چمکتا ہے پھر اس نور کے آثار سے توحید کے ہیا کل (جمع ہیکل بمعنی شکل) اور صورتوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی نور ازلی کے پرتو سے تمام تعینات عالم کا ظہور ہوتا ہے۔) اس کے بعد حضرت کمیلؒ نے عرض کیا کہ اپنی حقیقت بیانی کی ذرا مزید توضیح فرمایئے، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا "سر دیکن و بکش چراغ را پس تحقیق طلوع کرد و ظاہر گشت صبح و احتیاج بر روشنائی چراغ نہ ماند و حقیقت در ظہور خود محتاج بہ بیان نہ" یعنی چراغ بجھا دو، پس سورج نکل آیا اور صبح ظاہر ہوئی اور چراغ کی روشنی کی ضرورت نہ رہی۔ اور حقیقت اپنے ظہور کے لئے محتاج بیان نہیں ہے (یعنی جب سالک مقام توحید میں پہنچتا ہے تو نورِ ازلی اس پر خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے اور اسے دوسروں سے حقیقت دریافت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔) اس قسم کے کلمات بے شمار ہیں چنانچہ شیخ عبدالرزاق کاشیؒ نے ان کی شرح میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں، میر سید نعمت اللہؒ نے بھی اس کی شرح لکھی ہے چہل مجالس میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ کمیل میں اور یہاں (اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) حق تعالیٰ نے بہت علوم رکھے ہیں، لیکن میں ان کا اہل کسی کو نہیں پاتا تاکہ اس کے سامنے بیان کروں جس کسی میں کچھ دانائی اور عقل پاتا ہوں، میں جان لیتا ہوں کہ وہ ان علوم کو دنیاوی وجاہت کی خاطر بیچ ڈالے گا۔ اور جن لوگوں میں دین ہے اور ترک دنیا کی خاصیت ہے ان میں عقل و دانش نہیں ہے، جس سے ان علوم کو سمجھ سکیں غرضیکہ دونوں خصوصیات (دین اور عقل) میں نے کسی ایک شخص میں مجتمع نہیں دیکھیں، لیکن امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کو ایسے لوگوں سے خالی نہ رکھے گا کہ جن

کے قلوب ان علوم سے منور ہوں۔ اگرچہ یہ طائفہ تعداد کے لحاظ سے کم ہوتا ہے اجر کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہوتا ہے بعدہٗ فرمایا کہ واشوقاً الیٰ لقائھم [اور میں ان سے ملنے کا بہت مشتاق ہوں] حضرت خواجہ کمیل بن زیاد تمام غزوات میں اور ہر وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر رہے انھوں نے آپ کی شہادت کے بعد گوشۂ تنہائی اختیار کرلیا اور جو کچھ آپ سے حاصل کیا تھا اس میں مشغول رہے اور اپنے عقیدت مند مریدوں کو تعلیم کرتے رہے۔ حتیٰ کہ عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں ۸۲ھ میں حجاج بن یوسف کے ہاتھ سے جام شہادت نوش فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کریں۔

ذکر آں متمکن ہدایت و متوکل ولایت آں سلطان طیار

حضرت خواجہ ابو یحییٰ مالک بن دینار قدس سرہٗ العزیز

آپ حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور اس طائفہ کے دیگر بزرگان کے صحبت یافتہ تھے۔ آپ ایک غلام کے گھر میں پیدا ہوئے۔ آپ اگرچہ غلام زادہ تھے لیکن تھے دونوں جہانوں سے آزاد۔ آپ کی کرامات اور ریاضات ہر جگہ مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ دینار آپ کے والد کا نام تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ ایک دن کشتی میں سوار تھے۔ جب کشتی دریا کے وسط میں پہنچی، ملاحوں نے آپ سے کرایہ طلب کیا۔ آپ نے کہا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس پر انھوں نے آپ کو مارنا شروع کردیا جس سے آپ بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے تو انھوں نے پھر کرایہ طلب کیا، آپ نے کہا میرے پاس نہیں ہے۔ انھوں نے کہا ٹانگ پکڑ کر دریا میں ڈال دیں گے۔ انھوں نے یہ کہا ہی تھا کہ اللہ کے حکم سے دریا کی مچھلیاں ایک ایک دینار منہ میں لے کر باہر نکل آئیں۔ آپ نے ایک مچھلی سے دینار لے کر ملاحوں کو دے دیا جب انھوں نے یہ حال دیکھا تو آپ کے پاؤں میں گر گئے۔ حضرت مالکؒ نے پاؤں کشتی سے باہر نکالے اور سطح آب پر

چلتے ہوئے دور نکل گئے۔ اسی وجہ سے آپ کا نام مالک دینار ہو گیا۔ آپ کی توبہ کا قصہ یہ ہے کہ آپ بہت خوبصورت اور مالدار تھے۔ آپ جامع مسجد دمشق میں جو حضرت امیر معاویہؓ نے تعمیر کرائی تھی اس غرض سے مقیم ہو گئے کہ، آپ کو متولی بنایا جائے۔ ایک سال تک آپ دن رات نماز میں مشغول رہے جس کسی نے آپ کو دیکھا نماز میں دیکھا اس لئے لوگ آپ کو منافق کہا کرتے تھے، ایک رات آپ تماشا کی غرض سے مسجد سے باہر گئے اور ایک طرف مشغول ہو گئے، آپ رباب بہت اچھا بجایا کرتے تھے۔ آپ رباب بجا رہے تھے کہ اس میں سے یہ آواز آئی یا مالک ان لا تتوب (اے مالک توبہ کیوں نہیں کرتے) جب آپ نے یہ آواز سنی، حیران ہوئے اور مسجد واپس چلے گئے اور دل میں یہ کہتے رہے کہ ایک سال تم نے ریا اور نفاق سے نماز پڑھی ہے اب تو توبہ کر لے، اور بے ریا و بے نفاق عبادت کر، اس شب خلوص سے عبادت کی، دوسرے دن لوگوں نے جمع ہو کر کہا کہ یہ مسجد متولی کے نہ ہونے کی وجہ سے خراب ہو گئی ہے اور سب نے اتفاق رائے سے آپ کو مسجد کا متولی تجویز کیا، جب آپ نے یہ بات سنی، کہنے لگے یا الہٰی ایک سال تک میں نے ریا سے نماز پڑھی، کسی نے میری طرف نہ دیکھا اب جب دل تجھے دیا اور یقین محکم کر لیا کہ متولی ہونے کی ضرورت نہیں، تو نے کسی کے کان میں یہ بات ڈال دی کہ متولی اسے بنایا جائے۔ تیری عزت کی قسم! اب میں متولی بننا نہیں چاہتا، یہ کہہ کر آپ مسجد سے باہر گئے اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ چالیس سال تک آپ بصرہ میں مقیم رہے اور وہاں کھجور کی فراوانی کے باوجود ایک دانہ کھجور نہ کھایا۔ ایک دن آپ کے دل میں کھجور کھانے کی خواہش پیدا ہوئی، لیکن آپ نے کھجور کھانے سے اجتناب کیا۔ ہاتف نے آواز دی کہ کھجور کھاؤ اور نفس کو قید سے رہا کرو۔ کہتے ہیں کہ بصرہ میں ایک مالدار آدمی رہتا تھا جب وہ فوت ہوا، اس نے بہت مال و دولت پیچھے چھوڑا۔ اس کی ایک لڑکی تھی جو نہایت حسینہ و جمیلہ تھی

اس نے حضرت مالک دینارؒ سے کہلا بھیجا کہ مجھ سے شادی کر لیں یا عبادت میں میری مدد کریں۔ آپ نے فرمایا میں نے دنیا کو تین طلاق دے دی ہے، چونکہ عورت بھی دنیا میں شامل ہے اب مطلقہ سے پھر نکاح نہیں کروں گا۔ ایک دن آپ ایک دیوار کے سایہ میں سو رہے تھے اور ایک سانپ نرگس کی شاخ منہ میں لے کر آپ کے چہرے سے مکھیاں اڑا رہا تھا حضرت مالک دینار کہتے ہیں کہ کئی سال سے مجھے جہاد میں شریک ہونے کا شوق تھا جب موقعہ آیا میں بیمار ہو گیا، میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اگر جہاد کی حق تعالیٰ کے نزدیک قدر و منزلت ہوتی تو، تو بیمار نہ ہوتا۔ اس کے بعد میں سو گیا۔ خواب میں ہاتف نے آواز دی کہ اگر تو جہاد میں شریک ہوتا تو قید ہو جاتا، اور تجھے سوٗر کا گوشت کھانے کو دیتے، یہ بخار تیرے لئے تحفۂ عظیم ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو حق تعالیٰ کا شکر بجالایا۔ سبحان اللہ یہ مقام کس قدر بلند ہے، اللہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دعا کیا کرتے تھے کہ الٰہی میری حفاظت اس طرح فرما جس طرح ایک ماں اپنے چھوٹے بچے کی حفاظت کرتی ہے، نقل ہے کہ جب حضرت مالک دینار۔ ایاک نعبد وایاک نستعین۔ پڑھتے تھے تو زار زار روتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ آیت اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے نہ ہوتی اور اس کے پڑھنے کا حکم نہ ہوتا تو ہرگز نہ پڑھتا، کیونکہ اس میں یہ کہتا ہوں کہ تیری بندگی کرتا ہوں لیکن اپنے نفس کی بندگی کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اے خدا تیری مدد مانگتا ہوں لیکن اِدھر اُدھر جاتا ہوں اور کسی سے شکایت کرتا ہوں، کسی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی شخص مسجد میں آواز دے کہ جو شخص سب سے بد ہو باہر آ جائے تو میرے سوا کوئی شخص اپنے آپ کو باہر نہیں پھینکے گا۔ جب حضرت عبداللہ مبارکؒ نے یہ بات سنی تو کہنے لگے کہ مالک دینار کی بزرگی اسی میں ہے۔ یہ بھی آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ایسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ نہ کسی فرشتے، نہ

دوسرے انسان کو عطا کی ہے ایک یہ ہے **فاذکرونی اذکرکم۔** (پس تم میرا ذکر کرو میں تیرا ذکر کرتا ہوں) یعنی اللہ فرماتا ہے کہ جب تم مجھے یاد کرتے ہو میں تمھیں یاد کرتا ہوں، دوسری نعمت ہے **ادعونی فاستجب لکم** (جب مجھ سے دعا کرتے ہو تو قبول کرتا ہوں) نقل ہے کہ آخر عمر میں کسی نے آپ سے وصیت طلب کی، آپ نے فرمایا کہ ہر وقت کارساز کی کارسازی پر راضی رہ تاکہ تیری رہائی ہو، آپ کی وفات کے بعد ایک بزرگ نے آپ کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ فرمایا کہ اپنے تمام گناہوں کے باوجود میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوا اور اس حسن ظن کی وجہ سے جو میں اللہ سے رکھتا تھا اس نے میرے سب گناہ بخش دیئے۔ ایک اور بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے، میں نے دیکھا کہ مالک دینارؒ اور محمد واسعؒ کو بہشت میں لے جا رہے ہیں، میں نے آگے ہو کر نگاہ کی کہ دیکھوں آگے کون ہے۔ دیکھا کہ مالک دینار آگے ہیں، میں نے اپنے دل میں کہا یہ عجیب بات ہے کیونکہ محمد واسعؒ ان سے زیادہ عالم اور زیادہ کامل تھے، آواز آئی کہ ہاں، لیکن محمد واسع کی دو قمیصیں تھیں اور مالک دینار کی ایک۔ یہ فرق مراتب اسی وجہ سے ہے۔ حضرت مالک دینارؒ کی وفات ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ کے عہد خلافت میں ۱۹۷ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۱۳۱ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

ذکر آں عالم داں عارف کامل، آں تونگر قانع
خواجہ محمد واسعؒ

آپ کا اپنے زمانے میں کوئی نظیر نہ تھا، آپ نے بہت سے حضرات تابعین کی صحبت پائی ہے اور مشائخ اولین سے فیض حاصل کیا ہے، شریعت اور طریقت میں آپ کا بڑا حصہ تھا۔ آپ کی ریاضت کا یہ عالم تھا کہ سوکھی روٹی پانی میں ترکر کے

کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو کوئی اس پر قناعت کرتا ہے خلق سے بے نیاز ہو جاتا ہے، آپ مناجات میں کہتے تھے کہ الٰہی تُو نے مجھے اپنے دوستوں کی طرح بھوکا اور ننگا رکھا ہے لیکن میرا حال دوستوں کا سا نہیں ہے کیا کروں، بعض اوقات بھوک کی شدت کی وجہ سے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی خدمت میں جاتے اور جو کچھ وہاں مل جاتا کھا لیتے تھے۔ جب خواجہ حسن بصری آپ کے پاس آتے تو خوش ہو جاتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ خوش قسمت ہے وہ جو صبح بھوکا اٹھے اور رات کو بھوکا سوئے۔ اس سے حق تعالیٰ راضی ہوتا ہے ایک دن اپنے بیٹے کو دیکھا خراماں جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تجھے معلوم ہے کہ میں نے تیری والدہ کو دو درہم میں خریدا اور میں جو تیرا باپ ہوں، مجھ سے تمام مسلمانوں میں بدتر کوئی نہیں ہے، تو اکڑتا کس لئے ہے۔ آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کا کیا حال ہے۔ فرمایا اس شخص کا کیا حال ہونا چاہیئے کہ جس کی عمر کم ہو رہی ہو اور گناہ بڑھ رہے ہوں۔ آپ کی معرفت کا یہ حال تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ

[میں جس چیز کو دیکھتا ہوں اس میں حق تعالیٰ کو دیکھتا ہوں] آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہو۔ آپ نے تھوڑی دیر سر نیچے کر لیا، پھر فرمایا کہ جو شخص اسے پہچانتا اس کا بولنا کم ہو جاتا ہے اور اسکی حیرت دائمی ہو جاتی ہے آپ نے کہا ہے کہ بہتر شخص وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی معرفت سے نواز لے اور مشاہدہ حق کے سوائے کسی اور چیز پر اس کی نظر نہ رہے اور کسی شخص کا اس پر اختیار نہ ہو۔ آپ کے کمالات بے شمار ہیں۔

ذکر آں مخلص پیشوا، آں شمع اہل صفا، آں فقیر متقی

حضرت خواجہ ابو حازم مکی قدس سرہٗ

آپ مشاہدہ اور مجاہدہ میں بے نظیر تھے۔ آپ بہت مشائخ کے پیشوا

ہیں۔ آپ کی عمر دراز تھی۔ ابوبکر بن عثمان مکی نے آپ کے بہت کمالات بیان کیے ہیں۔ آپ کا کلام تمام مشائخ کے نزدیک پسندیدہ اور مشکل معاملات کا حل کرنے والا ہے۔ آپ کے بیان کردہ حقائق کتب تصوف میں اکثر پائے جاتے ہیں جسے زیادہ درکار ہو تذکرۃ الاولیا میں دیکھ لے۔ اس جگہ تبرکاً صرف چند کلمات بیان کیے جاتے ہیں۔ آپ حضرات تابعین میں سے تھے۔ آپ نے بہت صحابہ کرام مثلاً حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت ابوہریرہ کی صحبت پائی ہے۔ نقل ہے کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے آپ سے دریافت کیا کہ وہ چیز کیا ہے جس کی بدولت میں نجات حاصل کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہر درہم جو تم وصول کرو ایسا ہو جو حلال سے آیا ہو۔ اور اس جگہ خرچ کرو جو حق ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ سب کچھ میں نے دو چیزوں میں پایا۔ ایک مرادوم بر مردہ ہے کہ اگر میں اس سے بھاگوں تو سب میری طرف آتے ہیں۔ بردہ ہے کہ جس قدر اس کے لئے کوشش کروں میرے پاس نہیں آتی۔ [مترجم سمجھتا ہے کہ دونوں سے مراد دنیا ہے] کسی نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کا کیا حال ہے آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی رضا اور خلق سے بے نیازی۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں ابوحازمؒ کے پاس گیا۔ آپ سو رہے تھے میں ٹھہر گیا تاکہ بیدار ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لئے ایک پیغام دیا ہے کہ ماں کا حق ادا کرو کہ یہ حج کے برابر ہے اور اس کی رضا حاصل کرو۔ یہ سن کر میں واپس گھر چلا گیا اور مکہ معظمہ حج کو نہ گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ یوسف اسباط قدس سرہٗ

آپ بڑے عابد و زاہد تھے۔ زہد میں آپ کے برابر کوئی نہ تھا۔ آپ تابعین میں سے تھے۔ آپ کو مراقبات اور محاسبہ میں کمال حاصل تھا اور

اپنی معرفت اور حالت قلبی کو بہت چھپاتے تھے۔ ریاضت بہت کرتے تھے اور قطعی طور پر تارک الدنیا تھے۔ آپ کے کلمات بہت پسندیدہ ہیں آپ نے بڑے بڑے مشائخ کی صحبت حاصل کی ہے۔ نقل ہے کہ آپ کو ستر ہزار درہم باپ سے ورثے میں ملے، لیکن اس میں سے کچھ نہ کھایا۔ آپ کھجور کے پتے جمع کر کے فروخت کرتے تھے اور اسی پر بسر اوقات کرتے تھے، آپ فرماتے ہیں کہ چالیس سال ہوئے سوائے ایک پرانے خرقے کے اور کوئی پیراہن میں نے نہیں پہنا۔ کسی نے آپ سے جمع و تفرقہ کے متعلق دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ جمع دل کو معرفت الہٰی میں جمع کرنے کا نام ہے اور تفرقہ سے مراد مختلف احوال میں متفرق ہونا ہے (یعنی دل کو تعینات سے ہٹا کر مراقبہ ذات میں فنا کا نام جمع ہے اور مختلف تعینات میں دل لگا کر توحید سے ہٹ جانے کا نام تفرقہ ہے) آپ نے یہ بھی فرمایا ہے تجھ پر نماز جماعت فرض نہیں ہے لیکن طلب حلال فرض ہے۔ یہ بھی آپ کا مقولہ ہے کہ دوستوں نے مجھے تین چیزیں نہ دیں، حلاوت، مہابت اور محبت؛ آپ نے ۹۶ھ میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت رابعہ عدویہ قدس سرہا

آں سوختہ عشق اشتیاق، آں شیفتۂ قرب و احراق آں ثانی مریم صفیہ مقبول رجال۔ صاحب تذکرۃ الاولیاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اس کا ذکر مردوں میں تم نے کیوں کیا ہے، اس کے بعد انھوں نے اس کے چند وجوہات لکھے ہیں (جو وہاں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں) مختصراً یہ کہ جب تک حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی مجلس میں حضرت رابعہ بصریؒ نہ جاتیں، آپ تقریر نہ کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ذکر مردوں کی صف میں کیا گیا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے طائفہ صوفیا کلی طور پر توحید کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، جہاں

نہ من و تو اور نہ مرد و زن کا دخل ہے۔ الغرض حضرت رابعہ بصری معرفت و توحید میں یگانہ روزگار تھیں اور بزرگان وقت کے لئے معتبر اور حجت قاطع تھیں نقل ہے کہ جس شب آپ پیدا ہوئیں آپ کے والد کے گھر اتنا کپڑا نہ تھا جو ان کو لپیٹا جاتا۔ نہ گھر میں تیل تھا کہ جس سے چراغ جلایا جاتا۔ یا آپ کی ناف پر لگایا جاتا۔ آپ اپنے والد کی چوتھی لڑکی تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کا نام رابعہ رکھا گیا۔ آپ کی والدہ نے اپنے خاوند سے کہا کہ فلاں ہمسایہ کے ہاں جا کر کچھ تیل لائیں تاکہ چراغ جلایا جائے لیکن انھوں نے عہد کیا ہوا تھا کہ خلق سے کچھ نہیں طلب کروں گا۔ تاہم وہ اٹھ کر باہر گئے اور اس ہمسایہ کے دروازہ تک جا کر واپس آ گئے اور آ کر یہ کہا کہ وہ سویا ہوا ہے۔ بہر حال وہ اس غم میں سو گئے۔ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ غمگین کیوں ہوتے ہو تمہاری یہ لڑکی ایسی بزرگ ہو گی کہ جس کی شفاعت سے میری امت کے ستر ہزار آدمی نجات پائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اٹھو اور عیسٰے زاد کے پاس جاؤ۔ وہ بصرہ کا امیر ہے اس سے کہو کہ تو ہر رات مجھ پر ایک سو بار درود بھیجتا ہے لیکن شب جمعہ کو تم درود پڑھنا بھول گئے۔ اس کا کفارہ یہ ہے کہ چار سو دینار زر رزق حلال میں سے اس کے حوالے کر دو۔ حضرت رابعہ کے والد نے خواب سے بیدار ہو کر اپنے خواب کو ایک کاغذ پر لکھا اور عیسٰے زاد کے پاس بھیج دیا۔ کاغذ کو دیکھ کر عیسیٰ زاد بہت خوش ہوا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یاد فرمایا ہے۔ پس اس نے دس ہزار درہم صدقہ کئے اور چار سو دینار رابعہ بصری کے والد کو دیئے جب رابعہؒ بڑی ہوئیں تو آپ کے والدین کا انتقال ہو گیا۔ اس سال بصرہ میں بہت قحط پڑا جس کی وجہ سے حضرت رابعہؒ کی بہنیں منتشر ہو گئیں۔ رابعہؒ ایک ظالم کے ہاتھ لگی، جس نے آپ کو چند ٹکوں کے عوض بیچ ڈالا۔ رابعہ بصریؒ دن کو ہمیشہ روزہ رکھتی تھیں اور اپنے آقا کی خدمت میں رہتی تھیں اور رات

کو عبادت الٰہی میں مشغول رہتی تھیں۔ ایک دفعہ آدھی رات کو ان کا آقا جاگ اٹھا اس نے کچھ آواز سُنی، ادھر نگاہ اٹھا کر دیکھا کہ رابعہؒ سجدہ میں یہ مناجات کر رہی ہیں، "الٰہی تو جانتا ہے کہ میں نے اپنی دلی خواہشات کو تیرے فرمان کے تابع کر دیا ہے اور تیری عبادت میری آنکھوں کی ٹھنڈک بن چکی ہے۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو ایک لمحہ بھی تیری عبادت کے بغیر نہ بسر کرتی۔ لیکن تو نے مجھے ایک مخلوق کا غلام بنا دیا ہے۔ اس لئے میں تیری خدمت میں دیر سے حاضر ہوتی ہوں۔ ان کے آقا نے اٹھ کر کہا، آج سے میں نے تمہیں آزاد کیا۔ اب آپ کی مرضی میرے ہاں رہیں یا کسی اور جگہ جائیں۔ حضرت رابعہ بصریؒ اجازت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئیں۔ اور عبادت میں مشغول ہو گئیں، کہتے ہیں کہ رات دن میں ایک ہزار رکعت نفل ادا کرتی تھیں۔ اور کبھی کبھی حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی مجلس میں حاضر ہوتی تھیں جو آپ کے استاد تھے، بعض مشائخ مثل حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء وغیرہ نے لکھا ہے کہ آپ چند یوم گانے بجانے والوں کے ہاتھ آ گئیں، لیکن وہاں سے توبہ کر کے ایک ویرانے میں سکونت اختیار کر لی اور کافی مدت تک وہاں گوشہ نشین رہیں، اس کے بعد آپ نے سفر حج اختیار کیا، بیابان جنگل میں آپ سفر کر رہی تھیں کہ قضائے الٰہی سے آپ کا گدھا جس پر سامان لدا تھا گر کر مر گیا، قافلے والوں نے کہا ہم آپ کا سامان لے چلیں گے، آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے سہارے گھر سے نہیں نکلی تھی۔ آپ لوگ چلے جائیں، میرا اللہ مالک ہے، جب قافلہ چلا گیا تو رابعہ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا یا اللہ ایک ضعیف بے نوا کے ساتھ یہی سلوک کرنا چاہیئے جس طرح آپ نے کیا ہے۔ کہ آپ مجھے اپنے گھر طلب فرما کر میرا گدھا راستے میں مار دیا ہے۔ یہ کہتے ہی گدھا اٹھ کھڑا ہوا۔ رابعہ نے اپنا سامان اس پر رکھا اور چل دیں، مکہ معظمہ کے قریب پہنچ کر آپ نے جنگل میں رہائش کی، چند یوم کے بعد آپ نے مناجات کی کہ الٰہی میں کہاں جاؤں۔ اس سنگ و خشک کو کہ جسے

لوگ کعبہ کہتے ہیں میں کیا کروں، میں تو تجھے چاہتی ہوں تیرے گھر کو کیا کروں گی حق تعالیٰ نے براہِ راست ان سے فرمایا کہ اے رابعہ اس سے تو ہزار جہان کے مزہ کی مستحق ہوگئی ہے۔ تو نہیں جانتی کہ موسیٰؑ نے یہ آرزو کی، میں نے ذرہ بھر پہاڑ پر تجلی کی، ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ حضرت رابعہ جب دوسری بار حج کو گئیں تو کعبہ آپ کے استقبال کے لئے آگیا۔ دیکھ کر آپ نے کہا، مجھے کعبہ کی زیارت سے کیا خوشی، میں رب کعبہ چاہتی ہوں، میں کعبہ کو کیا کروں گی۔ نقل ہے کہ ایک دن رابعہؒ کو حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ حضرت خواجہ حسنؒ اپنے عبادت خانہ کی چھت پر بیٹھے اس قدر رو رہے تھے کہ آپ کے آنسو پرنالے سے نیچے بہہ رہے تھے۔ حضرت رابعہ نے دریافت کیا یہ کیسا پانی ہے۔ جب حقیقت معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا اے حسنؒ، اگر یہ گریہ رعونت نفس کی وجہ سے نہیں ہے تو اس پانی کی حفاظت کر تاکہ تیرے اندر دریا ہو جائے۔ حضرت خواجہ کو یہ بات ناگوار گزری اور خاموش رہے۔ ایک دن انھوں نے رابعہؒ کو دریائے فرات کے کنارے پر بیٹھا دیکھا اور اپنا مصلیٰ سطح آب پر بچھا دیا اور کہا اے رابعہ آؤ تاکہ دو رکعت نماز یہاں ادا کرلیں۔ رابعہؒ نے کہا اے اے استاد اگر اہل دنیا کے سامنے اہل آخرت کی برتری ثابت کرنی ہے تو کوئی ایسا کام کرنا چاہیئے جس سے لوگ عاجز آجائیں، پس انھوں نے اپنا مصلیٰ ہوا پر بچھایا اور حضرت خواجہ سے کہا آیئے یہاں خلق سے چھپ کر نماز پڑھ لیں، اب حضرت رابعہ کو خیال ہوا حضرت خواجہ کا دل ہاتھ میں نہیں، پس ان سے کہا اے استاد جو کچھ آپ نے کیا ہے وہ مچھلی بھی کرسکتی ہے اور جو کچھ میں نے کیا ہے وہ ایک مکھی بھی کرسکتی ہے لیکن اصل کام ان دونوں امور سے بالاتر ہے۔ نقل ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ حسنؒ اپنے دوستوں کے ساتھ حضرت رابعہؒ کے گھر تشریف لے گئے۔ لیکن انکے گھر چراغ نہ تھا اور ان کو چراغ کی ضرورت تھی، حضرت رابعہؒ نے اپنی انگلیوں پر پھونکا تو شمع کی طرح روشن ہوگئیں۔ ایک دن حضرت خواجہ حسنؒ نے رابعہؒ سے کہا،

آپ شادی کیوں نہیں کرتیں۔ آپ نے جواب دیا کہ عقد نکاح وجود پر ہوتا ہے۔ یہاں وجود ہی کہاں ہے، میں خود نہیں ہوں بلکہ اس کا سایہ ہوں، سایہ کے لئے جو حکم ہو وہی کرنا چاہیئے۔ انھوں نے پوچھا رابعہؒ تو نے یہ مرتبہ کیسے پایا۔ آپ نے جواب دیا اس وجہ سے کہ میں نے اپنے تمام مقاصد کو ختم کر دیا۔ ایک دن حضرت خواجہؒ نے پوچھا، اسے (خدا تعالےٰ کو) تم کیسے جانتی ہو۔ جواب دیا کہ میں اُسے بے چوں جانتی ہوں۔ نقل ہے کہ حضرت خواجہ حسنؒ نے کہا کہ اگر میں ایک لمحہ حق تعالےٰ کے دیدار سے محروم رہ جاؤں تو آخرت میں اس قدر گریہ کروں کہ تمام بہشتوں اور دوزخوں کو مجھ پر رحم آجائے، حضرت رابعہؒ نے کہا ہاں یہ بات درست ہے بشرطیکہ ایک لمحہ بھی ذکر اللہ سے غافل نہ رہے۔ ایک دفعہ حضرت رابعہؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا تم حق تعالےٰ کو دوست رکھتی ہو۔ فرمایا ہاں! اس نے پھر پوچھا کہ کیا شیطان کو دشمن رکھتی ہو۔ آپ نے فرمایا۔ رحمٰن کی دوستی میں اس قدر مستغرق ہوں کہ شیطان کی دشمنی کی مجھے خبر نہیں، حضرت رابعہؒ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے دریافت کیا اے رابعہؒ کیا تو مجھے دوست رکھتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون ہے جسے آپ سے محبت نہ ہو۔ لیکن حق تعالیٰ کی محبت میں میں اس قدر غرق ہوں کہ دوسرے کی محبت یا دشمنی میرے دل میں باقی نہیں رہی ایک دفعہ ایک بزرگ نے حضرت رابعہؒ کے سامنے دنیا کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں دنیا سے بہت محبت ہے کیونکہ دنیا سے محبت نہ ہوتی تو تم اس کا ذکر نہ کرتے۔ ایک دن حضرت رابعہؒ نے کہا یا اللہ، اگر کل قیامت کو آپ نے مجھے دوزخ میں ڈالا تو آپ کے بھیدوں میں ایک بھید ظاہر کر دوں گی جس سے دوزخ مجھ سے ہزار سال کی مسافت دور بھاگ جائے گی۔ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو بزرگان آپ کے سرہانے بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا اٹھو اور حق تعالےٰ کے پیغمبروں کے لئے جگہ خالی کرو۔ وہ اٹھ کر باہر چلے گئے، وفات

کے بعد کسی نے خواب میں آپ کی زیارت کی اور قبر اور منکر نکیر کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ جب وہ جوان مرد آئے اور انھوں نے پوچھا کہ من ربک (تیرا رب کون ہے) میں نے کہا، واپس جاؤ اور حق تعالیٰ سے عرض کرو کہ، آپ کی ہزاروں لاکھوں مخلوق ہے لیکن آپ نے مجھ بڑھیا کو فراموش نہ کیا، میرا دونوں جہانوں میں تو ایک ہے تجھے کس طرح فراموش کر سکتی ہوں۔" آپکی وفات ابوالعباس عبداللہ بن محمد بنی عباس کے پہلے خلیفہ کے عہد میں ۱۳۵ھ میں ہوئی۔ آپ کا مدفن مدس میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہا۔

۴

دربیان مجمل از احوال خواجہ عبدالواحد بن زید و خواجہ حبیب عجمی وغیرھم

حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ:

رئیس افراد پیشوائے اوتاد، گنج ہدایت کان ولایت فارغ از وسواس و مکر شیطان، واصل حق حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید قدس سرہ، حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے مرید اور خلیفۂ اول تھے، حضرت کمیل بن زیادؓ کے ہاتھ سے بھی آپ کو خرقہ خلافت ملا تھا۔ آپ کے کمالات اور کرامات بیشمار ہیں۔ آپ مریدوں کی تربیت میں کامل دسترس رکھتے تھے اور ریاضت و مجاہدہ ترک و تجرید، اور ذوق و عشق میں آپ کا کوئی نظیر نہ تھا۔ امام عبداللہ یافعیؒ نے اپنی تاریخ یافعی میں لکھا ہے کہ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ درویشوں کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں بیٹھی تھی، سب پر بھوک غالب تھی اور کھانے کو کوئی چیز نہ تھی سب نے مجبور ہو کر حضرت خواجہ عبدالواحدؒ سے درخواست کی کہ ہمیں حلوہ چاہیئے حضرت خواجہ نے جب دیکھا کہ دوست لوگ مجبور ہیں آسمان کی طرف منہ کر کے

حضرت نے حق تعالیٰ سے عرض کی فوراً دیناروں کی بارش ہونے لگی. آپ نے فرمایا اس قدر اٹھاؤ کہ بقدر ضرورت حلوہ خرید سکو. چنانچہ انھوں نے مناسب مقدار اٹھائی اور حلوہ خریدا لیکن حضرت خواجہؒ نے اس میں سے کچھ نہ کھایا. امام عبداللہ یافعیؒ نے روضتہ الریاحین میں آپ کے متعلق عجیب وغریب احوال تحریر کئے ہیں۔ ان میں سے چند یہاں درج کئے جاتے ہیں. نقل ہے کہ حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ میرا گھٹنا شل ہوگیا تھا جس سے مجھے سخت درد محسوس ہوتا تھا. ایک رات میں نماز کے لئے کھڑا ہوا لیکن بیٹھنے کی طاقت مجھ میں نہ تھی چنانچہ میں محراب کے اندر سر رکھ کر سوگیا. ناگاہ میں نے دیکھا کہ دوشیزہ لڑکیوں کی جماعت میں ایک نہایت حسین وجمیل لڑکی نے میری طرف دیکھ کر ان لڑکیوں سے کہا کہ اس مرد کو اس طرح اٹھالو کہ بیدار نہ ہونے پائے. چنانچہ میں دیکھ رہا تھا کہ انھوں نے مجھے اٹھا لیا. اس لڑکی نے کہا بستر بچھاؤ اور اس کو اس پر سلا دو. انھوں نے سات ایسے گدے بچھائے کہ دنیا میں میں نے ان جیسے نہیں دیکھے تھے. پھر ہرے رنگ کے خوبصورت تکیے بستر پر لگائے اور مجھے سلا کر قسم وقسم عطر اور پھول مجھ پر چھڑکے. اس کے بعد وہ لڑکی میرے پاس آئی اور اس نے اپنا ہاتھ میرے درد والی جگہ پر رکھا. ہاتھ رکھتے ہی مجھے آرام ہوگیا. ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کبھی درد ہوا ہی نہیں. یہ بھی روضتہ الریاحین میں مروی ہے کہ عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں. ایک دفعہ میرے دل میں شوق جہاد پیدا ہوا اور میں جانے کے لئے تیار ہوگیا کہ میرے دوستوں میں سے ایک شخص نے یہ آیت پڑھی ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم الجنتہ [یعنی اللہ تعالیٰ نے خرید لیا ہے مومنین سے ان کی جانوں اور ان کے مال کو بہشت کے عوض] فرماتے ہیں کہ اس آدمی کے پاس ایک پندرہ سالہ لڑکا کھڑا تھا جسے اپنے والد کے میراث میں بہت مال ملا تھا. یہ آیت سنتے ہی اس نے کہا اے عبدالواحدؒ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ قول

صحیح ہے۔ میں نے کہا ہاں صحیح ہے۔ اس نے کہا آپ گواہ رہیں، میں نے اپنی جان اور اپنا مال بہشت کے عوض فروخت کیا۔ اس کے بعد اس لڑکے نے میرے ہاتھ پر بیعت کی اور سوائے ایک گھوڑے اور لڑائی کے ہتھیاروں کے سب کچھ فی سبیل اللہ خرچ کر ڈالا۔ دوسرے دن وہ ہمارے ساتھ کفار سے جہاد کی غرض سے باہر نکلا۔ دن کو روزہ رکھتا تھا اور رات نماز میں گزارتا تھا، ایک دفعہ اس نے یہ کہتے ہوئے ایک نعرہ لگایا واشوقاہ الی العیناء المرضیہ (مجھے عیناء المرضیہ کی تمنا ہے) اس لڑکے کا یہ حال دیکھ کر میرے دوستوں کو خیال ہوا کہ شاید دیوانہ ہو گیا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا اے دوست یہ عیناء مرضیہ کون ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں عالم محویت میں چلا گیا اور دیکھا کہ ایک شخص نے میرے پاس آ کر کہا کہ عیناء المرضیہ کے پاس جاؤ۔ یہ کہہ کر مجھے ایک ہرے بھرے میدان میں لے گیا، جس میں ایک پانی کی ندی بہہ رہی تھی اور اس ندی کے کنارے میں نے چند نہایت حسین و جمیل زیورات سے آراستہ پیراستہ مستورات دیکھیں جو اس قدر حسین تھیں کہ پہلے میں نے ان جیسی کبھی نہ دیکھی تھیں۔ وہ مجھے دیکھ کر نہایت خوش ہوئیں اور کہنے لگیں کہ یہ ہے عیناء المرضیہ کا شوہر۔ میں نے پوچھا کہ عیناء المرضیہ تم میں سے ہے۔ انھوں نے کہا نہیں ہم اس کی خدمت گار ہیں۔ آپ آگے تشریف لائیں جب میں آگے بڑھا تو میں نے ایک اور ندی دیکھی جو دودھ سے بھری ہوئی تھی اور اُسکے کنارے چند لڑکیاں کھڑی تھیں، میں نے ان سے بھی یہی سوال کیا، انھوں نے بھی کہا کہ آگے تشریف لے جائیں، ہم ان کی خدمت گار ہیں۔ جب میں وہاں سے آگے گیا میں نے تیسری ندی دیکھی جو شراب سے بھری بہہ رہی تھی اور اس کے کنارے پر حسین و جمیل لڑکیاں کھڑی تھیں، میں نے ان سے دریافت کیا کہ عیناء المرضیہ تم میں سے ہے۔ انھوں نے جواب دیا اے ولی اللہ آگے تشریف لے جائیں، ہم تو اس کی خدمت گار ہیں۔ جب میں آگے بڑھا تو میں نے ایک

اور ندی دیکھی جو خالص شہد سے بھری تھی اور اس کے کنارے پر بھی اسی طرح حسین لڑکیاں تھیں لیکن حسن و جمال میں پہلی لڑکیوں سے بڑھی ہوئی تھیں انھوں نے بھی کہا کہ عینا المرضیہ آگے ہے۔ وہاں سے گزر کر میں ایک خیمے کے قریب پہنچا جو سفید مروارید سے بنا تھا۔ اس خیمے کے دروازے پر ایک نہایت خوبصورت لڑکی بیٹھی تھی وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوئی اور اس نے آواز دی کہ اے عینا المرضیہ یہ ہے تمہارا خاوند جو سفر سے واپس آیا ہے پس میں خیمے کے اندر داخل ہوا اور عینا المرضیہ کو دیکھا کہ ایک ایسے تخت پر جلوہ افروز ہے جو سونے سے بنا ہوا ہے، مروارید اور یاقوت سے جڑا ہوا ہے اسے دیکھتے ہی میں فریفتہ ہو گیا۔ اس نے کہا مرحبا اے ولی الرحمٰن۔ میں اس کے قریب تر ہوا۔ اور ہاتھ اس کی گردن کے گرد ڈالا۔ اس نے کہا ذرا ٹھیریئے ابھی وقت نہیں آیا، ابھی آپ قید حیات میں ہیں۔ آج آپ ہمارے ہاں روزہ افطار کریں گے۔ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا۔ اور اب سخت بے قرار ہوں، حضرت عبدالواحدؒ فرماتے ہیں کہ لڑکے نے یہ بات ختم کی ہی تھی کہ دشمن کی ایک فوج ظاہر ہوئی، سب سے پہلے وہ لڑکا حملہ آور ہوا اور شہید ہو گیا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ اپنے خون میں غلطاں تھا اور قہقہہ لگا کر ہنس رہا تھا۔ اس کے بعد راہی ملک عدم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے ——

روضۃ الریاحین میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن اہل قریش میں سے کچھ لوگ حضرت عبدالواحد بن زید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تنگیٔ روزگار کی شکایت کرنے لگے۔ آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا "الٰہی میں تیرے نام عالی مقام سے سوال کرتا ہوں وہ نام جس کے لیوا کو تو اپنی دوستی سے سرفراز کرتا ہے اب ہمیں اسی وقت اپنی نال سے روزی دے" یہ کہتے ہی آسمان سے ایک سخت آواز سنائی دی۔ اور دیناروں کی بارش ہونے لگی اور لوگوں نے وہ دینار جمع کر لیے۔ آپ کے کمالات اور کرامات اس قدر ہیں کہ قلم بیان کرنے سے قاصر ہے

آپ کا وصال ۱۷۱ھ میں بصرہ میں ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ

صاحب یقین، بیگماں، آں خلوت نشین بے نشاں، آں فقیر عدمی، رئیس قوم، خواجہ حبیب عجمی قدس سرہٗ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کے کرامات اور ریاضات تذکرۃ الاولیاء میں مفصل درج ہیں یہاں مختصراً بیان کئے جاتے ہیں۔ آپ ابتداء میں مالدار اور سود خوار تھے۔ بعد میں آپ نے حضرت خواجہ حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہو کر اس فعل سے توبہ کی اور جس قدر مال و دولت آپ نے جمع کیا تھا سب راہِ خدا میں صرف کر دیا اور باقی کچھ نہ چھوڑا۔ آپ نے دریائے فرات کے کنارے ایک حجرہ بنا لیا اور عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ دن کو حضرت خواجہ حسنؒ کے ہاں علم حاصل کرتے تھے اور ساری رات عبادت کرتے تھے۔ آپ کو عجمی اس لئے کہتے ہیں کہ قرآن اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اسی طرح ایک مدت گزر جانے کے بعد آپ کی بیوی بے نوا ہو گئی اور نفقہ طلب کرنے لگی۔ جب کبھی آپ گھر جاتے بیوی خرچ طلب کرتی۔ آپ فرماتے تھے کہ میں جس کی عبادت میں مشغول ہوں کریم ہے تم فکر مت کرو۔ یہ کہہ کر آپ عبادت میں مشغول ہو جاتے حتیٰ کہ دن ہو جاتا۔ آپ روزانہ یہی خیال کرتے تھے کہ آج رات گھر کیا لے جاؤں گا ایک دن حق تعالیٰ نے ان کے گھر ایک حمال (بوجھ اٹھانے والا) کے ساتھ آٹا ایک کے ساتھ گوشت، ایک کے ساتھ گھی اور شہد بھیجا اور ایک خوبصورت جوان کو تین ہزار دینار دے کر آپ کی بیوی کو کہلا بھیجا کہ خداوند تعالےٰ نے یہ سب چیزیں ارسال فرمائی ہیں۔ اور فرماتا ہے کہ حبیبؒ سے کہو کہ اپنا کام زیادہ کرے تاکہ مزدوری زیادہ دوں۔ یہ کہہ کر وہ جوان چلا گیا۔ جب رات کو آپ گھر آئے۔ آپ کی بیوی نے تمام ماجرا سنایا۔ یہ سن کر آپ کے دل میں خوشی پیدا ہوئی اور کلی طور پر دل کو دنیا سے پاک کر لیا اور حق تعالیٰ کے ساتھ جوڑ دیا اسی

آپ کا وصال ۱۷۱ھ میں بصرہ میں ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ

صاحب یقین، بیگماں، آں خلوت نشین بے نشاں، آں فقیر عدمی، رئیس قوم، خواجہ حبیب عجمی قدس سرہٗ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کے کرامات اور ریاضات تذکرۃ الاولیاء میں مفصل درج ہیں یہاں مختصراً بیان کئے جاتے ہیں۔ آپ ابتداء میں مالدار اور سود خوار تھے۔ بعد میں آپ نے حضرت خواجہ حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہو کر اس فعل سے توبہ کی اور جس قدر مال و دولت آپ نے جمع کیا تھا سب راہِ خدا میں صرف کر دیا اور باقی کچھ نہ چھوڑا۔ آپ نے دریائے فرات کے کنارے ایک حجرہ بنا لیا اور عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ دن کو حضرت خواجہ حسنؒ کے ہاں علم حاصل کرتے تھے اور ساری رات عبادت کرتے تھے۔ آپ کو عجمی اس لئے کہتے ہیں کہ قرآن اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اسی طرح ایک مدت گزر جانے کے بعد آپ کی بیوی بے نوا ہو گئی اور نفقہ طلب کرنے لگی۔ جب کبھی آپ گھر جاتے بیوی خرچ طلب کرتی۔ آپ فرماتے تھے کہ میں جس کی عبادت میں مشغول ہوں کریم ہے تم فکر مت کرو۔ یہ کہہ کر آپ عبادت میں مشغول ہو جاتے حتیٰ کہ دن ہو جاتا۔ آپ روزانہ یہی خیال کرتے تھے کہ آج رات گھر کیا لے جاؤں گا ایک دن حق تعالیٰ نے ان کے گھر ایک حمال (بوجھ اٹھانے والا) کے ساتھ آٹا ایک کے ساتھ گوشت، ایک کے ساتھ گھی اور شہد بھیجا اور ایک خوبصورت جوان کو تین ہزار دینار دے کر آپ کی بیوی کو کہلا بھیجا کہ خداوند تعالےٰ نے یہ سب چیزیں ارسال فرمائی ہیں، اور فرماتا ہے کہ حبیبؒ سے کہو کہ اپنا کام زیادہ کرے تاکہ مزدوری زیادہ دوں۔ یہ کہہ کر وہ جوان چلا گیا۔ جب رات کو آپ گھر آئے۔ آپ کی بیوی نے تمام ماجرا سنایا۔ یہ سن کر آپ کے دل میں خوشی پیدا ہوئی اور کلی طور پر دل کو دنیا سے پاک کر لیا اور حق تعالیٰ کے ساتھ جوڑ دیا اسی

طرح آپ مستجاب الدعوات ہو گئے۔ ایک دفعہ ایک عورت کا لڑکا گم ہو گیا اس نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ مجھ میں اب فراق برداشت کرنیکی طاقت نہیں رہی۔ یہ کہہ کر وہ بہت روئی۔ آپؒ نے دعا کی تو فوراً اس کا لڑکا گھر آ گیا۔ نقل ہے کہ ایک دفعہ مغرب کے وقت حضرت خواجہ حسنؒ آپ کے حجرہ میں گئے۔ انھوں نے آپ کو امام بنایا۔ جب حضرت حبیب عجمیؒ نے الحمد للہ پڑھا تو حا کی زیر یعنی الحِمد للہ پڑھا۔ حضرت خواجہ حسنؒ نے فرمایا کہ تمہارے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ اس لئے انھوں نے علیحدہ نماز پڑھ لی۔ اسی رات حضرت خواجہ حسنؒ کو حق تعالےٰ کی زیارت ہوئی۔ انھوں نے عرض کیا الٰہی تیری رضا کہاں ہے جواب ملا کہ حبیبؒ کے پیچھے نماز پڑھنے میں جو تم نے ترک کر دی۔ زبان سے صحیح ادا کرنے اور دل سے صحیح ادا کرنے میں بڑا فرق ہے [یعنی کلمات زبان سے صحیح ہو گئے تو کیا ہوا جب تک کہ دل سے صحیح طور پر ادا نہ ہوں] ایک دن حجاج بن یوسف ظالم کے سپاہیوں سے بچ کر حضرت خواجہ حسن بصریؒ حضرت حبیب عجمیؒ کے حجرہ میں جا چھپے۔ سپاہیوں نے حضرت حبیبؒ سے پوچھا حسنؒ کہاں ہے انھوں نے جواب دیا کہ حجرہ میں ہے۔ انھوں نے آپ کو حجرہ میں جس قدر تلاش کیا نہ پایا۔ اور واپس چلے گئے جب حضرت خواجہ حسنؒ باہر آئے۔ حضرت حبیبؒ سے دریافت کیا کہ آپ نے کیا پڑھا تھا کہ ہم نظر نہ آئے۔ انھوں نے کہا دس بار آیت الکرسی، دس بار آمن الرسول اور دس بار قل ھو اللہ پڑھا۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کہ الٰہی حسنؒ کو تیرے سپرد کیا، اس کا خیال رکھنا۔ ایک دن دریائے دجلہ کے کنارے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کشتی کے بغیر پریشان کھڑے تھے کہ حضرت حبیب عجمیؒ آنکلے اور سطح آب پر چل کر پار چلے گئے۔ حضرت خواجہ حسنؒ نے جو اسی طرح کھڑے ہوئے تھے تعجب سے کہا اس نے علم مجھ سے سیکھا ہے لیکن اب مجھ پر سبقت لے گیا ہے۔ حضرت حبیبؒ سے پوچھا کہ یہ مرتبہ تم نے کیسے پایا، انھوں نے جواب

دیا کہ میں دل کو سفید کرتا ہوں اور تم کاغذ سیاہ کرتے ہو۔ حضرت خواجہ حسنؒ نے فرمایا "سبحان اللہ میرے علم سے دوسرں کو فائدہ ہوا ہے مجھے نہیں ہوا" اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ حبیب عجمی کا درجہ حضرت خواجہ حسنؒ سے بلند ہے تو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ راہِ حق میں علم اور اسرار سے کوئی چیز زیادہ بلند نہیں ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا (اے پیغمبر تو کہہ اے میرے پروردگار میرے علم میں برکت دے) نیز مشائخ عظام نے بھی لکھا ہے کہ طریقت میں کرامات کا درجہ چوتھا ہے اور اسرار و علم کا اٹھارواں درجہ ہے۔ کیونکہ کرامات کا ظہور عبادت سے ہوتا ہے اور اسرار کا ظہور تفکر سے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثال لیجئے کرامات میں جس قدر ان کا حصہ تھا، اہل علم حضرات میں سے اتنا کسی کو نصیب نہ تھا۔ دیو و پری، پانی اور ہوا، چرند اور پرند سب پر آپکی حکومت تھی اور ان کا تخت چالیس کوس تک ہوا میں جا سکتا تھا لیکن کتاب کی سمجھ جو کہ علم اسرار میں سے ہے حق تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عنایت فرمائی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو باوجود اس عظمت کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کے تابع فرمایا۔

جس وقت حضرت حبیب عجمیؒ کے سامنے قرآن پڑھتے تھے آپ زار زار روتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ قرآن مجید کے معنی تو سمجھتے نہیں گریہ کس وجہ سے کرتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میری زبان عجمیؒ ہے لیکن دل عربی ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حبیبؒ کی شان کا ملاحظہ کیا۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ تو عجمی ہیں یہ مرتبہ انھوں نے کس طرح پایا۔ اس نے کہا ہاں وہ عجمی ہیں لیکن حبیب ہے نقل ہے کہ ایک جوان کو پھانسی دی گئی۔ اسی رات کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ بہشت کے باغوں میں سیر کر رہا ہے اس سے پوچھا کہ تو تو اہل قتال

میں سے ہے یہ مرتبہ کیسے پایا۔ اس نے جواب دیا کہ جس وقت مجھے تختہ دار پر لٹکایا گیا، حبیب عجمیؒ نے گوشۂ چشم سے میری طرف دیکھا اور دعا کی اور ان کی دعا قبول ہوئی۔ آپ کے کمالات حد تحریر سے باہر ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ عتبہ بن غلام قدس سرہٗ

سوختہ جمال، آں گمشدہ وصال، آں عاشق عالیمقام

حضرت خواجہ عتبہ بن غلامؒ اہل دل حضرات کے مقبول تھے۔ آپ کی روش عجیب و غریب تھی اور ساری خلقت آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھی آپ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے شاگرد تھے آپ کی توبہ کا واقعہ یہ ہے کہ ابتدائے حال میں آپ کسی حسین کی طرف دیکھا کرتے تھے جس سے آپ کے دل میں سیاہی پیدا ہو گئی تھی۔ ایک دن اس نے کہلا بھیجا کہ میری کیا چیز آپ کو پسند ہے۔ آپ نے کہا آنکھ۔ اس نے فوراً اپنی آنکھ نکال کر تھال میں رکھی اور آپ کے پاس بھیج دی۔ یہ دیکھ کر حضرت عتبہؒ کے ہوش گم ہو گئے۔ آپ نے توبہ کی اور حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی خدمت میں چلے گئے۔ آپ کی یہ حالت ہو گئی کہ کچھ جو خرید کر اپنے ہاتھ سے آٹا بناتے اور پانی میں بھگو کر دھوپ میں خشک کرتے اور ہفتے میں ایک بار تھوڑا سا کھا لیتے۔ باقی وقت عبادت الٰہی میں گزارتے تھے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ ہفتے میں ایک دفعہ کیوں کھاتے ہو۔ جواب دیا کہ مجھے کرام الکاتبین سے شرم آتی ہے ایک ہفتے میں ایک بار سے زیادہ ان کے سامنے طہارت کروں۔ ایک دن دریائے دجلہ پر تشریف لے گئے، اور سطح آب پر چل کر پار ہو گئے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ وہاں موجود تھے، آپ نے دریافت کیا کہ یہ درجہ تم نے کیسے پایا۔ آپ نے جواب دیا کہ تیس سال ہو چکے ہیں تم وہ کرتے ہو جو اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اور میں وہ کرتا ہوں جو وہ چاہتے ہیں یہ اشارہ ہے مقام تسلیم و رضا کی طرف۔ کسی نے حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ سے پوچھا کہ آپ نے کوئی ایسا آدمی بھی دیکھا ہے جو بجز اپنے حال کے کسی کے

ساتھ مشغول نہ ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں جانتا ہوں اور وہ ابھی آتا ہے۔ اس کے فوراً بعد حضرت عتبہ بن غلام آگئے۔ آپ نے فرمایا اے عتبہ! تو نے راستے میں کسی کو دیکھا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ کسی کو نہیں دیکھا حالانکہ وہ بازار سے گزر کر آئے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ ذوالنون مصریؒ اور خواجہ محمد سماکؒ اپنے احباب کے ساتھ حضرت رابعہ بصریؒ کے پاس بیٹھے تھے حضرت عتبہ بن غلامؒ جو نیا کرتہ پہنے ہوئے اور خراماں چلتے ہوئے آئے۔ حضرت محمد سماکؒ نے کہا یہ کیا رفتار ہے۔ آپ نے جواب دیا، میں خراماں کیوں نہ چلوں کہ جبار کا غلام ہوں یہ کہتے ہی فوراً گرے اور جاں بحق ہو گئے۔

حضرت خواجہ عبداللہ حسین رح

غواص دریائے دین، مستغرق بحر یقین، ناظر عین بعین، قطب وقت خواجہ عبداللہ حسین اپنے زمانے کے بڑے زہاد و عباد میں سے تھے۔ اور آپ کا شمار عارفین متوکلین میں ہوتا ہے۔ آپ رزق حلال کے لئے بہت کوشش فرمایا کرتے تھے۔ آپ حضرت یوسف اسباطؒ کے ہم نشیں تھے۔ آپ کوفہ کے رہنے والے تھے اور حضرت سفیان ثوری کے مسلک پر چلتے تھے۔ فقر و معرفت میں آپ کا بلند پایہ کلام ہے۔ حضرت فتح موصلیؒ فرماتے ہیں کہ جب شروع میں میری ان سے ملاقات ہوئی، فرمایا اے خراسانی چار چیزوں کا خیال رکھ آنکھ، زبان، دل اور خواہش۔ آنکھ سے ناجائز چیز مت دیکھ۔ زبان سے ذکر حق تعالیٰ کے سوائے کچھ نہ کہہ۔ دل کی خیانت و تکبر سے حفاظت کر۔ اور اسے ہمیشہ حصول بستر دراز، پر لگائے رکھ۔ اور کسی چیز کی خواہش نہ کر۔ اگر یہ چار باتیں میسر نہ ہوں تو اپنے سر میں دھول ڈال اور اپنا ماتم کر۔ یہ بھی آپ نے کہا ہے کہ راہ حق تعالیٰ میں کسی اور چیز کو پسند نہ کر کیوں وہ تیرے لئے سب سے بہتر ہے۔

حضرت خواجہ فتح بن علی موصلی قدس سرہٗ

عاشق جمال، شہید زلال، بالاتفاق ولی، حضرت خواجہ فتح موصلیؒ، موصل کے بزرگان متقدمین میں سے ہیں۔ حضرت بشر حافی نے آپ کو دیکھا ہے۔ ایک دن آپ حضرت بشر حافیؒ کے گھر گئے اور فرمایا، اگر کھانے کی کوئی چیز ہے تو لاؤ۔ انھوں نے کھانا آپ کے سامنے رکھا۔ آپ نے ذرا سا کھایا اور باقی اپنی گلیم میں رکھ کر چلے گئے۔ ایک لڑکی نے یہ دیکھ کر کہا کہ لوگ کہتے ہیں فتح متوکلین کے امام ہیں لیکن وہ کھانا اٹھا کر چلے گئے ہیں۔ حضرت بشر حافی نے کہا وہ تم کو سکھلا رہا ہے کیونکہ جب توکل صحیح ہو جاتا ہے اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ جب تجرید درست ہو جاتی ہے، ملک سلیمانؑ کی بھی خبر نہیں رہتی۔ اور جب تجرید درست نہیں ہوتی، بڑھی ہوئی آستین کا بھی علم رہتا ہے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ ایک دن آپ عید الضحیٰ کے دن کوچہ و بازار میں پھر رہے تھے۔ لوگ قربانیاں کر رہے تھے۔ آپ نے کہا الٰہی تو جانتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے کہ جو تیرے لئے قربان کروں میرے پاس صرف یہ ہے۔ یہ کہہ کر انگلی اپنے گلے پر رکھی اور گر کر جاں بحق ہو گئے اس وقت ایک ہرے رنگ کی لکیر آپ کی گردن پر دیکھی گئی۔ آپ کا وصال ۲۲۰ھ میں ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابو ہاشم صوفی قدس سرہٗ

(جو سب سے پہلے صوفی کہلائے)

سر حلقہ صوفیان اہل صفا، در عصر خویش ہمہ را مقتدا، امام باطن و امام ظاہر کوفی، عارف کامل خواجہ ابو ہاشم صوفی قدس سرہٗ مشائخ شام میں سے تھے لیکن تھے کوفی الاصل۔ آپ حضرت سفیان ثوری کے ہم عصر تھے۔ سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ جب تک میں نے ابو ہاشم صوفیؒ کو نہ دیکھا تھا مجھے معلوم نہ تھا کہ صوفی کون ہوتا ہے۔ آپ سے پہلے صوفی مشرب بزرگ تھے جو زہد اور ورع، طریق توکل

اور طریق محبت میں مشہور تھے۔ لیکن پہلے صوفی کے نام سے کوئی نہیں پکارا جاتا تھا۔ لفظ صوفی کے معنوں میں بزرگان کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صوفی سے مراد صفا ہے یعنی اہل صفا کو صوفی کہا جا سکتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صوفی لفظ صوف سے نکلا ہے یعنی جو کوئی صوف (اون) کا کپڑا پہنتا ہے صوفی کہلاتا ہے۔ حضرت شیخ شرف الدین منیریؒ شرح آداب المریدین میں لکھتے ہیں کہ فقر کی انتہا تصوف کی ابتدا ہے صوفی نام ہے کاملان اہل ولایت کا اور اولیائے محققین کو اسی نام سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ وہ اہل صفا ہیں۔

اقسام صوفیا

اہل صفا کے یا اہل تصوف کی بزرگان نے تین قسمیں لکھی ہیں۔ اوّل صوفی، دوم متصوف، سوم مستصوف۔ صوفی وہ ہے جو اپنے آپ سے فانی اور حق تعالیٰ کے ساتھ باقی ہو۔ طبیعت کے تقاضوں سے نجات حاصل کی ہوئی ہو اور حقیقت کے ساتھ پیوستہ ہو۔ متصوف وہ ہے جو مجاہدات کے ذریعہ یہ درجہ طلب کرتا ہے اور اس جدوجہد میں ان لوگوں کے مقام تک رسائی کرتا ہے۔ مستصوف وہ ہے جو دنیاوی جاہ و حشمت کی خاطر صوفیوں کی شکل اختیار کرتا ہے اور صوفی اور متصوف کے کام اور صفات سے خالی ہوتا ہے۔ اس کا ذکر صوفیا کرام کی تصانیف میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

فقر کیا ہے

حقیقت فقر کا جہاں تک تعلق ہے ابن جلا رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ فقر یہ ہے کہ تیرا کچھ نہ ہو اور اگر کچھ ہو تو تیرا نہ ہو۔ چنانچہ سلطان المشائخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ الفقر ھو اللہ [فقر کیا ہے اللہ ہے] اور یہ تصوف کا آخری مقام ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ النھایۃ ھو الرجوع الی البدایۃ [مقامات فقر کی انتہا ابتدا کی طرف رجوع کرنا ہے] یہاں احقر مترجم مزید وضاحت کی خاطر عرض پرداز ہے کہ ابتدا کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب سالک مقام فنا فی اللہ یعنی مقامِ

وحدت سے گزر عبدیت یا مقام بقا باللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ فنا کی مستی اور محویت سے نکل بقا باللہ کی ہوشیاری میں آتا ہے۔ مقام فنا کا دوسرا نام عروج ہے، یعنی وہ عروج چھوڑ کر سالک پھر مقام نزول میں آتا ہے جس کا دوسرا نام مقام عبدیت ہے، اس مقام پر سالک کیف و مستی سے نکل کر ہوشیاری میں آتا ہے اور اپنے تمام فرائض بطریق احسن ادا کرتا ہے۔ چونکہ سلوک شروع کرنے سے پہلے آدمی عبادات اور مجاہدات اور ہوشیاری و بیداری میں ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ عروج کر کے مقام فنافی اللہ میں پہنچتا ہے، اس لئے جب وہ عروج چھوڑ کر پھر نزول اور عبدیت کی طرف رجوع کرتا ہے تو بزرگان نے نہایت کار یعنی آخری مقام کا نام بدایت یعنی ابتدا کی طرف لوٹنا رکھا ہے۔ یہ مقام آخری اس لئے کہلاتا ہے کہ یہاں پہنچے بغیر تکمیل نہیں ہوتی ہے۔ مقام فنافی اللہ درمیانی منزل ہے۔ سلوک محمدیؐ کا خاصا یہ ہے کہ سالک فنافی اللہ کی مستی اور محویت سے نکل کر ہوشیاری اور فرض شناسی کے مقام پر واپس نزول کرے اور دنیا کے کام سرانجام دے۔ رشیوں جوگیوں اور عیسائی راہبوں کی طرح ہمیشہ کے لئے مقام فنا میں محو رہ جانا اور ترک دنیا شریعت محمدیؐ کے خلاف ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **لا رهبانية في الاسلام** [اسلام میں رہبانیت نہیں ہے] ہمارے یہاں کے جو لوگ مقام فنا کو چھوڑ کر عبدیت، اور بقا باللہ کی طرف لوٹنے کی طاقت نہیں رکھتے انہیں تصوف کی اصطلاح میں قلندر یا مجذوب کہا جاتا ہے۔ قلندریت اور مجذوبیت میں پھنس کر رہ جانا سلوک محمدیؐ کی رو سے ایک نقص ہے۔ کمال یہ ہے عبدیت اور بقا باللہ کی جانب رجوع کر کے اپنے اصل مقام پر واپس آئے اور اپنے تمام فرائض انجام دے۔ اگرچہ سالک، سلوک شروع کرنے سے پہلے اور سلوک ختم کرنے کے بعد اسی ایک ہی مقام ابتدا پر ہوتا ہے اس لئے ممکن ہے کسی کو خیال ہو کہ پھر اس سارے جھگڑے کی کیا ضرورت تھی، جواب یہ ہے کہ سلوک شروع کرنے سے پہلے آدمی خام تھا، عبادات و مجاہدات کے ذریعہ اس کی روحانیت نے ترقی کی اور

پرواز کر کے واصل حق تعالیٰ ہوئی، اس مقام پر سالک متصف بصفات اللہ ہو یعنی
اللہ کی لامحدود ذات و صفات میں فنا ہو کر بمصداق حدیث تخلقو باخلاق اللہ
صفات باری تعالیٰ سے متصف ہو گیا اس کے بعد جب اس نے مقام عبدیت
کی طرف نزول کیا تو چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہے، سب کام
صفات باری تعالیٰ کی روشنی میں کرتا ہے۔ حدیث قدسی بی یبصر اور بی یسمع
کا اسی مقام کی طرف اشارہ ہے اور یہی خلافت ارضی ہے۔ حصول فنا فی اللہ و
بقا باللہ کے بغیر جو شخص خلیفۃ اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جھوٹا ہے۔

پہلی خانقاہ پہلی خانقاہ جو صوفیوں کے لئے بنائی گئی ملک شام میں
رملہ کے مقام پر کسی عیسائی رئیس نے تیار کرائی تھی۔ قصہ یوں ہے کہ ایک عیسائی
رئیس شکار کو نکلا۔ جنگل میں اس نے دیکھا کہ دو مسلمان بزرگ راستے میں ایک
دوسرے کو ملے۔ پہلے انھوں نے ایک دوسرے کو گلے لگایا، پھر دونوں نے
بیٹھ کر جو کچھ ان کے پاس تھا سامنے رکھا اور دونوں نے مل کر کھایا، کھانا کھانے
کے بعد دونوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ عیسائی رئیس ان کی باہمی محبت دیکھ کر حیران
ہوا اور ان میں سے ایک بزرگ کو بلا کر پوچھنے لگا کہ وہ کون تھا، اس نے کہا
معلوم نہیں۔ اس نے کہا، جب تم ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں ہو تو یہ باہمی
الفت و محبت کہاں سے آئی۔ بزرگ نے جواب دیا کہ ہم طریقت کے بھائی ہیں
اور یہی طریقت ہماری محبت کا باعث ہے۔ رئیس نے پوچھا کہ اچھا آپ یہ بتائیں
کہ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں آپ لوگ جمع ہوتے ہوں۔ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں
رئیس نے کہا میں تمہارے لئے ایک جگہ بنواتا ہوں تاکہ تم سب ایک جگہ جمع ہو لیکن
پس اس نے رملہ میں ایک خانقاہ بنائی اور یہ پہلی خانقاہ تھی۔

نفحات الانس میں یہ بھی حضرت منصور عمار دمشقیؒ سے مروی ہے کہ ابو ہاشم صوفیؒ
جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو کسی نے آپ سے پوچھا کہ اس وقت آپ کیا
محسوس کرتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ بلائے عظیم در پیش ہے لیکن یعنی مہر اور

دوستی بلا سے بالاتر ہے یعنی بلا بڑی ہے لیکن دوست کی دوستی اس سے بڑھ کر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر بلا بقدر ہوا ہوتی تو ہوا نہ ہوتی (یعنی ہوا بمعنی دوستی دعشق ہے) آپ کے وصال کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی لیکن آپ حضرت سفیان ثوری کے ہم عصر تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ بیت ؎

کے بود خود در خود جدا ماندہ من و تو رفتہ و خدا ماندہ

(عاشق کب تک اپنے آپ سے جدا رہے گا
اب تو یہ حال ہے کہ من و تو کا تعین
ختم ہے اور خدا ہی خدا رہ
گیا ہے)

۵

حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ و حضرت سفیان ثوریؒ وغیرھم کے بیان میں

حضرت خواجہ ابو علی فضیل بن عیاض قدس سرہٗ

آں مقدمہ تابعان، آں معظم تائبان، آں آفتاب کرم و احسان، آں دُرِّ دریائے ورع و عرفان آں از دو کون کردہ اعراض ابو علی خواجہ فضیل ابن عیاضؒ مرید و خلیفہ تھے حضرت خواجہ عبد الواحد بن زیدؒ کے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ آپ طبقۂ اولیٰ یعنی پہلے طبقہ کے بزرگ ہیں۔ آپ کی کنیت ابو علی ہے۔ آپ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کا اصل وطن خراسان تھا اور مرو کے مضافات میں رہتے تھے۔ آپ کی پیدائش سمرقند میں ہوئی اور وہیں آپ کی تربیت ہوئی۔ شیخ فریدالدین عطارؒ کہتے ہیں آپ اکابر اولیاء میں سے تھے آپ طریقت میں ماہر فن اور بحر حقیقت میں غرق تھے۔ آپ خلقت کے مرجع تھے اور ریاضت اور کرامات میں عالی مقام رکھتے تھے۔ ورع (نیکی) اور معرفت میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔ ابتدائے حال میں آپ پلاس پہنتے تھے ریشم کا کلاہ سر پر اور تسبیح گلے میں رکھتے تھے۔ آپ کے بہت دوست تھے جو سب چور اور رہزن تھے جہاں کہیں وہ قافلہ لوٹتے سب مال و متاع آپ کے سامنے لاکر رکھتے۔ اور آپ تقسیم کرتے تھے۔ اس وجہ سے آپ اُن کے سردار تھے۔ اور مال میں سے جس قدر چاہتے تھے اپنے لیے رکھ لیتے تھے۔ اس سے آپ مسجد بنواتے اور جو کوئی نماز باجماعت نہ پڑھتا تھا اُسے نکال دیتے تھے۔ ابتدا میں آپ ایک عورت پر عاشق تھے۔ اور رہزنی میں جو کچھ ہاتھ لگتا تھا آپ اُس کے پاس بھیج دیتے۔ کبھی آپ کے پاس جاکر محبت کی وجہ سے روتے تھے۔ اور اسی محبت کی وجہ سے جس قافلے میں کوئی عورت ہوتی اُسے نہ

لوٹتے۔ اور ہر شخص کے لیے بقدر ضرورت مال چھوڑ دیتے۔ ایک دن آپ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک قافلہ لوٹنے نکلے۔ قافلے میں ایک آدمی یہ آیت پڑھ رہا تھا۔ الم یاٴن للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ (یعنی کیا ابھی وقت نہیں آیا مومنوں کے لیے کہ اُن قلوب اللہ تعالےٰ کے ذکر سے بیدار ہوں) یہ آیت تیر کی حضرت فضیل بن عیاضؒ کے دل میں جا لگی۔ آپ پر رقت طاری ہوگئی اور اس کام سے توبہ کی۔ اس کے بعد آپ نے تمام حق داروں کو راضی کر لیا۔ لیکن ایک یہودی تھا جو کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا۔ کافی گفت وشنید کے بعد اس نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہوئی ہے جب تک تو میرا مال نہیں دے گا تجھے معاف نہیں کر دوں گا۔ اب میرے سرہانے کے نیچے کچھ سونا پڑا ہے اُسے اٹھا لاؤ۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس کے سرہانے کے نیچے ڈالا اور سونا نکال کر اُسے دے دیا۔ یہ دیکھ کر یہودی مسلمان ہوگیا۔ جب آپ نے سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ جو کوئی صدق دل سے توبہ کرتا ہے اس کے ہاتھ لگانے سے خاک بھی سونا بن جاتی ہے۔ میں نے تیرا امتحان لینے کی خاطر سرہانے کے نیچے مٹی رکھ دی تھی جو تمہارے ہاتھ میں سونا بن گئی ہے۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہاری توبہ سچی ہے۔ اس کے بعد آپ کوفہ تشریف لے گئے اور امام ابوحنیفہؒ کی صحبت میں رہے۔ وہاں آپ نے بے شمار اولیاء اللہ کی صحبت پائی۔ وہاں سے آپ مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور حق تعالےٰ کے ساتھ مشغول ہوگئے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حضرت فضیل بن عیاضؒ کے پاس گیا۔ آپ آیات واحادیث پر گفتگو فرما رہے تھے۔ بہت مبارک رات تھی اور بہترین صحبت۔ اس سے بہتر صحبت مجھے کبھی نہ ملی تھی۔ لیکن حضرت فضیلؒ نے فرمایا کہ بہت خراب صحبت رہی۔ میں نے پوچھا کس طرح، فرمایا اس لیے کہ تم اس کوشش میں تھے کہ ایسی بات کرو۔ جو مجھے اچھی لگے اور میں یہ کوشش کر رہا تھا کہ ایسا جواب دوں جس سے تم خوش ہو جاؤ۔ اس وجہ سے ہم دونوں حق گوئی سے باز رہے۔ اس سے تنہائی اور حق تعالےٰ کے مناجات بہتر تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ بیمار ہو جاؤں کیونکہ بیماری کی حالت میں نہ نماز باجماعت کے لیے جانا پڑے

کسی کو دیکھوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کا شکر گزار ہوتا ہوں جو میرے پاس سے گزرے اور سلام نہ کرے (اس وجہ سے غلبہ حال میں سلام کا جواب بھی مشکل ہو جاتا ہے) اور جب میں بیمار ہوں تو عیادت کے لیے کوئی نہ آئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب رات ہوتی ہے تو میں خوش ہوتا ہوں۔ کیونکہ مجھے حقیقی خلوت نصیب ہوتی ہے اور جب صبح ہوتی ہے تو لوگوں کی آمد و رفت سے غمناک ہوتا ہوں اور مجھے تشویش ہوتی ہے۔

ازاں تنہائی و ملک غریبی شد ہوس ما را   کہ روزی چند نشناسم من کس وکس را

ترجمہ: ہمیں تنہائی اور مفلسی اس لیے پسند ہے کہ نہ مجھے کسی کی جان کی ضرورت رہتی ہے نہ پہچان کی

نقل ہے کہ ایک رات خلیفہ ہارون الرشید آپ کی زیارت کے لیے گیا۔ آپ کلام پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ بادشاہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے پوچھا کون ہے۔ بادشاہ کے وزیر فضل برمکی نے جواب دیا کہ امیر المومنین ہے۔ آپ نے فرمایا امیر المومنین کا میرے ساتھ کیا کام۔ اور مجھے اس کے ساتھ کیا کام۔ وزیر نے کہا اولو الامر (بادشاہِ وقت) کی اطاعت واجب ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے تشویش ہوتی ہے۔ پس آپ نے چراغ بجھا دیا اور دروازہ کھول دیا۔ ہارون الرشید گھر کے اندر داخل ہو گیا اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ اچانک وہ ہاتھ حضرت خواجہ فضیل رح کے ہاتھ سے جا لگا۔ آپ نے فرمایا کیا نرم ہاتھ ہے اگر دوزخ کی آگ سے بچ جائے تو۔ یہ سن کر ہارون الرشید پر گریہ طاری ہو گیا۔ اور عرض کیا کہ کچھ نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا تمہارے باپ حضرت عباس رض نے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، درخواست کی تھی کہ مجھے کسی ملک کا والی بنایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے چچا جان! اس سے طاعتِ حق بہتر ہے۔ ہارون الرشید نے کہا کچھ اور فرمائیں۔ آپ نے فرمایا جب حضرت عمر بن عبد العزیز مسندِ خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے حضرت سالم بن عبد اللہ رح اور محمد بن کعب رح کو بلا کر فرمایا کہ میں اس کام میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ اب بتائیے مجھے کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ بڑوں کو باپ کی طرح سمجھو۔ جوانوں کو بھائی سمجھو۔ چھوٹوں کو اپنے بیٹوں کی طرح جانو۔ عورتوں کو بہن سمجھو۔ الغرض جب کافی نصیحت کے بعد ہارون الرشید

فارغ ہوا تو اس نے ایک ہزار دینار پیش کیے۔ آپ نے فرمایا میری نصیحت سے تجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ تم نے یہیں سے ظلم کا آغاز کر دیا ہے۔ میں تیری نجات کی کوشش کر رہا ہوں اور تو مجھے بلا میں مبتلا کر رہا ہے۔ یہ کہہ کر آپ کھڑے ہو گئے۔ ہارون الرشید بھی رخصت ہوا اور اپنے وزیر سے کہنے لگا کہ مرد حقیقت میں خواجہ فضیل بن عیاض ؒ ہے۔ یہ بھی حضرت خواجہ فضیل ؒ نے فرمایا ہے کہ میں حق تعالیٰ کی عبادت محبت کی وجہ سے کرتا ہوں نہ کہ خوف کی وجہ سے آپ سے کسی نے پوچھا کہ اصل دین کیا ہے آپ نے فرمایا عقل، انہوں نے پوچھا کہ عقل کی اصل کیا ہے فرمایا حلم، انہوں نے پوچھا حلم کی اصل کیا ہے فرمایا صبر۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ فضیل ؒ کا ایک لڑکا تھا جو زہد و عبادت اور خوف خدا میں آپ سے بہتر تھا۔ ایک دن مسجد الحرام میں چاہ زمزم کے قریب کسی نے یہ آیت پڑھی۔ یوم القیمۃ تری المجرمین (قیامت کے دن مجرم لوگ دیکھیں گے کہ . . .) یہ سنتے ہی انہوں نے ایک آہ نکالی اور جاں بحق ہو گئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا جو عشق الٰہی میں جان دے اُسے اِسی طرح جان دینی چاہیے کہ ایک اشارہ میں جان حق کے سپرد کر دی۔ نقل ہے کہ حضرت خواجہ ؒ کو تیس سال تک کسی نے ہنستے ہوئے نہ دیکھا سوائے اُس دن کے کہ جب آپ کے لڑکے نے انتقال کیا۔ اُس دن آپ نے تبسّم فرمایا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے خواجہ یہ ہنسنے کا کیا مقام ہے فرمایا اس کی موت پر خدا تعالےٰ راضی تھا میں بھی اس کی رضا کی موافقت میں خوش ہوا۔ آپ کے کرامات و کمالات حدِ تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کے وصال کے وقت آپ کی دو لڑکیاں تھیں۔ آپ نے اپنے عیال سے فرمایا کہ جب مجھے دفن کر دو تو ان لڑکیوں کو کوہ بوقبیش پر لے جانا اور کہنا کہ الٰہی فضیل ؒ نے ہمیں وصیت کی ہے کہ ان کو میں نے آپ کے سپرد کیا۔ آپ کے وصال کے بعد اسی طرح کیا گیا۔ اس کے فوراً بعد یمن کا امیر اپنے دو لڑکوں کے ساتھ وہاں سے گزرا ان کو دیکھ کر اس نے حال دریافت کیا۔ جب لوگوں نے حال بتایا تو اس نے اسی وقت ان دو لڑکیوں کا عقد نکاح اپنے دو لڑکوں کے ساتھ کر دیا اور انہیں اپنے ساتھ یمن لے گیا۔ آپ کی وفات ماہ محرم ۱۸۷ھ میں مکہ معظمہ میں اس طرح واقع ہوئی کہ کسی نے سورۃ القارعہ پڑھی آپ نے ایک نعرہ لگایا اور جاں بحق ہو گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ سفیان ثوریؒ

آں تاجِ دین و دیانت، آں شمع زہد و امانت، آں استاد دنیوری، امام وقت خواجہ سفیان ثوری قدس سرہٗ، اپنے وقت کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ ان کو امیرالمومنین کہتے تھے کیونکہ آپ صحیح معنوں میں خلیفۂ حق تھے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے اور ظاہری و باطنی علوم میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔ آپ کا شمار ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد حنبلؒ کے ساتھ بطور پانچویں امام کے ہوتا ہے۔ آپ کو ورع و تقویٰ میں کمال حاصل تھا اور ادب و تواضع میں بے حد مشہور تھے۔ آپ نے بڑے بڑے مشائخ کی صحبت پائی ہے۔ اور جن اصولوں پر شروع سے کاربند تھے ان سے سرمو تجاوز نہ کیا۔ ایک دفعہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے ان سے کہا کہ آؤ حدیث کا دورہ کریں۔ فی الفور چلے گئے۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا کہ میں نے ان کے خلق کو آزمایا تھا لیکن ورع میں وہ ہم سے بالاتر ہیں۔ آپ کو ثوری اس لیے کہتے ہیں کہ ایک دن آپ نے غفلت سے بایاں پاؤں پہلے مسجد میں رکھا۔ فوراً آواز سنی کہ اے بیل، بیل کا کام کر رہے ہو۔ یہ آواز سنتے ہی آپ کے ہوش گم ہوگئے اور زار زار رونے لگے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے پاؤں کسی کی کھیتی میں رکھا تو یہ آواز سنائی دی۔ نقل ہے کہ ایک دن خلیفۂ وقت آپ کے سامنے نماز پڑھ رہا تھا۔ نماز میں اس سے کوئی حرکت سرزد ہوئی۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے اُسے فرمایا کہ یہ نماز نہیں ہے۔ یہ بات بادشاہ کو ناگوار گزری اور دل میں رکھ لی۔ بعد میں اس نے حکم دیا کہ انہیں تختہ دار پر لٹکایا جائے گا۔ آئندہ کوئی اس قسم کی گستاخی نہ کرے۔ دو اور بزرگوں کو یہ بات معلوم ہوگئی وہ بہت مغموم ہوئے اور حضرت سفیانؒ کو کہلا بھیجا کہ خبردار رہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اپنی جان سے زیادہ لگاؤ نہیں ہے لیکن اللہ تعالےٰ سب کام آسان کرنے والا ہے۔ اس کے بعد آپ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا بار خدایا ان کو اپنی گرفتِ عظیم میں لے لے۔ اس وقت خلیفہ تخت پر بیٹھا تھا اور ارکان سلطنت اس کے گرد و پیش تھے۔ ناگاہ دربار پر بجلی گری اور خلیفہ اپنے ارا کین سمیت زمین میں دھنس

گیا۔ یہ سُن کر اُن دو بزرگوں نے کہا کہ دعائے مستجاب میں ہم نے ایسی جلدی کبھی نہیں دیکھی
حضرت سفیانؒ نے فرمایا ہاں ہم نے اپنی آبرو اللہ کے سپرد کر رکھی ہے۔ جب دوسرا خلیفہ
اس کی جگہ تخت پر بیٹھا تو آپ کا معتقد ہو گیا۔ نقل ہے کہ ایک آدمی کا حج قضا ہو گیا۔ اس نے
آہ سرد بھری۔ حضرت سفیانؒ نے کہا میں نے چار حج کیے ہیں ان کا ثواب میں نے تمہیں دیا
اور یہ آہ مجھے دیدے۔ اس نے کہا میں نے دیدی۔ اُسی رات خواب میں ان کو بشارت ہوئی
کہ تم نے ایسا سودا کیا ہے کہ اگر اسے تمام اہل عرفات پر تقسیم کیا جائے تو دولت مند ہو جائیں
نقل ہے کہ آپ ہمیشہ موت کی خواہش کیا کرتے تھے۔ جب موت قریب آئی تو آپ رونے لگے
اور کہا کہ میں نے موت کی خواہش کی تھی لیکن موت سخت ہے۔ آخر آپ پر پیٹ کا درد غالب
آگیا۔ آپ ہر مرتبہ قضائے حاجت کے بعد طہارت کرتے اور وضو کر کے نماز میں مشغول ہو جاتے
وفات کی شب بیس مرتبہ یہی ہوا۔ کہتے ہیں کہ آپ کو ایک ہزار دینار ورثے میں ملے تھے۔
موت کے وقت آپ نے اپنی دولت باہر نکالی اور خیرات کر دی۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوتے
کہ سفیانؒ ہمیشہ ایک وقت کے کھانے کے لیے عاجز رہتا تھا یہ دولت کہاں تھی۔ حضرت
سفیانؒ نے فرمایا یہ میرے دین کی پاسبان تھی۔ جب میرا نفس کپڑے اور خوراک طلب کرتا تھا تو
میں اسے اسی دولت کی تسلی دیتا تھا لیکن مجھے اس کی کبھی ضرورت نہ ہوئی۔ آپ نے کلمۂ شہادت
پڑھا اور جاں بحق ہو گئے۔ رات کو کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا اور قبر کی تاریکی اور وحشت
کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ میری قبر بہشت کے مرغزاروں میں سے ایک مرغزار و سبزہ زار
ہے وحشت کہاں سے آتی۔ ایک اور آدمی نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ حق تعالےٰ
نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک قدم میں نے پل صراط پر رکھا اور
دوسرا بہشت میں۔ آپ کا وصال بصرہ میں ۱۶۱ھ میں ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو حنیفہ بن نعمان بن ثابت کوفی قدس سرہٗ

آن چراغ شرع و ملت، آں شمع دین و دولت، آں امام صوفی ابو حنیفہ قدس سرہٗ:
آپ کا سلسلۂ نسب نوشیرواں بادشاہِ ایران سے جا ملتا ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق

آپ کے جد امجد نوشیرواں کے بھائی یکنارنگ تھے۔ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی صفت کون بیان کر سکتا ہے۔ جو تمام لوگوں کا محبوب اور تمام مذاہب میں مقبول ہو۔ آپ کے ریاضات، مجاہدات، مشاہدات اور خلوت کی انتہا نہیں۔ اصول طریقت اور شریعت میں آپ کا درجہ نہایت بلند ہے۔ آپ نے بے شمار بزرگوں کی صحبت حاصل کی ہے اور امام جعفر صادقؓ سے روحانی فیضان حاصل کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ لولاسنتان لہلک نعمان (اگر حضرت امام جعفر صادق کی صحبت کے دو سال نہ ملتے تو نعمان (ابوحنیفہ) ہلاک ہو جاتا) نقل ہے کہ جس وقت حضرت امامؒ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچے اور سلام کیا روضۂ اطہر سے "وعلیکم السلام" کی آواز سنی۔ ایک دفعہ امام صادقؒ نے ارادہ کر لیا کہ خلقت سے روگردانی کر کے قبلۂ حقیقی کی طرف متوجہ ہوں اور گوشہ نشینی اختیار کر لیں۔ اُسی رات پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا اے ابوحنیفہ تجھے اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ میری سنّت کو ظاہر کرے۔ گوشہ نشینی کا ارادہ ترک کر دو۔ اسی وقت سے آپ اجتہاد میں مشغول ہو گئے۔ قاضی شہاب الدین ملک العلماء رسالۂ مناقب السادات کبار مضرات سے قیاس کے باب میں نقل کرتے ہیں کہ ایک دن امام اعظمؒ جا رہے تھے۔ راستے میں امام موسیٰ کاظمؓ سے ملاقات ہو گئی۔ امام موسیٰ کاظمؓ نے فرمایا اے ابوحنیفہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے دادا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آیات اور احادیث کو چھوڑ کر آپ اپنے قیاس واجتہاد پر عمل کرتے ہیں۔ حضرت امامؒ نے جواب دیا کہ اے ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے چند سوال ہیں آپ جواب عنایت فرمائیں۔ ایک یہ کہ پیشاب زیادہ پلید ہے یا منی؟ آپ نے فرمایا پیشاب۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا اگر میرا فیصلہ قیاس پر ہوتا تو ہر پیشاب کے بعد میں غسل کا حکم دیتا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ مرد ضعیف ہے یا عورت؟ آپ نے جواب دیا عورت۔ امامؒ نے کہا اگر میرا قول قیاس پر مبنی ہوتا تو میں عورت کے لیے میراث میں دو حصّے اور مرد کے لیے ایک حصّہ مقرر کرتا۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ نماز افضل ہے یا روزہ؟ امام موسیٰ کاظمؓ نے فرمایا نماز۔ امام صاحب نے کہا اگر میرا فیصلہ قیاس پر ہوتا تو میں یہ حکم دیتا کہ حیض کے بعد عورت نماز قضا

ادا کرے۔ جب سید السادات امام المتقین امام موسےٰ کاظمؓ نے یہ بات سنی اُن کے حق میں دعا کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ بذاتِ خود تابع نصوص (قطعی آیات واحادیث) کے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر میرا قول حدیث نبویؐ کے خلاف ہو تو میرے قول کو چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو۔ اور آپ کیوں نہ یہ کہتے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خواب میں سنت کی پابندی کی تاکید فرمائی تھی۔ آپ اس قدر عبادت گزار تھے کہ ہر رات تین سو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ ایک دن آپ کہیں جا رہے تھے راستے میں ایک عورت دوسری عورت سے کہہ رہی تھی کہ یہ آدمی ہر رات پانچ سو رکعت پڑھتا ہے آپ نے یہ بات سنتے ہی ارادہ کر لیا کہ آج سے پانچ سو رکعت ادا کیا کروں گا تاکہ ان کا گمان صحیح رہے۔ ایک دفعہ آپ راستے میں جا رہے تھے آپ کو دیکھ کر لڑکوں نے آپس میں کہا کہ یہ مرد ہر رات ایک ہزار رکعت پڑھتا ہے۔ چنانچہ اس دن سے آپ نے ہر روز ہزار رکعت پڑھنی شروع کر دی۔ آپ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک دن آپ بازار میں جا رہے تھے۔ ناخن کے برابر کیچڑ آپ کے کپڑے پر لگ گئی۔ آپ نے فوراً دریا دجلہ پر جا کر اُسے دھو دیا۔ کسی نے کہا اے امام آپ نے نجاست کی ایک مقدار کر دی ہے لیکن آپ اس قدر قلیل کیچڑ دھو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ فتویٰ ہے اور یہ تقویٰ۔ جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو ایک دن سے زائد کھانا جمع نہیں کرنے دیتے تھے لیکن ازواج مطہرات کو ایک سال کی خوراک جمع کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ حضرت خواجہ داؤد طائی فرماتے ہیں کہ بیس سال ابو حنیفہ کے ساتھ رہا ہوں لیکن نہ کبھی میں نے آپ کو خلوت یا جلوت میں ننگے سر دیکھا اور نہ آرام کی خاطر پاؤں پھیلائے ہوئے پایا۔ میں نے کہا اے امام خلوت میں پاؤں دراز کرنے میں کیا حرج ہے آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالےٰ کا ادب کرنا خلوت میں بہتر ہے۔ تاریخ یافعی میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کسبِ حلال کی خاطر ریشم کا کاروبار اختیار کر رکھا تھا۔ جب خلیفہ ابو جعفر المنصور شہر کے قاضی سے بد دیانتی کی وجہ سے ناراض ہوا تو اپنے وزیروں سے مشورہ کیا کہ چار آدمی بڑے عالم ہیں اُن میں سے کس کو قاضی بنانا چاہیے۔ پہلے امام ابو حنیفہؒ

دوسرے حضرت سفیان ثوریؒ، تیسرے شریحؒ، چوتھے مشعر بن حرامؒ۔ خلیفہ نے ان چاروں حضرات کو بلا بھیجا۔ راستے میں امام ابوحنیفہ نے اُن سے کہا کہ میں از راہِ فراست آپ سب سے اپنے اپنے حال کے مطابق بات کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں کسی بہانے سے عہدہ قضا سے اپنے آپ کو بچا لوں گا۔ سفیانؒ بھاگ جائے مشعرؒ اپنے آپ کو دیوانہ ظاہر کرے اور شریحؒ قضا کا عہدہ قبول کر لے۔ پس اس قرار داد کے مطابق حضرت سفیانؒ راستے سے بھاگ گئے اور باقی تین حضرات خلیفہ کے پاس جا پہنچے خلیفہ نے سب سے پہلے امام ابوحنیفہ سے کہا کہ آپ قضا قبول کریں۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ اے امیر میں عرب نہیں ہوں بلکہ ان کے غلامان میں سے ہوں عرب کے سادات میرے حکم سے راضی نہیں ہوں گے۔ خلیفہ نے کہا یہ کیا بات ہے اس معاملے میں تو علم درکار ہے۔ امام صاحب نے فرمایا جو کچھ میں نے کہا ہے اگر سچ ہے تو قضا کے قابل نہیں ہوں اور اگر جھوٹ ہے تب بھی قضا کے قابل نہیں ہوں کیونکہ جھوٹا آدمی قاضی نہیں ہو سکتا۔ آپ نے یہ کہہ کر عہدہ سے نجات حاصل کر لی۔ جب مشعرؒ سے گفتگو شروع ہوئی تو انہوں نے دیوانہ وار باتیں شروع کر دیں جس کی وجہ سے خلیفہ نے انہیں پسند نہ کیا۔ اس کے بعد شریح کو قاضی کے عہدہ پر مقرر کیا۔ کتاب روضۃ الشہدا میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؒ نے جو حضرت امام حسن بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے تھے۔ اکابر دین کی اکثریت کی منشا کے مطابق خلیفہ وقت کے خلاف خروج کیا اور بزرگانِ دین مثل حضرت امام اعمشؒ اور عباد بن منصور نے اُن سے بیعت کر لی تو مصلحت یہ ٹھہری کہ امام ابوحنیفہؒ بھی اُن سے بیعت کر لیں تاکہ ان کی معاونت کریں اور اس کے حق میں فتویٰ دیں۔ اس لیے انہوں نے اپنے لڑکے حماد کو چار ہزار درہم دے کر امام صاحب کے پاس بھیجا اور امام صاحب کو خط لکھا کہ بعض لوگ میرے دامنگیر ہیں لیکن میں آپ کا دامن پکڑتا ہوں اور آپ کی معاونت کا طلب گار ہوں۔ یہ خط خلیفہ منصور کے ہاتھ آ گیا چنانچہ وہ امام صاحب سے برانگختہ ہو گیا اور آپ کو ایذا دینے لگا۔ اور یہی آپ کی موت کا سبب بنا۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک بڑھیا امام صاحب کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی کہ تو نے فتویٰ

دیا اور میرا لڑکا ابراہیمؒ کے ساتھ جہاد کو نکلا اور مارا گیا۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ کاش تیرے لڑکے کی جگہ مَیں ہوتا۔ اہل بیت کی دوستی میں امام صاحب کا یہ حال تھا۔ امام صاحبؒ کے کمالات اور بزرگی اظہر من الشمس ہے لیکن یہاں گنجائش نہیں۔ امام صاحب کی وفات کے بعد شیخ علی عثمان الجلابی (شاید ان سے مراد حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویریؒ ہیں) کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت بلال موذنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے سرہانے ملک شام میں سویا ہوا تھا۔ خواب میں مَیں نے اپنے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا۔ مَیں نے دیکھا کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کو بچوں کی طرح بڑی محبت سے گود میں اٹھائے ہوئے تھے۔ مَیں نے آپؐ کے پاؤں مبارک پر بوسہ دیا اور حیران ہوا کہ یہ کون ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبری معجزہ سے میرے قلب کی بات سے مطلع ہو کر فرمایا کہ یہ تمہارے ملک کے لوگوں کا امام ابو حنیفہؒ ہے۔ دوسرے لوگوں نے بھی کئی بار امام صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا ہے۔ امام عبداللہ یافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ قبیلہ بنی تیم کے غلامان میں سے تھے۔ عرب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قبیلہ کو بنی تیم کہتے ہیں۔ امام عبداللہ یافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ فقر و عبادت ورع و سخا، کے جامع تھے اور تمام اوصاف ذمیمہ سے پاک تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں خلیفہ ابو جعفر المنصور کے عہد میں وفات پائی۔ آپ کا مدفن بغداد ہے۔

امام شافعی محمد بن ادریس المطلبیؒ

آں سلطان شریعت و طریقت، آں برہان محبت، آں وارث علم نبیؐ امام شافعی محمد بن ادریس المطلبی قدس سرہ۔ چاہیے تو یہ تھا کہ امام ابو حنیفہؒ کے بعد امام مالکؒ کا ذکر کرتا اس کے بعد امام شافعیؒ کے حالات لکھتا۔ لیکن ایسا نہ کرنے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ شیخ فریدالدین عطارؒ نے امام مالکؒ کے حالات علیحدہ نہیں لکھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام مالکؒ امام شافعیؒ کی شاگردی پر بہت نازاں تھے اور فخر کیا کرتے تھے۔ پس امام مالکؒ کی یہی منقبت کافی ہے

کہ امام شافعیؒ جیسے اکابر آپ کے شاگرد تھے۔ امام مالکؒ کی وفات ۱۷۹ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۱۸۰ھ میں ہوئی۔

حضرت سلطان المشائخؒ کے ملفوظات افضل الفواد کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ کو چند روز کے لیے امام محمد بن حسنؒ کی صحبت بھی نصیب ہوئی۔ لیکن آخر میں خود صاحب مذہب ہوئے اور اہل حدیث کے نام سے موسوم ہوئے۔ جیسا کہ صاحب جواہر التفسیر نے وضاحت کی ہے۔ شیخ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے حالات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تمام جہان آپ کے شرح صدور سے منور ہے۔ آپ کے فضائل، شمائل اور مناقب بے شمار ہیں۔ آپ کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ آپ شجرِ مصطفویؐ کے میوہ ہیں۔ آپ فراست بشاشت اور قیاست میں یگانۂ روزگار تھے اور مرّوت اور فتوت میں بے مثل۔ آپ بڑے کریم تھے۔ آپ کی ریاضت و کرامت حدِ تحریر سے باہر ہے۔ صاحب کشف المحجوبؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ ابتدا میں صوفیاء کرام کے منکر تھے۔ جب سے آپ نے حضرت سلیمان راعیؒ کی زیارت کی اور ان کا قرب حاصل کیا آپ حقیقت کے طلبگار ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق امام شافعیؒ نے باطنی تربیت حضرت امام موسیٰ کاظمؒ سے حاصل کی اور تیرہ سال کی عمر میں آپ فتویٰ دینے لگے۔ امام احمد حنبلؒ جو کہ امام جہان تھے۔ اور جن کو تیس ہزار حدیث یاد تھی۔ امام شافعیؒ کے شاگرد بنے اور آپ کے حاشیہ برداروں میں سے ہوتے جب لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ اس رُتبے کا آدمی پچیس سال لڑکے کے سامنے بیٹھتا ہے اور مشائخ اور اساتذہ کرام کی صحبت چھوڑ دی ہے تو امام احمدؒ نے جواب دیا کہ جو کچھ ہم یاد رکھتے ہیں (احادیث) اس کے معنی امام شافعیؒ جانتے ہیں اور جن حقائق و اخبار و روایات کو وہ جانتے اور سمجھتے ہیں میں نہیں جانتا تھا۔ اگر مجھے ان کی صحبت نہ ملتی تو دروازے پر رہ جاتا۔ امام شافعیؒ جہاں کے لیے آفتاب ہیں۔ یہ بھی امام احمدؒ کا قول ہے کہ یہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ ایک ایسا مرد پیدا کرتا ہے جو میرا دین لوگوں کو سکھاتا ہے اس سے مراد امام شافعیؒ ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر

امام شافعیؒ کے عقل کو تولا جائے تو تمام خلق کے عقل سے زیادہ ہوگا۔ حضرت بلال خواصؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ امام شافعیؒ کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اوتاد میں سے ہیں۔ خواجہ عبد اللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ میں شافعیؒ مذہب نہیں رکھتا لیکن امام شافعیؒ سے مجھے محبت ہے کیونکہ جس مقام میں دیکھتا ہوں ان کو پیش پیش پاتا ہوں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا اے بیٹے تم کون ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں آپ کے غلامان میں سے ایک ہوں۔ آپؐ نے فرمایا نزدیک آؤ۔ میں نزدیک ہوا۔ تو آپؐ نے اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈالا جو میرے لبوں۔ منہ اور زبان میں پہنچ گیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب جاؤ اللہ تعالیٰ کی برکات تمہارے شامل حال ہوں۔ اور اسی وقت میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے اپنی انگلی سے انگشتری نکال کر میری انگلی میں ڈال دی جس سے آپ کا علم میرے اندر سرایت کر گیا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ امام صاحب چھ سال کے تھے کہ ان کی والدہ کو ایک مسئلے میں کچھ مشکل پیش آئی۔ آپ نے آسانی سے وہ مسئلہ حل کر لیا۔ اسی طرح خلیفہ ہارون الرشید نے اپنی بیوی زبیدہ کو طلاق دینے کا مسئلہ دیگر علماء کرام کا اس میں ششدر رہ جانا اور امام صاحب کے دوسرے کمالات تذکرۃ اولیاء میں مفصل درج ہیں۔ اس کے بعد آپ امام مالکؒ کی شاگردی میں داخل ہو گئے۔ امام مالکؒ ستر سال کے تھے۔ امام شافعیؒ آپ کے دروازے پر کھڑے رہتے تھے۔ جب کوئی فتویٰ دیتے، امام شافعیؒ باہر لا کر دیکھتے اور ان کی رائے کے خلاف ہوتا تو اندر لے جا کر بحث کرتے اور اپنے استاد کو قائل کر دیتے تھے۔ اس سے امام مالکؒ خوش ہوتے تھے اور اس پر ناز کرتے تھے۔ نقل ہے کہ ہر سال خلیفہ ہارون الرشید کے پاس شاہ روم کی طرف سے کچھ مال آتا تھا۔ ایک سال شاہ روم نے مال کے ساتھ کچھ عیسائی عالم بھیجے تاکہ مسلم علماء کے ساتھ بحث کریں۔ اور اگر وہ غالب آ جائیں تو آئندہ سال مال نہ بھیجا جائے گا۔ چنانچہ مال کے ساتھ چار سو عیسائی علماء آ گئے۔ ہارون الرشید نے منادی کرائی اور بغداد کے تمام علماء دریائے دجلہ کے کنارے پر جمع ہو گئے۔ اس کے

بعد خلیفہ نے امام شافعیؒ سے مخاطب ہوکر کہا کہ آپ عیسائیوں کو جواب دیں۔ آپ نے مصلیٰ کندھے پر رکھا اور دریا میں جاکر مصلیٰ پانی پر بچھا دیا اور بیٹھ گئے اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص مجھ سے بحث کرنا چاہتا ہے آگے آئے۔ جب عیسائیوں نے یہ حال دیکھا تو تمام امام شافعیؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے۔ نقل ہے کہ ایک دن حضرت امام شافعیؒ پر وقت تنگ ہوگیا یعنی حالتِ قبض طاری ہوگئی۔ (تصوف کی اصطلاح میں قبض سے مراد فیوض و برکاتِ الٰہی کا بند ہو جانا ہے۔) آپ جگہ جگہ یعنی مسجد، مدرسہ، بازار اور خرابات میں مارے مارے پھرے لیکن حالت درست نہ ہوئی۔ جب ایک خانقاہ پر پہنچے تو وہاں کچھ صوفیا کو بیٹھے دیکھا۔ امام صاحب کو دیکھتے ہی ایک نے کہا وقت کی قدر کرو کیونکہ وقت واپس نہیں آتا۔ (یہاں وقت سے مراد وارداتِ قلبی ہے جو امام صاحب پر بند ہو چکے تھے۔) جب امام شافعیؒ نے یہ کلمات سنے تو حالتِ قبض جاتی رہی اور فیوض و برکات جاری ہوگئے۔ شیخ ابوسعیدؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میرا علم تمام جہان کے علم میں پہنچ گیا ہے لیکن صوفیوں کے علم میں نہیں پہنچا۔ (یعنی مجھے دنیا کے تمام علوم حاصل ہوگئے ہیں لیکن صوفیا کے اسرار نہیں کھلے۔ ممکن ہے کہ یہ سابقہ دور کا قول ہو کیونکہ بعد میں تو آپ صاحبِ معرفت ہوگئے تھے۔)

الوقتُ سیفٌ قاطعٌ (وقت کاٹنے والی تلوار ہے) مجھ پر واقع ہو چکا ہے۔ (نوٹ از مترجم۔ وقت کا ذکر پہلے بھی آیا۔ یہاں اس کی مزید تشریح کی ضرورت ہے۔ حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ صاحبؒ اپنی معرکۃ الآراء کتاب سرِّ دلبراں میں وقت کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ وقت اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان پر کسی وقت غالب ہو۔ اگر انسان دنیا میں مبتلا ہے تو اس کا وقت دنیا ہے۔ عقبیٰ کی فکر دامنگیر ہے تو اس کا وقت عقبیٰ ہے۔ سرور میں سرشار ہے تو اس کا وقت سرور ہے۔ رنج میں غرق ہے تو وقت رنج ہے۔ خوشی میں مسرور ہے تو وقت خوشی ہے۔ غرضیکہ انسان پر جس وقت جو حال طاری ہو وہی اس کا وقت ہے۔ جو زمانہ گزر چکا ہے وہ ماضی ہے اور ہاتھ سے نکل گیا۔ جو زمانہ کہ ابھی نہیں آیا مستقبل ہے۔ وہ ہاتھ میں نہیں آتا۔ بس حال ہی سے سروکار

ہے اور حال ہی نقد وقت ہے جو مٹھی میں ہے اور حال ہی سے ہر وقت سالک کو سابقہ رہتا ہے مثل شمشیرِ برق کے آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ الوقت سیفٌ قاطعٌ سے وقت کی اسی برق رفتاری ہی کی جانب اشارہ ہے ؎

چوں بوقت آئینہ ماضی شد زشک | رہ نیابد صورت انس و ملک
اہل وقت از وقت بیروں ننگرند | کے غم ماضی و مستقبل خورند
تا تو بے وقتی زکار افتادہ | وقت اگر باتو بود آزادہ
وقت اگر باتو بماند حال تست | بازیابی نقد وقت خود درست
نیست وقت حال را چندیں درنگ | زیں سبب گیرد دلت ہرگونہ رنگ

طوالتِ وقت در کثافت۔ لطافت سے کثافت کی جانب جس قدر نزول ہوگا۔ وقت اُسی قدر اندازہ میں طوالت اختیار کرتا جائے گا۔ عالم ملکوت میں تھوڑا سا وقت عالم ناسوت کے زیادہ وقت کے برابر ہوگا۔ جیسے کہ دائرہ میں مرکز کے قریب کی تھوڑی سی جگہ خط محیط کی جانب آکر زیادہ وسعت اختیار کرلیتی ہے۔ ختم ہوا اقتباس از سرِ دلبراں۔)

ان کمالات کے باوجود حضرت امام شافعیؒ ایک دن درس میں دس دفعہ اچانک کھڑے ہوئے اور بیٹھے۔ دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ ایک علوی زادہ باہر کھیل رہا ہے جب وہ میرے سامنے آتا ہے اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا میرے سامنے آتے اور میں بیٹھا رہوں۔ الغرض آپ اہل بیت کی دوستی میں اس قدر بے اختیار تھے کہ لوگوں نے آپ پر رفض (شیعہ ہونے کی) تہمت لگائی جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور لوگ جنازہ باہر نکال رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک دوست سے تعبیر دریافت کی تو جواب ملا کہ کسی سب سے بڑے عالم کی وفات ہونے والی ہے کیونکہ سب علم حضرت آدمؑ کی خاصیت ہے۔ بمصداق آیۂ پاک وعلم الآدم الاسماء کلھا (ہم آدمؑ کو تمام اسماء و صفات اللہ کی تعلیم دی)، اس کے بعد امام شافعیؒ کا انتقال ہو گیا حضرت ربیع بن سلمانؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی وفات کے بعد میں نے ان کو خواب

میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا آپ نے جواب دیا کہ مجھے کرسی پر بٹھایا اور سونا اور جواہرات مجھ پر نچھاور کیے اور ستر ہزار بار اسی قدر دنیا مجھے دی اور بلا واسطہ (براہِ راست۔ بلا وسیلہ) مجھ پر رحمت برسائی۔ ۱۵۰ھ میں جس رات امام ابو حنیفہؒ نے وفات پائی اسی رات امام شافعیؒ پیدا ہوئے اور جمعہ کے دن ماہِ رجب ۲۰۴ھ میں مامون الرشید کے عہد حکومت میں وفات پائی۔ اور مصر میں مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت امام احمد بن حنبل قدس سرہٗ

آں امام دین و سنت، آں مقتدائے مذہب و ملت، آں در زمان خود بے بدل یگانہ بحق امام احمد بن حنبلؒ شیخ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ آپ اہل سنت وجماعت کے شیخ اور امام دین تھے۔ علم حدیث میں کسی کو وہ دسترس نہیں جو آپ کو تھی۔ ورع و تقویٰ، ریاضت و کرامت میں آپ شانِ عظیم رکھتے تھے۔ آپ صاحب فراست (کشف) اور مستجاب الدعوات تھے۔ تمام فرقوں کے ہاں آپ مبارک سمجھے جاتے تھے۔ آپ امام شافعیؒ کے شاگرد اور محرم راز تھے۔ آپ نے بہت سے مشائخ کبار مثل ذوالنون مصری و بشر حافیؒ و سری سقطیؒ و معروف کرخیؒ کو پایا اور فیض صحبت حاصل کیا ہے۔ آپ نے بہت عارفانہ کلام فرمایا ہے۔ اور جو کوئی آپ سے مسئلہ دریافت کرتا اگر معاملات میں ہوتا تو جواب دیتے اگر حقائق کا سوال ہوتا تو اسے حضرت بشر حافیؒ کے حوالے کر دیتے۔ نقل ہے کہ جب بغداد میں فرقہ معتزلہ کا غلبہ ہوا تو انہوں نے امام صاحب کو تکلیف دینے کا قصد کیا تا کہ قرآن کو مخلوق کہے۔ پس آپ کو خلیفۂ وقت کے دربار میں لے گئے۔ (خلیفہ خود فرقہ معتزلہ کا حامی تھا۔) ایک سپاہی خلیفہ کے دروازہ پر کھڑا تھا اس نے کہا اے امام ثابت قدم رہنا میں اپنے چوری کے پیشے میں ثابت قدم رہا اور نجات پائی تو حق پر ہے صبر و استقامت درکار ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کی بات سے میری حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس کے بعد آپ کو آگے اندر لے گئے اور درخت کے ساتھ باندھ کر ایک ہزار چابک آپ کے تنِ نحیف پر مارے اور یہ مطالبہ کیا کہ قرآن کو مخلوق کہیں۔ لیکن آپ نے انکار کیا۔ آپ کے ہاتھ باندھے ہوئے

تھے اس زدوکوب میں آپ کا ازار بند کھل گیا۔ لیکن غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جس نے ازار بند باندھ دیا۔ اگرچہ وہ لوگ آپ کی صداقت کی دلیل دیکھ چکے تھے لیکن آپ کا اس حادثہ میں انتقال ہوگیا۔ موت کے وقت میں کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ جن لوگوں نے آپ کو ستایا ہے اُن کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں فرمایا چونکہ انہوں نے مجھے حق کی خاطر مارا ہے وہ یہ سمجھتے تھے کہ میں باطل پر ہوں اور وہ حق بجانب ہیں اس لیے مجھے اُن کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں۔ جب آپ کا وصال ہوا تو جنگل کے پرندوں نے آپ کے جنازہ پر سایہ کر دیا یہ دیکھ کر چالیس ہزار عیسائی۔ یہودی اور آتش پرست مسلمان ہوگئے انہوں نے اپنے زنار توڑ کر پھینک دیئے اور کلمہ طیبہ کے نعرے لگاتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ بغل گیر ہونے لگے۔ منتخب التاریخ میں لکھا ہے کہ امام احمد حنبل بن ہلال بن اسد شیبانی نے ۲۰۳ھ خلیفہ ابوالفضل جعفر بن معتصم کی قید میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابوسلیمان داؤد بن نصیر طائی رح

آپ طبقہ اول میں سے تھے۔ آپ کا شمار اکابر اولیاء اور شیوخ اہل تصوف میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے زمانے میں بے نظیر تھے۔ آپ ظاہری علم میں امام ابوحنیفہ رح کے شاگرد اور حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رح، خواجہ ابراہیم ادھم رح وغیرھم کے ہم زمان تھے صاحب تذکرۃ الاولیاء کے قول کے مطابق آپ نے دیگر مشائخ عظام کی بھی صحبت حاصل کی ہے۔ آپ کے پیر طریقت حضرت خواجہ حبیب عجمی رح تھے۔ لیکن کشف المحجوب اور نفحات الانس کے مطابق آپ ابو سلم حبیب بن سلیم الراعی رح کے مرید ہیں۔ اور یہ حبیب راعی رح حضرت سلمان فارسی رح کے اصحاب میں سے تھے اور حضرت سلمان فارسی رض نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی علم طریقت حاصل کیا ہے۔ چونکہ خواجہ حبیب عجمی رح اور خواجہ حبیب راعی رح ہم زمان تھے اس لیے یہ اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ لیکن پہلی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سلسلہ کے مشائخ کے شجرہ میں حضرت داؤد طائی کو حضرت حبیب عجمی رح کا خلیفہ بیان کیا گیا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ انہوں نے ان دونوں بزرگوں

سے فیض حاصل کیا۔ اور یہ دونوں حالتیں مقبول ہیں۔ شروع سے لے کر آخر تک آپ پر ایک سُکر غالب رہا جس کی وجہ سے آپ ہمیشہ خلق سے بھاگتے تھے آپ کی توبہ کا سبب یہ ہے کہ ایک دن ایک آدمی عربی اشعار پڑھ رہا تھا جن کا مطلب یہ ہے کہ "وہ کون سا منہ ہے جو خاک میں نہ ملا ہو اور کون سی آنکھ ہے جو مٹی نہ ہوئی ہو" یہ ابیات سن کر آپ کے دل میں دردِ عظیم اٹھا اور بے قرار ہو گئے۔ تحیر کی حالت میں امام ابو حنیفہؒ کے مدرسے میں پہنچے یہ حالت دیکھ کر انہوں نے سبب دریافت کیا۔ آپ نے ماجرا بیان کیا اور بتایا کہ اب میرا دل دنیا سے سرد ہو گیا ہے۔ اور میرے دل میں کسی ایسی چیز کی طلب پیدا ہو گئی جو مجھے کہیں نہیں ملتی۔ نہ کسی کتاب میں نظر آتی ہے نہ کسی فتویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ خلق سے پرہیز کر۔ حضرت داؤد طائیؒ نے تمام مرادات و مقاصد سے روگردانی کر لی اور اپنے گھر میں معتکف ہو گئے۔ ایک مدت کے بعد امام صاحبؒ کے حکم سے آپ ان کی مجلس میں حاضر ہونے لگے۔ لیکن بات نہیں کرتے تھے۔ جب ایک سال تک کار باطن کی کشائش نہ ہوئی تو حضرت حبیب عجمیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں مقصد حل ہو گیا۔ اس کے بعد مردانہ وار انہوں نے اس راہ میں قدم رکھا، تمام کتابوں کو دریا میں پھینک کر گوشۂ تنہائی اختیار کر لیا۔ اور ریاضاتِ شاقہ کے بعد مطلوبِ حقیقی تک رسائی حاصل کر لی۔ پھر آپ ایک جہان کے پیشوا و مرشد ہو گئے۔ حتیٰ کہ حضرت معروف کرخیؒ جیسے عارف کامل نے آپ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ نقل ہے کہ جب امام محمدؒ اور امام ابو یوسف (یہ دونوں حضرات امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں) کے درمیان اختلاف واقع ہوا۔ آپ دونوں کے درمیان حَکَم ہوئے۔ جب دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ابو یوسف کی طرف پشت کر دی اور امام محمدؒ کی طرف منہ کر کے اُن سے ہمکلام ہوئے اور ان کے ساتھ شفقت سے پیش آئے۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ جب یہ دونوں حضرات علم میں برابر ہیں تو آپ نے ایک کو کیوں عزیز رکھا اور دوسرے کی جانب توجہ نہ کی۔ آپ نے جواب دیا کہ محمدؒ بن حسن دولت سے علم تک پہنچا ہے علم سے دین کی عزت اور دنیا کی ذلت ہے۔ اور ابو یوسف کے دل میں رقابت کی ذلت پیدا ہو گئی ہے۔ اس نے اپنے علم کو ذریعہ

عز و جاہ بنالیا ہے پس امام محمدؒ کی برابری کس طرح کر سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اُن کے استاد امام اعظمؒ نے قضا قبول نہ کی اور ابو یوسف نے قبول کر لی ہے۔ نقل ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید آپ کے دروازے پر حاضر ہوا اور چند دینار پیش کیے۔ آپ نے قبول نہ فرمائے آپ کو بیس دینار اپنے والد کی وراثت سے ملے تھے تمام عمر اسی سے رزق حلال کھایا اور کسی بشر کے محتاج نہ ہوئے۔ جب وہ رقم خرچ ہو گئی تو آپ نے وفات پائی جس رات آپ نے وفات پائی۔ آسمان سے آواز آئی کہ اے اہل زمین داؤدؒ حق تعالےٰ سے جا ملا اور حق تعالیٰ اس سے راضی ہوا۔ کسی اور آدمی نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ ہوا میں اڑتے ہوتے یہ کہہ رہے ہیں کہ قید خانہ سے میں نے خلاصی پائی۔ خواب دیکھنے والا آپ کے گھر پر گیا تاکہ تعبیر دریافت کرے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ آپ فوت ہو چکے ہیں۔ آپ کو گوشہ نشینی سے اس قدر محبت تھی کہ وفات سے پہلے وصیت کی کہ مجھے دیوار کے پیچھے دفن کرنا تاکہ میرے سامنے سے کوئی نہ گزرے۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا۔ آپ کی وفات خلیفہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ کہ جس کا لقب مہدی تھا کے عہد میں آٹھ ربیع الاول ۱۶۵ھ کو ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ بشر حافی قدس سرہٗ

آں عارف کامل کارہائے ہدایت، آں کامل بارگاہ عنایت، آں مالک ولایت، افراد وقت خواجہ بشر حافیؒ بن حارث بن عبدالرحمٰن مجاہدہ عظیم —— اور شان رفیع رکھتے تھے۔ آپ ہادیٔ قوم تھے۔ شیخ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ کی صحبت پائی تھی اور اپنے ماموں کے مرید تھے۔ لیکن صاحبِ نفحات الانس (یعنی مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ) کا خیال ہے کہ آپ خواجہ فتح موصلیؒ کے مرید تھے۔ جن کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ آپ طبقہ اولیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ دراصل مَرو کے علاقے کے رہنے والے تھے اور بغداد میں مقیم ہو گئے تھے۔ آپ کی توبہ کا قصہ یہ ہے کہ آپ ایک دن شراب میں مست ہو کر ایک کوچے سے گزر رہے تھے۔ آپ نے ایک کاغذ پڑا دیکھا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تھا۔ آپ نے اُسے کمال تعظیم سے اٹھایا اور چوم کر اپنی جیب میں رکھ دیا۔ اسی رات

کسی بزرگ کو خواب میں حکم ہوا کہ بشر حافیؒ کو کہہ دو کہ تم نے ہمارے نام کو بلند کیا ہے ہم نے تمہیں بلند کیا۔ تم نے ہمارے نام کی تعظیم کی ہم نے تمہیں معزز کیا تم نے ہمارے نام کو پاک کیا ہے ہم نے تمہیں پاک کیا۔ وہ بزرگ صبح اٹھ کر مسجد سے شراب خانہ کی طرف گئے۔ لوگوں سے نام پوچھ کر ان کے پاس گئے اور حق تعالےٰ کا پیغام دیا۔ خواجہ بشر حافیؒ نے فوراً اپنے دوستوں کو وداع کیا۔ شراب کے برتن توڑے اور توبہ کر کے طریق زہد اختیار کیا۔ آپ حق تعالےٰ کے مشاہدہ کی شدت کی وجہ سے کبھی جوتا نہیں پہنتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو لوگ حافی (ننگے پاؤں والا) کہتے تھے۔ آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ جوتا کیوں نہیں پہنتے آپ نے کہا جس روز میں نے حق سے صلح کی ننگے پاؤں تھا اب مجھے شرم آتی ہے کہ جوتا پہنوں نیز حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا بنایا ہے۔ لہٰذا بادشاہوں کے بچھونوں پر جوتا پہن کر چلنا بے ادبی ہے۔ اس طبقہ کے اکثر حضرات ڈھیلے سے استنجا نہیں کرتے تھے اور نہ زمین پر تھوکتے تھے۔ کیونکہ اس میں وہ اللہ کے نور کے سوا کچھ نہیں دیکھتے تھے۔ خواجہ بشر حافیؒ کا بھی یہی حال تھا بلکہ اللہ کے نور سے ان کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں اور خدا کے سوا وہ کچھ نہ دیکھ سکتے تھے۔ **المومن ینظر بنور اللہ** ۔ (اللہ کا نور وہ ہے کہ جس سے مومن دیکھتا ہے) کا اسی جانب اشارہ ہے۔

نقل ہے کہ امام احمد حنبلؒ آپ کے پاس بہت جایا کرتے تھے۔ ان کے شاگردوں نے کہا کہ آپ عالم مجتہد ہیں ہر وقت اس شوریدہ سر کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا بیشک میرا علم زیادہ ہے لیکن وہ خدا تعالےٰ کو مجھ سے زیادہ پہچانتے ہیں۔ حضرت بلال خواص فرماتے ہیں کہ میں نے خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ بشر حافیؒ کے حق میں کیا کہتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ وہ ابدال ہے۔ حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو حق تعالےٰ کے ساتھ دل صاف رکھے۔ اور عارفین وہ جماعت ہے کہ جسے کوئی نہیں پہچانتا سوائے حق تعالےٰ کے۔ جب آپ کی وفات قریب ہوئی تو آپ بہت مضطرب ہوئے لوگوں نے کہا کہ کیا آپ زندگی کو عزیز رکھتے ہیں فرمایا نہیں۔ لیکن بادشاہوں کے بادشاہ کے حضور میں جانا بڑا مشکل کام ہے۔ نقل ہے کہ چالیس سال تک بغداد کے کوچہ و بازار

میں کسی جانور نے پاخانہ پیشاب نہ کیا تاکہ بشر حافیؒ کے پاؤں گندے نہ ہوں۔ ایک دن ایک بزرگ نے بازار میں گوبر پڑی دیکھ کر گریہ وزاری شروع کر دی۔ لوگوں نے پوچھا تجھے کیا ہو گیا ہے کہنے لگے کہ آج بشر حافیؒ کا انتقال ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا تجھے کیسے معلوم ہوا۔ فرمایا آج بازار میں گوبر پڑا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی آپ فوت ہو چکے تھے۔ وفات کے بعد کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالےٰ مجھ سے خفا ہوئے کہ کیوں دنیا میں مجھ سے ڈرتے تھے کیا تو نہیں جانتا تھا کہ کرم میری صفت ہے۔ پھر مجھے بخش دیا۔ منتخب التاریخ میں لکھا ہے کہ آپ ۱۵۰ھ میں مرو میں پیدا ہوئے اور خلیفہ ابو العباس متوکل کے عہد حکومت میں ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ صاحب نفحات الانس نے وفات کا سال ۲۲۷ھ لکھا ہے۔

حضرت خواجہ عبداللہ بن مبارک قدس سرہٗ

امام شریعت و طریقت، واقف اسرار حقیقت، مقبول حضرت حق تعالےٰ، آزاد از جہاں خواجہ عبداللہؒ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ کے مطابق شہنشاہ علماء ہیں۔ آپ علم و شجاعت اور جود و سخا میں بے نظیر تھے۔ اور شریعت اور طریقت کے بادشاہ تھے۔ اور بے شمار اولیاء کرام کی آپ نے صحبت پائی۔ اور سب کے نزدیک نہایت مقبول تھے۔ تصنیف و کرامات میں آپ مشہور ہیں۔ خواجہ سفیان ثوریؒ اور خواجہ فضیل بن عیاضؒ نے آپ کی بڑی تعریف کی ہے۔ آپ کی توبہ کا سبب یہ تھا کہ آپ ایک کنیز پر فریفتہ ہو گئے اور نہایت بے قرار رہنے لگے۔ ایک دفعہ سردی کے موسم میں ساری رات اپنی محبوبہ کے گھر کی دیوار کے ساتھ اس انہماک میں کھڑے رہے کہ برف باری ہوتی رہی لیکن آپ کو خبر نہ ہوئی۔ جب صبح کی اذان سنی خیال ہوا کہ شاید عشاء کی اذان ہے۔ جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ واقعی محبوبہ کی انتظار میں ساری رات گزار دی ہے۔ اس وقت آپ نے اپنے دل میں شرم محسوس کی اور کہا کہ اے ابن مبارک افسوس تم نے نفسانی خواہشات کی خاطر ساری رات گزار دی اور اصلی کام سے غافل رہ گیا۔ پس آپ تائب ہوئے اور عبادت و ریاضت

میں مشغول ہو گئے اور وہ کمال حاصل کیا کہ آپ کی والدہ نے ایک دن دیکھا کہ باغ میں درخت کے نیچے سو رہے ہیں اور ایک سانپ نرگس کی شاخ منہ میں لیے مکھیاں اڑا رہا ہے۔ اسی وقت آپ مرو سے بغداد چلے گئے اور مدت تک آپ مشائخ کی صحبت میں رہے۔ اس کے بعد مکہ چلے گئے اور کافی عرصہ وہاں مقیم رہ کر عبادت کرتے رہے۔ پھر آپ اپنے وطن مرو تشریف لے گئے جہاں خلقت آپ کی گرویدہ ہو گئی۔ اس وقت وہاں دو فرقے موجود تھے۔ ایک اہل حدیث دوسرا اہل الرائے۔ لیکن آپ کا اثر اس قدر تھا کہ دونوں فرقے آپ کے معتقد ہو گئے۔ کیونکہ آپ کا مشرب صلح تھا۔ کتاب نفائس الفنون میں لکھا ہے کہ اصحاب رائے مثل امام ابوحنیفہؒ، امام محمد بن حسن، امام ابو یوسف بن محمد القاضی اور ان کے معتقدین کو اصحاب رائے اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے احکام کی بنیاد قیاس پر رکھی اور اصحاب حدیث مثل امام شافعیؒ و امام مالکؒ و سفیان ثوریؒ و امام احمد حنبل اور ان کے پیروؤں کو اہل حدیث اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حدیث و خبر کی بہت چھان بین کی اور احکام کی بنیاد نصوص (آیات قرآن اور قطعی احادیث) پر رکھی۔ حضرت شیخ علاؤ الدولہ چہل مجالس میں فرماتے ہیں کہ شہر مرو میں دو گروہ آباد تھے یعنی حنفی اور شافعی ایک دفعہ تعصب کی وجہ سے دونوں کے درمیان لڑائی ہوئی اور بدقسمتی سے فریقین میں سے چھ ہزار افراد مارے گئے۔ اللہ تعالٰے تمام مومنین کو تعصب سے محفوظ رکھے اور صلح کل کی توفیق عطا فرمائے۔

ابن مبارکؒ ایک سال حج کرتے۔ ایک سال جہاد کو جاتے تھے اور ایک سال تجارت کرتے۔ اور جس قدر نفع ہوتا تھا۔ اس سے اپنے احباب کے نان و نفقہ کا انتظام فرماتے ایک دن آپ جا رہے تھے کہ ایک نابینا ملا۔ اس نے عرض کیا اے عبداللہ میرے لیے دعا کیجیے اللہ تعالٰے مجھے آنکھیں عطا فرمائے۔ آپ نے سر جھکا لیا اور دعا کی۔ اسی وقت اس کو بینائی مل گئی۔ نقل ہے کہ ایک دن آپ نہایت شان و شوکت سے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک سید زادہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا اے ہندو بچہ یہ کیا بات ہے کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ہوں اور روزی کے لیے عاجز ہوں اور تم اس درجہ

امیر ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ میں وہ کرتا ہوں جو آپ نے داوا (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کیا اور آپ وہ کام نہیں کرتے۔ اس رات آپ کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی لیکن آنحضرتؐ رنجیدہ خاطر تھے۔ انہوں نے دریافت کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ناراضگی کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا۔ میرے بیٹوں کی نکتہ چینی کرتے ہو۔ آپ بیدار ہوتے ہی سیدزادہ کی خدمت میں پہنچے اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ اُسی دن سے آپ اہل بیت کی محبت میں مشہور ہو گئے۔ جب آپ کی وفات قریب پہنچی تو آپ نے تمام مال درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک مرید نے عرض کیا کہ آپ کی ایک لڑکی ہے اس کے لیے بھی کچھ رکھ دیں۔ آپ نے فرمایا اہل صلاح کا کارساز وہی ہے۔ عین موت کے وقت آپ نے اپنی آنکھیں کھولیں قہقہہ لگایا اور جاں بحق ہو گئے۔ کسی نے حضرت سفیان ثوریؒ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا۔ فرمایا اللہ تعالےٰ نے رحمت کی۔ پھر پوچھا کہ عبداللہ کا کیا حال ہے۔ فرمایا کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو دن میں دو دفعہ حق تعالےٰ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ داؤد بلخیؒ

کامل ہدایت، وارث ولایت، فارغ از حزن وتلخی، مرشد وقت خواجہ داؤد بلخیؒ قدس سرہٗ ہرات کے قدماء مشائخ میں سے ہیں۔ حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں کوفہ اور مکہ کے درمیان ایک بزرگ کے ہمراہ سفر کر رہا تھا۔ شام کی نماز کے بعد آپ آہستہ سے کچھ کہتے تھے اور فوراً دائیں جانب سے ایک کھانے کا پیالہ اور پانی کا کوزہ ظاہر ہوتا تھا۔ آپ خود بھی کھاتے تھے اور مجھے بھی دیتے۔ میں نے یہ واقعہ ایک حاجت کرامت بزرگ کے سامنے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا اے فرزند وہ داؤد بلخیؒ کا بھائی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان کی اس قدر توصیف کی کہ سب حاضرین مجلس پر گریہ طاری ہو گیا۔ اُن بزرگ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ بلخ کے دیہات میں سے ایک بستی میں رہتے ہیں جو تمام بستیوں میں ممتاز ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس نے تمہیں کیا بتایا

اسم اعظم کیا ہے میں نے جواب دیا کہ اسمِ اعظم ۔ پوچھا وہ کیا ہے ۔ میں نے جواب دیا کہ وہ اسمِ پاک میرے دل میں اس قدر عظیم ہے کہ زبان پر نہیں لایا جا سکتا ۔ اور ملا عبد الغفورؒ نے نفحات الانس کے حاشیہ پر اس کلام کی شرح میں لکھا ہے کہ اسم اعظم کے دو اطلاق ۔ (اعتبار) ہیں ایک وہ اسم ہے جو ذاتِ مستجمع جمیع صفاتِ کمال پر دلالت کرتا ہے اور اسم مبارک اللہ ہے ۔ دوسرا وہ اسم ہے کہ اس کی برکت سے عجیب آثار مرتب ہوتے ہیں ! ور اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا وہ ایک اسم ہے یا ایک سے زیادہ اسما ہیں ہر شخص کی اپنی مناسبت کے مطابق ۔ اس اسم پاک کا تعین شریعت میں بطریق اجمال ہے ۔ اور اس فقیر مؤلف کتاب نے سالہا اسمِ اعظم کی آرزو میں ریاضت شاق کی ۔ اور حالتِ زار میں رہا ۔ حتیٰ کہ میری ایسی حالت ہو گئی کہ سر سے پاؤں تک سارا وجود ذاکر ہو گیا ۔ اور بہت محنت کے بعد میرا دل نیلوفری (قلب صنوبری) شگفتہ ہو گیا اور اسم اعظم ظاہر ہو گیا ۔ اس کے بعد مجھ پر عجیب و غریب کیفیت طاری ہو گئی ۔ کبھی حالت سکر (بے خودی) اور کبھی حالت محو (ہوشیاری) مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ اسم اعظم کے برکات ہیں ۔ پس حضرت بندگی شیخ معروف جونپوریؒ مرشدِ بندگی شیخ نظام الدین انیٹھوی سے عالم غیب میں ملاقات ہوئی اور میں نے اسم اعظم کے متعلق دریافت کیا ۔ آپ نے میرے قلب نیلوفری پر نشان دہی فرمائی ۔ اس وقت مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ اسم اعظم ہے لیکن جب تک قلب نیلوفری شگفتہ نہ ہو اسم اعظم سے آشنا ہونا محال ہے اور یہ وہ راز ہے کہ دل اس کا موم ہوتا ہے اور بیان کرتا ہے ۔ زبان پر لانا ممکن نہیں ۔ اسی وجہ سے حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ نے اس بزرگ سے فرمایا کہ اسم اعظم اس قدر عظیم ہے کہ زبان پر نہیں لایا جا سکتا فہم من فہم (سمجھا جس نے سمجھا)

حضرت خواجہ منصور عمار قدس سرہٗ

عالمِ علوم ربانی ، محرم رازِ سبحانی ، موحد صاحب اسرار ، رئیس قوم خواجہ منصور عمار قدس سرہٗ صوفیاء کے طبقہ اول سے تعلق رکھتے ہیں ۔ آپ اہل مرو میں سے ہیں بعض کہتے ہیں کہ آپ ماوراء النہر یا بصرہ کے تھے ۔ آپ کا حکمائے مشائخ میں شمار ہوتا ہے ۔ آپ کے کلمات بہت

بلند اور آپ کے حالات بہت رفیع ہیں۔ پند و نصائح اور وعظ میں آپ جیسا کلام کسی نے نہیں کہا۔ وفات کے بعد کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا آپ کا کیا حال ہے۔ فرمایا مجھ پر بڑی نوازش فرمائی گئی۔ ساتویں آسمان پر ایک ممبر لگا کر مجھے کہا گیا کہ وہاں ہماری قیل وقال کرتے تھے، یہاں بھی میرے دوستوں اور فرشتوں کے سامنے وہی بات بیان کرو۔ ایک دفعہ ایک شرابی نے آپ کے ہاتھ پہ توبہ کی لیکن توبہ توڑ کر پھر شراب نوشی میں مبتلا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے سوائے اس کے اور توبہ شکنی کا سبب نظر نہیں آتا کہ تو نے کم ہمراہ دیکھے۔ غمگین ہوتے وحشت میں مبتلا ہوئے اور توبہ توڑ دی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ حارث محاسبیؒ

سید الاولیاء، پیشواء اصفیا، عارف از ایام صبی، شیخ وقت خواجہ حارث محاسبی قدس سرہٗ طبقہ اول میں سے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ آپ کا شمار علماء مشائخ قدماء میں ہوتا ہے آپ علوم ظاہری و باطنی علوم اصول و معاملات، اشارات کے جامع تھے۔ اور اس پر آپ کی بکثرت تصانیف ہیں۔ آپ بغدادیوں کے استاد تھے۔ آپ بصرہ کے رہنے والے تھے لیکن بغداد میں جا کر مقیم ہو گئے۔ آپ تجرید و توحید میں خاص درجہ رکھتے تھے۔ آپ کے نزدیک رضا احوال میں سے ہے نہ کہ مقامات میں سے۔ اس بات کی شرح طویل ہے۔ صاحب کشف المحجوب نے صوفیہ کے بارہ فرقوں میں سے آپ کو ایک فرقے کا صاحب مذہب قرار دیا ہے۔ آپ کا مسلک یہ ہے کہ آپ رضا کو مقامات میں شمار نہیں کرتے بلکہ احوال میں شمار کرتے ہیں اور یہ امتیاز آپ کا پیدا کردہ ہے۔ اہل خراسان نے یہ قول قبول کر لیا ہے لیکن اہل عراق کہتے ہیں کہ رضا مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مقام کا تعلق اعمال سے اور حال کا تعلق افضال (یعنی فضل ربی) سے ہے۔ مقام کسبی ہے۔ (یعنی کوشش سے حاصل کیا جا سکتا ہے) لیکن حال وہبی ہے (یعنی کوشش سے حاصل نہیں کیا جا سکتا بلکہ عطائے ربی ہے)، پس صاحب مقام اپنی جد و جہد سے قائم ہوتا ہے اور صاحب حال اپنے آپ سے فانی ہوتا ہے۔ اس کا قیام اس حال

سے ہوتا ہے جو حق تعالٰے اس کے اندر پیدا کرتا ہے۔ پس رضا تمام مقامات کی انتہا ہے اور احوال ابتدا ہے پس اس کی ابتدا (یعنی رضا کی ابتدا) کسبی ہے (یعنی مجاہدہ سے حاصل کی جاتی ہے) اور انتہا وہبی ہے (یعنی فضل ربّی سے ہے) جس نے رضا کی ابتدا، اپنی طرف منسوب کی وہ سمجھا کہ رضا مقام ہے اور جس نے رضا کی انتہا حق تعالٰے سے دیکھی وہ سمجھا کہ یہ حال ہے۔ یہ ہے اہل تصوف کے نزدیک محاسبیؒ کا مذہب۔ لیکن معاملات میں انہیں کوئی اختلاف نہیں۔ ایک گروہ دوامِ حال کو روا رکھتا ہے اور ایک روا نہیں رکھتا لیکن حارث محاسبیؒ دوامِ حال کو روا رکھتے ہیں۔ (یعنی ان کا خیال یہ ہے کہ حال ہمیشہ قائم رہ سکتا ہے۔ اگرچہ اکثر صوفیا کرام کا مسلک یہ ہے کہ حال آنے جانے والی چیز ہے اسے قرار نہیں ہے لیکن مقام دائمی ہے) محاسبیؒ کے نزدیک محبت، شوق، قبض و بسط، سب احوال ہیں (یعنی حال میں ان کا شمار ہوتا ہے) اگر ان کا دوام روا نہیں تو نہ محب کی محبّت ہے نہ مشتاق کا شوق۔ جب تک اِن صفات کو آدمی کے ساتھ منسوب نہ کیا جائے وہ اس اسم سے موسوم نہیں ہو سکتا (یعنی نہ محب کہلایا جا سکتا نہ مشتاق) یہی وجہ ہے کہ محاسبیؒ رضا کو حال قرار دیتے ہیں اِس کا مفصل ذکر کشف المحجوب میں آیا ہے۔ شیخ عبداللہ خفیفؒ کہتے ہیں کہ میں پیرانِ عظام میں سے پانچ حضرات کی اقتدا کرتا ہوں اور ان کے حال کی متابعت کرتا ہوں اور دوسروں کو تسلیم کرتا ہوں۔ اُن میں سے ایک حارث محاسبیؒ ہیں دوسرے خواجہ جنید بغدادیؒ تیسرے محمد رویمؒ چوتھے ابن عطاؒ اور پانچویں عمر بن عثمان مکیؒ۔ کیونکہ انہوں نے علم شریعت اور علم طریقت و حقیقت میں مطابقت کر دی ہے۔ حضرت حارث محاسبیؒ محاسبہ میں بہت مبالغہ کرتے تھے۔ اس لیے آپ کو محاسبی کہتے ہیں۔ نقل ہے کہ ایک دن آپ ایک کتاب لکھ رہے تھے ایک درویش نے دریافت کیا کہ بندہ پر معرفتِ حق برحق ہے یا حق پر بندہ کا حق برحق ہے؟ یہ سن کر آپ نے تصنیف بند کر دی۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ معرفت (یعنی خدا کو) آدمی خود پہچانتا ہے اور کوشش سے حاصل کرتا ہے تو بندہ کا اللہ تعالٰی پر حق ہے۔ لیکن یہ روا نہیں ہے۔ یا اگر اللہ کی معرفت بندہ پر حق ہے تو یہ بھی روا نہیں کیونکہ حق تعالٰے کے لیے حق چھوڑنا چاہیے۔ اس وجہ سے آپ متحیّر

ہوتے اور تصنیف ترک کر دی۔ آپ کی وفات ۲۴۳ھ میں بغداد میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

من و تو رفتہ و خدا ماندہ کے بود خود ز خود جدا ماندہ

حضرت خواجہ احمد بن عاصم انطاکیؒ

امام صاحب مجاہدہ، سوختہ مشاہدہ، مقدس عالی مقام خواجہ احمد بن عاصم انطاکی قدس سرہٗ اکابر مشائخ میں سے تھے۔ آپ علوم ظاہر و باطنی کے جامع تھے۔ آپ کی عمر بہت دراز تھی اور آپ نے تبع تابعین کی زیارت کی تھی۔ حضرت ابو سلیمان دارانیؒ آپ کو جاسوس القلوب اور تیرِ فراست کہا کرتے تھے۔ آپ نے کلمات بلند پایہ اور اشارات لطیف فرمائے ہیں آپ حضرت حارث محاسبیؒ کے مرید تھے آپ نے بشر حافیؒ اور خواجہ فضیل ابن عیاضؒ کی بھی صحبت پائی ہے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ خدا تعالےٰ کے مشتاق ہیں فرمایا نہیں انہوں نے پوچھا کیوں' فرمایا اس وجہ سے کہ شوق عنایتِ خداوندی کا نتیجہ ہے۔ جب عنایت نہ ہو تو شوق کہاں سے آئے گا یہ بھی آپ کا مقولہ ہے کہ عمل کا امام علم ہے اور علم کا امام عنایتِ خداوندی ہے۔ آپ خواجہ احمد الجواریؒ کے استاد ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

۶
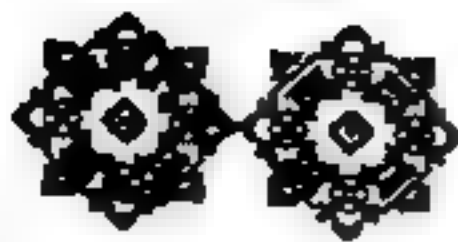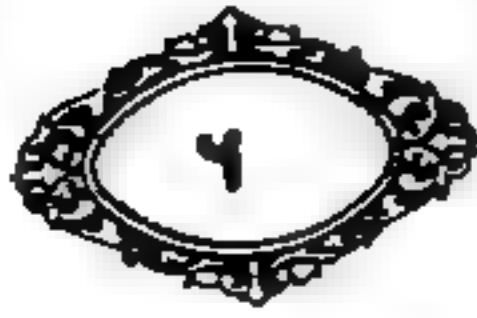
حضرت خواجہ ابراہیم ادھم و خواجہ معروف کرخی وغیرہم کے مجمل حالات کے بیان میں

حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ

سلطان التارکین، مقرب حضرت رب العالمین، تارکِ مملکت دنیا، صاحبِ سلطنت عقبیٰ، ظل اللہ فی العالم القدم، افرادِ کامل، خواجہ ابراہیم ادھمؒ قدس سرہ، طبقہ اولیٰ میں سے تھے۔ آپ کی کنیت ابو اسحاق ہے۔ آپ نسباً ادھم بن سلیمان بن منصور بلخی شاہان بلخ کی اولاد سے تھے۔ خرقہ خلافت آپ کو حضرت فضیل بن عیاضؒ سے ملا۔ آپ نے عہد شباب میں توبہ کی۔ شیخ فریدالدین عطارؒ نے آپ کی توبہ کے تین چار سبب تذکرۃ الاولیاء میں لکھے ہیں۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شکار کے وقت ہاتف نے آواز دی کہ تم اس کام کے لیے نہیں پیدا کیے گئے۔ چنانچہ آپ نے آگاہی پاکر توبہ کی۔ میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ قدس سرہ لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ خضر علیہ السلام نے آپ کی راہبری کی۔ اور اس راستے میں مربی ہوئے اور تربیت کی۔ آپ مقتدائے قوم اور صدیقِ جہاں تھے۔ اور ترک و تجرید، زہد و ورع، معاملات و حقائق اور کمالاتِ ظاہری و باطنی میں بے نظیر تھے۔ آپ نے بڑے بڑے مشائخ کی صحبت پائی ہے۔ امام محمد باقرؒ سے بھی آپ نے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کی صحبت میں بھی رہے ہیں۔ امام اعظمؒ آپ کو "سیدنا ابراہیم ادھم" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ امام صاحب کے شاگردوں نے پوچھا کہ انہوں نے سیادت (سرداری) کہاں سے پائی۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ وہ ہر وقت حق تعالیٰ

کے حضور میں مشغول ہیں اور ہم دوسرے کاموں میں۔ خواجہ جنید بغدادی جو اولیاء اللہ کے سردار ہیں فرماتے ہیں کہ فصاتیح العلوم (علوم کی چابی) ابراہیم ادھمؒ ہیں۔ لیکن ان تمام کمالات کے باوجود آپ اپنے حال پر رویا کرتے تھے۔ بلخ سے آپ مرو تشریف لے گئے اور وہاں سے نیشاپور پہنچے۔ اور وہاں کی مشہور غار میں نو سال تک مقیم رہ کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ اس غار کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ ہر جمعرات کے دن آپ اس غار سے باہر نکل کر لکڑیوں کا گٹھا جمع کرتے اور شہر جا کر فروخت کرتے تھے۔ اور جو کچھ وصول ہوتا اس سے روٹی خریدتے۔ آدھی خیرات کرتے اور جمعہ کی نماز ادا کر کے پھر غار میں چلے جاتے تھے اور پورا ہفتہ اسی طرح وہاں بسر کرتے۔ آپ سے بعض کرامات بلاقصد صادر ہونے لگے جس سے لوگوں پر آپ کی بزرگی ظاہر ہوئی۔ یہ دیکھ کر آپ اس غار سے بھاگ کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے آپ بیابان میں جا رہے تھے کہ ایک بزرگ نے آ کر آپ کو اسم اعظم تعلیم کیا۔ جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ آپ ہر قدم پر دوگانہ نفل ادا کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ چودہ سال کی مدت میں آپ مکہ معظمہ پہنچے۔ مکہ کے تمام اولیاء کرام آپ کے استقبال کے لیے باہر آئے اور سب نے آپ کی بہت تعظیم کی۔ وہاں آپ نے خواجہ فضیل عیاضؒ کی خدمت میں جا کر تربیت حاصل کی۔ اور پچاس سال حرم شریف میں مجاور رہے۔ شرح آداب المریدین میں لکھا ہے کہ آپ مدت تک بصرہ کی جامع مسجد میں معتکف رہے اور تین رات دن کے بعد ایک دفعہ افطار کرتے تھے۔ جس رات آپ روزہ چھوڑتے۔ لوگوں کے دروازوں پر بھیک مانگ کر افطار کرتے۔ لیکن جب آپ کی شہرت بڑھ گئی اور کرامات ظاہر ہونے لگیں تو خلقت آپ پر ٹوٹ پڑی۔ اس لیے آپ خلق سے بھاگ کر سفر میں رہتے تھے۔ خواجہ عطا سلمیؒ جو خواجہ عبداللہ بن مبارک کے استاد ہیں فرماتے ہیں کہ خواجہ ابراہیم نے فرمایا کہ ایک رات میں نے کعبہ کو خالی پاکر طواف شروع کیا اور حق تعالٰے سے دعا کی کہ مجھے گناہوں سے محفوظ رکھیں۔ آواز آئی کہ ساری خلقت ہم سے یہی طلب کرتی ہے اگر ہم سب کو گناہوں سے محفوظ رکھیں تو دریائے رحمت و غفاری و عفو کہاں جائے۔ پھر میں نے عرض کیا یا اللہ میرے گناہوں کو بخش دے۔ آواز آئی کہ تمام خلقت کے لیے مجھ سے مانگ اپنے لیے کچھ نہ مانگ کیونکہ دعا وہ اچھی ہے جو

دوسروں کے لیے مانگی جائے۔ شیخ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ خواجہ ابراہیم ادھمؒ بلخ چھوڑ کر مکہ پہنچے تو ان کا ایک چھوٹا لڑکا تھا۔ لڑکے نے جوان ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کہاں ہے اس کی والدہ نے سارا ماجرا سنایا اور بتایا کہ اب وہ مکہ میں مقیم ہیں۔ پس باپ کی زیارت کے لیے وہ مکہ پہنچا۔ آپ نے جب اسے دیکھا تو شفقتِ پدری نے غلبہ کیا۔ آپ نے اُسے پاس بٹھا کر پوچھا کہ تم کس دین پر ہو اس نے جواب دیا دینِ محمدیؐ پر ہوں۔ آپ نے کہا الحمدللہ۔ آپ بیٹے سے اس قدر مہربانی کے ساتھ پیش آئے کہ آواز آئی کہ ہماری دوستی کا دعوےٰ کرتے ہو اور دل بیٹے کے ساتھ لگاتے ہو۔ آپ نے عرض کیا کہ الٰہی جو کچھ میرے اور آپ کے درمیان حجاب ہوا ہے اُسے اٹھا لے۔ یہ کہنا تھا کہ آپ کا بیٹا فوت ہو گیا۔ اور آپ کی کوئی اولاد باقی نہ رہی اور نہ آپ نے شادی کی۔ لیکن شقیق بلخیؒ کے والد ابراہیم بلخی اور بزرگ ہیں جو حضرت خواجہ ابراہیم ادھمؒ کے ہم عصر تھے۔ ان کا مزار بھی بلخ میں ہے۔ ان کی اولاد اپنے آپ کو خواجہ ابراہیم ادھمؒ سے منسوب کرتی ہے لیکن اکثر معتبر کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ آپ کی کوئی اولاد باقی نہ رہی تھی۔ نقل ہے کہ خواجہ ابراہیم ادھمؒ نے فرمایا کہ پندرہ سال تک میں نے سختی مشقت اور محنت جھیلنے کے بعد یہ آواز سنی کہ کن عبداً فاسترح (میرا بندہ بن اور راحت پا) بحکم فاستقم کما اُمرتَ (جیسا کہ حق تعالےٰ نے کلام پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ ہمارے حکم کے استقامت کے ساتھ پابند ہو جاؤ۔)

آخر عمر میں آپ کا تصرف بہت بڑھ گیا تھا۔ آپ کثرت سے طعام تیار کرا کر غرباؑ و مساکین میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ شیخ علاؤالدولہ سمنانیؒ چہل مجلس میں فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ خواجہ ابراہیم ادھمؒ کے پاس گئے۔ آپ نے مصلے کے نیچے ہاتھ ڈال کر مٹھی بھر درہم نکالے۔ اور نوکر سے فرمایا کہ تین من (ایک من ۲½ سیر کے برابر تھا) روٹی اور شہد لاؤ۔ خواجہ سفیان ثوریؒ نے کہا ہم صرف دو آدمی تو ہیں اس قدر اسراف کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کھانے کی چیزوں میں اسراف نہیں ہوتا اگر زیادہ ہوگا تو اور لوگ کھا لیں گے۔ چہل مجالس میں یہ بھی خواجہ بایزیدؒ سے روایت منقول ہے کہ آپ کے پاس کافی

سامان تھا اور بے شمار بھیڑ بکریاں تھیں اور آپ بہت خرچ کیا کرتے تھے۔ایک دن آپ دریا کے کنارے بیٹھے کپڑا سی رہے تھے۔ایک شخص نے آکر سوال کیا کہ بلخ کی سلطنت چھوڑ کر آپ کو کیا حاصل ہوا ہے۔آپ نے اپنی سوئی دریا میں ڈال دی اور حکم کیا کہ سوئی لادو یہ کہتے ہی ہزاروں مچھلیاں اپنے منہ میں سونے کی سوئیاں لے کر باہر نکل آئیں۔آپ نے فرمایا مجھے اپنی لوہے کی سوئی درکار ہے۔ایک کمزور مچھلی ان کی سوئی لے کر باہر آئی۔آپ نے اس شخص سے فرمایا یہ ہے کمترین مرتبہ جو میں نے سلطنت چھوڑ کر پایا ہے۔اس سے زیادہ دیکھنے کی تو طاقت نہیں رکھتا۔آپ کے کمالات وکرامات اس قدر ہیں کہ تحریر میں نہیں آتے۔
شیخ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ گم ہوگئے۔ معلوم نہیں کہ آپ کی قبر کہاں ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا مزار مبارک بغداد میں امام احمد حنبلؒ کے مزار کے متصل ہے۔بعض کا خیال ہے کہ ملک شام میں حضرت لوط علیہ السلامؑ کے مزار کے پاس ہے۔نفحات الانس میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات ملک شام ۱۶۱ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۱۶۶ھ میں ہوئی۔ایک قول کے مطابق آپ کی وفات یکم ماہ شوال ۱۸۷ھ کو ابو عبداللہ خلیفہ سوئم کے عہد حکومت میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ معروف کرخیؒ

ہمدم نسیم وصال، محرم حریم ذوالجلال، فارغ از حادثات چرخی قطب ارشاد خواجہ معروف کرخیؒ قدس سرہ، کی کنیت ابو محفوظ ہے۔آپ کے والد کا نام فیروز تھا۔آپ کو بعضوں نے معروف بن علی بھی لکھا ہے۔آپ کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے۔آپ خواجہ سری سقطیؒ وغیرہم کے پیر ہیں۔آپ اولیاء اللہ کے سات سلسلوں کے پیشوا ہیں۔طریقت میں آپ کا مقام بہت بلند۔آپ کا کلام لطافت سے لبریز ہے۔آپ عارفین عہد کے سردار تھے۔اور کرامات وریاضات آپ کی مشہور ہیں۔آپ کا ذوق وشوق اس قدر تھا کہ جس کی مثال نہیں۔نفحات الانس میں لکھا ہے کہ آپ کا والد حضرت امام علی بن موسیٰ کاظمؒ کا غلام تھا۔لیکن شیخ فرید عطارؒ کا قول ہے کہ آپ کے والدین عیسائی تھے۔انہوں نے آپ کو استاد کے پاس بھیجا۔استاد نے کہا

پڑھو ثالث ثلثۃ (یعنی خدا تین ہیں جیسا کہ عیسائی عقیدہ ہے) آپ نے کہا نہیں بلکہ ھو اللّٰہ الاحد الواحد (بلکہ وہ اللہ احد اور ایک ہے) استاد نے جس قدر زور دیا کہ تین خدا کہو آپ کہتے تھے کہ نہیں ایک ہے۔ اس پر استاد نے آپ کو بہت مارا جس سے آپ بھاگ گئے۔ آپ کے والدین کہا کرتے تھے کہ کاش وہ واپس آتا اور جس دین پر چاہتا ہم اس کی موافقت کرتے۔ آپ حضرت امام علی بن موسیٰ رضاؒ کی خدمت میں گئے اور ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔ اس کے بعد آپ اپنے والدین کے پاس گئے۔ وہ بھی آپ کے کمالات دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر آپ حضرت داؤد طائیؒ کی خدمت میں گئے اور ریاضت وعبادت میں مشغول ہو آپ نے اس قدر صدق میں ثابت قدمی دکھائی کہ خلقت آپ کی گرویدہ ہو گئی۔ ایک دن آپ اپنے مریدوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ چند نوجوان راستے میں فساد برپا کر رہے تھے جب دریائے دجلہ کے کنارے پر پہنچے مریدوں نے عرض کی کہ حضرت دعا فرمادیں اللہ تعالےٰ ان مفسدین کو غرق کر دے تاکہ لوگ ان کی شرارت سے نجات پائیں۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ جس طرح اس دنیا میں تو نے ان کو خوش زندگی بخشی ہے آخرت میں بھی خوشی دے۔ آپ کے ساتھی حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ اے خواجہ ہمیں اس دعا کا راز معلوم نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ۔ جب نوجوانوں نے خواجہ علیہ رحمۃ کو دیکھا اپنے رباب توڑ ڈالے۔ شراب پھینک دی اور گریہ وزاری کرتے ہوئے آپ کے قدموں میں جا گرے۔ اور تائب ہوتے۔ نقل ہے کہ ایک دن ایک مسافر آپ کی خانقاہ میں پہنچا۔ وہ سمتِ قبلہ نہیں جانتا تھا۔ اس لیے کسی دوسری طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت خواجہ علیہ رحمۃ نے اپنے مریدوں کے ساتھ دوسری سمت میں نماز پڑھی۔ یہ دیکھ کر وہ آدمی شرمسار ہوا اور کہنے لگا کہ آپ نے مجھے صحیح سمت سے کیوں مطلع نہ کیا۔ آپ نے فرمایا ہم تو درویش ہیں۔ درویشوں کو دوسروں کے معاملات میں دخل دینے سے کیا کام۔ آپ کا مشرب صلح کل تھا۔ ایک دن خواجہ ابراہیم ادھمؒ نے آپ سے نصیحت چاہی آپ نے فرمایا خدا پر توکل کر تاکہ خدا تیرے ساتھ ہو اور تیرا انیس ہو جائے۔ جب آپ کا وصال ہوا تو وحدت الوجود کے غلبہ اور ہر ملت سے تواضع اور صلح کل کی وجہ

سب مذہب والے یعنی عیسائی۔ یہودی اور مسلمان دعویدار ہوئے کہ آپ ہمارے مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے خادم نے کہا کہ آپ نے یہ وصیت کی تھی کہ جو کوئی میرا جنازہ اٹھائے گا میں اُسی قوم سے ہوں گا۔ سب مذہب والوں نے ہر چند کوشش کی لیکن جنازہ نہ اٹھا سکے۔ لیکن اہل اسلام نے جنازہ اٹھا لیا اور نماز جنازہ ادا کر کے دفن کر دیا۔ محمدؒ بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواجہ معروف کرخیؒ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ فرمایا بخش دیا۔ میں نے کہا آپ کے زہد کی وجہ سے۔ فرمایا نہیں بلکہ ابن سماکؒ سے ایک بات سنی تھی۔ اس ایک بات پر عمل کرنے سے مجھے نجات ملی۔ ابن سماکؒ نے فرمایا تھا کہ جو گنہگار اپنے گناہوں سے تائب ہو کر اللہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اللہ اس کے لیے اپنا درِ رحمت کھول دیتا ہے۔ اس کی اس بات نے میرے دل میں گھر کر لیا چنانچہ میں نے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں رجوع کیا اور تمام کاموں سے دست بردار ہو گیا سوائے امام علی بن موسیٰ رضاؒ کی خدمت میں حاضری کے۔ آپ کی وفات خلیفہ ابو العباس عبداللہ بن ہارون الرشید جس کا لقب مامون تھا۔ کے عہد میں ۲۰۰ھ میں ہوئی اور بغداد میں دفن ہوئے۔

حضرت خواجہ ذوالنون مصریؒ

پیشوائے اہل ملامت، بباطن ہمگی سلامت، ناظرِ ذاتِ بے چوں سلطانِ وقت خواجہ ذوالنون قدس سرہٗ کا اصلی نام ثوبان بن ابراہیم، کنیت ابو الفیض اور لقب ذوالنون مصری تھا۔ آپ کے والد قریش کے غلام اور ثوبہ کے رہنے والے تھے۔ ثوبہ سعید و مصر و حبشہ کے مابین ایک شہر کا نام ہے۔ آپ امام مالک انسؒ کے شاگرد تھے۔ اور اسرافیل کے مرید تھے جو اہل مغرب کے پیر تھے۔ آپ اہل طریقت کے بادشاہ تھے۔ آپ کا مسلک ملامتیہ تھا۔ اسرار توحید میں آپ رقیق النظر تھے۔ آپ بڑے صاحب ریاضت اور کرامت تھے مصر کے اکثر لوگ آپ کو زندیق کہتے تھے۔ کیونکہ آپ ہمیشہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھتے تھے تذکرۃ الاولیاء میں آپ کی توبہ کے چند واقعات درج ہیں۔ چند باخدا لوگوں کی صحبت سے

آپ کا یقین درست ہو گیا۔ اور توکل میں استقامت اختیار کر کے ریاضت شاقہ میں مشغول ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ دس سال تک میرے نفس کی یہ خواہش رہی کہ پلاؤ کھاؤں لیکن میں نے اُسے محروم رکھا۔ ایک دن ایک آدمی پلاؤ کی دیگ پکوا کر لایا۔ اس نے کہا کہ میں نے یہ دیگ پکوائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کیا تمہیں قیامت میں میری ملاقات کی خواہش ہے میں نے عرض کیا جی ہاں! یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا یہ پلاؤ کی دیگ اٹھاؤ اور ذوالنون کے پاس لے جاؤ۔ اسے میرا سلام دو اور یہ کہو کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سفارش کرتے ہیں کہ چند لقمے اپنے نفس کو کھلاؤ اور اس سے صلح کر لو۔ یہ سن کر آپ رو دئے اور کہا کہ فرمانبردار ہوں۔ نقل ہے کہ جب آپ کی بہت شہرت ہوئی تو اہل مصر آپ کو زندیق (بے دین) کہنے لگے۔ اور خلیفۂ وقت سے آپ کی شکایت کی۔ اس نے کچھ سپاہی بھیج کر آپ کو قید کر دیا۔ اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر آپ کو بغداد منگوالیا۔ وہاں چالیس روز تک آپ قیدخانہ میں بند رہے۔ اس کے بعد آپ کو خلیفہ کے سامنے لے گئے۔ اس نے آپ کے کلمات کی شرح طلب کی۔ آپ تمام مسائل نہایت اچھی طرح سمجھائے۔ خلیفہ آپ کی باتیں سن کر رو پڑا۔ اور تمام ارکینِ سلطنت آپ کی فصاحت و بلاغت سے حیران رہ گئے۔ اس کے بعد خلیفہ نے آپ سے بیعت کی اور نہایت عزت و اکرام سے آپ کی خدمت کرنے لگا۔ خواجہ احمد علی سلمیؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں ذوالنونؒ کی خدمت میں گیا۔ آپ کے سامنے ایک سنہری طشت (تھال) پڑا تھا اور لوگ قسم قسم کی خوشبوئیں مثل مشک و عنبر آپ کے گرد جلا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا تو وہی ہے جو بادشاہوں کے نزدیک جاتا ہے۔ میں ان کی شان و شوکت دیکھ کر وہاں سے واپس آ گیا۔ آپ نے مجھے ایک درم عنایت کیا جس سے بلخ تک میں کھانا خرید کر کھاتا گیا۔ نقل ہے کہ ایک دن آپ کشتی میں سوار تھے۔ کسی کا ایک جوہر (موتی) گم ہو گیا۔ سب کو یہ گمان ہوا کہ ذوالنون نے چرایا ہے۔ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی میرا حال تو اچھی طرح جانتا ہے ان لوگوں پر بھی ظاہر کر دے۔ یہ کہنا تھا کہ ہزاروں مچھلیاں ایک ایک موتی منہ میں لے کر سطح آب پر آ گئیں۔ آپ نے ایک موتی لے کر مالک کو دے دیا۔ اس سے وہ

بہت شرمندہ ہوا۔ اسی دن سے آپ کا لقب ذوالنون ہو گیا۔ نقل ہے کہ آپ کا ایک مرید تھا جس نے چالیس چلّے کیے تھے اور چالیس سال سے مجاہدہ نفس میں مشغول تھا لیکن اس پر کچھ ظاہر نہ ہوا تھا۔ اُس نے حضرت ذوالنونؒ سے سارا ماجرا بیان کیا اور عرض کیا کہ آپ طبیب قلب ہیں اب میرے لیے کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا آج رات عشار کی نماز مت پڑھنا اور خوب پیٹ بھر کر کھانا کھانا اور ساری رات نیند کرنا۔ ممکن ہے دوست جو لطف سے پیش نہیں آتا عتاب سے پیش آئے۔ وہ گیا اور جس طرح آپ نے فرمایا تھا اس نے کیا لیکن عشار کے فرض ترک نہ کر سکا۔ اور صرف سنت ترک کر دیں۔ خواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوست سلام دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ آدمی مخنث اور نامرد ہے جو ہماری درگاہ میں آئے اور جلدی سیر ہو جائے کیونکہ اصل کام استقامت اور ترکِ ملامت ہے (یعنی ترک شکوہ) تاہم حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس راہزن مدعی ذوالنون کو میرا سلام دو اور کہو کہ اگر میں نے تمہیں رسوائے زمانہ نہ کیا تو خداوند جہاں نہیں ہوں۔ تاکہ تو آئندہ میرے عاشقوں اور خاک نشینوں کو منکر نہ کرے۔ آپ کے مرید نے جا کر سارا ماجرا حضرت ذوالنون کے سامنے بیان کیا۔ یہ سن کر آپ عنایت خوشی سے رونے لگے۔ (غالباً آپ خوش اس لیے ہوئے کہ حق تعالیٰ سے سلام اور گالی بیک وقت سنی۔ عاشقوں کو گالی سننے میں بھی مزہ آتا ہے۔ عراقی نے خوب کہا ہے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت   سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ترجمہ:۔ خدا کرے کہ دشمن کو تیری تلوار نصیب نہ ہو اور دوستوں کا سر سلامت رہے جس پر تو اپنی تلوار آزمائے۔) آپ کی کرامات دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ جس رات آپ کا وصال ہوا ستّرہ آدمیوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ نے سب سے فرمایا کہ خدا کا دوست ذوالنون آنے والا ہے ہم اس کے استقبال کو آئے ہیں۔ جب آپ نے وفات پائی سبز رنگ کے نور سے آپ کی پیشانی مبارک پر یہ الفاظ لکھے تھے۔

ھذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ (یہ اللہ کا دوست ہے جو اللہ کی محبت میں

مرا ہے) جب لوگوں نے آپ کا جنازہ اٹھایا تو جنگل کے پرندوں نے اپنے پروں سے سایہ کر دیا۔ کیونکہ دھوپ تیز تھی۔ اس وقت ایک موذن اذان دے رہا تھا جب اس نے کلمۂ شہادت پڑھا حضرت ذوالنون ؒ نے شہادت کی انگلی اٹھائی۔ یہ دیکھ کر اہل مصر جو آپ پر طعن و تشنیع کیا کرتے تھے۔ بہت پشیمان ہوئے۔ آپ کی وفات ۲۴۵ھ خلیفہ جعفر بن معتصم کہ جس کا لقب متوکل تھا کے عہد میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابو علی شقیق قدس سرہٗ

متوکل ابرار، متصرف اسرار، مدار اہل طریقت خواجہ ابو علی شقیق بلخی بن ابراہیم بلخی قدس سرہٗ طبقۂ اول کے مشائخ میں سے تھے۔ شروع میں آپ فرقہ اہل الرائے سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد میں آپ اہل حدیث ہوئے۔ آپ یگانۂ روزگار اور شیخ وقت تھے۔ زہد و عبادت میں آپ بڑے عالی ہمت تھے۔ آپ نے ساری عمر توکل میں گزاری۔ آپ بہت علوم میں ماہر اور بے شمار تصانیف کے مالک تھے۔ فنون میں آپ کے استاد خواجہ حاتم اصم ؒ تھے اور علم طریقت آپ نے حضرت خواجہ ابراہیم ادہم ؒ سے حاصل کیا تھا۔ بعد میں آپ خواجہ ابراہیم ادہم ؒ کے پایہ کے بزرگ ہوتے۔ آپ کی توبہ کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ ترکستان گئے وہاں آپ نے دیکھا کہ ایک بت پرست بت کی پوجا کر رہا ہے اور زار زار رو رہا ہے آپ نے اس سے کہا کہ تیرا ایک پروردگار ہے جو زندہ ہے اور سارا جہان اس کی عبادت کرتا ہے تو شرم کر۔ بت پرست نے کہا اگر اسی طرح ہے کہ جیسا تو کہتا ہے تو کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ تجھے تیرے اپنے شہر میں روزی دے اور تجھے اس جگہ نہ آنا پڑے۔ آپ یہ سخن سن کر چونک پڑے اور بلخ واپس جا کر عبادت حق میں مشغول ہو گئے۔ نقل ہے کہ ایک دفعہ بلخ میں قحط عظیم ہوا یہاں تک کہ لوگوں نے ایک دوسرے کو کھانا شروع کر دیا۔ حضرت شقیق ؒ نے ایک غلام کو دیکھا کہ بازار میں نہایت خوش و خرم چلا جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا اے غلام یہ کون سا خوشی کا وقت ہے اس نے جواب دیا کہ مجھے کیا غم میرے آقا کے ہاں غلے کے ڈھیر لگے پڑے ہیں۔ مجھے بھوک

نہیں مرنے دے گا۔ یہ بات آپ کے دل میں گھر کر گئی۔ آپ نے کہا یاالٰہی جب یہ غلام اپنے آقا کے مال و دولت پر نازاں ہے۔ تو مجھے کیا غم ہے کہ تجھ جیسا احکم الحاکمین رکھتا ہوں۔ پس آپ کا دل تمام مقاصد سے سرد ہو گیا اور آپ توکل میں ثابت قدمی سے جم گئے۔ اس کے بعد مکہ جاکر حضرت خواجہ ابراہیم ادھمؒ کی صحبت میں رہنے لگے۔ وہاں سے آپ بغداد تشریف لے گئے اور وہاں اکثر مجالس میں آپ کلام فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا بیشتر کلام توکل پر رہا۔ ایک دن ایک بوڑھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں بہت گناہ گار ہوں اب توبہ کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا دیر سے آئے ہو۔ اس نے کہا جو کوئی موت سے پہلے آیا جلدی آیا۔ آپ نے فرمایا اچھے آئے ہو اور اچھی بات کہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں امام ابوحنیفہؒ یا امام ابو یوسفؒ کی مجلس قضا میں گیا۔ لوگ تہ در تہ آپ کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ انہوں نے میری طرف دیکھ کر پوچھا کہ یا شیخ! کیا ہوا کہ آپ نے سیہ لباس پہن رکھا ہے۔ میں نے کہا جو کچھ تم نے طلب کیا پایا۔ اور جو کچھ میں طلب کرتا ہوں مجھے نہیں ملا۔ پس ماتمی لباس نہ پہنوں تو کیا کروں۔ یہ سن کر امام ابو یوسفؒ روئے اور کہنے لگے کہ میں کردہ گناہوں کی بہ نسبت ناکردہ گناہوں سے زیادہ ڈرتا ہوں کیونکہ جو کچھ کیا ہے اس کا مجھے علم ہے لیکن معلوم نہیں آگے جاکر کیا کروں گا۔ حضرت خواجہ شقیقؒ فرماتے ہیں کہ توکل یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے ترا دل اس سے مطمئن ہو جائے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ بلخ کی بعض تواریخ کے مطابق آپ کو ۱۷۴ھ صوبہ ختلان میں کسی نے شہید کر دیا۔ آپ کی قبر بھی وہیں ہے رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ احمد بن خضرویہؒ

مجاہد میدان صمدیت، محرم اسرار احدیت، عاشق بیکرویہ خواجہ احمد بن خضرویہ قدس سرہٗ طبقہ اول کے مشائخ میں سے تھے۔ آپ کی کنیت حامد بلخی ہے۔ آپ خراسان کے مشائخ میں سے تھے۔ اصل میں آپ بلخ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے خواجہ ابو تراب نخشبیؒ اور حاتم اصمؒ کی صحبت پائی ہے۔ حضرت خواجہ ابراہیم ادھم کو بھی آپ نے دیکھا ہے۔ آپ

کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ادھمؒ فرماتے ہیں کہ التوبۃ ھو الرجوع الی اللہ بصفاء السر (یعنی توبہ نام ہے اللہ کی طرف لوٹنے کا خالص قلب کے ساتھ) آپ نے خواجہ بایزیدؒ اور ابوحفص حدادؒ کو بھی دیکھا ہے۔ ابو حفصؒ کو سفر حج کے دوران آپ نے نیشاپور میں دیکھا، اور خواجہ بایزیدؒ کو بسطام میں۔ خواجہ احمدؒ نے اُن سے کہا کہ توبہ کی نہایت تک میری رسائی نہیں ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ توبہ کی نہایت غیرت رکھتی ہے اور غیرت حق تعالےٰ کی صفت ہے مخلوق کی کیسے وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے۔ پھر پوچھا نماز کیا ہے۔ خواجہ بایزیدؒ نے فرمایا نماز پیوستہ ہونا ہے لیکن پیوستہ ہونا ٹوٹ جانے سے پہلے ممکن نہیں۔ خواجہ احمدؒ نے پوچھا کہ راہِ حق کس طرح ہے فرمایا اس راہ کی انتہا اللہ سے پیوستہ ہونا ہے۔ کسی نے حضرت ابوحفصؒ سے پوچھا کہ اس طائفہ میں آپ نے سب سے زیادہ بزرگ کسے دیکھا ہے آپ نے فرمایا خواجہ احمد خضرویہؒ سے زیادہ بزرگ مَیں نے کوئی نہیں دیکھا۔ کسی نے خواجہ احمد خضرویہؒ سے ہمت اور صدق حال کے متعلق نصیحت طلب کی۔ آپ نے فرمایا اپنے نفس کو ترک شہوات سے مار ڈالو تاکہ وہ حیاتِ جاویدانی سے زندہ ہو جائے۔ آپ کی کرامات بے شمار اور کلمات بہت بلند ہیں۔ آپ کی وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی۔ مزار آپ کا بلخ میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابراہیم بن ستبہؒ

محب صاحب ریاضت، مجاہد میدان کرامت، متوکل عالی مرتبہ، خواجہ ابراہیم بن ستبہؒ کی کنیت ابواسحاق ہروی ہے۔ آپ خواجہ ابراہیم ادھمؒ کے ہم نشین تھے بعض لوگ آپ کو خواجہ بایزید بسطامیؒ کا ہمعصر بھی بتلاتے ہیں۔ آپ کا اصل وطن کرمان تھا۔ بعد میں آپ نے ہرات میں سکونت اختیار کی اس لیے آپ کو ہروی کہتے ہیں۔ آپ کی قبر قزوین میں ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ مَیں خواجہ ابراہیم ادھمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلے آپ نے مجھے ترک دنیا کی تلقین فرمائی اس کے بعد کسب کی تعلیم دی۔ پھر فرمایا کہ کسب چھوڑ کر توکل اختیار کر۔ تاکہ تجھے صدق یقین حاصل ہو۔ پس آپ نے جس طرح فرمایا میں نے فرمانبرداری کی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جنگل میں سکونت کر اور تجرید اختیار کر۔

میں نے اس پر عمل کیا اور مجھے اللہ تعالےٰ کے ساتھ صدق توکل اور حسن اعتقاد حاصل ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ ہرات میں آپ بڑی شان و شوکت سے رہتے تھے۔ آپ نے کئی دفعہ حج کیا اور کبھی توکل کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آپ ہمیشہ یہ دعا کرتے تھے کہ الہٰی میری روزی ہرات سے ہٹا دے اور وہاں کے لوگوں کی رغبت مجھ سے پھیر دے۔ نقل ہے کہ ایک دن خواجہ بایزیدؒ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے ناگاہ فرمایا اٹھو میں خدا تعالےٰ کے ایک دوست کے استقبال کے لیے جاتا ہوں۔ جب آپ دروازے تک پہنچے دیکھا کہ خواجہ ابراہیم آ رہے ہیں۔ خواجہ بایزیدؒ نے اُن سے کہا کہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آپ کے استقبال کے لیے باہر جاؤں۔ اور آپ کو اپنے لیے حق تعالےٰ کی درگاہ میں شفیع بناؤں۔ خواجہ ابراہیم نے فرمایا اگر اللہ تعالےٰ مجھے ساری کائنات کے لیے شفاعت کی توفیق عطا فرمائے تو مٹی کا ٹکڑہ بھی بخشا جائے۔ یہ بات سن کر خواجہ بایزیدؒ حیران ہوئے کہ نہایت خوب کہا ہے آپ کے کمالات دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔

حضرت خواجہ ابو عبداللہ محمد بن فضیلؒ

ہر طبقہ کے مقبول، الطاف ایزدی کے مخصوص، صاحب نصب و عزل خواجہ ابو عبداللہ محمد بن فضیلؒ قدس سرہٗ طبقہ ثانی سے تعلق رکھتے تھے آپ مشائخ خراسان میں سے تھے۔ آپ کا اصل وطن بلخ تھا۔ آپ ریاضت اور فتوحات میں بے نظیر تھے۔ آپ خواجہ احمد خضرویہؒ کے مرید تھے اور محمد بن علی حکیم ترمذیؒ کی صحبت بھی پائی ہے۔ ابو عثمان حیریؒ کی آپ سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ انہوں آپ کو خط لکھا کہ شقاوت (بدبختی) کی علامت کیا ہے آپ نے فرمایا تین چیزیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالےٰ اُسے علم دے لیکن عمل سے محروم کر دے۔ دوسری یہ کہ توفیق عمل دے لیکن اخلاص سے محروم کر دے۔ تیسری یہ کہ صالحین کی صحبت اختیار کرے لیکن اُن کے ادب سے روگردانی کرے۔ یہ سن کر ابو عثمان حیریؒ (یعنی حیرہ کے رہنے والے) نے کہا کہ محمد بن فضل بلخی شیر مرد ہے۔ نقل ہے کہ ایک دن کسی نے آپ سے پوچھا کہ سلامتِ صدر کس چیز سے حاصل ہوتی ہے۔ فرمایا حق الیقین کے قائم ہونے

سے۔ اور یہ وہ زندگانی ہے کہ جس کے بعد علم الیقین دیتے ہیں۔ علم الیقین کے بعد عین الیقین کا ظہور ہوتا ہے تاکہ اس سے سلامتی حاصل ہو اور شروع میں عین الیقین نہیں ہوتا۔ مثلاً جس نے کعبہ نہیں دیکھا اسے ہرگز علم الیقین حاصل نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ علم الیقین، عین الیقین کے بعد واقع ہو سکتا ہے۔ اور وہ علم الیقین جو عین الیقین سے پہلے ہوتا ہے وہ ہمت اور اجتہاد سے اس طرح ہوتا ہے کہ کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط۔ جب علم الیقین پیدا ہو گیا۔ علم الیقین سے عین الیقین کے اسرار و حقائق اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ (علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کی یہ تشریح بعض دیگر حضرات سے علیحدہ ہے۔ وجہ نامعلوم۔ مترجم) یہ بھی آپ کا مقولہ ہے کہ مجھے اس شخص کے حال پر تعجب ہوتا ہے جو بیابان اور وادیاں طے کر کے خانہ تک پہنچتا ہے اور اس جگہ انبیا علیہ السلام کے آثار دیکھتا ہے وہ کیوں وادیٔ نفس و ہوا طے نہیں کرتا تاکہ کعبۂ دل تک پہنچ جائے اور آثارِ پروردگار جل و اعلیٰ کا مشاہدہ کرے۔ متعصب لوگوں نے مذہبی اختلاف کی بنا پر آپ کو بے گناہ شہر بدر کیا۔ آپ نے بلخ سے باہر نکل کر شہر کی طرف منہ کیا اور لوگوں کو بددعا دی۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ آپ کے بعد بلخ میں کوئی صوفی پیدا نہ ہوا۔ وہاں سے آپ سمرقند گئے۔ وہاں آپ عہدہ قضا پر متعین ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے سفرِ حج اختیار کیا۔ جب آپ نیشاپور پہنچے تو لوگوں نے آپ سے مجلس طلب کی (وعظ و نصیحت چاہی) آپ نے کرسی پر بیٹھ کر کہا۔ اللہ اکبر و لذکر اللہ اکبر و رضوان من اللہ اکبر یعنی اللہ بزرگ و برتر ہے اس بزرگی سے جو ہم اس سے منسوب کرتے ہیں اور اس کی بزرگی ہمارے وہم و گمان و خیال و فہم سے بالاتر ہے۔ اور اس کی رضا سب سے زیادہ بلند مقام ہے۔ یہ کہہ کر آپ کرسی سے نیچے اتر آئے اور پھر سمرقند واپس چلے گئے اور وہیں ۳۱۹ھ میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد بن علی حکیم الترمذیؒ

مجتہد اولیا، پیشوائے اصفیا، محترم حرم قبول ایزدی، شیخ وقت خواجہ محمد بن علی حکیم

الترمذی قدس سرہ طبقہ ثانیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ آپ مشائخ عظام کے سردار اور اہل ولایت کے آقا تھے۔ آپ خلقت میں ہر دلعزیز تھے اور تمام علوم میں باکمال۔ آپ کی تصانیف بے شمار ہیں۔ حقائق و معارف بیان کرنے میں آپ اپنے عہد میں بے نظیر تھے۔ آپ کے استاد خضر علیہ السلام ہیں۔ جنہوں نے آپ کو تین سال تک روزانہ انواع واقسام کے علوم تعلیم کیے۔ اس کے بعد ہفتے میں ایک بار یکشنبہ کے دن خضر علیہ السلام آتے تھے اور واقعات ایک دوسرے سے پوچھتے تھے۔ آپ ہر علم میں کامل اور شریعت میں مجتہد تھے۔ اکثر اہل ترمذ آپ کے مذہب پر تھے۔ آپ کا مذہب علم پر مبنی تھا کیونکہ آپ عالم ربانی تھے۔ آپ حکیم الاولیا کہلاتے تھے۔ آپ کی کرامات مشہور ہیں۔ صاحب کشف المحجوب نے صوفیہ کے دس مذاہب میں سے ایک آپ کے مذہب کو قرار دیا ہے۔ آپ کلام ولایت کے نور پر مبنی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ حق تعالےٰ کے بہت اولیاء ہیں جنہیں اس نے ساری مخلوقات میں برگزیدہ کیا ہے اور ان کو وہ ہمت عالی بخشی ہے کہ انہوں نے دنیا کے تمام تعلقات سے اپنے آپ کو منقطع کر لیا ہے اور ان کو نفس و ہوا و ہوس کے تقاضوں سے آزاد کر دیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو ایک مقام پر قائم رکھا ہے اور اپنے اسرار و معارف کا دروازہ ان پر کھول دیا ہے۔ اس مضمون پر آپ کا بہت کلام ہے جس کا کشف المحجوب میں مفصل ذکر ہے۔ غرضیکہ آپ کے تمام معاملات کی بنا ولایت ہے اور ولایت سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ شیخ عطارؒ فرماتے ہیں کہ آپ کو ابو تراب نخشبیؒ (نخشب ایک شہر کا نام ہے) احمد خضرویہؒ اور ابن جلاؒ کی صحبت بھی ملی ہے۔ اور یحیٰ معاذ قدس سرہ سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر آپ کی بہت تصانیف ہیں۔ آپ کے زمانے میں ترمذ میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو آپ کا کلام سمجھ سکے۔ صاحب کشف المحجوب (حضرت سید علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری) فرماتے ہیں کہ میں حکیم ترمذیؒ کو بہت معظم سمجھتا ہوں اور میرے دل کی مملکت کو انہوں نے شکار کر لیا ہے۔ ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنی ایک کتاب کے چند حصے مجھے دے کر فرمایا کہ دریائے جیحون میں پھینک دو۔ جب میں نے ان پر نظر ڈالی تو تمام حقائق و معارف تھے میرے

دل نے گوارا نہ کیا کہ ان کو دریا میں ڈالوں چنانچہ میں نے گھر رکھ دیئے اور آپ سے جا کر کہا کہ پھینک آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم نے نہیں پھینکے۔ جاؤ اور پھینک آؤ۔ میں دوبارہ دریا کے کنارے پر گیا۔ میرے جاتے ہی دریائے جیحوں جوش میں آگیا اور پانی میں سے ایک صندوق نکلا جس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا۔ میں نے وہ ورق صندوق میں ڈال دیئے۔ اس کے بعد دریا پھر پہلے کی طرح ساکن ہو گیا۔ اس سے مجھے تعجب ہوا جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا اب تم پھینک آئے ہو۔ میں نے عرض کیا یا شیخ خدا کی قسم یہ راز مجھ پر نہیں کھلا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے علم معرفت پر کچھ لکھا تھا لیکن آج کل کے عقول کے لیے اس کا سمجھنا مشکل تھا میرے بھائی خضر علیہ السلام نے وہ مجھ سے طلب کیا اور وہ صندوق خضرؑ کے فرمان سے ایک مچھلی لے آئی۔ حق تعالےٰ نے پانی کو حکم دیا کہ یہ کاغذات ان کو پہنچا دے۔ ابوبکر وراقؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے اپنی سب تصانیف دریا میں ڈال دیں۔ حکیم ترمذیؒ اپنے فتح باب (دل کے دروازہ کا کھلنا) کا سبب یوں بیان فرماتے ہیں کہ میں نے جس قدر کوشش کی میرا نفس راہ راست پر نہ آیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید خدا تعالےٰ نے مجھے دنیا اور دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے۔ دوزخی کی کیا پرورش کروں۔ چنانچہ میں دریائے جیحون کے کنارے پر گیا۔ ایک آدمی سے کہا کہ میرے ہاتھ پاؤں باندھ دو۔ وہ باندھ کر چلا گیا۔ میں نے پلٹ کر اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا تاکہ غرق ہو جاؤں۔ لیکن پانی نے میرے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اور ایک موج نے مجھے باہر نکال کر پھینک دیا۔ پس میں اپنے آپ سے ناامید ہو گیا اور دل میں کہا سبحان اللہ کیا نفس پیدا کیا ہے جو نہ بہشت کے لائق ہے نہ دوزخ کے۔ پس جس وقت میں اپنی تدبیر سے ناامید ہوا راز مجھ پر کھل گیا اور جو کچھ چاہتا تھا مل گیا۔ اسی وقت میں اپنے آپ سے غائب ہو گیا اور زندگی بھر مجھے اس گھڑی کی برکت رہی۔ اور نفحات الانس کے مصنف (مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ) لکھتے ہیں کہ میرے شیخ علیہ رحمۃ فرماتے تھے کہ محمد بن علی حکیم ترمذیؒ درِ یتیم ہے جس کا دنیا میں کوئی ثانی نہیں۔ یہ بھی ان کی روایت ہے کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین محمد البخاری نقشبندؒ اکثر اپنے ابتدائے سلوک کا حال بیان فرماتے تھے اور مشائخ کبار کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوتے سے جو فیضان ملتا ہے اس کا اکثر ذکر فرمایا کرتے تھے

حضرت خواجہ نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ جب میں قدوۃ الاولیا خواجہ محمدؒ بن علی ترمذیؒ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوتا تھا تو مجھے بے صفتی (اطلاق یا ذات بحت) کا فیضان ہوتا تھا اور جس قدر میں اپنی توجہ میں شد و مد کرتا تا ان کی کسی صفت کا نشان نہ پاتا۔" مشائخ نے لکھا ہے کہ اولیا اللہ کی کئی قسمیں ہیں بعض بے صفت و بے نشان ہیں (یعنی ذات باری تعالیٰ میں محو و مستغرق ہیں) اور بعض باصفت ہیں (یعنی حالت استغراق و محویت سے نکل کر عالم صحو و ہوشیاری میں ہیں اور اپنی ذات و صفات اور تعین کے ساتھ رہتے ہیں) اور لوگ ان کی صفات سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ مثلاً بعض اولیاکرام کو اہل معرفت کہتے ہیں بعض کو اہل معاملہ بعض کو اہل محبت اور بعض کو اہل توحید ہیں۔ لیکن اولیاکرام کا کمال اور آخری مقام بے صفتی اور بے نشانی بیان کیا جاتا ہے۔ بے نشانی سے مراد کشف ذاتی ہے (یعنی فنا فی ذات اللہ) جو بے حد بلند مقام اور اعلیٰ و ارفع درجہ ہے اور جس کے بیان میں قلم و زبان قاصر و بے بس ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابوبکر وراقؒ

خزانۂ علم و حکمت، یگانۂ حلم و عصمت، مجرد آفاق، شیخ وقت خواجہ ابوبکر وراقؒ قدس سرہٗ طبقہ دوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی محمد بن عمر حکیم ترمذی تھا۔ آپ کا اصلی وطن ترمذ تھا۔ مزار بھی آپ کا وہیں ہے لیکن آپ رہتے بلخ میں تھے۔ آپ خواجہ ابوعیسیٰ ترمذیؒ کے ماموں ہیں۔ آپ خواجہ محمد بن علی حکیم ترمذیؒ کے مرید تھے اور صحبت خواجہ احمد خضرویہؒ کی بھی پائی ہے۔ آپ کی بہت تصانیف ہیں۔ آپ نے توریت و انجیل کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ آپ اکابر زہاد و عباد (واحد زاہد عابد) میں سے تھے۔ آپ کو ورع و تقویٰ، ریاضت و کرامت اور تجرید و تفرید میں درجۂ کمال حاصل تھا۔ معاملات اور ادب میں بھی آپ بے نظیر تھے چنانچہ مشائخ آپ کو مؤدب اولیا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ نقل ہے کہ آپ ہمیشہ خضر علیہ السلام سے ملاقات کی خواہش رکھتے تھے۔ آپ روزانہ قبرستان جاتے تھے اور جانے آنے میں قرآن مجید کا ایک جزو پڑھ لیتے تھے۔ ایک دن ایک نورانی شکل کا بزرگ سامنے آیا، سلام کیا اور کہا کہ میں آپ

کی صحبت سے مستفید ہونا چاہتا ہوں۔ چنانچہ دونوں بزرگ بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ آخر میں انہوں نے کہا آپ ساری عمر میری ملاقات کی آرزو میں رہے ہیں میں خضر ہوں۔ آج آپ کو میری صحبت ملی ہے لیکن قرآن مجید پڑھنے سے آپ محروم رہ گئے ہیں۔ خضر سے ملاقات کا نتیجہ یہی ہے۔ پس عزلت (تنہائی) اور تجرید (لوگوں سے علیحدہ رہنا) سب کاموں سے افضل ہے۔ نقل ہے کہ بعد وفات کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ رنگ زرد ہے اور نہایت غمگین حالت میں زار زار رو رہے ہیں اس نے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے خیر تو ہے فرمایا خیر کہاں؟ اس قبرستان میں دس جنازوں میں صرف ایک اسلام پر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلق کے حق میں آپ کس قدر خیر خواہ تھے۔ اور حق تعالےٰ کے نزدیک یہ بہت بلند درجہ ہے۔ آپ کے دیگر بہت کمالات ہیں جن کی یہاں گنجائش نہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابو علی جرجانی رح

مقبول امامت، مخصوص بکرامت، محرم راز سبحانی، مقتدائے وقت خواجہ ابو علی جرجانی ؒ طبقہ دوم سے تعلق رکھتے ہیں (جرجانی سے مراد ہے، جرجان یعنی جارجیہ کے رہنے والے۔ یاد رہے کہ جارجیہ آجکل روس کا ایک صوبہ ہے جو موجودہ ٹرکی کی مشرقی سرحد سے متصل ہے) آپ کا اسم گرامی حسن بن علی ہے۔ آپ اپنے وقت میں بے نظیر تھے۔ آپ علم معاملات اور روایت میں صاحب تصنیف ہیں۔ آپ بڑے باہمت تھے۔ ریاضت کرامت اور عالی کلام میں آپ کا درجہ بلند تھا۔ آپ خواجہ محمد بن علی حکیم ترمذی ؒ کے مرید تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ خلق کی قرارگاہ غفلت کے درمیان ہے۔ (یعنی عوام اپنا وقت غفلت میں گزارتے ہیں) اور ان کا اعتماد گمان پر ہے (یعنی خلقت ظنی اور غیر یقینی چیزوں کے ساتھ امیدیں وابستہ رکھتی ہے۔ یعنی دنیا اور دنیا کی زندگانی کے ساتھ جو کہ محض ظنی ہیں خوب اعتماد رکھتی ہے اور یقینی چیزوں مثلاً موت و آخرت وغیرہ سے بے پرواہی کرتی ہے) اور خلق کے نزدیک تہمت (یعنی بُرے کاموں کا) وہ درجہ ہے جو حقیقت کا ہونا چاہیے (یعنی جس طرح حقیقت کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اسی طرح وہ تہمت کے کاموں میں متوجہ ہوتے ہیں) اسرار و رموز کے موضوع پر آپ

نے بہت لطیف کلام فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں عقل اور توحید سے ہیں۔ خوف، رجا، اور محبت۔ خوف کی زیادتی ترکِ توحید سے ہے۔ توحید سے مراد ایک دیکھنا ہے (یعنی جو لوگ مقام دوئی میں ہیں ڈرتے رہتے ہیں اور جو توحید میں غرق ہیں اور دوئی سے دُور ہیں وہ خائف نہیں ہوتے) رجا (امید) نیک عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ (یعنی جس کے اعمال نیک ہوتے ہیں اُسے نجات کی امید زیادہ ہوتی ہے) کیونکہ صالح آدمیوں کے لیے وعدۂ ملاقات ہے اور محبت کی زیادتی ذکر الٰہی کی وجہ سے ہوتی ہے (کیونکہ زیادہ ذکر کرنے سے اللہ کی محبت دل میں گھر کر لیتی ہے) محبوب کے دیکھنے کی خاطر۔ پس نہ خائف کو قرار ہے نہ محبّ کو۔ خوف ناری منوّر ہے اور رجا نوری منور ہے لیکن محبت نورٌ علیٰ نور ہے۔ (یہ کلام ادق ہے خاطر خواہ ترجمہ نہیں ہوا۔ مترجم) یہ بھی آپ کا مقولہ ہے کہ عارف وہ ہے جس نے اپنا پورا دل مولا کو دے دیا ہے اور جسم خلق کو۔ یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ صاحبِ استقامت ہونا چاہیے نہ کہ صاحبِ کرامت کیونکہ تیرا نفس کرامت چاہتا ہے اور خدا تعالےٰ استقامت پسند کرتا ہے۔ یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے آپ سے فانی ہو اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو۔ اس طرح آپ کے بہت بلند کلمات ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

۷
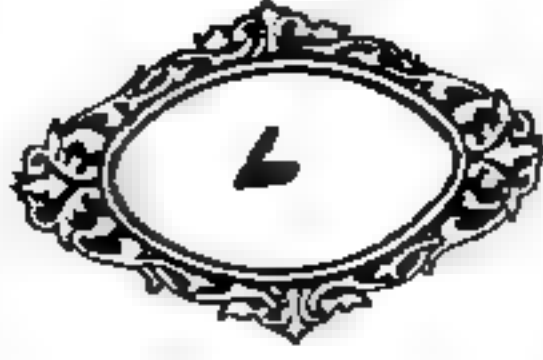
حضرت خواجہ حذیفہ مرعشیؒ اور خواجہ بایزید بسطامیؒ وغیرہم کے مجمل حالات میں

حضرت خواجہ حذیفہ مرعشیؒ

وافر الفضل والاحسان، اکرم الرجال اہل ایمان، ملک الاولیا، امام الفقرا مست جام بے غشی خواجہ حذیفہ مرعشی قدس سرہٗ اکابر مشائخ وقت اور پیشوائے اولیا صاحب اسرار تھے۔ زہد وعبادت اور ترک وتجرید میں آپ یگانہ روزگار تھے۔ حقائق ومعارف میں آپ نے بلند کلمات فرمائے ہیں۔ آپ نے خرقہ خلافت حضرت خواجہ ابراہیم ادھمؒ سے حاصل کیا۔ اور جو نعمت کہ حضرت ابراہیم ادھمؒ نے خضر علیہ السلام، امام محمد باقرؓ اور حضرت فضیل بن عیاضؒ سے حاصل کی سب خواجہ حذیفہؒ کے حوالہ کردی اور اپنا جانشین بنایا۔ آپ سفر وحضر میں حضرت خواجہ ابراہیم ادھمؒ کی خدمت میں رہتے تھے۔ آپ نے اپنے وقت کے تمام مشائخ سے فیض صحبت حاصل کیا ہے۔ آپ کے کرامات اور کمالات بے شمار ہیں۔ امام یافعیؒ نے روضۃ احباب اور روضۃ الریاحین میں آپ کے احوال اور کرامات میں اکثر حکایات نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ چند احباب نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ اتنی مدت خواجہ ابراہیم ادھمؒ کی خدمت میں رہے ہیں آپ نے ان میں سب سے زیادہ عجیب بات کیا دیکھی۔ آپ نے فرمایا کہ سفر مکہ کے دوران چند روز ہم فاقہ میں رہے۔ جب ہم شہر کوفہ میں پہنچے تو ایک ویران مسجد میں قیام کیا۔ خواجہ ابراہیم ادھمؒ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا اے حذیفہ تو بھوکا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت خواجہ سے کیا مخفی ہے۔ آپ نے کاغذ اور قلم دوات طلب فرمائی اور یہ لکھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، انت مقصود بکل حال یعنی ہر حال میں تو مقصود ہے۔ اس کے ساتھ آپ نے چند کلمات اور بھی لکھے اور کاغذ میرے

ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ باہر جاؤ اور پہلا شخص جو تمہیں ملے یہ کاغذ اسکے دے دینا۔ چنانچہ میں شہر سے باہر گیا۔ مجھے ایک سانڈھنی سوار ملا۔ میں نے کاغذ اسے دے دیا۔ خط کا مضمون پڑھ کر اس نے کہا خط لکھنے والا کہاں ہے۔ میں نے کہا فلاں مسجد میں ہے۔ اس نے اپنی ہمیانی دی جس میں چھ سو دینار تھے۔ اور چلا گیا۔

آپ کو مریدین کی تربیت میں کمال حاصل تھا۔ چنانچہ بڑے بڑے شاہباز آپ کے سلسلہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ آپ کے مریدین کا طریق تجرد ظاہری و باطنی تھا۔ سفر اور حضر میں ذکر جلی (جہری) کرتے تھے اور کسی سے کوئی طمع نہیں رکھتے تھے۔ جو کچھ بے طلب حق تعالےٰ کی طرف سے مل جاتا کھا لیتے تھے۔ اور لوگوں میں تقسیم بھی کر دیتے تھے۔ اور اہل دنیا سے میل جول نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی یہی کرامت کیا کم ہے کہ ہمارے تمام خواجگان چشت آپ کے حلقہ بگوش ہیں۔ آپ کی وفات ماہ شوال کی چودہ تاریخ کو ہوئی لیکن سال وصال معلوم نہیں ہو سکا۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ

سلطان العارفین، برہان المحققین، خلیفہ الٰہی، محرم راز نامتناہی، آں مست جہانِ ناکامی، قطب وحدت خواجہ بایزید بسطامیؒ قدس سرہٗ طائفہ اول میں سے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان ہے۔ آپ کا مذہب (آتش پرست) تھا اور مشرف باسلام ہوئے آپ احمد خضرویہؒ، ابو حفص حدادؒ، یحییٰ معاذؒ کے ہم عصر تھے۔ اور خواجہ شقیق بلخی کو بھی دیکھا ہے۔ شیخ فرید عطارؒ فرماتے ہیں کہ آپ کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ حجت اللہ، قطبِ عالم اور مرجع اوتاد تھے۔ آپ کی ریاضات و کرامات مشہور ہیں۔ اسرار و حقائق میں آپ نظر بلیغ اور وجد تمام رکھتے تھے۔ آپ ہمیشہ مقامِ قرب و ہیبت میں رہتے تھے۔ آپ غرق محبت تھے آپ کا جسم مجاہدہ میں اور قلب مشاہدہ میں غرق تھا۔ آپ کے کلمات بہت مشہور ہیں۔ آپ سے پہلے کسی نے حقائق و معارف میں اس قدر درخشانی نہیں کی۔ آپ کے کمالات اظہر من الشمس ہیں۔ اس حد تک کہ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ خواجہ بایزیدؒ ہمارے درمیان

اس طرح ہے جیسے ملائکہ کے درمیان حضرت جبریل علیہ السلام۔ یہ بھی خواجہ جنیدؒ کا قول ہے کہ تمام سالکین راہ خدا کے مقامات کی جو انتہا ہے وہ خواجہ بایزید کی ابتدا ہے۔ شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ فرماتے ہیں کہ میں اٹھارہ ہزار عالم بایزیدؒ سے دیکھتا ہوں اور بایزیدؒ درمیان میں نہیں ہے یعنی جو کچھ بایزیدؒ ہے حق میں گم ہے۔ آپ کے ترک کا سبب یہ ہے کہ جب آپ کی والدہ نے آپ کو مدرسہ میں بھیجا سورۃ لقمان پڑھتے ہوئے آپ اس آیت پر پہنچے اِنِ اشْکُرْلِی وَلِوَالِدَیْكَ (یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا شکر کر اور والدین کی خدمت کر) اس آیت کا معنی آپ کے دل میں گھر کر گیا۔ آپ نے تختی رکھ دی اور رخصت لے کر گھر گئے۔ والدہ صاحبہ نے کہا طیفور کیسے آئے ہو۔ آپ نے فرمایا اس آیت میں حق تعالیٰ اپنے متعلق اور والدین کے متعلق یہ فرماتے ہیں پس آپ دعا کریں کہ پوری طرح آپ کی خدمت میں مشغول ہو جاؤں یا آپ مجھے اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں۔ تاکہ پوری طرح اس کی خدمت میں رہوں والدہ نے فرمایا میں نے تمہیں اللہ کے حوالے کیا۔ اور اپنا حق تجھے بخشا۔ اس کے بعد آپ بسطام سے نکل پڑے اور تیس سال ملک شام کے بیابانوں میں پھرتے رہے اور ریاضت شاقہ میں مشغول رہے۔ آپ نے ایک سو تیرہ مشائخ کی خدمت کی اور سب سے فیضان حاصل کیا۔ شرح شطحیات میں شیخ روزبہان بقلی شیرازیؒ نے لکھا ہے کہ ابو علی سندی بایزیدؒ کے استادوں میں سے ہیں۔ خواجہ بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے علم فنا در توحید ان سے سیکھا۔ اور وہ مجھ سے الحمد اور قل ہو اللہ احد سیکھتے تھے۔ آپ امام جعفر صادقؓ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن امام صاحبؓ نے فرمایا طاق سے کتاب اٹھا دو۔ آپ نے پوچھا کون سا طاق انہوں نے فرمایا اتنی مدت سے یہاں آتے ہو ابھی تک طاق معلوم نہیں ہے آپ نے کہا مجھے طاق سے کیا کام کہ سر اٹھا کر اسے دیکھوں۔ یہاں میں چیزیں دیکھنے نہیں آتا۔ امام صاحب نے فرمایا اگر یہی حال ہے تو بسطام چلے جاؤ تمہارا کام ہو گیا۔ پس امام صاحبؓ نے آپ کو خرقۂ خلافت دے کر بسطام روانہ کر دیا۔ آپ وہاں پہنچ کر سند ارشاد پر بیٹھ گئے اور خلقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہونے لگی۔

خواجہ بایزید کا مجاہدہ

آپ فرماتے ہیں کہ میں بارہ سال تک لوہار کی طرح اپنے نفس کی سرکوبی کرتا

رہا۔ تربیتِ نفس کی خاطر ملامت کا برقعہ پہنا۔ مَیں شوق کی آگ میں اسے جلاکر اور مذمت کی نہائی (سندان۔ ANVIL) پر رکھ کر اس پر ضربیں لگاتا رہا۔ حتیٰ کہ مَیں نے اپنے آپ کو آئینہ بنالیا۔ پانچ سال تک اپنے آئینہ میں خود کو دیکھتا رہا۔ اور قسم وقسم کی طاعات وعبادات سے آئینہ کو رگڑتا رہا۔ ایک سال بعد مَیں نے پھر اپنے اوپر نظر ڈالی اور اپنے گلے میں غرور، خود پسندی اور اپنی عبادت پر نازاں ہونے کا زنّار دیکھا۔ پھر پانچ سال مزید مَیں نے نفس کے ساتھ جہاد کیا حتیٰ کہ وہ زنّار ٹوٹ گیا اور اسلام تازہ ہوگیا۔ اب مَیں خلقت کی طرف نگاہ کی تو سب کو مردہ پایا۔ مَیں نے اُن پر چار تکبیرِ جنازہ پڑھی اور فارغ ہوگیا۔ اب میری حالت یہ ہوگئی ہے کہ جو کچھ خیال دل میں آتا ہے فوراً پورا ہوجاتا ہے۔ نقل ہے کہ جب آپ کے کرامات کا چرچا ہوا تو خلقت آپ کے گرد جمع ہوگئی۔ ایک دفعہ آپ مدینہ منورہ میں تھے۔ آپ نے پیچھے نگاہ کر کے دیکھا کہ ایک جہان آپ کے پیچھے آرہا ہے۔ صبح کی نماز کے بعد آپ نے خلقت کی طرف منہ کر کے کہا اِنّی اَنَا اللّٰہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فاعبدونی (تحقیق میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری عبادت کرو) یہ دیکھ کر لوگ آپ سے منحرف ہوگئے اور آپ کو ان سے نجات حاصل ہوئی۔ شیخ فرید عطارؒ فرماتے ہیں کہ اُس وقت بایزید درمیان میں نہ تھے بلکہ ان کی زبان پر حق تعالےٰ کلام فرمارہے تھے۔ جس طرح کہ شجرہ موسیٰ نے اِنّی اَنَا اللّٰہ کہا۔ صاحبِ کشف المحجوب دس صاحبِ مذہب صوفیا میں سے ایک آپ کو شمار کرتے ہیں۔

بلند مقام صحو۔ یا سکر؟ آپ کا طریق ذات حق میں غلبہ اور سکر ہے۔ آپ سکر کو صحو پر ترجیح دیتے ہیں۔ (یعنی فنائیت فی الذات کی محویت اور استغراق کو بقا باللہ کی ہوشیاری سے بہتر مقام سمجھتے ہیں) آپ فرماتے ہیں کہ صحو پر تمکین واعتدال آدمی کی صفات ہیں اور حجابِ اکبر ہیں حق سے۔ لیکن سکر ومحبت آدمی کے کسب کی چیز نہیں ہے بلکہ فضل ربّی ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام حالتِ صحو (ہوشیاری) میں تھے۔ ایک فعل آپ سے سرزد ہوا۔ حق تعالےٰ نے اُسے ان کے ساتھ منسوب فرمایا اور یہ فرمایا وَقَتَلَ دَاؤدُ جَالُوتَ۔ لیکن ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم حالت سکر میں تھے۔ آپؐ سے فعل سرزد ہوا تو حق تعالےٰ نے اُسے اپنے آپ سے منسوب فرمایا اور فرمایا کہ مَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (یعنی اے

پیغمبر علیہ السلام جب آپ نے دشمنانِ دین پر مٹی پھینکی تو آپ نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی)، لیکن فرقہ جنیدیہ صحو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا مؤقف یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حالتِ سکر میں تھے اس لیے تجلی الٰہی کی تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حالتِ صحو میں تھے کہ مکہ سے قاب قوسین تک سراسر تجلی حق میں غرق رہنے کے باوجود ہر لحظہ اور ہر لمحہ ہوشیار تر اور بیدار تر رہے۔ یہ مضمون بہت طویل ہے اور ہر گروہ نے بہت دلائل پیش کیے جن کی یہاں گنجائش نہیں۔ صاحبِ کشف المحجوب آخر میں فرماتے ہیں کہ سکر کی دو اقسام ہیں۔ ایک شرابِ مودّت سے دوم کاسِ محبت سے۔ سکر مودّت علت یعنی سبب کا نتیجہ ہوتا ہے اور حصولِ نعمت سے پیدا ہوتا ہے لیکن سکر محبت بغیر علت کے ہوتا ہے۔ جو رویت منعم (مشاہدۂ حق) سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جو شخص نعمت کو دیکھتا ہے وہ خود کو دیکھتا ہے جو منعم کو دیکھتا ہے چونکہ اسے دیکھتا ہے اپنے آپ کو نہیں دیکھتا۔ اگرچہ وہ سکر میں ہوتا ہے۔ اس کا سکر بھی صحو ہوتا ہے۔ اسی طرح صحو کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک صحو غفلت دوسرا صحو محبت حجابِ اعظم ہوتا ہے اور صحو غفلت کشف آور ہوتا ہے پس جب وہ غفلت پر مبنی ہے تو اگر بظاہر صحو ہے درحقیقت سکر ہے۔ اور اگر وہ محبت کا نتیجہ ہے تو وہ صحو ہوتا ہے خواہ بظاہر سکر کیوں نہ ہو۔ جب اصل مستحکم ہوتی ہے تو صحو سکر کی طرح ہوتا ہے اور سکر صحو کی طرح۔ جب اصل مستحکم نہیں ہوتی تو دونوں (سکر اور صحو) بے فائدہ ہوتے ہیں۔ غرضیکہ صحو و سکر مردانِ حق کے لیے اسباب کے اختلاف کی وجہ مختلف ہوتے ہیں۔ جب سلطانِ حقیقت اپنا جمال دکھاتا ہے تو صحو و سکر دونوں طفیلی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان دونوں کے اطراف ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں۔ ایک کی انتہا (آخری حد) دوسرے کی ابتدا ہوتی ہے۔ ابتدا اور انتہا کی تمیز دوئی کے بغیر نہیں ہوتی۔ اور جو کچھ دوئی کی وجہ سے ہوتا ہے وہ حکم میں مساوی ہوتا ہے۔ اور مقامِ جمع تفرقہ کی نفی ہے۔ مختصر معاملات میں بایزیدؒ کا مسلک ترکِ صحبتِ خلق، یا گوشہ نشینی ہے اور تمام مریدین کو یہی تلقین کرتے ہیں اور یہی طریق محمود (بہترین راستہ) اور مشربِ ستودہ (پسندیدہ روش) ہے۔

نقل ہے کہ خواجہ ابو ترابؒ کا ایک مرید تھا بہت سخی۔ ایک دن اس نے اپنے پیر

کی خدمت میں جاکر عرض کیا کہ میں دن میں سترہ بار خدا تعالیٰ کا دیدار کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر ایک دفعہ خواجہ بایزیدؒ کا دیدار کرے تو میں سمجھوں گا کہ کام کیا ہے۔ وہ خواجہ بایزیدؒ کی خدمت میں گیا۔ آپ کی زیارت کرتے ہی جاں بحق ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر روئی کو سارا دن آفتاب کے سامنے رکھو تو نہیں جلے گی لیکن اگر آفتاب کے سامنے آئینہ رکھ دیا جائے تو روئی فوراً جل جاتی ہے (آئینہ سے مراد آتشی شیشہ ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ آفتاب آئینہ پر عاشق ہے اور اپنا جمال اس کے اندر دیکھتا ہے۔ پس جو چیز عاشق و معشوق کے درمیان حائل ہوتی ہے معدوم ہو جاتی ہے۔ میر سید گیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ خواجہ بایزیدؒ تمام غوثی قطبی مقامات سے گزر کر مقامِ محبوبیت میں پہنچ چکے تھے۔ نقل ہے کہ خواجہ معاذ رازیؒ نے خواجہ بایزیدؒ کی خدمت میں خط لکھا کہ آپ اس شخص کے حق میں کیا فرماتے ہیں کہ جو شراب کا ایک پیالہ پی کر ازلی ابدی مست ہو گیا ہو۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ میں یہ جانتا ہوں کہ یہاں ایک شخص ہے جو رات دن ازلی و ابدی دریا نوش کر جاتا ہے اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْد (کچھ اور ہے) کا نعرہ لگاتا ہے۔ نقل ہے کہ خواجہ ذوالنون مصریؒ نے خواجہ بایزیدؒ کی خدمت میں ایک مصلیٰ ارسال کیا۔ آپ نے مصلیٰ واپس کر دیا یہ کہہ کر کہ مصلیٰ میرے کس کام آئے گا۔ مجھے تو مسند چاہیے تا کہ اس پر تکیہ لگا کر بیٹھوں۔ یعنی کام نماز سے گزر چکا ہے اور انتہا کو پہنچ چکا ہے نقل ہے کہ ایک دفعہ خواجہ احمد خضرویہؒ اپنے ایک ہزار مریدوں سمیت خواجہ بایزیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان مریدوں میں سے ہر ایک پانی پر چل سکتا تھا۔ اور ہوا میں اُڑ سکتا تھا۔ خواجہ احمدؒ نے مریدوں سے فرمایا کہ جو کوئی خواجہ بایزیدؒ کے دیکھنے کی طاقت رکھتا ہے اندر آئے ورنہ باہر ٹھہرا رہے۔ سب مرید اندر داخل ہوئے مگر ایک باہر ٹھہرا رہا۔ خواجہ بایزیدؒ نے فرمایا تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو باہر رہ گیا ہے اس کو اندر بلاؤ۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا اے احمدؒ تو کب تک سیاحت کرتا رہے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر پانی ایک جگہ ٹھہر جائے تو گندہ ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا دریا کیوں نہیں بنتا تا کہ گندہ نہ ہو۔ اب چونکہ خواجہ بایزیدؒ نے کلام شروع کر دیا خواجہ احمدؒ نے کہا آپ ذرا اور نیچے آئیں تا کہ میں سمجھ سکوں۔ آپ کچھ نیچے آ گئے۔ انہوں نے کہا ذرا اور نیچے آئیں چنانچہ اسی طرح سات مرتبہ انہوں نے عرض

کیا تب خواجہ بایزیدؒ کا کلام سمجھے۔ جب آپ خاموش ہوئے تو خواجہ احمدؒ نے کہا حضور میں نے ابلیس کو دیکھا کہ آپ کے کوچہ میں اُسے پھانسی دے دی گئی۔ فرمایا ہاں اُس نے ہمارے ساتھ عہد کیا تھا کہ بسطام کے قریب نہیں آؤں گا۔ آج اس نے ایک شخص کے دل میں وسوسہ ڈالا ہے چوروں کے لیے حکم یہ ہے کہ بادشاہ کے دروازے پر تختہ دار پر لٹکائے جاتے ہیں۔ ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے دروازے مرد وزن کا مجمع لگا رہتا ہے یہ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا فرشتے ہیں۔ جو مجھ سے علمی مسائل پوچھتے ہیں اور مَیں جواب دیتا ہوں۔ خواجہ بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ چالیس سال تک مَیں نے خلقت کو حق کی دعوت دی کسی نے قبول نہ کی ان سے روگردانی کر کے میں حق تعالےٰ کی طرف متوجہ ہوا تو سب کو پہلے وہاں موجود پایا۔ یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ جب پہلی بار بیت اللہ کی زیارت کو گیا خانہ یعنی صرف مکان کو دیکھا دوسری بار گیا تو گھر کے مالک کو دیکھا۔ تیسری بار گیا تو نہ خانہ دیکھا نہ مالکِ خانہ۔ یعنی مَیں حق میں اس قدر گم تھا کہ اور کچھ نہ دیکھتا تھا جب دیکھتا تھا حق کو دیکھتا تھا۔ ایک آدمی نے آپ کے دروازہ پر جا کر آواز دی۔ آپ نے جواب دیا کہ کسے طلب کرتے ہو۔ اس نے کہا بایزیدؒ کو۔ آپ نے جواب دیا کہ گھر میں خدا کے سوا کوئی نہیں۔ یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ چالیس سال تک مَیں دل کا نگہبان رہا۔ جب غور سے دیکھا تو بندگی اور خداوندی دونوں کو حق کی طرف سے دیکھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ تیس سال تک مَیں خدا کی طلب میں رہا۔ جب اچھی طرح دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ طالب تھا اور مَیں مطلوب۔ حقائق و معارف میں آپ کے کلمات بے شمار ہیں چنانچہ آپ کے معراج کا حال خواجہ فرید عطارؒ نے تذکرۃ الاولیا میں تفصیل سے لکھا ہے نقل ہے کہ آپ ابتدا میں اللہ اللہ بہت کہتے تھے۔ نزع کے وقت بھی اللہ کہا اور جان مشاہدۂ حق میں تسلیم کر دی۔ دفن کے وقت خواجہ احمد خضرویہؒ کی بیوی زیارت کے لیے آئی۔ اس نے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ بایزیدؒ کون تھے۔ لوگوں نے کہا آپ بہتر جانتی ہیں۔ اس نے کہا ایک رات مَیں طوافِ کعبہ کر رہی تھی۔ کچھ دیر بیٹھ گئی۔ عالم واقعہ میں دیکھا کہ مجھے آسمان پر لے گئے ہیں۔ مَیں نے عرش کی طرف نظر کی۔ عرش کے نیچے مَیں نے ایک لق و دق میدان دیکھا کہ جس کا کوئی کنارہ نہ تھا۔ وہ سب میدان پھولوں سے بھرا پڑا تھا اور پھولوں کی ہر

پتی پر لکھا "بایزید ولی اللہ" (بایزید ولی اللہ یعنی اللہ کا دوست ہے) جب شیخ ابوسعید ابوالخیر زیارت کو آتے۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر واپس ہوتے اور فرمایا کہ یہ وہ جگہ ہے کہ جس کسی نے کوئی چیز گم کی ہو یہاں ملتی ہے۔ آپ کی ولادت ۱۶۰ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر ایک سو تیس سال تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ کی عمر تہتر سال تھی۔ آپ کی وفات خلیفہ متوکل کے عہد میں اٹھائیس شعبان ۲۳۴ھ اور ایک روایت کے مطابق ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ آپ کا مدفن بسطام میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ حاتم بن اصمؒ

معرض دنیا، مقبل عقبیٰ، وافر الکرم، خواجہ حاتم بن اصم قدس سرہٗ طبقہ اولیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ آپ کا خراسان کے قدیم مشائخ میں شمار ہوتا ہے۔ آپ کا اصل وطن بلخ ہے۔ آپ خواجہ شقیق بلخیؒ کے مرید اور خواجہ احمد خضرویہؒ کے استاد تھے۔ آپ زہد و تقویٰ اور آداب وصدق میں بے بدل تھے کہتے ہیں کہ بلوغ کے بعد ایک لحظہ بھی آپ نے مرافقت (رفاقتِ الٰہی) اور محاسبت (محاسبۂ نفس یعنی نفس کے ساتھ نیکیوں اور برائیوں کا حساب) کے بغیر بسر نہ کیا۔ ایک قدم بھی بلا صدق و اخلاق نہ چلے۔ ایک دن بلخ میں آپ وعظ کر رہے تھے۔ وعظ کے بعد آپ نے دعا کی کہ الٰہی اس مجلس میں جو سب سے زیادہ گناہ گار ہے اُسے بخش دے۔ مجلس میں ایک کفن چور بھی تھا جب رات ہوئی تو کفن چور قبرستان گیا اور ایک قبر کھولی۔ آواز آئی کہ شرم نہیں آتی آج حاتم اصمؒ کی مجلس میں تیرے سب گناہ بخشے گئے اور پھر وہی گناہ کر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر کفن چور تائب ہو گیا۔ خواجہ محمد رازیؒ فرماتے ہیں کہ میں کئی سال خواجہ حاتم اصمؒ کی خدمت میں رہا لیکن میں نے آپ کو کبھی خشم گین (غصہ میں) نہ دیکھا سوائے ایک دفعہ کے اور وہ اس طرح ہے کہ آپ ایک دن بازار جا رہے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کے ایک شاگرد کو ایک دکاندار نے پکڑا ہوا اور یہ کہہ رہا ہے کہ مجھ سے لے کر کھاتے رہے ہو اب رقم ادا کرو۔ آپ نے فرمایا میرے بھائی نرمی کرو۔ اس نے کہا نرمی کا وقت گزر گیا۔ آپ کو غصہ آیا۔ آپ نے چادر کندھے

سے اتاری اور زمین پر ماری۔ اب کیا تھا سارا فرش چاندی سے بھر گیا۔ آپ نے فرمایا جو کچھ تمہارا حق ہے اٹھا لے۔ زیادہ نہ لینا۔ ورنہ تمہارا ہاتھ سوکھ جائے گا۔ لیکن اس آدمی پر حرص غالب تھا۔ زیادہ اٹھانے لگا جس سے فوراً اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ نقل ہے کہ جب حاتم اصم رح بغداد پہنچے تو لوگوں نے خلیفہ کو اطلاع دی کہ زاہد خراسان آیا ہے۔ خلیفہ نے آپ کو دعوت دی جب آپ اندر داخل ہو گئے تو خلیفہ نے کہا اے السلام علیکم اے زاہد حاتم اصم رح! آپ نے فرمایا زاہد تو ہے۔ خلیفہ نے کہا میں زاہد نہیں ہوں کیونکہ سارا ملک میرے زیر فرمان ہے۔ زاہد تو آپ ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں زاہد تو ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قل متاع الدنیا قلیل (اے پیغمبرؐ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ دنیا کا مال قلیل ہے یعنی اس کی کوئی وقعت نہیں) تو نے تھوڑے پر قناعت کر رکھی ہے اس لیے زاہد تو ہے نہ کہ میں کیونکہ میں دنیا و عقبیٰ دونوں سے بے نیاز ہو چکا ہوں۔ میں کیسے زاہد کہلایا جا سکتا ہوں۔ آپ کی وفات خلیفہ مامون کے عہد حکومت ۲۱۴ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابوسلیمان دارانیؒ

در طریقت و حقیقت عامل، در معرفت و توحید کامل، دُرِ دریائے ریحانی، خواجہ ابوسلیمان دارانیؒ طبقہ اولیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ قدمائے مشائخ شام میں سے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی عبدالرحمٰن بن احمد بن عطیہ العنسی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن عطیہ کا وطن داراہے جو دمشق کے قریب دیوار میں ایک گاؤں تھا۔ آپ کا مزار بھی اسی گاؤں میں ہے آپ یگانۂ روزگار تھے۔ غایتِ لطف کی وجہ سے آپ لطیفِ عہد کہلاتے تھے۔ آپ کو ریحان القلوب (دلوں کی خوشبو) بھی کہتے ہیں۔ آپ کی ریاضات اور کرامات بہت ہیں۔ آپ خواجہ احمد حواریؒ کے پیر ہیں۔ نقل ہے کہ خواجہ احمد حواریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ نے سفید کپڑے پہنے تھے فرمایا کاش میرا دل بھی ان کپڑوں کی طرح سفید ہوتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سویا ہوا تھا میں نے اپنے نزدیک ایک حور دیکھی۔ اس نے کہا اچھی طرح سو لو۔ پانچ سو سال سے مجھے آپ کی خاطر سنوارا جا رہا ہے۔ یہ بھی آپ نے فرمایا

ہے کہ ایک رات ایک حور مجھے ایک گوشہ سے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔ اس کا چہرہ اس قدر روشن تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے پوچھا یہ نور اور حسن و جمال کہاں سے ملا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ایک رات آپ کے گریہ سے جو آنسوؤں کے قطرے گرے تھے وہ میرے چہرے پر ملے گئے اور یہ سب کچھ اُسی سے ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو مکہ میں دیکھا سوائے آبِ زمزم کے کچھ نہیں کھاتا تھا۔ میں نے کہا اگر آبِ زمزم خشک ہوجائے تو کیا کرے گا۔ یہ سن کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ جزاک اللہ خیراً (خدا آپ کو جزائے خیر دے) مجھے آپ نے صحیح راستہ بتایا ہے۔ میں اتنی مدت زمزم پرست رہا۔ آپ کی وفات ۲۲۵ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابراہیم صیاد بغدادیؒ

سلطان تجرید، برہان تفرید، خوکردہ آزادی، افراد زماں، خواجہ ابراہیم صیاد بغدادی قدس سرہٗ کی کنیت ابو اسحاق تھی۔ آپ افرادِ وقت اور تارک زمانہ تھے۔ آپ خواجہ معروف کرخیؒ کے ہم عصر تھے۔ خواجہ معروف کرخیؒ نے ان سے کہا تھا کہ فقر کو لازم پکڑو اور اس مذہب کے متعلق چھان بین مت کرو۔ آپ صاحبِ تجرید و انقطاع تھے۔ (یعنی علائق دنیا سے پرہیز کرتے تھے) خواجہ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن خواجہ ابراہیم صیاد حضرت خواجہ سری سقطی کے پاس آئے۔ آپ نے ٹاٹ کا ٹکڑا تہ بند کے طور پر باندھ رکھا تھا۔ خواجہ سری سقطی نے یہ دیکھ کر اپنے ایک مرید سے کہا بازار سے ایک تہ بند خرید کر ان کو دے دو۔ اس نے تہ بند لا کر ان کو دیا اور کہا کہ میرے پاس درہم تھے اس سے یہ تہ بند خرید لایا ہوں آپ اسے پہن لیں۔ آپ نے فرمایا کہ فقیروں کے پاس رہتے ہو اور درم جمع کرتے ہو۔ اس کے بعد تہ بند پہن لیا۔ ترک تجرید میں آپ کے کلمات بہت ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد سماکؒ

زاہد ممکن، عابد متدین، قطب افلاک، خواجہ محمد سماکؒ قدس سرہٗ سب فرقوں کے امام اور مقبول عام تھے۔ حقائق و معارف میں آپ کا کلام بہت بلند پایہ ہے۔ خواجہ معروف کرخیؒ کو آپ ہی کے کلام سے کشائش نصیب ہوئی تھی۔ ہارون رشید آپ سے بہت تواضع سے پیش آتا تھا۔

خواجہ احمد حواریؒ فرماتے ہیں کہ خواجہ محمد سماکؒ ایک دفعہ بیمار ہو گئے۔ آپ کا قارورہ ایک عیسائی طبیب کے پاس لے گیا۔ ایک نورانی شکل کا بزرگ راستے میں ملا۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ! اللہ کے دوست کے لیے ایک عیسائی سے مدد طلب کرتے ہو۔ انہوں نے کلامِ پاک سے ایک آیت پڑھی اور فرمایا کہ ان سے جا کر کہو کہ اس درد بیماری پر یہ آیت پڑھیں۔ شفا ہو جائے گی۔ وہاں سے لوٹ کر میں نے یہ واقعہ خواجہ محمد سماکؒ سے بیان کیا۔ آپ نے اسی طرح کیا۔ صحت ہو گئی۔ آپ نے فرمایا وہ نورانی بزرگ خضر علیہ السلام تھے۔ نقل ہے کہ آپ وفات کے وقت یہ مناجات کر رہے تھے۔ الٰہی تو جانتا ہے کہ اگرچہ میں گناہ کرتا تھا تیرے مقبول بندوں سے محبت کرتا تھا اب ان کی بدولت مجھے بخش دے۔ وفات کے بعد کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا اللہ تعالےٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا۔ فرمایا اللہ نے نوازش فرمائی خلعت دی اور انعام واکرام عطا فرمایا۔ آپ کے کرامات بہت ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد بن اسلم طوسیؒ

زمین و آسمان کو اپنے وجود سے منور کرنے والے حضرت خواجہ محمد بن اسلم طوسی قدس سرہٗ یگانۂ روزگار اور مقتدائے عالم تھے۔ آپ کو لسانِ رسولؐ (رسولؐ کی زبان) اور خراسان کا کوتال کہتے تھے۔ آپ متابعت سنت میں نہایت ثابت قدم تھے۔ حضرت امام علی بن موسی کاظمؒ کی زیارت کے لیے آپ نیشاپور تشریف لے گئے۔ آپ اونٹ پر سوار تھے۔ اور باگ حضرت خواجہ اسحاقؒ کے ہاتھ میں تھی۔ جب آپ نیشاپور کے شہر میں پہنچے تو آپ کا پیرہن روئی تھا کلاہِ نمدی سر پر تھی اور کتابوں کا بستہ کندھے پر۔ جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو روئے کہ ہم آپ کو اس حال میں نہیں دیکھ سکتے۔ وہاں آپ نے مجلس وعظ قائم کی اور چند لوگ شریکِ مجلس ہوتے۔ آپ کی برکت سے پچاس ہزار نفوس راہِ راست پر آئے۔ اور توبہ کی نقل ہے کہ آپ ہمیشہ قرض لے کر درویشوں میں تقسیم کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک یہودی نے آپ سے قرض واپس مانگا۔ آپ نے فرمایا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ کے پاس قلم تراشی کا کوڑا پڑا تھا۔ آپ نے یہودی سے فرمایا اسے اٹھا لو۔ یہودی نے اٹھایا تو وہ سونا تھا۔

یہ دیکھ کر وہ فوراً مسلمان ہوگیا۔آپ کے کمالات دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابوتراب نخشبیؒ

آں فردِ صمدیت، آں غریقِ دریائے احدیت، محرم جمیع ابواب قطب وقت خواجہ ابوتراب قدس سرہٗ طبقہ اولی سے تھے۔آپ کا اسمِ گرامی عسکری بن محمدؐ بن حصین ہے۔ آپ جملہ مشائخ خراسان میں سے تھے۔علم وفتوت اور زہد وتوکل میں آپ نظیر نہیں رکھتے تھے۔آپ خواجہ حاتم اصم بلخیؒ کے صحبت یافتہ اور ابوعبداللہ جلاؒ اور ابونصرؒ کے استاد ہیں۔ ایک دفعہ آپ صبح کے وقت حرم میں سو رہے تھے۔بہشت کی چند حوروں نے چاہا کہ اپنے آپ کو حضرت خواجہ کے حوالہ کریں آپ نے فرمایا کہ ہمیں غفور میں اس قدر استغراق ہے کہ حور کی پروا نہیں۔ابوالعباس ساویؒ فرماتے ہیں کہ جنگل میں میں خواجہ باتراب علیہ رحمۃ کے ساتھ تھا۔دوستوں میں سے ایک نے کہا مجھے پیاس لگی ہے۔گھوڑے نے زمین پر پاؤں مارا۔پانی نکل آیا اس نے کہا میری یہ خواہش ہے کہ پیالے میں پانی پیوں۔آپ نے زمین پر ہاتھ مارا تو فوراً پیالہ ظاہر ہوا جس سے اس نے پانی پیا۔وضو کیا اور پھر بھی مکہ تک اسی قدر رہ گیا۔خواجہ ابوتراب فرماتے ہیں کہ تیس سال تک میں نے نہ کسی سے کچھ لیا نہ دیا۔لوگوں نے پوچھا کس طرح فرمایا جب لیتا تھا تو اس سے (خدا تعالےٰ سے) لیتا تھا اور جب دیتا تھا تو اسے دیتا تھا کسی نے پوچھا کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے آپ نے فرمایا میں لوگوں سے کس طرح کوئی چیز طلب کروں جبکہ میں خدا تعالےٰ سے بھی کچھ طلب نہیں کرتا (یعنی میں رضا پر راضی ہوں طلب سے کیا کام) شیخ فرید عطارؒ فرماتے ہیں آپ کی وفات بصرہ کے صحرا میں ہوئی کئی سال کے بعد ایک جماعت نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ آپ اپنے پاؤں پر قبلہ رُو کھڑے ہیں۔جسم خشک ہوچکا ہے کوزہ سامنے پڑا ہے اور عصا ہاتھ میں ہے اور کوئی جنگلی جانور نزدیک نہ پھٹکا تھا۔نفحات الانس میں لکھا ہے کہ آپ صحرا میں مشغول تھے کہ بادِ سموم چلی اور آپ کو خشک کر دیا۔آپ کی وفات ۲۴۵ھ میں ہوئی۔رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ احمد حواریؒ

رکن جہاں، قطب زماں، دائم بہ مقام بیماری مقتدائے وقت خواجہ احمد حواریؒ قدس سرہٗ کی کنیت ابوالحسن تھی۔ آپ کا وطن دمشق تھا۔ خواجہ جنید بغدادیؒ آپ کو ریحانِ شام کہتے ہیں۔ آپ خواجہ سلیمان دارانی کے مرید تھے۔ آپ علم شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ حقائق و معارف میں آپ نے بلند کلام فرمایا ہے۔ نقل ہے کہ آپ نے اپنے شیخ سے عہد کیا تھا کہ آپ کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کروں گا۔ ایک دن خواجہ سلیمانؒ کسی حالت خاص میں تھے احمدؒ حواریؒ آئے اور عرض کیا یا خواجہ تنور گرم ہے کیا فرمان ہے آپ نے کوئی جواب نہ دیا خواجہ احمدؒ نے تین بار یہی کہا۔ آپ نے تنگ آکر فرمایا کہ جاؤ اس میں بیٹھ جاؤ۔ خواجہ احمدؒ جاکر تنور میں بیٹھ گئے۔ کچھ عرصے کے بعد خواجہ سلیمان نے آپ کو طلب فرمایا۔ لوگوں نے جس قدر تلاش کیا نہ ملے۔ آپ نے فرمایا اسے تنور میں دیکھو۔ انہوں نے دیکھا تو آپ تنور کے اندر بیٹھے تھے اور جسم کا ایک بال بھی نہیں جلا تھا۔ نقل ہے کہ ایک دفعہ خواجہ احمد حواریؒ کے گھر ایک درویش مہمان آیا۔ آپ نے اس کی خاطر ستر چراغ روشن کیے۔ درویش نے کہا مجھے یہ پسند نہیں۔ آپ نے تکلف سے کام لیا ہے۔ اور تکلف تصوف میں جائز نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ جس چراغ کو میں نے خدا کے لیے نہیں جلایا آپ اُٹھ کر اسے بجھا دیں۔ درویش نے چراغوں پر بہت پانی اور مٹی پھینکی لیکن ایک بھی نہ بجھا۔ آپ کے کمالات بہت ہیں وفات کے وقت آپ پر سات سو دینار قرضہ تھا۔ یہ سب رقم آپ نے فقرا پر تقسیم کی تھی نزاع کے وقت بہت قرض خواہ قرض طلب کرنے کے لیے آئے۔ آپ نے کہا الٰہی آپ مجھے لے جا رہے ہیں لیکن یہ لوگ میری جان پر سوار ہیں۔ پہلے ان کا قرض دے پھر میری جان لے اتنے میں کسی نے دروازہ پر دستک دی کہ خواجہ احمدؒ کے قرض خواہ باہر آجائیں اور اپنا قرض لیں۔ سب باہر گئے اور اپنی اپنی رقم حاصل کی۔ اس کے بعد خواجہ احمدؒ نے وفات پائی آپ کی وفات ۲۳۰ھ میں واقع ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ یوسف الحسینؒ

آفتاب نہانی، شمع زندگانی، شاہباز کونین، قطب وقت، خواجہ یوسف الحسین قدس سرہ طبقہ ثانیہ میں سے تھے۔ آپ کی کنیت ابو یعقوب ہے۔ آپ رَے کے قدیم مشائخ میں سے تھے۔ آپ تمام علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے اور معارف و اسرار میں نہایت اچھا کلام فرمایا ہے۔ آپ نے بہت مشائخ سے فیض صحبت حاصل کیا۔ خواجہ ابو ترابؒ کی بھی زیارت کی تھی خواجہ ابو سعید خرازؒ آپ کے رفیقوں میں سے تھے۔ آپ خواجہ ذوالنون مصری اور ملامتیہ مسلک پر ثابت قدم رہے۔ کے مرید تھے۔ آپ نے بہت لمبی عمر پائی تھی۔ آپ ہمیشہ مجاہدات میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کا ابتدائی حال یوں ہے کہ ایک عرب رئیس کی لڑکی جو حسن و جمال میں لاثانی تھی آپ پر فریفتہ ہو گئی اس نے موقعہ پا کر اپنے آپ کو خواجہ یوسفؒ کے سامنے ڈال دیا۔ آپ وہاں سے بھاگ گئے اور ساری رات نہ سو سکے اور اپنا سر زانوں پر رکھ کر جنگل میں بیٹھے رہے۔ وہاں آپ نے ایک ایسا مقام دیکھا کہ اس کی مثل پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ جب اندر گئے تو سبز پوشوں کی ایک جماعت دیکھی جو وہاں جمع تھے اور ایک آدمی بادشاہوں کی طرح تخت پر بیٹھا تھا۔ جب آپ اُن کے قریب پہنچے تو انہوں نے آپ کو اندر آنے کا راستہ دیا اور بہت تعظیم کی۔ آپ نے پوچھا تم لوگ کون ہو انہوں نے کہا ہم فرشتے ہیں اور وہ جو تخت پر بیٹھے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو آپ کی زیارت کو آئے ہیں۔ یہ سُن کر آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ آپ نے اُن سے کہا کہ میں کون ہوں کہ خدا کا پیغمبرؑ میری زیارت کو آیا ہے۔ میں یہی کہہ رہا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام تخت سے اتر کر نیچے آئے اور مجھ سے بغلگیر ہوئے اور مجھے تخت پر بٹھایا۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ میں کون ہوں کہ آپ مجھ پر اس قدر نوازش فرما رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اُس وقت کہ اُس حسین لڑکی نے اپنے آپ کو آپ کے سامنے پھینک دیا اور آپ نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کیا اور اس کی پناہ طلب کی تو حق تعالیٰ نے مجھ سے اور فرشتوں سے فرمایا کہ دیکھو اے یوسف تو وہ یوسف ہے جس نے زلیخا کا قصد کیا تھا اور یہ وہ یوسف ہے کہ جس نے شاہ عرب

کی لڑکی کا قصد نہ کیا بلکہ اس سے دُور بھاگ گیا۔ لہذا حق تعالےٰ نے مجھے ان فرشتوں کے ساتھ آپ کی زیارت کے لیے بھیجا ہے۔ اور بشارت دی ہے کہ تم حق تعالےٰ کے نورختہ لوگوں میں سے ہو۔ پس حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر زمانے میں ایک مرد علامت ہوتا ہے اور اس زمانے کی علامت ذوالنون مصریؒ ہیں اس کے پاس جاؤ۔ جب خواجہ یوسف بن حسینؒ بیدار ہوئے تو ذوق و شوق کے غلبہ میں مصر پہنچے اور حضرت ذوالنون مصری کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کی۔ کافی عرصے کے بعد آپ اپنے شیخ کی اجازت سے واپس اپنے شہر رَے تشریف لے گئے۔ چونکہ آپ شہر کے بزرگان میں سے لوگوں نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے وہاں سکونت اختیار کر لی۔ وہاں آپ کی بڑی عزت و تکریم ہوئی اور خلقت آپ سے ہدایت کی طلب گار ہوئی۔ لیکن آپ کا مسلک ملامیتہ تھا۔ خواجہ ابراہیم خواصؒ آپ کے مرید ہوئے۔ آپ کی وفات ۳۰۴ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابو عبداللہ محمد مغربیؒ

زین اصحاب، رکن احباب، وارثِ علومِ رسول عربی خواجہ ابو عبداللہ بن اسماعیل مغربی قدس سرہٗ طبقہ ثانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ قدیم مشائخ میں سے ہیں اور اکثر اولیا کرام کے استاد ہیں۔ توکل و تجرید اور علوم ظاہری و باطنی میں آپ بے نظیر تھے۔ اور یہ جو دو ابراہیم آپ کی تربیت سے صاحب کمال ہوئے ان سے آپ کے کمال کا پتہ چلتا ہے۔ ایک ابراہیم شیبانیؒ دوسرے ابراہیم خواصؒ۔ آپ بڑے صاحب کمال تھے۔ آپ کے حالات عجیب و غریب ہیں۔ جس چیز کو کوئی آدم زاد ہاتھ لگاتا آپ نہیں کھاتے تھے۔ آپ کے مریدین جہاں کہیں گھاس کی جڑیں پاتے لے آتے اور آپ تناول فرماتے۔ ایک دن آپ کوہ سینا پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ حق تعالےٰ سے بندہ اس قدر نزدیکی چاہتا ہے کہ فرد ہو جاتا ہے۔ جب یہ کہا تو پتھر ہلنے لگا اور پارہ پارہ ہو گیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں صحرا میں جا رہا تھا میں نے ایک جوان دیکھا تو بہت تر و تازہ تھا۔ لیکن زادِ راہ نہیں رکھتا تھا۔ میں نے کہا اے آزاد مرد زادِ راہ کے بغیر کس طرح صحرا میں جا رہا ہے۔ اس نے کہا۔

دائیں بائیں نگاہ کرو خدا کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ نفحات الانس میں لکھا ہے عبداللہ مغربی خواجہ ابوالحسین کا مرید ہے۔ آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ آپ کے استاد ابوالحسین کی عمر بھی ایک سو بیس سال تھی۔ اور ابوالحسین عبدالواحد زید بصریؒ کے مرید ہیں جو خواجہ حسن بصریؒ کے مرید ہیں خواجہ عبداللہ مغربی کا مزار کوہ طور سینا پر ہے۔ اس کے ساتھ ہی خواجہ ابوالحسین زرینؒ کا مزار ہے۔ آپ کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی ایک روایت کے مطابق ۲۹۹ھ میں ہوئی۔

۸
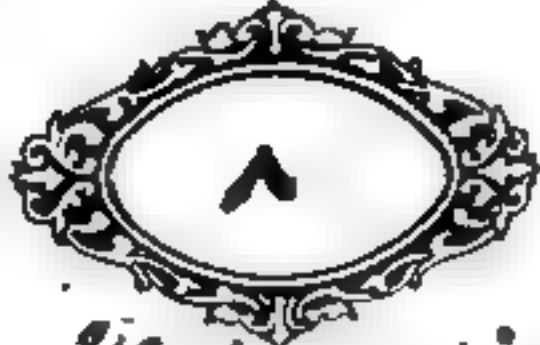
در بیانِ مجمل از احوال خواجہ ہبیرہ بصریؒ و سری سقطیؒ وغیرہم

حضرت خواجہ ہبیرہ بصریؒ

امام اہل طریقت، اسیر حلقۂ واصلان حقیقت، تاج العارفین، مقتدائے دین، مخصوص بہ رہبری، قطب وقت خواجہ ہبیرہ بصری قدس سرہٗ کو خرقہ خواجہ حذیفہ مرعشیؒ سے ملا۔ آپ علمائے اور اولیاء وقت کے پیشوا تھے۔ آپ معرفت حق میں اور علمائے مشائخ میں مشہور و معروف تھے۔ اور صاحبِ درجاتِ رفیع اور مقاماتِ عالی تھے۔ آپ کے ریاضات و کرامات بیشمار ہیں۔ مریدین کی تربیت میں آپ مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ صاحبِ مذہب کہلاتے ہیں۔ اور آپ کے مریدین کو ہبیریان کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ آپ کا اور آپ کے مریدین کا طریق یہ تھا کہ رات دن وضو سے رہتے تھے۔ نماز حضورِ دل سے ادا کرتے تھے۔ غیر کا ذکر آپ کی مجلس میں ہرگز نہیں آتا تھا۔ کیونکہ ان کے لیئے غیر کا وجود ختم ہو چکا تھا۔ صفائی دل کے لیئے بیحد کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ تین چار دن کے بعد جنگل سے میوہ یا سبزی حاصل کر کے افطار کرتے تھے اور ہمیشہ مراقبہ اور محاسبہ میں رہتے تھے۔ قلب کی آنکھوں سے انوار کا مشاہدہ کرتے تھے اور تجرد کی حالت میں صحرا میں رہتے تھے۔ شہر اور بستیوں میں سکونت نہیں کرتے تھے۔ خلق کے ساتھ ملنا جلنا ترک کرتے تھے چونکہ باطنی طور پر تمام مقاصد کو خیرباد کہہ چکے تھے ان کی آرزو یہ تھی کہ ظاہر کو بھی باطن کا ہمرنگ بنا کر

توحید میں فنا حاصل کریں۔ کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے بیت ؎

ظاہر و باطن چو شد تسلیم دوست
ماکنوں حقا مسلمان میر دیم

[جب ہمارا ظاہر و باطن دوست کے حوالہ ہوگیا۔ اب ہم حقیقی مسلمان ہوگئے]

آپ کے کمالات و کرامات بیشمار ہیں۔ جب آپ کے مریدین کے کمالات اس قدر ہیں کہ دائرہ تحریر سے باہر ہیں تو آپ کے کمالات کی کیا حد ہو سکتی ہے۔ اس طائفہ کے ہاں کشف و کرامات کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے خواجگانِ چشت رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصانیف میں پندرہ مقامات سلوک قرار دیئے گئے ہیں۔ جن میں سے پانچواں مقام کشف و کرامات کا ہے۔ پس جب تک مقام کشف و کرامات سے نہیں گزرتا باقی دس مقامات طے نہیں کر سکتا۔ اور بلند ہمت سالک وہ ہے جو کسی مقام پر قیام نہ کرے۔ اس کے بعد فنائے مطلق حاصل ہوتی ہے۔ اور فنائے مطلق کمال شوق کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔ بزرگان نے لکھا ہے کہ بندہ اور حق کے درمیان ستر ظلمانی اور ستر نورانی حجاب حائل ہیں اور یہ تمام پردے بے حد ریاضت و مجاہدہ اور ترک ماسوائے اللہ سے قطع ہوتے ہیں اور شوق کے بغیر ہرگز قطع نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے عارفین نے لکھا ہے کہ یہ راستہ کسی طرح سے قطع نہیں ہوتا بجز شوق و عشق کامل کے، جانکہ کس است حرفے بس است (دانا کے لیئے نکتہ کافی ہے) خواجہ ہبیرہ علیہ رحمۃ کی وفات سات ماہ شوال کو ہوئی لیکن سن وصال معلوم نہیں ہو سکا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

سالکِ حضرت ملکوت، شاہد عشرت جبروت، موحدِ بے وقتی قطب عالم خواجہ سری بن مغلس السقطی قدس سرہٗ طبقۂ اولیٰ سے تعلق رکھتے ہیں آپ کی کنیت ابوالحسین ہے، آپ اہل تصوف کے امام تھے۔ سب سے پہلے جس

نے حقائق و توحید میں کلام فرمایا آپ تھے ۔ آپ خواجہ معروف کرخی رحؒ کے مرید تھے
خواجہ حبیب راعی رحؒ ، خواجہ حارث محاسبی رحؒ اور خواجہ بشر حافی رحؒ کو بھی آپ نے
دیکھا ہے ۔ آپ خواجہ جنید بغدادی رحؒ کے ماموں اور پیر تھے ۔ عراق کے اکثر مشائخ
اور تمام اہل بغداد آپ کے مرید تھے ۔ شیخ فرید عطار رحؒ فرماتے ہیں کہ پہلے آپ
سقطہ فروشی کرتے تھے ۔ ایک دفعہ بغداد میں آگ لگ گئی لوگوں نے کہا آپ کی
دکان بھی جل گئی ہے ۔ آپ نے فرمایا اب میں فارغ ہو گیا ۔ جب اچھی طرح دیکھا گیا
تو معلوم ہوا کہ آپ کی دکان نہ جلی تھی ۔ یہ دیکھ کر آپ نے سب کچھ دوستوں میں
تقسیم کر دیا اور راہِ تصوف اختیار کی ۔ آپ نے خواجہ معروف کرخی رحؒ کے حلقۂ
میں داخل ہو کر تربیت حاصل کی اور ریاضات شاقہ میں مشغول ہوئے ۔ چنانچہ
چالیس سال تک آپ کا نفس گیہوں کی روٹی اور شہد طلب کرتا رہا ۔ لیکن آپ
نے نفس کی خواہش پوری نہ کی ۔ آپ اس قدر عبادت گزار تھے کہ خواجہ جنید رحؒ
فرماتے ہیں کہ آپ سے بڑا عبادت گزار میں نے آجتک نہیں دیکھا اٹھانوے
سال گزر چکے ہیں لیکن آپ نے ایک دفعہ بھی زمین سے پہلو نہیں لگایا سوائے
مرض موت کے ۔ اس کے باوجود آپ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں کمال عجز کی وجہ سے
دن میں کئی بار شیشہ دیکھتے تھے کہ کثرت گناہ سے کہیں منہ تو سیاہ نہیں
ہو گیا ۔ آپ کے دل میں یہ ہیبت کمالِ قرب و حضور کی وجہ سے تھی ۔ بیت ؎

محنتِ قرب زبُعد افزون است
جگراز ہیبت قربم خون است

(قرب کی مشقت بعد کی مصیبت سے زیادہ ہے ۔ اور میرا جگر قرب کی
ہیبت سے خون ہو گیا ہے)

نقل ہے کہ ایک دفعہ آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور پوچھا
اے رسول خدا یہ کیا شور ہے جو آپ نے دنیا میں برپا کیا ہے ۔ جب آپ
کو حق تعالیٰ سے کمال محبت ہے تو قصۂ یوسف علیہ السلام چھوڑ دیجئے پس آپ

نے ایک آواز سنی کہ دل کی نگاہ سے دیکھو۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کی شکل آپ کو دکھائی گئی۔ آپ نے دیکھتے ہی نعرہ لگایا اور تیرہ دن رات بے ہوش پڑے رہے۔ جب ہوش میں آئے تو آواز آئی کہ یہ سزا ہے اس شخص کے لیئے جو ہمارے عاشقوں کو ملامت کرتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ظہور نورِ تجلی گر بر جبینِ بتان است
ہمہ ملاحت خوبی ہمہ صباحتِ اوست

(چونکہ بتوں کے چہرہ پر نور حق جلوہ گر یہ سب خوبی و دلربائی اسی وجہ سے ہے)

آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا دین سلامت رہے اور جسم راحت میں ہو تو اُسے خلقت سے منقطع ہو کر گوشہ نشینی اختیار کرنی چاہیئے اب عزلت اور تنہائی کا وقت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ شوق عارفین کا بلند مقام ہے۔ نیز فرمایا کہ عارف وہ ہے جس کا کھانا بیمار کا کھانا ہو۔ جس کا سونا مار گزیدہ (سانپ ڈسنے کا) کا سونا ہو اور جس کی زندگی غرق شدہ کی زندگی ہو۔ آسمانی کتابوں میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے جب میرا ذکر تم پر غالب ہوتا ہے میں تمہارا عاشق بن جاتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ عاشق آفتاب کی مثل ہیں کہ سب پر ضیا باری کرتے ہیں۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ آپ صبر پر گفتگو فرما رہے تھے کہ بچھو نے چند بار نیش زنی کی۔ آپ نے کوئی پروا نہ کی۔ بعد میں لوگوں نے دریافت کیا کہ بچھو کو کیوں نہ ہٹایا۔ فرمایا مجھے شرم آئی کیوں کہ صبر پر بات کر رہا تھا۔

خواجہ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ جب خواجہ سری سقطیؒ بیمار ہوئے تو میں عبادت کے لیئے گیا۔ پنکھا اٹھا کر میں آپ کو ہوا دینے لگا۔ فرمایا اے جنیدؒ آگ کا انگارہ ہوا دینے سے زیادہ تیز ہوتا ہے۔ میں نے کہا مجھے وصیت کیجیئے۔ فرمایا خدا کی محبت چھوڑ کر خلق کی محبت میں مشغول نہ ہو۔ میں نے عرض کیا کہ اگر یہ بات

پہلے فرماتے تو میں آپ کی محبت سے بھی باز رہتا - اس کے بعد آپ پردے کے پیچھے چلے گئے - آپ کی وفات ہفتہ صبح تین ماہ رمضان ۲۵۳ھ کو خلیفہ معتمد کے عہد میں ہوئی - آپ کی عمر اٹھانوے سال تھی - مدفن آپ کا بغداد میں ہے رحمۃ اللہ علیہ - خواجہ یحییٰ بن معاذ رازیؒ خواجہ ابو حفص حدادؒ و خواجہ سہیل بن عبداللہ تستریؒ بھی خلیفہ معتمد کے عہد میں فوت ہوئے - ان حضرات کا ذکر آگے آئے گا - رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِم -

حضرت خواجہ یحییٰ بن معاذ رازیؒ

بہ باطن سراپا حقائق، بظاہر وعظ خلائق، صورت در عالم مجازی، محبوب حق خواجہ یحییٰ بن معاذ رازی قدس سرہٗ طبقہ اولیٰ میں سے ہیں آپ کی کنیت ابو ذکریا ہے آپ بڑے خلیق اور ہر دل عزیز تھے - آپ کا فیض عام تھا - آپ بڑے عالی ہمت تھے - آپ بڑے واعظ تھے - چنانچہ آپ کا لقب یحییٰ واعظ تھا - خواجہ یوسف بن حسینؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک سو ۱۲۴ چوبیس شہروں میں پھرا اور بڑے بڑے علماء، حکماء، اور مشائخ کی زیارت سے مشرف ہوا لیکن یحییٰ بن معاذ جیسا قادر الکلام کسی کو نہ پایا - مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ حضرت حق تعالیٰ کے دو یحییٰ تھے - ایک نبی اور دوسرے ولی - حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام پر خوف غالب تھا جیسا کہ عام مشہور ہے - اور حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ پر رجاء (امید) کا غلبہ تھا - آپ لطائف و حقائق میں مخصوص تھے اور مجاہدہ و مشاہدہ میں موصوف تھے آپ فرماتے کہ کل قیامت کے دن نہ تونگری (دولت) کو وزن کرینگے نہ فقر و درویشی کو بلکہ صبر و شکر کو وزن کیا جائیگا - کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ محبت کیا ہے فرمایا جو نہ بھلائی سے زیادہ ہو نہ جفا سے کم ہو - یہ بھی ان کا مقولہ ہے کہ الٰہی میں آپ سے کیوں خوف کھاؤں کہ آپ کریم ہیں - نقل ہے کہ آپ پر ایک لاکھ درہم قرض تھا جو آپ نے حاصل کر کے صوفیا اور فقراء پر

تقسیم کیا تھا۔ جب قرض خواہوں نے تنگ کیا تو ایک رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ اے یحییٰ تنگ دل مت ہو خراسان جاؤ وہاں ایک عورت ہے تمہارا سب قرض ادا کر دیگی۔ آپ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کونسا شہر ہے اور کون شخص ہوگا۔ فرمایا شہر بشہر جاؤ اور واعظ کرتے رہو کہ تیرا وعظ لوگوں کے دلوں کا سکون ہے۔ پس آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق پہلے بلخ گئے وہاں سے قرد پہنچے اور پھر ہرتو گئے۔ وہاں ایک امیرزادی نے آپ کا سارا قرضہ ادا کر دیا۔ امیرزادی کی استدعا کے مطابق آپ نے ہرتو میں چار دن مجلس وعظ منعقد کی۔ پہلے دن آپ کے کلام نے لوگوں پر اس قدر اثر کیا کہ اکثر بے خود ہو کر گر پڑے اور دس جنازے نکلے۔ دوسرے دن بیس، تیسرے دن چالیس اور چوتھے دن ستر جنازے نکلے۔ اس کا مفصل ذکر تذکرۃ الاولیاء میں موجود ہے۔ پانچویں دن آپ ہرتو سے چاندی کے سات اونٹ لدے ہوئے لیکر روانہ ہوئے۔ اور نیشاپور تشریف لے گئے۔ جب آپ بلم لم پہنچے جو نیشاپور کے قریب ایک قصبہ ہے۔ آپ صبح کے وقت سر بسجود ہو کر مناجات میں مشغول تھے کہ اچانک ایک پتھر پہاڑ سے آپ کے سر پر گرا۔ آپ نے وصیت کی مال کو قرض خواہوں اور فقیروں میں تقسیم کر دو۔ اس کے بعد آپ جان بحق ہو گئے۔ اہل طریقت آپ کا جنازہ اٹھا کر نیشاپور پہنچے اور وہاں دفن کر دیا۔ آپ کی وفات ۲۵۸ھ میں ہوئی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابو حفص حدادؒ

عابد صادق، زاہد عاشق، سلطان اوتاد، قطب عالم۔ خواجہ ابو حفص حداد قدس سرہٗ طبقہ اولیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی عمر بن سلمہ ہے۔ آپ نیشاپور کے قرب وجوار کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ آپ مشائخ کے بادشاہ اور حق تعالیٰ کے خلیفہ تھے۔ آپ کا شمار بڑے بڑے مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ

ریاضت، کرامت اور مروّت میں بے نظیر تھے۔ آپ کے استاد طریقت، خواجہ عبداللہ مہدی باوردی ہیں۔ آپ خواجہ بایزید بسطامی رح اور خواجہ احمد خضرویہ رح کے رفیق تھے۔ آپ کا مشرب ملامتیہ تھا اور آپ کے پیر ابو عثمان حیری تھے شاہ شجاع کرمانی بھی آپ سے نسبت ارادت رکھتے تھے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ آپ جہان کے لیئے ایک نمونہ تھے۔ جو حق تعالیٰ لوگوں کے لیئے اس زمانے میں بھیجا کرتا ہے۔ تاکہ لوگ اُن جیسی زندگی بسر کریں۔ آپ ابتداء میں ایک لونڈی پر اسقدر عاشق تھے کہ قرار نہ تھا۔ کسی نے کہا کہ نیشاپور میں ایک یہودی جادوگر ہے اس کے پاس جاؤ وہ آپ کا کام بنا دیگا۔ آپ اس کے پاس گئے اور اپنی سر گزشت بیان کی۔ یہودی نے کہا چالیس روز تک کوئی نیکی کا کام نہ کر۔ آپ نے اسی طرح کیا۔ لیکن کچھ اثر نہ پڑا۔ یہودی نے کہا تم نے ضرور کوئی نیکی کی ہے۔ آپ نے کہا اور تو کچھ نہیں کیا ایک دن ایک پتھر کو راستے سے ہٹا دیا تاکہ لوگوں کو ٹھوکر نہ لگے۔ یہودی نے کہا اس خدا کو ناراض نہ کر جس نے چالیس دن کی نافرمانی کے بعد بھی ایک ذراسی نیکی کے بدلے تمکو نواز لیا ہے۔ اس بات سے آپ کے دل میں آگ لگ گئی۔ آپ تائب ہوئے اور آہنگری (لوہار) کا پیشہ اختیار کرلیا۔ جو کچھ کماتے تھے خفیہ طور پر غریبوں اور فقیروں میں تقسیم کر دیتے۔ کچھ عرصہ کے بعد آہنگری بھی چھوڑ دی۔ اور عزلت اختیار کرلی۔ حتیٰ کہ آپ بڑے مدارج پہنچ گئے اور بہت لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔

نقل ہے کہ ایک دن آپ اپنے مریدین کے ساتھ صحرا میں جا رہے تھے کہ ایک ہرن نے آکر آپ کی گود میں سر رکھ دیا۔ آپ نے اپنے منہ پر تھپڑ مارا اور فریاد کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر ہرن بھاگ گیا۔ مریدین نے پوچھا یہ کیا ماجرا ہے۔ آپ نے فرمایا میرے دل میں آج یہ خواہش ہوئی کہ اگر کہیں سے ایک بکری مل جاتی تو اسے بریاں کر کے کھاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہرن بھیج دیا۔ مریدوں نے کہا جس کے ساتھ حق تعالیٰ اسقدر مہربان ہوں اسے اپنے منہ پر

تھپڑ مارنے اور فریاد کرنے کی کیا ضرورت۔ فرمایا تمہیں معلوم نہیں گلے لگانے سے مراد رخصت کرنا ہے (یعنی جب کسی کو رخصت کیا جاتا ہے تو پہلے اسے گلے لگایا جاتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی ظاہری مہربانی کا مطلب یہ ہے کہ وہ بندہ کو اپنے قرب سے دور کرتے ہیں۔) اس کے بعد آپ عازم حج ہوئے۔ جب بغداد پہنچے تو مریدوں کے دل میں خیال ہوا کہ ہمارے شیخ عربی نہیں جانتے یہ بڑی مشکل ہے آپ کو ترجمان کی ضرورت پڑے گی خواجہ جنیدؒ نے اپنے مریدوں کو آپ کے استقبال کے لیے بھیجا۔ آپ اپنے مریدین کے دل کی بات سے آگاہ ہو گئے چنانچہ بغداد پہنچتے ہی آپ نے عربی بولنا شروع کی اور اہل بغداد کو آپ کی فصاحت و بلاغت پر تعجب ہوا اور تمام اکابر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے ایک دن فتوت کے متعلق بات ہو رہی تھی۔ خواجہ جنیدؒ نے فرمایا فتوت میرے نزدیک یہ ہے کہ اپنے اوپر نظر نہ ڈالے اور جو کچھ کیا ہے اسے اپنے ساتھ نسبت نہ دے کہ یہ میں نے کیا ہے۔ خواجہ ابو حفصؒ نے فرمایا جو کچھ آپ نے فرمایا درست فرمایا ہے لیکن فتوت میرے نزدیک اپنے آپ کو نہ دیکھنا، انصاف کرنا اور انصاف طلب نہ کرنا خواجہ جنید نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ ایک دفعہ خواجہ ابو حفصؒ بادشاہوں کی طرح بیٹھے تھے۔ اور آپ کے مریدین گرد کھڑے تھے۔ خواجہ جنیدؒ نے یہ دیکھ کر فرمایا آپ نے اپنے مریدین کو ادب شاہانہ سکھایا ہے آپ نے جواب دیا دوستان خدا کا ظاہری ادب بجالانا حق تعالیٰ کا باطنی ادب بجالانا ہے۔ آپ اور خواجہ جنیدؒ و شبلیؒ کے درمیان خوب صحبتیں ہوا کرتی تھیں۔ جنکا ذکر تذکرۃ الاولیاء میں موجود ہے آخر وقت میں کسی نے آپ سے وصیت طلب کی آپ نے فرمایا بھائی! ایک دروازے کا غلام ہو جا۔ سب دروازے تم پر کھل جائیں گے اور ایک آقا کے آگے جھک جا تمام دنیا کے آقا تیرے آگے جھک

جائینگے - خواجہ عبداللہ سلمیؒ کی وصیت کے مطابق میں مرجاؤں تو میرا سر خواجہ ابو حفص رحؒ کے قدموں میں رکھنا آپ کی وفات ۲۶۴ھ میں ہوئی امام عبداللہ یافعی رحؒ کے قول کے مطابق آپ کی وفات ۲۶۵ھ میں ہوئی۔
رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ۔

حضرت خواجہ احمد حربؒ

امامِ زاہداں، قبلۂ عابداں، قدوۂ شرق و غرب، پیرِ خراسان خواجہ احمد حربؒ قدس سرہٗ بہت فضائل کے مالک ہیں۔ ورع اور عبادت و ریاضت میں بے مثل تھے۔ آپ کی بزرگی کا یہ حال تھا کہ خواجہ یحییٰ معاذ رازیؒ نے وصیت کی تھی کہ وفات کے بعد میرا سر خواجہ احمد حربؒ کے قدموں میں رکھنا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں خواجہ احمد حربؒ کی مجلس میں شامل ہوا۔ آپ کے ایک کلمہ سے میرا دل روشن ہو گیا۔ اور چالیس سال ہوئے ہیں کہ اب تک میں اس ذوق میں ہوں۔ اور میرے دل سے محو نہیں ہوا۔ نقل ہے کہ آپ رات کو ہرگز نہیں سوتے تھے۔ کسی نے آپ سے کہا اگر آپ ذرا سا آرام کر لیا کریں تو کیا حرج ہے۔ فرمایا کہ جس شخص کے اوپر بہشت کی آرائش کی جا رہی اور نیچے دوزخ کو گرم کیا جا رہا ہو اور اسے معلوم نہ ہو کہ اس کا مقام دوزخ ہے یا جنت۔ وہ کس طرح سو سکتا ہے۔ یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ خدا سے ڈرو اور اس کی اطاعت کرو تاکہ دنیا تجھے فریفتہ نہ کرے اور جس طرح کہ تم سے پہلے لوگ مبتلا ہوئے تم مبتلا نہ ہو جاؤ۔
رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ سہیل بن عبداللہ تستریؒ

غواص دریائے حقیقت، مستغرق در مشاہدہ پیشوائے اولیا خواجہ سہیل بن عبداللہ قدس سرہٗ طبقہ ثانی سے تھے۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ آپ کا شمار مشائخ عظام سے ہوتا ہے۔ آپ اس مذہب میں مجتہد تھے آپ علمائے

مشائخ، امام عہد تھے ۔ آپ ریاضت وکرامت اور حقائق میں معتبر تھے ۔ آپ
خواجہ ذوالنون مصری رح کے مرید تھے ۔ شروع میں آپ نے اپنے ماموں خواجہ محمد
حواری سے بھی تربیت حاصل کی ۔ کسی بزرگ کو بچپن سے یہ کمال حاصل نہیں تھا
جس طرح کہ آپ کو تھا ۔ تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ فرماتے کہ حق تعالیٰ
کا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کہنا اور میرا بلیٰ کہنا مجھے اچھی طرح یاد ہے اور مجھے اپنی
ماں کے پیٹ میں رہنا بھی اچھی طرح یاد ہے ۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں
تین سال کی عمر میں قیام شب کا عادی ہو گیا تھا ۔ ایک دن میں نے اپنے
ماموں محمد بن حواری سے کہا کہ میں اپنے آپکو عرش کے سامنے سربسجود
دیکھتا ہوں ۔ ماموں نے پوچھا کب تک میں نے کہا ابد تک ۔ انہوں نے
کہا بیٹا ! یہ بات کسی سے نہ کہنا ۔ اور کہا کہ خدا کو یاد رکھو جس نے تجھے پیدا
کیا ہے ۔ میں نے کہا کس طرح یاد کروں ۔ فرمایا دل میں یاد کرو اور سوتے
وقت تین دفعہ پہلو بدلتے ہوئے یہ پڑھ لیا کرو (اللہ معی اللہ ناظری ، اللہ
شاھدی) اللہ میرے ساتھ ہے اللہ دیکھ رہا ہے اور اللہ شاہد ہے ۔) اگر
ہو سکے تو تین سے زیادہ دفعہ بھی پڑھ سکتے ہو پس میں نے یہ وردِ شروع کر دیا ۔
انہوں نے پھر کہا کہ سات دفعہ پڑھ لیا کرو ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد فرمایا کہ
گیارہ مرتبہ پڑھا کرو اس سے میرے قلب میں حلاوت پیدا ہو گئی ۔ ایک
سال کے بعد میرے ماموں نے فرمایا جو کچھ میں نے بتایا باقاعدگی سے پڑھتے
رہو اور ہمیشہ اس پر پابند رہو حتیٰ کہ قبر میں داخل ہو جاؤ ۔ دنیا و آخرت میں ۔
تمہیں اس کا ثمرہ حاصل ہوگا ۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے مدرسے میں داخل کیا ۔
لیکن مجھے ڈر تھا کہ میرا دل پراگندہ نہ ہو جائے ۔ اس لیئے میں نے استاد سے یہ
شرط باندھی کہ ایک ساعت آپ سے پڑھ کر اپنے اصلی کام کی طرف متوجہ ہو
جایا کرونگا ۔ پس میں نے قرآن مجید ختم کیا اور سات سال کی عمر میں روزہ رکھنا
شروع کیا ۔ اور جو کی روٹی سے افطار کرتا تھا ۔ دس سال کی عمر میں مجھے ایک

ایسا مسئلہ درپیش ہوا جس کا کوئی جواب نہ دے سکتا تھا۔ بصرہ گیا۔ وہاں بھی حل نہ ہوا اس کے بعد میں خواجہ ابوحمزہؒ کی خدمت میں گیا۔ انہوں نے مسئلہ حل کر دیا۔ چند روز میں ان کی خدمت میں رہا جس سے مجھے بہت فائدہ ہوا اس کے بعد میں تستر گیا اور ریاضات اور مجاہدات کرنے لگا۔ اکثر یہ ہوتا تھا کہ چالیس رات دن کے بعد میں ایک دانہ مغز بادام کھاتا تھا۔ ایک دن آپ کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے کہ توبہ تمام بندگان پر فرض ہے۔ گنہگار کو گناہ سے توبہ کرنی چاہیے اور عبادت گزار کو عبادت سے۔ علمائے ظاہر اس سخن سے برہم ہوئے۔ اور آپ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ اس سے آپ کا دل پراگندہ ہو گیا۔ آپ دین کے غم میں بہت پریشان ہوئے۔ آخر کار آپ نے اپنا مال و اسباب جو کچھ کہ گھر میں تھا سب کا نام کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھ کر لوگوں کو جمع کیا اور کاغذ کے ٹکڑے ان پر پھینک دیے۔ اور کہہ دیا کہ کاغذ پر جو لکھا ہے وہ اس کی ملکیت ہے۔ جب کچھ باقی نہ رہا تو آپ حجاز مقدس کی طرف روانہ ہوئے کچھ عرصے کے بعد مکہ پہنچے۔ وہاں آپ کو خواجہ ذوالنون مصریؒ کی محبت نصیب ہوئی۔ اور آپ کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا اس کے بعد خلقت آپ کی طرف جھک پڑی۔ اور بے شمار مریدین جمع ہو گئے۔ مریدین کی تربیت و ہدایت میں آپ دست شافی رکھتے تھے۔ چنانچہ صاحب کشف المحجوب آپ کو دس مذاہب صوفیہ کے بانیوں میں ایک قرار دیتے ہیں آپ کا طریق اجتہاد و مجاہدۂ نفس اور ریاضت ہے۔ آپ مریدین کو مجاہدات کے ذریعے درجۂ کمال تک پہنچا دیتے تھے۔ آپ کے نزدیک مشاہدہ نتیجہ ہے مجاہدہ کا۔ حالانکہ دوسرے مشائخ کا یہ خیال ہے کہ وصول حق کی کوئی علت نہیں ہو سکتی۔ جو کوئی خدا رسیدہ ہوتا ہے فضل ربی سے ہوتا ہے۔ اور فضل کو علت سے کیا کام۔ اس لیئے بعض مشائخ کا یہ نظریہ ہے کہ مجاہدہ صرف تہذیب نفس کے لیئے ہے نہ کہ حقیقت قربت کے لیئے آپ کے مذہب کا دارومدار ریاضت و مجاہدہ پر ہے۔ لیکن بعض بزرگان اس سے

متفق نہیں۔ جب کہ کشف المحجوب میں مفصل مذکور ہے۔ لیکن آپ ہرگز کرامت ظاہر نہیں کرتے تھے۔ اور ہمیشہ چھپانے کی کوشش کرتے رہتے تھے شیخ ابو علی دقاق فرماتے ہیں آپ کی کرامات بے شمار ہیں لیکن آپ کی کوشش ہمیشہ یہی رہتی تھی کہ ان کو چھپائے رکھیں۔ ایک دن مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک کبوتر گرمی سے نیچے گر گیا خواجہ سہیل رح نے فرمایا اس وقت شاہ شجاع کرمانی کا انتقال ہو گیا ہے۔ معلوم کرنے پر پایا گیا واقعی آپ نے صحیح فرمایا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے ایک ابدال سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ میں ان سے مسائل حقیقت دریافت کرتا رہا حتیٰ کہ نماز پڑھکر وہ پانی کی تہہ میں چلے گئے۔ ہم چند روز اکٹھے رہے۔ اور یہی کرتے رہے۔ پانی کے اندر رہتے تھے صرف نماز کے وقت باہر آتے تھے۔ اور کچھ نہیں کھاتے تھے اور میرے سوا کسی دوسرے سے محبت نہیں کرتے تھے۔ جب خواجہ سہیل رح کا آخری وقت آیا چار سو مرید عالم و عامل اہل طریقت حاضر تھے ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ خواجہ آپ کی مسند پر کون بیٹھے۔ اور آگے ممبر پر کون بیٹھ کر کلام کرے۔ آپکے گھر کے پاس ایک گبر (آتش پرست) رہتا تھا جس کا نام شاد دل تھا۔ آپ نے آنکھیں کھول کر فرمایا کہ میری جگہ پر شاد دل آتش پرست بیٹھے۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید اس وقت اس ضعیف آدمی کے عقل میں خلل واقع ہوا ہے کہ ان تمام مریدین کو ایک آتش پرست کے حوالہ کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا شورمت کرو شاد دل کو میرے پاس لے آؤ جب وہ حضرت خواجہ رح کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا شاد دل میری وفات کے تین دن بعد نماز عصر کے بعد ممبر پر جانا اور میری جگہ بیٹھ کر لوگوں کے سامنے وعظ کرنا یہ کہہ کر آپ جاں بحق ہو گئے۔ تیسرے دن لوگ جمع ہو گئے۔ شاد دل آیا اور ممبر پر بیٹھ گیا۔ خلقت حیران تھی کہ دیکھیں اب کیا کرتا ہے۔ اس نے لوگوں کی طرف دیکھ کر پہلے اپنا زنار توڑا آتش پرستوں والی ٹوپی سر سے اتاری اور کلمہ شہادت پڑھ کر لوگوں سے کہنے لگا کہ میری ظاہری حالت کو دیکھ کر میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اگر تم لوگوں کو شک ہو کر قیامت کے دن کیا حشر ہو گا تو اسے بھی

دیکھ لو۔ چنانچہ اس نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ الٰہی میری قیامت کے دن کی حالت ان کو دکھا دے۔ پس اسی وقت قیامت قائم ہو گئی اور ایسی حالت ہوئی کہ قلم لکھنے سے قاصر ہے۔ ابو طلحہ مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ خواجہ سہیلؒ جس روز ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے روزہ دار تھے اور جس روز اس دنیا سے کوچ کیا اس وقت بھی روزہ دار تھا اور داصل حق ہو کر روزہ افطار کیا۔ آپ کی وفات ماہِ محرم ۲۸۳ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر اسی ۸۰ سال تھی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ حمزہ بغدادیؒ

عارفِ عالی درجات، مستغرق در ذات، خوے گرفتہ بہ نامرادی مقتدائے قوم خواجہ حمزہ بغدادیؒ طبقہ ثانی سے تھے۔ آپ کا اسمِ گرامی محمد بن ابراہیم ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ عیسیٰ بن ابان کی اولاد میں سے تھے جو اس قوم کے سردار تھے مجاہدہ اور استغراق میں آپ نظیر نہیں رکھتے تھے۔ آپ خواجہ سری سقطیؒ کے ہم عصروں اور مصاحبوں میں سے تھے۔ آپ کو بشر حافیؒ کی بھی صحبت ملی ہے آپ ابو تراب نخشبیؒ کے ہم عصر تھے۔ ابو بکر کتانی اور نساج وغیرہ آپ سے حدیث نقل کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں جس وقت مجھے کوئی آدمی غفلت اور فضول باتوں میں مشغول رکھتا ہے۔ اس بوجھ سے جو مجھ پر ہوتا ہے ذرا سستا لیتا ہوں اور خواہش کرتا ہوں کہ تمام گناہوں سے نجات پاؤں۔ آپ فرماتے ہیں کہ لذت اور خوشی طلب میں ہی یافت میں خوشی نہیں ہے۔ یافت میں سراسر خوف اور ہیبت ہے ایک دفعہ ابو حمزہؒ قرب الٰہی میں کچھ سوچ رہے تھے کہ از خود غائب ہو گئے۔ جب محویت ختم ہوئی تو آپ نے اپنے آپ کو صحرا میں پایا۔ جب آپ طرطوس گئے وہاں آپ کو بہت قبولیت حاصل ہوئی اور لوگوں نے آپ کو گھیر لیا۔ ایک دفعہ حالت سکر میں آپ کی زبان سے ایک کلمہ نکل گیا جس سے لوگ برہم ہو گئے۔ چونکہ یہ کلمات لوگوں کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ انہوں نے آپ کو زندیق اور حلولی قرار دیا اور طرطوس

سے باہر نکال دیا اور آپ کی جائداد پر قبضہ کر لیا جب آپ طرطوس سے باہر آئے تو مناجات کی کہ الٰہی میرے دل میں تیری جگہ ہے اسقدر کہ غیر وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیئے جو تکلیف کہ مجھے تیرے راہ میں پہنچتی ہے آسان ہو جاتی ہے۔ آپ راہِ عشق میں صادق القول اور صادق المعنی تھے (یعنی ظاہر و باطن میں صادق العشق تھے) آپ کی وفات ۲۸۹ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ خیر النساج رح

معنی ہدایت، مہدی ولایت، شیخ وقت، خواجہ خیر النساج رح طبقہ ثانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو الحسن اور اسم گرامی محمد بن اسماعیل رح ہے۔ آپ کا اصلی وطن سامرہ تھا لیکن بعد میں بغداد میں مقیم ہو گئے تھے۔ آپ خواجہ سری سقطی رح کے مرید تھے اور ابو حمزہ بغدادی رح کی صحبت میں رہتے تھے۔ آپ بہت مشائخ کے استاد تھے۔ وعظ و معاملات میں آپ قادر الکلام تھے۔ آپ بہت خلیق تھے۔ مجاہدہ ریاضت اور کرامت میں بڑی شان رکھتے تھے۔ خواجہ شبلی رح اور ابراہیم خواص رح نے آپ کی مجلس میں توبہ کی۔ آپ شبلی علیہ رحمۃ کو خواجہ جنید رح کی خدمت میں انکے احترام کی خاطر بھیج دیا چنانچہ خواجہ جنید رح فرماتے ہیں کہ خیر النساج تربیت میں ہم سے بہتر ہیں۔ آپکی عمر دراز تھی ایک سو بیس سال زندہ رہے شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ خیر النساج کپڑا نہیں بنتے تھے۔ بلکہ سخن بنتے تھے (نساج بمعنی بننے والا) جعفر خلدی نے لکھا ہے کہ خیر النساج سے میں نے پوچھا کہ آپ کا پیشہ پارچہ بافی (کپڑے بننا ہے) آپ نے جواب دیا کہ میں نے حق تعالیٰ کے ساتھ عہد کیا تھا کہ تازہ کھجور نہ کھاؤنگا۔ ایک دن میرا نفس غالب آیا۔ میں نے کچھ کھجور خریدے اور ایک دانہ منہ کھایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص نے میرے پاس آکر کہا کہ اے خیر! اے بھگوڑے۔ بات یہ ہے کہ اس کے غلام کا نام خیر تھا۔ جو اس سے بھاگ گیا تھا اور مجھ پر شبہ

کرنے لگا کہ میں اس کا بھاگا ہوا غلام ہوں۔ پس بہت لوگ جمع ہو گئے اور سب کہنے لگے کہ ہاں یہ وہی آپ کا غلام خیر ہے میں حیران کھڑا تھا کہ ماجرا کیا ہے آخر مجھے معلوم ہو گیا کہ کس وجہ سے میں گرفتار ہوا۔ میں نے حق تعالیٰ سے جو کھجور نہ کھانے کا عہد کیا تھا وہ توڑ دیا تھا اس لیئے یہ عتاب الٰہی تھا جو مجھ پر نازل ہوا۔ پس وہ مجھے لے گیا اور جس جگہ اس کے دوسرے غلام کپڑے بنتے تھے۔ مجھے بھی اسی کام پر لگا دیا۔ جب چار مہینے گزر گئے تو ایک رات وضو کر کے سجدہ میں گیا اور مناجات کی کہ حق تعالیٰ میں نے اپنی سزا حاصل کر لی ہے۔ اس کے بعد تیری بارگاہ میں خیانت نہیں کروں گا جب صبح ہوئی تو اس شخص کا شبہ دور ہو گیا اور مجھے رہا کر دیا۔ اس دن سے میرا نام نساج ہو گیا۔ نقل ہے کہ بعد میں بھی آپ پارچہ بافی کرتے تھے۔ جب آپ دریا دجلہ کے کنارے پر جاتے تو دریا کی مچھلیاں آپ کے قریب آ جاتیں۔ ایک دن آپ ایک عورت کا کپڑا بُن رہے تھے اس نے کہا کہ میں رقم لاتی ہوں۔ اگر تجھے نہ پاؤں تو رقم کسے دوں۔ آپ نے فرمایا دجلہ میں ڈال دینا۔ جب وہ واپس آئی تو آپ کہیں جا چکے تھے۔ اس نے رقم دریا میں ڈال دی اور چلی گئی۔ جب آپ پھر دجلہ کے کنارے پر گئے دریا کی مچھلیاں وہ رقم لے آئیں مشائخ وقت نے جب یہ حال سنا تو پسند نہ کیا۔ اور اسے بازیچۂ اطفال سمجھنے لگے۔ کیونکہ یہ علامت حجاب ہے۔ نقل ہے کہ جب آپ کی وفات قریب ہوئی تو نماز عصر کا وقت تھا۔ جب عزرائیل نے شکل دکھائی تو آپ نے فرمایا اے خدا کے جلاد! ذرا ٹھہر جا تجھے میری جان لینے کا حکم ہے۔ اور مجھے نماز ادا کرنے کا حکم ہے پس آپ نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ اور جاں بحق ہو گئے آپ کی وفات ۳۲۲ھ میں ہوئی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ سمنون رح

پروانۂ شمع جمال، شگفتۂ صبح وصال، ہمگی عشق و حب مجنون و مقبول،

وقت، خواجہ سمنون قدس سرہٗ طبقہ ثانی سے ہیں۔ آپ امام المحبت ہیں۔ آپ اپنی شان میں یگانہ اور مقبول اہل زمانہ تھے۔ اسرار و رموز میں آپ عالی مقام رکھتے تھے اور محبت میں بے نظیر تھے۔ تمام اکابر آپ کی بزرگی کے قائل تھے۔ اور فتوت اور کمال محبت کی وجہ سے آپ کو سمنون المحبت کہتے تھے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو سمنون الکذاب کہتے تھے۔ آپ خواجہ سری سقطیؒ کے صحبت یافتہ اور خواجہ جنیدؒ کے ہمعصر تھے۔ آپ کا وصال حضرت جنیدؒ سے پہلے ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ بعد میں ہوا۔ آپ کا طریق خالص محبت ہے آپ محبت کو معرفت سے مقدم سمجھتے ہیں۔ اگرچہ بعض مشائخؒ نے معرفت کو محبت پر ترجیح دی ہے آپ فرماتے ہیں کہ محبت اصلی قاعدہ راہ خدا ہے اور باقی احوال و مقامات سب محبت کا نتیجہ ہیں۔ نقل ہے کہ جب آپ حجاز مقدس گئے تو لوگوں نے استدعا کی کہ واعظ فرمائیں۔ آپ نے ممبر پر چڑھ کر وعظ شروع کیا۔ لیکن کوئی سننے والا نہ رہا چراغوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں تم سے محبت کی باتیں کرنا چاہتا ہوں یہ سنتے ہی تمام چراغ ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ایک دن آپ وعظ کر رہے تھے کہ ایک پرندہ آ کر آپ کے سر پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد وہ آپ کے ہاتھ پر جا بیٹھا۔ پھر آپ کی گود میں جا بیٹھا اس کے بعد زمین پر گر پڑا اور کئی بار زمین پر اپنی چونچ مارتا رہا جس سے اس کی چونچ خون آلودہ ہو گئی اور گر کر مر گیا۔ نقل ہے کہ ایک دفعہ آپ نے مناجات میں کہا کہ الٰہی جس چیز سے آپ مجھے آزمانا چاہتے ہیں آزمائیں میں تسلیم کروں گا اور دم نہیں ماروں گا (یعنی واویلا نہیں کرونگا) اس کے فوراً بعد آپ کے پیٹ میں سخت درد پیدا ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جان نکلتی ہے۔ لیکن آپ نے واویلا نہ کیا اور خاموش رہے۔ دوسرے دن ہمسایوں نے کہا کہ اے سمنون رات آپ کو کیا تھا کہ ساری رات آپ کی آہ و فریاد سے ہماری نیند حرام ہو گئی حالانکہ آپ نے کوئی آواز نہ نکالی تھی۔ لیکن آپ کی صورت حال واویلا والی تھی اس لیئے حق تعالیٰ نے اُسے مشخص کر دیا اور

لوگ سننے لگے۔ حق تعالیٰ کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ اگر تمہاری خاموشی حقیقی خاموشی ہوتی تو ہمسایگان ملامت نہ کرتے۔ اس لیے جو چیز تم نہیں کر سکتے زبان سے مت کہو۔ ابو احمد قلانسی رح کہتے ہیں کہ آپ ہمیشہ پانچ سو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ یہ بھی ابو احمد کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی امیر نے چالیس ہزار درہم کا کھانا غربا کو کھلایا خواجہ سمنون ؒ نے کہا اے ابو احمد ہمیں اس طعام کی طاقت نہیں آؤ ہم علیحدگی میں ہر درہم کے عوض ایک رکعت نماز ادا کریں پس ہم نے مدائن میں جا کر چالیس ہزار رکعت ادا کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ جو چیز محبت سے زیادہ رقیق و لطیف نہیں ہے اس سے عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ پس محبت کے بغیر کسی چیز کے ساتھ عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ کسی نے پوچھا کہ محبت کو بلا کے ساتھ کیوں مقرون کیا گیا ہے (یعنی محبت کے ساتھ بلا کیوں لازمی ہے) آپ نے کہا تاکہ ہر سفلہ محبت کا دعویٰ نہ کرے جب بلا سے دوچار ہوتا ہے بھاگ جاتا ہے کسی نے پوچھا فقر کیا ہے فرمایا فقیر وہ ہے جو فقر سے محبت کرتا ہے فقیر کو نقدی سے اتنی وحشت ہوتی ہے جتنی کہ جاہل کو فقر (مفلسی) سے آپ فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ نہ کوئی چیز تیری ملکیت ہو نہ تو کسی کی ملکیت ہو۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابو حمزہ خراسانی رح

متمکن طریقت، متوکل حقیقت، کعبۂ مسلمانی، پیر وقت خواجہ ابو حمزہ خراسانی قدس سرہٗ طبقہ ثانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ کا اصلی وطن نیشاپور تھا۔ آپ مشائخ عراق کے ساتھ اکثر ہم صحبت رہے ہے خواجہ ابو تراب نخشبی رح کی بھی آپ نے صحبت پائی ہے۔ خواجہ ابو سعید خراز کے ہمعصر تھے آپ خواجہ جنید ؒ کے بھی ہمعصر ہیں۔ آپ کا شمار اکابر طریقت، رفیع القدر اور عالی ہمت بزرگان میں ہوتا ہے۔ آپ فراست (کشف) میں بے مثل تھے۔ آپ تجرید و توکل میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپ کی ریاضات، کرامات اور مناقب بے شمار

ہیں۔ ایک دفعہ آپ نے خالص توکل پر سفر کیا۔ اور کوئی چیز ساتھ نہ لی۔ صحرا میں جا رہے تھے کہ اچانک کنوئیں میں گر گئے۔ اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ایک آدمی کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس نے آپ کو دیکھ کر درختوں کی شاخیں جوڑیں اور رسی بنا کر کنوئیں میں ڈالی تاکہ آپ باہر آجائیں آپ نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔ آپ کے دل نے کہا کہ حق تعالٰے فرماتا ہے۔

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) اللہ پر توکل کر کہ قوی تر ہے جب آپ کا اضطراب کمال کو پہنچا تو ایک جنگلی جانور آیا اس نے اپنا دم کنوئیں میں ڈالا۔ ابو حمزہ ؒ نے دل میں کہا کہ اس کے دم کو پکڑنا خلاف توکل ہے۔ آپ کے دل میں الہام ہوا کہ یہ خرق عادت ہے۔ پس آپ نے حکم کی تعمیل کی اس کی دم پکڑ کر باہر نکل آئے باہر آ کر دیکھا تو وہ نہایت ہی خوفناک شیر تھا۔ آواز آئی کہ اے ابو حمزہ ؒ جب تم نے ہم پر توکل کیا تو ہم نے تجھے ایسے جانور کے ذریعے نجات دلائی جو بذات خود مار ڈالنے والا ہے شیر نے اپنا چہرہ ان کے سامنے زمین پر رکھا اور چلا گیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ توکل یہ ہے صبح اٹھے رات یاد نہ رہے۔ یہ بھی آپ کا مقولہ ہے کہ غریب وہ ہے جسے اپنے رشتہ داروں اور متعلقین سے وحشت ہو اور ان سے بیگانہ رہے نیز فرمایا کہ جس کسی کو اپنے نفس سے وحشت ہوتی ہے۔ اس کے دل میں اپنے پروردگار سبحانہ تعالٰے کا اُنس ہوتا ہے۔

صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ ابو حمزہ ؒ وجد اور صحت حال میں بے مثل تھے۔ کہتے ہیں کہ جب آپ ہوا کی آواز سنتے تھے وجد میں آجاتے تھے۔ ایک دن خواجہ حارث محاسبی ؒ کے گھر میں آپ نے بکری کی آواز سنی تو وجد میں آگئے اور کہا "عز اللہ جل جلالہ" خواجہ حارث ؒ نے پوچھا یہ کیا حال ہے۔ اگر بتاتے ہو تو ٹھیک ورنہ تمہیں مار ڈالوں گا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور خاکستر اور بخارہ ملا کر کئی برس تک کھاؤ تب مسئلہ تیری سمجھ میں آئیگا۔

ایک دفعہ آپ نے رے کی مسجد میں جراب طلب کی کسی نے ایک بیش قیمت جُبّہ پیش کیا آپ نے اسے پھاڑ کر دو ٹکڑے جراب کی طرح پاؤں پر لپیٹ لیے لوگوں نے کہا یہ آپ نے کیا کر دیا اسے فروخت کر کے آپ کئی جراب خرید سکتے تھے۔ فرمایا میں مذہب میں خیانت نہیں کرتا۔ صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش دیکھا کہ جسے بادشاہ نے تین ہزار دینار بھیجے کہ انہیں گرمابہ (حمام گرم کرنے پر) صرف کریں (یعنی وضو وغیرہ کا پانی گرم کر لیا کریں) آپ کسی حمام پر تشریف لے گئے اور ساری رقم حمام والوں کو دے کر چلے گئے شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ التصرف والتصوف لا یکون معًا تصرف اور تصوف یکجا نہیں ہوتے۔ دنیا جمع کرنا اور اس کی قدر کرنا آدمی کو تصوف سے اس طرح نکالتا ہے جس طرح بال آٹے سے نکالا جاتا ہے۔ صوفی دنیا کی قدر نہیں کرتے اور نہ اس کا غم کھاتے ہیں۔ اگر ساری دنیا کا لقمہ بنا کر درویش کے منہ میں ڈالا جائے تو اسراف نہ ہوگا۔ اسراف یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا کے مطابق خرچ نہ کیا جائے۔ حق تعالیٰ تمہارے ہاتھ سے ترکِ دنیا اتنا پسند نہیں کرتے جتنا کہ تیرے دل سے دنیا کی دوستی کو ترک کرانا پسند کرتے ہیں۔ ابو حمزہؒ جوان مردانِ مشائخ میں سے تھے۔ آپ کی وفات ۲۹۰ھ میں نیشاپور میں واقع ہوئی اور خواجہ ابو حفص حدادؒ کی مزار شریف کے قریب دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ

نورِ چشمِ بصیرت، شاہِ باصورت و سیرت، شمعِ نورِ روحانی، شاہ بن شجاع کرمانی قدس سرہٗ طبقۂ ثانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی شاہ شجاع ہے اور کنیت ابو الفارس ہے آپ بادشاہوں کی اولاد میں سے تھے آپ کو خواجہ یحییٰ معاذ رازیؒ وغیرہم کی صحبت بھی ملی ہے۔ آپ اپنے عہد کے

بزرگ اور محتشم روزگار تھے۔ آپ شہسواران طریقت اور سالکان حقیقت میں سے تھے آپ صاحب کرامت وتصنیف ہیں۔ ریاضت میں آپ بے نظیر تھے صاحب نفحات الانس خواجہ یحیٰ معاذ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دن خواجہ ابو حفصؒ نیشاپور میں بیٹھے تھے کہ شاہ شجاع ؒ قبا زیب تن کیئے ہوئے تشریف لائے اور ان کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ پوچھا خواجہ ابو حفصؒ نے ان کو قبا پہنے ہوئے دیکھا اور فرمایا بخدا آپ بادشاہ ہیں۔ آپ نے فرمایا میں بادشاہ ہوں اس لیئے آپ کی خدمت میں سوالی بن کر آیا ہوں یہ جانتے ہوئے کہ آپ کے سوا مجھے کوئی جواب نہ دے سکے گا۔ اس کے بعد ابو حفصؒ نے پوچھا کہ کیا صوفیوں کو قبا پہننی چاہیے۔ (یاد رہے کہ قبا اس زمانے میں شاہانہ لباس تھا) آپ نے جواب دیا۔ وجدنا فی القبا ماطلبنا فی العبا (یعنی ہم نے پایا قبا میں جو کچھ ہم نے طلب کیا گلیم یعنی توشک میں (توشک درویشوں کی اوڑھنی ہے) شیخ فرماتے ہیں کہ آپ چالیس سال نہ سوئے اور آنکھوں میں نمک ڈالتے تھے جس کی وجہ سے آنکھیں خون کے دریا سے نظر آتی تھیں۔ چالیس سال کے بعد ایک سال سوئے اور اللہ تعالیٰ کی خواب میں زیارت کی اور عرض کیا اے بار الٰہی میں آپ کو بیداری میں تلاش کرتا تھا لیکن خواب میں پایا حق تعالیٰ نے فرمایا مجھے تم نے خواب میں بیداری کی وجہ سے پایا ہے۔ اگر یہ شب بیداریاں نہ ہوتیں تو ایسا خواب نہ دیکھتے۔ اس کے بعد آپ جہاں جاتے تکیہ رکھ کر سو جاتے کیونکہ آپ نیند کے عاشق ہو چکے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس خواب کا ایک ذرہ میں سارے جہان کی بیداری کے عوض نہ دونگا۔ نقل ہے کہ آپ کا ایک بیٹا تھا جس کے سینہ پر سبز الفاظ میں اللہ لکھا ہوا تھا جب ان پر جوانی غالب آئی کھیل تماشا میں مشغول ہو گئے وہ رباب بہت اچھا بجاتے تھے اور ساتھ ساتھ روتے بھی تھے۔ ایک رات رباب بجانے والے اور سرود گانے والے آپ کے

محلے میں وارد ہوئے۔آپ کے بیٹے کی دلہن اپنے شوہر کے پہلو سے اٹھ کر تماشا دیکھنے لگی جب وہ بیدار ہوئے تو بیوی کو نہ دیکھ کر اٹھے۔ شاہ شجاع رح نے آواز دی کہ اے بیٹے کیا اب بھی توبہ کا وقت نہیں آیا۔ اس بات نے ان کے دل میں گھر کرلیا۔ انہوں نے کپڑے پھاڑ ڈالے رباب توڑ دیا اور غسل کرکے گھر میں بیٹھ گئے۔ اور چالیس دن تک کچھ نہ کھایا۔ اس کے بعد وہ باہر آئے۔ اور باپ کے پاس گئے شاہ شجاع رح نے فرمایا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے چالیس سال میں دیا تجھے چالیس دن میں دیدیا ہے۔ نقل ہے کہ شاہ شجاع رح مسجد میں بیٹھے تھے۔ ایک فقیر دو من روٹی کی بھیک مانگ رہا تھا(اس زمانے میں ایک من قریب ڈھائی سیر ہوتا تھا) لیکن کسی نے نہ دیا۔ آپ نے فرمایا کون ہے جو میرے پچاس حج دو من روٹی کے عوض خریدتا ہے۔ اور روٹی اس درویش کو دیتا ہے درحقیقت وہی ہمت کا بادشاہ ہے یہ بھی شاہ شجاع رح نے فرمایا ہے کہ عاشق مردہ ہو کر آئے اور اسی وجہ سے وصال کو پہنچے۔

نقل ہے کہ خواجہ علی جرجانی رح شاہ شجاع رح کی مزار پر کھانا تقسیم کرتے تھے ایک دن کھانا رکھ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے یااللہ مہمان بھیج تاکہ اس کے ساتھ ملکر کھانا کھاؤں۔ اتفاق سے ایک کتا آگیا خواجہ علی رح نے اسے دھتکارا وہ چلا گیا۔ ہاتف نے آواز دی تو نے مہمان مانگا جب میں نے بھیجا تو تو نے واپس بھگا دیا۔ آپ فوراً اٹھے اور صحرا کی طرف دوڑتے ہوئے گئے۔ کتا وہاں سو رہا تھا۔ جو کچھ آپ کے پاس تھا کتے کے آگے رکھ دیا۔ لیکن کتے نے کوئی توجہ نہ دی۔ خواجہ علی رح بہت پشیمان ہوئے اور توبہ کی۔ کتے نے کہا کیا خوب! اے خواجہ علی جب مہمان آتا ہے تو تم بھگا دیتے ہو۔ اگر شاہ شجاع درمیان میں نہ ہوتے تو تم دیکھ لیتے کہ کیا ہوتا ہے۔ شاہ شجاع رح نے ایک کتاب لکھی ہے جو خواجہ یحییٰ معاذ رازی رح کی اس کتاب کے جواب میں ہے جس میں انہوں نے

غنی کو فقیر سے افضل قرار دیا ہے - اپنی کتاب میں شاہ شجاع علیہ رحمۃ نے فقیر کو غنی سے افضل ثابت کیا ہے - آپ کی وفات ۲۷۰ھ میں ہوئی ایک روایت کے مطابق ۲۹۰ھ میں ہوئی - ابو محمد علی ابن معتقد یعنی خلیفہ مکتفی کے عہد میں - رحمۃ اللہ علیہ -

۹

در بیان مجملے از احوال حضرت خواجہ علی دینوری و خواجہ جنید بغدادیؒ وغیرہم

حضرت خواجہ علی دینوریؒ

شمس الفقراء، بدر النقبا، پیر ابدال، پیشوائے رجال، از حق یافتہ، خلعت سرمدی خواجہ علی دینوری قدس سرہٗ نے خرقۂ خلافت حضرت خواجہ ہبیرہ بصریؒ سے حاصل کیا - آپ مجاہدات و ریاضات میں بلند درجہ رکھتے تھے اور مشاہدات و مقامات میں بے نظیر تھے - وقت کے تمام مشائخ آپ کے ظاہری و باطنی کمالات کے قائل تھے بیان حقائق و معارف میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے آپ کی کرامات اور خوارق اس قدر ہیں کہ یہاں گنجائش بیان نہیں ہے - صفائے باطن میں آپ اس قدر کوشاں تھے کہ شروع سے آخر تک کوئی بزرگ اس قدر کوشاں نہ ہوئے ہونگے - سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ساری عمر دن کے وقت آپ نے کچھ نہ کھایا اور نہ آرام سے سوئے - جب آپ پیدا ہوئے رات کو ماں کا دودھ نہ پیا - جب صبح دودھ پی لیتے تو رات تک منہ مبارک میں پھر کچھ نہ لیتے - یعنی ساری عمر روزہ دار رہے - تاکہ حق تعالیٰ کے دیدار سے افطار کریں حق تعالیٰ نے آپ کو دولتِ عرفان ماں کے پیٹ ہی سے عطا فرمائی تھی مَنْ سَعَدَ سَعَدَ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ (جو سعید ہوا وہ اپنی ماں کے پیٹ ہی سے سعید ہوا) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے شاہبازوں کے حق میں فرمایا ہے -

شیخ عطار رح فرماتے ہیں کہ سلطان العارفین خواجہ بایزید رح کی خدمت میں کسی نے عرض کیا مرد کے لیئے اس کوچے میں کیا بہتر ہے فرمایا دولت مادرزاد (یعنی ماں کے پیٹ سے جو دولت ملے) انہوں نے کہا اگر وہ نہ ہو تو - فرمایا دلِ دانا - انہوں نے کہا اگر وہ بھی نہ ہو تو - فرمایا چشم بینا - انہوں نے کہا اگر وہ بھی نہ ہو تو - فرمایا گوشِ شنوا (سننے والا کان) انہوں نے کہا اگر وہ بھی نہ ہو تو - فرمایا تنِ توانا (مضبوط جسم) انہوں نے کہا اگر وہ نہ ہو تو - فرمایا مرگِ مفاجات جانکہ کس است حرفے بس است (دانا کے لیئے اشارا کافی ہے) خواجہ علی دینوری رح شیفتۂ عشق و ذوق سماع تھے - اپنے مشائخ کے عرس خود کرتے تھے اور عرس کے دن سماع سنتے تھے کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ سماع سننا اور وہ بھی عرس کے دن کہاں سے آیا ہے (یعنی کیسے جائز ہے) آپ نے فرمایا ہمارے پیغمبر محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ہمارے تمام مشائخ نے سماع سنا ہے - لیکن عرس کے دن خصوصیت یہ ہے کہ ان کو (یعنی جن کا عرس کیا جاتا ہے) اس روز وصال دوست میسر ہوا ہے - الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب (موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتی ہے) پس میں اپنے پیروں کے وصال کی شادی کے دن سماع سنتا ہوں تاکہ ان کی توجہ سے ہم بھی مقام وصال کو پہنچیں - آپ کا وصال چودہ ماہ محرم کو ہوا - لیکن سن وفات معلوم نہیں ہو سکا - آپ طبقۂ ثانی سے تعلق رکھتے ہیں رحمتہ اللہ علیہ -

حضرت خواجہ جنید بغدادی رح

شیخ علی الاطلاق، قطب عالم بہ استحقاق، سبق بردہ بر استاذی سید الطائفہ خواجہ جنید بغدادی قدس سرہٗ طبقۂ ثانی سے تعلق رکھتے ہیں آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے آپ کے لقب قواریری، زجاج اور خراز ہیں صاحب نفحات الانس

فرماتے ہیں کہ قواری اس لیئے کہتے ہیں کہ آپ کے والد آبگینہ فروخت کرتے تھے۔ اور خراز اس لیئے کہتے ہیں کہ خرازی کا کام کرتے تھے۔ خرز ایک بحری جانور کی پشم (اون) کو کہتے ہیں۔ آپ کا جدی وطن نہاوند ہے لیکن آپ بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت حاصل کی۔ آپ ابواثر کے مذہب پر تھے جو امام شافعی کے شاگرد تھے ایک روایت کے مطابق آپ خواجہ سفیان ثوری رح کے مذہب پر تھے۔ آپ خواجہ سری سقطی رح کے مرید اور بھانجے تھے۔ خواجہ حارث محاسبی رح اور خواجہ محمد قصاب رح کی بھی آپ نے صحبت پائی تھی۔ اور ان کے شاگرد بھی تھے۔ آپ طائفہ صوفیا کے امام ہیں اور اکثر صوفیاء کرام آپ سے نسبت رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ شیخ الشیوخ اور امام ائمہ ہیں (یعنی پیروں کے پیر اماموں کے امام) آپ علوم وفنون، معاملات وریاضات، کلمات لطیف اور ارشادات عالی میں تمام پر سبقت لے گئے ہیں۔ اول سے آخر تک آپ ہر دل عزیز اور مقبول خلائق تھے۔ اور تمام مشائخ آپ کی امامت پر متفق تھے۔ آپ طریقت میں مجتہد تھے۔ اور اکثر مشائخ آپ کے مذہب پر تھے۔ آپ کو طاؤس العلماء (علماء کا مور) اور سلطان المحققین کہتے ہیں۔ زہد وعشق میں آپ بے نظیر تھے۔

صاحب کشف المحجوب نے صوفیا کے دس مذاہب میں سے ایک کا آپ کو امام قرار دیا ہے۔ آپ کا طریق صحو (مقام ہوشیاری) پر مبنی ہے۔ لیکن طیفوریہ کا مسلک سکر ہے جس کا مفصل ذکر خواجہ بایزید بسطامی رح کے حالات میں کیا جا چکا ہے۔ تمام مذاہب میں سے آپ کا مذہب زیادہ مشہور و معروف ہے اور اکثر مشائخ جنیدی مذہب پر ہیں۔ حقائق ومعارف اور ارشادات میں آپ کی کئی تصانیف ہیں۔ سب سے پہلے بزرگ جنہوں نے علم ارشادات شائع کیا آپ تھے۔ اور آپ ہی نے ادب اور تصوف کو یکجا کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ التصوف کلھم ادب (تصوف سب ادب ہے) ایک دن خلیفہ وقت نے خواجہ محمد رویم رح سے کہا کہ عجب بے ادب ہو۔ آپ نے جواب دیا

کہ میں کیسے بے ادب ہو سکتا ہوں - جبکہ میں نے نصف یوم خواجہ جنیدؒ کی صحبت میں بسر کیا ہے - یعنی جو شخص نصف یوم ان کی صحبت میں بیٹھتا ہے وہ بے ادب نہیں ہو سکتا - ان کمالات کے باوجود حاسدوں نے آپ کے خلاف کفر اور زندقہ (بے دینی) کی گواہی دی - شیخ فرید عطارؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن خواجہ سری سقطیؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ کسی مرید کا درجہ پیر کے درجے سے بلند ہو سکتا ہے - فرمایا - دلیل ظاہر ہے کہ جنید کا درجہ میرے درجے سے بلند ہے - خواجہ جنیدؒ مجسم درد اور شوق تھے - آپ سات سال کی عمر میں خواجہ سری سقطیؒ کے ساتھ مکہ معظمہ گئے - اس وقت محرم الحرام (بیت اللہ) میں چار سو بزرگ جمع تھے - شکر کے متعلق بات ہو رہی تھی - اس گفتگو میں خواجہ جنیدؒ غالب آگئے - اور سب نے آفریں کہا - اس کے بعد آپ بغداد آئے اور وہاں آبگینہ فروشی اختیار کی - ہر روز دکان میں جا کر پردہ لٹکا دیتے اور چار سو رکعت نماز ادا کرتے - کچھ عرصہ کے بعد دکان چھوڑ کر اپنے گھر میں مقیم ہو گئے - اور خواجہ سری سقطیؒ کے دروازہ پر بیٹھ کر اپنے دل کی پاسبانی کرتے رہے - آپ چالیس سال تک خلوت گزیں رہے تیس سال تک آپ نے عشاء کے وضو کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی - چالیس سال کے بعد آپ کو معلوم ہو گیا کہ مقصود کو پہنچ گیا ہوں - ہاتف نے آواز دی کہ اے جنید تم گناہگار ہو گئے - ہم تمہیں تمہارا زنار (کفر کا دھاگہ جو گلے میں ڈالا جاتا ہے) دیکھاتے ہیں - آپ حیران ہوئے کہ میں نے کیا گناہ کیا ہے - آواز آئی کہ تو "ہستی" ہوتے ہوئے گناہ معلوم کرنا چاہتا ہے - یعنی اب تک تو نے اپنی ہستی چھوڑ کر "نیستی" اختیار نہیں کی - (اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہو سکتا ہے) پس آپ اسی گھر میں بیٹھ گئے - اور ساری رات اللہ اللہ کرتے گزار دی - اس کے بعد آپ سے کشف و [illegible] ظاہر ہونے لگے - جس سے آپ کی شہرت ہو گئی حاسدوں نے خلیفۂ وقت کے پاس جا کر شکایت کی کہ لوگ ان کی باتوں سے گمراہ ہو رہے ہیں خلیفہ نے کہا ہم ثبوت کے بغیر کوئی حکم نہیں دے سکتے - پس خلیفہ نے اپنی ایک لونڈی کو

جسے اس نے تین ہزار دینار میں خریدا تھا۔ اور حسن و جمال میں بے نظیر تھی زیورات اور بیش قیمت پارچات میں ملبوس کرکے خواجہ جنیدؒ کے پاس بھیجی تاکہ انہیں اپنے ساتھ مبتلا کرے۔ لونڈی نے آپ کی خدمت میں جاکر یہ ظاہر کیا کہ میرے پاس بے شمار مال و دولت ہے اور میرا دل دنیا سے سرد ہو گیا ہے۔ آپ کے ساتھ رہنے اور عبادت کرنے کے سوا میرا دل کسی اور جگہ نہیں لگتا۔ خواجہ جنیدؒ نے لونڈی کی طرف دیکھ کر ایک آہِ سرد نکالی تو اسی وقت گر کر مر گئی۔ ایک خادم نے جو اس کے ساتھ آئی تھی واپس جاکر خلیفہ کو سارا ماجرا سنایا۔ خلیفہ شرمسار ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی کا خواستگار ہوا اس کے بعد آپ کی بے حد شہرت ہو گئی جس کسی نے آپ کو آزمایا کئی ہزار گنا زیادہ پایا۔ آپ کے کمالات و کرامات دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ تصوف نہ قیل و قال سے حاصل کیا ہے نہ جنگ اور میدانِ کارزار میں حاصل کیا ہے بلکہ فاقوں اور تنِ عریانی سے حاصل کیا ہے۔ یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ یہ راہ وہ شخص اختیار کرے جو اللہ کی کتاب دائیں ہاتھ میں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بائیں ہاتھ میں لے کر دو چراغوں کی روشنی میں چلے تاکہ گمراہ نہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ وصول الی اللہ اور مجاہدات کی تکالیف برداشت کرنے میں ہمارے امام حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ باوجودیکہ آپؓ اولیا کے سپہ سالار تھے۔ آپ نے زہد و تقویٰ میں وہ مقام حاصل کیا کہ دوسرے لوگ اس کے وصول سے عاجز آگئے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے تمام کمالات حاصل کرکے ان مقامات عالیہ کی خبر دی کہ جن کے سننے کی کوئی شخص طاقت نہیں رکھتا۔ آپ ایسے آقا تھے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو علم و حکمت تفویض کیا تھا۔ اگر علیؓ یہ ایک کلمہ نہ فرماتے تو اصحابِ طریقت کیا کرتے۔

اللہ تعالیٰ کیسے ہیں حضرت علیؓ کا بیان

وہ یہ کلمہ ہے حضرت علیؓ سے کسی نے سوال کہ حق تعالیٰ کو آپ نے کس چیز سے پہچانا۔

آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنا شناسا بنایا کیونکہ وہ خداوند ہے کہ جس کی نہ کوئی مثل ہے نہ مثال نہ وہ کسی صورت سے پہچانا جا سکتا ہے نہ کسی خلق سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ وہ بُعد کے باوجود قریب اور قرب کے باوجود بعید ہے۔ وہ سب چیزوں کے اوپر ہے اور کسی چیز کو اس کے نیچے نہیں کیا جا سکتا وہ نہ کسی چیز کی طرح ہے نہ کسی چیز سے ہے نہ کسی چیز کے ساتھ قائم ہے وہ اس سے پاک ہے کہ ایسا ہے یا ایسا نہیں۔ اور کوئی چیز اس کا غیر نہیں خواجہ جنیدؒ اپنے تمام کمالات کے باوجود فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس کلام کی شرح کرے اُسے ملحد قرار دیا جائے فہم من فہم (سمجھا جو سمجھا) خواجہ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ دس سال تک میں نے بیٹھ کر دل کی پاسبانی کی مزید دس سال تک میرے دل نے میری پاسبانی کی اب بیس سال ہوئے ہیں کہ نہ مجھے دل کی خبر ہے نہ میرے دل کو میری خبر ہے نیز فرمایا کہ تیس سال ہوئے ہیں کہ خدا تعالیٰ جنید کی زبان سے جنید کے ساتھ بات کرتا ہے اور جنید درمیان میں نہیں ہے اور نہ خلق کو اس بات کی خبر ہے فرماتے ہیں کہ اگر کل اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے دیکھ تو نہ دیکھوں گا اور کہوں گا کہ میری آنکھیں غیر کی دوستی میں بیگانہ تھیں۔ اور غیرت مجھے آپ کے دیدار سے باز رکھتی ہے۔ کیونکہ دنیا میں میں آنکھ کے توسط کے بغیر دیکھتا تھا (یعنی آنکھ سے دیکھنا بھی بواسطہ غیر دیکھنا ہے اس لیئے باعث غیرت ہے) ایک دفعہ خواجہ شبلیؒ آپ کے سامنے بیٹھے تھے انہوں نے کہا لاحول ولاقوۃ الّا باللہ خواجہ جنیدؒ نے فرمایا یہ تنگ دل لوگوں کی سی بات ہے۔ قضا سے راضی رہنا چاہیے۔ نقل ہے کہ ایک رات آپ ایک مرید کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک کتا بھونکا فرمایا لبیک لبیک (حاضر۔ حاضر) مرید نے کہا یا خواجہ یہ کیا حال ہے فرمایا میں نے کتے کے حملہ کرنے کی طاقت قہر الٰہی سے دیکھی اور اس کی آواز قدرتِ حق تعالیٰ سے سنی اور کتے کو درمیان میں نہ دیکھا

اس لیے لبیک جواب دیا۔ نقل ہے کہ جب آپ توحید پر گفتگو فرماتے تو ہر بار نئے الفاظ استعمال کرتے تاکہ غیر لوگ نہ سمجھ سکیں۔ ایک دن خواجہ شبلی رح نے آپ کی مجلس میں کہا "اللہ" آپ نے فرمایا اگر خدا غیب ہے تو غیب کا ذکر غیبت ہے اور غیبت حرام ہے اگر حاضر ہے تو مشاہدہ کی حالت میں اسکا نام لینا ترکِ حرمت ہے۔ نیز فرمایا کہ یہ قوم (طائفہ صوفیاء) خدا تعالیٰ پر ناز کرتی ہے اور اس سے محبت کرتی ہے ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حشمت اٹھ جاتی ہے۔ یہ لوگ (صوفیاء) ایسی باتیں کرتے ہیں جو عام لوگوں کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتی ہیں۔ آپ نے فرمایا ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا بات کیونکر کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ جو کچھ کہتا ہوں حق کہتا ہوں۔ فرمایا سچ کہتے ہو۔ نقل ہے کہ ایک چور کو حکومت نے دار پر لٹکا یا ہوا تھا آپ نے اس کے پاؤں پر بوسہ دیا۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس پر ہزار رحمت ہو کہ اپنے کام میں جواں مرد تھا اور اس نے اپنے کام میں سر دے دیا۔ نقل ہے کہ جب آپ کمال پر پہنچے تو خواجہ سری سقطیؒ آپ کے پاس آئے اور فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ حیاتِ ظاہری میں نہیں ہیں تم منبر پر بیٹھ کر وعظ کرو۔ لیکن خواجہ جنیدؒ راضی نہ ہوئے۔ رات کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب وعظ کرو کیونکہ خلقت کی نجات تمہارے وعظ میں ہے صبح کے وقت جب بیدار ہوئے تو خواجہ سری سقطیؒ تشریف لے آئے اور فرمایا کہ جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع بنا کر تمہارے پاس نہ لایا تم راضی نہ ہوئے۔ خواجہ جنیدؒ نے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا (کہ مجھے خواب میں رسول اللہؐ نے وعظ کا حکم دیا ہے) خواجہ سری سقطیؒ نے فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنیدؒ کے پاس بھیجا ہے تاکہ ان کو حکم دیں کہ منبر پر وعظ کریں۔ پس آپ لاچار منبر پر آئے اور وعظ شروع کیا۔

اس وقت چالیس آدمی حاضر تھے - دس آدمی وعظ سن کر جاں بحق ہو گئے - اور بائیس بے ہوش ہو گئے - حق تعالیٰ نے آپ کو اس قدر بلند مقام عطا فرمایا تھا کہ قیاس سے باہر ہے - یہ بھی آپ کا قول ہے کہ حق تعالیٰ بندوں سے دو علم چاہتے ہیں - ایک علم عبودیت دوسرے علم ربوبیت جو کچھ اس کے سوا ہے حظِ نفس کے سوا کچھ نہیں - آپ فرماتے ہیں کہ اعلیٰ ترین اور ارفع ترین نسبت توحید میں مراقبہ ہے (یعنی مراقبہ ذات) نیز فرمایا کہ حق تعالیٰ صاحبِ ہمت کو ہرگز عقوبت نہیں کرتے خواہ وہ معصیت میں کیوں نہ ہو - فرمایا عارف و معروف خود وہی ہے - نیز فرمایا علم محیط ہے اور معرفت بھی محیط ہے - پس خدا کہاں اور بندہ کہاں - چنانچہ بزرگوں نے کہا ہے کہ در حقیقت وہی ہے اس مقام پر خدا کجا اور بندہ کجا - آپ فرماتے ہیں کہ اہل انس خلوت میں ایسے مناجات کرتے ہیں جو عوام کے نزدیک کفر معلوم ہوتے ہیں - اور لوگ جس قدر ان حضرات کی تکفیر کرتے ہیں ان کے مراتب بلند ہوتے ہیں - نیز فرمایا کہ خوش خلق فاسقوں کو میں بد خلق اقربا سے زیادہ پسند کرتا ہوں - کسی نے آپ سے توحید کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا یقینی ہے پوچھا کس طرح فرمایا جب تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ خلق کے افعال اللہ تعالیٰ کا فعل ہے کیونکہ اس کا کوئی شریک کار نہیں پس تو توحید کی شرط بجا لایا - لوگوں نے پوچھا کہ محبت کس کے ساتھ بہتر ہے فرمایا اس شخص کے ساتھ کہ جس نے تیرے ساتھ جس قدر نیکی کی ہو اور بھول چکا ہو - ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ یارب کل قیامت کے دن جنید کو نابینا اٹھائیو لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا دعا ہے فرمایا اس وجہ سے کہ جو کوئی تجھے دیکھے میں اسے نہ دیکھوں - یہ دعا غیرت عشق کے کمال کی وجہ سے ہے - جب آپ کی وفات قریب ہوئی تو فرمایا دستر خوان بچھاؤ اور کھانا لگاؤ تاکہ میں اپنے دوستوں کے کھانا کھانے کے مجمع میں جان دوں پس جب وقت نازک ہوا فرمایا مجھے وضو کراؤ - وضو کر کے آپ سجدے

میں گئے اور رونے لگے۔ لوگوں نے کہا اے آقا۔ ان عبادات کے باوجود جو آپ نے آگے بھیجی ہیں اس وقت سجدے کی کیا ضرورت ہے فرمایا جنید اس وقت سے کبھی زیادہ محتاج نہیں۔ لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔ فرمایا میں نہیں بھولا پس بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑا۔ اور مشاہدہ حق میں جان تسلیم کردی۔ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ایک سفید کبوتر آکر جنازہ کے ایک کونے پر بیٹھ گیا۔ لوگوں نے جس قدر ہٹایا نہ ہٹا حتیٰ کہ اس نے آواز دی کہ عشق کی واردات جنازہ کے ہر گوشہ پر آویختہ ہے میں اس لیئے بیٹھا ہوں اگر تم لوگ شوروغل بپا نہ کرتے تو آپ کا جسم باز کی طرح ہمارے ساتھ ہوا میں اڑتا۔ حالانکہ تمہارا خیال ہے کہ آپ کے جسم کو فرشتے لے جائینگے۔ آپ کے ہر قسم کے کلمات بے شمار ہیں آپ کی وفات ۲۹۷ھ میں خلیفہ مقتدر کے عہد میں ہوئی۔ اور بغداد میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ممشاد دینوری رح

مقتدائے طریقت، عارف حقیقت محقق بے رہبری، شیخ وقت خواجہ ممشاد دینوری قدس سرہٗ طبقہ ثانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا وطن دینور ہے دینور ایک شہر ہے جو کرمانشاہ کے مغربی کوہستان میں واقع ہے آپ کی تربیت بغداد میں ہوئی۔ آپ مشائخ عراق میں سے تھے۔ آپ جوانمردی میں یگانہ روزگار تھے۔ علم و عمل اور کرامات اور ظاہر و باطن میں آپ صاحب کمال تھے۔ آپ نے اکثر مشائخ کی صحبت پائی ہے۔ آپ خواجہ جنید بغدادیؒ کے اصحاب میں سے تھے آپ محمد رویم رح اور خواجہ ابوالحسن نوری رح وغیرہم کے ہمعصر تھے۔

دل آئینہ حق نما ہے

آپ فرماتے ہیں کہ باطن میں حق تعالیٰ نے عارف کو ایک آئینہ دیا ہے۔ کہ جب اس

میں نگاہ ڈالتا ہے اللہ کو دیکھتا ہے۔
(شیخ الاسلام فرماتے۔کہ حق تعالیٰ کی مومن کے دل میں جگہ ہے کہ صوفیا کے نزدیک اسے سِرّ (لطیفہ سِرّ جو لطیفۂ قلب و لطیفۂ روح کے درمیان وسطِ سینہ میں ہے) کہتے ہیں وہاں حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی جب تک آدمی تفرقہ میں رہتا ہے یعنی دوئی کے مقام پر ہوتا ہے پریشان رہتا ہے جب اس سے نکل جاتا ہے آرام پاتا ہے۔ خواجہ ممشاد رح فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے مجھے بہشت بازر جو کچھ اس میں ہے دکھاتے ہیں لیکن میں گوشۂ چشم سے بھی اس کی طرف نگاہ نہیں کرتا۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ مقامِ حضوری کے بعد حق تعالیٰ کے غیر کو دیکھنا حق تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرماتے ہیں۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (آپ کی نظر نے نہ دوسری طرف دیکھا نہ حد سے تجاوز کیا) یعنی انکی قوت مدرکہ نے دوسری طرف رجوع نہ کیا اور حد سے نہ گزری یعنی غیر کی طرف نگاہ نہ کی۔ یہ بھی آپ کا مقولہ ہے کہ معرفت حق تعالیٰ کے ساتھ محقق ہونا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی بزرگ کی خدمت میں کوئی سوال نہیں کیا بلکہ صاف دل ہو کر ان کی خدمت میں بیٹھتا ہوں۔ اور جو کچھ وہ فرماتے ہیں اسی کو کافی سمجھتا ہوں۔ نیز فرمایا (طَرِیْقُ الْحَقِّ بَعِیْدٌ وَالسِّرُّ مَعَ الْحَقِّ شَدِیْدٌ (حق تعالیٰ کا راستہ دور ہے لیکن اس کا راز سخت ہے۔) شیخ الاسلام فرماتے ہیں اگرچہ طریق حق دور ہے لیکن وہ خود دستگیری فرماتے ہیں۔ اسی طرح اگرچہ وصول الی اللہ یعنی حق تعالیٰ کے قرب میں رہنا شدید ہے لیکن حق تعالیٰ خود مونس و مددگار ہوتے ہیں اور کام آسان ہو جاتا ہے) نیز آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص حق تعالیٰ کے کسی دوست کی دوستی کا انکار کرے کمینہ ہے اس کی سزا یہ ہے کہ جو کچھ اسے ملا ہے (یعنی جو دولت ایمان اسے حاصل ہے) اس سے چھین لینی چاہیے یا پھر توبہ کرلے۔ نیز فرمایا کہ مرید وہ ہے جو مشائخ اور برادرانِ طریقت کی عزت کرے اسباب

ترک کرکے توکل اور تجرّد اختیار کرے اور آداب شریعت بجالائے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ ابوعبداللہ طاقی رح نے فرمایا ہے کہ میں نے خواجہ محمد خفیف رح سے سنا ہے کہ خواجہ ممشاد دینوری رح کو میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا آپ کھڑے ہیں اور ہاتھ آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور یہ مناجات کر رہے ہیں۔ کہ اے پروردگارِ قلوبی (یعنی اے میرے دل کے پروردگار) اور پروردگارِ قلوب۔ جب آپ یہ کہہ رہے تھے تو آسمان آپ کے سر کے نزدیک ہو رہا تھا حتیٰ کہ آسمان آپ کے سر پر گر پڑا اور پھٹ گیا اور خواجہ ممشادؒ کو اٹھالیا۔ آپ کے کمالات اس قدر ہیں کہ دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کی وفات سنہ ۲۹۹ھ میں ہوئی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابوسعید خرّاز رح

قدوۂ لمیارِ طریقت، غریقِ بحرِ حقیقت، موحدِ با اعزاز، قطبِ وقت خواجہ ابوسعید خرّاز قدس سرہٗ طبقہ ثانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اسمِ گرامی احمد بن عیسیٰ ہے لقب خرّاز تھا۔ آپ ماہتابِ صوفیا تھے۔ نفحات میں لکھا ہے کہ آپ موزہ سی کر پھرا دیا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا یہ کیا ہے فرمایا اپنے نفس کو مشغول کر رہا ہوں قبل اس سے کہ وہ مجھے مشغول کرے خواجہ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے سالہا موزے سینے کا کام کیا لیکن ایک لمحہ کے لئے حق تعالیٰ سے غافل نہ ہوئے۔ آپ کا اصلی وطن بغداد ہے۔ لیکن صوفیا کرام کی محبت میں آپ مصر چلے گئے اور وہاں سے مکہ پہنچ کر مجاور بنے رہے۔ آپ امام صوفیا مقبولِ مشائخ اور یگانہ روزگار تھے آپ خواجہ محمد بن منصور طوسی رح کے مرید تھے۔ آپ نے ذوالنون مصریؒ ابوعبداللہ تستریؒ، سری سقطیؒ، بشر حافی رح وغیرھم کی بھی صحبت پائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے خواجہ جنید رح کی شاگردی میں اپنے آپ کو ڈال دیا خواجہ جنیدؒ

خدا کے دوست تھے۔ اور ہم ان کے دوستوں اور ہمعصروں میں سے تھے لیکن وہ ہم سے بہتر ہیں۔ آپ نے خواجہ جنیدؒ سے پہلے وفات پائی۔ شیخ فریدعطارؒ فرماتے ہیں کہ آپ مخصوص بکرامت تھے۔ اور مریدین کی تربیت میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ طریقت میں آپ مجتہد تھے۔ حقائق میں آپ کو وہ کمال حاصل تھا کہ مشائخ آپ کو لسانِ تصوّف (تصوف کی زبان) کہتے ہیں۔ آپ نے علم تصوّف میں چارسو کتابیں لکھی ہیں۔ ایک کتاب پر جس کا نام کتاب السِرّ (راز کی کتاب) ہے بعض علماء نے اختلاف کیا اور کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ یعنی افسوس ہے کہ وہ آپ کا کلام سمجھ نہیں سکے آپ کے الفاظ جن کا شیخ فریدعطارؒ نے نقل فارسی ترجمہ کیا ہے یہ ہیں۔

"چوں بندہ بخدائے رجوع کند وتعلق بخدائے بگیرد و در قرب خدا ساکن شود ہم نفس خویش را و ہم ماسوی اللہ را فراموش کند۔ اگر اورا گویند تو از کجائی و چہ خواہی از وہیچ جواب خوب ترا زاں نیست و نباشد کہ گوید اللہ۔"

(جب بندہ حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اس سے تعلق مضبوط کر لیتا ہے، اور اس کے قرب میں ساکن ہو جاتا ہے۔ اور جب اپنے نفس کو اور ماسوای اللہ کو بھول جاتا ہے تو اگر اسے (بندہ کو) کہا جائے کہ تو کہاں سے ہے اور کیا چاہتا ہے وہ جواب دیتا ہے۔ اللہ) ۔ اور اس طائفہ (صوفیا) کی صفت میں فرماتے ہیں کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم کیا چاہتے ہو کہتے ہیں اللہ۔ اگر ان کا پورا جسم زبان بن جائے تو بھی جسم سے لفظ اللہ نکلے گا۔ نیز اس کے اعضاء جوارح سے اللہ کا نور ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس کا سارا جسم نوراللہ میں جذب ہو جاتا ہے۔ اور قرب میں اس قدر ترقی کرتا ہے کہ اس کے سامنے کوئی شخص اللہ نہیں کہہ سکتا وجہ یہ ہے کہ اس مقام پر اس کا جو کچھ ہے حقیقت سے حقیقت میں اور اللہ سے اللہ میں گم ہو جاتا ہے پس اللہ کا نام کس طرح لے

سکتا ہے۔ یہاں عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور حیرت طاری ہو جاتی ہے۔

قرب پر بُعد کو ترجیح دی

آپ فرماتے ہیں کہ میں سالہا صوفیا کی صحبت میں رہا اور میرے اور ان کے درمیان کبھی اختلاف رونما نہ ہوا۔ اس وجہ سے کہ میں ان کے ساتھ بھی تھا اور اپنے ساتھ بھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے اختیار دے دیا گیا کہ خواہ قرب پسند کرو خواہ بُعد (دوری) اور میں نے بُعد اختیار کیا کیونکہ قرب کی طاقت نہ تھی۔ اسی طرح لقمان کہتے ہیں کہ مجھے حکمت اور نبوت کے درمیان اختیار دے دیا گیا تو میں نے حکمت پسند کی کیونکہ میرے اندر نبوت کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہ تھی۔ نیز فرمایا کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتوں نے آسمان سے اتر کر پوچھا کہ صدق کیا ہے۔ میں نے کہا الوفاءُ بالعھود (یعنی عہد پورا کرنا) انہوں نے کہا سچ ہے۔ اور آسمان پر چلے گئے۔ ایک رات میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم مجھے دوست رکھتے ہو میں نے جواب دیا کہ مجھے معاف رکھیئے کیونکہ میں خدا کی دوستی میں اس قدر مشغول ہوں کہ آپ کی دوستی کی خبر نہیں یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خدا کو دوست رکھتا ہے مجھے دوست رکھتا ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ مشائخ میں سے آپ سے بہتر ہم نے علم توحید میں کسی کو نہ پایا۔ خواجہ واسطی رحؒ اور فارس عیسیٰ بغدادی رحؒ اور دیگر مشائخ کہتے ہیں کہ دنیا ابو سعید خرازؒ سے پر تھی اور قائم ہے۔ اور نزدیک تھا کہ خرازؒ پیغمبر ہوتے بوجہ اپنی بزرگی کے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ صاحب کشف المحجوبؒ نے صوفیا کے دس مذاہب کے اماموں میں ایک کا امام خواجہ ابو سعید خرازؒ کو قرار دیا ہے۔ تجرید اور انقطاع

(ترکِ دنیا) میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ فنا و بقا کا ذکر سب سے پہلے آپ نے کیا ہے۔ آپ نے اپنے طریق کو ان دو الفاظ میں (فنا و بقا میں) مضمر کر دیا ہے مشائخ علیہم رحمۃ نے ان دونوں مقامات سے عجیب و غریب معانی نکالے ہیں جنکا کشف المحجوب میں مفصل ذکر ہے

خراز کا تصور فنا و بقا

اور شیخ ابو سعید خرازؒ جو اس مذہب کے امام ہیں یوں فرماتے ہیں فنا سے مراد بندہ کی فنا ہے رویتِ بندگی سے۔ اور بقا سے مراد بندہ کی بقا ہے مشاہدہ حق میں اس کا مطلب یہ ہے کہ بندگی کے فعل میں آفت ہے۔ اور بندہ حقیقتِ بندگی کو اس وقت پہنچتا ہے جب اپنے فعل بندگی کو نہیں دیکھتا اور اپنے فعل کے دیکھنے سے فانی ہوتا ہے اور فضل حق کی دید سے باقی ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کے تمام معاملات کی نسبت حق تعالیٰ سے ہو جائے نہ کہ خود اپنے ساتھ۔ پس جب بندہ اپنے متعلقات سے فانی ہوتا ہے جمال الٰہیتِ حق سے باقی ہو جاتا ہے۔ یہ بھی خواجہ ابو سعید خرازؒ نے فرمایا ہے کہ ایک وقت میں اسے ڈھونڈتا تھا خود کو پاتا تھا اب خود کو ڈھونڈتا ہوں اُسے پاتا ہوں۔ جب تو اسے پالیتا ہے آزاد ہو جاتا ہے اور جب آزاد ہو جاتا ہے پالیتا ہے۔ ان میں سے کونسی چیز پہلے ہوتی ہے (پانا یا آزاد ہونا) خدا جانتا ہے جب وہ ظاہر ہوتا ہے تو نہیں ہوتا۔ جب تو نہیں ہوتا وہ ظاہر ہوتا ہے۔ ان میں کیا پہلے ہوتا ہے خدا جانتا ہے۔ خواجہ بایزیدؒ فرماتے ہیں میں جب حق سے پیوستہ ہوا خود سے آزاد ہوا اور خود سے آزاد ہو کر حق سے پیوستہ ہوا۔ ان میں سے کیا پہلے ہوتا ہے خدا جانتا ہے شیخ ابو علی سیاحؒ فرماتے ہیں ماوراء النہر کے بزرگ کہتے ہیں کہ جب تک اپنے آپ سے آزاد نہ ہوا اسے نہیں پایا۔ اور اہل عراق کہتے ہیں کہ جب تک تو اسے نہیں پاتا رہائی حاصل نہیں کرتا۔ لیکن دونوں دراصل

میں خواہ پتھر برتن پر مارا جائے یا برتن پتھر پر مارا جائے (اصل الفاظ یہ ہیں خواہ سبوئے بر سنگ خواہ سنگ بر سبوئے) لیکن میں (ابو علی سیاح) عراقیوں سے متفق ہوں۔ کیونکہ سبقت اسی کی طرف سے بہتر ہے (یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے) ایک دفعہ خواجہ ابو سعیدؒ عرفات میں تھے حاجی لوگ دعا اور عاجزی کر رہے تھے یہ دیکھ کر فرمایا کہ میری بھی خواہش ہے کہ دعا مانگوں۔ ہاتف نے آواز دی پھر میں نے کہا کیا دعا کروں۔ یعنی کوئی چیز باقی نہیں کہ مجھے نذر دی ہو۔ میں نے پھر قصد کیا کہ دعا کروں ہاتف نے آواز دی کہ حق کے پالینے کے بعد بھی دعا کرتا ہے۔ یعنی ہمیں پالینے کے بعد ہم سے کیا طلب کرتا ہے۔ نیز فرمایا کہ جس کسی کو یہ گمان ہو کہ اپنی جدوجہد سے خدا رسیدہ ہوتا ہے اپنے آپ کو بے حد تکلیف میں ڈالتا ہے اور کوئی یہ گمان کرے کہ بغیر اپنے آپ کو حد سے زیادہ خوش فہمی میں مبتلا کرتا ہے۔ فرمایا خلق خدا کے قبضے میں ہے اور جب اس کے ملک میں مشاہدہ حاصل ہوتا ہے تو بندہ اور خدا کے درمیان سوائے خدا کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ فرمایا کہ بندہ کے لیئے عزیز ترین چیز ماضی اور مستقبل کے درمیان شغل ہے یعنی وقت کی قدر کرنی چاہیے۔ نیز فرمایا کہ جو اپنی فراست (یعنی کشف) کے نور سے دیکھتا ہے خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس کا علم حق کی طرف سے ہوتا ہے جو سہو یا غلطی نہیں کرتا بلکہ حکم حق ہوتا ہے جو بندہ کی زبان سے کہلایا جاتا ہے آپ کے کلمات بے شمار ہیں۔ آپ کی وفات ۲۸۷ھ میں ہوئی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابو عثمان حیریؒ

مخلص صادق، مریض حاذق، سزاوار بہ پیری امام قوم خواجہ ابو عثمان حیری قدس سرہٗ طبقہ ثانی سے تھے۔ اسم گرامی سعید بن اسماعیل الحیری نیشا پوری تھا۔ آپ کا اصل وطن رے (Ray) تھا۔ آپ شاہ شجاع کرمانیؒ کے مرید تھے۔ ابو حفص حداد اور یحیٰ معاذ رازیؒ کی صحبت بھی آپ کو ملی ہے

آپ امامِ وقت و یگانہ روزگار تھے۔ ریاضات، کرامات اور فتوت میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ آپ مقبول مشائخ اور اہلِ نیشاپور کے استاد تھے۔ ایک دفعہ آپ نے شاہ شجاع کرمانیؒ کی خدمت میں مرو سے نیشاپور کا سفر کیا ابو حفصؒ نے آپ سے کہا کہ شاہ شجاعؒ اہل و عیال اور کاروبار رکھتے ہیں۔ آپ کچھ نہیں رکھتے شاہ شجاعؒ واپس آگئے لیکن آپ وہاں رہے اور خواجہ ابو حفصؒ نے آپ کے لیئے مجلس وعظ کا انتظام کیا۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ مردان کون ہیں فرمایا وہ جو اپنے آپ کو نہیں دیکھتے۔ نیز فرمایا۔ الشوق من شواھدِ المحبۃ (شوقِ محبت کے گواہوں میں سے ہے یعنی محبت کی علامت غلبہ شوق ہے) نفحات الانس کے مصنف (مولانا جامی) آپ کو امام اور مقتدائے ربانی قرار دیتے ہیں کیونکہ ربانی سے مراد ہے کہ شاگردوں کی غذائے علم سے پرورش کرتے ہیں تاکہ ان کا علم مبین قوی ہو اور دقائق کے سمجھنے کی قوت پیدا ہو۔ پس حسنِ ترتیب اور اسم رب مظہریت کی وجہ سے آپ کو مقتدائے ربانی کہا گیا ہے تذکرۃ الاولیا میں آپ کے کمالات مفصل بیان کیے گئے ہیں آپ کی وفات ۲۹۸ھ میں ہوئی اور مدفن آپ کا نیشاپور ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

خواجہ ابوالعباس احمد بن مسروقؒ

رکنِ روزگار، قطبِ ابرار، عاشقِ معشوق، خواجہ ابوالعباس احمد بن مسروق قدس سرہٗ طبقہ ثانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اصلی وطن طوس ہے اور بغداد میں اقامت پذیر ہوئے۔ آپ خواجہ حارث محاسبیؒ خواجہ سری سقطیؒ محمد بن منصورؒ اور محمد بن حسینؒ کے شاگرد تھے۔ اور خواجہ ابو علی رودباریؒ کے استاد تھے۔ شیخ فرید عطار فرماتے ہیں کہ آپ بالاتفاق ولی اللہ تھے اور قطب مدار علیہ رحمہ سے محبت رکھتے تھے۔ آپ خود بھی قطب وقت تھے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ قطب المدار کون ہے۔ آپ نے خواجہ جنیدؒ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ان کے وقت

میں اور کون قطب مدار ہو سکتا ہے۔ آپ نے چالیس اولیا کرام باتمکین کی خدمت
اور ان سے فیضیاب ہوئے۔ علوم ظاہری و باطنی اور مجاہدہ اور فتوت میں آپ
شان رفیع رکھتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص حق تعالیٰ کے بغیر خوش
ہوتا ہے۔ اس کی خوشی سبب غم ہے۔ اور جس شخص کو حق تعالیٰ کے ساتھ انس
نہیں وحشت ہے نیز فرمایا کہ جو شخص دل میں حق تعالیٰ کے احکام کی تعظیم کرتا ہے
حق تعالیٰ اس کے اعضا سے گناہ سرزد نہیں ہونے دیتے نیز فرمایا کہ باطن کی طرف
دیکھنے سے معرفت دل سے نکل جاتی ہے (یعنی اپنے باطنی کمالات پر نگاہ رکھنے
سے معرفت نکل جاتی ہے) آپ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حق تعالیٰ سے محبت
ہوتی ہے اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ نیز فرمایا کہ معرفت کے درخت
کو فکر (مراقبہ) کا پانی دیا جاتا ہے غفلت کے درخت کو جہالت کا پانی دیتے
ہیں۔ توبہ کے درخت کو ندامت کا اور محبت کے درخت کو موافقت کا پانی
دیا جاتا ہے فرمایا زاہد وہ ہے کہ جس پر حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز غالب نہ
آسکے۔ آپ کی وفات ۲۹۱ھ اور دوسری روایت کے
مطابق ۲۹۸ھ میں ہوئی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ محمد رویم رح

صوفی بے پردہ شناخت، ہادی مرد نواخت، آفتاب بے غم امام
وقت خواجہ محمد رویم قدس سرہٗ۔ بن احمد بن یزید رویم رح طبقہ ثانی سے تعلق رکھتے
ہیں۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ آپ رویم مہین کے پوتے تھے۔ آپ کا
اصلی وطن بغداد ہے۔ آپ اکابر مشائخ میں سے ہیں اور اپنے وقت کے فقیہہ
تھے۔ آپ خواجہ داؤد اصفہانی رح کے مذہب پر تھے۔ لیکن صاحب کشف المحجوب
کا خیال یہ ہے کہ آپ خواجہ داؤد طائی کے مذہب پر تھے۔ شیخ الاسلام فرماتے
ہیں کہ آپ اپنے آپ کو خواجہ جنید رح کا شاگرد بتاتے تھے اور ان کے دوست

تھے۔ اور میں ان کو خواجہ ردیم کی وجہ سے (یعنی جنید کو) زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ حضرت عبداللہ حفیفؒ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے ہرگز ایسا شخص نہیں دیکھا جو خواجہ ردیم کی طرح توحید بیان کرتا ہو۔ شیخ فریدؒ عطارؒ فرماتے ہیں کہ آپ اکابر مشائخ میں سے تھے۔ اور آپ کی بزرگی کے سب قائل ہیں۔ آپ خواجہ جنیدؒ کے محرم رازوں میں سے ہیں مذہب میں آپ فقیہہ الفقہا اور تفسیر میں استاد تھے۔ آپ صاحب ہمت اور صاحب فراست تھے۔ تجرید میں آپ ثابت قدم اور ریاضت میں مستعد تھے۔ آپ نے کئی سفر محض توکل پر کیئے آپ کی کئی تصانیف ہیں جہاں تک طریقت کا تعلق ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بیس سال ہوئے ہیں کہ میرے دل میں کسی ایسی کھانے کی چیز کا خیال نہ آیا جو بعد میں میرے لیئے حاضر نہ کردی گئی ہو شیخ الاسلام ابوسعید خرازؒ کے بعد خواجہ محمد ردیم کا درجہ بتاتے ہیں اور خواجہ جنیدؒ کے بعد خواجہ ابوالحسن نوری کا خواجہ محمد ردیمؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ تو اپنے فعل کو دیکھنے سے بلند تر ہو جائے یعنی اپنے عمل کو اپنی طرف منسوب نہ کرے اور نہ یہ سمجھے کہ میں خود فاعل ہوں (بلکہ فاعل حقیقی حق تعالیٰ کو سمجھے) نیز فرمایا کہ فتوت یہ ہے کہ اپنے بھائیوں کو ہر خطا میں جو ان سے سرزد ہو معذور سمجھے۔ اور ان سے ایسا معاملہ نہ کرے کہ بعد میں معافی مانگنی پڑے یہ اشارہ مسلکِ صلح کل کی طرف ہے۔ (یعنی اس سے آپ کا مسلک صلح کل ظاہر ہوتا ہے) ایک دفعہ خواجہ عبداللہ خفیفؒ آپ کے پاس گئے جب جانے کے لیئے رخصت طلب کی تو خواجہ محمد ردیمؒ نے آپ کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ کام جان فدا کرنے کا ہے (یعنی وصول الی اللہ کا کام) ہرگز صوفیا کے مشاغل میں قدم نہ رکھنا آخر عمر میں آپ نے اپنے آپ کو دنیا داروں میں پوشیدہ کرلیا تھا۔ یعنی آپ جب خلیفہ معتمد کے ہاں قاضی کے عہدہ پر تعینات ہو گئے تھے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ خواجہ محمد ردیمؒ ایسے بزرگ ہیں جو اپنے آپ کو دنیا داروں میں سے ظاہر کرتے کرتے ہیں۔ آپ

جب خلیفہ کے قاضی تھے تو بہت شان و شوکت سے رہتے تھے۔ ابو عمر زجاجؒ کچھ مدت حضرت خواجہ جنیدؒ کی خدمت کیا کرتے تھے خواجہ جنیدؒ نے ان سے کہا کہ خواجہ ردیمؒ کے پاس ہرگز نہ جانا۔ ایک دن وہ چھپ کر ان کے پاس چلے گئے۔ اور دیکھا کہ بڑی شان و شوکت سے زندگی بسر کر رہے۔ خواجہ ردیمؒ نے ان سے کہا کہ آپ کے دوست کہتے ہیں کہ ردیمؒ کیوں بادشاہ کی ملازمت ترک نہیں کرتا اور ہمارے پاس کیوں نہیں آتا۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ اس لیئے رہتا ہوں کہ ان کو علمِ توحید سکھاؤں۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ جب ابو عمر جنیدؒ کے پاس واپس آئے تو کسی نے ان کو بتا دیا کہ وہ خواجہ محمد ردیمؒ کو مل کر آئے ہیں۔ چنانچہ خواجہ جنیدؒ نے پوچھا محمد ردیمؒ کیسے ہیں۔ انہوں نے کہا بڑے بزرگ ہیں۔ خواجہ جنیدؒ نے فرمایا الحمدللہ میں نے تم کو ان کی صحبت سے اس لیئے منع کیا تھا کہ تم ان کی ظاہری شکل و صورت اور شان و شوکت دیکھ کر ان سے بدظن نہ ہو جاؤ۔ اور اپنا ایمان برباد نہ کر دو۔ الحمدللہ تم نے ان کو صحیح دیکھا ہے وہ بڑے بزرگ ہیں۔

فتوحات مکی میں لکھا ہے کہ خواجہ محمد ردیمؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صوفیا کی خدمت میں بیٹھتا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو ان کے مرافق نہیں بناتا یعنی تعظیم کے وہ مستحق ہیں۔ وہ نہیں کرتا تو حق تعالیٰ کے دل سے نورِ ایمان نکال دیتا ہے اس لیئے بزرگوں نے کہا ہے کہ ہر شخص بزرگوں کی صحبت کے لائق نہیں۔ بیت

مردمے باید کہ باشد شہ شناس
تا شناسد شاہ را در ہر لباس

(آدمی کو چاہیئے کہ بادشاہ کی پہچان رکھے تاکہ بادشاہ کو ہر لباس میں پہچان سکے)

ایک دن کسی نے خواجہ محمد ردیمؒ کے ظاہری شان و شوکت پر اعتراض کیا۔ آپ نے فرمایا میں اس لیئے ٹھاٹھ سے رہتا ہوں کہ (یہاں متن صاف نہیں)

اور بازار میں جاؤں اور اس سے مجھے کوئی خوف نہیں۔

خواجہ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں فارغ مشغول ہوں اور محمد رویمؒ مشغول فارغ (یعنی میں دنیاوی تعلقات ترک کرکے یادِ حق میں مشغول ہوں اور وہ دنیاوی تعلقات کے باوجود مشغول عبادت ہیں اور یہ بڑی بات ہے اور بڑی ہمت کا کام ہے

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ر
باز مے گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

کتاب سیر الاولیا میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا فارغ مشغول وہ ہے جو ظاہراً حق کے ساتھ مشغول ہو۔ اور باطن اس کا وساوس میں پراگندہ ہے۔ اور مشغول فارغ وہ ہے ظاہراً وہ خلق کے معاملات میں مشغول ہے لیکن باطن میں وہ حق کے ساتھ مشغول ہے اور غیر اللہ سے فارغ ہے۔ خواجہ محمد رویمؒ کے کمالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے آپ کا سن وفات معلوم نہیں ہو سکا لیکن تاریخ شمع جلالی میں لکھا ہے کہ آپ کا وصال بارہ ماہ شوال ۳۰۳ھ کو ہوا رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابوالحسن نوریؒ

قبلۂ انوار، گنجینۂ اسرار، فارغ از دوری، مجذوب وحدت، خواجہ ابوالحسن نوریؒ طبقہ ثانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی احمد بن محمد تھا لیکن آپ ابن بغبور مشہور رہیں کیونکہ آپ کے والد کا وطن بغبور تھا جو مرو اور ہرات کے درمیان میں ایک شہر ہے۔ آپ بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت حاصل کی۔ آپ یگانۂ روزگار تھے۔ آپ قدوۂ اہل تصوف اور مقتدائے اہل محبت تھے۔ آپ صاحب معاملات پسندیدہ، نکات عالی، رموز عجیب، فراستِ صادق، عشق بکمال، اور شوق بے نہایت رکھتے تھے مشائخ

آپ کو امیر القلوب اور قسم الصوفیہ کہا کرتے تھے۔ آپ خواجہ سری سقطیؒ کے مرید تھے۔ آپ نے خواجہ محمد علی قصاب اور خواجہ احمد حواریؒ کی صحبت پائی ہے۔ خواجہ ذوالنون مصریؒ کو بھی آپ نے دیکھا ہے۔ صاحب نفحات فرماتے کہ آپ خواجہ جنیدؒ کے معصر تھے۔ لیکن خواجہ جنید سے زیادہ شہرت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ خواجہ جنید سے کسی نے صبر و توکل کے متعلق سوال کیا وہ جواب دینے والے تھے کہ خواجہ نوری نے چلا کر کہا کہ تو نے صوفیوں کی محنت کے وقت یکسوئی اختیار کر لی ہے اور عقل مندی کی طرف رجوع کیا ہے اس طائفہ کی گفتگو مت کرو۔ آپ نے خواجہ جنیدؒ سے پہلے رحلت فرمائی۔ خواجہ فرید عطارؒ فرماتے ہیں کہ آپ کو نوری اس لیئے کہتے ہیں کہ جب آپ اندھیری رات میں بات کرتے تو منہ سے نور نکلتا جس سے پورا گھر روشن ہو جاتا تھا۔ دوسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ نور فراست سے آپ باطن کے رموز بیان فرماتے تھے بعض کہتے ہیں کہ نوری اس وجہ سے کہتے ہیں کہ صحرا میں آپ کا ایک عبادت خانہ تھا یہاں آپ ساری رات عبادت میں مشغول رہتے تھے اور لوگ جاکر ساری جگہ کو منور دیکھتے تھے۔ اور نور کے شعلے حجرے سے کافی اوپر اٹھتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ شیخ فرید عطار فرماتے ہیں کہ آپ طریقت میں مجتہد تھے۔ آپ صاحب مذہب ہونے کے علاوہ علماء مشائخ کے مقتدا تھے۔ آپ کا طریق قاطع ہے۔ آپ کا مذہب یہ ہے کہ تصوف فقر پر فضیلت رکھتا ہے۔ آپ کا معاملہ خواجہ جنیدؒ کے طریق کے موافق ہے۔ صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ آپ کے طریق کی بے مثال باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ صحبت میں اپنے صاحب کا حق اپنے حق پر فائق سمجھتے ہیں اور اس ایثار کے بغیر صحبت حرام سمجھتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ صحبت درویشوں پر فرض ہے اور ایک مصاحب کی دوسرے مصاحب کے ساتھ خوش خلقی اور ایثار بھی مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں کشف المحجوب میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے سالہا سال مجاہدہ کیا اور سخت ریاضات

کیں لیکن کشائش نہ ہوئی حتیٰ کہ چالیس سال گزر گئے۔ میں نے سنا تھا کہ صوفیا کا دل نازک ہوتا ہے اور جو کچھ سنتے ہیں اور کرتے ہیں۔ اس کا اثر اپنے قلب کے اندر محسوس کرتے ہیں۔ لیکن میرے قلب میں کچھ محسوس نہ ہو رہا تھا۔ اس لیئے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیا کرام کا قول صحیح ہے اگر کچھ غلطی ہے تو میرے اندر ہے۔ جب میں نے اچھی طرح اپنی حالت کا جائزہ لیا تو یہ معلوم کہ میرا نفس اور قلب دونوں ایک ہو گئے تھے۔ (یعنی روح نفس کی مخالفت نہیں کرتا تھا بلکہ اس سے صلح کر لی تھی) پس اب میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ اگر میرا دل نماز، روزہ اور صدق سے خوش ہوتا ہے تو میں اسکی مخالفت کرتا تھا۔ حتیٰ کہ میں نے بیماری کو جڑ سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ اس کے بعد رموز و اسرار میرے قلب میں ظاہر ہونے لگے۔ پس میں دریائے دجلہ کے کنارے گیا اور یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا کہ جب تک مچھلی میرے لیئے باہر نہیں آئے گی نہیں جاؤنگا۔ تھوڑی دیر بعد مچھلی آگئی۔ میں نے کہا الحمد للہ کہ میرا کام ہو گیا۔ اس کے بعد میں خواجہ جنیدؒ کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ مجھے یہ چیز ملی ہے آپ نے فرمایا اے ابو الحسن وہ جو مچھلی تجھ ملی اگر مچھلی ہوتی تو تیری کرامت تھی لیکن جب تم درمیان میں آگئے تو یہ فریب ہے نہ کرامت کرامت یہ ہے کہ تو درمیان میں نہ رہے۔ سبحان اللہ یہ آزاد لوگ کیا جوان مرد ہوتے ہیں اور نفس کے ساتھ کس طرح جنگ کرتے ہیں۔

صوفیا کے خلاف بادشاہ کا عتاب

ایک دفعہ خلیفہ وقت کا ایک ملازم طائفہ صوفیا کے خلاف ہو گیا۔ اور جا کر خلیفہ سے شکایت کی کہ ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے جو گاتے ہیں اور رقص کرتے ہیں کفر کی باتیں کرتے ہیں اور سارا دن کھیل تماشہ میں مشغول رہتے ہیں اور خفیہ باتیں کرتے ہیں۔ یہ لوگ زندیق ہیں۔ اگر امیر المؤمنین حکم دیں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ تاکہ جلسے دینی کا قلع قمع ہو جائے۔ خلیفہ نے حضرت خواجہ جنیدؒ خواجہ

شبلیؒ ابو حمزہؒ ابو بکر درّاقؒ اور خواجہ ابوالحسن نوریؒ کو طلب کیا اور حکم دے دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ جب جلاد نے خواجہ ابو بکر درّاقؒ کے قتل کا قصد کیا تو خواجہ ابوالحسنؒ آگے بڑھ کر صدقِ دل سے خواجہ ابو بکرؒ کی جگہ پر بیٹھ گئے چونکہ آپ کا مسلک ایثار تھا۔ آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے کہا کہ پہلے مجھے قتل کرو۔ جلاد نے کہا اے جوان مرد ابھی تیرا وقت نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا میرا طریق ایثار ہے اور دنیا میں عزیز ترین چیز زندگی ہے اس لیئے میں اسے اپنے بھائیوں کی خاطر قربان کرنا پسند کرتا ہوں۔ لوگ حیران ہوئے اور جا کر خلیفہ کو مطلع کیا کہ عجیب لوگوں کے قتل کا حکم دیا ہے۔ جب خلیفہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے حیران ہو کر کہا کہ قاضی کو بلاؤ قاضی نے آکر ان حضرات سے چند سوال کیئے اور ہر سوال کے بدلے سو جواب پائے۔ یہ دیکھ کر قاضی حیران ہو گیا۔ آخر خواجہ ابوالحسن نوریؒ نے فرمایا اے قاضی تم نے یہ سب دریافت کیا لیکن یہ معلوم کرنے کی تم نے کوشش نہیں کی کہ یہ خدا تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ ان کی زندگی حق تعالیٰ سے قائم ہے اس کے مشاہدہ میں وہ زندہ ہیں۔ اگر ایک لمحہ کے لیئے مشاہدہ بند ہو جائے تو ان کی جان نکل جائے۔ یہ لوگ حق تعالیٰ سے سوتے ہیں۔ اسی سے کھاتے ہیں اسی سے پیتے ہیں اسی سے چلتے ہیں اسی سے پھرتے ہیں اسی سے دیکھتے ہیں اسی سے سنتے ہیں اور اسی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اصلی علم یہی ہے نہ وہ چند مسائل جو تم نے پوچھے ہیں۔ قاضی حیرت زدہ ہو گیا اور خلیفہ کے پاس آدمی بھیج کر کہلا بھیجا کہ اگر یہ لوگ ملحد ہیں تو میرا فیصلہ یہ ہے کہ روئے زمین پر موحد کوئی نہیں۔ خلیفہ نے ان حضرات سے معافی مانگی اور رخصت کر دیا۔ نقل ہے کہ ایک دن خواجہ ابوالحسنؒ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ نماز میں اپنے محاسن (مونچھ) سے کھیل رہا تھا۔ آپ نے فرمایا خدا کے محاسن سے ہاتھ ہٹا لے۔ یہ بات خلیفہ تک پہنچ گئی۔ تمام فقہا نے اتفاق رائے سے یہ فیصلہ دیا کہ اس کلام سے وہ کافر ہو گئے۔ چنانچہ حضرت خواجہؒ کو خلیفہ کے سامنے لے گئے خلیفہ نے پوچھا کیا آپ نے یہ بات کہی ہے فرمایا ہاں کہی ہے

فرمایا بندہ حق تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ اس کی گفتار بھی حق تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آپ بتائیں کہ محاسن کس کے ہوئے یہ سن کر خلیفہ نے کہا الحمدللہ حق تعالیٰ نے مجھے ان کے قتل سے باز رکھا۔ خواجہ ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں ایک دن میں نے نہایت چمکدار نور دیکھا تو غیب سے پیوستہ تھا۔ میں اس کے اندر دیکھتا رہا حتیٰ کہ میں خود مکمل نور ہو گیا فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے دائمی حالت عنایت فرمائیں۔ ہاتف نے آواز دی کہ ابوالحسن دائم پر صبر نہیں کر سکیگا۔

غیبت و حضور ایک روز خواجہ جنیدؒ آپ کے پاس گئے۔ آپ ان کی تعظیم کے لیئے کھڑے ہو گئے۔ خواجہ نوریؒ نے فرمایا کہ میرا جہاد سخت ہے۔ اور میرے اندر طاقت نہیں رہی۔ (کیونکہ) جب وہ (حق تعالےٰ) ظاہر ہوتا ہے میں گم ہو جاتا ہوں اور جب میں ظاہر ہوتا ہوں وہ گم ہو جاتا ہے۔ اس کا حضور (ظاہر ہونا) میرے غائب ہونے میں ہے۔ میں جسقدر زاری کرتا ہوں حکم ہوتا ہے کہ یا میں ہوں گا یا تم۔ خواجہ جنیدؒ نے فرمایا ایسا ہونا چاہیئے کہ خواہ تم سے پردہ کرے خواہ ظاہر ہو تو نہ ہو سب وہی ہو جائے۔

نقل ہے کہ کچھ لوگوں نے خواجہ جنیدؒ کی خدمت حاضر ہو کر کہا کہ کئی دن رات گزر چکے ہیں خواجہ ابوالحسن نوریؒ اللہ اللہ کہتے ہیں اور نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ سوتے ہیں اور لیکن نماز باقاعدہ پڑھ رہے ہیں۔ خواجہ جنیدؒ کے اصحاب نے کہا کہ ہوشیار ہیں فانی نہیں (یعنی عالم سکر میں نہیں بلکہ عالم صحو میں ہیں) کیونکہ نماز کے اوقات کا لحاظ رکھتے ہیں۔ یہ تکلف ہے نہ کہ فنا۔ خواجہ نے فرمایا تم لوگ صحیح نہیں کہہ رہے۔ جو لوگ وجد میں محفوظ ہوتے ہیں حق تعالیٰ ان کے اوقات محفوظ کرتے ہیں۔ پس خواجہ جنیدؒ ان کے پاس گئے اور فرمایا یا ابوالحسن اگر آپ جانتے ہیں کہ حق تعالےٰ کے ساتھ جھگڑا کرنے میں فائدہ ہے تو میں بھی جھگڑا کرتا ہوں۔ اگر تسلیم و رضا بہتر ہے تو تسلیم اختیار کر تاکہ تیرا دل فارغ ہو جائے۔ یہ سنتے ہی خواجہ ابوالحسن

فوراً اُس حالت سے نکل گئے۔ اور کہنے لگے کہ آپ ہمارے لیئے خوب مُعلِّم (سکھانے والے) ہیں۔

نقل ہے کہ ایک دن خواجہ شبلیؒ وعظ کر رہے تھے۔ خواجہ ابوالحسنؒ آ گئے۔ آپ نے فرمایا حق تعالیٰ اس عالم سے راضی نہیں ہوتے جو وعظ کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ اگر تم اپنے کہے پر عمل کرتے ہو تو درست ورنہ منبر سے نیچے اتر آ۔ خواجہ شبلیؒ نے اپنے قلب پر نگاہ ڈالی اور معلوم ہوا کہ ٹھیک نہیں ہے۔ منبر سے نیچے اتر آئے اور چار مہینے گھر کے اندر بیٹھ گئے اور باہر نہ آئے لوگ جمع ہوئے اور آپ کو گھر سے باہر لائے اور منبر پر بٹھایا خواجہ شبلیؒ نے پھر وعظ کرنا شروع۔ خواجہ نوریؒ نے فرمایا تم نے نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ انہوں نے کہا اے امیر القلب کس طرح۔ فرمایا میری نصیحت یہ تھی کہ تو نے مخلوقِ خدا کو خدا کے حوالہ نہیں کیا تو کون ہے جو خلق اور حق کے درمیان واسطہ بنتا ہے۔ پس یہ فضولی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ بھی خواجہ نوری قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ عارف کا مولا کے ساتھ عبادت کا ایک لحظہ دوسرے عابدین کی ہزار ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے۔ ایک دن آپ کسی شخص کے ساتھ بیٹھے تھے جو زار زار رو رہا تھا اور آپ بھی رو رہے تھے جب وہ چلا گیا تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ یہ شیطان تھا۔ جو اپنی حکایت بیان کر رہا تھا اور غم سے رو رہا تھا میں بھی اس کے ساتھ رو رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ آپ ہمیشہ تسبیح اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ کیا آپ اس تسبیح سے خدا کو یاد کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ اس تسبیح سے غفلت تلاش کرتا ہوں[۱]۔ خواجہ ابوحمزہؒ کے اصحاب میں ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کس سے محبت رکھتے ہو اس نے کہا خواجہ ابو حمزہ خراسانیؒ کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا وہی جو قرب

---

[۱] غفلت تلاش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مقام فنا سے نکل کر دوئی میں آنا چاہتا ہوں۔ اس لیئے تسبیح ہر وقت ہاتھ میں رکھتا ہوں تاکہ غلبہ توحید ٹوٹ جائے اور دوئی قائم ہو جائے۔

کے متعلق بیان کرتا ہے۔ اور اشارات دیتا ہے۔ اس نے کہا۔ جی ہاں فرمایا جب ان کے پاس جاؤ تو ان کو میرا سلام کہہ کر یہ کہنا کہ ہم (خواجہ نوری) ایسے مقام پر ہیں کہ قرب بھی بعد ہے۔ شیخ ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ قرب وہ ہے جہاں درمیانی مسافت نہ ہو۔ اگر فاصلہ ہو تو دوئی ہوتی ہے پس قرب بعد ہو جاتا ہے۔

(یعنی جب تک فنا کلی حاصل نہ ہو قرب حقیقی معنوں میں قرب حاصل نہیں ہوتا۔ جب درمیان فاصلہ باقی ہے یعنی فنا نہیں بلکہ دوئی کی حالت ہے تو وہ حقیقی قرب نہیں۔ غالباً یہاں خواجہ ابوالحسن کی مراد مقام فرق بعد از جمع سے ہے کہ جب سالک فنافی اللہ کے بعد دوئی میں آتا ہے اور ذات سے باہر نکل کر نماز وغیرہ پڑھتا ہے اور دیگر فرائض ادا کرتا ہے۔ اس مقام کو فرق بعد جمع کہتے ہیں اور مشائخ عظام کے نزدیک یہ مقام فنا سے زیادہ بلند ہے)

حضرت خواجہ جنید کی یہ حالت تھی کہ خواجہ ابوالحسن نوریؒ کی وفات کے بعد کسی سے حقیقت صدق کے متعلق بات نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ صادق وہ ہے جو چل بسا۔ آپ کی وفات ۲۶۵ھ میں ہوئی اور امام یافعی کے قول کے مطابق ۲۸۶ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ حمدون قصارؒ

یگانۂ قیامت، نشانۂ ملامت، پیر ابرار خواجہ حمدون قصار قدس سرہٗ کی کنیت ابو صالح تھی۔ صاحب نفحات آپ کو طبقہ ثانی میں شمار کرتے ہیں آپ خواجہ جنیدؒ کے ہمعصر تھے اور خواجہ ابو تراب نخشبیؒ کے مرید تھے۔ آپ خواجہ سفیان ثوری کے مذہب پر تھے۔ آپ کا شمار بڑے بڑے مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ ورع و تقویٰ اور علم حدیث و فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے آپ بڑے مجاہد اور مرتاض (عبادت گزار) تھے۔ آپ امام ملامت کہلاتے ہیں

کیونکہ نیشاپور میں سب سے پہلے آپ نے طریقِ ملامت کو ترویج دی۔ اور ملامت میں مبتلا ہو گئے۔ آپ طریقت میں مجتہد اور صاحبِ مذہب تھے آپ کے مقلدین کو قصاریان کہتے ہیں۔ صاحبِ کشف المحجوب آپ کو صوفیا کے دس مذاہب میں سے ایک کا امام قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ بڑے طریقت کے سالار تھے۔ معاملات میں آپ نے بلند کلام فرمایا ہے۔ خواجہ ہمدون قصارؒ فرماتے ہیں کہ علم حق تیرے لیئے علمِ خلق سے بہتر ہے۔ یعنی خلوت میں حق تعالیٰ کے ساتھ تیرا معاملہ ظاہر میں خلق کے ساتھ تیرے معاملہ سے بہتر ہونا چاہیے کیونکہ دل کا خلق کے ساتھ مشغول ہونا ہے اور بندہ حق کے درمیان حجابِ اعظم ہے۔ جب آپ کے اصحاب آپ کے ملفوظات عراق لے گئے اور وہاں کے لوگوں سے آپ کا تذکرہ کیا تو خواجہ جنیدؒ اور خواجہ سہیل تستریؒ نے فرمایا کہ اگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو خواجہ ہمدون قصار ہوتے۔

آپ (خواجہ قصارؒ) فرماتے ہیں کہ میں اپنے نفس کو فرعون کے نفس سے بہتر نہیں سمجھتا۔ لیکن اپنے قلب کو فرعون کے قلب سے افضل جانتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نیشاپور میں جا رہا تھا۔ نوح نامی ایک طرار صوفی جو جوان مردی میں مشہور تھا میرے سامنے آیا۔ میں نے کہا اے نوح جوان مردی کیا ہے اس نے کہا میری جوانمردی یا آپ کی جوانمردی میں نے کہا دونوں اس نے کہا میری جوانمردی یہ ہے کہ قبا (امیرانہ لباس) نکال کر مرقع (درویشانہ لباس) پہنتا ہوں اور مرقعہ پوشوں کے سے کام کرتا ہوں تاکہ صوفی بنوں اور خلق کے شرم سے اس لباس میں گناہ نہ کردں اور آپ کی جوانمردی یہ ہے کہ آپ درویشوں کا لباس ترک کرتے ہیں تاکہ آپ خلق پر اور خلق آپ پر فریفتہ نہ ہو جائے۔ پس میری جوانمردی ظاہری شریعت کی پابندی ہے اور آپ کی جوانمردی اسرار و رموز کا چھپانا ہے۔ اور یہ بڑی چیز ہے۔ نیز خواجہ ہمدون قصارؒ فرماتے کہ جو شخص

اپنے نفس کو فرعون کے نفس سے بہتر سمجھتا ہے ظاہراً گبری (آتش پرستی یعنی بے دینی) کرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر مست کو سوتا دیکھو تو ملامت نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی بلا میں مبتلا ہو جاؤ۔ نیز فرمایا کہ میں سخی کے علاوہ کسی کو نیک خو اور بخیل کے علاوہ کسی کو بد خو نہیں سمجھتا۔ فرمایا توکل حق تعالیٰ کے دامن میں ہاتھ ڈالنے کا نام ہے اور اپنا کام اللہ کے سپرد کرنا حیلہ اور تدبیر سے بہتر ہے نیز فرمایا مصیبت میں جزع (واویلا) وہ آدمی کرتا ہے جو حق تعالیٰ کو متہم گردانتا ہے (یعنی تہمت لگاتا) یا شکایت کرتا ہے۔ خواجہ عبداللہ منازل فرماتے ہیں کہ جب خواجہ قصارؒ کی وفات قریب ہوئی لوگوں نے کہا اپنے بیٹے کو نصیحت کیجیے فرمایا میں ان کے لیے درویشی کی نسبت تونگری (دولت مندی) سے زیادہ ڈرتا ہوں۔ اور عبداللہ منازلؒ سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلدی باہر نکال لینا عورتوں میں نہ چھوڑنا۔ آپ کی وفات ۲۷۱ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۲۹۱ھ میں ہوئی۔ اور نیشاپور کے محلہ حیرہ میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ عمر بن عثمان مکیؒ

سبوح طریقت، واصلِ اصل حقیقت، آں شیخ مردان زکی حضرت خواجہ عمر بن عثمان مکی قدس سرہٗ طبقہ ثانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ بزرگان طریقت اور ساداتِ گروہ صوفیا اور مشاہیر عہد میں سے تھے۔ آپ ہر دل عزیز تھے۔ اور آپ کا کلام سب کے نزدیک پسندیدہ تھا ریاضت اور ورع میں مشہور اور لطائف و حقائق میں بے نظیر تھے۔ آپ کی بہت تصانیف ہیں۔ آپ خواجہ جنید بغدادیؒ کے مرید تھے۔ اور خواجہ ابو سعید خرازؒ کی صحبت بھی پائی ہے۔ آپ حسین منصور بن حلاجؒ کے پیر ہیں۔ ایک دن آپ نے دیکھا کہ خواجہ منصور حلاجؒ کچھ لکھ رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا

کیا لکھ رہے ہے۔ انہوں نے جواب دیا ایک چیز لکھ رہا ہوں۔ تاکہ اپنے ہمعصروں کے ساتھ مقابلہ کروں۔ آپ نے انہیں بد دعا دی اور اپنی صحبت سے ہٹا دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ایک دن خواجہ عمر بن عثمان گنج نامہ کا ترجمہ کر رہے تھے۔ جب آپ طہارت کے لیئے اٹھے تو اسے اپنے مصلے کے نیچے رکھ دیا۔ اس کے بعد آپ نے خادم سے کہا کہ وہ کتاب اٹھا لاؤ۔ خادم نے جا کر دیکھا تو کچھ نہ تھا اس نے جا کر حضرت خواجہ سے عرض کی آپ نے فرمایا وہ (منصور حلاج) لے گیا ہے پھر فرمایا کہ جو شخص گنج نامہ لے گیا ہے بہت جلد اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے اسے تختہ دار پر لٹکایا جائیگا اسے آگ میں جلا کر اسکی خاکستر کو ہوا میں اڑایا جائیگا مشائخ کہتے ہیں کہ جو کچھ حسین منصورؒ کو پیش آیا عمر بن عثمانؒ کے کہنے کے مطابق تھا۔ نقل ہے کہ آپ نے حرم شریف سے خواجہ جنیدؒ خواجہ محمد حریریؒ اور خواجہ شبلیؒ کو عراق میں خط لکھا کہ آپ حضرات عراق کے پیر اور بزرگ ہیں جس شخص کو سرزمین حجاز اور جمالِ کعبہ کی محبت ہے اس کو بتا دیں کہ لم تکونوا بالغیہ الابشق (تم اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے سوائے اپنی جانوں کو پارہ پارہ کرنے کے) اور خط کے آخر میں لکھا کہ عمر بن عثمان کی کہنا ہے کہ آپ میں سے ہمہ باخود اند و در خود اند و برخود اند (یعنی آپ میں سب اپنے ساتھ ہیں اور اپنے آپ اندر ہیں۔ اور اپنے آپ پر ہیں یعنی سب کچھ آپ ہیں۔) اگر تم میں سے کوئی ایسا آدمی ہے جو ہمت بلند رکھتا ہو تو اس راہ میں آئے کہ جس میں ہزار آتشیں پہاڑ اور ہزار غرق کرنے والے دریا ہیں۔ اگر تم یہ درجہ نہیں رکھتے تو دعویٰ چھوڑ دو کیونکہ خالی دعویٰ کرنے والے کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب یہ خط خواجہ جنیدؒ کے پاس پہنچا تو آپ نے سب مشائخ عراق کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا اور پوچھا کہ آپ لوگ بتائیں کہ ان پہاڑوں سے کیا مراد ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان پہاڑوں سے مراد نیستی ہے کہ جب تک سالک ہزار بار نیست نہ ہو ہزار بار ہست نہیں ہوتا اور

ماسوائے حق ہوتا ہے۔ اس سے باز رکھتے ہیں ہمیشہ صفائے باطن کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ اور مذہب صوفیہ پر جو انہیں پیران سلسلہ سے ملا ہے مستحکم ہو جاتے ہیں اور وسواس کو ہرگز نہیں آنے دیتے کیونکہ کشائش کار اسی طریقہ صوفیہ میں ہے۔ ریاضت کو بہت عزیز رکھتے ہیں اور فقر کو غنا سے افضل سمجھتے ہیں اور فقیر سے بہت محبت کرتے ہیں، مہمان کی خدمت نہایت اہتمام سے کرتے ہیں۔ سماع اور اہل سماع کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ مشائخ کا عرس بڑے شوق سے کرتے ہیں۔ اور سب لوگوں کو اپنے آپ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اور صلح کل کے مسلک کی بنا پر ہر فرقہ کے لوگوں سے محبت رکھتے ہیں۔ ان حضرات کی نظر ہمیشہ وحدت الوجود پر رہتی ہے۔ اگرچہ کثرت میں رہتے ہیں لیکن ہمیشہ جمال احدیت کا مشاہدہ عینِ کثرت میں کرتے ہیں۔ مریدین کو سب سے پہلے لا موجود الا اللہ کا مراقبہ تعلیم کرتے ہیں تاکہ ایمانِ حقیقی سے محروم نہ ہوں۔ اور جو شغل ورد، یا عبادت جو یہ حضرات اختیار کرتے ہیں لبِ گور تک جاری رکھتے ہیں سوائے ان مشاغل کے کہ جن کے ترک کا اشارہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی جناب سے حاصل کرتے ہیں۔ ہمیشہ مست ہوشیار رہتے ہیں۔ یعنی سکر و صحو کے جامع ہوتے ہیں بخلاف طیفوریوں اور جنیدیوں کے۔ کیونکہ جنیدی صحو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں اور طیفوری سکر کو صحو سے افضل سمجھتے ہیں۔ اور حسین بن منصورؒ فرماتے ہیں کہ صحو و سکر دو ایسے صفات ہیں جو بندہ کے ساتھ پیوستہ ہیں۔ جب تک کہ بندہ اپنی صفات سے فانی نہ ہو اپنے خداوند سے محجوب رہتا ہے پس اس صورت میں جب تک بندہ ان دونوں صفات سے مجرّد نہ ہو دونوں صفات کو جمع نہیں کر سکتا۔ اور یہ سنت ہے خاص حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی۔ کیونکہ آنحضرت سکر و صحو پر قادر تھے۔ کبھی صفت سکر سے موصوف ہوتے تھے اور فرماتے تھے لی مع اللہ وقتاً ۔۔۔۔۔ الی آخر [کسی وقت میں ایسی حالت میں ہوتا ہوں کہ نہ کوئی نبی مرسل کی وہاں تک رسائی نہ ہو سکتی ہے نہ ملائک مقرب کی] کبھی آنحضرتؐ حالت صحو میں اکثر فرماتے تھے ما عرفناک حق معرفتک (ہم نے تجھے تیری معرفت کے مطابق نہیں پہنچایا)۔ پس ان دونوں صفات کے جامع وہ حضرات ہوتے ہیں جو

جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ فَہِمَ مَنْ فَہِمَ (سمجھا جس نے سمجھا)
حضرات چشتیہ تواضع اور اخلاق حمیدہ سے اس قدر متصف ہوتے ہیں کہ کوئی گروہ ان سے نفرت نہیں کرتا۔ عقل اور زیرکی کو علم پر ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت خواجہ فریدالدین گنجشکر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو عقل وعلم پسند کرنے میں اختیار دیا۔ آپؑ نے عقل پسند فرمایا اور مرتبہ عرفان پر پہنچ گئے اور ابلیس اپنے علم پر مغرور رہا۔ علم لدنی حضرات چشتیہ کے نہایت عزیز ہے۔ مریدین کو ابتدائے حال میں صفائے باطن کے لیے اس قدر کوشش کراتے ہیں کہ بزرگوں کی روحانیت کی محبت اور حضور دل میسر آجاتا ہے تاکہ غلطیوں سے بچ جائیں اور تمام امور صوری ومعنوی (ظاہری وباطنی) حق تعالیٰ کے ارادہ کے مطابق سرانجام ہوں کیونکہ ان کا حال نہایت معتبر ہوتا ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کو وحی ہوتی ہے اور اولیاء کو الہام ہوتا ہے۔ (العلماءُ ورثۃ الانبیا) علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں سے یہی مقام مراد ہے۔ اور ان پر حضور حق اس قدر غالب ہوتا ہے کہ لوگوں کی مدح و قدح (تعریف اور برائی) کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے۔ جس طریق اور جس شغل سے ان کو باطنی ترقی ہوتی ہے وہی اپنا مشرب بنالیتے ہیں۔ ان کا اصلی مشرب عشق وانکسار وترک وایثار ہے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ مذہب میں میں نے خواجہ احمد چشتیؒ سے قوی تر کسی کو نہیں دیکھا۔ اور تمام چشتی اسی طرح خلق سے بے باک اور باطن میں شاہسوار تھے۔ یہ حضرات ہر حال میں اخلاص اور ترک ریا کی طرف کوشاں رہتے ہیں۔ اور کسی قسم کی سستی روا نہیں رکھتے۔ یہ بھی شیخ الاسلام نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے بھائی خواجہ احمد چشتیؒ سے بڑھ کر مرتبہ مشاہدہ فراست اور کشف ذات مطلق میں کسی کو نہیں دیکھا۔ صاحب کشف المحجوبؒ فرماتے ہیں کہ مشائخ کے ایک گروہ نے طریق ملامت اختیار کر رکھا ہے اور ملامت خلوص کے حصول میں عظیم اثر رکھتی ہے تمام اہل حق کا مشرب ملامت رہا ہے۔ اور یہ خاصہ ہے بزرگان امت محمدیہ کا اور خود رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو اہل حق کے امام ومقتدا تھے کیونکہ جب تک آپ پر وحی نازل نہ ہوئی تھی آپ سب کے نزدیک نیک نام اور بزرگ تھے اور جب نبوت کی خلعت کی زبان

پر ملامت کے کلمات جاری ہوگئے کسی نے کہا کافر ہیں کسی نے کہا مجنون ہیں کسی نے کہا کاذب ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) وغیرہ وغیرہ۔ حق تعالیٰ نے مومنین کی صفت یوں بیان فرمائی ہے۔ لا یخافون لومۃ لائم۔ ذالک فضل اللہ یؤتی من یشاء واللہ سمیع علیم۔ [تہمت لگانے والے کی تہمت سے نہیں ڈرتے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ سمیع اور علیم ہے] اور حق تعالیٰ کی سنت اسی طرح جاری ہے کہ مقبول حق مہجور خلق ہوتا ہے اور مقبول خلق مہجور حق ہوتا ہے۔ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ ابو اسحاق چشتیؒ مکاشفات کے پوشیدہ رکھنے میں بے حد کوشش فرماتے تھے اسلئے آپ نے صورت محو اختیار کر رکھی تھی تاکہ عوام آپ کے کمال حال سے مطلع نہ ہوں۔ اور صوفیا کے نزدیک یہ مقام بہت بلند ہے۔

خواجہ احمدؒ بھی جو مشائخ چشتیہ کے سردار ہیں آپ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ حضرت خواجہ ابو اسحاقؒ چشتی کا مزار عکہ میں جو شام کے علاقے میں ہے۔ جسے اہل یورپ (Acre) کہتے ہیں۔ آپ کی تاریخ وصال چودہ ماہ ربیع الآخر ہے لیکن سن وصال معلوم نہیں۔ آپ طبقہ ثانیہ سے تعلق رکھتے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابو بکر شبلیؒ

مقتدائے اولیاء، صاحب اسرار، مستغرق دربحر بے کنار، بالاتفاق صاحب ولایت ولی قطب افراد خواجہ ابو بکر شبلی قدس سرہٗ۔ آپ کا اسم گرامی جعفر بن یونس ہے۔ آپ طبقہ ثالث سے تعلق رکھتے ہیں۔ شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ آپ مصر کے باشندہ ہیں لیکن بعد میں بغداد میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور خواجہ خیر النساج کی محبت میں تائب ہوئے۔ آپ خواجہ جنیدؒ کے مرید ہیں۔ آپ بڑے عارف تھے اور مجالس میں وعظ کیا کرتے تھے۔ آپ امام مالکؒ کے مذہب پر تھے۔ نفحات الانس میں طبقات سلمی سے منقول ہے کہ آپ کے والد خراسانی تھے لیکن آپ کی نشو و نما بغداد میں ہوئی۔ ریاضت و مجاہدہ میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ کے حقائق و معارف اور کرامات مشہور ہیں۔ خواجہ جنیدؒ آپ کے حق میں فرماتے ہیں: لکل قوم تاج و تاج ھذا القوم الشبلی

(ہر قوم کے لیے ایک نجات دلانے والا ہوتا اور اس قوم کے لیے نجات دہندہ شبلی ہیں)
کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ جب خواجہ شبلیؒ نے چاہا کہ دنیا سے آزاد ہو جائیں تو خود کو مجنوں بنا دیا۔ لوگوں نے آپ کو علاج کی خاطر پاگل خانے میں داخل کر دیا۔ جو شخص آپ کی طبع پرسی کے لیے جاتا آپ اس پر پتھر پھینکتے۔ آپ جان بوجھ کر پاگلوں سی باتیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ دنیا کے پھندے سے آزاد ہو گئے۔ ایک دن آپ بازار گئے۔ لوگوں نے کہا مجنوں آگیا۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے نزدیک دیوانہ ہوں اور تم میرے نزدیک ہوشیار ہو۔ میرا جنون شدت محبت کی وجہ سے ہے اور تمہاری صحت غفلت کی وجہ سے۔ پس دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا جنون زیادہ کرے تاکہ میرے قرب میں اضافہ ہو اور تمہاری ہوشیاری بھی زیادہ ہوتا کہ بُعد پر بُعد حاصل ہو۔ یہ بھی آپ کا قول ہے الحریۃ ھی حریۃ القلب لا غیر [حقیقی آزادی دل کی آزادی ہے غیر حق کی قید سے] شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ شیخ ابو سعید مالی حافظ صوفی خواجہ شبلیؒ سے یہ حکایت بیان کرتے ہیں انہوں (شبلی) نے فرمایا کہ یہ جو وقت کا بیش بہا سرمایہ تمہارے پاس ہے اس پر عمارت تعمیر کرو تاکہ کل اور ہمیشہ کے لیے یہ تمہارے کام آئے۔ اور یہ حقیقت مجھ شبلی سے لکھ لو اور یاد رکھو کیونکہ اس سے بہتر تمہارے لیے شبلی کی کوئی بات نہیں ہے کہ یہ وقت جو تم آج رکھتے ہو کل پھل لائے گا۔

حکایت

ایک دن خواجہ شبلیؒ نے عبدالرحمٰن خراسانی سے کہا کہ اے خراسانی تم نے کبھی شبلی کے سوا کوئی ایسا شخص دیکھا جو کہتا ہے اللہ۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے شبلی کو کبھی اللہ کہتے نہیں دیکھا۔ یہ سنکر خواجہ شبلی اس پر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ یہ بھی عبدالرحمٰن مذکور بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ شبلیؒ کے دروازہ پر ایک شخص نے آکر دستک دی۔ آپ سر اور پاؤں سے ننگے باہر آئے اور پوچھا کسے چاہتے ہو۔ اس نے کہا شبلیؒ کو۔ آپ نے فرمایا تم نے نہیں سنا کہ مَاتَ کَافِراً فَلَا رَحِمَہُ اللّٰہ (یعنی وہ کافر ہو کر مرا ہے اور خدا اس پر رحمت نہ کرے) شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ کافر سے مراد ان کا کافر نفس ہے۔ ایک دن کچھ لوگ آپ کے گھر میں موجود تھے۔ آپ نے سورج کی طرف دیکھ کر کہا کہ نماز

کا وقت قریب ہے۔ سب نے اٹھ کر نماز ادا کی۔ شبلیؒ نے ہنس کر فرمایا کسی نے کیا خوب کہا ہے شعر ؎

نسیت الیوم من عشقی صلواتی ۔ فلا ادری غدائی من عشائی

میں عشق میں نماز بھول گیا ہوں کیونکہ صبح و شام کی مجھے تمیز نہیں رہی۔

جب خواجہ جنیدؒ نے یہ بات سنی تو خواجہ شبلیؒ کو ایک خط لکھا کہ جو باتیں میں نے تمہارے کان میں کہی تھیں تم نے انکو بر سر منبر کہنا شروع کر دیا ہے۔ انہوں نے جواب لکھا کہ آپ نے خود فرمایا تھا کہ یہ اسرار کسی غیر سے نہ کہنا اور اب میری نظر میں کوئی غیر ہی نہیں رہا۔ **انا اقول وانا اسمع ھل فی الدارین غیری** [یعنی میں کہتا اور میں خود سنتا ہوں دارین میں میرا غیر کہاں ہے]

تذکرۃ الاولیاء کی جلد دوم میں لکھا ہے کہ جب آپ کی وفات نزدیک پہنچی تو آپ کی آنکھوں میں بیاہی سیاہی آگئی۔ آپ نے راکھ منگوائی اپنے سر میں ڈالی اور اسقدر بے قرار ہوئے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ لوگوں نے پوچھا کہ سبب اضطراب کیا ہے فرمایا مجھے ابلیس پر رشک آرہا ہے اور غیرت کی آگ سے میری جان جل رہی ہے کہ میں یہاں تشنہ بیٹھا ہوا ہوں اور نعمت کسی اور کو مل رہی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا: **وان علیک لعنتی الی یوم الدین** [اے شیطان تجھ پر میری لعنت ہے قیامت کے دن تک] اب بات یہ ہے کہ شیطان کے حق میں وہ لعنت کی نسبت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی اور نہ میں چاہتا ہوں کہ یہ لعنت میرے حق میں ہوتی۔ اگرچہ یہ لعنت نہ اسکو ہے اور نہ اس کے متعلق ہے۔ لیکن وہ ملعون اسقدر کیا جلتے۔ حق تعالیٰ نے یہ نسبت عزیزان امت کو کیوں نہ دی تاکہ عرش کی چوٹی پر قدم رکھتے۔ جوہری داند قدر جوہر [جوہر کی قدر جوہری جانتا ہے] [۱]

نفحات الانس میں خواجہ ابوالحسنؒ سے روایت ہے کہ میں نے شبلی کو دیکھا تھا ایک

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ لفظ لعنتی یعنی میری لعنت میں یہ میری کی جو نسبت ہے یہ قابل رشک ہے کیونکہ ہرچہ از دوست میرسد نیکو است لعنت بھی دوست کی طرف سے اور جائے دشمن کو یہ کیا غضب ہے۔

دفعہ لوگوں نے ان سے (شبلیؒ سے) پوچھا اکرم الاکرمین کون ہوتا ہے فرمایا وہ ہے جو ایک دفعہ کسی کا گناہ معاف کر کے پھر کبھی اس گناہ کی سزا نہ دے۔ شیخ بکر دینوری خادم شبلی کہتے ہیں کہ مرض موت میں جمعہ کے دن آپ کی طبیعت میں خفیف خنگی پیدا ہو گئی۔ میرا ہاتھ پکڑ کر جامع مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک آدمی ملا آپ نے فرمایا کل ہمیں اس آدمی سے کام ہے۔ نماز پڑھ کر آپ واپس آئے۔ کچھ دیر بعد پھر مرض نے غلبہ کیا۔ فرمایا مجھے وضو کراؤ۔ میں نے وضو کرایا۔ لیکن داڑھی میں خلال کرنا بھول گیا۔ آپ کی زبان اور کام میں مشغول تھی۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی داڑھی کی طرف لے گئے اور جان دے دی۔ ایک بزرگ نے جب یہ واقعہ سنا تو فرمایا اس مردِ خدا کا کیا کہنا جس سے مرتے وقت بھی آدابِ شریعت میں ایک ادب فوت نہ ہوا۔ آپ کے خادم نے یہ بھی کہا ہے کہ فلاں جگہ ایک صالح مرد ہے جو مردوں کو غسل دیتا ہے۔ میں اس کے پاس گیا اور اسلام علیکم کہا اس نے کہا شبلی فوت ہو گئے۔ میں نے کہا ہاں۔ جب وہ باہر آیا تو میں نے دیکھا کہ یہ وہی آدمی ہے جس کے متعلق خواجہ شبلیؒ نے فرمایا تھا کہ کل ہمیں اس آدمی سے کام ہے۔ مجھے تعجب کرتے ہوئے دیکھ کر اس نے پوچھا کہ کیوں تعجب کرتے ہو میں نے سبب بتایا اور قسم دے کر اس سے دریافت کیا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ خواجہ شبلی نے وفات پائی ہے۔ انہوں نے کہا اے نادان مجھے اسی جگہ سے خبر ملی ہے جہاں سے شبلیؒ کو خبر تھی کہ کل اس آدمی کے ساتھ کام ہے۔

پیر رشید اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ خواجہ شبلیؒ تمام مقاماتِ غوثی قطبی سے گزر کر مقامِ محبوبیت میں پہنچ چکے تھے۔ اور یہ وہ مقام ہے کہ اس سے بلند تر اور کوئی مقام نہیں۔ آپ کی وفات ۳۳۴ھ میں خلیفہ مقتدر کے عہدِ حکومت میں ہوئی۔ آپ کی عمر ستاسی سال تھی۔ مدفن آپ کا بغداد ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ حسین بن منصور حلاجؒ

شیر بیشہ تحقیق، شجاع صفدر صدیق، غرقہ دریائے بے امواج شہید اکبر، خواجہ حسین بن منصور حلاج قدس سرہ طبقہ ثالث سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالمغیث ہے۔ آپ کا وطن بیضا ہے جو فارس کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ آپ

حلاج نہیں تھے۔ حلاج اس لیے کہتے ہیں کہ ایک دن حلاج کی دکان پر تھے۔ آپ نے اسے کسی کام کے لیے بھیجا۔ بعد میں کہنے لگے کہ افسوس میں نے اس کی روزگار میں خلل ڈالا ہے آپ نے انگلی سے اشارہ کیا روئی الگ ہو گئی اور دانہ الگ۔ اسی دن سے آپ حلاج مشہور ہو گئے۔ آپ خواجہ عمر بن عثمان مکی کے مرید تھے۔ اور خواجہ جنیدؒ، خواجہ سہیل بن عبداللہ تستریؒ و دیگر مشائخ کی صحبت بھی پائی ہے۔ شیخ فرید عطار جو روحانیت کے لحاظ سے آپ کے مرید تھے فرماتے ہیں کہ آپ ایک عجیب و غریب ہستی تھے آپ بے حد سوز و گداز، درد و اشتیاق میں مست، شوریدہ سر، عاشق صادق پاکباز اور ہر وقت جد جہد عظیم میں رہتے تھے۔ آپ صاحب ریاضات و کرامات، بلند ہمت اور رفیع القدر تھے۔ آپ کی کئی تصانیف ہیں جو بہت مشکل الفاظ سے بھری ہوئی ہیں حقائق و معارف میں آپ کو اسقدر ذوق و شوق تھا کہ اس زمانے میں اتنا کسی کو نہ تھا۔ اکثر مشائخ وقت کہتے ہیں کہ آپ کو تصوف میں اسقدر کمال حاصل نہ تھا لیکن خواجہ جنیدؒ، خواجہ شبلیؒ، شیخ عبداللہ خفیف ابوالقاسم قشیری وغیرہم مشائخ متاخرین آپ کے کمال کے قائل ہیں۔ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ، شیخ ابوالقاسم گورگانی۔ شیخ ابوعلی فارمدیؒ، اور شیخ یوسف ہندانی کو آپ کا راز معلوم تھا۔ بعض لوگ آپ کو سحر (جادو) سے منسوب کرتے تھے۔ بعض کافر کہتے تھے، بعضوں کا خیال تھا کہ آپ حلولی ہیں بعض آپ کو زندیق قرار دیتے ہیں۔ غرضیکہ ہر شخص نے اپنے خیال کے مطابق آپ کے متعلق رائے قائم کی ہے۔ لیکن جس شخص کو توحید کی بو پہنچی ہے آپ کو ہرگز عقائد باطل سے منسوب نہیں کرتا کیونکہ آپ ایک پاک باز موحد تھے۔ ہاں حسین منصور ساحر ایک اور شخص تھا جو بلخ میں پیدا ہوا کہتے ہیں کہ وہ حلولی مذہب رکھتا تھا [حلولی عقیدہ یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ نے تمام اشیا میں حلول کیا ہوا ہے یعنی حق تعالیٰ ان چیزوں میں اتر آئے ہیں ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ شریعت کے خلاف ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ ہر قسم کے حلول و اتصال سے بالاتر ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو حلول و اتصال کا عقیدہ وحدت الوجود کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ وحدت الوجود میں وجود کا ایک ہونا مسلم ہے لیکن حلول و اتصال کی رو سے کئی وجود لازم آتے ہیں ورنہ ایک وجود کا دوسرے وجود کے ساتھ حلول و اتصال بے معنی ہے] شیخ فرید عطار

فرماتے ہیں کہ عجیب لوگ تھے جو ایک درخت سے تو انا اللّٰہ [میں اللہ ہوں] روا رکھتے ہیں [یعنی شجر موسیٰ جہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اِنّی انا اللہ کی آواز سنی] لیکن عمر کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ قبول نہ کیا اور منصور حلاج کو جو خود درمیان میں نہ تھے تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ شیخ عبداللہ خفیف فرماتے ہیں کہ آپ عالم ربانی تھے۔ خواجہ شبلی فرماتے ہیں کہ میں بھی وہی کہتا ہوں جو کچھ خواجہ منصور حلاج نے کیا لیکن مجھے لوگوں نے دیوانہ کہا اور چھوڑ دیا اور حسین کو ان کے عقل نے ہلاک کر دیا۔ لہٰذا اگر خواجہ منصور حلاج مطعون [غلطی پر] ہوتے تو یہ دو بزرگ ان کی تعریف نہ کرتے۔ شیخ زید عطار فرماتے ہیں کہ میرے لیے یہ دو گواہ کافی ہیں۔ خواجہ منصور حلاج ہمیشہ عبادت و ریاضت میں بسر کرتے تھے اور معرفت و توحید کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ بعض مشائخ نے آپ کی صحبت ترک کر دی۔ کیونکہ ان کو آپ کے ساتھ اختلاف تھا۔ آپ کی زندگی کے حالات اس طرح ہیں کہ پہلے دو سال آپ خواجہ سہیل عبداللہ تستری کی خدمت میں رہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے بغداد کا قصد کیا۔ اس کے بعد بصرہ گئے۔ اٹھارہ سال آپ خواجہ عمر بن عثمان مکی کی صحبت میں رہے۔ اور ابن یعقوب اقطع نے اپنی لڑکی کا عقد نکاح آپ کے ساتھ کیا جب خواجہ عمر بن عثمان آپ سے ان اوراق کے اٹھا لینے کی وجہ سے ناراض ہوئے تو آپ بغداد چلے گئے وہاں خواجہ جنید نے آپ کو سلوک و خلوت کی تعلیم دی۔ چند روز بعد آپ حجاز مقدس چلے گئے اور ایک سال وہاں رہ کر صوفیوں کی ایک جماعت کے ساتھ دوبارہ بغداد گئے۔ جب خواجہ جنید کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے پوچھا کون ہے فرمایا حق ہے خواجہ جنید نے فرمایا تو حق نہیں ہے بلکہ باحق ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ عنقریب تم تختۂ دار کو اپنے خون سے رنگین کرو گے۔ خواجہ منصور نے جواب دیا کہ جس روز میں نے تختۂ دار کو رنگین کیا آپ بھی اہل تصوف کے لباس سے نکل کر علمائے ظواہر کا لباس اختیار کرینگے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ جب آپ کے قتل کے متعلق محضر نامہ تیار ہوا تو خلیفہ وقت نے کہا کہ خواجہ جنید کے بھی دستخط ہونے چاہئیں۔ چنانچہ خواجہ جنید نے صوفیوں کی جماعت سے نکل کر علماء کا لباس پہنا۔ مدرسہ میں گئے اور یہ فتویٰ لکھا نحن نحکم بالظاھر [ہم ظاہر دیکھ

کر دیتے ہیں] یعنی ان کے ظاہر حال کی سزا موت ہے لیکن باطن کا حال خدا جانتا ہے۔ خواجہ منصورؒ نے ان کی اجازت کے بغیر عمل کیا اور اہل زمانہ کی باتوں سے اختلاف کیا چنانچہ قتل کئے گئے۔ اس سے پہلے لوگوں سے تنگ آکر انہوں نے اہل تصوف کا لباس ترک کر دیا اور دنیاداروں کا لباس پہن کر اہل دنیا کی صحبت میں رہنے لگے۔ لیکن ان کے حال (بے خودی) میں کوئی فرق نہ آیا۔ پانچ سال تک آپ ادھر ادھر پھرتے رہے اس اثنا میں آپ خراسان اور ماوراءالنہر بھی تشریف لے گئے اس کے بعد آپ سیستان اور اہواز گئے جہاں لوگوں نے آپ کو حلاج الاسرار (اسرار یعنی بھیدوں کا پنجنے والا) کا لقب دیا۔ اس کے بعد آپ نے مرقع (لباس صوفیا) پہنا اور حج کے لیے روانہ ہوئے اس سفر میں بہت سے خرقہ پوش آپ کے ہمراہ تھے۔ مکہ معظمہ میں لوگوں نے آپ کو جادوگر کہا۔ اس کے بعد آپ بصرہ تشریف لے گئے۔ وہاں سے آپ بلاد روم جا کر خلقت کو دعوت حق دینے لگے اس کے بعد آپ ہندوستان آئے اور یہاں سے ماوراءالنہر اور چین گئے غرضیکہ جہاں گئے۔ لوگوں کو دعوت حق دیتے رہے۔ اس کے بعد آپ مکے گئے اور دو سال وہاں رہے وہاں سے واپس آنے کے بعد آپ کی حالت متغیر ہو گئی اور لوگوں کو ایسی چیز کی دعوت دینے لگے کہ جن کا ان کو کوئی وقوف نہ تھا۔ اب لوگوں نے آپ کو شہر بدر کرنا شروع کیا یہاں تک کہ آپ سے پچاس شہر چھڑائے گئے۔ اب آپ کی یہ حالت تھی کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا ہر روز چار سو رکعت ادا کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا جس مقام میں آپ ہیں آپ کو فکر کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا دوستوں کے لیے نہ راحت کوئی معنی رکھتی ہے نہ زحمت کیونکہ دوست فانی الصفت [اپنی ہستی گم کئے ہوئے] ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پچاس سال ہوئے ہیں لیکن میں نے اب تک کوئی مذہب [سلوک کے طرائق میں کوئی ایک طریق اختیار] نہیں کیا۔ میں نے جو مشکل طریق دیکھا نفس کشی کے لیے اسے اختیار کیا اور پچاس سال تک میں ہر نماز کے لیے غسل کرتا رہا۔ الغرض خواجہ منصورؒ کی طرح اس طائفہ صوفیا میں سے کسی نے اسقدر ریاضت شاقہ اختیار نہیں کی۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے چار سو درویشوں کے ساتھ صحرا کا سفر کیا۔ چند ایام ایسے گذرے کہ ان کو کھانے کو

کچھ نہ ملا۔ آپ کے دوستوں نے کہا ہمیں بھونا ہوا بکری کا سر چاہیے۔ آپ اپنا ہاتھ لمبا کر کے ایک ایک بھونا سر اور دو روٹی ہر ایک کو دیتے جاتے تھے۔ اس کے بعد دوستوں نے کہا ہمیں تازہ کھجور چاہیے۔ آپ نے فرمایا مجھے پکڑ کر ہلاؤ۔ جب انہوں نے ہلایا تو تازہ کھجور زمین پر برسنے لگیں اور سب نے سیر ہو کر کھائیں۔ دوران سفر جس وقت آپ اپنی پیٹھ کھجلتے تھے تازہ کھجور گرنے شروع ہو جاتے تھے۔ لوگوں نے جنگل میں آپ سے انجیر طلب کیے۔ آپ نے ہوا میں ہاتھ ڈال کر تازہ انجیروں سے بھرا ہوا خوانچہ لے لیا۔ اسی کے بعد انہوں نے حلوہ طلب کیا۔ آپ نے اسی طرح حلوے سے بھرا ہوا خوانچہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کے ساتھ چار ہزار آدمی صحرا میں سفر کرتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچے۔ وہاں آپ ایک سال تک شدت کی دھوپ میں کعبہ کے سامنے کھڑے رہے۔ آپ کا یہ حال تھا کہ جسم برہنہ تھا اور اعضاء جوارح سے چربی پگھل پگھل کر تیل بہہ رہا تھا۔ آپ کی کھال ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی لیکن وہاں سے ہرگز نہ ہلے۔ روزانہ ایک روٹی مہیا ہو جاتی تھی اور آپ اس سے ذرا سا ٹکڑا توڑ کر افطار کر لیتے۔ اور باقی کوزہ پر رکھ دیتے تھے آپ کے سر میں بچھو نے آشیانہ بنایا تھا۔ اگر آپ کے سب ریاضات و کلمات لکھے جائیں تو ایک طویل کتاب چاہیے۔ ایک دن صحرا میں آپ نے ابراہیم خواص سے فرمایا کیا کام کر رہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ توکل کے مقام میں توکل درست کر رہا ہوں آپ نے فرمایا تم نے ساری عمر پیٹ ~~پرستی~~ میں گزار دی ہے توحید میں کب فنا ہو گے۔

نقل ہے کہ آپ نے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ تم نے ایک کارِ عظیم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس کام کے لیے سرگشتہ ہو گئے ہیں۔ پس آپ سے عجیب و غریب باتیں سرزد ہونا شروع گئیں جن سے لوگ حیران رہ گئے۔ اور آپ کے حق میں زبان درازی کرنے لگے حتیٰ کہ یہ باتیں خلیفہ معتقد تک پہنچ گئیں لوگوں نے خلیفہ کو برانگیختہ کر کے آپ کے قتل پر آمادہ کر لیا۔ کیونکہ اس وقت آپ انا الحق (میں حق ہوں) کا نعرہ لگا رہے تھے لوگوں نے کہا انا الحق مت کہو بلکہ ھو الحق (وہ حق ہے) کہو آپ نے فرمایا ہاں ہمہ اوست (سب کچھ وہی ہے) تم لوگ کہتے ہو کہ وہ گم ہو گیا۔ کیا بحرِ محیط بھی گم ہو

سکتا ہے۔ لوگوں نے خواجہ جنیدؒ سے پوچھا کہ آیا خواجہ منصورؒ کے کلام کی کوئی تاویل ہو سکتی ہے آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو یا قتل کر دو اب تاویل کا وقت نہیں ہے۔ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ اپنی کتاب فصل الخطاب میں فرماتے ہیں کہ جس طرح لوگوں نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا باندھا گیا اور چند جھوٹی احادیث آنحضرتؐ کے ساتھ منسوب کی ہیں۔ اسی طرح خواجہ جنید پر بھی انہوں نے جھوٹے الزام لگائے ہیں کہ انہوں نے خواجہ منصور حلاج کے قتل کا فتویٰ دیا۔ حالانکہ خواجہ جنید کا خواجہ منصورؒ کی شہادت سے پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ چنانچہ کتب تذکور میں صحیح روایت سے دعوہ کیا گیا ہے کہ خواجہ جنید کی وفات ۲۹۷ھ میں ہوئی اور حسین منصور حلاج ۳۰۹ھ میں شہید ہوئے۔ غرضیکہ خلیفہ وقت کے حکم سے خواجہ حسین منصورؒ کو قید خانہ میں بند کر دیا۔ ایک سال تک لوگوں کو اجازت تھی کہ قید خانے میں جاکر مسائل دریافت کرتے تھے اس کے بعد سب کو منع کر دیا گیا کہ کوئی نہ جائے۔ پانچ ماہ تک آپ کے پاس کوئی نہ گیا۔ ایک مرتبہ ابن عطاؒ نے کسی آدمی کے ذریعے آپ کو کہلا بھیجا کہ اے خواجہ جو کچھ آپ نے کہا ہے اس کی معافی مانگ لے تاکہ جان بچ جائے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ کون ہے جو معافی مانگے۔ کہتے ہیں کہ قید کی پہلی رات آپ کو کسی نے نہ دیکھا۔ (یعنی لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے) دوسری رات آپ اور قید خانہ دونوں غائب ہو گئے تیسری آپ کو قید خانہ میں دیکھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ پہلی رات آپ کہاں تھے اور دوسری رات آپ اور قید خانہ کہاں تھے کہ اب دونوں ظاہر ہو گئے فرمایا کہ پہلی رات میں حق تعالیٰ کے حضور تھا۔ اس لیے میں کسی کو نظر نہ آیا دوسری رات حق تعالیٰ یہاں تھے اس وجہ سے ہم دونوں غائب تھے تیسری رات مجھے حفظ شریعت کی خاطر واپس بھیج دیا۔ اب آؤ اور اپنا کام کرو۔ کہتے ہیں کہ قید خانہ میں آپ ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے لوگوں نے کہا آپ کہتے ہیں کہ میں حق ہوں پھر یہ نماز کس لیے پڑھتے ہیں فرمایا ہم جانیں اور ہمارا کام۔ اس وقت قید خانے میں تین سو قیدی تھے۔ آپ نے کہا اے قیدیوں میں تم کو آزاد کرتا ہوں۔ انہوں نے

کہا آپ اپنے آپ کو خلاصی کیوں نہیں دلاتے۔ فرمایا ہم حق تعالیٰ کی قید میں ہیں اگر ہم چاہیں تو تمام بندشیں ایک اشارے سے دور کر دیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا۔ تمام قیدیوں کی بیڑیاں زمین پر گر پڑیں۔ انہوں نے کہا ہم کہاں جائیں کیونکہ دروازے بند ہیں آپ نے اشارہ کیا تو تمام دروازے خود بخود کھل گئے۔ آپ نے فرمایا اپنا سب کچھ اٹھا کر لے جاؤ انہوں نے کہا آپ باہر کیوں نہیں آتے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کے ساتھ ایک راز ہے جو سوائے تختہ دار کے اور کہیں نہیں کہا جا سکتا۔ غرضیکہ بادشاہ نے حکم دیا کہ پہلے اس کو لکڑی سے مارو اگر باز آ جائے تو درست ورنہ قتل کر دو چنانچہ آپ کو لکڑیوں سے مارنے لگے جب آپ کو لکڑی مارتے تھے تو ہر لکڑی سے صاف آواز سنائی دیتی تھی کہ لاتخف یاابن منصور (اے ابن منصور ڈر مت) آخر جب آپ کو دار پر لے گئے تو ہزاروں کا مجمع تھا۔ جو شخص آنکھ اٹھا کر آپ کو دیکھتا تھا بے اختیار اسکے منہ سے حق حق اناالحق کے کلمات نکل جاتے تھے۔ اس حال میں ایک درویش نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ عشق کیا ہے فرمایا آج دیکھے گا کل دیکھے گا اور پرسوں۔ چنانچہ اسی روز آپ کو سولی پر لٹکا دیا گیا دوسرے روز آپ کی نعش جلا دی گئی تیسرے روز آپ کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا گیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ عشق یہ ہے۔ جب آپ کو سولی پر لٹکایا گیا تو ہر ایک شخص نے آپ کے پتھر مارا۔ خواجہ شبلی رحمۃ نے بھی لوگوں کی موافقت میں ایک کنکری ماری جس سے آپ چیخ اٹھے۔ انہوں نے کہا کہ سب لوگوں نے پتھر مارے آپ نے آہ تک نہ کی اب کیوں فریاد کرتے ہیں۔ فرمایا وہ معذور ہیں لیکن آپ محرم راز ہو کر مارتے ہیں اس لیئے مجھے تکلیف ہوئی ہے اس کے بعد آپ کے ہاتھ کاٹے گئے تو آپ ہنسے۔ جب پاؤں کٹے تو آپ پھر ہنسے آپ نے خون آلودہ ہاتھ اپنے منہ پر ملے لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جسم سے بہت خون بہہ چکا ہے جس سے میرا رنگ زرد ہو گیا ہو گا۔ خون اس لیئے چہرے پر ملا ہے کہ تم لوگ یہ خیال نہ کرو کہ میرا چہرہ ڈر کی وجہ سے زرد ہو گیا ہے لوگوں

نے پوچھا آپ نے بازوؤں پر کیوں خون مل دیا ہے فرمایا وضو کرتا ہوں۔ پوچھا گیا کہ کیا وضو کرتے ہو فرمایا۔ رَکعتَانِ فِی العِشْقِ لَا یصح وَضُوئُمَا اِلّا بِالدَّمِ (یعنی نماز عشق کے لیئے دو رکعت نماز ہے جو سوائے خون سے وضو کرنے کے ادا نہیں ہوتی) اس کے بعد آپ کی آنکھیں نکالی گئیں اب زبان نکالنا چاہتے تھے کہ آپ نے فرمایا ذرا صبر کرو تاکہ میں ایک بات کروں۔ آپ نے آسمان کی طرف منہ کرکے دعا کی کہ الٰہی یہ لوگ جو تیری رضا جوئی کی خاطر اس قدر تکلیف اٹھا رہے ہیں ان کو محروم نہ رکھیو! اور اس دولت سے ان کو بے نصیب نہ کرو۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کی زبان کاٹ دی اور تبسم کرتے ہوئے آپ نے اپنی جان مشاہدہ حق میں تسلیم کر دی۔ اس وقت ایک قیامت برپا تھی۔ بعض لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ بعض پتھر پھینک رہے تھے۔ آپ کا جو عضو کاٹا جاتا اور جو قطرہ خون زمین پر گرتا تھا اس سے خود بخود زمین پر نقش "حق" لکھا جاتا تھا اور اس میں سے انا الحق کی آواز آتی تھی۔ دوسرے دن آپ کی نعش کو جلایا گیا تو آپ کی راکھ سے انا الحق کی آواز آنے لگی۔ آپ نے اپنے خادم کو وصیت کی تھی کہ جب میری راکھ دریائے دجلہ میں ڈالینگے تو دریا میں جوش پیدا ہوگا جس سے شہر بغداد بھی غرق ہو جائیگا۔ اس وقت میرا خرقہ دریا پر لے جانا جس سے اس کا جوش ختم ہو جائیگا۔ تیسرے دن آپ کی راکھ دریا میں ڈالی گئی۔ جس سے دریائے دجلہ میں جوش آ گیا اور انا الحق کی آواز آنے لگی۔ قریب تھا کہ بغداد غرق ہو جائے۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کا خادم خرقہ دریا پر لے گیا۔ اس سے دریا میں فوراً سکون

آگیا۔ نقل ہے کہ خواجہ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ اس رات میں آپ کی قبر پر گیا۔ صبح تک وہاں رہا اور صبح کی نماز پڑھ کر یہ مناجات کی کہ الٰہی یہ تیرا مومن اور واحد بندہ تھا لیکن تو نے اسے اس قدر سخت سزا دی ہے۔ ہاتف نے آواز دی کہ اس نے ہمارا راز فاش کر دیا اس لیے سزا دی گئی۔ خواجہ شبلیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے خواجہ منصورؒ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا فرمایا حق تعالیٰ نے مجھے مقام صدق میں ٹھہرا کر انعام و اکرام کیا۔ میں نے پوچھا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جنہوں نے آپ کو قتل کیا۔ فرمایا ان پر بھی اللہ تعالےٰ نے رحمت کی۔ کیونکہ انہوں نے محض رضائے حق کے لیے ایسا کیا۔ وہ حق کے لیے معذور تھے۔ خواجہ محمد پارساؒ اپنی کتاب "فصل الخطاب" میں حسین منصورؒ کے قتل کے متعلق لکھتے ہیں کہ ایک دن حسین منصورؒ کے دل میں یہ خیال آیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں صرف مومنین کے لیئے درخواست کی۔ کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب کے لیئے درخواست نہ فرمائی اور یہ کیوں نہ فرمایا الٰہی تمام خلق کو مومن بنا دے۔ اس خیال کے آتے ہی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے صورت مثالی میں ظاہر ہوئے۔ اور فرمایا کہ میں جو کچھ چاہتا ہوں حق تعالےٰ کے فرمان کے مطابق چاہتا ہوں۔ میرا دل حق تعالیٰ کا فرمان خانہ ہے۔ اور حق تعالےٰ کے حکم و فرمان کے سوا باقی سب ارادوں سے پاک و معصوم ہے اگر حق تعالےٰ فرماتے کہ سب کے لیئے دعا کرو تو میں سب کے لیئے دعا کرتا۔ یہ سن کر حسین منصورؒ نے اپنے سر سے پگڑی اٹھائی۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے خدمت میں معافی کے طلب گار ہوئے [شاید اس زمانے کے آداب میں یہی دستور تھا کہ معافی مانگتے وقت سر سے پگڑی اٹھائی جاتی تھی ۔) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دستار سمیت سر چاہیے ۔ (نہ کہ خالی دستار) پس درحقیقت خواجہ منصور کے سر قربان کرنے کا سبب یہی تھا اور باقی سب کچھ ایک بہانہ تھا۔ چنانچہ خواجہ منصورؒ تختۂ دار پہ یہ فرما رہے تھے کہ میں جانتا ہوں کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے ۔ میں اس کے فرمان سے روگردانی نہیں کرتا ۔ عاشقِ صادق ہر حال میں ایسا ہونا چاہیے ۔

شیخ فرید عطار فرماتے ہیں کہ آپ کا قتل خلیفہ معتقد کے عہد میں سنہ ۲۸۹ ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ لیکن منتخب التاریخ میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات ماہِ ذوالحجہ سنہ ۳۰۱ ہجری میں ہوئی۔

اور فصل الخطاب کے مصنف یہ تصیح کرتے ہیں کہ آپ ماہ ذیقعد سنہ ۳۰۹ ہجری میں شہید ہوئے ۔ واللہ اعلم ۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ فارس بن عیسٰی بغدادی

محبِ محبوب ، فارغ از عیوب ، سبقت بردہ باستادی ، عارف صادق خواجہ فارس بن عیسٰی بغدادی قدس سرہٗ بڑے سخن سنج تھے ۔ تعبیر اشارات میں آپ کا کلام بہت معتبر مانا جاتا ہے ۔ آپ صوفیا کے اقوال معانی واشارات کی تشریح کے لیئے خراسان سے بغداد تشریف لے گئے ۔ آپ خواجہ حسین بن منصور حلاج کے خلفاء میں سے ہیں ۔ بغداد سے آپ سمرقند تشریف لے گئے اور وہیں تادمِ حیات سکونت پذیر رہے ۔ آپ شیخ علم الہدیٰ ابو منصور ماتریدیؒ کے ہمعصر تھے جنکا ۳۳۵ھ میں انتقال ہوا اور شیخ ابوالحسن اشعریؒ جو حضرت ابو موسٰی اشعریؓ کی اولاد میں سے تھے ۔ کا انتقال اُن سے گیارہ سال پہلے ہوا ۔

ملا حسام شرح عقائد میں لکھتے ہیں کہ سب سے پہلا شخص جس نے اپنے اصحاب سمیت معتزلہ مذہب ترک کر کے متابعت نصوص میں صحابہ کرام کا مسلک اختیار کیا اور اہل سنت و جماعت کے نام سے موسوم ہوا ۔ شیخ ابوالحسن اشعری ہے ۔ اس کے بعد شیخ ابو منصور ماتریدی نے بھی اپنی جماعت سمیت اہل سنت و جماعت کا مذہب اختیار کیا ۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ خرقۂ اشاعرہ اہل حدیث مسلک رکھتے تھے ۔ اور ماتریدی اہل رائے و قیاس تھے جیسا کہ اس کتاب کے دیباچہ میں ارباب حدیث و ارباب رائے کے باب میں جواہر التفسیر سے مفصل منقول ہو چکا ہے ۔ بحر حال صوفیا کے مذہب کا دارو مدار نصوص (قطعی آیتِ قرآن یا حدیث) پر ہے ۔ فہم من فہم ، اور خواجہ فارسؒ شیخ ابوالقاسم حکیم سمرقندیؒ کے ہمعصر بھی تھے اور اکثر ایک دوسرے کی صحبت میں رہتے تھے ۔ حتیٰ کہ موت نے ان کو ایک دوسرے سے جدا کیا ۔ فارس بغدادیؒ سب کے مقبول تھے ۔ تمام مشائخ نے آپ کے اقوال

کیا تسلیم و رضا کا مقام ہے۔
ایک دن آپ نے خواجہ جنیدؒ سے کہا کہ غریب لوگوں سے امیر افضل ہیں کیونکہ قیامت کے دن حق تعالیٰ امیروں سے حساب لیں گے اور براہ راست عتاب کریں گے۔ اور دوست کا عتاب سب سے افضل ہے۔ خواجہ جنیدؒ نے فرمایا حق تعالیٰ اگر امیروں سے حساب لیں گے تو غریبوں سے عذرخواہی کریں گے اور عذرخواہی حساب سے زیادہ افضل ہے۔ شیخ فرید عطارؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ابن عطاؒ کو زندیق کہا ہے علی بن عیسیٰ نے جو خلیفہ وقت کا وزیر تھا آپ کو طلب کیا اور سخت کلامی کے بعد قتل کر دیا۔ قتل کے وقت آپ نے فرمایا کہ خدا کرے تیرے ہاتھ پاؤں کٹ جائیں۔ اس کے فوراً بعد خلیفہ وزیر سے ناراض ہوا اور ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جس سے وہ مر گیا۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ ابن عطاؒ کے لیئے یہ مناسب نہ تھا کہ قاتل کے لیئے بددعا کرتے۔ شیخ فرید عطار فرماتے ہیں کہ ابن عطاؒ نے وزیر کی بھلائی کی کیونکہ اسی وجہ سے اسے درجہ شہادت نصیب ہوا۔ بات یہ ہے کہ آپ صاحب فراست (کشف) تھے۔ اور آپ کو معلوم تھا کہ حق تعالیٰ کی مرضی یہی ہے۔ اور حق تعالیٰ نے آپ کے زبان سے یہ بات نکلوائی (یعنی وزیر کے لیئے بددعا) اور درحقیقت ابن عطاؒ درمیان میں نہ تھے۔ صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ ابن عطاؒ کو منصور حلاجؒ کی وجہ سے قتل کیا تھا قصہ یہ ہے کہ وزیر نے منصورؒ کو قتل کیا تو ابن عطاؒ سے پوچھا کہ تم اسکے حق میں کیا کہتے ہو۔ فرمایا تو اس قدر مغرور ہے کہ اس سے باز نہیں آتا۔ مظلوموں کا مال واپس دے۔ اس سے وزیر کو غصہ آیا اور حکم دیا کہ اسکا ایک ایک دانت نکال لیا جائے اور سر تن سے جدا کر دیا جائے۔ آپ کی وفات ۳۰۹ھ میں ہوئی۔ اور دوسری روایت کے مطابق ۳۱۱ھ میں ہوئی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابو محمد حریری ؒ

ولیٔ قبلۂ ولایت، صفی کعبہ ہدایت، در مشاہدہ ہمہ بصری شیخ وقت خواجہ ابو محمد جریری قدس سرہٗ طبقہ ثالثہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اسمِ گرامی احمد بن حسین اور ایک روایت کے مطابق حسین بن محمد اور دوسری روایت کے مطابق عبداللہ بن یحییٰ ہے۔ آپ یگانہ روزگار اور برگزیدِ عصر تھے۔ آپ کے دقائق کے (باریک بیانی) سب مشائخ مداح ہیں۔ آپ تمام علوم میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ اور اکثر مشائخ کے استاد تھے۔ آپ خواجہ جنیدؒ کے اصحاب میں سے تھے۔ خواجہ جنیدؒ کے بعد آپ کو ان کی مسند پر بٹھایا گیا۔ خواجہ جنیدؒ نے اپنے مریدین سے فرمایا تھا کہ یہ زمانے کے ولی ہیں آپ ایک سال مکہ معظمہ میں مقیم رہے لیکن اس عرصے میں آپ نے نہ کبھی بات کی نہ سوئے اور نہ پاؤں دراز کیے۔ خواجہ ابو بکر کتانی ؒ نے پوچھا آپ سے یہ مجاہدات کس طرح ہو سکے فرمایا صدق باطن کی برکت سے۔ ایک دن آپ وعظ کر رہے تھے ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر کہا میرا دل بیٹھ رہا ہے دعا فرمائیں ٹھیک ہو جائے۔ فرمایا ہم بھی اسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔

نیز فرمایا کہ پہلی صدی میں لوگ دینداری سے معاملت طے کرتے تھے۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو دین کمزور ہو گیا۔ دوسری صدی میں وفا سے معاملت کرتے تھے جب وہ گئے تو وفا بھی گئی۔ تیسری صدی میں مروت سے اور چوتھی صدی میں حیا سے معاملت کرتے تھے۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو مروت اور حیا بھی رخصت ہوئی۔ اب لوگوں کی یہ حالت ہے کہ حکومت کے ڈر سے معاملات درست رکھتے ہیں نہ محبت سے نہ عشق سے۔ صاحبِ نفحات فرماتے ہیں کہ آپ خواجہ سہیل عبداللہ تستریؒ کے مصاحب تھے۔ اور ان کے ساتھ قرامطہ کی جنگ میں پیاس کے مارے جان دے دی۔ ایک درویش کہتے ہیں کہ میں اس سال ان لوگوں کے

ساتھ تھا۔ میں قرامطیوں کے ہاتھ سے بھاگ نکلا اور ایک قافلے کے نزدیک پہنچا تاکہ زخمی لوگوں کو پانی دوں۔ یا دیکھوں کہ ان کا کیا حال ہے میں زخمیوں کے درمیان پھر رہا تھا کہ خواجہ محمد حریری ؒ کو وہاں پڑا دیکھا۔ اس وقت آپ کی عمر ایک سو سال سے زائد تھی۔ میں نے عرض کیا یا شیخ آپ دعا کیوں نہیں کرتے کہ حق تعالیٰ اس بلا کو دفع فرمائیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نے دعا کی تھی لیکن یہ جواب ملا کہ ہم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ وہ درویش کہتے ہیں کہ میں نے دوسری بار بھی عرض کیا۔ فرمایا میرے بھائی یہ دعا کا وقت نہیں۔ یہ تسلیم و رضا کا وقت ہے یعنی دعا نزول بلا سے پہلی مانگی جاتی ہے جب بلا نازل ہو جائے تو راضی برضا رہنا چاہیے۔ یہ بھی آپ کا مقولہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنے انوار سے زندہ کرتا ہے۔ تو وہ ہرگز نہیں مرتا اور تا ابد زندہ رہتا ہے۔ نیز فرمایا کہ جب مصطفےٰ علیہ السلام نے حق کی طرف نظر کی۔ حق کو حق سے دیکھا اور حق کے ساتھ باقی ہو گئے بلا قید مکان و زمان و باوصاف حق تعالیٰ مجرّد ہو گئے آپ کی وفات ۳۱۲ھ یا ۳۱۴ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابوبکر بن طاہر الاَبہری ؒ

عالم ربانی، مقیم لامکانی، مقتدائے قوم اہل سحری خواجہ ابوبکر بن طاہر الابہری قدس سرہٗ کا اصلی نام عبداللہ بن طاہر بن حارث الطاقی ہے۔ آپ چوتھے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور خواجہ شبلی ؒ اور جبل کے اکابر مشائخ ؒ کے ہمعصر تھے آپ ایک باورع عالم تھے۔ اور یوسف بن حسین کے صحبت یافتہ تھے آپ مظفر کرمان شاہی کے دوست تھے۔ شیخ مہلب بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے بڑے بڑے مشائخ کی صحبت اختیار کی لیکن مجھے اس قدر نفع کہیں سے نہ ہوا جس قدر خواجہ ابوبکر بن طاہر کی صحبت سے ہوا۔ خواجہ ابوبکر طاہر سے کسی نے پوچھا کہ حقیقت کیا ہے فرمایا سب علم ہے۔ اس نے پوچھا علم کیا ہے فرمایا سب حقیقت

ہے ۔ نیز فرمایا کہ بعض بزرگان ظاہرًا قرب میں ہوتے ہیں اور دعوٰی محبت کرتے ہیں اور بعض ظاہرًا دور ہوتے ہیں لیکن وہ قرب والوں سے زیادہ مقرب و محتسب ہوتے ہیں پس ان کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے ۔ کیونکہ جو حضرات حریم دوست سے انتصال کے باعث قرب میں ہوتے ہیں ان کا شوق کم ہو جاتا ہے اور جو لوگ ظاہرًا دور ہیں لیکن باطن میں قریب ہیں ان کا شوق ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے اسی وجہ سے بزرگان نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی حرم سے دور اپنے وطن میں مقیم ہے لیکن لیکن باطن میں وہ اس حریم کو دیکھ رہا ہے تو اس شخص سے بہت بہتر ہے جو حرم کے قریب ہے اور اس کا دل کسی دوسری طرف ۔ آپ کی وفات ۳۳۱ھ میں ہوئی ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

حضرت خواجہ ابوبکر کتانی رح

شمع عالم توفیق، رکن کعبہ تحقیق، قبلۂ روحانی پیر وقت خواجہ ابوبکر کتانی قدس سرہٗ جو تیسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ آپ کا اسم گرامی محمد بن علی بن جعفر البغدادی الکتانی ہے ۔ آپ شیخ مکہ تھے ۔ آپ فراست، حقائق و معارف مجاہدہ، ریاضت اور قسم وقسم کے علوم میں کامل تھے ۔ آپ کا شمار خواجہ جنیدؒ کے اصحاب میں ہوتا ہے ۔ خواجہ ابوالحسن نوری کی صحبت بھی آپ کو ملی ہے ۔ آپ کو چراغ حرم کہتے ہیں کیونکہ آپ تادمِ حیات مکہ معظمہ میں مجاور رہے ۔ آپ شروع رات سے آخیر تک نماز پڑھتے تھے ۔ اور ایک ختم قرآن کرتے ۔ شیخ فرید عطارؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے طواف کعبہ میں بارہ ہزار ختم قرآن کیے تھے ۔ آپ تیس سال تک حرم مکہ میں پرنالۂ رحمت کے نیچے بیٹھے رہے اور ان تیس سالوں میں رات دن میں صرف ایک دفعہ وضو کرتے تھے ۔ اور اس عرصے میں نیند نہ کرتے تھے آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے صحرا میں ایک درویش دیکھا جو مردہ تھا اور ہنس رہا تھا ۔ میں نے اس سے کہا تو مردہ ہے اور ہنس رہا ہے فرمایا محب

حق اسی طرح ہوتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ میرا دل حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی وجہ سے مکدر تھا۔ بلکہ اس وجہ سے مکدر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لافتیٰ الا علی (علی کے سوا کوئی جوان مرد نہیں) اگر حضرت علیؓ جوانمردی سے کام لیتے تو امیر معاویہؓ کے ساتھ فراخدلی سے پیش آتے تو اتنی خونریزی نہ ہوتی۔ میں صفا و مروہ کے درمیان رہتا تھا۔ اس جگہ ایک رات خواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف اشارہ فرمایا لیکن مجھے اس تکدر کی وجہ سے شرم آرہی تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حضرت علیؓ کے پاس لے گئے اور آپ (حضرت علیؓ) میرے ساتھ شفقت سے پیش آئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب تشریف لے گئے۔ اور حضرت علیؓ میرے ساتھ اکیلے رہ گئے۔ آپ نے فرمایا آؤ کوہِ ابو قیس پر چلیں۔ چنانچہ ہم پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اور وہاں سے کعبہ کا نظارہ دیکھا جب میں بیدار ہوا تو اپنے آپ کو کوہِ ابو قیس پر پایا۔ اس وقت میرے دل میں ذرا بھر بھی تکدر باقی نہ تھا۔ اس کے بعد میں حضرت علی کی دوستی میں ثابت قدم ہو گیا۔ اور تب اصلی مقصود کو پہنچا۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ آپ حضرت خضر علیہ السلام کے محبت دار تھے اور وہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد تھے کہتے ہیں کہ آپ کو اس کثرت سے مصطفےٰ علیہ السلام کی زیارت ہوتی تھی۔ کہ لوگ آپ سے سوال پوچھتے تھے اور آپ ان کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرما کر لوگوں کو جواب دیتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا کہ جو شخص دن میں اکتالیس بار یاحیّ یا قیوم یا لَا اِلٰہَ اَنْتَ پڑھے جب لوگوں کے دل مردہ ہوں گے تو اس کا دل مردہ نہ ہو گا۔ ایک دفعہ آپ نے ایک نورانی شکل کے بزرگ دیکھے جو چادر اوڑھے بڑی شان سے باب بنی شیبہ

سے داخل ہو رہے ہیں۔ انہوں نے سلام کے بعد کہا اے ابوبکر تم مقام ابراہیم پر کیوں نہیں جاتے کہ وہاں ایک بڑے بزرگ عبدالرزاق نام آئے ہوئے ہیں اور بڑی اونچی روایات کرتے ہیں تاکہ تم جا کر سنو۔ آپ نے فرمایا میں یہاں رزاق (حق تعالیٰ) سے سنتا ہوں تم مجھے عبدالرزاق کے پاس بھیجتے ہو یہ سن کر اس بزرگ نے فرمایا کہ جو کچھ تم کہتے ہو کیا اس کی کوئی دلیل بھی تمہارے پاس ہے آپ نے فرمایا دلیل یہ ہے کہ آپ خضر علیہ السلام ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم تھا کہ کوئی ایسا ولی نہیں ہے جو مجھے نہ پہنچانتا ہو اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ حق تعالیٰ کے ایسے دوست بھی ہیں جو مجھے پہنچانتے ہیں لیکن میں ان کو نہیں پہچانتا۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ بہتر تھا کہ آپ جس طرح رزاق سے سنتے تھے عبدالرزاق سے بھی سن لیتے کیونکہ وہ اُن مشائخ کبار میں سے تھے کہ جن کا ظاہر عام لوگوں کے ظاہر کی طرح ہے اور جن کا باطن خواص کے باطن کی مانند ہے کیونکہ شریعت تن پر ہے اور حقیقت جان پر۔ شیخ ابوالقاسم دمشقی فرماتے ہیں کہ میں نے خواجہ کتانی رح سے پوچھا کہ تصوف کیا ہے فرمایا تصوف کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ تو درمیان میں نہ رہے۔

کسی نے خواجہ ابوحفص رح سے پوچھا کہ صوفی کون ہے فرمایا صوفی یہ نہیں پوچھتا کہ صوفی کون ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ علم سر اللہ (اللہ کا راز) ہے اس صاحب اسرار قوم کے ساتھ چوکیدار کو رازِ سلطان سے کیا کام۔ اس کام کی اصل یافت (پانا) ہے نہ کہ دریافت (یعنی پالینا ہے نہ کہ تلاش میں رہنا) آخر وقت میں خواجہ ابوبکر کتانی سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو یہ درجہ کیسے ملا۔ فرمایا چالیس سال تک میں نے اپنے دل کی چوکیداری کی۔ جو کچھ غیر حق دیکھتا تھا دل سے نکال کر پھینک دیتا حتیٰ کہ میرا دل اس طرح ہو گیا کہ حق تعالیٰ کے سوائے اس کے اندر کچھ نہ رہا۔ آپ کی وفات ۳۲۲ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ عبداللہ بن محمد منازلؒ

ہدفِ تیر ملامت، پیشوائے اہل کرامت، سید بصورت، از ازل پیر اہل ملامت خواجہ عبداللہ بن محمد منازل قدس سرہٗ طبقہ چہارم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ آپ مشائخ نیشاپور میں سے تھے۔ آپ یگانہ روزگار تھے۔ آپ شیخ ملامتیاں ہیں۔ آپ بڑے متوکل تھے اور دنیا اور اہل دنیا سے بیزار تھے۔ آپ خواجہ ہمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور طریقت کی تعلیم ان سے حاصل کی۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں مرد اور نیم مرد (پورے جواں مرد اور نصف جوانمرد) کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ نیم مرد نصر آبادی ہے جو لوگوں کو برائی سے یاد نہیں کرتا اور پورا مرد عبداللہ منازلؒ ہے جو لوگوں کا نام ہی نہیں لیتا۔

آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس کام میں (طریقت میں) زور سے آتا ہے نتیجہ تکبر ہوتا ہے اور جو ضعف سے آتا ہے قوی ہو جاتا ہے۔ یعنی آدمی کو چاہیے کہ نیاز اور ارادت سے اس کام میں داخل ہو نہ کہ دعوہ قوت اور زعم سے۔ نیز فرمایا کہ اگر ساری عمر میں ایک لحظہ ریا و شرک سے بندہ پاک رہ سکے تو اسکی برکات آخری عمر میں اس کے اندر سرایت کریں گی۔ خواجہ احمد اسودؒ فرماتے ہیں کہ خواب میں مجھے ہاتف نے آواز دی کہ عبداللہ سے کہہ دو کہ تیار ہو جاؤ ایک سال کے بعد تمہاری وفات ہوگی۔ میں نے جاکر ان سے یہ بات کہی۔ فرمایا بڑا لمبا وعدہ ہے اور ابھی کافی مدت باقی ہے۔ ابھی سال بھر انتظار کرنی ہے۔ شیخ فرید عطارؒ فرماتے ہیں کہ ابو علی ثقفیؒ نے عبداللہ منازل سے کہا کہ موت کے لیئے تیار رہو کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ آپ نے اپنا بازو لمبا کیا اور اس پر سر رکھ کر سو گئے اور فرمایا کہ اب مرتا ہوں اور اسی وقت جاں بحق ہو گئے۔ آپ کی وفات کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابو علی رود باری رحمۃ اللہ علیہ

ارباب ولایت، گنجینۂ ہدایت، مقرب حضرت باری، مقتدائے قوم خواجہ ابو علی رودباری قدس سرہٗ چوتھے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی احمد بن محمد القاسم بن منصور ہے آپ کا امراء اور رؤسا کا خاندان ہے اور سلسلہ نسب نوشیروان کسریٰ سے ملتا ہے۔ آپکا شمار اکابر اولیاء میں ہوتا ہے آپ خواجہ جنیدؒ کے اکابر اصحاب میں سے تھے۔ اور خواجہ ابوالحسن نوریؒ ابو حمزہؒ اور خواجہ ابن جلاؒ کے صحبت یافتہ ہیں۔ چنانچہ سلسلہ نقشبندیہ اور یسویہ آپ کے واسطے سے خواجہ جنیدؒ تک جا ملتا ہے۔ نفحات میں لکھا ہے کہ ایک دن خواجہ جنیدؒ جامع مسجد میں باتیں کر رہے تھے۔ ابو علی کا وہاں سے گزر ہوا۔ خواجہ جنیدؒ کسی آدمی سے فرما رہے تھے اسمع یا ھذا۔ ابو علی نے سمجھا مجھے مخاطب کیا ہے۔ آپ کھڑے ہو کر ان کی بات سننے لگے۔ خواجہ جنیدؒ کی باتوں نے آپ کے دل پر گہرا اثر کیا اور سب کچھ ترک کر کے طریقت میں داخل ہو گئے۔ آپ حافظ حدیث، عالم فقیہہ، ادیب، امام اور سید قوم تھے۔ آپ عبداللہ رود باریؒ کے ماموں ہیں۔ شیخ ابو علی کاتبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو علی رود باریؒ سے بڑھ کر کسی کو جامع علوم ظاہر و باطنی نہیں دیکھا۔ جس وقت ابو علی کاتبؒ خواجہ ابو علی رودباری کا نام لیتے تھے "سیدنا" کہتے تھے ان کے شاگردوں کو اس سے رشک آتی تھی۔ شاگردوں نے کہا آپ انہیں "سیدنا" (ہمارا آقا) کیوں کہتے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ ہاں وہ شریعت سے طریقت تک پہنچے اور ہم اس طریقت سے شریعت تک آئے ہیں۔

مولانا عبدالغفور نفحات الانس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص حقیقت سے شریعت کی طرف جاتا ہے مجذوب سالک ہوتا ہے اور اسے حقیقت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو شخص

شریعت سے حقیقت کی طرف جاتا ہے و سالک مجذوب ہوتا وہ عین وصل میں ہوتا ہے جو بہت ہی اچھی حالت ہے۔

ایک دفعہ ابو علیؒ حمام خانہ میں گئے وہاں آپ کی نظر ایک مرقع (لباس درویشاں) پر پڑی۔ سوچنے لگے کہ کون بزرگ ہیں۔ اندر جا کر دیکھا کہ ایک درویش ایک خوبصورت نوجوان کی خدمت میں کھڑے ہیں۔ درویش نے جوان کے سر پر پانی ڈالا اور غسل کرایا۔ غسل سے فارغ ہو کر جوان باہر چلا گیا اور درویش بھی چلے گئے۔ ابو علی بھی تماشہ دیکھنے کے لیئے باہر چلے گئے۔ اس درویش نے جوان کو کپڑے پہنوائے۔ اس پر گلاب چھڑکا۔ عود (خوشبودار لکڑی) جلائی اور پنکھا کرنے لگے۔ ان کے سامنے آئینہ رکھا غرضیکہ جس قدر جوان کی خدمت کر سکتے تھے بجا لائے۔ لیکن اس جوان نے ایک دفعہ بھی آنکھ اٹھا کر درویش کی طرف نہ دیکھا۔ جب وہ جوان باہر جانے لگا تو درویش بے قرار ہو گئے اور کہنے لگے اے جوان کیا کروں آپ نے تو میری طرف دیکھا ہی نہیں اس نے جواب دیا کہ مر جاؤ اور زندگی کی قید سے رہائی حاصل کرو تاکہ میں تجھے دیکھوں۔ درویش فوراً گرے اور جاں بحق ہو گئے۔ جوان چلا گیا۔ ابو علی فرماتے ہیں کہ مدت بعد مکہ میں مَیں نے اس جوان کو دیکھا کہ صحرا میں گھاس کا رقع (جامہ) پہنے ہوئے تھے میں نے کہا آپ وہی نہیں کہ جس نے اس درویش سے کہا کہ مر جاؤ تاکہ تجھے دیکھوں۔ اس نے کہا ہاں وہی ہوں۔ اور اے شیخ وہ میری غلطی تھی۔ میں نے پوچھا آپ یہاں کیسے آئے۔ انہوں نے جواب دیا۔ اس کے بعد میں رات کو خواب میں اس درویش کو دیکھا۔ اس نے مجھ سے کہا میں مر گیا پھر بھی تم نے میری طرف نہ دیکھا۔ اب ایک دفعہ میری طرف دیکھو۔ نیند سے بیدار ہو کر میں نے توبہ کی۔ اور ان کی قبر پر گیا میں نے سر منڈھا کر رقع گلے میں ڈالا اور حق تعالیٰ سے عہد کیا کہ جب تک زندہ رہوں گا ہر سال حج کروں گا اور اس کی قبر پر جا کر

ایصالِ ثواب کروں گا تاکہ کفارۂ گناہ ہو جائے آپ کی وفات ۳۲۱ھ ہجری میں خلیفہ معتضد کے عہد میں ہوئی۔

۱۱

در بیان مجمل از احوال خواجہ ابو احمد چشتیؒ و خواجہ ابو یعقوب نہرجوریؒ وغیرہم

حضرت خواجہ ابو احمد چشتیؒ

عمدہ ابرار، قدوۂ اخیار، رئیس اولیا، پیشوائے اصفیا، پاک از دنیا و زشتی، قطب ابدال خواجہ ابو احمد چشتی قدس سرہ، انواع و اقسام کے کرامات، درجات اور مشاہدات سے آراستہ تھے۔ فنائے احدیت میں گم تھے اور دوست کے بھیدوں میں سے کوئی بھید افشا نہیں کرتے تھے۔ آپ نے خرقۂ خلافت خواجہ ابو اسحاق چشتیؒ سے حاصل کیا تھا۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ آپ سلطان فرسانہ کے صاحبزادہ تھے جو حسینی شرفا میں سے تھے۔ اور اپنی ولایت کے امیر تھے سلطان کی ایک بہن تھی جو نہایت نیک تھی۔ خواجہ ابو اسحاق چشتیؒ اُن کے گھر جاتے تھے اور کھانا کھاتے تھے۔ ایک دن آپ نے اس صالحہ عورت سے کہا تیرے بھائی کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوگا جو بڑی شان والا ہوگا۔ تمہیں چاہیے کہ اپنے بھائی کے حرم میں رہ کر اسباب کا خیال رکھو کہ حمل کے ایام میں اس کی والدہ کوئی حرام چیز نہ کھائے۔ وہ ضعیفہ خواجہ ابو اسحاق چشتیؒ کے فرمان کے مطابق اپنے ہاتھ سے رسیاں بنا کر بیچتی تھی اور اپنی بھاوج کے لیے رزق حلال مہیا کرتی۔ حتیٰ کہ ۲۶۰ھ میں خواجہ ابو احمد چشتیؒ پیدا ہوئے۔ اور وہی عورت رزق حلال سے آپ کی پرورش کرتی رہی۔ جب کبھی خواجہ ابو اسحاقؒ اسکے گھر آتے تھے لڑکے کو دیکھ کر فرماتے تھے کہ اس سے ایسی بو آتی ہے کہ جس سے یہ خاندان بہت بزرگ ہوگا۔ صغیر سنی میں آپ سے عجیب و غریب مشاہدات دیکھنے میں آتے تھے۔ جب آپ بیس سال کے ہوئے ایک دن اپنے والد کے ساتھ پہاڑ کی طرف شکار کو گئے دوران شکار میں آپ اپنے والد اور ہمراہیوں سے جدا ہو گئے۔ پہاڑ کے اندر جا کر دیکھا کہ رجال اللہ

میں سے چالیس بزرگ ایک پہاڑ پر کھڑے ہیں اور خواجہ ابو اسحاق ان کے درمیان ہیں۔ آپ گھوڑے سے اتر کر خواجہ ابو اسحاق کے پاؤں پر گر گئے۔ گھوڑا اور اسلحہ جو کچھ آپ کے پاس تھا سب چھوڑ دیا اور تمام ظاہری و باطنی مقاصد ترک کر کے ادنی لباس پہنا اور رجال اللہ کے ساتھ چلے گئے۔ آپ کے باپ اور خدام نے جس قدر تلاش کیا نہ پایا۔ کچھ عرصہ کے بعد خبر ملی کہ آپ خواجہ ابو اسحاق کے ساتھ فلاں مقام پر ہیں۔ آپ کے والد نے خدام کی ایک جماعت بھیجی تا کہ آپ کو گھر لے آئیں۔ لیکن انہوں نے جس قدر کوشش کی اور خوف دلایا آپ ہرگز واپس نہ آئے۔ دراصل جب سالک کو توحید میں فنا حاصل ہوتی ہے وہ ہرگز اس مقام سے واپس نہیں آتا کیونکہ وحدت سے مراجعت دوئی ہے اور یہاں دوئی کا نام نہیں۔ بیت

چوں قطرہ غرق دریا شد چہ باشد — وجود قطرہ جز دریا نباشد

(جب قطرہ دریا میں غرق ہو جاتا ہے تو یہ ہوتا ہے کہ قطرے کا وجود نہیں رہتا دریا رہ جاتا ہے) کہتے ہیں کہ آپ کے باپ کا ایک شراب خانہ تھا۔ ایک دن آپ وہاں پہنچ گئے شراب خانہ کا دروازہ بند کر کے تمام جام و ساغر توڑ ڈالے۔ لوگوں نے آپ کے والد کو خبر دی۔ وہ چھت پر آیا اور روزن سے ایک بڑا پتھر آپ پر پھینکا۔ لیکن پتھر ہوا میں معلق ہو گیا۔ اور آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچا۔ یہ دیکھ کر والد نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ کہتے ہیں کہ خواجہ ابو اسحاق چشتی آپ کی تربیت کے بعد روم کی طرف واپس چلے گئے۔ اس کے بعد خواجہ ابو احمد چشتی قصبہ چشت میں مسند ارشاد پر متمکن ہوئے اور خلقت آپ سے ہدایت پا کر اصلی مقصد تک پہنچنے لگے۔ آپ مشائخ چشت کے سردار اور خانوادۂ کریم اہل چشت کے شیخ ہیں۔ آپ بالاتفاق قطب ابدال تھے۔ اور تمام کرۂ زمین پر متصرف تھے۔ آپ کی عمر دراز تھی۔ آپ ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۵۵ھ میں وصال پایا اور قصبہ چشت میں جو ہرات سے تیس کوس کے فاصلہ پر ہے دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابو یعقوب نہر جوریؒ

منور احوال، مظہر وصال، عارف معنوی وصوری خواجہ ابو یعقوب نہر جوری قدس سرہ، طبقہ چہارم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی اسحاق بن محمد ہے۔ آپ علما رمشائخ میں سے تھے آپ شانِ عظیم رکھتے تھے اور حرمت وآداب میں مخصوص تھے۔ آپ مقبولِ خلائق تھے اور صاحب سوز و گداز تھے۔ آپ کے مجاہدات بہت سخت تھے، مراقبات باکمال اور کلمات بہت پسندیدہ۔ آپ سے کوئی بزرگ زیادہ نورانی نہ تھا۔ آپ کئی سال مکہ میں مجاور رہے۔ خواجہ جنیدؒ اور عمر بن عثمان مکیؒ کی صحبت بھی آپ کو ملی ہے۔ آپ ابو یعقوب سوسیؒ کے مرید تھے جنہوں نے فرمایا تھا کہ جو شخص علم توحید تکلف سے بیان کرتا ہے مشرک[۱] ہے۔ ابو سعید خرازؒ فرماتے ہیں کہ اس علم کا بیان کرنا روا نہیں ہے سوائے اس شخص کے لیے جو اپنے حال سے کلام کرتا ہے نہ کہ دوسروں کے کردار سے۔ ابو یعقوب نہر جوری فرماتے ہیں کہ اس مقام تک پہنچنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ تو خلق سے پیوستہ نہ ہو۔ بلکہ حق سے پیوستہ ہو۔ دوم یہ کہ تیرا عمل ثواب کے لیے نہیں بلکہ تعمیل حکم اور محبت کی وجہ سے ہو۔ اور خلوت وجلوت میں حق تعالےٰ کے ساتھ ہو نہ کہ عمل یا اس کے ثواب کے ساتھ (یعنی ہر وقت توجہ الی اللہ ہونی چاہیے نہ توجہ الی ثواب) نیز فرمایا کہ جس نے توحید تقلیدی[۲] سے لی طریقِ صوفیا سے دور رہا۔ کیونکہ تقلیدی توحید حق تعالےٰ کی وحدت کا صرف ذہنی تصور ہے لیکن اس طائفہ صوفیا کا طریق دل کو غیر سے خالی کرنا اور ایک کے ساتھ ایک ہونا ہے۔ نیز فرمایا کہ جب بندہ اپنے آپ سے فانی ہوتا ہے حق تعالےٰ کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ جب کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مقام پر اپنے سے فانی اور حق سے باقی ہو گئے تھے نیز فرمایا کہ سب سے بڑا عارف وہ ہے جو حق تعالےٰ کے ساتھ حق میں متحیر ہو۔ فرمایا عارف اس وقت

---

[۱] تکلف سے بیان کرتا ہے یعنی حال نہیں ہے صرف قال ہے۔

[۲] توحید تقلیدی یہ ہے کہ جس طرح بزرگوں سے سنے بیان کرے۔ خود حال سے بے بہرہ ہو یعنی اپنی تصدیق یا تحقیق حاصل نہ ہو۔

تک واصل حق نہیں ہوسکتا جب تک اپنے دل کو ان تین چیزوں سے نہ کاٹ ڈالے۔ یعنی علم، عمل اور خلوت۔ یعنی یہ تین چیزوں کو اللہ کی محبت میں بھول جائے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ عارف حق تعالےٰ کے سوا کسی چیز سے تاسف بھی کرتا ہے فرمایا عارف حق کے سوا کسی چیز کو نہیں دیکھتا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا حق تعالےٰ کا طریق (راستہ) کس طرح ہے۔ فرمایا جاہلوں سے دور رہنا اور علمار ربانی کی صحبت اختیار کرنا، اس طائفہ (صوفیا) کے علم سے فائدہ اٹھانا اور ہمیشہ حق تعالےٰ کے ذکر میں رہنا۔ آپ کی وفات ۳۳۰ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ عبداللہ بن محمد مرتعش ؒ

سالک لبساط سبحان، واصل بمشاہدہ رحمان، سلطان بے غش خواجہ عبداللہ بن محمد مرتعش قدس سرہٗ چوتھے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمدؒ ہے۔ آپ کا اصلی وطن نیشاپور ہے۔ آپ یگانۂ مشائخ عراق تھے۔ آپ تمام مشائخ کے نزدیک معتبر اور مقبول تھے۔ آپ خواجہ ابوحفص حدادؒ کے اصحاب میں سے تھے۔ خواجہ جنیدؒ، خواجہ ابوعثمانؒ اور خواجہ ابوبکر شبلیؒ کی صحبت بھی آپ نے پائی ہے۔ آپ کافی عرصہ خواجہ ابوحفص کے ساتھ ہم سفر رہے اور ہر سال ہزار کوس سفر کرتے تھے۔ آپ سر اور پاؤں سے ننگے رہتے تھے اور کسی شہر میں دس دن سے زیادہ نہیں ٹھہرتے تھے۔ کبھی آپ تین دن بھی ٹھہرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ شروع میں میں ایک دہقان کا لڑکا تھا۔ نیشاپور میں اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھا تھا کہ اچانک ایک جوان آیا جس نے مرقع پہنا ہوا تھا اور کہنہ سر پر تھا۔ اس نے مجھ سے ایک لطیف اشارہ میں کوئی چیز طلب کی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ جوان مرد اور تندرست آدمی ہے اسے شرم نہیں آتی کہ سوال کرتا ہے۔ اس لیے میں نے اُسے کوئی جواب دیا۔ اس نے ایک ایسی آواز دی کہ میں ڈر گیا اور کہا۔ اعوذ باللہ مما خا۔ بسرك واختلج به صدرك (یعنی میں حق تعالےٰ سے پناہ مانگتا ہوں اس خیال سے جو تیرے سر میں آیا اور تیرے دل میں کھٹکا ہے) یہ سنتے ہی میں بے خود ہو کر گر پڑا۔ ایک خادم گھر سے

باہر آیا اور میرا سر اپنی گود میں رکھا۔ بہت لوگ جمع ہو گئے۔ جب مجھے ہوش آیا وہ جوان جا چکا تھا۔ پس میرے دل میں حسرت پیدا ہوئی اور اپنے کیے پر پشیمان ہوا۔ جب رات ہوئی بہت غم زدہ ہو کر سو گیا۔ خواب میں مَیں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا اور وہ جوان بھی آپ کے ساتھ تھا۔ حضرت علیؓ نے میری طرف اشارہ کر کے تنبیہ فرمائی کہ اِنَّ اللہَ لا یُجِیبُ مانع سائلہ (یعنی حق تعالےٰ اس شخص کی دعا قبول نہیں کرتا جو سائل کا سوال رَد کرتا ہے)، جب مَیں خواب سے بیدار ہوا جو کچھ میرے پاس تھا خیرات کر دیا اور سفر پر روانہ ہو گیا۔ اور ہمیشہ اس جوان کو اپنے ساتھ دیکھتا ہوں اور کبھی اس شرمندگی سے خالی نہیں ہوا اور مرتے دم تک خالی نہیں ہوں گا۔ شیخ فرید عطارؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن خواجہ مرتعش بغداد کے ایک محلے میں جا رہے تھے۔ آپ کو پیاس لگی اور ایک گھر سے پانی طلب کیا۔ ایک صاحبِ جمال لڑکی پانی کا کوزہ لے آئی۔ اُسے دیکھتے ہی دل و جان سے فریفتہ ہو گئے۔ آپ اُسی جگہ بیٹھ گئے۔ جب صاحب خانہ جو بغداد کے سخی لوگوں میں سے تھا گھر آیا تو آپ نے فرمایا، اے خواجہ مجھے آپ کے گھر سے میٹھا پانی ملا ہے اور میرا دل لے لیا گیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنی لڑکی تجھے دی۔ اور اندر جا کر لڑکی کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔ اس کے بعد حمام میں بھیج کر نہلوایا اور نئے کپڑے پہنوائے اور جب رات ہوئی تو لڑکی اس کے پاس بھیج دی۔ خواجہ مرتعش نے اٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دی اور دوران نماز میں اچانک فریاد کی کہ میرا خرقہ لاؤ انہوں نے کہا کیا ہوا۔ فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ ہماری مرضی کے خلاف جو ایک نظر تم نے کی ہے اس کے بدلے ہم نے لباس اہل صفا تم سے چھینا ہے۔ اگر دوسری نظر اٹھائی تو لباس آشنائی تیرے باطن سے اتار لیا جائے گا۔ پس آپ نے خرقہ پہن لیا اور بیوی کو طلاق دے دی۔ کسی نے آپ سے فرمایا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جسے اللہ تعالےٰ توفیق دیتا ہے وہ اپنی خواہش نفسانی کے خلاف چلتا ہے۔ اور ایسا شخص اس سے زیادہ افضل ہے جو ہوا میں اڑے یا پانی پر چلے۔ نیز فرمایا کہ میں نے ہرگز اپنے باطن خاص کو نہ دیکھا تاوقتیکہ اپنے ظاہر عام کو نہ دیکھا[1]۔ نیز فرمایا کہ معاملات کو درست کرنا دو چیزوں سے ہوتا ہے

---

[1] یعنی ظاہری آداب بجا لانے کے بعد باطنی کمال حاصل ہوا

صبر دا خلاق۔ یعنی صبر اس پر اور اخلاق اس میں (صبر در وی و اخلاص بر وی[1]) فرمایا تصوف حسن خلق ہے۔ فرمایا تصوف ایسا حال ہے جو صوفی کو غیر کی گفتگو سے غائب کرتا ہے۔ آخر وقت میں آپ کے اصحاب نے وصیت چاہی۔ آپ نے فرمایا کسی ایسے شخص کے پاس جاؤ جو مجھ سے بہتر ہو۔ اور مجھے کسی ایسے شخص کے پاس چھوڑ دو جو تم سے بہتر ہو۔ آپ کی وفات بغداد کی مسجد شونیزیہ میں ۳۲۸ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابو عبد اللہ خفیف

مقرب احدیت، مقدس صمدیت، برگزیدۂ اللہ، قطب وقت خواجہ عبد اللہ خفیف قدس سرہٗ طبقہ چہارم سے تعلق رکھتے ہیں، صاحب نفحات آپ کو طبقہ پنجم میں لکھتے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی محمد بن خفیف تھا۔ آپ کے والد شیراز اور والدہ نیشاپور کے باشندہ تھے۔ آپ اپنے وقت میں شیخ المشائخ تھے۔ آپ کو شیخ الاسلام کہتے تھے۔ آپ علوم ظاہری و باطنی میں مقتدائے خلائق تھے۔ آپ بے شمار تصانیف کے مالک ہیں۔ اسرار و حقائق میں جس قدر آپ کی گہری نظر تھی اولیائے وقت میں سے کسی کو حاصل نہ تھی۔ آپ کے متبعین کو خفیفیان کہتے ہیں۔ صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ تصوف میں آپ کا طریق غیبت و حضور ہے۔ (یعنی غائب ہونا اور حاضر ہونا) پس حضور سے مراد حضور دل ہے یقین کے ساتھ۔ اور غیبت سے مراد دل کا غائب ہونا ہے ذوقِ حق سے۔ اس حد تک کہ جب غیب ہوتا ہے تو اپنے آپ سے بھی غیب ہو جاتا ہے۔ پس اپنے آپ غیب ہونا حق کے ساتھ حاضر ہونا ہے۔ اور حق کے ساتھ حاضر ہونا اپنے آپ سے غیب ہونا ہے۔ لیکن ایک گروہ صوفیا حضور کو غیب پر ترجیح دیتا ہے اور دوسرا گروہ غیب کو مقدم سمجھتا ہے۔ اور یہ حضرات ابن عطا، حسین بن منصور حلاج، ابو بکر شبلی، ابو حمزہ بغدادی اور سمنون محب ہیں۔ لیکن عراقیوں کی

---

[1] صبر در وے کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے غلبہ توحید کو صبر سے برداشت کرے۔ اور صبر بر وے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ پیش آئے بخوشی قبول کرے۔

ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ راہ حق میں حجاب اعظم تو خود ہے۔ جب تیری خودی غیب (گم) ہو جاتی ہے تو ہستی کے آفات تجھ سے فانی ہو جاتے ہیں جیسا کہ تیرے وجود میں آنے سے قبل جب تو غیب تھا حق کے ساتھ حاضر تھا بلا کسی حساب کے۔ جب تو صفت وجود کے ساتھ حاضر ہوا قربت حق سے غیب ہو گیا۔ پس تیرا اہلاک ہونا (باقی نہ رہنا) حضور میں ہے۔ بعض مشائخ مثلاً حارث محاسبیؒ، جنید بغدادیؒ، نشریؒ، ابو حفصؒ، حمدون بن قصار، ابو محمدؒ بن جریریؒ، حصریؒ اور خود صاحب ایں مذہب یعنی خود خواجہ عبداللہ خفیفؒ وغیرہم حضور کو غیبت پر مقدم رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام جمالہا (خوبیاں) حضور میں ہیں۔ اور اپنے آپ سے غیب ہونا راستہ ہے حضور حق کا۔ جب پیش گاہ (حضوری) میسر آتی ہے راستہ آفت بن جاتا ہے۔ اور غیبت کا فائدہ حضوری ہے (یعنی غیبت از خود ہونے سے حضور حق ملتا ہے) اور غیبت بے حضور جنون ہے۔ (یعنی اگر اپنے آپ کو گم کرنے کے بعد وصال حق نصیب نہ ہو تو یہ جنون یعنی دماغ کا خلل ہے کیونکہ مجنون لوگ جو دماغی بیماری کی وجہ سے اپنے آپ سے غیب ہو جاتے یعنی بے خود ہو جاتے ہیں ان کو حضور حق حاصل نہیں ہوتا۔) یا پھر غیبت بے حضور غلبہ (غلبہ مرض) یا موت یا غفلت ہے۔ خواجہ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ اہل آسمان و زمین میری غیبت پر روتے تھے۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا۔ اب یہ حال ہے نہ مجھے ان کی خبر نہ اپنی۔ اور یہ اچھا اشارہ ہے حضور کی جانب۔ اور یہ ہے بیان حضور و غیبت کا جو میں نے مختصراً یہاں لکھ دیا ہے تاکہ خفیفیوں کا مسلک تجھے معلوم ہو جائے۔ حضرت عبداللہ خفیفؒ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ترک دنیا کے بعد آپ نے تجرید میں قدم رکھا۔ آپ نے خواجہ محمد رویم، محمد جریریؒ، ابن عطاؒ، حسین منصورؒ وغیرہ کو بھی دیکھا ہے۔ آپ خواجہ ابو طالب خزرج بغدادیؒ کے مرید تھے۔ بعض نے آپ کو خواجہ محمد رویم کا مرید لکھا ہے۔ ممکن ہے ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا ہو۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اس علم میں کسی اور بزرگ نے اس قدر کتابیں نہیں لکھیں جس قدر کہ آپ نے لکھی ہیں۔ آپ نیک سیرت اور نیک عقیدہ رکھتے تھے۔ آپ شافعی مذہب پر تھے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ خواجہ عبداللہ خفیفؒ کے مجھے دو اقوال پسند ہیں۔ ایک یہ کہ آپ سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے فرمایا حق تعالٰے کا پالینا اس وقت جبکہ خلقت

اس سے غافل ہو۔ دوسرا یہ کہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ شیخ عبدالرحیم اصطخریؒ کیوں سگبانان کے ساتھ صحرا میں جاتے ہیں اور قبا (لباس امراء) پہنتے ہیں فرمایا کہ جس گرانی میں وہ ہیں اس سے آپ کو ہلکا کرنا چاہتے ہیں۔ اور شیخ ابوعبداللہ خفیف کا بھی یہی حال تھا کہ اپنے آپ کو زیر ملامت رکھتے تھے اور قرب حق کی وجہ سے دل میں جو تکبر سا پیدا ہوتا ہے۔ اس سے سبک سار (ہلکا) ہو جاتے تھے۔ یہ بھی آپ نے ابیات میں فرمایا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اس کا ذکر چھوڑ دوں تاکہ ایک لحظہ دم لے لوں لیکن نہیں کر سکتا کیونکہ جس طرف رخ کرتا ہوں ادھر لیلیٰ کو متمثل اور متصور دیکھتا ہوں۔ شیخ فرید عطارؒ فرماتے ہیں کہ آپ کو خفیف اس لیے کہتے ہیں کہ ہر شب سات دانے داکھ سے افطار کرتے تھے۔ آپ بڑے سبک بار، سبک روح، اور سبک حساب تھے۔ (یعنی ہلکے بوجھ والے، ہلکے روح والے یعنی ایسی روح جو جلدی تن سے جدا ہو سکے اور سبک حساب یعنی جس کے پاس کچھ نہ ہو نہ حساب میں دیر لگے) ایک دن خادم نے آٹھ داکھ کے دانے آپ کے سامنے رکھ دیئے جس سے آپ کو گرانی ہوئی۔ اور خادم کو علیحدہ کر دیا یہ کہہ کر کہ تو درست نہیں ہے۔ آپ کے مجاہدہ کا یہ حال تھا کہ ہر رکعت نماز میں آپ ایک ہزار بار سورت قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔ اور اکثر یہ ہوتا تھا کہ آپ صبح سے رات تک ایک ہزار رکعت نفل پڑھتے۔ اور بیس سال آپ نے پلاس (بوریا) پہنا۔ آپ سال میں چار چلے کرتے تھے۔ وفات کے وقت آپ چالیس چلے کر چکے تھے۔ اور آپ کی وفات آخری چلے میں ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ چالیس سال ہوئے ہیں کہ مجھے خاص و عام میں قبولیت کا درجہ ملا ہے اور مجھے اس قدر نعمت ملی ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں اور اس میں میں نے اس طرح زندگی بسر کی ہے کہ مجھ پر کبھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی۔ فرمایا ابتدا میں مجھے حج پر جانے کی خواہش ہوئی۔ جب میں بغداد پہنچا تو میرے سر پر اس قدر غرور سوار ہوا کہ خواجہ جنیدؒ کی زیارت کو نہ گیا۔ جب میں نے صحرا میں منزل کی تو رسی اور ڈول میرے پاس تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کوئیں سے جنگل کے ہرن پانی پی رہے ہیں جب میں کوئیں پر گیا تو پانی نظر نہ آیا۔ پانی واپس کنوئیں میں چلا گیا۔ میں نے مناجات کی کہ الٰہی عبداللہ کی قدر ہرنوں سے بھی کم ہے۔ آواز آئی کہ ہرنوں کے پاس رسی اور ڈول تو نہیں ہے۔ انہوں نے مجھ پر توکل کیا۔ یہ سن کر مجھے عقل آئی اور رسی اور ڈول

میں نے پھینک دیئے۔ اور روانہ ہوگیا۔ دوسری دفعہ آواز آئی کہ اے عبداللہ ہم نے تیرا امتحان لیا کہ آیا تو صبر کرتا ہے یا نہیں۔ اب واپس جا اور پانی پی۔ جب میں واپس گیا تو پانی کنوئیں کے کنارے تک آیا ہوا تھا۔ میں نے وضو کیا پانی پیا اور چلا گیا۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ تک پانی پینے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ حج سے واپس ہو کر میں بغداد پہنچا۔ جمعہ کا دن تھا میں جامع مسجد میں گیا۔ خواجہ جنیدؒ بیٹھے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر فرمایا اگر تم صبر کرتے تو تمہارے پاؤں کے نیچے پانی نکل آتا۔ نقل ہے کہ آپ نے آدھی رات کو اپنے خادم سے کہا کہ میرے لیے عورت لاؤ کیونکہ مجھے عورت کی خواہش ہے۔ خادم نے کہا اس وقت کہاں جاؤں میری لڑکی ہے اگر آپ قبول فرماویں تو لے آؤں۔ فرمایا لے آؤ۔ آپ نے نکاح کر لیا اور کچھ عرصہ کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اور فوت ہوگیا۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ اپنی لڑکی سے کہہ دو کہ مجھ سے طلاق حاصل کرے۔ یہ سن کر خادم حیران ہوا۔ آپ نے فرمایا اس رات میں نے خواب میں قیامت برپا دیکھی تھی اور ساری خلقت پریشان حال تھی۔ میں نے دیکھا کہ ہر لڑکا آتا ہے اور اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ کر پل صراط سے گزارتا ہے مجھے بھی خواہش ہوئی کہ میرا لڑکا ہو۔ چنانچہ لڑکا پیدا ہوا۔ اور چلا گیا۔ اب میرا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ آپ نے چار سو نکاح کیے تھے۔ کیونکہ آپ نیشا پور کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جب آپ نے توبہ کی اور خدا رسیدہ ہوئے تو لوگ آپ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنی لڑکیاں نکاح میں دیتے تھے۔ آپ دو دو تین تین عورتیں بیک وقت نکاح کر کے طلاق دے دیتے تھے۔ لیکن ایک عورت جو وزیر کی لڑکی تھی چالیس سال تک آپ کے نکاح میں رہ گئی۔ نقل ہے کہ دو صوفی کسی دُور دراز مقام سے آپ کی زیارت کو آئے۔ لیکن آپ کو خانقاہ میں نہ پایا۔ کسی نے ان سے کہا کہ آپ بادشاہ کے دربار میں گئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا درویش کو بادشاہ سے کیا کام۔ افسوس کہ شیخ کے حق میں ہمارا گمان صحیح نہ ثابت ہوا۔ خیر انہوں نے کہا ہم بازار کی سیر کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ بازار چلے گئے اور درزی کی دکان پر خرقہ کی جیب درست کرانے لگے۔ درزی کی قینچی گم ہوگئی۔ اس نے ان سے کہا کہ صوفیوں نے اٹھائی ہے۔ پس انہوں نے ایک سپاہی

کو رپورٹ کی جو اہنیں بادشاہ کے سامنے لے گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ کاٹ لیے جائیں۔ شیخ عبداللہ خفیفؒ نے فرمایا کہ ذرا صبر کرو کہ یہ ان کا کام نہیں ہے۔ ان کو چھوڑ دو۔ اس کے بعد آپ نے صوفیوں سے کہا اے جوانو تمہارا گمان صحیح تھا لیکن بادشاہ کے دربار میں ہم اس لیے جاتے ہیں۔ پس دونوں صوفی آپ کے مرید ہو گئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص ولی کامل کا دامن پکڑتا ہے اُسے ضائع نہیں ہونے دیتے۔ اس کے بعد وہ دونوں بڑے رتبے کو پہنچے۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو خادم سے فرمایا کہ بندہ گنہگار ہوں۔ مرنے کے بعد میری گردن اور پاؤں باندھ کر قبلہ رو کر دینا ممکن ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں۔ وفات کے بعد خادم وصیت پر عمل کرنے لگا۔ ہاتف نے آواز دی کہ اے بے خبر! کچھ نہ کرو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میرے مقبول بندے کی حالت خراب کر دو۔ آپ کی وفات تیئیس ماہ رمضان المبارک ۳۶۹ھ میں ہوئی۔ دوسری روایت کے مطابق ۳۳۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر ایک سو چودہ سال تھی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابوالخیر حمادِ اقطعؒ

بندہ آزاد، سعید مادرزاد، فارغ از مقطع خواجہ ابوالخیر حماد اقطع قدس سرہ طبقہ چہارم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی حماد ہے آپ شہر تنیات میں کسی کے غلام تھے۔ شہر تنیات مصر میں واقع ہے۔ شیخ فرید عطارؒ فرماتے ہیں کہ آپ اکثر کوہِ لبنان میں رہتے تھے۔ جہاں اژدہا اور حیوانات آپ سے الفت رکھتے تھے۔ آپ صاحب ریاضت و فراست تھے۔ آپ زنبیل بافی کا کام کرتے تھے لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کس طرح یہ کام کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کا ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ جب کوئی نہ ہوتا تو آپ شیر کے ساتھ موانست کرتے تھے (انس کرتے تھے) کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ خرگوش سے کیوں محبت رکھتے ہیں فرمایا ہاں کبھی ایک کتا دوسرے کتے کے ساتھ انس رکھتا ہے۔ صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ آپ اپنے وقت کے قطب اور ملجائے خلائق تھے۔ اور آپ لوگوں کے احوال سے واقف رہتے تھے۔ آپ سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوا۔ آپ ابو عبداللہ جلاد کے صحبت یافتہ ہیں آپ نے

خواجہ جنیدؒ اور دیگر اکابر مشائخ کی صحبت بھی پائی ہے۔ آپ توکل میں بے نظیر تھے۔ آپ کے ایک دوست نے پوچھا کہ آپ کے ہاتھ کٹنے کا سبب کیا ہے۔ فرمایا ہاتھ نے گناہ کیا اور کاٹا گیا دوست نے دوبارہ گستاخی کر کے پوچھا کہ کس وجہ سے ہاتھ کاٹا گیا۔ فرمایا میں ملکِ مغرب کا رہنے والا ہوں۔ مجھے سفر کا شوق ہوا۔ اسکندریہ گیا۔ بارہ سال وہاں رہا۔ وہاں سے سفر کر کے بارہ سال میں شطا اور بدمیاط کے درمیان رہا۔ وہاں میں نے ایک ندی کے کنارے جھونپڑی بنالی تھی۔ لوگ بدمیاط آتے تھے اور رات وہاں بسر کرتے تھے۔ رات کو کھانا کھاتے تھے اور بچا کھچا کھانا پھینک دیتے تھے۔ میں کتوں سے مزاحمت کر کے کچھ ٹکڑے اٹھا لیتا تھا اور اسی پر گزر اوقات کرتا تھا۔ موسم گرما میں میری خوراک یہ تھی اور موسم سرما میں میرے گھر کے پاس بردا اگا تھا اسی کی جڑ نکال کر کھاتا تھا۔ ایک دن لوگوں نے شور مچایا کہ اے ابوالخیر تو خیال کرتا ہے کہ میں لوگوں سے کچھ نہیں لیتا اور توکل کرتا ہوں اب معلوم ہوا کہ تو کیا کھاتا ہے۔ میں نے کہا الٰہی تری عزت کی قسم آج سے جو کچھ زمین سے اگتا ہے ہرگز ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ اور کچھ نہیں کھاؤں گا سوائے اس چیز کے جو تو مجھے عطا فرمائے۔ بارہ دن گزر گئے۔ میں نماز فرض سنّت اور نفل ادا کرتا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد مجھ سے نفل چھوٹ گئے۔ بارہ یوم صرف فرض اور سنّت پڑھتا رہا۔ اس کے بعد سنت سے بھی عاجز آگیا اور بارہ روز صرف فرض پڑھتا رہا۔ اس کے بعد قیام سے بھی عاجز آگیا اور بارہ دن بیٹھ کر فرض پڑھے۔ اس کے بعد میں بیٹھنے سے بھی عاجز آگیا اور قریب تھا کہ فرض بھی مجھ سے فوت ہو جاتے۔ پس میں نے حق تعالےٰ سے پناہ مانگی اور عرض کیا کہ الٰہی تو نے میرے ذمہ کچھ عبادت فرض کر دی ہے جس کے متعلق تو مجھ سے قیامت میں سوال کرے گا۔ اور میرے رزق کی ذمہ داری تو نے خود اٹھائی ہے۔ اب دعا ہے کہ میرا رزق مجھے عطا فرما۔ اس کے فوراً بعد میرے پاس دو روٹیاں ظاہر ہوئیں۔ روٹیوں کے درمیان کوئی چیز تھی۔ پس روزانہ مجھے دو روٹیاں مل جاتی تھیں۔ بعد ازاں مجھے سفر پر جانے کا اشارہ ہوا۔ ایک شخص حضرت ذکریا علیہ السلام کا ذکر کر رہا تھا کہ کس طرح آپ کے سر پر آرہ چلا کر دو ٹکڑے کر دیئے لیکن آپ نے صبر کیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر خدا مجھے بھی کسی بلا میں مبتلا کرے تو صبر کروں گا۔ پس وہاں سے میں روانہ ہوا۔ قصبہ سور سے باہر

ایک جنگل تھا وہاں میں نے قیام کیا۔ رات دریا کے کنارے پر گزاری۔ اور صبح کی نماز پڑھ کر پھر جنگل میں چلا گیا۔ ایک دن میری نظر ایک درخت پر پڑی کہ جس کے بعض میوے سرخ تھے اور بعض سبز۔ میوؤں پر شبنم پڑی تھی جس سے وہ چمک رہے تھے۔ دیکھ کر میں خوش ہوا۔ اور وہ عہد بھول گیا میں نے ہاتھ لمبا کر کے میوے توڑے۔ کچھ کھائے تھے اور کچھ ابھی ہاتھ میں تھے کہ مجھے وہ عہد یاد آ گیا۔ جو کچھ ہاتھ میں تھا پھینک دیا اور جو کچھ منہ میں تھا نکال ڈالا۔ اور دل میں یہ کہہ رہا تھا کہ اب بلا اور محنت کا وقت آ گیا تھوڑی دیر کے بعد کچھ سوار اور پیادہ لوگوں نے آکر مجھے گھیر لیا۔ اور حکم دیا کہ اٹھو وہ مجھے ساحل پر لے گئے۔ اس علاقے کا حکمران گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ اس کے گرد سپاہیوں کی ایک جماعت تھی جو کئی روز سے مفرور ہو چکے تھے۔ اور پھر پکڑے گئے تھے۔ امیر نے مجھ سے کہا تو کیا کرتا ہے۔ میں نے کہا خدا کا بندہ ہوں پھر ان لوگوں سے پوچھا کہ اسے پہچانتے ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ امیر نے کہا یہ تمہارا سردار ہے۔ جسے تم لوگ چھپا رہے ہو۔ پس اس نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالو چنانچہ ہر ایک سپاہی کا ایک پاؤں اور ایک ہاتھ کاٹا گیا۔ انہوں نے میرا بھی ایک ہاتھ کاٹ لیا جب پاؤں کاٹنے لگے تو میں نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ الٰہی تو رحیم ہے میرے ہاتھ نے گناہ کیا ہے پاؤں کا کیا قصور ہے۔ ناگاہ ان سواروں میں سے ایک نے اپنے آپ کو زمین پر گرا کر فریاد کی کہ کیا کرتے ہو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ آسمان زمین پر گر جائے میرا نام لے کر کہنے لگا کہ یہ بڑا صالح مرد ہے۔ وہ امیر بھی گھوڑے سے اتر کر رونے لگا اور معافی طلب کی۔ میں نے کہا کہ میں نے شروع ہی سے تجھے معاف کر دیا تھا۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا زبیر بن بکیر نامی۔ عالم اور صاحب تصنیف تھا وہ کہتے ہیں کہ مجھے غلاموں سے خدمت لینے پر قطعاً اعتقاد نہ تھا بجز اس کے غرب ہونگے۔ رات کو میں نے

خواب میں دیکھا کہ کثیر تعداد میں غلام آرہے ہیں۔ مجھے کہا گیا اسے بیٹے۔ ان سب کو لے لو یہ سب عجمی ہیں ان میں صرف ایک عرب ہے شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میں تیرہ ابوالخیر پہچانتا ہوں جو سب غلام تھے اور سب صاحب کمال۔ آپ کی وفات سنہ ۳۴۲ھ میں ہوئی اور بعض کے نزدیک یہ تاریخ صحیح نہیں ہے رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ عبداللہ رودغدی

پاکباز ولایت، شاہباز ہدایت، برگزیدہ بیخ خودی، مقتدائے وقت خواجہ عبداللہ رودغدی قدس سرہٗ مشائخ طوس سے ہیں۔ آپ صاحب ریاضات وکرامات عظیم تھے۔ آپ نے ابو عثمان حیری کی صحبت پائی ہے۔ اور اکثر مشائخ وقت کو دیکھا ہے۔ آپ کے ابتدائے حال میں قحط عظیم رونما ہوا یہاں تک کہ آدمی کو آدمی کھانے لگا۔ ایک دن اپنے گھر آئے دو من (اس وقت کے دس سیر کے قریب) گندم پڑی تھی۔ آپ کے دل میں آگ لگ گئی کہ لوگ بھوکوں مر رہے ہیں اور میرے گھر میں گندم پڑی ہے۔ پس آپ نے گندم محتاجوں میں تقسیم کر دی اور خود صحرا کی طرف چل پڑے اور ریاضات ومجاہدات میں مشغول ہو گئے۔ نقل ہے کہ ایک دن آپ اپنے اصحاب کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ کہ حسین بن منصور حلاج سیاہ قبا (لباس اسرار) پہنے اور دو کتے ہاتھ میں لیئے کشمیر سے آرہے تھے خواجہ عبداللہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اس صفت کا جوان آرہا ہے۔ استقبال کرو کہ وہ بڑے بزرگ ہیں وہ لوگ گئے اور ان کو لے آئے آپ نے جب خواجہ منصور کو دیکھا اپنی جگہ پر انہیں بٹھایا۔ وہ بیٹھ گئے۔ اور کتوں کو بھی اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھایا۔ وہ کھانا کھا رہے تھے اور کتوں کو کھلا رہے تھے۔ خواجہ عبداللہ تماشا دیکھ رہے تھے اور آپ کے اصحاب

سخت نفرت کی حالت میں حیران تھے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے اور جانے لگے تو خواجہ عبداللہ نے کھڑے ہوکر آپکو الوداع کہا۔ جب ان کو رخصت کرکے واپس آئے تو آپ کے اصحاب نے پوچھا کہ اے خواجہ یہ کیا حالت ہے آپ نے اُسے کتوں سمیت اپنی مسند پر جگہ دی اور ہمیں ایسے شخص کے استقبال کے لیئے بھیجا۔ کہ ہم سب کی نماز خراب ہوگئی۔ آپ نے فرمایا ہاں اس کا کتا (نفس) اس کا غلام بن گیا اور جہاں جاتا ہے کتا اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اور ہمارا کتا ہمارے اندر رہ گیا ہے اور ہم اس کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ پس جو شخص کتے کا مطیع ہے اس کے اور اس شخص کے درمیان جس کا کتا مطیع ہے کافی فرق ہے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ مرید کی صفت کیا ہے فرمایا تکلیف میں ہے لیکن اس کی تکلیف طلب کی وجہ سے ہے۔ آپ سے کسی نے صوفی اور زاہد کے متعلق پوچھا فرمایا صوفی بحق ہوتا ہے اور زاہد بہ نفس۔ نیز فرمایا کہ حق تعالٰی نے ہر شخص کو معرفت اس کی ہمت اور عمل کے مطابق بخشی ہے معیبت من المعی (مصیبت میں آدمی جس قدر صاحب ہمت ہوتا ہے معرفت الٰہی اسی مطابق حاصل ہوتی ہے) فرمایا کہ دنیا کو دنیا کی خاطر ترک کرنا صد درجہ کی دنیا داری ہے۔ فرمایا حق تعالٰے تک رسائی کے لیئے حق تعالٰی کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ آپ کا سن وفات نظر سے نہیں گزرا لیکن آپ طبقہ چہارم سے تعلق رکھتے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ عثمان مغربیؒ

صاحب اولیاء، پیشوائے اصفیاء، صاحب ولایت عربی خواجہ عثمان مغربی قدس سرہٗ طبقہ پنجم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی سعید بن سلام مغربیؒ ہے۔ آپ شہر قیروان کے نواحی علاقے کے رہنے والے تھے۔ آپ ابوحسین صائغ دینوریؒ کے مرید تھے۔ آپ کئی برس مکہ کے مجاور رہے۔ جہاں آپ سید الوقت

اور یگانہ مشائخ تھے - آپ نے ابو علی کاتب رح، حبیب مغربی رح، ابو عمر زجاج رح
اور یعقوب نہر جوری رح کی صحبت پائی ہے - اور صاحب کرامت و فراست تھے
آپ فرماتے ہیں کہ میرے اس کام میں آنے کا سبب یہ تھا کہ میرے پاس
شکار کھیلنے کے لیئے ایک گھوڑا اور ایک کتا تھا - میرے پاس ایک لکڑی کا پیالہ
بھی تھا جس میں دودھ پیتا تھا - ایک دن میں نے دودھ پینا چاہا لیکن کتے نے
بہت شور مچا دیا اور مجھ پر حملہ آور ہوا - چنانچہ میں دودھ نہ پی سکا - میں نے
دوسری اور تیسری بار کوشش کی لیکن کتا حملہ آور ہوتا رہا اور مجھے دودھ نہ
پینے دیا حتیٰ کہ اس نے منہ پیالے میں ڈال کر خود دودھ پینا شروع کیا دودھ
پیتے ہی کتے نے ستے کی اور مر گیا - وجہ یہ تھی کہ کتے نے دیکھ لیا تھا کہ سانپ
نے پیالے میں زہر ڈال دی ہے - کتے نے اپنے آپ کو مجھ پر فدا کر دیا یہ دیکھ
کر میں نے توبہ کی اور اس کام میں آیا - آپ فرماتے ہیں کہ اعتکاف کی حقیقت
یہ ہے کہ فرمانِ حق کے تحت جوارح (اعضا) کی حفاظت کی جائے اور اعتکاف
کی صورت مسجد میں اقامت کرنا ہے - نیز فرمایا کہ گنہگار دعویدار سے بہتر ہے
(گناہ کرنے والا اس شخص سے بہتر جو نیکی کرے اور اترائے) کیونکہ گنہگار
توبہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہ عبادت ہے اور مدعی ہمیشہ اپنے دعویٰ
اور نیک بختی کے خیال میں مست رہتا ہے اور یہ عین گناہ ہے شیخ الاسلام
فرماتے ہیں ابو الحسین کوتاہی رح نے مجھ سے کہا کہ ابو عثمان مغربی رح نے کہا کہ جس دن میں
دنیا سے جاؤنگا فرشتے گرد اڑائینگے - وہ کہتے ہیں کہ جب وہ فوت ہوئے میں
نیشا پور میں موجود تھا - اس روز اس قدر گرد اڑی کہ کچھ نظر نہیں آتا تھا
آپ تیس سال مکہ میں رہے لیکن حرم شریف کی حدود میں آپ
نے کبھی حاجتِ بشری فرو نہ کی - آپ کی وفات ۳۷۳ھ میں ہوئی
مدفن آپ کا نیشا پور میں ہے - آپ کا مزار ابو عثمان حیری رح اور ابو عثمان
نصیبی رح کے پہلو میں ہے - رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابو القاسم رازیؒ

غنی صاحبِ ہمت، بذل کنندہ بے منت، فارغ از مستقبل و ماضی صاحبِ وقت خواجہ ابو القاسم رازی قدس سرہٗ کا اصل نام جعفر بن احمد بن محمد ہے۔ آپ نیشا پور کے رہنے والے تھے۔ اور خواجہ ابن عطاؒ خواجہ محمد ابی حواریؒ اور خواجہ ابو علی رود باریؒ کے صحبت یافتہ ہیں آپ یگانہ روزگار تھے اور بڑے دولت مند تھے اور سارا مال صوفیا کی خدمت میں صرف کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ نے وفات پائی تو گھر میں کچھ نہ تھا۔ مشائخ رے فرماتے ہیں کہ ابو القاسم رازیؒ میں چار چیزیں جمع تھیں جو کسی اور میں نہ تھیں۔ جمال۔ مال۔ کمالِ زاہد اور کمالِ سخاوت ایک دفعہ آپ صوفیا کی دعوت میں مشغول تھے خواجہ جعفر خلدیؒ بھی موجود تھے جب دسترخوان بچھایا گیا تو آپ نے کچھ نہ کھایا۔ خواجہ جعفر خلدیؒ نے کہا دوستوں کی موافقت میں کچھ کھا لینا چاہیے آپ نے فرمایا مجھے روزہ ہے جعفر خلدیؒ نے فرمایا اگر آپ کے نزدیک روزے کا ثواب دوستوں کی خوشی سے زیادہ ہے تو روزہ مت چھوڑو یہ سن کر آپ نے فوراً کھانا شروع کر دیا۔ یہ حضرات نعمت میں منعم کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے احتراز کرنا خلاف ادب تھا۔ آپ کی وفات ۳۷۸ھ ہجری میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابو العباس سیاریؒ

محرم اسرار ربوبیت، مستغرق در مقام رویت، امام قوم خواجہ شیخ ابو العباس سیاری قدس سرہٗ کا اصلی نام قاسم بن مہدیؒ تھا۔ آپ شیخ احمد یسارؒ کے بھانجے ہیں۔ اور طبقہ پنجم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ مرد کے رہنے والے تھے

ما۔ خرچ کرنے والا یعنی سخی :

اور اس قوم کے شیخ تھے۔ تصوف میں آپ خواجہ ابو بکر واسطیؒ کے مرید تھے جو خواجہ جنید بغدادیؒ کے قدیم اصحاب میں سے تھے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ واسطیؒ کا ایک استاد ہے اور ایک شاگرد۔ استاد خواجہ جنیدؒ تھے اور شاگرد ابو العباس سیاریؒ۔ خواجہ ابو بکر واسطیؒ کے کمالات نفحات الانس میں اس طرح درج ہیں کہ وہ علم تصوف میں بے نظیر تھے۔ اور اس قدر ادق کلام فرماتے تھے کہ عام لوگوں کی فہم سے بالاتر تھا۔ نفحات میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ عالم حقائق ہونے کے علاوہ محدث اور فقیہہ تھے۔ آپ صاحب کمال اور ثروت تھے۔ باپ سے آپ کو بہت ورثہ ملا تھا۔ آپ نے اپنا سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مُو مبارک کے عوض دے ڈالا۔ اس مُو مبارک کی برکت سے حق تعالیٰ نے آپ کو توبہ نصیب فرمائی۔ اور خواجہ ابو بکر واسطیؒ کی صحبت میں پہنچا دیا۔ وہاں آپ اس درجہ کو پہنچے کہ اہل تصوف کے امام ہو گئے۔ آپ کے معتقدین کو سیاریہ کہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ توحید ماسوائی کا خیال تیرے دل میں نہ آئے[1]۔ نیز فرمایا کہ خواجہ ابو بکر واسطیؒ سے لوگوں نے وفات کے وقت وصیت طلب کی۔ انہوں نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ تمہارے لیئے پسند کرے اس کی نگہداشت کرو اور کے علاوہ خواہش کو دل سے نکال دو۔ اس سے مراد تمام امور میں تسلیم و رضا ہے۔ کشف المحجوب میں لکھا آپ اہل مرو اور نسا کے امام تھے تمام علوم میں۔ اور آج ان دونوں مقامات پر کثرت سے آپ کے مرید ہیں۔ اور آپ کے مذہب کے سوا تصوف کا کوئی مذہب اپنے اصلی حال پر نہیں رہا۔ اور آج تک مرو اور نسا کسی وقت آپ کے معتقدین سے خالی نہیں رہے اور تمام آپ کے مذہب پر مستحکم تھے۔

اہل مرو اور اہل نسا کے درمیان اچھے تعلقات ہیں۔ اور ان کے مابین اکثر خطوط

---

[1] یعنی ہر وقت شغل ذات میں مستغرق ہے اس میں دیگر چیزوں کی طرف توجہ کرنا محل نہیں ہوتا۔

کے ذریعے تبادلۂ خیال ہوتا رہتا ہے۔ راقم نے چند ایسے خطوط مرد میں دیکھے ہیں جو بہت عمدہ ہیں

جمع و تفرقہ اور ان کی اکثر عبارات جمع و تفرقہ کے متعلق ہے۔ صوفیا کرام کے درمیان اس مضمون پر کافی گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ اگرچہ ان کے الفاظ مختلف ہیں معانی میں فرق نہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ جمع کے دو درجے ہیں ایک حق کے اوصاف میں اور ایک بندہ کے اوصاف میں۔ جو حق کے اوصاف میں ہے وہ توحید کا راز ہے جہاں بندہ کے کسب کی رسائی نہیں اور جو بندہ کے اوصاف میں ہے یہ ہے کہ کہ بندہ کا عقیدہ توحید کے بارے میں صحیح ہو ایک گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جمع صفت ہے اور تفرقہ اس کا فعل ہے اور بندہ کا کسب اس سے منقطع ہے (یعنی بندہ کے کسب کا اس میں کوئی دخل نہیں بالفاظ دیگر یہ چیز مجاہدہ سے حاصل نہیں بلکہ فضلِ ربی سے ملتی ہے) کیونکہ البتہ میں حق تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ دوسرا گروہ علم کے حق میں ہیں وہ کہتے ہیں کہ الجمع علم التوحید - والتفرقہ علم الاحکام (مقام جمع توحید کا علم ہے۔ اور تفرقہ احکام کا علم ہے) پس تمام علم وصال ہے اور اس کی شاخ (فرع) تفرقہ ہے۔ اور بعض محققین تصوف اللہ تعالیٰ ان کے چہرے منور کرے، کہتے ہیں کہ لفظ تفرقہ سے مراد مکاسب ہے اور مقام جمع مواہب ہے (کسبی نہیں) پس تمام مجاہدات اور جو کچھ مجاہدات سے حاصل ہوتا ہے سب تفرقہ ہے۔ اور جو کچھ محض عنایت ایزدی سے حاصل ہوتا ہے وہ جمع ہے۔ اور کشف المحجوب میں اس مضمون کو نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے

مندرجہ بالا بحث سے حقیقت حال اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چند کتابوں کے اقتباسات یہاں درج کیے ہیں لیکن جب تک سیاق و سباق نہ ہو بادی النظر میں پتہ نہیں چلتا کہ نفس مضمون کیا۔ لہٰذا محققین حضرات کشف المحجوب کی

طرف توجہ کریں۔

شیخ ابوالعباس سیاری رحؒ دس مذاہب تصوف میں سے ایک مذہب کے امام ہیں۔ آپ کی وفات ۳۴۲ھ میں ہوئی اور مرو میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابوالقاسم سمرقندیؒ

حکیم صاحب وحدت، فارغ از علم کثرت، پست از کمال بلندی، خواجہ ابوالقاسم سمرقندی قدس سرہٗ کا اصلی نام اسحاق بن محمد بن اسماعیل ہے۔ آپ خواجہ ابوبکر وراق کے مرید تھے۔ معاملات، عیب نفس اور آفات اعمال میں آپ کے نہایت عمدہ اقوال ہیں۔ آپ کے متعلق مشائخ کا قول ہے کہ آپ کی نظر عرش سے فرش تک سوائے حق تعالیٰ پر نہ پڑتی تھی۔ یہ کلام مسئلہ توحید پر مبنی ہے۔ آپ لوگوں سے اس لیئے میل ملاپ رکھتے تھے کہ اس سے لوگ خوش ہوں نہ اس لیئے کہ آپ کو اس سے کوئی خوشی حاصل نہیں تھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیغمبری جائز ہوتی تو ہمارے زمانے میں خواجہ ابوبکر وراقؒ نبی ہوتے۔ اس وجہ سے کہ آپ بڑے عالم حکیم اور صاحب شفقت اور عدل و انصاف تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن خواجہ ابوالقاسم رحؒ اپنی سرائے میں بیٹھے تھے۔ ابوطاہر جو اس وقت کے ایک بزرگ تھے۔ آپ کی سرائے میں آئے لیکن دیکھ کر واپس چلے گئے اور ایک دکان پر جا بیٹھے۔ آپ نے غلام سے فرمایا کہ جاؤ ابوطاہر کو بلا لاؤ جب وہ آئے آپ نے فرمایا اے ابا طاہر جو کچھ تمہارے لیئے حق تعالیٰ سے حجاب تھا میں نے اٹھا دیا۔ لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ اس طرح محبت کر کہ درخت تمہارے حجاب نہ بنے (درخت سے مراد شاید شجر موسےٰ ہے جس سے انی انا اللہ کی آواز آتی تھی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ آواز

درخت کی آواز نہ سمجھی اور غلطی نہ کھائی بلکہ حق کی آواز سمجھی) ایک دن آپ لوگوں کے درمیان بیٹھے حکم دے رہے تھے کہ ایک بزرگ آپ کی زیارت کے لیے آئے۔ آپ کو اس قدر مشغول دیکھ کر انہوں نے مصلیٰ حوض کے کنارے بچھایا اور نماز پڑھنے لگے۔ جب فارغ ہوئے تو خواجہ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے برادر یہ کام تو بچوں کا ہے مرد وہ ہے جو اس قدر مشغولیت میں بھی دل حق تعالیٰ کے ساتھ وابستہ رکھ سکے۔ آپ کا مقام نہایت بلند ہے اللہ جسے چاہے نصیب کرے آپ کی وفات ۳۴۲ھ میں ہوئی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابوالقاسم نصیر آبادیؒ

آپ طبقۂ خامس (پنجم) سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی ابراہیم بن محمد ہے۔ آپ کا وطن نیشاپور آپ شیخ اہل اشارات و حقائق تصوف ہیں۔ آپ کئی علوم میں ماہر فن تھے۔ حفظ سنین (تاریخوں کے یاد رکھنے میں) اور علم تاریخ میں مشہور تھے۔ علوم حقائق میں آپ خواجہ ابراہیم شہباز کے شاگرد ہیں۔ اور ابوبکر شبلیؒ، ابو علی رودباریؒ، عبداللہ مرتعش، اور ابوبکر طاہری ابہریؒ وغیرہم کی صحبت بھی پائی ہے۔ آخر عمر میں آپ مکہ معظمہ گئے خواجہ عثمان مغربیؒ آپ کو ملنے آئے اور کہا کہ مکہ تمہارے رہنے کا کیا مقام۔ خواجہ ابوالقاسمؒ نے فرمایا بلکہ آپ کے لیے مکہ کیا مقام ہے۔ یہ میری جگہ ہے۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ خواجہ ابو عثمان کسی غرض سے نیشاپور چلے گئے اور خواجہ ابوالقاسم مجاور مکہ ہو گئے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اسماعیل ابن ابوالقاسم نصیر آبادی اپنے والد بزرگوار سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب تجھ پر تجلیات حق کچھ ظاہر ہوں تو اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور بہشت و دوزخ کی طرف توجہ نہ کرو۔ اور جب یہ حالت ہو جائے تو تعظیم کرو اس چیز کی جس کی حق تعالیٰ نے تعظیم کی ہے اور بہشت اور دوزخ کی تحقیر نہ کرو جیسا کہ بعض ملحد لوگ کرتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ جس شخص کی رغبت عطا (نعمت)

کی طرف ہوتی ہے اس کی کوئی قدر نہیں اور جس کی رغبت منعم (عطا کرنے والے) کی طرف ہوتی ہے وہ عزیز اور باقدر و قیمت ہے۔ ایک دن آپ نے مکہ میں خلقت کو طواف میں مشغول اور ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ آگ اور لکڑیاں لے آئے لوگوں نے پوچھا کیا کرتے ہو فرمایا کعبہ کو آگ لگاتا ہوں تاکہ یہ سب لوگ جو غافل پھر رہے ہیں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔ آپ کی وفات ۳۷۲ھ ہجری میں اور دوسری روایت کے مطابق ۳۶۵ھ ہجری میں ہوئی۔

رحمۃ اللہ علیہ

۱۲

دربیان مجمل از احوال خواجہ ابو محمد چشتی و خواجہ ابو العباس نہاوندی وغیرہم

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رح

قطب المشائخ والفقراء، بزرگ ترین اہل صفا، ملجا و تاد، ہم قرین افراد منزہ از جمیع اوصاف زشتی پیشوائے قوم حضرت خواجہ ابو محمد چشتی قدس سرہ انواع و اقسام کے کرامات اور کمالات میں مشہور ہیں اور درجات و مشاہدات میں معروف تھے آپ نے خرقۂ خلافت حضرت خواجہ ابو احمد چشتی رح سے پایا۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ اکثر عالم تحیر میں رہتے تھے اور سالہا سال آپ کا پہلو زمین سے نہ لگتا تھا۔ غایتِ مجاہدہ اور غلبہ شوق کی وجہ سے آپ نماز معکوس پڑھتے تھے۔ آپ کے گھر میں ایک کنواں تھا جس کے اندر آپ الٹا لٹک کر صلوٰۃ معکوس ادا کرتے تھے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو اس وقت اپنا قائم مقام بنایا جب آپ کی عمر چوبیس سال سے زائد نہ تھی لیکن تمام علوم دینی اور حقائق کے عالم ہو چکے تھے۔ آپ بڑے زاہد اور متقی تھے۔ اور ہمیشہ آپ دنیا اور اہل دنیا سے بیزار رہتے تھے۔ آپ ہمیشہ ترک دنیا میں کوشاں رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ چونکہ اوّل و آخر میں ترکِ دنیا ہے۔ اس لیئے دنیا کے غرور سے دل کی حفاظت کرنی چاہیے۔

نقل ہے کہ ایک دن آپ دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھے کپڑا سی رہے تھے

کہ بادشاہ کا لڑکا آپ سے ملنے آیا گھوڑے سے اترا آپ کے سامنے چہرا زمین پر رکھا اور بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر ملک کے کسی گوشہ میں ایک بڑھیا بھوکی سوگئی تو قیامت کے دن وہ والیِ ملک کا دامن پکڑے گی۔ اس کے بعد شہزادہ نے آپ کے سامنے تحائف پیش کیے آپ نے تبسّم فرما کر کہا کہ ہمارے خواجگان میں سے کسی نے یہ چیزیں قبول نہیں کیں۔ نہ مجھے ان کی ضرورت ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا الٰہی اپنے بندوں کی دولت ان لوگوں کو دکھا دے۔ یہ کہنا تھا کہ ہزاروں مچھلیاں اپنے منہ میں دینار لے کر اوپر آگئیں۔ آپ نے فرمایا حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ خزانے عطا فرمائے ہیں۔ اس لیے تیری چیزوں کی ہمیں ضرورت نہیں نفحات میں یہ بھی لکھا ہے کہ جس وقت سلطان محمود غزنوی نے سومنات پر لشکرکشی کی تو خواجہ ابو محمد چشتیؒ کو اشارہ ہوا کہ اس کی مدد کو جاؤ۔ آپ ستر سال کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوئے۔ جب وہاں پہنچے تو بنفسِ نفیس مشرکین کے ساتھ جہاد کیا۔ ایک دن مشرکین کی فوج نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اور لشکرِ اسلام نے ایک جنگل میں پناہ لی اور شکست کے امکان ظاہر ہونے لگے حضرت خواجہ چشت میں ایک مرید تھا جس کا نام محمد کاکو تھا اسی جگہ سے آواز دی کہ اے کاکو کام کر۔ چنانچہ لوگوں نے فوراً دیکھا کہ کاکو جوش میں آیا اور محاربہ کرنے لگا حتیٰ کہ لشکرِ اسلام نے فتح پائی اور کفار کو شکست ہوئی۔ اس وقت لوگوں نے محمد کاکو کو چشت میں دیکھا کہ پتھر اٹھا اٹھا کر جوش سے مار رہا تھا۔ جب انہوں نے سبب دریافت کیا تو اس نے وہی قصہ بتایا۔ اور تاریخ کی اکثر معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ سلاطینِ امت محمدیؐ میں سے سب سے پہلا بادشاہ جس نے ہندوستان فتح کیا سلطان محمود غزنوی تھا۔ اگرچہ بعض مورخین مثل مصنف تاریخ فیروز شاہی کلاں وغیرہ نے لکھا ہے کہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں حجاج بن یوسف

نے عماد الدین محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی کو کہ اس کا بھتیجا اور داماد تھا سترہ سال کی عمر میں لشکر دے کر سندھ فتح کرنے کے لیئے شیراز کے راستے بھیجا کئی منزلیں طے کرنے کے بعد راجہ داہر کے ساتھ جو اہل فتنہ فساد کا سرغنہ تھا اور ملک سندھ ملتان اور گرد و نواح کے علاقوں میں حکمران تھا جنگ کر کے دس ماہ رمضان المبارک سنہ ۹۲ھ کو اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد تمام صوبہ سندھ ملتان اور سیوستان پر محمد بن قاسم کا تصرف ہو گیا اور راجہ داہر کی لڑکیوں کو مال غنیمت کے ساتھ حجاج بن یوسف کے پاس بھیج دیا۔ لیکن ارباب تاریخ اس واقعہ کو فتح ملک ہندوستان نہیں قرار دیتے بلکہ اسے ایک گوشمالی سمجھتے ہیں چنانچہ روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ امیر سبکتگین نے دو دفعہ غزنی سے راجہ جیپال حاکم سندھ پر لشکر کشی کی اور اس کے ملک کو تاخت و تاراج کر کے بہت سا مال غنیمت ساتھ لے گیا۔ لیکن اس کا لڑکا محمود غزنوی کئی دفعہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور قلعہ جات فتح کر کے حکومت قائم کر لی۔ ہر مقام پر مناسب افسران کا تقرر کیا خراج حاصل کیا۔ چنانچہ پہلی مرتبہ جب اس نے لشکر کشی کی اور ہندوستان آیا اس نے راجہ جے پال والی سندھ کے ساتھ جنگ کر کے اس کا ملک فتح حاصل کی۔ اور سنہ ۴۰۷ھ میں قنوج فتح کیا اور اکثر قلعہ جات اور عمارات کو تباہ کر دیا چنانچہ سات مضبوط قلعے جو بلندی میں آسمان سے باتیں کرتے تھے راجہ جے پال کے بھاگ جانے کے بعد گرا دیئے گئے اور دس ہزار بت کدوں کو خاک میں ملا دیا ان فتوحات میں بے شمار مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے ان بت کدوں کی تاریخ تعمیر چالیس چالیس پچاس پچاس ہزار برس لکھی تھی۔ ساکنانِ سومنات کا خیال تھا کہ سومنات کا بڑا بت اب مسلمانوں سے ناراض ہو گیا ہے اور ان کو تباہ کر دیگا۔ اسلیئے کفار بڑی تعداد میں جمع ہوئے۔ اور سلطان محمود سے مقابلہ کرنے کے لیئے جا پہنچے۔ سلطان نے مصمم ارادہ کر لیا کہ سومنات کو ضرور فتح کروں گا۔ تاکہ وہاں کے لوگوں کا خیال

غلط ثابت ہو جائے۔ پس سنہ ۴۱۶ھ میں وہ نہروالہ اور گجرات کی طرف . . سے ملتان کے راستے سومنات کی طرف روانہ ہوا۔

روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ دریا کے کنارے پر ایک بڑا بت خانہ تھا جس کے اندر سومنات کا بت رکھا تھا اور اہل ہند چاند گرہن کی شب کو اس کی زیارت کرتے تھے۔ اس رات ایک لاکھ سے زائد کافر اس بت خانہ کے گرد جمع ہو گئے۔ دس ہزار گاؤں اس بت خانہ کے لیئے وقف تھے۔ اور اس قدر جواہرات وہاں ذخیرہ تھے کہ اس کا دسواں حصہ بھی کسی بادشاہ کے خزانے میں نہ تھا۔ دو ہزار پجاری مستقل طور پر زنار باندھے ہوئے وہاں عبادت گزار تھے۔ وہاں بے شمار جرس (گھنٹے) لگے ہوئے تھے۔ تین سو گانے والیاں اور پانچ ناچنے والیاں بت خانے کے لیئے ملازم رکھی گئی تھیں۔ ایک سنہری زنجیر جسکا وزن بائیس من تھا لٹکا ہوا تھا۔ اگرچہ دریائے گنگا سومنات سے سینکڑوں میل دور تھا لیکن انہوں نے اس کثرت سے سومنات اور گنگا کے درمیان ملازم مقرر کیئے ہوئے تھے کہ ہر روز تازہ پانی بت کو غسل دینے کے لیئے لایا جاتا تھا۔ الغرض جب سلطان محمود مسافت طے کر کے وہاں پہنچا تو دریا کے کنارے پر اس نے ایک مضبوط قلعہ دیکھا۔ مسلمانوں کو دیکھنے کے لیئے لوگ کثیر تعداد میں شہر سے باہر نکل آئے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کا بت تمام مسلمانوں کو تباہ و برباد کر ڈالیگا آخر جب بہت کوشش اور کشمکش کے بعد قلعہ فتح ہوا تو ہندو بھاگ کر بت خانہ کے اندر جاتے تھے اور بت کو گلے لگا کر روتے تھے اور باہر آ کر لڑتے اور جان دے دیتے تھے۔ اس لڑائی میں پچاس ہزار سے زائد کافر مارے گئے۔ اور باقی کشتیوں میں سوار ہو کر بھاگ نکلے۔ جس کمرے کے اندر وہ بت رکھا تھا بہت لمبا چوڑا تھا۔ چنانچہ چھپن ستون لعل اور زمرد سے مرصع چھت کو اٹھائے ہوئے تھے وہ بت پانچ گز لمبا اور تین گز چوڑا تھا۔ سلطان محمود خود بت خانے میں آیا اور

گرز ہاتھ میں لے کر بت کو توڑ ڈالا۔ وہاں سے اٹھا کر غزنی لے گیا اور مسجد کے سامنے پھینک دیا۔ جس قدر خزانے وہاں جمع تھے سب سلطان کے ہاتھ آئے سومنات سے مراد دوار کا ہے جو اس وقت ملک نہروالا میں ایک بہت بڑا شہر تھا۔ وہ بت کشن تھا جس وہ لوگ پوجا کرتے تھے۔ وہاں سے فارغ ہو کر سلطان نے بنارس تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ سلطان کے بھانجا سالار مسعود نے سنر کھ، بھرائچ اور کوہ شمال کے دامن تک علاقہ فتح کر لیا۔ بعدازان سلطان محمود کی اولاد میں سے تیرہ بادشاہوں نے قلعہ لاہور اور نواحی علاقے پر حکومت کی۔ ان میں سے تیرھواں بادشاہ سلطان خسرو ملک تھا جس سے سلطان شہاب الدین غوری نے قلعہ لاہور وغیرہ فتح کر کے اپنے تصرف میں لیا اور اپنے حاکم مقرر کئے پس سلاطین غزنویہ کا سلسلہ ۵۸۳ھ میں ختم ہو گیا چنانچہ تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہندوستان کا سب سے پہلا فاتح سلطان محمود غزنوی تھا۔ ملک ہند کی دوسری فتح خواجۂ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین سنجری اجمیری قدس سرہٗ کی توجہ کی برکت سے سلطان شہاب الدین معزالدین سام کو میسر ہوئی۔ جس نے رائے پتھورا کو میدان دہلی میں قتل کر کے قطب الدین ایبک کو دہلی میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ اور واپس غزنی چلا گیا۔ خواجۂ بزرگ کے کرم سے آج تک کوئی ہندو دوبارہ ہندوستان پر حکمران نہیں ہوا۔ پس جاننا چاہیے کہ سب سے پہلی اور سب سے آخری فتح ہند خواجگان چشت علیہم الرحمۃ کی برکت سے وقوع پذیر ہوئی۔ سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری اس وجہ سے ہندوستان پر حکومت کرنے کے قابل ہوئے کہ خواجگان چشت کا تمام ملک پر تصرف ہے اور جب تک یہ دنیا باقی رہیگی یہ تصرف باقی رہیگا (چنانچہ تمام مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ ملک ہندوستان چشتیوں کا ورثہ ہے۔ اور باطنی طور پر مشائخ چشتیہ کے تصرف میں ہے)

نفحات الانس میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ ابو محمدؒ کا ایک مرید تھا جسکا نام

استاد مردانؒ تھا جو قصبۂ سنجان خواف کا رہنے والا تھا۔ وہ کئی سال سے حضرت خواجہ کے لیئے استنجا کے ڈھیلوں اور پانی کا انتظام کرتا تھا۔ ایک دن جب آپ نے اسے اپنے وطن واپس جانے کا حکم دیا تو رونے لگا اور عرض کیا کہ میں آپ سے جدائی کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا جس وقت تجھے ہمارے ملنے کی خواہش ہوگی حجاب ہائے جسمانی اور مسافتہائے مکانی مرتفع ہو جائیں گے (یعنی وہیں گھر بیٹھے بیٹھے زیارت کر لیا کرو گے) چنانچہ یہی ہوتا استاد مردان ہمیشہ سنجان سے چشت کو دیکھا کرتے تھے۔ شروع میں جب یہ حکایت اس فقیر کاتب حروف (مصنف کتاب ھذا) تک پہنچی یہ بات بعید از قیاس اور مشکل معلوم ہوتی تھی لیکن جب ۱۰۶۵ھ میں یہ فقیر حضرت خواجہ غریب نواز خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہوا اور بے حد نوازشات ہوئیں۔ جو عرض استاد مردان نے حضرت خواجہ ابو محمد چشتی سے کیا تھا۔ وہی بندہ نے حضرت خواجہ غریب نواز سے نواز کیا۔ اور حضرت غریب نواز نے ازراہ کرم فقیر کی درخواست منظور فرمائی۔ اسی روز سے جب موقعہ مناسب ہوتا اور خواجہ غریب کی زیارت کا شوق غالب ہوتا ہے۔ تو اجمیر شریف کا سارا شہر مع روضۂ متبرکۂ آنحضرت بے حجاب صاف نظر آتا ہے۔ اس نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کروں۔ الحمد للہ کہ ہمارے مشائخ کا تصرف حیات و ممات میں برابر ہے چنانچہ خواجگان چشت اور ان کے مریدین کے کمالات و تصرفات اظہر من الشمس ہیں اور اس مختصر کتاب میں انکی گنجائش نہیں۔ آپ کی وفات ۴۲۱ھ میں سلطان محمود غزنویؒ کے عہد میں ہوئی رحمتہ اللہ علیہ۔ سلطان محمود غزنویؒ خلیفہ عباسی ابو العباس بن اسحاق جس کا لقب قادر تھا کا ہمعصر تھا باوجودیکہ کہ سلطان محمود کا تصرف تمام اسلامی ممالک میں تھا لیکن خاندان نبوی۔ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی خاطر اس نے بغداد کو خلیفہ عباسی

کے تصرف میں دیکر اپنے آپ کو اس کا نائب مقرر کرلیا تھا۔

حضرت خواجہ ابو العباس نہاوندیؒ

موحد حمیدہ صفات، مستغرقِ تجلی ذات، کامل بامرِ خداوندی مقتدائے قوم خواجہ ابو العباس نہاوندی قدس سرہٗ طبقہ ششم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا اسمِ گرامی احمد بن محمد فضیل تھا۔ صاحب نفحات کے نزدیک آپ جعفر جلدی کے شاگرد ہیں۔ جو خواجہ جنید کے شاگرد تھے۔ بعض کے نزدیک آپ خواجہ ممشاد دینوری" کے مرید تھے جو خواجہ جنیدؒ کے اصحاب میں سے تھے۔ غرضیکہ دونوں حالتوں میں آپ کا سلسلہ خواجہ جنیدؒ سے جا ملتا ہے۔ آپ تمام کمالاتِ انسانی سے آراستہ تھے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ خواجہ نہاوندی نے فرمایا کہ جو مردانِ ہمت ہیں اگر ان کا بایاں ہاتھ غیر حق کے ساتھ مشغول ہوتا ہے تو اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو کاٹ دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں اس کام میں داخل ہوا تو بارہ سال تک میں نے اپنی گردن گریبان میں جھکائے رکھی حتیٰ کہ میرے دل کا ایک گوشہ مجھے دکھایا گیا۔ فرماتے ہیں کہ سارا جہان اس آرزو میں ہے ایک ساعت حق تعالیٰ انکا ہو جائے لیکن میں اس آرزو میں ہوں کہ ایک ساعت خدا مجھے مجھ کو دیدے تاکہ میں جان لونکہ کیا ہوں اور کہاں ہوں۔ خواجہ ابو سعید ابو الخیر" کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ مندرجہ ذیل حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اس کے اپنے حال پر چھوڑ دیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللھم لا تکلف الی انفس طرفتہ عین والا ادل من ذالک۔ یعنی الٰہی مجھے آنکھ جھپکنے کی مدت کے لیے مجھ پر چھوڑ دیں۔ جاننا چاہیے کہ ہر شخص اپنے حوصلہ اور ہمت کے مطابق اپنا حال بیان کرتا ہے۔ کہتے ہیں ایک عیسائی تھا۔ اس نے سنا تھا کہ مسلمانوں میں بعض صاحب فراست (کشف) حضرات بھی ہوتے ہیں۔ پس وہ شیخ

ابوالعباس قصاب کی خانقاہ میں گیا آپ نے فرمایا تو بے گانہ ہے یگانوں کے کوچہ میں تیرا کیا کام ۔ عیسائی واپس چلا گیا اور دل میں کہنے لگا ایک صاحب کشف تو معلوم ہو گیا وہاں سے اس نے خواجہ نہاوندی کی خانقاہ میں جانے کا قصد کیا جب خانقاہ میں آیا تو شیخ نے کوئی بات نہ کی ۔ چار ماہ تک وہ وہاں رہا ۔ وضو کرتا تھا اور نماز پڑھتا تھا ۔ چار ماہ کے بعد اس نے خیال کیا اب واپس جانا چاہیے ۔ شیخ نے فرمایا اے جوانمرد یہ جواں مردی سے بعید ہے کہ جب نان و نمک کا حق ہو گیا تو بے گانہ آئے اور بے گانہ واپس چلا جائے ۔ یہ دیکھ کر عیسائی فوراً مسلمان ہو گیا ۔ وہاں رہا اور شیخ کی وفات کے بعد آپ کی جگہ مسند نشین ہوا، اور قائم مقام ہوا، شیخ شرف الدین منیریؒ مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ اے بھائی عجب حال ہے اور عجب استغنا کا عالم ہے کہ ہزار ہا علماء اور زہاد پر کفر کا حکم چلایا اور کافر بچہ کو بلا سبب دولتِ ایمان سے مشرف کیا اور دوستوں کی مسند پر بٹھایا ۔

کس چہ داند تا چہ حکمت مے رود　　　　ہر وجودے را چہ قسمت مے رود

(کسی کو کیا معلوم کہ کیا حکمت کارفرما ہے ۔ اور ہر وجود کے لئے کیا قسمت مقرر کی ہے)

نفحات الانس میں لکھا ہے کہ خواجہ اخی فرخ زنجانیؒ بھی ابوالعباس نہاوندیؒ کے مرید ہیں ۔ آپ کی ایک بلی تھی ۔ خانقاہ میں جتنے لوگ مہمان ہوتے ، بلی اتنی دفعہ آواز نکالتی تھی جس سے باورچی کو معلوم ہو جاتا تھا کہ کتنے مہمان ہیں اور ہر مہمان کے لئے باورچی دیگ میں ایک پیالہ پانی ڈال دیتا تھا ۔ ایک دن بلی کی آوازوں سے مہمانوں کی زیادہ ہو گئی یعنی ایک مہمان زیادہ ہو گیا ۔ لوگ حیران ہوئے کہ آج بلی کو کیا ہو گیا یہ دیکھتے ہی بلی جماعت کے درمیان آئی اور ہر ایک آدمی کو سونگھتی ہوئی جا رہی تھی حتیٰ کہ ایک آدمی کے پاس جب آئی تو اس پر پیشاب کر دیا ۔ دریافت کے بعد معلوم ہوا کہ وہ آدمی بے دین تھا ۔ ایک دفعہ خادم نے دیگ میں دودھ ڈال کر کھیر تیار کی اتفاق سے ایک سانپ اس کے اندر گر گیا اور بلی کے سوا کسی نے نہ دیکھا ۔ اب بلی

دیگ کے گرد گھوم رہی تھی اور بے قراری سے آوازیں دے رہی تھی لیکن اس کی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ جب بلی نے دیکھا کہ لوگ کچھ نہیں سمجھ سکے تو دیگ میں کود گئی اور فوراً مر گئی۔ جب انھوں نے دیگ الٹی تو سانپ باہر جا پڑا۔ اخی زنجانیؒ نے فرمایا، اس بلی نے اپنی جان درویشوں پر قربان کر دی ہے اب اس کی قبر بنانی چاہیے تاکہ لوگ زیارت کو آئیں۔ چنانچہ قبر بنائی گئی اور بلی کو اس کے اندر دفن کیا گیا اور آج تک وہ قبر موجود ہے اور لوگ زیارت کرتے ہیں اور بلی کا حال دریافت کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے بھی یہ واقعات لطائف اشرفی میں لکھے ہیں۔ خواجہ اخی زنجانی کی وفات ۴۵۷ھ میں ہوئی۔ مدفن آپ کا قصبہ زنجان میں ہے جو سلطانیہ کے قریب ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابو نصر سراج رح

عالم علوم ربانی، محرم اسرار سبحانی، واقف راز مورج، پیشوائے قوم خواجہ ابو نصر سراج قدس سرہ کو طاؤس الفقرا کہتے تھے۔ آپ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے اور ریاضت و معاملات میں آپ شان عظیم رکھتے تھے۔ آپ کی مشہور تصنیف کتاب لمعہ ہے، علم طریقت و حقیقت اور ہر فن میں آپ کی اور تصانیف بھی بہت ہیں۔ آپ طوس کے رہنے والے تھے آپ کا مدفن بھی وہیں ہے۔ آپ خواجہ محمد مرتعشؒ کے مرید تھے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ آپ نے خواجہ سری سقطیؒ اور سہیل بن عبداللہ تستری کو بھی دیکھا ہے۔ لیکن ان کے مابین کافی مدت نظر آتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رمضان میں آپ بغداد گئے۔ اور مسجد شونیزیہ میں آپ کو خلوت خانہ ملا۔ وہاں درویشوں کی امامت آپ کے سپرد ہوئی۔ آپ نے عید تک امامت کی اور تراویح میں پانچ ختم قرآن کیے۔ ہر شب خادم ایک روٹی آپ کے حجرہ میں جا کر رکھ دیتا تھا۔ جب عید کے دن خادم گھر کے اندر گیا، کیا دیکھتا ہے کہ تمام روٹیاں وہاں پڑی ہیں۔ ایک دفعہ سردی کے موسم میں رات کو آتش دان میں آگ جل رہی تھی اور آپ بیٹھے معرفت میں گفتگو فرما رہے تھے کہ آپ پر حالت طاری ہو گئی۔ آپ نے آگ کے

اندر سر رکھ کر حق تعالےٰ کو سجدہ کیا، لیکن آپ کے چہرے کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ لوگوں کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ جو شخص حق تعالےٰ کی درگاہ میں اپنی آبرو قربان کر دیتا ہے آگ اس کے چہرے کو نہیں جلا سکتی۔ آپ نے فرمایا جو جنازہ میرے سامنے سے گزرے گا بہشتی ہوگا۔ اس بشارت کی بنا پر اہل طوس تمام جنازے آپ کے سامنے لے آتے تھے۔ آپ اس پر نگاہ کرتے تھے اور وہ چلے جاتے تھے۔ آپ کی وفات کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی، رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابوالفضل بن حسین رحمۃ اللہ علیہ

قبلہ اہل بصیرت، عارف بمعنی و صورت، ناظر عین بعین، پیر وقت خواجہ ابوالفضل بن حسین قدس سرہٗ کا نام محمد بن حسین سرخسی تھا۔ آپ خواجہ ابونصر سراج کے مرید اور خواجہ ابوسعید ابوالخیر کے پیر تھے۔ آپ طریقت میں شان عظیم، قرب تمام رکھتے تھے۔ صاحب کشف المحجوب لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ لڑکپن میں مجھے توت کے پتوں کی ضرورت ہوئی، میں ایک درخت پر چڑھ گیا، اس کوچے سے خواجہ ابوالفضلؒ کا گزر ہوا۔ آپ نے مجھے نہ دیکھا لیکن آپ یہ کہتے ہوئے گزر گئے کہ الٰہی ایک سال ہو گیا ہے کہ مجھے بال ترشنے کے لئے رقم بھی نہیں دی، کیا دوستوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے۔ یہ کہنا تھا کہ درخت کے تمام پتے سنہری ہو گئے۔ یہ دیکھ کر انھوں نے کہا کہ عجب حال ہے دل کی بھڑاس بھی آپ کے سامنے نہیں نکالی جا سکتی۔ کشف المحجوب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن لقمان آپ سے ملنے کے لئے آئے۔ انھوں نے دیکھا کہ خواجہ ابوالفضل کے ہاتھ میں ایک کتاب کے چند جزو ہیں۔ انھوں نے دریافت کیا کہ یا خواجہ آپ ان اجزا میں کیا تلاش کر رہے ہیں۔ فرمایا وہی کچھ تلاش کر رہا ہوں جو تم اس کے ترک میں تلاش کرتے ہو۔ لقمان نے پوچھا تو پھر یہ اختلاف کیا ہے۔ فرمایا اختلاف تجھے نظر آتا ہے کہ تو پوچھتا ہے کہ کیا تلاش کرتے ہو۔ مستی سے ہوشیار ہو اور ہوشیاری سے بیدار ہو تاکہ اختلاف ختم ہو اور تجھے معلوم ہو جائے کہ میں اور تم کہاں ہیں۔ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ

فرماتے ہیں کہ خواجہ ابوالفضل جا رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا اے خواجہ آپ کو کہاں دفن کریں۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ لوگوں نے کہا فلاں قبرستان میں دفن کریں، فرمایا اللہ اللہ مجھے وہاں نہ لے جانا۔ لوگوں نے کہا کیوں۔ فرمایا اس لئے کہ وہاں خواجگان امام اور بڑے بڑے بزرگ سوئے ہوئے ہیں۔ میں کون ہوں کہ وہاں جاؤں، لوگوں نے پوچھا تو پھر آپ کو کہاں دفن کیا جائے۔ فرمایا مجھے وہاں دفن کیا جائے جہاں قمار باز، گناہگار، شرابی وغیرہ ہیں کیونکہ میں اس قابل ہوں اور میں بزرگوں کیساتھ دفن ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔ میں گناہگاروں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں کیونکہ حق تعالےٰ کی رحمت ان سے زیادہ قریب ہے۔ یہ بھی شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ سے روایت ہے کہ ہم نے خواجہ ابوالفضلؒ سے سُنا ہے کہ گزشتہ کا ذکر نہیں کرنا چاہیئے اور مستقبل کا منتظر نہیں رہنا چاہیئے اصرف حال کا خیال کرنا چاہیئے اور اسے غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ یہ ہے بندگی اور فرمانبرداری کا تقاضا جس کے لئے بندہ مامور کیا گیا ہے۔ صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ جب شیخ ابوسعید ابوالخیر پر حالت قبض طاری ہوتی تو آپ خواجہ ابوالفضلؒ کی قبر پر چلے جاتے تھے۔ ایک دن آپ پر حالت قبض طاری ہو گئی [تصوف کی اصطلاح میں قبض و بسط کی دو حالتیں ہیں، حالت قبض میں کشف یا انوار و تجلیات کا ورود بند ہو جاتا ہے اس کے برعکس جب حالت بسط طاری ہوتی ہے تو دروازے کھل جاتے ہیں] اور آپ پر مجلس میں گریہ طاری ہو گیا۔ یہ دیکھ کر آپ کے تمام مریدین پر گریہ طاری ہو گیا آپ نے فرمایا جب ہم پر حالت قبض طاری ہوتی تھی تو ہم اپنے پیر خواجہ ابوالفضل کے مزار پر چلے جاتے تھے اور قبض بسط میں مبدل ہو جاتی تھی۔ یہ کہہ کر آپ کھڑے ہو گئے اور اپنے اصحاب کے ساتھ سرخس کی طرف روانہ ہو گئے (جہاں خواجہ ابوالفضل سرخسیؒ کا مزار ہے)، راستے میں ان پر عجیب حالت طاری تھی، سب درویش آہ و زاری، گریہ و فغاں کرتے ہوئے جا رہے تھے اور شیخ ہر بات پر معرفت کے دریا بہا رہے تھے۔ سرخس پہنچنے تک یہی حالت رہی۔ وہاں پہنچ کر شیخ نے

قوالوں سے یہ شعر گانے کی درخواست کی ۔

معدنِ شادلیست ایں معدنِ جود وکرم — قبلہ ما روئے یار و قبلہ ہر کس حرم

(خوشی کی کان ہے یہ سخاوت وعطا کی کان یعنی ہمارے پیر کی خانقاہ، ہمارا قبلہ دوست کا رُخ ہے اور لوگوں کا قبلہ حرم کعبہ) اصحاب نے حضرت شیخ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور سب لوگ مزار کے گرد عجیب کیف ومستی میں طواف کر رہے تھے۔ شیخ نالہ وفریاد کر رہے تھے اور سر دپا برہنہ تڑپ رہے تھے جب قدرے سکون ہوا تو شیخ نے فرمایا کہ آج کے دن کو تاریخ بنالو کیونکہ آج سے بہتر کوئی دن نہ پاؤ گے۔ اس کے بعد جس مرید کو حج کی خواہش تھی اسے آپ حکم دیتے تھے کہ مزار کے گرد سات مرتبہ طواف کرلو تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے **فہم من فہم** (سمجھا جو سمجھا) آپکی وفات کی تاریخ نظر سے نہیں گزری، رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابوالقاسم بشر یاسینؒ

مالک دور بین، پیشوائے اہل دین، متمکن بمقام یقین،

خواجہ ابوالقاسم بشر یاسین قدس سرہٗ مشاہیر علمائے عصر اور مشائخ کبار میں سے تھے۔ آپ مہنہ کے رہنے والے تھے اور وہیں آپ کا مدفن ہے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں کہ بچپن کے زمانے میں جب میں قرآن شریف پڑھتا تھا میرے والد ابوالخیر مجھے نماز جمعہ پر ساتھ لے جایا کرتے تھے، ایک دن پیر ابوالقاسم بشر یاسینؒ سے راستے میں ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے فرمایا اے ابوالخیر یہ لڑکا کون ہے والد نے کہا میرا بیٹا ہے۔ آپ میرے نزدیک آئے اور سامنے بیٹھ گئے، آپ کی آنکھیں پر آب ہوگئیں۔ آپ نے میرے والد سے فرمایا اے ابوالخیر ہم یہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ اس دنیا سے چلے جائیں اور جہان درویشوں سے خالی رہ جائے لیکن اب تمہارے بیٹے کو دیکھ کر مجھے اطمینان ہوگیا ہے کہ تمام درویشوں کی ولایت اس بچے کے نصیب ہوگی۔ پس آپ نے والد مرحوم سے کہا کہ بعد فراغت نماز میرے

میرے پاس لے آنا. چنانچہ نماز سے فارغ ہوکر ہم آپ کے پاس گئے. آپ کے حجرہ میں داخل ہونے کے بعد میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا. اس حجرے میں ایک طاق تھا جو کافی بلندی پر تھا. آپ نے میرے والد سے فرمایا کہ ابوسعید کو اپنے کندھے پر اٹھاؤ تاکہ طاق سے روٹی اٹھالے. والد نے مجھے اٹھایا اور میں نے ہاتھ بڑھا کر روٹی اٹھا لی، وہ جَو کی روٹی تھی بالکل گرم. شیخ کی آنکھیں پرنم ہوگئیں. آپ نے روٹی لے کر اس کے دو ٹکڑے کئے. ایک ٹکڑا مجھے دیا اور ایک خود تناول فرمایا. میرے والد کو کچھ نہ دیا. والد نے عرض کیا کہ اے شیخ کیا سبب کہ آپ نے مجھے تبرک سے محروم فرمایا. آپ نے فرمایا سن اے ابوالخیر. تیس سال ہوئے کہ میں نے یہ روٹی طاق میں رکھی تھی اور مجھ سے حق تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ یہ روٹی اس شخص کو دی جائے گی، جس کے ہاتھ میں گرم ہوجائے گی اور ایک جہان اس کی کرامت سے زندہ ہوگا، اور یہ بات اس پر ختم ہوگی اور وہ شخص تمہارا یہ لڑکا ہوگا. شیخ ابوسعید فرماتے ہیں کہ ایک دن میں شیخ ابوالقاسم کے پاس بیٹھا تھا. آپ نے مجھ سے پوچھا کہ اے بیٹے کیا تم حق تعالیٰ سے بات کرنا چاہتے ہو. میں نے عرض کیا کیوں نہیں چاہتا. فرمایا جس وقت تم خلوت میں ہو یہ شعر پڑھا اور اس سے پہلے نہ پڑھنا. شعر

من بے تو دمے قرار نتوانم کرد	احسان ترا شمار نتوانم کرد
گر بر تن من زبان شود ہر موے	یک شکر از ہزار نتوانم کرد

(مجھے تیرے فراق میں ایک لحظہ قرار نہیں، تیرے احسان میرے شمار سے باہر ہیں. اگر میرے جسم کا ہر بال زبان بن جائے تب بھی تیرے ہزار شکر میں سے ایک شکر بھی ادا نہیں کرسکوں گا.) آپ کی وفات ۴۴۰ھ میں واقع ہوئی. رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ لقمان رحمہ

گم گشتۂ وصال، آزاد کردہ ذوالجلال، ہمیشہ در خیر و امان، محبوب حق شیخ لقمان قدس سرہٗ بھی سرخس کے رہنے والے تھے. ابتدا میں آپ نے بہت مجاہدات کئے. آپ کا اچانک کشف کا دروازہ کھلا اس لئے آپ کا عقل نکل گیا تھا. لوگوں نے پوچھا

اسے لقمان وہ کیا تھا اور یہ کیا ہے۔ فرمایا میں نے جس قدر عبادت کی اس سے زیادہ کی فرمائش ہوتی رہی، حتیٰ کہ میں تھک کر گیا، اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ الٰہی بادشاہوں کے غلام جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو انھیں آزاد کر دیا جاتا ہے تو بادشاہ عزیز ہے، میں تیری بندگی میں بوڑھا ہو گیا ہوں مجھے آزاد کر دے۔ آواز آئی کہ اے لقمان ہم نے تجھے آزاد کیا اور آزادی کا نشان یہ تھا کہ عقل اور معاش چلی گئی۔ اور آپ مجذوب ہو گئے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے بہت مقامات پر فرمایا ہے کہ شیخ لقمان امر و نہی سے آزاد کردہ ہیں۔ یہ بھی شیخ ابوسعید ابوالخیر نے فرمایا ہے کہ ایک رات جب ساری جماعت سوئی ہوئی تھی اور خانقاہ کا دروازہ بند تھا میں پیر ابوالفضلؒ کی خدمت میں بیٹھا تھا اور حقائق و معارف کی باتیں ہو رہی تھیں اس وقت ایک مشکل مسئلہ پیش آیا میں نے دیکھا کہ یکایک شیخ لقمان خانقاہ کی چھت سے اتر کر ہمارے پاس آ بیٹھے، انھوں نے وہ مسئلہ بیان کر دیا اور اشکال دور ہو گیا، اس کے بعد وہ اڑ کر خانقاہ سے باہر چلے گئے۔

ایک دفعہ لوگوں نے شیخ ابوسعیدؒ سے پوچھا کہ سرخس میں ظریف کون ہے فرمایا تمہارے شہر کا شیخ لقمان۔ انھوں نے کہا سبحان اللہ ہمارے شہر میں تو شیخ لقمان سے زیادہ مجنون اور وارفتہ کوئی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ غلط ہے، ظریف پاکیزہ ہوتا ہے اور پاکیزہ وہ ہے جو تمام علائق دنیا سے پاک ہو پس مجھے تو دنیا میں اس سے زیادہ علائق سے پاک و صاف کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ ساری دنیا میں کسی چیز سے پیوستہ نہیں ہے نہ دنیا سے نہ آخرت سے نہ اپنے نفس کے ساتھ۔ یہ بھی شیخ ابوسعید نے فرمایا ہے کہ ایک دفعہ میں سرخس میں پیر ابوالفضلؒ کی خدمت میں تھا۔ ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ شیخ لقمان بیمار ہو گئے ہیں۔ آپ کوئی بات نہیں کرتے تھے لیکن آج انھوں نے فرمایا ہے کہ شیخ ابوالفضلؒ سے جا کر کہو کہ لقمان جا رہا ہے۔ یہ سن کر شیخ ابوالفضل اپنی جماعت کے ساتھ ان کے مکان پر پہنچ گئے۔ شیخ لقمان نے ان کو

دیکھ کر تبسم فرمایا۔ شیخ ابوالفضل آپ کے سرہانے کی طرف بیٹھ گئے اور شیخ لقمان ان کے چہرہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ کا سانس تیز چل رہا تھا لیکن لبوں میں کوئی جنبش نہ تھی۔ جماعت میں سے کسی نے لاالہ الا اللہ پڑھا اس خیال سے کہ وہ بھی پڑھیں۔ شیخ لقمان نے تبسم سے فرمایا کہ اسے جواں مرد! ہم نے اس کا خراج ادا کر دیا ہے اور برات حاصل کر لی ہے۔ اب ہم توحید پر باقی ہیں۔ اس درویش نے کہا، آخر اپنے آپ کو یاد دلانا ضروری ہے۔ فرمایا مجھے درگاہ ایزدی سے لڑانا چاہتا ہے۔ شیخ ابوالفضل کو یہ بات پسند آئی۔ فرمایا ہاں اسی طرح ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کا سانس بند ہو گیا لیکن آپ کی نظر اسی طرح شیخ ابوالفضل کے چہرہ پر لگی رہی۔ اور نظر میں کچھ تغیر واقع نہ ہوا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ جان بحق ہو گئے ہیں۔ بعض کہتے تھے کہ زندہ ہیں۔ آخر شیخ ابوالفضل کھڑے ہو گئے اور شیخ لقمان کی آنکھیں بند ہو گئیں اور جان جاناں کے سپرد کر دی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابو علی دقاق رح

بحر الحقائق، کاشف دقائق، صاحب اسرار، خواجہ ابو علی دقاق قدس سرہ کا اصلی نام حسن ابن محمد الدقاق ہے۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ زبان وقت تھے یعنی اسی زمانے میں صوفیا کے اسرار آپ کی زبان سے ظاہر ہوتے تھے۔ آپ نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ آپ اس فن کے امام تھے اور اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ آپ نیشاپور کے رہنے والے تھے اور خواجہ ابوالقاسم نصر آبادی کے مرید تھے۔ آپ نے بے شمار مشائخ سے فیض صحبت حاصل کیا شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ آپ ہر سال جگہ بدلتے تھے اور نئے شہر میں سکونت کرتے تھے اور آخر نیشاپور میں آکر رہے۔ ابوالقاسم قشیریؒ آپ کے شاگرد اور داماد ہیں۔ اور انھوں نے آپ کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔ ابو علی دقاقؒ بے حد ذوق و شوق اور غلبہ حال میں رہتے تھے۔

صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ سے میں نے سنا ہے کہ ایک دن میں ابوعلی دقاق کی مجلس میں حاضر ہوا۔ میری نیت تھی کہ توکل کے متعلق آپ سے سوال کروں، آپ کے سر پر دستار طبری (یعنی خاص عمدہ قسم کی دستار) تھی جسے دیکھ کر میرے منہ میں پانی بھر آیا۔ میں نے عرض کیا کہ اے خواجہ توکل کیا ہے فرمایا توکل یہ ہے کہ لوگوں کی دستار کا طمع دل میں نہ رکھے۔ یہ کہہ کر دستار میری طرف پھینک دی۔ ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ خودرو درخت جس کی کوئی پرورش نہ کرے، پتے لاتا ہے لیکن پھل نہیں لاتا۔ اور اگر پھل لائے بھی تو اچھا نہیں ہوتا پس میں نے یہ طریق (طریق تصوف) حضرت خواجہ ابوالقاسم نصرآبادی سے حاصل کیا انھوں نے خواجہ شبلیؒ سے اور انھوں نے خواجہ جنید بغدادیؒ سے میں خواجہ نصرآبادیؒ کی خدمت میں ہرگز بغیر غسل کے نہیں جاتا تھا۔ ایک دن آپ رے گئے۔ ایک آدمی نے آپ کو پہچان کر کہا کہ یہ ابوعلی دقاق ہیں۔ یہ سن کر بزرگ آپ کے گرد جمع ہو گئے اور درس کی استدعا کی۔ آپ نے قبول نہ کی۔ لوگوں نے منت سماجت کر کے آپ کو ممبر پر بٹھا دیا تاکہ وعظ کریں آپ نے منبر پر بیٹھ کر دائیں طرف اشارہ کیا اور کہا اللہ اکبر، پھر آپ نے قبلہ رو ہو کر فرمایا ورضوان اللہ اکبر (اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے) اس کے بعد بائیں طرف اشارہ کر کے فرمایا واللہ خیر وابقیٰ (یعنی اللہ تعالیٰ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے) یہ سن کر ساری مجلس میں اس قدر ذوق و شوق ہوا کہ لوگ دھاڑیں مار کر رونے لگے اور کئی لوگ جان بحق ہو گئے۔ ابوعلی دقاقؒ اس شور و غوغا میں منبر سے اتر آئے اور چلے گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ کو جس قدر تلاش نہ پایا۔ آپ مناجات میں کہا کرتے تھے کہ الٰہی مجھے رسوا نہ کیجیو کیونکہ میں نے منبر پر تیرے متعلق بہت لاف زنی کی ہے۔ اگر مجھے رسوا کرنا ہے تو مجلس میں لوگوں کے سامنے رسوا نہ کرنا اور مجھے صوفیوں کے لباس میں موت دینا۔ کیونکہ وہ لوگ مجھے بہت محبوب ہیں۔ یہ بھی آپ کے مناجات ہیں: الٰہی ہم نے اپنا نامہ سیاہ کر لیا ہے اور تو نے ہمارے بال

سفید کر دیئے ہیں۔ اے خالق سیاہ و سفید تو فضل کر اور ہمارے نامہ سیاہ کو سفید کر دے۔ کہتے ہیں کہ آخری عمر میں آپ کا کلام ایسا ہو گیا تھا کہ لوگ سمجھ نہیں سکتے تھے نہ سننے کی طاقت رکھتے تھے۔ اور تھوڑے لوگ آپ کی مجلس میں شامل ہوتے تھے شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ جب ابو علی دقاقؒ کا کلام بلند ہو گیا تو آپ کی مجالس خلق سے خالی ہونے لگیں۔ کہتے ہیں کہ ابوالقاسم قشیریؒ نے آپ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ بہت بے قرار ہیں اور رو رہے ہیں۔ انھوں نے پوچھا اے استاد کیا ہوا، کیا آپ دوبارہ دنیا میں آنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں، لیکن اس لیے نہیں کہ مجھے دنیا سے محبت ہے نہ اس لیئے کہ وعظ کروں بلکہ اس لیے کہ کمر باندھ لوں اور عصا ہاتھ میں لے کر سارا دن در بدر پھروں اور ہر دروازے پر عصا مار کر کہوں کہ غفلت مت کرو، تم نہیں جانتے کہ کتنی بڑی دولت سے محروم ہو۔ آپ کی وفات ۴۰۵ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابو علی سیاہ رح

عالم علوم الٰہی، غریق بحرِ نامتناہی پیشوائے وقت، بحقیقت آگاہ خواجہ ابو علی سیاہ قدس سرہٗ مرو کے اکابر اولیاء میں سے تھے، آپ خواجہ ابو علی دقاق کے صحبت یافتہ اور ابو العباس قصابؒ، احمد نصرؒ وغیرہم کے ہم عصر تھے، آپ کے ریاضات، کمالات اور کرامات بہت ہیں، آپ نفس قاطع رکھتے تھے۔ نفحات میں لکھا ہے کہ شروع میں آپ کاشت کاری کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے تیس سال روزہ رکھا اور کسی کو اس کا علم نہ ہوا۔ آپ روزانہ صبح کو جب گھر سے نکلتے تو دو روٹی یہ کہہ کر ساتھ لے جاتے کہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کھاؤں گا، راستے میں روٹیاں فقیروں کو دے دیتے اور صحرا میں آپ کے ساتھی جب کچھ کھانے کے لیئے دیتے تو آپ کہتے کہ گھر سے کھا کر آیا ہوں۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسا شخص ہے جو لوگوں کے عیب جانتا ہو، فرمایا، ہے ہاں ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ سب کے عیب چھپانے والا نہیں ہے، پھر فرمایا کہ اپنے آپ کو مجھ سے مت

چھپاؤ۔ یہ کہنا تھا کہ وہ آدمی موٹا ہونے لگا حتیٰ کہ اس کے کپڑے پھٹ گئے اور وہ ننگا ہوگیا۔ لوگوں نے خواجہ کی منت سماجت کی جس پر آپ نے دعا کی اور وہ اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ ایک دن آپ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں کاغذ دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے اس نے کہا یہ فتویٰ ہے جو امام ابوعلی مفتی نے لکھا ہے آپ نے فرمایا کہ اسے مفتی صاحب کے پاس واپس لے جاؤ اور کہو کہ آپ نے غلط فتویٰ دیا ہے۔ وہ آدمی فتویٰ امام ابوعلی کے پاس لے گیا۔ جب انھوں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ واقعی فتویٰ غلط تھا۔ مفتی صاحب نے پوچھا کہ کیا ابوعلی سیاہؒ نے یہ فتویٰ پڑھا تھا۔ اس نے کہا خواجہ ابوعلی سیاہ ان پڑھ ہیں خط پڑھنا نہیں جانتے امام ابوعلی اٹھے اور خواجہ ابوعلی سیاہؒ کی خدمت میں آکر کہنے لگے کہ اگر وہ ابوعلیؒ نہ ہوتے تو یہ ابوعلی دوزخ کی آگ میں پہنچ جاتا۔ آپ کی وفات ماہ شعبان میں ۴۲۴ھ میں ہوئی اور مرو میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ابوعبدالرحمٰن رح

عارف ربانی، مجسم روحانی، مقرب سبحان، مقتدائے وقت شیخ ابوعبدالرحمٰن قدس سرہٗ کا نام محمد حسین بن محمد بن موسیٰ سلمی نیشاپوری ہے، آپ بہت کرامات اور کمالات کے مالک اور اپنے زمانے میں بے نظیر تھے۔ آپ شیخ ابوالقاسم نصرآبادیؒ کے مرید تھے اور انھیں کے ہاتھ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا اور ابوالقاسم نصرآبادی خواجہ ابوبکر شبلیؒ کے مرید تھے اور وہ خواجہ جنیدؒ کے۔ شیخ ابوعبدالرحمٰن نے بہت کتابیں لکھی ہیں مثلاً تفسیر حقائق اور طبقات صوفیہ وغیرہ۔ نفحات میں لکھا ہے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر اپنے پیر ابوالفضلؒ کی وفات کے بعد شیخ ابوعبدالرحمٰن کی صحبت میں رہے اور ان سے خلافت حاصل کی۔ شیخ ابوسعید فرماتے ہیں کہ جب میں شیخ ابوعبدالرحمٰن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلی ملاقات میں آپ نے فرمایا کہ تیرے لئے نصیحت نامہ لکھتا ہوں اپنے ہاتھ سے۔ میں نے عرض کیا کہ لکھیے آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھا کہ میں نے اپنے دادا ابوعمر سلمیؒ سے سنا ہے انھوں نے فرمایا

کرمیں نے ابوالقاسم جنید بن محمد بغدادیؒ سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ تصوف یہی
خُلق ہے، جو کوئی خوش خلقی میں زیادہ ہوتا ہے۔ تصوف میں بھی بڑھا ہوا ہوتا ہے
اور تفاسیر خلق میں سے بہترین تفسیر شیخ ابوسہیل صعلوکی کی ہے جس میں لکھا ہے
کہ خلق اعتراض سے اعراض کا نام ہے (اعتراض سے پرہیز یعنی کسی پر اعتراض نہ
کرنا، کیونکہ دوسروں پر اعتراض وہی کرتا ہے جو اپنے آپ کو اس سے اچھا سمجھتا ہے
اور جو اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا سمجھتا ہے خوش خلق نہیں بلکہ خود پرست
اور شیطان صفت ہے) یہ بھی نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ محی الدین ابن
عربیؒ اپنی کتاب فتوحات مکیہ کے ایک سو اکسٹھویں باب میں الذی بین
الصدیقیۃ والنبوہ (صدیقیۃ اور نبوۃ کے درمیانی مقام) کے عنوان کے تحت
لکھتے ہیں کہ ماہ محرم ۵۹۷ھ میں، میں اس مقام پر پہنچا، میں بلادِ مغرب میں سفر پر تھا
کہ مجھ پر حیرت غالب ہو گئی اور تنہائی اور تجرد کی وجہ سے مجھ پر بے حد وحشت
طاری ہو گئی مجھے معلوم نہیں کہ اس مقام کا کیا نام ہے باوجودیکہ مجھے یہ مقام
حاصل تھا۔ اس کے بعد میں اس حیرت اور وحشت کی منزل سے آگے بڑھا اور
عصر کی نماز کے بعد ایک ایسے شخص کے مکان پر پہنچا جس کے اور میرے درمیان
بہت موانست تھی، میں نے اس سے اس حیرت اور وحشت کا ذکر کیا۔ ناگاہ
میں نے دیکھا کہ ایک شخص کا سایہ ظاہر ہوا، میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس
شخص کے قریب گیا۔ ان کو دیکھ کر مجھے فرحت حاصل ہوئی۔ انھوں نے مجھ سے
معانقہ کیا۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ
تھے جنہیں مجھ پر رحمت کرتے ہوئے ان کو حق تعالیٰ نے صورت مثالی میں میرے
لئے بھیجا۔ انھوں نے فرمایا کہ اسی مقام میں میری روح قبض کی گئی اور اسی مقام
پر میں دنیا سے عقبیٰ کی طرف آیا اور اس وقت سے ہمیشہ اسی مقام پر ہوں،
انھوں نے فرمایا کہ تمہاری وحشت اس وجہ سے ہے کہ اس مقام میں غریبی ہے
اور ہر غریب چیز سے وحشت ہوتی ہے (غریب بمعنی عجیب یعنی ہر نئی اور

عجیب چیز میں وحشت ہوتی ہے کیونکہ آدمی اس سے مانوس نہیں ہوتا۔ پس
انھوں نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی چونکہ تم پر رحمت ہے اس لئے تمہارے لئے اس
مقام میں آنا بہتر ہے۔ میرے بھائی تم حق تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس سے راضی
ہو تاکہ اس مقام میں تم خضر علیہ السلام کے شریک ہو جاؤ [یعنی ان کا بھی یہی مقام
ہے] میں نے [حضرت ابن عربی نے] ان سے [ابو عبدالرحمٰن سلمی سے] کہا کہ
مجھے اس مقام کا نام نہیں آتا کہ جس سے میں اسے بیان کروں۔ فرمایا اس مقام
کو مقام قرب کہتے ہیں۔ پس اس مقام کے احکام سے محقق ہو جاؤ [یعنی اس
مقام کا حق ادا کرو]

شیخ ابو عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ صوفی کے لئے دو امور ناگزیر ہیں، اوّل یہ کہ
احوال میں صادق ہو اور معاملات میں با ادب [یعنی صادق الحال ہو اور لوگوں
سے ادب اور خلق سے پیش آئے۔ صادق الحال اسے کہتے ہیں جس کا حال اور
قال یکساں ہو۔ اس کا ایمان باللہ تقلیدی یعنی علم الیقین سے نہ ہو بلکہ تصدیق و
مشاہدہ اور عین الیقین اور حق الیقین سے ہو] آپ کے کمالات کا اس سے
اندازہ کیا جا سکتا ہے **فهم من فهم** آپ کی وفات ۴۱۲ھ میں ہوئی
یعنی خلیفہ ابوالعباس جس کا لقب قادر تھا کے عہد میں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت امیر مسعودؒ

قتیل مشاہدہ، فارغ از رسم مجاہدہ، محبوب
حضرت معبود، سلطان الشہدا امیر مسعودؒ
بن سپہ سالار امیر ساہون بن امیر عطاء اللہ علوی کا سلسلہ نسب حضرت محمد
بن حنیفہ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کی والدہ ستر معالی
سلطان محمود غزنوی کی ہمشیرہ تھیں۔ آپ کی ولادت اتوار کے دن صبح صادق
کے وقت یکم شعبان ۴۰۵ھ میں شہر متبرک دارالسلام اجمیر شریف میں ہوئی آپ
کا اصل نام امیر مسعود ہے اور تاریخ فیروز شاہی اور دیگر تواریخ میں آپ کا نام سپہ سالار
مسعود غازی ہے جو غزوات سلطان محمود غزنوی میں شریک ہوئے۔ کتاب

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کو دہلی اور اس کے نواحی علاقے میں پیر جلیم کہتے ہیں اور خراسان کے علاقوں میں آپ کو رجب سالار کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور بعض مقامات پر آپ کو غازی میاں اور بالی میاں اور بالا پیر کہتے ہیں، اور رباب لار کے علاقے میں آپ کو مسعود غازی کے نام سے یاد کرتے ہیں، آپ کا لقب سلطان الشہدا ہے اور یہ لقب نہایت پسندیدہ اور آپ کی شان کے مطابق ہے، اکثر اہل بصیرت اس بات پر متفق ہیں کہ آپکی شہادت کے بعد ملک ہندوستان میں جو کوئی مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوتا ہے آپ کی متابعت پر مامور ہو جاتا ہے، آپ حضرت خواجہ ابو محمد چشتی قدس سرہٗ کے ہم عصر تھے، لیکن بعض لوگ جو علم تاریخ سے واقفیت نہیں رکھتے آپ کو حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کا ہم عصر قرار دیتے ہیں، لیکن یہ خلاف واقعہ ہے، تاریخ مرات سکندری میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ عالم محبوب عالم گجراتی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب اکثر لوگ اپنی حاجات قطب الاولیا حضرت خواجہ معین الدینؒ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، حضرت خواجہ ان کو سالار مسعود غازیؒ کی روحانیت کے حوالہ کر کے خود آزاد ہو جاتے ہیں اور یہ نیاز مند مؤلف کتاب جب وسط سلوک میں اپنے بعض ظاہری و باطنی امور کی خاطر حضرت پیر دستگیر خواجہ معین الدین حسنؒ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوتا تھا تو آپ سالار مسعودؒ کی روحانیت کی طرف اشارہ فرما دیتے تھے، پس ان کی توجہ سے اس نیاز مند کے تمام کام سرانجام ہو جاتے تھے، آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، مفصل کہاں تک لکھے جائیں، حق تعالیٰ نے آپ کو دولت مادر زاد سے مالا مال فرمایا تھا، اور جس قدر اوصاف خلقت انسانی کے لئے ممکن ہیں بے تکلف آپ کی ذات عدیم المثال میں موجود تھے، آپ جہاد اکبر و جہاد اصغر میں اپنے اجداد کرام کی سنت کے مطابق مسلسل کوشاں رہتے تھے آپ حکمرانی اور سلطنت کے باوجود شرارت نفس سے ایک لحظہ بھی غافل نہ

رہتے تھے اور خلوت کے وقت درویشان اہل توحید کے ساتھ صحبت رکھتے تھے۔ علم حقائق ومعارف جو آپ کو ائمہ اہل بیت سے ورثہ میں ملا تھا آپ اس خوبی سے بیان فرماتے تھے کہ اس سے بہتر قیاس میں نہیں آسکتا۔ جو شخص ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا، آپ کے حسن خلق، لطافت طبع اور حسن وجمال باکمال سے اس قدر متاثر ہوتا کہ ساری عمر اس کا خیال دل سے نہ اترتا تھا۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ خواجہ ابو عبداللہ سلمیؒ سے لوگوں نے پوچھا اولیا اللہ کی پہچان کیا ہے فرمایا، لطافت زبان، حسن اخلاق، تازہ روئی، سخاوت اور قلت اعتراض (یعنی لوگوں پر اعتراض نہ کرنا) اور تمام خلق پر غایت شفقت خواہ نیک ہو یا بد۔ اور یہ تمام اوصاف سالار مسعودؒ کی ذات بابرکات میں جمع تھے۔ آپ کے دل پر تجلی ذات کا استغراق اس شدت سے طاری رہتا تھا کہ تمام موجودات میں آپ مطلوب حقیقی کا مشاہدہ کرتے تھے اور امارت کے پردے میں آپ کو اذا تم الفقر فھو اللہ (جب فقر مکمل ہو جاتا ہے اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے) کے مقامات واحوال میسر تھے، اور یہ مقام کسے حاصل ہوتا ہے۔ الغرض آپ کے تمام حالات از ولادت تا شہادت مؤلف کتاب ہذا کتاب مرات مسعود غازیؒ میں لکھ چکا ہے، اس میں سے اجمالاً کچھ اس جگہ بھی لکھا جاتا ہے۔

جب مظفر خان حاکم ہر مز حوادث روزگار سے پریشان اور سرگردان ہو کر قلعہ اجمیر میں پناہ گزین ہوا اور ہندوستان کے زمینداران یہ چاہتے تھے کہ اسے وہاں سے بھی نکال دیں۔ اس نے سلطان محمود کو امداد کی درخواست کی چنانچہ سلطان محمود غزنوی نے سپہ سالار میر ساہو علوی کو ایک لشکر دے کر ذوالحجہ ۴۰۱ھ کو قندھار سے مظفر خان کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ راستے میں اسے بعض درویشوں نے بھی فتح مندی اور فرزند کی ولادت کی بشارت دی۔ اجمیر پہنچ کر مظفر خان کی معیت میں لشکر نے دشمنوں سے جنگ کی اور فتح حاصل کی

اور سلطان محمود کی نیابت میں اجمیر کے نواحی علاقوں میں حکومت قائم کردی
انھوں نے مسعود غازی کی والدہ کو غزنی سے اجمیر بلالیا، جہاں آپ کا تولد ہوا
چار سال کی عمر میں سالار مسعودؒ کو تحصیل علم کے لئے میر سید ابراہیم جو جامع علوم
ظاہری و باطنی تھے کی خدمت میں بھیجا گیا۔ چند سال میں آپ نے ان کی صحبت
میں تمام علوم عقلی و نقلی اور مشرب صوفیہ حاصل کر لیے۔ جہاد اصغر (لڑائی کے
کاموں) مثلاً تیر اندازی، نیزہ بازی، شمشیر زنی وغیرہ میں بھی آپ اپنا نظیر نہیں
رکھتے تھے۔ غرضیکہ حق تعالیٰ نے آپ کو تمام کمالات انسانی سے آراستہ فرمایا تھا

آپ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم من سعد سعد فی بطن امہ
(جو نیک ہوا وہ شکم مادر سے نیک ہوا) کے صحیح نمونہ تھے۔ جب سلطان محمود
غزنوی نے ۴۰۸ھ میں قنوج کی جانب فوج کشی کی، پہلے کشمیر کے پہاڑ کے دامن میں
پہنچ کر قلعہ رائے گلچند کو فتح کیا۔ وہاں سے وہ بہت فوج کے ساتھ قنوج کیطرف
روانہ ہوا۔ جب سلطان خراسان کی طرف واپس ہوا تو کوہ کشمیر کے زمینداروں نے
بغاوت کردی۔ چنانچہ سلطان محمود نے سپہ سالار میر ساہو علوی کو اجمیر شریف سے
تبدیل کر کے کشمیر بھیج دیا۔ اور یہ ولایت سلطان نے میر ساہو کو بطور جاگیر تفویض
کردی۔ چنانچہ اس علاقے کو اس نے مشرکین سے خالی کردیا اور اپنے اہل و عیال
کے ساتھ مستقل طور پر قلعہ کاہل میں سکونت اختیار کرلی۔ جب سلطان محمود نے
سومنات پر لشکرکشی کی تو میر ساہو نے سالار مسعودؒ کو کئی ہزار جوانوں پر مشتمل
ایک فوج دے کر سلطان کی مدد کے لئے سومنات روانہ کیا۔ سلطان محمود
سالار مسعودؒ کے ساتھ اس قدر شفقت سے پیش آتا تھا کہ سلطان کے دو بیٹے
سلطان مسعود اور سلطان محمد آپ پر رشک کرتے تھے، حتیٰ کہ ملک عیاض (ایاز)
سلطان محمود کا محبوب خادم بھی غیرت میں مبتلا ہو گیا۔ حق تعالیٰ نے چونکہ سالار مسعودؒ
کو حسن یوسفی، نمک (ملاحت) ابراہیمی، نور محمدی اور علم حیدری عطا فرمایا تھا، جو
شخص آپ کے جمال کا مشاہدہ کرتا آپ کے حسن صورت و حسن سیرت پر فریفتہ ہو جاتا

تھا۔ بہر کیف جب سلطان محمود سومنات فتح کر کے بُت غزنی لے گیا اور مسجد کے سامنے پھینک دیا تو مشرکین نے خواجہ احمد حسن میمندی سے جو سلطان کی طرف سے سومنات میں نائب تھا گزارش کی کہ بت کو سونے میں تول کر سونا سلطان لے لے اور بُت واپس کر دے، کیونکہ وہ اس کے لئے کسی کام کا نہیں۔ خواجہ احمد حسن نے یہ مقدمہ سلطان کے پیش کیا۔ اتفاقاً اس وقت سالار مسعودؒ بھی موجود تھے سلطان نے آپ کی طرف دیکھا، آپ نے بے دریغ فرمایا کہ اے سلطان کیا تو چاہتا ہے کہ قیامت کے دن آزر بت تراش اور محمود بت تراش کو یکجا پکارا جائے۔ اس بات سے خواجہ احمد حسن کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اور روز بروز سالار مسعودؒ سے اس کا سلوک خراب ہوتا گیا۔ آخر سلطان محمود نے خواجہ احمد حسن کی دل جوئی کی خاطر ایک دن سالار مسعود سے خلوت میں نہایت شفقت سے کہا کہ اگرچہ میں آپ کی جدائی کی تاب نہیں لا سکتا لیکن اس وقت آپ کو یہاں تکلیف ہو رہی ہے اور آپ کے والدین کاہل (کشمیر) میں آپ کے لئے بے چین ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ چند روز وہاں جا کر بسر کریں اور شکار کھیلیں۔ چند یوم کے بعد میں امیر خنک میکائیل کو احمد حسن کی جگہ تعینات کر کے آپ کو اپنے پاس بلا لوں گا۔ سالار محمود خداداد فراست سے بھانپ گئے کہ کیا معاملہ ہے۔ انھوں نے سلطان سے کہا کہ مجھے ماں باپ سے کیا کام۔ اگر اجازت ہو تو آپ کی نیابت میں ہندوستان کے اندر شکار کروں اور غیر عملی کی حالت کو دور کر کے وہاں آپ کی نیابت میں حکومت قائم کروں اور سکہ اور خطبہ آپ کے نام پر جاری کروں۔ سلطان نے کہا فی الحال آپ اپنے والدین کی خدمت میں جائیں۔ پس دوسرے روز آپ سلطان سے رخصت ہوئے۔ سلطان نے آپ کو خلعت خاص کے ساتھ ایک ہاتھی اور چند عراقی گھوڑے مرحمت فرمائے۔ لیکن اس محبوب کی جدائی سے سلطان بہت بے ذوق اور رنجیدہ خاطر ہوا۔ اس کے بعد سلطان نے میر ساہو سپہ سالار کو خط لکھا کہ میرے بیٹے سالار مسعودؒ کو نہایت شفقت سے رکھا جائے، چند دن کے بعد میں طلب کر لوں گا۔

بہر کیف سالار مسعود کی روانگی پر اکثر امیر زادے جو آپ کے مصاحب اور ہم مشرب تھے اور بعض غزنی کے بزرگ زادے اور دیگر لوگ کثیر تعداد میں بے اختیار آپ کے ہمراہ ہو گئے، جب آپ کابل کے قریب پہنچے تو آپ کی والدہ غایت اشتیاق سے آپ کے استقبال کے لئے باہر تشریف لے آئیں اور پرزور استدعا کی کہ چند روز ہمارے ساتھ بسر کریں۔ لیکن غیرت حیدری آپ کے دل میں اس قدر سمائی ہوئی تھی کہ آپ نے انکار کر دیا، اور صاف صاف کہہ دیا کہ سلطان کی طرف سے لاعلمی کو دفع کرنے کے لئے مامور ہوا ہوں اور حاسدین اس سے جل بھن چکے ہیں انشاء اللہ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا، چنانچہ والدین نے ہر قسم کا سامان اور لشکر دے کر آپ کو رخصت کیا، اور خود نیم جانی کی حالت میں واپس کابل چلے گئے۔ سلطان الشہدا گیارہ ہزار فوج کے ساتھ عازم ملتان ہوئے، ایک دن دوران شکار میں آپ نے باز کو کسی جانور کے پیچھے چھوڑا، لیکن باز جانور کی طرف متوجہ نہ ہوا اور جا کر ایک درخت پر بیٹھ گیا، سلطان الشہدا ابھی درخت کے قریب جا کر گھوڑے سے اتر پڑے اور تھوڑی دیر وہاں مراقبہ کیا، مراقبے سے فارغ ہو کر آپ نے فوج کے بیلداروں کو حکم دیا کہ درخت کی جڑیں کھود ڈالیں۔ جب انھوں نے کافی زمین کھود دی تو ایک بیش بہا خزانہ برآمد ہوا، آپ نے تین دن تک وہاں قیام فرمایا اور فوج کے سرداروں کو حکم دیا کہ ہر سپاہی کو اس کے حسب استعداد اس خزانے سے حصہ دیں۔ اور نئے لوگوں کو بھی محروم نہ رکھیں، چنانچہ قدیم و جدید سب لوگوں کے درمیان خزانہ تقسیم ہو گیا، اس کے بعد آپ نے وہاں سے کوچ کیا۔ اب چونکہ برسات کا موسم قریب تھا۔ آپ نے اجودھن (موجودہ پاک پتن شریف) میں قیام کیا، اجودھن کی آب و ہوا آپ کی طبع کے موافق آئی، اس لئے سارا موسم برسات آپ نے وہاں بسر کیا، وہاں کے حکمرانوں کے ساتھ چند لڑائیاں ہوئیں جس میں آپ فتح یاب ہوئے، اس کے بعد آپ دہلی کی طرف روانہ

ہوئے۔ اگرچہ سلطان محمود نے کئی دفعہ ہندوستان پر حملہ کر کے اسے تاخت و تاراج کر ڈالا تھا لیکن اس نے دہلی کا کبھی رُخ نہ کیا تھا۔ اسی وجہ سے سلطان الشہداء کی خواہش تھی کہ دہلی کو فتح کیا جائے۔ پس آپ راستے میں دشمنان سے لڑتے ہوئے دہلی کے قریب پہنچ گئے۔ دوسری طرف سے رائے مہپال حاکم دہلی بھی کثیر لشکر لے کر مقابلے میں آ گیا۔ ایک ماہ اور چند روز تک میدان کارزار گرم رہا۔ سلطان الشہداء نے حق تعالیٰ سے امداد کی درخواست کی۔ اچانک خبر ملی کہ ملک مہی بختیار، امیر سیف الدین علوی، سید عز الدین، ملک دولت شاہ اور ملک رجب نے احمد حسن میمندی سے جو سالار مسعودؒ کے رشتہ داروں سے عناد رکھتا تھا اور بُرا سلوک کرتا تھا تنگ آ کر ایک عظیم لشکر لے کر آپ کی فوج سے آملے ہیں۔ یہ تائید ایزدی سمجھ کر آپ خود استقبال کے لئے تشریف لے گئے اور عزیزان مذکور کو عزت و احترام کے ساتھ اپنے لشکر میں لے آئے اور سب کو درجہ بدرجہ انعامات تقسیم کئے۔ تازہ دم لشکر کے پہنچتے ہی لشکر اسلام کے حوصلے بلند ہو گئے۔ دوسرے دن آپ نے اپنے لشکر کو ترتیب دی۔ رائے مہپال بھی موت کی قسم کھا کر اپنی فوج میدان میں لے آیا اور خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ میر سید عز الدین جو ہراول دستے کا کمانڈر تھا شہید ہو گیا۔ سالار مسعودؒ شرف الملک سے بات کر رہے تھے کہ رائے مہپال کے لڑکے گوپال نے چپکے سے آ کر آپ کے گرز مارا، جس سے آپ کی بینی مبارک مجروح ہو گئی اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں دندان مبارک شہید ہو گئے۔ شرف الملک نے فوراً تلوار کھینچ کر گوپال کو واصل جہنم کر دیا۔ سلطان الشہداء فوراً زخم پر پٹی باندھ کر ہراول دستے میں پہنچ گئے۔ اور کمال غیرت حیدری کی وجہ سے زخم کی بالکل پرواہ نہ کی۔ یہ دیکھ کر بہادر ترکوں کے حوصلے بلند ہوئے اور زوردار حملہ کر کے رائے مہپال کو کثیر فوج کے ساتھ قتل کر دیا۔ غرض چالیس روز کی جدوجہد کے بعد دہلی کا تخت سلطان الشہداء کے قبضے میں آ گیا اور بیشمار

مال غنیمت از قسم نقد و جنس گھوڑے، ہاتھی وغیرہ لشکر اسلام کے ہاتھ آئے،
لیکن غایت بردباری اور بلند ہمتی سے آپ تخت سلطنت پر تشریف نہ لے
گئے، علمائے اہل لشکر نے بہت کوشش کی اور دلائل و براہین سے آپ
کے ساتھ بحث کی کہ آپ سلطنت کے اہل ہیں لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا اور
فرمایا کہ سلطنت سلطان محمود اور ان کے فرزندان کا حق ہے، ہمارا مطلوب
اسی قدر ہے کہ دین محمدی کی اشاعت ہو اور حق تعالیٰ کی محبت میں جان نثار
کریں۔ اس کے بعد آپ چھ ماہ دہلی میں رہے اور دین محمدی کی اشاعت میں
کوشاں رہے۔ آپ نے خطبہ اور سکہ سلطنت محمود کے نام پر جاری کر کے
ملک بایزید جعفر کو تین ہزار فوج دی اور خود میرٹھ کی طرف روانہ ہو گئے، جب
فتح دہلی کی خبر سلطان محمود کو ملی تو بے حد خوش ہوا اور سالار مسعودؒ کے حق میں
دعائے خیر کی اور احمد حسن میمندی کو عہدۂ وزارت سے علیحدہ کر کے ایرخنک
میکائیل کو اس کی جگہ مقرر کیا الحمد للہ علیٰ ذالک سلطان الشہدا
کی صداقت خاص و عام پر ظاہر ہو گئی، اہل میرٹھ نے تاب مقابلہ نہ لا کر اطاعت
قبول کی، سلطان الشہدا وہاں سے دریائے گنگا کے کنارے قنوج کی طرف
روانہ ہو گئے۔ پہلے سلطان محمود نے رائے جیپال حاکم قنوج کو جلا وطن کر دیا
تھا لیکن سپہ سالار ساہو علوی کی سفارش سے اسے معاف کر کے از سر نو قنوج
کی حکومت دے دی تھی۔ اس احسان کی وجہ سے اس نے سلطان الشہدا کی
آمد کی خبر سن کر اپنے بڑے لڑکے کے ساتھ تحائف ارسال کئے اور امن کی
درخواست کی، سلطان الشہدا نے اس کی درخواست قبول کر لی، آپ نے اس
کو ایک گھوڑا اور تحائف عطا فرمائے۔ اور اعزاز کے ساتھ رخصت کر دیا اور
فرمایا کہ کشتیوں کا انتظام کیا جائے، جب کشتیاں آئیں تو لشکر اسلام نے
دریا عبور کیا اور دوسری سمت میں ڈیرہ ڈال دیا، راجہ جیپال آپ کی خدمت میں
حاضر ہوا اور اطاعت قبول کی اور رخصت ہوا چونکہ اس سے پہلے کسی بادشاہ

اسلام نے دریا کی دوسری طرف قدم نہ رکھا تھا اور سلطان الشہدا نے پہلی مرتبہ جوانمردی کا ثبوت دے کر دریا عبور کیا۔ اس لئے مشرکین خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور لڑائی کی تیاری کرنے لگے۔ چونکہ قنوج اور اودھ کے درمیان سترکھ کے سوا کوئی آباد اور بڑا شہر نہ تھا۔ سلطان الشہدا نے راجہ جے پال کے مشورہ سے سترکھ ہی میں قیام کا ارادہ کیا۔ سترکھ جاتے ہوئے جس قدر وہاں کے لوگوں نے مزاحمت کی۔ آپ نے سب پر فتح پائی۔ اور دشمنان کو قتل کر دیا۔ اس وجہ سے مشرکین کو مزید مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔ ناچار انھوں نے اطاعت قبول کی۔ اور کیوں اطاعت قبول نہ کرتے کہ سلطان الشہدا کے اہل لشکر سب محبت اور احسان کے جذبہ میں مستغرق تھے۔ اور جانبازی اور فرماں برداری کے سوا ان کو کوئی کام نہ تھا۔ جب آپ سوار ہو کر باہر نکلتے تھے تو یہ آپ کی عادت تھی کہ اکثر لوگوں سے ہمکلام ہوتے اور ان سے احوال دریافت کرتے تھے۔ اور ہر شخص کے درجہ کے مطابق اس سے بات کرتے تھے۔ غرض آپ ہر شخص کی دلجوئی فرماتے تھے۔ اور اسے کوئی نہ کوئی چیز عطا کرتے تھے۔ ہر منزل پر بخشش اور عطا کا کام جاری رہتا تھا۔ جس وقت آپ قیام فرماتے تھے نفیس کھانوں سے سب لوگوں کی ضیافت کرتے تھے۔ بعض فقرائے کامل اور علمائے کرام جو محض آپ سے عشق و محبت کی وجہ سے آپ کے لشکر میں تھے۔ انھیں آپ ہر روز دستر خوان پر طلب کرتے تھے۔ اپنے قریب بٹھاتے اور کھانا کھانے کے بعد علم سلوک اور حقائق و معارف اور توحید پر گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا اور ذوق و شوق کی مجالس گرم رہتیں۔ آپ پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرتے تھے اور شریعت محمدی کی کوئی بات ترک نہیں کرتے تھے۔ نماز کے بعد آپ اپنی خواب گاہ میں تشریف لے جاتے اور سب لوگ رخصت ہو جاتے تھے۔ مگر چند خدمت گار محرم مثل میاں ابراہیم شہید جس کی قبر قصبہ کنتور میں ہے وضو کا پانی موجود رکھتے تھے۔ آپ ساری رات محبوب حقیقی کے ساتھ خلوت میں رہتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشرب خاص میں مستغرق رہتے تھے اور اگر اتفاق سے
آپ کے خدمت گاروں میں سے کوئی شخص اس وقت اندر جاتا تو آپ لی مع
اللہِ وقتاً (اللہ کے ساتھ مجھے ایک خاص وقت ہوتا ہے) کی وجہ سے
سُکرِ مشاہدہ الٰہی میں ہوتے ہوئے کسی کو نہیں پہچانتے تھے، غرض جہاد اکبر (مجاہدہ
نفس) اور جہادِ اصغر (دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد) اور قرب احدیت میں
آپ ائمہ اہل بیت کے نقش قدم پر چلتے تھے اور ہمہ وقت ان کے مسلک پر قائم
تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم
سوائی (میرے اولیا میرے پیراہن کے نیچے ہیں اور ان کو میرے
سوا اور کوئی نہیں پہچانتا) آپ کے حق میں صادق آتی ہے۔ پس سلطان الشہدا
نے ظاہری اور باطنی شان و شوکت کے ساتھ قصبہ ستر کھ میں جو اہل ہنود کا عبادت
خانہ تھا سکونت اختیار کر لی۔ اور خطبہ اور سکہ سلطان محمود غزنوی کے نام پر
جاری کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لئے اطراف
میں افواج اور افسران تعینات کئے۔ سب سے پہلے آپ نے سالار سیف الدین
علوی کو لشکر دے کر بہرائچ کی طرف روانہ کیا۔ اور میر سید نصر اللہ کو جو اپنی قوم کے
سردار تھے اور میاں رجب کو جو آپ کا خاص خدمت گار کوتوال لشکر اور آپ کا
مزاج شناس تھا۔ اور شجاعت میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا بھی ان کے ہمراہ روانہ کیا میاں
رجب کے لڑکے کو آپ نے باپ کی جگہ لشکر کا کوتوال مقرر کیا۔ وہاں پہنچ کر انہوں
نے کارہائے نمایاں انجام دیئے، چنانچہ سالار سیف الدین کے مزار مبارک قدیم
بہرائچ اور سلطان الشہدا کے روضہ اقدس کے درمیان خلقت کی زیارت گاہ
بنی ہوئی ہے اور قوی تصرف رکھتی ہے۔ میر سید نصر اللہ کی قبر بہرائچ کے شمال میں
چار کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ موسم برسات میں لوگ اکثر آپ کی قبر کی زیارت
کو جاتے ہیں اور مرادیں حاصل کرتے ہیں۔ آپ بڑے بابرکت مرد ہیں۔ میاں رجب
کا مقبرہ سلطان الشہدا کے روضہ سے مشرق کی جانب ایک کوس کے فاصلہ پر

ہے، جہاں لوگ کثرت سے زیارت کو جاتے ہیں۔ چونکہ آپ پر صفت جلال کا غلبہ ہے لوگ آپ سے بہت ڈرتے ہیں۔ سلطان الشہدا کے دوسرے اصحاب کی قبریں بھرائچ سے دس کوس کے فاصلہ پر دریائے کوتھلہ کے کنارے پر شمال کی جانب ہیں، ان کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ ان میں سے ایک میاں مبازز شہید ہیں جو تصرفات میں ممتاز ہیں اور بڑے جواں مرد ہیں۔ یہ فقیر کاتب حروف وہاں حاضر ہو کر بہرہ مند ہو چکا ہے۔

اس کے بعد آپ نے ملک مہی بختیار کو جو آپ کے قریبی رشتہ دار تھے لشکر دے کر ولایت فردوست کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ جس کسی کو لشکر دے کر رخصت کرتے تھے یہی وصیت کرتے تھے کہ پہلے ازراہ سلوک دین محمدیؐ کی دعوت دیں۔ اگر مشرک لوگ قبول کرلیں تو بہتر ورنہ جہاد کریں۔ کہتے ہیں کہ ملک مہی بختیار ولایت فردوست کے بیشتر حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اور ملک کانورو تک بڑھتے گئے حتیٰ کہ جام شہادت نوش کیا۔ ان کا مزار کانورو میں ہے زیارت گاہ خلق بنی ہوئی ہے۔

اس کے بعد آپ نے امیر حسن عرب کو جنوب میں قصبہ مہوبہ کی طرف روانہ کیا چنانچہ ان کے شہدا کی قبریں ہر قصبہ اور ہر موضع میں مشہور و معروف ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے میر سید عزالدین کو جو اب لال پیر کے نام سے مشہور ہیں سادات کے ایک لشکر کے ساتھ قصبہ کوپامیو اور اس کے گرد و نواح کے علاقے کے لئے متعین کیا۔ وہاں وہ بہت کارہائے نمایاں کے بعد شہید ہو گئے۔ ان کی قبر قصبہ کوپامیو میں حاجت مندوں کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ اور صریح فیض الٰہی آپ کے مزار پر برستا ہے۔ آپ نے ملک افضل کو ان کے رشتہ داروں کے ساتھ بنارس کی طرف روانہ کیا۔ جہاں ان کی قبر دوسرے شہدا کے ساتھ مشہور ہے۔ ملک عمر اور ملک طغرل کو، ان کے اصحاب سمیت آپ نے بیسوارہ کے پرگنوں کی طرف روانہ کیا۔ جہاں انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دے کر شہادت حاصل کی چنانچہ

ان دونوں حضرات کے مزارات قصبہ بجلور میں زیارت گاہ خلق ہیں۔ ملک عمر کی قبر کی بڑی شان ہے اور اس کے تصرفات بہت مشہور ہیں۔ اسی طرح آپ نے ہر شہر اور قصبہ کے لئے مناسب افسران کا تعین کیا۔ چنانچہ راقم الحروف جہاں جہاں پہنچا ہے ہر مقام پر سلطان الشہدا کے اصحاب کے اثرات موجود ہیں۔ اور ان کی قبریں زیارت گاہ خلق بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک شہید سید قاسم کا مزار قصبہ مدو سرائے اور کنور کے درمیان واقع ہے۔ اس کے قرب میں میاں ابراہیم خواص اور شیخ صدر اور شیخ بدر اور دیگر لاتعداد شہدا کے مزارات ہیں جو گمنامی کی حالت میں ہیں، لیکن ان پر انوار الٰہی کی بارش ہو رہی ہے۔ یہ فقیر کاتب الحروف ابتداء سلوک میں اکثر ان مقامات پر ریاضت کر کے اس علاقے کے بعض اولیاء اور ان شہدا کی روحانیت سے فیض یاب ہو چکا ہے۔ آپ کے اصحاب میں ایک گل رخ شہید دیگر شہدا کے ساتھ قصبہ سدہور میں مدفون ہیں۔ ان کو پیر کھوکھر یا کھوکھر شہید بھی کہتے ہیں۔ ان کے مزار سے بھی بہت لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں۔ بعض شہدا کی قبریں قصبۂ لسودی اور اودلی میں ہیں، میں نے دیکھی ہیں، ان کے تصرفات بھی مشہور ہیں۔ آپ کے بعض اصحاب پرگنہ دیوی کے موضع میر لیلہ میں واقع ہیں۔ ان میں سے ترانجی شہید اور سوری شہید تصرفات میں بہت ممتاز ہیں۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک حاجی شریف شہید ہیں۔ جن کا مزار موضع انیل پورہ پرگنہ سیلک میں واقع ہے اور تصرفات میں مشہور ہے۔ مخدومی حضرت شیخ عبدالرحمٰن قدوائی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں صبح کے وقت موضع مذکور میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ باغ میں ایک نہایت خوبصورت بزرگ عمدہ کپڑوں میں ملبوس چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ جب میں قریب پہنچا تو انھوں نے فرمایا کہ شیخ عبدالرحمٰن آؤ۔ یہ کہہ کر آپ نے مجھے اپنے پاس بٹھایا۔ میں حیران تھا کہ انھوں نے مجھے کس طرح پہچان لیا۔ اور یہ کون بزرگ ہیں۔ انھوں نے میرے دل کی بات معلوم کر لی اور فرمایا کہ میرا نام حاجی شریف ہے۔ میں سالار مسعودؒ کے ہمراہ آیا تھا،

اور شہید ہو گیا، اس باغ کے متصل ایک پرانا قبرستان ہے، اس قبرستان کے اندر فلاں جگہ پر میری قبر ہے۔ اس وقت مجھے کچھ مشکل در پیش تھی۔ آپ نے فرمایا جاؤ آج رات ایک ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھ لینا، حق تعالیٰ تمہاری مراد پوری کرے گا، یہ کہہ کر آپ نے مجھے رخصت کر دیا، چند قدم چلنے کے بعد جب میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو ان کا کوئی نشان نہ پایا، اس کے بعد میں نے اپنے گھر جا کر ایک ہزار بار سورہ اخلاص پڑھی اور اپنے مقصد کو پہنچا، اس قسم کے تصرفات آپ کے اکثر شہید اصحاب کے مزارات پر موجود ہیں، اور اہل بصیرت لوگ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان میں سب سے آخری شہید قاضی طاہر ہیں، جن کی قبر مع اصحاب موضع بلچھت (پرگنہ سدہور) کے قریب جنگل کے وسط میں واقع ہے نہایت پر فیض مقام ہے، جب کبھی یہ فقیر راقم الحروف وہاں حاضر ہوا، بہت ذوق حاصل کیا اور عجیب و غریب تصرفات کا مشاہدہ کیا، آپ کے اصحاب میں سے ایک میر سید عبد اللہ شہید ہیں، جن کا مزار اپنے اصحاب سمیت قصبہ انبھٹی میں موجود ہے، اس فقیر کاتب حروف عبد الرحمن چشتی کے اجداد کی قبر ان کی قبر کی پائینتی کی طرف واقع ہے، بڑی بابرکت جگہ ہے، غرضیکہ پورے ہندوستان میں جہاں دیکھو کوئی مقام آپ کے اور آپ کے اصحاب کے تصرفات سے خالی نہیں سلطان الشہداء نے جا بجا مناسب آدمی تعینات کیے اور اپنا مسکن قصبہ ستر کھ میں رکھا جہاں آپ اکثر شکار یا خلوت اور انجمن میں مشغول رہتے تھے، کچھ عرصہ کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ کے کابل میں وفات پانے کی خبر موصول ہوئی، سپہ سالار میر ساہو علوی نے ان کا جنازہ غزنی بھیج دیا، اور سلطان محمود کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ اس وقت چونکہ میرے پاس سوائے میرے فرزند سالار مسعود کے کچھ نہیں رہا، اس لیے چند معتبر آدمی قلعہ کابل میں مقرر کر کے خود ان کی ملاقات کے لئے جا رہا ہوں، اگر اللہ نے چاہا تو کچھ عرصہ کے بعد اپنے بیٹے سمیت حاضر خدمت ہوں گا، اس کے بعد آپ ایک بڑا لشکر لے کر ستر کھ کی طرف روانہ ہو گئے، جب

سلطان الشہدا کو والد بزرگوار کے آنے کی خبر ملی، استقبال کے لئے باہر آئے ان کو اپنی منزل گاہ میں لے گئے، ان کے شایانِ شان ضیافت کا انتظام کیا آپ ہمیشہ اپنے والد ماجد کی فرمانبرداری اور اطاعت میں کوشاں رہتے تھے، اپنے والد کے فیض صحبت سے آپ نے مشرب ائمہ اہل بیت میں تکمیل حاصل کرلی، میر ساہو اپنے بیٹے یوسف ثانی کے عشق میں یعقوب علیہ السلام سے بھی زیادہ بے اختیار اور مشتاق تھے۔ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کی سب امانت مع خرقہ خلافت حیدری سالار مسعودؒ کے حوالہ کردی۔ اور تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں سے ان کو نوازا، الغرض جب سال میر ساہو کاہل سے ستر کھ روانہ ہوئے (یعنی ۴۲۱ھ میں)، سلطان محمود غزنوی نے مرض شل (فالج) میں مبتلا ہو کر وفات پائی اور غزنی کے مشہور باغ فیروزی میں دفن ہوئے۔ اس وقت چونکہ سلطان محمود کا بڑا لڑکا سلطان مسعود ولایت عراق میں تھا۔ اس کا چھوٹا لڑکا سلطان محمد اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔ یہ دیکھ کر سلطان مسعود نے عراق سے لشکر کشی کی، ارکان دولت نے جو سلطان مسعود کے ہم راز تھے سلطان محمد کو قید کردیا اور سلطان مسعود کے استقبال کو روانہ ہوگئے، اور ساتھ لے آ کر تخت سلطنت پر بٹھایا وہ نو سال تک حکومت کرنے کے بعد اپنے خدام کے ہاتھوں شہید ہوگئے اس لئے بعض مورخین ان کو مسعود شہید کہتے ہیں، بہرکیف جب سلطان محمود کی وفات کی خبر ملک ہند میں پہنچی، کفار نے چاروں طرف علم بغاوت بلند کر دیا تاکہ اسلامی لشکر کا قلع قمع کردیں، چنانچہ مانک پور کے زمینداروں نے بھرائچ کے لوگوں کے پاس خط لکھے کہ مسلمانوں کا سردار سلطان محمود فوت ہوگیا ہے تم لوگ فوراً ادھر سے حملہ کردو اور اس طرف سے ہم حملہ آور ہوں گے۔ ملک فیروز داروغہ گذر آپ نے خط لے جانے والے قاصدوں کو گرفتار کرکے میر ساہو کی خدمت میں بھیج دیا۔ ان میں سے ایک حجام تھا جس نے اپنے بڑے بڑے ناخن زہر آلودہ کر رکھے تھے۔ میر ساہو نے فوراً اپنے لشکر کو ترتیب دی، اور

مانک پور کے کفار پر حملہ کر دیا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد زمینداروں کے دد سردار گرفتار ہو گئے۔ اب ملک عبداللہ کو قصبہ کرہ اور ملک قطب حیدر کو قصبۂ مانک پور تعینات کر کے آپ فتح و نصرت کے باجے بجاتے ہوئے واپس ستر کھ تشریف لائے۔ چند یوم کے بعد سالار سیف الدین نے خط لکھا کہ بھڑائچ کے لوگوں نے بغاوت کر دی ہے۔ میری مدد کے لئے فوج بھیجی جائے۔ سالار مسعود نے عرض کیا کہ چونکہ وہاں شکار کثرت سے ملتا ہے مجھے لشکر کشی کی اجازت دی جائے لیکن میر ساہو کو اپنے عزیز بیٹے کی جدائی ناگوار تھی، اس لئے شروع میں رضامند نہ ہوئے لیکن بعد میں مان گئے۔ اور سالار مسعودؒ ایک لشکر جرار لے کر بھڑائچ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچتے ہی کفار کا غلغلہ (جوش و خروش) ختم ہو گیا۔ اور آپ نہایت اطمینان سے شکار میں مصروف ہو گئے۔ دو ماہ کے بعد خبر ملی کہ میر ساہو پچیس ماہ شوال ۴۲۳ھ کو وفات پا گئے۔ وصیت کے مطابق ان کو قصبۂ ستر کھ میں دفن کیا گیا۔ سالار مسعودؒ نے کمال صبر و استقلال سے کام لیا اور دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے مسلمانوں کی دلجوئی فرماتے رہے لیکن سلطان محمودؒ اور میر ساہوؒ کی وفات کے بعد مشرکین نے علم بغاوت بلند کر دیا اور جا بجا تکلیف دینے لگے۔ یہاں تک کہ سالار مسعودؒ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ اس ملک سے جان سلامت لے جاؤ۔ لیکن چونکہ آپ کو باطن میں دکھایا جا چکا تھا، کہ آپ کا مدفن بھڑائچ میں ہوگا۔ آپ نے کفار کے دعووں کی طرف بالکل توجہ نہ کی میر ساہو کی وفات کے بعد آپ نے عالم معاملہ دیکھا تھا کہ میر ساہو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ دریائے گنگا کے کنارے خیمہ زن ہیں۔ جب خواب میں آپ حرم میں گئے تو ماں باپ کو مجلس شادی و خرمی میں مصروف پایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ سید گل نے کہا، بابا مسعود جلدی آؤ کیونکہ تیری شادی کا سامان میں نے تیار کر لیا ہے۔ اس کے بعد والدہ نے آپ کے سر پر سہرہ باندھا اور رقاصوں نے گانا بجانا اور ناچنا شروع کیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو بہت حیران تھے

کہ کیا ماجرا ہے۔ آپ نے علماء، درویشان اور مصاحبان کو اپنے حضور میں طلب کر کے خواب بیان کیا۔ سب نے غور و خوض کے بعد یہی کہا کہ اس قسم کا خواب شہادت کی علامت ہے۔ سلطان الشہدا نے آہ سرد کھینچی اور بالبدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

آہ بیکبارگی یار یکی ما گرفت　　　چوں دل ما تنگ دید خانہ دگر جا گرفت

(اس شعر کے پہلے مصرعہ میں کوئی لفظ محذوف ہے)

اس دن کے بعد آپ سامان آخرت کے سوا کسی اور کام میں مشغول نہ ہوتے تھے۔ والد کی وفات کے بعد آپ ایک سال قید حیات میں رہے، اور اس اثنا میں آپ نے مشرکین کے ساتھ تین عظیم الشان جنگیں کیں۔ پہلی لڑائی میں دشمن نے بھرائچ سے بارہ کوس کے فاصلہ پر دریائے کٹھلہ کے کنارے سے حملہ کر دیا۔ سلطان الشہدا خود لشکر لے گئے۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی، جس میں دونوں طرف سے بے شمار لشکری قتل ہو گئے لیکن آخر میں فتح اسلام کی ہوئی۔ آپ نے ایک دن وہاں قیام کر کے شہدا کو دفن کیا اور بھرائچ کی طرف روانہ ہو گئے وہاں ایک بت کدہ تھا جس کا نام بالارکھ تھا۔ اس کے اندر ایک پتھر تھا جس پر سورج کی شکل کندہ تھی اور تمام ہندوستان کے مشرک اس کی پوجا کے لئے جایا کرتے تھے چونکہ ہوا گرم تھی، آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور اپنے اصحاب سے کہنے لگے کہ مجھے اس جگہ سے بوئے آشنائی آرہی ہے۔ اور مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ ایک باغ تیار کراؤں۔ پس آپ نے میاں رجب کوتوال کو حکم دیا کہ تمام پرانے درخت کاٹ کر زمین صاف کی جائے اور اس درخت کے نیچے ایک چبوترہ بنا کر اس کے ارد گرد باغ لگایا جائے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور چند یوم میں وہاں ایک سرسبز اور شاداب باغ رونما ہو گیا۔

چند یوم کے بعد مشرکین نے جمع ہو کر بھرائچ پر حملہ بول دیا۔ سلطان الشہدا نے جوابی حملہ کر کے ان کو منہدم کر دیا۔ اس سے مشرکین کو بہت شرمندگی حاصل

ہوئی اور تیش میں آکر انھوں نے دُور دُور کے علاقوں سے ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا اور تیسری مرتبہ بھڑائچ پر حملہ آور ہوئے، سلطان الشہدا نے اپنے تمام اصحاب کو جمع کر کے فرمایا کہ اس مرتبہ پورے ہندوستان کے مشرکین جمع ہو کر آئے ہیں، لیکن میں اپنے اجداد کی سنت کے مطابق اپنی جگہ نہیں چھوڑتا اور یہ چاہتا ہوں کہ اپنے وجود کو جو حق تعالٰے کے درمیان ایک حجاب ہے قربان کر دوں، تم میں سے جو شخص جان بچا کر جانا چاہتا ہے چلا جائے۔ چونکہ وہ سب سعید ازلی تھے، کسی شخص نے آپ سے جدا ہونا پسند نہ کیا، اور سب نے اپنا مال و متاع فقرا میں تقسیم کر کے جنگ کی تیاری شروع کر دی،

سلطان الشہدا نے شہادت سے تین دن قبل کھانا پینا بند کر دیا اور مشاہدہ حق میں حیات جاودانی کی تیاری کرنے لگے، القصہ ماہ رجب کی تیرہ تاریخ کو رات کے آخری حصے میں مشرکین نے ایک کوس کے فاصلہ پر مسلمانوں کی ایک چوکی پر حملہ کر دیا، آپ نے سالار سیف الدین کو ایک لشکر دے کر ان کی امداد کے لیے روانہ کیا اور آپ نے غسل کر کے شاہی پوشاک کو عطریات میں لبسا کر زیب تن فرمایا اور تلوار اور خنجر حیدری لگا کر خوش و خرم باہر تشریف لائے اور میر سید ابراہیم کو جو آپ کے ہم عمر اور محبوب مصاحب تھے اپنی جگہ قائم مقام مقرر کر کے سوار ہوئے اور لشکر کو ترتیب دے کر روانہ ہوئے، جب اپنے باغ کے قریب پہنچے آپ نے دیکھا کہ میر سیف الدین پر کفار کا غلبہ ہو رہا ہے آپ نے میر نصر اللہ کو کچھ فوج دے کر ان کی امداد کے لئے بھیجا اور خود اس چبوترے پر باحشمت و شوکت کھڑے ہو گئے، دونوں طرف سے فوجیں بڑی بہادری سے لڑنے لگیں، چنانچہ سارا دن معرکۂ کارزار گرم رہا، جب رات ہوئی تو فریقین جنگ سے باز آئے اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے شب باش ہوئے، جب دوسرے دن آفتاب عالم تاب رونما ہوا تو آفتاب حقیقی کے مشتاقان مشاہدۂ جمال نے جنگ کا نقارہ بجایا اور میدان میں آ گئے، سب مسلمان شوق شہادت میں

پروانہ وار آگے بڑھ بڑھ کر جان دے رہے تھے۔ نصف النہار تک اکثر نامور سرداران مثل سالار سیف الدین، امیر سید نصر اللہ اور میاں رجب کو توال وغیرہم شربت شہادت نوش کر کے عالم بقا میں پہنچ چکے تھے۔ سلطان الشہدا، تمام شہیدوں کو دفن کرانے میں مصروف تھے کہ یکایک آپ کو خیال آیا کہ اس سے وقت ضائع ہو رہا ہے۔ لہذا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق سب کو کنویں اور حوض میں ڈال کر اوپر سے بند کر دیا۔ آپ نے گھوڑے سے اتر کر وضو تازہ کیا اور نماز ظہر پڑھ کر شہیدوں کی نماز جنازہ ادا کی۔ اس کے بعد آپ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور باقی ماندہ فوج کو جمع کر کے میدان جنگ میں جا پہنچے۔ آپ نے اس چبوترے پر کھڑے ہو کر جس طرف نظر دوڑائی، کشتگان ہی کشتگان نظر آتے تھے۔ لیکن غیرت حیدری کے غلبہ سے آپ کا چہرہ مبارک ذرا بھر متغیر نہ ہوا۔ جب دشمن کے سرداران رائے سہر دیو اور رائے ہر دیو نے دیکھا کہ لشکر اسلام بہت تھوڑا رہ گیا ہے یکبارگی حملہ کر دیا۔ اور باغ کو چاروں طرف سے گھیر کر تیر برسانے لگے۔ اتوار کے دن ماہ رجب کی چودھویں تاریخ بوقت اول عصر ۴۲۴ھ سلطان الشہدا کے گلو مبارک میں ایک کاری تیر لگا جس سے آپ کا چہرہ سفید ہو گیا۔ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے آپ گھوڑے سے اترے۔ سکندر دیوانہ اور دیگر خدمت گاروں نے اس مقتول تیغ مشاہدہ الٰہی کو درخت کے نیچے چبوترہ پر واذا اتم الفقر فھو اللہ۔ کے بستر پر لٹایا۔ آپ کا سر سکندر دیوانہ کے زانو پر تھا۔ آپ ایک بار آنکھ کھول کر مسکرائے اور کلمہ ہو زبان مبارک سے ادا کرتے ہوئے مشاہدۂ ہویت مطلق میں پیوست ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خواجہ حافظ شیرازیؒ نے اپنے ذیل کے شعر میں اسی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے۔

این جان عاریت کہ بحافظ سپرد دوست روزے رخش بہ بینم و تسلیم مے کنم

(یہ جان جو دوست نے عارضی طور پر حافظ کے سپرد کی ہے۔ ایک دن

اس کے چہرۂ مبارک کی زیارت کرتے ہی اس کے حوالہ کر دے گا۔
چند تیر سکندر دیوانہ کے سینہ پر بھی لگے۔ وہ بھی محبوب الٰہی کے قدموں پر اپنی جان نثار کر کے اپنے دوست کے ہم رنگ ہو گئے۔ یہ سکندر دیوانہ ایک فقیر مرد تھا جو ننگے پاؤں لکڑی ہاتھ میں لئے ہوئے محض سلطان الشہدا کی محبت میں رات دن خدمت گزاری میں مصروف رہتا تھا۔ غرضیکہ نماز مغرب تک آپ کے مصاحبین اور خدمت گاروں میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا۔ سب اس ماہتاب کے گرد ستاروں کی طرح بکھرے پڑے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کی گھوڑی کو بھی کاری تیر لگے اور وہ بھی اپنے آقا کے قدموں میں ڈھیر ہو چکی تھی مشرکین نے اہل اسلام کا کام تمام کر کے اپنی لشکر گاہ کا رُخ کیا۔ لیکن آپ کا وفادار کتا ساری رات آپ کے جسم مبارک اور دیگر شہدار کی حفاظت کرتا رہا اصحاب کہف کے مرتبہ کو پہنچا۔ چند مسلمان جو زخمی ہو کر ابھی زندہ تھے۔ کوشش کر کے شہر تک پہنچے اور سارا ماجرا میر سید ابراہیم کو سُنایا۔ سید ابراہیم کمال محبت سے جو اُن کو سلطان الشہدار کے ساتھ تھی چاہتے تھے کہ اسی وقت سوار ہو کر وہاں پہنچیں۔ لیکن سب لوگوں نے مشورہ دیا کہ اندھیری رات ہے صبح ہوتے ہی ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔ پس سب عزیزوں نے ساری رات گریہ وزاری میں گزاری۔ آخر شب میر سید ابراہیم کی آنکھ لگ گئی۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مقام پر بہشت کے پھولوں کے بساط آراستہ ہیں اور ان کے درمیان سلطان الشہدا سرخ لباس زیب تن کئے مرصع تخت پر جلوہ افروز ہیں اور ان کے سر پر چتر شاہی نصب ہے اور تمام لشکری جو شہید ہو چکے تھے سرخ ملبوسات میں خوش و خرم اس محبوب الٰہی کے گرد بیٹھے ہیں۔ میر سید ابراہیم نے بہت کوشش کی مجلس میں داخل ہو جائیں لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ انھوں نے مضطرب ہو کر نعرہ لگایا کہ مجھے بھی مجلس میں شامل کریں۔ سلطان الشہداد نے فرمایا، تم ابھی اس مجلس کے قابل نہیں ہوئے، کل میدان جنگ میں جا کر میرے

جسم خاکی کو اس درخت کے نیچے دفن کرو اور سکندر دیوانہ کو میرے برابر دفن کرو۔ اور میرا گھوڑا جہاں پڑا ہے اسے مٹی میں دبا دو۔ اس کے بعد سہر دیو مشرک کو قتل کرو۔ تب تمہارا کام بن جائے گا اور میرے پاس پہنچ سکو گے۔

سید ابراہیم خواب سے بیدار ہوتے ہی لشکر لے کر میدان جنگ میں پہنچے سلطان الشہدا اور ان کے ساتھیوں کو وصیت کے مطابق دفن کیا۔ اس دوران میں سہر دیو کو خبر ملی کہ مسلمان واپس آ گئے ہیں۔ سہر دیو فوراً لشکر لے کر وہاں پہنچ گیا۔ سید ابراہیم نے اپنی قبر سلطان الشہدا کے نزدیک تیار کرائی اور سوار ہو کر مصروف بہ پیکار ہو گئے۔ بہت سخت لڑائی ہوئی جس میں رائے سہر دیو سید ابراہیم کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے بعد وہ خود بھی شہید ہو گئے اور اپنے دوست سے جا ملے۔ پس حق تعالےٰ نے ان کے نور شہادت سے ظلمت کفر کو دور فرمایا۔ چنانچہ آج تک وہ مقام ارباب ظاہر و باطن کے لئے زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔ عارف شیرازی نے خوب لکھا ہے:۔

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود سالہا سجدۂ گہہ صاحب نظراں خواہد بود

(جس زمین پر کہ تیرے قدم کا نشان ہو گا، ہمیشہ اہل باطن کے لئے وہ سجدہ گاہ بنی رہے گی) بہرکیف اس حادثہ کے بعد کفار کا غلبہ ہو گیا اور جس جگہ مسلمانوں کو پایا شہید کر دیا۔ پس سلطان الشہدا کی شہادت کے بعد پہلی کرامت جو ظاہر ہوئی، وہ یہ تھی کہ ایک عورت نے جس کی اولاد نہ ہوتی تھی آکر آپ کی قبر پر دعا مانگی تو اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کرامت کا ذکر اس نے ہر جگہ کیا۔ لوگوں نے سن کر منتیں ماننا شروع کیں اور مرادیں پانے لگے اس سے آپ کی بہت شہرت ہو گئی۔ تیس سال تک آپ کے مزار پر کسی نے روضہ تعمیر نہ کیا۔ میر سید جلال الدین ساکن ادولی کی دختر زہرہ نے جو مادر زاد نابینا تھی آپ کے مزار پر منت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے بارہ سال کی عمر میں اس کو بینائی عطا فرمائی۔ پس اس نے اپنے بھائی سید محمد کی معیت میں بھڑائچ جا کر آپ کی قبر پر

گنبد تیار کرایا۔ اس معاملہ کی تفصیل مجاوران کے حقوق کی تفصیل کتاب مرات مسعودی میں درج ہے اور خواجہ شمس سراج مصنف تاریخ فیروزشاہی جلد پنجم کے مقدمہ اوّل میں لکھتے ہیں کہ سلطان فیروز شاہ تغلق (شیخ علاؤالدین نبیرہ (پوتا) حضرت شیخ الاسلام خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے مرید تھے لیکن ایام سلطنت میں وہ اولیاء کرام کی صحبت اختیار نہ کر سکے۔ آخر عمر میں انھوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۷۷۶ھ میں وہ بھڑائچ کی طرف گئے۔ اور سالار مسعود غازیؒ کے مزار سے باریاب ہوئے۔ رات کو خواب میں سالار مسعودؒ کی زیارت ہوئی۔ ان کو دیکھتے ہی سلطان کی حالت بدل گئی اور نجات اخروی کی طرف مائل ہو گئے۔ اس کے بعد سلطان نے سالار مسعود کے مزار کے پائینتی کی طرف سکونت اختیار کر لی۔ صوفیوں کا لباس پہن لیا اور تمام غیر شرع امور سے توبہ کر لی۔ اس روز بادشاہ کی محبت اور تقلید میں بہت سے ارکین دولت بھی تائب ہوئے۔ محبت میں بھی عجیب راز پنہاں ہیں

شعر

مرا زندہ پندار چوں خویشتن　　　　من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

(مجھے اپنی طرح زندہ جانو۔ جب تم اپنے وجود خاکی کے ذریعہ آتے ہو تو میں وجود باطنی (روح) سے آتا ہوں۔ پس جاننا چاہیئے کہ ظاہری بدن کے انتقال کے بعد ہدایت دینا اور خصوصاً بادشاہوں کے دلوں پر تصرف کرنا سلطان الشہدا کے کمالات میں سے ہے۔

علاوہ ازیں شیخ مرتضیٰ حضرت میر سید سلطانؒ کے ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ میر سلطان بہت سفر کرنے کے بعد حضرت شیخ علاؤالدین چشتی مذکور کی اجازت سے بارہ سال تک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے متصل پرانے قبرستان میں ریاضت و مجاہدات میں مشغول رہے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ایک دن وہ حیران و پریشان قبر کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی کو جو مرض

برص میں مبتلا تھا جاتے دیکھا۔ اچانک ایک خوبصورت نوجوان تیز گھوڑے پر سوار ظاہر ہوا۔ اس سوار نے اس کے چند چابک مارے جس سے وہ گر گیا، لیکن وہ بدستور اُسے چابک مارتے رہے حتیٰ کہ اس کی برص سے خراب شدہ کھال نکل گئی اور نئی اور تندرست کھال نمودار ہوگئی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ بیمار بھی نہیں تھا۔ میر سید سلطان اس واقعہ سے بہت حیران ہوئے اور اس جوان کے پاس جاکر ماجرا دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اس مریض نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر جاکر صحت کے لئے استدعا کی تھی اور آنحضرت نے مجھے حکم فرمایا کہ اس کا کام کردو۔ چنانچہ میں نے آکر اسے بیماری سے نجات دلائی۔ انھوں نے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں، فرمایا میں وہ شخص ہوں کہ ہر شخص کی ولایت کو میری ولایت سے حصہ ملتا اور مجھے سالار مسعود کہتے ہیں اور میرا مقام بھرائچ ہے۔ یہ کہہ کر گم ہوگئے۔ اس کے بعد میر سید سلطان کمال شوق اور بے قراری سے بھرائچ کی طرف روانہ ہوئے اور مدت دراز تک آپ کے آستانہ پر مقیم رہے حتیٰ کہ مطلوب حقیقی تک باریابی ہوگئی۔

میں نے قطب الولایت میر سید علی قوام قدس سرہٗ کے ملفوظات میں لکھا دیکھا ہے کہ آپ نے اپنے اکمل خلفاء مثل شاہ موسیٰ وغیرہ کو وصیت کی کہ حصول قرب احدیت کے لئے سالار مسعودؒ کی روحانیت کی طرف توجہ کرنا چاہیئے کیونکہ ان کی روح پاک آفتاب کی طرح عارفین پر چمکتی ہے اور یہ قوم (صوفیا) ان سے فیض حاصل کرتی ہے۔ یہ فقیر کاتب حروف کمترین نیاز مند محبوب الٰہی ایک دفعہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اربعین میں بیٹھا تھا۔ عالم معاملہ میں دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کی زیارت کو گیا اور زیارت کے تمام مراسم ادا کئے ہیں اس کے بعد خانہ کعبہ کے وسط میں ایک قبر دیکھی۔ حیران ہوکر دل میں کہا کہ کعبہ کے اندر یہ کس کی قبر ہے۔ وہاں ایک عرب سفید پیراہن اور سبز عمامہ زیب تن کئے ہوئے نظر آئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کعبہ کے مجاور ہیں۔ ان سے دریافت کیا کہ یہ کس

کی قبر ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ ترک اللہ کی قبر ہے۔ اس سے بندہ کو زیادہ حیرت ہوئی۔ ناچار اس قبر کی طرف متوجہ ہوا۔ پس سالار مسعود اس قبر سے باہر آئے اور چل دیئے۔ بندہ بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ جب حدودِ کعبہ سے باہر آئے تو سواری کے لئے گھوڑے لائے گئے۔ ایک گھوڑے پر آپ سوار ہوئے اور دوسرے پر مجھے سوار ہونے کا حکم دیا۔ جب میرے غریب خانہ کے قریب پہنچے، مجھے اپنے گھر جانے کا حکم فرمایا اور خود بہرائچ کی طرف چلے گئے۔ اس روز سے مجھے تحقیق ہوئی کہ آپ کمال مرتبہ محبوبیت حق پر فائض ہیں اور عالم ظاہر و باطن میں ہر قسم کا تصرّف کرتے ہیں۔ ابتدائے حال میں یہ فقیر حقیر عبدالرحمٰن چشتی عشق مجازی میں مبتلا تھا اور اس آفت سے نجات ملنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ آخر بہت ریاضت اور مجاہدہ کے بعد حق تعالیٰ نے سلطان الشہدا کی محبت میرے دل میں ڈال دی اور ان کے ہجر و فراق میں رات دن گریہ و زاری کرتا رہتا تھا اور کمال اشتیاق میں ریاضت شاقہ کرتا تھا، اور بعض اسمائے الٰہی جو میں نے مرشدان کامل سے سیکھے تھے۔ کشف الارواح کی نیت سے پڑھا کرتا تھا اور شغل باطن کی طرف بھی حتی الامکان متوجہ تھا۔ ان کی تاثیر سے مجھ پر اکثر جن اور عالم ارواح و عالم نجوم مثل شمس و قمر وغیرہ اور عالم ملکوت منکشف ہوتے تھے اور علم ریمیا و سیمیا و کیمیا[1] کے رموز مختلف طرائق پر مجھ پر ظاہر ہوتے تھے، لیکن میرے بے چین قلب کو تسکین نہیں ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ بہت جد و جہد کے بعد میں نے غوث اعظم حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی عالم معاملہ میں زیارت کی۔ آپ نے کمال توجہ سے مجھے اسمائے الٰہی میں

---

[1] یہ مختلف علوم کے نام جو اولیا اللہ پر منکشف ہوتے ہیں مولانا روم فرماتے ہیں،
ریمیا و سیمیا و ہیمیا۔ کس نداند جز بذات اولیا (ریمیا، سیمیا اور ہیمیا وہ علوم ہیں، جو اولیا اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

سے ایک اسم کی تعلیم دی اور فرمایا کہ اس اسم کی برکت سے کشف ارواح موافق مطلب ہوگا۔ پس پہلے چلے میں سلطان الشہدا کی روحانیت کے ساتھ احسن صورت میں حضوری میسر ہوگئی چونکہ اس نیازمند کو آپ کے روح پاک کے ساتھ کمال انس تھا مجھے آپ کے ساتھ دائمی مصاحبت بلاتفرقہ حاصل ہوگئی اور اس محبوب الٰہی کی محبت اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے فیض روحانیت سے مجھے شغل باطن میں دل جمعی حاصل ہوگئی اور انوار عالم لاہوت جلوہ گر ہونے لگے اور قول حق تعالےٰ فنفخت فیہ من روحی [اور جب انسان کے اندر ہم نے اپنی روح پھونکی] کی حقیقت بمطابق عقائد صوفیا کرام مجھ پر منکشف ہوگئی اور توحید میں فنا حاصل ہوگئی۔

شکر خدا کہ از مدد بخت کارساز کارے کہ خواستم بخدا میسر شد

[اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے کارساز بخت کی مدد سے جو مطلب کہ حق تعالےٰ سے میں چاہتا تھا حاصل ہوگیا]

پس جس طرح کہ حق تعالےٰ کے فرمان کے مطابق جبرائیل تمام انبیاء علیہ السلام کی راہنمائی کرتے تھے اسی طرح اولیاء اور شہدا کی روحانیت حق تعالیٰ کے حکم سے طالبان حق کی راہنمائی کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ احمد جامؒ اور خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ اور دیگر اولیا کرام کے حالات میں اس کتاب کے اندر اس امر کی وضاحت کردی گئی ہے اور آج کہ ۱۰۵۷ھ ہے، ستائیس سال سے اس نیازمند کو سلطان الشہدا کی روحانیت کے ساتھ حضوری حاصل ہے اور اس مدت میں کوئی ایسا واقعہ وقوع پذیر نہیں ہوا جس کے متعلق آپ کی روح پاک نے مجھے پہلے خبر نہ دے دی ہو یا ظاہری اور باطنی امداد نہ فرمائی ہو۔ اس نعمت الٰہی کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں غرضیکہ سلطان الشہدا کے کمالات اور کرامات اس قدر ہیں کہ دائرہ تقریر و تحریر سے باہر ہیں اور صرف نور بصیرت سے ان کا مشاہدہ ہوسکتا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ ؎

من و تو رفتہ و خدا ماندہ کے بود تو زخود جدا ماندہ

۱۳

حضرت خواجہ یوسف چشتی و خواجہ ابو العباس قصاب وغیرہم کے مجمل حالات

حضرت خواجہ یوسف چشتی رح

عالم علوم مشاہدہ وسید زمرۂ اولیاء اہل مجاہدہ فارغ از زیبا و زشتی، غرق وصال خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی قدس سرہٗ بن محمد سمعان جمال معرفت اور کمال حقیقت سے آراستہ تھے۔ کمال حضوری کی وجہ سے دریائے احدیت میں غرق تھے۔ ریاضات، مجاہدات و کرامات میں آپ بے نظیر تھے۔ آپ نے خرقۂ خلافت حضرت خواجہ ابو محمد محترم چشتی سے حاصل کیا تھا۔ صاحب نفحات الانس (مولانا جامی) فرماتے ہیں کہ آپ خواجہ ابو محمد بن احمد کے ہمشیرہ زادہ اور مرید و خلیفہ ہیں۔ خواجہ ابو محمد نے پینسٹھ سال تک شادی نہ کی۔ آپ کی ایک ہمشیرہ تھیں۔ جو ہمیشہ اپنے بھائی کی خدمت کرتی تھیں اور آپ کے لئے کھانا وغیرہ تیار کرتی تھیں، غرضیکہ چالیس سال تک وہ ہمشیرہ بھی بھائی کی خدمت گاری اور عبادت میں اس قدر منہمک رہیں کہ شادی کا خیال نہ آیا۔ ایک رات خواجہ ابو محمد نے اپنے والد بزرگوار خواجہ احمد کو خواب میں یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ ولایت شافلان میں ایک شخص ہے جس کا نام محمد سمعان ہے، اس نے علم حاصل کر لیا ہے اور نیکی کے کام میں کمر بستہ ہے، تم اپنی ہمشیرہ کی شادی اس کے ساتھ کر دو۔ آپ نے بیدار ہوتے ہی ان کو تلاش کیا اور ہمشیرہ کی شادی کر دی۔ شادی کے بعد انھوں نے بھی چشت میں سکونت اختیار کر لی۔ خواجہ ابو یوسف ان کے ہاں پیدا ہوئے۔ خواجہ ابو محمد نے پینسٹھ سال کی عمر میں شادی کی۔ لیکن آپ کا کوئی لڑکا جوان نہ ہوا۔ اس لئے آپ نے اپنے خواہر زادہ خواجہ ابو یوسف کی اپنے فرزند کی طرح پرورش فرمائی اور سلوک الی اللہ تربیت دی۔ آپ کی وفات کے بعد خواجہ یوسف آپ

کے قائم مقام ہوئے۔ پچاس سال کی عمر میں خواجہ ابو یوسفؒ پر غلبہ محبت و ترک دنیا ہوا، اس لئے آپ خواجہ حاجی مکی جو بڑے بزرگ تھے اور خواجہ ابو اسحاق چشتیؒ کے مزارات پر جا کر سکون قلب حاصل کرتے تھے۔ آخر آپ نے ایک دن زمین کھود کر چلہ خانہ بنوانے کی کوشش کی۔ ہاتف غیبی نے آواز دی کہ فلاں جگہ کھود کر چلہ بناؤ چنانچہ آپ نے وہ جگہ کھدوانی شروع کی جہاں آج کل آپ کا چلہ ہے۔ لیکن زمین اس قدر سخت تھی کہ پھاوڑا زمین کے اندر نہیں جاتا تھا۔ آپ نے پھاوڑا اپنے ہاتھ میں لیا، خود کھودنا شروع کیا، غرضیکہ چاشت کے وقت سے عصر کی نماز تک آپ نے چلہ مکمل کر لیا اور بارہ سال آپ اس چلے میں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں آپ پر اس قدر فنا اور سکر و حیرت طاری ہوتی تھی کہ کبھی کبھی جب خادم آپ کو وضو کراتا تو وضو کرتے کرتے آپ گم ہو جاتے تھے اور کئی کئی گھنٹوں کے بعد پھر آپ ظاہر ہوتے اور وضو پورا کرتے تھے۔ جب خواجہ عبداللہ انصاریؒ پیران چشت کے مزارات کی زیارت کے لئے چشت گئے تو خواجہ ابو یوسفؒ سے بھی ملاقات کی۔ جب آپ ہرات واپس گئے تو اکثر مجالس اور محافل میں خواجہ علیہ الرحمۃ کا تذکرہ کیا کرتے تھے

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ خواجہ ابو یوسفؒ کہیں جا رہے تھے راستے میں دیکھا کہ لوگ مسجد بنا رہے ہیں، لیکن ایک شہتیر ناپ سے کچھ کم تھا اس لئے راست نہیں آ رہا تھا۔ اس سے وہ لوگ بہت پریشان تھے۔ آپ یہ دیکھ کر گھوڑے سے اترے اور مسجد کی دیوار پر چڑھ گئے۔ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر شہتیر کا سرا پکڑا اور دیوار پر رکھ دیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ شہتیر ایک گز دیوار سے زیادہ لمبا تھا۔ سیر الاولیا میں یہ بھی لکھا ہے خواجہ ابو یوسف کسی وجہ سے متردد تھے، رات کو اپنے شیخ علیہ رحمہ کو خواب میں دیکھا، انھوں نے فرمایا کہ اتنی دفعہ سورۂ فاتحہ پڑھ لو۔ اس تردد سے خلاصی پاؤ گے۔ خواجہ یوسفؒ ہرات پانچ ختم قرآن کرتے تھے۔ ختم قرآن کے بعد آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی اور آپ کا تردد جاتا رہا۔ آپ کے کمالات اور کرامات دائرہ تحریر سے باہر ہیں، جب آپ کی

وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ کو تحصیل علم کی وصیت فرمائی اور اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کا وصال ۴۵۹ھ میں خلیفہ ابوجعفر عبداللہ قائم بن قادر خلیفہ عباسی کے عہدِ حکومت میں ہوا۔ یہ خلیفہ سلطان طغرل بیگ بن میکائیل بن سلجوق کا ہم عصر تھا۔ طغرل بیگ پہلا سلجوق بادشاہ ہے کہ جس نے سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی سے ملک خراسان فتح کیا اور بغداد میں بھی اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ آخر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے ادب کی خاطر سلطان طغرل بیگ خراسان واپس چلا گیا لیکن بہت مدت تک عراق و خراسان پر اس کا اور اس کی اولاد مثل سلطان ملک شاہ و سلطان سنجر کا تصرف رہا اور ملکِ روم آج تک عثمان بن طغرل کی اولاد کے قبضے میں ہے خواجہ ابویوسفؒ کی عمر صاحب نفحات الانس کے قول کے مطابق چوراسی سال تھی، آپ کا مزار چشت میں ہے (جو آج کل کے جغرافیہ کے مطابق افغانستان میں شامل ہے اور ایران اور افغانستان کی سرحد پر ہرات کے مضافات میں واقع ہے) رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابوالعباس قصابؒ
مقرب و مقتدائے ارباب ہدایت بالاتفاق ولی صاحبِ ولایت

پاک اور گفتگوئے لساب، غوثِ وقت شیخ ابوالعباس قصاب قدس سرہ کا اصلی نام احمد بن محمد بن عبدالکریم ہے۔ آپ کا اصلی وطن طبرستان تھا۔ آپ شیخ محمد بن عبداللہ طبریؒ کے مرید تھے جو خواجہ جنید بغدادی کے مرید و خلیفہ تھے۔ نفحات میں لکھا ہے کہ شیخ ابوالعباس غوثِ زمان اور صاحب کرامت و فراست تھے۔ آپ اپنے زمانے کے خاص و عام کے آپ ملجا و ماویٰ تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری یہ پونجی خرقانی (خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ) کو ملے گی، چنانچہ اسی طرح ہوا۔ آپ اُمی (ان پڑھ) تھے لیکن آپ کا کلام بہت بلند ہے، ائمہ طبرستان

میں سے ایک امام نے کہا ہے کہ یہ حق تعالےٰ کا فضل ہے کہ ایک ان پڑھ آدمی کو اس قدر علم و عرفان عطا فرمایا ہے کہ جب ہمیں احوال دین و دقائق توحید میں کوئی اشکال پیش آتا ہے تو ہم اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ شیخ ابوالعباسؒ ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ شیخ عمو کی خانقاہ میں اکثر لوگ شیخ ابوالعباسؒ سے ہو کر آتے تھے اور میں ان لوگوں سے شیخ ابوالعباس کے ملفوظات کے متعلق دریافت کیا کرتا تھا۔ اس لئے کسی شخص کو آپ کے حالات اور کلمات کا اتنا علم نہیں ہے جتنا کہ مجھے ہے۔ شیخ ابوالعباس فرماتے ہیں کہ وقت کیمیا ہے۔ شیخ احمد کوہ قانی فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالعباس ساری رات فریاد کیا کرتے تھے اور کلمات بیان فرماتے رہتے تھے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ ابوالفارس کرمان شاہیؒ نے حضرت ابوالعباس قصابؒ کی خدمت میں کسی کو بھیج کر کہلا بھیجا کہ اس جگہ سخت قحط کا زمانہ ہے آپ دعا فرمادیں کہ قحط دور ہو جائے۔ آپ نے ایک سیب وہاں بھیج دیا جس سے وہاں بارش ہوئی اور قحط دُور ہو گیا۔ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی شیخ ابوالعباس کے پاس گیا اور آپ سے کرامت طلب کی، آپ نے فرمایا تجھے نظر نہیں آتا۔ یہ کیا کم کرامت ہے کہ ایک قصاب بچے پر کہ جس نے اپنے باپ سے قصابی کے سوا کچھ نہیں سیکھا تھا کس قدر انعامات کی بارش ہوئی ہے۔ اسے کچھ دکھا کر بے خود کر دیا گیا، پھر خواجہ شبلی کے پاس بغداد پہنچا دیا، بغداد کے بعد مکہ پہنچایا، مکہ سے مدینہ اور وہاں سے بیت المقدس پہنچایا اور خضر علیہ السلام سے ملا دیا، پھر خضر علیہ السلام کے دل میں کچھ ڈال دیا اور انھوں نے مجھے قبول کر لیا اور اپنی صحبت سے مجھے مستفیض فرمایا، پھر میں یہاں لا یا گیا، اور خلقت کو میرا گرویدہ بنا دیا، جو گمراہی سے نکل کر توبہ کرتے ہیں اور گوناگوں نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں۔ اطراف عالم سے جگر سوختگاں آتے ہیں اور میرے ذریعے سے محبوب حقیقی تک رسائی حاصل کر رہے ہیں، اس

سے بڑھ کر کیا کرامت ہو سکتی ہے۔ اس شخص نے کہا یا شیخ مجھے تو ضرور کوئی کرامت دکھائیں۔ آپ نے فرمایا، اچھی طرح دیکھ یہ کرامت نہیں ہے کہ بکری کاٹنے والے کو اولیاء کرام کا صدر نشین بنا دیا ہے۔ یہ قصاب بچہ نہ زمین پر گر پڑتا ہے نہ اس پر کوئی دیوار گرائی جاتی ہے نہ کوئی چھت اس کے سر پر گرتی ہے ایک ادنیٰ گدا ہے لیکن ولایت کا بادشاہ بنا بیٹھا ہے۔ کوئی کسب نہیں کرتا، کوئی پھاوڑا نہیں اٹھاتا، کوئی کلہاڑا نہیں چلاتا، لیکن خود بخود روزی چل رہی ہے جو خود بھی کھاتا ہے اور خلقت کو بھی کھلاتا ہے۔ کیا یہ کرامت نہیں ہے

شیخ ابو سعید فرماتے ہیں کہ ہم ایک مقام پر تھے، جہاں ایک شخص مصر سے آیا۔ تاکہ حضرت شیخ سے علم تصوف حاصل کرے۔ جب اندر آیا شیخ ابو العباسؒ کو سلام نہ کیا اور بیت الخلا میں چلا گیا، اندر جا کر اس نے سب کوزے توڑ دیئے اور کہنے لگا کہ شیخ کو کہو اور کوزے لائے۔ شیخ نے کہا، اور کوزے لا دو۔ مریدوں نے عرض کیا کہ جتنے کوزے یہاں موجود تھے اس نے سب توڑ دیئے ہیں، آپ نے فرمایا، بازار سے اور لاؤ۔ اس اثنا میں وہ غافل بیت الخلا سے باہر آیا اور کہنے لگا کہ کوزہ نہیں ہے تو اپنے شیخ سے کہو کہ یہاں آئے اور اپنی داڑھی نیچے کرے تاکہ میں اس سے استنجا کر دوں، جب حضرت شیخ نے یہ بات سنی فوراً کھڑے ہو گئے۔ آپ کی بہت لمبی اور سفید داڑھی تھی۔ آپ نے داڑھی دونوں ہاتھوں پر رکھی اور جھک کر فرمایا کہ آؤ میں حاضر ہوں، یہ دیکھ کر وہ آپ کے قدموں پر گر گیا اور عرض کی کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں۔ ایک دفعہ ایک شتربان کا لڑکا اونٹ کی مہار (رسی) ہاتھ میں لئے بازار میں جا رہا تھا۔ اونٹ پر کافی بوجھ تھا۔ بازار میں بہت کیچڑ تھا جس سے اونٹ کا پاؤں پھسل گیا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، لوگ اونٹ سے بوجھ اتارنے کی کوشش کر رہے تھے اور لڑکا زار و قطار رو رہا تھا، شیخ ابو العباس کا وہاں سے گزر ہوا، لڑکے کو روتا دیکھ کر آپ سے نہ رہا گیا۔ ہاتھ اٹھائے

اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہنے لگے کہ یا الٰہی اس اونٹ کی ٹانگ ٹھیک کر دے اگر اس کی ٹانگ ٹھیک نہیں کرتا تو اس کے رونے سے قصاب کا دل کیوں جلاتے ہو۔ یہ کہنا تھا کہ اونٹ صحیح و سلامت کھڑا ہو گیا اور چلنے لگا۔ آپ فرماتے ہیں کہ تمام اہل عالم کو خواہ وہ پسند کریں یا نہ کریں اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا چاہیئے۔ ورنہ وہ رنج میں مبتلا ہوں گے۔ کیونکہ جب تو بلا پر راضی ہو جائے گا تو بلا کی حالت میں بلا سے تجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی بلکہ بلا میں مشاہدۂ حق کرے گا۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہماری رضا یا عدم رضا کی وجہ سے اپنی تقدیر نہیں بدلتا۔ اگر تو راضی رہے گا تو راحت میں ہو گا ورنہ رنج میں مبتلا ہو گا۔ آپ کی وفات کی تاریخ نظروں سے نہیں گزری۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

سلطان الاولیا برہان الاصفیا

حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ

فارغ از خطرات غیر، قطب عالم شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس سرہٗ کا اصلی نام فضل اللہ بن ابوالخیر ہے۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ سلطان وقت، جمال اہل طریقت اور شرف القلوب تھے۔ تمام مشائخ عصر آپ کے مسخر اور گرویدہ تھے۔ آپ کے پیر طریقت حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسیؒ ہیں۔ جن کا ذکر گزشتہ طبقہ میں ہو چکا ہے۔ آپ نے شیخ ابوالعباس قصابؒ سے بھی تربیت حاصل کی ہے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا ہے۔ شیخ ابو سعید فرماتے ہیں کہ ایک دن میں کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں ایک خاکستر کا ٹھیلہ تھا جس پر شیخ لقمان مجنونؒ بیٹھے تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے میں ٹھیلے پر چڑھا آپ اپنے پوستین کی مرمت کر رہے تھے اور میں آپ کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ آپ نے پوستین پر ٹکڑا لگاتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے ابو سعید ہم نے تجھے اس ٹکڑے کے ساتھ اس پوستین پر سی دیا ہے۔ اس کے بعد آپ اٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر چل دیئے۔ حتیٰ کہ شیخ ابوالفضل کی خانقاہ تک پہنچ

گئے انھوں نے شیخ ابوالفضل کو آواز دی۔ وہ باہر تشریف لائے۔ شیخ لقمان نے فرمایا اے ابوالفضل اس کی نگہداشت کرو، کیونکہ یہ تمہارا ہے۔ شیخ ابوالفضل میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنی خانقاہ میں لے گئے اور ایک حجرے میں بیٹھ گئے۔ طاق میں کچھ کتابیں پڑی تھیں ان کی طرف دیکھنے لگے۔ میرے دل میں شوق پیدا ہوا کہ معلوم کیا جائے کہ ان کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ آپ نے روشن ضمیری سے میرے دل کی بات معلوم کرلی، فرمایا اے ابوسعید! ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر خلقت کی ہدایت کے لئے نازل ہوئے۔ سب کو یہی حکم ہوا کہ کلمہ کی تعلیم دیں۔ چنانچہ جس شخص نے یہ کلمہ پڑھا اسی میں مستغرق ہو گیا۔ شیخ ابوسعید فرماتے ہیں کہ شیخ کی اس بات سے میں ساری رات سو نہ سکا۔ علی الصبح سورج نکلنے سے پہلے میں شیخ تفسیر ابوعلی فقیہہ کے درس میں حاضر ہوا۔ جب میں وہاں جاکر بیٹھا تو انھوں نے اسی آیت سے درس شروع کیا

یعنی کہو اللہ اور چھوڑ دو ان لوگوں کو باطل

میں بے کار۔ پس اسی وقت میرے سینہ میں ایک دروازہ کھل گیا۔ اس کلمہ سے میں بالکل کھو گیا۔ خواجہ ابوعلیؒ نے میرے اندر تغیر (تبدیلی) دیکھ کر فرمایا کہ کل رات کہاں تھے۔ میں نے کہا شیخ ابوالفضلؒ کے پاس تھا۔ آپ نے فرمایا فوراً ان کے پاس واپس جاؤ۔ تمہارے لئے اس معنی کو چھوڑ کر اس معنی کی طرف آنا حرام ہے۔ اس کے بعد میں پیر ابوالفضل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے حیران و پریشان دیکھ کر آپ نے دریافت فرمایا اے ابوسعید! ؎

سنگ شدہ ہے ندانی پس وپیش   بل کم نکنی تو ایں سررشتۂ خویش

[تو پتھر ہو گیا ہے اور آگے پیچھے کچھ نہیں جانتا لیکن تو اپنے کاروبار کو نہیں چھوڑتا] میں نے عرض کیا یا شیخ! آپ کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا آؤ بیٹھو اور اس کلمہ کو مضبوط پکڑ لو۔ کیونکہ تجھے اس کلمہ سے بہت کام ہیں۔ اس کے بعد مجھے جو اشکال پیش آتیں میں شیخ ابوالفضل کی طرف رجوع کرتا۔ جب ان کا وصال

ہو گیا، میری مشکلات حل کرنے والا کوئی نہ رہا بجز شیخ ابو العباس قصابؒ کے، اسی وجہ سے میں ایک سال ان کی خدمت میں رہا، کہتے ہیں کہ شیخ ابو العباس قصابؒ کے جماعت خانہ میں ایک جگہ تھی جہاں آپ اکتالیس سال مقیم رہے رات کو اگر کوئی مرید زیادہ جاگتا تو آپ فرماتے کہ بیٹا سو جاؤ۔ جو کچھ یہ فقیر کر رہا ہے تمہاری خاطر کر رہا ہے، ورنہ فقیر کے لئے یہ مجاہدہ ضروری نہیں ہے لیکن انھوں نے اس اثنا میں شیخ ابو سعیدؒ سے ایک دفعہ بھی نہ کہا کہ سو جاؤ یا نماز پڑھو، جیسا کہ دوسروں کو فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے شیخ ابو سعید کو اپنے قرب میں جگہ عنایت فرمائی تھی۔ ایک دفعہ رات کے وقت شیخ ابو العباس اپنے حجرہ سے باہر آئے۔ آپ نے فصد کرایا ہوا تھا (خون نکلوانا) شیخ ابو سعیدؒ کو یہ حال معلوم تھا، آپ اٹھے اور شیخ کے سامنے آکر آپ کے ہاتھ دھلائے ابو سعیدؒ نے شیخ سے چادر لے لی (شاید خون آلودہ تھی) اور اپنی چادر ان کو پیش کی۔ شیخ نے ان سے چادر لے کر اوڑھ لی۔ اور نماز پڑھنے لگے۔ شیخ ابو سعیدؒ نے ان کی چادر دھوئی اور خشک کر کے پیش کی، آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ تم اوڑھ لو، انھوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ شیخ ابو سعید کے کپڑے شیخ ابو العباس نے پہنے ہوئے ہیں اور حضرت شیخ کے کپڑے شیخ ابو سعید نے پہنے ہوئے ہیں، اس سے ان کو تعجب ہوا۔ شیخ ابو العباس نے فرمایا، ہاں رات کو کپڑے نذر ہوئے اور یہ سب ابو سعید کا نصیب ہے اسے مبارک ہو، شیخ ابو سعید فرماتے ہیں کہ ایک دن دو آدمی شیخ ابو العباس کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ ہمارے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ ایک کہتا ہے کہ ازل سے ابد تک غم ہی غم ہے، دوسرا کہتا ہے کہ ازل سے ابد تک خوشی ہی خوشی ہے۔ حضرت شیخ کیا فرماتے ہیں شیخ ابو العباس قصاب نے اپنے ہاتھ منہ پر پھیرے اور فرمایا الحمد للہ کہ قصاب بچہ کا مقام نہ خوشی ہے نہ غم۔ خوشی اور غم تمہاری صفت ہے اور یہ حادث (فانی) ہے اور حادث

کو قدیم تک رسائی نہیں۔ جب وہ دو آدمی چلے گئے، میں نے پوچھا کہ یہ کون تھے۔ آپ نے فرمایا ایک ابوالحسن خرقانی تھا دوسرا ابو عبداللہ داستانی۔

نیز شیخ ابو سعیدؒ فرماتے ہیں کہ جب میں ایک سال تک شیخ ابوالعباس کے پاس رہا تو آپ نے فرمایا کہ اب مہنہ چلے جاؤ تاکہ یہ علم (جھنڈا) تمہارے در پر نصب کیا جائے۔ پس آپ کے حکم کے مطابق میں بے حد خلعت وفتوح (کشائش رزق) کے ساتھ واپس آیا۔ شیخ ابو سعید کی کرامات اظہر من الشمس ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ خواجہ ابوبکر خطیبؒ جو مرو کے مشہور امام ہیں کسی کام سے نیشاپور تشریف لے گئے۔ شیخ محمدحیؒ نے ان سے کہا کہ جب آپ شیخ ابو سعیدؒ کے پاس مہنہ جائیں تو ان سے اس سوال کا جواب لے آنا سوال یہ ہے "کیا آثار محو ہو جاتے ہیں یعنی طبیعت کے آثار بالکل زائل ہو جاتے ہیں" ابوبکر خطیب کہتے ہیں کہ جب میں وہاں پہنچا تو شیخ ابو سعیدؒ نے پہلے ہی سے دو صوفی مجھے تلاش کرنے کے لئے مقرر کر رکھے تھے۔ میں حیران ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ اگرچہ تمہارے نزدیک اس کا سوال چنداں وقعت نہیں رکھتا لیکن میرے ہاں یہ سوال بہت عزیز (اہم) ہے۔ جب سے تم مرو سے روانہ ہوئے ہم یہاں بیٹھے تمھاری منزلیں گن رہے ہیں کہ کب یہاں پہنچو گے۔ اب کہو اس بزرگ نے کیا پوچھا ہے۔ میں نے وہ سوال آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اسے کہو کہ

جب عین ہی نظر نہ آئے تو اثر کہاں رہتا ہے۔ یہ سن کر میں نے سر جھکا لیا اور عرض کیا کہ حضرت میں نہیں سمجھا۔ آپ نے فرمایا یہ بات عقل میں آنے کی نہیں یہ بیت یاد کر لو اور اسے جا کر بتاؤ۔ رباعی،

جسم ہمہ اشک گشت وچشم بگریست — در عشق تو بے جسم ہمیں باید زیست

از من اثرے نماندہ ایں عشق زچیست — چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

(میرا پورا جسم اشک یعنی آنسو ہوگیا ہے اور آنکھیں رو رہی ہیں تیرے عشق میں یہی ہے لیے جسم جینا۔ جب میرا نام ونشان ہی نہیں رہا معلوم نہیں یہ عشق کہاں سے آیا ہے اور جب میں خود معشوق بن چکا ہوں تو معلوم نہیں عاشق کون ہے۔)

جب میں مرو واپس گیا تو شیخ محمد حیی آئے اور میں نے تمام ماجرا انھیں سنایا۔ اور ابیات بھی پڑھ کر سنائے۔ اشعار سنتے ہی انھوں نے ایک نعرہ مارا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ دو آدمی ان کو اٹھا کر گھر لے گئے۔ ساتویں دن جان بحق ہو گئے۔ ایک دن کسی نے ان سے کہا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے اور فلاں ہوا میں اڑتا ہے۔ انھوں نے فرمایا یہ سب بے کار ہے، مرد وہ ہے جو خلق کے درمیان رہے، کام کاج کرے، شادی کرے، بچوں کی پرورش کرے۔ لیکن اس کے باوجود ایک لحظہ بھی یاد حق سے غافل نہ رہے۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ تصوف کیا ہے، فرمایا جو کچھ تیرے سر میں ہے رکھ دے اور جو تیرے ہاتھ میں ہے دے دے، اور جو تیرے ساتھ گزرے صبر کرے۔ یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ بس ماسوا ہوس (اللہ کافی ہے باقی سب حرص وہوس ہے) نیز فرمایا کہ ولذکر اللہ اکبر (اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے) اس کا مطلب یہ نہیں کہ تیرا اسے یاد کرنا بڑی چیز ہے بلکہ اس کا تجھے یاد کرنا بڑی چیز ہے۔ شرح آداب المریدین میں شیخ ابوسعیدؒ سے نقل ہے کہ اللہ تک پہنچنے کے راستے بتعداد میں تمام موجودات کے ذرات کے برابر ہیں لیکن کسی کا دل خوش کرنے سے بہتر کوئی راستہ نہیں، اور ہم نے حق تعالیٰ کو اسی طریقے سے پایا ہے اور اسی کی ہم وصیت کرتے ہیں۔ ایک دن شیخ ابوسعید نے شیخ ابوعلی دقاق سے پوچھا کہ آیا یہ حدیث مسلسل ہے۔ استاد نے فرمایا نہیں۔ شیخ ابوسعید نے سر نیچے کر لیا اور تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا کہ یہ حدیث مسلسل ہے۔ استاد نے فرمایا اگر مسلسل ہے تو نادر ہے۔ یہ شیخ

ابوسعیدؒ نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا کہ یہ نوادر میں سے ہے کہتے ہیں کہ شیخ ابوسعیدؒ کھانے پینے اور رہنے سہنے مثلاً خیمے، فرش اور چراغ روشن کرنے وغیرہ امور میں بہت اسراف کرتے تھے (یعنی زیادہ اہتمام کرتے تھے اور شان و شوکت سے رہتے تھے) اکثر سماع اور وجد کی محافل گرم رہتی تھیں اور معشوق کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ کی وفات شب جمعہ چار شعبان ۴۴۰ھ میں سلطان طغرل بیگ بن میکائیل سلجوقی کے عہد حکومت میں ہوئی۔ آپ کی عمر ایک ہزار ماہ تھی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رح

سرحلقۂ ارباب ذوق، مستغرق در بحر عشق و شوق، عارف نورانی، غوث وقت، خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کا اصلی نام علی ابن جعفر بن سلیمان خرقانی ہے، صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ آپ اپنے وقت کے غوث اور یگانۂ روزگار تھے۔ قبلۂ وقت اور تمام خلقت کا ملجا و ماویٰ تھے۔ شیخ ابوالعباسؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ بازار خرقانی کے ہاتھ آئے گا یعنی شیخ کی وفات کے بعد خرقانی خلقت کے مرجع و مرکز ہوں گے اور ان کی پیش گوئی پوری ہوئی ہے۔ آپ کا سلسلہ چار واسطوں سے سلطان العارفین خواجہ ابویزید بسطامیؒ سے جا ملتا ہے۔ یعنی آپ کی بیعت شیخ ابوالمظفر مولانا ترک الطوسی سے تھی۔ ان کی شیخ ابویزید عشقی سے، ان کی شیخ محمد مغربی سے، ان کی سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی سے اور ان کی امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے الی آخرہ۔ سلوک میں آپ کی تربیت خواجہ ابویزیدؒ کی روحانیت سے ہوئی۔ کیونکہ آپ کی ولادت خواجہ ابویزید کی وفات کے بعد ہوئی۔ اس لئے آپ کو ابویزید ثانی کہا جا سکتا ہے۔ آپ اپنے زمانے میں بے نظیر تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو اس بارے میں اختلاف ہے کہ کل (قیامت کے دن) زیارت ہوگی یا نہیں۔ ابوالحسن یہ کہتا ہے کہ میری جان اس شخص کے عرفان پر قربان ہے جو حق تعالیٰ کا راز معلوم

کرلے اور اپنے آپ کو پردۂ عبودیت میں رکھے یعنی دعویٰ نہ کرے۔ ایک دن کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ صوفی کون ہوتا ہے۔ فرمایا کہ صوفی وہ نہیں جو صوفیوں کا سا لباس پہنے اور سجادہ نشین بن بیٹھے۔ نہ صوفی وہ ہے جو صوفیوں کی سی رسوم و عادات کا پابند ہو۔ بلکہ صوفی آں بُود کہ نہ بُود یعنی صوفی وہ ہے جو خود نہ رہے، لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آدمی کو کس طرح معلوم ہو کہ وہ عارف ہے۔ فرمایا جب حق تعالےٰ کو یاد کرے تو سر سے قدم تک یادِ حق میں متاثر ہو جائے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ صدق کیا ہے، فرمایا صدق یہ ہے کہ اس کا دل گویا (بات کرنے والا) ہو جائے۔ یعنی جو کچھ کہے دل سے کہے۔ کسی نے سوال کیا کہ اخلاص کیا ہے۔ فرمایا جو کچھ تو حق کے لئے کرتا ہے اخلاص ہے اور جو کچھ تو اپنے لئے کرتا ہے، ریا (دکھلاوا) ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ فنا و بقا پر کلام کرنے کا کس کو حق پہنچتا ہے۔ فرمایا اس شخص کو جو ریشم کی ایک تار کے ساتھ آسمان سے لٹکا ہوا ہو اور ایسی آندھی چلے جو درختوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالے، مکانات کو تہ و بالا کر دے، پہاڑوں کو تباہ کر دے، دریاؤں کو پریشان کر دے لیکن اس کو بال برابر بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکے۔ یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص گانا گا کر حق کو طلب کرے، اس سے وہ بہتر ہے جو قرآن پڑھے اور اس سے حق کو طلب نہ کرے۔ آپ فرماتے ہیں کہ وارثِ رسولؐ وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے بحکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الشریعت اقوالی الطریقت افعالی۔ [آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الشریعت اقوالی الطریقت افعالی' المعرفت احوالی والحقیقت سِرّی یعنی شریعت میرے اقوال ہیں، طریقت میرے افعال کا نام ہے، معرفت میرے احوال (حال و مقام) اور حقیقت میرا راز ہے۔ اس حدیث پاک سے تصوف کی تائید ہو گئی۔ کیونکہ عارفین کے نزدیک تصوف نام ہے چار چیزوں کا شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت] صوفی وہ نہیں ہے جو کتابیں لکھ کر کاغذ سیاہ کر دے۔ خواجہ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ آں خواہم کہ نخواہم (میں وہ چاہتا ہوں جو میں نہیں چاہتا) خواجہ ابوالحسن خرقانی فرماتے ہیں کہ یہ بھی خواہش

ہے۔ نیز خواجہ ابوالحسنؒ نے فرمایا ہے کہ چالیس سال سے میرا نفس ٹھنڈا شربت یا دہی کی میٹھی لسی طلب کر رہا ہے لیکن میں نے اسے اب تک نہیں دی، نیز فرمایا کہ آج چالیس سال ہوئے ہیں کہ میں ایک ہی حال میں ہوں، اور حق میرے دل میں دیکھتا ہے اور اپنے سوا کچھ نہیں پاتا۔ نیز فرمایا کہ بہترین کام وہ ہے کہ جس میں مخلوق کا اندیشہ نہ ہو (اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جس کام میں مخلوق کو کوئی نقصان نہ پہنچے، دوسرا یہ کہ مخلوق یعنی ماسوا اللہ کا خیال دل میں نہ گزرے) نیز فرمایا کہ بہترین رفیق یہ ہے کہ زندگی حق کے ساتھ بسر ہو (یعنی ہر وقت باخدا رہے) آپ ایک کتاب موسوم مقامات میں تحریر فرماتے ہیں کہ الٰہی پچاس سال سے تیری آرزو میں ہوں اور تیرے عشق میں تڑپ رہا ہوں۔ کاش تو مجھے اپنے پاس آنے دیتا۔ نیز فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دس ہزار سال پہلے میں نے تجھ سے دوستی لگائی ہے..........

نیز فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ الٰہی اگر جبرائیلؑ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس نہ آتے اور مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خلق کے پاس نہ آتے ابوالحسن اسی طرح ہوتا جس طرح کہ اب ہے۔ کسی نے آپ سے صحابہ کرامؓ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ صدیق اکبرؓ کا دل کبھی یادِ حق سے خالی نہ تھا۔ عمر فاروقؓ کا دل کبھی اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے خالی نہ تھا۔ عثمان غنیؓ کا دل ہر وقت اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کرتے تھے اور کوئی ایسا وقت نہ تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ نہ کرتے تھے۔

کسی نے پوچھا کہ کعبے کتنے ہیں، فرمایا پانچ۔ ایک کعبہ، دوم بیت المقدس سوم بیت المعمور، چہارم عرش، اور پنجم قبلہ جوانمردان اللہ ہے۔ جب شیخ ابوسعید خرقان پہنچے تو کئی بار خواجہ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے گئے اور دونوں حضرات کے درمیان کئی گرم گرم صحبتیں رہیں اور دونوں نے مل کر سماع سنا اور وجد کیا چنانچہ اس کا ذکر شیخ ابوسعیدؒ کے مقامات میں مفصل موجود ہے۔ سلطان محمود غزنوی

بھی کمال نیاز مندی کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایمان کے لئے دعا منگوائی، خواجہ ابوالحسن نے اس کے حق میں فرمایا کہ حق تعالےٰ اس کی عاقبت محمود کرے۔ آپ کو فقر و فنا میں کمال حاصل تھا اور تمام مشائخ وقت آپ کے زیر فرمان تھے، حقائق و معارف میں آپ نے بڑے بلند کلمات بیان فرمائے ہیں۔ آپ کے کمالات و کرامات دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کی وفات بروز سہ شنبہ دس ماہ محرم ۴۲۵ھ میں ہوئی، آپ کی تاریخ پیدائش ۳۵۰ھ ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابو عبداللہ داغستانی رح

محتشم روزگار، پیشوائے ابرار، مقرب سبحانی، قطب وقت خواجہ ابو عبداللہ داغستانی قدس سرہٗ کا اصلی نام محمد بن علی داغستانی ہے اور آپ کا لقب شیخ المشائخ عالم تھا، آپ کئی علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ کا شمار محتشمان جہان میں ہوتا ہے۔ آپ کا کلام بہت دقیق اور اشارات بے حد لطیف ہیں۔ آپ خواجہ ابوالحسن خرقانی کے ہم عصر تھے۔ آپ کی نسبت بعیت تین واسطوں سے شیخ عمی بسطامی سے جا ملتی ہے جو خواجہ بایزید بسطامیؒ کے چچا زاد بھائی اور مرید تھے۔ صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے ایک مصاحب سے جن کا نام شیخ سہلگی تھا سُنا کہ ایک دفعہ بسطام میں بہت ٹڈی دل آئی کہ جس سے تمام درخت اور کھیت سیاہ ہو گئے اور لوگ بے دست و پا (مجبور) ہو کر آپ کے قدموں میں آگرے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا یہ کیا شور ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ٹڈی آئی ہے اور لوگ پریشان ہو رہے ہیں۔ آپ نے مکان کی چھت پر چڑھ کر آسمان کی طرف دیکھا، تو ٹڈی دل نے بھاگنا شروع کیا حتیٰ کہ عصر کی نماز کے وقت ایک ٹڈی بھی نہ رہی اور کسی شخص کا ذرہ بھر نقصان نہ ہوا۔ آپ کے کرامات اور کمالات بہت ہیں آپکی وفات ماہ رجب میں ۴۱۷ھ میں ہوئی۔ آپکی عمر انسٹھ سال تھی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ابوالقاسم گورگانی رح

پیشوائے ارباب طریقت، شاہ باز میدان حقیقت، عارف ربانی، قطب

ارشاد شیخ ابوالقاسم گورگانی قدس سرہٗ کا اسم گرامی علی ہے۔ آپ اپنے وقت میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ شیخ ابوعثمان مغربی کے مرید تھے جو شیخ ابوعلی کاتبؒ کے مرید تھے، وہ شیخ ابوعلی رودباریؒ کے اور وہ سلطان الطائفہ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ کے مرید تھے۔ آپ نے باطنی طور پر شیخ ابوالحسن خرقانیؒ سے بھی فیضان حاصل کیا۔ اس کا ذکر مقدمۂ رشحات میں موجود ہے۔ آپ کا حال بہت قوی تھا اور ساری خلقت آپ کی گرویدہ تھی۔ اور مریدین کی مشکلات میں آپ بے حد تصرف رکھتے تھے۔ صاحب کشف المحجوب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے ایک ایسا اشکال درپیش ہوا کہ جس کا حل میرے لئے ناممکن ہو گیا، میں شیخ ابوالقاسم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے جو آپ کی سرائے کے اندر تھی۔ آپ تنہا کھڑے ہوئے مسجد کے ستون سے میری مشکل، اور اس کا حل بیان فرما رہے تھے۔ اور بغیر پوچھے میری مشکل حل ہو گئی۔ میں نے عرض کیا کہ یا شیخ مجھے بھی یہی مشکل پیش آئی ہے فرمایا، بیٹے حق تعالےٰ نے ابھی اس ستون کو ناطق فرمایا، اور اس نے مجھ سے یہ سوال پوچھا تھا۔ صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالقاسم گورگانیؒ دونوں طوس میں ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے اور تمام درویش سامنے کھڑے تھے۔ ایک درویش کے دل میں خیال آیا کہ معلوم نہیں کہ ان دونوں بزرگوں میں سے کس کا درجہ زیادہ بلند ہے۔ شیخ ابوسعیدؒ نے اس درویش کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ جو شخص دو بادشاہوں کو بیک وقت ایک ہی تخت پر بیٹھا دیکھنا چاہتا ہے، دیکھ لے۔ اس درویش نے یہ سن کر ان دونوں بزرگوں کو غور سے دیکھا، حق تعالےٰ نے اس کی آنکھوں سے حجاب اٹھا لیا اور شیخ ابوسعید کی بات کی تصدیق ہو گئی۔ اس درویش کے دل میں دوبارہ خیال پیدا ہوا کہ آیا حق تعالیٰ کے ملک میں ان دو بزرگوں سے کوئی بڑا بزرگ بھی موجود ہے۔ شیخ ابوسعیدؒ نے اس درویش کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اس مختصر دنیا میں ہر روز ابوسعید اور ابوالقاسم

جیسے ستر ہزار لوگ موجود ہوتے ہیں۔ آپ کی وفات کی تاریخ نظروں سے نہیں گزری۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ابو العباس اشقانیؒ

مشتاقِ مشاہدۂ بے چوں، از غایت شوق محزون، محرم راز معانی، عاشق صادق شیخ ابو العباس اشقانی قدس سرہٗ کا اسم گرامی احمد بن محمد ہے۔ آپ تمام علوم ظاہری اور باطنی میں امام تھے۔ مجاہدہ اور عشق میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ مجھے ان کے ساتھ انسِ عظیم تھا۔ اور ان کو مجھ پر شفقتِ صادق تھی اور بعض علوم میں میرے استاد بھی ہیں اور کسی طبقے میں، میں نے ان سے زیادہ شریعت کی تعظیم کرنے والا نہیں دیکھا آپ ہمیشہ دنیا و عقبیٰ سے متنفر رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ چاہتا ہوں کہ حق تعالیٰ مجھے نیست کر دے جس کا کوئی وجود نہ ہو۔ کیونکہ جس قدر کرامات اور مقامات ہیں، سب حجاب اور بلا ہیں اور آدمی اپنے حجابات کا عاشق ہو گیا ہے۔ پس دیدار میں نیستی بہتر ہے حجاب کے آرام سے اور جب حق تعالیٰ ہست ہے اور ہر قسم کے عدم سے مبرّا ہے۔ اگر میں نیست ہو جاؤں تو اس کے ملک میں کیا کمی واقع ہو جائے گی۔ نیز فرماتے ہیں کہ ایک دن میں شیخ ابو العباس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے اور نعرہ مار رہے تھے ضرب اللہ مثلاً عَبۡدًا مَّمۡلُوۡكًا لَّا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ [اللہ مثال دیتا ہے اس عبد کی جو محتاج ہے اور کسی چیز پر قادر نہیں] مجھے خیال ہوا کہ اب دنیا سے جانے والے ہیں، میں نے کہا یا شیخ یہ کیا حال ہے۔ فرمایا پندرہ سال سے میری یہی حالت ہے اور میں اس سے آگے نہیں گزر سکتا۔ ایک دن شیخ ابو سعیدؒ نیشاپور میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سید اجل جو نیشاپور کے اکابرین سے تھے۔ آپ سے ملنے آئے اور آ کر شیخ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ شیخ ابو العباس اشقانی بھی آ گئے اور شیخ ابو سعید نے ان کو سید اجل سے بہتر جگہ دی۔ سید اجل اس سے

رنجیدہ خاطر ہوئے۔ شیخ ابوسعیدؒ نے شیخ اجل سے فرمایا، آپ کو مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے دوست رکھتا ہوں۔ اور ان کو حق تعالیٰ کی وجہ سے شیخ ابوالعباس اشتقانی فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے گھر آیا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک زرد رنگ کا کتا میرے بستر پر سو رہا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ محلے کا کتا ہے آکر سو گیا ہے، میں نے اسے بھگانے کا ارادہ کیا کہ اچانک وہ میرے دامن کے نیچے آیا اور غیب ہو گیا (یہ نفس تھا) آپ کی وفات کی تاریخ نظر سے نہیں گزری۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسین رح

بزرگ ترین افراد، از جملہ خلائق آزاد، ناظر بعین العین

شیخ ابوالفضل محمد بن حسینؒ کو ابوالفضل ختلی کہتے ہیں، کیونکہ آپ ختلان کے رہنے والے تھے۔ ختلان ایک شہر ہے جو بلخ سے آگے ہے۔ بعض کے نزدیک ختلان خراسان میں دشت گرد کے قریب واقع ہے، آپ کا وصال بیت الجن میں ہوا جو عقبہ کے علاقے میں دمشق کے قریب ایک قصبہ ہے۔ صاحب کشف المحجوب (خواجہ سید علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ) فرماتے ہیں کہ آپ میرے پیر طریقت ہیں، آپ علم تفسیر، روایات و آیات کے زبردست عالم تھے۔ آپ کی کرامات مشہور ہیں، آپ ساٹھ سال تک گوشہ نشین رہے اور خلقت سے بھاگتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے اپنا نام تک گم کر دیا تھا آپ اکثر قبرستان میں رہتے تھے۔ آپ نے عمر دراز پائی، آپ درویشانہ رسوم و لباس اختیار نہیں کرتے تھے اور اہل رسم درویشوں کے ساتھ شدت سے پیش آتے تھے۔ اور میں نے آپ سے زیادہ مہیب (بارعب وجلال) کوئی شخص نہیں دیکھا، آپ ابوالحسن حصریؒ کے مرید تھے جو طبقہ خامسہ (پنجم) سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا اسم گرامی علی بن ابراہیم البصری ہے۔ آپ کا اصلی وطن بصرہ تھا اور بغداد میں آکر خواجہ شبلیؒ کے مرید ہوئے۔ ان کو شیخ عراق کہتے ہیں، آپ علم توحید میں

مخصوص تھے، اس زمانے میں آپ کے برابر توحید و تفرید میں کوئی کلام نہیں کرتا تھا، خواجہ شبلیؒ کے لئے بھی آپ جیسا کوئی شاگرد نہیں تھا، اگرچہ کلام سننے والے بہت تھے لیکن ابوالحسن حصریؒ شبلیؒ کا شیشہ تھے [یعنی ان کے اندر شبلی کا عکس نظر آتا تھا، جیسے استاد تھے ویسے شاگرد ہو گئے تھے] خواجہ شبلی ان سے کہتے تھے، کہ تو بھی میری طرح دیوانہ ہے اور میرے اور تمہارے درمیان ازلی محبت اور ذاتی مناسبت ہے، ابوالحسنؒ اور عبداللہ خفیفؒ ایک دوسرے کے ہمتا (مثل) تھے، نیز ابوالحسن اور ابوبکر قزوینیؒ ہم عصر تھے، صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ابوالفضل ختلی سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ الدنیا یوم ولنا فیہا صوم [دنیا ایک دن ہے اور ہمیں اس دن روزہ ہے] آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک دفعہ میں شیخ ابوالفضل کے ہاتھ دھلا رہا تھا میرے دل میں خیال آیا کہ جب سب کام تقدیر اور قسمت کے مطابق ہوتے ہیں تو آزاد آدمی کس لئے پیروں کی بندگی کرتے ہیں، آپ نے فرمایا بیٹے جو کچھ تمہارے دل میں ہے مجھے معلوم ہے، ہر کام کے لئے سبب کا ہونا ضروری ہے، جب حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی کو سلطنت عطا کرے پہلے اسے توبہ نصیب کرتا ہے اور کسی بزرگ کی خدمت میں بھیج دیتا ہے، حتیٰ کہ یہ صحبت اس کے لئے سبب بن جاتی ہے۔ نیز فرمایا کہ ایک دفعہ کسی جنگل میں اولیاء اللہ کا اجتماع تھا میرے شیخ حضرت خواجہ ابوالحسن حصریؒ مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ میں نے اولیاء کرام کا ایک گروہ دیکھا جن میں سے ہر ایک تخت پر بیٹھا ہوا نظر آتا تھا لیکن میرے شیخ ابوالحسن حصریؒ نے کسی کی طرف توجہ نہ کی، جب ایک جوان نظر آیا جس نے ٹوٹا پھوٹا جوتا پاؤں میں ڈال رکھا تھا، ہاتھ میں ٹوٹا ہوا عصا تھا، سر ننگا، جسم نحیف اور تن سوختہ اور خستہ حال تھا، حصری قدس سرہ فوراً اٹھے، ان کا استقبال کیا اور لے آکر بلند جگہ پر بٹھایا، یہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا، بعد میں میں نے اپنے شیخ سے دریافت کیا کہ وہ کون تھا، فرمایا اولیائے حق میں سے ایک

ولی ہے جو ولایت کا تابع نہیں ہے بلکہ ولایت اس کے تابع ہے اور کرامات کی پروا نہیں کرتا۔ سبحان اللہ افراد کامل کا مرتبہ ایسا ہوتا ہے اور ان کو صاحب کمال کے سوا کوئی نہیں پہچانتا اور اہل بصیرت کے لئے شیخ ابو الفضل محمد بن حسین ختلیؒ کے کمالات اور کرامات یہی کافی ہیں کہ آپ کے پیر علی حصری قدس سرہ کے صاحب کشف المحجوب جیسے مرید تھے، رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ علی بن عثمان المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری

سرحلقۂ جملہ اقطاب، محرم از جمیع ابواب، معشوق بہ اوصاف معنوی شیخ علی بن عثمان بن علی الجلالی قدس سرہ کی کنیت ابوالحسن ہے اور ہندوستان میں آپ کو پیر علی حصریؒ کہتے ہیں۔ اور یہ حصر غزنی کے قریب ایک قصبہ ہے، جہاں آپ کے آباؤ اجداد سکونت پذیر تھے، جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان فتح کیا، پیر علی حصریؒ لاہور تشریف لائے اور آپ کی برکت سے اس علاقے میں اسلام کو فروغ حاصل ہوا، چنانچہ آپ کے کمالات آج تک اظہر من الشمس ہیں، آپ شیخ ابو الفضل محمد بن حسین ختلیؒ کے مرید تھے اور وہ ابوالحسن حصری کے، وہ خواجہ شبلی کے، اور وہ خواجہ جنید بغدادی قدس سرہ کے مرید تھے۔

صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ آپ عالم بھی تھے اور عارف بھی اور بیشمار مشائخ کی صحبت سے مستفیض ہوئے، کشف المحجوب کے مصنف آپ ہیں، اس کتاب میں آپ نے اس فن کی مشہور و معروف کتابوں سے حقائق و معارف جمع کئے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ المشائخ ابو القاسم گورگانی سے پوچھا کہ درویش کے لئے کم از کم کیا ضروری ہے، تاکہ فقر کا سزاوار ہو سکے۔ فرمایا تین چیزیں ضروری ہیں، اس سے کم نہیں۔ اول یہ کہ صحیح ٹکڑا سی سکے، دوم صحیح بات کہہ اور سن سکے، سوم صحیح قدم زمین پر رکھ سکے۔ جب آپ نے یہ بات فرمائی تو اس وقت چند درویش موجود تھے۔ جب ہم منزل پر پہنچے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ میں

سے ہر ایک اس موضوع پر کلام کرے۔ جب سب بات کر چکے تو میری باری آئی
میں نے کہا کہ صحیح ٹکڑا سینے کا، مطلب یہ ہے کہ کپڑا فقر کے لئے سیئے نہ کہ زینت
کے لئے۔ جب تو کپڑا فقر کے لئے سیئے گا تو اگرچہ وہ آگ بھی ہو صحیح سیا جائے
گا اور صحیح سخن سے یہ مراد ہے کہ اس کے اندر حال ہو نہ صرف قال یعنی از روئے
تحقیق ہو نہ از گمان، اور سخن وجدان حق سے خالی نہ ہو اور زندگی پر حاوی ہو ریاکاری
اور دکھلاوا نہ ہو۔ اور صحیح قدم زمین پر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وجد حق کے ساتھ
گامزن ہو نہ کہ لہو ولعب کے ساتھ۔ جب تشریح اس بزرگ کے پیش کی گئی تو
انھوں نے فرمایا کہ علی نے بالکل درست کہا ہے۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ ایک
دفعہ میں مہنہ میں شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے مزار کے پاس بیٹھا تھا میں نے دیکھا
کہ ایک کبوتر اڑتا ہوا آیا اور شیخ کے مزار کے غلاف کے نیچے چلا گیا۔ جب میں
نے غلاف اٹھا کر دیکھا تو کچھ نہ تھا۔ دوسرے دن بھی یہی حال دیکھا، تیسرے روز
بھی یہی دیکھا۔ اس سے مجھے تعجب ہوا۔ رات کو شیخ علیہ رحمۃ کو خواب میں دیکھا
اور وہ واقعہ ان سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا وہ کبوتر میرے معاملہ کی صفائی ہے
جو روزانہ میری قبر میں داخل ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ خواجہ احمد حمادی
سرخسیؒ مجاہد وقت تھے۔ آپ مدت تک میرے رفیق رہے اور میں نے ان
سے عجائب و غرائب دیکھے۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی توبہ کی
ابتدا کس طرح ہوئی۔ فرمایا ایک دفعہ میں سرخس سے اونٹ پر سوار ہو کر صحرا کی
طرف گیا۔ اور ایک مدت تک بیابان میں مقیم رہا۔ وہاں میں ہمیشہ بھوکا رہتا تھا
اور اپنا کھانا دوسروں کو دے دیتا تھا۔ مجھے درویشوں کے ساتھ عقیدت تھی
ایک دن جنگل سے شیر آیا اور اس نے میرے اونٹ کو مار ڈالا اور ایک
پہاڑی پر چڑھ کر آوازیں دینے لگا۔ شیر کی آواز سن کر جنگل کے تمام جانور
جمع ہو گئے۔ شیر نے اونٹ کو پھاڑا لیکن کھایا کچھ نہیں اور جا کر پہاڑی پر
بیٹھ گیا۔ تمام جانور یعنی گیدڑ، بھیڑیئے، لومڑ وغیرہ اونٹ پر ٹوٹ پڑے اور

کھانے لگے۔ جب سب کا پیٹ بھر گیا تو دور چلے گئے۔ اس وقت شیر پہاڑی سے اترا اور جو کچھ بچ رہا تھا کھانے لگا۔ جب شیر کھا رہا تھا تو ایک لومڑ جنگل سے ظاہر ہوا۔ اسے دیکھ کر شیر دوبارہ پہاڑی پر چلا گیا اور لومڑ کو گوشت کھانے کا موقعہ دیا۔ جب لومڑ سیر ہو کر چلا گیا تو شیر واپس آیا اور اس نے ایک ٹکڑا کھایا۔ میں بیٹھا دور سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ جاتے وقت شیر نے فصیح زبان میں مجھ سے کہا یا احمدؒ! کتوں کا ایثار لقمہ ہے اور مردوں کا ایثار جان ہے۔ میں نے شیر سے یہ بات سنی تو تمام کاموں سے دست بردار ہو گیا۔ خواجہ ادیب کمندیؒ بھی پیر علی حصریؒ کے ہم عصر تھے۔ آپ بیس سال تک کھڑے رہے اور نماز میں تشہد (التحیات) کے سوا کبھی نہ بیٹھے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کیوں نہیں بیٹھتے۔ فرمایا میں ابھی اس درجے کو نہیں پہنچا کہ مشاہدہ حق میں بیٹھ جاؤں۔ پیر علی حصریؒ نے سفر بہت کیا اور اپنے وقت کے تمام بزرگوں کی زیارت کی اور ان سے فیض حاصل کیا۔ آپ نے بہت ریاضات اور مجاہدات کئے۔ آپ کی کرامات بہت مشہور ہیں۔ آخر عمر میں آپ لاہور تشریف لائے اور وہیں وصال پایا۔ چنانچہ آپ کا مزار اس علاقے کے لوگوں کا قبلۂ حاجات ہے۔ آپ کی وفات کشف المحجوب کے مطابق ۴۶۵ھ سلطان محمود غزنوی کی پہلی فتح ہندوستان یا اس کے لڑکے سلطان مسعود کے وقت ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ احمد چشتیؒ

سر حلقۂ ارباب ملامت، از جمیع مرادات سلامت، پاک از ملائکان بہشتی، خواجہ احمدؒ خواجہ اسمٰعیل چشتی قدس سرہٗ کے بھائی ہیں۔ صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ یہ خواجہ احمد چشتی اور ہیں خواجہ ابو احمد ابدال چشتی نہیں ہیں، کیونکہ وہ ان سے بہت پہلے تھے۔ شیخ الاسلام نے ان کو نہیں دیکھا۔ آپ خواجہ احمد بن مودود بھی نہیں ہیں کیونکہ وہ متاخرین میں سے تھے۔ شیخ الاسلام فرماتے

ہیں کہ میں نے طریق ملامت میں خواجہ احمد چشتیؒ سے زیادہ قوی کوئی نہیں دیکھا اور سب چشتی اسی طرح تھے. خلق سے بے باک اور باطن میں سردار جہان آپ تین بار صحرا گئے اور واپس آگئے، کیونکہ اپنے اندر اخلاص نہ پاتے تھے آپ کا خاصہ اخلاص اور ترک ریا تھا. اور شرع میں کسی قسم کی سستی روا نہیں رکھتے تھے. آپ نے احمد بخارا کی بھی زیارت کی ہے اور ان کے علاوہ دیگر کثیر مشائخ سے بھی آپ نے فیض حاصل کیا ہے. شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ خواجہ احمد چشتیؒ بڑے بزرگ تھے اور میری بہت تعظیم کیا کرتے تھے. ایک دفعہ آپ خواجہ ابونصر طالہانی کی زیارت کو گئے اور ان سے یہ شعر سُنا

دریغا کت نداستم ہمیں پنداشتم دانم
ازیں پندار گونا گوں دریں دانش پشیمانم

(صد افسوس کہ میں نے تجھے نہ پہچانا اور سمجھتا ہی رہا کہ پہچان لیا ہے، لہذا اس قسم کی غلط فہمیوں سے بے حد پشیمان ہوں) شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی احمد چشتیؒ کی طرح مشاہدہ اور کرامت میں کوئی شخص نہیں دیکھا. وہ میری خدمت کرتے تھے اور بہت تعظیم کرتے تھے. میں قندز میں مجلس کیا کرتا تھا اور میرے مجلسیوں ہی سے ایک شخص آپ کی صحبت میں رہتا تھا اور میری باتیں ان سے جا کر کہتا تھا. میری باتیں سن کر انھوں نے کہا کہ خدا معلوم ان باتوں سے میرے اندر کیا ہو گیا ہے. یہ کلمات میرے لیئے دولت ہیں پس انھوں نے مجھے دعوت دی. اور اپنا سب کچھ مجھ پر نثار کر دیا. سردی اور برف کے موسم میں ہم ان کے گاؤں میں پہنچے جو ہرات کے قرب وجوار میں ہے یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ ابونصر سوہان کرار باران جو چشتی تھے بھی صاحب فراست عظیم تھے. جب ہم ان کے پاس گئے تو باسٹھ مشائخ گرد و نواح سے وہاں موجود تھے. چالیس دن تک میں ان سے حقائق کے کلمات بیان کرتا رہا اور علم حقیقت کا بیان دراصل اسی جگہ سے شروع ہوا. وہ سب لوگ صاحب

ولایت وکرامت وفراست تھے۔ جب تک یہ مشائخ زندہ رہے کوئی شخص ترکمان سے خراسان نہ آیا۔ نیز شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اگر ابو حفص کو یہ لوگ دیکھ لیتے تو اپنی مجالس وہاں ختم کر دیتے۔ اور میں ان کو مشائخ کا سردار، بزرگ صاحب کرامت وفراست اور ولی اللہ مانتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے دوست دولی غیروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں تاکہ حق تعالیٰ کے دوستوں کو کوئی نہ پہچانے اور نہ دوست رکھے۔ آپ کی وفات کی تاریخ نظروں سے نہیں گزری لیکن آپ خواجہ ابو یوسف چشتیؒ کے ہم عصر، ہم راز اور ہم سلسلہ تھے، رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابو اسماعیل عبد اللہ ابی منصور انصاریؒ

عالم بعلوم مطلق، عارف بوصال ملحق، از حال رسیدہ بقطب مداری، خواجہ ابو اسماعیل عبد اللہ ابی منصور الانصاری قدس سرہٗ کا لقب پیر ہرات و شیخ الاسلام ہے اور جس جگہ اس کتاب میں خالی شیخ الاسلام کا لفظ آتا ہے اس سے مراد آپ ہیں۔ آپ کے کمالات اور کرامات بے شمار ہیں۔ صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ آپ ابی منصور مت الانصاریؒ کے فرزندان میں سے ہیں اور مت انصاری حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور صحابی ہیں جو صاحب رحل کے نام سے مشہور ہیں۔ یعنی جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو حضرت ابو ایوب انصاری ہی کے گھر میں قیام فرمایا۔ اور مت انصاریؒ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ۳۱ھ میں احنف بن قیس کے ہمراہ خراسان تشریف لے گئے اور ہرات میں قیام فرمایا۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میرے والد ابو منصور محمد بن علی الانصاری بلخ میں خواجہ شریف حمزہ عقیلی کی خدمت میں رہتے تھے ایک دفعہ ایک عورت نے خواجہ شریف سے کہا کہ ابو منصور سے کہیں کہ مجھ سے

عقد نکاح کرلیں، لیکن میرے والد نے فرمایا کہ میں ہرگز شادی نہیں کروں گا، خواجہ شریف چونکہ میرے والد کے پیر تھے، انھوں نے فرمایا آخر تو شادی کرے گا اور تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا اور ایسا لڑکا کہ جس کا وصف بیان سے باہر ہے۔ اس کے بعد میرے والد ہرات آئے نکاح کیا اور میں وجود میں آیا۔ اس وقت خواجہ شریفؒ بلخ میں تھے۔ انھوں نے لوگوں کو بتایا کہ میرے ابو منصور کے ہاں ایک باکمال لڑکا پیدا ہوا ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میں قہندز میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی۔ میری ولادت جمعہ کے دن غروب آفتاب کے وقت بتاریخ دوم شعبان ۳۹۶ھ میں واقع ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں ربیعی ہوں یعنی موسم بہار میں پیدا ہوا۔ اور موسم بہار مجھے بہت پسند ہے۔ میری ولادت کے وقت آفتاب سترھویں درجہ ثور میں تھا اور جس وقت آفتاب دوبارہ اس جگہ پہنچتا ہے میرا سال ختم ہوجاتا ہے اور یہ وقت وسط بہار میں آتا ہے یعنی عین پھولوں کا موسم۔ صاحب نفحات کہتے ہیں کہ بانوی عالیہ ایک شان و شوکت والی عورت تھی۔ پوشنگ میں جب شیخ الاسلام متولد ہوئے تو خضر علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تم نے ہرات میں اس لڑکے کو دیکھا ہے کہ اس کے نور سے مشرق سے مغرب تک جہاں منور ہوجائے گا۔ بانوی عالیہ کہتی ہیں کہ میرے پیر خضر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تمہارے شہر میں ایک لڑکا ہے جس کی عمر سترہ سال کی ہے نہ اس کے والد کو معلوم ہے کہ یہ لڑکا کون ہے نہ وہ خود جانتا ہے، آگے چل کر یہ لڑکا ایسا ہوگا کہ سارے جہان میں اس سے بہتر کوئی نہ ہوگا۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میری عمر چار سال کی ہوئی تو مجھے مکتب لے گئے، جب نو سال کا ہوا تو میں نے املا لکھنی اور شعر کہنے شروع کئے، جس سے دوسرے لوگ مجھ سے حسد کرنے لگے نیز فرماتے ہیں کہ مجھے تازی (عربی) زبان کے چھ ہزار شعر صحیح اوزان پر یاد ہیں، اور زمانہ جاہلیت کے سترہ ہزار اشعار مجھے یاد ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے مجھے

وہ حافظہ عطا فرمایا ہے کہ جو کچھ ایک دفعہ میری قلم سے گزر جاتا ہے یاد ہو جاتا ہے
آپ فرماتے ہیں کہ مجھے مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تین ہزار احادیث ہزار ہزار
اسناد کے ساتھ یاد ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے تین ہزار افراد سے حدیث لکھی ہے
یہ سب اہل سنت وجماعت اور صاحب حدیث تھے۔ ان حضرات میں سے نہ کوئی
مبتدع (بدعتی) تھا، نہ صاحب رائے۔ اور یہ بات کسی شخص کو میسر نہیں ہوئی (یعنی
ان اوصاف کے استادِ حدیث کا ملنا) پس میں نے اسناد (احادیث کی سند)
چھوڑ دیئے اور لکھنا بھی بند کر دیا کیونکہ مذہب صوفیہ اہل صفا صاحبِ حدیث سے
قریب تر ہے برعکس دوسرے لوگوں کے۔ آپ فرماتے ہیں کہ تفسیر اور تذکیر قرآن
میں میرے استاد خواجہ یحییٰ عمار ہیں اور میری عمر چودہ سال کی تھی کہ خواجہ یحییٰ نے
اہل قندز سے فرمایا کہ عبداللہ انصاری کی تعظیم کیا کرو کیونکہ ان سے امام کی بُو آتی ہے
آپ فرماتے ہیں کہ خواجہ یحییٰ عمار شیبانیؒ بڑے بزرگ تھے اور انھوں نے شیخ
ابو عبداللہ خفیفؒ کو بھی دیکھا ہے اور ہرات میں رسوم علم (احوال حدیث وغیرہ) سب
سے پہلے وہی لائے۔ آخر وقت میں امام یحییٰؒ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ جب رسولِ
خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو خلفائے راشدین نے آپ کی جگہ لی جب
میں رحلت کروں گا تو عبداللہ میری جگہ لے گا چنانچہ اسی طرح ہوا، الغرض ظاہری
اور باطنی علوم میں سے کوئی ایسا علم نہیں جو شیخ الاسلام نہ جانتے ہوں، اس کے بعد
آپ نے تمام اشغال ترک کر کے مجاہدات میں قدم رکھا اور مقام فنا کی غایت کو پہنچ
گئے حتیٰ کہ تمام مشائخ وقت نے آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لیا، آپ نے اکثر مشائخ
سے فوائد (فیض) حاصل کئے، چنانچہ بعض مشائخ کو آپ نے اپنے پیروں میں شمار
کیا ہے، ان میں سے ایک شیخ عبداللہ طاقیؒ ہیں جن کا پورا نام محمد بن الفضل ابن
محمد الطاقی السجستانی الہروی ہے جو موسیٰ ابن عمران خرقیؒ کے مرید اور تمام ظاہری و
باطنی علوم کے عالم تھے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ وہ میرے پیر اور استاد ہیں، اور
میں نے ان سے زیادہ باہیبت بزرگ نہیں دیکھا، آپ بڑے صاحبِ کرامات،

ولایت وفراست تھے اور میری بڑی عزت کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا
سبحان اللہ حق تعالےٰ نے کیا نور عبداللہ کے دل میں نازل کیا ہے۔ چالیس سال کے
بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ کیا نور تھا جس کے متعلق آپ نے فرمایا تھا۔ ابو عبداللہ الطاقیؒ
کی وفات پہلی ماہ صفر ۴۱۶ھ کو واقع ہوئی۔ شیخ ابوالحسن لبشری سجزیؒ کے متعلق بھی
شیخ الاسلام نے فرمایا کہ میرے پیروں میں سے ہیں۔ جتنے مشائخ میں نے دیکھے
ہیں ان میں سے تین یہ ہیں۔ ابوالحسن خرقانیؒ، ابو عبداللہ الطاقیؒ اور ابوالحسن بشریؒ۔
آپ نے بڑے بڑے مشائخ سے فیض صحبت حاصل کیا۔ آپ شیخ عبداللہ خفیفؒ
کے شاگرد تھے۔ آپ کے اور پیر طریقت اپنے والد خواجہ ابو منصور محمد انصاریؒ ہیں
جو خواجہ شریف ہمزہؒ کے مرید تھے اور خواجہ ابوالمظفر ترمذیؒ کی خدمت میں بھی بیٹھے
تھے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میں نے ساٹھ سال ہر قسم کے علوم سیکھے، لکھے اور
تکلیف برداشت کی۔ علم اعتقاد میں نے سب سے پہلے اپنے والد سے سیکھا۔ میرے
باپ کو میرا ایک راز معلوم تھا جو انھیں خواب میں دکھایا گیا تھا لیکن مجھ سے انہوں
نے پوشیدہ رکھا۔ صرف اتنا بتاتے تھے کہ ہر روز تعبیر کرتا اور صحیح ثابت ہوتی ہے
شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میرے والد کوئی جانور ذبح نہیں کرتے تھے کہ یہ
ابدال کا مذہب ہے۔ آپ ابدال میں سے تھے۔ جو شخص کسی جاندار کو ایذا نہیں پہنچاتا
فرشتے دیکھتا ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میرے والد کو اس بات سے بہت
رنج تھا کہ شادی کرنے اور بال بچے ہونے کے بعد ان کے بعض احوال ختم ہو گئے ایک
دن دوکان سے سبحانک اللّٰھم کہتے ہوئے اٹھے اور ہمیشہ کے لئے دکانداری ترک
کر کے خواجہ شریف ہمزہؒ کی خدمت میں بلخ چلے گئے۔ آپ کی وفات ماہ شعبان ۴۳۰ھ
میں ہوئی اور بلخ میں خواجہ شریف ہمزہ عقیلیؒ کے قریب دفن ہوئے۔ شیخ احمد حاجیؒ بھی
آپ کے مشائخ ہیں جو بڑے بزرگ تھے اور جنھوں نے شیخ ابوالحسن حضری اور ابوالحسن
تبریزی سے فیض صحبت حاصل کیا تھا۔ شیخ الاسلام کے اور پیر ابو سلمہ باوردیؒ ہیں
جو بڑے بابرکت مرد تھے اور شیخ ابو عبداللہ رودباریؒ و ابو یعقوب نہر جوریؒ کے صحبت یافتہ

تھے۔ آپ کے اور پیر شیخ ابو علی زرگرؒ تھے جو شیخ ابو العباس قصابؒ کے مرید تھے
شیخ ابو نصر قبانیؒ بھی آپ کے پیر طریقت تھے۔ جنہوں نے ابو الحسن حصریؒ سے
فیض صحبت حاصل کیا تھا۔ شیخ اسماعیل وماس حرفیؒ بھی آپ کے پیر تھے جو علم
حدیث میں ماہر فن تھے اور شیخ مومن شیرازیؒ کے صحبت یافتہ تھے۔ آپ کے پیران
طریقت میں سے ایک شیخ محمد ابو حفص کوریؒ ہیں جو اپنے وقت کے بڑے مشائخ
تھے۔ آپ کے ایک اور پیر شیخ عموؒ ہیں، جن کی کنیت ابو اسماعیل ہے اور نام
احمد بن محمد بن حمزہ الصوفی ہے۔ شیخ ابو العباس ان کو عمو کہا کرتے تھے۔ آپ
خراسان کے خادم تھے اور مشائخ کبار کی خدمت کر کے بڑے مرتبہ تک پہنچ گئے
تھے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میں نے صوفیوں کا ادب ان سے سیکھا، اگرچہ بعض
امور میں (حقائق و معارف میں) انھوں نے مجھ سے سیکھا ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے
ہیں کہ آپ بڑے مرتاض تھے اور صوم وصال [مسلسل روزہ] رکھتے تھے۔ ایک دفعہ
میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کو چار دن سے روزہ تھا۔ کہتے ہیں کہ آپ نے
اسی دن تک روزہ رکھا۔ بعض اوقات سو دن تک بھی روزہ رکھتے تھے۔ آپ نے
مجھ سے فرمایا اگر تو بھی یہی کام کر سکے تو شرق سے غرب تک تیری طرح کوئی نہیں
ہوگا۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میں دو مرتبہ شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ کی خدمت میں
حاضر ہوا، آپ نے اپنی دستار سر سے اتار کر مجھے عنایت کی۔ گلیم مصری بھی عطا کی
اور شلغم ابال کر میرے منہ میں دیئے۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو
آپ کھڑے ہو جاتے تھے اور عزت و اکرام سے پیش آتے تھے۔ شیخ الاسلام
فرماتے ہیں کہ مشائخ کی زیارت بڑی چیز ہے۔ چنانچہ طبقہ صوفیہ کے نزدیک بڑی
دولت یہی ہے کہ میں فلاں کی صحبت میں بیٹھا ہوں اور فلاں کے پاس اتنے دن
رہا ہوں۔ پس زیارت بزرگان کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ اگر ایک دفعہ زیارت
کا موقعہ ہاتھ سے نکل جائے تو دوبارہ حاصل ہونا بڑا مشکل ہے۔ مشائخ کی زیارت
ہمیشہ نہیں ہو سکتی لیکن عرفات ہر وقت موجود ہے [یعنی آدمی حج کو ہمیشہ جا سکتا ہے

جہاں زیارت ہو سکتی ہے) آپ نے یہ بھی فرمایا ہے علم حدیث و علم شرع میں میرے بہت مشائخ ہیں لیکن اس راہ میں (تصوف میں) میرے شیخ طریقت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ ہیں جن کی نسبت طریقت خواجہ بایزید بسطامیؒ تک جا پہنچتی ہے شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اگر میں شیخ ابوالحسن کی زیارت نہ کرتا تو حقیقت سے آگاہ نہ ہوتا، آپ میرے پیر ہیں، ایک کلمہ جو آپ نے فرمایا یہ ہے کہ "اینک مے خورد و مے خسپد چیزے دگر است" (یعنی اگرچہ وہ اب کھاتا ہے پیتا ہے اور سوتا ہے لیکن دراصل چیز اور ہے یعنی فانی ذات حق ہے)

اس کے بعد مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہ رہی، اور علم حقیقت میں، میں مشاہدہ کے درجے تک پہنچ گیا، شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میں نے حج پر جانے کا ارادہ کیا، حتیٰ کہ رے تک پہنچ گیا، لیکن قافلے کو اس سال وہاں جانے کی اجازت نہ مل سکی، واپسی پر میں شیخ ابوالحسن خرقانی کی خدمت میں گیا مجھے دیکھتے ہی فرمایا "از معشوق من دریا آمدی، از دریا آمدی، از دریا آمدی جزاک اللہ تعالیٰ (یعنی معشوق تو دریا سے آیا، دریا سے آیا، دریا سے آیا جزاک اللہ) لیکن کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کا مطلب کیا تھا (شاید مطلب یہ ہے کہ بحر لاتعین کا رہنے والا اب تعین کی دنیا میں آیا) شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ آپ کی کرامات میں سے میرے لئے یہی کافی ہے کہ فرمایا "از دریا آمدی" اور آپ کے علم میں سے یہ کہ "اینک مے خورد مے خسپد چیزے دگر است" پس جب میں نے آپ سے یہ کلمات سنے تو میں خرقانی ہو گیا، وہ مجھ سے تعظیم سے پیش آتے تھے، دوران سخن میں آپ مجھ سے فرماتے تھے کہ میرے ساتھ مناظرہ نہ کر، یعنی مجھ سے کچھ نہ پوچھ کیونکہ تو عالم ہے اور میں جاہل ہوں (یاد رہے کہ شیخ ابوالحسن خرقانیؒ ان پڑھ تھے لیکن حقائق و معارف میں عالموں کے استاد) شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میں نے ان دو مردوں سے کوئی بڑا بزرگ نہیں دیکھا، یعنی خرقانی خرقان میں اور طاقی ہرات میں، شیخ ابوالحسن خرقانی کے مریدین نے مجھ سے کہا، کہ ہم

آپ کی صحبت میں تیس سال رہے ہیں لیکن آپ نے کسی کی اتنی تعظیم نہیں کی جتنی تمہاری. شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ان سے کہا کہ میرا ایک سوال ہے. فرمایا پوچھ اے میرے ماشوک [معشوق چونکہ آپ ان پڑھ تھے اس لیے حروف صیح مخرج سے نہیں نکال سکتے تھے] میں نے آپ سے پانچ سوال کیے. تین زبان سے اور دو دل سے. آپ نے سب کا جواب دیا. آپ نے اپنے ہاتھ ران میں دیئے ہوئے تھے اور نعرے لگا رہے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی ندی بہہ رہی تھی اور میرے سوالات کا جواب دیئے جا رہے تھے آخر ان کی صحبت میں شیخ الاسلام کا کام بن گیا. شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاریؒ کے کمالات و خوارق عادات دائرہ تحریر سے باہر ہیں. آپ کا شمار مشائخ عظام اور محبوبان حق میں ہوتا ہے. آپ کی وفات ۴۸۱ھ میں سلطان ملک شاہ بن الپ ارسلان سلجوقی کے عہد حکومت میں ہوئی جو خلیفہ عباسی قائم باللہ کا ہم عصر تھا. آپ کا مدفن ہرات میں ہے.

حضرت شیخ احمد نامقی الجامیؒ
قبلہ حاجات خلائق، کاشف اسرار دقائق، متکلم بکلام الہامی، قطب اولیا

شیخ احمد نامقی الجامی قدس سرہٗ کی کنیت ابو نصر اور نام احمد بن حسین ہے. آپ کا لقب زندہ پیل (زندہ ہاتھی) ہے. [آپ اس ملک میں مولانا احمد جامؒ کے نام سے موسوم ہیں] صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ جریر بن عبد اللہ البجلیؓ کے فرزندان میں سے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سال وفات میں ایمان لائے آپ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی خدمت میں حاضر ہونے سے منع نہیں فرمایا تھا جس سے میں ایمان لایا. اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مجھے دیکھ کر تبسم فرماتے تھے. آپ بہت بلند قد اور خوبصورت تھے اس حسن و جمال کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کو اس امت کا یوسف کہا کرتے تھے. آپ کا وصال ۵۱ھ میں حضرت امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں ہوا.

کتاب مقامات میں شیخ احمد جامؒ لکھتے ہیں کہ آپ کی نسبت اویسی ہے اور حضرت امام علی بن موسےٰ رضا رضی اللہ عنہ کی روحانیت سے تربیت ارشاد حاصل کی ہے، غلبۂ شوق سے آپ اکثر حضرت امام علی رضا کے روضہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر اشعار پڑھتے رہتے تھے، ان میں سے ایک شعر یہ ہے ؎

من غلام قنبرم قنبر غلام حیدر است   من غلامت را غلامم یا علی موسیٰ رضا

(میں قنبر کا غلام ہوں اور قنبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا غلام ہے اے علی موسیٰ رضا میں تیرے غلام کا غلام ہوں۔)

آپ مقامات میں فرماتے ہیں کہ میرے پیر طریقت امام علی رضاؒ کی روحانیت ہے۔ اور میرے پیرِ صحبت شیخ ابو طاہر کرد ہیں اور پیر خرقہ شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ ہیں۔ شیخ احمد جام اپنے وقت میں بے نظیر تھے۔ احوال و خوارق عادات جس قدر آپ سے ظاہر ہوئے اس زمانے میں کسی اور سے ظاہر نہ ہوئے۔ آپ کے مفصل حالات شروع سے آخر تک مقامات میں درج ہیں۔ صاحب نفحات نے آپ کے اکثر کمالات کا ذکر کیا ہے جن سے چند تبرکاً یہاں درج کئے جاتے ہیں، شیخ احمد جامیؒ اُمّی (ان پڑھ) اور شراب خور تھے۔ حق تعالیٰ نے بلا سبب ان کی ہدایت فرمائی اور اپنا بنایا۔ آپ کو اللہ نے بائیس سال کی عمر میں توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔ آپ اپنے دوستوں سے علیحدہ ہو گئے۔ اور شراب کے مٹکے توڑ دیئے پس آپ نے اہل و عیال اور دیگر اہل حقوق کو اللہ کے سپرد کیا۔ اور تمام ظاہری و باطنی مطالب سے آزاد ہو کر موضع نامق سے جو جام کے قرب و جوار میں ہے رخصت ہو کر پہاڑ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اور قسم و قسم کے عبادات، ریاضات و مجاہدات میں مشغول ہو گئے۔ اٹھارہ سال کے عرصے میں آپ کا کام پورا ہو گیا اور آپ کو توحید میں فنا حاصل ہو گئی۔ چالیس سال کی عمر میں آپ کو خلق کے پاس واپس بھیج دیا گیا اور حق تعالےٰ نے علم لدنی (راز کا علم) کے خزانے آپ پر کشادہ فرما دیئے آپ نے تین ہزار ورق سے زائد علم توحید و معرفت اور علم سرّ و حکمت اور روش طریقت

واسرارِ حقیقت پر اس طرح تصنیف کیئے کہ کسی عالم اور حکیم کو ان پر اعتراض کی مجال نہ تھی اور نہ ہو سکتی ہے، آپ کی یہ تصانیف سراسر قرآن اور احادیث نبویؐ پر مبنی ہیں۔ حضرت شیخ نے اپنی کتاب سراج السائرین میں لکھا ہے کہ مجھے حق تعالےٰ نے بائیس برس کی عمر میں اپنے لطف و کرم سے توبہ کی توفیق عطا فرمائی اور چالیس سال کی عمر میں مجھے لوگوں کی ہدایت پر مامور فرمایا اور اب باسٹھ سال کی عمر میں یہ کتاب لکھنے کا حکم ملا ہے۔ اس وقت تک ایک لاکھ اسی ہزار نفوس نے میرے ہاتھ پر توبہ کی ہے۔ اس کے بعد بہت عرصہ حضرت شیخ زندہ رہے، شیخ ظہیر الدین علیٰ جو آپ کے فرزندوں میں سے ہیں اپنی کتاب رموز الحقائق میں لکھتے ہیں کہ آخر عمر تک میرے والد علیہ رحمہ کے ہاتھ پر چھ لاکھ آدمیوں نے توبہ کی، اور معصیت کا راستہ چھوڑ کر طاعت حق کی طرف رجوع کیا۔ جو خرقۂ خلافت آپ کو شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ سے ملا تھا آپ وہی پہن کر عبادت کرتے تھے اور کہتے ہیں کہ یہ خرقہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے چلا آرہا تھا —

خلاصۃ المقامات میں حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں کہ وہ خرقہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے چودہ مشائخ کی وساطت سے شیخ ابو سعید ابوالخیر تک پہنچا۔ آپ کو حکم ہوا کہ یہ خرقہ احمد جامیؒ کو دینا۔ شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ نے اپنے بیٹے ابو طاہر کو وصیت کی کہ میری وفات کے اتنے سال بعد ایک جوان سال نوعمر، بلند قد، شہلا چشم بنام احمدؒ تیری خانقاہ میں اس وقت داخل ہوگا۔ جب تو اپنے دوستوں کے درمیان بیٹھا ہوگا، یہ خرقہ اس کو دے دینا۔ شیخ ابو سعید کی وفات کے وقت شیخ ابو طاہر کی یہ خواہش تھی کہ حضرت شیخ اپنی ولایت میرے سپرد کریں۔ آپ نے آنکھ کھولی اور فرمایا کہ جس ولایت کی تجھے خواہش ہے کسی دوسرے کے سپرد ہو چکی ہے اور ہمارے شیخ کا جھنڈا ایک خراباتی (شرابی) کے در پر نصب کر دیا گیا ہے اور ہمارا کام ان کے سپرد کر دیا گیا ہے، کسی کو معلوم نہیں کہ کیا راز ہے۔ شیخ ابو سعیدؒ کی وفات کے چند سال بعد شیخ طاہر نے

خواب میں دیکھا، شیخ ابوسعید اپنے دوستوں کے ساتھ جلدی سے کسی جگہ جا رہے ہیں، ابوطاہر نے پوچھا، کیا جلدی ہے آپ نے فرمایا، تم بھی چلو کہ قطب اقطاب آتے ہیں۔ ابوطاہر چلنے والے تھے کہ بیدار ہو گئے۔ دوسرے دن شیخ ابوطاہر خانقاہ میں بیٹھے تھے کہ اسی صفت کے ایک نوجوان خانقاہ میں داخل ہوئے، شیخ ابوطاہر کو فوراً معلوم ہو گیا کہ وہی ہیں۔ ان سے عزت وتکریم سے پیش آئے لیکن بشری تقاضے کی وجہ سے ذرا تشویشناک بھی تھے کہ اپنے والد کا خرقہ کس طرح دوسرے کے حوالہ کریں گے۔ نو وارد نے کہا اے جوان امانت میں خیانت جائز نہیں۔ یہ دیکھ کر شیخ ابوطاہر خوشی سے خرقہ اپنے والد بزرگوار کے صندوق سے لائے اور انھیں پہنا دیا۔ کہتے ہیں کہ یہ خرقہ بائیس مشائخ پہن چکے ہیں، شیخ احمد جامیؒ کے بعد معلوم نہ ہو سکا کہ خرقہ کہاں گیا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ چالیس بزرگوں نے شیخ ابوسعید ابوالخیر سے خرقہ خلافت حاصل کیا، جن میں سے ایک شیخ احمد جامیؒ تھے اور ایک خواجہ میر علی فارمدیؒ۔ یہ دونوں بزرگ دنیا میں بہت مشہور و معروف ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ خواجہ بوعلی فارمدیؒ کو حق تعالیٰ نے دلوں کا راز دار فرمایا تھا بلکہ آپ دلوں کا حال معلوم کر کے اس کے اظہار پر مامور تھے۔ شیخ احمد جام سے کسی نے کہا کہ میں نے مشائخ کے حالات پڑھے ہیں اور ان کی کتابیں دیکھی ہیں لیکن کسی بزرگ سے کرامات کا اس قدر ظہور نہیں ہوا جتنا کہ آپ سے ہوا ہے، فرمایا ہم نے اپنے مجاہدے کے زمانے میں وہ تمام مجاہدات و ریاضات کیے جو میں نے سنا کہ فلاں فلاں بزرگ نے کیے بلکہ اس پر زائد کیا۔ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ فرداً فرداً ان مشائخ کو عطا فرمایا، مجھے ان تمام نعمتوں سے نوازا۔ حضرت سلطان المشائخ (حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ) نے اس مقام کے متعلق یوں فرمایا ہے۔ بیت ؎

چند گوئی نکتۂ توحید را — بے ریاضت نیست لذت بارہا

[توحید کے متعلق جس قدر نکات بیان کرو جب تک ریاضت نہ ہو کوئی لطف نہیں آتا] نیز شیخ احمد جامیؒ فرماتے ہیں کہ ہر چار سو سال کے بعد جب احمد ظاہر ہوتا ہے، حق تعالیٰ کی اس پر اس قدر عنایت ہوتی ہے کہ تمام دنیا دیکھتی ہے هٰذا من فضل ربی [اور یہ فضل ربّی ہے] خواجہ ابوالقاسم کُردؒ ایک بڑے بزرگ اور مالدار تاجر تھے، لیکن اتفاق سے ان کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ سب کچھ جاتا رہا، چونکہ اہل وعیال کی کثرت تھی، نہایت افلاس سے زندگی بسر ہونے لگی۔ اس مصیبت کو دُور کرنے کے لئے وہ مختلف مشائخ کی خدمت میں اور مزارات پر حاضر ہوئے۔ ایک دن مسجد میں سخت پریشان بیٹھے تھے کہ ایک نورانی شکل کے باہیبت بزرگ داخل ہوئے، انھوں نے آتے ہی پوچھا کیا پریشانی ہے۔ آپ نے سارا ماجرا بیان کیا، فرمایا احمد بن حسین کو جو اس پہاڑ میں رہتے ہیں تم جانتے ہو۔ انھوں نے کہا جی ہاں وہ میرے پرانے دوست ہیں، فرمایا اٹھو اور ان کی خدمت میں جاؤ، وہ صاحب کرامت ہیں۔ دوسرے دن وہ شیخ احمد جامیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا حال سُنایا، حضرت شیخ نے فرمایا، کئی روز سے میری طبیعت تمہاری جانب مائل ہو رہی تھی، مجھے معلوم ہو گیا کہ تمہیں کوئی مشکل درپیش ہے۔ خاطر جمع رکھو حق تعالےٰ مشکل آسان کر دیں گے، آج رات مناجات کے وقت حق تعالےٰ کی خدمت میں عرض کروں گا دیکھیں کیا جواب ملتا ہے۔ دوسری صبح کو وہ پھر حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے فرمایا حق تعالےٰ نے تمہارا کام کر دیا ہے ہر روز تجھے کس قدر ضرورت ہے۔ عرض کیا چار دانگ [دانگ اس زمانے کا ایک سکہ تھا] فرمایا اس پتھر کے نیچے سے اٹھا لیا کرو۔ اس واقعہ کے متعلق کسی بزرگ نے فرمایا ہے ؎

ابوالقاسم کرد شد چوں بخیر مضطر ۔۔۔ بکشاد براں کرامت احمدؒ در
کردند حوالہ کفافش بہ حجر ۔۔۔ ہر روز چہار دانگ مے آد بہ بر

(ابوالقاسم کرد جب مصیبت میں گرفتار ہوئے تو شیخ احمد جامیؒ نے مشکل کشائی کر دی۔ پتھر سے ان کی روزی کا بندوبست کر دیا، جہاں سے وہ چار دانگ روزانہ لے جاتے تھے)

دوسرے دن جب وہ پتھر کے نزدیک گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سونے کا ایک ٹکڑا پتھر سے نکل آیا ہے۔ وہ اٹھا کر حضرت شیخ کے پاس لے گئے اور عرض کیا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ مجھے یہ فکر ہے کہ میرے بعد ان کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا اگر تمہارے لڑکوں نے خیانت نہ کی تو ہمیشہ ان کو یہ وظیفہ ملتا رہے گا۔ کہتے ہیں کہ مدت تک ان کے لڑکے چار دانگ حاصل کرتے رہے۔ ایک دفعہ ایک لڑکے نے خیانت کی اور اپنے معمول سے زیادہ اٹھا لیا۔ اس کے بعد وہ چیز نہ رہی۔ ایک دفعہ شیخ احمد جامیؒ نے ہرات جانے کا قصد کیا۔ جب شکیبان کے موضع میں پہنچے تو آپ کے اصحاب نے دریافت کیا کہ آیا حضرت ہرات کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں، اس لئے کہ بزرگان سلف نے ہرات کو انصاریوں کا باغیچہ قرار دیا ہے۔ آپ کے آنے کی خبر شیخ الاسلام عبداللہ انصاری کو ہوئی تو انھوں نے کہا کہ ہم جاتے ہیں اور شیخ کو کندھوں پر اٹھا کر شہر میں لاتے ہیں۔ پس آپ نے شہر میں منادی کرا دی کہ شہر کے اکابر و اشراف شیخ احمد جامیؒ کے استقبال کو چلیں۔ جب سب لوگ موضع شکیبان میں پہنچے تو ان کو دیکھ کر حضرت شیخ پر حالت طاری ہو گئی۔ دوسرے دن آپکی خدمت میں تحائف پیش کئے گئے اور استدعا کی گئی کہ آپ ہمارے کندھوں پر بیٹھ کر شہر میں داخل ہوں۔ آپ نے ان کی دعوت قبول فرمائی۔ آپ ڈولی میں بیٹھ گئے اور ڈولی کے اگلے حصے پر شیخ جابر بن عبداللہ اور قاضی ابوالفضل یحییٰؒ نے کندھے لگائے اور امام ظہرالدین و امام فخرالدین علیؒ نے پچھلا حصہ کندھوں پر رکھا اور ہرات کی طرف روانہ ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت

شیخ نے فرمایا کہ ڈولی کو نیچے رکھ دو تا کہ میں تم لوگوں سے بات کر لوں۔ آپ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ مریدوں کے لئے شیخ کی فرمانبرداری ضروری ہے سب نے کہا جی ہاں۔ فرمایا پس میرا حکم یہ ہے کہ آپ سوار ہو جائیں۔ تا کہ دوسروں کو سعادت حاصل ہو جائے۔ چنانچہ باری باری اکابر ڈولی میں سوار ہوتے گئے اور باقی ڈولی اٹھاتے گئے۔ جب شہر کے اندر داخل ہوئے تو شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاریؒ کی خانقاہ میں وارد ہوئے۔ شہر ہرات میں شیخ عبداللہ نام کے ایک اور بزرگ تھے جو تیس سال سے روزۂ وصال رکھے ہوئے تھے اور وصال حق سے فیض یاب ہو کر خلقت میں مشہور ہو چکے تھے۔ ہرات کے خواجگان میں سے ایک نے اپنا لڑکا ان کی خدمت کے لئے تعینات کر رکھا تھا۔ جو بارہ سال سے ان کی خدمت میں مصروف تھا۔ وہ زاہد بارہ سال سے ان کے گھر میں رہتے تھے۔ انھوں نے جب شیخ احمد جامیؒ کے آنے کی خبر سُنی تو حاضر ہونے کا قصد کیا۔ بیوی نے زاہد سے کہا کہ اگر آپ ان کے امتحان کی خاطر جانا چاہتے ہیں تو ہرگز نہ جائیں۔ کیونکہ وہ مرد باکرامت ہیں۔ زاہد نے کہا تجھے کیا معلوم، یہ کہہ کر روانہ ہو گئے۔ جب شیخ احمد جامیؒ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے فرمایا جب تم نے ہمیں ملنے کا قصد کیا تھا تو یاد ہے کہ اس عورت نے تمھیں کیا کہا تھا۔ اگر تم میری بات مانتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔ زاہد نے کہا آپ نے سچ فرمایا ہے۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کو تیار ہوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا، واپس جاؤ اور کوہ سنگین پر جا کر محمد قصاب کی دوکان پر نوکری کرو۔ وہاں سے گوشت حاصل کرو۔ اور بقال سے کچھ آٹا اور گھی خرید کر اپنے گھر جاؤ اور کھانا تیار کرا کر اس عورت کے ساتھ بیٹھ کر افطار کرو۔ اور ان بارہ سالوں میں جو کچھ تم پر واجب ہو چکا ہے اسے پورا کرو۔ حمام میں جا کر غسل کرو۔ جو کچھ تم بارہ سال طلب کرتے ہو اگر ایک ساعت میں نہ مل جائے تو احمد (جامی) کا دامن پکڑنا۔ یہ سُن کر زاہد نے اپنے دل میں کہا کہ باقی تو سب

کچھ کر لوں گا لیکن بیوی کے حقوق کس طرح ادا کروں گا، کیونکہ میرے اندر اس وقت بالکل طاقت نہیں رہی۔ شیخ نے فرمایا فکر مت کرو، یہ کام بھی تیرے لئے آسان ہو جائے گا۔ اگر ضرورت پڑے تو احمدؒ سے مدد طلب کر لینا۔ زاہد گھر چلا گیا اور جس طرح حضرت شیخ نے فرمایا تھا کیا۔ جب بیوی کے قریب ہوا تو اپنے اندر ذرا بھر قوت نہ پائی، چنانچہ اس نے شیخ سے مدد طلب کی۔ حضرت شیخ اس وقت لوگوں کے مجمع میں بیٹھے تھے۔ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ اے زاہد اپنا کام کر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ زاہد کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے حمام میں جا کر غسل کیا۔ جونہی اس نے یہ کام ختم کئے جو کچھ شہر کی فصیل کے اندر تھا فوراً اس پر منکشف ہو گیا۔ اس کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا جب تمہاری ہمت ہی شہر کی چہار دیواری سے زیادہ نہیں احمدؒ کا کیا قصور۔ ورنہ شہر کی چہار دیواری کیا ساری دنیا کی چہار دیواری کے اندر جو کچھ ہے تم پر منکشف ہو جاتا۔ ایک دن حضرت شیخ کو شیخ الاسلام کی خانقاہ کے باہر لوگ دعوت پر لے گئے۔ خادم نے جوتے سیدھے کئے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ کچھ کام ہے۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص اپنی بیوی اور بارہ سالہ بیٹے سمیت خدمت میں حاضر ہوا۔ لڑکا نہایت حسین تھا لیکن دونوں آنکھوں سے نابینا تھا۔ اس نے عرض کیا حضرت اللہ تعالیٰ نے مجھے سب کچھ عطا فرمایا ہے۔ یہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ اسے میں نے ساری دنیا میں پھرایا ہے۔ جہاں جہاں کسی بزرگ یا طبیب کا پتہ چلا اسے لے کر حاضر ہوا ہوں لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا اب امید ہے کہ آپ کی دعا کی برکت سے حق تعالےٰ اسے بینائی عطا فرمائیں گے شیخ علیہ رحمہ نے فرمایا عجیب بات ہے۔ مردہ زندہ کرنا، نابینا کو بینا بنانا اور برص کا علاج کرنا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے، احمدؒ کیا چیز ہے۔ اس کے بعد کھڑے ہو گئے اور دونوں میاں بیوی کو پکڑ کر زمین پر پھینکنے لگے۔ اس وقت شیخ پر عجیب حالت طاری تھی اور زبان سے یہ الفاظ جاری تھے

"مامی کُنیم مامی کُنیم" (ہم کر رہے ہیں، ہم کر رہے ہیں) اس وقت چند علماء بھی آپ کی خدمت میں موجود تھے اور یہ کلمات سُن رہے تھے۔ اس کے بعد آپ واپس آئے اور اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ اور لڑکے کو بلا کر اپنی انگلیاں اس کی آنکھوں پر پھیریں اور فرمایا اُنظُرْ بِاِذْنِ اللہِ عَزَّ وَجَلَّ (دیکھ اللہ عزوجل کے حکم سے) یہ کہنا تھا کہ لڑکے کی دونوں آنکھیں بینا ہو گئیں۔ اس کے بعد علماء نے دریافت کیا کہ حضرت پہلے آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے تھے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے، دوسری بار آپ نے فرمایا کہ "ہم کر رہے ہیں، ہم کر رہے ہیں"۔ ان دونوں کلمات میں کس طرح تطبیق ہو سکتی ہے۔ شیخ نے فرمایا جو کچھ پہلے کہا گیا احمد نے کہا لیکن بعد میں میرے سر میں یہ ڈالا گیا کہ احمد تو مُردہ کو عیسےٰ نے زندہ کیا وہ ہم کرتے تھے، نابینا کو عیسےٰ نے بینا کیا وہ ہم کرتے تھے ہمیں حکم ہوا کہ ہم نے اس لڑکے کی بینائی تیری قسمت میں رکھی ہے۔ حق تعالےٰ کے ان کلمات کا مجھ پر اس قدر دباؤ ہوا کہ میری زبان سے یہی کلمات جاری ہو گئے۔ یہ سب قول و فعل حق تعالےٰ کا تھا لیکن احمدؒ کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔ آپ کے کمالات اس قدر ہیں کہ دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ حق تعالےٰ نے آپ کو آٹھ بیویوں میں سے بیالیس بچے عطا فرمائے، جن میں سے انتالیس لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد چودہ لڑکے اور تین لڑکیاں زندہ رہ گئیں۔ یہ چودہ لڑکے صاحب عالم باعمل کامل اور صاحب تصنیف صاحب کرامت، صاحب ولایت اور خلق کے پیشوا اور مقتدائی تھے۔

حضرت شیخ احمد جامی زندہ پیل قدس سرہٗ کی ولادت ۴۴۱ھ میں ہوئی اور آپ کا سن وفات ۵۳۶ھ ہے یہ سلطان معزالدین سنجر بن ملک شاہ سلجوقی کا زمانہ تھا اس حساب سے آپ کی عمر چھیانوے سال ہوتی ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

کے بود خود ز خود جُدا ماندہ ۔۔۔ من و تو رفتہ و خُدا ماندہ

۱۴

حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ اور خواجہ احمد بن مودود چشتیؒ کے حالات میں

حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ

سر حلقۂ مشائخ کبار، پیشوائے اولیا نامدار، موصوف بصفت حضرت درود قطب ارشاد، حضرت خواجہ قطب الدین مودود قدس سرہٗ بن حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ بڑے عظیم الشان اور عالی مقام بزرگ ہوئے ہیں اور تمام مشائخ زمانہ آپ کے ظاہری و باطنی علم کے کمالات کو مانتے تھے۔ آپ مریدین کی تربیت میں بے نظیر تھے۔ آپ کو خرقۂ خلافت اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی قدس سرہٗ سے حاصل ہو۔ آپ کے کمالات اور کرامات اس قدر ہیں کہ اس مختصر کتاب میں انکی گنجائش نہیں ہے۔ مولانا جامی اپنی کتاب نفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ آپ سات سال کی عمر میں سارا قرآن حفظ کر کے علوم کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ ان کے سجادہ نشین ہوئے۔ آپ اپنے خصائل حمیدہ اور افعال پسندیدہ کی وجہ سے غلاقے کے تمام لوگوں کے مقبول اور مقتداء بن گئے تھے۔ آپ کو حضرت شیخ احمد جامی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اور تربیت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے جس وقت حضرت شیخ احمد جامیؒ جام سے ولایت ہرات میں تشریف لائے اور لوگ ان کے کمالات اور کرامات دیکھ کر مرید اور معتقد ہوئے تو اس کی بہت شہرت ہوئی جب وہاں سے شیخ احمد جامیؒ مزارات کی زیارات کیلئے چشت تشریف لے جانے والے تھے تو خبر ملی کہ حضرت خواجہ مودود چشتی اپنے تمام

مریدین کو جمع کر کے آرہے ہیں تاکہ حضرت شیخ کو اس ولایت سے
باہر نکال دیں. آپ کے مریدین آپ کو پوشیدہ رکھتے تھے. لیکن آپ ان حالات کو سب
سے زیادہ جانتے تھے. ایک دن شیخ احمد جامیؒ کے سامنے خادم نے دستر خوان بچھانا
چاہا. آپ نے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ کچھ مہمان آرہے ہیں. تھوڑی دیر کے بعد وہ جماعت پہنچ گئی
خادم نے دستر خوان بچھایا. کھانے سے فارغ ہوکر شیخ علیہ الرحمۃ نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا
کہ اپنے آنے کا قصہ تم بتاؤ گے یا میں بتاؤں. انہوں نے کہا آپ فرمائیں. پس آپ نے فرمایا
کہ خواجہ مودودؒ نے تمہیں اس غرض سے بھیجا ہے کہ احمد سے کہو کہ ہماری ولایت میں تمہیں کیا
کام. سلامتی سے واپس چلے جاؤ. ورنہ جس طرح یہاں سے نکلنا چاہو گے ہم نکال دیں گے خواجہ
مودودؒ کے اصحاب نے کہا. آپ نے بالکل صحیح فرمایا ہے. اس کے بعد آپ نے فرمایا اگر ولایت
سے مراد دیہات ہیں تو یہ گاؤں یہاں کے لوگوں کی ملکیت ہیں. نہ میرے ہیں نہ تمہارے.
اگر ولایت سے مراد یہاں کے لوگ ہیں تو یہ لوگ سلطان سنجر کے ہیں. پس ان کا شیخ الشیوخ
سلطان سنجر ہے. اگر ولایت سے مراد وہ ہے جو میں جانتا ہوں اور اولیا اللہ جانتے ہیں تو کل
میں ان کو بتا دوں گا کہ کار ولایت کیا ہے اور کس طرح ہے. الغرض اس قسم کی باتیں ہوتی
رہیں. آخر خواجہ مودود چشتیؒ حقیقتِ حال سمجھ کر از راہ اخلاص و اعتقاد حضرت شیخؒ کی خدمت
میں آئے اور انکو راضی کیا. چنانچہ نفحات الانس میں یہ واقعہ مفصل ہے. حاصلِ کلام آنکہ شیخ احمد
جامؒ اس بات پر مامور تھے کہ خواجہ مودود چشتیؒ کو نعمت دیں. اور خواجہ مودودؒ بھی پہلے تو
کسی اور کی طرف رجوع کر رہے تھے. لیکن بعد میں اس بات کو سمجھ گئے اور حضرت شیخ
کی خدمت میں آکر معافی مانگی. آپ نے معاف کر دیا اور فرمایا کہ ان لوگوں کو رخصت کر
دیں اور دو خدمتگار اپنے پاس رہنے دیں. اور تین دن یہاں ٹھہریں. حضرت خواجہؒ نے
اسی طرح کیا اور شیخ کی خدمت میں آکر کہا کہ اب فرمائیے کیا فرمان ہے. شیخؒ نے فرمایا پہلے
مصلّے طاق میں رکھ دو اور علم حاصل کرو. انہوں نے کہا میں نے قبول کیا کیونکہ خواجہ ابو یوسفؒ
(خواجہ مودودؒ کے والد) نے بھی آخر عمر میں ان کو یہی وصیت کی تھی. اس کے بعد خواجہ مودودؒ
نے کہا اور کیا فرمان ہے. شیخؒ نے فرمایا علم سے فارغ ہوکر اپنے خاندان کو زندہ کرو کیونکہ

تمہارے آباؤ اجداد بزرگ اور صاحب کرامت تھے۔ خواجہ مودودؒ نے کہا جب آپ مجھے احیائے خاندان کا حکم دے رہے ہیں تو آپ خود تبرکاً اس کام کا آغاز فرمادیں۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا آگے آؤ، جب وہ آگے آئے تو شیخؒ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر چار بالشت کے فاصلہ پر بٹھا دیا اور تین بار فرمایا "لبشرط علم" اس کے بعد خواجہ مودودؒ تین دن حضرت شیخؒ کی خدمت میں رہے اور بہت فوائد اور نعمتیں حاصل کیں۔ تھوڑے عرصے کے بعد آپ نے بلخ و بخارا جاکر علم حاصل کیا اور چار سال کے عرصے میں آپ تمام ظاہری و باطنی علوم میں بقدر وسعت و امکان کامل و مکمل ہوگئے اور ہر طرف سے طالبان راہ حق جمع ہوئے اور بلند مقامات حاصل کرنے لگے۔ اُن میں سے ایک شاہ سنجان تھے۔ جن کا پورا نام رکن الدین محمود ہے وہ سنجان نامی ایک قصبے کے رہنے والے تھے۔ وہ کافی عرصہ چشت میں رہ کر حضرت خواجہؒ کا فیض صحبت حاصل کرتے رہے۔ کہتے ہیں کہ جتنی مدت وہ چشت میں رہے۔ رفع حاجت کے لیے چشت سے بہت دور نکل جاتے تھے اور طہارت کر کے واپس آتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ مزارات چشت نہایت مبارک منزل اور متبرک مقام ہے اس جگہ رفع حاجت کرنا بے ادبی ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے وہ خواجہ سنجان کے نام سے مشہور تھے۔ خواجہ مودودؒ نے ان کو شاہ سنجان کا لقب عطا فرمایا اور وہ ہمیشہ اس نام پر ناز کیا کرتے تھے۔ شاہ سنجان کی وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی۔ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک بزرگ زادہ بدخشاں سے خواجہ مودود کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت اور کلاہ کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ نے نور باطن سے معلوم کر لیا کہ وہ اس کے قابل نہیں۔ آخر سب اصحاب نے سفارش کر کے اسے کلاہ دلایا۔ لیکن حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اے جوان اس کلاہ کے آداب پوری طرح بجالانا ورنہ تمہارے لیے اچھا نہ ہوگا۔ جب وہ بدخشاں واپس گیا تو سب باتیں بھول کر نفسانی لذت میں گرفتار ہوگیا۔ جب یہ خبر حضرت خواجہ تک پہنچی فرمایا کلاہ اپنا کام کیوں نہیں کرتا۔ چند یوم کے بعد اسے حکومت نے کسی تہمت میں گرفتار کر لیا اور اس کی آنکھیں نکال دیں۔

خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری قدس سرہ دلیل العارفین میں فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے دنیا کے گرد کوہ قاف پیدا کیا ہے وہ پہاڑ سبز رنگ کے زمرد کا بنا ہوا ہے۔ (کوہ قاف سے مراد وہ پہاڑ نہیں ہے جو روس اور ترکی کی سرحد پہ واقع ہے۔ بلکہ اس سے مراد وہ پہاڑ ہے جو عالمِ مثال میں ہے۔ یاد رہے کہ عالم مثال اس دنیا سے الگ جہان ہے جو بذریعہ کشف اولیاکرام کے مشاہدہ میں آتا ہے) اور آسمانِ دنیا کی نیلاہٹ (نیلا رنگ) اس پہاڑ کے فروغ (چمک) سے ہے۔ حق تعالےٰ نے اُس پہاڑ پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے۔ جس کا نام قدقائل ہے۔ اس زمین کی طنابیں اس فرشتے کے ہاتھ میں جنہیں وہ ضرورت کے مطابق ہلاتا رہتا ہے۔ جس وقت وہ زمین کی طنابیں کھینچتا ہے چشمے خشک ہو جاتے ہیں اور نباتات نہیں اُگتی۔ [نوٹ۔ کم فہم لوگ اس میں شک کرتے ہیں کہ جغرافیہ میں تو یہ باتیں نہیں ملتیں۔ حالانکہ خود جغرافیہ ایک نامکمل علم ہے۔ ماہرین علم نجوم، علم طبعیات، علم ہیئت اور علم جغرافیہ آج تک یہ نہیں بتا سکے کہ یہ کرۂ ارض اور لاکھوں ستارے شمس و قمر کس برقی قوت سے اپنے اپنے راستے پر چل رہے ہیں اور اس کمال صحت (PRECION) کے ساتھ چل رہے ہیں کہ ذرا برابر دائیں بائیں یا اوپر نیچے نہیں ہوتے۔ اگر اپنے راستے (ORBIT) سے ہٹ جائیں تو ساری دنیا جل کر خاک ہو جائے یا برف بن جائے اور دنیا میں رہنے والے سب انسان اور جانور ایک لمحے میں ختم ہو جائیں۔ فضا کے ماہر سائنسدانوں (SPACE SCIENTISTS) نے آجکل جو مصنوعی سیارے (SATELITES) فضا میں چھوڑے ہیں۔ یہ خدا کے بنائے ہوئے لوہے وغیرہ سے بنتے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک پر کروڑوں پونڈ خرچ آتے ہیں۔ تب جاکر یہ فضا میں اڑنے کے قابل ہوتے ہیں اور ساری دنیا ان سائنس دانوں کو خراج عقیدت پیش کر رہی ہے اور بجا طور پر پیش کر رہی ہے۔ لیکن جس عظیم سائنس دان نے عدم سے یہ سب سامان (MATERIAL) پیدا کیا اور پھر یہ سورج چاند ستارے فضا میں اڑائے اور اس پختگی اور حکمت سے اڑائے کہ لاکھوں برس سے ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ اپنے راستوں پر قائم ہیں اور معلوم نہیں کہ کون سے ورکشاپ سے انہیں اڑنے کی قوت (ENERGY) بخشی ہے۔ وہ خلاقِ اعظم، قادرِ مطلق، احکم الحاکمین، صانعِ عظیم اور کارساز جلیل کس

قدر خراج عقیدت کا مستحق ہے۔ صاحب انصاف حضرات خود قیاس کر سکتے ہیں. گذشتہ اور آنے والی عبارت میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ نے جس نظام کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ اس کائنات کو قائم اور دائم رکھنے والا نظام ہے جسے ظاہری آنکھیں دیکھنے سے قاصر ہیں. لہذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ یا توان باتوں کو تسلیم کیا جائے یا مترجم نے جو اوپر سوال کیے ہیں ان کا کوئی بڑے سے بڑا سائنس دان جواب دے۔ جو کچھ ان بزرگوں نے بیان کیا ہے ان کا چشم دید مشاہدہ ہے. جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں. اگر ان ماہرین روحانیت کے مشاہدات کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر باقی علوم کے ماہرین مثلاً ڈاکٹروں، انجینئروں اور فنی ماہرین کے مشوروں کو آنکھ آنکھیں بند کر کے دنیا کیوں قبول کر لیتی ہے. حقیقت یہ ہے کہ اگر ماہرین فن خواہ وہ ظاہری علوم کے ماہر ہوں یا باطنی علوم کے یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ان کے مشوروں پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانا لازمی ہے. ورنہ زندہ رہنا محال ہے اور یہی ایمان بالغیب ہے جس کا مطالبہ کلام پاک میں کیا گیا ہے۔ ایک مریض ڈاکٹر کے پاس جاکر کہتا ہے کہ میرے سر میں درد ہے دوا دیجئے. ڈاکٹر جو درد کو دیکھ نہیں سکتا یہ نہیں کہتا کہ ثابت کرو کہ تمہارے سر میں درد ہے بلکہ اس کے کہنے پر ایمان بالغیب لے آتا ہے۔ جب ڈاکٹر دوائی دیتا ہے تو مریض یہ نہیں کہتا کہ ثابت کرو کہ اس دوائی میں شفا کی خاصیت موجود ہے بلکہ آنکھیں بند کر کے اس کی بات قبول کر لیتا ہے. غرضیکہ آنکھوں سے دیکھے بغیر ایمان نہ لائیں تو ہم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ لہذا یہ کس قدر حماقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی یا اس کے نظام سلطنت کو سمجھنے کی دعوت جب انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام اور علماء راسخین دیں تو لوگ آنکھوں دیکھے بغیر تسلیم کرنے سے انکار کریں۔ یہ زلزلہ جو آتا ہے اُسی طنابیں ہلانے سے آتا ہے. زمین کو تنگی اور فراخی ان کے تصرف میں ہے. علوم ارضیات کے ماہرین زلزلے کی وجوہات کوہ آتش فشاں کا پھٹنا بتلاتے ہیں اور یہ نہیں بتا سکتے کہ کوہ آتش فشاں کب اور کیوں پھٹتا ہے صرف قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں. ممکن ہے کوہ آتش فشاں کا پھٹنا زمین کی طنابیں کھینچنے کی وجہ سے ہو)۔ کوہ قاف کے پیچھے چالیس جہان ہیں. اس جہان سے ماوریٰ۔ ان میں سے ہر جہان کے چار سو حصے ہیں اور ہر حصہ تنہا اس دنیا سے

چارگنا اور اس دنیا میں جو کہ کوہ قاف کے پیچھے ہے کوئی اندھیرا نہیں وہاں کبھی رات نہیں ہوتی. وہاں کی زمین سونے کی ہے. وہاں کے باشندگان سب فرشتے ہیں. وہاں نہ آدم ہے نہ ابلیس، نہ بہشت نہ دوزخ؛ ان چالیس جہانوں کے پیچھے حجاب (پردے) ہیں اور ان پردوں کے پیچھے کا حال سوائے حق تعالےٰ کے کسی کو معلوم نہیں. اس کے بعد فرمایا کہ اس کوہ قاف کو حق تعالےٰ نے بیل کے دو سینگھو کے درمیان رکھا ہے. اس ترگاؤ کی عمر تیس ہزار سال ہے. وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا رہتا ہے. اللہ تعالےٰ نے ایک سانپ پیدا کیا ہے اور دوزخ کو اُس سانپ کے منہ میں رکھا ہے. وہ سانپ زمین کے ساتویں طبقے کے نیچے ہے. حضرت خواجہ بزرگؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ نے قسم کھا کر فرمایا کہ جس روز میں نے یہ حکایات حضرت خواجہ قطب الدین مودودؒ کی زبان سے سنیں. آپ نے مراقبے میں سر جھکا لیا کیونکہ اُس وقت ایک اور درویش بھی بیٹھا تھا. دونوں (خواجہ مودودؒ اور درویش) غائب ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ظاہر ہو گئے. درویش نے کہا جو کچھ حضرت خواجہ نے فرمایا. اس کے متعلق میرے دل میں شک پیدا ہوا. تو آپ نے مجھے وہاں لے جا کر آنکھوں سے دکھا دیا اور میں نے ان چالیس جہانوں کو دیکھا جن کا ذکر خواجہؒ نے فرمایا. پس خواجہ معین الدینؒ فرماتے ہیں کہ درویش کو یہ قدرت ہونی چاہیے کہ اگر کوئی شخص ان کے کلام میں شک کرے تو اسے آنکھوں سے دکھا دے. کوہ قاف کی یہی کیفیت حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی کتاب تکملہ کی چوالیسویں حکایت فی مناقب شیخ ابو محمد بن عبداللہ بصریؒ میں بیان فرمائی ہے. اس کا ذکر پندرھویں طبقہ میں کیا جائے گا. ان دونوں حکایات کا مقصد عالم برزخ کا بیان کرنا ہے جسے صوفیا کی اصطلاح میں عالم مثال بھی کہا جاتا ہے. سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ جب خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ کا آخری وقت آیا تو ایک باہیبت شخص اندر آیا اور اس نے حریر پارہ لکھا ہوا حضرت خواجہ کے ہاتھ میں دیا. آپ نے اس کا مطالعہ فرمایا اور اسے آنکھوں پر رکھ کر جان مشاہدہ حق میں تسلیم کر دی. تجہیز و تکفین کے بعد لوگوں نے آپ کا جنازہ اٹھانے کی کوشش کی لیکن کسی صورت میں جنازہ نہ اٹھ سکا. لوگ حیران ہوئے کہ کیا ماجرا ہے. آخر ایک خوفناک آواز آئی

جس سے ڈر کر لوگ دور بھاگ گئے۔ اس وقت مردانِ غیب آئے اور انہوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد خلق نے جنازہ پڑھا۔ پھر کیا ہوا کہ آپ کا جنازہ ہوا میں اڑتا ہوا چلا گیا اور لوگ پیچھے پیچھے ہو لیے۔ آخر ایک جگہ پر جسے حضرت خضرؑ نے پسند فرمایا جنازہ اترا اور آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کی یہ کرامت دیکھ کر بہت سے کفار اسی روز مسلمان ہوئے آپ کی وفات شریف ۵۲۷ھ میں سلطان فخر الدین سنجر بن ملک شاہ بن سلطان الپ ارسلان سلجوقی کے عہد حکومت میں ہوئی آپ کا مدفن چشت ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

ا۔ حاشیہ سوم: حضرت خواجہ بزرگؒ نے مجملاً متن میں اشارے کے طور پر عالم برزخ کا ذکر فرمایا ہے۔ شیخ ابو محمد بن عبداللہ بصریؒ کے حالات میں اس کا ذکر ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فتوحات میں اجمالاً اور رسالہ برزخیہ میں تفصیلاً لکھا ہے کہ برزخ اس دنیا اور آخرت کے درمیان ایک مستقل عالم ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمِن وَرَائِهِم بَرزَخٌ إِلَىٰ يَومِ يُبعَثُونَ (یعنی انسان کے علم و نظر سے دور عالم برزخ ہے۔ اس دن تک جب کہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔) اور یہ ارواح و ملائکہ کا مقام ہے، ابتدائے خلق سے قیامت تک۔ پس خالقِ مطلق نے وجود کو تین صورتوں میں ظاہر فرمایا ہے۔ دنیا۔[1] برزخ[2] اور آخرت[3] اور عالم موجودات کی تین قسمیں ہیں۔ ملک[1] ملکوت[2]۔ جبروت[3]۔ حق تعالیٰ نے انسان کو ان تین عالموں کے مجموعے سے پیدا کیا (یعنی جو کچھ ان تین عالموں میں تفصیلاً موجود ہے وہ انسان میں اجمالاً موجود ہے) بالفاظِ دیگر انسان مرکب ہے جسم و نفس و روح سے۔ پس جسم کا تعلق اس دنیا سے ہے جو ملک کا مظہر ہے۔ نفس کا تعلق برزخ سے ہے جو مظہر ہے عالم ملکوت کا اور روح کا تعلق آخرت سے ہے جو عالم جبروت کا مظہر ہے اور عالم برزخ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ارواح خواہ سعید ہوں یا شقی ایک مدت مقررہ تک رہتے ہیں نہ کہ دائمی طور پر (یعنی سعید جنت مثالی میں اور شقی جہنم مثالی میں قیامت تک رہیں گے۔ اس کے بعد حساب وکتاب ہوگا) اور جہاں جہاں قرآن مجید اور حدیث میں سعید اور شقی لوگوں کا ذکر کسی قید یا شرط کے ساتھ ہوا ہے۔ اس سے مراد احکام برزخ ہے نہ احکام آخرت۔ کیونکہ آخرت کے لیے

مدت شرط نہیں ہے۔ مثلاً اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں فاما الذین سعدو ففی الجنتہ فیھا مادامت السموات والارض (جو نیک بخت ہیں وہ جنت میں رہیں گے۔ اس وقت تک کہ جب تک آسمان و زمین قائم ہیں۔ یعنی سعید لوگ جنت مثالی یا برزخی میں قیامت تک رہیں گے اور یہی حال شقیوں کا ہوگا یعنی وہ بھی جہنم مثالی میں قیام قیامت تک رہیں گے۔ اس کے بعد حساب و کتاب ہوگا) یاد رہے کہ آدم علیہ السلام جب جنت میں رکھے گئے تھے تو وہ جنت مثالی یا برزخی تھی اور اس جنت میں آپ اوامر اور نواہی کے تابع تھے لیکن تقاضائے بشری کی وجہ سے آپ سے لغزش ہوگئی۔ جس کی وجہ سے جنت مثالی سے نکالے گئے اور برزخِ دنیا میں بھیجے گئے۔ اسی طرح ابلیس بھی برزخ میں تھا اور تکبر کی وجہ سے مردود ہوا۔ آدم علیہ السلام کی جنت دائمی نہ تھی ۔۔۔۔۔؟ تفسیر بیضاوی میں بھی ایک روایت منقول ہے کہ آدم علیہ السلام کی جنت فلسطین کی سرزمین میں تھی یا فارس اور کرمان کے درمیان تھی۔ جواہر التفسیر میں بھی ایسی روایات نقل کر کے بعدہٗ یہ لکھا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کی جنت عدن میں تھی جو ارض یمن میں ہے یا بوستان کے متصل تھی ہندوستان میں۔ پس آئمہ اہل بیت اکثر صوفیا کرام اور بعض متکلمین (ماہرینِ علم کلام) کے نزدیک آدم علیہ السلام اس جنت میں تھے جو عرش معظم اور کرسی کے درمیان ہے اور یہ ملائک مہیمنہ کا مسکن ہے۔

یہ حدیث نبوی بھی اسی موقف کی تائید کرتی ہے کہ ارض الجنتہ الکرسی وسقفھا عرش الرحمٰن۔

جواہر التفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ ملائکِ مہیمنہ عرش کے نیچے مشاہدۂ حق میں اس قدر مستغرق ہیں کہ ابھی تک انکو آدم علیہ السلام کی پیدائش کی خبر نہیں ہوئی اور یہ معصیت کا مقام نہیں ہے۔ اس کا وصف خواجہ جنید بغدادیؒ نے یوں بیان فرمایا ہے۔ لیس فی الجنتہ حورٌ ولا قصورٌ ولا لبنٌ ولا عسل تیجلی ربی ضاحکاً (یعنی جنت میں نہ حوریں ہیں نہ قصور (محلات) نہ دودھ اور شہد۔ بلکہ اس میں میرا رب تجلی کرتا ہے۔ درخشندہ) اور شیخ حسام الدین مانک پوریؒ کے قول کے مطابق اسے روح الجنتہ کہتے ہیں کہ جس میں عاشقین کے لیے رویت (یا مشاہدہ) کا آئینہ ہے اور بعض ارباب کشف و اہل تحقیق کہتے ہیں کہ ابھی تک آدم علیہ السلام کی وہ جنت عالم مثال

سے منسوب ہے اور ذلت کے بغیر اس جہان (عالمِ مثال) سے کوئی چیز (عالم دنیا میں منتقل نہیں ہو سکتی. جب عالم مثال میں ذلت واقع ہوتی ہے تو تادیب کی خاطر دنیا میں بدن عنصری میں گرفتار ہو کر حادثات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ حدیثِ نبویؐ بھی اس بات کی تائید کرتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ الدنیا سجن المومنین و جنتہ الکافرین یعنی دنیا مومنین کے لیے قید خانہ ہے اور کافروں کے لیے بہشت ہے مگر بعض اہل سعادت جذبات حوری و معنوی کی وجہ سے اسی جگہ سے متعین ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالےٰ فرماتے ہیں واللہ خلقکم و ما تعملون (اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے اور تمہارے اعمال کا خالق بھی وہی ہے) یعنی یہ لوگ جائز راحت و عشرت حاصل کرتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کو صفتِ غنا عطا فرماتے ہیں حق اور ذلت اور اخطرار سے محفوظ رکھتے ہیں حتیٰ کہ وہ اپنی زندگی اپنی استعداد کے مطابق بسر کرتے ہیں اور اس کے بعد آیت کریمہ کل نفس ذائقۃ الموت (ہر جاندار کے لیے موت کا ذائقہ ہے) کے مطابق موت کے ذریعہ عالم برزخ میں منتقل ہو جاتے ہیں اور بعض کچھ عرصہ کے لیے قبروں میں رہ کر آلائش سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور عالم مثال میں چلے جاتے ہیں اور قیامت تک یہ سنت اللہ جاری رہے گی۔ لیکن بعض اخص اولیا (خاص الخاص اولیا اللہ) اور اکمل شہدا وجود دنیا کے امور کی انجام دہی کی خدمت پہ مامور ہیں۔ انتظام عالم کی خاطر ہمیشہ قبروں میں رہتے ہیں اور زندہ لوگوں کی طرح دنیاوی معاملات میں تصرف کرتے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے :- ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (جو لوگ حق تعالےٰ کے راستے میں شہید ہو چکے ہیں ان کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم کو ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے) اللہ تعالےٰ قبروں میں ان کے لیے بہشت کا سامان مہیا فرما دیتا ہے جیسا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ القبور روضتہ من ریاض الجنتہ (یعنی قبر ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے) اور صوفیا کرام کے قبروں میں بھی مراتب طے ہوتے رہتے ہیں چنانچہ فتوحات مکیہ میں اس کا مفصل ذکر ہے۔ عالم مثال قیامت کبریٰ تک باقی رہے گا نیز رسالہ برزخیہ میں لکھا ہے مظہر دنیا کا رنگ اور ہے یعنی جسم کے واسطہ سے رنج و راحت نفس اور روح کو پہنچتی ہے۔ جب قادرِ مطلق ملک الموت کے ذریعہ کسی کی روح قبض کرتا

ہے اور عالم برزخ میں پہنچا دیتا ہے تو ہر شخص کے اعمال کے مطابق عالم مثال کی حسین یا قبیح صورت اس کے پیش آتی ہے اور عالم برزخ میں نفس و روح کے توسط سے اسے عذاب یا ثواب ملتا ہے۔ عالم برزخ کا ایک دن عالم دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ جیسا کہ حق تعالےٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے کہ وان یوما عند ربک کالف سنہ یعنی تیرے رب کے ہاں یعنی عالم بالا میں ہزار سال کا دن ہوتا ہے ۔ پس جب اللہ تعالےٰ کا ارادہ یہ ہوگا کہ ارواح کو عالم برزخ سے منتقل کرے تو قیامت کبریٰ قائم کر دے گا۔ اور احکام نفسیہ منعدم کر دیئے جائیں گے یعنی عالم برزخ میں نفوس کے جو حالات ہیں وہ ختم کر دیئے جائیں گے اور عالم ارواح کے احکام جاری ہو جائیں گے اور آیہ کریمہ ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات و فی ارض یعنی جب صور پھونکا جائے گا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب ختم ہو جائے گا اور ایک دم تمام روحیں عالم برزخ سے عالم جبروت و آخرت میں منتقل ہو جائیں گی اور حساب کتاب کے بعد ہر شخص کو اس کے مراتب کے لحاظ سے مستقل جگہ ملے گی۔ اور اکثر روحیں جنت کبریٰ میں مشاہدہ حق میں مستغرق ہو جائیں گی۔ جیسا کہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ یعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنہ یعنی ملائکہ اور ارواح حق تعالیٰ کی طرف عروج کریں گے۔ اس دن کہ جس کی مدت ایک ہزار سال ہے اور اس یوم کی حقیقت میں صاحب فتوحات مکی (شیخ محی الدین ابن عربیؒ) پچاس وقف کے تحت پچاس ہزار سال کے حالات درج کیے ہیں۔ فتوحات مکی میں حضرت شیخؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں جہاں قرآن مجید میں لفظ ابدالاباد واقع ہوتا ہے اس سے مراد نفس الامر میں یوم قیامت ہے۔ پس اس دن لمن الملک الیوم ، للہ الواحد القہار (آج کس کی سلطنت ہے۔ واحد القہار کے سوا کس کی ہو سکتی ہے) کی ندا آئے گی اور آیۂ کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام (جو کچھ دنیا میں ہے سب فنا ہو جائے گا اور صرف ذات حق باقی رہ جائے گی۔ یعنی تعینات ختم ہو جائیں گے اور ذات ہی ذات باقی رہ جائے گی) کا جلوہ ہوگا اور مظاہرہ کا یہ تفاوت اسمائے کلیہ و جزیہ الٰہیہ کی نسبت سے ہے جو عالم جبروت، عالم ملکوت اور عالم ناسوت میں متجلی ہوتے ہیں۔ حق تعالےٰ ہر سالک راہ حقیقت کو دیدۂ حق بین عطا فرمائے

ہے۔ اور اس حدیث قدسی کے مطابق کہ قلب المومن عرش اللہ تعالیٰ (مومن کا قلب اللہ کا عرش ہے) اسے تمام مقامات و مراتب کا دل میں مشاہدہ کراتا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ "ہر کرا آں آفتاب اینجا بتافت، آنچہ آنجا وعدہ بدیں جا یافت" یعنی جس کسی پر آفتابِ حقیقت اس جگہ یعنی اس دنیا میں چمکا، جو کچھ اس دنیا یعنی آخرت کا وعدہ تھا اسے اسی دنیا میں مل گیا) فهم من فهم (سمجھا جس نے سمجھا) مولف کتاب مراۃ الاسرار کا حاشیہ ختم ہوا۔

حضرت خواجہ احمدؒ بن مودود چشتیؒ

آں محبوب خاص حضرت مصطفےٰ آں گنجینۂ صدق و کان سخا اس پاک ازز یاد زشتی حضرت خواجہ احمدؒ بن مودود بن یوسف چشتی قدس سرہ کے متعلق صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ بڑے بزرگ تھے اور اپنے والد بزرگوار کی جگہ خلافت مسند پر بیٹھے۔ آپ تمام طبقات صوفیا میں مقبول تھے اور خلق خدا کے ساتھ نہایت شفقت و مروّت سے پیش آتے تھے۔ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے خواب میں فرمایا کہ اے احمد اگر تو ہمارا مشتاق ہے تو ہم بھی تمہارے مشتاق ہیں۔ صبح ہوتے ہی آپ چپکے سے زیارت حرمین شریفین کے لیے روانہ ہو گئے۔ آپ نے اس حالت میں سفر کیا کہ کسی نے آپ کو نہ پہچانا ارکان حج ادا کرنے کے بعد آپ فوراً مدینہ منورہ پہنچے اور چھ ماہ تک وہاں مقیم رہے کہتے ہیں کہ آپ کے طویل قیام سے روضۂ اقدس کے مجاور لوگ تنگ آ گئے اور آپ کو تکلیف دینے کے درپے ہو گئے۔ ایک دن روضۂ اطہر سے آواز آئی اور سب لوگوں نے سنی کہ تم لوگ جسے تنگ کر رہے ہو وہ ہمارے عاشقوں میں سے ہے۔ مدینہ سے واپس ہو کر آپ بغداد پہنچے اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ شیخ آپ سے بہت عزت و اکرام سے پیش آئے۔ خلیفہ بغداد نے ایک خواب دیکھا تھا اس لیے اس نے آپ کو اپنے محل میں آنے کی دعوت دی۔ جب آپ وہاں پہنچے تو خلیفہ نے آپ کی بڑی تعظیم کی اور تحائف پیش کیے۔ آپ نے اسے نہایت موثر پند و نصائح کیے۔ رخصت کرتے وقت خلیفہ نے جو نذر پیش کی آپ نے اس کی دلجوئی کی خاطر قبول کر لی لیکن محل سے باہر آ کر فقرا میں تقسیم کر دی۔

اور خراسان کی طرف چلے گئے۔ آپ کے کمالات وکرامات بیشمار ہیں۔ آپ کا سجادہ نشین
آج تک چشت میں آپ کی مسند پر متمکن ہے اور ہر زمانے میں آپ کی اولاد سے ایک
مرد عارف پیدا ہوتا ہے اور یہ خواجگانِ چشت کا خاص کمال ہے جو کسی دوسری جگہ نظر
نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ عالیہ کے شاہانہ ملک ہندوستان میں ہر زمانے میں
شاہی کرتے آئے ہیں۔ آجکل چونکہ اسم باطن کا دور ہے اور اکثر اہل اللہ مستور (چھپے ہوئے)
ہیں اس لیے ظاہر بین لوگ اس زمانے کو قحط الرجال سے منسوب کرتے ہیں۔ اس کے
باوجود اس سلسلہ عالیہ کے مشائخ خلق خدا کی کما حقہ، دستگیری کر رہے ہیں۔ فہم من فہم
خواجہ احمد چشتی قدس سرہ کی ولادت ۵۰۰ھ اور وفات ۵۷۷ھ میں خلیفہ احمد
بن مستنصر ناصر عباسی کے عہد حکومت میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ابوطاہر کردؒ

آں پیر کرامت، آں بے ملامت، آں خوردہ جام بے دُرد، صحبت دار خضر،
شیخ ابوطاہر کرد قدس سرہ مقتدائے اولیاء میں سے تھے۔ آپ اکثر خضر علیہ السلام کی صحبت
میں رہتے تھے۔ مولانا جامیؒ اپنی کتاب نفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام مولانا
احمد جامیؒ کو آپ سے بہت انس تھا اور آپ کی خدمت میں اکثر جایا کرتے تھے۔ شیخ احمد جامیؒ
فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے نفس نے زرد آلو طلب کیے میں نے اس سے کہا کہ پورا ایک
سال روزہ رکھو اس کے بعد تجھے زرد آلو کھلاؤں گا۔ نفس نے یہ شرط قبول کی۔ جب ایک
سال گزر گیا تو نفس نے کہا اپنا وعدہ پورا کرو۔ پس میں ایک درخت کے نزدیک گیا جو
مجھے میرے والد سے ورثہ میں ملا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے نیچے ایک ایسا زرد آلو پڑا
ہے جو کسی گیدڑ کا کھایا ہوا تھا۔ لیکن اسی طرح درست حالت میں تھا۔ میں نے اسے اٹھا
کر پاک کیا تاکہ نفس کو کھلا دوں۔ یہ دیکھ کر نفس نے فریاد کی کہ میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ
کہ آئندہ کوئی خواہش نہیں کروں گا۔ لیکن یہ زرد آلو مجھے نہ کھلاؤ۔ میں نے کہا اچھا سودا
ہے۔ اس کے بعد میں نے کچھ زرد آلو درخت سے توڑے۔ چند دانے میں نے کھائے اور

چند دانے اپنی جیب میں رکھ کر شیخ ابو طاہرؒ کی خدمت میں لے گیا جو میرے پیر طریقت ہیں. میں نے زرد آلو آپ کے سامنے رکھ دیئے. آپ تھوڑی دیر تک انہیں دیکھتے رہے. بعد ازاں فرمایا کہ تم میرے لیے صدقہ کے زرد آلو لائے ہو. میں نے عرض کیا نہیں حضور یہ میں نے اپنے باپ کے درخت سے توڑے ہیں. آپ نے فرمایا خوب تم میرے پاس صدقہ کے زرد آلو لاتے ہو اور مجھے جھٹلاتے بھی ہو. مجھے ادب مانع ہوا اور خاموش کھڑا رہا. لیکن حق تعالےٰ سے دعا کرتا رہا کہ الٰہی تو جانتا ہے کہ یہ زرد آلو صدقہ کے نہیں ہیں. مہربانی فرما کر حضرت شیخؒ پر یہ بات کشف فرما دے. اس کے بعد شیخ نے اپنے لڑکے سے کہا کہ جاؤ اور بکری لے آ کر ذبح کرو اور شوربہ تیار کراؤ. کیونکہ بھوک کی وجہ سے احمد (جامی) کا دل و دماغ کام نہیں کر رہا. اسے یہ معلوم نہیں کہ کیا کر رہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے. میں (احمد جامی) خاموشی سے یہ سنتا رہا. جب کھانا لایا گیا تو میرے دل میں خیال ڈالا گیا کہ گوشت اور شوربہ مت کھاؤ کیونکہ یہ حلال نہیں ہے. چنانچہ میں صرف روٹی کھانے لگا. شیخ ابو طاہرؒ نے پوچھا تم شوربہ کیوں نہیں کھاتے. میں نے جواب دیا مجھے صرف روٹی پسند ہے. آپ نے فرمایا نہیں تم سچ بتاؤ کہ گوشت نہ کھانے کی کیا وجہ ہے. میں نے اپنے دل کا خیال انہیں بتا دیا. آپ نے اپنے بیٹے کو بلا کر گوشت کے متعلق دریافت فرمایا. اس نے جواب دیا کہ بکریوں کا ریوڑ دور جا چکا تھا میں نے یہ گوشت فلاں قصاب سے لے لیا. آپ نے قصاب کو طلب کر کے حال دریافت فرمایا. قصاب نے جواب دیا کہ یہ گوشت ایسی بکری کا تھا جو کوتوال نے ظلم سے لے کر مجھے دی تھی کہ اسے ذبح کرو. آدھی تم لو اور آدھی مجھے دو.

شیخ ابو طاہر نے یہ سن کر سر نیچے کر لیا. میں اٹھا اور پاس کے ایک حجرے میں چلا گیا. جہاں مجھ پر گریہ طاری ہو گیا اور مناجات میں یوں کہنے لگا کہ الٰہی میرے لیے آپ نے کوئی مونس نہیں چھوڑا تھا. ایک پیر تھا ابو طاہرؒ جس کی خدمت میں بیٹھ کر میں وقت گزارتا تھا. اب شرم کے مارے ان کی خدمت میں بھی نہیں جا سکتا. تھوڑی دیر کے بعد شیخ ابو طاہر آ کر بیٹھ گئے. اب میں دل میں مناجات کر رہا تھا کہ الٰہی زرد آلو

کا حال بھی ان پر مکشوف فرمادے۔ اتنے میں خضر علیہ السلام آگئے۔ انہوں نے کہا اے ابو طاہر! احمد کے ملکیہ زرد آلو کو تم نے صدقے کا مال سمجھ لیا ہے اور مشتبہ گوشت کو تم نے حلال قرار دے دیا۔ یہ باتیں تم نے کہاں سے سیکھی ہیں۔ احمد سے اس قسم کا سلوک نہ کرو۔ کیونکہ آپ کے ساتھ عجز و نیاز سے پیش آرہا ہے۔ آپ کا سن وفات نہیں مل سکا۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ ابو علی فارمدیؒ

آں صاحب ہدایت، آں پیشوائے ارباب ولایت، آں پاک ازہدی، امام وقت شیخ ابو علی فارمدی قدس سرہ کا نام فضل بن محمد ہے۔ آپ خراسان کے شیخ الشیوخ تھے۔ آپ اپنے خاص طریق میں یگانہ روزگار تھے۔ وعظ گوئی میں آپ امام ابوالقاسم گرگانی طوسیؒ کے شاگرد اور خلیفہ ہیں۔ ان کا ذکر طبقہ سابق میں آچکا ہے۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ نے شیخ ابوالحسن خرقانی سے جو مشائخ وقت کے امام اور اپنے زمانے کے قطب تھے بھی فیض صحبت حاصل کیا ہے۔ ابتدائے حال میں آپ نے شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ سے بھی تربیت حاصل کی ہے۔ چنانچہ شیخ ابو علی فارمدیؒ فرماتے ہیں کہ جب ابتدائے جوانی میں میں نیشاپور میں تحصیل علم میں مشغول تھا تو میں نے سنا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ مہنہ سے تشریف لائے ہیں اور وعظ کرتے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میری نظر ان کے حسن و جمال پر پڑی میں ان کا عاشق ہو گیا اور اس طبقہ (صوفیا) کی محبت میرے دل میں بیشتر ہو گئی۔ ایک دن میں اپنے مدرسہ میں بیٹھا تھا کہ میرے دل میں شیخ ابوسعیدؒ کی زیارت کی آرزو پیدا ہوئی۔ میں وہاں چلا گیا اور ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔ حضرت شیخؒ سماع میں مشغول تھے۔ دوران سماع میں آپ پر وجد طاری ہوا۔ اور آپ نے کپڑے پھاڑ دیئے۔ جب سماع سے فارغ ہوئے تو لوگ آپ کے لیے نئے کپڑے نکال کر لائے۔ شیخؒ نے ایک آستین تریز سمیت جدا کر کے الگ رکھدی اور آواز دی کہ ابو علی طوسی کہاں ہے۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا

کیونکہ شیخؒ نے مجھے نہیں دیکھا تھا اور میرا خیال تھا کہ ابو علی ان کے مریدین میں سے کوئی اور شخص ہو گا۔ جب شیخ نے دو تین مرتبہ آواز دی اور کوئی شخص ظاہر نہ ہوا تو ناچار میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے وہ آستین مع تریز مجھے عنایت کی اور فرمایا کہ تو مجھے اس آستین اور تریز کی طرح ہے (یعنی قریب ہے)۔ میں نے وہ جامہ لے لیا اور آپ کی خدمت میں مشغول ہو گیا۔ اس کے بعد میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا جس سے مجھے بہت فیضان ہوا اور حالات میں ترقی ہوئی۔ جب شیخ ابو سعیدؒ نیشاپور سے مہنہ تشریف لے گئے میں استاد امام ابو القاسم قشیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور جو حالت پیش آتی ان سے جا کر عرض کرتا تھا۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ بیٹے جاؤ اور تحصیلِ علم میں مشغول ہو جاؤ۔ ہر روز میرے دل میں نور کا اضافہ ہوتا رہا۔ تین سال تک میں تحصیل علم میں مشغول رہا۔ ایک دن جب میں نے قلم دوات سے نکالی تو قلم خشک برآمد ہوئی میں نے امام قشیریؒ کی خدمت میں جا کر یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا جب علم تم سے دستبردار ہو گیا ہے تو تم بھی علم سے دستبردار ہو جاؤ اور اس کام میں مشغول ہو جاؤ۔ چنانچہ میں سامان مدرسہ سے اٹھا کر خانقاہ میں لایا اور امام قشیریؒ کی خدمت میں مشغول ہو گیا۔ ایک دن استاد امامؒ حمام میں تھے میں نے چند پانی کے گھڑے کنوئیں سے نکال کر حمام میں ڈالے۔ جب شیخؒ نے باہر آ کر نماز پڑھی اور پوچھا کہ حمام میں پانی کس نے ڈالا تھا میں نے عرض کیا میں نے ڈالا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابو علی جو کچھ ابو القاسم نے ستر سال میں حاصل کیا تم نے پانی کا ایک گھڑا ڈال کر حاصل کر لیا۔ اس کے بعد ایک مدت تک میں آپ کی خدمت میں مجاہدات کرتا رہا۔ ایک دن مجھ پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی کہ میں اس کے اندر گم ہو گیا۔ میں نے یہ واقعہ استاد امام سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا میرا مقام اس سے زیادہ بلند نہیں ہے۔ جو چیز میرے مقام سے بلند ہے اس کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ سن کر میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مجھے تو ایسا پیر چاہیے کہ جس کا مقام اس سے بلند ہو۔ جب میری اس حالت میں اضافہ ہوا تو میں

طوس جاکر شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت اپنے مریدین کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے اور سر کو آگے جھکا رکھا تھا۔ آپ نے سر اٹھا کر فرمایا اے شیخ ابوعلی لاؤ کیا لائے ہو۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا ابھی ابتدا ہے۔ تجھے یہ مقام مبارک ہو لیکن ابھی تم کسی مقام پر نہیں پہنچے۔ اگر کام کرتے رہو تو بڑے درجے تک پہنچ جاؤ گے۔ یہ سن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرے پیر یہ ہیں۔ چنانچہ میں آپکی خدمت میں مقیم ہو گیا اور مدت تک آپ نے مجھ سے قسم قسم کے مجاہدات کرا کر مقام طے کرائے۔ اس دوران میں آپ نے مجھے وعظ کا حکم فرمایا اور اپنے لڑکے کو میرے حکم کے تابع کر دیا۔ شیخ ابوعلی فارمدیؒ کہتے ہیں کہ حکم وعظ سے پہلے ایک دفعہ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ مہنہ سے طوس تشریف

لائے جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اے ابوعلی طوطی تھوڑے عرصہ کے بعد بولنے والی ہے۔ اس کے فوراً بعد مجھے وعظ گوئی کا حکم مل گیا اور میرے کلام میں بڑا اثر پیدا ہو گیا۔ شیخ ابوعلی فارمدیؒ نے حقائق میں بہت کلام فرمایا ہے۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ وغیرہ آپ سے جا ملتے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ابوبکر عبداللہ نساجؒ

آن مقتدائے ارباب ارشاد۔ آن ہمیشہ در مشاہدۂ مطلوب شاد۔ آں ہر وقت پر روشن چراغ شیخ ابوبکر عبداللہ نساج قدس سرہ، طائفہ صوفیا کے محتشمان میں سے ہیں آپ شیخ ابوالقاسم گرگانی کے اصحاب میں سے ہیں۔ ابوبکر دینوریؒ کی صحبت بھی آپ نے پائی ہے۔ حقائق و معارف میں آپ نے بہت بلند کلمات فرمائے ہیں۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ مطلوب کا دیدار کیسے کرنا چاہیے۔ فرمایا صدق کی آنکھ سے طلب کے آئینہ میں۔ یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ تصورات پیاس بجھاتے ہیں۔ فکر آتش پیدا کرتی ہے اور طلب مطلوب تک پہنچاتی ہے۔ نیز فرمایا کہ موہوم جلایا نہیں جا سکتا۔ دل کی آنکھ غیرت غیر کی سوئی سے سی نہیں جا سکتی اور خلوت خانہ دل شمع تجلیات جاناں

سے روشن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کاشت شدہ زمین میں تخم نہیں ڈالا جا سکتا اور لکھے ہوئے کاغذ پر لکھا نہیں جا سکتا (مطلب یہ کہ جب تعینات موہومہ یعنی غیر اللہ کا وہم وخیال دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو اس کا مٹانا اور اس کی جگہ موجود حقیقی یعنی حق تعالےٰ کا تصور قائم کرنا ایسا ہے جیسے کاشت شدہ زمین میں کوئی اور چیز کاشت کرنا اور لکھے ہوئے کاغذ پر لکھنا) کہتے ہیں ابتدائے طلب میں آپ نے بہت مجاہدات کئے لیکن مشاہدہ حق سے محروم رہے۔ آپ نے حق تعالیٰ کی درگاہ میں گریہ وزاری کی تو جواب ملا کہ اے نساج در طلب پر قناعت کر تجھے یافت اور نایافت سے کیا کام۔ آپ فرماتے ہیں کہ توکل یہ ہے کہ منع وعطا (یعنی ملنا اور نہ ملنا) سب حق تعالےٰ کی طرف سے سمجھے۔ عین القضات ہمدانیؒ نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے کہ شیخ احمد غزالیؒ نے کہا ہے کہ میرے شیخ ابوبکر نساجؒ نے مناجات میں کہا کہ الٰہی میرے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے جواب ملا کہ حکمت یہ ہے کہ ہم اپنا جمال تیری روح کے آئینہ میں دیکھیں اور اپنی محبت تمہارے دل میں ڈالیں۔ آپ کے کمالات کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ فہم من فہم آپ کے کمالات کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ امام احمد غزالیؒ جیسے بزرگ آپ کے مرید تھے۔ آپ کا سن وفات معلوم نہیں ہو سکا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حجت الاسلام امام محمد غزالیؒ

آں امام ارباب معنی وصورت، آں قدم بقدم انبیا بہ سیرت۔ آں در شب معراج مکلم بہ موسیٰؑ حجت الاسلام امام محمد الغزالی الطوسی قدس سرہٗ کی کنیت ابو حامد ہے اور لقب زین العابدینؒ۔ آپ کو غزالی اس لیے کہتے ہیں کہ آپ ایک قصبہ موسوم بہ غزال کے باشندہ تھے۔ غزال طوس کے قریب ہے۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ کے پیر طریقت شیخ ابو علی فارمدیؒ تھے۔ چنانچہ امام غزالی خود لکھتے ہیں کہ میں نے شیخ ابو علی فارمدیؒ سے سنا اور انہوں نے اپنے شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ سے سنا کہ حق تعالیٰ کے ننانوے نام بندۂ سالک کے صفات بن جاتے ہیں۔ حالانکہ بندہ ابھی سلوک میں ہے اور انتہا کو نہیں پہنچا

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ

سیر الی اللہ میں فنا ہونے سے سالک منتہی ہو جاتا ہے اور سیر فی اللہ کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کی یوں مثال دی جا سکتی ہے کہ ایک شخص ایسے سمندر کا سفر کرنا چاہتا ہے جس کا دوسرا کنارہ نہیں۔ جب وہ اپنے گھر سے روانہ ہو کر سمندر کے کنارے تک پہنچتا ہے تو اس سفر کو سیر الی سمندر کہا جاتا ہے اور جب سمندر کے اندر داخل ہو جاتا ہے تو اسے سیر فی سمندر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس طرح چونکہ حق تعالےٰ کی ذات کی کوئی انتہا نہیں۔ جب آدمی روحانیت میں اس قدر ترقی کر لیتا ہے کہ ذات حق میں اسے فنا شروع ہو جاتی ہے تو اس مقام کو سیر الی اللہ یعنی اللہ تک کا سفر کہتے ہیں۔ اس سے آگے کے سفر کو سیر فی اللہ یا فنا فی اللہ کہتے ہیں۔ لیکن چونکہ ذات حق کی کوئی انتہا نہیں اس لیے اس کے سفر کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ لہٰذا سیر فی اللہ کی کوئی انتہا نہیں ج نفحات الانس میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام غزالیؒ ابتدائے حال میں طوس میں تھے۔ اس کے بعد تحصیلِ علوم کے لیے آپ نے نیشاپور کا سفر اختیار کیا۔ اس کے بعد خواجہ نظام الملک طوسی سے جو سلطان الپ ارسلان سلجوقی اور اس کے بیٹے ملک شاہ کے عالی قدر وزیر تھے ملاقات ہوئی۔ نظام الملک بہت عزت و تکریم سے پیش آئے۔ اس کے بعد علماء کی ایک جماعت کے ساتھ جو نظام الملک کی صحبت میں رہتی تھی، امام غزالیؒ کا مناظرہ ہوا جس میں آپ غالب آئے۔ لہٰذا نظام الملک نے اپنے مشہور و معروف مدرسہ نظامیہ بغداد کا سب کام امام غزالیؒ کے سپرد کر دیا۔

آپ ۴۸۴ھ میں بغداد تشریف لے گئے اور تمام اہل عراق آپ کے شیفتہ اور فریفتہ ہو گئے۔ غرضیکہ آپ کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد آپ نے سب کچھ ترک کر دیا اور زہد و تقویٰ اختیار کر لیا۔ آپ نے ۴۸۸ھ میں حج بیت اللہ کیا۔ اور ملک شام کی طرف چلے گئے مدت تک وہاں رہنے کے بعد آپ بیت المقدس گئے وہاں سے مصر تشریف لے گئے۔ اور کافی عرصہ سکندریہ میں قیام پذیر رہے اس کے بعد

آپ شام واپس آئے کچھ عرصہ وہاں رہ کر وطن چلے گئے۔ گھر پر آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور بیش بہا کتب مثل احیاء العلوم، جواہر القرآن، تفسیر یاقوت التاویل چالیس جلد اور مشکوٰۃ الانوار وغیرہ کی تصنیف میں مشغول ہو گئے۔ کچھ عرصے کے لیے آپ نیشا پور بھی تشریف لے گئے اور نظامیہ نیشاپور میں درس دیا۔ بعد ازاں درس ترک کر کے پھر وطن چلے گئے اور صوفیوں کے لیے خانقاہ اور طلبا کے لیے مدرسہ قائم کیا اور تا حیات خلق خدا اور دین حقہ کی خدمت میں مصروف رہے، حق تعالےٰ نے بھی آپ کو تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے نوازا تھا۔ یہاں تک کہ آپ اپنے وقت میں یگانہ تھے۔

صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے جو کہ قطب وقت تھے عالم معاملہ میں دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے سامنے امام غزالیؒ پر فخر فرمایا۔ چنانچہ یہ قصہ تفصیل کے ساتھ کتابوں میں موجود ہے۔ امام غزالیؒ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ روح ہے لیکن نیست نما ہے جس کی کنہہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ روح سلطان، قاہر اور متصرف ہے اور قالب (جسم) اس کا قیدی اور اس کے سامنے بیچارہ ہے۔ آدمی جو کچھ دیکھتا ہے روح سے دیکھتا اور قالب اس سے بے خبر ہوتا ہے۔ اسی طرح کائنات کے ساتھ حق تعالےٰ کا یہی تعلق ہے کہ قیوم (حق تعالےٰ) کی ہستی نیست نما ہے۔ لیکن کائنات کا ہر ذرہ ذات حق سے قائم ہے۔ وجود حقیقی دراصل حق تعالےٰ کا وجود ہے اور وجود اشیاء وجود حق سے عاریتہً قائم ہے۔ وَھُوَ مَعَکُم اَیْنَ کُنْتُم (وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو) کا مطلب یہی ہے۔ لیکن یہ معیت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی جیسے جوہر و عرض کی معیت یا جسم و جان کی معیت یا جسم اور عرض کی معیت۔ اور یہ تینوں صورتیں قیومِ عالم کے حق میں محال ہیں۔ اس کی معیّت سمجھ میں نہیں آسکتی اور قیومیّت کی معیّت مندرجہ بالا معیت کی تین اقسام سے الگ چوتھی قسم ہے بلکہ درحقیقت معیت یہی ہے اور یہ نیست نما ہستی ہے جو شخص اس معیّت کو نہیں پہچانتا قیوم کو تلاش کرتا ہے اور واپس نہیں آتا۔ جس طرح ہوا سے خاک اڑتی ہے

لیکن دیکھنے والا یہی دیکھتا ہے کہ خاک خود بخود اڑ رہی ہے لیکن خاک کی محرک ہوا ہے جو نظر سے غائب ہے۔ پس خاک ہست نما نیست ہے اور ہوا نیست نما ہست ہے۔ ہوا کے ہاتھ میں خاک بالکل بے چارہ اور بے بس ہے۔ سب سلطنت ہوا کی ہے اور ہوا ناپید ہے۔ حقائق و معارف میں آپ کے کلمات بے شمار ہیں۔ آپ کی وفات چودہ جمادی الآخر ۵۰۵ھ میں خلیفۂ عباسی مستظہر کے عہد حکومت میں طوس میں واقع ہوئی۔ آپ کی ولادت ۴۵۰ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ابوالفتح احمد بن محمد الغزالیؒ

امام ارباب طریقت، غریق بحرِ حقیقت، بے باک از ذوق حالی، شیخ ابوالفتح احمد بن محمد غزالی قدس سرہٗ کا مجتہدین صوفیاء میں شمار ہوتا ہے۔ آپ امام غزالیؒ کے بھائی ہیں، آپ کمالِ استغراقِ احدیت کی وجہ سے اکثر حال قوی اور ذوق ودام میں رہتے تھے۔ آپ اکثر بے پردہ کلام فرمایا کرتے تھے۔ آپ ذرا سی توجہ سے سالکین کو سفلی مقامات سے منازل علوی پر پہنچا دیتے تھے۔ چنانچہ عین القضات ہمدانیؒ کے تذکرہ میں اس کا ذکر آچکا ہے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ امام احمد غزالی شیخ ابوبکر نساجؒ کے اصحاب میں سے ہیں۔ اور شیخ ابوبکر نساجؒ شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کے اصحاب میں سے ہیں۔ الی آخر۔ آپ متعدد کتب ورسائل کے مصنف ہیں چنانچہ ان میں سے ایک رسالہ سوانح ہے کہ جس پر شیخ فخرالدین عراقیؒ کی کتاب لمعات مبنی ہے یہ بات لمعات کے دیباچہ میں مذکور ہے۔ اس جگہ رسالہ سوانح سے چند اقتباسات مراتب عشق کے مضمون پر درج کئے جاتے ہیں۔ رسالہ سوانح کی ایک فصل یہ ہے کہ معشوق اپنے ہر حال میں معشوق ہے اور استغنا اس کی صفت ہے اور عاشق اپنے ہر حال میں عاشق ہے اور افتقار (محتاجی) اس کی صفت ہے۔ عاشق کو ہمیشہ معشوق کی ضرورت ہے۔ پس افتقار اس کی دائمی صفت ہے۔ اور معشوق کو کسی چیز کی ضرورت نہیں "کہ خود را دارد" (کیونکہ وہ خود کو خود کافی ہے) لہٰذا لازماً اس کی صفت استغنا

لیکن دیکھنے والا یہی دیکھتا ہے کہ خاک خود بخود اڑ رہی ہے لیکن خاک کی محرک ہوا ہے جو نظر سے غائب ہے۔ پس خاک ہست نما نیست ہے اور ہوا نیست نما ہست ہے۔ ہوا کے ہاتھ میں خاک بالکل بے چارہ اور بے بس ہے۔ سب سلطنت ہوا کی ہے اور ہوا ناپید ہے۔ حقائق و معارف میں آپ کے کلمات بے شمار ہیں۔ آپ کی وفات چودہ جمادی الآخر ۵۰۵ھ میں خلیفۂ عباسی مستظہر کے عہد حکومت میں طوس میں واقع ہوئی۔ آپ کی ولادت ۴۵۰ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ابوالفتح احمد بن محمد الغزالیؒ

امام ارباب طریقت، غریق بحرِ حقیقت، بے باک از ذوق حالی، شیخ ابوالفتح احمد بن محمد غزالی قدس سرہٗ کا مجتہدین صوفیا میں شمار ہوتا ہے۔ آپ امام غزالیؒ کے بھائی ہیں، آپ کمالِ استغراقِ احدیت کی وجہ سے اکثر حال قوی اور ذوق ودام میں رہتے تھے۔ آپ اکثر بے پردہ کلام فرمایا کرتے تھے۔ آپ ذرا سی توجہ سے سالکین کو سفلی مقامات سے منازل علوی پر پہنچا دیتے تھے۔ چنانچہ عین القضات ہمدانیؒ کے تذکرہ میں اس کا ذکر آچکا ہے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ امام احمد غزالی شیخ ابوبکر نساجؒ کے اصحاب میں سے ہیں۔ اور شیخ ابوبکر نساجؒ شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کے اصحاب میں سے ہیں۔ الی آخر۔ آپ متعدد کتب و رسائل کے مصنف ہیں چنانچہ ان میں سے ایک رسالہ سوانح ہے کہ جس پر شیخ فخرالدین عراقیؒ کی کتاب لمعات مبنی ہے یہ بات لمعات کے دیباچہ میں مذکور ہے۔ اس جگہ رسالہ سوانح سے چند اقتباسات مراتب عشق کے مضمون پر درج کئے جاتے ہیں۔ رسالہ سوانح کی ایک فصل یہ ہے کہ معشوق اپنے ہر حال میں معشوق ہے اور استغنا اس کی صفت ہے اور عاشق اپنے ہر حال میں عاشق ہے اور افتقار (محتاجی) اس کی صفت ہے۔ عاشق کو ہمیشہ معشوق کی ضرورت ہے۔ پس افتقار اس کی دائمی صفت ہے۔ اور معشوق کو کسی چیز کی ضرورت نہیں "کہ خود را دارد" (کیونکہ وہ خود کو خود کافی ہے) لہٰذا لازماً اس کی صفت استغنا

ہے۔ بیت

ہموارہ تو دل ربودۂ معذوری۔ غم ہیچ نیاز مودۂ معذوری

من بے تو ہزار شب بخون در بودم۔ تو بے تو شبے نہ بودۂ معذوری

(اے محبوب! تو ہمیشہ عاشقوں کے دل لیتا ہے۔ اس لیے معذور ہے تو نے کسی کا غم نہیں آزمایا یعنی کسی کے غم جیسے غم میں تو آج تک مبتلا نہیں ہوا۔ اس لیے تو معذور ہے۔ میں نے ہزاروں راتیں تیرے ہجر میں خاک و خون میں لتھڑے ہوئے بسر کی ہیں لیکن تو ایک رات کے لیے بھی اپنے آپ سے مہجور نہیں ہوا اس لیے تو معذور ہے)

ایک دن کسی نے آپ سے آپ کے بھائی امام محمد غزالیؒ کے متعلق پوچھا کہ کہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا خون میں ہے۔ سائل نے ان کو تلاش کرنا شروع کیا تو مسجد میں پایا۔ یہ دیکھ کر اسے شیخ احمد غزالیؒ کی بات پر تعجب ہوا اور اس نے امام محمد غزالیؒ سے سارا ماجرا بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا۔ میرے بھائی نے سچ کہا ہے اس وقت میں حیض و نفاس کے مسائل پر غور کر رہا تھا۔ نفحات الانس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک صوفی قدس سے طوس گئے اور حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب امام غزالی نے اس سے اپنے بھائی احمد غزالیؒ کا حال دریافت کیا تو جو کچھ وہ جانتا تھا بتایا۔ آپ نے کہا کہ ان کے کلام میں سے بھی کوئی چیز تمہارے پاس ہے۔ اس نے کہا جی ہاں یہ جزدان کی تصنیف ہے۔ امام غزالیؒ نے اسے پڑھ کر فرمایا کہ "سبحان اللہ ما طلب کردیم و احمد یافت" (یعنی ہم طلب میں رہ گئے اور احمدؒ نے پا لیا) کہتے ہیں کہ جب شیخ احمد غزالی کا وقت نزع آیا تو آپکے جانوروں (گھوڑوں وغیرہ) نے رسیاں توڑ ڈالیں اور بھاگ گئے۔ آپ سے اس کے متعلق کہا گیا تو فرمایا کہ جب ہم نیچے اتر آئے تو جس کی مرضی آئے ان پر سوار ہو۔ آپ کے کمالات و کرامات کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ شیخ ابو نجیب سہروردیؒ اور عین القضات ہمدانیؒ جیسے بزرگ آپ کے مرید تھے۔ آپ کی وفات ۵۱۷ھ اور دوسری روایت کے

مطابق ۵۲۰ھ میں خلیفہ عباسی ابو منصور فضل بن مستظہر کے عہد میں ہوئی جو سلطان مسعود بن ملک شاہ کا ہم عصر تھا۔ مدفن آپ کا قزوین ہے رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت امام عین القضات ہمدانیؒ

از کمالِ عشق بہ معشوق رسیدہ، در عین مشاہدہ جام بے خودی نوشیدہ، محو گشتہ بہ ذات سبحانی امام این قوم عین القضات ہمدانی قدس سرہ کا نام عبداللہ بن محمد المیانجی ہے۔ میانجی تبریز اور ہمدان کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ آپ کی کنیت ابو الفضل اور لقب عین القضات ہے۔ لیکن آپ اپنے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ ریاضات مجاہدات اور کشف و کرامات میں بے نظیر تھے۔ امام احمد غزالیؒ آپ کے پیر طریقت تھے۔ نفحات الانس کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شیخ محمد بن حمویہ سے جو علوم ظاہر و باطنی سے آراستہ تھے بھی استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ عین القضاتؒ خود اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ اس طائفہ میں سے بہت کم بزرگ علوم ظاہری و باطنی سے مزین ہیں اور امام ابو حامد محمد غزالیؒ اور آپ کے بھائی امام احمد غزالیؒ اور خواجہ امام محمد حمویہؒ ان میں سے ہیں۔ امام محمد حمویہؒ نے سلوک و تصوف پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں آپ نے اس طریق کے حقائق و دقائق بیان کیے ہیں۔ آپ شیخ ابو الحسن بستیؒ کے مرید تھے جو شیخ ابو علی فارمدیؒ کے مرید امام ابو القاسم گرگانی کے استاد تھے اور یہ مشکل اور مشہور رباعی شیخ ابو الحسن بستیؒ کی ہے۔ رباعی:۔

دیدم نہاں گیتی و اصل جہاں — از علتِ دعا بر گذشتم آساں
آں نورِ سیہ زلا نقطہ برسر داں — زاں نیز گذشتم نہ ایں ماند نہ آں

(میں نے کائنات کی حقیقت کا راز دیکھا۔ جو دعا یعنی کثرت مناجات سے مجھ پر آساں ہوا۔ وہ نورِ سیاہ اور نقطۂ نفی جو درمیان میں حائل ہوا میں اس سے بھی گذر گیا حتی کہ نہ یہ رہا نہ وہ)

صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ عین القضاتؒ کے ظاہری و باطنی کمالات ان

کی تصانیف خواہ عربی ہوں یا فارسی سے ظاہر ہیں۔ جس قدر کشفِ حقائق شرحِ دقائق آپ نے کی ہے کسی نے کم کی ہو گی۔ آپ کی کرامات مثل مردہ زندہ کرنا اور زندہ مردہ ہو جانا بہت ہیں۔ شیخ احمد غزالی اور آپ کے درمیان طویل خط و کتابت ہوئی ہے جس میں سے رسالہ آئینہ مشہور ہے جو شیخ علیہ رحمتہ نے آپ کو لکھا۔ فصاحت و بلاغت، روانی و سلاست میں یہ رسالہ بے نظیر ہے۔ عین القضاتؒ اپنی کتاب زبدۃ الحقائق میں لکھتے ہیں کہ جب میں علوم رسمی کی گفتگو سے ملول ہوا تو حجتہ الاسلام امام محمد غزالیؒ کی تصانیف کا مطالعہ شروع کر دیا اور چار سال تک اس میں مشغول رہا۔ حتیٰ کہ مجھے خیال ہوا کہ میں نے اپنا مقصود پا لیا ہے اور قریب تھا کہ مزید طلب سے باز رہ جاتا اور علوم ظاہری سے جو کچھ حاصل کیا اس پر اکتفا کرتا۔ ایک سال تک اسی فکر میں رہا۔ ناگاہ سیدی و مولائی شیخ الاسلام احمد بن محمد غزالیؒ میرے وطن ہمدان میں تشریف لائے۔ آپ کی بیس روزہ صحبت سے مجھ پر ایسی چیز کا ظہور ہوا کہ مجھ پر اور میری طلب پر چھا گئی اور اس کے سوا باقی کچھ نہ بچا اور اب میرے لیے طلب فنا کے سوا اور کوئی شغل نہیں تھا یہاں تک کہ اگر عمرِ نوح بھی پالوں اور اسی طلب میں گذار دوں تو میں نے کچھ نہ کیا ہو گا۔ اس چیز نے ساری کائنات میری آنکھوں میں ہیچ کر دی ہے اب میری آنکھ سوائے جمالِ حق کے کسی چیز پر نہیں پڑتی اور کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا کہ جس میں میرے استغراقِ ذات میں اضافہ نہ ہوتا ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور میرے والد بزرگوار صوفیا کی ایک جماعت کے ساتھ محفل سماع میں شامل ہوئے۔ میرے والد نے دیکھا کہ میرے ساتھ خواجہ احمد غزالیؒ بھی رقص کر رہے ہیں۔ ابو سعید ترمذیؒ نے کہا مجھے موت کی خواہش ہے۔ میں نے کہا مر جاؤ۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑے اور فوت ہو گئے قوال نے کہا جب آپ زندہ کو مردہ کر سکتے ہیں تو مردہ کو زندہ کرنا بھی آپ کے لیے آسان ہے۔ میں نے پوچھا کون مردہ ہے اس نے کہا فقیہ ابو سعید محمودؒ۔ میں نے کہا یا الٰہی فقیہ محمود کو زندہ کر دے۔ وہ فوراً زندہ ہو گئے۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ اے عزیز کہ جس کام کو تو غیر حق سے منسوب دیکھے اسے فاعل مجازی جان

کیونکہ ہر کام کا فاعلِ حقیقی حق تعالےٰ ہے اور یہ جو حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ قل یتوفّٰی مَلَکُ الموت (تو کہہ دے کہ ملک الموت جان قبض کریگا) اس کا مطلب یہ ہے کہ جان قبض کرنے والا مجازی طور پہ ملک الموت ہے لیکن فاعلِ حقیقی اللہ تعالےٰ ہے۔ کیونکہ دوسرے مقام پر حق تعالےٰ فرماتے ہیں یتوفی الانفس حین موتھا (یعنی اللہ تعالےٰ موت کے وقت ان کی جان قبض کرتا ہے) اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہادی ہونا بھی مجازی ہے۔ حقیقی ہادی حق تعالےٰ ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں یُضِلُّ مَن یَّشاءُ و یھدی من یشاءُ یعنی جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے راستہ دکھاتا ہے یہ حقیقت ہے۔ مانا کہ خلق کو گمراہ کرنے والا شیطان ہے لیکن شیطان کو اس صفت پر کس نے پیدا کیا ہے شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ ان ھِیَ الاّ فتنتک (یہ سب تیرا یعنی شیطان کا فتنہ ہے) ان کا مطلب یہی تھا یعنی مجازی طور پہ گمراہ کنندہ

مثنوی۔ ہمہ جورِ من از بلغاریانست — کہ مادام ہمیں باید کشیدن
گنہ بلغاریاں را نیز ہم نیست — بگویم گر تو بتوانی شنیدن
خدایا ایں بلا و فتنہ تست — ولیکن کس نمے آرد چخیدن
ہمیں آرند ترکاں را ز بلغار — ز بہر پردہ مردم دریدن
لب و دندانِ آں خوباں چوں ماہ — بدیں خوبی نبایست آفریدن

ترجمہ (ہم پر سب یہ ظلم بلغاریوں نے ڈھایا ہے۔ جو ہم برداشت کر رہے ہیں۔ لیکن بلغاریوں کا بھی کوئی قصور نہیں۔ خدایا یہ سب مصیبت تیری طرف سے ہے اگر مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت ہو تو۔ ترکوں پر جو بلغاری ظلم کر رہے ہیں اور حسینانِ جہاں کی پردہ دری کر رہے ہیں۔ ایسے حسین جن کے چہرے مثل ماہتاب ہیں)

صاحب نفحات نے یہ بھی لکھا ہے کہ عین القضاتؒ اپنی ایک کتاب میں شیخ برکہ ہمدانیؒ کی حکایت بیان کرتے ہیں کہ شیخ برکہؒ سورہ فاتحہ اور چند اور صورتوں کے

سوا کچھ نہیں جانتے تھے اور جو کچھ جانتے ہیں وہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے۔ وہ قَالَ یَقُولُ (علمی قیل و قال) نہیں سمجھتے ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے صحیح قرآن وہی جانتے ہیں اور میں نہیں جانتا۔ الا ماشاءاللہ (یعنی کم وبیش) دوسرے مقام پر عین القضاتؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواجہ احمد غزالیؒ سے سنا ہے کہ شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ جب ابلیس کا نام لیتے تو ابلیس نہ کہتے بلکہ اسے "خواجۂ خواجگان" اور سر مہجوراں" (مہجورین یعنی محبوب سے دور افتادوں کا سردار) کہتے تھے۔ جب میں نے یہ بات شیخ برکہ قدس سرہٗ سے کہی انہوں نے فرمایا خواجۂ خواجگان" کی بجائے "سر مہجوراں" کہنا بہتر ہے آپ اپنی کتاب تمہیدات میں فرماتے ہیں کہ میں نہ عالم ہوں نہ جاہل، نہ طلب رکھتا ہوں نہ حاصل، نہ بے حاصل، نہ مستقیم ہوں نہ ہوشیار، نہ بے خود ہوں نہ باخود۔ اس سے زیادہ سخت کیا محنت ہو سکتی ہے۔ اس قیل و قال سے کب نجات پاؤں گا۔ رباعی ؎

نے دست رسد بہ زلف یارے کہ مراست ۔ نے کم شود از سرم خمارے کہ مراست

ہر چند دریں واقعہ در مے نگرم ۔ دردِ دل غایت است کارے کہ مراست

(نہ میرا ہاتھ محبوب کی زلف تک پہنچ سکتا ہے۔ نہ میرے سر سے خمار کم ہوتا ہے میں اس حال میں جس قدر غور کرتا ہوں شدید دردِ دل سے میرا واسطہ پڑتا ہے)

میں نے اس کی وضاحت طلب کی تو فرمایا آج جمعہ کی رات ہے۔ اسی شب نویں ماہ رجب کو شیخ ابو علی کگیؒ نے مصطفےٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ عین القضاتؒ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ کتاب ان کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے ایک کاغذ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین مبارک میں رکھا۔ سرورِ دو عالمؐ نے فرمایا عین القضات اس کے بعد اسرار و رموز صحرا میں مت پھینک۔ یہ بات میں نے فوراً قبول کر لی اور اسی وقت سے راز کی باتیں بند کر دیں اور ہمہ تن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو گیا تاکہ آئندہ کیا فرماتے ہیں۔

رباعی: تاکہ زدر درآمد آں دلبرِ مست ۔ جام مئے لعل نوشی کرد و بنشست

از دیدن و زگرفتن زلف چوں شست ۔ رویم ہم چشم گشت چشمم ہمہ دست

وہ دلبرِ مست باہر نکلا اور مے لعل کا جام نوش کر کے بیٹھ گیا۔ جب اس کا دیدار اور اس کی زلف تک ہاتھ کی رسائی نہیں تو میرا چہرہ آنکھ بن گیا اور میری آنکھیں ہاتھ بن گئے یعنی میں دُور دُور سے زلفوں کو ہاتھ لگانے کی بجائے دیکھتا رہا/ انتظار کرتا کہ تو میری جہان میں پہنچ جائے (عالم ملکوت میں موت کے بعد) اور بشریت کی زحمت درمیان میں نہ ہو تاکہ جو کچھ تجھ سے کہنے کے قابل ہو کہوں۔ ممکن ہے۔ یہ رموز عالم تحریر میں نہ لائے جاسکیں۔ سبحان اللہ! اس طائفہ کو ایسا کشفِ توحید ہوتا ہے کہ اہل ظاہر اس سے کلی طور پر بے بہرہ رہتے ہیں۔ خصوصاً عین القضاۃؒ کا عجیب حال تھا چنانچہ اکثر معتبر اصحاب نے تواتر کے ساتھ اسبات کا ذکر کیا ہے کہ خلیفۂ وقت کا ایک خدمتگار تھا جو اسے بہت محبوب تھا۔ ایک دن اس کا انتقال ہو گیا۔ خلیفہ کو بڑا صدمہ ہوا اور وہ نہایت بے چین ہو گیا۔ چنانچہ اس نے تمام علمائے وقت کو جمع کر کے کہا کہ حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ علمائے اُمتی کَاَنبیاءِ بنی اسرائیل (میری امت کے علماً بنی اسرائیل کے انبیار کی مانند ہیں) اگر یہ حدیث صحیح ہے تو چونکہ انبیائے بنی اسرائیل مردہ کو زندہ کر دیتے تھے۔ تم بھی یہی کام کرو تاکہ میرا یہ خدمتگار زندہ ہو جائے۔ یا یہ کہو کہ یہ حدیث غلط ہے (نعوذ باللہ) علما کی جماعت حیران و پریشان ہو کر عین القضاۃؒ کے پاس گئی اور عرض کیا کہ علم انبیار کے وارث دراصل آپ ہیں آپ اس معاملہ میں غور فرما دیں۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں تعارض واقع ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فقرا کے نزدیک اس قسم کے کام مشکل نہیں لیکن اس واقعہ کے وقوع کے بعد تم سب میرے قتل کا فتویٰ لکھ دو گے۔ انہوں نے کہا نہیں حضور یہ کب ممکن ہو سکتا ہے۔ آپ ضرور مہربانی کریں۔ عین القضات حالتِ وجد میں آکر اٹھ کھڑے ہوئے اور میت کے نزدیک تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ پر عجیب کیفیت طاری تھی اور بے اختیار آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے قُم باذنی (اٹھو میرے حکم سے) یہ سنتے ہی مردہ زندہ ہو گیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس سے دنیا میں شور مچ گیا اور علمائے ظاہر بین نے شدت اختیار کر لی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قُم باذنِ اللہ

(اٹھو اللہ کے حکم سے) کہتے تھے اور مردہ زندہ کرتے تھے۔ تم نے قم باذنی کیوں کہا ہے (اٹھو میرے حکم سے) چونکہ اس میں دعوئ الوہیت پایا جاتا ہے اس لیے تم واجب القتل ہو۔ چنانچہ سب علما نے آپ کے قتل کے فتوی پر دستخط کر دیئے اور اس محبوب حق کو ناحق شہید کرا دیا۔ آپ کا مطلب بھی یہی تھا کہ ذات مطلق کے مشاہدہ میں وجود فانی کی قید سے رہائی حاصل ہو چنانچہ سابقہ کلام میں آپ نے بھی فرمایا تھا کہ ہمارے لیے اب طلب فنا کے سوا کوئی دوسرا شغل نہیں ہے۔

بیت ؎

فریادِ بلبلاں ہمہ از دست گل بود　　　صد چاک گشتہ پیرہنِ گل ز دستِ کیست

(تمام بلبلیں پھول سے نالاں ہیں لیکن پھول کا پیراہن جو سو جگہ پر چاک ہے وہ کس کے ہاتھ سے ہے) فہم من فہم۔ میر سید محمد کرمانی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب سیر الاولیا میں یہی لکھا ہے کہ عین القضاتؒ پر جس وقت تجلی خاص ہوئی تو آپ نے دعا کی۔ اے محبوب مجھے جلایا جائے اور تو دیکھتا رہے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ بد عقیدگی سے آپ کو منسوب کر کے شہید کر دیا گیا۔ شیخ احمد غزالیؒ نے عین القضات سے فرمایا کہ اعتقاد کے مضمون پر کچھ لکھو تاکہ تمہاری رہائی ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ چیز تو میں نے دعائیں مانگ مانگ کر حاصل کی ہے۔ جب آپ نے یہ دعا کی تو اس وقت آپ کی عمر چھبیس برس تھی۔ لکھا ہے کہ جب آپ کو زندہ آگ میں ڈالا گیا تو آپ کے دل سے آہ نکلی۔ لوگوں نے کہا تم تو کہتے تھے کہ یہ چیز میں نے دعائیں مانگ کر حاصل کی ہے پھر آہ کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا میری آہ اس وجہ سے نہیں کہ جل رہا ہوں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ خود بخود جل رہا ہوں۔ یعنی آہ محبت ہے نہ کہ آہِ دکھ۔ جس وقت آپ کو جلا دیا گیا تو آپ کی راکھ سے ایک ڈبہ برآمد ہوئی جس میں سے ایک کاغذ نکلا۔ کاغذ پہ یہ لکھا ہوا تھا۔ رباعی:-

مارگِ شہیدے از خدا خواستہ ام　　　از حق دو سہ چیز کم بہا خواستہ ام

گر یار ہماں کند کہ ما خواستہ ام　　　با آتش و نفطِ بوریا خواستہ ام

رہم نے خدا سے شہادت کی موت طلب کی ہے اور حق تعالےٰ سے دو تین کم قیمت چیزیں طلب کی ہیں. یعنی آگ، آبلہ اور بوریا طلب کیا ہے. یاد رہے کہ آپ کو بوریا میں لپیٹ کر آگ میں پھینکا گیا تو جسم پر آبلے ہوگئے. قاضی حمیدالدین ناگوریؒ نے اس مضمون پر فرمایا ہے :- مثنوی

ابجد عشقت جو بیا موختم پیرہن محنت وغم دوختم
حاصل عشق سخن بیش نیست سوختم و سوختم و سوختم

(تیرے عشق کی جب سے میں نے ابجد یعنی الف، بے پڑھی ہے محنت و غم کا جامہ پہن لیا ہے. عشق کا حاصل زیادہ نہیں ہے. بس یہی ہے کہ میں جل گیا. جل گیا. جل گیا)

حضرت عین القضات کا سن وفات جو تاریخ یافعی میں ملتا ہے ۵۲۵ھ ہے رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابونصر محمد بن احمد بن ابی جعفر ہرویؒ

آں بسرعت در مقام قرب رسیدہ، آں بے تردد جام درد چشیدہ، آں عارف طرفہ احوال، ازمدئے مردی، خواجہ ابونصر ابی جعفر ہرویؒ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے اور اپنے زمانے کے فقیہ تھے. آپ کا اصلی وطن کرمان ہے بعد میں آپ ہرات کے ایک محلے خاجۂ بار میں مقیم ہوگئے۔ صاحب نفحات الانس نے آپ کی توبہ کا قصہ یوں لکھا ہے کہ ایک شخص نے آکر آپ سے فتویٰ دریافت کیا کہ ایک جوان نے ایک دن ایک گدھے کے ڈنڈا مارا. گدھے نے پیچھے دیکھ کر کہا کہ جناب آپ نے جو مجھ غریب پر یہ ظلم کیا ہے. اس کا بدلہ کب دوگے یہ سنتے ہی اس جوان پر گریہ طاری ہوگیا اور بیس سال سے وہ اسی گریہ میں مبتلا ہے اور اب اس کی آنکھوں سے پانی کی بجائے خون نکل رہا ہے اور اس کے وضو اور نماز کے متعلق کیا حکم ہے. خواجہ ابونصرؒ یہ سنتے ہی بے ہوش ہوکر گر پڑے. جب ہوش میں آئے تو اس جوان کی زیارت کے لیے روانہ

ہوئے. جب اس کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس غم کی وجہ سے جاں بحق ہو چکا ہے۔ وہاں آپ نے ایک بزرگ کو دیکھا جن کی ریش سفید اور چہرہ نورانی تھا اور آنکھوں سے خون بہہ بہہ کر چہرے پر خشک ہو چکا تھا۔ لیکن ان کو دیکھ کر اس بزرگ نے ہنس دیا خواجہ ابو نصر" کو ان کے ہنسنے پر تعجب ہوا. پھر اس جوان کی تجہیز و تکفین کے بعد نماز جنازہ پڑھی گئی. خواجہ ابو نصر وہاں سے روتے ہوئے واپس آنے لگے تو اس بزرگ نے پوچھا تم کیوں روتے ہو. شاید تم نے کلام پاک کی کوئی ایسی آیت سنی ہے جس پر تم نے عمل نہیں کیا. لیکن تمہارا رونا دامن سوختگان کے رونے کی طرح ہے. دل سوختگان کے رونے کی طرح نہیں۔

اس بزرگ کی یہ بات سن کر خواجہ ابو نصرؒ کے دل میں درد بر درد اور سوز بر سوز بھر گیا پس آپ نے سب کچھ ترک کر دیا اور سفر و سیاحت اختیار کیا. کہتے ہیں کہ آپ نے تین سو مشائخ کی خدمت کی اور فیض حاصل کیا. آپ خضر علیہ السلام کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے اور کافی عرصہ مکہ، مدینہ اور بیت المقدس میں رہ کر ریاضت و عبادت میں مشغول رہے. اس کے بعد آپ واپس ہرات چلے گئے. آپ کی عمر ایک سو چھبیس برس تھی. آپ نے ۵۰۵ھ میں وفات پائی. آپ کا مزار ہرات کے محلہ خاپجہ آباد میں ہے جو اب تک زیارت گاہِ خلق ہے. رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت سلطان مجدالدینؒ

سلطان تجرید، برہان ارباب تفرید، بر خلق محمد و معین، قطب وقت سلطان مجدالدین قدس سرہٗ فوج میں ملازم تھے. آپ کو سلطان مجدالدین طالبہ کہتے ہیں. ترک و تجرید و توکل میں آپ بے نظیر تھے. آپ کے مجاہدات اور خوارق عادات مشہور ہیں. ایک دفعہ ایک درویش جس کا نام محمد چرکہ تھا اور کنوئیں کا راہٹ بنایا کرتا تھا مسجد میں سویا ہوا تھا درویش محمد چرکہ ابدال تھے. مسجد میں ان کے پاس ایک کوزہ پڑا تھا. اتفاق سے کوزہ ٹوٹ گیا اور پانی مسجد میں پھیل گیا. مسجد کے خادم نے خیال کیا کہ انہوں نے پیشاب کر دیا ہے. اس لیے ان کو اس قدر پیٹا کہ ہڈیاں ٹوٹ گئیں. محمد چرکہؒ نے آہ لی اور مسجد سے باہر چلے گئے

مسجد لکڑی سے بنی ہوئی تھی ان کے باہر جاتے ہی مسجد کو آگ لگ گئی اور قریب تھا کہ
عتوک کا سارا کاروبار جل جاتا۔ اس وقت لوگوں نے حضرت مجدالدین طالبہؒ سے جاکر عرض کی
آپ محمد چرکہؒ کے پیچھے دوڑے اور ان کے پاس پہنچ کر کہنے لگے کہ محمد چرکہ مسلمانوں کے
شہر کو کیوں جلا رہے ہو۔ محمد چرکہؒ واپس آئے اور اپنی آنکھوں کا پانی آگ میں ڈالا تمام
آگ فوراً بجھ گئی۔ اس وقت انہوں نے یہ رباعی کہی :۔

آتش دو شین کہ پر از دختہ بود ۔۔۔ او سوختن از دل من آموختہ بود

گر آب دو چشم من نداد ے یاری ۔۔۔ چہ جملہ فروشاں کہ ہری سوختہ بود

(کل رات جو آگ شہر میں لگی۔ اس نے جلنا میرے دل سے سیکھا تھا۔ اگر میری آنکھوں
کا پانی مدد نہ کرتا تو ہرات کا سارا عتوک کا کاروبار جل جاتا) نفحات الانس میں لکھا ہے کہ ایک
دفعہ شہر ہرات کے نزدیک سیلاب آیا اور قریب تھا کہ سارا شہر غرق ہو جائے لوگوں نے
خواجہ مجدالدینؒ سے جاکر عرض کیا۔ اپ نے اپنا خرقہ دے کر فرمایا کہ اسے سیلاب کے آگے
ڈال دو۔ جب لوگوں نے خرقہ امڈتے ہوئے پانی کے سامنے ڈالا تو سیلاب فوراً پیچھے
ہٹ گیا۔ امام فخرالدین رازیؒ آپ کے ہم عصر تھے اور اکثر آپ کی صحبت میں
آکر تبرک اور قرب حاصل کیا کرتے تھے۔ جب سلطان مجدالدین طالبہ کی وفات
ہوئی تو ہرات کے دروازۂ خشک و فیروز آباد کے درمیان دفن کیے گئے۔ آپ کی وفات
کا سن نظر سے نہیں گذرا۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

۱۵
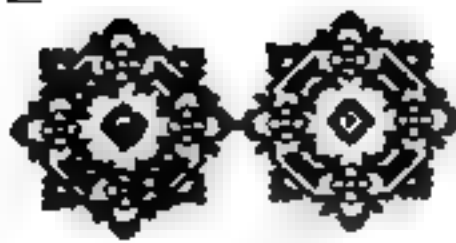
در بیانِ مجمل از احوال خواجہ حاجی شریف زندنی و خواجہ ہمدانیؒ وغیرہم

حضرت خواجہ شریف زندنیؒ

آں محب و محقق صاحب اسرار، آں مقتدائے اولیائے عالی مقدار آں عالم العلوم لدنی قطب افراد خواجہ شریف زندنی قدس سرہٗ ریاضات و مجاہدات، ترک و تجرید میں بڑے عالی ہمت تھے۔ آپ کے حقائق و معارف میں کلمات بہت ہیں اور توحید کے نکات و اشارات کے لیے لوگ اکثر آپ سے رجوع کرتے تھے۔ آپ مشائخ وقت میں عدیم المثال تھے۔ آپ نے خرقہ خلافت حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی قدس سرہٗ سے حاصل کیا۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ خواجہ حاجی شریف زندنیؒ نے چالیس سال گوشہ نشینی اختیار کی اور ویرانے میں رہے اور جنگل کے درختوں سے جو میوہ یا پتے گرتے تھے اسی سے آپ قوت لایموت (اس قدر خوراک کہ جو موت سے بچا سکے) حاصل کرتے تھے۔ آپ دنیا سے سخت متنفر تھے۔ جب کوئی شخص آپ سے ملنے کی خواہش کرتا تو خادم اسے نصیحت کر دیتا تھا کہ دنیا اور اہل دنیا کا ذکر نہ کرنا ورنہ زیارت کے شرف سے محروم رہ جاؤ گے۔ ایک دن ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں نذر پیش کی، آپ نے فرمایا ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ صحرا جو تم دیکھ رہے ہو خزانۂ غیب سے بھرا پڑا ہے۔ جب اس شخص نے صحرا کی طرف نظر کی سونے کی ایک ندی صحرا میں بہہ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ بہت حیران ہوا۔ حضرت خواجہ کا مقصد یہ تھا کہ آئندہ کوئی شخص اس قسم کی حرکت نہ کرے۔ آپ تنہائی اور تجرد کی حالت میں بڑے اطمینان سے رہتے تھے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ سلطان سنجر سلجوقی کو مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا۔ اس نے پوچھا حق

تعالٰی نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اس نے جواب دیا کہ دنیا میں میں نے جو نیکی اور بدی کی تھی سب میرے سامنے لائی گئی اور دوزخ کے فرشتوں کو حکم ہوا کہ مجھے دوزخ میں لے جائیں، اسی اثنا میں فرمان ہوا کہ فلاں
وقت مسجد دمشق میں اس نے حاجی شریف زندنیؒ کی قدم بوسی حاصل کی تھی ان کے طفیل ہم نے اسے بخش دیا۔ آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خواجہ عثمانؒ جیسے جلیل القدر بزرگ آپ کے مرید ہیں۔ آپ کا وصال تین ماہ رجب کو ہوا۔ لیکن سن وفات نظر سے نہیں گذرا۔ بہرحال آپ خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے ہم عصر تھے۔ اور آپ کی مرقدِ مبارک ملک شام میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ

امام اربابِ طریقت، مستغرق درِ بحرِ حقیقت، عارف ربانی، پیشوائے قوم خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ کی کنیت ابو یعقوب ہے۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ امام، عالم، صاحب حال و صاحب مقامات وکرامات تھے۔ ابتدا میں ہمدان سے آکر بغداد میں مقیم ہوئے اور شیخ ابو اسحاقؒ شیرازی کی خدمت میں رہنے لگے۔ جن سے آپ نے تمام علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ شیخ ابو اسحاقؒ آپ کو تمام اصحاب سے مقدم رکھتے تھے۔ آپ نے بغداد، اصفہان اور سمرقند میں حدیث پڑھی۔ لیکن بعد میں سب کام چھوڑ کر آپ عبادت وریاضت میں مشغول ہو گئے۔ مشہور یہ ہے کہ تصوف میں آپ شیخ علی فارمدیؒ کے مرید تھے۔ جن کا ذکر طبقہ سابقہ میں آچکا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ شیخ عبداللہ جوینیؒ اور شیخ حسن سمنانیؒ کے بھی صحبت یافتہ تھے۔ آپ نے شروع میں مَرو

میں سکونت اختیار کی لیکن بعد میں ہرات چلے گئے۔ کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد اہل مرو کی درخواست پر آپ پھر مرو چلے گئے۔ لیکن راستے میں آپ کا وصال ہو گیا۔ پہلے آپ کو اسی جگہ دفن کر دیا گیا لیکن بعد میں لوگ آپ کو نکال کر مرو لے گئے۔ آپ کا مزار مرو

میں ہے۔ نفحات الانس میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ قدس سرہٗ اپنی تصانیف میں لکھتے ہیں کہ ۶۰۲ھ میں شیخ اوحدالدین کرمانی میرے ہاں قونیہ میں قیام پذیر تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں خواجہ یوسف ہمدانیؒ ساٹھ سال سے زیادہ مسند ارشاد پر متمکن رہے۔ ایک دن اپنی خانقاہ میں بیٹھے تھے۔ دل میں باہر جانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ حالانکہ آپ جمعہ کے بغیر کبھی باہر نہیں جاتے تھے۔ باہر جانے کا قصد زیادہ شدید ہوا لیکن آپ کو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جانا چاہیے۔ پس آپ گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اس کی باگ چھوڑ دی۔ اس خیال سے کہ حق تعالےٰ جہاں چاہیں گے لے جائیں گے۔ گھوڑا آپ کو شہر سے باہر جنگل میں لے گیا۔ وہاں ایک ویران مسجد تھی۔ گھوڑا اس کے سامنے رک گیا۔ خواجہ یوسف گھوڑے سے اتر کر مسجد کے اندر گئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ایک آدمی سر جھکائے بیٹھا ہے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے اپنا سر اٹھایا وہ ایک باہیبت نوجوان تھا۔ اوپر دیکھ کر کہنے لگا کہ ابو یوسف مجھے ایک مشکل درپیش ہے اور اس کا ذکر خواجہ یوسف سے کیا۔ خواجہ یوسف نے اس کی مشکل حل کی اور فرمایا کہ اے فرزند جب مشکل پیش آئے تو شہر چلے آیا کرو اور مجھ سے پوچھ لیا کرو اور مجھے یہاں آنے کی تکلیف نہ دو۔ اس جوان نے کہا کہ مجھے جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میرے لیے ہر پتھر تمہاری طرح کا یوسف بن جاتا ہے۔ شیخ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرید صادق تھا جو اپنے صدق کے ذریعے شیخ کو اپنے پاس کشش کر سکتا تھا۔

تکملہ میں لکھا ہے کہ ایک دن خواجہ یوسف وعظ میں بلند کلمات بیان کر رہے تھے۔ دو فقیہ بھی مجلس میں حاضر تھے۔ انہوں نے آپ سے کہا کہ چپ ہو جاؤ۔ تم بدعتی ہو۔ آپ نے ان پر ایک ایسی نظر ڈالی کہ اسی وقت فوت ہو گئے۔ بیت۔

پروانہ ازاں سوخت کہ با شمع در افتاد　　　با سوختگان ہر کہ در افتاد بر افتاد

(پروانہ اس لیے جل گیا کہ اس کا شمع سے تصادم ہوا۔ جس کسی نے جلے ہوؤں کے ساتھ تصادم کیا تباہ ہوا)

شیخ یوسف ہمدانیؒ کے چار خلفا تھے، خواجہ عبداللہ برقیؒ، خواجہ حسن اندرقیؒ، خواجہ احمد یسویؒ اور خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ اور سب کے سب صاحب رشد و ارشاد تھے۔ ان کے علاوہ طریق ادب میں بھی آپ کے خلفا تھے جن کا رشحات میں مفصل ذکر ہے خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے کمالات اس قدر ہیں کہ اس مختصر کتاب میں ان کی گنجائش نہیں آپ کی ولادت ۴۴۰ھ میں اور وفات ۵۳۵ھ میں ابو عبداللہ محمد بن مستظہر کے زمانۂ خلافت میں ہوئی جو سلطان محمود بن غیاث الدین محمد بن ملک شاہ سلجوقیؒ کا ہم عصر تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ احمد یسویؒ

آں مست از شوق وصال، آں پیشوائے مردان صاحب احوال، آں عارف و صحیح النسب علوی سر ترکستان خواجہ احمد یسویؒ قدس سرہ حضرت محمدؒ بن حنیفہؒ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے تھے۔ صاحب رشحات کہتے ہیں کہ آپ خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے تیسرے خلیفہ تھے۔ ترک آپ کو اماً یسوی کہتے ہیں۔ اماً ترکی زبان میں بڑے مشائخ کو کہتے ہیں۔ آپ کی جائے پیدائش درقی ہے جو ترکستان میں ایک شہر کا نام ہے۔ آپ کی قبر بھی اسی جگہ ہے۔ آپ بڑے صاحب مقامات و کرامات تھے۔ رشحات میں لکھا ہے کہ آپ بچپن سے خواجہ باب ارسلانؒ کے منظور نظر تھے۔ جو ترکستان کے قدیم مشائخؒ میں سے تھے کہتے ہیں کہ باب ارسلانؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کی تربیت کے متعلق اشارہ ہوا تھا۔ خواجہ احمدؒ کو خواجہ باب ارسلانؒ سے بہت فیض حاصل ہوا۔ باب ارسلان کی وفات کے بعد ان کے باطنی اشارہ سے آپ بخارا چلے گئے اور سلوک خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے ہاں تمام کر کے مسند ارشاد پر متمکن ہوئے جب خواجہ عبداللہ برقیؒ اور حسن اندرقی نے وفات پائی تو خواجہ احمد یسویؒ کو خلافت ملی۔ انہوں نے دعوت خلق کا کام اسی جگہ شروع کر دیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد آپ باطنی اشارے کے مطابق ترکستان چلے گئے۔ اور جانے سے پہلے تمام اصحاب کو خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد آپ یسیر کی طرف چلے گئے۔ آپ مشائخ ترکستان کے سردار ہیں۔ آپ کے خاندان میں بڑے بڑے بزرگان پیدا ہوئے ہیں۔ جن کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا۔ خواجہ احمد یسوی کے بھی چار خلفا تھے۔ پہلے خلیفہ منظور آتا بن خواجہ بابا ارسلان جنہوں نے شروع میں اپنے والد سے تربیت حاصل کی۔ اس کے بعد اپنے والد کے اشارے سے خواجہ احمد یسوی کے ہاں سلوک طے کیا۔ آپ کے دوسرے خلیفہ سید آتا تھے آپ سے بھی اکثر خلق نے ہدایت پائی۔ تیسرے خلیفہ سلیمان ہیں جو اپنے ظاہری و باطنی کمالات کی وجہ سے ترکستان بھر میں مشہور ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس رات خضر علیہ السلام نظر آئیں سمجھ لو کہ یہ شب قدر ہے۔ آپ کے چوتھے خلیفہ حکیم آتا ہیں جو سالہا مسند ارشاد پر متمکن رہے۔ حکیم آتا کا مسکن خوارزم ہے۔ زنگی آتا حکیم آتا کے خلیفہ ہیں جن کا مسکن سناس ہے۔ وہ بھی بڑے مشائخ تھے اور تربیت مریداں میں بڑے مشاق تھے بید آتا جن کا اصل نام سید احمد ہے بھی شیخ زنگی آتا کے خلیفہ تھے۔ سید آتا بڑے بڑے مجاہدات و ریاضات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے اور تربیت مریدین میں مشغول ہوئے۔ شیخ اسماعیل آتا بن ابراہیم آتا سید آتا کے اکابر خلفا میں سے تھے۔ ابراہیم آتا خواجہ احمد یسوی کے برادر زادہ تھے۔ خواجہ اسماعیل آتا اپنے مریدین سے فرمایا کرتے تھے کہ دھوپ کے وقت سایہ، سردی کے وقت کپڑا اور بھوک کے وقت روٹی چاہیے۔ خواجہ عبد اللہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ کلام جامع ہے۔ (یعنی ظاہری اور باطنی معنی رکھتا ہے ظاہری معنی تو صاف ظاہر ہیں کہ اس دنیائے دون سے صوفی کے لیے صرف تین چیزیں کافی ہیں۔ دھوپ سے بچنے کے لیے صرف سایہ نہ محل نہ ساز و سامان، سردی سے بچنے کے لیے کپڑا اور بھوک سے بچنے کے لیے دو روٹی۔ باطنی معنوں پر قارئین کرام خود غور کریں۔

خواجہ اسماعیلؒ کے لڑکے خواجہ اسحاقؒ بھی بڑے بزرگ تھے جو اپنے والد کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے۔ خواجہ معظمؒ حضرت خواجہ یسویؒ کے فرزندان میں سے تھے جو ہندوستان

کے موضع میرپور پرگنہ دیوی میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کا مزار اسی موضع میں ہے آپ کی اولاد اب تک وہاں موجود ہے۔ خواجہ احمد یسویؒ بڑے صاحب کمال ہیں۔
آپ کی وفات کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْه۔

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

آں امام و پیشوائے بصیرت، آں قدم بقدم مصطفےٰ در صورت و سیرت، آں عارف ربانی، مقتدائے قوم خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ صاحب رشحات کے قول کے مطابق خواجہ یوسف ہمدانی کے چوتھے خلیفہ تھے۔ آپ خواجگان نقشبند علیہم الرحمتہ کے سردار تھے۔ آپ کی روش طریقت میں حجت ہے۔ آپ ہر فرقے میں مقبول تھے آپ ہمیشہ صدق و صفا اور سنت مصطفےٰ (صلعم) کے متابعت اور بدعت کی مخالفت میں سرگرم رہتے تھے۔ آپ اپنے اعمال صالح کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی عبدالجلیلؒ تھا۔ آپ امام مالکؒ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ ولایت روم میں رہتے تھے۔ کسی تقریب کے سلسلے میں آپ ماوراءالنہر تشریف لے گئے اور موضع غجدوان میں جو بخارا سے چھ کوس دور ہے سکونت اختیار کی۔ خواجہ عبدالجلیل کو خواجہ خضر علیہ السلام کی صحبت میسر تھی۔ انہوں نے آپ کو خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کی پیدائش کی بشارت دی۔ خواجہ عبدالخالقؒ موضع غجدوان میں پیدا ہوئے اور بخارا میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ آپ کو جوانی میں خواجہ خضر علیہ رحمتہ نے ذکر قلبی کی تعلیم دی تھی اور آپ ہمیشہ اسی ذکر کی مواظبت کرتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو اپنا فرزند بنایا ہوا تھا۔ خواجہ خضر علیہ السلام کے بتائے ہوئے ذکر کی وجہ سے آپ نے بڑے بلند مقامات حاصل کیے۔ رشحات میں لکھا ہے کہ خواجہ عبدالخالق نے فرمایا کہ میں بائیس سال کا تھا کہ خواجہ زندہ دلان حضرت خضر علیہ السلام نے مجھے خواجہ ابو یوسف ہمدانیؒ کے سپرد کیا اور میری تربیت روحانی کے متعلق ان کو وصیت کی۔ جب تک آپ ماوراءالنہر میں رہے میں ان کی خدمت میں

رہ کر فیض حاصل کرتا رہا. جب خواجہ یوسف خراسان تشریف لے گئے خواجہ عبدالخالق
ریاضت میں مشغول ہو گئے. آپ نے اس قدر ترقی کر لی کہ آپ ہر نماز کعبۃ اللہ میں
میں ادا کر کے واپس آجاتے تھے. ولایت شام میں آپ کے کثرت سے مرید ہو گئے
اور ایک مستقل خانقاہ وجود میں آگئی. جہاں آپ ذکر خفی کی مواظبت کرتے تھے
اگرچہ خواجہ یوسفؒ اور مشائخ سلسلہ کا طریق ذکر جلی (آواز سے ذکر کرنا) تھا. لیکن
چونکہ خضر علیہ السلام نے خواجہ عبدالخالقؒ کو ذکر خفی کی تعلیم دی تھی آپ نے بھی
ذکر خفی کی تعلیم شروع کر دی. خواجہ یوسفؒ نے بھی اسے نہ بدلا. صاحب نفحات
فرماتے ہیں کہ ایک دن خواجہ عبدالخالقؒ بیان فرما رہے تھے. ایک جوان زاہد کی
شکل میں آیا اور بیٹھ گیا. خواجہ نے اس پر ایک نظر کی. ایک ساعت کے بعد اس
جوان نے اٹھ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اتقوا من
فراستِ المومن فانہ ینظر بنور اللہ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو
کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے. اس جوان نے پوچھا کہ اس حدیث کا کیا راز ہے.
آپ نے فرمایا کہ اس حدیث کا یہ راز ہے کہ تو زنار توڑ دے اور ایمان لے آئے.
اس نے کہا نعوذ باللہ مجھے زنار سے کیا تعلق. خواجہ نے خادم کو اشارہ کیا کہ اس کی قمیص
اتارو جب قمیص اتار دی گئی تو زنار ظاہر ہوا وہ فوراً زنار توڑ کر ایمان
لے آیا. اس کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا اے دوستو آؤ تا کہ ہم بھی اپنے اپنے زنار توڑ
دیں اور ایمان لے آئیں. جیسا کہ یہ ایمان لے آیا ہے. جس طرح اس نے ظاہری زنار
توڑا ہے اسی طرح ہم باطنی زنار یعنی عجب و تکبر توڑیں یہ سنکر لوگوں پر عجیب حالت
طاری ہو گئی اور سب لوگ خواجہ کے قدموں پر گر گر کر تجدید توبہ کرنے لگے.

نفحات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک خوبصورت نوجوان نے خواجہ کی خدمت
میں آکر دعا کی درخواست کی. آپ نے دعا مانگی اور وہ غائب ہو گیا. ایک شخص نے
پوچھا یہ کون شخص تھا. آپ نے فرمایا یہ فرشتہ تھا جس کا مقام چوتھے آسمان پر تھا
کسی قصور کی وجہ سے وہ اپنے مقام سے گر گیا اور آسمان دنیا پر آگیا. اس نے دوسرے
فرشتوں سے اپنا حال بیان کیا اور مشورہ طلب کیا. فرشتوں نے اسے یہاں بھیجا. بس اس

نے دعا کی درخواست کی جو منظور ہو گئی اور وہ اپنے اصلی مقام پہ بھیج دیا گیا۔ غرضیکہ آپ کے کمالات اس قدر ہیں کہ دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کے تین خلفاء تھے اول خواجہ احمد صدیقؒ دوم خواجہ عارف دیوگری، سوم خواجہ اولیائے کلاںؒ خواجہ عارف دیوگری بڑے بلند مقامات پہ پہنچ گئے اور آپ کا سلسلہ بہت چمکا۔ دیوگر ایک موضع ہے جو بخارا سے چھ کوس دور ہے۔ خواجہ محمود فغنویؒ خواجہ عارفؒ کے اعظم خلیفہ ہیں۔ فغنون بھی ولایت بخارا کا ایک موضع ہے جو آبگین کے پاس ہے آبگین ایک بڑا شہر ہے جو بخارا سے تین کوس دور ہے۔ خواجہ محمودؒ وہاں کے رہنے والے تھے۔ اور رزق حلال کی خاطر کسب گلکاری کرتے تھے۔ خواجہ عارفؒ سے خلافت ملنے

کے بعد آپ ہدایت خلق میں مشغول ہو گئے اور وقت کا تقاضا اور طالبین کے حال کے مطابق آپ نے ذکر جہری کی تعلیم شروع کردی۔ خواجہ علی رامتینیؒ خواجہ محمودؒ کے اعظم و اکمل خلیفہ ہیں۔ رامتین بخارا سے دو کوس کے فاصلہ پر ایک بڑا قصبہ ہے۔ یہی آپ کی جائے پیدائش ہے۔ لیکن آپ کا مزار خوارزم میں مشہور و معروف ہے۔ رزق حلال کی خاطر آپ کپڑا بننے کا کام کرتے تھے۔ آپ کا لقب عزیزاں ہے۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ کا سلسلہ ان سے جا ملتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ کے تمام اکابر کا ذکر آگے آرہا ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر عبد اللہ سہروردیؒ

آپ علوم ظاہری و باطنی میں باکمال تھے اور ہر فن میں آپ کی بہت تصنیفات ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب نفحات کے مطابق بارہ واسطوں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ آپ شیخ احمد غزالی کے مرید تھے۔ آپ کو اپنے چچا شیخ وجیہ الدین ابو حفصؒ سے بھی خلافت ملی تھی۔ آپ شیخ حماد بن ابو مسلم دباسؒ کے بھی صحبت یافتہ ہیں۔ چنانچہ تکملہ میں منقول ہے کہ شیخ ابو نجیب سہروردی فرماتے

ہیں کہ حق تعالٰے سے شناسائی مجھے سب سے پہلے شیخ صحبت حضرت حماد دباس
سے ہوئی۔ ریاضات، مجاہدات، سلوک اور حقائق میں آپ کے بہت بلند پایہ ملفوظات
ہیں۔ آپ پیشوائے قوم اور سر حلقۂ اولیا تھے۔ آپ کے ظاہری اور باطنی کمالات پر
سب اہل اللہ متفق ہیں۔ نفحات میں تاریخ یافعی سے منقول ہے کہ ایک دن
شیخ ابو نجیبؒ بغداد کے بازار میں جا رہے تھے۔ سامنے ایک قصاب کی دکان پر ایک
بکری لٹکی ہوئی دیکھی۔ آپ نے وہاں کھڑے ہو کر فرمایا یہ بکری کہتی ہے کہ میں مُردہ
ہوں نہ کہ ذبح شدہ۔ یہ سُن کر قصاب بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو اپنے
جرم کا اقرار کر کے تائب ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ تکملہ میں شیخ شہاب الدین سہروردی سے
منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں اپنے چچا شیخ ابو نجیبؒ کے پاس بیٹھا تھا
ایک شخص گاؤ سالہ لے آیا اور حضرت شیخ کی خدمت میں نذر کر کے چلا گیا۔ جب گاؤ
سالہ (گائے کا بچہ) شیخؒ کے قریب آیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ گاؤ سالہ کہتا ہے کہ میں
وہ گاؤ سالہ نہیں ہوں جسے آپ کی نذر کیا گیا ہے۔ مجھے شیخ علی بن ہستی کی نذر کیا ہے
کچھ دیر بعد وہ آدمی ایک اور گاؤ سالہ لے کر حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ یہ گاؤ سالہ
آپ کی نذر ہے اور وہ شیخ علی ہستی کی نذر تھا۔ مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی۔ تکملہ میں
شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک دن تین یہودی اور تین
عیسائی حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخؒ نے ان کو اسلام کی دعوت
دی۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ آپ نے ان میں سے ہر ایک کو ایک لُقمہ دیا۔ ابھی لقمہ
ان کے پیٹ میں نہیں گیا تھا کہ وہ سب ایمان لے آئے اور کہنے لگے کہ جونہی لقمہ
ہمارے حلق کے اندر گیا سوائے اسلام کے ہر دین کی محبت ہمارے دل سے جاتی رہی
آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جیسے
اکابر اولیا آپ کے مرید ہیں۔ جن کا ذکر اپنی جگہ پر آیا ہے۔ حضرت شیخ عماد یاسرؒ بھی
آپ کے اصحاب میں سے ہیں جو تکمیل ناقصاں، تربیت مریدین اور کشف دقائق میں
کمال رکھتے تھے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ بھی آپ کے تربیت یافتہ ہیں۔ شیخ ابو نجیب
سہروردی کے ایک اور مرید شیخ روزبہان کبیر مصریؒ ہیں۔ آپ کا اصلی وطن گازران

تھا ۔ بالآخر آپ مصر میں مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔ آپ اکثر اوقات استغراق میں رہتے تھے۔ شیخ نجم الدین کبریٰؒ کو آپ نے ایک مکہ مار کر مقام تکمیل پر پہنچایا تھا اور بعد میں اپنا داماد بھی بنایا۔ شیخ ابو نجیبؒ کے اور مرید شیخ اسماعیل قصریؒ ہیں ۔ یہ وہ بزرگ ہیں کہ جن سے شیخ نجم الدین کبریٰؒ نے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ شیخ اسماعیل

قصریؒ نے دو بزرگوں سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ایک شیخ ابو نجیب سہروردی دوسرے شیخ محمد مائکیل جن کا سلسلہ نو واسطوں سے خواجہ کمیل ابن زیاد تک جا پہنچتا ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب میں سے تھے۔ ان کا ذکر اس کتاب میں خانوادہ فردوسیوں کے تحت آچکا ہے۔ شیخ قطب الدین ابہریؒ جن پر شیخ صفی الدین اسحٰق اردبیلیؒ کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے بھی شیخ ابو نجیبؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ کی وفات بتاریخ جمعہ سترہ جمادی الآخر ۵۶۳ھ کو بغداد میں ہوئی آپ کی ولادت ۴۹۰ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

حضرت شیخ ابو محمد بن عبداللہ بصریؒ

آں متصرف در عالم ملک ملکوت، آں کاشف اسرار، مغیبات و جبروت آں رسیدہ بمقامات حصری قطب ارشاد شیخ ابو محمد بصریؒ قدس سرہ کا شمار مشائخ روزگار میں ہوتا ہے۔ آپ دنیا میں عقبیٰ کی زندگی بسر کرتے تھے اور کمال صفائے باطنی سے آپ کا وجود ملائک کے اوصاف سے متصف ہو چکا تھا۔ مقامات سیر و طیر میں آپ بے نظیر تھے۔ تکملہ میں حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ قدس سرہٗ سے نقل ہے کہ ایک دفعہ میں شیخ ابو محمدؒ کی زیارت کے لیے بصرہ گیا۔ راستے میں میں نے مویشی، مزارعت کے کھیت اور نخلستان کثرت سے دیکھے۔ میں نے پوچھا یہ کس کے ہیں۔ لوگوں نے کہا شیخ ابو محمدؒ کے ہیں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ تو بادشاہوں کا سا حال ہے۔ جب میں بصرہ پہنچا تو شیخؒ کے دروازے پر گیا۔ اطلاع کئے بغیر اندر

سے ایک خادم نے آکر کہا کہ شیخ آپ کو بلا رہے ہیں. جب میں اندر گیا تو شیخ نے فرمایا اے عمر جو کچھ تو نے دیکھا ہے زمین پر ہے ابن عبداللہ کے دل کو اس کی کوئی خبر نہیں. امام عبداللہ یافعی کہتے ہیں کہ یہ قصہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے

اوائل حال کا ہوگا. تکملہ میں شیخ عبداللہ محمد بلخی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ میں چاشت کے وقت کعبۃ اللہ میں مقام ابراہیم پر بیٹھا تھا کہ شیخ ابو محمد عبداللہ بصریؒ چار آدمیوں کے ساتھ آگئے. اپنے اصحاب کے ساتھ چند رکعت نماز ادا کرکے سات دفعہ طواف کیا اور باب بنی شیبہ سے باہر چلے گئے. میں ان کے پیچھے ہولیا. ان کے اصحاب میں سے ایک نے مجھے ساتھ جانے سے منع کیا. شیخ نے فرمایا آنے دو. باہر جاکر شیخ اس جماعت کے سامنے کھڑے ہوگئے اور ان کی پانچ صفیں بنالیں اور ہر صف کے سامنے ایک آدمی کھڑا کر دیا. اس کے بعد شیخؒ نے فرمایا ہر صف اس آدمی کے پیچھے پیچھے چلے جو اس کے سامنے ہے اور شیخ سب سے آگے ہولئے. پس ہم نے چلنا شروع کردیا اور زمین ہمارے پاؤں کے نیچے سکڑنے لگی. حتیٰ کہ تھوڑی دیر کے بعد ہم مدینۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ گئے. ہم نے زیارت کی اور ظہر کی نماز وہاں ادا کی. اس کے بعد اسی ترتیب سے شیخؒ کے پیچھے چلنے لگے اور تھوڑی دیر بعد بیت المقدس پہنچ گئے نماز عصر وہاں ادا کرکے اسی طرح شیخ کے پیچھے پھر روانہ ہوگئے اور تھوڑی دیر کے بعد یاجوج ماجوج کی دیوار تک پہنچ گئے اور مغرب کی نماز ادا کی. اس کے بعد پھر روانہ ہوئے اور کوہ قاف میں پہنچ گئے اور نماز عشا وہیں ادا کی. اس کے بعد شیخ پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ گئے اور ہم ان کے گرد جمع ہوگئے. اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ اچانک کچھ لوگ آئے جن کے چہرے نورانی تھے اور شیر کی طرح رعب و جلال والے تھے. انہوں نے آتے ہی شیخ کو سلام کیا اور نہایت ادب سے شیخؒ کے سامنے بیٹھ گئے اور لوگ جو ہوا میں بجلی کی طرح چمکتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے. نیچے اتر کر آئے شیخ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اور شیخ سے التماس کیا کہ شیخؒ کچھ فرمائیں. شیخ نے فوائد بیان

کیے اور وہ نعرے مارنے لگے۔ بعض رو رہے تھے، بعض چیخ رہے اور بعض آہ و فغاں کرتے ہوئے ہوا میں اڑتے جا رہے تھے۔ غرضیکہ ساری رات یہی ہوتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو نماز فجر ادا کرنے کے بعد شیخ پہاڑ سے نیچے اتر آئے۔ اب ہم کیا دیکھتے ہیں کہ زمین سرسبز و لطیف ہے اور ہر جگہ انوار برس رہے ہیں۔ جہاں قدم رکھتے تھے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ بعض ایسے لوگ وہاں موجود تھے جن کے وجود انسان کی طرح کے تھے۔ اور حق تعالےٰ کی گوناگوں تسبیحات بیان کر رہے تھے۔ ان کی آوازیں ایسی خوشگوار تھیں کہ ہم نے اس سے بہتر کوئی نغمہ نہ سنا تھا۔ ان کے تمام وجود اس قدر منور تھے کہ آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ وہ لوگ اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا میں اس قدر مستغرق تھے کہ اگر کوئی ان کو دیکھ لیتا اور ان کے نغمات سن لیتا تو جان نکل جاتی۔ شیخ ابو محمد غایتؒ وجد میں کبھی زمین پر لیٹتے تھے اور کبھی فضا میں تیر کی طرح اڑ جاتے تھے اور کبھی یہ نعرے لگاتے تھے اے محبوب تیرے شوق لقا نے مجھے گرفتار کر رکھا ہے اور تیرے ہجر و فراق میں میں مر رہا ہوں کبھی تیرا خوف جان نکالتا ہے اور کبھی رجا (امید) حیات بخشتی ہے۔ کبھی تیری محبت میں شیفتہ اور سرگرداں ہوں اور کبھی تیرے قرب میں سکون اور قرار پاتا ہوں۔ غرضیکہ آپ اس قسم کے کلمات کثرت سے کہہ رہے تھے اور خوب وجد و مستی کی حالت میں تھے۔ جب چاشت کا وقت ہوا تو شیخ وہاں سے واپس ہوئے اور ہم ان کے پیچھے ہو لئے حتیٰ کہ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں سے روانہ ہوئے تھے اس کے بعد شیخ آگے چلنے لگے اور ہم ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ ناگاہ ہم نے ایک شہر دیکھا جس میں سونے چاندی کے مکانات تھے۔ اس شہر کے اندر ہر قسم کے درخت تھے پھلوں کی کثرت تھی اور نہریں بہہ رہی تھیں۔ ہم اس شہر کے اندر داخل ہوئے اور ہر قسم کے میوے کھائے اور نہروں سے پانی پیا۔ شیخ نے فرمایا یہ مدینۂ اولیا ہے۔ کچھ دیر اس کے اندر گھومنے کے بعد باہر آئے اور پھر روانہ ہو گئے۔ راستے میں جو خشک درخت نظر آتا تھا شیخ کی برکت سے تر و تازہ ہو جاتا تھا اور جو مریض ملتا تھا صحت یاب ہو جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ہم مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور ظہر کی نماز وہاں ادا کی۔ آپ نے ہمیں وصیت

کی کہ میری زندگی میں اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ البتہ میری وفات کے بعد جو چاہو کرو۔
اس کے بعد شیخؒ اور وہ چار مرد میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد میں بصرہ
گیا اور چند روز شیخؒ کی خدمت میں رہا۔ ایک دن آپ بصرہ میں حضرت طلحہ بن عبداللہ
رضی اللہ عنہ صحابی کے مزار کی زیارت کے لیے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ جب شیخؒ کی نظر قبر پر
پڑی تو آپ واپس آکر ادب سے فرش پر بیٹھ گئے۔ ہم نے شیخ سے اس کا سبب پوچھا تو
آپ نے فرمایا کہ جب میں نے قبر کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ صاحبِ مزار سبز لباس پہنے
ہوئے ہیں۔ سر پر موتیوں سے جڑا ہوا تاج ہے اور دو حوریں آپ کے پہلو میں بیٹھی ہیں۔
یہ دیکھ کر مجھے شرم آئی اور واپس آگیا۔ انہوں نے بھی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی قسم دے کر کہا کہ اب چلے جاؤ بعد میں آنا۔ چنانچہ میں باہر آگیا۔ سبحان اللہ! شیخ ابو محمد
بصری کا عجب حال تھا۔ آپ کی نسبت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ جیسی تھی۔ جن کا
حال پہلے گزر چکا ہے۔ آپ کا سن وفات معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن آپ شیخ ابو نجیب
سہروردیؒ کے ہم عصر تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت سید احمد بن ابوالحسن رفاعیؒ

آں سید صاحب ولایت، آں شمع ارباب ہدایت، آں ہمیشہ در فنائے احدیت
ساعی سید احمد بن ابوالحسن رفاعی قدس سرہ کا مقام بہت بلند تھا اور حال بہت قوی
آپ کے تصرفات و کرامات عجیب و غریب ہیں اور حقیقت الاشیاء کو آپ اس قدر
تبدیل کرتے تھے کہ بزرگوں سے کم ایسا دیکھنے میں آیا ہے۔ شاید اس سے مراد کرامات ہیں۔
آپ گنجینۂ ہدایت تھے۔ ہزاروں نے آپ کے ہاں سے تربیت پائی اور مرتبہ تکمیل کو پہنچے
لیکن آپ کے اصحاب کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ اصحابِ ہدایت و تمکین ہے دوسرے
گروہ کے لوگ کشف و کرامات ظاہر کرتے ہیں۔ اور لوگوں کے کام کرتے ہیں۔ صاحبِ
نفحات کہتے ہیں کہ آپ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی اولاد پاک میں سے ہیں۔

آپ قصبہ امام عبیدہ کے باشندہ تھے جو ولایت بطائح میں ہے۔ آپ کا خرقہ خلافت پانچ واسطوں سے خواجہ ابوبکر شبلیؒ تک جا ملتا ہے۔ یعنی آپ کو شیخ علی قاریؒ سے اور ان کو شیخ ابوالفضلؒ سے، ان کو شیخ ابوعلی غلامؒ ابن ترکان سے ان کو شیخ علی رودباریؒ سے۔ ان کو شیخ محلے عجمی سے اور ان کو شیخ ابوبکر شبلیؒ سے اور ان کو خواجہ جنید بغدادیؒ قدس سرہ سے ملا۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ آپ کے بھانجے ابوالحسن علی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت شیخ کے ساتھ خلوت میں بیٹھا تھا۔ میں نے کسی شخص کی آواز سنی جب نظر اٹھائی تو میں نے ایک ایسا شخص آپ کے سامنے دیکھا جسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے بعد وہ آدمی خلوت خانہ کے سوراخ سے باہر چلا گیا اور بجلی کی طرح ہوا میں اڑ گیا۔ میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ کون تھا۔ آپ نے پوچھا کہ تم نے اسے دیکھا۔ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ رجال اربعہ (دنیا کے چار اشخاص) میں سے تھا۔ جسے حق تعالیٰ نے بحر محیط کی حفاظت پر تعینات کیا۔ تین دن ہوئے کہ اسے معزول کر دیا گیا ہے۔ لیکن اسے اس کا علم نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا یا حضرت اس کی معزولی کا سبب کیا ہے۔ فرمایا وہ سمندر کے ایک جزیرہ میں مقیم ہے جہاں رات دن بارش ہوتی ہے۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ کاش یہ بارش خشکی میں ہوتی۔ اس کے بعد اس نے اس خیال سے توبہ بھی کی۔ لیکن اس خیال کی وجہ سے اسے معزول کر دیا گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور آپ نے اسے اس بات سے آگاہ کیا ہے۔ فرمایا نہیں۔ مجھے شرم آتی تھی۔ میں نے کہا اگر حکم ہو تو میں اسے آگاہ کر دوں۔ آپ نے فرمایا۔ اپنے گریبان میں دیکھ میں نے سر نیچا کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے آواز سنی کہ اے علی سر اوپر کر میں نے سر اٹھایا تو اپنے آپ کو اس جزیرے میں پایا۔ اس سے مجھے حیرت ہوئی۔ چند قدم آگے بڑھا تو اس آدمی کو دیکھا اور سارا ماجرا اسے سنایا۔ اس نے مجھے قسم دے کر کہا کہ میری گردن میں کپڑا ڈال کر مجھے زمین پر گھسیٹو اور منادی کرو کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو حق تعالیٰ کے کام پہ اعتراض کرتا ہے۔ میں نے اس کی گردن میں کپڑا ڈال کر اسے زمین پر گھسیٹنا چاہا تو ہاتف نے آواز دی کہ علیؒ اسے چھوڑ دو کیونکہ آسمان میں فرشتے اس کے لیے آہ و زاری کر رہے ہیں

حق تعالےٰ اس سے راضی ہوئے ہیں۔ میں نے جب یہ آواز سنی تو بے ہوش ہو گیا جب ہوش میں آیا تو اپنے آپ کو سیدی احمد ابوالحسن رفاعی کی خدمت میں پایا۔ واللہ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس طرح وہاں پہنچا اور کس طرح واپس آیا۔ تکملہ میں منقول ہے کہ ایک دفعہ سید احمد دریا کے کنارے پر مریدین کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بھنی ہوئی مچھلی کی خواہش ہے۔ ابھی آپ نے بات پوری نہیں کی تھی کہ قسم و قسم کی مچھلیاں سطح آب پر نمودار ہوئیں اور کود کود کر کنارے پر گرنے لگیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مچھلیاں مجھ سے درخواست کر رہی ہیں کہ ہم میں سے کچھ کھاؤ۔ اس کے بعد فقرا نے بہت سی مچھلیاں پکڑ کر تیار کیں اور بڑے بڑے دستر خوان پر لگا دیں۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کسی نے دریافت کیا کہ اصحاب متمکن کی کیا صفت ہے آپ نے فرمایا کہ تمام خلق اس کے زیر تصرف ہو۔ اس نے دوبارہ دریافت کیا کہ اس کی علامت کیا ہے۔ فرمایا اگر ان بقیہ مچھلیوں کو حکم دیں کہ اٹھ کر دریا میں واپس چلی جاؤ تو فوراً اللہ کے حکم سے واپس چلی جائیں۔ یہ کہنا تھا کہ تمام بقیہ مچھلیاں زندہ ہو گئیں اور دریا میں کود پڑیں۔ ایک دفعہ کسی نے سیدی احمد سے تعویذ طلب کیا اور کاغذ پیش کیا۔ آپ کی عادت تھی کہ اگر سیاہی نہ ہوتی تو کاغذ ہاتھ میں لے کر بغیر سیاہی کے لکھتے۔ یہ تعویذ بھی اسی طرح لکھا ایک دن آپ کے مریدین صحرا کی طرف چلے گئے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ سیدی احمد کی خدمت میں اتنی مدت رہ کر تجھے کیا حاصل ہوا ہے۔ اس نے کہا جو تمنا تیرے دل میں ہو ظاہر کر پوری ہو جائے گی۔ اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ دوزخ کی آگ سے نجات کا حکم نامہ ابھی آسمان سے اتر کر میرے پاس آ جائے۔ اس نے کہا کہ حق تعالےٰ کے کرم سے دور نہیں۔ اس کے فوراً بعد آسمان سے ایک سفید کاغذ نیچے آیا۔ انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ لیکن اس پر کچھ لکھا ہوا نہیں تھا۔ وہ کاغذ سیدی احمد کی خدمت میں لایا گیا۔ لیکن اپنی طرف سے ان کو اور کوئی حال نہ بتایا۔ جب آپ نے اس کاغذ کو دیکھا حق تعالےٰ کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے سجدہ سے سر اٹھا کر فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا لاانتہا شکر ہے کہ جس نے مجھے میرے اصحاب کو دوزخ سے نجات

پانے کا حکم نامہ اسی دنیا میں دکھایا ہے۔ لوگوں نے کہا یا سیدی! یہ ورق تو سفید ہے اس پر کچھ لکھا ہوا نہیں ہے۔ فرمایا حق تعالے سیاہی سے نہیں لکھتے۔ یہ نور سے لکھا ہوا ہے۔ آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی وفات پنجشنبہ کے دن آٹھویں ماہ جمادی الاوّل ۵۷۹ھ کو ہوئی۔ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه۔

حضرت شیخ عبداللہ صومعیؒ

پیشوائے اہل عباد، مقتدائے ارباب زہاد، عامل بہ شغل اللہ معی، رئیس قوم شیخ عبداللہ صومعی قدس سرہٗ نفحات الانس کے مطابق گیلان کے مشائخ میں سے تھے۔ اور طبقہ زہاد کے سردار تھے۔ آپ کمالات عالی اور کرامات ظاہری کے مالک تھے۔ آپ نے اکثر مشائخ عجم کی صحبت پائی ہے۔ آپ بڑے مستجاب الدعوات تھے (یعنی آپ کی ہر دعا قبول ہوئی تھی) جب آپ غضب ناک ہوتے تو حق تعالے آپ کا ساتھ دیتے اور جو چیز چاہتے تھے حق تعالے عنایت فرماتے تھے۔ اور حق تعالے ہر واقع ہونے والے واقعات کی ان کو پیشگی اطلاع فرما دیتے تھے۔ آپ کے اصحاب کی ایک جماعت تجارت کی خاطر سمرقند گئی ہوئی تھی، راستے میں تیز گھوڑوں پر سوار ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے ان پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے شیخ عبداللہؒ کو یاد کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ شیخ عبداللہؒ ان کے درمیان کھڑے ہوئے یہ فرما رہے ہیں۔ سبّوحٌ قدّوسٌ ربنا اللہ دور شوید اے سواراں (اللہ سبوح ہے قدوس ہے اور ہمارا رب ہے۔ دور ہو جاؤ اے سواروں کی جماعت) یہ سنتے ہی تمام سوار بے اختیار متفرق ہو گئے اور بھاگنے لگے۔ ان میں بعض گھاٹیوں میں جا پڑے اور بعض دُور دُور کی وادیوں میں جا پہنچے اور پھر جمع نہ ہو سکے۔ جب آپ کے اصحاب نے اس مصیبت سے نجات پائی تو حضرت شیخ وہاں سے گم ہو گئے۔ جب گیلان میں واپس جا کر ان لوگوں نے اپنے دوستوں سے یہ قصہ بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ شیخ عبداللہ ہرگز ہم سے غائب نہیں ہوئے۔ آپ کی ایک لڑکی تھی فاطمہؓ نام۔ آپ نے اس کا عقد نکاح حضرت غوث الاعظم

شیخ محی الدین عبدالقادر گیلانی قدس سرہ کے والد ماجد شیخ ابوصالحؒ کے ساتھ کر دیا تھا. جس کے بطن مبارک سے حضرت غوث پاک متولد ہوئے۔ یہ سب آپ کے کمالات ہیں. رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ حماد دیاسؒ

ہمدگی ہدایت، رسیدہ بمقام نہایت، فارغ از رسوم لباس شیخ حماد دیاس قدس سرہ اپنے وقت کے کاملین میں سے تھے اور اکثر مشائخ مثل شیخ محی الدین جیلانیؒ اور شیخ ابو نجیب سہروردیؒ نے آپ سے استفادہ کیا ہے. صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ ناخواندہ (ان پڑھ) تھے لیکن حق تعالے نے آپ پر حقائق و معارف اور کشف کے دروازے کھول دیئے تھے. نفحات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایام جوانی میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ آپ کی صحبت میں رہتے تھے. ایک دفعہ آپ شیخ حمادؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے. جب وہاں سے اٹھ کر باہر جانے لگے تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس عجمی (شیخ عبدالقادر جیلانیؒ) کا ایسا قدم ہے جو اپنے وقت کے تمام اولیا کی گردن پر ہوگا. اور یہ کہنے پر مامور ہوگا کہ قدمی ھذہٖ علی رقبتہ کل ولی اللّٰہ (میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے) اور تمام اولیائے کرام اپنی گردن ان کے سامنے جھکا دیں گے. تکملہ کی بارھویں حکایت میں شیخ ابو نجیب سہروردیؒ لکھتے ہیں کہ ابتدائے حال میں ایک دفعہ میں نے شیخ حماد دیاس کی خدمت میں جا کر شکایت کی کثرت مجاہدہ کے باوجود مجھے کچھ حاصل نہیں ہوتا. آپ نے فرمایا. کل فلاں لباس پہن کر میرے پاس آنا. دوسرے دن صبح میں وہ لباس پہن کر بغداد کے بازار سے گزرتا ہوا آپ کی خدمت میں روانہ ہوا. راستے میں جو شخص مجھے دیکھتا تھا میری ہیئت خاص دیکھ کر حیران ہوتا تھا. جب آپ کی خدمت میں پہنچا. آپ پہلے ہی سے میری انتظار میں کھڑے تھے. پس آپ نے مجھ پر ایسی نظر ڈالی کہ مالا مال کر دیا. اس سے میرے ہوش گم ہو گئے اور زمین پر گر پڑا. اس ایک نظر کا اثر یہ ہوا کہ آج تک میں سیر ہوں. شیخ ابو شجاع تکملہ میں

کہتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ شیخ حمادؒ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے. شیخ نے ان کی طرف ایسی نظر کی کہ گویا شہباز کو شکار کر لیا. شیخ حمادؒ کی نظر کا یہ اثر ہوا کہ شیخ عبدالقادرؒ نے فوراً راہ حق اختیار کر لی اور شیخ حمادؒ کے اصحاب کبار میں سے ہوئے. تکملہ کی تیرھویں حکایت میں لکھا ہے کہ ایک دن شیخ حمادؒ بغداد کے بعض محلوں میں سیر کر رہے تھے کہ ایک امیر کو دیکھا جو شراب سے مست گھوڑے پر سوار جا رہا تھا حضرت شیخ نے اسے نیکی کی تلقین کی. لیکن اس نے آپ کے چابک مار دیا. آپ نے فرمایا یا فرس اللہ غدبہ (اے اللہ کے گھوڑے اسے نیچے پھینک دے) یہ سنتے ہی گھوڑا بجلی کی طرح اڑنے لگا اور سوار سمیت نظروں سے غائب ہوگیا. بعد ازاں جس قدر اسے تلاش کیا گیا کوئی پتہ نہ چلا. آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰے سے ملنے کا قریب ترین راستہ اس کی محبت ہے اور اس کی محبت اس وقت تک خالص نہیں ہوتی جب تک کہ محب روح محض نہیں ہوتا (یعنی جب تک نفسانیت سے فارغ نہیں ہوتا) آپ کی وفات ماہ رمضان ۵۲۵ھ میں ہوئی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت ابو عبداللہ موصلیؒ

آں مقرّب حضرت اِلہٰ، آں از حقائق مطلق آگاہ، آں بالاتفاق ولی. شیخ ابو عبداللہ قصیب البیان موصلی قدس سرہ نہایت قوی حال رکھتے تھے. صاحب نفحات الانس حضرت شیخ ابن العربیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (ابن عربیؒ نے) اپنی بعض کتابوں

میں لکھا ہے کہ اس طائفہ کے بعض بزرگان کو میں نے دیکھا ہے کہ ان کی روحانیت کی صورت انسان کی جسمانیت کی صورت پر متجسّد اور متمثّل ہو جاتی ہے اور اسی صورت متجسّد سے ان کے افعال و احوال سرزد ہوتے ہیں. دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ یہ صورت انسان سے سرزد ہوتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں بزرگ کو میں نے دیکھا کہ یہ کام کرتا تھا وہ کام کرتا تھا. حالانکہ وہ شخص ان افعال سے مبرا ہوتا ہے. ہم نے اس طائفہ

کے بہت بزرگوں سے یہ مشاہدہ کیا ہے اور ابو عبداللہ موصلی جو قصیب البیان کے نام سے مشہور ہیں کا یہی حال تھا اور اس بات سے انکار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ دنیا کے لوگوں کے ساتھ حق تعالےٰ کے بے شمار ایسے بھید ہیں کہ جن کا ادراک عقل بشری سے نہیں ہو سکتا۔ تکملہ کی انہترویں[۶۹] حکایت میں موصل کے قاضی سے نقل کیا گیا ہے قاضی کہتے ہیں کہ میں قصیب البیان کے کثرت اظہار کرامت و مکاشفات سے بدگمان تھا۔ لوگ ان کی کرامت کے متعلق طرح طرح کے قصے میرے سامنے بیان کرتے تھے۔ یہ سن کر میں نے ارادہ کر لیا کہ بادشاہ سے کہہ کر ان کو موصل سے باہر نکلوادوں اور میرے اس ارادہ سے حق تعالےٰ کے سوا کوئی آگاہ نہ تھا۔ ایک دن میں اکیلا موصل کے ایک کوچے میں جارہا تھا کہ اچانک قصیب البیان اپنی مخصوص شکل و صورت میں سامنے ظاہر ہوئے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر اس وقت کوئی آدمی میرے ساتھ ہوتا تو اسے پکڑ والیتا۔ لیکن انہوں نے فوراً اپنی شکل و صورت تبدیل کر لی اور ایک کردکی سی صورت اختیار کر لی (کرد ایک قوم ہے جو موصل کے قریب ایران، عراق اور ترکی سرحد پر آباد ہے) چند قدم چلنے کے بعد اپنی اصلی صورت پر آگئے۔ چند قدم اور چلنے کے بعد ایک فقیہ کی صورت اختیار کر لی اور مجھ سے کہنے لگے کہ اے قاضی یہ چار صورتیں جو تم نے دیکھی ہیں ان میں سے قصیب البیان کون ہے جسے تم سلطان سے کہہ کر موصل سے شہر بدر کرانا چاہتے ہو۔ قاضی کہتے ہیں کہ یہ سُن کر میرے جسم میں طاقت نہ رہی اور میں فوراً ان کے قدموں پر گر گیا اور قدموں کو چوم چوم کر ان سے معافی مانگتا رہا۔ تکملہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن قصیب البیان اپنی خانقاہ سے باہر نکلے تو

ایک صالح فقیر ان کے ساتھ ہو لیے۔ وہ فقیر کہتا ہے کہ تھوڑی دور چلنے کے بعد میں نے ایک شہر دیکھا جو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس شہر کے لوگ عام انسانوں کی طرح تھے۔ سب لوگ آپ کے سامنے ادب سے پیش آئے۔ آپ نے ان کے ساتھ ظہر، عصر، مغرب عشاء اور فجر کی نماز ادا کی۔ دوسرے دن ہم واپس روانہ ہوئے۔ کھانے پینے کا کوئی سامان،

ہمارے پاس نہ تھا۔ کچھ دور جانے کے بعد ہمارے سامنے قسم قسم کے میوے حلوے اور نہایت لطیف پانی لایا گیا اور ہم نے مزے سے کھائے۔ اس کے بعد ہم نے پوچھا کہ یا سیدی! یہ کون سا شہر تھا۔ فرمایا میرے بھائی! یہ ایک شہر ہے جو دریائے ہند (سندھ) کی دوسری طرف واقع ہے۔ اس شہر کے سب لوگ مسلمان ہیں اور روزانہ ایک ولی اللہ کو حکم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ جا کر نماز ادا کرے۔ اگر مجھے اجازت نہ ہوتی تو تمہیں ہرگز ساتھ نہ لے جاتا۔ نفحات میں لکھا ہے کہ ایک دن کسی نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے شکایت کی قصیب البان نماز نہیں پڑھتے۔ آپ نے فرمایا وہ کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ خانہ کعبہ میں سربسجود رہتا ہوں۔ آپ کا سن وفات نظر سے نہیں گزرا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ابوالعباس بن عریفؒ

ہمدم نسیم وصال، واقف اسرارِ جلال و جمال بحق بے وسواس شیخ ابوالعباس قدس سرہٗ کا شمار محققین مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ کا اسم گرامی احمد بن محمد ہے۔ آپ علوم ظاہری کے عالم اور عارفِ منتہی تھے (اگرچہ قرب حق میں کوئی انتہا نہیں ہے۔ لیکن تصوف کی اصطلاح میں منتہی انہیں کہتے ہیں جو فنافی اللہ سے گذر کر بقا باللہ اور عبدیت کے مقام پر پہنچ چکے ہوں۔ اس مقام پر عارف کبھی سیرِ عروجی میں مشغول ہوتے ہیں۔ کبھی نزول کر کے عبدیت کے فرائض انجام دیتے ہیں اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے) نفحات میں لکھا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے شیخ

ابوعبداللہ المغزالیؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں اپنے شیخ ابن عریفؒ کی خدمت سے باہر آیا اور صحرا میں سیر کر رہا تھا کہ صحرا کا ہر درخت اور گھاس مجھ سے یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے لے لو میں فلاں بیماری کا علاج ہوں اور فلاں تکلیف کو رفع کرتا ہوں۔ یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی اور حضرت شیخ (ابن عریفؒ) کی خدمت میں واپس جا کر سارا حال عرض کیا۔ شیخ نے فرمایا ہم نے تمہاری تربیت اس کام کے لیے نہیں کی۔ حقیقی نفع یا نقصان پہنچانے والا حق

سبحانہٗ تعالےٰ ہے۔ جب درخت اور گھاس اپنے نفع و ضرر کی تجھے خبر دیں تو حق سبحانہٗ تعالےٰ کے ذکر سے غافل نہ ہونا۔ بلکہ ہر وقت حق کے ساتھ مشغول رہنا۔ میں نے عرض کیا یا سیدّی! اس قسم کی کرامات سے میری توبہ ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ حق تعالےٰ نے تیری آزمائش کی اور میں نے حق تعالےٰ کی جانب تیری راہنمائی کر دی ہے اب تمہاری توبہ کے قبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ تم پھر اس مقام پر جاؤ اور وہ درخت اور گھاس تجھ سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ آپ وہاں دوبارہ تشریف لے گئے اور درختوں سے کوئی بات نہ سنی۔ اس پر آپ نے حق تعالےٰ کے لیے سجدہ شکر ادا کیا اور اپنے شیخ کی خدمت میں جا کر ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تمام حمد و شکر حق تعالےٰ کے لیے ہے کہ جس نے تجھے اپنی درگاہ میں قبول کر لیا اور مخلوق کی جانب متوجہ نہ ہونے دیا۔ نفحات میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب شیخ ابو العباس بن عریفؒ کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تو بادشاہ وقت کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ اس نے حکم دے دیا کہ ان کو میرے سامنے پیش کرو۔ لیکن راستے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے پہنچنے سے پہلے بادشاہ مرگیا۔ آپ کی وفات ۵۳۶ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ حکیم سنائی غزنویؒ

آں عارف بے گماں، آں عاشق بے نشاں، آں محرم اسرارِ صوری و معنوی،

مقتدائے وقت خواجہ حکیم سنائی قدس سرہٗ کی کنیت ابو المجد اور نام مجد الدین بن آدمؒ ہے۔ آپ خواجہ ابو یعقوب یوسف ہمدانیؒ کہ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کے مرید تھے مولانا جامی فرماتے ہیں کہ آپ کا طائفہ صوفیہ کے بڑے بڑے شعرا میں شمار ہوتا ہے اور اکثر اولیائے کرام نے آپ کا کلام اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ سیر الاولیا میں ہمارے خواجگانِ چشت کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ حضرت مولانا رومؒ نے فرمایا کہ عطار رخواجہ فرید الدین عطارؒ) روح تھے اور سنائی ان کی آنکھیں تھے اور ہم عطار اور سنائی کے

بعد آئے ہیں۔ صاحب نفحات (مولانا جامیؒ) فرماتے ہیں کہ آپ کی کتاب حدیقۃ الحقائق آپ کے شعر و سخن ذوق و شوق اور توحید و معرفت کے وجد و تواجد پر دلیلِ قاطع ہے۔ آپ کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ سلطان محمود غزنوی نے سردی کے موسم میں کفّار پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا اور غزنی سے باہر جا رہے تھے کہ راستے میں حکیم سنائیؒ سلطان کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کرنے آ رہے تھے۔ اتفاقاً وہ شراب خانہ کے دروازے سے گزرے۔ جہاں ایک مجذوب بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ حکیم سنائیؒ نے باہر سے سنا کہ مجذوب ساقی سے کہہ رہا تھا کہ شراب کا پیالہ بھر محمود غزنوی کی قبر سے تاکہ میں پیوں۔ ساقی نے کہا محمود غازی ہے جو ابھی کفر پر حملہ آور ہونے کے لیے جا رہا ہے۔ مجذوب نے ایک پیالہ اٹھایا اور پی لیا۔ اس کے بعد کہا کہ دوسرا پیالہ بھر دے سنائی شاعر کی قبر سے۔ ساقی نے کہا سنائی مردِ فاضل و لطیف طبع ہے۔ مجذوب نے کہا اگر وہ لطیف طبع ہوتا تو ایسے کام میں مشغول ہوتا جس سے اسے کچھ فائدہ ہوتا۔ اس نے چند سطریں کاغذ پر لکھ کر دی ہیں جو کسی کام نہیں آتیں۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ حق تعالےٰ نے اسے کس کام کے لیے پیدا کیا ہے۔ جب حکیم سنائیؒ نے یہ بات سنی تو اس کی حالت متغیّر ہو گئی اور غفلت ترک کر کے خواجہ یوسف ہمدانیؒ کی خدمت میں سلوک کی تربیت شروع کر دی اور تمام علائقِ دنیا سے منقطع ہو کر ترک و تجرید کی زندگی بسر کرنے لگے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں کہ حکیم سنائیؒ حالت نزع میں زیرِ لب کچھ کہہ رہے تھے۔ لوگوں نے کان ان کے منہ پر لگا کر سنا تو یہ شعر کہہ رہے تھے۔ شعر:

بازگشتم زانچہ گفتم زانکہ نیست   در سخن معنی و در معنی سخن

(جو کچھ شعر کی صورت میں میں نے کہا ہے اس سے باز آیا۔ کیونکہ نہ میرے سخن میں کوئی معنی ہے اور نہ معنی میں سخن) ایک شخص نے یہ سن کر کہا عجیب بات ہے کہ موت کے وقت شعر و شاعری سے باز آ رہے ہیں۔ لیکن شعر کے ذریعہ باز آ رہے ہیں۔ آپ کے کمالات آپ کے کلام سے ظاہر ہیں۔ چنانچہ آپ کے کلام میں سے چند ابیات یہاں لکھے

جاتے ہیں ؎

(۱) بس کہ شنیدی صفت روم و چین ‌ ‌ ‌ ‌ خیز و بیا ملک سنائی بہ بیں
(۲) تا ہمہ دل بینی و بے حرص و بخل ‌ ‌ ‌ ‌ تا ہمہ جاں بینی و بے کبر و کیں
(۳) زر نہ و کانے ملکی زیر دست ‌ ‌ ‌ ‌ جو نہ اسپ فلکے زیر زیں
(۴) پائے نہ و چرخ بزیر قدم ‌ ‌ ‌ ‌ دست نہ و ملک بزیر نگیں

(۱) تم نے روم اور چین کی بہت تعریف سنی ہے۔ اٹھ کر آ اور سنائی کا ملک بھی دیکھ (۲) جو کچھ تجھے نظر آئے گا خالص دل ہوگا۔ بغیر حرص اور بخل کے اور خالص روح ہوگی بے کینہ و تکبّر (۳) اس کے پاس سونا چاندی نہیں ہے۔ لیکن افلاک کا گھوڑا اس کی ران کے نیچے ہے (۴) اس کے قدم نہیں ہیں لیکن آسمان اس کے قدم کے نیچے ہے ہاتھ نہیں ہیں لیکن سلطنت اس کے زیر نگیں ہے یعنی خلیفۃ اللہ ہونے کی حیثیت سے پوری کائنات پر اس کا حکم چلتا ہے) دیگر

(۱) اے نیست شدہ ذاتِ تو در پردۂ ہست ‌ ‌ ‌ ‌ وے صومعہ ویراں کن از نار پرست
(۲) مردانہ کنوں چو عاشقاں مے در دست ‌ ‌ ‌ ‌ گرد درِ کفر گرد و گرد سر مست

(۱) اے کہ پردۂ ہستی میں تیری ذات نیست ہو چکی ہے۔ عبادت خانہ ویران کر کے آگ سے خلاصی پا (۲) عاشقوں کی طرح مردانہ وار شراب کا پیالہ ہاتھ میں لے اور کفر کے دروازے کے گرد گردش کر)

(۱) اے مومن بتو زندہ ہمچو مردم بے نفس ‌ ‌ ‌ ‌ در کار تو کردہ دین و دنیا بہوس
(۲) کرمت بینم چو بنگرم با ہمہ کس ‌ ‌ ‌ ‌ مردے ہمہ از برائے من داری و بس
(۱) مردے کہ براہ عشق جاں فرساید ‌ ‌ ‌ ‌ باید کہ بہ دو ن یار خود نگراید
(۲) عاشق برہ عشق چناں مے باید ‌ ‌ ‌ ‌ کز دوزخ و بہشت یادش نہ آید

(۱) وہ شخص جو عشق میں جان مارتا ہے۔ اسے چاہیے کہ دوست کے سوا کسی چیز کی خواہش نہ کرے (۲) عاشق کو عشق کے کوچہ میں ایسا ہونا چاہیے کہ اُسے دوزخ و بہشت یاد نہ رہے)

آپ کا ایک قصیدہ بھی ہے جس میں ایک سو اسی شعر سے کچھ زیادہ اشعار ہیں اسے رموز الانبیاء اور کنوز الاولیاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں آپ نے بڑے حقائق و معارف بیان کئے ہیں۔ قصیدہ کی ابتدا یوں ہے۔ قصیدہ

(۱) طلب عاشقاں خوش رفتار　　طرب نیکواں شیریں کار

(۲) تاکہ از خانہ بینی رہ صحرا　　تا کے از کعبہ بینی در خمار

(۳) درجہاں شاہدے و ما فارغ　　در قدح جرعہ و ما ہوشیار

(۱) عاشقان خوش رفتار اپنی طلب میں مست ہیں اور نیک لوگ اپنی نیکی میں خوش ہیں (۲) لیکن گھر میں بیٹھے ہوئے صحرا کا راستہ کیسے پاؤ گے اور کعبہ میں بیٹھے ہوئے میخانہ کس طرح پہنچو گے (۳) جہاں محبوب جلوہ گر ہے لیکن ہم محروم ہیں۔ پیالے میں شراب موجود ہے لیکن ہم ہوشیار ہیں۔ یعنی شراب سے محروم بیٹھے ہیں (غرضیکہ آپ کے اشعار بہت دلربا اور مشکل کشا ہیں۔ لیکن طوالت کی خاطر اس مختصر کتاب میں درج نہیں کئے جاتے آپ کی آخری تصنیف حدیقۃ الحقائق ہے۔ آپ نے اپنی وفات کی تاریخ نظم میں لکھی ہے جو ۵۲۵ھ ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۶

در بیان مجلسے از احوال حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ و حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہم

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ

آں امام اربابِ طریقت، آں پیشوائے اولیائے حقیقت، آں دائم بہ مقام مشاہدہ افزونی قطبِ ارشاد حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ اہل بصرت کے مقتدا تھے۔ اور اس طائفہ کے مختشمان میں سے تھے۔ آپ تمام علوم ظاہری و باطنی میں کمال رکھتے تھے۔ اور ریاضت و مجاہدات میں بے نظیر تھے۔ آپ نے خرقۂ خلافت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ سے حاصل کیا۔ آپ کا اصلی وطن خراسان ہے اور آپ قصبہ ہارون کے رہنے والے تھے جو نیشاپور کے قریب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہارون ولایت فرغانہ یعنی ماورا النہر میں ایک قصبہ کا نام ہے۔ لیکن آپ اکثر سفر میں رہتے تھے اور نہایت تجرید و تفرید میں زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ نے اپنے وقت کے تمام مشائخ کی صحبت پائی ہے اور ان سے فیوض حاصل کئے ہیں۔ آپ ہر فن میں منتہی تھے۔ اور نہایت قوی تصرف رکھتے تھے۔ آپ کی ولایت کے کمالات کا اس بات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری ثم اجمیری قدس سرہٗ جیسے شاہباز آپ کے مرید تھے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا معین الدین حق تعالےٰ کا محبوب ہے اور مجھے ان کی مریدی سے فخر حاصل ہے خواجہ بزرگؒ انیس الارواح میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے شہر بغداد میں خواجہ جنیدؒ کی مسجد میں سید العابدین، بدر العارفین شیخ الاعظم خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کی دولتِ پابوسی نصیب ہوئی۔ اس وقت بڑے بڑے مشائخ آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس درویش نے آپ کے پاؤں پر سر رکھا۔ آپ نے فرمایا دوگانہ نماز ادا کرد

میں نے دوگانہ پڑھا۔ آپ نے فرمایا قبلہ رو ہو کر بیٹھو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی پھر فرمایا کہ سورہ بقر مکمل پڑھو۔ میں نے پڑھی۔ فرمایا بیس بار کلمہ سُبحان اللہ پڑھو۔ میں حکم بجالایا۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور منہ آسمان کی طرف کر کے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا آؤ میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنے دست مبارک سے میرے سر پر قینچی چلائی اور کلاہ چار ترکی اس درویش کے سر پر رکھی۔ گلیم خاص عطا فرمائی اور فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ فرمایا سورہ اخلاص ایک ہزار بار پڑھو۔ میں نے تعمیل کی۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے سلسلہ میں ایک دن رات کا مجاہدہ ہے۔ آج کا دن اور رات مشغولی میں گذارو۔ اس درویش نے آپ کے فرمان کے مطابق طاعت اور شغل باطن میں یہ وقت بسر کیا۔ دوسرے دن حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا بیٹھو۔ میں بیٹھ گیا۔ فرمایا اوپر دیکھو۔ میں حکم بجالایا۔ آپ نے فرمایا کہاں تک نظر جاتی ہے۔ عرض کیا عرشِ اعظم تک۔ فرمایا زمین کی طرف دیکھو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ فرمایا کہاں تک دیکھ سکتے ہو۔ عرض کیا تحت الثریٰ تک۔ اس کے بعد فرمایا ایک ہزار بار سورہ فاتحہ پڑھو۔ میں نے پڑھا۔ فرمایا پھر آسمان کی طرف دیکھو۔ میں نے اوپر دیکھا۔ فرمایا کہاں تک دیکھ سکتے ہو۔ عرض کیا کہ حجاب عظمت تک۔ پھر فرمایا کہ آنکھیں بند کرو میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ فرمایا آنکھیں کھولو۔ میں نے کھول دیں۔ آپ نے اپنی دو انگلیاں میرے سامنے کیں۔ فرمایا کیا دیکھتے ہو میں نے عرض کیا اٹھارہ ہزار جہان انگلیوں کے درمیان دیکھ رہا ہوں۔ پس آپ نے فرمایا جاؤ تمہارا کام ہو گیا۔ آپ کے سامنے ایک اینٹ پڑی تھی۔ فرمایا اسے توڑ دو۔ میں نے اینٹ کو توڑا تو مٹھی بھر سنہری دینار بن گئے۔ فرمایا یہ لے جاؤ اور درویشوں میں صدقہ کرو۔ جب میں خیرات کر کے خدمت اقدس میں واپس آیا تو آپ نے فرمایا کہ چند یوم میری صحبت میں رہو۔ میں نے عرض کیا کہ حکم کی تعمیل کروں گا۔ اس کے بعد آپ کعبۃ اللہ کی طرف سفر پر روانہ ہو گئے جب کعبہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا وہاں بھی آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور خدا تعالےٰ کے سپرد کیا اور میزاب رحمت (کعبۃ اللہ کا پرنالہ جہاں ہر دعا قبول ہوتی ہے) کے نیچے

کھڑے ہو کر میرے لیے دعا مانگی۔ آواز آئی کہ "معین الدین سنجری کو ہم نے قبول کیا۔ وہاں سے ہم مدینہ منورہ گئے۔ جب روضۂ اطہر پر حاضر ہوئے تو آپ نے حکم دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرو۔ میں نے سلام عرض کیا تو اندر سے آواز آئی "وعلیک السلام یا قطب المشائخ" (یعنی تم پر سلام ہو اے مشائخ کے قطب) جب یہ آواز آئی تو آپ نے فرمایا جاؤ کمالات کو پہنچ گئے۔ اس کے بعد وہاں سے سیر کرتے ہوئے بدخشاں پہنچے وہاں خواجہ جنید بغدادیؒ کے خاندان سے ایک بزرگ رہتے تھے۔ جن کی عمر ایک سو چالیس سال تھی۔ ان کی زیارت سے مشرف ہوئے اور عجیب صحبت پائی۔ وہاں سے بخارا گئے اور وہاں کے بزرگان کی زیارت کی ان میں سے ہر بزرگ ایسی شان رکھتا تھا جو دائرہ تحریر سے باہر ہے۔ اسی طرح دس سال تک حضرت خواجہ کی خدمت میں شریک سفر رہا۔ اس کے بعد بغداد پہنچ کر آپ معتکف ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد پھر سفر پر روانہ ہو گئے اور مزید دس سال تک سفر میں رہے۔ حتیٰ کہ بیس سال پورے ہو گئے۔ اس دوران میں یہ درویش ہمیشہ حضرت خواجہ کا بستر اور کوزہ اٹھائے رہتا تھا۔ بیس سال کے بعد آپ نے بغداد میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور اس درویش کو حکم ہوا کہ ہم باہر نہیں آئیں گے لیکن روزانہ چاشت کے وقت آجایا کرو اور ہم تجھے فقر کی تعلیم دیں گے۔ تاکہ یادگار رہے۔ اس درویش نے اسی طرح کیا۔ چنانچہ کتاب انیس الارواح میں خواجہ بزرگؒ نے اپنے شیخ کے ملفوظات اٹھائیس مجالس میں جمع کیے ہیں۔ اس میں سے صرف ایک مجلس کا ذکر تبرکاً کیا جاتا ہے

تیسری مجلس

شہروں کی خرابی کے متعلق بات ہو رہی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ آخری زمانے میں گناہوں کی شامت سے شہر خراب ہو جائیں گے۔ خواجہ قطب الدین مودود چشتی قدس سرہٗ نے مجھ سے فرمایا کہ ایک دفعہ میں سمرقند کی طرف سفر کر رہا تھا۔ وہاں ایک بزرگ رہتے تھے۔ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ جب یہ آیت

نازل ہوئی قال اللہ تعالیٰ وان من قریۃ الا نحن مہلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذبوھا عذاباً شدیدا کان ذالک فی الکتاب مسطورا (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا شہر یا بستی نہیں کہ جسے ہم تباہ نہیں کرتے۔ یوم قیامت سے پہلے یا سخت عذاب نازل کرتے ہیں سخت عذاب اور یہ چیز لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے) پس مکہ کو حبشی ویران کریں گے۔ مدینہ قحط سے ویران ہو جائے گا۔ اور خلقت بھوکوں مرجائے گی۔ بصرہ اور عراق شراب خوری کی شامت سے تباہ ہوں گے اور بلخ (ٹڈی) آسمان سے وارد ہوگی۔ روم لواطت کی وجہ سے تباہ ہوگا۔ آسمان سے ایک آندھی آئے گی۔ سب لوگ سوئے ہوئے ہوں گے اور سب سور اور کتے بن جائیں گے۔ خراسان سے بلخ تک سارا علاقہ اسلیئے تباہ ہوگا کہ اہل تجارت خیانت کریں گے اور مسلمان مردار خور بن جائیں گے۔ خوارزم اور اس کے گرد ونواح کے علاقے مزامیر (گانے بجانے) کی شامت سے خراب ہوں گے۔ اور لوگ ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے اور ہلاک ہوں گے۔ سیستان میں تند وتیز آندھیوں اور زلزلوں کی وجہ سے پہاڑ پارہ پارہ ہو جائیں گے اور لوگ نیست ونابود ہو جائیں گے۔ مصر اور دمشق اس وجہ سے تباہ ہوں گے کہ آخری زمانے میں لوگ عورتوں کو تختہ دار پر لٹکائیں گے اور کہیں گے کہ یہ فاطمہ ہے۔ ان کے منہ میں خاک۔ پس حق تعالیٰ ان سب کو زمین میں دھنس کر ہلاک کر دے گا۔ اور سندھ کی ویرانی ہند کی وجہ سے ہوگی اور ہند کی ویرانی سندھ کی وجہ سے۔ جب شراب خوری اور زنا کی کثرت ہو جائے گی تو حق تعالیٰ آندھی کو حکم دے گا جو سب کو ہلاک کر دے گی۔ پھر فرمایا کہ جب شہر اس طرح تباہ ہو جائیں گے تو محمد بن عبداللہ علیہ السلام (مہدی آخر الزماں) باہر آئیں گے اور شرق سے غرب تک عدل کریں گے اور حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) آسمان سے نیچے آئیں گے۔ اس وقت دین اسلام کا غلبہ ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اسوقت دن بہت چھوٹے ہو جائیں گے اور شاید ایک وقت نماز پڑھی جا سکے۔ اس وقت سال مہینے کی طرح، مہینہ ہفتے کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح ہوگا اور دن ایک وقت کی نماز کے

برابر ہوگا۔ یہ کہہ کر حضرت خواجہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا اے درویش لوگوں کو چاہئے کہ اب سال، ماہ، ہفتہ اور دن کو آخیر وقت سمجھیں کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو چار سو سال سے کچھ زائد عرصہ گذرا ہے کہ آدمیوں سے کتے کے بچے پیدا ہو رہے ہیں حضرت خواجہ بزرگ آخری مجلس کے اختتام پر فرماتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ نے یہ فوائد ختم کئے عصا اس درویش کو عطا فرمایا اور مصلےٰ اور خرقہ بھی عنایت فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ ہمارے خواجگان کی یادگار ہے۔ یہ لو اور جس کو لائق سمجھو دے دینا۔ جب حضرت خواجہ نے یہ فوائد تمام کئے تو مشغول ہو گئے اس درویش نے اپنا چہرہ زمین پر رکھا اور رخصت ہو گیا۔ الحمد للہ علی کل حال رہر حال پر اللہ تعالےٰ کا شکر ہے، خواجہ بزرگؒ نے سورہ فاتحہ کی اکثر مقامات پر بہت فضیلت بیان فرمائی ہے۔ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ خواجہ بزرگؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کی خدمت میں مسافر تھا۔ ہم دریائے دجلہ کے کنارے پر پہنچے کشتی نہ تھی۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا آنکھیں بند کر د۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور بلا تکلف آپ کے ساتھ پانی پر چلتا گیا۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ یہ کس طرح ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے پانچ دفعہ سورہ فاتحہ پڑھی۔ سیر الاولیاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن ایک بوڑھا آدمی نہایت پریشان حالت میں حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ چالیس سال سے میرا لڑکا گم ہے۔ مجھے اس کے مرنے جینے کی کوئی خبر نہیں۔ آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا کہ آپ اس کے لیے فاتحہ پڑھیں۔ آپ نے سر نیچے کیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر حاضرین مجلس سے فرمایا کہ سب لوگ اس نیت سے فاتحہ پڑھو کہ اس کا لڑکا واپس آ جائے۔ جب سب نے فاتحہ پڑھی تو آپ نے اس آدمی سے فرمایا کہ گھر جاؤ تمہارا لڑکا آ گیا ہوگا۔ جب وہ گھر گیا تو لڑکا پہلے موجود تھا۔ اسے لے کر حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا جب اس سے احوال دریافت کیے گئے تو اس نے بتایا کہ مجھے لوگوں نے ایک جزیرے میں زنجیروں سے جکڑ رکھا تھا۔ حضرت خواجہؒ کی شکل کے ایک بزرگ میرے نزدیک آئے۔ انہوں نے زنجیروں پر نگاہ ڈالی تو وہ ٹوٹ کر گر پڑیں اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ

کر اپنے گھر پہنچایا۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ خواجہ بزرگؒ فرماتے ہیں کہ میرا ایک ہمسایہ تھا جو حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کا مرید تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو ہم نے اس کا جنازہ پڑھا اور دفن کرنے کے لیے قبرستان لے گئے۔ دفن کرنے کے بعد جب سب لوگ واپس چلے گئے تو میں اس کی قبر پر مراقب ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ عذاب کے فرشتے پہنچ گئے ہیں۔ لیکن خواجہ عثمان ہارونیؒ فوراً وہاں پہنچ گئے اور فرشتوں سے کہا کہ یہ میرا مرید ہے۔ اس پر عذاب نہ کرو۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ خواجہ عثمان ہارونیؒ سے کہو کہ یہ شخص آپ کے برخلاف تھا۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا بیشک وہ میرے برخلاف تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو میرے حلقے میں باندھ لیا ہے۔ اس کے بعد فرشتوں کو حکم ہوا کہ اسے چھوڑ دو عثمانؒ کا مرید ہے۔ ہم نے اسے ان کی بدولت بخش دیا۔

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ جب خواجہ بزرگؒ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ سے رخصت ہو کر روانہ ہو گئے تو چند روز کے بعد خواجہ عثمان ہارونیؒ محبت کے غلبہ سے جو ان کو اپنے پیارے مرید سے تھی ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ اتفاقاً ان کا ایسی جگہ سے گذر ہوا جہاں آتش پرست آباد تھے۔ ان کا ایک آتش کدہ تھا۔ جس پر انہوں نے گنبد بنایا تھا۔ اس میں روزانہ کئی سو من لکڑی جلتی تھی۔ حضرت خواجہؒ نے وہاں سے دور

ایک درخت کے نیچے ندی کے کنارے قیام فرمایا۔ آپ نے اپنے خادم فخرالدین کو حکم فرمایا کہ اس قصبہ سے کچھ آٹا اور آگ لے آؤ تاکہ افطار کے لیے روٹی پکائی جائے۔ خادم نے آٹا خریدا لیکن آتش پرستوں نے جو آگ کے گرد بیٹھے تھے آگ دینے سے انکار کر دیا۔ خادم نے حضرت خواجہ علیہ رحمۃ کی خدمت میں جا کر ماجرا بیان کیا۔ آپ کے دل میں اسلامی غیرت نے جوش مارا۔ آپ فوراً آتش کدہ کے کنارے پر پہنچے جہاں آتش پرستوں کا سردار مختار نامی اپنے سات سالہ بچے کو گود میں لیے تخت پر بیٹھا تھا اور اس کے گرد تمام آتش پرست بیٹھے آگ کی پوجا کر رہے تھے۔ حضرت خواجہؒ نے آتش پرستوں کے سردار سے کہا کہ جو آگ تھوڑے پانی سے ختم ہو جاتی ہے اسے پوجنے کا کیا

فائدہ۔ خالق مطلق کی پرستش کیوں نہیں کرتے جو تمہارے کام بھی آسکے۔ کیونکہ یہ آگ وغیرہ سب اس کی مخلوق ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہمارے مذہب میں آگ کا بڑا درجہ ہے۔ اس لیے ہم اس کی پوجا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اتنے سال ہو گئے ہیں تم لوگ اس کی پوجا کر رہے ہو۔ آؤ اس کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھو کر تمہیں جلاتی ہے یا چھوڑ دیتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جلانا آگ کی خاصیت ہے کسی کی کیا مجال کہ اس کے قریب جا سکے۔ آپ نے اس کی گود سے بچہ کھینچ لیا اور اٹھا کر آگ کی طرف دوڑے یہ دیکھ کر آتش پرست فریاد کرنے لگے۔ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر آیۂ پاک قل یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم (اے آگ ابراہیمؑ پر ٹھنڈی ہو اور سلامتی بن جا) پڑھی اور آگ کے اندر چلے گئے اور کامل چار گھنٹے وہاں ٹھہرے رہے لیکن آپ کا اور بچّے کا ایک بال بھی نہ جلا۔ اس کے بعد آتش پرستوں نے بچّے سے پوچھا کہ وہاں تم نے کیا دیکھا۔ بچے نے جواب دیا کہ وہاں گل و گلزار کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خواجہؒ کی ولایت ابراہیمی تھی۔ آپ کی یہ کرامت دیکھ کر تمام آتش پرست یکبارگی مسلمان ہو گئے۔ آپ نے مختا کا نام عبداللہ اور اس کے لڑکے کا نام ابراہیم رکھا۔ اور دونوں کی تربیت فرمائی حتیٰ کہ دونوں ولایت اور ارشاد کے درجہ تک پہنچ گئے۔ خلافت پائی اور مجاز ہوئے۔ سیر العارفین کے مصنف لکھتے ہیں کہ میں نے وہ جگہ دیکھی ہے اور معتبر لوگوں سے میں نے تحقیق کی ہے کہ آپ ڈھائی سال اس مقام پر قیام پذیر رہے اور عبداللہ اور ابراہیم کی تربیت فرمائی۔ مسلمان ہونے کے بعد آتش پرستوں نے آتش کدہ کی بجائے ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کر لی اور عبداللہ اور ابراہیم کے مقبرے بھی وہاں موجود ہیں۔

گنج الاسرار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کو حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدینؒ سے اس قدر محبت تھی کہ ان سے ملاقات کے لیے آپ دہلی تشریف لائے اور چند روز دونوں بزرگان دہلی میں اکھٹے رہے ہیں۔ لیکن یہ روایت بہت ضعیف ہے کیونکہ کتاب گنج الاسرار اور دیگر رسالے مجاوروں نے جمع کیے ہیں۔ لہٰذا معتبر

نہیں ہیں. حضرت خواجہ نصیر الدین اودھیؒ (چراغ دہلی) نے بھی اس روایت سے انکار فرمایا ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ طویل سفر کے بعد آخر عمر میں پھر مکہ معظمہ جاکر معتکف ہو گئے آپ نے حق تعالیٰ سے دو دعائیں مانگی تھیں. ایک یہ کہ آپ کی قبر مکہ معظمہ میں ہو اور اس کا ہمیشہ نشان باقی رہے تاکہ فاتحہ کا ثواب ملتا رہے۔ کیونکہ کعبہ شریف میں یہ رسم ہے کسی قبر کا نشان نہیں چھوڑتے اور خاک کے ساتھ برابر کر دیتے ہیں۔ دوسری دعا آپ نے یہ مانگی کہ میرے فرزند معین الدینؒ نے مدت دراز تک مقام تجرید و تفرید میں بندہ کی خدمت کی ہے اسے وہ ولایت عطا ہو کہ کسی اور کو اس قسم کی ولایت عطا نہ ہوئی ہو. ہاتف نے آواز دی کہ تمہاری قبر مکہ میں ہوگی اور اس کا نشان کوئی نہیں مٹا سکے گا۔ اور معین الدینؒ کو ہندوستان کی وہ ولایت عطا ہوگی جو آج تک ہم نے کسی اہل اسلام کو نہیں دی. لیکن اسے چاہیے کہ پہلے مدینہ جائے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت سے ہند کی ولایت میں جاکر تصرف کرے۔ پس خواجہ عثمان ہارونیؒ نے سجدۂ شکر الٰہی ادا کیا اور مشائخ عظام کی سب امانت مع اسمائے معظم و خرقۂ خلافت حضرت خواجہ معین الدینؒ قدس سرہٗ کو عطا فرمائی اور مدینہ منورہ کی طرف رخصت فرمایا. جب خواجہ بزرگؒ حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوئے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمال مہربانی سے پیش آئے اور ہندوستان کی ولایت آپ کے حوالہ فرمائی. اس کے بعد فرمایا کہ تمہارا مسکن اجمیر مقرر ہوا ہے۔ وہاں جاکر رہو اور تمہارے وہاں پہنچنے کے بعد ہندوستان میں اسلام کی بہت ترقی ہوگی. چنانچہ یہی ہوا. کیونکہ آپ سے پہلے بہت شاہان اسلام نے ہندوستان جاکر بہت کوششیں کیں لیکن کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی. چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں

۱؎ آپ کی قبر آج تک مکہ معظمہ میں سابق شریف مکہ شریف حسین کے محل میں موجود ہے. بندہ مترجم مولانا و مرشدنا حضرت سید محمد ذوقی شاہ قدس سرہ کی معیت میں حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ قدس سرہ کی قبر کی زیارت سے ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں مشرف ہوا اور فاتحہ پڑھی. قبر مبارک محل کے صحن میں ہے اور کسی نے اس کے گرد لکڑی کا چبوترہ لگا دیا ہے. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو چکا ہے.

مفصل اس کا ذکر موجود ہے اور اس کا مجمل ذکر ہم نے خواجہ ابو محمد چشتیؒ کے حالات میں کر دیا ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے خواجہ بزرگؒ کی تشریف آوری کے بعد ہندوستان کے راجہ رائے پتھورا (پرتھوی راج) کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور اس کی جگہ سلطان فخر الدین سام (سلطان شہاب الدین غوریؒ) کو شاہ ہندوستان مقرر فرمایا اور اسلام کو بہت ترقی حاصل ہوئی۔ جیساکہ اظہر من الشمس ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے بقیہ عمر مکہ معظمہ میں بسر فرمائی اور ہمیشہ خواجہ بزرگؒ کی کامیابی کے لیے حق تعالیٰ سے دعا مانگتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کو اطمینان ہو گیا اور چھ شوال ۶۱۷ھ کو رحلت فرمائی اور مکہ معظمہ میں دفن ہوئے چنانچہ آج تک آپ کی قبر زیارت گاہ خلق بنی ہوئی ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

غوث الاعظم محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

آں محقق و متصرف برہمہ مقامات، غوثِ وقت محبوب سبحانی، پیشوائے عالم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ بن ابی صالح موسیٰ بن ولی عبداللہ بن زاہد بن محمد سیف اللہ بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ محض، بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؓ بن علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، کی والدہ ماجدہ ام الخیر فاطمہؓ بنت شیخ عبداللہ صومعیؒ تھیں۔ آپ مقتدائے مشائخ گیلان میں سے تھے۔ اسی طرح آپ کو بعض لوگ گیلانی کہتے ہیں۔ لیکن آپ کا حقیقی مسکن قصبۂ جیال تھا اور تاریخ یافعی میں لکھا ہے کہ اس قصبہ کا نام جَیل تھا جو نہایت پرفیض مقام ہے۔ یہ قصبہ کوہ جودی کے دامن میں واقع ہے۔ جودی وہ پہاڑ جس پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جا ٹھہری تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ (اور کشتی نوح نے، جودی پر قرار پکڑا) جیل یا جیال بغداد سے ہفت روزہ مسافت ہے۔ اسی نسبت سے آپ کو جیلی یا جیلانی کہتے ہیں آپ کو خرقہ خلافت تین بزرگوں سے حاصل ہوا۔ ایک اپنے والد بزرگوار کی طرف سے دوم حضرت شیخ ابو سعید مخذومی رحمۃ اللہ علیہ سے جن کی نسبت خرقہ پانچ واسطوں سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ تک جا پہنچتی ہے۔ ایک خرقۂ خلافت آپ کو تاج العارفین شیخ

ابوالوفا بغدادی سے بھی ملا ہے۔ ابتدائے حال میں آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے بھی تربیت حاصل کی۔ توکل اور تجرید میں جس قدر مجاہدات اور ریاضات آپ نے کیے ہیں کسی اور بزرگ نے نہیں کیے۔ اسی طرح جس قدر تصرفات اور کرامات کا ظہور آپ سے ہوا کسی سے نہیں ہوا۔ آپ غوثی قطبی مقامات سے ترقی کرتے ہوئے مقام محبوبی تک پہنچ گئے۔ اس مقام سے بلند کوئی مقام نہیں ہے۔ آپ کو محی الدین اس لیے کہتے ہیں کہ ایک دن ایک سفر سے بغداد واپس آ رہے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ راستے میں ایک بیمار آدمی پڑا ہے جس کا جسم ننگا تھا، رنگ زرد اور جسم نہایت کمزور تھا۔ اس نے کہا اے عبدالقادر میرے نزدیک آؤ۔ آپ اس کے قریب تشریف لے گیے۔ اس نے کہا مجھے اٹھاؤ۔ جب آپ نے اسے اٹھایا تو اس کا جسم تروتازہ ہوگیا اور اپنی اصلی صورت پر واپس آگیا۔ اس

نے کہا میں دین اسلام ہوں۔ میری حالت زار ہوگئی تھی۔ لیکن حق تعالٰے نے مجھے تمہاری بدولت دوبارہ زندہ فرمایا ہے اَنْتَ محی الدین (تو دین کو زندہ کرنے والا ہے) اسی دن سے آپ جہاں تشریف لے جاتے تھے لوگ آپ کو محی الدین کے نام سے پکارتے تھے۔

صاحب نفحات آپ کی والدہ سے نقل کرتے ہیں کہ جب سے میرا لڑکا عبدالقادرؒ پیدا ہوا ہے۔ ماہ رمضان میں ہرگز دودھ نہیں پیتا۔ ایک دن بادل کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا۔ لوگوں نے آپ کی والدہ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آج میرے لڑکے نے دودھ نہیں پیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس دن روزہ تھا۔ آپ کی ولادت ۴۷۱ھ میں اور بقول دیگر ۴۷۰ھ میں ہوئی۔ نفحات میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا۔ عرفہ (حج) کے دن میں صحرا میں گیا اور ایک گائے کے پیچھے ہولیا۔ گائے نے مڑ کر کہا اے عبدالقادر تو کسی کسب (کاروبار) کے لیے پیدا نہیں ہوا اور نہ جانوروں کی دیکھ بھال کے لیے پیدا ہوا ہے۔ یہ سن کر میرے دل میں ڈر پیدا ہوا اور میں واپس جا کر گھر کی چھت پر چڑھ گیا۔ وہاں سے مجھے میدان عرفات میں حاجی لوگ نظر آئے۔ میں نے اپنی والدہؒ کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ مجھے راہ حق تعالٰے پر چلنے کی اجازت دیں تاکہ بغداد جا کر علم

حاصل کروں اور مشائخ کی زیارت کروں۔ انہوں نے اس کا سبب پوچھا۔ میں نے ان کو سارا ماجرا سنایا۔ آپ روئیں اور چالیس دینار میرے کپڑوں میں سی کر مجھے سفر پر روانہ کر دیا۔ جاتے وقت آپ نے مجھے نصیحت کی جھوٹ نہ بولنا۔ میں ایک قافلے کے ہمراہ بغداد کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب ہمدان سے قافلہ گذر چکا تو ساٹھ سوار جنگل میں نمودار ہوئے اور انہوں نے سارے قافلے کو لوٹ لیا۔ لیکن کسی نے مجھ سے مزاحمت نہ کی ناگاہ ان میں سے ایک ڈاکو نے میرے پاس آ کر پوچھا اے فقیر تیرے پاس کیا ہے۔ میں نے کہا چالیس دینار میرے کپڑوں میں سلے ہوئے ہیں۔ لیکن اسے یقین نہ آیا۔ وہ چلا گیا اور ایک اور ڈاکو نے مجھ سے وہی سوال کیا اور میں نے وہی جواب دیا۔ دونوں نے اپنے سردار کے

پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے مجھے اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ تمہارے پاس کیا ہے میں نے کہا چالیس دینار میرے کپڑوں میں سلے ہوئے ہیں۔ جب انہوں نے میرا کپڑا پھاڑ کر دیکھا تو چالیس دینار برآمد ہوئے۔ اس نے کہا تم نے اپنے دینار کیوں ظاہر کر دیئے ہیں آپ نے جواب دیا کہ میری والدہ ماجدہ نے فرمایا تھا کہ جھوٹ نہ بولنا۔ لہذا میں نے جو عہد ان سے کیا اسے پورا کر دیا۔ یہ سن کر چوروں کا سردار رویا اور کہنے لگا کہ میں نے اتنے سال پروردگار کے عہد میں خیانت کی ہے۔ پس اس نے میرے ہاتھ پر توبہ کر لی۔ اس کے دوست بھی تائب ہوئے اور جو کچھ قافلے سے چھینا تھا واپس دے دیا۔ یہ تھے وہ لوگ جنہوں نے سب سے پہلے میرے ہاتھ پر توبہ کی۔

آپ ۴۸۸ھ میں اٹھارہ سال کی عمر میں بغداد پہنچے اور نہایت شد و مد کے ساتھ تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ پہلے آپ نے قرأت سیکھی، اس کے بعد علم فقہ، حدیث و ادب وغیرہ میں نہایت قلیل عرصہ میں کمال حاصل کر لیا اور اپنے ہم درسوں پر فوقیت لے گئے۔ تکمیل علوم کے بعد آپ نے ریاضت و مجاہدہ میں قدم رکھا۔ چنانچہ تکلم میں آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے پچیس سال تجرید و سیاحت میں گذارے اور چالیس سال تک صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی، پندرہ سال تک عشاء کی نماز کے بعد تلاوت قرآن میں

مشغول ہو جاتا تھا۔ حتیٰ کہ قرآن ختم ہو جاتا اور اکثر تین دن سے چالیس دن تک کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ پندرہ سال تک میں بغداد کے ایک ہی برج میں بیٹھا رہا اور حق تعالیٰ سے عہد کر لیا تھا کہ مجھے کچھ نہ کھلائیں۔ ایک دفعہ چالیس دن گذر گئے اور میں نے کچھ نہ کھایا۔ چالیس دن کے بعد ایک آدمی آیا اور کچھ طعام میرے سامنے رکھ کر چلا گیا قریب تھا کہ میرا نفس طعام کی طرف رجوع کرتا میں نے کہا واللہ باللہ کی قسم اپنا عہد نہ توڑوں گا۔ میں نے سنا کہ باطن سے کوئی بھوک کی فریاد کر رہا ہے۔ ناگاہ شیخ ابوسعید مخذومی کا مجھ پر گذر ہوا اور آپ نے وہ آواز سنی۔ آپ نے پوچھا کہ عبدالقادر یہ کیا آواز ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ میرے نفس کا قلق و اضطراب ہے۔ لیکن میری روح مشاہدہ حق میں برقرار ہے۔ آپ نے فرمایا میرے گھر آجاؤ۔ یہ کہہ کر آپ چلے گئے۔ میں نے

اپنے دل میں کہا کہ باہر نہیں جاؤں گا۔ ناگاہ خضر علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ اٹھو اور ابوسعیدؒ کے پاس جاؤ۔ میں چلا گیا۔ شیخ ابوسعیدؒ اپنے گھر کے دروازے پر میرا انتظار کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا جو کچھ میں نے کہا کافی نہ تھا۔ خضرؑ کے کہنے کی بھی ضرورت تھی۔ آپ مجھے گھر لے گئے جو کچھ گھر میں تھا آپ نے لا کر ایک ایک لقمہ میرے منہ میں دیا حتیٰ کہ میں سیر ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے مجھے خرقہ پہنایا اور میں نے آپ کی خدمت اختیار کر لی۔ آپ تکلم میں فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے ایک دفعہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا۔ اس نے پوچھا صحبت کا ارادہ ہے میں نے کہا جی ہاں! فرمایا شرط یہ ہے کہ خلاف عہد نہیں کرو گے۔ میں نے کہا نہیں کروں گا۔ فرمایا جب تک میں نہیں آتا یہاں بیٹھے رہو وہ ایک سال کے بعد آئے اور میں اسی جگہ پر بیٹھا رہا۔ ایک گھنٹے کے بعد اٹھ کر چلے گئے اور فرمایا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں یہاں سے نہ جانا۔ ایک اور سال گذر گیا۔ تیسری مرتبہ جب وہ واپس آئے تو اپنے ساتھ دودھ اور روٹی لائے اور فرمایا کہ میں خضرؑ ہوں اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ تمہارے ساتھ کھانا کھاؤں۔ جب طعام سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میرے ساتھ بغداد چلو۔ چنانچہ ہم دونوں بغداد پہنچ گئے۔

اس وقت تاج العارفین شیخ ابوالقاسمؒ ممبر پہ بیٹھے وعظ کر رہے تھے۔ جب شیخ عبدالقادر قدس سرہ ان کی مجلس میں پہنچے تو وہ ممبر سے نیچے اتر آئے۔ آپ کو گلے لگایا اور آنکھیں چوم کر لوگوں سے فرمایا کہ اس اللہ کے ولی کی صحبت اختیار کرو کیونکہ میں اس کے سر پر ایسا نور دیکھتا ہوں کہ جس کی روشنی مشرق اور مغرب سے تجاوز کر گئی ہے۔ بعدازاں فرمایا کہ اے عبدالقادر آج کا دن تمہارے عروج کا دن ہے اور ہر مرغ جو صبح کو بانگ دے گا خاموش ہو جائے گا۔ لیکن تیرا مرغ قیامت تک بانگ دیتا رہے گا۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کو اپنا مصلیٰ، پیراہن، تسبیح، کاسہ اور عصا عنایت کیا اور ممبر سے نیچے آکر آپ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ اے عبدالقادرؒ جب تیرا وقت آئے تو مجھے یاد کرنا۔ پس آپ مشہور ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں بغداد کے نواح میں پھرتا تھا تو نہ میں کسی کو جانتا تھا اور نہ کوئی مجھے جانتا تھا۔ بس مردانِ غیب اور جنوں کو راہِ حق میں تعلیم دیتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس مقام پر میں گیا مجھے کچھ آرام نصیب نہ ہوا۔ حتیٰ کہ نفس اور صفات بشری محو و منسوخ ہو گئے اور غیب سے مجھے دوسرا وجود مل گیا۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خواب میں زیارت کی۔ انہوں نے مجھے بات کرنے کا حکم فرمایا اور اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈالا۔ جس سے میری فصاحت و بلاغت کے دروازے کھل گئے۔

تکملہ میں لکھا ہے کہ تقریباً ستر ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگ آپ کے وعظ میں حاضر ہوتے تھے اور پوری توجہ سے آپ کا کلام سنتے تھے۔ وعظ کے دوران لوگوں پر ایسی حالت طاری ہوتی تھی کہ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ مردانِ غیب، ارواح اور جنات ہوا میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ ان میں سے بعض روتے تھے اور بعض جوش میں آکر فریاد کرتے تھے۔ بعض اوقات آپ فرمایا کرتے تھے کہ میری یہ آرزو ہے کہ صحرا میں جا کر رہوں۔ اور پہلے کی طرح نہ مجھے کوئی جانے اور نہ میں کسی کو جانوں۔ لیکن حق تعالےٰ نے خلقت کی ہدایت میرے ذمہ لگائی ہے۔ کیونکہ پانچ سو یہودی اور

نصاریٰ میرے ہاتھ پر مسلمان ہوں گے اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں نے میرے ہاتھ پر توبہ کی ہے۔ ایک دفعہ کسی نے آپ سے کہا کہ ایک دن فلاں بزرگ سطح آب پر چل رہے تھے۔ جب میرے قریب پہنچے تو انہوں نے فرمایا کہ میں حنفی ہوں۔ شیخ عبدالقادر قدس سرہٗ نے مراقبہ میں سر نیچے کر لیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا کہ مشرق سے مغرب تک میں نے نگاہ ڈالی ہے۔ لیکن سوائے اس بزرگ کے میں نے کوئی حنفی ولی نہیں دیکھا۔ چنانچہ تکملہ میں اس کا مفصل ذکر ہے۔

ایک دن آپ کے بیٹے شیخ عبدالرزاق نے آپ سے دریافت کیا کہ ابا جان! آپ کو کب معلوم ہوا کہ آپ ولی اللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب میری عمر دس سال کی تھی تو میں اپنے شہر کے ایک مدرسے میں پڑھنے جایا کرتا تھا اور فرشتے میرے ارد گرد ہوتے تھے۔ جب میں مدرسے پہنچ جاتا تو فرشتے آواز دیتے کہ افسحوا لولی اللہ حتیٰ یجلس۔

ایک دفعہ میں نے ایک آدمی دیکھا جسے میں نہیں پہچانتا تھا۔ چالیس سال کے بعد میں نے انہیں پھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ وقت کے ابدال تھے۔ وہ رجال اللہ کے سردار تھے اور تمام رجال اللہ ان کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ تکملہ میں لکھا ہے کہ ماہ جمادی الآخر ۵۶۰ھ کے آخری جمعہ کے دن ایک خوبصورت جوان حضرت شیخ کی خدمت میں آیا اور سلام کر کے کہا کہ میں ماہ رجب ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ جو کچھ خیر و برکت میرے اندر آپ کے لیے مقدر ہے اس سے آپ کو آگاہ کروں۔ پس اس مہینے میں سب خیر و برکت کا ظہور ہوتا رہا۔ جب ماہ رجب کا آخری دن یعنی سینچر کا دن آیا تو ایک کریہ المنظر بدصورت آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میں ماہ شعبان ہوں میں اس لیے آیا ہوں کہ جو کچھ میرے اندر مقدر ہے اس سے آگاہ کروں۔ یعنی بغداد میں وبا پھیلے گی اور حجاز میں سخت بیماری اور خراسان میں سخت مصیبت ہو گی۔ اور اس ماہ میں یہی واقع ہوا۔ اسی ماہ رمضان میں حضرت شیخؒ کچھ علیل تھے اور اس ماہ کی انتیس ۲۹ تاریخ ہفتہ کے دن شیخ علیؒ اور شیخ ابو نجیب

سہروردیؒ اور دیگر مشائخ آپ کے سامنے بیٹھے تھے کہ ایک حسین و جمیل اور باوقار آدمی آیا اور حضرت شیخؒ کو سلام کر کے کہنے لگا کہ میں ماہ رمضان ہوں میں اس لیے آیا کہ آپ سے معافی مانگوں اس چیز سے کہ جو میرے اندر آپ کے لیے مقدر تھا اور اب میں آپ سے الوداع کہتا ہوں۔ کیونکہ یہ میری آپ سے آخری ملاقات ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور حضرت شیخ نے دوسرا رمضان نہ پایا۔ یعنی آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کے فرزند شیخ عبدالوہابؒ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا مہینہ نہ آتا تھا جو پہلے انسان کی صورت میں آ کر میرے والد محترم کے سامنے حاضر ہو کر اپنے حالات کے متعلق نہ بتا جاتا۔ اگر اس مہینے میں خیر و برکت ہوتی تو خوبصورت شکل میں نظر آتا۔ اگر شر ہوتا تو بدصورت آدمی کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا۔ سبحان اللہ! حق تعالےٰ نے کس قدر تصرفات کا آپ کو مالک بنایا تھا۔ ابتدائے حال میں حضرت شیخؒ فرماتے تھے کہ مجھے عراق کی ولایت ملی۔ لیکن بعد میں آپ فرماتے تھے کہ مشرق سے مغرب تک تمام روئے زمین یعنی بحر و بر جنگل پہاڑ سب آپ کی ولایت میں آ گئے اور کوئی ولی اللہ ایسا نہ تھا جو آپ کے سامنے بحیثیت قطب زماں کے سر تسلیم خم نہ کرتا تھا۔ کیونکہ آپ قطب کبریٰ تھے۔ ایک دفعہ ۵۵۵ھ میں آپ کی مجلس میں دس ہزار آدمی موجود تھے۔ شیخ علی متیؒ کو جو اس مجلس میں شامل تھے نیند آ گئی آپ اٹھ کر شیخ علی کے پاس گئے اور ادب سے کھڑے رہے۔ جب وہ نیند سے بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ خواب میں آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے۔ انہوں نے جواب دیا جی ہاں! سبحان اللہ جو کچھ میں نے نیند میں دیکھا آپ نے بیداری میں دیکھ لیا۔ اور تکملہ کی آخری حکایت میں لکھا ہے کہ شیخ علی متیؒ اور شیخ ابوسعید قیلویؒ سے کسی نے پوچھا کہ قطب اکبر کے صفات کیا ہیں۔ فرمایا کہ تمام کائنات اور اہل کائنات کے امور قطب اکبر کو تفویض ہوتے ہیں۔ دریافت کیا کہ وہ کون ہیں فرمایا شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ ابو المکارم فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ عبدالقادرؒ عارفین کے مشاہدات اور مقاماتِ وصول الی اللہ کے متعلق تقریر فرما رہے تھے۔ حتیٰ کہ ہر شخص کے دل میں ذوق و شوق پیدا ہو گیا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میری مراد کس طرح پوری ہو سکتی ہے حضرت

شیخ نے میری طرف رخ کر کے فرمایا کہ اے مکارم تیرے اور تیری مراد کے درمیان ایک
دو قدم سے زیادہ نہیں۔ ایک قدم ترک دنیا میں اور دوسرا ترک نفس میں۔ ثم ھا
انت و ربک (اس کے بعد تم ہوگے اور تمہارا رب) عبدالغفورؒ نفحات کے حاشیہ
پر لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ
وصول الی اللہ کی طرف ایک قدم بلا ہے۔ جب کوئی شخص بلا میں مبتلا ہوتا ہے تو پہلے
دفعیۂ بلا کے لیے خود کوشش کرتا ہے۔ جب عاجز آتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ اس فعل کا وہ
فاعل نہیں ہو سکتا تو حکام اور سلاطین کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جب حکام سے اس
کی عقدہ کشائی نہیں ہوتی تو اللہ تعالے کی طرف رجوع کرتا ہے اور عجز و انکسار کے ساتھ
دعا کرتا ہے۔ جب اللہ تعالے چاہتا ہے کہ وہ شخص اسباب سے بالکل منقطع ہو جائے اس
کی دعا قبول نہیں کرتا اور مقام دعا و تضرع و توجہ میں حق تعالے اس کے قلب کی حفاظت
کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اسباب کے ملاحظہ سے باہر آتا ہے (یعنی اسباب بے اثر ہونے کا مشاہدہ
کرتا ہے) اور "لا فاعل فی الوجود الا اللہ ولا نافع ولا ضار الا ھو (اللہ کے
سوا کائنات میں نہ کوئی فاعل ہے نہ نفع پہنچانے والا ہے۔ نہ نقصان دینے والا) کے
معنی اس پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جب یہ حقیقت اس پر واضح ہو جاتی ہے تو وصول الی اللہ
کی حقیقت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ شیخ عبدالقادر قدس سرہٗ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس
طرح انسانوں کے مشائخ ہوتے ہیں ملائکہ اور جنات کے بھی مشائخ ہوتے ہیں اور
میں سب کا شیخ ہوں۔ شیخ ابو محمد بن عبداللہ بصریؒ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام نے مجھ سے
فرمایا کہ شیخ عبدالقادرؒ احباب کے فرد اور اپنے زمانے کے اولیاء کے قطب ہیں صاحب
نفحات لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالقادرؒ کے ابتدائے سلوک کے زمانے میں بغداد میں ایک
بزرگ رہتے تھے۔ جنہیں لوگ غوث وقت کہتے تھے۔ وہ کبھی لوگوں کی نظروں سے
غیب ہو جاتے اور کبھی ظاہر ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ شیخ عبدالقادرؒ، ابن سقا اور
عبداللہ۔ تینوں حضرات ان کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں ابن سقا نے
کہا میں ان سے ایک مسئلہ دریافت کروں گا۔ جس کا وہ جواب نہیں دے سکیں گے۔

نے کہا میں ایک مسئلہ دریافت کروں گا۔ دیکھیں اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ شیخ عبدالقادرؒ نے کہا معاذ اللہ! میں ان سے کوئی مسئلہ نہیں پوچھوں گا۔ صرف ان کی برکات حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ جب وہاں پہنچے تو ان کو وہاں موجود نہ پایا تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ وہ اپنے مصلے پر بیٹھے ہیں۔ لیکن غصہ کی علامات ان کے چہرہ پر نمودار ہیں۔ چونکہ ابن سقا اور عبداللہ امتحان کی خاطر گئے تھے۔ انہوں نے ان کے حق میں بددعا کی اور شیخ عبدالقادرؒ کو اپنے پاس بٹھا کر عزت و تکریم سے پیش آئے اور فرمایا اے عبدالقادرؒ تو نے خدا اور اس کے رسولؐ کو خوش کیا ہے۔ کیونکہ تم نے ادب کو ملحوظ رکھا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن تم بغداد میں بر سر منبر یہ کہو گے۔ قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللّٰہ (میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے) میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ تمام اولیائے وقت نے اپنی گردنیں نیچی کر لی ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے بعد مرتبۂ غوثی تجھے ملے گا۔ یہ کہہ کر وہ نظروں سے گم ہو گئے اور اس کے بعد کسی نے ان کو نہ دیکھا۔ عرصۂ دراز کے بعد شیخ عبدالقادرؒ بغداد میں وعظ کر رہے تھے اور پچاس مشائخ وقت مثل شیخ ابو نجیب سہروردیؒ، شیخ علی ہیتیؒ، شیخ ابو سعید قیلویؒ اور قضیب البان موصلیؒ وغیرہ موجود تھے۔ اثنائے وعظ میں آپ نے فرمایا قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللّٰہ یہ سنتے ہی شیخ علی ہیتیؒ نے آپ کا قدم اپنی گردن پر رکھ دیا اور سب مشائخؒ نے اپنی گردنیں جھکا دیں شیخ ابو سعید قیلویؒ فرماتے ہیں کہ جب شیخ عبدالقادرؒ یہ بات فرما رہے تھے تو حق تعالیٰ نے ان کے دل میں تجلی فرمائی۔ دائیں طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ملائک مقربین کی ایک جماعت کے ساتھ اولیاء متقدمین و متاخرین بھی حاضر تھے۔ یعنی جو زندہ تھے اپنے جسموں کے ساتھ موجود تھے اور جو پردہ پوش ہو چکے تھے وہ اپنی ارواح کے ساتھ حاضر تھے۔ سب نے خلعتیں پہنی ہوئی تھیں۔ بے شمار فرشتے گرداگرد ہوا میں صفیں بنائے کھڑے تھے۔ اور روئے زمین پر کوئی ولی اللہ نہ تھا جس نے اپنی گردن نہ جھکائی ہو۔ عجم میں جن لوگوں نے تواضع نہ کی ان کا حال خراب ہو گیا۔

اس وقت حضرت شیخؒ پر عجیب حال طاری تھا. جس پر نگاہ ڈالتے تھے اس کی کایا پلٹ جاتی تھی. کسی کو یہ مجال نہ تھی کہ آنکھ اٹھا کر آپ کی طرف براہ راست دیکھ سکے یا کوئی بات کہہ سکے. کہتے ہیں طعام اور لباس فاخرہ میں آپ کو بہت تصرف تھا. آپ کے لباس کے لیے ایک دینار فی گز کا کپڑا خریدا جاتا تھا. چونکہ آپ کا مقام محبوبیت تھا اس لیے ان تصرفات پر آپ کو حق تعالےٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہ تھا.

آپ کے کمالات اور کرامات اظہر من الشمس ہیں. ایک دفعہ ایک بڑھیا اپنے لڑکے کو آپ کی خدمت میں لاکر کہنے لگی کہ میرے بیٹے کا دل آپ کی طرف مائل ہے. آپ نے قبول کرلیا اور اسے ریاضت و مجاہدے میں ڈال دیا. ایک دن اس کی ماں نے دیکھا کہ جو کی روٹی کھا رہا ہے اور نہایت کمزور اور زرد رنگ ہو گیا ہے جب وہ حضرتِ شیخؒ کی خدمت میں گئی تو دیکھا کہ دستر خوان لگا ہوا ہے اور مرغ کا گوشت کھا کر ہڈیاں دستر خوان پر جمع کر رکھی ہیں. اس نے کہا یا شیخ! آپ مرغ کا گوشت کھا رہے ہیں اور میرے بیٹے کو جَو کی روٹی دی ہے. حضرت شیخ نے اپنا ہاتھ ان ہڈیوں پر رکھ کر فرمایا. قم باذن اللہ (اٹھو اللہ کے حکم سے) یہ سنتے ہی مرغ زندہ ہو گیا اور بانگ دینے لگا. اس کے بعد آپ نے اس بڑھیا سے فرمایا کہ جب تیرا لڑکا ایسا ہو جائے گا جو چاہے کھائے. آپ کی کرامات اس قدر ہیں کہ دائرۂ تحریر سے باہر ہیں آپ کی وفات بروز پنج شنبہ بتاریخ گیارہویں ربیع الآخر ۵۶۱ھ میں ہوئی اور بغداد میں دفن ہوئے. آپ کے خاندان کے ایک بزرگ میر حفیظ اللہؒ نے تاریخ ولادت اور مدتِ حیات اور سن وفات ایک بیت میں ختم کی ہے. بیت ؎

تاریخ ولادت و حیات و فاتش از عشق کمال کامل و عشق عیاں . رحمۃ اللہ علیہ .

حضرت شیخ ابو مدین مغربیؒ

آں امام ارباب توحید، آں مقتدائے اصحاب تفرید، آں وارث علومِ محمد عربی کلید حقائق شیخ ابو مدین مغربی قدس سرہٗ کا اسم گرامی نعیب ابن حسین و حسن ہے آپ

کا شمار مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے ریاضات و مجاہدات اور کشف و کرامات
کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ آپ کو خرقۂ خلافت حضرت شیخ ابوسعید اندلسیؒ سے ملا
تھا۔ ان کو شیخ ابوالبرکاتؒ سے، ان کو شیخ ابوالفضل بغدادیؒ سے اور ان کو شیخ
احمد غزالی قدس سرہٗ سے ملا۔ شیخ ابومدینؒ تربیت مریدین میں بے نظیر تھے۔ بڑے بڑے
مشائخ نے آپ کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کی ہے۔ ان میں سے ایک شیخ
محی الدین ابن عربی قدس سرہ ہیں۔ جنہوں نے اپنی تصانیف میں آپ کا اکثر ذکر کیا
ہے اور آپ کا حقائق و معارف کا کلام نقل کیا ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا شیخ
ابومدین مغربیؒ سے تربیت حاصل کرنا آپ کے کمال ولایت پر دلیل قاطع ہے۔ صاحب
نفحات امام عبداللہ یافعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ یمن کے اکثر شیوخ شیخ عبدالقادرؒ سے
نسبت رکھتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو شیخ ابومدینؒ مغربی سے نسبت رکھتے ہیں۔ ایک
شیخ مغرب ہیں اور ایک شیخ عبدالقادرؒ شیخ مشرق ہیں۔ صاحب نفحات فتوحات مکی
سے نقل کرتے ہیں کہ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ابلیس کو خواب میں دیکھا اور اس
سے پوچھا کہ شیخ ابومدینؒ کے ساتھ تمہارا کیا حال ہے۔ ابلیس نے جواب دیا کہ جب اس
کے دل میں کوئی وسوسہ ڈالتا ہوں تو میری مثال اس شخص کی ہوتی ہے جو سمندر میں پیشاب
کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ سمندر ناپاک ہوگیا ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ بے وقوف کوئی
نہیں۔ انہوں نے فتوحات سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب لوگ ابومدینؒ کے قدموں
کو پکڑ کر چومتے تھے تو کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کے نفس پر اس کا کوئی
اثر ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حجر اسود کو جب لوگ چومتے ہیں تو کیا اس کی حجریت
(پتھر ہونے) میں کوئی فرق آجاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ ایک پہاڑ
تھے اور خیر و شر کے خطرات انہیں ہرگز اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتے تھے۔ ایک دن شیخ
ابومدینؒ نے دیار مغرب میں اپنی گردن جھکالی اور کہنے لگے کہ الٰہی میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں
اس بات پر کہ میں نے ان کا قول سنا ہے اور ان کی اطاعت کرتا ہوں۔ کسی نے آپ
سے پوچھا کہ یہ بات آپ نے کیوں کہی فرمایا کہ شیخ عبدالقادرؒ نے آج بغداد میں فرمایا
ہے کہ قدمی ھذہٖ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ (میرا یہ قدم سب اولیاء اللہ کی گردن پر ہے)

اس کے بعد جب شیخ عبدالقادرؒ کے بعض مریدین بغداد آئے تو انہوں نے بتایا کہ شیخ عبدالقادرؒ نے اسی وقت یہ کلمات فرمائے تھے جب ابو مدین آیت مَا اُوْتِیْتُم مِنَ العِلْمِ اِلَّا قَلِیلا ہم نے نہیں عطا کیا تم کو علم مگر تھوڑا پڑھتے تو آپ کہتے کہ یہ تھوڑا علم جو حق تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے ہمارا ذاتی علم نہیں ہے بلکہ عاریۃً دیا ہے اور بہت علم ہمیں نہیں دیا گیا پس ہم علی الدوام جاہل ہیں۔ ایک دن آپ دریا کے کنارے پر جا رہے تھے فرنگی کافروں کی ایک جماعت نے آپ کو گرفتار کر لیا اور ایک کشتی میں بٹھا کر لے گئے۔ اس کشتی میں کچھ اور مسلمان بھی قیدی تھے۔ جب آپ کشتی میں بیٹھ گئے تو کافروں نے بادبان کھولے اور جانے کی کوشش کی۔ انہوں نے جس قدر زور لگایا کشتی اپنی جگہ سے ذرا بھر آگے نہ جا سکی۔ باوجودیکہ ہوا بہت تیز تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ شیخ صاحب معرفت ہیں۔ انہوں نے آپ سے کہا کہ کشتی سے باہر جاؤ۔ آپ نے فرمایا جب تک کہ تم ان سب مسلمانوں کو رہا نہیں کرو گے میں ہرگز کشتی سے باہر نہیں جاؤں گا آخر مجبور ہو کر کافروں نے سب مسلمانوں کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کشتی چلنے لگی۔ فصوص الحکم (شیخ محی الدین عربیؒ کی مشہور تصنیف ہے) میں لکھا ہے کہ ایک ابدال نے ایک بزرگ سے کہا کہ شیخ ابو مدینؒ سے میرا سلام عرض کر کے کہیے کہ اگرچہ ہمارے لیے کوئی چیز مشکل اور ہر چیز آسان ہے اور آپ پر ہر چیز مشکل ہے اور کوئی چیز آسان نہیں۔ لیکن ہم آپ کے مقام کی رغبت رکھتے ہیں اور آپ ہمارے مقام کی کوئی رغبت نہیں رکھتے اس کی کیا وجہ ہے تکملہ میں شیخ عبداللہ مغربیؒ کہتے ہیں کہ شیخ ابو مدینؒ نے یہ جواب دیا کہ ابدال عارف کے قبضے میں ہیں کیونکہ ابدال کا ملک آسمان سے زمین تک ہے لیکن عارف کا ملک عرش سے تحت الثریٰ تک ہے۔ حضرت شیخ کے اس کلام سے ظاہر ہے۔ آپ قطب مدار تھے۔ ایک دن آپ سمندر کے کنارے بیٹھے وضو کر رہے تھے کہ آپ کی انگوٹھی پانی میں گر گئی۔ آپ نے کہا یارب میری انگوٹھی مجھے واپس دے ایک مچھلی انگوٹھی منہ میں لیے ظاہر ہوئی۔ آپ نے انگوٹھی لے لی اور مچھلی نیچے چلی گئی۔ بعض اوقات پرندے آپ کے گرد اڑ اڑ کر آوازیں نکالتے تھے جس سے

آپ پر وجد طاری ہو جاتا تھا اور آپ اشعار پڑھنے لگ جاتے تھے۔ حضرت شیخ کے وجد کی وجہ سے تمام مجلس پر عجیب حالت طاری ہو جاتی تھی اور لوگ نالہ و فریاد کرنے لگ جاتے تھے۔ اس سے پرندوں پر بھی ایسا اثر ہوتا تھا کہ زمین پر گر گر کر جان دے دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایسی مجلس میں ایک آدمی نے بھی جان دے دی۔ تکملہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ۵۸۰ھ میں جب ابو محمد عبدالرزاقؒ نے خضر علیہ السلام سے شیخ ابو مدینؒ کے مقام کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس زمانے میں آپ صدیقوں کے امام ہیں۔ حق تعالےٰ نے آپ کو سر معوّن سے حجاب قدس تک کے بھیدوں کی چابی عطا فرمائی ہے۔ آپ سے زیادہ عارف اس جہان میں کوئی نہیں ہے۔ آپ انبیا علیہم السلام کے رموز بیان کرتے ہیں۔ اس کے فوراً بعد شیخ ابو مدینؒ کا انتقال ہو گیا۔ امام عبداللہ یافعیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو مدین کے حق میں خضر علیہ السلام کا یہ کلام شیخ عبدالقادرؒ کے وصال کے بعد کا ہے کیونکہ ان کا وصال ۵۶۱ھ میں ہوا۔

امام عبداللہ یافعیؒ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت غوث اعظمؒ کی زندگی میں مذکورہ بالا مقامات آپ کے ساتھ مخصوص تھے اور آپ کے وصال کے بعد شیخ ابو مدین مغربیؒ کو حاصل ہوئے۔ تکملہ میں بعض روایات کی رو سے شیخ ابو مدینؒ قطب نیم روز تھے۔ اس کے بعد سفر کیا۔ آپ کی وفات ۵۹۰ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ صدقہ بغدادیؒ

آں سر حلقۂ ارباب ملامت، آں بباطن ہمگی سلامت، آں رسیدہ مقام نامرادی مقتدائے قوم شیخ صدقہ بغدادی قدس سرہٗ ہمیشہ باطن کی آراستگی کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ علمائے ظاہرین شدت کے ساتھ آپ کے خلاف تھے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ ایک دن شیخ صدقہ نے ایسی بات کی جو ظاہری شرع کی رو سے قابل مواخذہ تھی۔ علمائے ظواہر نے یہ بات خلیفہ تک پہنچا دی۔ خلیفہ نے بلا کر حکم دیا کہ تعزیر لگائی جائے لیکن جن لوگوں نے آپ پر ضرب لگانے کا قصد کیا ان کے بازو شل ہو گئے اور ان پر عجیب

ہیبت طاری ہو گئی۔ یہ خلیفہ نے یہ حالت دیکھی تو اس پر بھی یہی کیفیت طاری ہو گئی اس لیے خلیفہ نے حکم دیا کہ ان کو رہا کر دیا جائے۔ وہاں سے آپ حضرت شیخ عبدالقادرؒ کی خانقاہ میں پہنچے جہاں مشائخ اور ساری خلقت آپ کی منتظر تھی۔ آتے ہی شیخ عبدالقادرؒ ممبر پہ چڑھ گئے۔ لیکن کوئی بات نہ کی۔ قاری کو بھی کوئی چیز پڑھنے کے لیے نہ فرمایا۔ لیکن اس کے باوجود لوگوں پہ وجد عظیم طاری ہو گیا اور جوش و خروش برپا ہُوا۔ شیخ صدقہ نے اپنے دل میں کہا کہ حضرت شیخ نے کچھ نہیں فرمایا اور نہ قاری کو کچھ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن یہ وجد کس وجہ سے ہے۔ حضرت شیخ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اے مرد! میرا ایک مرید بیت المقدس سے ایک قدم میں بغداد پہنچا ہے۔ اور اس نے میرے ہاتھ پر توبہ کی ہے۔ آج یہ سب خلقت اس کی خاطر جمع ہے۔ شیخ صدقہؒ نے کہا جو شخص بیت المقدس سے ایک قدم میں بغداد پہنچ سکتا ہے اسے توبہ کی کیا ضرورت ہے اور شیخ کی کیا حاجت ہے۔ آپ نے فرمایا وہ اس بات سے توبہ کرتا ہے کہ ہوا میں اڑتا ہے اور شیخ کی اسے اس لیے ضرورت ہے کہ اسے حق تعالیٰ کی محبت کا راستہ دکھاتا ہوں۔ شیخ صدقہؒ کی شیخ عبدالقادرؒ کے ساتھ اکثر نیک و گرم صحبتیں ہوا کرتی تھیں۔ وہ محققین وقت میں سے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ابو محمد عبدالرحمٰن طفونجؒ

آں صاحب بارگاہ ذوالجلال، ہمیشہ در بزم وصال، رسیدہ بمقام شیوخی، شیخ ابو محمد عبدالرحمٰن طفونجی قدس سرہ کا شمار اکابر اولیاء میں ہوتا ہے۔ آپ بڑے صاحب حال تھے۔ ایک دن طفونج میں جو بغداد کے نزدیک ایک قصبہ ہے ممبر پر چڑھ کر فرمایا اَنَا بَیْنَ الْاَوْلِیَاءِ کَالْکُرْکِیِّ بَیْنَ الطُّیُوْرِ اَطْوَلُھُمْ عُنُقًا یعنی میں اولیاء اللہ کے درمیان ایسے ہوں جیسے کلنگ پرندوں میں اور میری گردن ان کی گردن سے زیادہ دراز ہے۔ شیخ ابوالحسن علی بن احمد جو حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے اصحاب میں سے تھے وہاں موجود تھے۔ وہ اٹھے اور دلق اتار کر پھینک دی اور ان

سے کہنے لگے آؤ میرے ساتھ کشتی کرو۔ شیخ عبدالرحمٰنؒ خاموش ہو گئے اور اپنے اصحاب سے کہنے لگے کہ اس شخص کے اندر میں بال بھر جگہ بھی عنایت حق سے خالی نہیں دیکھتا۔ یہ کہہ کر اس آدمی سے فرمایا کہ اپنی دلق پہن لو اور جو کچھ میں نے کہا ہے میں اس سے باز نہیں آتا۔ پس آپ نے اپنے گھر کی طرف منہ کر کے اپنی بیوی کو آواز دی کہ میرے کپڑے لاؤ۔ آپ کی بیوی نے گھر بیٹھے آواز سن لی اور کپڑے لے آئی۔ آپ نے اس آدمی سے پوچھا کہ تیرا شیخ کون ہے اس نے جواب دیا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ یہ سُن کر آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میں نے شیخ عبدالقادرؒ کا نام سُنا ہے لیکن میں چالیس سال سے باب قدرت کے درکات میں ہوں (یعنی قدرتِ حق کے مشاہدہ کے مقام میں ہوں) لیکن ان کو (شیخ عبدالقادر کو) میں نے وہاں نہیں دیکھا۔ پس شیخ عبدالرحمٰنؒ نے اپنے مریدین کی ایک جماعت کو بغداد بھیجا کہ شیخ عبدالقادرؒ سے جا کر کہو کہ میں چالیس سال سے باب قدرت کے درکات میں ہوں لیکن آپ کو میں نے وہاں نہیں دیکھا لا داخلاً و لا خارجاً (نہ اندر نہ باہر) حضرت غوث اعظمؒ نے اسی وقت اپنے اصحاب سے فرمایا کہ طفسونج جاؤ اور راستے میں تمہیں شیخ عبدالرحمٰنؒ کے آدمی ملیں گے۔ جن کو انہوں نے میرے پاس بھیجا ہے۔ ان کو واپس لے جاؤ اور شیخ عبدالرحمٰنؒ کو میرا سلام دے کر کہو کہ تم نیچے کے مقام پر ہو اور سلطان حقیقی کی حضوری سے دور ہو اور جو کوئی نیچے والے مقام پر ہوتا ہے۔ اسے مقام حضوری میں رہنے والوں کا علم نہیں ہوتا۔ لیکن جو شخص مقام حضوری میں ہے وہ نیچے والے مقام پر رہنے والوں کو دیکھ سکتا ہے اور میں بلند مقام سے زیریں مقام پر پوشیدہ راستے سے استفاضہ (فائدہ پہنچانے کے لیے) آتا ہوں۔ لیکن تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ جب تجھے فلاں خلعت ملی تو میرے ذریعے ملی اور میں واسطہ بن کر باہر آیا تھا۔ اور وہ خلعت ظاہراً رضا کی صورت میں تھی۔ دوسری نشانی یہ ہے فلاں رات تمہیں فلاں نعمت حاصل ہوئی وہ بھی میرے ہاتھ سے آپ کو ملی اور اس کی ظاہری صورت فتح تھی۔ تیسری نشانی یہ

ہے کہ درکاتِ حضوری میں تجھے بارہ ہزار دلی کی ولایت کا جامہ ہم نے پہنایا اور
اور اس کی ظاہری صورت سورۂ اخلاص کا سبز رنگ کا جھنڈا تھا۔ راستے میں جب
شیخ عبدالرحمٰنؒ کے آدمی ملے تو ان کو واپس لے گئے اور حضرت غوث اعظمؒ کا پیغام
شیخ عبدالرحمٰنؒ کو دیا۔ انہوں نے پیغام سن کر کہا شیخ عبدالقادرؒ نے سچ فرمایا ہے وہ
سلطان الوقت اور صاحب التصرف ہیں۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے شیخ حمادؒ کی
خدمت میں جاکر عرض کیا کہ میرے پاس سات سو دینار کا مال ہے اور میں تجارت
کی غرض سے ایک قافلے کے ساتھ شام کی طرف جارہا ہوں۔ شیخ حمادؒ نے کہا تیرا
مال لوٹا جائے گا اور تو قتل ہو جائے گا۔ وہ غم زدہ ہو کر شیخ عبدالقادرؒ کی خدمت میں
حاضر ہوا۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا جاؤ۔ صحیح و سلامت واپس آؤ گے اور تجارت میں
فائدہ ہوگا۔ میں ضامن ہوں۔ چنانچہ وہ آدمی سفر پر گیا اور سات سو دینار کا مال ایک
ہزار دینار میں فروخت ہوا۔ ایک دن وہ حمام میں گیا اور ہزار دینار ایک طاق میں رکھ
دیئے۔ باہر آتے وقت اسے نسیان ہوگیا اور اور رقم حمام میں چھوڑ کر چلا گیا۔ جب اپنی
منزل پر واپس آیا تو نیند نے غلبہ کیا اور سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ وہ قافلے میں جارہا
ہے۔ قافلے پر چوروں نے حملہ کر دیا اور اسے قتل کر دیا ہے۔ خواب کی ہیبت سے
اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کی گردن پر خون لگا ہوا تھا اور ضربات کی وجہ سے درد بھی
محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت اسے اپنے ہزار دینار یاد آئے۔ فوراً حمام کی طرف بھاگا وہ
وہاں موجود تھے اٹھا کر لے آیا۔ اب وہ بغداد کی طرف روانہ ہوا۔ دل میں خیال کر رہا
تھا کہ پہلے شیخ حماد کی خدمت میں حاضری دوں کیونکہ وہ بزرگ تر ہیں یا شیخ عبدالقادرؒ
کی خدمت میں جاؤں جن کی بات صحیح نکلی ہے۔ اتفاق سے اسے شیخ حماد راستے میں مل
گئے۔ انہوں نے فرمایا پہلے شیخ عبدالقادرؒ کی خدمت میں حاضری دو جن کا فرمان
صحیح ثابت ہوا ہے۔ انہوں نے سترہ بار حق تعالےٰ سے درخواست کی ہے جس کی وجہ
سے تمہارا قتل جو تقدیر میں لکھا جاچکا تھا خواب میں قتل ہونے میں مبدّل ہو گیا اور
زر کا ضائع ہو جانا جو مقدر تھا وہ فراموشی میں مبدّل ہو گیا۔ چنانچہ وہ حضرت غوث اعظمؒ

کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جو شیخ حمادؒ نے کہا ہے کہ میں نے سترہ بار دعا کی۔ سترہ بار نہیں بلکہ ستر بار۔ ستر بار۔ ستر بار میں نے حق تعالےٰ کی خدمت میں عرض کی۔ جس کی وجہ سے تجھے نجات ملی ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ محمد الاَدانیؒ

آں مقتدائے افراد، پیشوائے اوتاد، عارف حقانی مقرب الحضرت شیخ محمد الاَدانی قدس سرّہٗ ان القاب کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ کامل ولی اللہ تھے آپ نہایت بلند ہمت اور صاحب ولایت قوی تھے۔ آپ تمام مراتب سے گذر کر مقام فردانیت پر پہنچ چکے تھے۔ صاحب نفحات فتوحات مکی سے نقل کرتے ہیں کہ آپ غوث اعظم قدس سرہٗ کے اصحاب میں سے تھے۔ حضرت شیخ آپ کو مقرب الحضرت کہا کرتے تھے۔ شیخ عبدالقادرؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ محمد بن قائد من المفردین (یعنی محمد بن قائد افراد میں سے ہیں) شیخ محی الدین ابن عربیؒ فتوحات میں لکھتے ہیں کہ مفرّدون اس جماعت کا نام ہے جو دائرہ

قطب سے باہر ہیں۔ کیونکہ وہ بلا واسطہ قطب حق تعالےٰ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ خضر علیہ السلام بھی انہی میں سے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبوت سے پہلے اسی مقام پر تھے۔ محمد ابن قائدؒ قدس سرّہ فرماتے ہیں کہ جب میں تمام مقامات سے گذر کر حضرتِ حق میں پہنچا تو سامنے قدموں کا نشان دیکھا۔ دریافت کیا کہ یہ کس کے قدموں کا نشان ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ مجھ سے کوئی شخص آگے نہیں بڑھا۔ جواب ملا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان ہے۔ یہ سُن کر میرے دل میں اطمینان پیدا ہوا۔ آپ کے کمالات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

**

حضرت شیخ ابوسعود بن شبلیؒ

آں ہمیشہ در مقامات قرب و آرام، دائم مستغرق در مشاہدہ بحرنام، بالاتفاق صاحب تصرف ولی شیخ ابوسعود ابن شبلی قدس سرہٗ کا شمار بزرگان روزگار اور عارفانِ صاحب اسرار میں ہوتا ہے۔ آپ کا حال نہایت قوی، علم وافر اور نفس قاطع تھا۔ کھانے پینے اور لباس میں آپ کو بے پناہ تصرفات حاصل تھے۔ آپ معشوق صفت رکھتے تھے آپ حضرت غوث اعظمؒ کے اصحاب میں سے تھے۔ صاحب نفحات فتوحات کی سے نقل کرتے ہیں کہ شیخ ابوسعود جو اپنے وقت کے امام تھے۔ ایک دفعہ دریائے دجلہ کے کنارے جا رہے تھے۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ آیا پانی کے اندر بھی حق تعالےٰ کے کوئی بندے ہیں جو اس کی عبادت کرتے ہیں۔ ابھی یہ خیال آپ کے دل میں گذرا ہی تھا کہ پانی پھٹ گیا اور ایک آدمی ظاہر ہوا۔ اس نے کہا ہاں ابوسعود حق تعالےٰ کے ایسے بندگان بھی ہیں جو پانی میں اس کی عبادت کرتے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔

اس نے کہا میرا گھر تکریت میں

تھا۔ میں وہاں سے اس لیے آگیا ہوں کہ وہاں پندرہ روز کے بعد ایک حادثہ ہونے والا ہے جب پندرہ دن گذر گئے تو جس طرح اس نے کہا تھا وہ حادثہ واقع ہوا

فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ شیخ ابوسعود نے اپنے مریدین سے کہا پندرہ سال ہوئے حق تعالےٰ نے مجھے مملکت میں تصرف عطا فرمایا ہے۔ لیکن میں نے تصرف نہیں کیا ابن قائد قدس سرہٗ نے آپ سے پوچھا کہ آپ تصرف کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا میں نے تصرف حق تعالےٰ پر چھوڑ دیا ہے وہ جس طرح چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں شیخ علاؤالدولہ سمنانیؒ چہل مجالس میں فرماتے ہیں کہ ایک دن میں امام حنبلؒ کے قبرستان میں ایک بزرگ کے مزار کی زیارت کے لیے جا رہا تھا راستے میں ایک خستہ حال گنبد دیکھا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ اس گنبد میں کس کا مزار ہے۔ جب اس گنبد کے قریب سے گذرا تو وہاں سے مجھے اشارہ ہوا کہ کہاں جاتے ہو ہمارے پاس بھی آؤ۔ میں گنبد کے اندر گیا مجھ

پر اس وقت اچھی حالت طاری تھی۔ صاحب مزار کی روح نے مجھ سے کہا کہ اس طرح زندگی بسر کرو جیسے میں نے کی۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے کس طرح زندگی بسر فرمائی۔ جواب دیا کہ جو کچھ تجھے حق تعالےٰ سے ملے قبول کرو۔ میں نے کہا اگر کوئی چیز قابل قبول ہے تو قبول کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا آج تجھے ایک چیز ملے گی اسے قبول کر لینا۔ میں نے کہا ضرور قبول کروں گا۔ میں جب شہر کے اندر واپس آیا تو یہ واقع شیخ نورالدین عبدالرحمٰن سے بیان کیا۔ آپ نے پوچھا کیا تجھے معلوم ہے کہ اس گنبد میں کون ہے میں نے کہا معلوم نہیں۔ فرمایا انہیں ابوسعودؒ کہتے ہیں۔ ان کا عجب طرز عمل تھا جو کچھ انہیں حق تعالےٰ سے پہنچتا تھا رد نہیں کرتے تھے۔ کسی سے کچھ نہیں طلب کرتے تھے۔ لیکن مکلف کھانا کھاتے تھے اور مکلف لباس زیب تن کرتے تھے ایک دن ایک آدمی آپ کے سامنے آیا۔ آپ نے اس وقت ایک ایسی دستار سر پر باندھ رکھی تھی جس کی قیمت دو سو دینار تھی۔ اس نے دل میں کہا یہ عجب اسراف ہے اس دستار کی قیمت سے دو سو درویشوں کے لیے مکمل لباس تیار ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا اے فلاں یہ دستار خود بخود ہم نے نہیں باندھی۔ اگر چاہو تو اسے لے جاؤ اور بازار میں فروخت کر کے درویشوں کے لیے کپڑے خرید کر لاؤ۔ اس نے دستار لے لی اور جا کر بازار میں فروخت کر کے درویشوں کے لیے پارچات خریدے جب واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہی دستار شیخ کے سر پر ہے۔ اسے بڑا تعجب ہوا حضرت شیخؒ نے فرمایا حیران کیوں ہوتے ہو۔ فلاں شخص سے پوچھو کہ یہ دستار کہاں سے لایا ہے۔ اس شخص نے بتایا کہ پارسال میں کشتی میں سوار تھا۔ باد مخالف نے تنگ کیا تو میں نے نذر مانی کہ اگر سلامت رہا تو نہایت عمدہ دستار خرید کر شیخ کی خدمت میں ہدیہ پیش کروں گا۔ چھ ماہ سے کوشش کر رہا تھا کہ کوئی عمدہ دستار مل جائے لیکن نہیں ملتی تھی آج ویسی دستار میں نے فلاں دکان پر دیکھی اور مجھے خیال آیا کہ یہ شیخ کے قابل ہے۔ پس میں خرید کر لایا ہوں۔ شیخ نے فرمایا اس قسم کی دستار میرے سر پر کوئی اور باندھتا ہے میں نہیں باندھتا۔ اس قسم کی کرامات آپ سے بہت منقول ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ عدی بن مسافر الشامی الہکاریؒ

آں از واصلانِ ارباب ہدایت، آں بالاتفاق صاحب ولایت آں فارغ از کار و بے کاری حضرت شیخ عدی بن مسافر الشامی الہکاریؒ تصوف میں آپ کی نسبت شیخ علی عقیلی منبجیؒ اور شیخ حماد درباسؒ سے تھی۔ صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ خلقت آپ کے گرد جمع ہوتی تھی لیکن آپ سب سے منقطع ہو گئے تھے۔ آپ نے ایک زاویہ خانقاہ بنالی تھی۔ اور اس علاقے کے تمام لوگ آپ کے مرید اور معتقد ہو گئے تھے۔ آپ کی کرامات بہت ہیں۔ امام یافعی کی تاریخ میں لکھا ہے کہ آپ کے ایک مرید کا ارادہ یہ ہوا کہ ہوا میں گوشہ نشینی اختیار کرے۔ شیخ عدی نے کہا کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس جگہ پانی ہوتا اور ہمارے کھانے کے لیے کسی چیز کا انتظام ہو جاتا۔ وہاں تو بڑے بڑے پتھر پڑے تھے آپ نے ایک پتھر پر پاؤں مارا تو وہاں سے پانی کا چشمہ رواں ہو گیا اور دوسرے پتھر پر پاؤں مارا تو وہاں انار کا درخت پیدا ہو گیا۔ آپ نے اس درخت سے فرمایا کہ اللہ کے حکم سے ایک دن میٹھا پھل دیا کر اور دوسرے دن ترش پھل چنانچہ درخت سے اسی قسم کے پھل حاصل کرتے تھے۔ اس کا پھل اس قدر لذیذ تھا کہ دنیا میں اس کی مثال نہ تھی۔ آپ کے کمالات اور کرامات بے شمار ہیں۔ شیخ عدیؒ کی وفات ۵۵۸ھ میں ہوئی۔ آپ کی قبر موصل کے علاقے میں ہے۔ اور لوگ وہاں سے فیض و برکت حاصل کرتے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ حیات خراسانیؒ

آں پروردۂ آبِ مجاہدہ، آں زندہ از ذوق مشاہدہ، عارف نورانی شیخ حیات بن قیس خراسانی قدس سرہٗ بڑے صاحب المقامات اور صادق الاحوال تھے۔ کرامات اور کشفِ حقائق میں آپ بے نظیر تھے۔ صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ آپ ان چار بزرگوں میں سے ہیں جو قبر میں بیٹھے دنیا میں تصرف کر رہے ہیں۔ ایک خواجہ معروف کرخیؒ دوسرے

شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ، تیسرے شیخ علی عقیلیؒ، چوتھے شیخ حیات خراسانیؒ۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں یمن سے سمندر میں کشتی پر سوار ہوا۔ جب بحرِ ہند میں پہنچا تو سمندر میں طوفان آ گیا۔ کشتی ٹوٹ گئی اور میں ایک تختے پر بیٹھ گیا اور موجوں نے مجھے ایک جزیرے پر پھینک دیا۔ میں جزیرے میں بہت گھوما لیکن کسی کو نہ پایا۔ سب ویرانہ تھا۔ ناگاہ میں نے ایک مسجد دیکھی۔ جس میں چار بزرگ بیٹھے تھے۔ میں نے سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور حال پوچھا۔ میں نے سارا حال بیان کیا اور ان کی خدمت میں بیٹھ گیا اور ان پر حق تعالےٰ کی کمال قبولیت اور حسن توجہ کا مشاہدہ کیا۔ جب رات ہوئی شیخ حیات خراسانی آئے اور اس جماعت نے ان کا استقبال کیا اور سلام کیا۔ آپ آگے ہو گئے اور ان لوگوں نے اقتدا کی اور نماز عشا ادا کی۔ طلوع آفتاب تک نماز میں کھڑے رہے نماز کے بعد شیخ حیاتؒ نے مناجات شروع کیے اور آخر میں یہ کہا کہ اے محبوب تائبان اے مایۂ شادئ عارفاں، اے روشنئ چشم عابداں، اے انیس گوشہ نشیناں، اے پناہ پناہ گیراں اے معتمدِ منقطعان، اے آرزوئے دلِ صدیقاں، اے محبوب دلہائے محبان اس کے بعد ان پر گریہ طاری ہوا۔ میں نے دیکھا کہ انوار برسنے لگے اور سارا مکان چودھویں کی رات کی طرح منور ہو گیا۔ اس کے بعد شیخ حیاتؒ مسجد سے باہر آئے۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ان کے پیچھے جاؤ۔ میں آپ کے پیچھے جا رہا تھا اور زمین، پہاڑ اور دریا سب آپ کے قدموں کے نیچے گذر رہے تھے۔ آپ چلتے جاتے تھے اور یہ کہتے تھے یارب حیات کن الحیات (اے حیات کے رب حیات ہو جا) تھوڑی دیر میں ہم حران پہنچ گئے۔ لوگ ابھی صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ یوم وفات تک حران میں رہے۔ آپ کی وفات ۵۸۱ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ اسحاق ابن الظریفؒ

آں بحرِ حقائق، کاشفِ دقائق، فارغ از یار و حریف، شیخ ابو اسحاق ابن ظریف قدس سرہٗ کا شمار آزادگان، اکابر اولیا اور افراد صوفیا میں ہوتا ہے۔ آپ قوی الحال

اور بلند مرتبہ تھے۔ آپ کے کمالات کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ آپ کے عقیدتمند اور فیض یافتہ تھے۔ چنانچہ نفحات الانس میں حضرت ابن عربی کا قول فتوحات مکی سے نقل کیا گیا ہے۔ ابن عربی فرماتے ہیں کہ جس قدر مشائخ میں نے دیکھے ہیں ان میں سے شیخ ابو اسحاق بزرگ ترین ہیں۔

شیخ ابو اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ مجھے پہچانتے ہیں سب اولیاء اللہ ہیں کسی نے پوچھا وہ کس طرح۔ فرمایا وہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا وہ میری نیکی بیان کرتے ہیں یا بدی۔ اگر نیکی بیان کرتے ہیں تو درحقیقت وہ خود اس صفت کے مستحق ہیں کیونکہ اگر ان کے اندر وہ صفت نہ ہوتی تو مجھے اس صفت سے موصوف نہ کرتے۔ پس میرے نزدیک ایسا شخص ولی اللہ ہے۔ جو شخص مجھے برائی سے منسوب کرتا ہے وہ صاحب فراست اور کشف ہے جسے حق تعالیٰ نے میرے حال پر اطلاع دی ہے۔ پس یہ شخص بھی ولی اللہ ہے۔ سبحان اللہ حق تعالیٰ نے ان کو توحید میں عجیب استغراق عطا فرمایا تھا۔ فہم من فہم (سمجھا جو سمجھا) آپ کا سن وفات نظر نہیں آیا لیکن آپ شیخ ابو مدین مغربیؒ کے معاصر تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ جاگیرؒ

آں محرم راز نہانی، آں مستغرق ذات ربانی، آں در دوام مشاہدہ امیر مقتدائے قوم حضرت شیخ جاگیرؒ قدس سرہٗ کا شمار محبان وقت میں ہوتا ہے۔ شیخ ابو الوفا کہتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ شیخ جاگیر کو میرے حلقۂ مریدین میں داخل فرما حق تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور مجھے شیخ جاگیر بخشا۔ شیخ جاگیر قوم کرد سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے عراق کے صحراؤں میں پھر پھرا کر آخر ملک شام میں اقامت اختیار کی اور تا حیات وہاں رہے۔ آپ کی قبر اسی جگہ ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ جس نے حق سبحانہٗ تعالیٰ کا چشم باطن سے مشاہدہ کیا حوادث اس کے دل سے ساقط ہو گئے۔ (یعنی تعینات اٹھ گئے) صاحب نفحات آپ کے اصحاب سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن میں آپ

کے ساتھ جا رہا تھا۔ چند مادہ گاؤ آپ کے سامنے سے گذریں۔ ایک گائے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ حاملہ ہے۔ اس کے پیٹ میں اس رنگ کا بچہ ہے جو فلاں وقت پیدا ہوگا اور ہماری نذر ہوگا۔ اور فلاں فلاں اس کا گوشت کھائیں گے۔ ایک اور گائے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ حاملہ ہے اس کے پیٹ میں ایک مادہ بچہ ہے۔ یہ فلاں روز پیدا ہوگا اور فلاں فلاں اس کو کھائیں گے اور ایک سرخ رنگ کا کتا بھی اس کا گوشت کھائے گا۔ چنانچہ آپ نے جو کچھ فرمایا اسی طرح واقع ہوا۔ اس قسم کے خوارق عادت آپ سے بہت سرزد ہوئے۔ آپ کا سنِ وفات ۵۹۰ھ ہے۔ آپ کی وفات خلیفہ ابو العباس احمد بن مستنصر کے عہد میں ہوئی۔ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه۔

حضرت شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم الہاشمیؒ

امام العارفین، بدر العاشقین شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم ہاشمی قدس سرہ کا شمار صاحب نفحات کے کہنے کے مطابق پیشوائے عارفین اور راہ نمائے سالکین میں ہوتا ہے۔ آپ بڑے صاحب احوال اور کراماتِ ظاہرہ کے مالک تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ عالم وہ ہے جو تیرے دل کی بات جانتا ہے اور عاقبت امور سے واقف ہے نہ وہ جو وہی بات کرتا ہے جو دوسروں نے کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں منا میں بیٹھا تھا۔ مجھے سخت پیاس لگی۔ لیکن کسی جگہ پانی نہ پایا۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے میں پانی حاصل کرتا۔ میں جا رہا تھا کہ شاید کہیں کنواں مل جائے۔ تھوڑی دور جا کر میں نے ایک کنواں دیکھا جس پر لوگ جمع تھے۔ اور پانی نکال رہے تھے۔ میں نے ایک شخص سے کہا کہ تھوڑا سا پانی میرے کوزہ میں ڈال دے۔ انہوں نے مجھے مارا اور کوزہ دور پھینک دیا۔ میں کوزہ اٹھانے کے لیے گیا مگر نہایت رنجیدہ خاطر تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مشکیزہ میٹھے پانی سے بھرا ہوا پڑا ہے۔ میں نے سیر ہو کر پانی پیا اور کوزہ بھر کر اپنے دوستوں کے پاس لایا۔ انہوں نے بھی پانی پیا۔ جب میں نے ان سے یہ قصہ بیان کیا تو دیکھنے کے لیے وہ وہاں گئے لیکن کچھ نہ پایا۔ پس میں نے جان لیا کہ یہ

حق تعالیٰ کی نوازش تھی۔ آپ کی وفات ۵۹۹ھ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ عمر ابن فارض الحمودی قدس سرہٗ

آں محقق کار ہائے دیدہ، آں مجاہدہ بکمال رسیدہ، آں از کشتگان حضرت نبوی شیخ عمر ابن فارض حمودی قدس سرہٗ آپ کی کنیت ابو حفص اور لقب شرف الدین ہے۔ آپ قبیلہ بنی سعد سے تعلق رکھتے ہیں اور حضرت بی بی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دایۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے تھے۔ صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ شیخ عمر قدس سرہ حمودی الاصل ہیں اور مصر میں پرورش پائی۔ آپ کا شمار اکابر اولیائے مصر میں ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اوائل تجرید و سیاحت میں میں اپنے والد سے اجازت لے کر مصر کی وادیوں اور پہاڑوں میں پھر پھرا کر والد کے پاس آجاتا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد میں پوری طرح تجرید، سیاحت اور سلوک میں مشغول ہو گیا۔ لیکن فتح باب نہ ہوا۔ حتیٰ کہ ایک دن میں مصر کے ایک مدرسہ میں گیا۔ مدرسہ کے دروازے پر ایک بوڑھا بقال رد کا نذار وضو کر رہا تھا۔ لیکن مسنون طریق سے وضو نہیں کر رہا تھا۔ بلکہ پہلے اس نے ہاتھ دھوئے اس کے بعد پاؤں دھوئے پھر سر کا مسح کیا اور اس کے بعد منہ دھویا۔ یہ دیکھ کر میں حیران ہوا کہ یہ بوڑھا ایک اسلامی ملک میں فقہا کے درمیان رہتا ہے لیکن وضو کرنا نہیں جانتا اس نے میری طرف دیکھ کر کہا اے عمر! تجھے مصر میں فتح باب نصیب نہیں ہوئی سرزمین حجاز اور مکہ میں حاصل ہو جائے گی۔ وہاں جاؤ۔ کیونکہ تمہاری فتح باب کا وقت قریب آگیا ہے۔ پس میں سمجھ گیا کہ وہ ولی اللہ ہیں اور غیر مسنون وضو کا مقصد اظہار جہل اور اپنے آپ کو چھپانا تھا۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا۔ یا سیدی! میں کہاں اور مکہ کہاں۔ حج کا موسم بھی نہیں ہے کہ کوئی ساتھی مل جاتا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا دیکھو وہ تمہارے سامنے مکہ ہے۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مکہ سامنے نظر آرہا تھا۔ پس میں مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن مکہ میری نظروں سے غائب ہو گیا۔ بہرحال وہاں پہنچ کر میرا فتح باب ہو گیا اور اس کے آثار ظاہر ہو گئے۔ میں نے مکہ کے پہاڑوں اور وادیوں کو پہچان

لیا اور ایک ایسی وادی میں مقیم ہوگیا جو مکہ سے دس دن رات کا راستہ ہے میں پنجگانہ نماز حرم شریف میں جماعت کے ساتھ ادا کرتا تھا اور آنے جانے کے لیے ایک بہت بڑا اونٹ آجاتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا یا سیّدی اُرکَب (میرے آقا سوار ہو جاؤ)

لیکن میں ہرگز سوار نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح پندرہ سال گزر گئے کہ ایک دن شیخ بقال کی آواز میرے کان میں پہنچی کہ اے عمر مصر میں واپس آؤ اور میری وفات میں شرکت کرو۔ چنانچہ میں مصر کی طرف روانہ ہوا اور تھوڑی دیر میں ان کے پاس پہنچ گیا میں سلام کرکے بیٹھ گیا۔ انہوں نے چند دینار مجھے دے کر فرمایا کہ اس سے میری تجہیز و تکفین کرنا اور میرا جنازہ فلاں جگہ پر لے جانا (کہتے ہیں کہ شیخ ابن فارض کا مزار بھی وہاں ہے) اور منتظر رہنا حق تعالےٰ کے حکم سے ایک آدمی پہاڑ پر ظاہر ہوگا اور پہاڑ سے نیچے اتر کر میرا جنازہ پڑھائے گا۔ اس کے بعد پھر منتظر رہنا کہ حق تعالےٰ کیا کرتا ہے۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو میں نے وصیّت کے مطابق عمل کیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی پہاڑ سے نیچے آرہا ہے لیکن اس کے پاؤں زمین پر نہیں لگ رہے۔ میں نے انہیں پہچان لیا۔ وہ ایک شخص تھا جو بازار میں گھومتا رہتا تھا اور لوگ ان سے مذاق کیا کرتے تھے۔ اور پتھر مارتے تھے۔ اس نے کہا اے عمر آگے ہو تاکہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ میں آگے ہوا۔ میں نے دیکھا کہ زمین و آسمان کے درمیان سبز اور سفید پرندے ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہیں۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوگئے تو ایک بہت بڑا پرندہ نیچے اترا اور ان کے تابوت (جنازہ) کے نیچے بیٹھ گیا۔ اس کے بعد وہ تابوت کو اٹھا کر اڑا دوسرے پرندے بھی ساتھ ہولئے۔ پرندے تابوت کو آسمان پر اڑا کر لے گئے حتیٰ کہ نظروں سے غیب ہوگئے۔ یہ دیکھ کر میں حیران کھڑا تھا۔ اس آدمی نے کہا۔ یا عمر! تجھے معلوم نہیں کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں سبز پرندوں کی شکل میں پھرتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں۔ جب کشتگانِ شمشیر کا یہ حال ہے تو کشتگان محبت کا کیا حال ہوگا۔ یہ لوگ بھی سبز پرندوں کی صورت میں رہتے ہیں۔ اور یہ بزرگ ان میں سے تھا۔ میں بھی ان میں سے تھا لیکن مجھ سے ایک غلطی ہوگئی جس کی پاداش میں اب مجھے بازار میں پتھر مارتے ہیں اور ذلیل کرتے ہیں،

تاکہ میری اصلاح ہو۔ ابن فارض کا ایک دیوان ہے جس میں انہوں نے بڑے حقائق و معارف بیان کئے ہیں۔ آپ کے قصائد میں سے ایک قصیدہ تائیہ ہے جس کے سات سو پچاس شعر ہیں اور شیخ سعید فرغانی خلیفۂ شیخ صدرالدین قونوی نے کمال ہمت سے اس کی شرح لکھی ہے۔ شیخ برہان الدین جعبری لکھتے ہیں کہ میں جعبر کے نواح میں سفر کر رہا تھا اور اپنے دل میں حدیث التذاذفی المحبت رشاید قصیدہ ابن فارض کا حصہ ہے، پڑھ رہا تھا۔ ناگاہ بجلی کی طرح ایک آدمی ہوا میں اڑتا ہوا گذرا اور یہ کہتا گیا کہ اے میرے . . . عاشق اور محب کبھی کبھی میری ذات میں فنا ہو جایا کرو تاکہ حقیقت فنا فی الذات تجھے میسر آئے اور میری وحدت کی حقیقت تیرے دل میں ظاہر ہو اور تو قطعاً باقی نہ رہے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ میرے دوست کی روح ہے۔ میں اس کے درپے ہوا حتیٰ کہ ایک آدمی کو پالیا اور اس سے پوچھا کہ یہ روح کس کی تھی۔ اس نے کہا یہ شرف الدین ابن فارض تھے۔ میں نے پوچھا اب وہ کہاں ہیں۔ اس نے جواب دیا اب اس کی موت قریب ہے اور میں اس بات پر مامور ہوں کہ ان کے انتقال کے وقت حاضر رہوں اور نماز جنازہ پڑھوں۔ اب میں اس کی طرف جا رہا ہوں۔ پس وہ مصر کی طرف روانہ ہوئے اور میں بھی ساتھ ہو لیا۔ جب ہم شیخ عمر ابن فارض کے پاس پہنچے تو آپ کا آخری وقت تھا۔ میں نے سلام کیا۔ آپ نے جواب دیا اور فرمایا کہ اے ابراہیم تجھے بشارت ہو کہ تو ولی اللہ ہے۔ میں نے عرض کیا یا سیدی! مجھے معلوم ہے کہ بشارت حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اور آپ کی زبان سے ملی ہے لیکن میں اس کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔ فرمایا میں نے حق تعالیٰ کی خدمت میں درخواست کی تھی کہ میرے انتقال کے وقت اولیاء اللہ کی جماعت حاضر ہو۔ جب تم آئے ہو تو یقیناً تم ان میں سے ہو۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ بہشت آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ بہشت کو دیکھتے ہی آپ نے آہ سرد لی۔ آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور رنگ تبدیل ہو گیا۔ آپ نے کہا اگر میرے عشق کی یہی قدر و منزلت ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو بلاشک میں نے ساری عمر ضائع کی [مترجم نے ایک روایت میں دیکھا ہے

کہ بہشت کو دیکھتے ہی آپ نے مندرجہ ذیل شعر کہا۔ جس کے معنی بعینہٖ وہی ہیں

جو نثر میں اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ شعر

ان کان منزلتی فی الحب عندکم ما قد رائت فقد ضیعت ایامی

(اگر میرے عشق کی یہی قدر و منزلت ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو میں نے اپنی

زندگی برباد کی۔ اس کے بعد آپ پر تجلی ذاتی ہوئی اور اس میں آپ نے جان جان پرور

کے حوالہ کر دی، شیخ ابراہیم کہتے ہیں کہ جب آپ نے بہشت سے منہ پھیر کر یہ کلمات

فرمائے تو میں نے کہا یا سیدی! یہ تو بہت بڑا مقام ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابراہیم

رابعہ بصریؒ عورت تھی۔ اس نے کہا اے اللہ! اگر میں تیری دوزخ کے ڈر سے عبادت

کرتی ہوں تو مجھے آگ میں جلا اور اگر بہشت کے طمع سے تیری پرستش کرتی ہوں

تو بہشت مجھ پر حرام کر دے۔ کیونکہ مجھے تیری محبت کافی ہے لہذا میں نے بہشت

طلب نہیں کی تھی اور ساری عمر بہشت کی طلب میں صرف نہیں کی۔ اس کے بعد

آپ پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے اور جاں بحق ہو گئے۔ خوشی اس بات سے تھی کہ

آپ پر تجلّی ذاتی ہوئی اور اسی میں جان دے دی اور یہی عشاق کی تمنا ہوتی ہے

طالب ذات ہوتے ہیں نہ کہ طالب صفات۔ ایں سمجھ گیا کہ انہوں نے اپنا مقصود حاصل

کر لیا۔ شیخ ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ آپ کے انتقال کے وقت اولیاء اللہ کی ایک کثیر

جماعت حاضر تھی۔ جن سے بعض کو میں پہچانتا تھا اور بعض کو نہیں جانتا تھا۔ میں نے

اپنی عمر میں اس سے بڑا جنازہ نہیں دیکھا۔ سبز اور سفید پرندے جنازے کے اوپر پرواز

کر رہے تھے اور بے شمار لوگ جنازہ اٹھانے کے لیے گرد و پیش تھے۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی روح مبارک بھی موجود تھی اور نماز جنازہ میں شرکت فرمائی۔ میں نے ہر طائفہ

کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی۔ اس لیے دفن کرنے میں دیر ہو گئی۔ اور بعض لوگ اس تاخیر

کی وجہ سے چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ یہ تاخیر ایک قسم کی تادیب (تنبیہ) ہے۔ کیونکہ

ابن فارض اللہ کی محبت میں بلند مقام کا دعویٰ کیا کرتا تھا۔ لیکن حقیقی راز سے وہ

آگاہ نہ تھے. سوائے چیدہ چیدہ حضرات کے. آپ کی وصیت کے مطابق میں تین دن آپ کی قبر پر مقیم رہا اور عجیب وغریب احوال کا مشاہدہ کیا. عقل اس کے سمجھنے سے قاصر ہے. آپ کی وفات ماہ جمادی الثانی ۶۲۳ھ میں ہوئی. رحمۃ اللہ علیہ.

حضرت شیخ موسیٰ سدرانیؒ

آں تیز تر از وہم و خیال. آں موصوف صفات و حال، آں مجسم روحانی عجوبۂ زماں شیخ موسیٰ سدرانی قدس سرہٗ حضرت شیخ ابو مدین مغربیؒ کے اصحاب کبار میں سے تھے. آپ بڑے صاحب حال اور باکمال بزرگ تھے. اس قسم کی ولایت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہے ماسوا امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے. صاحب نفحات قدیم مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ شیخ عماد الدین محمد بن شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں کعبہ کا طوائف کر رہا تھا اور شیخ موسیٰ سدرانی مغربیؒ بھی طواف میں مشغول تھے. لوگ آپ سے تبرک حاصل کر رہے تھے اور زیارت کی جستجو کر رہے تھے. لوگوں نے آپ کے سامنے میری تعریف کی کہ یہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے فرزند ہیں. آپ نے مجھے مرحبا کہا اور میرے سر پر بوسہ دے کر دعائے خیر دی. چنانچہ آپ کی دعا کی برکت کا میں اپنے اندر مشاہدہ کر رہا ہوں اور اس بات کا امیدوار ہوں کہ آخرت میں بھی میرے ساتھ ہوں. طواف سے فارغ ہو کر میں اپنے والد کی خدمت میں گیا اور سارا ماجرا بیان کیا. میرے والد بہت بہت خوش ہوئے. اس کے بعد حاضرین مجلس نے شیخ موسیٰؒ کے مناقب بیان کرنا شروع کیے ان میں سے ایک نے کہا کہ ہر شبانہ روز یعنی ایک دن رات میں سترہ ہزار ختم قرآن آپ کا ورد ہے. میرے والد خاموش تھے. میرے والد کے اصحاب کبار میں سے ایک نے قسم کھا کر کہا کہ صحیح ہے. انہوں نے کہا پہلے میرے دل میں اس روایت کے متعلق کچھ شک تھا لیکن ایک دن میں نے شیخ موسیٰ کو طواف کرتے دیکھا. انہوں نے حجر اسود کی زیارت کر کے سورہ فاتحہ شروع کی اور چلتے چلتے تلاوت

کرتے رہے حتیٰ کہ خانہ کعبہ کے دروازہ تک جو حجر اسود سے چار قدم پر ہے پہنچتے ہی آپ نے قرآن ختم کر لیا اور میں نے سارا قرآن حرف بحرف سُنا۔ یہ سُن کر میرے والد نے اس کی تصدیق فرمائی۔ اس کے بعد میں نے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک کرامت ہے جسے بسط زمان کہتے ہیں اور بعض اولیاء اللہ کو یہ کرامت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ شیخ الشیوخ ابن سکینہ کا ایک مرید تھا جو صباغ یعنی رنگریز تھا۔ اس کے ذمہ یہ کام تھا کہ صوفیوں کے لیے نماز کی صفیں خانقاہ سے اٹھا کر جامع مسجد میں لے جاتا اور جمعہ نماز کے بعد صفیں سمیٹ کر خانقاہ میں لے آتا۔ ایک جمعہ کے دن وہ صفیں ایک دوسرے پر باندھ کر دریائے دجلہ پر غسل کرنے چلا گیا۔ اس نے کپڑے دریا کے کنارے پر رکھ دیئے اور غسل کرنے لگا۔ غوطہ لگانے کے بعد جب باہر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ دجلہ نہیں ہے کوئی اور مقام ہے۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا مقام ہے لوگوں نے کہا دریائے نیل ہے اور ملک مصر ہے۔ سخت حیرانی کے عالم میں پانی سے باہر آیا اور شہر کی طرف گیا۔ بازار میں اس نے ایک رنگریز کی دکان دیکھی اور اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس مصری رنگریز نے فراست سے پہچان لیا کہ یہ رنگریز ہے۔ جب اس کی آزمائش کی تو معلوم ہوا کہ اپنے فن رنگریزی میں کمال رکھتا ہے۔ چنانچہ اس کی عزت کی اور اپنے گھر لے گیا۔ اور اپنی لڑکی کا اس کے ساتھ عقد نکاح کر دیا۔ اسی طرح سات برس گذر گئے اور اللہ نے اسے تین لڑکے عنایت فرمائے۔ ایک دن وہ دریائے نیل کے کنارے گیا اور غوطہ لگانے کے بعد جب باہر آیا تو دیکھا کہ دریائے دجلہ کے اسی مقام پر ہے جہاں وہ اپنے کپڑے رکھ کر غسل کرنے لگا تھا۔ جب باہر آیا تو دیکھا کہ اس کے کپڑے اسی طرح کنارے پر پڑے ہیں۔ کپڑے پہن کر وہ جلدی سے خانقاہ گیا صفیں اسی طرح ایک دوسری پر بندھی پڑی تھیں۔ اس کے ساتھیوں نے کہا جلدی کرو اکثر صوفی مسجد کی طرف چلے گئے ہیں۔ صفیں جلدی لے جاؤ۔ نماز کے بعد وہ صفیں اٹھا کر خانقاہ لے گیا اور جلدی سے گھر گیا۔ اس کی بیوی نے کہا مہمانوں کے

لیے جو مچھلی آپ نے تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ تیار ہے مہمان کہاں ہیں۔ وہ مہمانوں کو گھر لائے اور کھانا کھانے کے بعد اپنے شیخ ابن سکینہؒ کی خدمت میں جا کر سارا ماجرا بیان کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ اپنے بچوں کو مصر سے بغداد لے آؤ۔ چنانچہ وہ اپنے بچوں کو بغداد لایا اور جو کچھ بیان کیا تھا سچ کر دکھایا۔ شیخ ابن سکینہؒ نے پوچھا کیا اس دن تیرے دل میں کوئی شک تھا۔ اس نے جواب دیا کہ پہلے دن سے میرے دل میں اس آیت قرآن کے متعلق شک تھا۔ کان مقدارہٗ الف سنۃٍ (یعنی اس کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوگا) شیخ نے فرمایا کہ یہ واقع حق تعالےٰ کی طرف سے تجھ پر ایک رحمت ہے۔ جس سے تیرا شک دور ہوگیا ہے اور ایمان صحیح ہوا ہے۔ حق تعالےٰ اس بات پر قادر ہے کہ اپنے بعض بندوں کو بسط زمان کی کرامت عطا فرماتا ہے اور تھوڑے وقت کو طویل کر دیتا ہے اور بعض کے لیے قبض زمان ہوتا ہے یعنی زیادہ وقت کو کم کر دیتا ہے۔ واللہ قادرٌ علیٰ ما یشآءُ (اللہ تعالےٰ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے) نفحات الانس میں بھی شیخ موسیٰؒ کے متعلق اسی قسم کی حکایت نقل کی گئی ہے۔ حق سبحانہٗ تعالےٰ کے دوستوں کے کمالات اور احوال وہم و خیال سے برتر ہیں۔ آپ کا سن وصال معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن آپ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے ہم عصر تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

طبقہ ۱۷
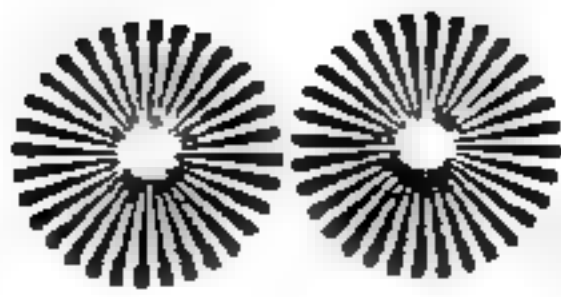
احوال حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ و شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

امام ارباب طریقت، پیشوائے اصحاب حقیقت، مستغرق در ذاتِ ذوالجلال، ناطق بلسانِ احوال، طوفانِ ضلالت کی کشتی، قطبِ وحدت، حضرت خواجہ معین الحق والدین چشتی قدس سرہٗ بن سید غیاث الدین حسن سنجری اولیائے کبار اور عارفینِ صاحب اسرار میں سے تھے۔ آپ کے کمالات و کرامات بیشمار ہیں۔ حقائق و معارف میں آپ کے کلمات بہت بلند ہیں۔ آپ حق تعالیٰ کے مخصوصان و مقربان خاص میں سے تھے اور آپ کا شان بہت بلند اور حال نہایت قوی تھا۔ جو شخص آپ کا چہرہ مبارک دیکھتا تھا وحدانیتِ حق اور رسالتِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لے آتا تھا۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں جو لوگ غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا تھے آپ ان سب کو شرک کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لے آئے یہ اس وجہ سے تھا کہ بحکم حدیث اَلشَّیْخُ فِی الْقَوْمِ کَالنَّبِیِّ فِی الْاُمَّتِ (شیخ اپنی قوم میں اس طرح ہے جس طرح ایک نبی اپنی امت میں) آپ وارث بلکہ نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ چنانچہ آپ کو رسولِ ہند کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انیس ارواح اور دیگر کتب میں لکھا ہے کہ آپ ساداتِ حسینی ہیں۔ یعنی خواجہ معین الدین بن سید غیاث الدین حسن بن سید احمد حسن بن سید طاہر حسن بن سید عبد العزیز بن سید ابراہیم بن امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ، بن امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ بن حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بن امام محمد باقر رضی اللہ عنہ بن امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بن امام حسین رضی اللہ عنہ بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

عالی مقام آپ کے کمالات کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک تک مُلک ہندوستان میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہُوئے چنانچہ احادیث صحیح سے ثابت ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک سے پانچ سو سال تک آپ کے سوا حق تعالیٰ نے کسی ولی اللہ کو اس قدر تصرف عطا نہیں کیا کہ جس نے پورے ہندوستان کو جو ابتدائے آفرنیش سے شرک کی تاریکی میں ڈوبا ہُوا تھا۔ اپنی ولایت کی قوت سے نورِ وحدانیت سے مُنوّر کر دیا۔ جیسا کہ اظہر من الشمس ہے۔ اس بارے میں اس زمانے کے ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے۔ قطعہ

ہمہ غافل از حکمِ دینِ شریعت ہمہ بے خبر از خدا و پیمبرؐ
نہ ہرگز کسے دیدہ منہار قبلہ نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر

(سب لوگ شریعت کے احکام سے غافل اور خدا اور رسولؐ سے بے خبر تھے نہ کسی نے کعبہ دیکھا تھا نہ کبھی اللہ اکبر کی آواز سنی تھی۔) شعر:۔

از فیضِ او بجائے صلیب و کلیسیا در دارِ کفر مسجد و محراب و منبر است
آنجا کہ بُود نعرۂ فریادِ مشرکاں اکنوں خروشِ نعمۂ اللہ اکبر است

خواجہ بزرگ نے خرقۂ خلافت حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ سے حاصل کیا اور آپ کو اپنے زمانہ کے تمام مشائخ کی صحبت حاصل ہُوئی ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت قصبہ سنجر میں ہُوئی اور خراساں میں پرورش پائی۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ جب آپ کی عمر پندرہ برس کی ہُوئی تو آپ کے والد بزرگوار خواجہ غیاث الدین قدس سرہٗ نے جو نہایت ہی متقی و پرہیز گار تھے وفات پائی۔ آپ کا ایک باغ تھا جس کی آمدنی سے بسر اوقات ہوتی تھی۔ وہاں ایک مجذوب رہتے تھے۔ جن کا نام ابراہیم تھا۔ ایک دن ان کا گذر حضرت خواجہ بزرگ کے باغ میں ہُوا۔ آپ نے ان کو نہایت عزت و تکریم کے ساتھ درخت کے نیچے بٹھایا، انگوروں کا خوشہ پیش کیا اور ادب سے اُن کے سامنے بیٹھ گئے۔ ابراہیم نے بغل سے کھل نکال اور چبا کر حضرت خواجہ بزرگ کے منہ میں ڈال دی۔ اُسے کھاتے ہی آپ کے باطن میں نورِ معرفت

چمکنے لگا۔ چنانچہ آپ گھر بار اور ملک املاک سے متنفر ہو گئے۔ دو تین دن کے اندر آپ نے اپنا باغ اور سامان فروخت کر کے درویشوں میں تقسیم کر دیا اور طلب حق میں روانہ ہو گئے مدت تک آپ سمرقند اور بخارا میں رہے۔ کلام پاک حفظ کیا اور ظاہری علم حاصل کیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ اس سے بھی مقصد حاصل نہیں ہوا تو وہاں سے آپ مرشد کی تلاش میں عراق (عرب) تشریف لے گئے جب آپ قصبہ ہارون جو نیشاپور کے نواح میں ہے پہنچے تو حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے ڈھائی سال تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کی اور ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہے جب آپ مرتبۂ تکمیل تک پہنچے تو خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خرقۂ خلافت دے کر رخصت کر دیا لیکن خواجہ بزرگ خود انیس الارواح میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رح کی زیارت کے لیے میں بغداد پہنچا اور بیس سال آپ کی خدمت میں رہ کر ظاہری اور باطنی سفر طے کئے اس کے بعد خرقۂ خلافت سے مشرف ہوا چنانچہ اس کا ذکر حضرت خواجہ عثمان ہارونی رح کے حالات میں ہو چکا ہے وہاں سے آپ قصبہ سنجان میں تشریف لائے۔ اس وقت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ بغداد میں ابتدائی سلوک طے کر رہے تھے خواجہ بزرگ قدس سرہٗ نے ان کے حق میں دعا کی اور خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رح نے بھی ابتدائے حال میں آپ سے فیض حاصل کیا ہے چنانچہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس رح نے خواجہ بزرگ کے ملفوظات میں اکثر جگہ لکھا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی رح اور شیخ اوحد کرمانی رح ڈھائی مہینے آپ کی خدمت میں رہے وہاں سے خواجہ بزرگ قصبہ جیال تشریف لے گئے جو بغداد سے سات دن کے راستہ پر کوہ جودی کے دامن میں واقع ہے۔ شیخ محی الدین عبد القادر جیلی قدس سرہٗ اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے۔ آپ پانچ ماہ اور سات دن ان کی صحبت میں رہے اور دونوں حضرات کے درمیان راز و نیاز کی مجالس گرم رہیں وہاں سے آپ بغداد تشریف لے گئے اور شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی رح کی صحبت میں رہے اور بہت محظوظ ہوئے۔ شیخ اوحد کرمانی رح اس وقت ابتدائے سلوک میں تھے۔ خواجہ بزرگ نے ان کے حق میں بھی توجہ فرمائی اور خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ آپ

بغداد سے چل کر ہمدان پہنچے وہاں شیخ یوسف ہمدانیؒ جو اُس وقت کے بڑے بزرگ تھے کی صحبت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد آپ تبریز تشریف لے گئے اور شیخ ابوسعید تبریزیؒ جو بڑے عارف کامل، مجرّد اور متوکل تھے کی صحبت حاصل کی۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ ابوسعیدؒ کے شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی طرح سیّٹر مرید تھے

مجاہدات

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ خواجہ بزرگؒ نے بڑے بڑے مجاہدات کئے۔ آپ سات دن کے بعد پانچ مثقال کے برابر روٹی پانی میں بھگو کر کھاتے تھے۔ آپ کا لباس دو چادریں تھیں جن میں کئی پیوند لگ چکے تھے۔ پیوند لگانے کے لیے جس قسم کا کپڑا مل جاتا آپ چادریں سی لیتے تھے۔ جب آپ اصفہان تشریف لے گئے تو شیخ محمود اصفہانیؒ جو وہاں کے بڑے مشائخ تھے کی خدمت میں گئے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا اس وقت یہ ارادہ تھا کہ شیخ محمودؒ سے بیعت کرلیں لیکن جب خواجہ بزرگؒ کے جمالِ احوال کا مشاہدہ کیا تو بے اختیار ہو کر آپ کی خدمت میں پیوست ہو گئے اور بیعت کرلی۔ خواجہ غریب نوازؒ کے لیے بھی ان سے بہتر کوئی مصاحب اور محرم راز نہ تھا جیسا کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کے لیے خواجہ غریب نوازؒ سے بہتر کوئی مرید نہ تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا معین الدین اللہ تعالےٰ کا محبوب ہے اور مجھے اپنے مرید پر فخر ہے۔ اسی طرح خواجہ غریب نوازؒ بھی خواجہ قطب علیہ رحمۃ کے ساتھ کمال شفقت سے پیش آتے تھے۔ آخر آپ نے وہ دو چادریں خواجہ قطبؒ کو عنایت کیں جو اُن سے خواجہ فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ تک پہنچیں۔ سلطان المشائخ فوائد الفوائد میں فرماتے ہیں کہ میں نے ان دو چادروں کی زیارت کی ہے۔ غالباً سلطان المشائخؒ کو ملی ہوں گی۔ خواجہ بزرگؒ کو باون برس کی عمر میں خرقۂ خلافت اور اجازت نامہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ سے ملا تھا۔ آپ مشغولِ عظیم رکھتے تھے۔ جہاں کہیں جاتے تھے۔ اکثر قبرستان میں رہائش رکھتے اور روزانہ دو قرآن پاک ختم کرتے تھے جس جگہ آپ کی شہرت ہو جاتی آپ وہاں سے چلے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ تبریز سے مہنہ کی طرف تشریف لے گئے اور شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے مزار کی زیارت سے فیض یاب ہوئے۔

خرقان گئے تو حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے مزار اقدس سے فیض حاصل کیا۔ دو سال اس علاقے میں رہنے کے بعد آپ استر آباد تشریف لے گئے اور شیخ ناصر الدین استر آبادیؒ کا فیض صحبت حاصل کیا۔ شیخ ناصر الدینؒ عظیم القدر مشائخ تھے جن کی عمر اس وقت ایک سو سات سال تھی اور جو دو تین واسطوں سے سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامیؒ سے نسبت رکھتے تھے۔ نیز انہوں نے شیخ ابوالحسن خرقانیؒ اور شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بھی پائی تھی۔

استر آباد سے خواجہ بزرگؒ ہرات تشریف لے گئے اور کافی عرصہ اس علاقہ میں رہ کر وہاں کے مشائخ کی زیارت کرتے رہے۔ آپ رات دن شیخ عبداللہ انصاری قدس سرہٗ کے مزارِ مبارک پر رہتے تھے اور اکثر عشا کی نماز کے وضو کے ساتھ نماز فجر ادا کرتے تھے۔ جب ہرات میں آپ کی شہرت زیادہ ہوگئی اور خلقت کا ہجوم ہونے لگا تو وہاں سے رخصت ہو کر آپ سبزوار تشریف لے گئے۔ وہاں کا حاکم محمد یادگار نامی ایک نہایت سخت مزاج، کج طبع اور فاسق و فاجر اور بدعقیدگی میں مشہور تھا۔ اس نے ایک باغ کے اندر مکان بنا رکھا تھا جس میں وہ اکثر شراب خوری اور فسق و فجور میں مشغول رہتا تھا۔ حضرت خواجہؒ جب سبزوار پہنچے تو پہلے ہی دن آپ نے باغ کے اندر جا کر حوض پر غسل فرمایا اور دوگانہ نفل ادا کر کے تلاوتِ کلام پاک میں مشغول ہو گئے۔ اتفاقاً محمد یادگار بھی اسی وقت باغ میں آ گیا۔ خادم نے خواجہ بزرگؒ کو اطلاع دی کہ امیر شہر باغ میں آ رہا ہے۔ اس کے فراش پہنچ گئے ہیں اور خود بھی پہنچنے والا ہے۔ خادم نے کہا کہ مصلحت یہ ہے کہ آپ باغ سے باہر تشریف لے چلیں کیونکہ وہ بہت بدتمیز آدمی ہے۔ لیکن آپ نے قطعاً پروا نہ کی اور خادم کو حکم دیا کہ فلاں سرو کے درخت کے نیچے جا کر بیٹھ جاؤ۔ فراشوں نے آ کر حوض کے گرد قالین بچھانے شروع کر دیئے لیکن ان کے دل میں خواجہ بزرگؒ کی اس قدر ہیبت پیدا ہوئی کہ کوئی بات منہ سے نہ نکال سکے۔ اتنے میں محمد یادگار بھی آ گیا اور حضرت خواجہؒ کو دیکھ کر ناراض ہوا۔ لیکن آپ نے اس کی بھی کوئی پروا نہ کی۔ البتہ ایک نگاہ لطف اس پر ڈالی جس سے اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا اور لڑکھڑا کر

زمین پر گر پڑا۔ اس کے خدام پر بھی یہی حالت طاری تھی اور سب آپ کے قدموں پر گر رہے تھے۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ حوض سے تھوڑا سا پانی لے کر اُس کے منہ پر ڈال دے، پانی پڑتے ہی وہ ہوش میں آیا اور اُٹھ کر خواجہ بزرگؒ کے قدموں پر گر گیا۔ آپ نے فرمایا اب تو بُرے عقاید سے باز آئے ہو۔ اُس نے عرض کیا کہ واللہ میں اپنی تمام خواہشات دنیوی و اُخروی سے باز آیا۔ خدا معلوم آپ نے اسے کیا دکھایا جس سے وہ اپنی تمام عادات بد چھوڑ کر آپ کے ہاتھ پر تائب ہُوا اور شرفِ بیعت حاصل کیا۔ اس کے بعد اس نے اپنا سارا مال و اسباب اور زر و جواہر لا کر حضرت خواجہ کے سامنے رکھ دیئے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور خصموں کو راضی کرو تاکہ حق تعالےٰ تمہاری توبہ میں استقامت بخشے اس نے حکم کی تعمیل کی اور تمام غلاموں اور خادماؤں کو آزاد کر دیا جو کچھ ان کے پاس تھا سب اُن کو بخش دیا۔ اس کی دو بیویاں تھیں دونوں کا حق المہر ادا کر کے ان کو طلاق دے دی اور اپنے آپ کو حضرت خواجہ کی محبت میں نثار کر دیا۔ آپ نے اس طرح اس کی تربیت فرمائی کہ تھوڑے عرصے میں وہ عارف باللہ اور صاحبِ ارشاد ہو گئے۔ (یعنی خلافت و اجازت سے مشرف ہُوئے) یہاں سے آپ حصار شادماں پہنچے اور محمد یادگار کو وہاں مقیم فرما کر سارا علاقہ ان کے سپرد کر دیا چنانچہ خلقت ان سے فیض یاب ہوئی صاحب سیر العارفین نے لکھا ہے کہ میں نے حصار شادماں جا کر محمد یادگار رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کی ہے۔ بڑی پُر فضا جگہ ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

وہاں سے خواجہ بزرگ بلخ تشریف لے گئے اور وہاں کے مشائخ سے ملنے کے بعد آپ نے نرجام کے مقام پر شیخ احمد خضرویہ قدس سرہٗ کی خانقاہ میں اُن سے روحانی محبت کی کی بنا پر چند ماہ قیام فرمایا۔ وہاں مولانا ضیاء الدین حامد حکیم بلخی رہتے تھے جو تصوف میں ہرگز یقین نہ رکھتے تھے بلکہ اہلِ تصوف سے شدت سے پیش آتے تھے اور بالکل منکر تھے ایک دن خواجہ بزرگؒ درخت کے نیچے نماز پڑھ رہے تھے اور خادم کباب تیار کر رہا تھا اتفاقاً مولانا ضیاء الدین کا وہاں سے گذر ہُوا۔ جب حضرت خواجہ نماز سے فارغ ہُوئے تو مولانا ضیاء الدین نے آ کر سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ خادم نے کباب لا کر سامنے رکھ دیئے آپ نے کچھ کباب اُن کے سامنے رکھے۔ کھاتے ہی تمام اعتراضات ان کے دل سے

صاف ہو گئے اور نور معرفت چمکنے لگا۔ بے اختیار ہو کر خواجہ بزرگؒ کے قدموں میں گر گئے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ دوسرے دن انہوں نے اپنا سارا کتب خانہ پانی میں پھینک دیا اور اسباب دنیا سے الگ تھلگ ہو کر مجاہدات و سلوک میں مشغول ہو گئے۔ ان کے تمام شاگرد بھی تائب ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ مولانا ضیاء الدینؒ کو خلافت دے کر آپ نے وہ علاقہ ان کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے غزنی کا سفر اختیار کیا اس وقت شمس العارفین شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ نظام الدین ابو المویدؒ کے مرشد تھے اور جن کا ذکر خواجگان چشت کے ملفوظات میں اکثر آتا ہے غزنی میں رہتے تھے۔ خواجہ بزرگؒ کی ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ غزنی سے آپ لاہور پہنچے اور حضرت سید علی حجویریؒ (ہجویری) معروف داتا گنج بخش قدس سرہٗ کے مزار مبارک سے فیض یاب ہوئے۔ اس وقت شیخ حسین زنجانیؒ ظاہری حیات میں تھے۔ ان سے آپ کے گہرے تعلقات ہو گئے۔ چند روز لاہور میں رہ کر آپ دہلی تشریف لے گئے۔ اس وقت دہلی رائے پتھورا چوہان کا پایہ تخت تھا وہ لوگ مسلمانوں سے اس قدر متنفر تھے کہ مسلمان کا منہ دیکھنا گناہ سمجھتے تھے۔ لیکن خواجہ بزرگؒ اپنی ولایت کی قوت سے دہلی کے اندر داخل ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ اس وقت چالیس صوفی باصفا تھے آپ چند ماہ دہلی میں رہے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ خواجہ بزرگ نے اس جگہ قیام فرمایا تھا جہاں اب شیخ رشید مکیؒ کی قبر ہے۔ ہندوستان کفر کی کان میں رہتے ہوئے آپ کے خدام پانچ وقت آذان دیتے تھے اور نماز باجماعت ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کر کفار جلتے تھے۔ انہوں نے آپ کے خدام کو نقصان پہنچانے کی بہت کوشش کی لیکن جونہی وہ یہ خیالِ فاسد لے کر باہر نکلتے ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور مجبور ہو کر رہ جاتے تھے ایک دن ایک سخت دل کافر خنجر بغل میں چھپا کر خواجہ بزرگؒ پر ہاتھ صاف کرنے کی غرض سے آیا اور آکر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے فراست سے اس کا ارادہ معلوم کر لیا۔ اور اس سے فرمایا کہ خنجر کیوں نہیں چلاتے میری گردن حاضر ہے۔ یہ سنتے ہی اس کے جسم میں لرزہ طاری ہو گیا۔ خنجر نکال کر ایک طرف پھینک دیا اور حضرت خواجہ کے قدموں پر گر گیا۔ اس کے بعد اس نے توبہ کی اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ کتاب کلمات الصادقین میں

لکھا ہے کہ ایک دن خواجہ بزرگ کا گذر کفار کے ایک بتکدہ پر ہوا۔ اس وقت سات کافر بت پرستی میں مشغول تھے۔ آپ کا جمال با کمال دیکھتے ہی بے بس ہو گئے اور قدموں میں آکر گر گئے توبہ کی اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ آپ نے اُن میں سے ہر ایک کو "حمید الدین" کا لقب دیا اور شیخ حمید الدین دہلوی ان سات حضرات میں سے ہیں۔ جب دہلی میں خاص و عام آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تو وہاں سے آپ نے اجمیر کی راہ اختیار کی۔ اُس وقت رائے پتھورا اکثر اجمیر میں رہا کرتا تھا۔ خواجہ بزرگ کے کرامات اور خوارق عادت دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا اپنی جاہ و حشمت کی خاطر وہ زبان سے کچھ نہیں کہتا تھا لیکن دل میں وہ ملک ہندوستان کی بادشاہی سے ہاتھ دھو چکا تھا۔ جب اجیپال جوگی خواجہ بزرگ کے کمالات و کرامات کا مشاہدہ کر کے پشیمان ہوا اور اسلام لایا اور حضرت خواجہؒ کا حلقہ بگوش غلام بن گیا تو رائے پتھورا مجبور ہو گیا اور آپ کے خادمان کو ضرر پہنچانے کے منصوبے بنانے لگا لیکن جونہی اس کے دل میں یہ خیال فاسد آتا تھا وہ نابینا ہو جاتا تھا اور جب اس خیال سے توبہ کرتا تو بینا ہو جاتا۔ اس قسم کے کرامات دیکھنے کے باوجود شرک کی ظلمت اُس کے دل سے نہیں نکلتی تھی۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ خواجہ غریب نوازؒ کا ایک مرید تھا جسے رائے پتھورا بہت تنگ کرتا تھا اس نے آپ سے مدد کی التجا کی۔ آپ نے راجہ پتھورا سے کہلا بھیجا کہ اس کو مت ستاؤ۔ لیکن رائے پتھورا کا سر غرور و تکبر سے بھرا ہوا تھا۔ باز نہ آیا اور خواجہ بزرگ کی شان میں بھی ناشائستہ کلمات منہ سے نکالے۔ جب یہ بات آپ تک پہنچائی گئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ "پتھورا را زندہ گرفتہ بدست لشکر اسلام دادم" (یعنی پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے میں نے لشکر اسلام کے ہاتھ میں دے دیا) انہی ایام میں سلطان فخر الدین سام عرف شہاب الدین غوریؒ لشکرے کر غزنی سے ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ پتھورا نے مقابلہ کیا لیکن اللہ کے حکم سے وہ زندہ گرفتار ہو گیا اور مسلمانوں نے اسے قتل کر ڈالا۔ اسی دن سے ہندوستان میں اسلام مستحکم ہو گیا خواجہ بزرگ کی برکت سے اس کے بعد کوئی ہندو حکمران نہ ہوا۔ منتخب التاریخ میں لکھا ہے کہ ۵۸۹ھ میں دہلی سلاطین اسلام کا پایہ تخت ہو گیا۔ سلطان معز الدین نے چند روز دہلی میں

رہ کر سلطنتِ ہندوستان اپنے معتمد غلام قطب الدین ایبک کے سپرد کر دی اور خود غزنی چلا گیا چند سال خراسان میں حکومت کرنے کے بعد تین شعبان ۶۰۲ھ کو غزنی کے نواح میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان قطب الدین ایبک دہلی کے تخت پر مستحکم ہو گیا اور ہندوستان کے ہر گوشے میں لشکر بھیج کر سلطنت کی توسیع کی۔ میر سید حسین مشہدی کو جو سید حسین خنگ سوار کے نام سے مشہور تھے اجمیر کا حاکم مقرر کیا۔ سید حسین خواجہ بزرگ سے کمال عقیدت رکھتے تھے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ اجمیر کے گرد و نواح کے اکثر لوگ سید حسین کی کوشش سے اجمیر آکر خواجہ بزرگ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ غرضیکہ جب آپ کی کرامات اور کمالات کا چرچا ہوا تو مختلف قبائل کے لوگ اجمیر پہنچ کر خواجۂ بزرگ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہونے لگے۔ حضرت خواجہ کی نظر خاص آیۂ پاک یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاۤءُ وَیُضِلُّ مَنْ یَّشَاۤءُ (اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔) پر تھی۔ صوفیا کرام کے مشرب کے مطابق آپ کسی کو اسلام کی دعوت نہیں دیتے تھے۔ جو شخص خلوص دل سے خود بخود اسلام کی طرف مائل ہوتا تھا آپ اُسے قبول کر لیتے تھے۔ وحدت الوجود میں کمالِ استغراق کی وجہ سے آپ ہر فرقہ کے لوگوں سے تواضع سے پیش آتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کافر و مسلمان، اپنے اور پرائے، تمام مذاہب کے پیرو کار آپ کی خدمت میں استعانت کے لیے حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے تھے۔ چنانچہ اس وقت تک یہ سُنت جاری ہے اور ہندو اور دیگر اقوام کے لوگ عرس کے ایام میں یا دوسرے مواقع پر مزارِ اقدس پر حاضر ہو کر غایتِ صدق و اخلاص سے نذر و نیاز پیش کرتے ہیں اور آستانہ عالیہ کی خاک پر منہ رگڑنے سے فخر حاصل کرتے ہیں۔ آپ کے فیض نظر سے ملک بھر میں ایسے صاحبِ ولایت پیدا ہوتے ہیں جو اپنے اپنے علاقہ میں شاہی کرتے ہیں۔ ملک کا کوئی صوبہ کوئی شہر اور کوئی قصبہ ایسا نہیں جہاں خواجۂ بزرگ کے غلامان کا تصرف نہ ہو۔ دوسرے سلسلوں کے بزرگ جو ہندوستان میں شہرت رکھتے ہیں وہ بھی خواجۂ بزرگ کی ولایتِ معنوی کے فیض سے تصرف کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض باقاعدہ خرقہ حاصل کرتے ہیں اور بعض آپ کی روحانیت سے ویسے فیض یاب ہوتے ہیں اور تصرف کرتے ہیں۔ چنانچہ سالار مسعود غازی

کے حالات میں اس قسم کے واقعات بیان ہو چکے ہیں اور شیخ بدیع الدین معروف بہ شاہ مدار
قدس سرہٗ کے حالات میں بھی رسالۂ مرآت مداری میں مفصل اس بات کا ذکر آتا ہے۔ خواجۂ
بزرگؒ کے بعد طبقاً بعد طبقۃ آپ کے خلفاء ہر زمانے میں آپ کی مسندِ ارشاد پر متمکن ہو کر ہندوستان
بھر میں معنوی طور پر تصرّف کرتے ہیں اور ولایت صُوری اور معنوی کا عزل ونصب اُن کے تصرف
میں دیا جاتا ہے اور وہ آپ کی روحانیت سے استعانت حاصل کرتے ہیں اس قسم کی ولایت
کا تصرّت یعنی دورانِ حیات و ممات متصرّف ہونا دوسرے اولیاء کو کم نصیب ہوتا ہے۔ اور
انشاء اللہ آپ کے خلفاء کرام قیامت تک اسی طرح ہر زمانے میں تصرف کرتے رہیں گے۔
چنانچہ خواجہ گنج شکر قدس سرہٗ راحت القلوب میں فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ نعمت سجّادہ
اور ملک ہندوستان کسی دوسرے کے سپُرد کروں، ہاتف نے آواز دی کہ شیخ نظام الدین بدایونیؒ
راستے میں ہیں ذرا ٹھہر جائیں تاکہ وہ پہنچ جائیں کیونکہ یہ ان کی قسمت میں لکھا گیا ہے علیٰ ہٰذا القیاس۔

بیت ؎ اگر گیتی سراسر باد گیرد چراغِ مقبلاں ہرگز نہ میرد

(دنیا ختم ہو جائے تو ہو جائے لیکن خدا کے مقبول بندوں کا چراغ ہمیشہ روشن رہے گا)

خواجہ بزرگؒ کے اس قدر تصرفات ذخوارق روحانی طریق پر کاتب حروف کے دل پر وارد
ہُوئے ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے گی۔ اس لیے آپ کی صرف
ایک کرامت پر اکتفا کیا جاتا ہے جس وقت خواجۂ بزرگ نے عالمِ باطن میں کمال ذرہ پروری
سے اپنا ہاتھ بندہ کے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا کہ اگرچہ تم ہمارے سلسلہ میں مُرید ہو لیکن اس وقت
ہم تمہیں براہِ راست مُرید کرتے ہیں تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ جب حضرت خواجہ
عثمان ہارونی قدس سرہٗ نے خواجہ بزرگ کو مُرید بنایا اور آپ کو خانہ کعبہ میں لے گئے اور
کعبہ کی طرف سے آواز آئی کہ معین الدین کو میں نے قبول کیا تو اس وقت خواجہ بزرگ کی
روحانیت نے مجھ پر تصرف کیا اور میں نے اپنے آپ کو حرم کعبہ میں پایا اور زیارت سے
مشرف ہُوا۔ بعدہٗ دیکھا کہ ایک بزرگ صاحبِ وقار چاہِ زمزم کے قریب کھڑے ہیں اور
بندہ کی طرف متوجہ ہو کر فرما رہے ہیں کہ تجھے بھی قبول کیا۔ خواجہ بزرگؒ کے تصرف کا یہ
کمال دیکھ کر میں حیران ہُوا اور سجدۂ شکر بجا لایا۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ اس سے زیادہ کیا

کیا لکھوں کہ خواجہ بزرگ کے کمالات و کرامات کی کوئی انتہا نہیں۔ آپ کی روحانیت اب بھی طلب صادق رکھنے والوں کی تربیت کرتی ہے اور مرتبہ تکمیل تک پہنچاتی ہے۔ چنانچہ ریختہ رسالہ مرات الولایت میں حضرت شیخ عبدالجلیل اولیسی قدس سرہٗ کی منقبت میں بیان کیا جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے حضرت خواجہ بزرگ کی روحانیت سے تربیت حاصل کی تھی۔ میں بیان کر رہا تھا کہ پہلے میر سید حسین مشہدی سلطان قطب الدین ایبک کی سلطنت کے آخری ایام میں قلعہ بھتلی کے محاصرہ میں کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے اور اسی جگہ دفن ہوئے قطب الدین ایبک بھی بیس سال حکومت کر کے ۶۰۳ھ میں بروایت دیگر ۶۱۰ھ میں چوگان کھیلتے ہوئے گر کر فوت ہوئے۔ اس کے بعد سلطان شمس الدین التمش جو اس کے غلام اور متبنّٰے تھے ارا کین سلطنت کے مشورہ سے دہلی کے تخت پر بیٹھے۔ جس سے اسلام کو بہت ترقی ہوئی۔ سلطان التمش حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کے نہایت پرخلوص مرید تھے۔

اولاد

جہاں تک خواجہ بزرگ کی اولاد کا تعلق ہے۔ بعض مورخین مثل صاحب تاریخ اکبر نامہ اور تاریخ اقبال نامہ جہانگیری نے لکھا ہے کہ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی لیکن خواجگان چشت کے ملفوظات سے ظاہر ہے۔ آپ کے بال بچے بھی تھے چنانچہ سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری جو خواجہ بزرگ کے مرید ہیں کے ملفوظات میں لکھا ہے ایک رات خواجہ بزرگ نے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ

اے معین الدین ۔ ' تو معین دینِ ما ہستی و سنتے از سنتِ من ترک مے دہی '

(اے معین الدین تم ہمارے دین کے معین یعنی مددگار ہو اور میری سنتوں میں سے ایک سنت کے تارک ہو) قلعہ بھتلی کا داروغہ ملک خطاب نامی آپ کا ایک مرید تھا وہ کسی لڑائی میں ایک راجہ کی لڑکی قید کر کے لایا تھا۔ دوسری صبح کو ملک خطاب نے وہ لڑکی حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کی اور آپ نے قبول فرمائی۔ ان کا نام بی بی امۃ اللہ رکھا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام بی بی حافظہ جمال رکھا گیا۔ چند ایام کے بعد سید حسین مشہدی کے چچا سید وجیہ الدین کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے خواب میں فرمایا کہ اپنی لڑکی کا خواجہ معین الدین سے عقد نکاح کر دو۔ جب یہ معاملہ حضرت خواجہ کے سامنے پیش کیا

گیا تو امام جعفر صادق رضؓ کے باطنی فرمان کے مطابق خواجہ بزرگ نے سید وجیہ الدین کی لڑکی جن کا نام بی بی عصمت تھا سے بھی نکاح کر لیا۔ ان کے بطن سے دو فرزند پیدا ہوئے ایک شیخ فخر الدینؒ، دوسرے شیخ حسام الدینؒ۔ شیخ حسام الدینؒ صغر سنی میں ابدالوں کی صحبت میں چلے گئے اور ان کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ شیخ فخر الدینؒ خواجہ بزرگؒ کے محبوب ترین فرزند تھے آپ کو ان سے بہت محبت تھی۔ شیخ فخر الدین موضع ماندن میں جو اجمیر کے قریب ہے زراعت کا کام کرتے تھے وہاں کے حاکم نے ان کو بہت تنگ کیا تو خواجہ بزرگ سلطان شمس الدین التمش کے ہاں دہلی تشریف لے گئے اور حکم نامہ لے کر آئے اس کی تفصیل بعد میں لکھی جائے گی۔ خواجہ بزرگ کے وصال کے بعد شیخ فخر الدینؒ بیس سال زندہ رہے اور قصبہ سروار میں جو اجمیر شریف سے سولہ کوس کے فاصلہ پر ہے وفات پائی۔ آپ کا مزار قصبہ سروار کے حوض کے قریب ہے۔ شیخ فخر الدین کے ایک فرزند تھے جن کا نام شیخ حسام الدین سوختہؒ تھا۔ آپ جمیع کمالاتِ انسانی کے ساتھ آراستہ تھے۔ آپ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کی صحبت میں رہتے تھے۔ آپ کا مزار قصبہ سانبر میں ہے جو اجمیر جانے والی سڑک کے غرب میں ہے (غالباً دہلی سے اجمیر شریف جانے والی سڑک مراد ہے۔ سانبر آجکل ایک ریلوے سٹیشن کا نام ہے جہاں ایک بڑی جھیل بھی واقع ہے یہ قصبہ اجمیر شریف سے شمال کی طرف کوئی ایک سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے) بی بی حافظہ جمالؒ کا مزار خواجہ بزرگ کے مزار کے پائنتی کی طرف متصل ہے۔ آپ بڑی صاحب کمال، عالی مقام اور عارف کامل تھیں، کیونکہ آپ کی تربیت خواجہ بزرگؒ کی نظر خاص سے ہوئی تھی۔ آپ کی کرامت اور بزرگی اظہر من الشمس ہے۔ رحمہ اللہ علیہا۔

شیخ حسام الدین سوختہ کے دو لڑکے تھے۔ ایک کا اسم گرامی خواجہ معین الدین خوردؒ تھا اور دوسرے کا نام خواجہ قیام الدینؒ۔ دونوں عارف کامل تھے۔ خواجہ معین الدین خوردؒ کو خواجہ بزرگؒ کی طرف خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا مرید ہونے کا اشارہ ہوا تو آپ جا کر مرید ہوئے اور خرقہ خلافت ان سے لیا۔ فوائد الفوائد میں سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ خواجہ بزرگ کے نبیرہ (نواسا) خواجہ احمدؒ بڑے صالح بزرگ تھے۔ ان کے بھائی خواجہ وحیدؒ

نے حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کی خدمت میں جاکر مُرید ہونے کی استدعا کی۔
آپ نے فرمایا مجھے تو آپ کے خاندان سے بھیک ملی ہے۔ میری کیا مجال کہ آپ کو مُرید
بناؤں لیکن جب انہوں نے بہت عجز اور انکسار کیا تو آپ نے انہیں بیعت کر لیا۔ غرضیکہ جو
لوگ کہتے ہیں کہ خواجہ بزرگ کی کوئی اولاد نہیں تھی غلطی پر ہیں۔ آپ کا صاحب اولاد ہونا
تمام مشائخ چشت کے ملفوظات سے پایا جاتا ہے۔

کتاب اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ اس بارے میں اختلاف اس وجہ سے ہُوا ہے
کہ میر سید محمد گیسو دراز خلیفہ حضرت شیخ نصیرالدین محمودؒ اور دیگر چند حضرات کہتے ہیں کہ شیخ
فخرالدینؒ اور شیخ حسام الدینؒ بی بی عصمت کے بطن مبارک سے ہیں۔ میر سید شمس الدین طاہر
خلیفہ شیخ نور قطب عالم اور دیگر حضرات کا خیال یہ ہے کہ یہ دونوں صاحب زادگان بی بی امۃ اللہ
کے بطن مبارک سے ہیں۔ بہر حال ان دونوں صورتوں میں وہ خواجہ بزرگؒ کے فرزند ہیں،
اور زیادہ صحیح قول اول نظر آتا ہے، چنانچہ خواجہ بزرگؒ کی اولاد پاک نہاد آج تک موجود
ہے۔ خواجہ معین الدین خوردؒ بن شیخ حسام الدین سوختہؒ کی اولاد مالوہ کے علاقہ میں جاکر قیام
پذیر ہوئی۔ اُن کے متعلق اب کوئی معلومات نہیں، لیکن خواجہ قیام الدین بن شیخ حسام الدینؒ
کے فرزندان اجمیر شریف میں مقیم رہے اور خواجہ بزرگ کے جانشین ہوتے رہے۔ چنانچہ
خواجہ قیام الدینؒ کے فرزندوں میں سے خواجہ حسینؒ سلطان نورالدین جہانگیر کے عہد میں سجادہ
نشین تھے۔ آپ کی عمر تقریباً سو سال تھی اور ہمیشہ عبادت اور حق پرستی میں زندگی بسر کرتے
تھے۔ ان کے بعد اُن کے برادر زادہ شیخ معین الدینؒ سجادہ نشین ہُوئے۔ اس وقت شیخ
علاؤالدین سجادہ نشین ہیں نہایت خلیق اور صالح بزرگ ہیں۔ دعا ہے کہ حق تعالےٰ قیامت
تک خواجہ بزرگ کے فرزندان کو ان کے سجادہ پر قائم رکھے۔ بحرمت النبی والہٖ۔

جب دوسری مرتبہ میں اجمیر شریف ۱۰۲۵ھ میں حاضر ہوا۔ شیخ علاؤالدین نے
خواجہ بزرگ کا شجرۂ نسب دکھایا جو چند واسطوں سے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ تک جا
پہنچتا تھا۔ رسالہ مونس ارواح مصنفہ مریم زماں حضرت جہاں آرا بیگم بنت شاہجہان
بادشاہؒ بھی نظر سے گذرا ہے جس میں انہوں نے خواجہ بزرگ کی سیادت کو ثابت کیا ہے لیکن

خواجگان چشت کی تصانیف میں اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا گیا۔ بہر حال خواجہ بزرگؒ حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظاہری و باطنی فرزند ہیں جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ والذی من سلک طریقتی ۔ ۔ ۔ (جس نے میرا راستہ اختیار کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میری اولاد ہے)

خواجہ بزرگ کے مجاورین بھی سید فخر الدینؒ کی اولاد بیان کئے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سید فخر الدین سید ابوالحسن کی اولاد تھے اور قصبہ گرہ کے رہنے والے تھے۔ لیکن خواجہ بزرگ کے غلبۂ محبت کی وجہ سے وطن چھوڑ کر اجمیر شریف میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ اُن کی اولاد آج تک آستانہ عالیہ پر مجاور ہے، وہ اپنے کام کی خوب اہلیت رکھتے ہیں اور ہر شخص سے اخلاق اور تواضع سے پیش آتے ہیں۔

خواجہ بزرگ کا دو مرتبہ دہلی تشریف لے جانا

خواجگان چشت کے ملفوظات سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ خواجہ بزرگؒ سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں دو مرتبہ دہلی تشریف لے گئے۔ پہلی مرتبہ کمال مہربانی سے محض خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کو ملنے کی خاطر گئے اور وہاں سے واپس آکر متاہل ہوئے۔ دوسری مرتبہ اپنے فرزند ارجمند شیخ فخر الدینؒ کی خاطر موضع ماندل کے شاہی فرمان کی تصحیح کرانے کے لیے تشریف لے گئے اور یہ معاملہ بہت نازک ہے۔ کیونکہ سلطان شمس الدین التمش خواجہ قطب الدین اوشی قدس سرہٗ کے مُرید تھے اور خواجہ بزرگؒ اپنا ایک خادم بھی بادشاہ کے پاس بھیج دیتے تو وہ اپنے لیے سعادت دارین تصور کرتے۔ اور فوراً فرمان کی درستی کر دیتے۔ لیکن کاملین اولیاء زیادہ تر ترکِ مشیخت اختیار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو خلق کی نظروں میں حقیر دکھاتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قدر بلند مرتبہ کے باوجود بازار میں جاکر خود خرید و فروخت فرماتے تھے۔ دُوسری وجہ یہ ہے کہ اس طائفہ کے پیشِ نظر ہمیشہ دیانت اور راست بازی ہوتی ہے اس لیے جس کسی کے ساتھ ان کو کوئی کام ہوتا ہے ان کی محض طمع دنیاوی کی وجہ سے عزت نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھنے والے ہیں اور دنیا کے ہمدرد

رواج اور خلق کا نیک و بد کہنے کی عارفین پرواہ نہیں کرتے اور وجہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ کا بادشاہ کے پاس جانا اپنے مریدین کی بہتری کے لیے تھا کیونکہ اولیاء اللہ اپنی مشائخیت پر فخر نہیں کرتے ہیں اور جس کام میں مریدین کی بھلائی ہو اس سے محض عالی مرتبت کی بنا پر باز نہیں رہتے۔ اور اصل وجہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ ہر کام کے لیے مامور من اللہ ہوتے ہیں اور اپنے اختیار یا مرضی کو درمیان میں ہرگز نہیں لاتے۔ چنانچہ سلطان المشائخ نے اس باب میں خوب فرمایا ہے۔ رباعی ؎

عشق آمد و شد چو خونم اندر رگ و پوست — تہی کرد مرا از من و پر کرد ز دوست

اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت — نامے است زمن و باقی ہمہ اوست

(عشق آیا اور میرے رگ و ریشہ میں خون کی طرح داخل ہو گیا۔ عشق نے مجھے اپنے آپ سے خالی کر دیا اور میرے اندر دوست بھر دیا۔ میرے وجود کے سب اجزاء دوست نے لے لیے اور میرا نام ہی رہ گیا باقی سب وہی ہے)

اگر کوئی شخص یہ خیال کرے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کفار کے ڈر سے تھی تو غلطی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اور خدا تعالیٰ کے درمیان ایک راز تھا اور قوم کے حق میں رحمت تھی۔ فَہِمَ مَنْ فَہِمَ (سمجھا جو سمجھا)۔

ملفوظاتِ گرامی

خواجہ قطب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل العارفین میں خواجہ بزرگ کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ ان میں سے چند کلمات تبرکاً یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

خواجہ بزرگ فرماتے ہیں کہ عاشق کا دلِ محبت کا آتشکدہ ہے جو کچھ اس کے اندر جاتا ہے جل کر راکھ ہو جاتا ہے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جوئے آب کو دیکھو کس جوش و خروش سے پہاڑوں سے ہوتی ہوئی آتی ہے لیکن جب سمندر میں داخل ہوتی ہے خاموش ہو جاتی ہے۔ (یعنی جب سالک ہجر میں ہوتا ہے تو ذوق و شوق میں بے چین ہوتا ہے لیکن جب ذاتِ حق کے سمندر بے پایاں میں فنا ہوتا ہے تو اُس کا سارا جوش و خروش جاتا رہتا ہے)۔

نیز فرمایا کہ حق تعالےٰ کے وہ دوست ہیں کہ اگر ایک لمحہ بھی اُس سے محجوب رہیں (پردہ ہوجائے) تو نیست و نابود ہو جائیں۔

فرمایا جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوتی ہیں۔ یقین جانو کہ اللہ تعالےٰ اسے دوست رکھتے ہیں۔ اوّل: سخاوت یعنی دریا کی طرح سخی ہو۔ دوم: شفقت یعنی آفتاب کی طرح شفیق ہو۔ سوم: تواضع یعنی زمین کی طرح متواضع ہو۔ فرمایا۔ آدمی اس وقت فقر کا مستحق ہوتا ہے جب اس عالم فانی میں سے اس کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔

فرمایا محبت کی علامت یہ ہے کہ تو دوست کا مطیع ہو جائے اور ہمیشہ اس بات سے ڈرتا رہے کہ راندۂ درگاہ نہ ہو جائے۔ فرمایا عارف جو ارادہ کرتا ہے فوراً ہو جاتا ہے۔ اور جس سے بات کرتا ہے اس سے جواب سنتا ہے۔ (یعنی جس چیز کو وہ مخاطب کرتا ہے وہ اس سے ہمکلام ہوجاتی ہے خواہ بے جان کیوں نہ ہو)

فرمایا: عارف کا کمترین درجہ یہ ہے کہ حق کے صفات سے متصف ہو۔

فرمایا۔ اہلِ محبت وہ لوگ ہیں جو (حق تعالےٰ سے) براہ راست کلام سنتے ہیں فاضل ترین وقت وہ ہے کہ دل کے وساوس بند ہو جائیں۔

فرمایا: علم بحرِ محیط ہے اور معرفت اس بحر سے ایک ندی ہے۔ پس بندہ کجا اور خدا کجا۔ بحرِ محیط سے مراد حق ہے اور معرفت سے مُراد بندہ۔

فرمایا: حق تعالےٰ کے نزدیک بہترین عبادت مظلوموں کی فریاد رسی اور بھوکوں کو کھانا کھلانا ہے۔

فرمایا: جب میں پوست (چھلکے) سے باہر آیا تو عاشق، معشوق اور عشق کو ایک دیکھا یعنی عالم توحید میں سب ایک ہیں۔

نیز فرمایا: کہ حاجی لوگ جسم کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور بہشت کے طالب ہوتے ہیں۔ لیکن عارفین قلب کے ساتھ عرش و حجابِ عظمت کا طواف کرتے ہیں۔ اور اللہ کے دیدار کے طالب ہوتے ہیں۔

فرمایا: ایک مدت تک میں خانہ کعبہ کا طواف کرتا رہا۔ لیکن اب کعبہ میرا طواف کرتا ہے۔

فرمایا۔ درحقیقت متوکل وہ ہے جو دنیا سے محبت کرنا بند کردے۔

فرمایا۔ اس راہ میں قرار پکڑنے کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ عبودیت کو ملحوظ خاطر رکھے دوسرے حق تعالےٰ کی تعظیم کو لازم پکڑے۔

فرمایا۔ عارفین آفتاب کی مانند ہیں جو دنیا پر چمکتے ہیں۔ اور سارا جہان اُن کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔

دلیل العارفین کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ قطب الاسلام؟ خواجہ بزرگ کی آخری عمر میں دہلی سے اجمیر تشریف لے گئے۔ چنانچہ دلیل العارفین میں خواجہ قطب الدین بختیار علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جمعرات کے دن جامع مسجد اجمیر میں خواجہ بزرگ کی دولت پابوسی نصیب ہوئی اور یہ آپ کی آخری مجلس تھی۔ تمام درویش اور عزیز و اقارب اور مریدین حاضر خدمت تھے۔ ملک الموت کے متعلق بات ہونے لگی۔ خواجہ بزرگ نے فرمایا۔ بے موت کی زندگی کی قیمت رائی کے دانہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ لوگوں نے پوچھا کس طرح۔ فرمایا اسلئے کہ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتی ہے) اس کے بعد فرمایا کہ دوستی یہ ہے کہ اسے دل سے یاد کرے نہ صرف زبان سے اور سوائے دوست کے کسی چیز کا ذکر نہ کرے۔ کلام پاک میں حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ جب میرا ذکر غلبہ کرتا ہے تو میرے سوا تو کسی کو یاد نہیں کرتا اور میں تیرا عاشق ہو جاتا ہوں۔ جب حضرت خواجہؒ نے یہ فوائد بیان فرمائے تو روتے۔ اُس کے بعد فرمایا کہ اے درویش مجھے اس جگہ اس لیے لایا گیا ہے کہ میرا مدفن یہاں ہوگا اور چند روز کے بعد ہم آخری سفر پر روانہ ہوں گے۔ پس آپ نے شیخ علی سجزیؒ کو حکم دیا کہ خلافت نامہ لکھو۔ میں نے اپنی خلافت اور اپنے خواجگان کا سجادہ قطب الدین بختیارؒ کے حوالے کیا۔ دہلی اس کا مقام ہوگا۔ جب خلافت نامہ مکمل ہوا تو اس دعاگو کے ہاتھ میں دیا۔ اس دعاگو نے سرزمین پر رکھ دیا۔ حکم ہوا کہ قریب ہو جاؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے کلاہ اور دستار بندہ کے سر پر رکھی اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کا عصا ہاتھ میں دیا۔ اس کے بعد خرقہ پہنایا اور قرآن مجید، مصلےٰ اور نعلین بھی عطا فرمائے اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے جو خواجگان کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔ ہم نے یہ امانت تمہارے سپرد کی جس طرح خواجگان نے اس کا حق ادا کیا تم بھی حق ادا کرنا تاکہ خواجگان کے سامنے مجھے شرمندگی نہ ہو۔ بندہ نے سر زمین پر رکھا۔ پس میرا ہاتھ پکڑ کر آپ نے آسمان کی طرف منہ کیا اور فرمایا جاؤ میں نے تجھے خدا کے سپرد کیا اور منزل گاہِ عزت تک پہنچایا، اور صحرائے حقیقت سے تجھے گذار دیا۔ اس وقت فرمایا کہ چار چیزیں ہیں جو گوہر فقر ہیں اوّل درویشی اختیار کرے لیکن تونگر دکھائی دے۔ دوم۔ بھوکا ہے لیکن سیر دکھائی دے سوم۔ غمناک ہو لیکن خوش دکھائی دے، چہارم۔ دشمن کے ساتھ دوست ہو کر دکھلائے۔ (یعنی اگرچہ دشمن دشمنی کرے فقیر اس کے ساتھ بھلائی کرے) جب خواجہ بزرگؒ نے یہ فوائد ختم کئے میں نے چاہا کہ رخصت ہوؤں آپ نے فوراً میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ آگے آؤ میں نے حکم کی تعمیل کی اور سر آپ کے قدموں پر رکھا۔ آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور فرمایا جاؤ جہاں رہو مرد بن کر رہو۔ میں تسلیمات بجا لایا اور رخصت ہوا۔ مسافت طے کرنے کے بعد دہلی پہنچا اور وہیں سکونت اختیار کی، چنانچہ تمام خلقت نے میری طرف رجوع کیا۔ چالیس دن نہیں گذرے تھے کہ خبر آئی کہ میرے رخصت ہونے کے بعد خواجہ بزرگؒ بیس دن حیات ظاہری میں رہ کر رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے۔ اس رات یہ دعاگو نہایت غم و اندوہ کے عالم میں مصلّے پر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر کے لیے غنودگی طاری ہوئی تو جمالِ خواجہ سے مشرف ہوا۔ دیکھا کہ آپ عرشِ معلّے کے نیچے کھڑے ہیں۔ میں نے سر قدموں پر رکھ کر حال دریافت کیا تو فرمایا حق تعالےٰ نے مجھے بخش دیا اور ساکنانِ عرش ملائکہ کے ساتھ جگہ دی ہے تاکہ یہاں قیام کروں۔

وصال مبارک

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ جس رات خواجہ بزرگؒ نے رحلت فرمائی۔ چند اولیاء اللہ نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ فرما رہے ہیں کہ اللہ کے دوست معین الدین سنجری آرہے ہیں ہم ان کے استقبال کو آئے ہیں۔ انتقال کے وقت آپ کی پیشانی پر ہرے رنگ کے نور سے یہ لکھا تھا حَبِیْبُ اللّٰہِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللّٰہِ (یہ اللہ کا دوست ہے جس نے اللہ کی محبت میں جان

دے دی) آپ کے کمالات اس قدر ہیں کہ دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ آپ تمام مقامات غوثی قطبی اور قطب الاقطاب سے گذر کر اور مقامِ فردِ حقیقی یعنی مرتبہ محبوبیت سے مشرف ہو کر کمال استغراق فنائے احدیت میں دوست سے یک رنگ ہو چکے تھے۔ آپ کا وصال دو شنبہ کے دن ماہ رجب ۶۳۲ھ اور دوسری روایت کے مطابق یک شنبہ ماہ ذوالحجہ ۶۳۳ھ کو ہوا آفتاب ملک ہند سے آپ کی تاریخ وصال نکلتی ہے۔ لیکن سلطان المشائخ (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء) اور دیگر مشائخ چشت نے یہ تصحیح کی ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہٗ کا وصال ۱۴ ماہ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو ہوا اور دلیل العارفین کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے اور خواجہ قطب الدینؒ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ خواجہ بزرگؒ کا وصال اس وقت ہوا جب خواجہ قطبؒ بقید حیات تھے۔ پس اس سے اختلاف رفع ہو جاتا ہے اور کتاب کلمات الصادقین سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ خواجہ بزرگؒ کا وصال چھ رجب ۶۲۷ھ (سبع وعشرین وستمائۃ) کو سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر مبارک کو روشن کریں۔ وصال کے وقت آپ کی عمر شریف ستانوے سال تھی۔ اس میں سے چالیس سال آپ نے اجمیر شریف میں بسر فرمائے آپ کا وصال آپ کے حجرہ خاص میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ چنانچہ آپ کا مزار مبارک تمام ہندوستان کا قبلہ ہے۔

تاریخ اجمیر

کتاب اخبار الاخیار میں اجمیر کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی گئی ہے کہ اجا ایک راجے کا نام تھا جس کی سلطنت کی حدود ہندوستان کی مغربی سرحد تک جا پہنچتی تھی اور "میر" ہندوستانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں اور ہندوستان کے ناموں کی تاریخ میں لکھا ہے کہ پہلی دیوار جو ہندوستان میں پہاڑ پر بنائی گئی یہی دیوار تھی جو اجمیر کے پہاڑ پر تعمیر ہوئی اور پہلا حوض جو ملک ہندوستان میں بنایا گیا وہ پشکر کا حوض ہے جو اجمیر شریف سے چار کوس کے فاصلہ پر ہے جسے ہندو لوگ پوجتے ہیں اور چھ دن وہاں قیام کر کے اس میں نہاتے ہیں اور ان میں سے جو لوگ قیامت کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ قیامت اسی حوض سے شروع ہوگی۔ اور راجہ اجا تمام راجوں سے پہلے تھا۔ رائے پتھورا بھی اس کی اولاد میں سے تھا۔ اور سلطان فخر الدین بن سام عرف شہاب الدین غوری نے حضرت خواجہ

بزرگ کی باطنی مدد سے رائے پتھورا سے ۵۸۹ھ سلطنتِ ہند پر قبضہ کیا۔ اسی دن سے ہندوستان کے تمام مسلم سلاطین یکے بعد دیگرے کمال نیازمندی سے حضرت خواجۂ بزرگ کے آستانہ کی خدمت انجام دیتے رہے چنانچہ ان سب کے حالات اولیار کرام نے تذکروں میں اپنے اپنے مقام پر درج ہیں۔ جیسا کہ اس کتاب میں فہرست میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔ رفتہ رفتہ جب دہلی کی سلطنت فیروز شاہ کے پوتے سلطان محمود کے ہاتھ آئی تو امیر تیمور صاحب قِران ۸۰۱ھ میں حملہ آور ہو کر دہلی کے تخت پر بیٹھا لیکن علاقہ دہلی اور دو دریاؤں کے درمیانی علاقے کے سوا اس کی حکومت کہیں نہ تھی۔ اس لیے تمام ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دَور دورہ ہو گیا اور ہر علاقہ کا علیحدہ بادشاہ ہو گیا۔ اس وقت قلعہ اجمیر اور نواحی علاقہ پر رانا امیدار قابض ہو گیا لیکن اس نے بھی آستانہ عالیہ کی خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اگر ان لوگوں میں سے کسی ایک شخص نے کبھی آستانہ عالیہ میں بے ادبی کی تو اُسے قتل کر دیا گیا چنانچہ یہ قصے مشہور ہیں۔ بس اٹھاون سال تک اجمیر کا قلعہ ہندوؤں کے قبضہ میں رہا۔ تاریخ نظامی میں لکھا ہے کہ ۸۵۹ھ میں سلطان محمود خلجی بادشاہ مالوہ سے لوگوں نے عرضداشت کی کہ اسلام کا آفتاب ملک ہند میں اجمیر سے طلوع ہوا لیکن افسوس ہے کہ اب وہ متبرک مقام کافروں کے قبضہ میں ہے یہ سن کر سلطان محمود نے اجمیر پر لشکر کشی کی اور خواجہ بزرگؒ کی روحانیت سے امداد طلب کی نتیجہ یہ ہوا کہ چار دن کے اندر قلعہ اجمیر فتح ہو گیا اور قلعہ کا سردار کئی ہزار آدمیوں کے ساتھ قتل ہوا۔ سلطان محمود نے مزار مقدس کا طواف کیا اور بت خانہ کی جگہ ایک عالیشان مسجد تعمیر کی اور سجادہ نشین اور اُن کے لواحقین اور مجاورین کے لیے وظائف مقرر کر دیئے اس کے بعد خواجہ نعمت اللہ کو حاکم اجمیر مقرر کر کے واپس چلا گیا۔ اس روز سے قلعہ اجمیر شاہانِ مالوہ کے زیر حکومت ہو گیا۔ جب سلطان محمود کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان غیاث الدین خلجی تخت نشین ہوا تو اسے خواجہ حسین ناگوریؒ کے ساتھ کمال اعتقاد ہو گیا اور زرِ کثیر ان کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کی۔ خواجہ حسینؒ نے اس رقم سے خواجہ بزرگ کے مزار پر عمارت تعمیر کی اور اپنے جدِ امجد صوفی حمید الدین ناگوریؒ کے مزار پر بھی ایک شاندار روضہ تیار کرایا۔ صاحب اخبار الاخیار فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے

خواجہ بزرگؒ کے مزار مبارک پر عمارت نہ تھی۔ یہ سفید پتھر کا گنبد جو اس وقت موجود ہے۔ خواجہ حسین ناگوریؒ کا بنوایا ہوا ہے۔ پہلی قبر امیٹوں سے بنی ہوئی تھی۔ اس کے بعد سنگ مرمر کا ایک صندوق بنا کر اس پر رکھا گیا اور پہلی قبر کو بھی بحال رکھا گیا اور قبر شریف اس لیے بلند ہے کہ روضہ متبرکہ کا بڑا دروازہ اور خانقاہ بعد میں مالوہ کے کسی حکمران نے تعمیر کیا۔ تاریخ گجرات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کچھ عرصہ کے لیے مالوہ اور اجمیر کی حکومت سلطان بہادر گجراتی کے قبضہ میں آئی تو اس نے کمال نیاز مندی سے آستانۂ مبارکہ کی بعض عمارات تعمیر کرائیں اس کے بعد چند روز کے لیے جب اجمیر کا قلعہ مارواڑ کے ایک زمیندار مالدیو کے ہاتھ آیا تو اس نے بھی بندگی اور اعتقاد کی بنا پر کچھ عمارات تعمیر کرائیں۔ الغرض ایک سو تریسٹھ سال کی مدت تک جبکہ تمام ہندوستان طوائف الملوکی کی حالت میں تھا ہر ولایت کے سلاطین سعادتِ دارین سمجھ کر آستانہ متبرکہ کی خدمت بجا لاتے رہے اور ہمیشہ موزوں رقومات پیش کرتے رہے۔ جیسا کہ سلاطین دہلی یعنی سلطان محمد تغلق سے لے کر ہمایوں تک کے مجمل حالات اکیسویں طبقہ یعنی میر سید محمد مکیؒ قدس سرہٗ کے ذکر میں درج کیے گئے ہیں۔ پس جب تائید ایزدی سے جمعہ کی نماز کے بعد بتاریخ دوم ماہ ربیع الاول ۹۶۳ھ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ اپنے والد ہمایوں کے بعد چودہ سال کی عمر میں آفتاب عالمتاب کی طرح تخت نشین ہوا تو تمام ملوک طوائف سیارگان کی طرح ناپید ہو گئے تھے کہ آج ان کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور حق تعالیٰ نے مرد کھا شیت خواجہ بزرگ کے طفیل تمام ہندوستان بلا شرکت اکبر بادشاہ اور اور اس کی اولاد کی سلطنت میں دے دیا۔ اکبر بادشاہ آستانہ عالیہ سے عجیب اعتقاد اور اخلاص صادق رکھتا تھا اور کئی بار زیارت کے لیے پیادہ اجمیر شریف حاضر ہوا۔ ایک عالی شان مسجد بھی تعمیر کرائی۔ شہر کو آباد کیا اور باشندگان کی حفاظت اور آرام کے لیے شہر کے گرد فصیل اور شاہی محل تیار کرائے اور خواجہ بزرگ کی اولاد اور مجاورین کے لیے مناسب جاگیر اور وظائف مقرر کیے۔ لنگر خانہ کے خرچ کے لیے چند مواضعات نامزد کیے۔ آستانہ متبرکہ اور زائرین و فقراء کی خدمت کے لیے ایک متولی مقرر کیا اور یہ دستور ابتک جاری ہے۔ اکبر بادشاہ نے اپنی سلطنت کی پچاس برس کی مدت میں خواجہ بزرگؒ

کے اعتقاد و اخلاص میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ خدا اس پر رحمت کرے۔

جب اس کی وفات کے بعد اس کا لڑکا نورالدین جہانگیر پنجشنبہ کے دن بتاریخ بیس ماہ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ اڑتیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا خواجہ بزرگ رح کے اعتقاد و اخلاص میں اپنے والد سے بھی زیادہ قدم رکھا اور ہر قسم کے اخراجات و انعامات میں اضافہ کیا اور نہایت عجز و انکسار سے آستانہ عالیہ کی زیارت کے لیے جایا کرتا تھا اور بعض اوقات کئی کئی برس اجمیر شریف میں مقیم رہتا تھا اور اپنے عہد کے تیئس سال میں یہی دستور جاری رکھا۔ اس کی وفات کے بعد جب روز دوشنبہ بتاریخ آٹھ ماہ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ خلیفۂ وقت سلطان عادل شہاب الدین محمد شاہجہان صاحب قران ثانی سنتیس سال کی عمر میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے اور تمام عالم اس کے فیض و احسان سے مستفیض ہوا تو پہلے سال کے اندر اس نے کمال اخلاص و نیاز مندی سے آستانہ متبرکہ کی زیارت کی اور خواجہ بزرگ کی اولاد، مجاورین اور حاجت مندوں کے لیے بے انداز بخشش کی اور درگاہ عالیہ کے تمام اخراجات میں اضافہ کر دیا۔ سنگ مرمر سے ایک عالیشان مسجد روضہ اقدس کے متصل تیار کرائی جو چودہ سال کے عرصہ میں مکمل ہوئی۔ یہ فقیر کاتب الحروف ماہ رمضان ۱۰۵۳ھ اجمیر شریف میں حاضر ہوا جبین نیاز خاک درگاہ مقدس پر رکھی اور گوناگوں فیوض سے مستفیض ہوا۔ اس مسجد شریف کا وصف دائرہ تحریر سے باہر ہے۔ مسجد کا طول ستانوے شرعی گز اور عرض اسی گز ہے۔ مسجد کا چبوترہ بھی سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے اس کا عرض ستائیس گز شرعی ہے۔ قوی گمان یہ ہے کہ اس قسم کی نفیس اور صاف و شفاف عمارت دنیا بھر میں نہ ہوگی اور بادشاہ جیسی اخلاص و نیاز مندی کی مثال بھی دنیا میں نہیں ملتی۔ دعا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اس کی اولاد کی برکت سے اس خاندان کو ہمیشہ برقرار رکھے۔

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ

آں محقق کارہائے دیدہ، آں بعد از مجاہدہ جام وصال چشیدہ، آں از جمیع مقیدات مبرا، قطب ارشاد حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کا اصلی نام احمد بن عمر بن محمد بن عبداللہ الجنوقی ہے۔

آپ کو عبداللہ الحموی بھی کہتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالجناب ہے جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم معاملہ میں عطا فرمائی۔ آپ کا لقب کبریٰ ہے۔ اس وجہ سے کہ مناظرہ میں ہر شخص پر آپ غالب آجاتے تھے۔ آپ کاملین وقت اور اکابر اولیاء میں سے تھے اور وقت کے تمام مشائخ آپ کے کمال کا دم بھرتے تھے۔ سلسلہ فردوسیہ کے مشائخ کے آپ سرداہ تھے۔ آپ تمام علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ آپ کے نزدیک سکر صحو سے زیادہ عزیز تھا۔ آپ اکثر فنا ئے احدیت میں مستغرق رہتے تھے۔ جو کچھ آپ کی زبانِ مبارک سے نکلتا تھا فوراً ہو جاتا تھا۔ آپ نے کئی اولیائے صاحب تکمیل سے تربیت اور خلافت حاصل کی جن میں سے ایک شیخ اسماعیل قصریؒ، دوسرے شیخ عمار یاسرؒ تیسرے شیخ روزبہان کبیر مصریؒ تھے۔ چنانچہ ان سب کا ذکر شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ کے حالات میں ہو چکا ہے۔ میر سید اشرف جہانگیرؒ لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ ایک خرقہ خلافت آپ کو براہِ راست شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردیؒ سے بھی ملا ہے۔ لطائف اشرفی میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے اپنا خرقہ مبارک بے واسطہ شیخ نجم الدین کبریٰ کو عطا فرمایا۔ روایت ہے کہ جب آپ تحصیل علوم ظاہری سے فارغ ہوئے تو اسناد حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ جب آپ تبریز میں اپنے اُستاد کے سامنے شرح اسناد پڑھ رہے تھے تو ناگاہ ایک درویش باہیبت اندر آئے کہ آپ نے پہلے اُن کو نہ دیکھا تھا۔ درویش کو دیکھ کر آپ کی حالت متغیر ہو گئی اور پڑھنے پڑھانے کی ہمت نہ رہی۔ آپ نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ یہ کون ہے لوگوں نے کہا یہ بابا فرخ تبریزی ہیں جو مجذوب اور محبوب حق سبحانہٗ تعالیٰ ہیں۔ آپ ساری رات بے قرار رہے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے اُستاد کی خدمت میں عرض کیا کہ چلئے بابا فرخ کی زیارت کریں۔ چنانچہ اُستاد اور سب شاگرد روانہ ہو گئے جب بابا فرخ کی خانقاہ کے دروازے پر پہنچے تو خادم نے اندر جا کر اطلاع دی انہوں نے فرمایا اگر یہ لوگ ہمارے پاس اس طرح آنا چاہتے ہیں کہ جس طرح خداوند تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو آنے کی اجازت دے دو۔ انہوں نے یہ شرط منظور کر لی اور سب لوگ سینے پر ہاتھ باندھ کر اندر داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بابا فرخ کی حالت متغیر ہو گئی اور آپ کی صورت میں ایسی عظمت پیدا ہوئی کہ آپ کا چہرہ آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ اور جسم بڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ آپ کے کپڑے پھٹ

گئے۔ تھوڑی دیر بعد آپ اصلی حالت پر آگئے۔ انہوں نے اُٹھ کر ان کپڑوں میں سے کچھ کپڑے
شیخ نجم الدین کو پہنائے اور فرمایا کہ اب یہ وقت تمہارے دفتر پڑھنے کا نہیں ہے۔ اب وقت
آگیا ہے کہ تم سارے جہان کے سر دفتر بنو۔ آپ فرماتے ہیں کہ بابا فرخ کے ان الفاظ نے میری
کایا پلٹ دی اور میرا باطن غیر اللہ سے منقطع ہو گیا۔ جب میں وہاں سے باہر نکلا تو اُستاد نے کہا
کتاب شرح السنۃ تھوڑی سی رہ گئی ہے دو تین دن محنت کر کے ختم کر لو۔ اس کے بعد جو چاہو
کرو، کیونکہ شرح السنۃ کا یہ نسخہ علم حدیث میں بہت معتبر ہے۔ جب دوسرے دن میں نے کتاب
شروع کی تو میں نے دیکھا کہ بابا فرخ اندر داخل ہوئے اور کہہ رہے ہیں کہ کل تم نے علم الیقین کی
ہزار منزلیں طے کر لیں اب پھر علم کی طرف لوٹ آئے ہو۔ یہ سن کر میں نے علم ترک کر دیا اور ریاضت و
خلوت میں مشغول ہو گیا اس کے بعد مجھ پر علم لدنی اور وارداتِ غیبی کا نزول شروع ہو گیا۔ میں نے
اپنے دل میں کہا کہ ان واردات کو ضرور قلمبند کروں گا۔ بابا فرخ ظاہر ہوئے اور کہنے لگے کہ
شیطان تجھے پریشان کر رہا ہے۔ ان چیزوں کو مت لکھ۔ پس میں نے قلم دوات پھینک دی اور
دل کو سب چیزوں سے خالی کر دیا۔ اس کے بعد شیخ نجم الدین وہاں سے روانہ ہوئے اور بہت
بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن چونکہ علم بہت پڑھ لیا تھا۔ کسی سے اعتقاد درست نہ
ہوا۔ خوزستان جا کر آپ بیمار ہو گئے۔ لیکن کوئی شخص آپ کو ٹھہرنے کے لیے جگہ نہ دیتا تھا۔
مجبور ہو کر آپ شیخ اسمٰعیل" کی خانقاہ میں گئے۔ انہوں نے آپ کو درویشوں کی قیامگاہ کے سامنے
ایک کمرے میں ٹھہرنے کی جگہ دی۔ لیکن آپ کی بیماری طویل ہو گئی۔ آپ کہتے ہیں کہ اس کے
باوجود مجھے بیماری سے زیادہ تکلیف نہ ہوتی تھی کیونکہ مجھے سماع کی آواز سنائی دیتی اگرچہ میں
سماع کا بہت منکر تھا۔ لیکن ایک رات سماع کی محفل بہت گرم تھی شیخ اسمٰعیل قصری پر حالت
طاری ہوئی۔ آپ اُٹھ کر میرے پاس آئے اور فرمایا کہ اٹھو میں اُٹھا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا
اور مجھے محفلِ سماع میں لے آئے۔ وہاں جاتے ہی میں تندرست ہو گیا گویا کہ میں بیمار ہی نہ تھا اس
کے بعد میرے دل میں اعتقاد راسخ ہو گیا پس میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہو گیا اور ریاضت
میں مشغول ہو گیا۔ کافی عرصہ تک میں اُن کی خدمت میں رہا۔ جب احوالِ باطن سے واقف ہوا تو میرے
دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب مجھے علم باطن حاصل ہو گیا ہے۔ لیکن میرا ظاہری علم شیخ کے علم سے زیادہ

ہے۔ صبح مجھے حضرت شیخ نے طلب کر کے فرمایا کہ یہاں سے چلے جاؤ اور شیخ عمار یاسر کی خدمت
میں حاضر ہو جاؤ۔ میں سمجھ گیا کہ شیخ کو میرے دل کے خطرے کا علم ہو گیا ہے لیکن میں نے کچھ نہ کہا
اور شیخ عمار یاسر کی خدمت میں پہنچ گیا۔ وہاں بھی ایک مدت تک میں نے سلوک جاری رکھا لیکن
ایک رات وہی خطرہ میرے دل میں پیدا ہوا۔ صبح شیخ عمارؒ نے طلب کر کے فرمایا کہ نجم الدین اٹھو
اور شیخ روزبہان کے پاس مصر جاؤ تاکہ وہ ضرب لگا کر تمہارے دماغ سے یہ خیال نکالدیں۔ میں
اُٹھ کر مصر چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے شیخ روزبہانؒ کو دیکھا کہ تھوڑے سے پانی سے وضو کر رہے
ہیں میرے دل میں خیال آیا کہ شیخ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ تھوڑے پانی سے وضو جائز نہیں۔ یہ کیسے شیخ
ہیں۔ شیخ نے وضو مکمل کر کے میرے منہ پر ہاتھ پھیرا جس سے مجھ پر بیخودی طاری ہو گئی۔ جب آپ
خانقاہ میں واپس گئے تو نماز تہیۃ الوضو میں مشغول ہو گئے اور میں کھڑے کھڑے غائب ہو گیا۔ کیا
دیکھتا ہوں کہ قیامت قائم ہو گئی ہے۔ دوزخ ظاہر ہوئی اور فرشتے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر دوزخ میں
ڈال رہے ہیں۔ ایک بزرگ راستے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں اس بزرگ کے
ساتھ نسبت رکھتا ہوں اسے چھوڑ دیتے ہیں اور دوسروں کو آگ میں ڈال دیتے ہیں مجھے بھی
انہوں نے پکڑ لیا اور دوزخ کی طرف کھینچنا شروع کیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے کہا کہ میں
اُس بزرگ سے تعلق رکھتا ہوں۔ مجھے انہوں نے چھوڑ دیا۔ جب میں آگے بڑھا تو دیکھا کہ وہ بزرگ
شیخ روزبہان ہیں۔ دیکھتے ہی میں ان کے قدموں پر گر گیا۔ انہوں نے میری گردن پر ایک زبردست
مکا مارا جس سے میں زمین پر گر گیا۔ فرمایا اس کے بعد اہل حق کا انکار نہ کرنا۔ اس کے بعد میں
اصلی حالت میں آ گیا۔ اس وقت حضرت شیخ نے نماز ختم کر لی تھی میں ان کے پاس جا کر قدموں
پر گر گیا۔ شیخ نے اب بھی عالم شہود میں میرے اسی طرح مکہ مارا اور وہی لفظ کہا۔ (یعنی اہل حق
کا منکر نہ ہونا) جس کی وجہ سے میرے دل سے وہ خطرہ دور ہو گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ شیخ عمارؒ
کی خدمت میں واپس جاؤ۔ آپ نے شیخ عمار یاسر کے پاس ایک خط لکھا۔ کہ آپ کے پاس
جس قدر سیسہ ہو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں اُسے زر خالص بنا دوں اور پھر آپ کے پاس
بھیج دوں۔ چنانچہ شیخ نجم الدینؒ شیخ عمار یاسر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدت تک
ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہ کر سلوک تمام کیا۔ اس کے بعد شیخ عمارؒ نے حکم دیا کہ خوارزم

چلے جاؤ۔ شیخ نجم الدین نے عرض کیا کہ وہاں کے لوگ بہت سخت ہیں اور کرامات وغیرہ کے منکر ہیں۔ شیخ نے فرمایا۔ جاؤ اور کسی کی پروا نہ کرو۔ پس آپ نے خوارزم جاکر طریق صوفیہ کی تبلیغ کی۔ بہت مرید آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ ان کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ حتیٰ کہ سارا عالم آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ نفحات الانس میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ نجم الدین کو ولی گر بھی کہتے ہیں کیونکہ غلبۂ وجد میں آپ کی نظر جس شخص پر پڑتی تھی۔ مرتبہ ولایت پر پہنچ جاتا تھا۔ آپ اس سے پوچھتے کہ کس ملک سے آئے ہو۔ چنانچہ آپ اُسے اُسی ملک کا خلافت نامہ لکھ کر دے دیتے تھے تاکہ اپنے ملک میں جاکر لوگوں کو حق کی طرف بلائیں۔ ایک دن آپ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے ایک باز فاختہ کے پیچھے ہوا میں اُڑ رہا تھا ناگاہ شیخ کی نظر اس فاختہ پر پڑی جس کا اثر یہ ہوا کہ فاختہ نے پیچھے مڑ کر باز کو پکڑ لیا اور شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ ایک دن اصحاب کہف کا ذکر ہو رہا تھا۔ شیخ سعد الدین حموی جو آپ کے کامل مریدوں میں سے تھے کے دل میں خیال گذرا کہ اس امت میں بھی کوئی ایسا بزرگ ہے جس کی صحبت سے کتا فیض یاب ہو جائے۔ آپ نے نور فراست سے معلوم کر لیا کہ ان کے دل میں کیا ہے آپ وہاں سے اُٹھے اور خانقاہ کے دروازے پر جاکر کھڑے ہو گئے۔ وہاں سے ایک کتا گذرا۔ آپ نے اس پر ایک نظر کی کتے پر یہ اثر ہوا۔ کہ حیران و بے خود ہو کر شہر سے باہر چلا گیا اور قبرستان میں مقیم ہو گیا۔ وہ کتا سرزمین پر رگڑتا رہتا تھا اور جہاں جاتا تھا پچاس ساٹھ کتے جمع ہو کر اس کے گرد حلقہ بنا لیتے تھے اور اس کے سامنے پنجے رکھ کر آداب بجا لاتے اور احترام کے ساتھ اس کے سامنے کھڑے رہتے تھے۔ آخر وہ کتا مر گیا شیخ نے فرمایا کہ اسے دفن کر کے قبر بنا دی جائے۔ شیخ مجد الدین بغدادیؒ جو آپ کے محبوب ترین مرید تھے آپ نے کمال شفقت سے انہیں اپنا فرزند بنا لیا تھا اور قلیل عرصہ میں ان کی تکمیل کر دی تھی۔ چنانچہ اپنے شیخ کے سامنے وہ مسندِ ارشاد پر بیٹھ کر خلق کی ہدایت میں مشغول ہو گئے تھے۔ ایک دن شیخ مجد الدینؒ اپنے مریدوں کے ساتھ بیٹھے ہوتے تھے کہ یکایک آپ پر سکر کی حالت طاری ہو گئی۔ انہوں نے کہا میں تو دریا کے کنارے پر ایک بطخ کے انڈے کی طرح پڑا تھا شیخ نجم الدینؒ نے مرغ کی طرح میری تربیت فرمائی۔ حتیٰ کہ میں انڈے سے باہر آیا۔ میں چونکہ بطخ کا بچہ تھا۔ دریا کے اندر چلا گیا۔ لیکن شیخ کنارے پر رہ گئے۔ شیخ نجم الدینؒ نے نورِ فراست

سے معلوم کر لیا اور ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ دریا میں مر جاؤ۔ اس کے بعد شیخ مجد الدینؒ
اپنے اصلی حال میں واپس آئے اور حضرت شیخ کی بات سن کر بہت ڈرے۔ شیخ سعد الدین حمویؒ
کے پاس جا کر استدعا کی کہ جس وقت حضرت شیخ خوش بیٹھے ہوں مجھے اطلاع دینا تاکہ حاضر خدمت
ہو کر معافی مانگوں۔ ایک دن حضرت شیخ سماع سُن رہے تھے اور بہت خوش تھے۔ شیخ سعد الدینؒ
نے ان کو مطلع کیا۔ شیخ مجدُ الدین اسی حالت میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ پاؤں
ننگے تھے اور سر پر آگ سے بھرا ہوا طشت تھا جوتوں کی جگہ آ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت شیخؒ نے
اُن کی طرف دیکھ کر فرمایا چونکہ تم نے درویشوں کے دستور کے مطابق معافی مانگ لی ہے۔ تم
دین و ایمان سلامت لے گئے لیکن تم دریا میں مرو گے۔ میں بھی مارا جاؤں گا اور خوارزم کا
بادشاہ اور سب سردار مارے جائیں گے اور ملک تباہ ہو جائے گا۔ یہ سُن کر شیخ مجد الدین حضرت
شیخؒ کے قدموں میں گر گئے اور تھوڑے عرصہ کے بعد شیخ کی پیش گوئی پُوری ہو گئی۔ اس کا ظہور اس
طرح ہوا کہ شیخ مجدُ الدین بہت صاحب جمال تھے۔ آپ خوارزم میں وعظ کیا کرتے تھے۔ سلطان
محمد شاہ خوارزم کی والدہ بھی بہت خوبصورت عورت تھی اور آپ کے وعظ میں شریک ہوا کرتی تھی
اور کبھی کبھی زیارت سے مشرف ہوا کرتی تھی۔ موقعہ بین لوگ موقعہ تلاش کر رہے تھے ایک دن جبکہ
بادشاہ بہت مست تھا۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کی (بادشاہ کی) والدہ نے امام ابو حنیفہؒ
کے مذہب کے مطابق شیخ مجدُ الدینؒ کے ساتھ نکاح کر لیا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ غضبناک ہوا اور
حکم دیا کہ شیخ کو دریائے دجلہ میں ڈال دیا جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب یہ خبر شیخ نجم الدین کو ہوئی
تو آپ کو بہت افسوس ہوا اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور فرمایا کہ میرے
فرزند مجدُ الدین کو دریا میں ڈال دیا گیا اور وہ مر گیا۔ پس آپ نے سجدہ کیا اور دیر تک اُسی
حالت میں رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے حق تعالےٰ سے درخواست کی ہے کہ میرے فرزند
کے خون بہا میں بادشاہ محمد سلطان سے ملک چھین لیا جائے اور حق تعالےٰ نے میری دعا قبول
فرمالی ہے۔ جب بادشاہ کو اس کی اطلاع ملی تو بہت پشیمان ہوا اور حضرت شیخ کی خدمت
میں آکر سونے سے بھری ہوئی طشت، تلوار اور کفن پیش کیا اور ننگے سر جوتیوں کی جگہ کھڑے
ہو کر عرض کیا کہ اگر خون بہا کی ضرورت ہے تو یہ زر پیش بحضور ہے۔ اگر قصاص لینا ہے تو

یہ تلوار حاضر ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ کان ذالک فی الکتب مسطورا۔ یعنی لوح محفوظ میں لکھا جا چکا تھا۔ اس کا خون بہا تمہارا سارا ملک ہے اور تیرا سر اور تمام خلقت کے سر اور میرا سر سب قصاص میں آئیں گے۔ سلطان محمد نا امید ہو کر چلا گیا تھوڑے عرصہ کے بعد چنگیز خان بن ترک بن یافث بن نوح علیہ السلام نے مغلستان (ترکستان) سے فوج کشی کی اور اکثر ممالک کو فتح کرتے ہوئے ۶۱۶ھ میں آٹھ لاکھ فوج کے ساتھ خوارزم پر حملہ آور ہوا کہتے ہیں کہ چنگیز خان کا کوئی مذہب نہ تھا اس کے باوجود اس کی ساری قوم شانکوتی مذہب پر تھی۔ اس قوم کے اعتقاد کے مطابق شانکوتی ایک صاحب کتاب پیغمبر تھے۔ لیکن چنگیز خان اس مذہب کا پابند نہ تھا۔ ہاں وہ حق سبحانہ تعالیٰ کی توحید کا قائل تھا۔ روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ اس نے شہر بخارا پر قبضہ کیا اور عید گاہ کے ممبر پر آ کر پہلے پروردگار کی حمد و ثنا اور توحید بیان کی اور پھر بخارا کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ تم لوگوں سے بڑے بڑے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بلا کے طور پر تم پر نازل کیا تاکہ قتل و غارت کروں۔ چنانچہ وہ جس شہر اور قصبے میں جاتا تھا قتل عام کا حکم دے دیتا تھا۔ صرف ایک شہر نیشاپور میں سات لاکھ آدمی قتل کئے گئے۔ شیخ فریدالدین عطارؒ ان مقتولین میں سے تھے۔ چھ سال کے عرصہ میں تمام ملک ترکستان، ایران، توران اور ہندوستان اس کے قبضہ میں آ گئے جہاں اس نے خوب قتل و غارت سے کام لیا۔ چنانچہ بعض مقامات، آج تک وہ شہر آباد نہیں ہوتے الغرض سلطان محمد لوگوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا اور سرگرداں پھرتا رہا۔ ۶۱۷ھ میں جزیرۂ آب کوں مازندران میں ہلاک ہو گیا۔ اس کی وفات کے بعد سلطان جلال الدین نے ایک مرتبہ مغلوں کے لشکر سے مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر ہندوستان کی طرف بھاگ گیا۔ لیکن سلطان شمس الدین التمش نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور وہ وہاں سے مایوس ہو کر واپس گیا اور راستے میں ہلاک ہو گیا غرضیکہ سلطان محمد خوارزم اور اس کی اولاد کا نام و نشان تک نہ رہا۔ چنگیز خان کے چار لڑکے تھے جو اس کے بعد اس کی وصیت کے مطابق بادشاہ ہوئے۔ حاصل کلام یہ کہ اس نے اپنے بیٹے تولا خان کو اپنے پاس رکھا اور جوجی خان، حقتائے خان، اوکتائے خان تینوں بیٹوں کو اسی اسی ہزار سوار دے کر شہر خوارزم پر تعینات کیا۔ اس نے شیخ نجم الدینؒ کے کمالات کی

خبر سُن کر آپ کو کہلا بھیجا کہ آپ خوارزم کے باہر چلے جائیں تاکہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ شیخ نے جواب دیا کہ ایام راحت میں مَیں ان لوگوں کے ہمراہ رہا ہوں۔ اب مصیبت کے وقت بھی ان کا ساتھ دوں گا۔ چنانچہ آپ نے اپنی شہادت سے پہلے شیخ سعد الدین حموی، شیخ سیف الدین، شیخ نجم الدین رازی، شیخ جمال الدین کسلی، شیخ رضی الدین علی لالہ، بابا کمال جندی مولانا بہاؤ الدین ولد مولانا رومؒ کے والد وغیرہ مریدین کامل کو جو ساٹھ سے زیادہ تھے رخصت کر دیا کہ اس ولایت سے باہر چلے جائیں۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ حضرت شیخ بھی اُن کے ہمراہ جائیں لیکن آپ نے فرمایا کہ مجھے اجازت نہیں ہے بلکہ یہ حکم ہے کہ ساری خلقت کے ساتھ شہید ہو جاؤں۔ جب بہت مقابلہ اور مقاتلہ کے بعد مغلوں کا لشکر شہر میں داخل ہوا تو شیخ نے اپنے باقیماندہ اصحاب کو جمع کر کے فرمایا۔ قُوْمُوْا بِاِذْنِ اللّٰہِ تَعَالٰی نُقَاتِلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ (اللہ کے حکم سے اٹھو اور کفار کا مقابلہ کرو۔) پس آپ نے ایک تھیلے میں پتھر جمع کر لیے اور ایک نیزہ ہاتھ میں لے کر باہر نکلے۔ پہلے کفار کو پتھروں سے مارا اس کے بعد نیزہ ہاتھ میں لے کر حملہ کر دیا اور جام شہادت نوش کیا۔ اس کے بعد خوارزم میں ایک آدمی بھی زندہ نہ رہا۔ اور جو کچھ حضرت شیخ کی زبان مبارک سے نکلا تھا پورا ہوا۔ آپ کی وفات ۶۱۸ھ میں خوارزم کے قتل عام میں ہوئی۔ آپ سلطان سنجر سلجوقی کے عہد میں ۵۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور خوارزم میں دفن کئے گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ

آں قبلہ ارباب بصیرت، آں محقق باسرار حقیقت، آں ممتاز بعشق وجوانمردی غوث وقت شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی قدس سرہ حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ اور اپنے چچا شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ کے مرید تھے۔ اور ان کے بعد ان کی مسند پر متمکن ہوئے۔ لطائف اشرفی میں لکھا ہے۔ کہ آپ نے خرقہ خلافت شیخ ابو مدین مغربیؒ

سے حاصل کیا۔ امام عبداللہ یافعی رحمہ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے زمانے کے استاد اور یگانۂ روزگار، محلِ طلوعِ انوارِ حقائقِ الٰہی و منبعِ اسرارِ لامتناہی و راہ نمائے طریقت، مظہرِ حقیقت، و رئیس و بزرگ ترین مشائخ و جامع علوم ظاہری و باطنی و مقتدائے عارفان، عمدۂ سالکان اور عالم ربانی تھے۔ آپ نے جس قدر مجاہدات و ریاضات کئے ہیں کسی نے کم کئے ہوں گے۔ علم حدیث میں آپ بے نظیر تھے۔ کیونکہ سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی سنّت آخری وقت تک آپ سے فوت نہ ہوئی۔ اور جس قدر تصرفات ظاہری و باطنی آپ سے سرزد ہوئے بہت کم صوفیا سے سننے میں آئے ہیں۔ آپ کے فیضِ صحبت سے بڑے بڑے اکابر اولیائے کرام وجود میں آئے ہیں۔ مثل شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ جو آپ کے بعد مقام غوثیت پر پہنچے۔ اور ایک جہان آپ سے فیض یاب ہوا۔ ان کے حالات اپنی جگہ پر قلمبند کئے جائیں گے۔ آپ کے اکمل خلفاء میں سے ایک شیخ نجیب الدین برغش شیرازی رح تھے۔ آپ کے تیسرے خلیفہ میر سید معز الدین رح تھے جو عظیم القدر ولی اللہ اور صاحب حالِ قوی تھے۔ یہ حضرت ہفت ابدال میں سے تھے۔ جو اسم الٰہی "القاہر" کی صفت سے موصوف تھے۔ آپ ولایت ہندوستان میں قہر و غلبہ کے طریق پر تصرف کرتے تھے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کے زمانے میں بغداد سے ہندوستان تشریف لائے۔ اور قصبہ سندیلہ میں مقیم ہوئے۔ جہاں آپ کا مزار مقدس زیارت گاہِ خاص و عام بنا ہوا ہے۔ یہ کاتب حروف ماہ ذی الحجہ ۱۰۴۰ھ میں دوسری بار آپ کے دربار میں حاضر ہوا۔ آپ شیرِ بیشۂ حقیقت ہیں۔ جو اپنی قوت ولایت سے آج تک حکومت کر رہے ہیں۔ اس نیازمند پر اس قدر انعامات ہوئے کہ دائرۂ تحریر سے باہر ہیں۔

صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین اپنے وقت میں

شیخ شیوخ بغداد تھے۔ آپ نے ابتدائے حال میں شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی صحبت پائی۔ بلکہ اپنے وقت کے بہت سے مشائخ سے استفادہ کیا۔ آپ نے جزیرہ عبادات میں بعض ابدال کی صحبت حاصل کی۔ اور خضر علیہ السلام سے بھی ملاقات ہوئی۔ آپ بیشمار تصانیف کے مالک ہیں۔ جن میں سے عوارف المعارف مکہ معظمہ میں لکھی گئی۔ جس وقت کوئی مشکل پیش آتی۔ آپ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے۔ طواف کعبہ کرتے۔ اور حق بات معلوم کرنے کے لئے توفیقِ الٰہی کے طلبگار ہوتے تو فوراً مشکل دور ہو جاتی۔ نفحات میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ سعدالدین حمویؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے شیخ عربیؒ کو کس طرح پایا؟ فرمایا نورٌ لا نہایت اللہ، (اللہ کے لا انتہا نور ہیں)۔ انہوں نے پوچھا۔ شیخ شہاب الدین کو کیسے پایا؟۔ فرمایا: "نورمتابعۃُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جبین السہروردی شیٔ آخر" (اتباع رسولؐ میں سہروردی کا کمال ہے) اور تکملہ کی ایک سوانیسویں حکایت میں آپ خود فرماتے ہیں کہ میں جوانی میں علم الکلام کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس علم کی چند کتابیں یاد کرلیں۔ اس حد تک کہ میں فقیہ ہوگیا۔ میرے چچا شیخ ابوالنجیب رحمۃ اللہ علیہ مجھے اس علم سے منع فرماتے تھے۔ اور میں باز نہیں آتا تھا۔ ایک دن وہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی زیارت کو گئے۔ اور ان کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا یہ بھتیجا علم الکلام میں مشغول ہے میں نے اسے بہت منع کیا ہے لیکن باز نہیں آتا حضرت شیخ نے دریافت فرمایا: اے عمر تم نے کونسی کتاب یاد کرلی ہے؟ میں نے کہا فلاں فلاں کتاب۔ آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر لگایا۔ واللہ! جو کچھ مجھے یاد تھا۔ فوراً بھول گیا اور حق تعالیٰ نے اسی وقت علم لدنی (علم معرفت) کا دروازہ میرے دل پر کھول دیا۔ اور حکمت کی باتیں کرتے ہوئے شیخ کی خدمت سے رخصت ہوا بس آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عمر: اَنت آخر المشہور فی العراق، (یعنی تم عراق میں سب سے آخری مشہور شیخ ہوگے) شیخ شہاب الدینؒ فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالقادرؒ

سلطانِ طریقت اور بڑے متصرف بزرگ تھے چنانچہ ان کے بعد شیخ شہاب الدینؒ نے عراق میں بڑی شہرت حاصل کی۔ اور قریب و بعید علاقوں سے اربابِ طریقت شیخ کی خدمت میں آکر فیض یاب ہونے لگے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو قوی تصرف اور بلند ہمت عطا فرمائی تھی۔ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں چند روز شیخ شہاب الدینؒ کی خانقاہ میں رہا۔ ہر روز میں دیکھتا تھا کہ قریب دس ہزار دینار آپ کی خدمت میں بطور فتوح غیب سے آتے تھے۔ اور شام تک ایک پیسہ بھی باقی نہیں رہتا تھا۔ حضرت گنج شکرؒ راحت القلوب میں فرماتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے چالیس سال تک خلق کے عیبوں کی طرف نگاہ نہ کی۔ اس بارے میں آپ سے سوال کیا گیا تو فرمایا کہ لوگوں کے عیب مجھے نظر نہیں آتے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ کسی نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت جا کر عرض کیا کہ فلاں شخص مسجد میں زنا کر رہا ہے۔ آپ نے تحقیق کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو بھیجا۔ آپ جب مسجد کے اندر داخل ہوئے تو اپنی آنکھیں بند کر لیں اور ادھر ادھر پھر کر باہر آ گئے۔ اور بارگاہ نبویؐ میں جا کر عرض کیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے وہاں کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ اسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر کا خرقۂ خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو عطا فرمایا۔ اور اپنی زبانِ مبارک سے یہ فرمایا کہ اس خرقہ کا مستحق وہ شخص ہے جو خلق کی عیب پوشی کرتا ہے۔ پس شیخ شہاب الدینؒ نے اس سنتِ رسولؐ کو زندہ کیا۔ آپ کے کمالات کا اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ کے کرامات و کمالات دائرۂ تحریر سے باہر ہیں۔ اور طرہ یہ کہ یہ کمالات ہر روز ترقی پر ہیں۔ یہ فقیر کاتب الحروف (مولانا عبدالرحمٰن) ابتدائے سلوک میں ریاضتِ شاقہ کرتا تھا۔ اور ہر سلسلہ کے اشغال کیا کرتا تھا۔ اور حق تعالیٰ سے اس سلسلہ کے بانی کے وسیلہ سے امدادِ معنوی طلب کرتا تھا۔ ایک رات نمازِ تہجد کے بعد مسجد میں مشغول تھا کہ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ نے عالمِ معاملہ میں کمال ذرہ نوازی سے اکتالیس اسمائے

اعظم با ترتیب تلقین فرماتے۔ ان میں سے اسم "یا دائم بلا فناءٍ ولا زوال لملکہٖ وبقائہٖ یا دائم" یا مؤکل آں فقیر کو عنایت فرمائے۔ جب میں نے سجدہ سے سر اٹھایا تو بیداری میں بھی میں نے ایک خوبصورت جوان صاحب جمال اپنے سامنے کھڑا دیکھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں دردائیل مؤکل اسم یا دائم ہوں۔ حضرت شیخ الشیوخ نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ بندہ آپ کی ولایت کا تصرف دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور آپ کا پہلے سے زیادہ گرویدہ ہو گیا۔ آپ سلطان طریقت اور برہان حقیقت تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کی وفات بروز چہار شنبہ یکم ماہ محرم ۶۳۲ھ خلیفہ مستنصر کے عہد میں ہوئی۔

حضرت شیخ محی الدین محمد بن عربی قدس سرہٗ

آں مجتہد محققان اہل حقائق، آں کاشف رموزات دقائق، آں متصرف ولایت شرقی وغربی، قطب افراد شیخ محی الدین محمد ابن عربی قدس سرہٗ حاتم طائی کی اولاد میں سے تھے۔ صاحب لطائف اشرفی کے قول کے مطابق آپ کا لقب شیخ اکبر ہے۔ اور تصوف میں آپ کو خرقہ خلافت ایک واسطے سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے ملا ہے۔ یعنی آپ نے خرقہ خلافت شیخ ابو محمد یونس رحؒ سے حاصل کیا۔ اور شیخ محمد یونس رحؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ آپ نے دوسرا خرقہ خلافت شیخ ابوالحسن علی بن عبداللہ جامع سے حاصل کیا۔ اور انہوں نے خضر علیہ السلام سے خرقہ حاصل کیا تھا۔ شیخ اکبر نے ایک خرقہ خضر علیہ السلام سے بھی حاصل کیا۔ آپ نے شیخ ابو مدین مغربی قدس سرہٗ سے بھی تربیت حاصل کی تھی۔ آپ نے اکثر مشائخ وقت کی صحبت پائی ہے۔ آپ بڑے عظیم الشان بزرگ تھے اور نہایت قوی حال رکھتے تھے۔ آپ نے اس قدر ریاضات اور مجاہدات کیے کہ کسی اور سے کم دیکھنے میں آئے ہیں آپ کا قول وفعل اور حال تمام صوفیائے کرام کے لئے حجت ہے۔

ارباب حقیقت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے آپ کے مصطلحات کے خلاف قدم نہیں اٹھایا۔ اگرچہ ابتدائے حال میں شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے وجود مطلق کے متعلق شیخ اکبر سے اختلاف کیا لیکن بعد میں متفق ہو گئے تھے۔ جیسا کہ اس کتاب کے دیباچہ میں بیان ہو چکا ہے۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ شیخ علاؤالدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکی (مصنفہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ) کے بہت مضامین پر شیخ اکبر کی بزرگی و کمالات کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے شیخ اکبر کو ان الفاظ میں مخاطب کیا ہے: "ایھا الصدیق، اَیُّھا المقرب، اَیُّھا الولیٔ اَیُّھا العارف الحقانی"، اور فتوحات کے حواشی پر اب تک یہ الفاظ موجود ہیں۔ صاحب نفحات نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ شیخ اکبر وحدت الوجود کے قائلین کے سردار ہیں۔ اور بہت فقہاء اور علمائے ظاہر نے آپ پر طعن کیا ہے لیکن جماعت صوفیہ نے آپ کی تصدیق کی ہے۔

ابن عربی سے انکار کی وجہ

شیخ سے انکار کی بڑی وجہ آپ کی کتاب فصوص الحکم تھی۔ یہ لوگ یا تو متعصب تھے۔ یا شیخ کے کلام کے مطالب و معانی سے بے خبر تھے۔ کیونکہ شیخ نے جس قدر حقائق و معارف فصوص الحکم اور فتوحات مکی میں بیان کئے ہیں۔ کسی اور بزرگ کی کتاب میں نہیں ملتے۔ اور نہ کسی بزرگ نے اپنی زبان سے اس قسم کے معانی بیان کئے ہیں۔ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ فرماتے ہیں "فصوص جان ہے، اور فتوحات دل"، امام عبداللہ یافعی فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر کے اشعار بے حد اَدق و لطیف ہیں اور کلمات نہایت نادر و عجیب ہیں۔ آپ نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں۔ بغداد کے ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ آپ کی تصانیف پانچ سو سے زیادہ ہیں۔ شیخ اکبر نے بھی ایک رسالہ میں اپنی تصانیف کی ایک فہرست لکھی ہے۔ جس میں دو سو پچاس کتابوں کے نام درج کئے ہیں۔ یہ صرف تصوف کی کتابیں ہیں۔ باقی اس کے علاوہ ہیں۔ اس رسالہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں

الغرض میرے ان کتابوں کے لکھنے کا سبب فقط تصنیف و تالیف نہ تھا بلکہ مجھے ان کے لکھنے کا حق سبحانہٗ تعالیٰ سے حکم ہوا ہے۔ ورنہ اغلب یہ تھا کہ میں جل جاتا۔ یہ درست ہے کہ چند کتابیں میں نے اپنے آپ کو مشغول رکھنے کے لئے لکھیں لیکن اکثر کتابوں کے لکھنے کے لئے میں مامور من اللہ تھا۔ امام عبداللہ یافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ اکبرؒ کو شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور بغیر بات کئے رخصت ہو گئے۔ بعد میں لوگوں نے آپ سے شیخ شہاب الدینؒ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: "رجل مملو من فرقہ الی قدمہ من سنة" (وہ ایک ایسے مرد ہیں جو سر سے قدم تک سنت (رسول اللہؐ) سے بھرے ہوئے ہیں) جب لوگوں نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے شیخ اکبر کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا: "بحر الحقائق لانہایة لہ"، (وہ حقائق کے ایسے سمندر ہیں کہ جن کی کوئی انتہا نہیں) صاحب نفحات نے شیخ صدرالدین قونویؒ بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ شیخ اکبر نے مجھے کہا کہ جب میں اندلس سے بحر روم پہنچا تو میں نے چاہا کہ سمندر میں بیٹھ کر اپنی آخر عمر تک آنے والے تمام ظاہری و باطنی واقعات کا مشاہدہ کروں۔ پس میں نے حق تعالیٰ سے حضور دل سے التجا کی کہ تمام خلقت کو اس سے فائدہ ہوگا۔ حق تعالیٰ نے مجھے میری زندگی کے تمام حالات اور واقعات سے آگاہ فرمایا۔ حتیٰ کہ تمہارے (شیخ صدرالدین قونویؒ کے) والد اسحاق بن محمدؒ اور تمہاری ملاقات، اور تمہارے تمام علوم مقامات: تجلیات و مکاشفات سے مجھے مطلع کیا گیا اور ان فیوض سے بھی جو تمہیں بعد میں حاصل ہوں گے۔ اس کے بعد میں سمندر میں بیٹھ گیا۔ اور تعین نصیب ہوا اور ہوتا ہے۔

ایمان تقلیدی کی اہمیت | مُلّا عبدالغفور قدس سرہٗ فتوحات کی شرح میں لکھتے ہیں کہ شیخ اکبر فتوحات مکی میں فرماتے ہیں کہ

میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اس کے ساتھ جو رسول خدا لائے ہمارے پاس بطریق مجمل و بطریق تفصیل۔ اور اس چیز کے ساتھ جو ہم تک پہنچی ہے یا نہیں پہنچی اور ہمارے نزدیک پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچی۔ پس ہم تصدیق کرتے ہیں اس کی جو کچھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور یہ ایمان ہمیں اپنے ماں باپ سے تقلید کے طور پر حاصل ہوا نہ کہ اپنی عقل فہم کے ذریعے۔ یعنی اس ایمان کی خوبی کو میں نے اپنی عقل کے ذریعے نہ سمجھا بلکہ محض تقلید کے طور پر اس کا علم ہوا۔ (یعنی میرا ایمان تقلیدی تھا تحقیقی نہ تھا۔ جو کچھ والدین سے سنا اس پر ایمان لایا اور حقیقتِ ایمان سے ناواقف تھا۔)

ایمان تصدیقی یا تحقیقی

اس کے بعد میں نے اپنے تقلیدی ایمان کے مطابق عمل کرنا شروع کیا میرے ایمان کا متقاضا یہ تھا کہ مجھے معلوم تھا کہ میرا یہ ایمان کہاں سے آیا ہے اور کس کے ساتھ ایمان ہے۔ اس کے بعد میری آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا پس میں نے چشم بصیرت (دل کی آنکھوں سے) سے دیکھا اور حقیقت حال مجھ پر منکشف ہو گئی۔ اس وقت مجھے تقلیدی ایمان کی قدر معلوم ہوئی اور اُن لوگوں کی قدر معلوم ہوئی جن کے ذریعے میں نے تقلیدی ایمان حاصل کیا تھا۔ اور میں نے تمام انبیاء علیہم یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کا مشاہدہ کیا۔ اور حق تعالےٰ نے مجھے تمام مومنین سے مطلع فرمایا اور گزشتہ اور قیامت تک آنے والے لوگوں میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ کیا خاص کیا عام جس سے مجھے مطلع نہ کیا گیا ہو۔ اور عالم علوی کی جن چیزوں پر میں مجملاً ایمان لایا تھا سب کا مشاہدہ کیا۔ اور اس مشاہدہ نے میرے ایمان میں لغزش پیدا نہ کی۔

عارفین کی لغزش کی بڑی وجہ

اور مجھے یہ خیال نہ ہوا کہ میرے اعمال میرے مشاہدہ کا نتیجہ ہیں۔ بلکہ میں اس

عقیدہ پر جا رہا تھا کہ میرا قول و فعل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کے مطابق ہے نہ کہ میرے مشاہدہ کی وجہ سے۔ اگر مجھے یہ خیال ہوتا کہ میرے اعمال میرے مشاہدہ کا نتیجہ ہیں تو میں متابعتِ رسول صلعم سے محروم ہو جاتا۔ پس میں نے ایمان اور مشاہدہ کو جمع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے لئے یہ بہت نادر بات ہے کیونکہ مشاہدہ کے باوجود اُن کے اعمال مشاہدہ کی رُو سے نہیں ہوتے۔ بلکہ از روئے ایمان ہوتے ہیں اسی مقام پر بڑے اکابر اولیاء کو لغزش ہوتی ہے کیونکہ جب مشاہدہ کی بناء پر عمل کرتے ہیں تو اُن کا عمل ایمان کی بناء پر نہیں ہوتا اس لئے ایمان اور مشاہدہ جمع نہیں ہو سکتے اور ایمان کو چھوڑ کر اپنے مشاہدہ کے تابع ہو جاتے ہیں جس شخص کا عمل ایمان کی بناء پر نہیں بلکہ مشاہدہ کی بناء پر ہوتا ہے اس سے کمال فوت ہو جاتا ہے کمال یہ ہے کہ اپنے مقام کو برقرار رکھے اپنے عمل کو ایمان کے تابع کرے، اور متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر لازم قرار دے۔ جو شخص صاحب کشف ہوتا ہے لیکن حق تعالےٰ اس پر اس کی لغزش کو منکشف نہیں کرتا پس ندانستہ وہ اپنے عمل کو اپنے مشاہدہ کے تابع کر لیتا ہے۔ کمال یہ ہے عمل کو ایمان کے تابع کرے۔ اور ذوقِ مشاہدہ کے باوجود ایمان پر جما رہے۔ میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو یہ کمال رکھتا ہو یعنی مشاہدہ کے باوجود اس کا عمل ایمان کے تابع ہو میں جانتا ہوں کہ دنیا میں اللہ کے ایسے بندے موجود ہیں جو یہ کمال رکھتے ہیں۔ لیکن حق تعالےٰ نے مجھے ان سے ممتاز کیا ہے کیونکہ میں ان کو ظاہر دیکھتا ہوں اور ان کی علامات پہچانتا ہوں ہو سکتا ہے کہ میں نے ان کو دیکھا ہو لیکن پہچانا نہ ہو اور اس نہ پہچاننے کا سبب یہ ہے کہ حق تعالےٰ جو مجھے تمام موجودات میں سے ہر موجود کے متعلق اور تمام حادثات میں سے ہر حادثہ کے متعلق مطلع کرتا ہے اس شخص کے متعلق مجھے مطلع نہ کیا ہو کیونکہ میری یہ خواہش ہوتی ہے کہ حق تعالےٰ مجھ سے وہ کام کرائے جس میں اس کی رضا ہو اور وہ کام نہ کرائے

جس میں اس سے بُعد لازم آتا ہو۔ اس لیئے دعا ہے کہ حق تعالے مجھے صحیح مقام عطا فرمائے کیونکہ متابعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی حقیقی مرتبہ نہیں ہے۔ اور بلند مراتب میں اگر حق تعالے میرے ساتھ تمام خلقت کو شریک کرے تو اس سے نہ میں متاثر ہونگا نہ متغیر۔ کیونکہ میں بندہ ہوں اور میرے اندر ربوبیت کی کوئی رمق نہیں ہے۔ میں اس کی رضا پر راضی ہوں اور اس کے بندوں پر مجھے فوقیت حاصل کرنے کی خواہش نہیں ہے بلکہ حق تعالے نے میرے دل میں یہ خواہش رکھی ہے کہ سارا جہان اعلیٰ مراتب پر فائض ہو جائے۔ اس کے بعد حق تعالے نے مجھے خاص نعمت سے نوازا۔ لیکن اس سے بھی میرے دل میں کوئی خطور پیدا نہ ہوا۔ بلکہ میں نے نعمت کا شکر ادا کیا عجز اور شکر سے (یعنی میں نے حق تعالے کی درگاہ میں مناجات کی کہ تو نے مجھے اسقدر نوازا ہے کہ اس نعمت کا شکر ادا کرنے سے قاصر اور عاجز ہوں۔) یاد رہے کہ اس چیز کا ذکر میں از راہ تفاخر نہیں کر رہا بلکہ اس کا ذکر دو وجوہات سے کیا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالے فرماتے ہیں "وَاَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت کا ذکر کرو۔ اور مذکورہ بالا نعمت جو مجھے ملی ہے اس سے بڑھکر کونسی نعمت ہو سکتی ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ سننے والوں کے دل میں شوق پیدا ہو اور ان مراتب کو حاصل کرنے کی اُن کے دل میں تمنا پیدا ہو۔ اور اگر وہ ان مراتب پر پہنچ جائیں جو مجھے حاصل ہیں تو مجھے کیا نقصان ہے۔ کیونکہ حسد دنیاوی معاملات میں ہوتا ہے دینی اور روحانی معاملات میں حسد نہیں ہوتا۔

شیخ صدرالدین قونوی" فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ کو یعنی شیخ اکبرؒ کو حق تعالے نے ایسی نظر عطا فرمائی ہے کہ جب کسی کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس پر ایک نظر ڈال کر اس کے ظاہری و باطنی حالات معلوم کر لیتے ہیں اور صاحب نفحات فتوحات مکی کے چوالیسویں باب سے نقل کرتے

ہیں کہ شیخ اکبر نے فرمایا ہے کہ مجھ پر ایک ایسا وقت آیا تھا کہ مجھے بے خود کر دیا جاتا تھا اور میں اس طرح نماز پڑھتا کہ میں امام ہوتا اور میں نماز کے تمام ارکان بجالاتا تھا لیکن مجھے کوئی ہوش اور شعور نہ ہوتا نہ جماعت کا نہ اس بات کا کہاں نماز ہو رہی ہے نہ گرد و پیش کی اشیاء کا شعور ہوتا تھا۔ اور جو کچھ میں اب بیان کر رہا ہوں اس کی مجھے بعد میں اطلاع ہوتی تھی لیکن اس وقت مجھے کوئی علم نہ ہوتا تھا۔ گویا میں ایسے آدمی کی سی حرکات وسکنات کرتا تھا جو نیند میں ہو اور اس سے کچھ افعال سرزد ہوں جس کی اُسے خبر نہیں ہوتی۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ حق تعالےٰ نے مجھے بچالیا ہے اور مجھ سے

وہی برتاؤ کیا ہے جو شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔ کہ ان کو نماز کے وقت ہوش دے دیا جاتا تھا لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ آیا ان کو نماز کی حرکات وسکنات اور نماز کی جگہ وغیرہ کا علم بھی ہوتا تھا یا نہیں جب اس بات کا حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ سے ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَجْرِ عَلَیْہِ لِسَانُ ذَنْبٍ (شکر ہے اللہ تعالیٰ کا کہ جس نے زبان کو لمبا کیا ہے لیکن کسی نے اُسے گنہگار نہیں کہا)

فتوحات مکیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ مجھے ایک مشائخ نے فرمایا کہ فلاں بادشاہ جو تم سے بہت اعتقاد اور اخلاص رکھتا ہے اور مخلوق کے ساتھ شفقت سے پیش آتا ہے اس کی لڑکی بیمار ہے وہاں جاؤ جب میں وہاں پہنچا تو اُسکا شوہر میرے استقبال کو آیا اور مجھے اس کے بستر کے پاس لے گیا۔ لڑکی نزع کی حالت میں تھی۔ اُس نے آنکھ کھولی اور مجھے سلام کیا۔ میں نے کہا کوئی فکر مت کرو لیکن یہاں ایک دقیقہ درپیش ہے کہ جب ملک الموت آتا ہے تو خالی واپس نہیں جاتا اور بدلہ دیئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ لیکن ہم نے تجھے اس سے آزاد کیا۔ اس وقت حق تعالےٰ خود چاہتے ہیں کہ وہ (ملک الموت) خالی واپس جائے۔ تیرے زندہ رہنے سے خلق کو

بہت فائدہ ہے اس لیئے کہ تم بہت عظیم القدر ہو۔ میری ایک لڑکی ہے
جو مجھے سب لڑکیوں سے زیادہ پیاری ہے میں اُسے تم پر قربان کرتا ہوں
ملک الموت آچکا تھا۔ میں نے اس کی طرف منہ کر کے کہا کہ چونکہ تم جان لیئے
بغیر واپس نہیں جاتے اس کی بجائے تم میری لڑکی کی جان لے کر جاؤ کیونکہ
میں نے اسے حق تعالےٰ سے واپس لے لیا ہے۔ اس کے بعد شیخ اکبر
اپنی لڑکی کے پاس گئے۔ اُسے کوئی بیماری نہ تھی۔ آپ نے اس سے
فرمایا کہ اسے فرزند اپنی روح مجھے بخش دے کیونکہ مخلوق خدا کو فائدہ
پہنچانے میں تو بادشاہ کی لڑکی کے برابر نہیں ہو سکتی۔ اس نے کہا اے
باپ میری جان آپ کے حکم میں ہے۔ اس کے بعد آپ نے ملک الموت
سے فرمایا کہ اس کی جان لے لو۔ اُسی وقت شیخ کی لڑکی گر کر فوت ہو گئی۔
فتوحات میں آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ۵۸۶ھ میں ہماری مجلس میں ایک عالم
آیا کرتا تھا جو فلسفیوں کے مذہب پر تھا اور نبوت میں جیسا کہ عام مسلمانوں
کا عقیدہ ہے یقین نہیں رکھتا تھا اور کراماتِ اولیاء اور معجزات انبیاء علیہم السلام
کا بھی منکر تھا۔ اتفاق سے وہ سردی کا موسم تھا اور مجلس میں آگ جلائی جاتی
تھی۔ ایک دفعہ اس فلسفی نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ
میں پھینکا گیا اور نہ جلے۔ لیکن یہ محال ہے کیونکہ آگ کا کام طبعاً جلنے کے
قابل اجسام کو جلانا ہے۔ پس اس نے اس آیت کریمہ کی تاویل کرتے ہوئے
کہا کہ وہ آگ جس کا ذکر قرآن میں ہے اس سے مراد نمرود کا غصّہ ہے اور
ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو نمرود کے
سامنے لایا گیا اور وہ آپ پر غضبناک ہوا لیکن آپ دلائل و براہین کے
ذریعہ اس پر غالب آ گئے۔ شیخ اکبر نے اُس سے فرمایا کہ یہ جو حق تعالےٰ
نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہو گئی اور آپ
صحیح سلامت باہر آ گئے کیا اسی چیز کا تمہیں مشاہدہ کرا دوں لیکن اس سے

میری غرض اظہار کرامت نہیں بلکہ معجزۂ انبیاء کے انکار کو دفع کرنا ہے۔ فلسفی نے کہا یہ ناممکن ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ آگ جو انگیٹھی میں جل رہی ہے کیا وہی آگ نہیں ہے جو تمہارے قول کے مطابق بالطبع محرق (جلانے والی) ہے اس نے کہا وہی ہے آپ نے انگیٹھی اٹھائی اور آگ اس کے دامن میں ڈالدی۔ آگ کافی دیر اس کے دامن میں پڑی رہی اور وہ اپنے ہاتھ سے انگاروں کو ادھر اُدھر کرتا رہا اور کپڑا نہ جلا۔ اس کے بعد آپ نے آگ کو انگیٹھی میں ڈال دیا اور فلسفی سے کہا کہ اب اسے ہاتھ لگاؤ۔ اس نے جونہی ہاتھ بڑھایا فوراً جل گیا شیخ نے فرمایا اب تو ثابت ہو گیا کہ جلانا اور نہ جلانا حق تعالیٰ کے حکم میں ہے۔ یہ دیکھ کر فلسفی فوراً ایمان لے آیا۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ تمام مقامات سے ترقی کر کے مقام فردانیت پر پہنچ چکے تھے۔ آپ فتوحاتِ مکی میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل مقام فردانیت میں تھے اور خضر علیہ السلام بھی مقام فردانیت میں ہیں۔ آپ سے جس قدر کرامات کا ظہور ہوا کم کسی بزرگ سے ہوا ہوگا۔ اولیاء اللہ کے نزدیک آپ بالاتفاق اس فن کے امام اور پیشوا ہیں جیسا کہ آپ کی تصانیف سے صاف ظاہر ہے۔ آپ کی ولادت قصبہ مُرسیہ واقع ملک اندلس میں دوشنبہ کے دن بتاریخ سترہ ماہ رمضان ۵۶۰ھ میں اور وفات جمعہ کی رات بتاریخ دوماہ ربیع الآخر ۶۳۸ھ ہوئی۔ اور دمشق سے باہر کوہ قاسیون کے دامن میں جو کہ اب صالحہ کے نام سے مشہور ہے دفن کئے گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ روزبہان بقلی شیرازی قدس سرہٗ

عاشقِ صاحب کمال، عارفِ دائم الاحوال، فارغ از مستقبل و ماضی، قطبِ ابدال

شیخ روزبہان بقلی شیرازی قدس سرہٗ کی کنیت ابو محمدؒ بن ابی نصر بقلی ہے۔ آپ کی ولادت فسوس میں ہوئی۔ آپ شیراز میں قیام پذیر تھے۔ موضع بقل بھی شیراز کے نواح میں ہے جہاں آپ کے والدین مقیم تھے۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ سلطان العارفین، برہان العشاق، اور قدوۂ عشاق تھے۔ ابتدائے حال میں آپ نے عراق، حجاز اور شام کا سفر کیا اور شیخ ابونجیب سہروردیؒ کے ساتھ اسکندریہ میں صحیح بخاری کے درس میں شریک تھے۔ اس کے بعد طریقت میں قدم رکھا۔ اور خرقۂ خلافت شیخ سراج الدین محمودؒ بن خلیفہ بن عبدالسلام بن احمدؒ بن ابوالحسنؒ سے حاصل کیا۔ جو شیخ ابو سلمہ فسوسیؒ کے اصحاب میں سے تھے اور وہ شیخ ابوعلی رودباریؒ اور وہ سید الطائفہ خواجہ جنید بغدادی قدس اسرارہم کے اصحاب میں سے تھے۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ شیخ روزبہانؒ شیراز کے پہاڑوں میں سخت ریاضات میں مشغول رہتے تھے۔ آپ بڑے صاحب حال تھے اور دائماً استغراق اور وجد میں رہتے تھے۔ آپ کے عشق کی آگ کبھی ٹھنڈی نہیں ہوتی تھی اور آنسو کبھی نہ تھمتے تھے۔ آپ ہر وقت بے قرار رہتے تھے اور ایک لمحہ کے لئے سکون حاصل نہ تھا۔ اور آپ کو کسی چیز سے تسلی نہیں ہوتی آپ ساری رات آہ و نالہ میں گزارتے تھے۔ شیخ ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ روزبہانؒ مکہ میں مقیم تھے آپ پر اسقدر حال کا غلبہ ہوتا تھا اور اس طرح آہ و بکا کرتے تھے کہ تمام طواف کرنے والے پریشان ہو جاتے تھے۔ آپ نہایت صادق الحال تھے اور تکلیف سے بالکل آزاد تھے۔ غلبۂ حال میں آپ ایسے کلمات منہ سے نکالتے تھے کہ عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتے تھے۔ یہ رباعی آپ کی ہے ؎

آنچہ ندیداست دو چشم زماں ۔۔۔ وآنچہ نشنیداست دو گوش زمین
در گل ما رنگ نمودست آں ۔۔۔ خیز و بیا در گل ما آں ببیں

(وہ چیز کہ نہ خلق کی آنکھ نے دیکھی ہے نہ کانوں نے سنی ہے میرے ضمیر کے اندر رکھ دی گئی ہے۔ آؤ اور میرے اندر اس کا مشاہدہ کرو)

آپ کی بہت تصانیف ہیں مثل تفسیر عرائس بیان (جو احقر مترجم کے پاس ہے) اور کتاب الانوار فی کشف الاسرار جس میں آپ کے اکثر شطحیات درج ہیں۔ آپ کی کتابوں کی فہرست طویل ہے جو بغرض اختصار یہاں درج نہیں کی جارہی۔ آپ کتاب الانوار میں فرماتے ہیں کہ قوال خوبصورت ہونا چاہیئے کیونکہ محفل سماع میں عارفین کو تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ راحت قلب کے لیئے اوّل ارواح طیبہ (پاک روحیں) دوم خوبصورت چہرہ، سوم میٹھی آواز۔ نفحات میں لکھا ہے کہ آپ پچاس سال تک جامع عتیق شیراز میں وعظ میں مشغول رہے۔ ایک دن ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی کہ بیٹی اپنے حسن وجمال کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کرو یہ سن کر شیخ روزبہان بقلیؒ نے فرمایا بی بی یہ درست ہے لیکن حسن اس سے راضی نہیں رہتا کہ اکیلا رہے حسن یہ چاہتا ہے کہ عشق کے ساتھ رہے کیونکہ حسن وعشق کے درمیان ازل سے عہد ہو چکا ہے کہ ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے۔ اس بات نے آپ کے اصحاب پر اس قدر اثر ہوا کہ سب وجد کرنے لگے۔ ایک دن آپ صوفیوں کے مجمع میں بیٹھے تھے ایک بزرگ نے اپنے دل میں کہا کہ میں شیخ روزبہان سے برتر ہوں۔ آپ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اے ابوالحسن اس خیال کو دل سے نکال دے۔ آج کوئی شخص روزبہان کی برابری نہیں کرسکتا کیونکہ وہ یگانۂ روزگار ہے اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

دریں زمانہ صنم قائد صراط اللہ	زحدّ خاور تا آستانۂ اقصیٰ
روندگان معارف مرا بجا بانند	کہ ہست منزل جانم بماوری الوریٰ

(اس زمانے میں اللہ کے راستے کا یعنی اللہ کی طرف جانے والوں کے

قافلوں کا قائد میں ہوں۔ وہ قافلے جو مشرق سے مغرب تک یعنی سارے جہاں میں گامزن ہیں۔ عارف لوگ مجھے کیسے دیکھ سکتے ہیں کیونکہ میری منزل ماورئی سے بھی آگے ہے۔ ماورئی اُسے کہتے ہیں جو پردے کے پیچھے ہو اور اس سے بھی آگے کی منزل سے مراد ذات بحت یعنی مقام لاتعین ہے)۔ آپ صاحب سماع تھے لیکن آخر عمر میں سماع ترک کر دیا تھا۔ کسی نے وجہ دریافت کی تو فرمایا اب کہ حصول معرفت کا وقت ہے میں اپنے آپ سے سنتا ہوں اس لئے جو کچھ غیر اللہ سے سنتا تھا اب اس سے روگردانی کر لی ہے نفحات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ اچانک آپ ایک گانے والی پر عاشق ہو گئے لیکن اس کا کسی کو علم نہ ہوا۔ سماع کے وقت آپ کا وجد اور نعرے بدستور جاری رہے لیکن پہلے اللہ کے لئے

ہوتے تھے اب محبوبہ کے لئے تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ لوگ سمجھتے ہوں گے کہ یہ آہ و فغان حق تعالیٰ کے لئے ہے پس آپ نے صوفیائے حرم کی مجلس میں جا کر خرقہ اتار کر پھینک دیا اپنے عشق کا قصہ ان کے سامنے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ اپنے حال میں کاذب (جھوٹا یا منافق) بنوں۔ پس آپ نے مغنیہ (گانے والی) کی خدمت کو لازم پکڑ لیا۔ جب اُسے آپ کی محبت کا حال معلوم ہوا اور اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ اکابر اولیا اللہ ہیں اس نے توبہ کی اور شیخ کی خدمت میں مستعد ہو گئی۔ اس سے مغنیہ کی محبت آپ کے دل سے جاتی رہی اس کے بعد آپ نے صوفیاء کی مجلس میں جا کر دوبارہ خرقہ پہن لیا۔ آخر عمر میں آپ بیمار ہو گئے۔ آپ کے ایک مرید مصر جا کر آپ کے لئے کچھ خالص روغن بلسان لائے اور دوا کے طور پر شیخ کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا جزاک اللہ عن لبشک اس کے بعد فرمایا کہ خانقاہ سے باہر جاؤ۔ باہر ایک کتا سویا ہوا ہے یہ تیل اس کو لگاؤ۔ کیونکہ روز بہان کسی تیل سے اچھا نہ ہوگا یہ بیماری عشق

کے زنجیروں میں سے ایک زنجیر ہے جو حق تعالےٰ نے اس کے پاؤں میں ڈال رکھی ہے اور اس سے اس وقت نجات ملے گی جب سعادت دیدار حاصل ہوگی۔ جب آپ کی بیماری بڑھ گئی تو شیخ ابوالحسن کرد ؒ جو بڑے صاحب علم و تقویٰ اور خضر علیہ السلام کے صحبت یافتہ تھے شیخ سراج الدین کے ساتھ آپ کی عیادت کو آئے۔ آپ نے ان کی طرف منہ کر کے فرمایا آؤ تاکہ ہم حیات جسمانی اور زندگی فانی کی قید سے رہائی حاصل کریں اور حیات ابدی روحانی حاصل کریں۔ انہوں نے آپ کی دعوت قبول کی۔ شیخ نے فرمایا پہلے میں جاتا ہوں اور پندرہ دن کے بعد اے ابوالحسن تم اور ایک ماہ کے بعد اے علی تم آجانا چنانچہ اسی طرح ہوا۔ رحمہم اللہ تعالےٰ۔ شیخ ابوبکر طاہر جو شیخ روزبہان ؒ کے اصحاب کبار میں سے تھے فرماتے ہیں کہ میں ہر صبح شیخ کے ساتھ بیٹھ کر قرآن پڑھتا تھا۔ ایک عشر آپ اور ایک عشر میں پڑھتا تھا۔ جب آپ کا وصال ہوا تو دنیا میرے لئے تاریک ہوگئی۔ آخر شب میں نے اٹھ کر نماز ادا کی اور نماز کے بعد شیخ کے مزار پر جا کر قرآن پڑھنا چاہتا تھا کہ مجھ پر گریہ طاری ہوگیا اور دل میں خیال کیا کہ اب اکیلا قرآن پڑھ رہا ہوں۔ جب میں نے عشر ختم کیا تو میں نے مزار سے شیخ کی آواز سنی کہ دوسرا عشر پڑھ رہے تھے۔ جب اور لوگ آئے تو آواز بند ہوگئی۔ غرضیکہ مدت تک یہی حال رہا لیکن جب میں نے اس کا ذکر اپنے ایک پیر بھائی سے کہا تو وہ بات ختم ہوگئی۔ آپ کی وفات گیارہ ماہ محرم ۶۰۶ھ ہے تو سلطان محمد خوارزم شاہ کے عہد میں ہوئی۔ آپ کی تاریخ ولادت ۵۲۲ھ ہے مدفن آپ کا شیراز ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ بہاء الدین ولد قدس سرہٗ

آں محتشم ارباب ہدایت، آں بالاتفاق صاحب ولایت، آں موصوف

بصفات بے عدد، مقتدائے قوم، شیخ بہاؤالدین ولد قدس سرہٗ آپ کا اسم مبارک محمد بن حسین بن احمد خطی البلخی البکری تھا۔ آپ امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے اور تمام علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ صاحب لطائفِ اشرفی کے قول کے مطابق آپ شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کے خاص اصحاب میں سے تھے۔ آپ کی والدہ خراسان کے بادشاہ علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی لڑکی تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں بادشاہ کو اشارہ فرمایا کہ اپنی لڑکی حسین خطی کے نکاح میں دیدو۔ اس نے حکم کی تعمیل کی اور شادی کے نویں مہینے حضرت بہاؤالدین ولد پیدا ہوئے۔ جب آپ دو سال کے ہوئے تو آپ کے والد کا انتقال ہوگیا۔ جب آپ سن تمیز کو پہنچے تو تحصیل علوم دینی اور معارفِ یقین میں مشغول ہوگئے۔ آپ کا کمال اس حد تک پہنچا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سلطان العلماء کا لقب دیا۔ اور آپ مرجع خلائق بن گئے علما کی ایک جماعت مثل امام فخرالدین رازیؒ وغیرہ نے ازراہِ حسد بادشاہ سے شکایت کی کہ شیخ بہاؤالدین ولد آپ سے بغاوت کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ آپ کو ناچار بلخ چھوڑنا پڑا۔ اس وقت آپ کے بیٹے مولانا جلال الدین رومیؒ صغیر سن تھے۔ وہاں سے روانہ ہوکر آپ نیشاپور گئے اور شیخ فریدالدین عطارؒ سے ملاقات کی۔ اس کے بعد بغداد ہوتے ہوئے مکہ معظمہ کا عزم کیا۔ شیخ فریدالدین عطارؒ نے مولانا رومؒ کے حق میں بہت بہت مہربانی فرمائی آپ نے اپنی کتاب اسرار نامہ مولانا رومؒ کو عنایت کی اور فرمایا کہ تمہارے کام کی کشائش اسی سے ہوگی۔ مولانا اسرار نامہ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے ؎

گرد عطار گشت مولانا۔ از دست شمس بود شربت نوش

(شیخ فریدالدین عطارؒ کے گرد مولانا گھومتے رہے۔ لیکن شربت شمس تبریزی کے ہاتھ سے پیا۔)

جب شیخ بہاؤالدین ولدؒ بغداد پہنچے تو بعض لوگوں نے پوچھا آپ کون ہیں کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا مِنَ اللہ والی اللہ وَلاحَوْل وَلاقوۃ الا باللہ یعنی خدا سے آ رہے ہیں اور خدا کی طرف جا رہے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈر ہے نہ خوف۔ جب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ بات کہنے والا بہاؤالدین ولد کے بغیر کوئی نہیں ہو سکتا۔ پس شیخ شہاب الدین سہروردی آپ کے استقبال کو نکلے۔ جب قریب پہنچے تو اونٹ سے اتر کر مولانا بہاؤالدین کے زانو کو بوسہ دیا اور اپنی خانقاہ میں لے جانے کی استدعا کی۔ مولانا نے فرمایا مدرسہ کے قرب میں قیام بہتر رہے گا۔ لہٰذا آپ نے مدرسہ مستنصریہ میں قیام فرمایا اور شیخ شہاب الدینؒ نے اپنے ہاتھ سے ان کا موزہ نکالا تیسرے دن

آپ مکہ مبارک کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں سے فارغ ہو کر ولایت روم کا عزم کیا آپ چار سال آذربائیجان میں رہے اور سات سال لارندہ میں قیام فرمایا۔ آپ نے وہاں مولانا رومؒ کی اٹھارہ سال کی عمر میں شادی کی اور ۶۲۳ھ میں سلطان ولد پیدا ہوئے۔ جب سلطان ولد بڑے ہوئے تو لوگ انکو مولانا روم کا بھائی سمجھتے تھے۔ اس کے بعد بادشاہِ وقت آپ کو لارندہ سے قونیہ لے آئے۔ جہاں مولانا بہاؤالدین ولدؒ کا جمعہ کے دن بتاریخ اٹھارہ ماہ ربیع الآخر سنہ ۶۱۸ھ وصال ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرۃ سید برہان الدین محقق قدس سرہٗ

آں سیدِ عالی قدر، آں عارف صاحب اسرار، آں کاشفِ رموزاتِ محقق، پیشوائے وقت سید برہان الدین محقق قدس سرہٗ۔ آپ سید حسینی تھے اور سادات ترمذ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ ہر فن میں کامل تھے۔ آپ مولانا بہاؤالدین ولدؒ کے مرید اور تربیت یافتہ تھے۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ

آپ سادات ہونے کی وجہ سے خراسان اور ترمذ کے علاقے میں سید سردان کے نام سے مشہور تھے۔ اور جس روز مولانا بہاؤالدین ولدؒ کا انتقال ہوا آپ نے ترمذ میں اپنے مریدین کے ساتھ بیٹھے ہوئے فرمایا کہ افسوس آج ہمارے استاد اور مرشد اس جہان سے رحلت کر گئے۔ اس کے بعد آپ مولانا جلال الدین رومیؒ کی تربیت کے لئے قونیہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور نو سال تک مولانا رومؒ کمال نیاز مندی سے شیخ کی خدمت میں رہے اور تربیت حاصل کی۔ لکھا ہے کہ جب شیخ شہاب الدینؒ سید برہان الدینؒ کی زیارت کے قونیہ گئے تو آپ (سید برہان الدینؒ) خاکستر پر بیٹھے تھے۔ شیخ شہاب الدین دور سے تعظیم کرتے ہوئے آئے اور بیٹھ گئے لیکن دونوں حضرات کے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ مریدوں نے پوچھا کہ خاموشی کی کیا وجہ ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اہل حال کے سامنے زبانِ حال چاہیئے نہ کہ زبانِ قال۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے انہیں کیسے پایا۔ فرمایا وہ درِ معانی اور حقائقِ محمدی کا ایک سمندر ہیں جو نہایت آشکارا اور نہایت پنہاں ہے۔ شیخ صلاح الدین سید برہان الدین محققؒ کے مرید تھے۔ سید برہان الدین فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا حال صلاح الدین کو عنایت کیا اور قال مولانا روم کو۔ سید برہان الدین کا مزار دارالفتح قیصریہ میں ہے آپ کی وفات کی تاریخ نظر سے نہیں گزری لیکن آپ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے ہمعصر تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ مجد الدین بغدادی قدس سرہٗ

آں عاشق بلند پرواز، آں دریا غیچہ توحید شاہ باز، آں ممتاز در عالم آزادی محبوب حق شیخ مجدالدین بغدادی قدس سرہ۔ آپ کا اسم گرامی مجدالدین شرف ابن المؤید بن ابی الفتح بغدادی اور کنیت ابو سعید ہے۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ کا اصلی وطن بغداد تھا خوارزم شاہ نے خلیفہ وقت سے ایک طبیب

طلب کیا تو اس نے آپ کے والد کو بھیج دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کا وطن
قصبہ بغداد ہے جو خوارزم کے نواح میں ہے آپ شاہ خوارزم کے مقربان
میں سے تھے۔ صاحب لطائف اشرفی فرماتے ہیں کہ آپ نہایت خوبصورت
اور ظریف طبع تھے۔ آپ شیخ نجم الدین کبریٰ کے اکمل خلفاء میں سے تھے۔
حضرت شیخ نے آپ کو اپنا فرزند بنایا ہوا تھا۔ شیخ علاؤ الدین سمنانی
چہل مجالس میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیخ مجد الدین جب
شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں پہنچے تو امرد (بے ریش) تھے صحیح
نہیں ہے حالانکہ اس وقت آپ نوجوان تھے لیکن آپ بہت حسین تھے۔
حضرت شیخ نے آپ کو وضو کرانے کی خدمت میں لگایا تھا۔ آپ کی والدہ
طبیب تھی۔ اس نے جب سنا کہ شیخ میرے لڑکے سے وضو کراتے

ہیں تو کہلا بھیجا کہ میرا بیٹا بہت نازک ہے اگر فرمان ہو تو میں دس ترک غلام آپکی
خدمت میں بھیج دوں تاکہ وضو کرائیں اور میرے بیٹے کو آپ اور کام میں
لگائیں۔ شیخ نے فرمایا کہ تم تو علم طب سے واقف ہو تم نے عجیب بات
کہی ہے۔ یہ بتاؤ کہ اگر تیرا بیٹا صفراوی بخار میں مبتلا ہو اور میں اُسے غلام کی
دوا دوں تو کیا وہ صحت یاب ہو جائے گا۔ پس حضرت شیخ کی خدمت کرتے
کرتے آپ نے اس قدر ترقی کی کہ صاحب ارشاد ہو گئے اور اپنے شیخ کی
موجودگی میں خدمت ارشاد پر مامور ہوئے۔ شیخ علاؤ الدولہ سمنانیؒ یہ بھی
فرماتے ہیں کہ ایک دن خواجہ بایزید بسطامیؒ کے سلسلے کے ایک شخص نے
مجھ سے کہا کہ آپ اس خاندان (بایزیدؒ کے) کے معتقد ہیں لیکن سلوک کا علم
حاصل کرنے کے لئے آپ دوسرے سلسلے میں داخل ہو گئے ہیں۔ میں
نے کہا مجھے اور تو کوئی علم نہیں لیکن ایک دفعہ میں وضو کر رہا تھا کیا دیکھتا ہوں
کہ قبلہ کی دیوار کھل گئی ہے اور اس کے پیچھے مجھے فضا میں آسمان اور ستارے
اور مشتری نظر آنے لگے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے کسی نے جواب دیا کہ یہ

بایزید بسطامیؒ کا نور ہے۔ کچھ دیر کے بعد میں نے ایک اور آسمان دیکھا جو سورج کی طرح منور تھا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے کسی نے کہا یہ مجد الدین بغدادیؒ کا نور ہے۔ یہ سن کر وہ آدمی حیران ہوا۔ میں نے کہا میں نے یہ بات اس لئے نہیں کہی کہ کسی کے مراتب بیان کروں یا شیخ مجد الدینؒ کو سلطان بایزید بسطامیؒ پر ترجیح دوں لیکن ہر شخص کو حق تعالیٰ نے کوئی خاص مقام عطا فرمایا ہے جس سے اس کے اعلیٰ مراتب ظاہر ہوئے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مراتب کا فرق تو قیامت میں ظاہر ہوگا۔ اور اس دنیا میں بلند مقام کی علامت تو فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے۔ جو شخص زیادہ اتباع کرتا ہے۔ مقامات میں زیادہ بلند ہوتا ہے۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک درویش رہتا تھا جو قصبہ لسگرد

آباد کا باشندہ تھا اس لئے اُسے زنگی لسگردی کہا کرتے تھے۔ اس کا مقام بہت بلند تھا اور سماع کے سوا خلوت سے باہر نہیں آتا تھا۔ ایک دن سماع میں اس پر کیفیت طاری ہوئی۔ زمین سے اٹھا اور پاس ہی ایک بلند طاق تھا۔ اس پر جاکر بیٹھ گیا۔ نیچے اترتے وقت وہ شیخ مجد الدّین کی گردن پر سوار ہوگیا۔ اگرچہ وہ درویش طویل قد اور فربہ تھا اور شیخ مجد الدّین بہت دُبلے پتلے تھے لیکن شیخ مجد الدّین اُسی طرح وجد میں چکر لگاتے رہے۔ جب آپ سماع سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ زنگی میری گردن پر سوار ہے یا کوئی چڑیا ہے۔ جب زنگی اُن کی گردن سے نیچے اترا تو اُن کے چہرہ کو دانتوں سے پکڑ لیا چنانچہ اس کا نشان چہرہ پر رہ گیا۔ شیخ مجد الدّین نے فرمایا کہ میرے لئے قیامت میں یہی فخر کافی ہے کہ زنگی کے دانتوں کا نشان میرے چہرہ پر ہو۔ ایک قوال نے شیخ مجد الدّین کی محفل میں یہ شعر پڑھا ؎

خوش یافتہ اند در ازل جامۂ عشق — گر یک خطِ سبز بر کنارش بودے

(عاشقوں کو ازل سے کیا ہی اچھا لباسِ عشق ملا ہے اگر اس کے ایک کنارے پر

سبز رنگ کی لکیر ہوتی) شیخ نے اپنی ڈاڑھی کے نیچے گردن پر ہاتھ سے تلوار چلانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "گریک خط بر کنارش بودے" اور یہ اشارہ تھا آپ کی شہادت کی طرف۔ اس کے بعد آپ نے یہ رباعی پڑھی ؎

در بحرِ محیط غوطہ خواہم خوردن   یا غرقہ شدن یا گہر بر آوردن
کارے تو مخاطر است خواہم کردن   یا سرخ کنم روے ز تو یا گردن۔

(بحر بے کراں میں غوطہ لگاؤنگا۔ یا غرق ہو جاؤنگا یا گوہر باہر نکالونگا۔ کوئی نہ کوئی کام ضرور کرونگا یا تیرے دیدار سے سرخ رُو ہونگا یا تیرے عشق میں گردن سرخ کرونگا یعنی شہید ہو جاؤنگا) چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد سلطان قطب الدین محمد خوارزم نے آپ کو اپنی والدہ کے عشق کی تہمت لگا کر دریائے دجلہ میں غرق کرادیا۔ اور خود بھی چند روز کے بعد اپنے خاندان سمیت ہلاک ہو گیا۔ اس واقعہ کی تفصیل شیخ نجم الدین کبریٰ کے ذکر میں بیان کردی گئی ہے۔ آپ کی شہادت ۶۱۶ھ اور دوسری روایت کے مطابق ۶۰۷ھ میں خوارزم میں ہوئی۔ آپ کی ولادت یکم جمادی الآخر ۵۵۶ھ میں بغداد میں ہوئی۔

حضرت شیخ سعد الدین حموی قدس سرہٗ

کاشفِ اسرارِ الٰہی، غریقِ بحرِ لامتناہی، سر حلقہ خاندانِ کبرویہ مقبولِ الٰہی شیخ سعد الدین حموی قدس سرہٗ شیخ نجم الدین کبریٰ کے اعظم خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا پورا نام محمد بن موید بن ابی بکر بن ابی الحسین بن محمد بن حمویہ ہے امام عبداللہ یافعی رح فرماتے ہیں کہ آپ بڑے صاحب حال و ریاضات و مجاہدات تھے۔ آپ کے بے شمار مریدین واصحاب تھے۔ آپ مدت تک کوہ قاسون کے دامن میں، اور صالحہ دمشق میں مقیم رہے اس کے بعد آپ خراسان تشریف لے گئے اور وہاں وفات پائی۔ آپ علوم ظاہری و باطنی میں یگانۂ روزگار تھے۔ آپ نہایت قوی حال، بلند ہمت، عالی شان کے بزرگ تھے۔ حضرت شیخ فرید الدین گنجشکر رح

اوائل حال میں آپ کی صحبت میں رہے ہیں۔ دونوں حضرات کے درمیان بڑی محبت تھی۔ چنانچہ آپ راحت القلوب میں فرماتے ہیں کہ شیخ سعدالدین حموی بڑے اچھے دوست تھے۔ ایک دفعہ مکہ کی طرف سے ایک بزرگ بغداد میں آئے اور سارے شہر میں ان کی شہرت ہوگئی اور خلقت اُن پر ٹوٹ پڑی۔ اُس وقت بغداد میں اکثر لوگ بیمار تھے۔ لوگوں نے اُن کے سامنے بیماری کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص بیمار ہو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ لوگوں نے آنا شروع کیا۔ آپ بیمار پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فوراً اچھا ہو جاتا تھا۔ غرضکہ ہزاروں لوگ صحت یاب ہو گئے۔ چنانچہ اُن کی کرامات کا ذکر خواجہ گنج شکرؒ کے ملفوظات میں اکثر آتا ہے۔ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ شیخ سعدالدّین حمویؒ نے بہت کتابیں تصنف کی ہیں چنانچہ کتاب محبوب وغیرہ مشہور ہیں۔ آپ کی تصانیف میں ایسے اسرار و رموز بیان کئے گئے ہیں کہ عقل ان کو سمجھنے سے قاصر ہے جب تک آدمی نورِ بصیرت اور کشف سے مشرف نہ ہو اُن کا فہم محال ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے مجھے خوش خبری دی اور فرمایا کہ جو شخص اچھی نیّت سے تجھ سے معرفت کی بات سُنے گا۔ اس کے دل میں علم و معرفت کا خمیر ہوگا۔ اگر اُس وقت نہ ہوگا تو بعد میں پیدا ہو جائے گا۔ نفحات میں یہ بھی آپ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میری روح کو عروج حاصل ہوا اور جسم سے بے تعلق ہو گیا۔ تیرہ۱۳ دن یہی حالت رہی۔ تیرہ۱۳ دن کے بعد روح جسم میں آیا۔ اس عرصے میں جسم مردہ ہو کر پڑا رہا۔ اور کوئی حرکت نہ کی۔ جب روح واپس آئی تو جسم اُٹھ کھڑا ہوا۔ جسم کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتنے دن اُس حالت میں پڑا رہا۔ دوسرے لوگوں نے بتایا کہ تیرہ دن تک آپ کا جسم اس حالت میں پڑا رہا۔ حضرت شیخ صدرالدّین قونویؒ نے آپ کی صحبت میں رہ کر فرمایا کہ میں نے اُن سے سُنا کہ مواثیق (جمع میثاق بمعنی وعدہ) سات ہیں اور میثاقِ اَلَستُ بِرَبِّکُمْ (اللہ تعالےٰ نے روحوں سے دریافت فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) پر منحصر نہیں۔ میں نے اس بات کا

شیخ محی الدین ابن عربی سے ذکر کیا آپ نے فرمایا وہ کلیات کا ذکر کر رہے ہوں گے ورنہ جزیات اس سے زیادہ ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دیوان کی شرح میں آپ لکھتے ہیں کہ جب منطقۃ البروج نصف النہار پر ہوتا ہے تو کرۂ آب کرۂ زمین کا احاطہ کر لیتا ہے اور کرۂ زمین پر کوئی جاندار باقی نہیں رہتا۔ اس کے بعد یہ خطاب ہوتا ہے۔ یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَاءَکِ وَ یَا سَمَاءُ اَقْلِعِیْ اور منطقۃ البروج معدل النہار سے ہٹ جاتا ہے زمین ظاہر ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ اوضاع فلکیہ کی تاثیر کے مطابق خلق کو دوبارہ پیدا فرماتا ہے کما انشاہم اول مرۃ قولہ تعالیٰ بل ہم فی لبس من خلق جدید (جس طرح پہلی دفعہ پیدا کیا تھا ......)

حکمائے یونان کے قول کے مطابق یہ واقعہ اسی ہزار سال (بیست چہار ہزار سال) کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ سال مذکور سے مراد سال الٰہی ہے یا سال زمانی۔ بہر کیف اس صورت میں اگر روز میثاق اور روز حشر کئی بار وقوع پذیر ہو تو قادر مطلق کی قدرت سے دور نہیں۔ اور جامع فضائل ملا احمد نگر رحمۃ اللہ علیہ تاریخ حکماء میں لکھتے ہیں کہ بعض حکماء بلکہ سب کے سب ابتدا و انتہائے آفرینش (یعنی کائنات کے پیدا ہونے اور فنا ہو جانے) کے منکر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کائنات ذات واجب الوجود ہے۔ اور ازل سے ابد تک رہے گی۔ ایک گروہ اگرچہ کائنات کو غیر حق کہتے ہیں اور حدوث عالم کے بھی قائل ہیں لیکن ابتدائے و انتہائے کائنات کا تعین نہیں کر سکتے۔

ایک لاکھ آدم علیہم السلام حکمائے ہند دعیو اور فراغی یا ابتدائے آفرینش کو ہزار ہزار سال پہلے قرار دیتے ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ کئی آدم گزرے ہیں ایک ہی نام سے جب ایک کی نسل منقطع ہو جاتی ہے تو دوسری وجود میں آجاتی ہے اور اس اعتقاد کی تائید شیخ اکبرؒ کی کتاب فتوحات مکی کے تین سو اکتیسویں باب سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کی

ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ مِائَۃَ اَلْفَ آدَم (یعنی اللہ تعالےٰ نے ایک لاکھ آدم پیدا کئے)۔ اسی باب میں شیخ اکبر ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ دوران طواف کعبہ عالم مثال میں ایسے مشاہدات میں نے دیکھے کہ ایک جماعت میرے ہمراہ طواف کر رہی ہے لیکن میں ان کو نہیں پہچانتا تھا اس اثنا میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم بھی چند سال پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے جیساکہ اب تم کر رہے ہو۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات سنی تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ عالم مثال کے جسم ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی اُن میں سے ایک شخص نے میری طرف منہ کر کے فرمایا کہ میں تمہارے آباؤ اجداد میں سے ہوں میں نے پوچھا کہ آپ کو اس دنیا سے رحلت کئے ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا ہے انہوں نے فرمایا مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار برس گزر چکے ہیں۔ میں نے حیران ہو کر کہا کہ آدم علیہ السلام کی وفات سے تو اب تک سات ہزار برس گزرے چکے ہیں انہوں نے فرمایا تم کس آدم کا ذکر کر رہے ہو۔ یہ آدم تو گزشتہ سات ہزار سال کے شروع میں تھے۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ یہ سن کر مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث یاد آئی جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ابوالبشر (آدم) کی طرح ایک لاکھ آدم پیدا فرمائے ہیں۔ اس کے بعد شیخ اکبر لکھتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ ہر سات ہزار سال کے دورہ کے بعد ایک آدم کی اولاد منقطع ہو جاتی ہو اور دوسرے آدم کی اولاد وجود میں آجاتی ہو اور یہ سلسلہ حدوث عالم اور قیام قیامت تک جاری رہے کیونکہ تمام انبیا علیہم نے اسی طرح خبر دی ہے اور حق تعالےٰ سب آدم علیہم السلام کی نسلوں کو یکبارگی قیامت کے دن پھر پیدا فرمائے اور یہ بات قادر مطلق کے لئے کوئی مشکل نہیں۔ واللہ اعلم۔ غرضیکہ جو کچھ بعض حکمائے محققین نے گزشتہ اور موجودہ زمانوں کے متعلق لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حکیم مطلق (حق تعالےٰ) جو تمام کائنات کا خالق و موجد ہے کی حکمت ازلی کا اقتضا یہ ہوا کہ اجرام علوی (اجرام فلکی) اجرام سفلی (زمین کے اجسام) پر اثر انداز

ہوں بالخصوص سات ستارے کہ جن کی اہل دنیا و مافیہا پر تاثیر محقق و مسلّم ہے۔
حکماء کی اصطلاح میں اجرام علوی کو آبا اور عناصر اربعہ کو امہات کہتے ہیں اور علویات
و سفلیات کی تاثیر سے اور سفلیات کے باہمی امتزاج سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے
اُسے موالید ثلثہ کہتے ہیں یعنی نباتات و حیوانات کے معاون۔ کہتے ہیں کہ ان
سات سیاروں میں سے ہر ایک سیارہ کے اثرات کے ظہور کی مدت ایک ہزار
سال ہے۔ چونکہ حضرت ابوالبشر (آدمؑ) دورۂ زحل میں یعنی تیسرے زمانے
کے آخر میں وجود میں آئے ان کی عمر اور ان کے فرزندان کی عمر جو اس دور میں
متولد ہوتے زیادہ تھی۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال یا دوسری
روایت کے مطابق نو سو تیس سال تھی۔ اسی طرح اُن کے بیٹوں کی عمریں بھی
دراز تھیں۔ چونکہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور دورۂ قمر یعنی
چوتھے زمانے سے متعلق ہے جس میں عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان
ہوتی ہیں یا بعض کی سو سال تک بھی پہنچ جاتی ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کی عمر ستر برس کے درمیان ہے
لہٰذا علمائے محققین کا یہ نظریہ ہے کہ جب سات ہزار سال تمام ہوتے ہیں
تو ایام الٰہی کا ایک ہفتہ کہ جس کا ہر ایک دن ہزار سال کا ہوتا ہے پورا
ہو جائے گا۔ پس جاننا چاہیے کہ ان کے نزدیک ایام الٰہی دو قسم کے ہوتے ہیں
صغار (چھوٹے) اور کبار (بڑے)۔ صغار کو ایام زمانی بھی کہتے ہیں اور کبار کو
ایام الٰہی۔ یوم صغیر کی مدت ایک ہزار سال ہوتی ہے چنانچہ آیۂ کریمہ وان یوما
عند ربک کالف سنۃ مما تعدون (یعنی حق تعالیٰ کے نزدیک دن ہزار سال کا ہے)
اور یوم کبیر جو ایام الٰہی میں سے ہے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ آیۂ کریمہ
یعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ (یعنی ملائکہ اور روح
اللہ کی جانب جاتے ہیں ایک دن میں کہ جس کی مدت پچاس ہزار سال ہے) اسی
حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب فتوحات مکی لکھتے ہیں
کہ آخرت کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے اور عالم مثال کا ایک

ایام الٰہی

دن اس دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

حکمائے ہند کا نظریہ یہ ہے کہ افلاک و عناصر کی تخلیق کے بعد پہلی مخلوق جو وجود میں آئی برہما تھا۔ جب حق تعالیٰ نے کرۂ زمین کو کرۂ آب پر ظاہر فرمایا تو زمین پانی کے درمیان گل نیلوفر کی طرح نمودار ہوئی پس بعض افلاک و عناصر نے زمین ہی سے برہما کو باہر نکالا جو حق تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول ہو گئے۔ برہما کی عمر طبعی اُس جہان کے سو سال کے برابر ہے اور تمام مخلوقات کے ایجاد کا سبب وہی ہیں۔ اپنی عمر میں زمین کئی ہزار بار پانی میں غرق ہو جاتی ہے اور جہان معدوم ہو جاتا ہے۔ فرمانِ الٰہی سے از سر نو پیدا ہوتی ہے تمام حکمائے ہند اسبات پر متفق ہیں کہ جس طرح دن، ہفتے، ماہ اور سال کا چکر چل رہا ہے اور ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اسی طرح چاروں زمانے جنہیں چار جگ کہتے ہیں ایک دوسرے کے آگے پیچھے چکر لگاتے رہتے ہیں اور ہرگز معطل نہیں ہوتے۔ اور ہر زمانے (جگ) کی مدت اُس جہان کے سال کے مطابق بارہ ہزار سال ہے اور اس دنیا کے سال کی رُو سے تینتالیس لاکھ بیس ہزار سال ہے۔ لہٰذا زمانۂ اوّل کہ جسے ست جگ کے نام سے پکارا جاتا ہے اس کی مدت سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار سال ہے یعنی سال دنیا ہے۔ اور اُس زمانے کے لوگوں کی عمر ایک لاکھ سال تھی۔ دوسرے زمانے کی مدت جسے تریتا جگ کہتے ہیں دنیا کے سال کے مطابق بارہ لاکھ چھیانوے سال ہے۔ اس زمانے کے لوگوں کی عمر دس ہزار سال تھی۔ تیسرے زمانے کو دوا پر جگ کہتے ہیں اس کی مدت دنیا کے آٹھ لاکھ چوسٹھ ہزار سال ہے اس زمانے کے لوگوں کی عمر ایک ہزار سال تھی۔ چوتھے زمانے کی مدت کہ جسے کل جگ کہتے ہیں چار لاکھ بتیس ہزار سال دنیا ہے اُس زمانے کے لوگوں کی عمر ایک سو سال ہے۔ ان چار جگوں کو چوکری یا چار زمانہ یا چار دورہ کہتے ہیں برہما کے ایک دن کی مدت ایک ہزار چوکری جگ ہے اور اسی طرح برہما کی راتیں ہیں جب

برہما کا وہ دن جس کی مدت ایک ہزار چوکری جگ ختم ہوتا ہے تو ساری زمین پانی میں غرق ہو جاتی ہے اسے پرلو کہتے ہیں اور برہما عالم مثال میں جا کر نیند میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ پس جس قدر مدت کہ اس کے دن کی ہوتی اتنی مدت تک وہ خواب میں مصروف رہتے ہیں۔ جب اس کی صبح ہوتی ہے تو پانی خشک ہو جاتا ہے برہما خواب سے بیدار ہو کر مخلوقات کی پیدائش کا آغاز کرتے ہیں۔ اسی طرح تین سو ساٹھ شبانہ روز گزرنے کے بعد ان کی عمر کا ایک سال ختم ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے ایک سو سال برہما کی عمر ہے۔ جب برہما ایک سو سال کے ہو جاتے ہیں تو مر جاتے ہیں اس کے بعد دنیا اور مافیہا کا نام ونشان نہیں رہتا۔ اس کو مہا پرلو کہتے ہیں۔ پس حق تعالےٰ کمال قدرت وحکمت سے دوسرے برہما پیدا کرتا ہے اور ساری مخلوق پہلے کی طرح وجود میں آجاتی ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اس طرح کے ایک ہزار برہما پیدا ہو چکے ہیں۔ ان برہما کی عمر پچاس سال اور نصف دن ہو چکی ہے۔ اس بارے میں حکمائے ہند نے بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں جن کا خلاصہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اور بعض حکماء بلا تعصب اپنی آسمانی کتاب بید (وید) سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ جب دوائر سے تین ہزار سال باقی رہ جاتے ہیں تو قادر مطلق نے کرۂ خاکی سے عناصر کی ترکیب کے ساتھ نورِ ماہتاب کے فیض سے دبجانام یعنی آدم صفی علیہ السلام پیدا کرتے ہیں جو نہایت خدا شناس، جامع علوم، صاحب جمال، خوش قامت، عاقل اور غیور ہوتے ہیں اور ان کی زوجہ ان کی بائیں ران سے نکلتی ہے اور اس سے لاتعداد اولاد پیدا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ زمانہ کل جگ تک ساری زمین پُر ہو جاتی ہے ہر زمانے میں اولاد آدم میں سے بعض مخصوص بندے قرب الٰہی سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کو ہدایت کرتے ہیں اور جنات کی قوم کو اللہ کی دی ہوئی قوت سے مطیع کرتے ہیں۔ بعض مرتبۂ سلطنت اور ریاست پر فائز ہوتے ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہندوؤں کی کتابوں میں پیشین گوئی

ان میں سے بہترین ہستی کا نام مہامت یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ جو زمانہ کل جگ میں پیدا ہونگے اور حق تعالےٰ کے مقرب اور محبوب ہونگے اور مرتبۂ کمال کو پہنچیں گے۔ بتدریج تمام خلائق ان کی متابعت کرے گی حتیٰ کہ بعض ملائک اور اکثر قوم جن ان کی فرمانبرداری کریں گے۔ زمانہ کل جگ میں ان کے متابعین اسقدر غلبہ حاصل کریں گے کہ اہل ہند کی عبادت گاہوں اور تیرتھوں کو منہدم اور معدوم کردیں گے۔ اور دریائے گنگا کا پانی بھی غائب ہوجائے گا اور مشرق سے مغرب تک ایک ہندو نظر نہیں آئے گا پس وہ مذہب کمال کو پہنچ جائے گا اور رفتہ رفتہ کل جگ کے آخری حصے میں لوگوں کے اعمال برے ہوجائیں گے اور انسان حیوانوں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔ اُس وقت آسمان سے بارش نہیں برسے گی۔ نباتات خشک ہوجائے گی اور زمین انگلی کی طرح ہوجائے گی۔ چشموں اور نہروں میں پانی نہیں رہے گا اور سب جاندار ہلاک ہوجائیں گے۔ کچھ عرصہ کے لئے جہان تاریک اور بے رونق رہے گا حتیٰ کہ دورۂ کل جگ ختم ہوجائے گا۔ اُس وقت سیاہ بادل مہابت اور وقار کے ساتھ ظاہر ہوگا اور تمام روئے زمین پر مادہ تولید کی صورت میں بارش برسائے گا۔ اس سے یکدم تمام دنیا سرسبز اور شاداب ہوجائے گی اور تمام گزشتہ جاندار مثالی جسموں میں نمودار ہوجائیں گے اور قادر مطلق ہر ایک کو ان کے اعمال کے مطابق سزا اور جزا دے کر بعض کو بہشت میں بعض کو دوزخ میں اور بعض کو اعراف میں جگہ دے گا۔ اس کے بعد کل جگ کا دور ختم ہوجاتا ہے اور برہما حق تعالیٰ کے حکم سے بدستور سابق مخلوقات کی پیدائش شروع کرتے ہیں پس اس صورت میں پرلو کہ جس سے مراد قیامت ہے تین طرح کا ہوتا ہے اوّل پرلو کبیر جبکہ برہما مرجاتے ہیں دوم پرلو صغیر جبکہ برہما کا دور ختم ہوجاتا ہے۔ سوم

برلو اصغر جو ہر چہار جنگ کے بعد واقع ہوتا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔
بہر کیف اس موضوع پر لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے کہ جس کے سمجھنے سے
عقل قاصر ہے جب تک ریاضت و مجاہدہ اور فضل ربی سے دیدۂ بصیرت منور
نہ ہو یہ رموز منکشف نہیں ہوتے ہیں مصرع ے شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ فہم من فہم
صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ صدر الدین قونوی مجلس
سماع میں شیخ سعد الدین کے شریک تھے۔ شیخ سعد الدین سماع کے دوران
کھڑے ہو گئے اور حضر کی طرف منہ کر کے کافی دیر تک کھڑے رہے اس کے
بعد آپ نے اپنی آنکھوں کو چھپا کر آواز دی کہ اے صدر الدین! جب سامنے
آئے تو آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حضر میں
تشریف فرما تھے میں نے چاہا کہ جس آنکھ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے جمال کا مشاہدہ کیا سب سے پہلے وہ آنکھ تجھے دکھاؤں۔ آپ کے کمالات
اور کرامات بیشمار ہیں۔ آپ نے عربی اور فارسی زبان میں اشعار بھی بہت کہے
ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں ے

رباعی۔ کافر شوی ار زلف نگارم بینی — مومن شوی ار عارض یارم بینی
در کفر میاویز و در ایماں منگر — تا غیرت یار افتقارم بینی

(میرے محبوب کی زلفِ سیاہ دیکھو تو کافر ہو جاؤ۔ اگر اس کا منور چہرہ دیکھو تو
مومن ہو جاؤ۔ نہ کفر سے جھگڑا کرو نہ ایمان کو دیکھو۔ ایسا نہ ہو کہ غیرت یار کی وجہ
سے ذلت حاصل ہو)

رباعی۔ بے تو نظرے نیست مرا در کارے — بے روئے تو خوش نیامدم گلزارے
در باغ رضائے چوں تو زیبا یارے — پیدا و نہاں روئے تو دیدم بارے

(اے محبوب اگر تو نہ ہو تو مجھے نظر یعنی بینائی درکار نہیں تیری عدم موجودگی میں
مجھے گلزار بھی اچھا نہیں لگتا۔ رضا کے باغ میں تجھ جیسا حسین دوست میں نے پوشیدہ
اور ظاہر دیکھا)

آپ مقامِ حضوری میں فرماتے تھے کہ مرا سِرّ (راز) میرا قلب اور میرا ضمیر تیرے مشاہدے کا شکار ہے اور میں اِن سے بہرا اور نہیں ہوں۔

آپ کا وصال ترسٹھ سال کی عمر میں عید الاضحیٰ کے دن ۶۵۸ھ اور دوسری روایت کے مطابق ۶۶۰ھ میں ہوا۔ اور بحر آباد میں مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہٗ

آں ازکمالِ عشق بمعشوق رسیدہ، آں جمالِ مطلوب در آئنہ خود دیدہ، آں متصرفِ ولایتِ سماوی و ارضی شہنشاہِ وقت شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہٗ کا ملانِ طائفہ اور بے نظیرانِ روزگار میں سے تھے۔ آپ بڑے قوی الحال اور باہمت تھے اور اکثر سماع میں مشغول رہتے تھے اور ذوق و شوق میں زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے محبوب ترین خلفاء میں سے تھے صاحب نفحات کہتے ہیں کہ تحصیل علوم کے بعد آپ شیخ نجم الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تربیت حاصل کی، شروع میں شیخ نے ان کو خلوت میں بٹھایا۔ دوسرے اربعین (چلّے) میں حضرت شیخ نے ان کے کمرے کے دروازے پر جا کر دستک دی کہ اے سیف الدین ؎

توٗ معشوقی ترا با غم چہ کار است   منم عاشق مرا غم سازوار است

(یعنی تو معشوق ہے تجھے غم سے کیا کام۔ میں عاشق ہوں اور غم کا سزاوار میں ہوں) اٹھو اور خلوت سے باہر آؤ۔ آپ نے اُن کا ہاتھ پکڑا اور خلوت سے انہیں باہر لائے اس کے بعد ان کو بخارا کی طرف روانہ کر کے وہاں کی ولایت آپ کے سپرد کی۔ جہاں سلاطین آپ کی خدمت گزاری کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ نجم الدینؒ کے لئے کسی نے کنیز بھیجی۔ اُس رات آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ آج رات ہم شرعی لذت حاصل کریں گے تم بھی میری موافقت میں ریاضت ترک کرو اور فراغت و آسودگی سے شب بسر کرو لیکن شیخ سیف الدینؒ گرم کپڑا اوڑھ کر حضرت شیخ کے دروازے پر کھڑے

ہو گئے اور ساری رات کھڑے کھڑے گزار دی۔ جب صبح کے وقت شیخ
باہر آئے تو ان کو دیکھ کر فرمایا کہ میں نے نہ کہا تھا کہ آج رات لذت اور حضور
میں بسر کرو۔ تم نے اپنے آپ کو کیوں ناحق ریاضت میں ڈالا۔ انہوں نے
جواب دیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ ہر شخص لذتِ حضور میں مشغول ہو جائے۔
اور میرے لئے اس سے زیادہ لذت کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کے آستانہ پر
کھڑا رہوں۔ آپ نے فرمایا تجھے بشارت ہو کہ سلاطین تیرا رکاب تھام کر دوڑیں
گے۔ چنانچہ یہی ہوا ایک دن ایک بادشاہ شیخ سیف الدینؒ کی زیارت کو
آیا اور گھوڑا نذر کر کے عرض کی اگر تکلیف نہ ہو تو باہر تشریف لے آئیں تاکہ
میں خود اپنے ہاتھ سے آپ کو گھوڑے پر سوار کروں۔ آپ نے بادشاہ کی
درخواست قبول فرمائی اور خانقاہ سے باہر تشریف لائے بادشاہ نے رکاب
تھامی تاکہ آپ سوار ہو سکیں اُس وقت گھوڑے نے سرکشی کی اور قریب پچاس
قدم بادشاہ حضرت شیخ کی رکاب پکڑے ہوئے ساتھ دوڑتا رہا۔ یہ دیکھ کر
آپ نے بادشاہ سے فرمایا کہ گھوڑے کی سرکشی میں یہ حکمت تھی کہ ایک رات
ہم شیخ الاسلام نجم الدین کبریٰؒ کی خدمت میں تھے آپ نے ہمیں بشارت
دی کہ سلاطین تمہاری رکاب پکڑ کر دوڑیں گے۔ اب وہ بات پوری ہو گئی ہے۔
امام عبداللہ یافعیؒ اپنی کتاب نشر المجالس میں لکھتے ہیں کہ شہر بخارا کا قاضی صدرالشریف
نامی شیخ سیف الدین اور ان کے اصحاب کے سماع کے سخت خلاف تھا ایک
دن شیخ اپنے اصحاب سمیت سماع میں مشغول تھے کہ قاضی اپنے لوگوں کے
ساتھ ڈنڈے ہاتھ میں لئے پہنچ گئے۔ شیخ نے قوالوں کو اشارہ فرمایا اور وہ
خاموش ہو گئے۔ لیکن آلاتِ سماع یعنی دف اور نَے سے اسی طرح آواز نکلتی رہی
دف سے مطرب کی مدد کے بغیر اصول موسیقی کے مطابق آواز نکلتی رہی اور نَے سے
بھی متواتر نغمات نکلتے رہے۔ یہ دیکھ کر قاضی اور اس کے ساتھی حضرت شیخ
کے ہاتھ پر تائب ہوئے کہ آئندہ ہم سماع سے انکار نہیں کریں گے۔ حضرت
خواجہ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ راحت القلوب میں فرماتے ہیں کہ ابتدائے

سلوک میں جب میں بغداد سے واپس ہوکر بخارا پہنچا شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ بڑے باعظمت اور باہیبت بزرگ تھے۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنا چہرہ زمین پر رکھا۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ ہر مرتبہ کہ آپ میری طرف نظر کرتے تھے فرماتے تھے کہ یہ لڑکا مشائخ روزگار ہوگا۔ اور سارا جہاں اس کے مریدوں اور فرزندوں سے پُر ہو جائے گا۔ اُس وقت ایک سیاہ گلیم آپ کے کندھوں پر تھی آپ نے میری طرف پھینک کر فرمایا کہ اسے پہنو۔ میں نے تعمیل کی۔ اس کے بعد میں چند یوم آپ کی خدمت میں رہا۔ کوئی ایسا دن نہیں گزرتا تھا کہ ہزار آدمی آپ کے دسترخوان پر کھانا نہ کھاتے۔ جب طعام باقی نہ بچتا تو جو کوئی آنے والا محروم نہ جاتا اُسے ضرور آپ کچھ دیگر روانہ کرتے تھے۔ حضرت گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ شیخ سیف الدینؒ نے اپنے پیر شیخ نجم الدین کبریٰؒ کو خواب میں دیکھا انہوں نے بہت شوق ملاقات ظاہر فرمایا۔ اس واقعہ کے بعد آپ ہجر و فراق میں تڑپنے لگے اور اپنے مواعظ میں اکثر ہجر و فراق بیان کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر لوگ حیران تھے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ آخر آپ نے ایک دن سب کو جمع کر کے فرمایا کہ اے مسلمانان مجھے اپنے شیخ نے اپنے پاس بلایا ہے اور میں جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ ممبر سے نیچے اترے اور گھر چلے گئے۔ وصال کی رات آپ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور مشعل جلا کر ہجر و فراق کی باتیں کرتے رہے۔ رات کا تہائی حصہ گزرا ہوگا کہ ایک بزرگ صوف کا لباس زیب تن کئے اور ایک سیب ہاتھ میں لئے آئے اور وہ سیب شیخ سیف الدین کو دیا۔ آپ نے اُسے سونگھا اور سونگھتے ہی جاں بحق ہو گئے۔ حضرت گنجشکرؒ فرماتے ہیں کہ ؎

در کوئے تو عاشقاں چناں دہند جاں　　کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

(اے محبوب تیرے کوچے میں عاشق اس طرح جان دیتے ہیں کہ ملک الموت کی بھی وہاں رسائی نہیں ہوئی)

مندرجہ ذیل رباعیات شیخ سیف الدینؒ کی ہیں:۔

رباعی۔ ہر شب بمثالِ پاسبانِ کویت
مے گردم گردِ آستانِ کویت
باشد کہ برآید اے صنم روزِ حساب
نامم ز جریدۂ سگانِ کویت

(ہر شب میں چوکیدار کی طرح تیرے کوچہ میں پھرتا رہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اے محبوب قیامت کے دن تیرے کتوں کی فہرست میں میرا نام نکل آئے)

ہر چند گہے ز عشق بیگانہ شوم
با عافیت آشنا و ہمخانہ شوم
ناگاہ پری رخے بمن درگذرد
برگردم ازاں حدیث و دیوانہ شوم

(جب کبھی میں عشق سے بیگانہ ہوتا ہوں تو ذرا آرام اور عافیت محسوس کرتا ہوں۔ لیکن جونہی پری چہرہ محبوب کا گزر ہوتا ہے تو دیکھتے ہی دیوانہ ہو جاتا ہوں۔)

آپ کی ولادت سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کے عہد حکومت میں ۵۷۶ھ میں ہوئی اور وصال منکو خان بن تولی چنگیز خان کے عہد میں ۶۵۸ھ میں ہوا۔ آپ کا مدفن بخارا ہے۔ منکو خان کی والدہ نے ایک ہزار دینار دے کر آپ کی قبر پر خانقاہ تعمیر کرائی اور چند گاؤں خرید کر مزار کے لئے وقف کر دیئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ رضی الدین علی لالا غزنوی قدس سرہٗ

آں محقق در ہر مقام رسیدہ، آں از کمال جام وصال چشیدہ، آں عارف برموز صوری و معنوی گنجینۂ اسرار شیخ رضی الدین علی لالا غزنوی قدس سرہٗ صاحب نفحات کے مطابق حکیم سنائی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی آپ کے والد ابن سعید حکیم سنائی کے چچا زاد بھائی تھے حج بیت اللہ کے ارادہ سے خراسان گئے اور شیخ ابو یعقوب ہمدانیؒ کی خدمت میں پہنچ کر تربیت حاصل کی۔ اسی وقت شیخ نجم الدین کبریٰ طلب حدیث میں ہمدان گئے ہمدان سے ایک کوس دور ایک قصبہ تھا جس میں شیخ علی لالا رہتے تھے۔ شیخ نجم الدینؒ اس قصبہ میں اترے۔ اتفاقاً اسی رات شیخ علی لالاؒ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان تک ایک سیڑھی لگی ہوئی ہے۔ سیڑھی پر ایک بزرگ کھڑے ہیں اور

لوگ ایک ایک کر کے اُن کے پاس جاتے ہیں اور وہ بزرگ اُن کا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر ایک اور بزرگ کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں جو اُن کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔ شیخ علی لالاؒ بھی اُسی طرح ہاتھ پکڑ آسمان پر پہنچ گئے۔ جب انہوں نے یہ واقعہ اپنے والد سے بیان کیا تو انہوں نے پوچھا کیا تم اُس بزرگ کو پہچانتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں پہچانتا ہوں اور ان کا نام بھی جانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا انہیں کو طلب کر دکیونکہ تیری چابی اُن کے ہاتھ میں ہے۔ پس شیخ علی لالا ان کی طلب میں مشغول ہو گئے اور کئی سال ادھر اُدھر پھرتے رہے لیکن ان کا کوئی پتہ نہ چلا۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ شیخ نجم الدین کبریٰ خوارزم تشریف لائے اور طریقت کی تبلیغ کرنے لگے۔ اُس وقت شیخ علی لالا ترکستان میں خواجہ احمد یسوی رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں مقیم تھے۔ ایک دن ایک شخص خوارزم سے آیا۔ شیخ احمد یسویؒ نے اس سے دریافت کیا کہ خوارزم میں کوئی درویش رہتے ہیں اور وہاں کے لوگ کیا کرتے ہیں۔ اُس آدمی نے جواب دیا کہ آج کل وہاں ایک جوان آئے ہوئے ہیں جو ہدایت خلق میں مشغول ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ ان کا نام کیا ہے اس نے کہا شیخ نجم الدین کبریٰؒ جب شیخ علی لالاؒ نے اپنی خلوت گاہ سے یہ نام سنا تو باہر آئے اور سفر کی تیاری کرنے لگے۔ شیخ احمد یسویؒ نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ سردی کا موسم گزر جانے دو۔ انہوں نے کہا مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ پس وہ وہاں سے شیخ نجم الدینؒ کی خدمت میں پہنچے اور سلوک میں مشغول ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ شیخ مجد الدین بغدادی کی خدمت میں پہنچ کر مرید ہو گئے۔ شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانیؒ کا سلسلہ دو واسطوں سے اُن تک جا پہنچتا ہے ان کے بعد شیخ مجد الدین بغدادی سے مل کر شیخ نجم الدین کبریٰ تک جا پہنچتا ہے شیخ علی لالاؒ اگرچہ شیخ مجد الدینؒ کے مرید تھے لیکن سلوک میں شیخ نجم الدین کبریٰ اور شیخ مجد الدین سے پہلے داخل ہوئے تھے۔ آپ ابھی ظاہری علوم حاصل کر رہے

تھے کہ بہت سے مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہو چکے تھے۔ آپ نے ایک سو چوبیس کامل مشائخ سے خرقہ حاصل کیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد ایک سو سولہ خرقے موجود تھے۔ آپ نے ہندوستان کا سفر بھی اختیار کیا تھا اور حضرت ابوالرضا رتن ہندی رضی اللہ عنہ کی صحبت میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت اُن سے حاصل کی چنانچہ شیخ علاؤالدولہؒ نے تفصیل سے لکھا ہے کہ شیخ علی لالا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی یعنی ابوالرضا رتن ابن نصیر رضی اللہ عنہ کے صحبت یافتہ تھے اور ان سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کنگھی حاصل کی۔ [1]

صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانیؒ نے وہ کنگھی خرقہ میں لپیٹ کر ایک کاغذ پر لکھ دیا تھا کہ یہ کنگھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کنگھیوں میں سے ہے جو اس فقیر کو ابی رضا رتن رضی اللہ عنہ سے ایک واسطے سے ملی ہے۔ لیکن بعض سوانح نگار یہ روایت تسلیم نہیں کرتے کہ بابا رتن ہندیؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی۔ چنانچہ میر جمال الدین محدث روضۃ الاحباب کی جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ ربیع بن محمود ہجرت نبوی سے پانچ سو نوے سال بعد اور بابا رتن ہندی ہجرت نبوی سے تین سو بیس سال بعد پیدا ہوئے اور دونوں نے دعوہ کیا ہے کہ ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے لیکن یہ بات قابل قبول نہیں۔ لیکن اس نے خود یہ شعر نقل کیا ہے ؎

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

---

[1]:۔ حضرت ابوالرضا المعروف رتن بابا ریاست پٹیالہ کے شہر بھٹنڈا میں رہتے تھے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے اور ہندوستان سے عرب جا کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آنحضرت کی دعا کی برکت سے تقریباً آٹھ سو سال عمر پائی۔ آپ کے حالات زندگی پر ایک بسیط مضمون احقر مترجم نے عرصہ ہوا ایک کتاب میں دیکھا تھا۔

(ہر جنگل کے متعلق یہ خیال نہ کرو کہ خالی ہوگا۔ ممکن ہے اس میں شیر سویا ہوا ہو)
لیکن ہمارے لئے دو عارف کامل گواہ کافی ہیں۔ ایک حضرت رکن الدین علاؤالدولہ سمنانیؒ جنہوں نے اس روایت کی تصدیق کی ہے دوسرے حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ جو لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ یہ فقیر حضرت ابوالرضا رتن ہندیؒ کی خدمت میں پہنچا اور آپ نے بہت لطف وکرم فرمایا اور خرقۂ خلافت عطا فرمایا جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا۔ حق تعالے نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے عمر دراز عطا فرمائی۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہ السلام نے بھی حیات جاودان پائی ہے تذکرہ ہندی میں لکھتے ہیں کہ بابا رتن ہندیؒ نے ساتویں صدی ہجری میں وفات پائی اور قصبہ بتبندہ (بھٹنڈا ضلع فیروزپور بھارت) میں دفن ہوئے۔ آپ کا مزار آج تک زیارت گاہِ خلق ہے۔ کہتے ہیں کہ ابوالرضا رتن ہندی سے مراد گورکھ ناتھ جوگی ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر اسلام سے مشرف ہوئے حاصل کلام یہ کہ شیخ رضی الدین علی لالا جمیع کمالات انسانی سے آراستہ تھے اور بڑے بلند ہمت، صاحب تعرّف اور عارفِ کامل تھے یہ اشعار اُن کے ہیں ؎

ہم جان بہ ہزار دل گرفتار تو است	ہم دل بہ ہزار جان خریدار تو است
اندر طلبت نہ خواب آید نہ قرار	ہر کس کہ در آرزوئے دیدار تو است

(میری جان ہزار دل کے ساتھ تیری گرفتار ہے۔ اور میرا دل ہزار جان کے ساتھ تیرا خریدار ہے جو شخص کہ تیرے دیدار کا طلب گار ہے نہ اُسے نیند ہے نہ قرار۔)
خلیفہ معتصم باللہ کے عہد حکومت میں (جو بنی عباس کے آخری خلیفہ تھے) منکوخان بن تولی خان بن چنگیز کے چھوٹے بھائی (یعنی ہلاکو خان منکو خان کا چھوٹا بھائی تھا) ہلاکو خان کے ہاتھوں دہم ماہ صفر ۶۵۶ھ کو آپ کے چار بیٹے دیگر رشتہ دار اور ایک ہزار آٹھ سو مسلمان شہید ہوئے۔ دہم ماہ ربیع الاول ۶۴۲ھ کو شیخ رضی الدین علی لالا بھی واصل حق ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت باباکمال جندی قدس سرہٗ

آں سرمستِ وحدت، آں بے نیاز از کثرت، آں ممتاز عشق و رندی پیشوائے قوم باباکمال جندی قدس سرہٗ شیخ نجم الدین کبریٰ کے اکمل خلفاء میں سے تھے۔ آپ بڑے قوی الحال اور صاحب تصرف بزرگ تھے۔ آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ شیخ شمس الدین تبریزی قدس سرہٗ جیسے شاہباز نے آپ سے تربیت حاصل کی۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ جب باباکمال شیخ نجم الدینؒ سے تربیت حاصل کر چکے تو شیخ نے آپ کو خرقۂ خلافت دے کر فرمایا کہ ترکستان جاؤ۔ وہاں مولانا شمس الدین مفتی کا ایک لڑکا ہے ان کو بھی سب لوگ مولانا کہتے ہیں ہمیرا خرقہ اُن تک پہنچا دو۔ اور اس کی تربیت میں ہرگز کوتاہی نہ کرنا۔ جب باباکمالؒ قصبۂ جند سے ترکستان پہنچے تو وہاں کچھ بچوں کو دیکھا تو کھیل میں مصروف تھے اور مولانا احمد جو ابھی بچے تھے وہ بھی بچوں کے ساتھ تھے لیکن کھیل نہیں رہے تھے اور باقی بچوں کے کپڑوں کی نگہبانی کر رہے تھے۔ جب انہوں نے باباکمال کو دیکھا تو اٹھ کر استقبال کیا اور سلام کر کے عرض کیا کہ میں کب تک دوسروں کے کپڑوں کی نگہبانی کرونگا۔ آپ اُن کی نگہبانی کریں۔ باباکمال نے ان کو دیکھا اور کنارہ کشی کرتے ہوئے مفتی صاحب کے مکان پر پہنچے مفتی صاحب نے کہا میرا یہ لڑکا مجذوب ہے شاید آپ کی خدمت میں رہ کر شائستہ ہوجائے۔ بابا نے فرمایا ہم اپنے شیخ کے حکم سے مولانا احمد کے پاس آئے ہیں۔ پس باباکمال کی صحبت میں رہ کر قلیل عرصے میں انہوں نے تربیت حاصل کر لی اور کمال کو پہنچ گئے۔ اس سے ان کی بہت شہرت ہوگئی ہے اور بیشمار طالبانِ حق جمع ہو کر تربیت پانے لگے۔ اور کمال کو پہنچتے رہے۔ اُن میں سے ایک خواجہ بہاؤالدین کبریٰ ہیں جنہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو جن کا نام محمد دانشمند مولانا تھا اُن کے حوالہ کر دیا۔ اور شیخ بہاؤالدین نے اپنے بیٹے ابوالفتح کو دانشمند مولانا کے حوالہ کر دیا۔

یہ وہی ابوالفتح ہیں جن کی طرف سے خواجہ ابوالوفا خوارزمی کو خرقہ ملا تھا جیسا کہ انہوں نے اپنے مشائخ کا سلسلہ بیان کرتے ہوئے خود تحریر فرمایا ہے:

مثنوی

رسید فیض علیؓ را ز احمد مختار　　پس از علی حسن آمد خزینۂ اسرار
حبیبؒ و طائیؒ و معروف و پس سری و جنید　　از علی است یکے مغربی سر اختیار
عقیب این ہمہ ابوالقاسم و پس از نساخ　　ام احمد و پس سہروردی و عمار
پس از اکابر مذکور شیخ نجم الدین　　دگر محمد پس بوالفتح فخر کبار
کمال احمد و نگہ بہاؤ سلت دین　　کہ بود قدوۂ احیا و سرورِ ابرار

اور شیخ ابوالوفا کو مشائخ اہل توحید و مواجید سے بڑی نعمت حاصل ہوئی تھی جیسا کہ ان کے اشعار اور رباعیات سے ظاہر ہے:

رباعی۔ اے آنکہ توئی حیات جانم　　در وصفِ تو گرچہ عاجز و حیرانم
بینائی چشم من توئی مے بینم　　دانائی عقل من توئی میدانم

(اے محبوب تو میرے جسم کی جان ہے۔ اور میں تیرا وصفِ بیان کرنے سے عاجز اور حیران ہوں۔ تو میری آنکھ کی بینائی ہے جس سے میں دیکھتا ہوں اور تو میری عقل کی دانائی ہے جس سے مجھے سب علم حاصل ہے۔)

من از تو جدا نہ بودہ ام تا بودم　　این است دلیلِ طالعِ مسعودم
من در ذاتِ تو ما بدیدم از معدوم　　وز تو ز تو ظاہرم وگر موجودم

(میں جب تک رہا تجھ سے جدا نہ رہا۔ یہ ہے میری خوش قسمتی کی دلیل۔ میں نے تیری ذات میں عدم سے اپنے آپ کو دیکھا۔ اور میں تجھ سے ظاہر اور موجود ہوں)

رباعی۔ چوں بعض ظہوراتِ حق آمد باطل　　پس منکر باطل نشود جز جاہل
در کل وجود ہر کہ جز حق بیند　　باشد ز حقیقت الحقائق غافل

(چونکہ بعض ظہورات حق ظل یعنی سایۂ (سایۂ وجود) کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں۔ بعض جہلا اس کے منکر ہو گئے ہیں۔ کائنات میں جو شخص حق کو نہیں دیکھتا وہ حقیقت الحقائق سے غافل ہوتا ہے)

آپ کے اس قسم کے اشعار و حکمات حقائق بہت ہیں۔ آپ کی وفات ۸۲۵ھ میں ہوئی۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے سلسلہ میں اس قسم کے بہت شاہباز پیدا ہوئے ہیں جن میں سے ہر ایک کا مفصل بیان اس مختصر کتاب میں نہیں ہو سکتا۔ اُن میں سے ایک شیخ عین الزماں جمال الدین گیلیؒ ہیں جو بہت دانشمند اور فاضل تھے۔ ایک باطنی حکم کے تحت اُنہوں نے اپنا سارا کتب خانہ پانی میں پھینک دیا اور حضرت شیخؒ کی خدمت میں پہنچ کر تربیت حاصل کی۔ شیخ نے اُن کو خرقہ پہنایا اور چلّہ کرنے کا حکم دیا۔ اور تکمیل کے بعد شیخ عین الزمان کو قزوین کی ولایت سپرد کی۔ دوسرے شیخ نجم الدین رازی المعروف دایہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ بھی شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ ہیں اُن کی تربیت شیخ نے مجدالدین بغدادیؒ کے ذریعہ کرائی۔ آپ مرصاد العباد اور بحر الحقائق کے مصنف ہیں۔ کشف حقائق اور شرح دقائق میں آپ مہارت تامہ رکھتے تھے۔ چنگیز خان کے حملے کے بعد آپ خوارزم سے روم چلے گئے جہاں شیخ صدر الدین قونوی اور مولانا جلال الدین رومیؒ سے ملاقات ہوئی۔ ملاقات کے وقت نمازِ شام کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے آپ سے امامت کی درخواست کی۔ آپ نے امامت کرائی اور ہر رکعت میں سورۂ قل یا ایہا الکافرون پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو مولانا جلال الدین نے شیخ صدر الدینؒ سے ازراہِ مزاح کہا کہ انہوں نے سورۂ کافرون ایک دفعہ تمہارے لئے اور ایک دفعہ میرے لئے پڑھی ہے۔ آپ کی وفات ۶۵۴ھ اور بروایت دیگر ۶۴۱ھ میں ہوئی آپ کی ولادت سلطان علاؤ الدین تکش بن الپ ارسلان از سلاطین خوارزم شاہیہ کے زمانے میں ۵۷۳ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار بغداد میں خواجہ سری سقطیؒ اور خواجہ جنید بغدادیؒ کے مزار کے پاس ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ شمس الدین محمد تبریزی قدس سرہٗ

آں شہنشاہ ارباب ولایت، آں گنجینۂ اسرار ہدایت، آں فارغ از خواب طاعت و قطب ابدال خواجہ شمس الدین بن محمد بن علی بن ملک داد تبریزی قدس سرہ بے باکان روزگار میں سے تھے آپ حالت قوی، ہمت بلند اور عشق وافر رکھتے تھے چنانچہ آپ کے کمالات اظہر من الشمس ہیں بعض کہتے ہیں کہ آپ شیخ ابوبکر سلہ باف تبریزی کے مرید تھے۔ بعض کے نزدیک آپ رکن الدین سجاسی ؒ کے مرید اور شیخ اوحد الدین کرمانی ؒ کے پیر بھائی تھے۔ لیکن اکثر مشائخ کی رائے یہ ہے کہ آپ بابا کمال جُندی ؒ کے مُرید تھے صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ شاید آپ سب کی خدمت میں حاضر ہو کر سب سے فیض یاب ہوئے ہونگے مناقب العارفین ایک کتاب ہے جو حضرت مولانا روم ؒ کے سلسلہ کے ایک بزرگ کی تصنیف ہے جو مولانا روم کی وفات کے ایک سو چند سال بعد میں لکھی گئی اس کتاب میں مولانا روم کی اولاد کے حالات درج ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ جب خواجہ شمس الدین شیخ ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رتبہ کمال تک پہنچ گئے لیکن غایت بلند ہمتی کی وجہ سے آپ کو قرار نہ آیا اور مزید قرب کے لیئے ایک رات حق تعالےٰ کی خدمت میں مناجات کی کہ الٰہی مجھے اپنی درگاہ کے کسی محبوب کی خدمت میں پہنچا دے۔ آپ نے غیب سے آواز سُنی کہ اس کی دیت (ہدیہ) کیا ہے عرض کیا سر دینے کو تیار ہوں اس کے بعد آپ کی مولانا روم سے ملاقات ہو گئی اور ان کی صحبت میں غایت فنائے احدیت حاصل ہوئی۔ سر دینے سے ان کی مراد یہی تھی۔ یہ دیکھ کر بعض لوگ قیاس کرتے ہیں کہ خواجہ شمس الدین ؒ مولانا روم ؒ کے طالبین میں سے تھے لیکن مولانا روم کی تصانیف سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ مولانا روم اپنے آپ کو خواجہ شمس الدین کا ادنیٰ ترین طالب اور مرید شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے دیوان کے بعض اشعار اس بات پر دلالت

کرتے ہیں۔ اُن میں سے چند یہ شعر یہ ہیں ؎

۱۔ نام آنکس برکہ مردہ از جمالش زندہ شد — گوشہ ہائے جملہ عالم از و جمالش زندہ شد

۲۔ آں خنک جانے کہ لطف تبریزی بیافت — برگشت از نہ فلک بر لامکاں باخندہ شد

۳۔ چو شمس الدین نباشد در دو عالم — نظیرش را نظیرے نیست اینجا

۴۔ چو شمس الدین امیرے نیست اینجا — چو شمس الدین نظیرے نیست اینجا

۵۔ چو شمس الدین نباشد روئے خورشید — چو رو بدر منیرست اینجا

۶۔ چو شمس الدین را بنواخت بیشک — بجز رویش بشیرے نیست اینجا

۷۔ ہیچ کس از پیش خود چیزے نشد — ہیچ کس از خود زنگیریزے نشد

۸۔ دانۂ انگور و تخم خربزہ — تا برو دہقان نشد چیزے نشد

۹۔ ہیچ حلوائی نشد استاد کار — تا کہ شاگرد شکر ریزے نشد

۱۰۔ مولوی رومی نشد صاحب کمال — تا غلام شمس تبریزی نشد

ترجمہ: ۱۔ میں اس شخص کا نام لیتا ہوں۔ جس کے جمال سے مردہ زندہ ہوگیا اور جس کے نور سے جہاں کا گوشہ گوشہ روشن ہوگیا۔

۲۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جس پر شمس تبریزی کا لطف و کرم ہوگیا۔ وہ نو آسمانوں سے گزر کر عرش کا مکین ہوگیا۔

۳۔ دنیا میں شمس الدین جیسا کوئی بادشاہ نہیں اور شمس الدین کا ثانی نہیں ہے۔

۴۔ شمس الدین جیسا دنیا میں کوئی نہیں ہے اور اس کی نہ کوئی مثال ہے۔

۵۔ شمس الدین کی طرح روشن سورج بھی نہیں ہے۔ اس کا چہرہ چودھویں کا چاند ہے۔

۶۔ چونکہ شمس الدین نے مجھ پر کرم کیا ہے۔ اس جیسا بشیر یعنی خوشخبری دینے والا میرے لئے کوئی نہیں)

۷۔ کوئی شخص خود بخود کوئی چیز نہیں بنتا کوئی شخص خود بخود رنگریز نہیں بن سکتا۔

۸۔ انگور کا دانہ اور خربوزے کا بیج جب تک دہقان کے ہاتھ میں نہیں جاتا۔ اس سے کچھ پھل برآمد نہیں ہوتا۔

۹۔ کوئی حلوائی خود بخود ماہر فن نہیں ہوتا۔ جب تک کہ وہ کسی حلوائی کا شاگرد نہیں بنتا۔
۱۰۔ مولوی رومی ہرگز کمال کو نہ پہنچا۔ جب تک وہ شمس تبریزی کا غلام نہ ہوا۔

حضرت میر سید اشرف جہانگیر لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ اپنے پیر کی متابعت میں مرید کو مولانا جلال الدین رومی جیسا ہونا چاہیئے۔ کہ انھوں نے شرع کی مخالفت میں ان کی اتنی ہی متابعت کی جتنی کہ شرع کی موافقت نہ کی ہوگی۔ جب تک مرید اور اس کا عقیدہ اس حد تک نہ ہو اس کا کام نہیں بنتا۔

نور العین حاجی عبد الرزاق نے عرض کیا کہ بعض لوگ مولانا روم اور خواجہ شمس الدین کے مابین اس نوعیت کے تعلقات دیکھ کر اندازہ لگاتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ مہربانی فرما کر حقیقتِ حال سے آگاہ فرمادیں۔

حضرت میر سید اشرف جہانگیر نے فرمایا، لوگ ان دو بزرگوں کے تعلقات دو قسم کے بتاتے ہیں اور جو کچھ اس فقیر نے سلطان ولد بن مولوی روم کے بیٹے (یعنی مولانا روم کے پوتے) سے تحقیق کی ہے اس کا حال ابتدا سے بیان کرتا ہوں۔

سلطان ولد کے بیٹے نے بیان کیا کہ خلاصۃ الارواح والاسرار اور ممبر الشکوٰۃ والمصباح خواجہ شمس الدین محمد اپنے حالات یوں بیان کرتے تھے۔

"میں مدرسہ میں تھا اور ابھی سنِ بلوغ کو نہ پہنچا تھا کہ عشقِ محمدؐ میں مجھ پر چالیس چالیس دن بغیر کھائے پیئے گزر جاتے تھے۔ لوگ مجھے کھانے کے لئے کہتے تو میں ہاتھ یا سر سے منع کر دیتا۔" پس سلطان ولد کہتے ہیں کہ آخر حال میں ہمیشہ سفر میں رہتے اور نمد سیاہ پہنتے تھے۔ جہاں جاتے کاروان سرا کے میں قیام کرتے۔ جب آپ بغداد پہنچے تو شیخ اوحد الدین کرمانی سے ملاقات ہوئی۔ خواجہ شمس الدین نے پوچھا کیا حال ہے۔ انھوں نے کہا کہ چاند کو پانی کے طشت میں دیکھتا ہوں[1]۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہاری گردن پہ دنبل (پھوڑا) نہیں تو اسے آسمان پر کیوں نہیں دیکھتے[2]۔ پس سلطان ولد فرماتے ہیں کہ جس وقت

---

[1] یعنی حق تعالےٰ کا عکس خلق میں دیکھتا ہوں۔
[2] یعنی عینِ حق کا مشاہدہ کیوں نہیں کرتے اور صرف عکس پر کیوں اکتفا کر رہے تھے۔

خواجہ شمس الدین بابا کمال کی صحبت میں رہتے تھے شیخ فخرالدین عراقی بھی شیخ بہاؤالدین ذکریا کے حکم سے وہاں موجود تھے۔ شیخ فخرالدین عراقی کو جو کشف ہوتا۔ اسے آپ نظم یا نثر کی صورت میں بیان کرتے اور باباکمال کی خدمت میں پیش کرتے اور خواجہ شمس الدین کچھ نہ بتاتے۔ ایک دن بابا کمال نے ان سے کہا کہ اے بیٹے شمس الدین! میرے بیٹے فخرالدین کو تو بہت کشف ہوتا ہے۔ کیا تجھے کوئی کشف نہیں ہوتا۔ انھوں نے جواب دیا کہ مشاہدات تو ہوتے ہیں لیکن چونکہ اصطلاحات سے ناواقف ہوں۔ میں انھیں ظاہر کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ باباکمال نے فرمایا کہ ایک دن اللہ تعالےٰ تجھے ایسا مصاحب عطا کرے گا کہ حقائق و معارف اولین و آخرین تمہارے نام پر بیان کرے گا۔ اسرار و رموز اس کے دل سے اتر کر زبان پر جاری ہوں گے اور الفاظ و حروف کی صورت میں ظاہر ہو کر تمہارے نام پر بیان کئے جائیں گے۔ جیسا کہ مولانا روم کی تصانیف سے ظاہر ہے

پسر سلطان ولد فرماتے ہیں کہ خواجہ شمس الدین سفر کرتے ہوئے ۶۴۲ ہجری میں قونیہ پہنچے اور شکر ریزوں کے ہاں قیام فرمایا۔ ان دنوں مولانا روم درس و تدریس میں مشغول تھے۔ ایک دن علماء کی ایک جماعت کے ساتھ حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور چند کتابیں سامنے پڑی تھیں کہ خواجہ شمس الدین آن پہنچے اور پوچھا کہ یہ کیا کتابیں ہیں۔ مولانا روم نے جواب دیا کہ اسے قیل قال کہتے ہیں۔ تجھے اس سے کیا کام؟ خواجہ شمس الدین نے کتابیں اٹھا کر پانی میں پھینک دیں۔ مولانا نے کہا۔ ہائے ہائے! درویش تو نے یہ کیا کیا۔ ان میں سے بعض کتابیں میرے والد کی تصنیفات تھیں اور اب نایاب ہیں۔ خواجہ نے پانی کے اندر ہاتھ ڈالا اور ایک ایک کر کے سب کتابوں کو باہر نکال لیا۔ انھوں نے دیکھا کہ کتابیں بالکل خشک تھیں اور ان پر پانی کا کچھ اثر نہ تھا۔ مولانا روم نے کہا۔ یہ کیا راز ہے خواجہ نے فرمایا یہ ذوق و حال ہے۔ تجھے اس کی کیا خبر۔ یہ دیکھ کر مولانا کو سخت تعجب ہوا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حضرت خواجہ کی خدمت میں رہنے لگے۔ ایک دن خلوت میں بیٹھے تھے کہ خواجہ شمس الدین نے مولانا سے معشوق کی خواہش کی۔ مولانا اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر خواجہ کے سامنے لائے۔ آپ نے فرمایا یہ میری بہن ہے۔ مجھے نازنین لڑکے کی خواہش ہے۔ مولانا نے فوراً اپنے بیٹے سلطان ولد کو لا کر پیش کیا۔ خواجہ نے فرمایا۔ یہ میرا فرزند ہے۔ اب کچھ شراب لاؤ تاکہ لطف اٹھائیں۔ مولانا باہر گئے اور یہودیوں کے ہاں سے شراب لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ خواجہ نے فرمایا۔ میں تمہاری

قوتِ متابعت اور وسعتِ مشرب کا امتحان کر رہا تھا۔ جو کچھ سنا تھا۔ اس سے زیادہ پایا۔ خواجہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور تین ماہ تک خلوت میں بیٹھ گئے اور رات دن صومِ وصال میں مشغول ہو گئے تین ماہ تک نہ خود باہر آئے نہ کسی کو ہمت تھی کہ ان کی خلوت میں داخل ہو سکے۔ میر سید اشرف جہانگیر فرماتے ہیں کہ جو کچھ میں نے سلطان ولد کے بیٹے سے سنا ہے یہی ہے۔ لیکن اس علاقے کے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک دن مولانا درس سے فارغ ہو کر اپنے شاگردوں کے ساتھ شکر ریزوں کے گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ خواجہ شمس الدین سامنے آئے اور مولانا کی سواری کی باگ پکڑ کر فرمایا یا امام المسلمین بایزید کا مرتبہ زیادہ بلند ہے یا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ مولانا کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس سوال کی ہیبت سے سات آسمان ایک دوسرے سے جدا ہو کر زمین پر گر پڑے ہیں اور آتشِ عظیم باطن سے میرے دماغ میں لگ گئی ہے اور میں نے دیکھا کہ عرش کے نیچے سے دھواں نکل رہا ہے۔ میں نے کچھ دیر کے بعد جواب دیا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تمام خلقت سے بلند ترین ہے۔ بایزید کی کیا ہستی ہے آپ نے فرمایا۔ اگر یہ بات ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ مصطفیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ والسلام تو فرماتے تھے۔ ماعرفناک حق معرفتک (یا اللہ ہم نے تیری معرفت کے مطابق تجھے نہیں پہچانا) لیکن بایزید کہتے ہیں کہ سبحانی ما اعظم شانی و انا سلطان السلاطین ؛ (میں پاک ہوں میری شان کس قدر بلند ہے اور میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں)۔ میں نے کہا بایزید کی پیاس ایک گھونٹ سے بجھ گئی اور سیرابی کا دم مارنے لگا اس کے ادراک کا کوزہ اسی سے بھر گیا اور وہ نور اس کے اپنے روزینہ کے مطابق تھا، لیکن مصطفیٰ علیہ السلام استسقائے عظیم رکھتے تھے۔ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاس یا ظرف نہایت وسیع تھا اس لئے آپ کی پیاس بجھتی ہی نہ تھی۔

آپ کا سینۂ مبارک " الم نشرح لک صدرک " اور " وارض اللہ واسعۃ " ہو گیا تھا۔ لہٰذا آپ نے تشنگی کا دم مارا اور ہر روز آپ زیادتیٔ قرب کی دعا مانگتے رہے یہ سن کر خواجہ شمس الدین نے ایک نعرہ مارا اور گر گئے۔ مولانا نے اونٹ سے اتر کر شاگردوں کو حکم دیا کہ ان کو اٹھا کر مدرسے میں لے جاؤ۔ جب ان کو ہوش آیا تو آپ نے ان کا سر مبارک اپنے زانو پر رکھا ہوا تھا۔ اس کے بعد ان کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے گئے اور " یافت آنچہ یافت " پایا جو کچھ پایا۔

میر سید اشرف جہانگیرؒ نے دونوں روایات اس طرح نقل کی ہیں۔
صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ ایک رات خواجہ شمس الدین مولانا کے ساتھ خلوت میں بیٹھے تھے۔ ایک آدمی نے اشارہ کیا کہ باہر آئیں۔ خواجہ صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور مولانا سے کہا کہ مجھے قتل کرنے کے لئے بلا رہے ہیں۔ باہر سات آدمی جمع تھے۔ انھوں نے چھری چلائی۔ خواجہ نے نعرہ مارا تو سب کے سب بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ان میں سے ایک علاؤالدین محمد پسرِ مولانا روم تھا۔ انہ لیس من اھلک ؛ کلام پاک میں حضرت نوح علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرا بیٹا تیرے اہلِ خانہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے اعمال غیر صالح ہیں ؛ کے داغ سے ملوث تھا۔ جب وہ جماعت ہوش میں آئی چند خون کے قطروں کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔ اس دن سے آج تک اس سلطان معنی کا نشان نہیں ملا اور قتل کرنے والے بدبخت تھوڑے عرصہ میں مصیبت میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے۔ مولانا ان کے نمازِ جنازہ میں موجود نہ تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ خواجہ شمس الدین، مولانا بہاؤالدین ولد کے پہلو میں دفن ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان بدبختوں نے خواجہ کا بدن مبارک کسی کنویں میں پھینک دیا تھا۔
ایک رات سلطان ولد نے خواب میں دیکھا کہ خواجہ شمس الدین نے انھیں اشارہ فرمایا کہ میں فلاں کنویں میں سویا ہوا ہوں۔ انھوں نے آدھی رات کو اپنے دوستوں کی مدد سے جسم مبارک کو کنویں سے نکال کر مولانا کے مدرسہ میں دفن فرمایا۔ خواجہ شمس الدین کی شہادت ۶۴۵ ھ میں ہوئی۔ منتخب التاریخ کی ایک روایت کی رُو سے مولانا روم بھی چند روز کے بعد وصال پا گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ شہاب الدین مقتول قدس سرہٗ

صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ کا نام یحییٰ ابن حبش ہے۔ آپ حکمتِ مشائیان واشراقیان میں مشہور تھے۔ اور دونوں مضامین پر آپ کی قابلِ قدر تصانیف ہیں۔ بعض آپ کو علم سیمیا سے اور بعض حکمائے متقدمین کے اعتقاد سے منسوب کرتے ہیں اور قتل کا موجب قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دیوان میں لکھتے ہیں کہ متقدمین حکمائے اشراقی نے انبیاء اور اولیاء کی وساطت سے وحی اور الہام کے ذریعہ حکمت حاصل کی کہتے ہیں کہ آغاثا یموت حضرت شیث علیہ السلام کا شاگرد تھا۔ ہرمس ماہر اسے جو علم نجوم طلسم اور طب کا ماہر تھا حضرت ادریس علیہ السلام کا شاگرد تھا۔ لقمان حضرت داؤد علیہ السلام کا اور فیثاغورث حضرت سلیمانؑ کا شاگرد تھا اس حکمت کو افلاطون نے ترقی دی افلاطون کے بعد اسکے شاگرد ارسطو نے جو سکندر رومی کا وزیر تھا حکمت کی تدوین کی۔ اس وجہ سے اسے معلم اوّل کہتے ہیں اور تمام حکماء اس کا رکاب تھام کر چلتے تھے اسی وجہ سے انہیں مشائیان کہتے ہیں۔ ارسطو کے بعد حکمت میں تحریف ہوگئی۔ تحریف کی وجہ یہ تھی کہ حکمت کو یونانی زبان سے عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔ ابونصر فارابی بھی حکمت یونان میں ماہر تھا اور تارک دنیا تھا۔ اس کی وفات ۳۴۰ھ میں ہوئی فاراب ترکستان میں ایک قصبے کا نام ہے۔ اس کے بعد ابوعلی حسین بن عبداللہ بن سینا ۳۷۰ھ میں بخارا کے علاقے میں پیدا ہوا۔ وہ شہوات ولذات میں اپنے نفس کا تابع تھا۔ اس لیے نوح بن منصور سامانی کی ملازمت اختیار کرلی اور اس سے درخواست کی کہ اپنا کتب خانہ میرے سپرد کردیں۔ اس کتب خانہ سے اسے بہت فائدہ ہوا۔ آخر کتب خانے کو آگ لگ گئی اور متقدمین حکماء اور ابونصر کی تمام کتابیں جل گئیں اور کتب خانہ جلانے کا الزام بوعلی سینا پر لگایا گیا۔ جب سامانی بے سامان ہوگئے اور ان کی سلطنت ختم ہوگئی۔ تو سلطان محمود نے بوعلی سینا کو قتل کرنا چاہا۔ لیکن اس نے بھاگ کر ہمدان میں پناہ لی۔ والی ہمدان شمس الدولہ نے اسے اپنا وزیر بنالیا شمس الدولہ کی وفات کے بعد اس نے علاء الدولہ والیٔ اصفہان کی ملازمت اختیار کرلی۔ امام عبداللہ یافعیؒ لکھتے ہیں کہ اس نے آخر عمر میں قرآن مجید یاد کیا اور ماہ رمضان ۴۲۸ھ میں فوت ہوگیا۔

ارسطو کی صوفیاء کرام کے متعلق رائے

الغرض شیخ شہاب الدین ابوالفتح یحییٰ مقتول

جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے بھانجے تھے نے حکمت اشراقیہ کو زندہ کیا۔ آپ بڑے مرتاض (ریاضت کرنے والے) اور قلندر تھے۔ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے آپ لکھتے ہیں کہ میں نے ارسطو کو خواب میں دیکھا جو افلاطون کی تعریف کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ مسلم فلسفیوں میں سے بھی کوئی افلاطون کے مرتبہ تک پہنچا اس نے جواب دیا کہ نہ کوئی اس کے مرتبہ کو پہنچا ہے اور نہ اس کی کسی چیز کو اختیار کیا ہے۔ اس کے بعد میں نے چند فلسفیوں کا نام لیا لیکن وہ متوجہ نہ ہوا لیکن جب حضرت بایزید بسطامیؒ اور ابو محمد سہیل بن عبداللہ تستریؒ جیسے بزرگوں کا نام لیا تو خوش ہوا اور کہنے لگا کہ یہ فلسفی اور حکمائے برحق ہیں اور اپنے رسمی علوم سے گذر کر علم حضوری اور اتصال شہودی تک پہنچے ہوئے ہیں اور علائق دنیوی اور نفسانیت سے ملوث نہیں ہوئے۔ ان کا محرک وہی ہے جو ہمارا ہے اور ان کے کلام کا منبع وہی ہے جو ہمارے کلام کا ہے۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دیوان کی شرح میں شیخ سہروردی مقتول لکھتے ہیں کہ روح بغیر جسم کے نہیں رہ سکتی جب بدن عنصری محلول ہو کر اس سے جدا ہوتا ہے اسے جسم مثالی مل جاتا ہے جو عالم برزخ کی چیز ہے جیسا کہ ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون۔ شیخ ابن عربیؒ فتوحات مکیہ کے تین سو بیسویں باب میں لکھتے ہیں روح جسم سے مفارقت کے بعد اس جگہ (برزخ میں) منتقل ہو جاتی ہے جو ارواح اور جسم کے درمیان ہے اور اسے غیب محالی کہتے ہیں دوسرے کو غیب امکانی کہتے ہیں۔ وہ لوگ جو غیب امکانی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور آنے والے واقعات سے واقف ہوتے ہیں بہت ہیں بخلاف اس کے غیب محالی کہ جہاں احوال موتے (مرے ہوئے لوگ) کا کشف ہوتا ہے نادر ہیں صاحب نفحات کہتے ہیں کہ جب شیخ شہاب الدین مقتولؒ شہر حلب میں پہنچے تو علماء نے ان کے قتل کا فتویٰ دیا۔ اور ۵۸۶ھ میں انہیں قتل کر دیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر چھتیس سال تھی یا پچاس سال تھی آپ نے جمیع علوم ظاہری اور کمالات باطنی اسی عمر میں حاصل کئے۔ اہل حلب کا آپ کے حق میں اختلاف رائے ہے۔ بعض ان کو الحاد اور زندقہ سے منسوب کرتے ہیں اور بعض کرامات اور مقامات عالیہ سے۔ یمانی الذکر کہتے ہیں کہ قتل کے بعد آپ سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوا۔ اس سے خواجہ شمس الدین تبریزیؒ کے اس کلام کی تصدیق ہوتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ شہر دمشق میں شہاب الدین مقتول کو لوگ کھلم کھلا کافر کہتے تھے لیکن ... وہ ... گا تو ... جب صدق دل سے آئے شمس کی خدمت

میں رہ کر بدر (چودھویں کا چاند) بن گئے۔ اسی مقام پر انہوں نے یہ بھی لکھا ہے بعض لوگ عالم ارواح میں ذوق حاصل کرتے ہیں اور اس میں مقیم ہو جاتے ہیں اور عالم ربانی کے حالات بیان کرتے ہیں لیکن یہ بھی عالم ارواح ہوتا ہے جسے وہ عالم ربانی سمجھتے ہیں۔ لیکن فضل ربی یا کوئی مرد کامل انکی دستگیری کرتا ہے اور عالم ارواح سے عالم ربانی تک پہنچا دیتا ہے جیسا کہ شیخ شمس الدین تبریزی نے شیخ شہاب الدین مقتول سے کیا۔ آپ کا قتل ۵۸۷ھ میں ہوا۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہٗ

آں گنجینۂ عشق و اسرار، قتیلِ مشاہدۂ دلدار، فارغ از گفتگوئے اغیار، غواص بحر توحید شیخ فرید الدین عطار قدس سرہٗ کے والد کا نام ابراہیم بن اسحاق عطار نیشاپوری ہے۔ لیکن آپ کی اصل جائے تولید قصبۂ گرگین ہے جو نیشاپور کے نواح میں ہے۔ آپ کی ولادت سلطان سنجر بن ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں ماہ شعبان ۵۱۳ھ میں ہوئی۔ آپ نے طویل عمر پائی آپ نے انتیس ۲۹ سال شہر شادباغ میں اور پچھتر ۷۵ سال نیشاپور میں بسر کئے۔ ہر میدان میں آپ کے بڑھ چڑھ کر کمالات ہیں۔ آپ کے کلام کو اہل سلوک کا تازیانہ کہا گیا ہے۔ شریعت، طریقت اور حقیقت میں آپ یگانہ اور شوق و نیاز اور سوز و گداز میں آپ شمع زمانہ تھے۔ شاعری آپ کا شیوہ نہیں ہے بلکہ آپ کے غیبی واردات ہیں۔ جس قدر اسرار توحید و حقائق اور اذواق و مواجید آپ کی تصانیف میں ہیں اس طائفہ کے کسی شخص کی کتابوں میں نہیں ملتے۔ چنانچہ تذکرۂ دولت شاہی میں لکھا ہے کہ انہوں نے بیشمار اکابر و مشائخ کی صحبت پائی اور اہل طریقت کی چار سو کتابوں کا مطالعہ کیا۔ آخر حال میں آپ مرتبہ فنا کو پہنچ کر معتکف ہو گئے۔ بچپن میں آپ پر حضرت شیخ قطب الدین حیدرؒ کی نظر قبولیت تھی۔ آپ کے والد بھی شیخ قطب الدین حیدرؒ کے مرید تھے۔ شیخ فرید الدینؒ نے ایام شباب میں حیدری نامہ نظم میں لکھا۔ آپ کی توبہ کا سبب یہ تھا کہ والد کی وفات کے بعد دکان پر بیٹھے تھے۔ دکان آراستہ پیراستہ تھا اور خدام کمربستہ کھڑے تھے کہ ایک درویش تجرید نے آکر چند بار شیئاً للہ (خدا کے لیے کچھ دو) کی آواز دی۔ لیکن وہ متوجہ نہ ہوئے۔ درویش نے کہا اے خواجہ

تم کیسے مروگے۔ انہوں نے جواب دیا جیسے تم مروگے۔ درویش نے کہا کیا تم میری طرح مر سکتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔ درویش کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا۔ سر پر رکھ کر کہا اللہ اور جان دے دی۔ یہ دیکھ کر شیخ فریدالدین کا حال دگرگوں ہوگیا۔ دکان کو لٹا کر شیخ الشیوخ العارف رکن الدین اکاف قدس سرہ کی خانقاہ میں گئے اور توبہ کر کے ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوگئے چند سال کے بعد آپ بیت اللہ کی زیارت کو گئے جہاں آپکو بہت سے مشائخ کی صحبت حاصل ہوئی۔ آپ سترہ سال اہل اللہ کے حالات جمع کرتے رہے۔ چنانچہ اہل طریقت میں سے کسی بزرگ نے یہ کام نہ کیا اور کسی نے اس قدر حقائق و معارف بیان نہیں کئے۔ آپ غایت تجرید و تفرید میں زندگی بسر کرتے تھے آخر حال میں آپ نے عزلت اختیار کرلی لیکن ہزاروں طالبین حق آپ کے خلوت خانہ کے گرد پروانہ وار نیازمندی میں مصروف تھے۔ آپ نے خرقہ سلطان العاشقین شیخ مجدالدین بغدادیؒ کے ہاتھ سے پہنا۔ بعض کتب میں لکھا ہے کہ شیخ فریدالدین اویسی تھے۔ چنانچہ مولانا جلال الدین رومی کے ملفوظات میں ہے کہ حسین بن منصورؒ کے نور نے فریدالدین عطار کی روح پر ایک سو پچاس برس کے بعد تجلی کی اور مربی ہوا۔ مولانا جلال الدین رومی بھی شیخ فریدالدین عطار کے نیازمندوں میں سے ہیں بلخ سے نیشاپور جاتے وقت مولانا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے اپنی کتاب اسرار نامہ ان کے حوالہ کی۔ مولانا وہ کتاب ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے اور حقائق و معارف میں اس کی اقتداء کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں ؎

گرد عطار گشت مولانا ازدست شمس بود ش نوش

(شیخ فریدالدین عطار کے گرد مولانا گھومتے رہے لیکن شربت شمس تبریزی کے ہاتھ سے پیا۔)

دوسرے مقام پر مولانا لکھتے ہیں ؎

عطار روح بود سنائی دو چشم وی + ما از پئے سنائی و عطار آمدیم۔

(عطار روح تھے۔ سنائی ان کی دو آنکھیں تھے۔ ہم سنائی اور عطار ہی کے لئے آئے ہیں)

شیخ عطارؒ کی بے شمار تصانیف ہیں جیسا کہ تذکرۂ مذکور میں درج ہے کہ کتب مثنوی

کے علاوہ آپ نے چالیس ہزار اشعار کہے ہیں۔ ان میں سے بارہ ہزار رباعیات ہیں اور طریقت کی کتابوں میں سے تذکرۃ الاولیاء، اخوان الصفا وغیرہ ہیں۔ نظم میں سے اسرار نامہ، مصیبت نامہ، اشتر نامہ، وصیت نامہ، مختار نامہ، جواہر الذات، منطق الطیر، بلبل نامہ، وصل نامہ، پسر نامہ، بحل نامہ، حیدر نامہ، پند نامہ۔ ان کے علاوہ چالیس اور رسالے آپ سے منسوب ہیں۔ جن کے مجموعی اشعار ایک لاکھ ہوں گے یہ بیت بھی قصیدۂ شیخ عطار میں سے ہے ؎

اے روئے در کشیدہ بیازار آمدہ　　　خلقے بایں طلسم گرفتار آمدہ

(اے محبوب تو منہ چھپا کر بازار میں آیا تو ساری خلقت تیرے اس جادو میں گرفتار ہو گئی)

صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ کے صرف ابیات بیس ہزار سے زائد ہیں۔ بعض اہل اللہ نے ان کی بہت اچھی شرح لکھی ہے۔ اور اس بیت کی شرح یہ ہے یعنی محبوب حقیقی اپنے چہرے کو یعنی نورِ ذات کو تعینات کے پردے میں چھپا کر بازارِ ظہور میں آئے اور خلقت کثرتِ تعینات مختلفہ اور آثارِ متباینہ (مختلف صورتوں) کی وجہ سے محبوب حقیقی سے بُعد، ہجر اور غفلت میں گرفتار ہو گئی ہے اور چونکہ پرتوِ جمالِ حق صُوَر (جمع صورت) مختلفہ میں سرایت کئے ہوئے ہے اسلئے خلق بلائے عشق میں گرفتار ہو گئی بعض عشق مجازی میں بعض عشق حقیقی میں۔

بیت: تو ئی معنی و بیرون تو اسم است　　　تو ئی گنج و ہمہ عالم طلسم است

(تو ہی معنی ہے اور تیرا خارج (بیرون) تیرا اسم ہے تو خزانہ ہے اور سارا جہان طلسم ہے)

صورت کے عاشق یعنی عاشقِ مجازی معشوق حقیقی سے دور جا پڑے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ کس کے عاشق ہیں۔ اور ان کا دل ربا کون ہے۔

بیت: میل خلق جملہ عالم تا ابد۔　　　گر شناسند ت و گرنہ سوئے تست

(تمام خلقت کی محبت کا مرجع ابد تک تو ہی ہے خواہ وہ تجھے پہچانیں یا نہ پہچانیں ان کی توجہ کا مرکز تو ہے۔)

اسی طرح پورے قصیدے کی شرح کی گئی ہے لیکن اختصار کی غرض سے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

جب نیشاپور کے محاصرہ میں چنگیز خان کا داماد تغاچار نویان قتل ہو گیا تو اس نے قتل عام کا حکم دے دیا۔ اس حادثہ میں شیخ فریدالدین عطار نے جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ کی شہادت کے بعد قاضی یحییٰ بن ساعد جو نیشاپور کے بزرگ تھے کے بیٹے نے وفات پائی۔ لوگوں نے مصلحتاً اس لڑکے کو حضرت شیخ کے پاؤں کی طرف دفن کر دیا۔ لیکن قاضی یحییٰ کو گوارا نہ ہوا کہ ان کا بیٹا آپ کے قدموں کی طرف دفن ہو۔ اس لئے اسے دوسری جگہ دفن کر دیا۔ اسی رات قاضی نے خواب میں دیکھا کہ شیخ عطارؒ کے روضہ مقدس پر تمام ابرار، اخیار، اقطاب اور رجال اللہ جمع ہیں اور روضہ پر انوار و برکات کی بارش ہو رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں مشعلیں روشن ہیں اور تمام اکابر نہایت ادب سے شیخ فریدالدین عطارؒ کے مزار کے سامنے مراقب ہیں یہ دیکھ کر قاضی شرمندہ ہوا اور اولیاء کی مجلس میں شامل ہوئے بغیر واپس آ گیا۔ اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ زار و قطار رو رہا ہے۔ اس نے کہا اے باپ تم نے غلطی کی کہ مجھے رجال اللہ کی برکت سے محروم کر دیا۔ میری بہشت بزرگوں کے قدم ہیں جلدی کرو مجھے شیخ عطارؒ کے قدموں میں رکھو۔ صبح ہوتے ہی قاضی شیخ عطارؒ کے رشتہ داروں کے پاس گئے۔ اور اجازت طلب کر کے بیٹے کو دوبارہ شیخ کے قدموں کی طرف دفن کر دیا خود تائب ہو کر حضرت شیخ کے مریدوں اور معتقدوں میں شامل ہو گیا۔ اور آپ کے مزار پر ایک عالی شان عمارت تعمیر کرائی۔ آپ کا مزار شہر نیشاپور سے باہر محلہ شاد باغ میں ہے جسے شہر بازرگان بھی کہتے ہیں بعد میں میر علی شیر نے سلطان حسین مرزا کے عہد حکومت میں ایک نہایت اعلیٰ اور بلند روضہ آپ کے مزار پر تیار کرایا جو آج تک موجود ہے اور لوگ فیض یاب ہوتے ہیں۔ آپ کی شہادت ۶۲۷ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر شریف ایک سو چودہ سال تھی۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ محمد ترک نارنولی قدس سرہٗ

حضرت شاہ ترکمان شہید دہلوی جن کے نام سے دہلی کا ترکمان دروازہ مشہور ہے مشاہیر ہندوستان سے ہیں کہتے ہیں کہ آپ خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کے مرید تھے آپ بڑے قوی الحال اور بلند ہمت درویش تھے۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کا اصلی وطن ترکستان ہے ہندوستان آ کر آپ نے قصبہ نارنول ریاست

پٹیالہ ۔نزد بلور رٹی) میں سکونت اختیار کرلی ۔وہاں کے لوگ آپ کو ترک ۔ترک سلطان اور ترکمان کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ آپ کا مزار ایک حوض کے کنارے پر تھا۔ وہ حوض اب تک موجود ہے لیکن قدرے مسمار ہوگیا ہے آپ مجرد متوکل اور حصور تھے اور زن وطفل کی خواہش نہ رکھتے تھے۔ آپ نے کسی کو بیعت نہ کیا اور ساری عمر گوشہ نشینی میں گزار دی آپ سے بے شمار کرامات کا اظہار ہوا۔ روایت ہے کہ اوائل اسلام میں نارنول میں کفار کا غلبہ تھا اور مسلمان بہت کم تھے ہندو ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتے تھے ۔ایک دفعہ عید کے دن مسلمان نماز میں مشغول تھے کہ کافروں نے اچانک حملہ کر دیا۔ اور قتل کرنا شروع کر دیا۔ اور بہت مسلمان شہید ہوگئے۔ شیخ محمد ترک علیہ رحمتہ نے بھی اسی دن جام شہادت نوش فرمایا۔ اور واصلِ دوست ہوئے ۔اکثر شہدا کو اس حوض کے کنارے دفن کیا گیا۔ اور شیخ محمد ترکؒ اپنے مسکن میں دفن ہوئے ۔چنانچہ آپ کا مرقد آج تک قبلۂ حاجات ہے آپ کی شہادت کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی ۔لیکن آپ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ کے ہم عصر تھے۔ لیکن شیخ بدرالدین قدس سرہٗ جو قصبہ دنؤمیں آرام فرما ہیں بھی حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے خلیفہ تھے ۔آپ کے مزار مبارک سے اب تک قوی تصرف جاری ہے اور اس علاقے کے لوگ آپ کو صاحبِ ولایت بتاتے ہیں ۔ ہر جمعہ کی شب لوگ کثرت سے زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی استعداد کے مطابق فیض حاصل کرتے ہیں ۔یہ کاتب حروف بھی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے اور فیض حاصل کر چکا ہے رحمتہ اللہ علیہ۔ اور میر سید معین الدینؒ قصبۂ پٹیالہ میں دفن ہیں اکثر لوگ کہتے ہیں کہ آپ بھی حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کے مرید ہیں۔ آپ کا مزار پٹیالہ میں مشہور ہے اور اس علاقے کی زیارت گاہ ہے ۔رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت میر سید حسین خنگ سوار قدس سرہٗ

آں سید پاک نہاد، آں در لباسِ اغنیا آزاد، آں شہیدِ تیغ دل دار عارفِ کامل میر سید

حسین خنگ سوار قدس سرہٗ کتبِ تصوف میں آپ کو سید حسین مشہدی لکھا گیا ہے آپ
ساداتِ عالی قدر مشہدِ مقدس میں سے تھے اور اپنے آباؤ اجداد یعنی ائمہ اہل بیت سے
نسبت رکھتے تھے۔ اپنے آپ کو چھپانے کی خاطر آپ ہمیشہ اہل دنیا کا لباس پہنتے تھے
اور دولت مندوں کی صحبت میں رہتے ہوئے صاحبِ تصرفِ معنوی تھے۔ آپ
تزکیۂ ظاہری و باطنی میں بے نظیر تھے۔ اور اپنے آباؤ اجداد کی سنت کے مطابق
جہاد کی نیت سے سلطان معز الدین سام المعروف شہاب الدین غوری کے ہمراہ ہندوستان
تشریف لائے جب سلطان مذکور ہندوستان فتح کر کے قطب الدین ایبک کو دہلی میں
حکومت سپرد کر کے وطن واپس گئے تو میر سید حسینؒ کو قطب الدین ایبک کی رفاقت کے لیے
چھوڑ گئے۔ قطب الدین ایبک نے خود دہلی میں اقامت اختیار کی اور آپ کو اجمیر شریف کی
حکومت سپرد کی۔ جب آپ اجمیر شریف پہنچے تو آپ کو حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ کے
ساتھ شدید محبت پیدا ہو گئی اور دونوں حضرات ایک دوسرے کے محرم راز ہو گئے۔ سیر العارفین
میں لکھا ہے اجمیر کے گرد و نواح کے لوگ سید حسین مشہدیؒ کے ذریعے حضرت خواجہ بزرگ
کی خدمت میں پہنچ کر مشرف باسلام ہوتے تھے اور مرید ہوتے تھے۔ اس علاقے کے بڑے
بڑے مشرک لوگ میر سید حسین مشہدی سے عداوت رکھتے تھے اور ہمیشہ موقعہ کی تلاش میں رہتے
تھے۔ ایک دن جب سلطان قطب الدین ایبک کی وفات کی خبر موصول ہوئی تو آپ کی
زیادہ تر فوج اجمیر کے نواحی علاقوں میں منتشر تھی اور آپ خود تھوڑی سی فوج کے ساتھ قلعہ اجمیر
میں کہ جسے بیٹھلی کہتے ہیں مقیم تھے مشرکوں نے موقعہ پا کر اسی رات ٹڈی دل کی طرح چاروں
طرف سے حملہ کر دیا۔ اور میر سید حسینؒ کو ان کے تمام اصحاب سمیت اندھیری رات میں شہید
کر کے بھاگ گئے۔ صبح کے وقت خواجہ بزرگ اپنے مریدوں کے ساتھ وہاں تشریف
لے گئے اور نماز جنازہ ادا کر کے شہداء کو پہاڑ پر دفن کرا دیا۔ نہایت پر فیض فرحت بخش مقام
ہے اور سارے ہندوستان میں اس قسم کی روح افزا اور دل ربا جگہ نہیں دیکھی گئی۔ مزار مقدس
سے بے حد قوی تصرف ظاہر ہے۔ یہ فقیر کاتب حروف چودہ ماہ رمضان ۱۰۵۲ھ کو مزار
مقدس کی زیارت کے لیے حاضر ہوا جب یہ نیاز مند مزار کے قریب پہنچا تو بے اختیار

رقت پیدا ہوگئی اور حالت متغیر ہوگئی اور آپ کی روحانیت ظاہر ہوگئی۔ وہ محبت جو عالم ارواح میں دونوں روحوں کے درمیان تھی یاد آئی اور وجودِ عنصری کا حجاب دور ہوگیا۔ حضرت سالار مسعود غازی قدس سرہٗ کی روحانیت کو بھی وہاں موجود پایا اور عجیب احوال و اسرار رونما ہوئے۔ اور وہ صحبت محرمانہ جو ہمارے درمیان عالم ارواح میں تھی اس جہان میں میسر ہوگئی۔ غرضیکہ جو کچھ دیکھا عالم تحریر و تقریر سے باہر ہے۔ آپ کے اشارہ کے مطابق رات وہیں بسر کی۔ اور ساری رات روضۂ اقدس پر حاضر رہا حق تعالےٰ نے آپ کی برکت سے مجھ پر عالم ارواح کی حقیقت یعنی قبل از خلق و بعد از خلق اور حقیقت دوزخ و بہشت منکشف فرمائی۔ دلِ بے آرام کو تسکین حاصل ہوئی اور تمام ظاہری و باطنی شکوک رفع ہوگئے۔ حق تعالےٰ کی نوازش اور اس سید پاک نہاد اور سالار مسعود غازیؒ کی مہربانی کا کس زبان سے شکر ادا کیا جائے۔ ؎

آفتاب اندر بدخشاں لعل سازد سنگ   جز بخاموشی چہ گوید لعل شکر آفتاب

(آفتاب کی مہربانی سے بدخشاں کے ملک میں پتھر لعل بن جاتا ہے اب لعل خاموشی کے سوا کس طرح آفتاب کا شکر ادا کر سکتا ہے)

آپ کا سنِ شہادت معلوم نہیں ہو سکا لیکن یہ واقعہ سلطان قطب الدین ایبک کی وفات کے فوراً بعد ظہور پذیر ہوا اور سلطان ایبک کی وفات ٦٠٧ھ اور دوسری روایت کے مطابق ٦١٠ھ میں ہوئی اور دہلی میں دفن ہوئے (لیکن عام مشہور یہ ہے کہ قطب الدین ایبک کی وفات لاہور میں چوگان کھیلتے ہوئے ہوئی اور وہیں ان کا مزار ہے۔ جس شاہ راہ پر سلطان مذکور کا مزار ہے اسے ایبک روڈ کے نام سے یاد کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔)

حضرت شیخ نور الدین مبارک غزنوی قدس سرہٗ

آں سید عالی مقام، آں متکلم بکلام و الہام، آں ناظر جمالِ معنوی پیرِ وقت شیخ نور الدین مبارک غزنوی قدس سرہٗ سلطان شمس الدین کے عہد حکومت میں مقتدائے روزگار و شیخ الاسلام دہلی تھے لوگ آپ کو امیر دہلی کہتے تھے آپ شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے اکابر خلفاء میں سے تھے آپ صاحب شانِ عظیم تھے اور تصرف قوی رکھتے تھے حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ آپ

بڑے بزرگ تھے۔ شیخ محمد اجل شیرازی فرماتے تھے کہ سید مبارک غزنوی نے ان سے نعمت حاصل کی۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک سوداگر آپ کا (شیخ محمد اجل کا) مرید تھا۔ ایک دن اس نے آپ کے پاس آکر کہا کہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ حضور کا غلام زادہ ہے اس پر نظر شفقت فرما دیں آپ نے فرمایا اچھا کل صبح کی نماز کے وقت بچے کو لے آنا اور میری دائیں جانب بچے کو ظاہر کرنا۔ اتفاقاً اسی دن سید مبارکؒ بھی پیدا ہوئے اور ان کے والد مجلس میں بیٹھے یہ باتیں سن رہے تھے۔ ان کے والد کے دل میں خیال آیا کہ میں بھی اپنے بچے کو لا کر شیخ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

چنانچہ دوسری صبح نماز کے وقت وہ سوداگر آگیا۔ سید مبارکؒ کے والد بھی ایک طرف کھڑے تھے۔ شیخ نے نماز ادا کی۔ سید مبارک کے والد نے شیخ کی دائیں جانب جا کر بچہ پیش کیا۔ شیخ نے سید مبارک پر شفقت کی نظر فرمائی اور یہ بزرگی جو انہیں حاصل ہوئی سب اسی ایک نظر لطف کی وجہ سے تھی۔ اس کے بعد سوداگر نے اپنا بچہ پیش کیا تو شیخ نے فرمایا کہ یہ دولت سید زادہ کی قسمت میں تھی بیت ؎

بیت آنرا کہ بداد ند بداد ند بداد ند کانرا کہ ندادند ندادند ندادند

(جس کو عطا کرنا تھا اسے دے دیا اور جسے نہیں دینا تھا اسے کچھ نہ دیا)

نیز آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ غزنی میں خشک سالی ہوئی سب لوگ شیخ محمد اجل شیرازیؒ کے گھر باران رحمت کے لیے دعا کی خاطر جمع ہوئے۔ شیخ گھر سے باہر تشریف لائے اور لوگ ان کے پیچھے ہو لئے۔ ایک باغ کے قریب پہنچے۔ شیخ باغ کے اندر چلے گئے۔ باغبان درخت کے نیچے سویا ہوا تھا۔ شیخ نے اسے بیدار کر کے فرمایا کہ درخت خشک ہو رہے ہیں اٹھو اور ان کو پانی دو۔ اس نے جواب دیا کہ جب میرے درختوں کو پانی کی ضرورت ہوگی تو میں خود بخود انہیں پانی دے دوں گا۔ شیخ نے فرمایا تو پھر تم ان لوگوں کو کیوں نہیں کہتے کہ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ ہم سب اللہ کے بندے ہیں اور یہ زمین اس کا باغ ہے جس وقت حکیم مطلق چاہتا ہے باران برساتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ چلے گئے اور اس قدر بارش ہوئی کہ جس کی حد نہ رہی۔ فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ خشک سالی ہوئی

لوگوں نے شیخ نظام الدین ابوالموید قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بارش کی درخواست کی۔ آپ نے ممبر پر چڑھ کر دعا مانگی اس کے بعد منہ آسمان کی طرف کر کے کہا الٰہی اگر بارش نہ ہوئی تو میں کسی آبادی میں نہ رہوں گا۔ یہ کہہ کر نیچے آگئے۔ اور بارش شروع ہو گئی۔ جب سید قطب الدین آپ سے ملے اور عرض کیا کہ ہمارا آپ کے ساتھ پکا اعتقاد ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کو حق تعالےٰ کے ساتھ نیاز مندی ہے لیکن یہ آپ نے کس طرح کہا اگر بارش نہ دو گے تو کسی آبادی میں نہ رہوں گا شیخ نظام الدین ابو لموید نے فرمایا مجھے معلوم تھا کہ بارش بھیجے گا اس لئے یہ کہا۔

سید نورالدین مبارک کا مقبرہ دہلی میں حوض شمسی کی شرقی جانب مشہور ہے آپ کی تاریخ وفات پہلی ماہ محرم ۶۳۲ھ ہے آپ سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ حمید الدین سوالی قدس سرہٗ

سلطانِ ارباب تجرید، پیشوائے اصحاب تفرید، ناطق بلسان حالی سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی سوالی قدس سرہٗ کی کنیت ابی احمد اور لقب سلطان التارکین اور صوفی ہے۔ آپ سعید بن عمر قریشی کی اولاد میں سے ہیں جو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی اور بہنوئی تھے اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ آپ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کے کامل اور محرم راز خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا ہندوستان کے متقدمین میں شمار ہوتا ہے آپ کے والد سلطان معزالدین سام عرف شہاب الدین غوریؒ کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا بچہ جو فتح دہلی کے بعد ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا میں ہوں آپ کی عمر بہت طویل تھی اور آپ نے خواجہ بزرگ کے زمانے سے لے کر حضرت سلطان المشائخ کے زمانے کے آغاز کا حصہ دیکھا ہے آپ تجرید اور تفرید میں عالی مقام رکھتے تھے اور حق تعالےٰ کے خاص بندگان میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ بڑے بلند بزرگ اور دنیا و عقبیٰ سے بے نیاز تھے۔ تصوف میں آپ کا مقام بہت عالی

اور آپ کا بیان بہت شافی ہے۔ آپ نے فوائد طریقت اور اسرار حقیقت میں بہت کتابیں لکھی ہیں۔ آپ نے کچھ مکتوبات، رقعات اور اشعار بھی چھوڑے ہیں۔ آپ کے رقعات سلطان المشائخؒ نے اپنے ہاتھ سے جمع کیے ہیں چنانچہ اس کا ذکر سیر الاولیا میں آتا ہے آپ کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف اصول الطریقت اور رسالہ عشقیہ ہیں۔ سلسلہ چشتیہ میں سب سے پہلے بزرگ جنہوں نے ہندوستان میں حقائق و معارف پر کتابیں لکھی ہیں آپ ہیں۔ سیر العارفین میں سلطان المشائخ سے نقل ہے کہ آپ بڑے تارک تھے اور موضع سوال کے باشندہ تھے۔ جو اجمیر شریف سے دو کوس پر ہے اخبار الاخیار (مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ) میں لکھا ہے کہ آپ موضع ناگور کے رہنے والے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اوائل حال میں آپ بہت پریشان تھے۔ آپ نہایت حسین و جمیل تھے چنانچہ جو عورت آپ کو دیکھتی تھی فریفتہ ہو جاتی تھی۔ جب آپ خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کی صحبت سے مشرف ہوئے تو تائب ہوئے اور بیعت کی۔ اس کے بعد آپ نے تمام کام چھوڑ کر ترک و تجرید اختیار کر لیا۔ جو کچھ آپ کے پاس تھا سب فقرا میں تقسیم کر دیا۔ خواجہ بزرگ کے حکم سے آپ نے ناگور میں سکونت اختیار کی۔ اور دس جریب زمین میں اپنے ہاتھ سے سبزی کاشت کر کے بسر اوقات کرتے تھے اور جو کچھ حاصل ہوتا اسی پر قناعت کرتے تھے۔

آپ کسی سے نذرانہ قبول نہیں کرتے تھے۔ آپ کی ایک بیوی تھی جن کا نام خدیجہ تھا۔ وہ زہد و تقویٰ میں رابعہ ثانی تھیں جو ایک ہفتے کے بعد سبزی سے روزہ افطار کرتی تھیں۔ اور اپنے ہاتھ سے سوت کات کر کپڑا بناتی تھیں اور پہنتی تھیں۔

ایک دفعہ بادشاہ وقت نے شیخ حمید الدینؒ کے پاس نذرانہ بھیجا۔ آپ امتحان کی خاطر اسے اپنی بیوی کے پاس لے گئے انہوں نے منہ پھیر لیا اور کہا کہ اسے دور لے جاؤ اور میرے فقر میں خلل انداز نہ ہو۔ شیخ اس سے بہت خوش ہوئے اور اسے بادشاہ کے پاس واپس بھیج دیا۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ خوش وقت تھے۔ آپ نے فرمایا جو شخص جو کچھ مانگنا چاہے مانگ لے قبولیت کا دروازہ کھلا ہے کسی نے دنیا طلب کی کسی نے عقبیٰ چاہی۔ آپ نے شیخ حمید الدینؒ کی طرف منہ کر

کے فرمایا تم کیا چاہتے ہو تاکہ دنیا اور عقبیٰ میں معزز اور مکرم رہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ دنیا کو چاہنے سے کیا کام۔ بندہ وہی چاہتا ہے جو مولیٰ چاہے۔ اس کے بعد آپ نے خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کو مخاطب کر کے وہی کلمات دہرائے۔ انہوں نے بھی کہا کہ بندہ کو کیا اختیار ہے کہ طلب کرے جو کچھ حکم ہو بندہ تعمیل کے لیے ہے۔ یہ دیکھ کر خواجہ بزرگ نے فرمایا التارکُ الدنیا والفارغ عن العقبیٰ سلطان التارکین حمید الدین صوفی اسی دن سے آپ کا لقب سلطان التارکین ہو گیا۔ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ شیخ حمید الدین سوالی اور شیخ الاسلام بہاؤ الدینؒ ذکریا قدس سرہٗ کے درمیان فقر و غنا پر کافی خط و کتابت ہوئی ہے۔ ایک دفعہ شیخ حمید الدینؒ نے لکھا کہ میں تحقیق سے جانتا ہوں کہ آپ حضرات واصلانِ حق میں سے ہیں۔ اور یہ بات بھی محقق ہے کہ دنیا کو حق تعالیٰ نے مردود کیا ہے پس یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ آں حضرت دنیا دار رہیں۔ شیخ بہاؤ الدینؒ نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں **قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ** یعنی اے پیغمبرؐ آپ کہہ دیں کہ دنیا کا متاع قلیل ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ساری دنیا کی کوئی وقعت نہیں اور پھر اس میں سے میرے پاس کس قدر ہو گی۔ اس طرح آپ نے اور مثالیں بھی دیں جن کا ذکر سیر العارفین میں مفصل موجود ہے۔ لیکن شیخ حمید الدین کی تسلی نہیں ہوتی تھی۔ اس پر آپ نے اس قدر غلو کیا کہ آخر عالم غیب سے ان پر ایک راز روشن کیا گیا جو کسی کے اوپر نہیں کھلتا۔ اگرچہ بعض کتابوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن سیر الاولیاء میں جو ہندوستان کی کتابوں میں سے سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے یہی لکھا ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ سیر الاولیاء اس لئے معتبر ہے کہ اس کے مصنف سید محمد کرمانی سلطان المشائخ رحمتہ اللہ علیہ کے راسخ عقیدہ مرید تھے اور اکثر واقعات انہوں نے سلطان المشائخ یا شیخ نصیر الدین محمودؒ سے نقل کئے ہیں وہ سلطان المشائخ سے یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ قصبۂ ناگور میں ایک ہندو رہتا تھا جس وقت شیخ حمید الدینؒ کی نظر مبارک اس پر پڑتی آپ فرماتے تھے کہ یہ اولیائے حق میں سے ہے مرتے وقت ایمان لائے گا۔ اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو گا۔ آخر اسی طرح ہوا۔ سیر الاولیاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان ایام میں شیخ الاسلام بہاؤ الدین ذکریا کے ایک لڑکے نے ناگور میں سنا کہ شیخ حمید الدین نماز جمعہ میں حاضر نہیں ہوتے۔ انہوں نے بہت شور مچایا اور چند ظاہر بین آدمیوں کو اپنے

ساتھ متفق کر کے شیخ حمید الدین کے پاس پہنچ گئے اور امر معروف کرنے لگے۔ جب اس جماعت نے کافی غلو سے کام لیا تو آپ نے فرمایا زیادہ شور مت مچاؤ ناگور شہر یہ حیثیت نہیں رکھتا جہاں نماز جمعہ فرض ہو لہٰذا کوئی حجت شرعی لاؤ۔ لیکن جب اس شیخ زادہ نے شیخ حمید الدین کو زیادہ تکلیف دی اور آپ کا وقت خراب کیا تو آپ نے زبان مبارک سے فرمایا جس طرح تم نے میرا وقت خراب کیا ہے ہم نے بھی تمہارے لئے حبس درویشانہ کا حکم صادر کیا ہے اتفاق ایسا ہوا کہ سفر کی حالت میں شیخ بہاؤالدینؒ کے لڑکے کو کسی مرتد نے گرفتار کر لیا اور کہا کہ تجھے شیخ بہاؤالدینؒ سے بہت دولت ورثہ میں ملی ہے میں تم کو اس وقت چھوڑونگا جب مجھے وہ دولت دو گے۔ انہوں نے اپنے بھائی مخدوم صدرالدینؒ سے اپنا حصہ جائداد خط کے ذریعے طلب کیا انہوں ان کا حصہ بھیج دیا لیکن اس مرتد نے کہا کہ کچھ شیخ صدرالدین کے حصے میں سے بھی منگوا دو۔ چنانچہ ناچار انہوں نے اپنے حصے میں سے بھی کچھ رقم ارسال کی اور ان کی رہائی ہوئی۔ یہ فتنہ مال جمع کرنے کی وجہ سے تھا۔ شیخ حمید الدین کے کمالات کا اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

رسالہ عشقیہ میں آپ لکھتے ہیں۔

"ہیہات ابہیات! عاشق بے چارہ ہر چند دور است، صبور است، و ہر چند کہ صبور است مستور است، بہ پیالۂ خونِ دل مخمور است یعنی ہر دم جامے در میکشد امانہ بہر جامے کامے حاصل است۔ ہیہات ابہیات! دل خواہانِ یار است، دیار بہ کسوف اغیار در دیدۂ دل دار جلوہ مے دہد این رو زار و بے قرار در دیدہ پالش خار خار خلیدہ مے باشد و تمام اضطراز سوزاں ہیچو مار چشمہائے بتبع واز باران خون بارمے بارد۔ و صد ہزار اضطرار جویاں یار بر سر دار قرار دادہ باشد کہ نگار از سرِ تار گاہ گاہے بر حال تباہے بے چارہ دل فگار نگاہے فرماید تا خارِ اغیار از دیدۂ خونبار بیروں آید ہیہات! ہیہات! از آنگاہ کہ عالم وہم را در شمارِ فہم مے آرد بواسطۂ فہم بسہم بر خاستہا پیدا شد نظر رحم بر دلہا انداخت بواسطۂ سہم بر خاست چو سہم بر خاست فہم

بروہم حملہ آور دوہم چوں اقتضا کو دیچ درمیان نیافت در فضائے لامکان صدائے ہو ہو برخاست دلا تا چند دریں تفرقات متفرق نفس و شیطان و خلق و دنیا کفر و اسلام خیر و شر بہشت و دوزخ ہمہ را در دائرہ محبت جمع کن و در آسیائے معرفت بسای دیدست عشق غلولہ بند و در دریائے وحدت بر تاب کن یعنی

ولایشرك بعبادة ربه احدا۔ (ترجمہ: رسالہ عشقیہ میں آپ فرماتے ہیں افسوس صد افسوس عاشق بے چارہ اگرچہ دوست کے ہجر میں تڑپ رہا ہے لیکن صابر ہے اور اگرچہ صبر سے کام لیتا ہے لیکن مستور ہے یعنی دوست سے حجاب میں ہے اور خونِ دل کے جام سے مست ہے یعنی ہر وقت عشق کے جام پیتا اور جام پی کر بھی مراد حاصل نہیں ہوتی۔ افسوس صد افسوس دل دوست کا طلب گار ہے اور یار اغیار کے لباس میں چھپا ہوا ہے۔ دل دار آنکھوں میں جلوہ دکھاتا ہے اور یہ عاشق زار بے قرار ہوتا ہے اس کی آنکھوں میں کانٹے چبھ رہے ہیں اور اضطرار کی وجہ سے یار یعنی سانپ کی طرح پیچ و تاب کھاتا ہے۔ اس کی آنکھیں خون برسا رہی ہیں۔ دوست کے صد ہزار عاشق بے قرار بر سرِ دار قرار پاتے ہیں محبوب کبھی کبھی ناز و انداز سے عاشق بے چارہ کی خستہ حالی پر نظر شفقت فرما کر خار کو اس کے دیدۂ خوں بار سے نکال لیتا ہے افسوس صد افسوس دنیا نے وہم کو فہم یعنی عقلمندی سمجھ رکھا ہے بُن کو جیسے گھروں میں یا خانہ ہائے دل میں خطرات پیدا ہو گئے ہیں لیکن محبوب کی نظر کرم سے خطرات رفع ہو جاتے ہیں اور فہم وہم پر حملہ کرتا ہے۔ جب وہم بھاگ جاتا ہے تو کچھ باقی نہیں رہتا اور فضا میں ہُو ہُو کی صدا گونجنے لگتی ہے۔ اے دل تو کب تک تفرقہ میں پھنسا رہے گا نفس و شیطان، خلق و دنیا، کفر و اسلام خیر و شر، بہشت و دوزخ سب کو دائرۂ محبت میں جمع کر دے اور معرفت کی چکی میں پیس ڈال عشق کے ہاتھ سے غلولہ بنا اور دریائے وحدت میں پھینک یعنی اپنے رب

کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کر۔ والسلام ‘‘

اس فن میں شیخ حمید الدین کے بہت بلند حکمات میں جن کی یہاں گنجائش نہیں۔ آپ کی وفات روز شنبہ بتاریخ گیارہ ماہ رمضان ۶۴۱ھ اور صحیح ترین روایت کے مطابق انتیس ماہ ربیع الآخر ۶۷۳ھ کو سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہوئی۔ آپ کی مرقد پاک ناگور میں خلقت کی قبلۂ حاجات ہے۔ چونکہ آپ کے فرزند شیخ عبدالعزیز کا آپ کی زندگی میں وصال ہو گیا تھا خرقۂ خلافت آپ نے اپنے پوتے شیخ فرید الدین کو عطا کیا یہ شیخ فرید الدین شیخ ضیاء الدین نخشبی کے پیر ہیں (شیخ ضیاء الدین نخشبی نخشب آباد کے بہت بڑے بزرگ ہیں جو مشہور و معروف کتاب ’’سلک سلوک‘‘ کے مصنف ہیں۔ اس کتاب میں آپ نے اصطلاحات، منازل و مقامات سلوک کی تشریح کی ہے بہت مفید اور مستند کتاب مانی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ ایک بلند پایہ شاعر بھی ہیں۔ آپ کی رباعیات بہت مشہور ہیں اس کتاب میں آپ ہر مضمون کے مطابق آخر میں ایک رباعی لکھ دیتے ہیں۔ مثلاً ؎

۱

غیبت و حضور

نخشبی غائبانِ حاضر و ۔۔۔ کے چنیں بحث ہر کسے باشد
ہر کہ از حسن خود بروں آید ۔۔۔ غائب و حاضر آں کسے باشد

۲

فنا و بقا

نخشبی در فنا بقاست ہمہ ۔۔۔ نیست با ہست ہم وثاقی شد
ہر کہ کلی ز خویش فانی گشت ۔۔۔ او تمامی بدوست باقی شد

۳

لغزش طریقت

نخشبی دوستی عجب کاریست ۔۔۔ سر تسلیم ہم جدل گردد۔
سر مو فرو گذاشت کنی۔ ۔۔۔ ہمہ در دشمنی بدل گردد

سلک نمبر ۱۳ میں آپ لکھتے ہیں کہ راہِ طریقت میں لغزش کی سات قسمیں ہیں

(۱) اعراض۔ (۲) حجاب۔ (۳) تفاصل۔ (۴) سلب مزید۔ (۵) سلب قدیم۔ (۶) تسلی۔ (۷) عداوت۔ اوپر لکھی ہوئی رباعی میں دشمنی سے لغزش کی آخری منزل مراد ہے۔ حضرت شیخ

حمید الدین سوالیؒ اور آپ کے پوتے کے کمالات کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے۔ کہ کس قدر بلند پایہ شیخ طریقت آپ کے مرید ہیں۔)

سلطان غیاث الدین، سلطان شمس الدین التمش کا غلام تھا جس کا اصلی نام بلبن تھا سلطان شمس الدین نے اسے الغ خان کا خطاب دیا تھا اور بیس سال تک سلطان ناصر الدین ابن سلطان شمس الدین کے عہد حکومت میں وکیل مطلق تھا۔ سلطان ناصر الدین کی وفات کے بعد دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ بہت عادل اور کریم طبع بادشاہ تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

طبقہ ۱۸
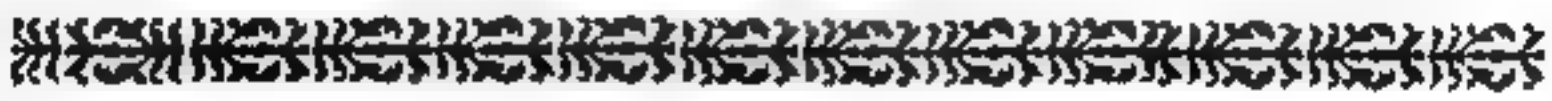
احوال خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ و شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ

سلطانِ اربابِ مشاہدہ پیشوائے اصحابِ مجاہدہ مستغرق وحدذات حضرت علیم، شہید تیغِ رضا و تسلیم، گذشتہ از ہستی باختیار، محبوبِ حق، خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہٗ ابن کمال الدین احمد بن موسیٰ اوشی قصبہ اوش کے رہنے والے ہیں جو ماوراء النہر میں ہے بعض کہتے ہیں کہ اوش دیار فرغانہ میں ہے۔ آپ کے القاب کاکی اور بختیار ہیں۔ آپ حضرت خواجہ غریب خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کے اعظم خلیفہ ہیں آپ قطب عالم اور پیشوائے بنی آدم تھے اور مقام ترک و تجرید میں راسخ القدم تھے۔

ریاضات و مجاہدات میں آپ بے نظیر اور حقائق و معارف بیان کرنے میں بے ہمتا تھے استغراق فنائے احدیت میں آپ تمام مشائخ میں ممتاز تھے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ خواجہ قطب الاسلام قصبۂ اوش میں پیدا ہوئے۔ جب آپ کی عمر ڈیڑھ سال ہوئی تو آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے جو نہایت پاک دامن اور صالحہ تھیں۔ آپ کی پرورش فرمائی۔ جب آپ کی عمر پانچ سال کے قریب ہوئی تو ایک ہمسایہ آپ کو استاد کے پاس لے گیا۔ راستے میں ایک بزرگ نورانی صورت آپ کے ساتھ ہو لئے اور کمال شفقت سے آپ کا ہاتھ پکڑ کر شیخ ابا حفص کے پاس لے گئے جو تمام کمالات سے آراستہ تھے۔ ان سے کہا کہ اس بچے کو اچھی طرح تعلیم دیجئے کیونکہ یہ ایک دن اولیائے کبار میں سے ہوگا اور مشائخ نامدار کے زمرہ میں شامل ہوگا۔ شیخ ابو حفص نے دل و جان سے قبول کیا۔ جب وہ بزرگ چلے

گئے تو استاد نے آپ سے پوچھا کیا تم جانتے ہو وہ بزرگ کون تھے۔ آپ نے جواب دیا نہیں۔ فرمایا یہ خضر علیہ السلام تھے جنہوں نے تمہاری تعلیم کا کام میرے ذمہ لگایا ہے۔

شیخ نصیر الدین محمود اودھی قدس سرہ بھی خیر المجالس میں فرماتے ہیں کہ مولانا ابو حفص کی صحبت کی برکت سے خواجہ قطب الدینؒ کو تہذیب الاخلاق ظاہری و باطنی اور آداب شریعت و طریقت کی تعلیم حاصل ہوئی۔ اور آپ کا ظاہر و باطن اسقدر آراستہ ہوا کہ ایک ساعت بھی آپ ریاضت و مجاہدہ کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ آپ ہر روز ڈھائی سو رکعت نماز کمال خشوع و خضوع سے ادا کرتے تھے اور حق تعالٰی کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔ اس کے بعد شہر بغداد میں مسجد امام ابو لیث سمرقندیؒ کے اندر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اوحد الدین کرمانیؒ شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمود اصفہانیؒ کے سامنے خواجہ بزرگ معین الحق والدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے مرید ہوئے۔

اور خواجہ بزرگؒ کے کمال شفقت سے آپ نے تھوڑے عرصے میں سلوک تمام کر لیا اور خرقہ خلافت حاصل کر کے مسند ارشاد پر فائض ہوئے جیسا کہ اس سلسلے کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے کہ خواجہ قطب الاسلام اٹھارہ سال کی عمر میں مرید ہوئے اور بیس سال کی عمر میں آپ کی تکمیل ہو گئی۔ سیر الاولیا میں سلطان المشائخؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ خواجہ قطب الاسلام ہر رات سونے سے قبل تین ہزار بار درود شریف پڑھتے تھے۔ جب اوش میں آپ کی شادی ہوئی تو تین رات کے لئے آپ سے درود قضا ہو گیا۔ آپ کے ایک مرید احمد رئیس نامی نے رات کو خواب میں حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ بختیار کاکی کو میرا سلام کہنا اور ان سے یہ کہنا ہر رات جو تحفہ تم بھیجتے تھے مجھے مل جاتا تھا لیکن تین رات سے نہیں ملا۔ نیند سے بیدار ہو کر انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا پیغام حضرت خواجہ کو پہنچایا۔ آپ نے اپنی بیوی کو بلا کر حق المہر ادا کیا اور اسے چھوڑ کر ہندوستان چلے آئے۔ جب آپ ملتان پہنچے تو شیخ بہاؤ الدین ذکریا قدس سرہ سے آپ کو بہت محبت ہو گئی۔

شیخ جلال الدین تبریزی بھی ان دنوں ملتان میں تھے تینوں بزرگوں کے درمیان محبت خوب گرم رہی۔ سیر الاولیا میں سلطان المشائخؒ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ تینوں حضرات

بیٹھے تھے کہ کفار کا لشکر قلعہ ملتان کے نیچے پہنچ گیا۔ والئی ملتان قباچہ بیگ نے حاضر خدمت ہو کر امداد کی درخواست کی۔ خواجہ قطب الاسلام نے ایک تیر قباچہ بیگ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ اسے کفار کی طرف پھینکو۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ جب صبح ہوئی تو ایک کافر بھی قلعہ کے نزدیک نہ تھا۔ حضرت خواجہ گنج شکر قدس سرہٗ پہلی مرتبہ ملتان ہی میں خواجہ قطب الاسلام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔ چند ایام کے بعد خواجہ قطب الاسلام دہلی روانہ ہوئے۔ جب آپ دہلی پہنچے تو سلطان شمس الدین حقدم اپنے لئے سعادت دارین سمجھ کر کمال اخلاص سے آپ کی خدمت میں رہنے لگے۔ ہفتے میں ایک دفعہ آپ کی زیارت کو آتے تھے۔

حضرت شیخ جمال الدین محمد بسطامی جو ان دنوں دہلی میں مقیم تھے اور جن کے کمالات حضرت سلطان المشائخ نے کتاب فوائد الفواد میں درج کئے ہیں ان کو بھی خواجہ قطب الاسلام سے کمال اخلاص و اعتقاد پیدا ہو گیا۔ اور حضرت شیخ محمد عطار المعروف قاضی حمید الدین ناگوری کو بغداد ہی میں قطب الاسلام سے بہت محبت ہو گئی تھی۔ ہندوستان میں ان کی باہمی محبت اور بھی زیادہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ قاضی حمید الدین ناگوری کمال صدق و صفا کی وجہ سے اکثر اوقات حضرت خواجہ علیہ رحمہ کی محبت میں رہتے تھے۔ بعض اوقات دونوں حضرات باہم سفر پر بھی جایا کرتے تھے۔ چنانچہ سیر الاولیاء میں خواجہ قطب الاسلام سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری سفر میں تھے جب ہم دریا کے کنارے پہنچے تو ہم پر بھوک غالب آگئی۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ عالم غیب سے ایک بکری دو روٹیاں منہ میں لئے ظاہر ہوئی اور روٹیوں کو ہمارے سامنے رکھ کر چلی گئی۔ ہم نے روٹی کھائی۔ اس کے بعد اچانک ایک بہت بڑا بچھو دریا کے کنارے پر نظر آیا۔ اس نے اپنے آپ کو پانی میں پھینکا اور تیرنے لگا۔ ہمارے دل میں خیال آیا کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہے پس ہم اس کے پیچھے ہو لئے۔ جب بچھو دریا کے دوسری طرف چلا گیا تو ہم نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ ہمیں بھی پار کر دے۔ چنانچہ دریا شق ہو گیا اور درمیان میں خشک زمین نظر آنے لگی۔ جب ہم نے دریا پار کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ درخت کے نیچے ایک آدمی سویا ہوا

ہے اور ایک سانپ قریب بیٹھا اسے ڈسنے کے لیے تیار تھا تاکہ اسے ہلاک کر دے اس بچھو نے ایک جست لگائی اور سانپ کو مار کر غیب ہو گیا۔ ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ کون بزرگ ہیں جس کی خاطر یہ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن قریب جا کر دیکھا تو وہ ایک شرابی نکلا جو نشے میں مست پڑا تھا اور پاس اس کی قے پڑی تھی۔ ہمیں دیکھ کر شرم آئی کہ دیکھو یہ اس قدر بے فرمان ہے اور حق تعالےٰ کس قدر نگہبان ہے۔ ہاتف سے آواز آئی کہ اے عزیزان! اگر ہم صرف صالحین اور پارسا لوگوں کی نگہبانی کریں تو ان گنہگاروں اور بدکاروں کی حفاظت کون کرے گا۔ اس اثنا میں وہ آدمی بیدار ہو گیا۔ ہم نے سارا ماجرا اُسے سنایا۔ وہ سن کر شرمندہ ہوا اور شراب نوشی سے توبہ کر کے بعد میں واصل باللہ ہوا۔

اس کے بعد خواجہ قطب الاسلام نے فرمایا کہ اے درویش جب وقت آتا ہے اور لطف و کرم کی ہوا چلنے لگتی ہے تو صد ہزاران شرابیوں کو صاحب سجادہ بنا دیتے ہیں اور اگر نسیم قہر چل پڑے تو صد ہزاران سجادہ نشینوں کو اڑا کر شراب خانہ میں پھینک دیتی ہے۔ سیر العارفین میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب خواجہ قطب الاسلام دہلی میں مقیم ہوئے تو تمام اکابر واشراف اور ساری خلقت یکبارگی آپ کی صورت و سیرت پر عاشق اور فریفتہ ہو گئی۔ ان ہی ایام میں شیخ بدرالدین غزنوی کو آپ نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور انہوں نے ساری عمر آپ کی خدمت میں گذار دی۔ اس کا ذکر تفصیلاً اپنے مقام پر آچکا ہے۔ ایک دفعہ خواجہ قطب الاسلام نے سلطان الآفاق خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ اشتیاق دیدار اس قدر ہے کہ رہا نہیں جاتا اگر اجازت ہو تو بندہ شرف قدمبوسی حاصل کرے۔ خواجہ بزرگ نے جواب لکھا کہ "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ معتبر است۔ قرب جانی را بُعد مکانی مانع نیست"

(آدمی اسی کے ساتھ رہتا ہے جس کے ساتھ اسے محبت ہو (الحدیث) قرب روحانی کے لئے بُعد (دوری) جسمانی مانع نہیں ہے یعنی اگرچہ جسمانی طور پر آپ مجھ سے دور ہیں روحانی طور پر مجھ سے بالکل قریب ہیں) خواجہ بزرگ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ آپ وہاں

سلامت رہیں۔ انشاء اللہ کچھ عرصے کے بعد بارادتِ حضرت اللہ آپ کی طرف آنا ہو گا۔

پس ناچار خواجہ قطب الاسلام اپنے شیخ کے حکم کے مطابق دہلی ہی میں رہے۔ ان دنوں شیخ الاسلام جمال الدین بسطامی بھی رحلت کر گئے۔ سلطان شمس الدین نے چاہا کہ شیخ الاسلامی خواجہ قطب الاسلام کے سپرد کریں لیکن آپ نے اس کی طرف ذرہ بھر التفات نہ فرمایا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے شیخ نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام بنا دیا۔ اس منصب سے پہلے شیخ نجم الدین صغریٰ نیک روش اور پسندیدہ اخلاق رکھتے تھے لیکن دنیائے دُوں نے اپنا اثر دکھایا اور کم حوصلگی کی وجہ سے وہ اپنے حال پر قائم نہ رہ سکے۔ سلطان شمس الدین اور تمام اراکین سلطنت کو خواجہ قطب الاسلام سے حد درجہ کا اعتقاد و محبت تھی۔ اتفاقاً ان ہی ایام میں خواجہ بزرگ اجمیر شریف سے دہلی تشریف لائے اور خواجہ قطب الاسلام بے حد خوش ہوئے اور درگاہِ ربُّ العزت میں شکرانہ بجا لائے۔ آپ نے چاہا کہ سلطان شمس الدین کو اطلاع دیں لیکن خواجہ بزرگؒ نے منع فرما دیا کہ ہم محض تمہیں ملنے آئے ہیں اور دو تین دن سے زیادہ قیام نہیں کریں گے شہر دہلی کی ساری خلقت خواجہ بزرگ قدس سرہ کی زیارت کے لیے ٹوٹ پڑی لیکن شیخ نجم الدین صغریٰ نہ آئے۔ باوجودیکہ اس سے قبل ملکِ خراسان میں حضرت خواجہ کے ساتھ بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ چونکہ کمالِ اخلاق و عجز اس خاندان کا شیوہ ہے خواجہ بزرگؒ خود شیخ نجم الدین کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہ ایک عمارت کی تعمیر میں مصروف تھے اور خواجہ بزرگ کی طرف بالکل التفات نہ کیا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا اے نجم الدین تجھے کیا ہو گیا ہے شاید شیخ الاسلامی نے تجھے تبدیل کر دیا ہے انہوں نے شرمساری سے سرنگوں ہو کر کہا کہ میں تو وہی مخلص اور معتقد ہوں لیکن آپ نے اس شہر میں ایک ایسا مرید چھوڑ دیا ہے کہ جس کی وجہ سے میری شیخ الاسلامی کو کوئی نہیں پوچھتا۔ خواجہ غریب نوازؒ نے یہ کلمات سن کر تبسم فرمایا اور فرمایا کہ فکر نہ کرو اس مرتبہ میں بابا قطب الدین کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اس کے بعد آپ خواجہ قطب الاسلام کے مکان پر تشریف لائے چند روز کے بعد شیخ نجم الدین عہدۂ شیخ الاسلامی سے برطرف ہو کر قتل ہو گئے۔ چنانچہ اس کی تفصیل شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے حالات میں لکھی جائے گی۔

ان ایام میں حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر قدس سرہ بھی حضرت خواجہ قطب الاسلام کی خدمت میں رہتے تھے۔ آپ خواجۂ بزرگ علیہ رحمہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ خواجۂ بزرگ نے کمال مہربانی سے آپ کے متعلق فرمایا کہ بابا قطب الدین تم نے ایسا عظیم شاہ باز قید کر رکھا ہے جو سدرۃ المنتہیٰ کے سوا کسی جگہ آشیانہ نہیں بناتا۔ یہ فرید وہ شمع ہے کہ درویشوں کے خاندان کو منور کرے گا۔

جس طرح خواجہ قطب الاسلام سے بڑھ کر خواجۂ بزرگ کا کوئی مرید نہ تھا اسی طرح خواجۂ گنج شکر سے بڑھ کر خواجہ قطب الاسلام کا کوئی مرید و خلیفہ نہ تھا۔ الغرض چند ایام کے بعد خواجۂ بزرگ اجمیر تشریف لے گئے اور خواجہ قطب الاسلام کو بھی ساتھ لے جانے کا قصد کیا۔ جب خواجہ قطب الاسلام خواجہ بزرگ کے ہمراہ شہر دہلی سے باہر نکلے شہر کے ہر محلہ سے شور و غوغا بلند ہوا اور سارا شہر ماتم کدہ بن گیا۔ ساری خلقت اور ہر خاص و عام مع سلطان شمس الدین پیچھے پیچھے جا رہے تھے اور جس جگہ خواجہ قطب الاسلام قدم رکھتے تھے لوگ کمال صدق سے وہاں کی مٹی تبرک کے لیے اٹھا لیتے تھے اور منہ پر ملتے تھے جب خواجہ بزرگ نے یہ حال دیکھا تو فرمایا بابا قطب الدین اسی جگہ رہ جاؤ کیونکہ تمہارے چلے جانے سے ساری خلقت مضطرب اور پریشان حال ہے۔ میں اتنے دلوں کو خراب و کباب نہیں کرنا چاہتا جاؤ اس شہر کو ہم نے تمہاری پناہ میں دے دیا۔ پس خواجہ قطب الاسلام کو رخصت فرما کر آپ خود اجمیر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد خواجہ بزرگ ایک مرتبہ اور دہلی تشریف لے گئے یعنی بادشاہ سے اپنے فرزندان کے لئے موضع معاندن کا فرمان درست کرانے کی غرض سے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کا مدت سے ارادہ تھا کہ شہر کے قریب ایک حوض تیار کرایا جائے تاکہ خلق خدا کو آرام پہنچے۔

ایک رات اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ایک مقام پر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے شمس الدین اگر تو چاہتا ہے کہ حوض بنائے اور خلقت فیض یاب ہو تو اس جگہ بنا جہاں ہم کھڑے ہیں جب بادشاہ

بیدار ہوا تو وہ جگہ جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے معلوم نہ کر سکا۔ حیران ہوا کہ کیا کیا جائے آخر اپنے ایک خاص آدمی کو خواجہ قطب الاسلام کی خدمت میں بھیجا کہ میں نے رات خواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اگر اجازت ہو تو حاضر خدمت ہو کر عرض کروں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا ہاں میں جانتا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ کو حوض بنانے کا اشارہ فرمایا ہے۔ ہم اسی جگہ جا رہے ہیں جہاں حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف فرما تھے بادشاہ سے کہو کہ جلدی وہاں پہنچ جائے۔ خواجہ قطب الاسلام وہاں پہنچ کر دوگانہ نماز میں مشغول ہو گئے۔ سلطان بھی وہاں پہنچ گیا۔ اور جو جگہ بھول چکا تھا اسے یاد آ گئی وہاں جا کر دیکھا تو حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کے سم کا نشان موجود تھا۔ پس اسی مقام پر حوض تیار کرایا گیا اور جس جگہ گھوڑے کے سم کا نشان تھا وہاں ایک چھوٹا سا گنبد بنا دیا گیا۔ سبحان اللہ! عجیب پر فیض مقام ہے کہ بے شمار اولیاء اللہ اس کے گرد آرام فرما رہے ہیں۔ خواجہ قطب الاسلام اور قاضی حمید الدین ناگوری اکثر اوقات وہاں جا کر مشغول ہوا کرتے تھے اور خضر علیہ السلام اور دیگر مردانِ غیب کی صحبت میں بیٹھتے تھے۔ ایک بزرگ نے خوب لکھا ہے کہ ؎

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود | ساہا سجدۂ صاحب نظران خواہد بود

(جس زمین پر اے محبوب! تیرے قدموں کا نشان آیا سالہا سال صاحبِ معرفت لوگ وہاں سجدے کرتے رہیں گے)

سیر العارفین میں لکھا ہے آخر عمر میں خواجہ قطب الاسلام دہلی میں متاہل ہوئے اور دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک شیخ احمد ہیں جن کی قبر حضرت خواجہ کے پہلو میں ہے۔ آپ بہت صاحب کمالات و کرامات تھے۔ آپ کو خواجہ احمد نما بھی کہتے ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ آپ سلطان المشائخ کے زمانے تک زندہ رہے دوسرے بیٹے کا نام شیخ محمد تھا جو ایام طفلی میں رحلت کر گئے تھے۔

عیال و اطفال کے باوجود حضرت خواجہ فتوح کم قبول فرماتے تھے اور ہمیشہ

تنگی سے بسر کرتے تھے۔ سلطان المشائخ سے نقل ہے کہ خواجہ بزرگ نے آپ کو اجازت دے رکھی تھی کہ اگر ضرورت ہو تو پانچ سو درم قرض لے کر خرچ کر لیا کریں۔ جب دو تین دن متواتر فاقہ ہوتا تو حرم پاک شرف الدین بقال سے جو آپ کا ہمسایہ تھا بقدر ضرورت قرض لے کر خرچ کرتے۔ ایک دن بقال کی عورت نے کہا اگر ہم ہمسایہ نہ ہوتے تو معلوم نہیں ان لوگوں کا کیا حال ہوتا۔ حرم شریف نے یہ بات حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کر دی۔ آپ نے فرمایا آج سے قرض ہرگز نہ لینا۔ آپ کے حجرے کے اندر ایک طاق تھا آپ نے فرمایا آئندہ جس چیز کی ضرورت ہو بسم اللہ پڑھ کر اس طاق میں ہاتھ ڈال کر لے لیا کرو۔ حرم خواجہ جس وقت طاق میں ہاتھ ڈالتیں گرم کاک (روٹی) نکال لیتیں۔ اس سے انکے گھر کے لوگوں بسر اوقات ہو جاتی تھی۔ اسی وقت سے حضرت خواجہ کا خطاب کاکی ہو گیا۔ خواجہ بزرگ اکثر آپ کو قطب الدین بختیار کہا کرتے تھے اس وجہ سے آپ کا لقب بختیار ہو گیا۔ سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ خواجہ قطب الاسلام اکثر استغراق میں رہتے تھے۔ اگر کوئی شخص آپ سے ملنے آتا تو دیر کے بعد آپ کو معلوم ہوتا کہ کون ہے اور اس کی دل جوئی کی خاطر ایک دو باتیں کر کے رخصت کر دیتے اور فرماتے تھے کہ مجھے معذور رکھو۔ آپ فنائے احدیت میں اس قدر مستغرق تھے کہ جب آپ کا لڑکا فوت ہوا تو آپ کو خبر تک نہ ہوئی۔ سیر الاولیاء میں سلطان المشائخ سے نقل ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن آپ نماز سے فارغ ہو کر اس جگہ پہنچے جہاں اس وقت آپ کا مزار مبارک ہے۔ اس زمانے میں وہ زمین غیر آباد تھی اور وہاں کوئی قبر اور گنبد نہ تھا۔ آپ وہاں کھڑے ہو گئے اور تامل کرنے لگے۔ جو عزیز ساتھ تھے انہوں نے عرض کیا کہ آج عید کا دن اور خلقت آپ کے انتظار میں ہو گی۔ بہتر یہ ہے کہ آپ گھر تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا "مرا ازیں زمین بوئے دلہا مے آید" (مجھے اس زمین سے بوئے دلہا یعنی دلوں کی خوشبو آتی ہے) آپ نے مالکِ زمین کو طلب فرمایا اور اپنی قبر کے لیے وہ زمین خرید لی۔ سلطان المشائخ یہ بیان فرما کر آب دیدہ ہو گئے کہ حضرت خواجہ نے فرمایا تھا کہ "مرا ازیں زمین بوئے دلہا می آید" سبحان اللہ کون کون سے بزرگ اِس زمین کے اندر آسودہ ہیں۔ اور اِس وقت خلقت

کو فیض پہنچا رہے ہیں۔ کتاب دلیل العارفین سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر وقت میں آپ ایک دفعہ خواجہ بزرگ سے ملنے اجمیر شریف گئے اور وہاں سے رخصت ہو کر دہلی آئے اور بیس روز کے بعد خواجہ بزرگ کا وصال ہو گیا۔ خواجہ قطب الاسلام بھی تھوڑے عرصے کے بعد رحلت فرما گئے۔ حضرت گنج شکر قدس سرہ فوائد السالکین میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ خواجہ قطب الاسلام کی پابوسی کا شرف حاصل ہوا۔ قاضی حمید الدین ناگوری، مولانا علاء الدین کرمانی، سید نور الدین مبارک، شیخ شرف الدین، شیخ محمود موتیہ دوز، مولینا فقیہ خداداد کہ جن کی نظر کے سامنے عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کوئی حجاب نہ تھا، مجلس میں حاضر تھے۔ حج کے متعلق بات ہونے لگی خواجہ قطب الاسلام نے فرمایا کہ حق تعالےٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اپنے خراب آباد میں ہوتے ہیں اور خانہ کعبہ کو حکم ہوتا ہے کہ وہاں جا کر ان کا طواف کرے۔ جب عزیزوں نے یہ بات سنی تو کھڑے ہوئے اور عالم تحیر میں مستغرق ہو گئے چنانچہ انہیں اپنی خبر بھی نہ رہی۔ یہ دعاگو بھی عالم شوق میں مستغرق ہو گیا۔ حضرت خواجہ اور ہم سب نے ہاتھ اوپر اٹھائے جیسا کہ خانہ کعبہ کے طواف کے وقت اٹھا کر تکبیر پڑھتے ہیں اس وقت ہم سب ہوش میں آ گئے اور کیا دیکھتے ہیں کہ کعبہ ہمارے سامنے ہے۔ پس ہم نے تمام شرائط کے ساتھ طواف کیا ہاتف نے آواز دی کہ اے عزیزان ہم نے تمہارا حج اور نماز قبول کیا۔ اس کے بعد ہم اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ اب میں نے اپنا منہ زمین پر رکھ کر ہانسی جانے کے لئے اجازت طلب کی۔ یہ دیکھ کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ بابا فرید جانا چاہتے ہو، میں نے دوبارہ منہ زمین پر رکھ کر عرض کیا کہ جس طرح فرمان ہو۔ آپ نے فرمایا جاؤ۔ تقدیر میں یہی لکھا ہے۔ خواجہ بزرگ کے وصال کے وقت میں حاضر نہ تھا۔ تم بھی میرے آخری سفر کے وقت حاضر نہ ہو گے۔ اس وقت آپ نے تمام دوستوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کی (خواجہ گنج شکر کی) مزید نعمت کے لیے فاتحہ اخلاص پڑھو۔ سب نے تعمیل کی۔ اس کے بعد مصلےٰ اور عصا اس دعاگو کو عطا فرمایا اور کہا کہ دوگانہ ادا کرو۔ میں نے تعمیل کی۔ آپ نے فرمایا میں تیری امانت یعنی سجادہ، دستار، خرقہ اور نعلین قاضی حمید الدین ناگوری کے سپرد کروں گا کہ میرے انتقال کے چوتھے یا

پانچویں دن تمہیں دے دیں گے تم ان کا احترام کرنا (حق ادا کرنا) "مقامِ ما مقامِ تست" (ہمارا مقام تمہارا مقام ہے) - جب حضرت خواجہ نے یہ فرمایا تو مجلس سے آہ و نعرہ بلند ہوا - آپ نے فرمایا مرید کو چاہیے پیروں کی نسبت پر چلے اور ذرہ بھر تجاوز نہ کرے تاکہ کل (قیامت کے دن) ان سے شرمندہ نہ ہو - اس کے بعد اس دعاگو کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے مرید تو میرا اس دنیا میں اور آخرت میں دوست دار ہے لیکن غافل نہ رہنا کیونکہ اہلِ سلوک فرماتے ہیں کہ راہِ طریقت بہت پرخوف راستہ ہے۔

اور مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ اس کوچے میں قدم رکھنے والے جب تک دستِ بلا سے دروازہ نہیں کوٹتے نہیں کھلتا اور جب تک زبانِ ندامت اور غم سے طلب نہیں کرتے مقصود حاصل نہیں کرتے اور جب تک دل کے قدم سے نہیں چلتے منزل گاہِ عزت تک نہیں پہنچتے - اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں نے تیس سال تک ہر قسم کی زبان استعمال کی لیکن کچھ نہ ملا - ہر قسم کے ہاتھوں سے دروازہ کھٹکھٹایا لیکن نہ کھلا اور ہر قسم کے قدموں سے چلا لیکن منزل گاہِ عزت تک رسائی نہ ہوئی - جب بلا کے ہاتھ سے دروازہ کھٹکھٹایا اور زبانِ اندوہ سے التجا کی تو منزل مقصود تک پہنچ گیا۔

جب خواجہ نے فوائد ختم کئے تو سب عزیزوں نے منہ زمین پر رکھا اور رخصت ہو گئے۔ جب میری باری آئی تو آپ نے میرا سر کنار (گود) میں لے کر فرمایا "ہٰذا فراق بینی و بینک" (یہ وقت ہے جدائی کا میرے اور تمہارے درمیان) فرمایا جاؤ تجھے خدا کے سپرد کیا اور منزل پر پہنچا دیا۔ پس دعاگو نے اپنا منہ زمین پر رکھا اور اجازت حاصل کر کے ہانسی چلا گیا۔

سیر العارفین میں سلطان المشائخ سے نقل ہے کہ ایک دفعہ شیخ علی سنجری کی خانقاہ میں مجلس سماع گرم تھی۔ درویشانِ اہلِ حال اور اہلِ کمال موجود تھے خواجہ قطب الاسلام بھی تشریف رکھتے تھے۔ قوال شیخ احمد جام کا یہ شعر گا رہے تھے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اس پر خواجہ قطب الاسلام کو حال آگیا اور بے ہوش ہو گئے۔ شیخ محمد عطا عرف قاضی

حمید الدین ناگوریؒ اور شیخ بدر الدین غزنویؒ آپ کو گھر لے آئے۔ قوال بھی ساتھ چلے آئے
تین دن رات تک آپ اسی حال میں مستغرق رہے۔ قوالوں کو اسی بیت کا حکم فرماتے رہے
اور وجد کرتے رہے اس سے آپ کی ہڈی ہڈی الگ ہو گئی۔ تیسرے دن استغراق کا غلبہ
زیادہ ہو گیا۔ قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بدر الدین غزنوی نے کہا کہ آپ کے خلفاء میں سے
کس کے لئے حکم ہے کہ آپ کی مسند پر بیٹھے۔ آپ نے فرمایا دستار، خرقہ، مصلا اور نعلین
چوبیں (لکڑی کے جوتے) جو خواجہ بزرگ سے مجھے ملے ہیں شیخ فرید الدین مسعود کو پہنچا دینا
کیونکہ میرے جانشین وہی ہیں یہ کہہ کر آپ نے جان مشاہدہ حق میں تسلیم کر دی۔ شیخ بدر الدین
غزنویؒ کہتے ہیں کہ خواجہ کی وفات کی رات مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی اور میں نے دیکھا کہ
خواجہ اوپر کی طرف جا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے بدر الدین دوستان حق کے لیے
موت نہیں ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ کا وصال ہو گیا ہے آپ کی وفات
بروز دوشنبہ چودہ ماہ ربیع الاول ۶۳۳ھ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہوئی۔ اس وقت
آپ کی عمر پچاس ۵۰ سال تھی ایک روایت کے مطابق آپ کی عمر باون سال تھی ایک اور
روایت کے مطابق چونسٹھ سال تھی۔ ایک اور روایت میں آپ کی عمر چھپن سال بتائی
جاتی ہے۔ آپ دہلی میں حوض شمسی کے قریب دفن ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

سلطان شمس الدین خواجہ قطب الاسلام کی نوازش کے پروردہ
تھے۔ آپ عادل اور رحم دل تھے اور آپ کا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ خواجہ
کے وصال کے بعد ان کو بھی زندگی گراں ہو گئی اور آٹھ ماہ شعبان سن مذکور کو عالم بقا کی
طرف رحلت کر گئے۔ ان کی تاریخ وفات اس شعر سے نکلتی ہے ؎

بسال شش صد و سی و سہ از ہجرت — نماند شاہ شمس الدین بہ عالم کبر

سلطان شمس الدین کی وفات کے بعد ان کا لڑکا سلطان فیروز شاہ تخت نشین
ہوا سات ماہ حکومت کرنے کے بعد اپنی بہن رضیہ کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قید میں فوت
ہوا اس کے بعد رضیہ سلطانہ مردانہ لباس پہن کر تخت نشین ہوئی لیکن تین سال حکومت
کرنے کے بعد قتل ہو گئی۔ اس کے بعد اس کا بھائی بہرام شاہ دہلی کے تخت پر

بیٹھا اور دو سال ایک ماہ اور پندرہ دن حکومت کرنے کے بعد اپنے وزیر نظام الملک کے ہاتھوں قتل ہوا اس کے بعد سلطان علاء الدین مسعود بن فیروز شاہ اپنے چچا کی بجائے تخت نشین ہوا وہ پانچ سال حکومت کرنے کے بعد ناصر الدین محمود کے اشارے سے گرفتار کیا گیا اور قید میں مرگیا۔ سلطان ناصر الدین محمود جو سلطان شمس کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور حاکم بہرائچ تھا علاء الدین کی گرفتاری کے بعد تخت نشین ہوا اسے پورا اقتدار حاصل ہوا۔ تاریخ طبقاتِ ناصری اسی کے حکم سے تصنیف ہوئی۔ بڑا حلیم طبع اور عبادت گذار بادشاہ تھا اور قرآن مجید لکھ کر بسرِ اوقات کرتا تھا۔ اسے حضرت گنج شکر سے کامل اعتقاد تھا۔ بارہ سال اور تین ماہ حکومت کرنے کے بعد گیارہ ماہ جمادی الاول ۶۶۴ھ کو وفات پائی۔ اسے سلطان ناصر الدین غازی کہتے ہیں۔ خاندان شمس اس پر ختم ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرۃ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ

آں مقتدائے عالم آں پیشوائے بنی آدم، آں محتشم روزگار، آں گنجینۂ معارف و اسرار آں عارفِ ربانی غوثِ وقت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ طریقت میں شانِ عظیم اور حال قوی رکھتے تھے۔ ریاضات و مجاہدات میں آپ بے نظیر تھے۔ کشف و کرامات میں آپ مشائخ کبار کے درمیان ممتاز تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب اسد قریشی سے جا ملتا ہے جو قریش میں ممتاز ہستی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی والدہ ماجدہ کے جدِ امجد تھے۔ طریقت میں آپ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں۔ اپنے شیخ کے بعد آپ مرتبۂ غوثیت پر فائض ہوئے۔ آپ دیارِ ملتان کے صاحب ولایت ہیں۔ سلسلہ سہروردیہ اکثر و بیشتر آپ ہی کی بدولت پھیلا ہے۔ آپ کے بہت مریدین صادق الحال اور خلفاء صاحبِ کمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ امر کسی سے مخفی نہیں ہے سیر العارفین میں لکھا ہے کہ آپ کے جدِ امجد کمال الدین علی شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم آئے اور وہاں سے ترکِ سکونت کر کے ملتان میں آباد ہوئے آپ کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام وجیہ الدینؒ تھا۔ شیخ وجیہ الدین کا عقد نکاح مولانا حسام الدینؒ

ترمذی کی لڑکی سے ہوا۔ مولانا حسام الدین ہندوستان آکر قلعہ کوٹ کروڑ میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہ قلعہ سلطان محمود غزنوی نے تعمیر کیا تھا۔ شیخ وجیہہ الدین بھی نسبتِ دامادی کی وجہ سے اسی جگہ سکونت پذیر ہوئے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا اسی قلعہ میں پیدا ہوئے۔ جب آپ دس سال کے ہوئے تو آپ کے والد شیخ وجیہہ الدین فوت ہوگئے۔ شیخ بہاؤالدین قرآن حفظ کرنے کے بعد خراسان چلے گئے اور سات سال تک تحصیل علم میں مشغول رہے۔ اس کے بعد بخارا کی طرف چلے گئے۔ وہاں سے آپ مکہ معظمہ گئے۔ اس کے بعد آپ پانچ سال تک حرم نبوی میں مجاور رہے اور علم حدیث مولانا شیخ کمال الدین محمد یمنی سے حاصل کیا۔ اس کے بعد آپ بیت المقدس گئے اور انبیاء علیہم السلام کی قبور کی زیارت سے فیض یاب ہوئے۔ اس کے بعد آپ بغداد گئے اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے شیخ کی خدمت میں سترہ روز سے زیادہ نہ رہے اور چند ایام میں آپ نے یہ دولتِ جاودانی اور سعادتِ دوجہانی حاصل کی۔ جو درویش سالہا سال سے شیخ کی خدمت میں مجاہدات کر رہے تھے دیکھ کر حیران ہوئے کہ اس مردِ ہندی نے چند یوم میں اس قدر نعمت حاصل کر لی اور ہم اسی طرح رہ گئے۔ شیخ کو فراستِ باطن سے یہ معلوم ہوگیا۔ آپ نے فرمایا اے عزیزان تم پریشان نہ ہو۔ تمہارے پاس گیلا ایندھن ہے جو یکبارگی آگ نہیں پکڑتا۔ ذکریا کا ایندھن خشک تھا جس نے فوراً آگ قبول کر لی۔ اس کے بعد شیخ نے آپ کو رخصت کیا اور فرمایا کہ ملتان میں جاکر رہو اور وہاں کے لوگوں کو فیض پہنچاؤ۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ جب آپ نعمت اور کرامت کے ساتھ ملتان تشریف لائے تو وہاں کے اکابر کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ انہوں نے ایک دودھ کا پیالہ بھر کر آپ کے پاس یہ دکھانے کے لیے بھیجا کہ یہاں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہے۔

آپ ان کا مقصد سمجھ گئے۔ آپ نے دودھ میں گلاب کا پھول ڈال کر پیالہ ان کے پاس واپس کر دیا۔ اس میں اشارہ یہ تھا کہ ملتان میں ہم اس پھول کی طرح رہیں گے۔ اکابر اس ادا کی حسن لطافت سے حیران ہو کر آپ کے مطیع و فرماں بردار ہوگئے۔

اس کے بعد شہر ملتان اور گرد و نواح کی خلقت آپ کی صحبت میں منسلک ہوگئی

اور بہت سے خلفائے باکمال آپ کے فیضِ صحبت سے صاحب ارشاد ہوئے اور ہزاروں لوگ شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے۔ پس آپ کے لئے فتوحات کا دروازہ کشادہ ہوگیا اور اس قدر فتوحات حاصل ہوئیں کہ حساب سے باہر ہے۔ اس کے بعد آپ نے شادی کی اور فرزندانِ صاحب کمال مثل شیخ صدرالدین عارفؒ وجود میں آئے۔

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے اور حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے درمیان بڑی محبت تھی اور مدت تک ان کے درمیان صحبت ہائے محرمانہ رہیں بعض کہتے ہیں کہ دونوں بزرگ آپس میں خالہ زاد بھائی تھے۔ ایک دفعہ بعض لوگوں نے حضرت خواجہ گنج شکر کی خدمت میں جاکر حضرت بہاؤالدین ذکریا کی چغل خوری کی جس سے آپ کو رنج پہنچا۔ لیکن شیخ بہاؤالدین نے خط لکھا ہمارے درمیان عشق بازی ہے اور کسی دوسری بات کی گنجائش نہیں خواجہ گنجشکرؒ نے جواب میں لکھا کہ ہمارے درمیان عشق ہے بازی نہیں ہے سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت گنج شکرؒ روزہ بہت رکھتے تھے۔ شیخ بہاؤالدینؒ روزہ کم رکھتے تھے۔ لیکن عبادت گزار بہت تھے۔ اکثر دو رکعت میں آپ قرآن ختم کرتے تھے آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ مشائخ عظام سے مجھے بہت اوراد و مشاغل حاصل ہوئے ہیں لیکن ایک تمنا میرے دل میں ہے وہ یہ کہ میں نے سنا ہے کہ ایک بزرگ آغاز صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ایک ختم قرآن کرتے ہیں۔ میری خواہش یہ تھی کہ آغاز صبح صادق سے [illegible]ر کی نماز تک قرآن ختم کروں لیکن یہ بات میسر نہیں ہوتی۔ جتنی کوشش کرتا ہوں تین چار پارے [illegible] رہ جاتے ہیں۔ سیرالعارفین میں لکھا ہے کہ ایک دن آپ خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے [illegible] خادم نے آکر عرض کیا کہ جس صندوق میں پانچ ہزار دینار پڑے تھے گم ہوگیا ہے آپ نے تھوڑی دیر چپ رہ کر فرمایا "الحمدللہ"۔ چند یوم کے بعد خادم نے اطلاع دی کہ وہ [illegible]ندوق مل گیا ہے آپ نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمایا "الحمدللہ"۔ حاضرین نے عرض [illegible] کہ دونوں موقعوں پر الحمدللہ کہنے کے کیا معنی ہیں۔ آپ نے فرمایا اہل اللہ کے نزدیک [illegible] کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔ نہ اس کے جانے سے غم ہوتا ہے نہ آنے سے خوشی ہوتی

ہے۔ پس دونوں موقعوں پر شکرانہ لازم ہے۔ اس کے بعد آپ نے وہ پانچ ہزار دینار منگوا کر فوراً فقراء میں تقسیم کر دیئے۔ آپ بڑے بلند ہمت تھے۔ آپ کا حال اس قدر قوی تھا کہ دائرہ تحریر سے باہر ہے۔ آپ بے اندازہ خیرات کرتے تھے اور نہایت عمدہ کھانے پکوا کر تقسیم کیا کرتے تھے۔ جو مہمان آتا تھا آپ اس کی دلجوئی کے لئے اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ عبداللہ نام مشہور و معروف قوال بغداد سے حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں اجودھن دیا پکپتن حاضر ہوا اور چند روز وہاں رہ کر ملتان کی طرف رخصت ہوا جانے سے پہلے آپ نے حضرت بابا صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ راستہ پر خطر ہے دعا فرمادیں کہ صحیح و سلامت پہنچ جاؤں آپ نے فرمایا فلاں حوض تک جو سرحد پر ہے اور مجھ سے تعلق رکھتا ہے میں تمہاری نگہبانی کروں گا۔ اس کے بعد میرے بھائی بہاؤالدینؒ سے امداد طلب کرنا کیونکہ یہ ان سے متعلق ہے۔ عبداللہ اس حوض تک صحیح سلامت پہنچ گیا۔ جب آگے بڑھا تو چند سوار تلوار نکالے نمودار ہوئے۔ عین پریشانی کے عالم میں اسے حضرت گنج شکرؒ یاد آئے۔ اور پھر شیخ بہاؤالدینؒ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے بعد وہ سوار خود بخود منتشر ہو گئے اور وہ شیخ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اس وقت قوال نے گلیم سرخ پہن رکھی تھی۔ شیخ نے فرمایا سرخ شیطان کا لباس ہے تم نے کیوں پہن رکھا ہے۔ قوال نے اپنے دل میں کہا کہ شیخ کے اپنے پاس اس قدر مال و دولت ہے اس کی طرف نظر نہیں کرتے اور ایک پرانی گلیم جس کی قیمت دو پیسے ہے ان کی نظر میں کھٹک رہی ہے۔ شیخ کو اس کا حالِ دل معلوم ہو گیا کہ وہ دائرۂ ادب سے باہر قدم رکھ رہا ہے۔ فرمایا اے عبداللہ ہوشیار ہو جاؤ اس حوض پر تم نے ذکریا کی کوشش سے راہزنوں کے ہاتھ سے خلاصی پائی۔ اور اب شیخی کر رہے ہو یہ سن کر عبداللہ شرمندہ ہوا اور اپنا سر شیخ کے قدموں پر رکھ کر تائب ہوا۔ اس قسم کے کرامات آپ سے بے شمار ظاہر ہوئے خلفاء آپ کے بہت صاحب حال خلفاء ہیں جن میں سے ایک میر سید جلال سرخ بخاریؒ ہیں آپ بخارا سے تشریف لائے۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں صحبت یاب ہو کر خلافت حاصل کی۔ آپ کے حکم کے

مطابق آپ اوچ (بہاول پور ڈویژن) میں سکونت پذیر ہوئے۔ ان کے کمال کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت جیسے جلیل القدر بزرگ آپ کے پوتے تھے۔

شیخ فخرالدین عراقیؒ اور میر سید حسینیؒ نزہتہ الارواح کے مصنف اور حسن افغانؒ بھی شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کے خلفاء تھے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ بارہا فرماتے تھے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ آواز دیں گے کہ اے ذکریا میری درگاہ کے لیے کیا لائے ہو میں عرض کروں گا کہ حسن افغان کو لایا ہوں۔ وہ ان پڑھ تھے اور ایک حرف بھی نہیں جانتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوح محفوظ نے اپنا عکس ان کے قلب پر ڈالا ہوا ہے کوئی علم ان کے لیے مشکل نہ ہوتا تھا۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ میر کالوؒ جو علاقہ روح میں مدفون ہیں اور بڑے مشہور بزرگ ہیں وہ بھی آپ کے خلیفہ ہیں۔

شاہ عالم جو ٹھٹھہ میں دفن ہیں اور کشف وکرامات کے سبب بہت مشہور ہیں بھی آپ کے خلیفہ ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

میر سید عثمان معروف لال شہباز قلندر بھی آپ کے ملامتیہ خلفاء میں سے ہیں۔ آپ ملامتیہ مشرب رکھتے تھے اور عجیب وغریب کرامات کا ان سے ظہور ہوا رحمتہ اللہ علیہ

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ آخری عمر میں شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ اپنے حجرے میں مشغول تھے اور آپ کے فرزند اور سجادہ نشین شیخ صدرالدین عارف دروازے پر کھڑے تھے۔ ناگاہ ایک نورانی شکل کا آدمی سبز رنگ کا خط ہاتھ میں لئے آیا اور وہ خط شیخ صدرالدین کے ہاتھ میں دے کر کہنے لگا کہ اسے اپنے والد بزرگوار تک پہنچا دو۔ یہ دیکھ کر شیخ صدرالدینؒ کی حالت متغیر ہو گئی۔ ناچار انہوں نے اندر جاکر والد بزرگوار کو خط دیا۔ خط پڑھتے ہی آپ نے جان مشاہدۂ حق میں تسلیم کر دی۔ اور حجرہ کے چاروں کونوں سے آواز بلند ہوئی کہ دوست دوست سے جا ملا۔ سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ یہ چند بزرگ ایک دوسرے کے ہم عصر تھے جنہوں نے تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد رحلت کی پہلے شیخ سعدالدین حمویہؒ نے وفات پائی۔ اس کے تین سال بعد شیخ سیف الدین باخرزیؒ نے رحلت کی تین سال بعد شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ نے وصال پایا۔ اس کے تین سال بعد حضرت گنج شکرؒ

دارالبقا کی طرف روانہ ہوئے۔ شیخ بہاؤالدین محمد ذکریاؒ ۵۶۵ھ قلعہ کوٹ کروڑ میں پیدا ہوئے جو ملتان کے نزدیک ہے (کوٹ کروڑ سے مراد شاید کہروڑ پکہ ہے جو بہاولپور سے دس میل کے فاصلہ پر لودھراں جنکشن سے پاک پتن جانے والی لائن پر دوسرا اسٹیشن ہے اور ملتان سے کوئی پچاس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس شہر کے گرد ایک پرانا کچا قلعہ بھی ہے جسے ملتانی زبان میں کوٹ کہتے ہیں۔)

آپ کا وصال سات ماہ صفر ۶۶۵ھ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں ہوا۔ آپ کا مزار مبارک ملتان میں ہے۔ آپ کی عمر ٹھیک ایک سو سال تھی۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

تاریخ سندھ وملتان

چونکہ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ سندھ اور ملتان کے صاحبِ ولایت ہیں اس لئے اس علاقے میں اسلام کا آغاز اور سلاطین کے احوال یہاں مجملاً حضرت شیخ کے احوال کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔ اکثر مؤرخ اسبات پر متفق ہیں کہ ملک ہندوستان میں اسلام سب سے پہلے ملتان جو کہ ولایتِ سندھ میں شامل ہے کے راستے داخل ہوا۔ چنانچہ منتخب التاریخ میں متعدد تواریخ مثل تاریخ فیروز شاہی کلاں وتاریخ بہادر شاہی وغیرہ سے نقل ہے کہ ولید بن عبدالملک مروان کی خلافت کے زمانے میں حجاج بن یوسف نے جوان کا سپہ سالار تھا ۷۳ھ میں شیراز سے عماد الدین محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی جو اس کے چچازاد بھائی اور داماد تھے کو سترہ سال کی عمر میں رؤسائے شام میں سے چھ ہزار آدمی دے کر تسخیر سندھ کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے کئی مراحل طے کرنے کے بعد دیبل جو راجہ داہر کے ملک میں تھا کا محاصرہ کر لیا۔ چند دنوں کے بعد اسلامی لشکر کو فتح ہوئی اور کثرت سے مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس کے بعد انہوں نے سیوستان کا رخ کیا جہاں راجہ داہر کا چچازاد بھائی حاکم تھا۔ دس دن تک محاصرے کے بعد وہ قلعے سے باہر نکل کر مفرور ہو گیا وہاں سے بے شمار مال غنیمت لے کر محمد بن قاسم راجہ داہر کی طرف متوجہ ہوئے لیکن راجہ داہر کئی ہزار راجپوتوں سمیت لڑائی میں مارا گیا۔ اور اس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا کہ جو حد و حساب سے باہر تھا۔ اس فتح کے بعد سندھ کا پورا صوبہ دس ماہِ رمضان اور پنج شنبہ ۷۳ھ سے عماد الدین محمد بن قاسم کے قبضے میں آ گیا۔ انہوں نے ہر

قصبے اور ہر شہر کیلئے حاکم تعینات کئے اور کچھ عرصہ یہاں رہ کر واپس چلے گئے۔ لیکن اکثر مسلمان سندھ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ کچھ مدت کے بعد یہ علاقہ تمیم انصاری کے لڑکوں کے قبضے میں آ گیا اور کچھ عرصے کے بعد کفار نے پھر قبضہ کر لیا۔ سلطان محمود غزنوی ؒ نے کفار کو شکست دیکر اس علاقے پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور کافی عرصے تک انکے بیٹوں کے تصرف میں رہا۔ جب سلطنت غزنویہ کو ضعف آیا تو یہ علاقہ قرامطہ کے قبضے میں آ گیا۔ حتیٰ کہ جب سلطان معزالدین سام عرف شہاب الدین غوری ؒ نے ۵۷۱ھ میں ملتان پر قبضہ کیا تو اسی تاریخ سے یہ علاقہ سلاطین دہلی کے تصرّف میں آ گیا۔ لیکن کچھ عرصے کیلئے جمشید کیانی کی اولاد میں سے کچھ لوگ ٹھٹھہ میں حکمران ہو گئے اور اپنے آپ کو جام کے لقب سے ملقب کرنے لگے۔

سلطان فیروز شاہ نے ان پر لشکر کشی کر کے جام مالی کو جنگ میں گرفتار کر لیا۔ اور دہلی لے آیا چونکہ جام کے اندر حکمرانی کی صلاحیت موجود تھی اور اسکے اخلاق پسندیدہ تھے فیروز شاہ نے اسے پھر سے ٹھٹھہ کا حکمران مقرر کر دیا۔ حتیٰ کہ اس خاندان کے پندرہ افراد نے فیروز شاہ اور اس کے بیٹوں کے تحت سندھ میں حکومت کی۔

جام خاندان امیر تیمور اور دیگر سلاطین دہلی کے ماتحت حکومت کر کے ختم ہو گیا۔ اسکے بعد سلطان علاؤ الدین بن محمد بن فیروز شاہ بن خضر خان کے زمانے میں سلطنت دہلی کمزور ہو گئی اور ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا۔ ان ملوکِ طوائف میں سے سلطان بہلول لودھی بھی تھا۔ چونکہ مغلوں کے حملوں کیوجہ سے ملتان میں اسوقت کوئی حاکم نہ تھا۔ ۸۴۷ھ میں ملتان کے معتبر لوگوں نے شیخ یوسف قریشی متولی درگاہ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا کو والئے ملتان مقرر کیا اور ملتان اور اوچ (تحصیل احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور) اور گرد و نواح کے علاقوں میں شیخ یوسف کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ رائے سہرہ نے جو وہاں کا اعلےٰ زمیندار اور لنگاہ قوم کا سردار تھا اپنی لڑکی کا عقد نکاح شیخ یوسف سے کر دیا۔ اور کبھی کبھی اپنی لڑکی کو ملنے کیلئے ملتان آیا کرتا تھا۔ جو لنگاہ قوم علاقہ ظاہر والی نزد اوچ شریف میں ابتک آباد ہے) ایک دفعہ وہ تمام لنگاہوں کو ملتان ساتھ لایا اور رات کیوقت بغاوت کر کے شیخ یوسف کو قید کر لیا اور سلطان قطب الدین لنگاہ کا لقب اختیار کر کے ولایت ملتان و سندھ کا بادشاہ بن گیا اور سارے علاقے میں اسکے نام کا خطبہ شروع ہو گیا اسکے بعد اس نے یوسف قریشی کو قید سے رہا کر کے دہلی بھیج دیا۔

جب وہ دہلی پہنچا تو سلطان بہلول لودھی اسکے ساتھ نہایت عزت و احترام سے پیش آیا اور اپنی لڑکی کا عقد نکاح اس کے لڑکے شیخ عبداللہ سے کیا اور وعدہ کیا کہ ملتان فتح کر کے تجھے دیدونگا لیکن یہ بات میسر نہ آسکی اور لنگاہ قوم بدستور حکومت کرتی رہی حتیٰ کہ جب ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ نے پنجاب یعنی لاہور اور اسکے گرد و نواح کا علاقہ فتح کیا تو ملتان کو لنگر خان لنگاہ کے قبضے سے چھڑا کر اپنے بیٹے مرزا کامران کی جاگیر میں شامل کر دیا اسی تاریخ سے یہ علاقہ اولاد ظہیر الدین محمد بابر کے قبضے میں بزمانہ میں

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ

آن شاہباز بلند پرواز؛ درعشق و جوانمردی ممتاز؛ موصوف باوصاف معنوی؛ قطب ابدال مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی قدس سرہٗ بن مولانا بہاؤالدین ولد کا سلسلہ نسب امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ تک جا ملتا ہے آپ بڑے صاحب کمالات و کرامات ہیں۔ آپ شانِ عظیم اور حال قوی کے مالک تھے۔ آپ کی صحت حال کے متعلق کسی اہل بصیرت کو اعتراض نہیں۔ آپ نے اپنے دیوان میں بہت بے پردہ کلام فرمایا ہے۔ شدتِ عشق کیوجہ سے آپ نے مستانہ وار آہ و بکا کی ہے لیکن ایک کلمہ بھی اہلِ تصوف کی اصطلاح کے خلاف نہیں کہا۔ آپ کی مثنوی تمام عارفین کے لئے حجت ہے۔

صاحب نفحات فرماتے ہیں۔ کہ آپ چھ ماہ ربیع الاول ۶۰۴ھ کو بلخ میں پیدا ہوئے اور پانچ سال کی عمر میں آپ کے سامنے غیبی صورتیں اور فرشتے، نیک جن اور بزرگان کی ارواح ظاہر ہوتی تھیں۔ مولانا بہاؤالدین ولد سے نقل ہے کہ جلال الدین محمدؒ بلخ میں چھ سال کے تھے اور جمعہ کے دن اور لڑکوں کے ساتھ مکان کی چھت پر سیر کر رہے تھے۔ ایک لڑکے نے دوسرے لڑکے سے کہا آؤ اس چھت سے دوسری چھت پر کودیں۔ مولانا جلال الدین نے کہا اس قسم کی حرکات تو کتا بلی اور دوسرے جانور بھی کر سکتے ہیں۔ آدمی پر حیف ہے کہ اس قسم کی حرکات میں مشغول ہو۔ اگر ہمت ہے تو آؤ آسمان کی طرف چلیں۔ یہ کہکر کچھ دیر کے بیٹے لڑکوں کی نظروں سے غائب ہوگئے۔ لڑکوں نے شور مچادیا۔ کچھ دیر بعد آپ واپس آگئے لیکن آپ کا رنگ دگرگوں تھا۔ اور آنکھیں متغیر۔ آپ نے آتے ہی کہا کہ جس وقت میں تم سے بات کر رہا تھا تو فرشتوں کی ایک جماعت آئی۔ اور مجھے آسمان پر اٹھالے گئی۔ جہاں انہوں نے مجھے عجائب ملکوت دکھائے۔ جب تمہارا شور برپا ہوا تو وہ مجھے واپس لے آئے۔ کہتے ہیں کہ اس عمر میں آپ تین چار دن کے بعد افطار کرتے تھے۔ بات یہ ہے کہ آپ درحقیقت مادر زاد ولی تھے۔ اس کے بعد آپ نے کافی عرصہ تک اپنے والد سے تربیت حاصل کی۔ والد کی وفات کے بعد نو سال تک آپ نے میر سید برہان الدین محققؒ کی صحبت سے فیض حاصل

کیا۔ جب آپ کے والد نے بلخ سے مکۂ معظمہ جانے کا قصد کیا اور راستے میں نیشاپور ہوتے ہوئے شیخ فریدالدین عطارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو مولانا جلال الدینؒ بھی ساتھ تھے اور وہ بھی اُن کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ شیخ فریدالدین عطارؒ آپ سے بہت شفقت سے پیش آئے اور اپنی کتاب "اسرار نامہ" ان کو عنایت کی جسے آپ مولانا رومؒ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ جب آپ حقائق و معارف بیان کرتے تھے تو ابتدا "اسرار نامہ" سے کرتے تھے۔ لیکن آپ کی تکمیل خواجہ شمس الدین تبریزیؒ کی صحبت سے ہوئی۔ جیسا کہ آپ نے اپنے دیوان میں اس بات کا اکثر ذکر کیا ہے۔ اُن میں سے مندرجہ ذیل شعر قابل ذکر ہے ؎

گردِ عطار گشت مولانا   شربت از دستِ شمس بودش نوش

"اگرچہ مولوی رومی خواجہ عطارؒ کے گرد و پیش رہا۔ لیکن اُسے شربت حضرت شمس تبریزؒ سے ملا۔"

دیوان کے اشعار سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے فیض خاص ملا۔ چنانچہ غلبۂ شوق میں آکر آپ اپنے وجد و حال کے متعلق فرماتے ہیں ؎

قطعہ

زخُلقِ احمدِ مختار مستم   زمہرے حیدرِ کرار مستم

نسیمے یافتم از صبح توفیق   زطیبِ روضۂ اشجار مستم

چو من مستم زمے ہائے الٰہی   نہ از مے ہا کہ از دیدار مستم

زمشک و عود و عنبر گشتہ فارغ   زبوئے طرۂ دلدار مستم

سحر گہ ہاتفے در داد پیغام   از آں بوئے خوشِ آں یار مستم

بیا لے زاہدِ شوریدہ احوال   کہ من از عطرِ آں خمار مستم

تو از اسلام مے لافی و طاعت   من از احسانِ آں غفار مستم

چو منصورم دریں انوارِ توحید   انا الحق گفتم و بر دار مستم

من از یک تارِ زلفش بوئے بردم   کہ از بوئے خوشِ تاتار مستم

نسیمے یافتم از شمس تبریز — کہ من زاں سالکِ اسرار مستم
خمش گردم نخواہم گفت دیگر — کہ در انوار و در اطوار مستم

"ترجمہ: (۱) احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے مست ہوں اور حیدر کرار یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی محبت سے مست ہوں (۲) توفیق ازل سے مجھے خوشبو آئی اور روضۂ اطہر کے درختوں کی خوشبو سے مست ہوں (۳) مجھے لوگ مست دیکھکر کہتے ہوں گے کہ شراب سے مست ہے۔ حالانکہ میں شربتِ دیدار سے مست ہوں (۴) مشک، عود اور عنبر کی مجازی خوشبو سے فارغ اور بے نیاز ہوں اور محبوب کی زلفوں کی مست کن خوشبو سے مست ہوں (۵) علی الصبح جو ہاتف نے مجھے خوشخبری دی تو دوست کی اسی خوشبو سے مست ہوں۔ (۶) اے شور مچانے والے زاہد آؤ اور دیکھو کہ میں اُس شراب فروش (محبوب) کی خوشبو سے مست ہوں۔ (۷) اے زاہد تو تو اپنے زہد و تقویٰ پر نازاں ہے اور میں اُس غفار کے لطف و کرم سے مست ہوں۔ (۸) انوار توحید کی بارش سے میں بھی منصورؒ کی طرح مست ہو کر انا الحق کہتا ہوں اور تختہ دار پر مست ہوں (۹) میں تو محبوبِ حقیقی کی زلف کی ایک تار سے یعنی ایک بال سے خوشبو حاصل کر کے مست ہو گیا ہوں۔ (۱۰) مجھے حضرت شمس الدین تبریزیؒ سے ایک خوشبو حاصل ہوئی۔ اور اُس سالکِ پر اسرار کے فیض سے مست ہو گیا ہوں۔ (۱۱) اب میں خاموش ہوتا ہوں اور پھر کچھ کہونگا کیونکہ میں محبوب کے انوار و اطوار سے مست ہوں۔"

صاحبِ نفحات نے اکثر مولاناؒ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ جن میں سے کچھ یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں یہ جسم نہیں ہوں جو لوگوں کی نظروں میں مقبول نظر آتا ہوں بلکہ میں وہ ذوق و شوق ہوں۔ جو مریدین کے قلوب میں میرے کلام اور میرے نام سے جوش مارتا ہے۔ اللہ اللہ! جب تو وہ ذوق و شوق پائے تو غنیمت جان اور شکر ادا کر کہ میں وہی ہوں۔ اس کے بعد مولانا نے حسام الدین چلپی کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اللہ اللہ! اولیائے حق

کے سامنے زانو تہ کر کے بیٹھنا بھی بڑی دولت ہے بیت سہ

یکے لحظہ ازاں دوری نشاید　　　کہ از دوری خرابی ہا فزاید
بہر حالے کہ باشی پیش او باش　　　کہ از نزدیک بودن مہر زاید

"محبوب سے ایک لمحہ بھی دوری یعنی جدائی یا غفلت نہیں چاہیئے۔ کیونکہ اس سے بہت خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ تو جس حال میں ہے ہر وقت اس کے سامنے رہ یعنی دائمی حضوری کا مقام حاصل کر۔ کیونکہ محبوب کے ساتھ حاضر رہنے سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔"

آپ فرماتے ہیں، کہ جو پرندہ زمین سے آسمان کی طرف پرواز کرتا ہے۔ اگرچہ وہ آسمان تک نہیں پہنچتا۔ لیکن دام (صیاد کے جال) سے تو دور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی درویشی اختیار کرے اور درویشی کے کمال تک نہ پہنچ سکے تو کم از کم عوام کالانعام اور بازاری لوگوں کے زمرے سے تو نکل جاتا ہے، دنیا کے مصائب سے چھوٹ جاتا ہے اور سگِ یارین جاتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ آزاد مرد وہ ہے جو کسی کے رنج دینے سے رنجیدہ نہ ہو۔ اور جوانمرد وہ ہے جو رنج کے مستحق کو رنج نہ دے۔

مولانا سراج الدین تونوی جو وہاں کے شیخ الاسلام تھے حضرت مولاناؒ سے خوش نہ تھے ایک دفعہ کسی نے اُن سے جا کر کہا کہ مولانا روم نے کہا ہے کہ میں تہتر فرقوں کے ساتھ متفق ہوں۔ چونکہ اُسے بہانہ درکار تھا اس نے چاہا کہ اسی سے مولانا کو تکلیف دے اور بدنام کرے۔ چنانچہ اُس نے ایک عقلمند صاحب کو مولانا کی خدمت میں یہ کہکر بھیجا کہ بھری مجلس میں اُن سے پوچھنا کہ کیا آپ نے یہ بات کہی ہے اگر وہ اقرار کرے تو اُسے خوب گالیاں دینا اور لوگوں کے سامنے رسوا کرنا۔ اس نے جا کر مولانا سے یہی سوال کیا آپ نے فرمایا ہاں میں نے کہا ہے کہ تمام فرقوں سے متفق ہوں۔ یہ سنتے ہی اس نے گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ مولانا نے ہنس کر فرمایا کہ جو کچھ تو نے کہا ہے میں اس سے بھی متفق ہوں۔ یہ سنکر وہ آدمی بہت شرمندہ ہوا۔ اور واپس چلا گیا۔ شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی "چہل مجالس" میں فرماتے ہیں کہ مجھے مولانا کی یہ بات بہت پسند آئی ہے۔ ایک دفعہ مولانا کی مجلس میں کسی نے کہا کہ شیخ اوحدالدین کرمانی

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مرد کو چاہیئے کہ شاہد باز نبے ورنہ پاک باز بن جائے۔ اور ناشائستہ کاموں سے باز رہے۔ آپ نے فرمایا کاش کہ ہوتا۔ اور گذر جاتا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ رباب کی آواز جو ہم سنتے ہیں، ہمارے لئے "حریر در بہشت" ہے ایک دفعہ لوگوں نے آپ سے امامت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا ہم ابدال لوگ ہیں جس جگہ پہنچتے ہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ اور کھڑے ہو جاتے ہیں۔ امامت کے لئے ارباب تصوف و تمکین موزون ہیں۔ آپ نے شیخ صدرالدین قونوی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ آپ امامت کریں۔ آپ کے اشعار سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شروع میں آپ ابدالوں میں سے تھے۔ اور بعد میں ترقی کر گئے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

مثنوی

باز از پستی سوئے بالا شدم	طالب آں دلبر زیبا شدم
خار بودم مدتے در کوئے دوست	مدتے چوں گلبنِ بویا شدم
ایں زماں ابدال گشتم اربعین	بر طریقِ منزلِ دنیا شدم
باز مے خواہم کز آں جا بگذرم	زانچہ اینجا بے سر و بے پا شدم
شمس تبریزی تو دانی سرِ عشق	درمیانِ عاشقاں گویا شدم

"(۱) میں پستی سے عالم بالا کی طرف گیا۔ اور اُس دلبر زیبا کا طالب ہوا (۲) ایک مدت تک میں دوست کی گلی کا خار بنا رہا۔ اس کے بعد مدت تک خوشبودار پھول بنا۔ (۳) اب چالیس ابدالوں میں سے ایک ابدال ہوں۔ اور دنیا کی منازل طے کر رہا ہوں۔ (۴) اب چاہتا ہوں کہ اس مقام سے بھی گذر جاؤں۔ کیونکہ اس جگہ بے سر و پا ہو گیا ہوں۔ (۵) اے میرے شیخ شمس تبریزی تو عشق کے رموز سے واقف ہے۔ میں بھی عاشقوں کے درمیان گویا (بولنے والا) ہو گیا ہوں" کسی نے آپ سے پوچھا کہ کیا درویش بھی گناہ کرتا ہے۔ فرمایا ہاں جب طعام بغیر بھوک کے کھاتا ہے۔ کیونکہ بغیر بھوک کے کھانا کھانا درویش کے لئے

گناہ عظیم ہے۔"

کتاب مناقب العارفین میں سلطان ولد ابن مولانا رومؒ سے روایت ہے۔ کہ ایک دن چند صوفیوں نے حضرت والد سے سوال کیا کہ خواجہ بایزیدؒ نے فرمایا ہے کہ رَأَیْتُ اللّٰہِ عَلٰی صُوْرَتِ اَمْرَدْ (میں نے اللہ کو خوبصورت لڑکے کی شکل میں دیکھا) اس سے کیا مراد ہے۔ مولانا نے فرمایا اس کے دو معنی ہیں یا اُنہوں نے اَمرد کی صورت میں ہو کر حق تعالےٰ کو دیکھا یا حق تعالےٰ نے خود بایزید کی محبت کے باعث اَمرد کی صورت میں متصور ہوئے نیز مولانا نے فرمایا کہ مولانا شمس الدین تبریزیؒ کی ایک بیوی تھیں۔ جس کا نام کیمیا خاتون تھا۔ ایک دن اُن سے غصہ ہو کر وہ کہیں باغ میں چلی گئیں۔ مولانا نے اپنے دوستوں کی بیویوں سے کہا کہ جاؤ۔ کیمیا خاتون کو لے آؤ۔ کیونکہ مولانا شمس الدین کو اُن سے گہرا تعلق ہے۔ اور خود مولانا روم بھی انکی طلب میں باغ کی طرف چلے گئے۔ آگے جا کر دیکھا کہ مولانا کیمیا خاتون کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ یہ دیکھکر واپس لوٹے۔ اس خیال سے کہ مولانا ذوق میں محظوظ ہوں گے۔ مولانا شمس نے آواز دی کہ آگے آؤ۔ جب ان کی طرف گئے تو دیکھا کہ وہاں اُن کے بغیر کوئی بھی نہیں ہے۔ اُنہوں نے پوچھا کیمیا خاتون کہاں گئیں۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالےٰ کو میرے ساتھ اس قدر محبت ہے کہ جس صورت میں میں چاہوں مجھے نظر آجاتے ہیں۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن چند فقہاء نے ازراہِ حسد مولانا سے سوال کیا کہ شراب حلال ہے یا حرام۔ آپ نے جواب دیا کہ ہر شخص کے لئے الگ حکم ہے۔ اگر شراب کی مشک دریا میں ڈالدی جائے تو نہ دریا میں کوئی تغیر واقع ہوتا ہے نہ اس سے وضو کرنا یا پینا حرام۔ لیکن ایک چھوٹی سی ندی کو شراب کا ایک قطرہ حرام کر دیتا ہے۔ جسطرح جو کچھ نمکداں میں جاتا ہے نمک کا حکم رکھتا ہے اور صاف جواب یہ ہے کہ مولانا شمس الدین کے لئے سب کچھ مباح ہے۔ کیونکہ آپ دریا کا حکم رکھتے ہیں۔ لیکن تم جیسی چھوٹی سی ندی کے لئے نان جوین (جو کی روٹی) بھی حرام ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن مولانا رومؒ نے حدیث "اول ما خلق اللہ تعالیٰ القلم" (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا) کے رموز بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سامنے خلوت میں اصحابِ صفہ کے اسرار

بیان فرمارہے تھے۔ اور وصیت فرمارہے تھے۔ کہ یہ عظیم راز کسی غیر محرم سے نہ کہنا۔ چالیس دن کے بعد یہ رموز مکمل ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بے قرار ہو گئے۔ حتیٰ کہ سانس لینا بھی دشوار ہو گیا۔ اور بے خود ہو کر آپ صحرا میں نکل گئے۔ وہاں ایک کنواں تھا۔ آپ نے اس کنوئیں کے اندر سر دیکر تمام رموز یکے بعد دیگرے کہہ ڈالے۔ لیکن غلبۂ بے خودی سے آپ کے منہ مبارک سے جھاگ اور پانی نکل کر کنوئیں میں گر رہا تھا۔ اس کے بعد آپ کی طبیعت میں سکون آیا۔ چند دنوں کے بعد اس کنوئیں میں ایک "نے" اُگ آئی اور روز بروز بڑھنے لگی۔ شاید ایک روشن ضمیر گڈریا اس راز سے واقف ہو گیا۔ اس نے اُس "نے" کو کاٹ لیا اور چند سوراخ ڈال کر عاشق زار کی طرح رات دن اُسے بجانے لگا۔ ساتھ ساتھ بکریاں بھی چراتا رہا۔ اس سے وہ تمام عرب قبائل میں نے نواز مشہور ہو گیا۔ اس کے نغمات اس قدر دلکش تھے۔ کہ جنگل کے جانور گھاس چھوڑ کر اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ اور نغمے سن کر مرتے جاتے تھے اس وجہ سے سارا عرب اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لوگ نغمے سنکر روتے تھے۔ اور ذوق حاصل کرتے تھے۔ یہ حکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا "یہ نغمے اُن اسرار کی شرح ہے جو میں نے علیؓ سے خلوت میں کہے تھے۔" جب تک کوئی اہل صفا نہیں ہوتا نہ اہل صفا کے اسرار نے سے حاصل کر سکتا ہے نہ اُن سے محظوظ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ "الایمان کلہ ذوق وشوق" (ایمان سب ذوق وشوق ہے) رباعی ؎

آہ دردت را ندارم محرمے | چو علیؓ آہ مے کنم در قعر چاہ
چہ د چاہ، بجوشد نے بروید از لبش | نے بنالد رازِ من گردد تباہ

"آہ! تیرا درد بیان کرنے کے لیے میرا کوئی محرم راز نہیں۔ علیؓ کی طرح کنوئیں کے اندر آہ کرتا ہوں۔ کنوئیں کو جوش آتا ہے اور اس کے لبوں سے نے اُگ آتی ہے لیکن جب نے رونے لگتی ہے تو میرا راز فاش ہو جاتا ہے۔"

سلطان ولدؒ سے یہ بھی مروی ہے ایک دن بادشاہ وقت نے دیناروں سے بھرا ہوا۔ ایک تھیلا میرے والد کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اسم اعظم کیا ہے۔ اُنہوں نے سر نیچے کر کے کہا کہ حضور فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔

اسم اعظم یہ سونا چاندی ہے۔ جو حق تک بھی پہنچاتی ہے اور باطل کو بھی آراستہ کرتی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر نہ دنیا آباد ہے نہ اہل آخرت خوش ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا نے فرمایا ہے ؎

نشاطِ مردماں از سیم وزر است - خوشیہائے جہاں از سیم وزر است

(لوگوں کی خوشی سونا اور چاندی ہے اور دنیا کی تمام مسرتیں سونے چاندی سے ہیں)

مولانا فرماتے ہیں کہ صحبت شیخ بہت بڑی چیز ہے۔ میرے آقا شمس الدین تبریزیؒ نے فرمایا ہے۔ کہ قبول یافتہ مرید کی علامت یہ ہے۔ کہ بیگانہ لوگوں کے ساتھ بالکل صحبت نہیں رکھ سکتا۔ اگر ناچار صحبت بیگانہ مل جائے تو وہ اس طرح ہوتا ہے۔ جیسے منافق مسجد میں، بچہ مدرسے میں، قیدی قید خانے میں اور مولوی مرض میں۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میری موت کے بعد غمگین نہ ہونا کیونکہ منصور علیہ رحمہ کے نور نے ایک سو پچاس سال کے بعد شیخ فریدالدین عطارؒ کی روح پر تجلّی کی اور اس کی مرشد ہوئی۔ لہٰذا تم لوگ جس حالت میں رہو میرے ساتھ رہو۔ جب حق تعالےٰ کی عنایت سے فرد اور مجرّد ہو جاؤ۔ اور حالتِ تجرید و تفرید پیدا ہو جائے تو یہ تعلق تمہیں نفع دے گا۔

ایک دن شیخ صدرالدین تونویؒ آپ کی طبع پرسی کیلئے آئے اور فرمایا شفاک اللہ تعالیٰ (اللہ تعالےٰ آپ کو شفا دے) اُمید ہے آپ کو صحت حاصل ہوگی۔ کیونکہ آپ جانِ جہان ہیں۔ مولانا نے فرمایا۔ یہ شفاک اللہ تمہیں نصیب ہو۔ کیونکہ عاشق اور معشوق کے درمیان اب صرف بال برابر فرق رہ گیا ہے اب ایک نور دوسرے نور سے ملنے والا ہے۔ بیت

من شدم عریاں زتن او از خیال - مے خرامم در نہایات وصال

"میں جسم سے عریاں ہوگیا ہوں۔ یعنی جسم جاتا رہا ہے۔ اور میری روح عریاں ہو گئی ہے اور میرا تن خیال سے عریاں ہوگیا ہے۔ یعنی اس میں اور کسی چیز کا خیال باقی نہیں رہا۔ اب میں وصال کی نہایات میں سفر کر رہا ہوں۔ یعنی قرب و وصال کے منازل طے کر رہا ہوں"

"یاد رہے کہ وصال کے بھی لاانتہا مراتب ہیں۔ ہر مقام سے اُوپر اور مقام ہے نہ ذات کی انتہا نہ مقاماتِ وصال کی ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں   بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی)،
یہ سُنکر شیخ صدرالدینؒ اور اصحاب رونے لگے اور مولاناؒ نے یہ غزل فرمائی ؎

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہے ہمنشین دارم   رُخ زریں مَن منگر کہ پائے آہنیں دارم

"تجھے کیا معلوم کہ میں اپنے باطن میں کیسا بادشاہ ہمنشین رکھتا ہوں۔ اگرچہ میرا چہرہ زرد ہے لیکن میرے قدم فولاد کے ہیں۔ یعنی میری جسمانی لاغری مت دیکھ میرے اندر منازل طے کرنے کی بے حد قوت ہے۔"

مولاناؒ نے فرمایا کہ میرے دوست اس طرف کھینچتے ہیں۔ اور خواجہ شمس الدین دوسری طرف۔ اے قوم مجھے اجازت دو۔ اور اُس شخص کی پاسداری کرو۔ جو مجھے حق کی طرف بلاتا ہے۔ یعنی خواجہ شمس الدینؒ کی موافقت کرو۔ جو مجھے حق کی جانب بلاتے ہیں۔ اس کے بعد اصحاب نے عرض کیا کہ خلافت کے لئے آپ کسے موزوں سمجھتے ہیں۔ فرمایا چلپی حسام الدین۔ اُنہوں نے تین دفعہ یہ سوال کیا۔ اور آپ نے ہر بار یہی جواب دیا۔ چوتھی بار لوگوں نے عرض کیا کہ سلطان ولد کے متعلق آپ کا کیا فرمان ہے۔ فرمایا وہ پہلوان ہے اُس کے لئے وصیت کی کیا ضرورت ہے۔ چلپی حسام الدین نے پوچھا کہ آپ کی نماز (جنازہ) کون پڑھائے۔ فرمایا شیخ صدرالدین قونویؒ نے مولانا موید الدین سے چند سوال کئے۔ کہ شیخ صدرالدین قونویؒ حضرت مولاناؒ کے متعلق کیا فرماتے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ ایک دن ہم اپنے یارانِ خاص مثل مولانا شمس الدین مکیؒ، شیخ فخرالدین عراقیؒ شرف الدین موصلیؒ اور شیخ سعید فرغانی وغیرہم کے ساتھ بیٹھے تھے۔ مولانا روم ؒ کی سیرت اور سریرت کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت شیخ (صدرالدین قونویؒ) نے فرمایا بایزیدؒ اور جنیدؒ اس زمانے میں ہوتے تو اس مردِ مردانہ (مولانا رومؒ) کے حاشیہ نشین ہونے میں فخر محسوس کرتے۔ آپ فقرِ محمدی کے سپہ سالار ہیں۔ ہمیں اُن کی بدولت یہ ذوق و شوق حاصل ہے۔ یہ سن کر سب اصحاب نے آفریں کہی اور خوش ہوئے۔ اس کے بعد شیخ موید الدین نے فرمایا۔ کہ میں بھی اُس بادشاہ (مولانا رومؒ) کے نیازمندوں میں سے ہوں۔ آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کا کیا مقام تھا۔ آپ کی وفات شریف پانچ ماہ جمادی الآخر ۶۷۲ھ میں انقاخاں بن ہلاکو خان کے عہد حکومت میں قونیہ (روم) میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ صدر الدین محمد بن اسحٰق قونوی قدس سرہٗ

سلطانِ اربابِ حقائق، کاشفِ اسرار و دقائق ممتاز بکمالات صوری و معنوی، قطب ارشاد شیخ صدر الدین محمد بن اسحاق قونوی قدس سرہٗ کی کنیت ابو المعالی ہے۔ آپ جمیع علومِ ظاہری و باطنی عقلی و نقلی کے جامع تھے۔ اہلِ طریقت میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے اور اکثر مشائخ نے حقائق و معارف میں آپ کی اقتدا کی ہے۔ آپ شیخ محی الدین ابنِ عربی قدس سرہٗ کے اعظم خلیفہ ہیں۔ اور شیخ کے بعد ان کی مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے اور ایک جہان کو آپ نے ہدایت بخشی۔ چنانچہ شیخ موید الدین جندی، شیخ شمس الدین مکیؒ، شیخ فخر الدین عراقیؒ اور شیخ سعید الدین فرغانیؒ وغیرہ اکابر نے آپ سے تربیت حاصل کی۔ اور مرتبہ ارشاد (خلافت) پر پہنچے۔ صاحبِ نفحات فرماتے ہیں۔ کہ جب شیخ اکبرؒ اندلس سے روم کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے اپنے بعض مشاہدات میں یہ دیکھ لیا کہ آپ کو ساری عمر میں اور پھر وفات کے بعد برزخ میں اور برزخ کے بعد کیا کیا علوم و تجلیات و احوال و مقامات حاصل ہونے ہیں۔ جب آپ قونیہ پہنچے۔ تو شیخ صدر الدینؒ کے والد اسحاقؒ فوت ہو چکے تھے۔ اور شیخ اکبرؒ نے ان کی والدہ کے ساتھ عقد نکاح کر لیا۔ اس طرح شیخ صدر الدینؒ نے خورد سالی سے شیخ اکبر کی صحبت میں پرورش پائی۔ آپ شیخ اکبرؒ کے کلام کی کلید (چابی) ہیں۔ اور شیخ اکبرؒ کے مسلک وحدت الوجود کا مطلب شیخ صدر الدینؒ کی شرح اور تتبع اور تحقیقات کے بغیر کماحقہٗ حاصل نہیں ہو سکتا۔ شیخ صدر الدینؒ صاحب تصنیف بھی ہیں۔ چنانچہ تفسیر فاتحہ، مفتاح الغیب، نصوص، مکوک، شرح حدیث اور نفحاتِ الٰہیہ جس میں آپ نے اپنے وارداتِ قدسیہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ سب کتابیں آپؒ کی تصنیف ہیں۔ جو شخص چاہتا ہے کہ آپ کے کمالات سے واقف ہو ان کتابوں کا مطالعہ کرے۔ کیونکہ آپ نے اپنے بہت سے احوال، اذواق (جمع ذوق)، مکاشفات، اور مقامات ان کتابوں میں لکھے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ سترہ شوال ۶۵۳ھ کو عالمِ واقعہ میں مجھے طویل وقت کے لئے شیخ اکبرؒ کی زیارت ہوئی اور ہمارے درمیان بہت باتیں ہوئیں۔ میں نے آثار و احکام اسمائے الٰہی میں چند باتیں کہیں۔ جو شیخ کو بہت پسند آئیں اور آپ کا چہرہ مبارک بشاشت سے چمکنے لگا۔

ذوق کے عالم میں آپ کا سر ہلنے لگا۔ اور میرے بعض کلمات آپ میرے لہجے میں دہرانے لگے اور فرمایا ملیح۔ میں نے عرض کیا یا سیدی ملیح آپ ہیں یہ آپ کا کرم ہے۔ کیونکہ آپ کو یہ قدرت ہے کہ آدمی کی تربیت کر کے اُسے ایسے مقام پر پہنچا سکتے ہیں کہ جہاں یہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ اور اگر آپ انسان ہیں تو تیرے سوا کسی چیز کا وجود نہیں۔

اس کے بعد میں نے شیخ کے نزدیک ہو کر آپ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور عرض کیا کہ اب آپ سے ایک کام ہے فرمایا طلب کر۔ میں نے عرض کیا۔ میری خواہش یہ ہے کہ شہود ابدی اور تجلی ذاتی کی کیفیت سے متحقق ہو جاؤں۔ جیسا کہ آپ اس سے متحقق ہیں۔ فرمایا اچھا اور میرا سوال پورا کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تو جانتا ہے کہ میری بہت اولاد و اصحاب تھے۔ میں نے بہتوں کو مار کر پھر زندہ کیا یعنی ان کو مقام فنا پر پہنچا کر مقام بقا تک لے گیا۔ لیکن اُن میں سے کسی کو یہ چیز میسر نہ ہوئی (جو تجھے ہوئی ہے) میں نے عرض کیا یا سیدی الحمد للہ علی اختصاص بھٰذا الفضیلۃ اعلم انک تحی وتمیت یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے مجھے یہ فضیلت ملی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ زندہ کرتے ہیں حیات ابدی سے اور مردہ کرتے ہیں مقتضائے طبیعت انسانی سے میں نے اور باتیں بھی عرض کیں۔ جن کا ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ اس کے بعد وہ مکاشفہ ختم ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ نفحات میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ صدرالدینؒ شیخ سعدالدین حموی کی خدمت میں اکثر جایا کرتے تھے۔ اور اُن سے بہت سوالات کرتے تھے جن کی گنجائش یہاں نہیں ہے۔ آپ کے اور مولانا جلال الدین رومیؒ کے درمیان بہت محبت تھی۔ ایک دن شیخ صدرالدین کی مجلس گرم تھی۔ قونیہ کے اکابر جمع تھے۔ آپ صفہ کے صدر پر سجادہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ مولانا رومؒ تشریف لائے۔ شیخ نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور مولانا سجادہ پر نہ بیٹھے۔ انہوں نے کہا قیامت میں اس کا کیا جواب دونگا کہ شیخ کے سجادہ پر کیوں بیٹھا؟ آپ نے جواب دیا کہ ایک کونے پر آپ بیٹھ جائیں اور ایک پر میں۔ لیکن مولانا تعظیماً سجادہ پر نہ بیٹھے۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ سجادہ جو آپ کی نشست کے قابل نہیں۔ ہمیں بھی پسند نہیں۔ اس لئے آپ نے سجادہ ایک طرف پھینک دیا۔ مولاناؒ نے شیخؒ سے پہلے وفات پائی۔ اور یہ وصیت فرمائی کہ میری نماز جنازہ شیخ پڑھائیں۔

خواجہ نظیر طوسیؒ کا شمار حکمائے اسلام میں ہوتا ہے اُن کے اور شیخ صدر الدین ؒ کے درمیان اکثر مسائل پر سوال و جواب ہوئے ہیں۔ خواجہ نظیر ہلاکو خان کے حکم کے مطابق موضع مراغہ میں رصد باندھنے کے لئے تعینات تھے۔ اور یہ امر عظیم انجام دینے سے کے بعد فوت ہو گئے۔ شیخ صدر الدین کی وفات کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔ لیکن کتاب حبیب السیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ الفاخان بن ہلاکو خان کے عہد تک زندہ تھے۔ اور الفاخان بروز چہار شنبہ بتاریخ بیس ماہ ذالحجہ ۶۸۰ھ ہمدان میں فوت ہوا۔

حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی قدس سرہٗ

عاشق پاکباز، در جمیع کمالات ممتاز، عارف ربانی محب خاص، شیخ اوحد الدین کرمانی قدس سرہٗ بے باکان روزگار اور رندان محرم اسرار میں سے تھے۔ غایت قرب حق کی وجہ سے آپ لوگوں کی مدح و قدح کی پروا نہیں کرتے تھے۔ اور ہمیشہ باطن کی آرائش میں کوشاں رہتے تھے۔ آپ شیخ رکن الدین نجاشی کے مرید تھے۔ وہ شیخ قطب الدین ابہری کے اور وہ شیخ ابو نجیب سہروردی کے الیٰ آخرہٖ۔

سیر العارفین میں چلپی حسام الدین نقل کرتے ہیں کہ آپ کو خرقہ خلافت خواجہ بزرگؒ معین الحق والدین چشتی قدس سرہٗ سے بھی ابتدائے حال میں ملا۔ یعنی جس وقت خواجہ بزرگؒ بغداد میں تھے۔ چنانچہ آپ کا ذکر اکثر خواجگان چشت کے ملفوظات میں بوجہ احسن آیا ہے۔ آپ کو شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی صحبت بھی ملی ہے۔ شیخ اکبرؒ نے فتوحات مکی اور بعض دیگر رسائل میں آپ کے کمالات بیان کئے ہیں۔ فتوحات کے آٹھویں باب میں لکھتے ہیں۔ کہ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ نے فرمایا کہ میں جوانی میں اپنے شیخ رکن الدین نجاشی کی خدمت کرتا تھا۔ ایک دفعہ ہم سفر میں تھے۔ اور شیخ اونٹ پر سوار تھے۔ آپ کے پیٹ میں درد تھا۔ جب ہم منزل پر پہنچے تو وہاں ایک شفاخانہ تھا۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو دوائی لاؤں۔ تاکہ آپ کو آرام ملے۔ جب میں نے اصرار کیا تو آپ نے اجازت دیدی۔ میں شفاخانے میں گیا۔ دیکھا کہ ایک آدمی خیمہ میں بیٹھا ہے اور ملازم اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ اس کے

سامنے ایک شمع جل رہی تھی۔ نہ وہ مجھے پہچانتا تھا۔ نہ میں اُسے پہچانتا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو کھڑا ہو گیا اور میرے سامنے آکر میرا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا۔ کہ آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے میں نے اپنے شیخ کا حال بیان کیا۔ اس نے فوراً دوائی دی اور میرے ساتھ باہر آیا اور اپنے ملازم سے کہا کہ شمع ان کے ساتھ لے جاؤ۔ مجھے ڈر تھا۔ کہ شیخ شمع کو دیکھ کر باہر آجائیں گے۔ اس لئے میں نے اُسے قسم دیکر کہا کہ واپس چلے جاؤ۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے شیخ کی خدمت میں جا کر دوائی دی اور اُس شخص کی عزت واکرام کا ذکر کیا۔ شیخ نے تبسم کیا اور فرمایا کہ اے فرزند جب میں نے تیرا اضطراب دیکھا تو مجھے تجھ پر رحم آیا اور تجھے اجازت دیدی۔ جب تم وہاں پہنچے تو مجھے ڈر تھا۔ کہ شاید وہاں کا افسر تیری پروانہ کرے۔ اور تو شرمندہ ہو۔ میں اپنے اونٹ سے اتر کر اُس شخص کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس کی جگہ پر بیٹھ گیا۔ جب تم آئے تو میں نے تمہاری عزت کی اور وہ سب کچھ کیا جو تو نے دیکھا ہے۔

چہل مجالس میں شیخ علاؤالدولہ سمنانیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اوحدالدین کرمانیؒ کو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بدعتی کہتے تھے۔ اور اپنے سامنے اُن کا نام سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ جب شیخ اوحدالدینؒ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اگرچہ اُنہوں نے مجھے بدعتی کہا ہے لیکن مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میرا نام ان کی زبان مبارک پر آتا ہے جب شیخ شہاب الدینؒ کے سامنے یہ بات کہی گئی تو آپ نے ان کے خُلق کی بہت تعریف کی۔ صاحبِ نفحات نے یہ بھی لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی مراد ان کو بدعتی کہنے میں یہ ہو کہ شیخ اوحدالدینؒ مظاہر صوری یعنی تعینات میں مشاہدۂ حق کرتے تھے۔ اور جمالِ مطلق کو مقید صورتوں میں دیکھتے تھے۔ چنانچہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ ایک دفعہ خواجہ شمس الدین تبریزیؒ نے آپ سے پوچھا کہ آج کل آپ کیا کرتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ چاند کو پانی کی طشت میں دیکھتا ہوں۔ خواجہ شمس الدینؒ نے کہا اگر آپ کی گردن میں دنبل (پھوڑا) نہیں ہے تو چاند کو سیدھا آسمان پر کیوں نہیں دیکھتے۔ ایک دفعہ کسی نے مولانا جلال الدین رومیؒ کے سامنے کہا کہ شیخ اوحدالدین کرمانیؒ شاہد باز ہیں۔ اُنہوں نے فرمایا۔ کاش کہ ہوتا۔ اور گزر جاتا۔ اور آپ کی یہ رباعی بھی آپ کے مسلک پر دلالت کرتی ہے۔ رباعی ؎

زاں مے نگرم بچشم سر در صورت | زیرا کہ ز معنی است اثر در صورت
ایں عالم صورت است و ما در صُوَریم | معنی نتواں دید مگر در صورت

"میں چشم سر یعنی ان ظاہری آنکھوں سے ظاہری صورتوں میں ہی حق کو دیکھتا ہوں اسلئے کہ حقیقت کا مجازی صورتوں پر اثر ہے۔ یہ سارا جہان صورت ہے اور ہم صورتوں میں مقید ہیں۔ اس لئے حقیقت کو صورتوں میں دیکھے بغیر مشاہدہ حق ممکن نہیں۔

صاحب نفحات" نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب آپ کو محفل سماع میں جوش آتا تو آپ امردوں (خوبصورت لڑکوں) کا کرتہ چاک کر کے سینے سے سینہ ملاتے تھے۔ جب آپ بغداد پہنچے تو خلیفۂ وقت (بادشاہ) کا لڑکا نہایت حسین وجمیل تھا۔ جب اس نے آپ کے متعلق اس قسم کی باتیں سنی تو کہا کہ یہ آدمی کافر اور بدعتی ہے اگر اس قسم کی حرکت اس نے پھر کی تو اُسے قتل کر دوں گا۔ چنانچہ وہ شاہزادہ محفل سماع میں چلا گیا۔ شیخ کو اس کا حالِ دل معلوم ہو گیا۔ اور جب آپ کو سماع میں جوش آیا تو آپ نے فرمایا ؎

سہل است مرا بر سر خنجر بودن | در پائے مرادِ دوست بے سر بودن
تو آمدۂ کہ کافرے را بکشی | غازی چو توئی رواست کافر بودن

"میرے لئے سر کو خنجر سے کٹوانا آسان ہے۔ دوست کی مراد پوری ہو جائے تو سر کیا چیز ہے۔ تو اس لئے آیا ہے کہ کافر کو قتل کرے۔ جب تو قاتل بن کے آیا ہے تو مجھے کافر بن کر مقتول ہونا پسند ہے۔"

یہ سُن کر شاہزادے نے اپنا سر شیخ کے قدموں پر رکھ دیا اور مرید ہو گیا۔ اُس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اہل تحقیق و توحید کے نزدیک کامل وہ شخص ہے۔ کہ جو جمالِ مطلق حق سبحانہ تعالےٰ کا ظاہری صورتوں میں مشاہدہ کرتا ہے نیز جو لوگ مظاہر میں مشاہدۂ جمال حق کرتے ہیں وہ مطلق کو مقید میں دیکھ سکتے ہیں۔ اور وحدت کو کثرت میں دیکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ مقام بہت بلند ہے جو قسمت والوں کو حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے۔ کہ "پناہ مے بریم بحق تعالےٰ از ناشناختن بعد از شناختن و از حجاب صُور کو نیہ بعد از

انکشافِ حقیقت" یعنی ہم حق تعالیٰ کے ساتھ پناہ لیتے ہیں معرفت کے بعد نہ پہنچاننے سے۔ اور انکشافِ حقیقت کے بعد ظاہری صورتوں کے حجاب سے" اُس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اکابر کی ایک جماعت مثل شیخ احمد غزالیؒ۔ شیخ فخرالدین عراقیؒ اور شیخ اوحدالدین کرمانیؒ جنہوں نے جمال مطلق کا مشاہدہ ظاہری صورتوں میں کیا ہے۔ اُن کے ساتھ حسن ظن بلکہ صدقِ اعتقاد یہ ہے کہ اُنہوں نے فی الواقع ظاہری صورتوں میں مشاہدۂ جمال حق کیا ہے۔ اور ظاہری صورتوں میں مقید نہیں ہوئے۔ اور اگر بعض بزرگوں نے اُن سے انکار کیا ہے۔ تو اُن کا مقصد یہ ہے کہ محجوبان "ظاہربین لوگ جو حقیقت بینی سے معذور ہیں" اس بات کو سند نہ بنالیں۔ اور اپنے حال کا قیاس اُن کے حال پر نہ کریں۔

شیخ اوحدالدین کرمانیؒ کے اشعار نہایت لطیف ہیں۔ اپنی کتاب مصباح الارواح کے آخر میں فرماتے ہیں ؎

نظم

تا جنبشِ دست ہست مادام | سایہ متحرک است ناکام

چوں سایہ ز دست یافت مایہ | پس نیست وجودِ اصلِ سایہ

چیزے کہ وجودِ او بخود نیست | ہستی اش نہادن از خرد نیست

ہست است و لیک ہست مطلق | نزدیکِ حکیم نیست جز حق

ہستی بحق قوام دارد | او نیست و لیک نام دارد

بر نقشِ خود است فتنہ نقاش | کس نیست دریں میاں تو خوش باش

پس باد یقین کہ نیست واللہ | موجودِ حقیقی ماسوی اللہ

"۱-۲" جب تک ہاتھ میں جنبش ہے۔ اُس کا سایہ بھی ہلتا رہے گا۔ چونکہ سایہ ہاتھ کا محتاج ہے۔ اس لئے سایہ کی اصل کوئی نہیں ہے۔ (۳) جس چیز کا وجود از خود نہیں ہے یعنی کسی اور کا محتاج ہے اُسے ہست کہنا عقلمندی نہیں ہے (۴)، جو کچھ موجود ہے وہ ہست مطلق یعنی حق تعالیٰ کی ہی

ہے. حکما کے نزدیک حق کے سوا کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔ (۵) جو کچھ موجود ہے حق کے وجود سے ہست ہے۔ درحقیقت اور کچھ موجود نہیں۔ صرف اس کا نام موجود ہے یا برائے نام موجود ہے (۶) نقاش اپنے نقش پر فریفتہ ہے تو خوش رہ کہ درمیان میں کوئی غیر نہیں ہے۔ (۷) پس یقین جان کہ سوائے حق کے کسی اور چیز کا وجود نہیں ہے" رباعی ؎

دائم ز ورائے حرف بی نحو دلست | وز چشمۂ لطف آبِ حیاتم مددلست
علت ز احد بہ اوحد آمد حرفے | علت بگذار نیک اوحد احد است

"مجھے یقین ہے کہ حق تعالےٰ کا وجود حرف اور حد سے بالاتر ہے یعنی حروف و عبارت اُسے بیان کر سکتے ہیں نہ اس کی کوئی حد مقرر کی جا سکتی ہے کہ کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے۔ اَحد اور اَوحد کے درمیان یعنی خالق و مخلوق کے درمیان یا علت و معلول کے درمیان صرف ایک حرف یعنی واؤ کی علت ہے علت کو ہٹا دو تو اوحد اور احد میں کوئی فرق نہیں"

شیخ اوحدالدین کرمانیؒ کے بہت سے مریدین صاحب حال واہلِ کمال ہیں۔ اُن میں سے ایک شیخ صدرالدین علی یمنیؒ ہیں۔ جو میر سید قاسم تبریزیؒ کے شیخ طریقت ہیں۔ چنانچہ میر سید قاسمؒ کا ذکر نفحات میں آیا ہے اُن کا وصال ۸۳۲ھ میں ہوا اور خرجرد جام میں مدفون ہیں۔ شیخ اوحدالدین کرمانیؒ کے دوسرے خاص مرید شیخ اوحدالدین اصفہانی ہیں۔ جو مثنوی جام جم کے مصنف ہیں۔ یہ مثنوی حدیقۂ شیخ سنائیؒ کے وزن پر ہے اُس میں سے چند ابیات یہ ہیں ؎

اوحدی شصت سال سختی دید | تا شبے روئے نیک بختی دید
سر گفتار ما مجازی نیست | باز کن دیدہ کیں ببازی نیست
سالہا چوں فلک بسر گشتم | تا فلک وار دیدہ ورگشتم
بر سر پائے چلہ داشتہ ام | چوں نہ از بہر ذلہ داشتہ ام
از بروں در میانِ بازارم | در دروں خلوتیست با یارم

"(۱) اوحدی نے ساٹھ سال سختی دیکھی۔ حتی کہ ایک رات نیک بختی کا منہ دیکھا۔

(۲) ہماری گفتگو مجازی نہیں۔ آنکھیں کھول کیونکہ یہ کام بازی اور کھیل نہیں (۳)
کئی سال میں آسمان کی طرح چکر میں رہا۔ حتیٰ کہ آسمان کی طرح دیدہ ور ہوگیا (۴)
میں نے ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر چلہ کیا ہے۔ یہ سب کچھ کھیل اور بازی کے
واسطے نہ تھا۔ (۵) ظاہراً میں کوچہ و بازار میں پھر رہا ہوں۔ باطن میں مجھے دوست
کے ساتھ خلوت حاصل ہے"۔

شیخ اوحدالدین اصفہانیؒ کا وصال ۶۳۸ھ میں ہوا۔ اور تبریز میں مدفون ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ
اوحدالدین کرمانی قدس سرہٗ کی کرامات بیشمار ہیں۔ حضرت گنج شکرؒ راحت القلوب میں فرماتے
ہیں کہ ایک دفعہ ابتدائے حال میں میں سیستان کے علاقے میں سفر کر رہا تھا۔ شیخ اوحدالدین کرمانیؒ
کی صحبت ملی۔ آپ نے مجھے ہمکنار کر کے فرمایا تم مشائخ روزگار ہو گے۔ یہ وہ سعادت ہے
جو ہمارے نصیب ہوئی۔ فرمایا ہے کہ آپ کی خانقاہ میں دس درویش صاحب حال پہنچے
اور اظہار کرامت کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ شیخ اوحدالدینؒ نے کہا اس شہر کا حاکم مجھے
تکلیف دینے کے درپے ہے آج اگر وہ میدان سے سلامت واپس آئے تو عجیب بات
ہوگی۔ تھوڑی دیر کے بعد خبر ملی کہ چوگان کھیلتے ہوئے وہ گر کر مر گیا ہے۔ اس کے بعد درویشوں
نے اس دعاگو (حضرت گنج شکرؒ) کی طرف رُخ کیا کہ آپ کچھ ظاہر کریں۔ دعاگو نے سر مراقبہ میں
نیچے کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر میں نے کہا سامنے دیکھو۔ سب نے اپنے آپ کو اور مجھے
خانہ کعبہ میں پایا۔ الغرض چند دن میں شیخ اوحدالدین کرمانیؒ کی خدمت میں رہا۔ اور بہت نعمت
حاصل کی۔ اس کے بعد اُن کی اجازت لے کر واپس آیا۔ منتخب التاریخ میں لکھا ہے کہ شیخ
اوحدالدین کا وصال ۶۳۵ھ میں بغداد میں ہوا۔ لیکن حبیب السیر میں ہے کہ آپ کی وفات
الغاخان بن ہلاکو خان کے عہد میں ہوئی۔

حضرت شیخ نجیب الدین علی بن برغش شیرازی قدس سرہٗ

محتشمان ارباب ولایت، گنجینۂ علوم ہدایت، کاشف راہ مستقبل و ماضی مقتدائے قوم
شیخ نجیب الدین علی بن برغش شیرازی قدس سرہٗ بزرگان روزگار میں سے تھے۔ نفحات الانس میں

لکھا ہے آپ عالم اور عارف اور سرچشمۂ علوم و معارف تھے۔ آپ کے والد ایک بڑے امیر کبیر تاجر تھے۔ جو ملک شام سے شیراز آ کر سکونت پذیر ہوئے اور شادی کی۔ ایک رات اُنہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اُن کے پاس کھانا لائے ہیں اور ساتھ بیٹھ کر کھایا ہے اور خوشخبری دی کہ حق تعالےٰ تجھے ایک صالح اور نجیب فرزند عنایت کرے گا۔ جب لڑکا پیدا ہوا تو انہوں نے اس کا نام حضرت علیؓ کے نام پر علی رکھا اور لقب نجیب الدین دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایام طفولیت میں ایک دفعہ میں جمعہ نماز پڑھنے کے لئے شیراز کی جامع مسجد عتیق میں گیا۔ خلقت کا بے حد ہجوم تھا۔ وہاں شیخ روزبہان بقلی شیرازیؒ بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے چاہا کہ جا کر شیخ کی زیارت کروں۔ لیکن ہجوم کی وجہ سے وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ اس اثنا میں شیخ کی نظر مجھ پر پڑی۔ آپ نے فرمایا اس لڑکے کو میرے پاس آنے دو۔ لوگوں نے مجھے راستہ دے دیا۔ میں نے قریب جا کر اُن کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ اور اُنہوں نے میرے سر پر بوسہ دیکر دعا کی۔

نفحات الانس میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ابتدائے حال سے فقراء سے صحبت رکھتے تھے۔ اور ان کی صحبت میں رہتے تھے۔ اگرچہ آپ کے والد آپ کے لئے عمدہ کھانے اور فاخرہ لباس مہیا کرتے تھے۔ لیکن آپ اُن سے اجتناب کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ مجھے نازک لوگوں کا کھانا اور عورتوں کا لباس درکار نہیں۔ آپ ہمیشہ موٹے کپڑے اور سادہ کھانا پسند کرتے تھے۔ جب طلب حق کا غلبہ بڑھ گیا تو آپ تنہا کمرے میں رہنے لگے۔ ایک رات خواب دیکھا کہ ایک بزرگ شیخ کبیرؒ کے مقبرے سے نکلے ہیں اور چھ اور بزرگ اُن کے پیچھے جا رہے ہیں۔ پہلے بزرگ شیخ نجیب الدین شیرازی کو دیکھ کر مسکرائے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر آخری بزرگ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ یہ حق تعالےٰ کی تمہارے پاس امانت ہے اس کے بعد آپ بیدار ہو گئے۔ اور صبح اُٹھ کر اپنے والد کو خواب سنایا۔ والد نے جواب دیا کہ اس خواب کی تعبیر شیخ ابراہیمؒ کے سوا کوئی نہیں دے سکے گا۔ شیخ ابراہیم اس زمانے میں ایک عاقل مجذوب تھے۔ اُن کے والد نے کسی کو شیخ ابراہیم کے پاس تعبیر حاصل کرنے کے لئے بھیجا اُنہوں نے فرمایا کہ یہ خواب برغش کے بیٹے (شیخ نجیب الدین بن برغش) کے بغیر کوئی نہیں

دیکھ سکتا۔ اُنہوں نے کہا کہ پہلے بزرگ شیخ کبیرؒ ہیں اور باقی بزرگ ان کے سلسلے کے مشائخ ہیں۔ وہ آخری بزرگ اب زندہ ہوں گے کیونکہ اُنہوں نے شیخ نجیب الدینؒ کو اُن کے سپرد کیا ہے۔ اب اُسے چاہیئے کہ ان کو تلاش کرے اور مقصد حاصل کرے۔ چنانچہ والد سے اجازت لے کر آپ حجاز گئے۔ وہاں آپ نے جب شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ کو دیکھا تو پہچان لیا کہ یہی آخری بزرگ ہیں جنہیں آپ نے خواب میں دیکھا تھا۔ شیخ کو بھی آپ کے خواب کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اُنہوں نے سارا حال شیخ نجیب الدین کو کہہ سنایا۔ اس کے بعد آپ اُن کے مرید ہو گئے اور کئی برس آپ نے ان کی خدمت میں رہ کر خرقۂ خلافت حاصل کیا آپ نے شیخ شہاب الدینؒ سے ان کی تصانیف بھی سنیں (یعنی اُنہوں نے پڑھ کر سُنایا) اس کے بعد اجازت حاصل کر کے شیراز چلے گئے۔ جہاں آپ نے خانقاہ قائم کی۔ اور ہدایتِ خلق میں مشغول ہو گئے۔ اس سے آپ کے کرامات اور کمالات کا چرچہ ہو گیا۔ اور لوگ کثرت سے مرید ہونے لگے۔ آپ صاحبِ تصنیف بھی ہیں۔ آپ کے کلمات بہت لطیف ہیں جو چند رسائل میں موجود ہیں۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ توحید کا راز کیا ہے آپ نے فرمایا "در آئینہ وبس" (یعنی شیشہ دیکھو اور بس) وہاں ایک بزرگ بھی موجود تھے۔ اُنہوں نے اس بات کو ذیل کے شعر میں بیان کیا ہے ۔ رباعی ۔

شیخ کامل نجیب، پیرِ کہن	ایں حرفِ دو آورد بصحرائے سخن
گفتا کہ ز وحدت ار مثالے خواہی	در آئینہ وبس تصور مے کن

یہ شیخ نجیب الدین نے ستر وحدت ان دو لفظوں میں بیان فرمایا ہے ۔

"در آئینہ وبس" یعنی کائنات وجود حق تعالےٰ کا عکس ہے"

شیخ شمس الدین صفیؒ کا شمار مشائخِ کبار صاحبِ حالات وکراماتِ عظیم میں ہوتا ہے۔ جب شیخ نجیب الدینؒ اپنے پیر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی زیارت کے لیے بغداد گئے تو شیخ شمس الدینؒ بھی آپ کے رفیقِ راہ تھے۔ اور دونوں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نجیب الدین فرماتے ہیں۔ کہ جب ہم شیراز واپس آئے۔ حضرت شیخ قدس سرہ نے میرے لیے خلافت نامہ لکھا۔ آپ نے شیخ شمس الدینؒ کو بھی خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ آپ نے چالیس

کلاہ منگوائے جن میں سے بیس مجھے اور بیس شیخ شمس الدین کو مرحمت فرمائے اور ہر ایک کلاہ پر شیراز کے ایک ایک بزرگ کا نام لکھا اور فرمایا کہ جب شیراز پہنچو تو یہ کلاہ ہماری نیابت میں ان کو پہنا دینا۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا۔ اور ان دونوں بزرگوں سے ایک جہان نے تربیت حاصل کی۔ شیخ نجیب الدین بن بزغش کا ایک لڑکا تھا۔ جس کا نام شیخ ظہیر الدین عبدالرحمانؒ تھا۔ جو بعد میں بڑے بزرگ ہوئے۔ ابھی آپ بطنِ مادر میں تھے۔ کہ شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ نے اُن کے لئے خرقۂ خلافت مرحمت فرمایا تھا۔ جب آپ پیدا ہوئے تو وہ خرقہ انہیں پہنایا گیا۔ یعنی پہلا کپڑا جو اُنہوں نے دنیا میں پہنا وہی خرقۂ خلافت تھا۔ بڑے ہو کر وہ اپنے والد کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ اور تربیت حاصل کر کے مرتبہ کمال پر پہنچ گئے۔ اُن کی کرامات بہت مشہور ہیں۔ آپ صاحبِ تصنیف تھے۔ آپ نے شیخ شہاب الدین عمرؒ کی کتاب عوارف المعارف کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ جس میں تحقیقات کشف و الہام بہت ہیں۔

حضرت شیخ نورالدین عبدالصمد نطنزیؒ بھی شیخ نجیب الدینؒ کے مرید ہیں۔ جو علوم ظاہر و باطن کے عالم تھے۔ آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شیخ عزالدین محمود کاشیؒ اور شیخ کمال الدین عبدالرزاق کاشیؒ جیسے عارفِ کامل آپ کے مرید تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے حالات نفحات میں بالتفصیل موجود ہیں۔ شیخ محمود کاشیؒ نے بھی عوارف المعارف کا ترجمہ بروجہ احسن کیا ہے۔ شیخ عبدالرزاق کاشیؒ نے شیخ صدرالدین قونویؒ سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا ہے اُن کے اور شیخ علاؤالدولہ سمنانیؒ کے درمیان وحدت الوجود پر خط و کتابت ہوئی ہے۔ چنانچہ دونوں خط نفحات الانس میں موجود ہیں۔ الغرض شیخ نجیب الدینؒ کے سلسلہ میں بہت شاہباز پیدا ہوئے ہیں۔ جن کے حالات کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔

آپ کی وفات الغاخان بن ہلاکو خان کے عہد میں جمعہ کے دن ماہ شعبان ۶۷۸ھ میں ہوئی۔ اور شیراز میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی قدس سرہٗ

خلاصۂ راہ روانِ با اخلاق، سر حلقۂ عاشقانِ آفاق، محیطِ نسیم صبح خیزی، مستِ وحدت

شیخ ابوالقاسم جلال الدین تبریزیؒ قدس سرہ کا شمار بزرگانِ روزگار و عارفانِ صاحب اسرار میں ہوتا ہے۔ آپ کا حال نہایت قوی اور ہمت نہایت بلند تھی۔ آپ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ آپ شیخ بدرالدین ابوسعید تبریزیؒ کے مرید تھے۔ ان کی وفات کے بعد آپ تبریز سے بغداد جا کر شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سات سال آپ کی خدمت میں رہے۔ آپ ہر سال اپنے شیخ کے ساتھ حج بیت اللہ کو جاتے تھے۔ جب شیخ عمر رسیدہ ہو گئے اور سفر کی حالت میں ان کو سرد و خشک غذا موافق نہیں آتی تھی تو شیخ جلال الدینؒ سر پر دیگ رکھ کر ساتھ پیادہ چلتے تھے۔ اور بوقتِ ضرورت گرم کھانا شیخ کے لیئے مہیا کرتے تھے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جب شیخ شہاب الدینؒ بیت اللہ سے واپس بغداد پہنچے تو مریدین اور معتقدین نفیس ہدیے پیش کر رہے تھے۔ ایک صالحہ عورت نے بھی ایک درم لا کر سامنے رکھ دیا۔ اس کے بعد شیخ نے خاص حاضرین کو اشارہ فرمایا کہ اپنے اپنے پسند کی چیز اٹھاؤ۔ ہر شخص نے ایک ایک چیز اٹھالی۔ شیخ جلال الدینؒ نے وہی درم اٹھا لیا۔ جو عورت نے پیش کیا تھا۔ یہ دیکھ کر شیخ نے فرمایا کہ سب برکت تم نے اٹھالی۔ اور دوسروں کے لیئے کچھ نہیں چھوڑا۔ الغرض آپ نے شیخ کی خدمت میں رہ کر عظیم القدر نعمتیں حاصل کیں۔ شیخ اوحدالدین کرمانیؒ سے سیر العارفین میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ کعبۃ اللہ جاتے ہوئے ہم سفر تھا۔ جب ہم پہاڑ میں پہنچے تو راستہ نہایت دشوار گذار ہو گیا۔ اور کافی اونٹ اور آدمی مر گئے۔ غریب لوگ بے بس ہو کر سخت پریشان ہو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر پہاڑی لوگ اونٹوں کے گلے لائے۔ اور بیس اشرفی فی اونٹ کے حساب سے بیچنے لگے۔ دولت مند لوگ اُونٹ خرید رہے تھے۔ لیکن غریب حیران تھے۔ کہ کیا کیا جائے۔ شیخ جلال الدینؒ تین بار اسمِ پاک یا لطیفُ پڑھ کر تھیلے میں ہاتھ ڈالتے اور اشرفیاں نکال کر اُونٹ خریدتے جاتے تھے۔ اس طرح آپ نے پانچ سو اُونٹ خرید کر غریبوں میں تقسیم کر دیئے۔ اور خود پیادہ بیت اللہ تک گئے۔ جس وقت شیخ شہاب الدینؒ نے شیخ بہاؤالدینؒ زکریا ملتانی کو نعمت و کرامت دیکر ہندوستان روانہ کیا تو چونکہ شیخ جلال الدینؒ کو اُن سے بہت محبت تھی شیخ

سے رُخصت لے کر اُن کے ساتھ ہندوستان آئے۔ جب دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے۔ شیخ جلال الدین ؒ نے شہر جاکر شیخ فریدالدین عطار ؒ سے ملاقات کی۔ جب وہ واپس منزل پر پہنچے تو شیخ بہاؤالدین ؒ نے پوچھا کہ درویشوں میں سے کس سے ملاقات ہوئی۔ اور کیسی صحبت رہی۔ آپ نے کہا شیخ فریدالدین عطار ؒ سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے پوچھا۔ کہ کہاں سے آئے ہو میں نے کہا بغداد سے فرمایا وہاں مشغولانِ حق میں سے کون کون ہیں۔ میں نے کچھ جواب نہ دیا۔ شیخ بہاؤالدین نے فرمایا کہ آپ نے کیوں نہ کہا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی ؒ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ پر شیخ فریدالدین عطار ؒ کے استغراق کی عظمت اس قدر چھا گئی کہ شیخ شہاب الدین ؒ بالکل یاد نہ رہے۔ شیخ بہاؤالدین ؒ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اور اُسی جگہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے۔ شیخ بہاؤالدین ملتان چلے گئے اور شیخ جلال الدین ؒ سیر کرتے ہوئے سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی پہنچے۔ سلطان کو آپ کے کمالات کا پہلے سے علم تھا۔ استقبال کے لئے باہر آئے۔ جب قریب پہنچے تو گھوڑے سے اتر کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو لے کر شہر کے اندر آئے۔ شیخ نجم الدین صغرا کو جو شہر دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔ یہ بات پسند نہ آئی اور اُن سے حسد کرنے لگے۔ جب سلطان نے اُن سے پوچھا کہ شیخ جلال الدین ؒ کو کس جگہ ٹھہرانا چاہیئے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ بیت الجن میں۔ بیت الجن بادشاہ کے محل کے قریب ایک مکان تھا۔ جس میں جنات کا قبضہ تھا۔ اور کوئی شخص وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ شیخ جلال الدین ؒ کو روشن ضمیری سے یہ بات معلوم ہوگئی آپ نے فرمایا۔ اس مکان کی چابی لاؤ۔ میں وہاں آدمی بھیج کر صفائی کرانا چاہتا ہوں۔ شیخ نے تراب نامی ایک خادم کو حکم دیا کہ وہاں جاکر بلند آواز سے کہو کہ اے جنات جلال الدین تبریزی آگئے ہیں تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ جب خادم نے یہ پیغام دیا تو جنات فوراً منتشر ہوگئے۔ شیخ جلال الدین ؒ نے وہاں سکونت اختیار کی۔ دوسرے دن آپ خواجہ قطب الاسلام ؒ کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔

حضرت خواجہ کو صفائے باطن سے معلوم ہوگیا کہ آ رہے ہیں۔ اس لئے آپ استقبال کے لئے باہر تشریف لے گئے اور شیخ کو اپنے گھر لائے۔ خواجہ قطب الاسلام کے یہاں

درویش رہتے تھے۔ اور سماع کی مجلس گرم تھی۔ درویشوں کو اس بیت پر وجد آ رہا تھا۔

در میکدۂ وحدت ہشیار نمے گنجد در عالم بے رنگی اغیار نمے گنجد

"وحدت کے مے خانہ میں ہوشیار نہیں سما سکتے۔ اور بے رنگی یعنی اطلاق کے عالم میں غیر کی گنجائش نہیں۔ یعنی فنائی الذات کی حالت میں غیر رہتا ہی نہیں ہے"

وہ جمعہ کی رات تھی۔ نمازِ جمعہ تک دونوں بزرگ ہم صحبت رہے۔

شیخ جلال الدینؒ بڑے عبادت گذار تھے۔ اور ہمیشہ صفائے باطن کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ آپ عشا کے وضو سے صبح کی نماز گھر پر ادا کیا کرتے تھے اور نماز فجر کے بعد آپ چاشت تک چارپائی پر آرام کرتے تھے۔ ان دنوں آپ نے ایک ترک غلام ایک ہزار پانچ سو روپے میں خریدا تھا۔ جو حسن و جمال میں بے نظیر تھا۔ اور سنے بھی خوب بجاتا تھا۔ حضرت شیخ کو اس سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ آپ حسبِ دستور صبح کی نماز گھر پر ادا کر کے صحن میں چارپائی پر آرام کر رہے تھے اور وہ غلام آپ کے پاؤں دبا رہا تھا۔ اتفاقاً شیخ نجم الدین امامت کے لئے بادشاہ سے پہلے مسجد میں آگئے اور کھڑکی سے انہیں دکھایا کہ آپ اس قسم کے بزرگ کے معتقد ہوتے ہیں۔ جس نے اب تک صبح کی نماز نہیں پڑھی اور لڑکوں سے محبت رکھتا ہے۔ شیخ کو کشف باطن سے یہ بات معلوم ہو گئی۔ آپ نے چہرہ مبارک سے چادر اٹھا کر بلند آواز سے فرمایا کہ اے نجم الدینؒ اگر اس سے پہلے دیکھتے تو اس غلام کو میرے ساتھ سویا ہوا پاتے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ بہت شرمندہ ہوا اور شیخ نجم الدینؒ سے رُو گردانی کرلی۔

اس سے اُس بدبخت راندۂ درگاہ کے دل میں حسد کی آگ اور بھی زیادہ ہو گئی۔ اور شیخ کو بدنام کرنے اور بہتان لگانے کے درپئے ہو گیا۔ شہر دہلی میں ایک مطربہ دگانے والی رہتی تھی۔ جو نہایت خوبی سے نغمے گاتی تھی۔ وہ کبھی کبھی شیخ جلال الدینؒ کی خدمت میں آیا کرتی تھی اور شیخ نجم الدینؒ کے ہاں بھی جایا کرتی تھی۔ اُس نے مطربہ کو پانچ سو دینار دیئے۔ اور ایک اور آدمی کو ڈھائی سو دینار دے کر یہ کہا کہ شیخ جلال الدینؒ پر تہمت لگاؤ۔ ڈھائی سو دینار بعد میں دیئے جائیں گے۔ غرضیکہ شیخ نجم الدین نے اس معاملہ میں محضر لگایا اور تمام علماء و مشائخ کو جمع کیا۔ شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کو ملتان سے اور صوفی حمیدالدین سوالیؒ کو ناگور سے دعوت دی کہتے ہیں کہ دو سو اولیاء اللہ اس محضر میں

حاضر تھے۔ اور علماء تو شمار سے باہر تھے۔ جمعہ کے دن نماز کے بعد سب کو بادشاہ کے سامنے حاضر کیا گیا۔ شیخ جلال الدین تبریزیؒ بھی بلائے گئے۔ اُس مطربہ کو درمیان میں کھڑا کیا گیا تاکہ شہادت دے۔ شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ نے مطربہ کو بلا کر فرمایا کہ اللہ کے ولیوں سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔ تجھے سچ بولنا چاہیئے۔ ورنہ اپنا حشر دیکھ لوگی مطربہ نے بلند آواز سے کہا کہ حق تعالےٰ حاضر و ناظر ہے اور یہ معاملہ محض جھوٹ اور افترا ہے اور حضرت جلال الدینؒ آب حیات سے بھی زیادہ پاک ہیں۔ شیخ نجم الدین صغریٰ نے مجھے پانچ صد دینار فلاں شخص کے سامنے دیئے ہیں کہ یہ کام کرو۔ اس آدمی کو بلایا گیا اُس نے بھی یہی گواہی دی۔ اس سے شیخ نجم الدین نہایت رسوا ہوئے اور سلطان شمس الدینؒ نے اُسے عہدۂ شیخ الاسلامی سے برطرف کر دیا۔ اور شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کے ایک خادم کو شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز کیا۔ اس کے بعد شیخ جلال الدینؒ بدایوں تشریف لے گئے ایک دن دریا کے کنارے پر اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُٹھ کر فرمانے لگے" آؤ نجم الدین صغرا کا جنازہ پڑھیں۔ اس کی ابھی دہلی میں وفات ہو گئی ہے اگرچہ میں اس کی تہمت کی وجہ سے شہر سے باہر آ گیا ہوں۔ لیکن وہ میرے شیخ کی برکت سے دنیا سے باہر چلا گیا ہے۔ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اُسی وقت اس کا انتقال ہوا تھا۔ بدایوں میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد آپ کی بہت شہرت ہو گئی اور خلقت آپ کی گرویدہ ہو گئی ایک دن ایک ہندو آپ کے سامنے سے گذرا جونہی اس کی نظر شیخ پر پڑی فوراً مسلمان ہو گیا۔ اور تھوڑے عرصے میں مرتبہ عرفان تک پہنچ گیا۔ اس کا نام علی رکھا گیا۔ جب آپ بدایوں سے بنگال جانے لگے تو فرمایا۔ اے علی! اس شہر کو ہم نے تیرے حوالے کیا۔ باوجودیکہ بدایوں میں بہت سے مشائخ تھے لوگ کثرت سے اُن کے پاس آنے لگے۔ چنانچہ اُن کے کمالات سیر العارفین میں لکھے جا چکے ہیں۔ ایک دن شیخ قدس سرہٗ قاضی کمال الدین جعفری کے گھر پر تشریف لے گئے۔ خادموں نے کہا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ شیخ نے کہا کیا قاضی نماز پڑھنا جانتا ہے۔ جب قاضی کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے کہا کہ آپ نے یہ کس طرح فرمایا ہے کہ میں نماز پڑھنا نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا تم کس طرف نماز پڑھتے ہو اس نے کہا کعبہ کی طرف شیخ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ کعبہ کس طرف ہے اس نے کہا نہیں۔ آپ نے

فرمایا اے قاضی فقرا جب تک رب کعبہ کو نہیں دیکھ لیتے اللہ اکبر نہیں کہتے۔ انکا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ نماز عرش پر گذارتے ہیں۔ اسی رات قاضی نے خواب میں دیکھا کہ شیخ جلال الدین عرش پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ صبح کو اٹھ کر شیخ کی خدمت میں آیا اور تائب ہوا۔ اُس نے اپنے لڑکے کو بھی شیخ کا مرید کیا۔ اس کے بعد شیخ بدایوں سے بنگال تشریف لے گئے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو ساری خلقت آپ کے گرد جمع ہو کر مرید ہونے لگی۔ آپ نے وہاں ایک خانقاہ قائم کی اور لنگر جاری کیا۔ اس کے بعد آپ بندر دیو محل کی طرف تشریف لے گئے جہاں کفار نے بت خانہ بنایا ہوا تھا۔ یہ بت خانہ تمام کفار کی زیارت گاہ تھا۔ شیخ نے اپنے تصرف سے تمام بت توڑ ڈالے اور سب لوگوں کو مسلمان کیا۔ اس جگہ آپ نے ایک تکیہ بنایا۔ آپ کا مزار اُسی بت خانہ میں ہے۔ اور اُس بندر گاہ کی نصف آمدنی آپ کے لنگر کے لیے وقف ہے۔ ملک بنگال میں جس جس جگہ شیخ بیٹھے۔ لوگوں نے اُسے زیارت گاہ بنا لیا حتیٰ کہ آج تک کئی مقامات پر اُس قسم کی زیارت گاہیں ہیں۔ بعض لوگ نادانستہ اُن مقامات کو شمس الدین تبریزیؒ کی مزار سمجھتے ہیں۔ آپ کے ملفوظات کا خواجگانِ چشت نے اکثر ذکر کیا ہے۔ آپ کی تاریخ وفات نظر سے نہیں گزری۔ لیکن آپ خواجہ قطب الاسلام قدس سرہٗ، اور شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کے ہمعصر تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری قدس سرہٗ

کوہ قافِ حلم و وقار، محیطِ عشق و اسرار، در علم ثانیٔ سفیان ثوری، عارفِ بے ریا قاضی حمید الدین ناگوری قدس سرہٗ کا اسم شریف محمد بن عطاء اللہ محمود تھا۔ آپ تمام ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے۔ آپ پر ذوقِ سماع شدت سے غالب تھا۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ آپ کے والد عطاء اللہ محمود سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کے عہد میں بخارا سے دہلی آکر مقیم ہوئے۔ اس وقت آپ بھی والد کے ساتھ تھے۔ آپ ظاہری علم میں بے نظیر تھے۔ جب آپ کے والد کا انتقال ہوا تو آپ کو ناگور کا قاضی مقرر کیا گیا۔ اور تین سال تک آپ اس عہدے پر فائز رہے۔

ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ اور یہ دیکھا کہ آنحضرتؐ ان کو اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ علی الصباح آپ نے ترک و تجرید اختیار کر لی۔ اور وطن چھوڑ کر بغداد چلے گئے اور شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کے مرید ہو گئے۔ ایک سال آپ کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کی۔ اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اُس زمانے میں خواجہ قطب الاسلام بختیار اُوشی قدس سرہٗ بھی بغداد میں تشریف رکھتے تھے جن کے ساتھ آپ کو شدت سے محبت ہو گئی۔ اس کے بعد قاضی حمید الدینؒ مدینہ منورہ گئے اور ایک سال دو ماہ اور سات دن روضۂ اقدس پر مجاور رہے۔ وہاں سے مکہ معظمہ گئے۔ اور ایک سال وہاں مقیم رہے۔ ایک رات اولیاء کرام کی صحبت پائی۔ اور اُن سے بہت نعمتیں حاصل کیں۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دن قاضی حمید الدینؒ نے ایک بزرگ کو دیکھا۔ جو کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ آپ تبرکاً اُن کے قدم بقدم چلتے رہے۔ ان کو یہ بات معلوم ہو گئی فرمایا اے حمید الدین ظاہری اتباع آسان ہے تم وہ کرو جو مجھے طواف کعبہ سے حاصل ہے آپ نے پوچھا وہ کیا ہے فرمایا میں ہر قدم پر ختم قرآن کرتا ہوں۔ اس سے آپ کو خیال ہوا کہ شاید ان کی مراد قرآن کے معانی ہیں۔ اُنہوں نے صفائے باطن سے یہ بات معلوم کر لی۔ فرمایا لفظ بلفظ پڑھتا ہوں۔ الغرض اس قسم کے بزرگوں کی صحبت کے بعد آپ واپس ہوئے اور سیر کرتے ہوئے۔ سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں دہلی پہنچے۔ جہاں آپ کو خواجہ قطب الاسلام کی صحبت مل گئی اور حیات و ممات میں اُن سے جدا نہ ہوئے۔ چنانچہ دونوں بزرگوں کے مزارات ایک ہی مقام پر ہیں۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ آپ سلسلہ سہروردیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید و خلیفہ ہیں لیکن آپ پر وجد و سماع غالب تھا۔ آپ کے زمانے میں آپ سے بڑھ کر کوئی اس قدر سماع میں اشتغال نہیں رکھتا تھا۔ علماء نے آپ پر بھی اس بارے میں محضر قائم کیا تھا۔ اُن کے بعد حضرت سلطان المشائخ نے یہ سلسلہ جاری رکھا (یعنی سماع سنتے رہے) سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانے میں اُن پر بھی محضر قائم کیا گیا۔ اور وہی الزام لگائے گئے جو قاضی حمید الدینؒ پر لگائے گئے تھے۔ اس کی

تفصیل سلطان المشائخؒ کے حالات میں آرہی ہے۔ میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں۔ کہ خواجہ قطب الاسلامؒ نے بھی قاضی حمیدالدین ناگوریؒ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ اور یہ سب وجد اور ذوق اسی سبب سے تھا۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ آپ کا مزاج نہایت لطیف تھا۔ آپ کے کلام سے زیادہ لطافت و ظرافت کہیں نہ تھی۔

ایک دن شیخ کبیر خوارزمی جو علمائے کبار میں سے تھے مولانا برہان الدین بلخی اور قاضی حمیدالدینؒ کے ساتھ عراقی گھوڑوں پر سوار ہوکر کہیں جا رہے تھے۔ قاضی صاحب ایک پست قد اُونٹ پر سوار تھے۔ شیخ کبیرؒ نے مسکراتے ہوئے قاضی صاحب سے کہا کہ آپ کی سواری کس قدر صغیر (چھوٹی) ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ اگرچہ صغیر ہے لیکن کبیر سے بہتر ہے سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں ایک درویش کے مکان پر مجلس سماع منعقد ہوئی۔ خواجہ قطب الاسلامؒ، قاضی حمیدالدینؒ اور دیگر درویش موجود تھے۔ شیخ علی شوریدہ نے آکر خواجہ قطب الاسلامؒ سے کہا کہ مولانا رکن الدین سمرقندی چند علما اور خدمت گاروں کے ساتھ آئے ہیں اس غرض سے کہ آپ کو سختی سے سماع سے باز رکھیں۔

قاضی حمیدالدینؒ نے صاحبِ خانہ کو طلب کر کے فرمایا کہ تم چھپ جاؤ۔ اور اگر وہ لوگ تمہیں باہر بلائیں تو ہرگز نہ جانا۔ ہاں اگر وہ بلا اجازت اندر داخل ہوں تو قابلِ مؤاخذہ ہیں۔ یہ کہہ کر سماع میں مشغول ہوگئے۔ مولانا مذکور وہاں آگئے۔ اور جس قدر صاحب خانہ کو طلب کیا۔ وہ باہر نہ گئے ناچار وہ واپس چلے گئے۔ فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ آپ کو خواجہ گنج شکر قدس سرہٗ کے ساتھ بہت محبت تھی۔ ایک دن خواجہ گنج شکرؒ کے دل میں سماع کی خواہش پیدا ہوئی۔ لیکن کوئی قوال موجود نہ تھا۔ آپ نے خواجہ بدرالدین اسحاقؒ سے فرمایا کہ ایک دن قاضی حمیدالدینؒ نے مجھے خط لکھا تھا۔ وہ خط لے آؤ۔ اور کھڑے ہوکر میرے سامنے پڑھو۔ وہ خط یہ تھا۔ فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطا جو خادم درویشان اور سر آنکھوں سے خاکِ قدمِ ایشان ہے۔ جب خواجہ گنج شکرؒ نے یہ سنا تو آپ پر حال طاری ہوگیا۔ اور وجد میں آکر یہ رباعی پڑھنے لگے۔ جو اُس خط میں لکھی تھی ؎ رباعی۔

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد آں روح کجا کہ در جلالِ تو رسد

گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال — آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

"وہ عقل کہاں جو تیرے کمال کو پہنچ سکے۔ وہ روح کہاں جو تیرے جلال کو پا سکے۔ ہم نے مانا کہ اے محبوب تو نے اپنے حسن و جمال کو پردے میں چھپا رکھا ہے۔ کیونکہ وہ آنکھ کہاں جو تیرے جمال کو دیکھ سکے۔"

حقائق و معارف میں آپ کی تصانیف بہت ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب طوالع الشموس ہے، جس میں جا بجا اسرارِ حقیقت اور معانیٔ طریقت بیان کئے گئے ہیں۔ اور ننانوے اسمائے الٰہی کی شرح بطریقِ احسن کی گئی ہے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ سے منقول ہے کہ خواجہ قطب الاسلام کے وصال کے بعد دہلی میں خشک سالی ہوئی۔ غلہ بے حد گراں ہو گیا اور اکثر لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ سلطان شمس الدینؒ نے قاضی حمید الدینؒ اور دوسرے درویشوں سے استدعا کی کہ توجہ فرمائیں۔ تاکہ بارانِ رحمت ہو۔ قاضی حمید الدینؒ نے جواب دیا کہ مجلس سماع منعقد کرو۔ تاکہ درویشوں کو ذوق و شوق حاصل ہو۔ حق تعالےٰ بارش برسائیں گے۔ بادشاہ نے حکم کی تعمیل کی۔ جب مجلسِ سماع گرم ہوئی تو بارش ہونے لگی۔ اس مجلس میں جو اولیاء اللہ حاضر تھے اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ شیخ علی سنجریؒ مریدِ خواجہ بزرگؒ، قاضی حمید الدین ناگوریؒ، شیخ احمد نہروالی، شیخ بدر الدین سمرقندیؒ خلیفہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ شیخ رکن الدین سمرقندی، الفردوسیؒ، سید قطب الدین غزنویؒ برادر زادہ شیخ نور الدین مبارکؒ، شیخ نظام الدینؒ ابو المؤید، شیخ محمود مؤنیہ دوز وغیرہم۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کمالِ ظاہری و باطنی کے باوجود کسی کو مرید نہیں بناتے تھے سوائے تین آدمیوں کے جن میں سے ہر ایک عارف اور صاحبِ کشف و کرامات ہوا۔ اول شیخ احمد نہروالی دوم شیخ حسن رس تاب جنکو بعض لوگ شاہی موئے تاب بھی کہتے ہیں، سوم شیخ عین الدین قصابؒ جنکا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا۔ قاضی حمید الدینؒ کا ایک لڑکا تھا۔ جنکا نام ناصح الدینؒ تھا وہ آپکے بعد مسندِ ارشاد پر بیٹھے اور مریدین کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ خواجہ قطب الاسلامؒ کے وصال کے بعد قاضی حمید الدینؒ دس سال قیدِ حیات میں رہے اور ماہِ رمضان کی پانچویں تاریخ کو نماز تراویح کے بعد سر سجدہ میں رکھا اور مشاہدۂ حق میں جان تسلیم کر دی آپکی وفات ۶۴۳ھ میں سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی میں واقع ہوئی آپکی وصیت کے مطابق آپکو خواجہ قطب الاسلام کی مزار کے پائنتی کی طرف دفن کیا گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس سرہٗ

عارفِ محرمِ اسرار عاشق بے اختیار، فارغ از مستقبل و ماضی، زبدۂ عالم شیخ شرف الدین شیرازی قدس سرہٗ نہایت قوی الحال باکمال بزرگ تھے۔ تمام ظاہری و باطنی علوم اور آدابِ تصوف سے بہرہ ور تھے۔ صاحبِ نفحات فرماتے ہیں کہ آپ شیخ ابو عبداللہ خفیفؒ کے روضۂ متبرکہ کے مجاور تھا۔ آپ نے بہت سفر کیا۔ اور کئی حج پیادہ ادا کئے۔ آپ نے بت خانہ سومنات کا سفر بھی کیا اور وہاں کے سب سے بڑے بت کو توڑا۔

آپ کو بہت سے مشائخ کبار کی صحبت ملی ہے۔ آپ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید تھے۔ اس کے متعلق آپ کا ایک مشہور قطعہ حسب ذیل ہے:۔

مرا پیرِ دانائے مرشد شہاب دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش۔

(میرے پیر و مرشد شیخ شہاب الدین نے کشتی کے سفر میں مجھے دو نصیحتیں کیں۔ ایک یہ کہ خود بین نہ ہو دوسرے یہ کہ دوسروں کے حق میں بد بین نہ ہو۔ یعنی اپنے آپ کو اچھا نہ سمجھو اور دوسروں کو برا نہ سمجھو۔)

نقل ہے کہ شیخ سعدیؒ نے شیخ فرید الدین عطارؒ کی زیارت کے لئے نیشاپور کا سفر کیا لیکن شیخ نے اس لئے ملنے سے انکار کر دیا کہ تم نے سفر کے دوران میں ایک دنیادار کی ملازمت اختیار کی اور اس کی مدح لکھی ہے۔ آپ چھ ماہ تک ان کے دروازہ پر بیٹھے رہے کہ جب تک زیارت نہ کروں گا واپس نہ جاؤں گا۔ غرضیکہ چھ ماہ کے بعد حاضر ہونے کی اجازت ہوئی۔ شیخ سعدیؒ نے چاہا کہ شیخ کے ہاتھ پر بوسہ دیں لیکن انہوں نے اپنے ہاتھ کو آستین کے اندر کر لیا۔ اور شیخ سعدی نے آستین پر بوسہ دے دیا۔ شیخ نے آستین کا وہ حصہ یہ کہہ کر کاٹ ڈالا کہ اس کے باطن کا اسی قدر حصہ بادشاہوں سے زنگ آلودہ ہو چکا تھا اس لئے میں نے کاٹ ڈالا ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ نے مدت تک بیت المقدس اور شام میں سقہ کا کام کیا اور لوگوں کو پانی پلایا۔ حتیٰ کہ خضر علیہ السلام نے آکر آپ کو آبِ زلال سے سیراب کیا۔ یہ سب مقبولیت اسی وجہ سے تھی۔ یہ شیخ نصیر الدین محمود اودھی خیر المجالس میں فرماتے ہیں کہ امیر خسروؒ اور امیر حسنؒ نے بہت چاہا کہ شیخ سعدی کے طریق پر شعر کہیں لیکن میسر نہ ہوا۔ شیخ سعدیؒ نے جو کچھ کہا ہے حال سے کہا ہے نفحات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ اکابر سادات واشراف میں سے کسی نے شیخ سعدی کو سخت سست کہا۔ رات کو اس نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے ناراض ہیں جب بیدار ہوا تو آکر شیخ سعدیؒ سے معافی مانگی اور راضی کیا۔ نفحات میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ آپ کے منکر تھے۔ ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور فرشتے نور کے طباق ہاتھوں میں لئے کھڑے ہیں۔ اس بزرگ نے پوچھا یہ کیا ہے فرشتوں نے جواب دیا یہ سعدی شیرازی کے لئے تحفہ ہے کیونکہ اس نے ایک شعر کہا ہے جو حق تعالےٰ کو قبول ہوا ہے اور وہ یہ شعر ہے ؎

برگ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

(سبز درختوں کے پتوں میں سے ہر ایک پتہ خالقِ کائنات کی معرفت کا ایک دفتر ہے)۔

وہ بزرگ جب خواب سے بیدار ہوئے تو اسی وقت رات کو شیخ سعدی کے مکان پر خوش خبری دینے کے لئے گئے کیا دیکھتے ہیں کہ سعدیؒ چراغ جلا کر یہی بیت گا رہے ہیں۔ آپ کے کمالات وکرامات شمار سے باہر ہیں۔ اور آپ کی تصانیف سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کس قدر صاحبِ حال تھے۔ لیکن اس کے لیے چشمِ بینا چاہیے۔ آپ کی عمر بہت لمبی تھی۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے وقت سے لے کر سلطان المشائخ قدس سرہٗ کے وقت تک آپ قیدِ حیات میں رہے۔

شیخ ضیاء برنیؒ جو حضرت سلطان المشائخؒ کے مرید تھے اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں کہ جب سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بیٹے سلطان محمد کو جو خان شہید

کے نام سے مشہور ہے ولی عہد مقرر کر کے ملتان بھیجا امیر خسرو اور امیر حسن بھی اس کے ہمراہ اور مصاحب تھے - اور ان ہی بزرگوں سے اس نے تربیت پائی تھی - خان شہید بڑے علم دوست تھے ملتان پہنچتے ہی اس نے دو دفعہ قاصد مع خرچ شیراز بھیج کر شیخ سعدی کو طلب کیا اس کا ارادہ یہ تھا شیخ کے لیے ملتان میں خانقاہ تیار کر کے اس کے لیے دیہات وقف کر لے - لیکن شیخ سعدیؒ بڑھاپے کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے اور دونوں دفعہ خان شہید کے پاس اپنے ہاتھ سے غزل لکھ کر ارسال کی - اور نہ آنے کی وجہ تحریر کی - آپ کا وصال شب جمعہ ماہِ شوال ۶۹۱ میں ہوا اور شیراز میں دفن ہوئے - رحمتہ اللہ علیہ -

حضرت شیخ فخر الدین عراقی قدس سرہٗ

گنجینۂ شوق و اشتیاق، در طورِ عشق یگانۂ آفاق مستِ توحید بے شراب و ساقی، غریقِ وصال شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی قدس سرہٗ کا شمار بے باکانِ روزگار میں ہوتا ہے - آپ پر ہمیشہ عشق و محبت کا غلبہ رہتا تھا - آپ کے کمالات آپ کی تصانیف سے ظاہر ہیں خصوصاً لمعات میں -

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ آپ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے بھانجے اور شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے - آپ کے حالات اکثر کتابوں میں پائے جاتے ہیں لیکن صاحب لطائفِ اشرفی اور نفحات الانس نے جو تصحیح کی ہے اس جگہ بیان کی جاتی ہے - آپ ہمدان کے گرد و نواح کے رہنے والے تھے - آپ نے بچپن میں کلام پاک یاد کر لیا تھا اور نہایت اچھی طرح تلاوت کیا کرتے تھے چنانچہ ہمدان کے لوگ آپ کی آواز پر عاشق تھے - اس کے بعد آپ تحصیلِ علم کی طرف متوجہ ہوئے - سترہ سال کی عمر میں آپ ہمدان کے ایک مشہور مدرسے میں داخل ہوئے - ایک دن قلندروں کی ایک جماعت ہمدان میں پہنچی - ان کے ساتھ ایک نہایت حسین و جمیل قلندر لڑکا تھا - شیخ فخر الدینؒ اُسے دیکھتے ہی بصد جان فریفتہ ہو گئے - جب تک قلندر ہمدان میں رہے آپ ان کے ساتھ رہے

جب وہ ہمدان سے روانہ ہوئے تو آپ بے اختیار ان کے پیچھے چل پڑے۔ چونکہ صحبت کے لیے موافقت شرط ہے آپ نے ڈاڑھی منڈوا دی اور ان کے ہمرنگ ہو کر ہندوستان پہنچے اور شہر ملتان میں شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے دل میں شیخ کے ساتھ رہنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ شیخ نے بھی اپنے تصرف سے آپ کو قلندروں سے جدا کر لیا اور مرید کر کے خلوت میں بٹھا دیا۔ چلہ کے دس دن گزرنے کے بعد آپ پر وجد و حال طاری ہو گیا اور اس حالت میں یہ غزل آپ کے منہ سے نکلی ؎

غزل

نخستین بادہ کاندر جام کردند　　ز چشم مست ساقی وام کردند

(سب سے پہلے جو شراب پیالے میں ڈالی گئی وہ ساقی (محبوب حقیقی) کی چشم مست سے حاصل کی گئی)

یہ غزل آپ نے نہایت سریلی آواز سے گانا شروع کی۔ گاتے تھے اور روتے تھے۔ یہ سن کر لوگوں نے شیخ سے جا کر شکایت کی کہ خانقاہ میں عراقی مشرب سہروردیہ کے خلاف گانے گا رہے ہیں۔ کیونکہ سہروردیہ سلسلہ میں سوائے ذکر جہری اور مراقبہ کے اور کوئی چیز جائز نہیں۔ شیخ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ یہ تمہارے لئے ممنوع ہے اس کے لیے ممنوع نہیں۔ چند دنوں کے بعد شیخ کے ایک مرید کا خرابات کے نزدیک گزر ہوا جہاں شرابی لوگ اس غزل کو چنگ و رباب کے ساتھ گا رہے تھے۔ اس نے شیخ کے پاس جا کر سارا ماجرا سنایا۔ شیخ نے فرمایا جو کچھ سنا ہے پھر سے کہو۔ چنانچہ اس نے ساری غزل دہرا ڈالی۔ جب اس شعر پر پہنچا ؎

چو خود کردند راز خویشتن فاش　　عراقی را چرا بدنام کردند

تو شیخ نے فرمایا اس کا کام ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر آپ عراقی کے خلوت خانہ کے دروازے پر تشریف لے گئے اور فرمایا اے عراقی تم خلوت خانہ میں خرابات کے گانے گا رہے ہو باہر آؤ۔ انہوں نے باہر آ کر اپنا سر شیخ کے قدموں پر رکھ دیا۔ شیخ نے ان کا سر خاک سے

اٹھایا اور مزید خلوت نہ دی ۔ اپنے جسم مبارک سے خرقہ اتار کر ان کو پہنایا اور اپنی لڑکی کا ان کے ساتھ عقدِ نکاح کر دیا جنکے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام کبیرالدین رکھا گیا ۔ آپ پچیس سال تک شیخ کی خدمت میں رہے جب شیخ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے شیخ فخرالدین کو بلا کر اپنی مسند پر بٹھایا ۔ اور رحلت فرما گئے ۔ لیکن دوسروں کے دل میں اس سے حسد پیدا ہوا اور بادشاہ وقت سے شکایت کی کہ اکثر اوقات یہ شعر میں مشغول رہتا ہے اور ہمیشہ خوب صورت لڑکوں کو اپنے پاس رکھتا ہے ۔ اسے شیخ کی مسند پر بیٹھنے کا کوئی حق نہیں ۔ جب آپ کو اس بات کی خبر ہوئی تو سب کچھ چھوڑ کر حرمین شریفین چلے گئے ۔ وہاں سے آپ روم تشریف لے گئے اور شیخ صدرالدین قونوی کی خدمت میں رہنے لگے ۔ وہاں شیخ اکبر کی کتاب فصوص الحکم کا درس ہو رہا تھا آپ نے درس میں شمولیت کی اور اسی اثناء میں آپ نے کتاب لمعات لکھی ۔

جب کتاب ختم ہوئی تو آپ نے شیخ صدرالدین رح کو پیش کی ۔ انہوں نے بہت پسند فرمائی اور کافی تعریف کی ۔ معین الدین پروانہ جو روم کے امراء میں سے تھا عراقی کا مرید ہو گیا اس نے آپ کے لیے خانقاہ تیار کرائی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگا ۔

ایک دن معین الدین پروانہ شیخ کی خدمت میں دیناروں کا تھیلہ لا کر عرض کرنے لگا کہ حضرت ہمیں کوئی کام نہیں بتاتے یہ زر قبول فرما دیں ۔ آپ نے ہنس کر فرمایا کہ اے امیر ہمیں زر سے نہیں خریدا جا سکتا ۔ کسی کو بھیج کر حسن قوال کو منگوا دو ۔ یہ حسن قوال نہایت حسین و جمیل تھا اور کثرت سے لوگ اس پر فریفتہ تھے ۔ امیر نے شیخ کی رغبت دیکھ کر فوراً حسن قوال کو بلوایا اس کے عاشقوں کی مزاحمت اور کافی شور و غل کے بعد آخر حسن قوال آپ کے پاس لایا گیا ۔ شیخ نے امیر اور سب لوگوں کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اس سے ہم کنار ہو کر اسے اپنے ہاتھ سے شربت پلایا ۔ اور خانقاہ میں لے گئے اس کے بعد محفل سماع گرم ہوئی ۔

اس وقت شیخ نے یہ غزل فرمائی ؎

سازِ طربِ عشق کہ داند کہ چہ ساز است　　　کز زخمۂ او نہ فلک اندر تگ و تاز است

(کسی کو کیا معلوم کہ سازِ عشق و مستی کیا ساز ہے ۔ یہ وہ ساز ہے کہ جس کی

مقرب ہے تو آسمان سرگرداں ہیں)

کچھ عرصے کے بعد حسن نے اجازت طلب کی اور گھر چلا گیا۔

ایک دن امیر معین الدین میدان میں جا رہا تھا کیا دیکھتا ہے کہ شیخ چوگان ہاتھ میں لئے لڑکوں کے درمیان کھڑے ہیں۔ اس نے شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں کس طرف سے کھیلوں۔ شیخ نے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ اشارہ پا کر امیر باہر چلا گیا۔ امیر معین الدین کی وفات کے بعد شیخ مصر کی طرف چلے گئے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو مصر کا بادشاہ آپ کا معتقد و مرید ہو گیا۔ اور آپ کو مصر کا شیخ الشیوخ مقرر کیا۔

لیکن آپ پہلے کی طرح بلا تکلف بازاروں اور تماشہ گاہوں میں چلے جاتے تھے۔ ایک دن آپ موچیوں کے بازار میں جا رہے تھے کہ آپ کی نظر ایک موچی کے لڑکے پر پڑی اور اس پر فریفتہ ہو گئے۔ آپ نے جا کر موچی کو سلام کہا اور پوچھا یہ کس کا بیٹا ہے۔ اس نے کہا میرا بیٹا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا یہ ظلم نہیں کہ اس قدر خوب صورت لب اور دانتوں میں گدھے کا چمڑا لیا جائے۔ موچی نے کہا کیا کریں ہم غریب لوگ ہیں یہ ہمارا کسب ہے اگر گدھے کا چمڑا دانت میں نہ لیا جائے تو منہ میں روٹی نہیں آتی۔ شیخ نے پوچھا یہ بچہ روزانہ کیا کما لیتا ہے۔ اس نے کہا چار درم۔ شیخ نے فرمایا اچھا ہم سے آٹھ درم روزانہ لے لیا کرو لیکن بچہ یہ کام نہ کرے۔ اس نے منظور کر لیا۔ شیخ روزانہ جا کر اپنے احباب سمیت روزانہ موچی کی دوکان پر بیٹھ جاتے تھے اور اطمینان سے اس کے حسن و جمال کا مشاہدہ کرتے۔ غزلیں پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ حاسدوں نے یہ خبر بادشاہ تک پہنچا دی۔ اس نے پوچھا کہ شیخ دن کے وقت یا رات کو لڑکے کو گھر لے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا نہ دن کو نہ رات کو۔ بادشاہ نے پوچھا کیا آپ دوکان پر جا کر اس کے ساتھ خلوت کرتے ہیں انہوں نے جواب دیا نہیں۔ بادشاہ نے قلم دوات منگا کر حکم دیا کہ آج سے شیخ کے خادموں کے لیے پانچ دینار اضافہ کر دیا جائے۔ دوسرے دن بادشاہ کی شیخ کے ساتھ ملاقات ہوئی بادشاہ نے کہا میں نے سنا ہے کہ موچی کا لڑکا آپ کا منظور نظر ہو گیا ہے اس کے لیے میں نے خرچ مقرر کر دیا ہے اگر آپ چاہیں تو لڑکے کو اپنے ساتھ خانقاہ میں رکھ لیں۔

شیخ نے فرمایا اس کو کس طرح تابع حکم رکھا جا سکتا ہم اس کے تابع ہیں۔ اس کے بعد شیخ نے شام جانے کا قصد کیا۔ بادشاہ مصر نے شام کے گورنر کو خط لکھا کہ تمام علماء مشائخ واکابرِ شہر کو لے کر شیخ کے استقبال کو آؤ۔ جب وہ استقبال کو آئے تو گورنر کا لڑکا جو حسن وجمال میں شہرہ آفاق تھا بھی ساتھ آیا۔ جب شیخ کی نظر اس پر پڑی تو اس کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ لڑکے نے بھی اپنا سر شیخ کے قدموں میں رکھا بلکہ گورنر خود شیخ کے قدموں پر گر گیا۔ یہ دیکھ کر اہلِ دمشق شیخ کے منکر ہو گئے لیکن کسی کو کچھ کہنے کی مجال نہ تھی۔ چھ ماہ دمشق میں قیام کے بعد شیخ کے فرزند کبیر الدین بھی ملتان سے آ گئے اور مدت تک باپ کی خدمت میں رہے۔ اس کے بعد جب شیخ کو اپنی وفات کے متعلق آگاہی ہوئی تو بیٹے کو طلب کر کے وصیت فرمائی اور یہ رباعی کہہ کر رخصت کر دیا۔ رباعی

در سابقہ چوں مدار عالم دادند   مانا کہ نہ بر مرادِ آدم دادند

زاں قاعدہ قرار کاں روز افتاد   نہ بیش بکس وعدہ نہ کم دادند

(جب ازل سے کائنات کی بنیاد رکھی گئی۔ ہر شخص کے لئے اس کا حصّہ مقرر ہوا جو کچھ جس کسی کے لیے مقرر ہوا اس سے نہ زیادہ ملا نہ کم)

غرضیکہ آپ کے کمالات وکمالات دائرۂ تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کی وفات بیس ماہ ذی القعدہ ۶۸۸ھ میں ملک طاہر المعروف بند قدار کے عہد حکومت میں ہوئی۔ موسےٰ علیہ السّلام کے مقبرہ کے آثار کے قریب آپ کا مزار شیخ ابن عربی کے مزار کے پہلو میں مسجد صالحۂ دمشق میں واقع ہے۔ آپ کے فرزند کبیر الدین کا مزار بھی آپ کے پہلو میں ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ صلاح الدّین قونوی قدس سرہٗ

نعت صاحبِ احوال، چشیدہ جامِ وصال، خانہ مرادات کمدہ جاروب،

شیخ صلاح الدین فریدوں قونوی المعروف بہ زرکوب قدس سرہٗ کا شمار اکابر اولیاء میں ہوتا ہے۔ آپ مقبولیت تمام رکھتے تھے۔ آپ سید برہان الدین محقق ترمذیؒ کے محبوب

ترین مریدین میں سے تھے۔ سید برہان الدینؒ نے ازراہِ مہربانی فرمایا تھا کہ حالم بہ شیخ صلاح الدین بخشیدم مالم را بہ مولوی روم" (یعنی ہم نے شیخ صلاح الدینؒ کو حال دیا اور مولانا روم کو مال دیا۔) سید برہان الدینؒ کی وفات کے بعد آپ نے مولانا روم کی صحبت اختیار کی۔ نفحات میں لکھا ہے کہ ایک دن مولانا روم زرکوبوں کے محلے میں جا رہے تھے۔ ان کی ضربوں کی آواز سن کر مولانا پر حال طاری ہوگیا۔ یہ شیخ صلاح الدین نے الہام کے ذریعے دکان سے باہر آکر مولانا کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ مولانا نے انہیں اوپر اٹھالیا اور ان کے حال پر بہت شفقت فرمائی۔ ظہر سے عصر تک مولانا محفل سماع میں مشغول رہے۔ آپ یہ غزل پڑھ رہے تھے

یکے گنجے پدید آمد دریں دکان زرکوبی۔ زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہے خوبی

(زدکوب کی دکان سے مجھے ایک خزانہ ملا جو ظاہر اور باطن کے اعتبار سے سراسر خوبی ہی خوبی ہے)

شیخ صلاح الدینؒ فرماتے ہیں کہ جب سے میری دکان پامال ہوئی میں دو کون (دونوں جہانوں) سے آزاد ہوا۔ اور مولانا کی خدمت میسر ہوئی۔ مولانا روم جس عشق بازی سے شیخ شمس الدین تبریزیؒ کے ساتھ رہتے تھے وہی آپ کے ساتھ جاری رکھی۔

آپ دس سال مولانا کی خدمت میں رہے ایک دن کسی نے مولانا سے پوچھا کہ عارف کون ہے؟ آپ نے فرمایا، جو تیرے دل کی بات کہے اور تو خاموش ہو اور صلاح الدین ہی ہے۔ جب سلطان ولد (مولانا کے فرزند) بلوغت کو پہنچے تو مولانا نے شیخ صلاح الدین کی لڑکی کا عقد ان کے ساتھ کر دیا۔ چلپی عارف اسی لڑکی کے بطن سے وجود میں آئے۔ شیخ صلاح الدین کا مزار قونیہ میں مولانا بہاؤالدین ولد کے مزار کے پاس ہے آپ کی وفات یکم ماہ محرم ۶۵۷ھ میں ہوئی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ حسام الدین حسن قدس سرہٗ

صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ جب شیخ صلاح الدینؒ کا انتقال ہوا تو مولانا کی

نوازش اور خلافت چلپی حسام الدین کی طرف منتقل ہوگئی اور وہی عشق بازی شروع ہوگئی بلک روم میں بزرگان اور مشائخ کو خواجہ چلپی کہتے ہیں۔ مثنوی شریف کی نظم کا سبب یہ ہے کہ جب چلپی حسام الدین کے دل میں حکیم سنائیؒ کے الٰہی نامہ اور شیخ فریدالدین عطارؒ کی منطق الطیر اور مصیبت نامہ سے رغبت ہوئی تو انہوں نے مولانا کی خدمت میں گذارش کی کہ غزلیات کے اسرار بہت ہو گئے ہیں اگر شیخ سنائی کے الٰہی نامہ یا منطق الطیر کی طرز پر ایک کتاب منظوم کی جائے تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اور دوستوں کے لیے یادگار رہ جائے گی۔

مولانا نے فوراً اپنی دستار میں سے کاغذ نکال کر شیخ حسام الدین کے ہاتھ میں دیا اور مثنوی کے پہلے اٹھارہ شعر فی البدیہہ لکھوا دیئے یعنی "بشنواز نے چوں حکایت میکند" سے لے کر "سخن کوتاہ باید والسلام" تک۔ اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ تمہارے دل میں مثنوی لکھوانے کا خیال آنے سے پہلے میرے دل میں عالمِ غیب سے القاء ہو چکا تھا کہ اس قسم کی کتاب نظم ہوگی۔ پس آپ نے پورے ذوق و شوق کے ساتھ مثنوی لکھنا شروع کر دی۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اوّل شب سے طلوع آفتاب تک مولانا شعر کہتے جاتے تھے اور شیخ حسام الدین لکھتے جاتے تھے۔ لکھنے کے بعد بلند آواز سے پڑھ کر مولانا کو سناتے تھے جب پہلی جلد ختم ہوئی تو شیخ حسام الدینؒ کی بیوی فوت ہوگئی جس کی وجہ سے مثنوی میں دو سال تک تعطّل پیدا ہو گیا۔ دو سال کے بعد دوبارہ کام شروع کیا گیا چنانچہ اس قسم کا اشارہ مثنوی میں موجود ہے بیت ؎

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد۔ مہلتے بایست تاخوں شیر شد

(دو سال تک مثنوی میں تاخیر ہوگئی۔ اس لئے کہ خون کو دودھ بننے کے لئے مہلت درکار ہے)

اس کے بعد آخر کتاب تک مولانا شعر کہتے رہے اور شیخ حسام الدین لکھتے رہے۔

چلپی حسام الدین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جب احباب مثنوی پڑھ کر اس کے نور میں مستغرق ہو رہے تھے میں نے عالمِ معاملہ میں دیکھا کہ لڑکوں کی ایک فوج نیزے اور تلواریں ہاتھوں میں لئے ہوئے ہے اور جو شخص مثنوی کو اخلاص سے قبول نہیں کرتا اس کے

ایمان کی بیخ و بن کاٹ کر اسے دوزخ میں دھکیل رہے ہیں۔ جب مولانا سے اس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا جو کچھ تم نے دیکھا ہی واقعہ ہے۔ بیت

دشمنِ ایں حرف دائم در نظر ۔ شد مثل سرنگوں اندر سقر
اے حسام الدین تو دیدی حالِ او ۔ حق نمود است با شیخ افعالِ او

(اے حسام الدین اس کلام کا دشمن تو نے دیکھا سر کے بل دوزخ میں جا رہا ہے۔ حق تعالیٰ نے ان کا صحیح حال تجھے دکھا دیا ہے)

آپ کے کمالات کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا کی وفات کے بعد آپ ان کی مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے۔ آپ کی وفات بائیس شعبان ۶۸۳ھ کو ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت سلطان ولد بن مولانا روم قدس سرہٗ

پہلوانِ راہِ طریقت، کاشفِ اسرارِ حقیقت، جمیع مرادات بر ساختہ معدوم موجد کامل سلطان ولد بن مولوی روم قدس سرہٗ کا نام بہاؤالدین ولد اور لقب سلطان ولد تھا۔ آپ مولانا روم کے محبوب ترین فرزند تھے۔ آپ کا شمار مقبولانِ راہِ طریقت میں ہوتا ہے۔

نفحات الانس میں لکھا ہے کہ مولانا روم نے فرمایا کہ اے بہاؤالدین میرے اس جہان میں آنے کا مقصد تمہارا ظہور تھا۔ یہ تمام کلام میرا قول ہے اور تو میرا فعل ہے۔

سلطان ولد نے سید برہان الدین محقق اور خواجہ شمس الدین تبریزی کی بہت خدمات انجام دیں۔ اور شیخ صلاح الدین سے جو آپ کے خسر تھے آپ کو بہت عقیدت تھی۔

مولانا روم کی وفات کے ساتویں روز چلپی حسام الدین تمام اصحاب کے ساتھ سلطان ولد کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ ہم چاہتے ہیں کہ آج سے آپ اپنے والد بزرگوار کی مسند پر بیٹھیں۔ مریدین و مخلصین کو ہدایت دیں اور ہمارے حقیقی شیخ بن کر ہماری رہنمائی کریں میں آپ کے تابع فرمان رہ کر ہر قسم کی خدمت کروں گا انھوں نے یہ کہہ کر یہ شعر پڑھا

برخانۂ دل اے جاں آں کیست ایستادہ   بر تختِ شہ کہ باشد جز شاہ و شاہزادہ

(ہمارے خانۂ دل پر کس کا قبضہ ہے۔ شاہی تخت پر کون بیٹھتا ہے سوائے بادشاہ اور شاہزادہ کے)

یہ سن کر سلطان نے سر جھکا لیا اور بہت روئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مشائخ کے لائق آپ ہیں اور سوز و درد کا خواہش مند میں ہوں۔ جس طرح والد مرحوم کے وقت آپ خلیفہ اور بزرگ تھے اسی طرح اب بھی آپ ہمارے لئے خلیفہ اور بزرگ ہیں۔ غرضیکہ گیارہ سال تک آپ نے چلپی حسام الدین کو اپنے والد کا خلیفہ اور قائم مقام سمجھا اور سالہا سال تک آپ اپنی فصیح زبان سے والد مرحوم کا کلام بیان کرتے رہے۔

آپ کی بھی ایک مثنوی ہے جو حکیم سنائی کے حدیقہ کے وزن پہ ہے۔ جس میں بیحد بحر اور اسرار پوشیدہ ہیں۔ نفحات میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت مولانا نے ان سے فرمایا کہ خواجہ شمس الدین تبریزیؒ کو تلاش کرنے کے لیے دمشق جاؤ۔ آپ نے ان کو بہت سا سونا چاندی بھی دیا اور فرمایا کہ یہ خواجہ کے قدموں میں ڈال دینا اور ان کا جوتا اٹھا کر روم کی طرف لے آنا۔ دمشق پہنچ کر محلہ صالحہ خانہ میں جانا وہاں آپ ایک خوب صورت فرنگی لڑکے کے ساتھ شطرنج کھیلتے ہیں جب خواجہ بازی جیت لیتے ہیں وہ رقم ادا کرتا ہے جب لڑکا بازی جیت لیتا ہے تو خواجہ کو مکے مارتا ہے۔ تم یہ دیکھ کر لڑکے کا منکر نہ ہونا۔ کیونکہ وہ بزرگ ہے لیکن اسے اپنی خبر نہیں کہ کیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں وہ اپنے آپ کو پہچان لے۔ حکم کی تعمیل میں سلطان ولد دمشق گئے اور خواجہ شمس الدین کو اسی جگہ پایا جہاں مولانا نے نشاندہی کی تھی۔ فرنگی لڑکا بھی ساتھ بیٹھا شطرنج کھیل رہا تھا۔ سلطان ولد اور ان کے ساتھیوں نے جاتے ہی اپنا سر خواجہ کے قدموں پر رکھا اور ادب سے پیش آئے۔ جب لڑکے نے یہ دیکھا تو اسے خواجہ کی بزرگی کا علم ہوا۔ اور اپنی بے ادبی پر شرمندہ ہوا۔ اس واقعہ کا اس پر اثر یہ ہوا کہ سر سے ٹوپی اتار دی اور مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد ادب سے کھڑے ہو کر درخواست کی کہ جو کچھ میرے پاس ہے لٹانا چاہتا ہوں لیکن خواجہ شمس الدین نے اجازت نہ دی اور حکم دیا کہ کفرستان میں جاؤ وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ اور ان کے قطب بن کر رہو۔

اس کے بعد سلطان ولد نے وہ سونا چاندی آپ کے قدموں میں ڈالا اور آپ کا جوتا اٹھا کر روم کی طرف گھمایا۔ اور مولانا کی طرف سے اور تمام لوگوں کی طرف سے عرض کیا کہ آپ ہمارے ہمراہ روم تشریف لے چلیں۔ آپ نے خواجہ کو گھوڑا پیش کیا اور سوار کر کے روم کی طرف روانہ ہو گئے۔ سلطان ولد خواجہ کا رکاب تھامے ہوئے پیادہ چلتے رہے۔ ہر چند خواجہ نے فرمایا کہ بہاؤ الدین سوار ہو جاؤ آپ نے سر جھکا کر عرض کیا کہ آپ شاہ سوار ہیں آپ کے سامنے ہرگز سواری نہیں کروں گا۔ چنانچہ دمشق سے قونیہ تک برابر پیدل چلتے رہے قونیہ پہنچ کر خواجہ شمس الدینؒ نے سلطان ولد کی خدمات کا مولانا سے ذکر کیا اور بتایا کہ میں نے یہ کہا اور اس نے یہ جواب دیا۔ اس کے بعد خواجہ نے فرمایا کہ میرے پاس حق تعالےٰ کی محبت میں دو چیزیں ہیں ایک سر۔ دوسرا ستر (راز) سر کو مولوی کے لیے قربان کیا اور ستر بہاؤ الدین کو بخشا۔ اگر بہاؤ الدین کو عمر نوح ملتی اور وہ اسی راہ میں صرف کرتا تو ہرگز وہ نعمت حاصل نہ کر سکتا جو اس سفر میں اسے حاصل ہوئی ہے۔ امید ہے کہ آپ سے بھی نعمت حاصل کرے گا۔ ایک دن مولانا نے فرمایا اے بہاؤ الدین اگر تم چاہتے ہو کہ ہمیشہ بہشت بریں میں رہو تو ہر شخص کے ساتھ محبت کرو اور کسی شخص کے متعلق دل میں بغض نہ رکھو۔ یہ کہہ کر آپ نے یہ رباعی پڑھی ؎

خواہی کہ بری ز ہیچ کس پیش مباش	چوں مرہم و موم باش و چوں نیش مباش
خواہی کہ ز ہیچ کس تو بد نرسد	بدگوئی و بدآموز و بداندیش مباش

(اگر تو کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے تو کسی شخص کے ساتھ خود غرضی سے پیش نہ آ۔ مرہم اور موم بن کر رہ اور نشتر نہ بن۔ اگر تو چاہتا ہے کہ کسی شخص سے تجھے برائی نہ پہنچے تو بدگو۔ بدآموز اور بداندیش نہ بن۔)

تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی پر عمل کیا ہے اور اسی وجہ سے خلقت ان کے تابع ہوئی ہے اور ان سے فیض حاصل کیا ہے۔ سلطان ولدؒ کی تصانیف بہت ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب ہے "فیہ ما فیہ" ہے جس میں آپ نے نہایت عمدہ کلام درج کیا ہے۔

(نوٹ۔ فیہ ما فیہ دراصل حضرت مولانا روم کے ملفوظات ہیں۔ جو شاید سلطان ولد نے قلم بند کئے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ استنبول میں ملا، ایک ریاست رامپور کے کتب خانہ سے اور ایک حیدر آباد دکن کے کتب خانہ سے ان سب کا مقابلہ کر کے مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اسے شائع کیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی لاہور میں شائع ہوا ہے۔))

جہاں حادث ہے قدیم نہیں

اس جگہ فیہ ما فیہ کے چند اقتباسات دیئے جاتے ہیں۔ اس راہ میں صحیح اعتقاد کی ضرورت ہے کہ عالم حادث ہے نہ کہ قدیم ہے مثال کے طور پر جس گھر میں ہم رہتے ہیں اور ساٹھ ستر سال سے رہ رہے ہیں ہم جانتے ہیں کہ پہلے یہ گھر موجود نہ تھا اور چند سال ہوئے اسے ہم نے بنایا ہے۔ اب اگر اس گھر میں کچھ جانور مثلاً چوہے اور عنکبوت پیدا ہو جائیں تو ان کے نزدیک یہ گھر قدیم ہو گا کیونکہ انہوں نے پیدا ہوتے ہی اس کو اسی طرح دیکھا ہے۔ اگر یہ جانور کہیں کہ یہ گھر قدیم ہے تو ان کا قول ہمارے لئے حجت نہ ہو گا کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ پہلے یہاں کچھ نہیں تھا اور ہم نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ اسی طرح جو لوگ (یعنی فلسفی لوگ) اس خانہ دنیا میں پیدا ہوئے اور اسے اسی طرح دیکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ عالم قدیم ہے لیکن انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام جن کا وجود اس جہاں کے پیدا ہونے سے کئی ہزار سال پہلے تھا وہ جانتے ہیں کہ یہ جہاں قدیم نہیں بلکہ ان کے سامنے بنا ہے جس طرح تو جانتا ہے کہ یہ گھر قدیم نہیں۔ بلکہ تیرے سامنے بنا ہے۔

اَنا الحق سے بڑا دعویٰ انا العبد ہے

استغراق کے متعلق فرماتے ہیں کہ استغراق (فنائیت) یہ ہے کہ آدمی خود درمیان میں بالکل نہ رہے۔ اور کوئی نقل و حرکت اس کی نہ رہے بلکہ جو کام کرے وہ اللہ کا فعل ہو۔ جو آدمی دریا میں غرق ہو گیا ہے اور ابھی ہاتھ پاؤں مار رہا ہے تو وہ صحیح طور پر غرق نہیں کہلائے گا: اگر وہ آواز دے کہ آہ میں غرق ہو گیا تب بھی وہ غرق نہیں ہے اور اسے استغراق نہیں کہتے۔ انا الحق کے یہی معنی ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا دعویٰ ہے ہم کہتے ہیں کہ انا العبد (میں عبد ہوں) بڑا دعویٰ ہے اور انا الحق (میں حق ہوں) عظیم تواضع ہے جو شخص انا العبد کہتا ہے وہ دو

ہستیوں کا اثبات کرتا ہے ایک اپنی ہستی ایک خدا کی ہستی لیکن جو شخص انا الحق کہتا ہے وہ اپنے آپ کو عدم کر کے ہوا میں اڑا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ انا الحق یعنی میں نہیں ہوں ہمہ اوست (سب کچھ وہی ہے) خدا کے سوا کوئی ہستی نہیں ہے اور یہ غایت درجہ کی تواضع ہے۔ لیکن لوگ یہ نہیں سمجھ سکتے۔ جو شخص اپنے آپ کو بندہ کہتا ہے وہ اپنے آپ کو بھی دیکھتا ہے اور خدا کو بھی اور پانی میں مستغرق نہیں ہے۔ مستغرق وہ ہے جس سے کوئی فعل اور حرکات و سکنات سرزد نہ ہوں بلکہ اس کی حرکت پانی کی حرکت سے ہو۔

جس رات سلطان ولد نے وفات پائی آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

امشب شب آنیست کہ بینم شادی — دریابم از خدائے خود آزادی

(آج رات وہ رات ہے کہ مجھے خوشی میسر آ رہی ہے اور مجھے اپنے خدا کی طرف سے آزادی عطا ہو رہی ہے یعنی جسم کی قید اور دنیاوی زندگی سے آزادی)

آپ کی وفات شب دس ماہ رجب ۷۱۲ھ میں ہوئی رحمتہ اللہ علیہ۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے چلپی عارف اپنے باپ اور دادا مولانا روم کی مسند پر متمکن ہوئے جو سولہ سال تک حق تعالیٰ کی عنایت سے خدمت ارشاد انجام دیتے رہے۔ چلپی عارف مادر زاد ولی تھے اور پانچ سال کی عمر میں آپ سے کشف و کرامات کا ظہور ہونے لگا۔ ان کی تربیت مولانا روم کے ہاتھوں میں ہوئی تھی۔ ان سے اس قدر کرامات کا ظہور ہوا کہ مولانا روم اور خواجہ شمس الدین تبریزی سے اتنی کرامات سرزد نہیں ہوئی ہوں گی۔ ان کا مشرب ملامیتہ تھا۔ آپ کے حالات کتاب مناقب العارفین میں مفصل درج ہیں۔ آپ کی وفات ۷۲۹ھ میں ہوئی۔

ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی چلپی عابد بن سلطان ولد مسند پر بیٹھے۔ وہ بھی صاحب حال تھے اور ان سے بہت کرامات کا ظہور ہوا۔ آپ کے حالات بھی مناقب العارفین میں درج ہیں۔ آپ کی وفات ۷۳۹ھ میں ہوئی۔ آپ کے بعد چند پشت تک سجادۂ مشیخیت اس خاندان میں رہا اور مولانا روم کی اولاد خلق کی ہدایت میں مشغول رہی چنانچہ

مناقب العارفین میں ان سب کے حالات درج ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ نظام الدین ابو المؤید قدس سرہٗ

مستغرق دربحرِ وصال، ناطق بلسانِ احوال، ناظرِ وجودِ مطلق در مقید پیرِ وقت شیخ نظام الدین ابو المؤید قدس سرہٗ اپنے ماموں شیخ عبد الواحد بن شیخ شہاب الدین احمد غزنوی کے مرید تھے۔ آپ کا شمار اکابر اولیاء میں ہوتا ہے آپ بڑے قوی الحال تھے۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کے جدِ امجد شمس العارفین تھے اور یہ شیخ جمال کولی جن کا مزار قصبہ کول میں ہے اور بڑے عارف کامل تھے آپ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں تھے اور خواجہ قطب الاسلام کے ہم عصر تھے۔ آپ کو عمر دراز ملی تھی اور سلطان المشائخ قدس سرہٗ نے آپ کو دیکھا ہے۔

امیر حسن فوائد الفواد میں لکھتے ہیں کہ میں نے سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا آپ نے شیخ نظام الدین ابو المؤید کو دیکھا ہے فرمایا ہاں لیکن اس وقت میں بچہ تھا اور حقائق کی سمجھ ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ایک دن میں ان کے ہاں گیا۔ دیکھا کہ مسجد میں جوتے کے ساتھ جا رہے ہیں۔ اس کے بعد جوتا اتار کر اندر تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز ادا کر کے ممبر پر چڑھ گئے وہاں ایک قاری تھا قاسم نام جس نے نہایت اچھی قرأت پڑھی۔ قرأت کے بعد شیخ نظام الدین ابو المؤید نے وعظ شروع کیا اور فرمایا کہ میں نے اپنے والد کے خط میں لکھا دیکھا ہے ابھی آپ نے بات پوری نہ کی تھی کہ حاضرین پر عجیب حالت طاری ہو گئی اور رونے لگے۔ اس وقت آپ نے یہ دو مصرعے پڑھے

۱۔ برعشق تو در بر تو نظر خواہم کرد   جان در غم تو زیر و زبر خواہم کرد

یہ شعر سنتے ہی لوگوں نے آہ و نعرہ شروع کر دیا۔ آپ نے دو تین دفعہ یہ شعر دہرایا اور فرمایا کہ اے مسلمانان اس رباعی کے باقی دو مصرعے یاد نہیں رہے کیا کروں۔ آپ نے یہ بات اس قدر عجز سے کہی کہ اس کا بھی لوگوں پر بہت اثر ہوا۔ اس کے بعد قاری قاسم نے دو مصرعے یاد دلائے وہ یہ تھے

پر درد دلے بخاک در خواہم شد   برعشق سرے ز گور بر خواہم کرد

۱۔ (تیرے عشق پر اور تجھ پر نظر کروں گا۔ اپنی جان تیرے غم میں تہ وبالا کردوں گا۔

۲۔ درد سے بھرے ہوئے دل کو خاک میں ملادوں گا اور تیرے عشق میں قبر سے باہر نکلوں گا)۔ یہ رباعی مکمل کر کے آپ منبر سے نیچے اتر آئے۔

سیر العارفین میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ دہلی میں خشک سالی ہوئی تمام لوگ شیخ نظام الدین ابوالموئیدؒ کی خدمت میں دعا کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے منبر پر جا کر دعا مانگی اور دعا کے دوران آپ نے بغل میں ہاتھ ڈال کر ایک کپڑا نکالا اور کپڑا ہلاتے ہوئے آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور بارش شروع ہوگئی اور اس قدر مینہ برسا کہ تحریر سے باہر ہے جب آپ منبر سے نیچے اترے تو خواجہ قطب الاسلامؒ کے مرید مولانا وجیہ الدینؒ نے پوچھا کہ کپڑا بغل سے نکال کر ہلانے اور آسمان کی طرف دیکھنے کا کیا مقصد تھا۔ فرمایا وہ کپڑا ایک دامن تھا جو خواجہ قطب الاسلام نے میری والدہ کو عنایت فرمایا تھا۔ اس کی برکت سے باران رحمت ہوئی یہ آپ کی حضوری کا کمال ہے۔ آپکے اکثر کمالات کا ذکر پیران چشت کے ملفوظات میں آتا ہے اخبار الاخیار کے مطابق آپ کی وفات ۶۰۰ ھ میں ہوئی رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرۃ شاہ خضر رومی قدس سرہٗ

شہبر بیشۂ توحید، پیشوائے ارباب تفرید، فارغ از ہستی و معدومی سر حلقۂ ابدال شاہ خضر رومی قدس سرہٗ کا شمار اولیائے اللہ میں ہوتا ہے آپ بڑے بلند ہمت تھے۔ آپ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے۔ آپ نے اکثر مشائخ کی صحبت حاصل کی ہے۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کا مشرب قلندریہ تھا۔ آپ کا وطن روم تھا۔ آپ سیر کرتے ہوئے ہندوستان آئے اور خواجہ قطب الاسلام کے زمانے میں دہلی میں وارد ہوئے۔ آپ نے خواجہ قطب الاسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر خلافت کی درخواست کی۔

حضرت خواجہ نے از راہ شفقت انہیں کلاہ و خرقہ عنایت کر کے رخصت کر دیا اس کے بعد آپ کو جونپور جانے کا اتفاق ہوا جہاں خلقت آپ کے گرد ہوگئی۔ وہاں شیخ نجم الدین قلندر بھی آپ کے مرید ہوئے۔ تربیت کے بعد آپ نے اپنے مشائخ کی امانت ان کے حوالہ

کی اور خود روم واپس چلے گئے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ ہندوستان میں پھیل گیا شاہ قطب نیاز دل جو قصبہ سرہرپور (نزد جونپور) میں سکونت پذیر تھے وہ اور دوسرے بزرگان اس سلسلے سے وجود میں آئے۔ یہ سلسلہ قلندریہ چشتیہ کہلاتا ہے۔ شاہ قطبؒ بھی بڑے قوی الحال بزرگ تھے۔ آپ کے کمالات اور کرامات بہت مشہور ہیں مریدین کی تربیت میں آپ اپنے معاصرین سے سبقت لے گئے ہیں۔ آپ کا مزار بھی اسی قصبہ میں ہے۔ ہمارے علاقے میں یہ سلسلہ حضرت شیخ محمود قلندر لکھنویؒ اور حضرت شیخ عبدالرحمٰن لاہورپوریؒ کی وجہ سے روشن ہوا ہے۔ اس وقت شیخ عبدالرحمٰن کے پوتے شیخ مجی کی ذات بابرکات سے طالبانِ راہ حق بوجہ احسن ہدایت حاصل کررہے ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ بدرالدین غزنوی قدس سرہٗ

عاشق صاحب احوال، چشیدہ شربت وصال، واعظ بکلمات معنوی، مقتدائے اہل سماع شیخ بدرالدین غزنوی قدس سرہٗ جمیع صفات پسندیدہ سے آراستہ تھے۔ آپ اہل عشق و سماع میں ممتاز تھے۔ تمام مشائخ وقت نے آپ کے کمالات کو بالاتفاق قبول کیا ہے۔ آپ خواجہ قطب الاسلام قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ مرید ہونے کے وقت سے لے کر خواجہ قطب الاسلام کے وصال تک کبھی ان سے جدا نہ ہوئے۔ اور ہمیشہ خدمت کرتے رہے سیرالاولیا میں حضرت سلطان المشائخؒ سے نقل ہے کہ شیخ بدرالدین غزنویؒ فرماتے تھے کہ میں پہلے غزنی سے لاہور آیا۔ ان دنوں لاہور بہت آباد تھا چند یوم وہاں ٹھہر کر دہلی پہنچا۔

اس کے بعد خبر موصول ہوئی کہ چنگیز خانی ملعون نے غزنی پر حملہ کر کے میرے والد، والدہ اور تمام رشتہ داروں کو شہید کر دیا ہے لیکن میں حضرت خواجہ قطب الاسلامؒ کا مرید ہو کر تمام تعلقات سے آزاد ہوگیا۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ وعظ بھی کہتے تھے اور بڑے اچھے واعظ تھے۔ آپ اکثر عشق و محبت کے موضوع پر کلام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ گنج شکر قدس سرہٗ اکثر ان کے مجالس وعظ میں شرکت فرماتے تھے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ آپ کی حضرت خضر علیہ السلام سے بھی ملاقات تھی۔

ایک دن ان کے والد نے کہا کہ اگر مجھے خضر علیہ السلام کی زیارت کرا دو تو بہت اچھا ہوگا۔ ایک دن آپ مسجد میں وعظ فرما رہے تھے ایک شخص دور اونچی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ بدرالدین نے اپنے والد کو اشارہ کر کے کہا کہ حضرت علیہ السلام وہ بیٹھے ہیں۔ ان کے والد نے کہا وعظ کے بعد جا کر ان سے ملوں گا لیکن جب وعظ ختم ہوا تو وہ وہاں سے غائب ہو گئے۔ سلطان المشائخؒ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ اس قدر ضعیف ہو گئے تھے کہ حرکت نہیں کر سکتے تھے لیکن جب آپ سماع سنتے تو دس سالہ لڑکے کی طرح رقص کرتے تھے ایک دن کسی نے کہا کہ شیخ آپ بہت کمزور ہو گئے ہیں رقص کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں رقص نہیں کرتا عشق نچاتا ہے جسے عشق ہے اسے رقص بھی ہے۔ سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ بدرالدینؒ سے سنا ہے کہ خواجہ قطب الاسلامؒ یہ رباعی بہت پڑھتے تھے۔ رباعی

سودائے تو اندر دلِ دیوانۂ ماست   ہر چہ آں نہ حدیثِ تست افسانۂ ماست

بیگانہ کہ از تو گفت آں خویشِ منست   خویشے کہ نہ از تو گفت بیگانۂ ماست

(اے محبوب تیرا سودا میرے دل دیوانہ میں ہے۔ جو تیری بات نہیں ہے وہ میرا افسانہ ہے۔ جس بیگانے نے تیرے متعلق کچھ کہا وہ میرا خویش ہے اور جس خویش نے تجھ سے اعراض کیا وہ میرے لئے بیگانہ ہے)

شیخ بدرالدین غزنوی کا مزار دہلی میں خواجہ قطب الاسلام کے پائنتی کی طرف ہے۔ کتاب کلمات الصادقین میں لکھا ہے کہ شیخ امام الدین ابدال کو خرقۂ خلافت شیخ بدرالدینؒ سے ملا تھا انہیں خواجہ قطب الاسلامؒ کی بھی صحبت ملی ہے۔ آپ بڑے بلند ہمت تھے ہمیشہ گوشہ نشین رہتے تھے۔ آپ کی عمر بہت طویل تھی۔ سلطان المشائخؒ کے وقت تک زندہ رہے۔ اور ۷۱۸ھ میں وفات پائی۔ شیخ شہاب الدین عاشقؒ ان کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے شیخ بدرالدین غزنویؒ کی بھی زیارت کی ہے آپ نہایت خوش خلق تھے اور عشق حقیقی اور عشق مجازی میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ آپ کا مدفن بھی دہلی ہے۔ شیخ عماد الدین دہلویؒ بھی شیخ امام الدین ابدال کے مرید تھے اور خرقۂ خلافت شیخ شہاب الدین عاشق سے حاصل کیا تھا۔ آپ کا شمار سلسلہ چشتیہ کے بزرگان میں ہوتا ہے۔ شیخ تاج الدین امام جو اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے ان کے مریدوں میں سے ہیں۔ شیخ

علاؤالدین بن شیخ نورالدین جو اپنے دادا شیخ تاج الدین عبدالصمد بن شیخ منور کے مرید ہیں۔ ان کو فیلِ مست (مست ہاتھی) کہا کرتے تھے۔

شیخ ضیاء الدین رومیؒ جو شیخ شیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے مرید تھے آپ کے ہم عصر ہیں سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میرا ایک دوست تھا جو سماع میں بڑا ذوق رکھتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے ان کو انتقال کے بعد خواب میں دیکھا کہ بہشت میں نہایت بلند مقام پر ہے لیکن مغموم بیٹھا ہے۔ میں نے پوچھا آپ مغموم کیوں ہیں انہوں نے جواب دیا کہ اگرچہ یہ مرتبہ ملا ہے لیکن وہ لذت اور کیفیت جو سماع سے حاصل ہوتی تھی اب کہاں ملتی ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ ضیاء الدین کی عمر بہت طویل تھی۔ سلطان قطب الدین بن سلطان علاء الدین آپ کا مرید تھا۔ شیخ ضیاء الدین کی وفات سے تین دن بعد سلطان المشائخ سلطان قطب الدین سے ملنے گئے لیکن اس نے غرورِ دنیا کی وجہ سے توجہ نہ کی جس کی سزا پائی۔ اس کی تفصیل سلطان المشائخ کے حالات میں آ رہی ہے شیخ ضیاء الدین رومی کا مزار خواجہ قطب الاسلام کے راستے میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

شیخ شرف الدین کرمانیؒ ساکن قصبہ سرسی (شاید موجودہ سرسہ) جو دہلی کے نواح میں ہے بھی اسی زمانے میں گذرے ہیں آپ کا حال نہایت قوی تھا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جنید نامی قوال کہتا تھا کہ ایک دفعہ مجلس سماع میں انہوں نے آہ لی اور جان بحق ہو گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

شیخ عبدالعزیز بن صوفی حمیدالدین ناگوریؒ بھی اسی زمانے میں تھے جن کا وصال عنفوانِ جوانی میں سماع میں ہو گیا تھا۔

صاحب اخبار الاخیار فرماتے ہیں کہ لیلۃ الرغائب میں ایک بزرگ کے گھر محفل سماع منعقد ہوئی۔ قوال نے یہ بیت پڑھا ؎

فائدہ از گفتن بسیار چیست ۔ جاں بدہ وجاں بدہ وجاں بدہ

(بہت بات کرنے کا کیا فائدہ۔ جان دے دو جان دے دو اور جان دیدو)

انہوں نے نعرہ مارا اور جان بحق تسلیم کر دی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شاہ گردیز ملتانی قدس سرہٗ

عشقِ دوام از محبوب مطلق یافتہ۔ مرکب ہمت از دوکون تافتہ زندہ از فیضِ ربانی، صاحب حالِ غیر مکرر، شاہ گردیز ملتانی قدس سرہٗ بڑے بزرگ تھے۔ تربیتِ مریدین میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ صاحب اخبار الاخیار فرماتے ہیں کہ آپ کا شمار ہندوستان کے متقدمین مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ شیخ بہاؤ الدین ذکریاؒ کے ہم عصر تھے۔ آپ ساداتِ گردیز میں سے ہیں۔ گردیز غزنی کے نواح میں ایک قصبہ ہے۔ وہاں سے ترکِ سکونت کر کے آپ نے ملتان میں سکونت اختیار کی۔ جہاں کثرت سے لوگ آپ کے مرید ہو گئے۔ آپ کا روضۂ مبارک ملتان میں مشہور ہے۔

وفات کے بعد آپ قبر سے لوگوں کو دستِ بیعت فرماتے تھے۔ اس وقت تک آپ کی قبر میں وہ راستہ موجود ہے جہاں سے آپ ہاتھ نکالتے تھے کہتے ہیں کہ ایک دن شیخ صدر الدین بن شیخ بہاؤ الدین ذکریاؒ نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ شاہ گردیز کے کرامات یعنی قبر سے ہاتھ نکال کر لوگوں کو بیعت کرنا اس قدر قوی شہادت ہے کہ آپ کی اولاد کی طرف کوئی شخص رجوع نہیں کرے گا۔ آپ نے بے توجہی سے فرمایا کہ بابا ان باتوں کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ جب انہوں نے دو تین مرتبہ اسی طرح کہا تو آپ نے فرمایا کہ تم شاہ گردیز کی قبر پر جا کر التماس کرو۔ کہ آپ کے ظاہری و باطنی کمالات اس قدر ہیں کہ کسی کو شک کی گنجائش نہیں لیکن آپ پر اپنے دادا محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا احترام لازم ہے۔ شیخ صدر الدین نے وہاں جا کر اپنے والد کا پیغام سنایا۔ اس روز کے بعد قبر سے ہاتھ نکالنا بند کر دیا۔ شاہ گردیز کے کمالات اس قدر ہیں کہ دائرہ تحریر سے باہر ہیں۔ شیخ تقی الدین محمد قدس سرہٗ آپ کے ہم عصر تھے۔ سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ آپ صاحب الحال اور دائم الاشغال بزرگ تھے۔ آپ پر اس قدر استغراق طاری رہتا تھا کہ یہ علم نہ ہوتا تھا کہ رات ہے یا دن۔ ایک دن ایک شخص نے کاغذ دے کر کہا کہ شیخ اس پر اپنا نام تحریر فرما دیں۔ آپ نے قلم اٹھایا اور متحیر ہو کر بیٹھ گئے۔ خادم نے سمجھ لیا کہ شیخ اپنا نام بھول گئے ہیں۔ اس نے کہا آپ کا نام شیخ محمد ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنا نام لکھا۔

ایک دن آپ مسجد جا رہے تھے۔ مسجد کے دروازے پر پہنچ کر آپ کھڑے ہو گئے۔ خادم سمجھ گیا کہ شیخ یہ بھول گئے ہیں کہ دایاں پاؤں کونسا ہے۔ خادم نے اپنا ہاتھ آپ کے دائیں پاؤں پر رکھ کر کہا کہ شیخ کا دایاں پاؤں یہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنا پاؤں مسجد میں رکھا۔ یہ شیخ ترک بیابانی بھی اسی زمانے میں تھے۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ وہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے۔ ان کا مزار قلعہ دہلی کے قریب ہے۔

حضرت شیخ عبد اللہ بلبانی قدس سرہٗ

آں ہمگی ذوق وصال، آں مستغرق دردات ذوالجلال، آں عالم بعلوم سبحانی مست وحدت شیخ عبد اللہ بلبانی قدس سرہٗ آپ کا لقب اوحد الدین ہے آپ شیخ ابو علی دقاق کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے عبد اللہ ابن مسعود بن علی احمد بن عمر بن ابو علی دقاق رحم اللہ اجمعین۔ شیخ ابو علی دقاق کے دو بچے تھے ایک لڑکا اسمٰعیل اور لڑکی فاطمہ بانو جو شیخ ابو القاسم قشیری کی اہلیہ تھیں۔ آپ کا سلسلۂ طریقت یہ ہے شیخ عبد اللہ نے خرقۂ خلافت اپنے والد ضیاء الدین مسعود سے حاصل کیا۔ انکو امام الدین مسعود بھی کہتے ہیں۔ ان کو شیخ واصل الدین شیرازی سے ان کو شیخ رکن الدین شیرازی سے، ان کو رکن الدین سنجاسی سے، ان کو شیخ قطب الدین ابو رشید ابہری سے۔ ان کو شیخ جمال الدین عبد الصمد زنجانی سے اور ان کو شیخ ابو النجیب سہروردی قدس سرہٗ سے ملا۔ صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ آپ کو شروع سے گوشہ نشینی پسند تھی۔ آپ گیارہ سال پہاڑ میں رہے۔ جب وہاں سے واپس آئے تو ایک زاہد ابوبکر ہمدانی کی صحبت میں رہنے لگے۔ وہ ایک صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ان کا ورد یہ تھا کہ ہر رات اٹھ کر لوہے کا عصا اپنی ٹھوڑی کے نیچے دے کر کھڑے ہو جاتے اور صبح تک اسی حالت میں رہتے۔ یہ شیخ عبد اللہ نے بھی ان کی موافقت میں یہی ورد شروع کر دیا۔ اور آپ کے پیچھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ابوبکر ہمدانی کبھی کبھی پیچھے دیکھ کر غیرت کرتے اور کہتے کہ جاؤ اور سو جاؤ۔ یہ شیخ عبد اللہ بیٹھ جاتے لیکن کچھ دیر کے بعد پھر وہی کام شروع کر دیتے حتیٰ کہ یہ کام کرتے کرتے ان کا حال شیخ عبد اللہ کے دل میں پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے تنہائی اختیار کر لی۔ ابوبکر ہمدانی ان سے مہربانی سے پیش آتے تھے،

اور انہیں ٹولی کہہ کر پکارتے تھے۔

ایک دن کہنے لگے کہ ٹولی آیا اور مجھ سے کچھ حاصل کر کے کہیں چلا گیا ہے معلوم نہیں کہاں گیا۔ چند دنوں کے بعد شیخ عبداللہ ان کی خدمت میں گئے۔ آپ نے پوچھا کہاں تھے اور کیا لائے ہو۔ انہوں نے ادب سے کچھ جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے پھر یہی سوال کیا۔ شیخ عبداللہ نے جواب دیا (من غیر حق نیستم) میں غیر حق نہیں ہوں۔ زاہد نے کہا منصور کی بات کر رہے ہو شیخ عبداللہ نے جواب دیا کہ اگر میں ایک آہ نکالوں تو منصور جیسے ہزاروں پیدا ہو جائیں۔ یہ سن کر زاہد نے اپنا عصا ان پر پھینکا لیکن وہ ایک طرف ہو گئے اور عصا زمین پر جا پڑا۔ زاہد نے انہیں گالی دے کر کہا کہ منصور کو سولی پر چڑھایا گیا اور وہ نہ بھاگا تو ایک ڈنڈے سے بھاگ گیا ہے۔ شیخ عبداللہ نے جواب دیا کہ وہ ناتمام تھا ورنہ بھاگ جاتا۔ کیونکہ حق تعالےٰ کے نزدیک سب ایک ہیں۔ یہ سن کر زاہد نے کہا شاید تم نے گھاس کھائی ہے انہوں نے جواب دیا ہاں کھائی ہے لیکن حقیقت کی چراگاہ سے کھائی ہے زاہد نے کہا خوب کھائی اور اچھا کیا اب آؤ اور سجادہ پر بیٹھ کر اس کا حق ادا کرو۔ اس کے بعد زاہد نے پوچھا کہ تم نے کہا تھا کہ منصور ناتمام تھا اور نہ بھاگا اور اسے پھانسی دے دی گئی۔ اس کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے۔ شیخ عبداللہ نے کہا دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سوار ہونے کا دعویٰ کرے اور گھوڑے پر قابو پالے تو اس نے سچ کہا لیکن اگر وہ گھوڑے کو اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکتا وہ سواری میں ناتمام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ منصور مغلوب الحال تھے۔ یہ سن کر زاہد نے کہا تم نے درست کہا ہے میں نے تجھ سے زیادہ عارف نہیں دیکھا۔ شیخ عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے سنا کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے ایک مرید شیخ نجیب الدین بزغشؒ شیراز آئے ہوئے ہیں میں بہت خوش ہوا اس لئے کہ جس قدر صوفیائے کرام کے احوال میں نے حاصل کئے تھے اور سنے تھے ان سے تصدیق کرانا چاہتا تھا۔ نیز میرے والد نے مجھ سے کہا تھا کہ میں جو کچھ حق تعالےٰ سے چاہتا تھا وہ تجھے مل گیا ہے اور جو کچھ میں کھڑکی سے حاصل کرنا چاہتا تھا مجھے دروازے سے مل گیا ہے (یعنی تھوڑا مانگتا تھا اور زیادہ مل گیا) الغرض میں شیراز گیا اور شیخ نجیب الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے اپنے احوال مقامات اور واقعات بیان کئے۔ انہوں

سب کچھ اچھی طرح سنا لیکن کوئی جواب نہ دیا کچھ دیر کے بعد میں باہر چلا گیا۔ اس کے بعد مجھے گھر واپس جانے کی ضرورت پیش آئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ شیخ نجیب الدین کے پاس جا کر دیکھتا ہوں کیا فرماتے ہیں۔ جب میں ان کے گھر کے دروازے پر پہنچا تو لوگوں نے کہا آپ اندر ہیں بیٹھ جاؤ شیخ آنے والے ہیں میں شیخ کی نشست کے قریب بیٹھ گیا۔ میں نے شیخ کی مسند کے پاس ایک کاغذ دیکھا جس پر میرے سب سوالات کے جو اس دن پوچھے تھے جواب لکھے تھے۔ میں نے دل میں کہا کہ شیخ لکھنے کا محتاج تھا۔ لیکن مجھ پر ان کا حال نہ کھل سکا۔ غرضیکہ اسی حالت میں میں واپس آیا۔ جب گازرون جو شیراز کے پاس ہے پہنچا میں نے اپنے آپ کو ملامت کیا اور بے نیاز ہو کر خلوت میں بیٹھ گیا۔ اور جو کچھ میں حق تعالےٰ سے مانگتا تھا اس خلوت میں پانچ دن کے اندر مل گیا۔ ایک دفعہ آپ شیراز میں تھے۔ ایک دن شیخ سوری کی خانقاہ میں گئے شیخ سوری نے پیسوں کی مٹھی بھر کر آپ کے سامنے رکھ دی آپ نے فرمایا اے سوری یہ کیا دیا ہے۔ جاؤ اور روپوں کا وہ تھیلہ لاؤ۔ جس میں باسٹھ روپے پڑے ہیں تاکہ درویشوں کے لئے کھانا منگوایا جائے شیخ اندر جا کر تھیلہ لائے اس کے اندر باسٹھ روپے تھے کسی کو بازار بھیج کر درویشوں کیلئے کھانا منگوالیا گیا نفحات میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ عبداللہ بلیانی کا ایک مرید تھا جو پہاڑ میں گوشہ نشین تھا۔ ایک دفعہ ایک سانپ اس کے سامنے آیا۔ اس نے سانپ کو پکڑ لیا۔ سانپ نے اسے ڈس لیا۔ جس سے اس کا جسم سوج گیا۔ یہ خبر شیخ عبداللہ تک جا پہنچی۔ آپ نے اسے بلا کر پوچھا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی۔ اس نے جواب دیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ غیر حق کوئی نہیں ہے میں نے اس سانپ کو غیر حق نہ سمجھا اور اسے پکڑ لیا۔ شیخ نے فرمایا جس وقت تم حق تعالےٰ کو لباس قہر میں دیکھو تو اس سے گریز کرو اور اس کے نزدیک نہ جاؤ۔ پس اس کا سر پکڑ کر کہنے لگے کہ آئندہ یہ گستاخی نہ کرنا۔ اس کے بعد دعا کی اس کی سوج جاتی رہی۔ اور شفا ہو گئی۔

شیخ عبداللہ فرماتے ہیں کہ درویشی نہ نماز ہے نہ روزہ ہے اور نہ رات کا جاگنا ہے۔ یہ سب اسباب بندگی ہیں۔ درویشی کسی کا دل نہ دکھانے کا نام ہے اگر یہ حاصل ہو جائے تو تو واصل ہو جائے گا۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ خدادان ہو۔ اگر خدادان نہیں بنتے تو خوددان نہ ہو کیونکہ جب خوددان ہو گے تو خدادان ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس سے بہتر یہ کہتا ہوں

کہ "خدا باشید اگر خدا نباشید خود مباشید کہ اگر خود نہ باشید خدا باشید"۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ شیخ روزبہان کے مزار کی زیارت کے لیے گئے۔ وہاں جاکر دیکھا کہ ان کے لڑکے شیخ صدرالدین اپنے والد کی قبر کے سرہانے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب شیخ عبداللہ قبر کے قریب پہنچے تو شیخ صدرالدین ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اور کافی دیر تک کھڑے رہے۔ شیخ عبداللہ نے ان کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو شیخ صدرالدین نے کہا کہ اے شیخ کافی دیر سے میں پاؤں پر کھڑا ہوں لیکن آپ نے کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ روزبہانؒ نے مجھے انار عنایت فرمایا تھا اسے کھانے میں مصروف تھا۔ شیخ عبداللہ بلبانی کا ایک رسالہ ہے جس کا نام بلبانی ہے جو حقائق و معارف سے لبریز ہے اس میں سے چند اشعار اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں ؎

۱۔ ما جملہ خدائے پاک وپاکیم۔ نے ز آتش و باد و آب و خاکیم۔

۲۔ از ہستی و نیستی ہمہ عریاں شدہ ایم و جامہ چاکیم۔

شیخ عبداللہ بلبانی کی وفات عاشورہ کے دن ۶۸۶ھ کو ہوئی رحمتہ اللہ علیہ۔

طبقہ ۱۹

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ
اور آپ کے فرزندان اور سلطان المشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے حالات میں

حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہٗ

آفتاب انوارِ ولایت، پیشوائے عالم ہدایت گنجینۂ ذوق و اسرار، بمشاہدۂ احدیت بیدار، صاحب رازدار حضرتِ معبود قطب اکبر شیخ فرید الدین گنج شکر مسعود قدس سرہٗ واصلان حق کے راہنما تھے۔ طریقت میں آپ شانِ عظیم رکھتے ہیں۔ تمام مشائخ آپ کے کمال عشق، عرفان و احوال پر متفق ہیں۔ جس قدر ریاضات و مجاہدات، ترک و تجرید، فقر و شوق جیسے کمالات ظاہری و باطنی آپ کو حاصل تھے اہل طریقت میں سے کسی شخص واحد کو مجموعی طور پر میسر نہ تھے۔ آپ کشف و کرامات، وجد و حال اور ہمت و شجاعت میں بے نظیر وقت تھے۔ مریدین کی تربیت میں آپ ید طولےٰ رکھتے تھے۔ چنانچہ تھوڑی سی توجہ سے ساکنانِ سفلی کو مقام علوی تک پہنچا دیتے تھے سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ صفائے باطن سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ ابتدائے حال سے لے کر انتہا تک آپ ہمیشہ یکساں ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے۔ بلند پروازی کا یہ عالم تھا کہ دنیا کی کسی مراد کے لئے آپ نے کبھی اپنا سر نہ جھکایا۔ اس کے باوجود لوگوں کے ساتھ اس قدر تواضع اور اخلاق سے پیش آتے تھے کہ خلقت آپ کے حسن سیرت کی گرویدہ تھی۔ آپ خواجہ قطب الاسلام بختیار اوشی قدس سرہٗ کے محبوب ترین مرید اور خلیفہ تھے۔ صاحب سیر الاولیاء سید محمد کرمانی جو سلطان المشائخ کے مرید تھے کہتے ہیں کہ حضرت گنج شکر کا سلسلۂ نسب فرخ شاہ

عادل تک جا پہنچتا ہے۔ فرخ شاہ کابل کے بادشاہ تھے اور گرد و نواح کے تمام سلاطین ان کے مطیع تھے۔ کابل کی سلطنت غزنی کی سلطنت سے بڑی تھی۔ جب کابل کی سلطنت کمزور ہوئی تو سارا ملک سلطنتِ غزنی میں شامل ہو گیا لیکن فرخ شاہ کی اولاد کابل میں تھی۔ جس وقت چنگیز خاں نے لشکر کشی کر کے ایران و توران کو تہ و بالا کر ڈالا اور غزنی کا رخ کیا تو پہلے اس نے کابل پر حملہ کیا۔ اس حملے میں آپ کے پردادا شہید ہو گئے اس کے بعد آپ کے دادا قاضی شعیب اپنے عیال و اطفال سمیت لاہور پہنچے۔ چند روز وہاں رہ کر قصبۂ قصور میں تشریف لے گئے۔ قصور کے قاضی نے آپ کی بہت آؤ بھگت کی اور کافی مہمان نوازی کے بعد بادشاہ وقت کو سب کوائف سے مطلع کیا۔ بادشاہ نے قصبہ کوٹھیوال جو ملتان کے پاس ہے۔ کی قضا قاضی شعیب کو تفویض کی اور آپ وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

خواجہ گنج شکرؒ کے والد بزرگوار قاضی جمال الدین سلیمانؒ بھی قصبۂ کوٹھیوال کے قاضی تھے۔ ان کی قبر بھی اسی جگہ موجود ہے۔ ان کے تین لڑکے تھے۔ شیخ عزالدین محمودؒ، شیخ فریدالدین مسعودؒ، شیخ نجیب الدین متوکلؒ۔ ان کی والدہ ماجدہ جو نہایت نیک اور صالحہ عورت تھیں ملا وجیہ الدین خجندیؒ کی دختر تھیں۔ جن کے کمال صلاحیت، عفت اور کمالات و کرامات کے حالات حضرت گنج شکرؒ کے ملفوظات میں درج ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ وہ واصلان حق میں سے تھیں۔ حق تعالیٰ نے حضرت گنج شکرؒ کو مسعود ازلی پیدا کیا اور خورد سالی سے آپ کے دل میں عشق کی آگ بھڑکا رکھی تھی۔ عنفوان شباب میں آپ نے تمام دنیاوی مرادات کو ترک کر کے ظاہری و باطنی علوم کے حصول کے لیے گھر چھوڑ دیا اور باہر چلے گئے۔

سیر العارفین میں سلطان المشائخ سے منقول ہے جب آپ ملتان پہنچے تو مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں قیام فرما کر فقہ کی کتاب نافع کے مطالعہ میں مشغول ہوئے۔ اتفاق سے خواجہ قطب الدینؒ اوش سے آتے ہوئے اسی مسجد میں ٹھہرے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک خوب صورت، خوب سیرت نوجوان صدق دل کے ساتھ کتاب پڑھنے میں مشغول ہے۔ آپ نے فرمایا مسعود کیا کتاب پڑھ رہے ہو عرض کیا کہ اسے نافع کہتے ہیں آپ نے فرمایا کیا تجھے معلوم ہے کہ تجھے اس نافع سے نفع ہوگا۔ حضرت گنج شکر نے عرض کیا کہ مجھے نفع آپ کی نظر کیمیا اثر سے ہوگا۔ یہ کہہ کر اٹھے اور

جائز سعادت. قدم بوسی حاصل کی اور دل وجان سے معتقد ہو گئے۔ خواجہ قطب الاسلام نے بہت نوازش فرمائی جب آپ ملتان سے دہلی تشریف لے گئے تو خواجہ گنج شکر تین منزل تک آپ کے ہمراہ رہے۔ اس کے بعد خواجہ نے فرمایا! "فرید کچھ عرصہ ظاہری علم حاصل کرو اس کے بعد دہلی آکر ہمارے پاس رہو"

سلطان المشائخ نے تحقیق سے لکھا ہے کہ حضرت گنج شکر جب خواجہ قطب الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ خواجہ قطب الاسلام سے رخصت ہو کر جب آپ کامل پانچ سال تک طلب علم میں مشغول رہے تو حق تعالےٰ نے علوم لدنی کے دروازے بھی آپ پر کشادہ کر دیئے۔ کتاب راحت القلوب جو خواجہ گنج شکرؒ کے ملفوظات ہیں اور سلطان المشائخؒ نے جمع کئے ہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سے آپ نے بغداد کا سفر کیا اور تمام مشائخ کی زیارت کی۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے چنانچہ کتاب مذکور میں آپ فرماتے ہیں کہ دعاگو نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کو بھی دیکھا ہے اور سعادت قدم بوسی حاصل کی ہے۔ چند روز ان کی خدمت میں رہا اور کوئی دن ایسا نہ تھا کہ کم وبیش دس ہزار دینار کی فتوح آپ کی خانقاہ میں نہ آئی۔ شیخ فرمایا کرتے تھے کہ سب کچھ راہِ حق میں خرچ کر دیتے کہ رات تک ایک پیسہ بھی باقی نہ رہے۔ حضرت گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ بغداد میں شیخ اجل شیرازی کی زیارت بھی حاصل ہوئی۔ بڑے باعظمت بزرگ تھے۔ جب میں نے ان کی دست بوسی کی تو آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ آؤ اے لنگر عالم خوب آئے۔ میں چند یوم ان کی خدمت میں رہا۔ اور ہرگز کسی کو وہاں سے محروم جاتے نہ دیکھا۔ اس دعاگو سے فرمایا کہ حق تعالےٰ تمہارے رزق میں برکت دے۔ پس جب میں بغداد سے باہر آیا جنگل میں میں نے ایک درویش دیکھا جس کی حالت زار ونزار تھی جسم پر صرف ہڈی اور چمڑا باقی رہ گیا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ شخص معلوم نہیں کب سے جنگل میں پڑا ہے اور کیا کھاتا ہے۔ انہیں میرے دل کی بات معلوم ہو گئی۔ کہنے لگے کہ اے فرید چالیس سال سے میں اس غار میں مقیم ہوں۔ اور میرا بستر خاشاک کے سوا کچھ نہیں۔ میں چند روز ان کی خدمت میں رہا۔ اس کے بعد بخارا کی طرف چلا گیا۔ وہاں شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بڑے باعظمت وباہیبت بزرگ تھے۔ قدم

ہوں ہو کر میں ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ جب بھی آپ میری طرف نظر کرتے یہی فرماتے کہ یہ بزرگ مشائخِ روزگار سے ہوگا۔ اور سارا جہان اسکا مرید اور اولاد ہوگا۔ آپ نے ایک سیاہ گلیم اوڑھ رکھی تھی میری طرف پھینک کر فرمایا اسے پہنو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ اور چند یوم آپ کی صحبت فیض بخش میں رہا۔ اس کے بعد بخارا سے باہر آکر ایک مسجد میں گیا۔ مسجد کے قریب ایک عبادت خانہ تھا جس کے اندر ایک بارہیبت بزرگ مقیم تھے۔ ان جیسے بزرگ میں نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ عالمِ تفکر میں کھڑے ہوئے تھے اور آنکھیں ہوا میں کھلی تھیں۔ چار دن کے بعد آپ عالمِ صحو (ہوشیاری) میں آئے۔ میں نے سلام کیا آپ نے جواب دے کر فرمایا کہ میری خاطر تمھیں اس قدر تکلیف اٹھانی پڑی۔ بیٹھو۔ میں بیٹھ گیا اور انہوں نے کہنا شروع کیا کہ میں شمس العارفین کے پوتوں میں سے ہوں تیس سال سے اس ویرانے میں معتکف ہوں لیکن اے فرید اس تیس سال کے عرصے میں سوائے ہیبت اور حیرت کے کچھ نصیب نہیں ہوا۔ نیز فرمایا کہ یہ راستہ صدق کا ہے جو کوئی صدق سے گامزن ہوتا ہے دوست تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے تمام احوال و مقامات بیان فرمائے نیز فرمایا کہ اپنے آپ سے بھی بےگانہ ہونا چاہیئے تاکہ دوست سے یگانہ ہو جائے۔ میں نے شام کی نماز ان کے ساتھ پڑھی۔ نماز سے فراغت کے بعد میں نے دیکھا کہ عالمِ غیب سے دو آش (شوربا) کے پیالے اور چار روٹیاں ان کے پاس آئیں۔ آپ نے کھانے کا اشارہ فرمایا اور میں نے مل کر کھانا کھایا۔ اس قدر لذیذ تھا کہ اس سے زیادہ لذیذ کبھی نہیں کھایا تھا۔ رات میں نے ان کے ساتھ بسر کی۔ جب صبح ہوئی تو وہ گم ہوگئے۔ میں وہاں سے روانہ ہو کر بدخشاں گیا اور وہاں کے بزرگوں کی زیارت کی وہ ایسے بزرگ تھے کہ ان کے اوصاف بیان سے باہر ہیں۔ وہاں سے ملتان واپس آیا اور برادرم شیخ بہاؤالدین ذکریا رحمتہ اللہ علیہ سے ملا۔ مصافحہ کے بعد انہوں نے دریافت کیا کہ "کارخود تا کجا رسانیدہ" (اپنے کام کو آپ نے کہاں تک پہنچایا ہے) میں نے کہا اگر کہوں تو یہ کرسی جس پر آپ بیٹھے ہیں ہوا میں کھڑی ہو جائے۔ ابھی یہ بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ کرسی ہوا میں کھڑی ہوگئی۔ برادرم بہاؤالدین کرسی پر ہاتھ مار کر بیٹھ گئے اور فرمایا مولانا فرید خوب مقام حاصل کیا ہے۔ وہاں سے روانہ ہو کر دہلی پہنچا۔ اور وہیں سکونت اختیار کر کے خواجہ قطب الاسلام قدس سرہ کی خدمت

میں حاضر ہوا۔ جو نعمت میں نے آپ کے اندر دیکھی حدِ وصف سے باہر ہے۔ پس میں نے آپ کی خدمت اختیار کر لی اور شرفِ بیعت سے مشرف ہو گیا تیسرے روز آپ نے مجھے ہر نعمت عطا کی اور یہ فرمایا کہ "مولانا فرید کار خود تمام کردہ بودی آں گاہ بمن آمدی" (مولانا فرید تم نے اپنا کام پورا کیا ہوا تھا پھر میرے پاس آئے۔) سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب حضرت گنجِ شکر اس حرف پر پہنچے تو نعرہ مارا اور گر گئے تین رات دن عالم استغراق میں بے خود رہے۔ جب ہوش میں آئے تو مجھے مخاطب کر کے فرمایا مردانِ خدا نے یہی کیا ہے تب کسی مقام تک پہنچے ہیں اس راہ میں دل سے سفر کرو، صدق کے قدم سے چلو اور بغیر آنکھ کے دیکھو ورنہ ہرگز قرب کے مقام تک نہ پہنچو گے۔ اس کے بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے ؎

تو راہ نرفتی و ترا نہ نمودند۔ ورنہ کہ زد ایں در بروکشودند۔

جاں در رہِ دوست یار اگر مے خواہی تو نیز چناں شوی کہ ایشاں بودند

(نہ تو راستے پر گامزن ہوا نہ تجھے راستہ دکھایا۔ ورنہ وہ کون ہے کہ جو دروازہ کھٹکھٹائے اور دروازہ نہ کھلا ہو۔ ۲۔ اے ساتھی اگر تو محبوب کی راہ میں جان دے گا۔ تو تو انہی جیسا ہو جائے گا۔

حضرت گنجِ شکرؒ فوائد السالکین میں فرماتے ہیں کہ جب میں خواجہ قطب الاسلام کے شرفِ بیعت سے مشرف ہوا تو آپ نے کلاہ چار ترکی دعا گو کے سر پہ رکھی اور بڑی شفقت فرمائی۔ اس وقت، قاضی حمید الدین ناگوری، مولانا علی کرمانی، سید نور الدین مبارک، شیخ نظام الدین ابو المؤید، مولانا شمس ترک، شیخ محمود موئینہ دوز اور دوسرے عزیز حاضر تھے۔ خواجہ قطب الاسلام نے فرمایا کہ شیخ کو اس قدر قوت ہونی چاہیے کہ جب کوئی شخص بیعت کے لیے آئے تو قوت نظر سے اس کے سینے سے زنگار دھو ڈالے حتیٰ کہ اس کے دل میں ذرہ بھر کدورت باقی نہ رہے۔ اس کے بعد اس کا ہاتھ پکڑ کر خدا تک پہنچا دے۔ الغرض حضرت گنجِ شکر نے مرید ہونے کے بعد غزنی دروازے کے برج کے نیچے حجرہ بنایا اور حق کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ چنانچہ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ وہاں سے دو ہفتے کے بعد خواجہ قطب الاسلام کی خدمت میں آتے تھے۔

سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ خواجہ گنج شکر نے چاہا کہ مجاہدہ شروع کریں خواجہ علیہ رحمتہ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا طے کا روزہ رکھو۔ دو تین دن کے بعد جو کچھ غیب سے آجائے اس سے افطار کرنا۔ تیسرے دن ایک آدمی کچھ روٹیاں لایا آپ نے سمجھا کہ یہ غیب سے ہیں اس سے افطار کر لیا ایک ساعت کے بعد آپ کے پیٹ میں درد پیدا ہوا۔ آپ نے قے کر کے جو کچھ کھایا تھا نکال کر پھینک دیا۔ انہوں نے اس کا ذکر حضرت خواجہ سے کیا۔ آپ نے فرمایا مسعود! تیسرے دن تم نے ایک شراب فروش کے گھر کا کھانا کھایا چونکہ عنایت حق تمہارے شامل حال تھی یہ کھانا تمہارے پیٹ میں نہ رہ سکا۔ اب جاؤ اور تین دن مزید طے کا روزہ رکھو۔ جب چھ دن تک کھانے کی بو بھی آپ تک نہ پہنچی کمزوری کا غلبہ بڑھ گیا۔ ایک اور شب کے بعد جب بھوک سے بے تاب ہوئے تو زمین پر ہاتھ مارا چند سنگریزے جو ہاتھ میں آئے آپ نے منہ میں ڈال لئے۔ وہ شکر ہو گئے۔ آپ نے وہ بھی نکال کر پھینک دیئے اس خیال سے کہ شاید شیطان کا فریب ہو۔ الغرض جسوقت ضعف کا غلبہ ہوتا تھا آپ زمین پر ہاتھ مار کر چند سنگریزے منہ میں ڈال لیتے تھے اور وہ شکر ہو جاتے تھے۔ آخر شب تک آپ نے تین چار بار اسی طرح کیا۔ اس کے بعد خیال آیا کہ حضرت خواجہ نے فرمایا تھا کہ جو کچھ غیب سے مل جائے اس سے روزہ افطار کرنا ممکن ہے یہ مکر شیطان نہ ہو نعمت الٰہی ہو۔ پس آپ نے چند سنگریزے اٹھا کر منہ میں رکھے تو شکر تھے کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

سنگ در دست تو گہر گردد۔ زہر در طعام تو شکر گردد۔

(پتھر تیرے ہاتھ میں گوہر بن جاتا ہے اور تیرے کھانے میں زہر شکر بن جاتی ہے)

جب صبح ہوئی تو آپ نے حضرت خواجہ کی خدمت میں جا کر سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اچھا کیا کہ اس شکر سے افطار کیا۔ جو کچھ غیب سے مل جائے بہتر ہے۔ جاؤ شکر کی طرح میٹھے رہو گے۔ جب آپ وہاں سے باہر آئے جو کوئی آپ کو دیکھتا تھا گنج شکر کہہ کر پکارتا تھا۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ ایک دن آپ حضرت خواجہ کی خدمت میں جا رہے تھے ریاضت کی وجہ سے اس قدر کمزور تھے کہ آپ کا پاؤں لڑکھڑایا اور گر گئے۔ گرنے سے جو مٹی آپ کے منہ میں گئی شکر ہو گئی۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک سوداگر شکر کے

اونٹ لاد کرلے جارہا تھا۔ آپ نے اس سے شکر طلب کی۔ اس نے جواب دیا کہ یہ نمک ہے آپ نے فرمایا نمک ہوگا۔ سوداگر نے جب مال نکالا تو سب نمک تھا۔ شرمندہ ہوکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت عجز و نیاز سے معافی طلب کی۔ آپ نے فرمایا فکر مت کرو شکر ہوگی۔ جب اس نے جاکر دیکھا تو سب شکر تھی۔ کسی نے اس مضمون کو خوب ادا کیا ہے ؎

کانِ نمک جہانِ شکر، شیخِ بحر و بر　　　آں کز شکر نمک کند و از نمک شکر

(نمک کی کان، شکر کا خزانہ، خشکی اور تری کے بادشاہ۔ وہ بادشاہ جو شکر کو نمک اور نمک کو شکر بناتا ہے)

صاحب سیر الاولیا فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت گنج شکر نے مزید مجاہدہ کی خاطر خواجہ قطب الاسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر فرمان ہو تو ایک چلہ کرلوں۔ یہ بات حضرت خواجہ پر گراں گزری۔ آپ نے فرمایا اس کی ضرورت نہیں۔ ان چیزوں سے شہرت ہوجاتی ہے۔ آپ نے التماس کیا کہ خواجہ کو معلوم ہے کہ مجھے شہرت سے کوئی غرض نہیں ہے۔ حضرت گنج شکر فرماتے ہیں کہ مجھے ساری عمر اس بات سے پشیمانی رہی کہ میں نے کیوں ایسی بات کی جو حضرت خواجہ پر گراں گزری۔

اس کے بعد خواجہ قطب الاسلام نے فرمایا کہ اب جاؤ اور چلۂ معکوس کرو۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ چلۂ معکوس کس طرح کیا جاتا ہے۔ خواجہ نے فرمایا پہلے ایسی جگہ منتخب کرو جو مسجد ہو۔ اور اس مسجد کے سامنے کنواں ہو۔ کنویں کے کنارے پر ایک درخت ہو۔ نیز اس مسجد میں کوئی ایسا مؤذن ہو جو متدین ہو اور درویشوں کی صحبت کے لائق اور ان کے اسرار سے واقف ہو۔ اپنے پاؤں درخت کے ساتھ باندھ کر چالیس رات تک کنویں میں سر کے بل ہوکر مشغول بحق ہو۔ جب آپ نے ترکیب سمجھ لی تو چلۂ معکوس کا مصمم ارادہ کرلیا اور ایسے مقام کی تلاش میں شہر دہلی کے گرد پھرنے لگے۔ جب وہاں مناسب جگہ نہ ملی تو آپ قصبہ ہانسی تشریف لے گئے۔ وہاں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد آپ شہر بشہر قصبہ بقصبہ تشریف لے گئے حتیٰ کہ آپ خطۂ اُچہ (اوچ شریف تحصیل احمد پور شرقیہ۔ بہاول پور ڈویژن) میں پہنچے جہاں یہ سب چیزیں یکجا مل گئیں خوبہ

رشید الدین میناتی ساکن ہانسی جو آپ کے ساتھ کمال عقیدت مندی رکھتے تھے اس مسجد کے موذن تھے۔ چند دن اس مسجد میں رہ کر آپ نے اپنا راز اس موذن کو بتا دیا۔ اس شرط پر کہ پوشیدہ رکھے۔ عشاء کی نماز کے بعد وہ موذن ایک رسی لے آتے تھے اور آپ کے پاؤں میں باندھ کر کنوئیں میں لٹکا دیتے تھے۔ صبح کی نماز سے پہلے آ کر وہ آپ کو چاہ سے باہر نکال لیتے تھے۔ نماز پڑھ کر آپ سارا دن اس مسجد میں مراقبہ میں گزارتے۔ اس طرح چالیس رات تک آپ نے اس کنوئیں[1] میں چلہ معکوس کر کے اپنے پیر کا فرمان پورا کیا خواجہ نظامی نے خوب لکھا ہے ؎

دو سر اس رشتہ یکے عجز و دگر ناز
زیں سو ہمہ عجز آمد و زاں سو ہمہ ناز

(اس (عشق) کے رشتے کے دو سرے ہیں ایک عجز دوسرا ناز۔ اس طرف سے عجز ہے اور اس طرف یعنی محبوب کی طرف سے سب ناز ہے)۔

امیر خسرو دہلوی فرماتے ہیں ؎

ہر دل کہ در مہر تو آویختہ شد
عاقبت از کنگرۂ عشق آویختہ شد

(جو دل کہ تیری محبت میں اٹک گیا۔ آخر وہ عشق کے کنگرے سے لٹک گیا)

رسول اللہ نے صلوٰۃ معکوس پڑھی ہے

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو سعید ابو الخیر فرماتے ہیں کہ جو کچھ مجھے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملا میں نے اس پر عمل کیا۔ حتیٰ کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ حضرت رسالت پناہ نے نماز معکوس ادا کی ہے تو میں ٹانگوں میں رسی باندھ کر ایک کنوئیں میں الٹا لٹک گیا۔ اس سلسلہ میں (یعنی سلسلہ چشتیہ میں) خواجہ ابو محمد چشتی قدس سرہٗ نے بہت نماز معکوس پڑھی ہے۔ اس سنت کو حضرت خواجہ گنج شکر نے زندہ کیا۔

---

[1] یہ کنواں آج تک اوچ میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی مسجد کے قریب موجود ہے اور لوگ تبرکاً پانی پیتے ہیں)

حضرت گنج شکرؒ کو خواجہ غریب نوازؒ سے فیض

سلطان المشائخؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین قدس سرہ دلی تشریف لائے تو خواجہ قطب الاسلام کے گھر پر ٹھہرے۔ خواجہ گنج شکر بھی اس وقت وہاں موجود تھے جب خواجہ بزرگ کی نظر آپ پر پڑی فرمایا "بابا بختیار این جوان را چند در مجاہدہ خواہی سوخت۔ چیزے بخشش کنید" خواجہ قطب الاسلام عرض نمود کہ مرا چہ مجال کہ در نظر آں حضرت چیزے توانم کرد" (بابا بختیار اس جوان کو کب تک مجاہدے میں جلاؤ گے اسے کچھ عطا کرو۔ خواجہ قطب الاسلام نے عرض کیا کہ آں حضرت کی موجودگی میں میری کیا مجال ہے کہ عطا کروں) خواجہ بزرگ نے فرمایا یہ تجھ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بعد خواجہ بزرگ قبلہ رو ہو کر کھڑے ہو گئے۔

خواجہ قطب الاسلام نے بھی موافقت کی۔ آپ نے خواجہ گنج شکر کو بلا کر اپنے اور خواجہ قطب الاسلام کے درمیان کھڑا کیا۔ اس کے بعد دونوں بزرگوں نے حضرت گنج شکر کے حق میں دعا کی اور اس قدر نعمت عطا کی کہ دائرہ تحریر سے باہر ہے۔ خواجہ بزرگ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ "فرید شمعے است خانوادہ درویشاں روشن خواہد کرد" (فرید ایک ایسی شمع ہے جس سے درویشوں کا سارا خاندان روشن ہوگا) اور یہ بات دنیا پر اظہر من الشمس ہے۔

میر سید محمد کرمانیؒ نے سیر الاولیاء میں خوب لکھا ہے ؎

بخششِ کو مین از شیخین شد در یاب تو　　پادشاہی یافتی زین بادشاہان جہان
سلطنت دنیا و دین گشتہ مسلّم مر ترا　　عالمِ کن گشت اقطاعِ تو اے شاہِ جہان

(اے خواجہ گنج شکر) دونوں مشائخ سے تجھے دونوں جہانوں کی نعمت عطا ہوئی تو نے ان دونوں بادشاہوں سے بادشاہی حاصل کی ہے۔ دین و دنیا کی سلطنت تجھے نصیب ہوئی اور اے شاہِ جہان، عالم کون و مکاں یعنی ساری کائنات تیری جاگیر ہو گئی۔)

سیر الاولیاء میں سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ جب خواجہ قطب الاسلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو خواجہ گنج شکر اس وقت ہانسی میں تھے۔ قاضی حمید الدین ناگوری کے دل میں خیال آیا کہ خرقہ اور سجادہ مجھے عطا فرمائیں گے۔ یہی خیال شیخ بدر الدین غزنوی کے دل میں گزرا۔ خواجہ قطب الاسلامؒ نے فوراً فرمایا کہ میرا یہ خرقہ، عصا اور نعلین چوبیں (لکڑی کے جوتے) فرید الدین مسعودؒ کے حوالہ کرنا کیونکہ میرا خلیفہ اور جانشین وہی ہے۔ پس یہ امانت قاضی حمید الدین ناگوری کے سپرد کر کے جان بحق تسلیم کر دی۔ اسی رات حضرت گنج شکر پر ہانسی میں یہ بات منکشف ہوئی۔ صبح ہوتے ہی آپ دہلی روانہ ہوئے۔ خواجہ قطب الاسلام کے وصال کے چوتھے دن آپ کی مرقد مبارک پر جو کہ قبلۂ عالم ہے آپ نے حاضری دی۔ اس کے بعد قاضی حمید الدین ناگوری نے وہ امانت لا کر آپ کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے اس سرمایۂ دو جہاں کو نہایت تعظیم کے ساتھ لیا۔ اور خرقہ پہن کر حضرت قطب الاسلام کی مسند پر بیٹھ گئے۔ اور ساری خلقت نے آپ کی طرف رجوع کیا۔ ہانسی میں سرہنگا نام ایک مجذوب رہتے تھے جنہیں حضرت گنج شکر کے ساتھ بہت محبت تھی۔ آپ سے ملنے کی خاطر وہ دہلی آئے۔ خلقت کے ہجوم کی وجہ سے خواجہ قطب الاسلام کے دروازہ پر ایک دربان رہا کرتا تھا تاکہ خلوتِ خاص اور مشغولی کے وقت کوئی شخص مخل انداز نہ ہو۔ جب خواجہ گنج شکر نے وہاں قیام فرمایا تو سنتِ شیخ کو بحال رکھا اور دربان کو برطرف نہ فرمایا۔ دربان نے سرہنگا مجذوب کو اندر نہ جانے دیا۔ جب جمعہ کے دن خواجہ باہر تشریف لائے تو مجذوب روتے ہوئے آپ کے قدموں پر گر گئے۔ اور کہنے لگے کہ ہانسی میں روزانہ زیارت کرتا تھا۔ اب تین دن سے دہلی آیا ہوا ہوں لیکن زیارت نہیں ہوئی۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ میں اس جگہ نہیں رہ سکتا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ خواجہ قطب الاسلام نے یہ مقام آپ کو عطا فرمایا ہے یہ مناسب نہیں کہ آپ دوسری جگہ چلے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو نعمت حضرت خواجہ نے مجھے عطا فرمائی ہے وہ شہر ہو یا بیابان ہمیشہ میرے ساتھ ہے۔ پس آپ دہلی سے ہانسی تشریف لے گئے چونکہ ہانسی ایک گمنام جگہ تھی آپ کافی عرصہ وہاں مقیم رہے۔ شیخ جمال الدین ہانسوی ان دنوں بیعت سے مشرف ہوئے۔

وہ خواجہ گنج شکر کے محبوب ترین مرید تھے جب ہانسی میں بھی ہجوم ہونے لگا تو آپ وہاں سے

لہ یہ شعر خانخانان سے منسوب کیا جاتا ہے

قصبہ کوٹھیوال تشریف لے گئے جو آپ کا آبائی وطن تھا کچھ عرصہ کوٹھیوال میں گزرنے کے بعد
چونکہ یہ جگہ ملتان سے قریب تھی وہاں بھی آپ چھپ نہ سکے۔ لوگوں کی بکثرت آمد و رفت سے
آپ کا وقت خراب ہوتا تھا۔ اس لئے آپ نے چاہا کہ لاہور تشریف لے جائیں کیونکہ ان دنوں
مغلوں نے لوٹ مار کر کے لاہور کو ویران کر دیا تھا۔ غرضیکہ آخری عمر آپ نے اجودھن (پاکپتن
شریف) میں گزاری کیونکہ وہ ایک گمنام جگہ تھی اور آپ کے ظاہری و باطنی کمالات پوشیدہ رہ سکتے تھے۔
آپ نے سولہ سال اور ایک روایت کے مطابق چوبیس سال اجودھن میں گزارے۔
لیکن یہ مقام بھی آپ کے وجود مسعود کی وجہ سے قبلۂ ہندوستان و خراسان بن گیا اور روز قیامت
تک رہے گا۔

حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی فرماتے ہیں کہ آپ نے اجودھن میں متعدد عورتوں سے
شادی کی اور اولاد پیدا ہوئی۔ آپ نے جامع مسجد کے قریب اقامت اختیار فرمائی۔ آپ کے
اہل و عیال اس جگہ رہتے تھے۔ اور آپ اکثر اوقات مسجد میں مشغول رہتے تھے یا جنگل میں گو کر
کے درختوں کے نیچے عبادت الٰہی میں بیٹھے رہتے تھے۔ اجودھن کی سکونت کے شروع کے
ایام میں اہل و عیال کے باوجود آپ جنگلی پھل مثل پیلو اور ڈیلہ کریر جو اس علاقے کے ریگستانوں میں اگتے
ہیں پر قناعت فرماتے تھے۔ بلکہ اس قسم کے جنگلی پھل بھی اتنے میسر نہ آتے تھے کہ سیر ہو کر کھائیں۔
سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جس روز حضرت گنج شکر کے گھر میں پیلو یا ڈیلہ کریر پیٹ بھر کر ملتے
تھے وہ ہمارے لیے عید کا دن ہوتا تھا۔

ایک دفعہ خادم نے ایک پیسے کا نمک ادھار لے کر کھانے کے ساتھ رکھ دیا آپ
کو روشن ضمیری سے معلوم ہو گیا۔ فرمایا آج اس کھانے سے اسراف (فضول خرچی) کی بو آتی ہے
اس لئے میں یہ کھانا نہیں کھا سکتا۔ ایک دن آپ کے حرم نے آ کر عرض کیا کہ آپ کا فلاں
بیٹا بھوک سے مر گیا ہے فرمایا "مسعود بندہ چہ کند اگر تقدیر حق در آید و او از جہان سفر کند رسنے
در پائے او بہ بند و بیروں انداز (مسعود بندہ کیا کرے اگر تقدیر حق آئے اور وہ اس جہان سے سفر
کرے۔ اس کے پاؤں میں رسی باندھ کر باہر پھینک دو) سبحان اللہ! کس قدر استقامت اور
بلند ہمت تھی۔ بعد میں جب تنگ دستی دور ہوئی اور آپ کے کمالات کی سارے جہان میں شہرت

ہو گئی اللہ ہر طرف سے فتوح آنے لگی تو وہ بھی سب کی سب مجاوروں اور مسافروں کے نصیب ہوتی تھی۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ صبح سے لے کر آدھی رات تک لوگ آتے رہتے تھے اور ہر قسم کے کھانے آپ کے لنگر سے انہیں ملتے تھے۔

ہر چاندرات کو لوگ مٹھائی اور نقدی پیش کرتے تھے اور آپ کے سامنے ڈھیر لگ جاتے تھے۔ جو شخص ماہِ نو کی آپ کو مبارکباد دینے آتا آپ اس کے حال کے مطابق کسی کو شیرینی اور کسی کو نقدی تقسیم فرماتے تھے لیکن خود اسی طرح قناعت سے بسر فرماتے تھے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ آپ صوم دوام (ہمیشہ کا روزہ) رکھتے تھے اور اکثر شربت سے افطار فرماتے تھے۔ داکھ کے چند دانے پیالے میں ڈال کر شربت بنا لیتے تھے اور آپ کو پیش کرتے تھے جس میں سے نصف یا تہائی آپ حاضرین میں تقسیم فرما دیتے تھے باقی خود نوش فرماتے تھے بلکہ اس سے بھی بچا کر کسی کو عنایت کرتے تھے لوگ اس انتظار میں رہتے تھے کہ یہ دولت کسے نصیب ہوتی ہے۔ اس کے بعد نماز سے پہلے دو گھی لگی ہوئی روٹیاں آپ کو پیش کی جاتیں آپ ایک روٹی حاضرین میں تقسیم فرماتے اور ایک خود تناول فرماتے تھے۔ اس میں سے بھی بچا کر کسی کو دے دیتے تھے۔ دونوں روٹیاں ایک سیر آٹے سے کم ہوتی تھیں۔

(نوٹ۔ معلوم نہیں اس وقت سیر کا وزن کس قدر تھا) شام کی نماز کے بعد آپ مشغول بحق ہو جاتے تھے اس کے بعد سرخ رنگ کا دسترخوان لگایا جاتا اور ہر قسم کے کھانے رکھے جاتے تھے اور لوگ کھاتے تھے لیکن آپ اس شربت اور افطار کی روٹی کے سوا دسترخوان کو بہت کم ہاتھ لگاتے تھے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ آپ اکثر نانِ زنبیل کھاتے تھے۔ البتہ افطار کے وقت نانِ زنبیل کے ایک دو ٹکڑوں سے آپ زیادہ نہ لیتے تھے۔ آپ کے ہاں دن میں دو دفعہ زنبیل گھمائی جاتی تھی۔ اکثر اصحاب دن کو زنبیل گھماتے تھے اور رات کو آپ کے دسترخوان پر بیٹھ کر کھاتے تھے۔ سلطان المشائخ بھی ابتدائے حال میں زنبیل گھماتے تھے۔

اس قسم کے مجاہدات کے بعد ان مراتب پر پہنچے ہیں۔ مصرعہ

ہر تنک حوصلہ شائستہ رسوائی نیست۔

(ہر کم ہمت رسوائی کے قابل نہیں)

گنج شکرؒ کا ایثار

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک صاحب دل درویش نے آکر جامع مسجد میں قیام فرمایا۔ وہ بھوکے تھے۔ خواجہ گنج شکرؒ نے فراستِ باطن سے معلوم کر لیا۔ آپ فوراً گھر تشریف لے گئے۔ گھر میں تھوڑی سی جوار کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ نے چکی پر بیٹھ کر اپنے ہاتھ مبارک سے آٹا بنایا اور روٹی پکا کر ان کے سامنے لے آئے۔ درویش نے کہا یہ جو گھر میں اس کے سوا کچھ نہ تھا اور جس طرح آپ نے آٹا پیسا اور روٹی پکائی میں دیکھ رہا تھا۔ اب آپ جو چاہیں طلب کریں۔ آپ نے اپنے دل کی مراد طلب کی اور حق تعالیٰ کی عنایت۔ اور اس درویش کی برکت سے وہ مراد پوری ہوئی۔ سلطان المشائخ اکثر فرمایا کرتے تھے وہ مرادِ فتح باب (دروازے کا کھلنا) تھی جو حضرت گنج شکرؒ کو بہت، تحمّل، مشقت اور تکلیف کے بعد حاصل ہوئی۔

سلطان المشائخ نے یہ بھی فرمایا کہ جب ایک درویش صدق و صفا کے ساتھ دوسرے درویش کو کوئی چیز دیتا ہے تو درویشی کا دستور یہ ہے کہ وہ درویش بھی اخلاقاً حتی الوسع خدمت کرتا ہے۔ سلطان المشائخ نے یہ بھی فرمایا کہ محمد نام آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص تھا جو بعض امور میں حضرت گنج شکرؒ کا محرمِ راز تھا۔ ایک دفعہ جمعہ کے دن مسجد میں وہ خواجہ گنج شکرؒ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا

نماز میں معراج ہوا

وہ تھوڑی دیر کے بعد بے ہوش ہو گیا۔ آپ نے پوچھا کیا ہوا اور پھر خود فرمایا کہ اس وقت نماز میں مجھے معراج نصیب ہوا اور تجھے بھی درویشوں کی نعمت سے حصہ مل گیا۔ حدیث نبویؐ "الصلوٰۃ معراج المومنین" (نماز مومنین کا معراج ہے) اسی راز کی طرف اشارہ کرتی ہے لیکن اجودھن کا قاضی فقیہ حضرت خواجہ سے سختی سے پیش آیا کیونکہ آپ کے بعض احوال اس کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ چنانچہ اس نے آپ کے خلاف محضر قائم کیا اور چند روز کے اندر خود مع خانماں نیست و نابود ہو گیا اور اس کے گھر میں ایک بستر سلامت نہ رہا۔ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ سلطان المشائخ کو بھی مرض الموت کے وقت معراج ہوا تھا اور آپ نے اسی حال میں جان بحق تسلیم کی۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت گنج شکرؒ سے رخصت ہو کر دہلی آیا اور آپ کا عطا کردہ خرقہ اور گلیم پہنے جامع مسجد میں جا رہا تھا تو شرف الدین (شاید قاضی کا نام ہے) نے مجھے طلب کر کے کیفیت دریافت کی۔ میں نے اسے بیعت اور

حصولِ خرقہ کا حال سنایا۔ یہ سنتے ہی وہ جل بھن گیا اور حضرت خواجہ کے حق میں نامناسب الفاظ استعمال کئے اور مجھے بھی سخت سست کہا۔ اگرچہ مجھے جواب دینے کی قوت تھی لیکن میں نے تحمل کیا۔ جب میں دوسری بار حضرت خواجہ کی خدمت میں اجودھن حاضر ہوا تو سارا ماجرا بیان کیا۔ آپ ہائے ہائے کرکے رونے لگے اور میرے تحمل کی بہت تعریف فرمائی۔ غلبہ حال میں آپ کی زبانِ مبارک سے ایسے الفاظ نکلے کہ میں نے سمجھ لیا کہ اب شرف الدین گیا۔ جب میں دہلی واپس آیا تو معلوم ہوا کہ شرف الدین وہاں نہ تھا۔ سلطان المشائخ نے یہ بھی فرمایا کہ یوسف ہانسوی دیرینہ دوست تھے۔ ایک دفعہ جب وہ سفر سے واپس آئے تو حضرت گنج شکر نے پوچھا کہ اس سفر میں تم نے کس کس بزرگ کی زیارت کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ فلاں بزرگ اس طرح مشغول ہے اور فلاں اس طرح مجاہدات کررہا ہے۔ یہ سن کر آپ کے دل میں رغبت پیدا ہوئی کہ انہیں دیکھنا چاہیئے۔ آپ وضو کرنے کے لیے اٹھے لیکن جلدی واپس تشریف لائے یوسف نے پوچھا کہ کہاں تشریف لے گئے تھے آپ نے فرمایا تم نے جو بعض مشائخ کی تعریف کی تھی میرے دل میں ان کو ملنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ میں نے جاکر سب کو دیکھا سب نے دکان داری کر رکھی ہے اور روزی کی خاطر پیرہنے ہوئے ہیں۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ کی انگلی پر سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن آپ مشغول بحق رہے۔ غلبہ مشغولی میں آپ کے جسم مبارک سے پسینہ جاری ہوگیا اور سانپ کے زہر نے بالکل اثر نہ کیا۔ سلطان المشائخ بھی اجودھن جاتے ہوئے راستے میں سانپ نے ڈسا تھا۔ لیکن حضرت گنج شکر کی نظر شفقت سے صحت یاب ہوئے۔ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ جب سلطان ناصر الدین بن سلطان التمش نے اوچ اور ملتان کی طرف لشکر کشی کی تو حضرت گنج شکرؒ کی زیارت کے لیے اجودھن گیا۔ زیارت کے بعد اس نے عصر کے وقت چار آباد دیہات کا پروانہ اور نقد رقم غیاث الدین بلبن کے ذریعہ حضرت گنج شکر کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے رقم لے کر فقراء میں تقسیم کردی اور گاؤں قبول نہ کئے یہ فرماتے ہوئے کہ اس کے طالب بہت ہیں یہ ان کو دو۔ غیاث الدین بلبن کے دل میں خیال آیا کہ بادشاہ کا کوئی لڑکا نہیں ہے کیا خوب ہو کہ حضرت کی توجہ سے اس کے بعد دہلی کی سلطنت مجھے مل جائے۔ آپ کو نورِ باطن سے معلوم ہوگیا۔ آپ نے یہ بیت پڑھے ؎

فریدوں فرخ فرشتہ نہ بود ، ز عود و عنبر سرشتہ نہ بود
زداد و دہش یافتہ نیکوئی تو داد و دہش کن فریدوں توئی

(فریدوں فرخ شاہ ایران نہ کوئی فرشتہ تھا نہ عود و عنبر جیسی خوشبو اس کے جسم پر ملی ہوئی تھی سخاوت سے اسے شہرت ملی۔ تو بھی سخاوت کر تو ہی فریدوں ہے۔)

پس جب سلطان ناصر الدین نے وفات پائی تو غیاث الدین بلبن اس کی جگہ تخت پر بیٹھے۔ ایک دفعہ ایک درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے کچھ دے کر رخصت کر دیا۔ جب وہ درویش اٹھا تو دیکھا کہ آپ کی جائے نماز پر کنگھی پڑی ہے۔ اس نے کہا یا شیخ اگر یہ کنگھی مجھے عنایت کریں تو میرے لیے موجب خیر و برکت ہوگی۔ آپ نے فرمایا ہم نے تجھے اور تیری برکات کو دریا میں غرق کیا ہے جب وہ رخصت ہو کر باہر آیا تو غسل کی خاطر دریا پر گیا اور وہیں غرق ہو گیا۔ ایک دن سات درویش آپ کی خدمت میں آئے اور یہ کہہ کر جانے لگے کہ ہم نے سارا جہان دیکھا ہے لیکن کوئی درویش نظر نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا بیٹھو ہم تمہیں درویش دکھا دیں گے لیکن انہوں نے کچھ پروانہ کی اور جانے لگے۔ آپ نے فرمایا دیکھ لوگے۔ پس جب وہ اجودھن سے باہر گئے۔ تو ایسی بادِ سموم (زہریلی ہوا) کا شکار ہوئے کہ جاں بر نہ ہو سکے۔

پروانہ ازاں سوخت کہ با شمع در افتاد باسوختگاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

(پروانہ اس لئے جل گیا کہ اس نے شمع کے ساتھ گستاخی کی۔ جس نے دل جلوں سے گستاخی کی ختم ہو گیا)

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت گنج شکر کی ڈاڑھی کا بال گر گیا میں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو اس بال کو تعویذ بنا کر اپنے پاس رکھوں۔ آپ نے فرمایا "اسی طرح ہوگا" جب میں دہلی آیا تو جو شخص میرے پاس تعویذ لینے کے لیے آتا میں وہی تعویذ اسے اس شرط پر دیتا تھا کہ کام ہو جانے کے بعد واپس دے گا۔ اس سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوا۔ جب کسی کا کام ہونے کے قابل نہ ہوتا تو میں جس قدر کوشش کرتا تعویذ نہ ملتا تھا پس

سمجھا جاتا تھا کہ وہ مرض قابل علاج نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب ایک بال کی اس قدر عظمت اور کرامت ہے تو اس سے بڑھ کر کیا کرامت ہو سکتی ہے۔ ع

جائے کہ کس است حرفے بس است

(دانا کے لیے اشارہ کافی ہے)

اولیاء اُمت میں حضرت گنجشکرؒ کی خصوصی شان

حضرت شیخ محمد غوث قدس سرہٗ اوراد غوثی میں اپنے بعض مکاشفات کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کے وقت میں مشغول تھا کہ یکایک آواز آئی کہ حضوری اور معموری کا وقت ہے باہر آؤ۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عظیم الشان دریا سامنے ہے اور تمام خلقت اس دریا کی طرف جا رہی ہے۔ دریا کے اندر کافی بلندی پر ایک مرصع تخت بچھا ہوا ہے تخت کے سامنے ایک جمالی صورت اور ایک جلالی صورت متجلّی ہے اور ایک باوقار شخص اس تخت پر بیٹھا اس مقام کی محافظت کر رہا ہے۔ تمام خلقت دریا تک پہنچ چکی ہے۔ اور اس جگہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ ہاں چند عزیز جنھیں میں نہیں پہچانتا تھا نصف راہ تک پہنچ گئے ہیں میں ان پر سبقت کر کے اس تخت تک پہنچ گیا۔ جو شخص تخت کا محافظ تھا اس نے مجھے اپنی طرف کھینچا اور مجھے اپنا پیراہن عطا کیا اور دو طبق فیضِ جمال سے اور تین طبق فیضِ جلال سے میرے سر پر ڈالے۔ جب میں نے زیادہ طلب کیا تو فرمایا یہی کچھ تیری قسمت میں تھا اس کے بعد میں نے التماس کیا کہ حضور والا کا نام کیا ہے فرمایا مجھے فریدالدین گنج شکر کہتے ہیں میں نے سر آپ کے قدموں پر رکھ کر درخواست کی کہ یہ کیا ماجرا ہے فرمایا یہ دریائے ہستی ہے اور یہ حضرت رب العٰلمین کا تخت ہے اور یہ دو صورتیں شانِ جمال اور شانِ جلال ظاہر کرتی ہیں ہر نبی اور ہر ولی جو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے اس نعمت کے فیض سے بہرہ مند ہوتا ہے میں نے عرض کیا کہ کیا حضور والا اکیلے اس مقام کے محافظ ہیں۔ فرمایا ہم چار آدمی ہیں ایک خواجہ بایزید بسطامی دوسرے خواجہ جنید بغدادی تیسرے خواجہ ذوالنون مصری اور چوتھا یہ درویش فریدالدین گنج شکر۔ ہم چاروں آدمی باری باری سے اس مقام کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ جس شخص کو اس مقام تک پہنچاتا ہے ہم میں سے جس شخص

کی باری ہوتی ہے وہ اپنا پیراہن اسے عطا کرتا ہے اور اس کی استعداد کے مطابق اسے حق تعالیٰ کے حکم سے فیضِ جمال و جلال پہنچاتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا آپ حضرت کی پیدائش تو امت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں ہوئی ہے اس قدیم مقام کی محافظت پہلے کس طرح ہوا کرتی تھی۔ آپ نے فرمایا ہماری حقیقت ہمیشہ سے اسی مقام سے تعلق رکھتی ہے لہذا اس خاکی جسم کے ظہور سے پہلے اور بعد کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ گنج شکر قدس سرہ کے کمالات کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ حق تعالےٰ نے آپ کو کیا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ فہم من فہم (سمجھا جو سمجھا) صاحب سیرالاولیا نے حضرت گنج شکر کے اکثر ملفوظات جمع کئے ہیں جن میں سے چند کلمات اس جگہ بیان کئے جاتے ہیں۔

ملفوظاتِ خواجہ گنج شکرؒ

آپ فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ کے ساتھ بنا کر رکھنی چاہیے کیونکہ وہ دینے والا ہے اور سب لیتے ہیں جب وہ دینے والا ہے تو کوئی شخص از خود حق تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا (۲) نادان کو زندہ مت خیال کر، اور دانا نما نادان سے پرہیز کر (۳) ہر شخص کی روٹی نہ کھا لیکن ہر شخص کو روٹی دے (۴) اہل کو کبھی فراموش نہ کر (۵) قیاس سے بات نہ کر (بلکہ یقین سے بات کر) (۶) اپنے دل کو شیطان کا بازیچہ نہ بنا۔ (۷) اپنے باطن کو ظاہر سے بہتر جان اور ظاہری آرائش ترک کر (۸) اپنے آپکو حصولِ جاہ کے لیے بے قدر نہ کر اور اپنے اسلاف کو یاد رکھ (۹) ہر روز نئی دولت کی طلب میں رہ یعنی روحانی دولت۔ (۱۰) جو چیز اچھی لگے اسے فوراً ترک کر دے۔ اور نفس سے صلح مت کر (۱۱) کسی دشمن سے بے خوف نہ رہ اگرچہ وہ تم سے کتنا خوش کیوں نہ ہو (۱۲) جو شخص تجھ سے ڈرتا ہے تو اس سے ڈر (۱۳) اپنی توانائی یعنی طاقت پر تکیہ نہ کر (۱۴) شہوت کے وقت اپنے نفس کو سب وقتوں سے زیادہ قبضہ میں رکھ (۱۵) جب تو اہلِ دولت کے ساتھ بیٹھے تو دین کو نہ بھول (۱۶) عزت و حشمت، عدالت اور انصاف میں ہے (۱۷) تونگری میں بلند ہمت ہو جا (۱۸) سخاوت کو صحیح بات کے عوض دے دے یعنی خود کو درمیان میں نہ دیکھ (۱۹) جب حق تعالیٰ

سے تجھے کوئی زحمت پیش آئے تو اس سے نہ بھاگ (۲۰) دشمن کو عقل مندی سے دور کر اور دوست کو تواضع سے غلام بنا (۲۱) اپنے عیب سے اندھا نہ ہو (۲۲) دشمن کی تلخ بات سے پریشان نہ ہو (۲۳) اگر ساری خلقت کو اپنا دشمن بنانا چاہتا ہے تو متکبر بن جا (۲۴) اگر آسودگی چاہتا ہے تو حسد نہ کر (۲۵) ہمیشہ اسباب کی کوشش کر کہ موت میں زندہ ہو جائے۔

سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ کسی نے حضرت سلطان المشائخ سے دریافت کیا کہ آپ حضرت گنج شکر کے وصال کے وقت حاضر تھے آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ آپ نے مجھے ماہ شوال میں دہلی روانہ کیا اور آپ کا وصال پانچ محرم کو ہوا۔ لیکن رحلت کے وقت آپ نے مجھے یاد فرمایا اور فرمایا کہ فلاں یعنی سلطان المشائخ دہلی میں ہے میں بھی خواجہ قطب الاسلامؒ کے وصال کے وقت حاضر نہ تھا۔ بلکہ ہانسی میں تھا۔ پس آپ نے جو خرقہ خلافت خواجہ قطب الاسلامؒ سے حاصل کیا تھا۔ اسے شیخ بدرالدین اسحاقؒ کے حوالہ کر کے فرمایا کہ یہ امانت مولانا نظام الدین بدایونی کو پہنچا دینا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ محرم کی رات آپ پر بیماری کا غلبہ زیادہ ہو گیا آپ نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور پھر بے ہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آئے تو دریافت کیا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھی ہے لوگوں نے کہا جی ہاں، آپ نے فرمایا ایک دفعہ اور پڑھ لوں تو کیا ہوا۔ اس طرح آپ نے تین دفعہ نماز عشا ادا کی۔ اس کے بعد یا حیٌّ یا قیّوم کہتے ہوئے مشاہدہ حق میں جان تسلیم کر دی۔ آپ کی وفات سہ شنبہ کے دن پانچویں ماہ محرم کو ۶۶۸ھ اور دوسری روایت کے مطابق ۶۶۹ھ میں سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہوئی آپ کی عمر شریف پچانوے سال تھی خواجہ قطب الاسلام کے وصال کے بعد پینتیس ۳۵ سال قید حیات میں رہے اور قصبہ پٹن عرف اجودھن صوبہ پنجاب میں دفن ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

اولاد

سیرالاولیا میں لکھا ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ اور پوتے اور نواسے بہت تھے جو دنیا کے شرق و غرب میں پھیل چکے ہیں اور گوشہ گوشہ کو اپنے قدموں سے منور کیا ہے ان سب کے حالات سیرالاولیا میں مذکور ہیں۔ آپ کے بڑے صاحب زادے کا نام نصیر الدین تھا جو جمیع اخلاقِ حسنہ سے مزین تھے۔ آپ نے عبادتِ الٰہی اور لقمۂ حلال کے لیے زراعت کا پیشہ اختیار کیا۔ اور رضائے حق میں عمر گذار دی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ دوسرے صاحب زادے کا نام شیخ شہاب الدین تھا جو علم و فضل سے آراستہ تھے اور اکثر اوقات اپنے والد بزرگوار کے ساتھ بسر کرتے تھے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میرے اور شیخ شہاب الدین کے درمیان بڑی محبت تھی۔ ایک دن مجھ سے بلا قصد حضرت گنج شکر سے گستاخی ہوگئی۔ میں نے ان کے ذریعہ عرض کر کے خطا معاف کرائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کے تیسرے صاحبزادے بدرالدین سلیمان تھے جو علم و تقوٰی میں مشہور اور مشائخِ کبار کی صفات سے موصوف تھے۔ حضرت گنج شکر کے وصال کے بعد آپ اپنے بھائیوں اور دیگر مریدین کے اتفاق رائے سے مسند نشین ہوئے اور اس مقام کو نورِ حضور سے منور فرمایا۔ آپ کو حضرت خواجہ نے اپنی موجودگی میں خلفائے چشت کا مرید کیا تھا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ خواجہ قطب الدین چشتی ابھی خورد سال تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ لوگوں نے چاہا کہ ان کو اپنے والد کے سجادہ پر بٹھائیں۔ لیکن بزرگان چشت اور دیگر رشتہ داروں نے کہا کہ خواجہ قطب الدین کے چچا خواجہ علی چشتی جو مسند کے وارث دہلی میں موجود ہیں ان سے دریافت کرنا چاہیے کہ کیا فرماتے ہیں۔ اس کام کے لیے لوگوں نے سلسلہ چشتیہ کے دو بزرگان صاحبِ نعمت خواجہ زور اور خواجہ غور کو خواجہ علی چشتی کی خدمت میں دہلی روانہ کیا۔ جب یہ بزرگان اجودھن تشریف لائے تو حضرت گنج شکر نے ان کا استقبال کیا اور نہایت عزت و تکریم کے ساتھ اپنے گھر پر لے آئے اور ان کی مہمان نوازی کی۔ اسی موقعہ پر آپ نے اپنے دونوں لڑکوں یعنی شیخ شہاب الدین اور شیخ بدرالدین سلیمان کو ان کا مرید کیا۔ جب یہ بزرگ دہلی پہنچے تو

خواجہ علی چشتی نے ان کے ساتھ چشت جانے کا ارادہ کیا۔ چونکہ سلطان غیاث الدین بلبن خواجہ علی چشتی کا مرید تھا اس نے ہزار منت و سماجت کر کے خواجہ علی کو چشت جانے سے روک دیا۔ خواجہ علی نے بزرگانِ چشت کو ایک خط لکھا کہ میں نے جو نعمت اپنے والد اور چچوں سے حاصل کی تھی میں نے اپنے برادرزادہ خواجہ قطب الدین کو بخشی اور سجادہ چشت ان کے حوالہ کیا۔ خواجہ زرّر اور خواجہ عوریہ خط لیکر چشت روانہ ہوئے اور خواجہ قطب الدین کو بالاتفاق سجادہ نشین چشت بنایا گیا۔ خواجہ علی چشتی دہلی میں رہے۔ ان کا مزار بھی دہلی میں ہے۔ جب شیخ بدرالدین سلیمان کا وصال ہؤا تو حضرت گنج شکر کے مقبرہ مبارک کے اندر دفن کیا گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کے چوتھے صاحبزادہ شیخ نظام الدین تھے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت گنج شکر ان کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ آپ سے گستاخی بھی کرتے تھے لیکن آپ سن کر تبسم فرماتے تھے اور غصے نہیں ہوتے تھے۔ آپ بادشاہ کی فوج میں ملازم تھے اور اس طرح رزقِ حلال کماتے تھے۔ آپ سجادہ اور جوان مردی میں بے نظیر تھے۔ آپ بڑے صاحب فراست تھے۔ چنانچہ آپ کی کرامات بہت مشہور ہیں۔ حضرت گنج شکر کے وصال کے وقت آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے ہمراہ قصبہ بنیالی میں تھے۔ رات کو خواب دیکھا کہ حضرت گنج شکر انہیں اپنے پاس بلا رہے ہیں۔ آپ رخصت حاصل کر کے اجودھن کی طرف روانہ ہو گئے اور جس رات خواجہ گنج شکر کا اجودھن میں وصال ہؤا اسی رات کو آپ اجودھن پہنچ گئے لیکن چونکہ قلعہ کے دروازے بند تھے آپ نے رات باہر بسر کی۔ حضرت خواجہ نے اسی رات کئی دفعہ فرمایا کہ نظام الدین آیا ہے لیکن افسوس کہ ملاقات نہ ہوسکی صبح کے وقت جب قلعہ کے دروازہ پر پہنچے تو اندر سے حضرت خواجہ کا جنازہ آ رہا تھا۔ آپ نے بھائیوں سے دریافت کیا کہ کہاں لے جا رہے ہو انہوں نے جواب دیا کہ قلعہ سے باہر مقبرہ شہداء میں دفن کرنے جا رہے ہیں کیونکہ آپ اکثر وہاں جا کر مشغول ہؤا کرتے تھے۔ نیز یہ پرفیض مقام ہے وہاں دفن کرنا مناسب ہے۔ شیخ نظام الدین نے کہا اگر آپ کا مقبرہ وہاں بنایا گیا تو تم لوگ بے قدر ہو جاؤ گے۔ پس نمازِ جنازہ وہاں ادا کر کے شیخ نظام الدین کے مشورے کے مطابق جنازہ قلعہ کے اندر لے آئے اور آپ کے حجرۂ خاص میں دفن

کیا یہ کہتے ہیں کہ آپ کے وصال کے بعد کفار نے اجودھن پر حملہ کیا۔ شیخ نظام الدین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بے شمار کفار کو تہ تیغ کر کے شہید ہو گئے لیکن آپ کی نعش مبارک تلاش کے باوجود نہ مل سکی۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ سلطان علاؤ الدین کے ہمراہ قلعہ رن بھور کے دروازے پر شہید ہوئے اور اب تک آپ کی قبر وہاں مشہور ہے۔ خلقت زیارت کے لیے وہاں جاتی ہے اور فیضیاب ہوتی ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ آپ کے پانچویں صاحبزادے کا نام شیخ یعقوب تھا۔ آپ سب سے چھوٹے تھے۔ آپ سخاوت میں بہت مشہور تھے آپ صاحب حال اور صاحب کرامت تھے لیکن آپ کا طریق ملامیتہ تھا۔ آپ جس طرح لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتے تھے۔ حق تعالےٰ کے سامنے اس کے بالکل برعکس ہوتے تھے۔ آپ کی طبع بہت فیاض اور لطیف تھی۔ آپ اکثر سفر میں رہتے تھے چنانچہ سفر کی حالت میں قصبہ امروہہ جاتے ہوئے مردانِ غیب نے آپ کو اٹھالیا اور اسی طرح آپ غائب ہو گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ آپ کی بڑی صاحبزادی کا اسم گرامی بی بی مستورہ تھا جو نہایت عابدہ و زاہدہ تھیں اور آخیر دم تک عبادتِ الٰہی میں مشغول رہیں۔ رحمتہ اللہ علیہا۔ آپ کی دوسری صاحبزادی کا اسم گرامی شریفہ تھا وہ بھی نہایت متقی و پرہیزگار تھیں۔ جوانی میں آپ کے خاوند کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ نے بقیہ ساری عمر عبادت میں گذار دی اور عقدِ ثانی نہ کیا۔ حضرت گنج شکر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر عورت کو خلافت دینا جائز ہوتا تو شریفہ کو خلافت دیتا۔ رحمتہ اللہ علیہا۔ تیسری صاحبزادی کا اسم گرامی فاطمہ تھا آپ کی شادی بدرالدین اسحاقؒ سے ہوئی تھی آپ کے بطنِ مبارک سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک خواجہ محمد دوسرے خواجہ موسےٰ۔ ان دونوں صاحبزادگان کی تربیت حضرت سلطان المشائخ کے ہاں ہوئی اور بڑے مراتب پر فائض ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہا۔ شیخ علاؤ الدین بن شیخ بدرالدین سلیمان بن گنج شکر آپ کے تمام پوتوں اور نواسوں میں ممتاز تھے اور علوِ درجات، رفعتِ مقامات، اور شدتِ مجاہدات و شوقِ مشاہدات میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ آپ بڑے سخی تھے اور ہمیشہ طہارت ظاہری و باطنی میں کوشاں رہتے تھے چنانچہ ساری عمر آپ نے صومِ دوام میں گذار دی۔ آدھی رات کے بعد جب آپ عبادت سے فارغ ہوتے تھے ایک روٹی گھی لگا کر آپ کے سامنے لاتے تھے آپ اسی سے افطار

کھاتے تھے لیکن دوسرے لوگوں کے لیے قسم قسم کے کھانے پکواتے تھے۔ایک دن خواجہ گنج شکرؒ چارپائی پر تشریف فرما تھے۔خواجہ علاؤالدین دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے آئے اور آپ کی چارپائی کا پایہ پکڑ کھڑے ہو گئے۔آپ نے اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا اور کرسی پر بیٹھ کر وضو کرنے لگے۔آپ کا ایک خادم خاص تھا جس کا نام خواجہ عیسیٰ تھا اور خلوتِ خاص میں خدمت بجالاتا تھا۔غرضیکہ خواجہ عیسیٰ نے وضو کرانے کے بعد مصلےٰ سیدھا کیا تاکہ حضرت خواجہ نماز پڑھیں لیکن شیخ علاؤالدین آگر مصلےٰ پر بیٹھ گئے۔خواجہ عیسیٰ انہیں اٹھانے لگا لیکن آپ نے فرمایا بیٹھنے دو۔آپ دو قرن (گھنٹے) تک اپنے دادا کے پاس بیٹھے فیض حاصل کرتے رہے۔آپ سولہ سال کے تھے کہ والد شیخ بدرالدین سلیمان کا وصال ہو گیا۔اور آپ اپنے دادا بزرگوار کی مسند پر متمکن ہوئے چونکہ ۵۴ سال تک آپ نے سجادہ کا حقہ حق ادا کیا چنانچہ آپ کی عظمت و کرامت کی شہرت آپ کی زندگی ہی میں سارے جہان میں ہو گئی تھی اور آپ کا اسم گرامی تمام مشائخ عظام میں مشہور ہو گیا۔آپ نے ساری عمر سوائے جامع مسجد کے گھر سے باہر قدم نہ رکھا اور نہ کبھی بادشاہوں یا امراء کے دروازے پر تشریف لے گئے۔اکثر شاہانِ وقت آپ کی زیارت کو آتے تھے لیکن آپ نے اپنے مقام سے ہرگز جنبش نہ کی۔جب کوئی آپ کی خدمت میں مرید ہونے کے لیے آتا تو آپ اسے حضرت گنج شکر کے روضہ مبارک پر بھیج دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کو بابا کے قدموں کی طرف لے جاؤ اور کلاہ دے دو۔سلطان فیروز شاہ بادشاہ دہلی آپ کے مریدین میں سے تھا۔شیخ رکن الدین، حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کے پوتے آپ کا بہت ادب کرتے تھے۔ایک دن آپ دہلی سے ملتان جا رہے تھے۔راستے میں حضرت گنج شکرؒ کی زیارت کے لیے اجودھن پہنچے اور زیارت کے بعد شیخ علاؤالدین سے ملے اور کہنے لگے کہ حق تعالےٰ نے آپ کو بہت عطا فرمائی ہے کہ کوئی شخص آپ کو اپنے مقام سے نہیں ہلا سکتا۔اور ہمیں قرابت دار لوگ کشاں کشاں لئے پھرتے ہیں۔یہ کہہ کر آپ رخصت ہو گئے۔

خواجہ شمس الدین سراج تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں کہ جس وقت غیاث الدین تغلق سلطان علاؤالدین خلجی کی طرف سے دیپالپور کا حاکم تھا ایک دن شیخ علاؤالدین کی زیارت کے لیے

اجودھن گیا۔ سلطان محمد اور سلطان فیروز بھی ہمراہ تھے حضرت شیخ نے ساڑھے چار گز کپڑا کہ پاس سلطان تغلق کو ستائیس گز سلطان محمد کو اور چالیس گز سلطان فیروز کو عنایت فرمایا۔ انہوں نے کپڑے سر پر باندھ لئے۔ اور باہر چلے گئے۔ آپ نے فرمایا یہ تینوں شخص تاجدار اور سلطان عالی قدر ہوں گے۔ کچھ عرصے کے بعد سلطان علاؤالدین خلجی کا جانشین برطرف ہو گیا اور سلطان غیاث الدین تغلق دہلی کا بادشاہ بن گیا۔ چار سال اور چند ماہ سلطنت کرنے کے بعد اس کے بیٹے سلطان محمد نے ستائیس سال حکومت کی اور چلا گیا۔ اس کے بعد سلطان فیروز بن رجب برادر زادہ سلطان تغلق دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ اور چالیس سال جم کر سلطنت کی۔ سلطان فیروز شاہ آپ کا مرید پاک اعتقاد تھا۔

آپ کے کرامات و فضائل بہت ہیں۔ جب شیخ علاؤالدین کا وصال ہوا تو آپ کو حضرت گنج شکر کے مزار کے قریب دفن کیا گیا اور سلطان محمد تغلق شاہ نے آپ کے مزار پر عالی شان مقبرہ تعمیر کرایا۔ لیکن لوگوں نے غلبۂ اعتقاد کی وجہ سے اجودھن اور دیپالپور اور کشمیر کے علاقے میں قبریں بنا کر مشہور کر دیا ہے کہ یہ شیخ علاؤالدین کا مزار ہے۔ لوگ ہر جگہ زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ملک میں بھی لوگوں نے اکثر مقامات پر سالار مسعود غازی کے مقابر بنائے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

آں امام ارباب مشاہدہ، آں سلطان اصحاب مجاہدہ، آں بیدار در عالم عشق و اذواق آں محبوب حق باستحقاق، آں وارث الانبیاء والمرسلین سلطان المشائخ شیخ نظام الدین بن محمد قدس سرہ بن احمد بن علی بدایونی بخاری رحمۃ اللہ علیہ محبوب خدا اور سر حلقۂ اولیاء اہل صفا تھے۔ آپ عشق کامل، شوق وافر، وجد صادق، حال قوی اور ہمت بلند رکھتے تھے۔ انبیاء علیہم کے بعد اصحاب طریقت میں سے کسی بزرگ سے اس قدر تصرفات ظاہری و باطنی سرزد نہیں ہوئے جتنے آپ سے ہوئے۔ آپ تمام غوثی قطبی اور فردانیت کے مقامات سے گذر کر مرتبہ محبوبی تک پہنچ گئے تھے۔ آپ کے اقوال و افعال تمام مشائخ کے لیے آج تک حجت

قاطع ہیں اور سب آپ کی طرف دیکھتے ہیں اور قیامت تک دیکھتے رہیں گے۔ آپ نے اپنے نورِ ولایت سے سارے ہندوستان کو منور فرمایا اور ایک جہان کو ہدایت بخشی۔ حق سبحانہٗ تعالےٰ نے آپ کو "سلطان المشائخ" کے خطاب سے ممتاز فرمایا اور آپ کے اور آپکے مریدین کے سر پر تاجِ کرامت رکھا۔ چنانچہ آپ کی ولایت کے تصرفات اظہر من الشمس ہیں اور کسی بشر کو انکار کی جرأت نہیں ہوئی۔ آپ حضرت گنج شکر کے بزرگ ترین مرید و خلیفہ تھے۔ کتاب سیر الاولیاء کے مصنف میر سید محمد کرمانیؒ نے آپ کے جمیع حالات مفصل اس کتاب میں لکھے ہیں۔ جن میں کچھ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ خدا گواہ ہے کہ جب سلطان المشائخ کی ولایت کے جمال کا خیال میرے دل میں آتا ہے تو متحیر اور مدہوش ہو جاتا ہوں کہ کیا لکھوں کیونکہ اس عدیم المثال ذات کے اوصاف دائرۂ تحریر سے باہر ہیں۔ کسی نے خوب لکھا ہے ؎

دل خواست کہ آرد در عبادت وصفِ رخِ او بہ اشارت
شمعِ رخِ او زبانہ زد۔ ہم عقل بسوخت ہم عبارت

(دل نے چاہا کہ اس کے حسین چہرے کا وصف تحریر کروں۔ اس کے چہرے کی شمع نے ایک تازیانہ مارا جس سے عقل بھی جل گئی اور عبارت بھی)

اگرچہ آپ حضرت گنج شکر کے متاخر اصحاب میں سے تھے لیکن حق تعالےٰ کا عشق و محبت آپ کے دل میں اس قدر موجزن تھا کہ آپ متقدمین اصحاب اور مشائخ کبار پر سبقت لے گئے۔ شعر ؎

بعد از سہ مراتب آدمی زاد بعد از سہ کتب رسید فرقان
گل با ہمہ خرمی کہ دارد از بعد گیاہ رسد بہ بستان۔

(جس طرح تین مراتب کے بعد آدمی پیدا ہوتا ہے (یعنی پہلے پانی پھر خون پھر گوشت اور تین کتابوں کے بعد قرآن مجید نازل ہوا یعنی تورات، انجیل و زبور کے بعد اسی طرح پھول اپنی رونق کے باوجود گھاس کے بعد باغ میں آتا ہے)

بیت۔ من کہ در شکل یار حیرانم شرح اوصاف او کجا دانم

(میں تو محبوب کے حسن و جمال پر حیران ہوں اس کے اوصاف کیسے بیان کروں)

نسب مبارک

آپ کے بزرگان شہر بخارا کے رہنے والے تھے جو گنجینۂ علم
اور کانِ حلم ہے ۔ آپ کے والد کے دادا خواجہ علی اور،
آپ کی والدہ کے دادا خواجہ عرب دونوں بزرگ بخارا سے لاہور پہنچے ۔ وہاں سے بدایون گئے
اور اسی جگہ سکونت اختیار کر لی ۔ اتفاقاً ان دونوں بزرگوں کے درمیان رشتہ ہو گیا۔ خواجہ عرب
نے اپنی لڑکی رابعہ وقت بی بی زلیخا جن کا روضہ مبارک آج تک دہلی میں حاجت مندوں کی
آماجگاہ ہے کا عقد نکاح سلطان المشائخ کے والد ماجد خواجہ احمد بن علی کے ساتھ کر دیا۔ خواجہ
احمد جو کمال دیانت وصلاح سے آراستہ تھے بادشاہِ وقت کے حکم سے بدایون کے قاضی مقرر
ہوئے تھے ۔ آپ کا مزار اسی جگہ ہے اور خلق کی زیارت گاہ ہے ۔ حق تعالےٰ نے ان دونوں
صدف (سیپ) سے سلطان المشائخ کی صورت میں وہ گوہر پیدا فرمایا جو سرمایۂ کرامت و
عشق ومحبت تھا۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ خالدی تھے ۔

الغرض آپ ابھی صغیر سن تھے کہ والد بزرگوار بیمار ہو گئے ۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے
خواب دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے کہ ایک کو اختیار کرو، خواجہ احمد کو یا اپنے بیٹے کو۔ انہوں
نے بیٹے کو اختیار کیا ۔ اس کے فوراً بعد خواجہ احمدؒ کا انتقال ہو گیا ۔ جب سلطان المشائخ کچھ
بڑے ہوئے تو آپ کو مدرسہ میں داخل کیا گیا ۔ آپ نے چند ایام میں قرآن مجید ختم کر لیا اور کتابیں
پڑھنا شروع کر دیں اور اکثر علوم میں مہارت حاصل کر لی ۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ بارہ
سال کی عمر میں میں نے علم لغت پڑھا ۔ ابوبکر خراط ملتانی سے ہمارے استاد سے ملنے آئے انہوں
نے پہلے شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ کے کمالات بیان کئے ۔ لیکن میرے دل نشین نہ ہوئے
اس کے بعد انہوں حضرت گنج شکرؒ کا ذکر شروع کیا ۔ آپ کا اسم مبارک سنتے ہی میں بے اختیار
ہو گیا اور آپ کی محبت میرے دل پر غالب آنے لگی ۔ حتیٰ کہ یہ حالت ہو گئی کہ ہر نماز کے بعد
میں آپکے اسم گرامی کی تسبیح پڑھنے لگا ۔ دس بار "شیخ فریدالدین" اور دس بار "مولانا فرید" کہتا تھا۔
اس کے بعد سوتا تھا ۔ جب میری عمر سولہ برس ہوئی اپنی والدہ اور ہمشیرہ کے ہمراہ دہلی جا
کر سکونت اختیار کر لی ۔ اتفاقاً ہم حضرت گنج شکرؒ کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے

گھر کے قریب ٹھہرے۔ ان کی صحبت سے روز بروز حضرت گنج شکر کی قدم بوسی کا شوق بڑھتا گیا۔ لیکن تین چار سال مزید شہر میں رہا اور محنت کر کے علم حاصل کرتا رہا۔ علم حدیث کی سند اپنے استاد سے حاصل کی۔

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ جب سلطان المشائخ نے تمام علوم میں کمال حاصل کر لیا اور علمائے شہر میں ممتاز ہو گئے تو ایک دن آپ نے شیخ نجیب الدین متوکل کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ مجھے قاضی بننے اور خلق خدا کو نفع پہنچانے کا شوق ہے۔ شیخ نے فرمایا خدا نہ کرے کہ تو قاضی بنے تم وہ بنو گے کہ جس کی ہم امید رکھتے ہیں۔ آپ پر خواجہ گنج شکر کی زیارت کا شوق اسقدر غالب آیا کہ چند روز کے بعد بیس سال کی عمر میں یعنی عین شباب کے عالم میں تمام کام چھوڑ کر آپ نے اجودھن کا سفر اختیار کیا اور زیارت سے فیض یاب ہو گئے۔ چنانچہ آپ خود راحت القلوب میں لکھتے ہیں کہ چہار شنبہ کے دن دس ماہ رجب ۶۵۵ھ کو مسلمانوں کا یہ دعا گو نظام احمد بدایونی سلطان الطریقت کا غلام جو ان ملفوظات کا جامع ہے سید العابدین حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر مسعود اجودھنی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی وقت آپ نے کلاہ چار ترکی جو آپ کے سر پر تھی اتار کر دعا گو کے سر پر رکھی، اور خرقہ خاص نعلین چوبیں (کھڑاؤں) عطا فرمائے۔ الحمد للہ علی ذالک۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں چاہتا تھا کہ ہندوستان کی ولایت کسی دوسرے کو دوں لیکن تم راستے میں تھے اور مجھے آواز دی گئی کہ ابھی ٹھہرو نظام بدایونی پہنچنے والا ہے۔ یہ ولایت اس کی ہے اور اس کے حوالہ کرو۔ دعا گو نے چاہا کہ اشتیاق قدم بوسی جس کا بے حد غلبہ تھا حضرت کی خدمت میں عرض کروں لیکن آپ کی دہشت اس قدر تھی کہ کچھ عرض نہ کر سکا۔ آپ نے فوراً زبان مبارک سے فرمایا کہ ہاں تمہارا شوق بیان سے باہر ہے اور یہ شعر دعا گو کے حال کے مناسبت سے پڑھا ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(تیرے فراق کی آگ نے دل جلا دیئے ہیں اور تیری ملاقات کے شوق نے جانیں تباہ کر دی ہیں)

اس کے بعد اس دعا گو کے دل میں خیال آیا کہ آئندہ جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے نکلے گا۔ لکھتا جاؤں گا یہ خیال ابھی دل میں آیا ہی تھا کہ آپ نے فرمایا خوش قسمت ہے وہ مرید جو اپنے پیر

کے منہ سے جو کچھ سنے قلم بند کر لے ۔ اس کی بے حد برکات ہیں ۔ اس کے بعد فرمایا کہ کوئی لمحہ اور کوئی لحظہ ایسا نہیں گذرتا کہ میرے دل پر ندا دی جاتی ہے "یہ زندہ ولی ہے اور اسکے دل میں حق تعالیٰ کی محبت ہے" ۔ اس کے بعد درویشی کے متعلق گفتگو ہونے لگی ۔ فرمایا درویشی پردہ پوشی ہے اور خرقہ پوشی اس شخص کا حق ہے جو لوگوں کی عیب پوشی کرتا ہے اور انکے عیب کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا ۔ اور جو کچھ اسے ملتا ہے راہِ حق میں خرچ کر دیتا ہے ۔ اور جمع نہیں کرتا ۔ اس کے بعد فرمایا کہ اصحابِ طریقت اور مشائخ کبار نے اپنے فوائد میں لکھا ہے کہ زکوٰۃ کی تین قسمیں ہیں ۔ پہلی زکوٰۃِ شریعت ہے ۔ زکوٰۃِ شریعت یہ ہے کہ جب دو سو درم جمع ہو جائیں تو پانچ درم راہِ حق میں خرچ کر دے ۔ دوسری زکوٰۃِ طریقت ہے وہ یہ کہ دو سو درم میں سے پانچ درم رکھے اور باقی راہِ خدا میں دیدے ۔ تیسری زکوٰۃِ حقیقت ہے وہ زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو درم میں سے کچھ باقی نہ رکھے اور سب راہِ خدا میں صرف کر دے ۔ کیونکہ درویشی پردہ پوشی اور خود فروشی ہے ۔ الغرض راحت القلوب میں بیشمار فوائد بیان کئے گئے ہیں ۔ دیکھ کر ان پر عمل کرنا چاہیے جب بیعت کے بعد سلطان المشائخ حضرت گنجشکر کی خدمت میں سلوک و ریاضت میں مشغول ہوئے تو عرض کیا کہ اگر فرمان ہو تو ابھی تعلیم چھوڑ دوں ۔ آپ نے فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم سے منع نہیں کرتا ۔ دونوں کام جاری رکھو دیکھو کونسا کام غالب آتا ہے ۔ چند یوم کے بعد استغراقِ شغلِ باطن کا آپ پر اس قدر غلبہ ہوا کہ تعلیم خود بخود چھوٹ گئی ۔ سلطان المشائخ نے بارہا فرمایا کہ جو کتابیں میں پہلے پڑھ چکا تھا اگر اب ان پر نظر ڈالتا ہوں تو میرے احوالِ باطن میں فتورِ عظیم پیدا ہوتا ہے ۔ ع جائے کہ سلطان خیمہ زد غوغا نماند عام را ۔ (جس جگہ بادشاہ نے خیمہ لگایا ۔ وہاں عام لوگوں کا شور و غل ختم ہو گیا ۔)

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دن کشمیر میں حضرت گنج شکر کی خدمت میں بیٹھا تھا ۔ تمام یاران حاضر تھے ۔ گرمی کا وقت تھا تمام دوست اٹھ کر سایہ کر رہے تھے ۔ اس اثنا میں قیلولہ دوپہر کے آرام کا وقت ہو گیا اور سب سو گئے ۔ یہ درویش بیٹھا مکھیاں ہٹاتا رہا ۔ آپ نے بیدار ہو کر دریافت فرمایا کہ باقی دوست کہاں ہیں ۔ عرض کیا کہ سو رہے ہیں ۔ فرمایا آؤ تجھے ایک چیز بتاتا ہوں ۔ آپ نے فرمایا کہ تم دہلی جا کر مجاہدہ میں مشغول ہو جانا اور بیکار نہ رہنا روزہ نصف راہ ہے اور نصف راہ باقی اعمال یعنی نماز اور حج ہیں ۔ اُسوقت آپنے بہت فوائد بیان فرمائے اور اقوال باتیں بیان فرمائیں شیخ بدرالدین اسحاقؒ نے مجھ سے فرمایا کہ یہ سفر محض آپ کیلئے تھا کیونکہ اس سفر میں آپنے شیخ سے بہت نعمتیں حاصل کیں ۔ اسکے بعد سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ آپکے فرمان سے اسقدر مست ہوا کہ میں یہ بھی نہ پوچھ سکا کہ کونسا مجاہدہ اختیار

کردں۔ پس میں نے سوچ کر موم دبرا اختیار کر لیا لیکن چونکہ حضرت شیخ کے فرمان کے بغیر اختیار کیا تھا۔ کبھی کبھی اس میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضرت شیخ سے فاتحہ کے متعلق عرض کیا۔ آپ نے اجازت فرمائی۔ اس وجہ سے کہ دعا گو دربدر نہ پھرتا رہے۔ (شاید فاتحہ سے مراد عمل تسخیر ہے) سلطان المشائخ فرماتے ہیں ایک دفعہ حضرت گنج شکرؒ کی طبیعت ناساز تھی۔ آپ نے مجھے چند دوستوں سمیت شہداء کی اُن قبور کی زیارت کے لئے بھیجا جو اجودھن میں ہیں جب ہم واپس آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کی دعا نے کچھ اثر نہیں دکھایا اور مجھے بالکل نیند نہیں آئی۔ ہمارا ایک دوست تھا جس کا نام شیخ علی بہاری تھا۔ وہ دور کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا ہم لوگ ناقص ہیں اور آں حضرت کامل۔ ناقصوں کی دعا کاملوں کے حق میں کیسے مستجاب ہو سکتی ہے یہ بات آپ کے سمع مبارک تک نہ پہنچ سکی اور میں نے حضرت کے گوش گزار کی۔ آپ نے فرمایا میں نے حق تعالےٰ سے درخواست کی ہے کہ تم جو کچھ مانگو گے پاؤ گے۔ اس کے بعد آپ نے اپنا خاص عصا مجھے عنایت فرمایا میں نے عرض کیا کہ حق تعالےٰ آپ کو صحت عطا فرما دیں۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں ایک دفعہ حضرت گنج شکرؒ کا چہرہ متغیر تھا۔ اور آپ ننگے سر اپنے حجرہ خاص میں چل رہے تھے اور یہ بیت پڑھ رہے تھے ؎

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم	خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی	از بہر تو میرم از برائے تو زیم

(میں چاہتا ہوں کہ ہمیشہ تیری وفا میں زندگی گذاروں۔ مٹی ہو جاؤں اور تیرے قدموں کے نیچے رہوں۔ مجھ خستہ کا مقصود دونوں جہانوں میں تو ہی ہے تیرے ہی لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں اور تیرے ہی لئے مرنا چاہتا ہوں۔

جب آپ یہ ابیات پورے کر لیتے تھے۔ تو سر سجدہ میں رکھ دیتے تھے آپ نے چند بار یہی کیا۔ اس کے بعد میں حجرے کے اندر داخل ہوا اور سر قدموں میں رکھ دیا۔ آپ نے کمال شفقت سے فرمایا کہ کیا چاہتے ہو۔ طلب کرو۔ میں نے دینی نعمت طلب کی اور آپ نے عطا فرمائی۔ اس کے بعد میں پشیمان ہوا۔ کہ یہ کیوں نہ مانگا کہ سماع میں مجھے موت آئے قاضی محی الدین کاشانی رحمتہ نے پوچھا کہ آپ نے کیا طلب کیا تھا فرمایا میں نے استقامت طلب کی اور شیخ نے مجھے عنایت فرمائی۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں ایک دن آپ کے فرزند شیخ نظام الدین اور یہ

ضعیف دونوں آپ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا تم دونوں میرے فرزند ہو ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم فرزندِ ثانی (دوئی والے فرزند) ہو اور بندہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم فرزند جانی (روحی) ہو۔ حضرت گنج شکرؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک شخص تھا جس نے میرے ساتھ دوستی لگائی۔ جب چلا گیا تو کچھ عرصہ تو دوستی پر برقرار رہا لیکن اس کے بعد اس کی وہ حالت نہ رہی۔ ایک اور آدمی کا بھی یہی حال ہوا۔ اس کے بعد میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ یہ ایسا آدمی ہے کہ جب سے اس نے میرے ساتھ تعلق پیدا کیا ہے اُسی پر قائم ہے اور اس کی محبت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ سلطان المشائخ نے جب یہ بات کہی تو رونے لگے اور گریہ کی حالت میں فرمایا کہ آج تک ان کی محبت برقرار ہے بلکہ مرنے کے بعد بھی برقرار رہے گی۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت نے اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈال کر مجھے حفظ قرآن کی وصیت فرمائی اور فرمایا اے نظام الدین مجھے ساری دنیا دی گئی ہے۔ ہمارے ہاں سب کچھ ہے۔ جاؤ ہندوستان کا ملک تیرے حوالے کیا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب حضرت شیخ نے مجھے خلافت دی تو فرمایا کہ حق تعالےٰ نے علم و عشق دیا ہے جس کسی میں یہ صفات ہوتے ہیں خلافتِ مشائخ کے شایان ہوتا ہے اور وہ یہ کام چلا سکتا ہے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کی حیات میں تین مرتبہ میں اجودھن گیا اور آپ کے وصال کے بعد سات مرتبہ وہاں حاضر ہوا یعنی کل دس مرتبہ شیخ جمال الدین ہانسویؒ سات بار اجودھن گئے تھے اور شیخ نجیب الدین متوکلؒ انیس بار دہلی سے اجودھن گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے راحت القلوب کے شروع میں لکھا ہے کہ ماہ رجب ۶۵۵ھ میں دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ دوسری بار ماہ ربیع الاوّل ۶۵۶ھ کو سعادت قدمبوسی حاصل ہوئی اور اس دعاگو کو خلوتِ خاص سے نوازا گیا۔ تمام عزیزانِ باصفا حاضر تھے آپ نے فرمایا حق تعالےٰ کے حکم سے ہم نے مولانا نظام الدینؒ کو ہندوستان کی ولایت دی اور اپنا سجادہ نشین مقرر کیا۔ یہ سن کر بندہ نے اپنا سر زمین پر رکھ دیا آپ نے فرمایا اے جہانگیر عالم سر اُوپر اُٹھاؤ۔ اس کے بعد آپ نے خواجہ قطب الاسلام کی دستار جو آپ کے سر پر تھی مجھے عطا فرمائی اور خرقہ پہنایا اور عصا ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ دوگانہ نماز ادا کرو۔ جب میں نے قبلہ کی طرف منہ کیا تو آپ نے بندہ کا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف منہ کیا اور فرمایا جاؤ میں نے تجھے خدا کے سپرد کیا فرمایا یہ سب کچھ تجھے دیتا ہوں اس لئے کہ

میرے آخری وقت پر تم میاں نہ ہوگے کیونکہ میں بھی خواجہ قطب الاسلام کے وصال کے وقت حاضر نہ تھا۔ ہانسی میں تھا اس کے بعد شیخ بدرالدین اسحاقؒ کو حکم دیا کہ وہ تحریر لاؤ۔ جب تحریر حاصل کی تو آپ نے میرا سر پہلو مبارک میں لے کر فرمایا کہ ہم نے تجھے خدا تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ آج یہاں رہ جاؤ کل چلے جانا۔ اس روز باورچی خانہ کے خرچ کے لئے کوئی فتوح نہیں آئی تھی سب متعلقین ویسے بیٹھے تھے۔ بندہ نے عرض کیا کہ تصدق مخدوم نے مجھے ایک دو آنے زادِ راہ کے لئے عطا کئے ہیں اگر حکم ہو تو اس سے کھانا خرید کر لاؤں اسبات سے آپ بہت خوش ہوئے اور بہت دعائے خیر دی۔ نیز فرمایا کہ تمہارے لئے میں نے حق تعالےٰ سے کچھ دینا مانگی ہے۔ یہ سن کر میں کانپ اٹھا کہ افسوس دنیا نے تو کئی بزرگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے میرا کیا حال ہوگا۔ آپ نے میرے دل کی بات سے آگاہ ہو کر فرمایا کہ تجھے اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ خاطر جمع رکھو۔ اس سے مجھے ایک گونا خوشی حاصل ہوئی۔ آخر شب کو میں دیکھتا ہوں کہ ایک عورت جماعت خانہ کے صحن میں جھاڑو دے رہی ہے۔ میں نے پوچھا تو کون ہے اس نے کہا میں دنیا ہوں اور حضرت مخدوم کے گھر میں جھاڑو دے رہی ہوں۔ آخر وہی ہوا جو حضرت گنج شکرؒ کی زبانِ مبارک سے نکلا تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ پہلے ہانسی جاؤ اور یہ تحریر شیخ جمال الدینؒ کو دکھاؤ بعدہٗ جب دہلی پہنچو تو قاضی منتجب کو بھی دکھانا۔ لیکن شیخ نجیب الدین متوکلؒ کا نام نہ لیا اس سے مجھے حیرانی ہوئی۔ لیکن جب دہلی پہنچا تو معلوم ہوا کہ شیخ نجیب الدینؒ کا انتقال ہو گیا ہے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب میں تیسری بار ماہِ رمضان ۶۶۹ھ میں اجودھن گیا یہ میری حضرت گنج شکرؒ سے آخری ملاقات تھی۔ رخصت کے وقت آپ نے میری طرف منہ کر کے فرمایا کہ حق تعالےٰ تجھے نیک بخت کرے۔ اسعدك الله تعالىٰ

في الدارين ورزقك واسعًا وعلمًا نافعًا وعملًا مقبولًا۔

(اللہ تعالےٰ تجھے سعادتِ دارین، فراخ رزق، علم نافع، اور عمل مقبول عطا فرمائے)

اس کے بعد فرمایا کہ خدا کرے تو ایسا درخت بنے کہ خلقت اس کے سایہ میں آرام کرے۔ فرمایا استعداد بڑھانے کے لئے مجاہدہ جاری رکھو۔ پس جب میں آپ سے رخصت ہوا۔ تو ہانسی جا کر خلافت نامہ جمال الدین ہانسویؒ کو دکھایا۔ انہوں نے بہت شفقت

فرمائی۔ اور یہ شعر زبان پر لائے ؎

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس — کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس

(اللہ تعالیٰ کا ہزار شکر ہے کہ گوہر گوہر شناس کے سپرد کیا)

اس کے بعد سلطان المشائخ نعمت و کرامت دو جہان لے کر دہلی پہنچے لیکن اُن ایام میں آپ پر شغلِ باطن کے استغراق کا اس قدر غلبہ تھا کہ خلقت سے بالکل الگ رہتے تھے اور کئی سال تک نہ گھر نہ خانقاہ تیار فرمائی اور آپ مختلف مقامات پر گمنامی کی حالت میں رہنے لگے۔ لیکن آپ کا جمالِ ولایت جو آفتاب سے بھی زیادہ روشن تھا کس طرح مخفی رہ سکتا تھا۔ ہر طرف سے خلقت آپ کی طرف آنے لگی۔ ایک دن آپ تنگ آکر شہر سے باہر چلے گئے اور یہ ارادہ کر لیا کہ اب واپس نہیں جائیں گے۔ آپ حوض رانی کی طرف ایک باغ میں چلے گئے۔ جسے باغِ حسرت کہتے ہیں۔ قبولیت کا وقت تھا آپ نے دعا کی کہ الٰہی میں اس شہر سے جانا چاہتا ہوں۔ لیکن میں اپنے اختیار سے کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ جہاں تیری رضا ہو مجھے حکم ہو کر وہاں جا کر رہوں آواز آئی کہ تیرا مقام غیاث پورہ ہے۔ آپ نے غیاث پورہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کہاں ہے۔ آپ ایک دوست کے گھر گئے جس کا نام نقیب نیشاپوری تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ غیاث پورہ گئے ہیں۔ آپ نے ان میں سے ایک آدمی ساتھ لے کر غیاث پورہ تشریف لے گئے۔ اس وقت وہاں زیادہ آبادی نہ تھی آپ نے فوراً وہاں اقامت اختیار کر لی اور کسی کو آپ کی خبر نہ ہوئی۔ اس سے آپ کو یکسوئی حاصل ہوئی لیکن روزی بہت تنگ تھی۔ چند نفوس جو آپ کے ساتھ تھے زنبیل گردانی کر کے تیسرے روز افطار کے لئے آپ کے پاس ایک روٹی لاتے تھے۔ یا کبھی آپ جنگلی پھل پر بسر اوقات فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ سلطان معز الدین کیقباد نے غیاث پورہ کے قریب کیلوکھری میں سکونت اختیار کر لی اس سے لوگوں کو آپ کا علم ہو گیا اور ملوک و امرا اور عام خلقت آپ کی زیارت کے لئے آنے لگی۔ چونکہ آپ اس سے سخت متنفر تھے آپ نے خیال کیا کہ یہاں سے چلے جانا چاہیئے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میں اسی خیال میں تھا کہ اُسی روز ایک حسین و جمیل جوان آیا لیکن کچھ خستہ حال تھا خدا معلوم مردانِ غیب سے تھا یا کون تھا اُس نے آتے ہی پہلی بات جو کہی یہ تھی بیت ؎

آں روز کہ مرشدی نمے دانستی ۔۔۔ کانگشت نمائے عالمے خواہی شد

(جب تو چاند بنا تو تجھے معلوم نہ تھا کہ انگشت نمائے عالم ہوگے یعنی ہر شخص کا ملجا و ماویٰ ہوگے)

اس کے بعد اس بزرگ نے فرمایا کہ شروع میں شہرت سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ یعنی اس قدر طالب شہرت نہ ہو کہ کل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے۔ اسکے بعد فرمایا کہ خلق سے علیحدہ ہو کر کنج عزلت اختیار کرنا اور مشغول بحق ہونا کون سی جوانمردی ہے۔ جوانمردی یہ ہے کہ خلقت کے ساتھ میل ملاپ کے باوجود حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہے۔ جب انہوں نے بات ختم کی تو میں نے کچھ کھانا ان کے سامنے رکھا۔ لیکن انہوں نے نہ کھایا۔ چنانچہ میں نے اسی وقت اپنے دل میں یہ نیت کرلی کہ اسی جگہ رہوں گا اور لوگوں سے میل جول قائم رکھوں گا۔ جب میں نے یہ نیت کی تو انہوں نے چند نوالے کھائے اور چلے گئے۔ اس کے بعد میں نے ان کو کبھی نہ دیکھا۔ الغرض سلطان المشائخ نے دو مقامات پر سکونت اختیار کرلی ایک غیاث پورہ دوسرا کیلوکھری جو جامع مسجد کی بغل میں دریا کے کنارے پر ہے۔ چونکہ دونوں مقامات کے درمیان نصف کوس سے زیادہ فاصلہ تھا اسلئے پنجشنبہ کیدن آپ کیلوکھری تشریف لے جاتے اور نماز جمعہ وہاں ادا کرکے غیاث پورہ واپس چلے جاتے تھے۔ ایک دن آپ گرمی میں وہاں سے پیادہ تشریف لا رہے تھے۔ دل میں خیال آیا کہ گھوڑا ہوتا تو سوار ہو کر جاتا۔ اسی رات شیخ نورالدین ملک یار پرّاں قدس سرہٗ نے اپنے خادم کو خواب میں بتایا کہ اپنی گھوڑی سلطان المشائخ کے پاس لے جاؤ کیونکہ وہ گرم ہوا میں روزہ کی حالت میں پیدل نمازِ جمعہ کے لئے جا رہے ہیں چونکہ باطنی اشارہ تھا سلطان المشائخ نے قبول کرلیا۔ اسی دن سے سلطان المشائخ کے اصطبل میں گھوڑوں کی کوئی کمی نہ رہی یہ شیخ نورالدین ملک یارؒ شیخ ابو اسحاق قدس سرہٗ کے سلسلہ سے تھے۔ جن کی وفات سلطان غیاث الدین کے عہدِ حکومت میں ہوئی تھی۔ آپ بڑے باکمال بزرگ تھے۔ سلطان المشائخ اکثر ان کی قبر کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے جو حوض کے کنارے پر ہے۔ سیرالاولیاء میں لکھا ہے کہ سلطان المشائخ نے آغازِ جوانی سے لے کر تیس سال تک نہایت سخت مجاہدات کئے جن کا مفصل ذکر کتاب مذکور میں ہے۔ آپ نے تیس سال مزید مجاہدات آخر عمر تک کئے۔ دنیاوی فتوحات اور اقبال کے باوجود آپ کی بندگی بے اندازہ تھی اور وہم میں نہیں آسکتی۔ آپ کی

ذاتِ بابرکات تمام دنیاوی علائق سے مبرا تھی۔ اور جو ریاضات و مجاہدات آپ نے اپنے اُوپر لئے ہوئے تھے آخر عمر تک بجا لاتے رہے حالانکہ آپ کی عمر اسیؔ سال سے تجاوز کر چکی تھی آپ ہر نماز با جماعت ادا کرتے تھے۔ اور ہر وقت اپنے بالاخانہ سے جو ایک بلند عمارت تھی اُتر کر مسجد جاتے تھے۔ اس کے ساتھ آپ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور تھوڑی سی چیز سے افطار کرتے تھے۔ یعنی ایک روٹی یا آدھی روٹی تھوڑی سی سبزی کے ساتھ۔ اور یہ سب کچھ اپنے درویش اصحاب کی موافقت کی خاطر کرتے تھے۔ جب تک آپ دسترخوان پر بیٹھے رہتے دوستوں کی خاطر کھانا ختم نہ کرتے بلکہ اپنے ہاتھ مبارک سے بعض اصحاب کو خاص خاص لقمے اٹھا کر عطا فرماتے رہتے تھے۔ اور ہر شخص اسی انتظار میں رہتا تھا کہ یہ سعادت کسے نصیب ہوتی ہے۔ غرضیکہ افطار کے بعد آپ بالاخانہ پر تشریف لے جاتے اور اپنے احباب اور شہر کے دیگر اصحاب کو اُوپر بلا کر نماز شام سے عشاء تک اپنی صحبت سے نوازا کرتے تھے تاکہ وہ آپ کے جمالِ ولایت اور گنجینۂ عشق و ہدایت سے بہرور ہو۔ لیکن اس کے بعد ہر قسم کے میوہ جات خشک و تر اور دیگر کھانے پینے کی چیزیں پیش کی جاتیں اور آپ اپنے احباب میں تقسیم کر کے ان کی دلجوئی فرماتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی اُن کے ساتھ موافقت کی خاطر خود بھی کوئی چیز تناول فرما لیتے تھے اور ہر شخص کی استعداد کے مطابق اُن سے حال دریافت کرتے تھے اس کے بعد جماعت خانہ میں جا کر نماز عشاء ادا کرتے اور پھر اُوپر چلے جاتے تھے کچھ دیر مشغول رہ کر آرام کی خاطر چارپائی پر بیٹھ جاتے تھے۔ آپ کا خادم خواجہ اقبال جسے آپ کمالِ شفقت سے لالا کہہ کر پکارتے تھے، تسبیح لا کر دیتا تھا۔ اُس وقت کوئی شخص آپ کی خدمت میں نہیں جا سکتا تھا۔ سوائے حضرت امیر خسروؒ کے جو سامنے بیٹھ کر ہر قسم کی حکایات بیان کیا کرتے تھے اور سلطان المشائخ ان کی خاطر اپنے سر کو ہلاتے رہتے تھے اور کبھی آپ دریافت فرماتے لے ترک کیا خبر ہے۔ اس سے امیر خسروؒ کو فراخ میدان مل جاتا تھا اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہت لمبا کر کے سناتے رہتے تھے۔ اُس وقت بعض چھوٹے بچے اور خدام کے لڑکے بھی موقع پا کر آپ کی خدمت میں چلے جاتے تھے اور آپ کے قدم مبارک پر اپنے سر اور آنکھیں ملتے تھے۔ جیسا کہ امیر خسروؒ نے فرمایا ہے ؎

نُخفت خسروِ مسکین ازیں ہوس شبہا — کہ دیدہ بر کفِ پایت نہد بخواب شود

(خسروِ مسکین اسی تمنا میں راتوں کو نہ سویا کہ شاید آپ کے قدموں پر آنکھیں رکھ کر سونے کا موقع مل جائے)

جب امیر خسروؒ اور چھوٹے بچے آپ کی خدمت سے اُٹھ کر واپس آجاتے تو خواجہ اقبال خادم آکر پانی کے چند آفتابے آپ کے پاس چھوڑ جاتا تھا اس کے بعد سلطان المشائخ اپنے ہاتھ سے کنڈی لگا دیتے تھے۔ اُس وقت جمالِ حق کے مشاہدہ کے سوا اور کوئی شخص وہاں نہ ہوتا تھا اور کسی کو معلوم نہیں کہ حق تعالےٰ کے ساتھ آپ کا کیا راز و نیاز اور کیا ذوق و شوق ہوتا تھا۔ آپ اکثر یہ بیت زبان مبارک پر لایا کرتے تھے۔ ؎

عشقے کہ ز تو دارم اے شمع چگل؟ — دل داند و من دانم من دانم و دل

(اے میری شمع جو عشق کہ مجھے تجھ سے ہے۔ میں جانتا ہوں اور میرا دل جانتا ہے دوسرا کوئی نہیں جانتا)۔

جب صبح ہوتی تو خواجہ عبدالرحیم جن کے ہاتھ میں سحری کا انتظام تھا آکر دستک دیتے تھے اور سلطان المشائخ اپنے ہاتھ سے دروازہ کھول دیتے تھے وہ آپ کے سامنے کئی قسم کا کھانا رکھ دیتا تھا۔ آپ اس میں سے تھوڑا سا کھانا کھا کر باقی ان کے بچوں کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ اکثر آپ سحری نہیں کھایا کرتے تھے اس کے بعد آپ نماز تہجد ادا کر کے شغل باطن میں مشغول ہو جاتے تھے۔ آپ نمازِ فجر اشراق اور چاشت ادا کرنے کے لئے جماعت خانہ میں تشریف لے جاتے تھے۔ اُس وقت شغلِ باطن کے استغراق کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ ہوتی تھیں اور جو شخص دیکھتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مستِ شراب ہیں اور بالیقین آپ ہمیشہ شراباً طہوراً کے جامِ نوش فرماتے رہتے تھے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

من مستِ خراباتم کانجا قدح و مے نے — صد شورِ سماع آنجا لیکن نہ دف و نے نے

(میں اُس خرابات کا مست ہوں جہاں پیالہ و شراب نہیں ہے۔ وہاں شور سماع تو بہت زیادہ ہے مگر کوئی دف اور بانسری نہیں ہے۔)

لوگ کہتے ہیں کہ آپ ہر روز چار سو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ اور نہایت درد اور

ذوق وشوق سے ادا کرتے تھے۔ جس روز سے آپ خواجگانِ چشت کے سجادہ پر بیٹھے ہر قسم کے لوگ یعنی امرأ و ملوک، علما و شعرا، درویش و فقرا، قلندر وغیرہ آ کر قدم بوسی حاصل کرتے تھے۔ آپ ہر ایک سے شفقت سے پیش آتے اور اُن کے پرسانِ حال ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ غربا د مساکین کو کھانا اور کپڑے عطا فرمایا کرتے تھے اور جس قدر تحفے تحائف آپ کے پاس عالم غیب سے آتے تھے آپ لوگوں کو عنایت کر دیتے تھے اور کوئی شخص آپ کے ہاں سے خالی نہ جاتا تھا۔ اس کے بعد آپ قیلولہ (دوپہر کی نیند) کرتے اور ظہر کی نماز کے بعد زیارت کرنے والوں کو اپنے پاس بلاتے اور اُن کے حال کے مطابق سلوک اور طلبِ حق کی باتیں کرتے تھے اور قسم قسم کے حقائق و معارف بیان فرماتے رہتے تھے۔ اُس وقت آپ کے چہرہ مبارک پر اس قدر نور و جلالِ کبریائی ہوتا تھا کہ کوئی شخص آپ کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ نہ کلام کر سکتا تھا۔ جو کچھ آپ فرماتے تھے سب لوگ سر جھکائے سنتے رہتے تھے۔ شہر کے علمائے اہلِ ظاہر جو اہلِ تصوف سے تعصب میں مشہور تھے سب اپنے دماغ سے رعونت نکال کر آتے تھے۔ اور آستانۂ عالیہ پر حاضر ہو کر سرنگوں رہتے تھے ؎

خوبان چو بادہ خوردن من بر خوار ایشان ہر جرعۂ کہ خوردہ سر بر زمین نہادہ

(حسینوں نے جب میرے شراب پیتے وقت ایک دو گھونٹ پئے۔ ہر گھونٹ پیتے ہی سر زمین پر رکھتے گئے)

حضرت شیخ نصیرالدین اودھی (چراغ دہلی) سے روایت ہے کہ سلطان المشائخ کے محرم راز دوست آ جاتے تو آپ چاہتے تھے کہ سماع کا انتظام کیا جائے یہ سنکر امیر خسروؒ اور امیر حسنؒ (سنجری) جو علم موسیقی اور حسن صوت میں عدیم المثال تھے سامنے بیٹھ جاتے تھے۔ امیر خسروؒ کا ساتھ دینے والا ایک اور آدمی تھا جس کا نام مبشر تھا۔ یہ مبشر سلطان المشائخ کا زر خرید غلام تھا۔ اور بے حد حسین تھا۔ حسن صوت (سریلی آواز) میں بھی وہ لحن داؤدی کا مقابلہ کرتا تھا۔ پس حضرت امیر خسرو غزل شروع کرتے تھے اور جس شعر پر سلطان المشائخ سر ہلاتے تھے۔ امیر حسن اور مبشر،

آن را بزیور نقش سے بستند

(شاید اس کا مطلب یہ تھا کہ خوب اچھی طرح گانا شروع کر دیتے تھے)

جس سے سلطان المشائخ وجد میں آجاتے تھے۔ باوجودیکہ دو سو قوال سرکاری وظیفہ خوار حضرت شیخ کے لئے مقرر تھے اور وہ ایسے باکمال تھے کہ اپنے کلام کے زور سے اڑتے ہوئے پرندے کو نیچے اتار سکتے تھے۔ لیکن ان تین عزیزوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ آپ کے ایک مرید خواجہ منہاج کہتے ہیں کہ مجھے ذوق سماع ہوا تو سلطان المشائخ سے درخواست کی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ پس میں نے حضرت گنج شکرؒ کے رشتہ داروں اور دوسرے احباب کو غیاث پورہ سے دعوت دی اور قوالوں کو جمع کیا۔ سماع شروع ہوا لیکن کچھ لطف نہ آیا۔ مجھے پریشانی لاحق ہوئی کہ شاید محفل سماع میں کوئی بے قاعدگی واقع ہوگئی ہے۔ اس غم کی حالت میں میں نے مڑ کر دیکھا تو سلطان المشائخ کو کلاہ سر پر رکھے ہوئے حوض کے کنارے کھڑا دیکھا۔ آپ کو دیکھتے ہی سماع کی حالت بدل گئی اور ذوق و شوق پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد جب میں نے اس بات کا آپ سے ذکر کیا تو فرمایا کہ یہ ضعیف جہاں کہیں بھی ہو اسے حاضر تصور کیا کرو۔ شیخ بہرام جو شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پوتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے سلطان المشائخ کو خواجہ قطب الاسلام کے مزار پر دیکھا۔ آپ نہایت استغراق کی حالت میں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ آج رات مجھے دکھایا گیا ہے کہ نظام جس نے تجھے دیکھا ہے۔ میں نے اسے بخش دیا۔ ایک رات سلطان المشائخ کتاب اسرار الٰہی کے مطالعہ میں مشغول تھے اور بعض مقامات پر قلم سے نشان لگا رہے تھے۔ کہ اچانک قلم آپ کے ہاتھ سے گر گیا اور سر کے بل زمین میں پیوست ہو گیا جیسے سجدہ کیا جاتا ہے۔ یہ شب قدر کی علامت تھی۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ شیخ رکن الدین فردوسی کو سلطان المشائخ کے ساتھ چنداں اخلاص نہ تھا۔ اس نے بھی شہر سے نکل کر دریا کے کنارے کیلو کھری میں مکان بنا لیا تھا اور مشائخیت کی بنیاد ڈال دی تھی۔ اس کے نوجوان لڑکے بے ادب تھے۔ وہ اکثر کشتی میں سوار ہو کر گانے گاتے ہوئے اور رقص کرتے ہوئے سلطان المشائخ کے گھر کے نیچے سے گزرتے تھے۔ ایک دن آپ جماعت خانہ کی چھت پر مشغول بیٹھے تھے۔ اور میرے والد (میر سید محمد کرمانی مصنف سیر الاولیاء کے والد) سامنے کھڑے تھے۔ اور نوجوانوں کی وہ جماعت گاتی ہوئی اور شور و غل مچاتے ہوئے کشتی میں سوار ہو کر جا رہے تھے۔ جب آپ کی نظر اُن پر پڑی تو فرمایا سبحان اللہ ایک وہ ہے کہ سالہا سال سے اس کام میں خون پی رہا

ہے (یعنی حضرت خود سماع میں خونِ دل پی رہے ہیں) اور اپنے آپ کو اس راستے میں فنا کر دیا ہے اور یہ نوجوان ابھی پیدا ہوئے ہیں اور بکتے ہیں کہ تو کون ہے پس آپ نے اپنا ہاتھ مبارک ان کی طرف اٹھا کر اشارہ فرمایا اور پھر نیچے کر لیا۔ وہ کشتی فوراً غرق ہو گئی۔

تاریخ دہلی الغرض آپ کے زمانے میں سات بادشاہوں نے دہلی کے تخت پر حکومت کی اُن میں سے بعض مخلص تھے اور بعض مخالف۔ جن کا مجمل ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ حضرت گنج شکرؒ سے خلافت حاصل کر کے جب دہلی پہنچے تو سلطان غیاث الدین بلبن کا زمانہ تھا۔ چوں کہ سلطان غیاث الدین بلبن خواجہ گنج شکرؒ کے ساتھ نسبت بندگی و اعتقاد رکھتا تھا۔ آپ کا بھی مخلص و معتقد رہا۔ اکیس سال حکومت کرنے کے بعد ۶۸۶ھ میں سلطان بلبن نے وفات پائی۔ اُس وقت اس کا لڑکا ناصر الدین محمود لکھنوتی میں تھا۔ ارکانِ دولت نے کسی مصلحت سے اس کے بیٹے معز الدین کیقباد کو سترہ سال کی عمر میں دادا کے تخت پر بٹھا دیا۔ وہ بھی سلطان المشائخ کا مخلص و معتقد تھا۔ اس زمانے سے تمام خلقت سلطان المشائخ کی بندگی کو سعادت دارین سمجھ کر آپ کی خدمت گذاری کرتی تھی۔ سلطان معز الدین بہت نیک صورت اور نیک سیرت نوجوان تھا۔ چنانچہ امیر خسروؒ نے اُسے قرآن السعدین لکھا ہے لیکن چونکہ شراب خوری اور عیش و عشرت کا عادی تھا۔ اس کی سلطنت میں خلل واقع ہو گیا اور تین سال حکومت کرنے کے بعد ۶۸۹ھ میں جلال الدین خلجی جو اس کے دربار کا ایک رکن تھا کے حکم سے بیماری کی حالت میں قتل کر دیا گیا۔ اراکینِ سلطنت نے اتفاق رائے سے سلطان جلال الدین خلجی کو کیلوگڑی کے محل میں تخت نشین کیا۔ سلطان جلال الدین عبادت گذار، کریم طبع، شعر فہم اور صاحبِ سماع تھا اور ہمیشہ سلطان المشائخ کی خدمت میں فتوحات کثیر ارسال کیا کرتا تھا۔ وہ چھ سال اور دوسری روایت کے مطابق سات سال حکومت کرنے کے بعد اپنے بھتیجے اور داماد علاؤ الدین خلجیؒ کے ہاتھوں ماہ رمضان ۶۹۵ھ میں مانک پور کے مقام پر شہید ہوا۔ اور سلطان علاؤ الدین خلجیؒ اپنے چچے کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ علاؤ الدینؒ بڑا مدبر اور غیور انسان تھا۔ اگرچہ اَن پڑھ تھا لیکن تمام ہندوستان کے حالات سے بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں اس کے تیار کردہ ضوابط مفصل طور پر نقل کئے ہیں۔ شروع میں بعض حاسدوں نے سلطان

المشائخ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرنے شروع کئے کہ تمام امراء و وزرا اُن کے مرید ہیں۔ ساری خلقت آپ کے لنگر خانے سے پرورش پا رہی ہے شاید ان کا خیال ملک گیری کا ہے۔ بادشاہ سنتا رہا اور مخفی رکھتا رہا۔ لیکن تجسس ضرور کرتا رہا آخر اسے معلوم ہو گیا کہ سلطان المشائخ کو حکومت کی بالکل خواہش نہیں ہے۔ بلکہ سخت نفرت ہے۔ یہ دیکھ کر وہ دل و جان سے مخلص و معتقد ہو گیا اور خضر خان اور شادی خان دونوں شاہزادوں کو سلطان المشائخ کا مرید کرا دیا اور دو لاکھ روپے پیش کئے جس شعر کی سلطان المشائخ کو خواہش ہوتی ہزار کوشش سے اُسے لکھوا کر پیش کرتا اور بعدہٗ آپ کی مطابقت میں وہ اشعار بادشاہ خود سنتا تھا اور لطف حاصل کرتا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے قرہ بیگ کو آپ کی خدمت میں بھیج کر عرض کرایا کہ مدت ہو چکی ہے کہ اپنے بھائی الف خان کو ایک عظیم لشکر دیکر ارنگل کی طرف روانہ کیا تھا۔ لیکن اب تک کوئی خبر نہیں آئی۔ میری خواہش ہے کہ میں خود دیوگری کی طرف جاؤں اور کچھ لشکر واپس لے آؤں۔ حضرت شیخ کا اس بارے میں کیا فرمان ہے۔ آپ نے سر نیچا کر لیا اور تھوڑی دیر مراقبہ کر کے فرمایا کہ میری دعا سلطان کو پہنچا دو اور کہو کہ انشاء اللہ کل چاشت کے وقت فتح ارنگل اور بھائی کی سلامتی کی خوشخبری مل جائے گی۔ یاد رہے کہ ارنگل اس علاقے کا نام ہے جو دیوگری کی طرف دولت آباد سے جنوب کی جانب چار یا پانچ سو کوس کے فاصلہ پر ہے۔ دوسرے دن ایک سانڈھنی سوار فتح نامہ لے کر سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور قرہ بیگ کو پانچ سو دینار سرخ دے کر سلطان المشائخ کی خدمت میں خانقاہ کے خرچ کے لئے ارسال کیا۔ اس روز ایک قلندر اسفند یار نام خراسان سے آیا ہوا تھا۔ جونہی اس نے دینار دیکھے درخواست کی کہ کچھ مجھے بھی عنایت کیجئے۔ سلطان المشائخ نے وہ سب کے سب اُسے دے دیئے۔ ضیا برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے کہ خاندان غلامان کے عہد حکومت کے آخری دس سال عجب وقت مشاہدہ میں آیا۔ بادشاہ نے ملک کی اصلاح کی طرف خاص توجہ کی اور تمام نشئی اشیا اور فسق و فجور کے کاموں کو نہایت سختی سے بند کر دیا جس سے سب گناہ کے کام بند ہو گئے۔ سلطان المشائخ نے بھی بیعت کا سلسلہ عام کر دیا تھا اور تمام گناہگار اور شہوت پرست لوگ آپ کے ہاتھ پر توبہ کر کے بیعت ہونے لگے اور عبادت و ریاضت

میں مشغول ہونے لگے غرضیکہ کہ ساری خلقت خوب ذوق و شوق سے عبادتِ الٰہی میں مشغول تھی، مرد عورت، غلام و نوکر بوڑھے جوان امیر غریب ملوک و وزراء سب سلطان المشائخ کے فیضِ صحبت سے نماز روزہ کے پابند ہو گئے، شہر سے لے کر غیاث پورہ تک صوفیانِ باصفا کے سوا کوئی نظر نہیں آتا تھا، مسلمان ایک دوسرے سے شرم کی وجہ سے دنیا اور دنیا کے عیش کا ذکر تک نہیں کرتے تھے۔ اور سب طالب علموں، اشراف و اکابر حضرت شیخ کی صحبت میں رہ کر کتب سلوک کے مطالعہ میں اور احکام طریقت کے مشاہدہ میں منہمک تھے۔ کتاب قوت القلوب، احیاء العلوم، عوارف المعارف، کشف المحجوب، شرح تعرف (مصنفہ علامہ کلاآبادی) رسالہ قشیریہ، مرصاد العباد مکتوباتِ عین القضاۃ، لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوریؒ، فوائد الفواد یعنی ملفوظاتِ سلطان المشائخ کے لاتعداد خریدار پیدا ہو گئے۔ اور کتب تصوف کے سوا کسی اور کتاب کو کوئی نہیں پوچھتا تھا جس قدر حقائق و معارف اس وقت ظاہر ہوئے تھے شاید جنید اور بایزید کے وقت ظاہر ہوئے ہوں۔ شیخ کی خدمت میں شہر دہلی اور اطراف و جوانب سے اس قدر ہجوم ہونے لگا اور کثرت سے محافلِ سماع ہونے لگیں کہ آج تک کسی نے نہ دیکھا نہ سنا ہوگا۔ غرضیکہ فنِ مشیخت اور رشد و ارشاد آپ پر ختم ہو گیا تھا۔ بیت

زین فن مطلب بلند نامے   کاں ختم شدہ است بر نظامے

(فنِ مشیخت میں شہرت کے طلبگار مت بنو کیونکہ یہ کام خواجہ نظام الدین اولیاءؒ پر ختم ہو چکا ہے)

الغرض سلطان علاؤالدین بن شہاب الدین خلجی نے بیس سال حکومت کر کے چھ ماہ شوال ۷۱۵ھ کو وفات پائی۔ اس کے بعد سلطان قطب الدین بن سلطان علاؤالدینؒ ارکان سلطنت کے اتفاق رائے سے تخت پر بیٹھا اور خضر خان، شادی خان، اور شہاب الدین تینوں بھائی قتل کئے گئے۔ چونکہ خضر خان وغیرہ سلطان المشائخ کے مرید تھے سلطان قطب الدین خود شیخ ضیاء الدین رومیؒ کا مرید ہو گیا۔ سلطان المشائخ سے عناد رکھنے لگا۔ اس نے بسا اوقات اس بادشاہِ معنوی کو آزار پہنچانے کی کوشش کی پہلے اس نے چند ایسی باتیں نکالیں کہ جن سے سلطان المشائخ کو متہم قرار دے سکے۔ لیکن اس کی کوئی چال کارگر نہ ہوئی۔ اس کے بعد اس نے شہر کے سب علما کو جمع کر کے حکم دیا کہ شہر کے سب

ہو تو مطلع کر دیا جائے۔ پھر چاند رات کو میری خدمت میں حاضر ہوں۔ شیخ نظام الدینؒ کو مطلع کر دو کہ اس حکم کی تعمیل کرے۔ اگر یہ حکم قبول نہ کرے تو مجھے اطلاع دو تاکہ جس طرح طلب کر سکتا ہوں طلب کروں۔ بلکہ اس نے چند ایسی باتیں کہیں جو ناگفتہ بہ تھیں۔ بادشاہ سے یہ حکم حاصل کر کے سید قطب الدین غزنوی، عماد الدین طوسیؒ، مولانا برہان الدین یزدیؒ اور دوسرے علما نے سلطان المشائخ کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا۔ اور عرض کیا کہ چونکہ بادشاہ نوجوان آدمی اور نا عاقبت اندیش ہے اور حضرت شیخ دانشمند ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ بادشاہ کا حکم قبول فرما دیں۔ سلطان المشائخ نے ذرا تامل کر کے فرمایا انشاء اللہ تعالےٰ دیکھو کیا ظہور پذیر ہوتا ہے۔ انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں جا کر کہا کہ ہم شیخ کو راضی کر آئے ہیں آپ کے پاس آئیں گے۔ یہ واقعہ ستائیس ماہِ شوال کو رونما ہوا۔ دوسرے دن عز الدین علی شاہ امیر خسروؒ کے بڑے بھائی نے جو سلطان المشائخ کے محبوب ترین مرید تھے آکر کہا کہ بادشاہ چاند رات کا منتظر ہے۔ حضور تشریف لے جائیں۔ آپ نے فرمایا میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ انہوں نے بہت سمجھایا کہ بادشاہ ظالم ہے معلوم نہیں کیا کر بیٹھے گا۔ سلطان المشائخ نے فرمایا تم خاطر جمع رکھو مجھے عالمِ واقعہ میں دکھایا گیا ہے کہ میں بالا خانہ پر بیٹھا ہوا ہوں کہ ایک سینگ والی گائے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں نے اس کے سینگ پکڑ کے اسے زمین پہ گرا دیا ہے بس سے وہ مر گئی ہے۔ انشاء اللہ بادشاہ مجھ پر کامیاب نہ ہوگا۔ ایسا واقع ہوا کہ انتیسویں شب ماہ مذکور کو بادشاہ ایک ہزار ستون والے محل کی چھت پر سویا ہوا تھا کہ خسرو خان نے جو اس کا نمک پروردہ تھا اسے قتل کر دیا۔ عین اسی وقت سلطان المشائخ اپنی خانقاہ میں گشت کر رہے تھے۔ اور یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

اے روبہک چرا نشستی بجائے خویش ۔۔۔ با شیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش

(اے حقیر لومڑی تو اپنے مقام پر کیوں نہ رہی۔ تو نے شیر کے ساتھ زور آزمائی کی اور اپنا حشر دیکھ لیا روباہ کے معنی لومڑی ہیں اور روبہک اسم تصغیر ہے۔ یعنی اے حقیر لومڑی۔ سبحان اللہ! شہنشاہِ وقت کو لومڑی بلکہ حقیر سی لومڑی کہہ کر پکار رہے ہیں یہ کیا شان ہے)۔

اس نے چار سال اور چار مہینے حکومت کی اور ۷۲۰ھ کو خسرو خان کے ہاتھوں مارا گیا خسرو خان

نے بادشاہ کی بیوہ سے شادی کر لی اور دہلی کے تخت پر قابض ہو گیا۔ اس نے خزانے کے دروازے کھول دیئے اور لوگوں کی پرورش شروع کر دی جس سے لوگ اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ اس نے کافی رقم درویشوں کے لئے بھی وقف کی۔ چنانچہ اس نے پانچ لاکھ روپے سلطان المشائخ کی خدمت میں ارسال کئے۔ دوسرے درویشوں نے روپیہ جمع کر لیا لیکن سلطان المشائخ نے سب کچھ فقراء میں تقسیم کر دیا۔ چار ماہ کے بعد غیاث الدین تغلق نے جو سلطان قطب الدین کی طرف سے ملتان کا حاکم تھا لشکر کشی کی اور خسرو خان بھاگ نکلا۔ چونکہ سلطان علاؤ الدین کی نسل کا کوئی آدمی موجود نہ تھا سب ارکین سلطنت نے سلطان غیاث الدین تغلق کو دہلی کے تخت پر بٹھایا۔ دوسرے دن اس نے خزانے کا معائنہ کیا اور خسرو خان نے جس کسی کو رقم دی تھی سلطان نے واپس طلب کی۔ درویشوں سے بھی رقم واپس طلب کی گئی۔ جب سلطان المشائخ سے رقم کا مطالبہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا بیت المال کی رقم تھی ہم نے درویشوں میں تقسیم کر دی ہے۔ ان الفاظ سے بادشاہ رنجیدہ ہوا۔ اور آپ کی ایذ رسانی کے بہانے تلاش کرنے لگا۔ بعض مخالف علماء نے بادشاہ کو بھڑکایا کہ مذہب امام ابو حنیفہ میں سماع حرام ہے اور شیخ کا اس کے سوا کوئی کام نہیں ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں محضر قائم کیا گیا اور تمام علماء کو بلایا گیا۔ حضرت شیخؒ نے احادیث نبوی کا حوالہ دیا۔ لیکن علماء نے کہا کہ آپ مجتہد نہیں ہیں اس لئے احادیث کا حوالہ نہیں دے سکتے۔ امام ابو حنیفہ کا قول پیش کریں۔ سلطان المشائخ نے غیرت میں آ کر فرمایا اور آپ کے الفاظ گویا قضا الٰہی تھی فرمایا سبحان اللہ میں حدیث بیان کرتا ہوں اور یہ لوگ ابو حنیفہ کا قول طلب کرتے ہیں مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ایسے قاضی قضا سے برطرف نہ ہو جائیں اور عجب نہیں کہ اس شہر پر وبا نازل ہو۔ اور عجب نہیں کہ قحط پڑ جائے اور عجب نہیں کہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔ آخر جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے نکلا تھا ظاہر ہوا۔ بہر حال اس وقت شیخ نے علمی دلائل سے علماء کو ساکت کیا۔ اس بارے میں کافی گفت و شنید ہوئی جس کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔ اس وقت شیخ علم الدین علاء، شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کے پوتے ملتان سے تشریف لائے۔ سلطان استقبال کے لئے باہر گیا۔ لیکن شیخ علم الدینؒ نے پہلے سلطان المشائخ سے ملاقات کی اس کے بعد بادشاہ سے ملے انہوں نے حالات معلوم کر کے بادشاہ سے کہا سلطان المشائخ سماع کے اہل ہیں ان سے گستاخی ناروا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ شرمندہ

تو ہوا لیکن اس کے دل سے منافقت نہ نکلی۔ چنانچہ اُس وقت تو بادشاہ نے سلطان المشائخ کو اعزاز کے ساتھ رُخصت کیا اور خود لکھنوتی کی طرف کسی ضروری کام سے چلا گیا لیکن تاریخ نظامی میں لکھا ہے کہ واپسی پر اُس نے کہا کہ جب دہلی پہنچوں گا تو شیخ کو شہر بدر کر دوں گا۔ جب لوگوں نے سلطان المشائخ تک یہ بات پہنچائی تو آپ نے فرمایا "ہنوز دہلی دور است" (ابھی دہلی دور ہے۔

یہ محاورہ آج تک زبان زدِ خاص و عام ہے) جب دہلی سے دو تین کوس یعنی تغلق آباد میں پہنچا تو وہاں اس نیت سے ٹھہر گیا کہ وہاں شیخ کو طلب کروں گا۔ لیکن اُسی رات اس پر بلائے ناگہانی آئی اور اپنے محل کے اندر اپنے دوستوں سمیت قتل کر دیا گیا۔ اس نے چار سال حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمدؒ تخت پر بیٹھا۔ وہ سلطان المشائخ کا مخلص اور معتقد تھا لیکن اس کی حکومت کے پہلے سال سلطان المشائخ قدس سرہٗ کا وصال ہو گیا اور بادشاہ نے آپ کی مزار پر ایک عالی شان گنبد تیار کرایا۔ سلطان محمدؒ اور دیگر سلاطین کے حالات میر سید محمد مکیؒ جو شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے خلیفہ تھے کے بیان میں لکھے جائیں گے۔

سلطان المشائخ نے اپنی وفات سے تین چار ماہ قبل دس آدمیوں کو خلافت عطا فرمائی اور خلافت نامہ لکھ کر عنایت کیا اور میر سید حسین کرمانیؒ کو جو کتاب سیرالاولیاء کے مصنف تھے حکم دیا کہ تمام خلفاء کے خلافت ناموں پر اپنے دستخط کیا کریں۔ جس طرح حضرت گنج شکرؒ نے شیخ جمال الدین ہانسویؒ کو اوروں کے خلافت ناموں پر مہر لگانے کا حکم فرمایا تھا۔ سلطان المشائخ نے تمام خلفاء میں سے شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کو اپنا جانشین مقرر کیا یہ فرماتے ہوئے کہ دہلی کی غم خواری کم کرنا۔ آپ کے دوسرے خلفاء کا ذکر طبقۂ ہشتم میں لکھا جائے گا۔ صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں کہ جب سلطان المشائخ کی عمر چورانوے سال اور آٹھ ماہ ہوئی تو آپ بیمار ہو گئے اور چند ماہ بیمار رہے۔ لیکن سید محمد کرمانی نے سیرالاولیاء میں یہ تصحیح کی ہے کہ آپ کی بیماری چالیس دن سے زیادہ نہ تھی اور وہ بھی ذاتِ مطلق کے مشاہدہ میں تحیّر تھا۔ بیماری کی ابتداء یوں ہوئی کہ جمعہ کے دن آپ پر حال طاری ہوا اور تجلّی ذات کے مشاہدہ سے آپ کا سینہ روشن ہو گیا۔ اثنائے نماز میں حق تعالیٰ کو سجدے کرتے ہوئے عالم تحیّر میں گھر تشریف لائے اور گریہ جو پہلے بھی تھا آپ پر غالب آگیا۔ آپ ہر روز کئی بار غیب ہو جاتے

تھے۔ اور کئی بار ظاہر ہو جاتے تھے۔ آپ ہر بار یہی سوال کرتے کہ آج جمعہ ہے؟ اور میں نے نماز پڑھی ہے؟ لوگ عرض کرتے تھے کہ جی ہاں آپ نے نماز پڑھی ہے۔ لیکن آپ فرماتے تھے کہ اچھا ایک بار پھر پڑھ لیتا ہوں اسی طرح آپ ہر نماز دوبارہ پڑھتے تھے اور یہ مصرعہ پڑھتے جاتے تھے ؏

مے رویم میرویم و میرویم

(ہم جارہے، ہم جارہے ہم جارہے)

اسی حالت میں آپ نے اپنے تمام عزیز و اقارب، خدمت گاروں اور مریدوں کو طلب فرمایا۔ اور خواجہ اقبال خادم سے فرمایا کہ جو کچھ گھر میں ہے سب لوگوں میں تقسیم کر دو اور ایک پیسہ بھی باقی نہ رکھو۔ سید حسین نے آکر عرض کیا کہ سب کچھ تقسیم کر دیا گیا ہے لیکن چند ہزار من غلہ وظیفہ خوار فقراء کے لئے رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا اس مردہ ریت کو کس لئے رکھا ہے اس کے بعد انہوں نے غلہ کے گودام کی دیواروں میں شگاف کر دیئے اور سارا غلہ لٹا کر جھاڑ دے دیا۔ اس کے بعد سب متعلقین نے آکر عرض کیا کہ آنحضرت کے بعد مجھ مسکین کا کیا حال ہوگا۔ آپ نے فرمایا تم کو میرے روضہ سے اس قدر مل جایا کرے گا کہ مکتفی ہو جائے۔ الغرض چالیس دن کے عرصہ میں آپ نے کچھ نہ کھایا اور نہ زیادہ بات کی۔ چالیسویں روز طلوعِ آفتاب کے بعد بدھ کے دن اٹھارہ ماہِ ربیع الاوّل ۷۲۵ھ آپ نے جان مشاہدۂ حق میں تسلیم کر دی۔ اور دہلی میں دفن کئے گئے۔ کسی نے آپ کی تاریخِ وصال یوں نکالی ہے ؎

نظامِ دو گیتی شہِ ماہ و دین | سراجِ دو عالم شدہ بالیقین
چو تاریخِ فوتش بجستم زغیب | ندا داد ہاتف شہنشاہِ دین
۷۲۵ھ

(دونوں جہانوں کے نظام ہمارے اور دین کے بادشاہ، بالیقین دونوں جہانوں کے چراغ۔ جب میں نے آپ کی تاریخِ وفات کی جستجو کی تو ہاتف نے آواز دی کہ "شہنشاہِ دین" ہے)

صاحب کتاب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ جب سلطان المشائخ کو قبر میں رکھا گیا تو آپ نے جو خرقہ خواجہ گنج شکرؒ سے حاصل کیا تھا آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے جسم مبارک پر ڈالا گیا اور حضرت گنج شکرؒ کا مصلیٰ آپ کے سر کے نیچے رکھا گیا۔ یہ بات بزرگانِ دین

میں جائز ہے اور اکثر مشائخ کبار کا یہی دستور رہا ہے کہ اپنے پیر کا عطا کردہ خرقہ یا فرزند صالح کے حوالہ کر گئے یا اپنے ساتھ قبر میں لے گئے۔ چنانچہ کتاب مذکور میں اس کا مفصل ذکر ہے۔ آپ کی نمازِ جنازہ کی امامت حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کے پوتے حضرت رکن الدینؒ نے کی۔ نماز کے بعد انہوں نے فرمایا کہ مجھے اب معلوم ہوا ہے۔ کہ چار سال تک مجھے اسی کام کیلئے دہلی میں رکھا گیا تاکہ سلطان المشائخ کے جنازہ کی امامت کا شرف حاصل کر سکوں۔ سلطان المشائخ اور شیخ رکن الدینؒ کے درمیان بیحد محبت تھی۔ چنانچہ سیر الاولیاء میں اسکا مفصل ذکر آیا ہے۔ سلطان المشائخ ان بزرگوں میں سے ہیں جو اپنی قبر میں بیٹھے تصرف کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ کا روضہ مبارک خلقت کا قبلۂ حاجات ہے۔ یہ ذرہ بے مقدار کاتب حروف فقیر عبدالرحمٰن چشتی ۱۰۵۲ھ میں اس کونین کے بادشاہ کے آستانہ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور آپ کے فیض روحانیت سے اس قدر نعمتیں حاصل کیں۔ کہ بیان سے باہر ہیں۔ سبحان اللہ آج تک آپ کے تصرفات ترقی پر ہیں۔ اور تاقیام قیامت اسی طرح رہیں گے۔ باوجودیکہ کئی ہزار اولیاء اللہ دہلی میں آرام فرما ہیں لیکن عالم معنوی میں نظر کی جاتی ہے تو ولایت کے دو خیموں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ایک خواجہ قطب الاسلام کا مزارِ مقدس اور دوسرا سلطان المشائخ کا مزار متبرک۔ سلطان المشائخ کے مزار کے مجاوروں کا عجب پسندیدہ طریق دیکھا گیا ہے۔ سب کے سب نہایت اخلاص و محبت، نیکی اور عبادت کے زیور سے مزین ہیں۔ روضہ متبرکہ کی خدمت کے لئے انہوں نے چار گروہ مقرر کئے ہیں۔ ایک حضرت شیخ بدرالدین اسحاقؒ کے فرزندان خواجہ محمدؒ اور خواجہ موسےٰ کی اولاد سے دوسرا خواجہ رفیع الدین ہارونؒ اور خواجہ تقی الدین نوحؒ "خواہرزادگان سلطان المشائخ کی اولاد" تیسرا خواجہ ابوبکر مصلےدار سلطان المشائخ جو آنحضرت سے رشتہ بھی رکھتے تھے کی اولاد چوتھا خواجہ بشیر کی اولاد جو آپ کے خادمِ خاص اور محرمِ راز تھے۔ چنانچہ ان چاروں گروہوں کے حالات سیر الاولیاء میں مفصل درج ہیں اور خواجہ قطب الاسلام اور سلطان المشائخ کے مزارات کے متولی کافی عرصہ سے حضرت گنج شکرؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ جو دہلی میں سکونت اختیار کر چکے ہیں

رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ نجیب الدین متوکل قدس سرہ

مقتدائے ارباب تجرید، رئیس اصحاب تفرید، آں در ہمہ حال متابائے دل صوفی باصفا شیخ نجیب الدین متوکلؒ قدس سرہ تمام کمالات انسانی سے آراستہ تھے۔ اور بڑے رفیع الحال اور قوی الاستقامت تھے۔ آپ حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے بھائی تھے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ آپ ستر سال تک دہلی میں رہے لیکن آپ نے نہ کوئی گاؤں قبول کیا نہ وظیفہ۔ آپ اپنے بال بچوں اور متعلقین کے باوجود اس قدر متوکل اور خوش باش تھے۔ کہ میں نے اس شہر میں آپ جیسا اور کوئی متوکل نہیں دیکھا۔ آپ کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا۔ کہ آج کیا دن ہے۔ اور یہ کون سا مہینہ ہے۔ اور ان سکوں کی مقدار کیا ہے۔ ایک دفعہ عید کے دن جو کچھ گھر میں تھا آپ خرچ کر کے نمازِ عید کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ واپسی پر آپ کے چند احباب آپ کے ہمراہ گھر پر آئے۔ آؤ بھگت کے بعد آپ ان کو بٹھا کر اندر تشریف لے گئے تاکہ کوئی کھانے کی چیز ان کے لئے لائیں۔ گھر میں جتنا تلاش کیا کچھ نہ ملا۔ ناچار آپ گھر کی چھت پر جا کر مشغول ہو گئے۔ اُسی وقت آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی چھت پر آیا ہے۔ اور یہ شعر پڑھ رہا ہے۔ بیت ؎

بادل گفتم دلا خضر را بینی دل گفت اگر مرا نماید بینم

"میں نے دل سے کہا اے دل خضر کو دیکھنا چاہتے ہو۔ دل نے کہا اگر وہ مجھے اپنی شکل دکھانا چاہتے ہیں۔ تو دیکھوں گا"

اس کے بعد اُس آدمی نے بہت سی نقدی اور کھانے کا سامان شیخ کے سامنے رکھا اور غیب ہو گیا۔ وہ خضر علیہ السلام تھے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے ایک بھائی تھے۔ جو بداؤن میں رہتے تھے۔ آپ اُن سے ملنے کے لئے ہر سال وہاں جایا کرتے تھے۔ ایک دن دونوں بھائی شیخ علی کی زیارت کے لئے گئے جو بہت صاحبِ نعمت بزرگ تھے۔ شیخ نجیب الدینؒ نے ادباً جوتا اتار دیا اور دو تین قدم ننگے پاؤں چل کر شیخ کے بوریا پر قدم رکھا۔ کیونکہ وہ بوریا شیخ کا مصلےٰ تھا۔ شیخ علیؒ رنجیدہ خاطر ہوئے کہ آپ نے میرے مصلےٰ پر کیوں قدم رکھا۔ خیر دونوں بھائی بیٹھ گئے۔ شیخ علیؒ کے سامنے ایک کتاب پڑی تھی۔ شیخ نجیب الدینؒ نے پوچھا یہ کون سی کتاب ہے۔ شیخ نے غصہ سے

جواب نہ دیا۔ شیخ نجیب الدین ؒ نے دوسری بار پوچھا کہ اگر حکم ہو تو میں اسے دیکھوں۔ جب انہوں نے اجازت دے دی تو آپ نے کتاب اٹھائی اور کھولا تو یہ الفاظ نکلے "آخر زمانے میں ایسے شیخ ہوں گے جو خلوت میں گناہ کریں گے۔ اور ظاہر میں جب لوگ اُن کے بوریا پر قدم دیں گے تو قیامت برپا کر دیں گے۔ شیخ نجیب الدین ؒ نے کتاب کا وہ حصّہ شیخ علی ؒ کے سامنے رکھ کر کہا کہ یہ آپ کی کتاب ہے بلا قصد یہ حصّہ سامنے نکل آیا ہے۔ یہ دیکھ کر شیخ علی پشیمان ہوئے اور بہت معذرت کی۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں۔ کہ جس رات شیخ نجیب الدین متوکل ؒ کے گھر فاقہ ہوتا بی بی فاطمہ سام جو قصبۂ اندپت میں آرام فرما ہیں۔ اور جن کا مزار قبلۂ حاجات ہے نورِ باطن سے معلوم کر لیتی تھیں۔ اور ایک من یا نصف من (معلوم نہیں اس زمانے میں من کی کیا مقدار تھی۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ من سے اُس کا وزن بہت کم تھا) آٹے کی روٹیاں پکوا کر آپ کے گھر بھجوا دیتی تھیں۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ خرچ کرنے کے بارے میں شیخ نجیب الدین ؒ کا مقولہ یہ تھا "چوں مے آید بدہ کہ کم نباید وچوں میرود نگاہ مدار کہ نباید"۔ (یعنی جب کچھ آئے تو دیدو کیونکہ کم نہیں ہوتا اور جب جائے تو فکر نہ کرو۔ کیونکہ اس کی ضرورت نہیں) آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ نجیب الدین ؒ نے حضرت گنج شکر ؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جب آپ مناجات میں "یا رب" کہتے ہیں تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ جواب سنتے ہیں کہ "لبیک عبدی" آپ نے فرمایا خیر۔ انہوں نے پھر عرض کیا کہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام آپ کے پاس آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا خیر۔ انہوں نے پھر عرض کیا کہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کے پاس ابدال آتے ہیں۔ اس بارے میں آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن فرمایا کہ تم بھی تو ابدال ہو۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں۔ کہ شیخ نجیب الدین ؒ جب بھی حضرت گنج شکر ؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ یہی عرض کرتے تھے کہ دعا کیجئے کہ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اس طرح آپ انیس بار دہلی سے اجودھن گئے اور انیسویں بار جب وہ آئے اور یہی درخواست کی تو آپ نے دعا نہ کی۔ جب وہ دہلی پہنچے۔ تو نانویں ماہ رمضان ۶۶۹ھ کو سلطان غیاث الدین بلبن کے عہدِ حکومت میں فوت ہو گئے۔

آپ کا مزار دہلی میں مستقدہ دروازہ سے باہر ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ بدر الدین اسحٰق قدس سرہ

عالمِ علومِ ربانی، کاشفِ اسرارِ نہانی، ہمگی درد و اشتیاق خادم الاولیا شیخ بدر الدین اسحاق قدس سرہ بن علی بن اسحاق دہلوی تمام ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ تھے۔ آپ مشائخِ کبار میں زہد و تقویٰ اور عشق و صفا میں مشہور تھے۔ وجد و سماع اور درد و بکا میں آپ کا کوئی نظیر نہ تھا۔ آپ حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے داماد، خادم و خلیفہ تھے۔ صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ آپ دہلی کے بزرگ زادگان میں سے تھے آپ دہلی ہی میں تعلیم حاصل کر کے دانشمندانِ وقت میں ممتاز ہو چکے تھے۔ لیکن آپ کے دل میں چند علمی اشکال باقی رہ گئے تھے، جو علمائے دہلی حل نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے آپ بہت سی کتابیں لے کر دار الاسلام بخارا کی طرف جا رہے تھے۔ جب آپ قصبہ اجودھن پہنچے تو حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک عظیم الشان اور روشن ضمیر بادشاہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور جو بات کرتے ہیں گویا مخاطب کے دل پر نظر رکھ کر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان پر گہرا اثر ہوا۔ اور دل ہاتھ سے جلنے لگا۔ سلطان المشائخ نے بھی بارہا یہی فرمایا ہے کہ حضرت گنج شکرؒ کا حسنِ کلام اور لطافتِ تقریر اس قدر جاذب تھا کہ جو شخص سنتا تھا یہی چاہتا تھا کہ غایتِ ذوق سے اسی وقت جان دیدے تو اچھا ہو۔ الغرض شیخ بدر الدین اسحاقؒ کے دل میں جو اشکال تھے حضرت گنج شکرؒ نے سب کے تسلی بخش جواب دے دیئے اور ان کو کامل اطمینان حاصل ہو گیا۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ آپ علمِ لدنی سے خبر دے رہے ہیں۔ لہٰذا آپ نے بخارا جانے کا خیال ترک کر کے صدقِ دل سے مرید ہو گئے اور اپنے خویش و اقارب کو چھوڑ کر سلوک کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

من کہ در ہیچ مقامے نزدم خیمۂ عشق　　پیش تو رَخت بیفگندم و سر بنہادم

(یعنی میں نے جو کسی جگہ پر عشق کا خیمہ نصب نہیں کرتا تھا، تیرے سامنے سامان پھینک کر سر قدموں پر رکھ دیا)

چونکہ اُن کے اندر صلاحیت موجود تھی۔ خواجہ گنج شکرؒ نے انہیں اپنی خادمی اور دامادی سے مشرف فرمایا اور اپنا محرم راز بنا کر اپنی مسجد کی امامت بھی اُن کے سپرد فرمائی۔ آپ تھوڑے عرصے میں واصل باللہ ہوگئے۔ اور آں حضرت کی نعمت اور خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ خواجہ گنج شکرؒ نے آپ کو اپنی زندگی میں بیعت کی اجازت دے دی تھی۔ جب ملک شرف الدین حاکم دیپال پور مرید ہونے کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ تو آپ نے شیخ بدرالدین اسحاقؒ سے فرمایا کہ اس کو بیعت کر لو۔ اُس وقت آپ کا کوئی اور خلیفہ نہ تھا۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ بدرالدینؒ سے بہت محبت تھی اور مجھے جو مشکل پیش آتی تھی اُن کے ذریعہ حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں عرض کرتا تھا اور خود کچھ عرض نہ کرتا تھا۔ اس حد تک کہ گنج شکرؒ کے وصال کے بعد چونکہ شیخ بدرالدین اسحاقؒ زندہ تھے۔ ان کی عظمت و احترام کی وجہ سے سلطان المشائخ کسی شخص کو بیعت نہ فرماتے تھے۔ جب ان کا وصال ہوا تب سلطان المشائخ نے لوگوں کو مرید کرنا شروع کیا۔ سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ تنگی محال میں مَیں پہلے حضرت گنج شکرؒ کو یاد کرتا ہوں اس کے بعد شیخ بدرالدین اسحاقؒ کو حضرت حق تعالےٰ میں شفیع لاتا ہوں۔ شیخ بدرالدینؒ اس قدر سریع البکا (زیادہ رونے والے) تھے کہ آپکی آنکھ کبھی آنسوؤں سے خالی نہ ہوتی تھی۔ بیعت

اے ز عشقت خانہ عقلم خراب   مردم چشم ز گریہ غرق آب

(اے محبوب ترے عشق نے میری عقل کا خانہ خراب کر دیا ہے۔ اور میری آنکھ کی پتلی گریہ کے سیلاب میں غرق ہوگئی ہے مردم چشم آنکھ کی پتلی کو کہتے ہیں)

ایک دن آپ مندرجہ ذیل شعر پڑھتے پڑھتے اس قدر متاثر ہوئے کہ بار بار بے خود ہو جاتے تھے۔ بیت

پیش سیاست غمش روح چو نطق میزند   اے ز ہزار صوہ کم پس تو نوا چہ میزنی

(دوست کے غم کا اس قدر غلبہ ہے کہ منہ سے بات نہیں نکلتی۔ مجھ جیسا ہیچ مقدار کس طرح نوازی کر سکتا ہے)۔

آپ سارا دن اس شعر کے ذوق کی وجہ سے عالم تحیر میں رہے۔ شام کی نماز کے وقت

حضرت گنج شکرؒ نے آپ سے امامت کے لئے فرمایا۔ آپ نے نماز شروع کی اور تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت کی بجائے یہی شعر پڑھنا شروع کیا اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا پھر نماز شروع کرو اور ذرا سنبھل کر رہو۔ چنانچہ انہوں نے دوبارہ امامت کی۔ اور نماز ختم کی۔ لیکن اس استغراق کے باوجود آپ حضرت شیخ کی دس آدمیوں کے برابر خدمت کرتے تھے۔ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ حضرت گنج شکرؒ کے مرید باری باری جنگل سے ایندھن لاتے تھے۔ ایک دن شیخ بدرالدین اسحاقؒ کی باری تھی آپ جنگل کی طرف گئے حضرت گنج شکرؒ کے دو لڑکے بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ راستے میں انہوں نے شیخ بدرالدینؒ سے کہا کہ ہمارے والد کے مریدوں میں اتنی کرامت نہیں ہے جتنی کہ سید احمد کبیرؒ کے مریدین میں ہے۔ کیونکہ وہ شیر پر سوار ہو جاتے ہیں اور سانپ کو ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ شیخ بدرالدینؒ نے فرمایا کہ صاحب زادگان اس قسم کی باتیں نہ کرو تمہارے والد اس قدر بڑے بزرگ ہیں ان کے مریدین کی عظمت اور کرامت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ غرضیکہ جب چند قدم آگے گئے تو ایک بہت بڑا شیر سامنے آیا۔ شیر کو دیکھ کر دونوں بچے درخت پر چڑھ گئے۔ شیخ بدرالدینؒ نے آگے بڑھ کر آستین شیر کے سر پر ماری اور فرمایا کہ اے کتے تیری کیا مجال کہ مخدوم زادگان کے سامنے آیا ہے۔ اس کے بعد بچوں سے کہا کہ نیچے آؤ۔ انہوں نے کہا جب تک شیر نہیں جاتا ہم نہیں اتریں گے۔

پس آپ نے شیر سے کہا اے کتے چلے جاؤ۔ شیر نے سر زمین پر رکھا اور چلا گیا۔ اور بچے نیچے اتر آئے۔ جب تک حضرت گنج شکرؒ قید حیات میں رہے آپ نے کسی اور سے خدمت نہ لی۔ حضرت شیخ کے وصال کے بعد شیخ بدرالدین سلیمان اپنے والد بزرگوار کی مسند پر متمکن ہوئے تو شیخ بدرالدین اسحاقؒ نے دستور کے مطابق ان کی بھی کئی سال خدمت کی۔ لیکن آخر وقت میں استغراق کا آپ پر غلبہ ہو گیا اس لئے آپ نے عزلت اختیار کر لی۔ اور کسب کمال میں مشغول ہو گئے۔ حتیٰ کہ اس جہان سے رخصت ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد سلطان المشائخ نے سید محمد کرمانیؒ کو اجودھن بھیج کر ان کے بال بچوں کو دہلی منگوایا۔ آپ کے دونوں لڑکوں یعنی خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کو قسم قسم کی نوازشات سے سرفراز کیا اور ان کی تربیت فرمائی چنانچہ آج تک خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کی اولاد سلطان المشائخ کے مزار مبارک کی خدمت پر متعین ہے۔ اور ان کی ہر فرقہ

میں بہت عزت و تکریم ہوتی ہے۔ خواجہ محمدؒ اور خواجہ موسیٰ کی اولاد کے حالات سیرالاولیاء میں مفصل مذکور ہیں۔ الغرض جب شیخ بدرالدین اسحاقؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے صبح کی نماز ادا کر کے پوچھا کہ اشراق کا وقت ہو گیا ہے۔ اشراق ادا کر کے آپ نے چاشت کے وقت نماز چاشت ادا کی اور سر سجدے میں رکھ کر جان مشاہدۂ حق میں تسلیم کر دی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی قدس سرہٗ

عارف باصورت و سیرت، ہمگی ذوق و بصیرت، جامع فضائل صوری و معنوی مقتدائے مقام حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی قدس سرہٗ کمال علم و تقویٰ سے آراستہ تھے۔ اور مشائخ کبار کے درمیان جمیع کمالات ظاہری و باطنی سے ممتاز تھے۔ صاحب لطائف اشرفی فرماتے ہیں۔ کہ آپ کا سلسلۂ نسب امام ابو حنیفہ کوفیؒ سے جا ملتا ہے۔ آپ حضرت گنج شکرؒ کے مرید اور خلیفہ تھے سیرالاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت گنج شکرؒ نے ان کی محبت میں بارہ سال ہانسی میں قیام فرمایا۔ آپ نے اُن کے حق میں بار بار فرمایا کہ جمال جمال ماست) جمال ہمارا جمال ہے۔ حضرت گنج شکرؒ کبھی یہ فرماتے تھے کہ "جمال میخواہم کہ گردِ سرِ تو بگردم" (یعنی اے جمال میں چاہتا ہوں کہ تجھ پر قربان ہو جاؤں) اس سے ظاہر ہے کہ آپ کا مرتبہ کتنا بلند تھا۔ جس کسی کو حضرت گنج شکرؒ خلافت نامہ عطا فرماتے تھے اُسے حکم دیدیتے تھے کہ ہمارے جمال کو دکھا دے۔ جیسا کہ سلطان المشائخ کے حالات میں بیان ہو چکا ہے۔

سیرالاولیاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک بزرگ کے خلافت نامہ کو شیخ جمال الدین ہانسویؒ نے پھاڑ دیا تھا۔ وہ وہی چاک شدہ کاغذ حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے فرمایا "پارہ کردۂ جمال را من نتوانم دوخت" (جمال کے چاک کئے کو میں نہیں سی سکتا) غرضیکہ یہ حکایت بہت طویل ہے کہ اُس بزرگ نے شیخ جمال الدینؒ کے حق میں بھی کچھ کہا۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس کا مفصل ذکر طبقہ دہشتم میں آئے گا۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں شیخ جمال الدین ہانسویؒ خواجہ شمس دبیرؒ اور احباب کی ایک جماعت اکٹھے حضرت گنج شکرؒ کی خدمت سے رخصت ہوئے۔ رخصت

کے وقت شیخ جمال نے شیخ سے وصیت کی درخواست کی۔ مشائخ کا یہ دستور ہے کہ رخصت
کے وقت وصیت کرتے ہیں ورنہ مرید کو چاہیئے کہ وصیت کی درخواست کرے۔ حضرت
شیخ نے ان کی طرف دیکھکر فرمایا کہ میری وصیت یہی ہے کہ مولانا نظام الدین کو اس مصاحبت
میں خوش رکھنا۔ چنانچہ فرمان کے مطابق شیخ جمال الدین اُن کا خاص خیال رکھتے تھے
اور خواجہ شمس دبیر جو معدنِ لطافت اور کانِ ظرافت تھے وہ بھی بہت تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے۔
جب ہم اکرور کے قصبہ کے قریب پہنچے تو اس جگہ کا سردار میراں نام شیخ جمال الدین کا دوست
تھا اس نے سب احباب کا استقبال کیا اور گھر لے جاکر خوب دعوت کی اور قسم قسم کے کھانے
پیش کئے۔ اس کے بعد شیخ نے کہا اب اجازت دیں تاکہ ہم اپنا راستہ لیں۔ اس نے کہا
اجازت اس وقت دوں گا جب بارش ہوگی۔ کیونکہ وہ خشک سالی کا زمانہ تھا اور خلقت قحط میں
مبتلا تھی۔ شیخ جمال الدین دیکھتے رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ لیکن باطن میں متوجہ ہوگئے۔ ابھی رات ختم
نہیں ہوئی تھی کہ سخت بارش ہونے لگی اور سارا علاقہ سیراب ہوگیا۔ صبح کے وقت سب لوگ
خوش و خرم نظر آتے تھے۔ انہوں نے جماعت کے ہر ایک فرد کے لئے ایک ایک گھوڑے
کا انتظام کیا اور سب سوار ہو کر ہانسی پہنچ گئے۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ جمال الدین
کی ایک کنیز تھی جو نہایت صالحہ تھی۔ وہ اُسے ہانسی سے اجودھن حضرت گنج شکر کی خدمت
میں لائے۔ حضرت شیخ اُسے مادرِ مومنان یعنی مومنین کی ماں کہا کرتے تھے۔ شیخ نے ایک دن
اس سے پوچھا کہ اے مادرِ مومنان ہمارا جمال کیا کرتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ جس دن سے
آپ کی بارگاہ میں پیوست ہوئے ہیں سب گاؤں اور مال و اسباب، اور کاروبار، اور خطابات
ترک کر کے بھوک اور بلاہائے سخت اختیار کرلی ہیں۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا الحمد للہ خوش رہے گا۔
سلطان المشائخ فرماتے ہیں ایک دفعہ سردی کے موسم میں میں شیخ جمال الدین کے پاس ہانسی میں
بیٹھا تھا۔ شیخ نے یہ شعر پڑھا ؎

با روغنِ گاو اندریں روزِ خنک　　　نیکو باشد ہریسہ و نانِ تنک

(سردی کے موسم میں گائے کے گھی کے ساتھ ہریسہ اور گندم کی روٹی کیا خوب رہیگی)
میں نے کہا ذکرالغائب غیبۃ "غائب کا ذکر غیبت ہے یعنی آپ نے مذاق کے

ملے پر فرمایا کہ جو چیز نہیں ہے اس کا ذکر کیوں کرتے ہیں) شیخ جمال الدین نے تبسم کرکے فرمایا کہ ہم نے پہلے اس کا انتظام کرلیا ہے اور بعد میں ذکر کیا ہے (یعنی اب غنیمت نہیں رہی) اس کے بعد وہ چیز مجلس میں لائی گئی۔ شیخ جمال الدینؒ اور شیخ ابوبکر طوسی حیدری قلندر کے درمیان بہت محبت تھی۔ ان کا مزار دریائے جون (شاید جمنا) کے کنارے اندپت کے قریب ہے۔ شیخ حسام الدین اندپتی بھی شیخ جمال الدینؒ کے مریدین اور مخلصین میں سے تھے۔ جب کبھی آپ خواجہ قطب الاسلام کے مزار پر حاضری دینے دہلی آتے شیخ ابوبکر طوسی قلندر کی خانقاہ میں قیام فرماتے تھے اور مجلس گرم رہتی تھی۔ سلطان المشائخ بھی اُن مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ شیخ جمال الدینؒ کمال شفقت سے ابوبکر طوسیؒ کو باز سفید کہا کرتے تھے۔ ایک دن شیخ حسام الدین اندپتی نے آکر کہا کہ آپ کا باز سفید کہتا ہے کہ میں مکہ معظمہ جاتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا، جلدی اُن کے پاس جاؤ اور اشعار پڑھو ہم بھی آتے ہیں۔ وہ اشعار یہ ہیں۔

بر پائے ترا سرم نثار اولیٰ تر — یک سر چہ بود بلکہ ہزار اولیٰ تر

در غار وطن ساز چوں بوبکر زانکہ — بوبکر محمدیؐ یا بہ غار اولیٰ تر

(ترے پاؤں پر سر نثار کرنا بہت بہتر ہے۔ ایک سر کیا چیز ہے ہزار سر قربان کرنا چاہیئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح غار میں وطن اختیار کرو یعنی مکہ جاؤ۔ کیونکہ ابوبکر غار ہی میں ابوبکر محمدی بنے) سبحان اللہ عجیب صحبتیں اور عجیب بزرگ تھے۔

شیخ جمال کا وصال حضرت گنج شکرؒ کی زندگی میں ہوگیا تھا۔ اور آپ کے لڑکے باپ کی نعمت سے محروم ہوگئے تھے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ان کا بڑا لڑکا دانشمند تھا۔ لیکن والد کی زندگی میں دیوانہ ہوگیا تھا۔ کبھی کبھی جب ہوشیار ہوتا تھا تو کہتا تھا العلمُ حجابُ الاکبر (علم سب سے بڑا حجاب یعنی پردہ ہے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ دیوانہ معنوی تھے۔ ایک دن میں نے اُن سے اس جملے کے معنی دریافت کئے۔ جواب دیا کہ علم غیر حق ہے اور جو کچھ حق کا غیر ہے حجاب ہے۔ شیخ جمال الدینؒ کی وفات کے بعد مادرِ مومنان برہان الدین صوفی بن جمال الدین ہانسویؒ کو جو شیخ قطب الدین منور کے والد تھے حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں اجودھن لے گئی۔ اور مصلیٰ اور عصا جو حضرت نے

شیخ جمال الدینؒ کو عطا فرمائے تھے وہ بھی انہوں نے حضرت گنج شکرؒ کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے کمال مہربانی سے شیخ برہان الدین کو بیعت فرمایا اور مصلیٰ اور عصا بھی ان کو مرحمت فرمائے۔

نیز فرمایا کہ جس طرح شیخ جمال الدینؒ میری طرف سے مجاز تھے تم بھی مجاز ہو لیکن چندون مولانا نظام الدین کی صحبت میں رہو۔ اس کے بعد مادرِ مومنان ان کو ہانسی لے آئی آپ ہر سال شیخ کے فرمان کے مطابق سلطان المشائخ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوتے اور تربیت حاصل کرتے تھے لیکن ساری عمر کسی کو بیعت نہ کیا۔ اگر کوئی زیادہ اصرار کرتا تو آپ فرماتے تھے کہ سلطان المشائخ کی موجودگی میں میں کسی کو بیعت نہیں کر سکتا۔ دہلی کے قیام کے دوران آپ ہمیشہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور روزانہ بلکہ دن میں جتنی مرتبہ آپ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے نیا لباس پہن کر جاتے اور کافی عطریات لگاتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بزرگوں کی خدمت میں اچھے کپڑے پہن کر جانا چاہیئے۔ یہ آدابِ صحبت ہیں۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ وصال کے بعد شیخ جمال الدینؒ کو کسی نے خواب میں یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ جب مجھے قبر میں رکھا گیا تو وہ عذاب کے فرشتے نازل ہو گئے۔ اس کے بعد ایک اور فرشتہ بھی آ گیا جس نے آکر فرمانِ الٰہی سنایا کہ ہم نے اسے ان دو رکعت صلوٰۃ الروح جو نماز مغرب کے ساتھ پڑھتے تھے اور آیت الکرسی جو وہ ہر فرض نماز کے بعد پڑھتے تھے کی وجہ سے بخش دیا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ عارفِ سیستانی قدس سرہٗ

صوفی خوگرفتہ بہ آزادی، ہمگی درد و سوزِ نامرادی، محرمِ رازہائے نہانی فرزندِ وقت شیخ عارف سیستانی قدس سرہٗ، ایسے صاحب حال اور گم نام بزرگ تھے جو موت کے سوا کسی مراد کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ آپ بھی حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے خلیفہ تھے۔ سلطان المشائخ سے سیرالاولیا میں منقول ہے کہ شیخ عارف سیستانیؒ حاکم ملتان کے متعلقین میں سے تھے حاکم ملتان نے ایک دفعہ ایک سو روپے شیخ عارف کے ذریعہ حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں ارسال کئے۔ انہوں نے پچاس روپے خود رکھ لئے اور پچاس شیخ کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے فرمایا عارف تو نے برادرانہ تقسیم کی ہے۔ یہ سن کر وہ شرمندہ ہوئے اور فوراً وہ پچاس روپے اور کچھ اپنی طرف

سے ملاکر پیش کئے اور بہت معذرت کرنے کے بعد بیعت کی درخواست بھی کی۔ حضرت شیخ نے انہیں بیعت کرلیا۔ اس کے بعد وہ سب کچھ ترک کر کے خدمتِ شیخ میں کمربستہ ہوگئے۔ حتیٰ کہ شیخ نے انہیں خلافت عطا فرمائی۔ اور بیعت کی اجازت دیکر سیستان کی طرف روانہ کردیا، کچھ عرصے کے بعد اُنہوں نے خلافت نامہ لاکر حضرت شیخ کے سامنے رکھا اور عرض کیا کہ یہ نازک کام ہے مجھ بچارے کے بس کی بات نہیں کہ مشائخ کبار کے فرائض بجالاسکوں۔ مخدوم عالمیان کی نظرِ کرم جو مجھ پر ہے وہی میرے لئے کافی ہے۔ خلافت نامہ واپس کرنے کے بعد حضرت گنج شکرؒ کے حکم کے مطابق آپ مکہ چلے گئے اور وہاں سے واپس نہ آئے۔ آپ بڑے بابرکت اور صاحبِ نعمت بزرگ تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ فرید بن عبدالعزیز قدس سرہٗ

آپ اپنے دادا سلطان التارکین حضرت شیخ حمیدالدین سوالیؒ کے مرید اور سجادہ نشین تھے۔ اور اُن کے سایۂ عاطفت میں تربیت پائی تھی۔ کتاب سرور الصدور جو حضرت شیخ حمیدالدین ناگوریؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے آپ کی تالیف کردہ ہے۔ سلطان محمد تغلق شاہ کے عہد میں آپ نے ناگور سے دہلی جاکر سکونت اختیار کی۔ آپ کا مزار قدیم دہلی میں حضرت خواجہ قطب الاسلام اور شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی کے مزار کے درمیان واقع ہے آپ کا گھر بھی وہیں تھا۔ یہ فقیر کاتب حروف آپ کی زیارت سے مشرف ہوکر نعمت حاصل کرچکا ہے۔ شیخ ضیاء نخشبی آپ کے مرید تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ داؤد بن محمود قدس سرہٗ

سالکِ کارہائے دیدہ، عارفِ جامِ وصال چشیدہ، برگزیدہ حضرتِ ودود مقتدائے وقت حضرت شیخ داؤد بن محمود قدس سرہٗ بڑے قوی الحال اور بلند ہمت بزرگ تھے۔ میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ مولانا داؤد زیورِ علم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔ آپ نے شروع سے لے کر آخر تک ساری عمر عزلت و خلوت میں گزاردی۔

چونکہ آپ کا مسکن قریۂ بالہی موی تھا جو قصبہ ردولی کے پاس ہے۔ حضرت گنج شکرؒ دو تین مرتبہ وہاں تشریف لے گئے اور ان کی خاطر وہاں کی مسجد میں ایک چلہ کیا۔ حضرت گنج شکرؒ قصبہ ردولی بھی تشریف لے گئے۔ اس مسجد کی ایک دیوار اور محراب اب تک موجود تھے۔ میر سید اشرف جہانگیرؒ نے بھی حضرت گنج شکرؒ کی موافقت میں ایک چلہ اسی مسجد میں کیا۔ کاتب حروف نے کئی دفعہ اس مسجد میں دوگانہ ادا کیا ہے۔ اور اپنی پیشانی اس متبرک جگہ پر رگڑی اور فیوض حاصل کئے ہیں۔ بہت پر فیض مقام ہے۔

شیخ داؤد کا مزار بھی اس مسجد کے قریب قصبہ بالہی موی میں حوض کے کنارے پر واقع ہے اور زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ شیخ نصیر الدین اودھیؒ "خیر المجالس" میں فرماتے ہیں کہ حضرت گنج شکرؒ کے ایک بہت ہی مخلص مرید تھے۔ جنہیں شیخ داؤد محمود کہتے ہیں۔ سلطان المشائخ نے بارہا انکے اوصاف بیان کئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور شیخ داؤد حضرت گنج شکرؒ سے رخصت ہوئے اور اکٹھے اجودھن سے باہر آئے۔ راستے میں وہ تیز تیز چل کر آگے نکل جاتے تھے۔ اور نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ جب میں پہنچ جاتا تھا تو چونکہ مجھے ان کا مزاج معلوم تھا۔ ان کو پیچھے چھوڑ کر آگے چلا جاتا تھا اور وہ ایک دو کوس پیچھے رہ جاتے تھے اس کے باوجود بھی وہ تیز چل کر آگے نکل جاتے تھے اور نماز کا وقت نکال لیتے تھے۔ (یعنی نماز نفل۔ ورنہ فرض تو دونوں حضرات مل کر ادا کرتے ہوں گے)۔ اگرچہ راستے میں بہت جنگل تھا صفائے باطن کی وجہ سے وہ ہرگز۔ راستہ نہ بھولتے تھے۔

شیخ نصیر الدین محمودؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ بالہی موی سے اودھ آرہے تھے۔ میں نے ان کو دیکھا ہوا تھا۔ اودھ میں ایک شخص تھا نور الدین نام کا۔ ایک دفعہ اس کا لڑکا سخت بیمار ہو گیا۔ حتیٰ کہ سب لوگ اس کی زندگی سے ناامید ہو گئے تھے۔ نور الدین کو شیخ داؤدؒ سے اعتقاد تھا۔ ان کی خدمت میں جا کر بیٹے کی بیماری کا حال بیان کیا۔ شیخ داؤد نے تھوڑی دیر تامل کر کے فرمایا اگر تیرا بیٹا صحت یاب ہو جائے تو اپنے مال سے مجھے شکرانے میں کیا دو گے۔ اس نے عرض کیا جو کچھ شیخ فرمائیں گے۔ شیخ نے فرمایا تیرے مال کا تیسرا حصہ۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ شیخ داؤد نے اسی وقت بیمار کے پاس جا کر اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا، تم تندرست ہو۔ یہ سنتے ہی وہ اس طرح

اُٹھ کھڑا ہوا۔ گویا کبھی بیمار نہیں ہوا تھا۔ نورالدین رحؒ نے اپنے مال کا تیسرا حصّہ نکال کر حضرت شیخ کے پیش کیا یہ پانچ چھ سو روپے بنتے تھے آپ نے گھر جاتے ہوئے فقرا میں تقسیم کر دیئے۔

شیخ نصیرالدین محمودؒ فرماتے ہیں کہ شیخ داؤد صبح کی نماز کے بعد گھر سے باہر نکل کر بیابان میں چلے جاتے تھے۔ اور مشغول ہو جاتے تھے۔ جنگل کے ہرن آکر آپ کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور آپ کی طرف دیکھتے رہتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا تقی الدین قدس سرہٗ

صاحب لطائفِ اشرفی فرماتے ہیں کہ شیخ داؤد محمودؒ کے بھائی تھے جن کا نام مولانا تقی الدینؒ تھا۔ وہ بھی حضرت گنج شکرؒ کے مرید تھے آپ کے کمال کا اندازہ اِس بات سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ رجال الغیب میں سے ایک شخص فوت ہو گیا۔ باطنی حکم کے مطابق کسی نے مولانا تقی الدینؒ کے پاس آکر کہا اس کی جگہ رجال الغیب کے دائرہ میں شامل ہو جاؤ۔ آپ نے کہا مجھے اپنی بیوی سے پوچھنے دو کہ کیا کہتی ہے۔ مولانا کی بیوی نے کہا رجال الغیب سے دریافت کرو کہ کیا آپ لوگ اہل وعیال رکھتے ہیں یا نہیں۔ جب رجال الغیب نے بات سنی تو مسکرا کر کہنے لگے کہ ہمارے اہل وعیال نہیں ہیں اس پر آپ کی بیوی نے کہا کہ جب رجال الغیب بے خانماں ہیں تو آپ کو اُن سے کیا نسبت! رجال الغیب نے کہا سبحان اللہ کیسے لوگ ہیں کہ ہمارے اِس بلند مرتبے کی طرف ذرا توجہ نہیں کرتے۔

قطعہ

چہ مرداننداندر راہِ دلدار	نہاں از مردم و گم کردہ آثار
زعالی مرتبہ درچشمِ نا آرند	مقام و حالِ سی صد و شصت اخیار

(دوست کی راہ میں چلنے والے کس قدر بلند ہمت ہوتے ہیں کہ لوگوں سے چھپ کر رہنا پسند کرتے ہیں اور اس قدر بلند مراتب پر فائض ہوتے ہیں کہ تین سو ساٹھ بزرگوں (رجال الغیب) کے مقامِ وصال پر نظر تک نہیں کرتے)۔

مولانا تقی الدینؒ کا مزارِ مبارک قصبہ انہونہ میں حوض کے کنارے پر واقع ہے۔ انہونہ اودھ کا ایک پرگنہ ہے۔ راقم الحروف بھی آپ کے مزار پر حاضر ہوا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت سید محمد بن محمود کرمانی قدس سرہ

سید پاک، اولادِ مصطفیٰ، جگر گوشۂ بتول و مرتضیٰ، عالمِ علومِ ربانی، محقق زمان سید محمد بن محمود کرمانی قدس سرہ کا شمار سالکانِ روزگار میں ہوتا ہے آپ صدق و محبت میں مشہور تھے۔ آپ سادات کرمان کے سرداروں کی اولاد تھے۔ جو تجارت کی خاطر کرمان سے لاہور ہوتے ہوئے دہلی آئے۔ واپسی پر اپنے چچا سید احمد کرمانیؒ سے ملاقات کے لئے ملتان جاتے ہوئے راستے میں اجودھن سے گذرے۔ سید احمد کرمانیؒ ملتان میں سکونت پذیر تھے اُنہوں نے اپنی لڑکی کا عقدِ نکاح سید محمد کرمانیؒ سے کر دیا تھا۔ غرضیکہ اس آمد و رفت سے حضرت گنج شکرؒ سے ان کا اعتقادِ صادق پیدا ہو گیا اور مرید ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد حضرت شیخ کی محبت نے اس قدر غلبہ کیا کہ سب کچھ ترک کر کے آپ بیوی کو لے کر اجودھن میں سکونت پذیر ہو گئے اور حضرت شیخ کے مقرب ترین مرید ہو گئے۔ آپ اٹھارہ سال شیخ کی خدمت میں رہے گویا سلطان المشائخؒ سے آپ بارہ سال پہلے مرید ہوئے سلطان المشائخ اور آپ کے درمیان بہت محبت تھی اس لئے حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ تم دونوں اکٹھے رہو۔ اور بھائی بن کر رہو یہی وجہ ہے کہ سید محمدؒ اپنے بال بچوں سمیت سلطان المشائخ کی خدمت میں دہلی چلے گئے اور باقی عمر اُن کی صحبت میں گذاری۔ ایک دفعہ سلطان المشائخ کسی وجہ سے سید محمدؒ سے ناراض ہو گئے اور انہوں نے سلطان المشائخ کے دربار میں آنا بند کر دیا رات کو سلطان المشائخ نے خواب میں سید محمد کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھڑے ہوئے دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مولانا نظام الدینؒ، سید محمد میرے فرزندوں میں سے ہے۔ صبح ہوتے ہی سلطان المشائخ سید محمدؒ کے گھر پر تشریف لے گئے اور پیار اور محبت کر کے انہیں اپنے ساتھ لائے اور خاطر تواضع کی۔ چند دنوں کے بعد سید محمد کرمانیؒ بیمار ہو گئے اور سلطان المشائخ سے چودہ برس پہلے رحلت کر گئے۔ آپ کی وفات جمعہ کی رات ۷۱۱ھ میں واقع ہوئی اور قبر سلطان المشائخ کے احاطہ میں دیگر احباب کے چبوترہ میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کے چار بیٹے تھے سید نور الدین مبارکؒ، سید کمال الدین احمدؒ، سید حسینؒ، سید خاموشؒ

ان سب کے احوال سیر الاولیا میں درج ہیں۔ جو مجملاً یہاں لکھے جاتے ہیں۔ میر سید حسین بن سید محمدؒ کرمانی تمام فضائلِ انسانی سے آراستہ تھے۔ علم، طہارت، لطافت، ظرافت، عقل و فراست، کمالِ حسن و نزاکت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ سلطان المشائخ کے محبوب ترین مرید تھے۔ اور بچپن سے لے کر آخر عمر تک سلطان المشائخ کے زیرِ شفقت پرورش پائی اور آپ ان کو اپنا بیٹا کہتے تھے۔ کس قدر بڑی دولت ہے چنانچہ ملک کریم الدینؒ نے اُن کے وصف میں کہا ہے بیت ؎

صفاتِ ذاتِ وی اندر جہاں ہمیں بس است | کہ شیخ خواندش فرزند و خواجہ را بنداست

(آپ کے لئے یہی کمال کافی ہے کہ حضرت شیخ (سلطان المشائخ) آپ کو اپنا بیٹا کہا) اور

آپ اس قدر حسین تھے کہ جس کی نظر آپ پر پڑتی تھی خواہ کتنا غم زدہ ہو فوراً خوش و خرم ہو جاتا تھا ایک دفعہ سلطان المشائخ پر حالتِ انقباض طاری ہوگئی۔ آپ نے غسل کیا اور کپڑے بدل کر باغ کی طرف جانے لگے۔ اس اثنا میں سید حسین کو طلب فرمایا۔ سید پاک کو دیکھتے ہی تبسم کیا اور فرمایا کہ مجھ پر قبض کی حالت طاری ہوگئی تھی۔ میں نے خیال کیا کہ باغ میں جاؤں لیکن میرے دل میں یہ خیال ڈالا گیا کہ سید حسینؒ کو طلب کرو۔ آپ کا دستور تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد ہر روز سید حسین کو طلب فرماتے تھے۔ اور عصر کی نماز تک وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں رہتے اور فیضِ صحبت اور حقائق و معارف سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ آپ صاحبِ رموز و لطائف تھے اور علماء مشائخ، امراء و ملوک سلطان المشائخ کی پابوسی کے بعد اُن کے گھر جاتے تھے۔ آپ کے چہرہ مبارک سے اقبال برستا تھا اور سلطان المشائخ کی نظرِ کرم سے آپ کے روئے جہاں آراء پر حسنِ یوسفی چمکتا تھا۔ رباعی۔

راحتِ دلہا است دیدن سوئے تو | فرحتِ جانہا است جاناں روئے تو
گردِ کویت اہلِ دل گرداں مدام | خانۂ اہلِ دلاں شد کوئے تو

(تیری طرف دیکھنا باعثِ راحتِ دل ہے اور تیرا چہرہ عشاق کے لئے فرحت بخش ہے عاشق ہمیشہ تیرے کوچے کے ارد گرد چکر لگاتے رہتے ہیں اور تیرا کوچہ عاشقوں کا مسکن بن چکا ہے)

صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ جب سلطان المشائخ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ کے اپنے یاران صاحب اسرار خدمت گاران مثل سید حسین کرمانیؒ، شیخ نصیر الدین اودھیؒ، مولانا فخر الدین زرادی، امیر خسرو، خواجہ اقبال، خواجہ مبشر نے اتفاق رائے سے تیس اہل طریقت کو سلطان المشائخ کی خلافت کے لئے تجویز کیا اور امیر خسروؒ سے درخواست لکھوا کر حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ بہت نام لکھ دیئے ہیں۔ انہوں نے صرف دس آدمیوں کی فہرست لکھ کر پیش کی۔ آپ نے قبول فرمائی۔ اس کے بعد شیخ فخر الدین زرادیؒ نے جو بڑے صاحب علم و معرفت تھے خلافت ناموں کے مسودہ جات تیار کئے اور سید حسین نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر سلطان المشائخ کے پیش کئے اور آپ نے دستخط فرمائے۔ اس کے بعد آپ نے سید حسینؒ کو اجازت فرمائی کہ اپنے دستخط بھی ان خلافت ناموں پر ثبت کر دیں۔

سید حسین کرمانیؒ کے کمالات اور قرب منزلت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ یہ خلافت نامے بیسویں ماہ ذی الحجہ ۷۲۴ھ کو لکھے گئے اور سلطان المشائخ کا اٹھارہ ماہ ربیع الاول ۷۲۵ھ کو وصال ہوا۔ سید حسین بن سید محمد کرمانیؒ ستائیس سال مزید زندہ رہے اور آپ نے اکیس ماہ شعبان ۷۵۲ھ کو وصال پایا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

میر سید خاموش بن سید محمد کرمانیؒ قدس سرہٗ علم و فضل، بذل و لطافت طبع علمائے عظام خاص و عام میں بے نظیر تھے۔ اور جمال باکمال آپ کے چہرہ مبارک پر روشن تھا۔ وہ بھی سلطان المشائخ کے منظور نظر مریدین میں سے تھے۔ چنانچہ کسی نے آن کے وصف میں کہا ہے۔ بیت

وصف تو حد بیان من نیست ... حسن تو بس است دلیل بر ما

(تیرا وصف بیان کرنا میری طاقت میں نہیں تیرا حسن تیرے کمال کی ہم سب پر واضح دلیل ہے)

آپ سلطان المشائخ کے مشہور مقرب تھے۔ آپ خلوت خاص میں سلطان المشائخ کے سامنے خواجہ نظام الدین گنجویؒ کا خمسہ پڑھ کر سناتے تھے۔ اور سلطان المشائخ کے خاص احباب

مثل شیخ نصیرالدین اودھی، مولانا علاؤالدین، قاضی محی الدین کاشانی، مولانا حجۃ الدین ملتانی، مولانا بدرالدین، مولانا شرف الدین، مولانا شمس الدین یحییٰ، اور مولانا حسام الدین وغیرہم آپ کے مکان پر شب بسر کرتے تھے اور سید خاموش ان کے لئے طعام اور قوال کا انتظام کرتے تھے۔ آپ سلطان المشائخ کے وصال کے بعد سات سال قید حیات میں رہے اور ۷۳۲ھ میں عین شباب کے عالم میں فوت ہو گئے۔ آپ کا مزار دیوگڑھ میں مقام خواجہ خضر علیہ السلام کے نیچے کی طرف ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

میر سید کمال الدین احمد بن سید محمد کرمانی قدس سرہٗ بھی سلطان المشائخ کے مرید تھے اگرچہ وہ سلطان محمد تغلق شاہ کے اکابر امراء میں سے تھے۔ لیکن صوفیائے باصفا کی تمام صفات سے بہرہ ور تھے۔ آپ سخاوت اور ایثار میں بے نظیر تھے۔ آپ سلطان المشائخ کے بعد تین سال زندہ رہے اور ۷۲۸ھ میں فوت ہوئے اور سلطان المشائخ کے احاطہ میں اپنے باپ کی قبر کے پاس اکابر اصحاب کے چبوترہ میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

میر سید نورالدین بن سید محمد کرمانی قدس سرہٗ تمام کمالاتِ انسانی سے آراستہ تھے۔ آپ قوی الحال تھے اور کئی مرتبہ خواجگانِ چشت کی زیارت کے لئے ولایتِ خراسان کے قصبہ چشت گئے۔ اُس زمانے میں خواجہ قطب الدین چشت میں سجادہ نشین تھے۔ وہ خواجہ مودود چشتی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے اور ساری خلقت اُن سے فیض حاصل کر رہی تھی۔ سید نورالدین، خواجہ قطب الدین چشتی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اس کے بعد دہلی آکر باقی عمر سلطان المشائخ کی خدمت میں گذار دی۔ اور کسی کو مرید نہ کیا۔ بڑے بابرکت بزرگ تھے۔ آپ کا وصال ۷۲۹ھ میں ہوا اور حظیرۂ سلطان المشائخ میں اپنے والد کے پاس دفن ہوئے۔

میر سید محمد بن سید کمال الدین یعنی سید محمد کرمانی کے پوتے بابرکت بزرگ تھے وہ بھی سلطان المشائخ کے مرید اور شیخ نصیرالدین محمود کے مصاحب اور محرم راز تھے۔ کتاب سیرالاولیاء ملفوظاتِ خواجگانِ چشت نصف ان کی تالیف ہے اگر کسی کو اسرارِ پیرانِ چشت سے بہرہ مند ہونے اور ان کے تمام ظاہری و باطنی حالات سے واقف ہونے کی خواہش ہے تو کتاب مذکور کو پڑھے کیونکہ سیرالاولیاء اس پاک سلسلہ کا دستورالعمل ہے۔ سید محمد بن سید احمد بن سید محمد کرمانی کے ظاہری و باطنی حالات آپ کی تصنیف سے ظاہر ہیں بشرطیکہ پڑھنے والا صاحب حال ہو۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ صدرالدین عارف بن شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ

صاحبِ سجادۂ پدر باستحقاق، عارفِ کامل بالاتفاق، سرحلقۂ اکثر اولیا، مرشدِ وقت شیخ صدرالدین قدس سرہٗ کا شمار کاملانِ وقت میں ہوتا ہے۔ آپ شانِ عظیم اور ہمتِ بلند کے مالک تھے۔ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ان کی مسند پر بیٹھے۔ اکثر بزرگانِ صاحبِ حال آپ کے ہاتھ سے خرقۂ خلافت حاصل کر کے مرتبۂ تکمیل کو پہنچے ہیں۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کے سات فرزند تھے۔ آپ کے وصال کے بعد سب مال اسباب سات حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ چنانچہ ستر لاکھ روپے (تنکہ) نقد اور جنس کی صورت میں شیخ صدرالدینؒ کے حصے میں آئے۔ آپ نے پہلے دن وہ سب درویشوں اور فقیروں میں بانٹ دیئے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا۔ اور فارغ البال ہو کر مشغول بحق ہو گئے۔ اور خلقت کو ہدایت بخشی۔ شیخ جمال الدین خنداں روؒ اگرچہ شیخ بہاؤالدینؒ کے مرید تھے لیکن آپ نے اپنے فرزند شیخ صدرالدینؒ سے فرمایا تھا کہ قصبۂ اوچ (بہاولپور ڈویژن) میں ایک درویش ہے جس کا نام شیخ جمال خنداں رو ہے وہ صاحبِ استعدادِ تامہ ہے لیکن اس وقت وہ مغلوب الحال ہے میرے بعد وہ تمہارے پاس آئے گا۔ اور خلافت طلب کرے گا۔ پہلے دن اُسے اپنے پاس نہ آنے دینا اور اُسے تین دن خلوت میں بٹھا کر تلاوتِ قرآن کا حکم دینا تاکہ وہ حالتِ جذب سے نکل کر شعور میں آئے اور آدابِ صحبت بجا لائے۔ ورنہ اس کے سلوک میں نقصان واقع ہوگا۔ اس کے بعد اُسے اپنے پاس بلا کر حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کے خرقہ کے علاوہ باقی جس قدر خرقہ جات میں نے تمہیں دیئے ہیں نصف اس کو دینا اور نصف اپنے لئے رکھنا۔ چنانچہ شیخ جمال خنداں رو شیخ صدرالدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تربیت کے بعد خرقۂ خلافت سے بہرہ مند ہوئے۔ ان کا مزار اوچ میں ہے۔ آپ کے کمالات وکرامات مشہور ہیں۔ آپ کے ایک اور کامل مرید شیخ احمد معشوق ہیں جنہیں احمد بن محمد قندھاری کہتے تھے۔ شروع میں آپ بڑے مالدار آدمی تھے اور گھوڑے اور دیگر سامان قندھار سے ملتان لا کر فروخت کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ بہت عیاش اور شراب خور تھے۔ ایک دن شیخ صدرالدینؒ نے ان کو اپنے پاس بلا کر اپنا پس خوردہ شربت عطا فرمایا۔ شربت

پیتے ہی ان کی حالت بدل گئی اور جو کچھ گھر میں تھا سب شیخ کی خانقاہ کے فقرا میں تقسیم کر کے راہِ حق میں مشغول ہو گئے۔ سات سال کے مجاہدات کے بعد آپ مرتبۂ کمال کو پہنچے۔ سلطان المشائخ سے فوائد الفواد میں منقول ہے کہ شیخ احمد پر جذب غالب تھا اور کمال استغراق کی وجہ سے آنکھ نہیں کھول سکتے تھے۔

ایک دفعہ سخت سردی میں آپ غسل کی خاطر سرد پانی میں گئے اور بہت دیر تک پانی میں کھڑے مناجات کرتے رہے کہ یا الٰہی تو بیشک بادشاہ ہے اور بندوں کی بندگی سے بے نیاز ہے تو اپنے لطف و کرم سے کم مایہ اور گنہگار بندوں کو نوازتا ہے۔ تیری قسم جب تک مجھے یہ نہ بتاؤ گے کہ میرا مقام کیا ہے پانی سے ہرگز باہر نہیں نکلوں گا آپ کے ضمیر نے آواز سُنی۔ کہ تیرا مرتبہ یہ ہے کہ بہت خلقت کو تیری شفاعت سے بخشوں گا۔ اُنہوں نے کہا الٰہی تیری رحمت کا کوئی حد و حساب نہیں مجھے اس بات سے خوشی نہیں ہوئی۔ آواز آئی کہ میں نے اپنے طالبوں کو تیرا عاشق بنایا اور تجھ پر نوازش کر کے اپنا معشوق بنایا ہے۔ اُس وقت اُنہوں نے پانی سے باہر آکر کپڑے پہنے۔ اس کے بعد جس طرف جاتے تھے لوگ انہیں احمد معشوق کے نام سے پکارتے تھے۔ آخر میں آپ پر اس قدر استغراق طاری ہوا کہ سب کچھ ترک کر دیا۔ علمائے زمانہ آپ کے سر ہو گئے کہ فرض نماز تو ضرور ادا کرنی چاہیئے۔ جب آپ نے نماز پڑھنا شروع کیا اور فاتحہ پڑھتے وقت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر پہنچے تو آپ کے سارے جسم سے خون کے قطرے ٹپکنے لگے۔ پس آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں ایک حائضہ عورت ہوں نماز مجھ پر روا نہیں ہے۔

حضرت شیخ صدرالدینؒ کے دوسرے خلیفہ مولانا علاؤالدین خجند بست قدس سرہ ہیں جو چودہ سال شیخ کی خدمت میں رہے۔ آپ روزانہ دو ختم قرآن کرتے تھے۔ شیخ اُن کو محبوب اللہ کہا کرتے تھے۔ آپ کے ایک اور مرید اہل کمال مولانا حسام الدین ملتانیؒ تھے۔ جن کا مزار بدایون میں ہے۔ ایک دن انہوں نے شیخ صدرالدینؒ کی خدمت میں التماس کیا کہ مجھے حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کے روضہ میں ایک قبر کی جگہ عنایت فرما دیں۔ آپ نے فرمایا تمہاری قبر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدایون میں جگہ مقرر فرمائی ہے۔ اس کے بعد شیخ کی اجازت سے آپ بدایون

چلے گئے۔ ایک رات اُنہوں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ پر بیٹھے وضو فرما رہے ہیں۔ صبح اُٹھ کر وہاں گئے تو دیکھا کہ اس جگہ کی زمین پانی سے تر ہے۔ پس آپ نے وصیت کی کہ مجھے فلاں جگہ پر دفن کرنا۔ آپ کے اور مریدان صاحب حال بہت ہیں۔ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ ایک دن شیخ صدرالدینؒ دریا کے کنارے پر وضو کر رہے تھے۔ اُن کے لڑکے شیخ رکن الدینؒ جن کی عمر سات سال تھی اور قرآن حفظ کر رہے تھے بھی ساتھ۔ اتفاقاً وہاں ایک ہرنوں کا گلہ آنکلا اور آدمیوں کو دیکھ کر بھاگ گیا۔ شیخ رکن الدینؒ چونکہ بچے تھے ہرن کا بچہ طلب کرنے لگے۔ شیخ نے ہرنوں پر ایک توجہ کی نگاہ فرمائی تو سارا گلہ آپ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا بابا رکن الدینؒ جو ہرن پسند آئے پکڑ لو۔ اُنہوں نے ایک بچہ اور اس کی ماں پکڑ لی۔ اور مدت تک یہ دونوں ہرن آپ کے گھر میں رہے۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے لڑکے خان شہید محمدؐ کو ملتان کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو چونکہ شاہزادہ بہت بلند ہمت اور لطیف طبع تھا۔ حضرت امیر خسروؒ اور امیر حسن اس کے پاس رہتے تھے اور انعام و اکرام حاصل کیا کرتے تھے۔ خان شہید کی بیوی سلطان رکن الدین بن سلطان شمس الدین التمش کی لڑکی تھی۔ اور نہایت حسینہ اور صالحہ تھی چونکہ خان شہید اکثر شراب خوری میں مشغول رہتا تھا۔ اس کی بیوی کو یہ بات ناپسند تھی۔ ایک دن مستی کی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں۔ جب ہوش میں آیا تو بے حد پشیمان ہو کر قاضی شرف الدین خوارزمی جو اس کا محرم راز تھا کو بلا کر اس معاملہ کا حل دریافت کیا کیونکہ بیوی سے جدائی اس کیلئے ناممکن تھی۔ قاضی نے کہا کسی دوسرے آدمی سے نکاح کئے بغیر اب اس کا آپ کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا۔ لیکن غیرت بشری کی وجہ سے خان شہید کو یہ بات منظور نہ تھی اور خدا سے بھی ڈرتا تھا۔ آخر قاضی نے یہ مشورہ دیا کہ حضرت شیخ صدرالدینؒ کو بلا کر شاہزادی کا اُن سے نکاح کرنا چاہیئے اور ایک دن اُسے اُن کے ساتھ بھیجکر دوسرے دن اُن سے طلاق لے لینی چاہیئے اور پھر دوبارہ نکاح کر لینا چاہیئے۔ خان شہید نے لاعلاج ہو کر یہ بات مان لی۔ جب شاہزادی حضرت شیخ کے گھر گئی تو عرض کیا کہ مجھے ہرگز اس شرابی کے پاس جانیکی خواہش نہیں ہے۔ آپ خدا کے لئے مجھے طلاق نہ دیں۔ شیخ نے اس کی بات مان لی۔ دوسرے دن خان شہید کے آدمیوں

نے آکر شیخ سے کہا کہ شاہزادی کو طلاق دیجئے۔ لیکن حضرت شیخ نے انکار کر دیا۔ عرضیکہ اس معاملہ میں بہت گفتگو شنید ہوئی آخر خان شہید کو غصہ آیا اور اس نے قسم کھا کر کہا کہ کل شیخ کے مکان پر جا کر انہیں سارے قبیلے سمیت قتل کر دوں گا۔ لوگوں نے جا کر یہ بات حضرت شیخ کو بتائی لیکن آپ ذرا بھر فکرمند نہ ہوئے دوسرے دن علی الصبح جب وہ شیخ پر حملہ کرنے کے لیے تیار بیٹھا تھا تو خبر ملی کہ ساٹھ ہزار خونخوار مغل حملہ آور ہو کر شہر ملتان کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ اس نے کہا مغلوں کو شکست دینے کے بعد شیخ کی خبر لوں گا۔ ملتان سے نکل کر لڑائی میں مشغول ہو گیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ اس کے بعد کسی نے نہ دیکھا کہ مغل کہاں گئے۔ امیر خسروؒ اسی روز مغلوں کے ہاتھوں قید ہو گئے تھے اور بہت کوشش کے بعد لاہور کے قریب رہائی حاصل کی۔

شیخ صدرالدینؒ کے کمالات اور کرامات بہت ہیں۔

آپ سخاوت میں بہت مشہور تھے۔ ایک دفعہ شیخ رکن الدین فردوسیؒ دہلی جاتے ہوئے ملتان میں شیخ صدرالدینؒ سے ملے تو شیخ نے کھانا طلب فرمایا۔ بہت علماء اور فقرا موجود تھے۔ شیخ رکن الدین فردوسیؒ فرماتے ہیں کہ جب دسترخوان لگایا گیا تو بادشاہوں کے دسترخوان سے بھی زیادہ تکلف سے کام لیا گیا تھا۔ میں شیخ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہر قسم کے کھانے شیخ کے سامنے لائے جاتے تھے اور آپ میری طرف اشارہ فرما دیتے تھے۔ شیخ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانا شروع کیا۔ اگرچہ مجھے ایام بیض کا روزہ تھا۔ لیکن میں نے کھانے سے انکار نہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت شیخ شوق سے ہر قسم کے کھانے کھا رہے تھے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میں نے میزبان کی تالیف قلبی کے لئے روزہ تو افطار کر دیا لیکن مجھے تقلیل غذا سے کام لینا چاہیئے۔ جونہی میرے دل میں یہ خیال گذرا آپ نے فرمایا اے درویش رکن الدینؒ جو شخص طعام کو حرارتِ باطن سے نور بنا سکتا ہے اور حق کے ساتھ ملا سکتا ہے۔ اس کے لئے لازم نہیں کہ تقلیل غذا کرے۔ بیت چونکہ لقمہ مے شود بر تو گہر

تن مزن ہرچند بتوانی بخور

(چونکہ لقمہ تیرے اندر جا کر گوہر بن جاتا ہے۔ جس قدر جی چاہے کھاؤ)

آپ کی وفات ظہر و عصر کے درمیان تین ماہ ذی الحجہ ۶۸۴ھ کو ملتان میں واقع ہوئی اور اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی عمر اکہتر سال تھی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین ملتانی قدس سرہ

جانشینِ اولیائے عالی مقدار، سرحلقۂ واصلانِ صاحب اسرار، غریق بحرِ مشاہدہ، غوثِ وقت شیخ ابو الفتح رکن الدین قدس سرہٗ بڑے صاحب حال اور عالی شان بزرگ تھے۔ آپ تمام صفاتِ حمیدہ سے موصوف تھے۔ آپکے مجاہدات سخت تھے اور اخلاق نرم اور عشق وافر، ہمت بلند اور کراماتِ مستور (یعنی پوشیدہ کرامات) کے مالک تھے۔ آپ جمیع کمال ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔ کمالِ حضور کی وجہ سے آپ کی روش عجیب تھی۔ آپ اپنے جدِ امجد شیخ الاسلام بہاؤالدین ذکریا قدس سرہٗ کے منظور نظر اور اپنے والد شیخ صدرالدینؒ کے نورِ دیدہ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی بی بی راستی تھا۔ وہ بھی نیکی اور سچائی میں رابعۂ عصر تھیں۔ آپ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کی مریدہ تھیں۔ اور روزانہ ایک ختم قرآن کرتی تھیں۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ چاندرات کو آپ شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ شیخ رکن الدین سات ماہ سے آپ کے بطن مبارک میں تھے۔ شیخ الاسلام ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔ یہ دیکھ کر وہ حیران ہوئیں۔ شیخ الاسلام نے فرمایا حیران ہونے کی ضرورت نہیں، یہ تعظیم اس شخص کی ہے جو اس وقت تمہارے بطن میں ہے۔ ایک دن شیخ الاسلام چارپائی پر بیٹھے تھے اور دستار مبارک سر سے اتار کر اس کے پایہ پر رکھی ہوئی تھی۔

شیخ رکن الدینؒ جن کی عمر چار سال تھی نے چارپائی کے قریب کھڑے ہو کر شیخ کی دستار اپنے سر پر رکھ لی۔ شیخ صدرالدینؒ نے تنبیہ کی کہ یہ بے ادبی ہے کہ دستار سر پر رکھ لی۔ شیخ الاسلام نے فرمایا۔ بابا صدرالدین منع مت کرو کیونکہ اس نے اپنا حق سر پہ رکھا ہے۔ میں نے یہ دستار اسے دی ہے۔ چنانچہ وہ دستار اُسی طرح صندوق میں رکھی رہی حتیٰ کہ جب آپ اپنے والد شیخ صدرالدینؒ کی مسند پہ بیٹھے تو دستار اپنے سر پر رکھی اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کا خرقہ جو انہوں نے آپ کے دادا شیخ بہاؤالدینؒ کو عنایت فرمایا تھا، پہن کر آپ نے باون سال اس سجادہ کا حق ادا کیا اور ایک جہان نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ خوردسالی میں خواجہ شمس الدین

تبریزی نے آپ کو رکن الدین رکن عالم کا لقب عطا فرمایا تھا اُسی دن سے آپ رکن عالم مشہور رہیں۔ مریدین اور طالبانِ حق کی تربیت میں آپ اپنے وقت میں بے نظیر تھے۔ آپ کے کمال کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مخدوم جہانیاں شیخ جلال بخاری جیسے شاہباز آپ کے تربیت یافتہ تھے۔ چنانچہ اُن کے حالات اکیسویں طبقہ میں آ رہے ہیں۔ آپ کے دوسرے اکمل خلیفہ شیخ صدرالدین عرف حاجی چراغِ ہند ہیں جو اولیاء کرام کے تمام کمالات سے آراستہ تھے۔

کہتے ہیں کہ وہ شیخ رکن الدین ابوالفتح کے بھتیجے تھے۔ ان کا مزار قصبہ ظفرآباد قریب شہر جونپور ہے۔ وہ اس ملک کے صاحبِ ولایت ہیں۔ آپ کا مزار خلقت کے لئے قبلۂ حاجات ہے۔ عید کے دن سب لوگ آپ کے مزار پر جمع ہوتے ہیں۔ شیخ حاجی چراغ ہند کے خلفاء جا بجا ہندوستان میں آرام کر رہے ہیں۔ اُن میں سے ایک شیخ بہاری ہیں۔ جن کا مزار قصبہ بہرائچ میں ہے۔ وہ بڑے بابرکت بزرگ تھے۔ شیخ حاجی چراغ ہند کے دوسرے خلیفہ شاہ موسیٰ ملتان ہیں۔ آپ بڑے عالی مقام بزرگ تھے۔ اُن کا مزار شہر اودھ میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ حاجی چراغِ ہند اور میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کے درمیان جو ملاقات ہوئی اس کا ذکر میر سید اشرف کے حالات میں آئے گا۔

شیخ رکن الدین قدس سرہ کے اور خلیفہ شیخ عثمان سیاح ہیں۔ جن کا مزار دہلی میں ہے یہ شیخ عثمان شیخ وجیہ الدین سیامی کے فرزند ہیں۔ سخت پریشانی کی حالت میں آپ سیام سے دہلی آئے اور شیخ کو دیکھتے ہی اُن کے قدموں پر سر رکھ دیا اور مرید ہو گئے آپ سب کچھ ترک کر کے شیخ کے ساتھ ملتان چلے گئے اور دو سال آپکی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کی۔ قرآن حفظ کیا۔ اور کتاب عوارف المعارف پڑھی۔ شیخ سے رخصت ہو کر آپ بیت اللہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے گئے لیکن ہاتھ میں عصا اور چادر تک نہ تھے، جب کعبہ پہنچے تو گرم وقت میں طواف کرنے لگے۔ لیکن خضر علیہ السلام نے آپ پر اپنی آستین سے سایہ کر دیا اور ساتھ ساتھ طواف کرتے رہے۔ آپ نے فرمایا اچھا کیا۔ لیکن آپ وہاں سے جلدی چلے گئے ورنہ خلقت میں فتنہ برپا ہو جاتا۔ اس کے بعد خضر علیہ السلام نے اپنا لباس ان کو پہنایا اور اپنی دستار اُن کے سر پر رکھی اور چند دن کے بعد دہلی کی طرف رخصت کر

دیا، یہ فرماتے ہوئے کہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ دہلی میں ہیں۔ وہاں رہو اور اکثر اوقات ان کی خدمت میں بسر کرنا اور جس جگہ وہ اشارہ کریں وہیں جا کر رہنا۔ جب دہلی پہنچو تو ان سے میرا سلام کہنا۔ شیخ عثمان سیاحؒ جب دہلی پہنچے تو سب سے پہلے سلطان المشائخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خضر علیہ السلام کا سلام عرض کیا۔ آپ نے اُٹھ کر وعلیکم السلام کہا۔ شیخ عثمانؒ کو سلطان المشائخؒ کے ساتھ اس قدر محبت اور اعتقاد ہو گیا کہ تحریر سے باہر ہے۔ آپ سہروردی ہونے کے باوجود ہمیشہ سماع اور وجد و حال میں رہتے تھے اور کبھی کبھی رقص بھی کرتے تھے۔

سلطان غیاث الدین تغلق نے سلطان المشائخ کے خلاف محضر قائم کرنے سے پہلے عام حکم جاری کر دیا تھا کہ جس قوال یا گویّے نے گانا گایا اس کی زبان حلق سے نکال دی جائے گی۔ ان ایام میں کسی قوال کی مجال نہ تھی کہ زبان پر کوئی شعر لاتا۔ ایک دن شیخ عثمانؒ اپنے جماعت خانہ میں بیٹھے تھے کہ حسن قوال بن میر سلامت جو سلطان المشائخ کا کرم پروردہ تھا اور سب قوالوں کا سردار تھا آ گیا۔ شیخ عثمانؒ نے اصرار کیا کہ کوئی چیز سنائے حسن قوال نے بہت ضد کی لیکن کارگر نہ ہوئی آخر اس نے یہ شعر شروع کیا ؎

زاہد ز دیں برآمد صوفی ز اعتقاد ترسا محمدی شدہ عاشق ہماں کہ ہست

(زاہد نے زہد چھوڑ دیا صوفی نے اپنے اعتقاد کو ترک کر دیا۔ عیسائی مسلمان ہو گیا لیکن عاشق وہی رہا جو تھا)

اس شعر سے آپ پر کیفیت طاری ہو گئی۔ حسن قوال پر بھی حال طاری ہو گیا اور بلند آواز سے گانے لگا۔ یہ دیکھ کر قریب دو سو قوال جمع ہو گئے اور ہر طرف سے صوفی جمع ہونے لگے چونکہ سماع کے امتناع کا زمانہ تھا لوگ حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور اس کا حشر کیا ہو گا۔ اس لئے ساری خلقت جمع ہو گئی اور عجب تماشا برپا ہو گیا۔

شیخ عثمان اُسی طرح وجد کرتے ہوئے بادشاہ کے دربار کی طرف روانہ ہو پڑے اور ساری خلقت آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ سلطان تغلق بالا خانہ پر بیٹھا تھا۔ لوگوں کا اژدہام دیکھ کر حیران ہوا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ جب واقعہ بیان کیا گیا تو اس قدر متاثر ہوا کہ سماع کے خلاف دم نہ مار سکا۔ بلکہ تواضع سے پیش آیا اور شربت منگوا کر قوالوں کو پلایا اور انعام

دے کر رخصت کیا۔ شیخ عثمانؒ اسی طرح رقص کرتے ہوئے سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچے اور وہاں بھی مجلسِ سماع گرم رہی۔

شیخ مجد الدین طاہر قدس سرہٗ جن کا مزار قصبۂ کنور میں ہے جو پرگنہ سنبھل میں ہے وہ بھی شیخ رکن الدینؒ کے مرید تھے۔ وہاں کے لوگ آپ کو ولایت کا بادشاہ کہتے ہیں۔ آپ کی شان بہت مجرّدانہ ہے۔ یہ فقیر دہلی جاتے ہوئے آپ کے مزار پر حاضری دے کر فیض حاصل کر چکا ہے۔ غرضیکہ شیخ رکن الدینؒ کے مریدانِ صاحب حال بے شمار ہیں۔ سیر العارفین میں شیخ نصیر الدین محمود اودھیؒ سے منقول ہے کہ جب شیخ رکن الدینؒ ملتان سے دہلی تشریف لاتے تھے تو یہاں کے لوگوں کے لئے ہر روز روزِ عید ہوتا تھا اور ہر شب شبِ قدر ہوتی تھی۔ آپ نے دو مرتبہ سلطان علاؤالدین کے عہد میں دو مرتبہ سلطان قطب الدینؒ کے عہد میں اور ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں کل پانچ مرتبہ دہلی آ کر سلطان المشائخ کے ساتھ صحبت گرم کی۔ حتیٰ کہ سلطان المشائخؒ کی نمازِ جنازہ بھی آپ نے پڑھی۔ سلطان علاؤالدینؒ اپنے رعب و جلال کے باوجود ہر دفعہ آپ کے استقبال کو جاتا تھا۔ اور نہایت عزت و تکریم کے ساتھ آپ کو شہر میں لے آتا تھا۔ پہلی مرتبہ اس نے دو لاکھ روپے (تنکہ) بطور نذر پیش کئے اور رخصت کے وقت پانچ لاکھ روپے پیش کئے۔ آپ نے وہ پانچ لاکھ روپے اسی وقت فقرا میں تقسیم کر دیئے۔ شیخ رکن الدینؒ کو سلطان المشائخ کے ساتھ بہت محبت تھی۔ چنانچہ آپ نے بارہا فرمایا کہ میں ملتان سے دہلی سلطان المشائخ کے عشق و محبت میں آتا ہوں۔ دونوں بزرگوں کی صحبت کا حال سیر العارفین میں مفصل درج ہے یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

شیخ رکن الدینؒ کی عادت تھی کہ جب سلطان قطب الدینؒ کے پاس جاتے تو تختِ رواں پر بیٹھ کر جاتے تھے اور لوگ درخواستیں لکھ کر تخت پر پھینکتے جاتے تھے۔ بادشاہ کے پاس جا کر آپ وہ درخواستیں پیش کرتے اور وہ ہر درخواست پر مناسب حکم لکھ دیتا تھا۔ گویا آپ کا وجودِ پاک خلقت کے لئے رحمت تھا۔ اور ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق ظاہری و باطنی فیوض حاصل کرتا تھا۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ شیخ رکن الدینؒ نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے ایک دن امیر المومنین حضرت علی کرم وجہہ نے فرمایا

کہ میں نے کسی شخص کے ساتھ نیکی یا بدی نہیں کی۔ حاضرین نے عرض کیا کہ آپ نے کسی سے برائی تو ہرگز نہ کی ہوگی لیکن نیکی کے متعلق آپ کا فرمان کس طرح ہے آپ نے فرمایا حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ من عمل صالحًا فلنفسہٖ ومن اسآ فعلیھا (جس نے نیکی کی وہ اسکے اپنے نفس کے لئے ہے اور جس نے برائی کی وہ اسی پر ہے) پس جو نیکی یا برائی ہو مجھ سے صادر ہوئی ہوگی وہ درحقیقت میرے اپنے لئے اور مجھ پر ہے نہ کسی دوسرے پر۔

جس روز سلطان غیاث الدین بنگال سے فتح حاصل کرکے دہلی آرہا تھا شیخ رکن الدینؒ بھی سلطان محمد بن تغلق شاہ کے ہمراہ دو تین کوس بادشاہ کے استقبال کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے اور اُس کے ساتھ مل کر تغلق آباد کے محل میں کھانا کھایا۔ شیخ رکن الدینؒ ہاتھ دھوئے بغیر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ جلدی اٹھو۔ جب شیخ وہاں سے باہر نکلے تو عمارت سلطان غیاث الدین تغلق پر گر گئی اور اپنے ہمراہیاں سمیت مر گیا اس کے بعد سلطان محمد بن تغلق شاہ اپنے باپ کے تخت پر بیٹھا اور سخت ظالم ہونے کے باوجود اس نے اپنے آپ کو سلطان محمد عادل کا خطاب دیا۔ وہاں سے رخصت ہوکر شیخ ملتان تشریف لے گئے اور اپنی وفات سے تین ماہ پہلے آپ نے یک بارگی خلقت سے گوشہ نشینی اختیار کرلی اور فرض نماز کے سوا اپنے حجرہ سے ہرگز باہر نہیں جاتے تھے اور ہمیشہ مشاہدۂ حق میں مستغرق رہتے تھے۔ بتاریخ سولہ ماہ جمادی الاوّل یا ماہ رجب روز پنجشنبہ بعد از نمازِ عصر مولانا ظہیر الدین محمد خادم کو اندر طلب کرکے فرمایا کہ تجہیز و تکفین کا سامان مہیا کرو۔ جب مغرب کی نماز کا وقت آیا تو آپ نے امام کو اندر بلا کر نماز باجماعت ادا کی اور نماز سے فارغ ہوکر سر سجدہ میں رکھ کر جان مشاہدۂ حق میں دے دی۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی جسے اپنا سجادہ اور خرقہ عطا فرماتے۔ لہٰذا آپ کے بھائی شیخ اسمٰعیل کی اولاد میں سے سجادہ پر بٹھائے گئے۔ لطائف اشرفی کے مطابق شیخ رکن الدینؒ کی ولادت جمعہ کے دن ۶۴۷ھ میں ہوئی اور اٹھاسی سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اس میں سے باون سال آپ اپنے والدؒ کے بعد سجادہ نشین رہے۔ اور جمعہ کی شب ۷۳۵ھ سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں ملتان میں اپنے والدؒ کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت میر سید صدر الدین المعروف بہ سید حسینی قدس سرہٗ

سید تارکِ کونین، ناظرِ جمالِ عین بہ عین، عالم بحقیقت اسمائے الٰہی و گوئے گنجینۂ عشق میر سید صدر الدین المعروف سید حسینی قدس سرہٗ کے حالات دو تین کتابوں میں مختلف درج ہیں ناچار دونوں قسم کے حالات یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ سید صدر الدین احمد بن نجم الدین ہروی پہلی مرتبہ اپنے والد کے ساتھ تجارت کے لئے ملتان آئے تھے۔ آپ کے والد لقمۂ حلال کے لئے تجارت کیا کرتے تھے۔ اس وقت اپنے باپ کے ساتھ آپ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن مرید نہ ہوسکے۔ آپ نے علوم حاصل کر لئے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کے دماغ میں قدرے غرور تھا۔ لیکن والد کی وفات کے بعد یکبارگی آپ نے ترک و تجرید اختیار کر لیا اور سب مال و دولت فقرا میں تقسیم کر کے پھر ملتان پہنچ گئے اور شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ آپ نے تین سال شیخ کی خدمت میں رہ کر کمالات و تصرفات حاصل کئے۔ آپ نے اپنی کتاب کنز الرموز ملتان میں تصنیف کر کے حضرت شیخ کے پیش کی۔ انہوں نے بہت پسند فرمائی۔ جب شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے محضر کے موقعہ پر دہلی تشریف لے گئے۔ سید حسینیؒ ساتھ تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنی کتاب طرب المجالس میں خود لکھا ہے اور لطائف اشرفی اور نفحات الانس میں بھی لکھا ہے کہ آپ کا پورا نام سید حسین بن عالم بن ابی الحسین تھا۔ آپ کا اصلی وطن قصبہ گریو ہے جو علاقہ غور میں ہے۔ ظاہری و باطنی علوم میں آپ نے بہت کتابیں لکھی ہیں۔ بعض منظوم ہیں مثل کنز الرموز اور زاد المسافرین کو اور بعض منثور ہیں جیسے نزہۃ الارواح اور تزوح الارواح، صراط المستقیم، طرب المجالس۔ آپ کا ایک دیوان بھی ہے جو نہایت لطیف ہے۔

آپ کے کچھ منظوم سوالات بھی ہیں جن کے جوابات شیخ محمود شبستریؒ نے لکھے ہیں اور جن کی بنیاد پر کتاب گلشن راز لکھی گئی ہے۔ آپ کی کتاب کنز الرموز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ بلاواسطہ شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کے مرید ہیں۔ اور مشہور بھی یہی ہے۔ چنانچہ کنز الرموز کے مندرجہ ذیل اشعار اسی بات پر دلالت کرتے ہیں ؎

از وجود او بہ برد دوستان — جنت الماویٰ شدہ ہندوستان
من کہ رو از نیک و بد برتافتم — ایں سعادت از قبولش یافتم
از مے وحدت لبالب جام او — در فضائے قدس باد آرام او

(اے دوستو! اس کے وجود (شیخ بہاؤالدینؒ) سے ہندوستان کا ملک جنت الماویٰ بن گیا ہے یہ جو میں نے ہر چیز ترک کر دی ہے۔ یہ سعادت مجھے اُن کے فیض سے حاصل ہوئی ہے۔ اُن کا جام مئے وحدت سے لبریز ہے۔ خدا کرے ان کا مقام عالم قدس میں ہو)۔

لیکن بعض کتابوں میں میں نے یہ لکھا دیکھا ہے کہ آپ شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ کے رید تھے۔ تاریخ ؟، ایک کتاب میں یہ لکھا ہے کہ اوائل میں امیر حسینی کو ایک توتی کی لڑکی سے محبت ہوگئی۔ آپ نے کوشش کی کہ اس سے نکاح کر لیں لیکن اُس کے ماں باپ راضی نہ ہوتے تھے۔ لیکن لڑکی کی خواہش تھی کہ آپ سے نکاح کر لے۔ آپ نے ایک رباعی لکھی جو س موضوع پر تھی اور اس لڑکی کو یاد کرادی نیز آپ نے اپنے دو دوستوں کو بھی بلا لیا کہ بطور گواہ وجود رہیں۔ آپ نے لڑکی سے کہا جو کچھ میں نے تجھے لکھایا ہے۔ پڑھ کر سنا دے لڑکی نے وہ رباعی پڑھ کر سنائی ؎

اے آنکہ زعشق ملومم کردی — سرگشتۂ دوران فضولم کردی
خود را دادم بتو صد نقرہ صداق — در پیش جماعتے قبولم کردی

(تو نے مجھے اپنی محبت سے غمگین کر دیا ہے اور دنیا میں مجھے سرگردان کر دیا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو سو روپے کے عوض تیرے حوالہ کر دیا ہے اب جماعت کے سامنے مجھے قبول کر)

جب وہ آخر موضوع پر پہنچی تو آپ نے کہا "میں نے قبول کیا" بس اب نکاح ہوگیا۔ تُوتیوں نے جتنی کوشش کی کامیاب نہ ہو سکے۔ مدت تک وہ عورت آپ کے گھر رہی۔ لیکن آپ کی توبہ کا سبب یہ تھا کہ ایک دن آپ شکار کے لئے باہر گئے۔ سامنے ایک ہرن نظر آیا۔ آپ نے تیر مارنا چاہا کہ ہرن نے کہا اے حسینی تو ہمیں تیر مارتا ہے۔ لیکن حق تعالےٰ نے تجھے

کسی اور کام کے لئے پیدا کیا ہے نہ کہ تیر زنی کے لئے یہ دیکھ کر آپ کے دل میں طلب صادق پیدا ہو گئی اور سب مال دولت لٹا کر ایک جماعت کے ساتھ ملتان پہنچے۔ یہ قلندروں کی جماعت تھی جو پہلے زمانے میں کثرت سے ہوتے تھے۔ الغرض شیخ رکن الدین ابوالفتح رح نے اس جماعت کی ضیافت کی۔ جب رات ہوئی تو آپ نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا میرے فرزند کو اس جماعت سے نکال لو اور اسے کام میں لگاؤ۔ دوسرے دن شیخ رکن الدین رح نے اس جماعت سے پوچھا کہ تم میں سے سید کون ہے۔ سب نے امیر حسینی رح کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ ہے۔ آپ انہیں گھر لے گئے اور تربیت فرمائی۔ اور آپ کو کمال حاصل ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے ان کو خراسان کی طرف رخصت کر دیا اور آپ کے سب ہمراہی آپ کے بیعت ہو گئے۔ آپ کا مزار ہرات کے قرب میں ہے۔ حضرت عبداللہ رض بن جعفر طیار رض بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گنبد سے باہر۔ میر سید اشرف جہانگیر سمنانی فرماتے ہیں کہ ملتان کے بعض لوگوں سے یہ سنا ہے کہ شیخ الاسلام بہاؤالدین ذکریا رح نے اپنی ایک لڑکی میر سید حسینی رح کے عقد نکاح میں دی تھی اور ایک شیخ فخرالدین عراقی رح کے۔ غرضیکہ آپ کے کمالات آپ کی تصانیف سے ظاہر ہیں۔ آپ کی وفات چھ ماہ شوال ۷۰۸ھ اور دوسری روایت کے مطابق ۷۱۰ھ کو واقع ہوئی۔ آپ کا مزار شہر ہراۃ میں ہے اس علاقے کے لوگ دوشنبہ کے دن آپ کی زیارت کو جاتے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ صلاح الدین درویش سیستانی قدس سرہٗ

آپ قریشی الاصل ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب اسد قریشی تک جا پہنچتا ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ ماجدہ کے دادا تھے۔ بعض کے نزدیک آپ کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبداللہ مکی پر منتہی ہوتا ہے۔ پس ہر حال میں آپ قریشی ہیں۔ آپ بھی شیخ صدرالدین عارف بن شیخ بہاؤالدین ذکریا رح کے اعظم خلفاء میں سے تھے۔ آپ بڑے بزرگ تھے۔ آپ کھلی کرامات کے مالک تھے۔ آپ اکثر کشمیر کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ چنانچہ بعض لوگ آپکو کشمیری کہتے ہیں۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ ملتان سے دہلی آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ ایک دن آپ بیٹھے تھے کہ ایک

خوش شکل جوان گھوڑے پر سوار ہو کر خوش رفتاری سے جا رہا تھا۔ ناگاہ اس جوان نے گھوڑے کے چابک مارا جس سے اس کے جسم پر نشان پڑ گیا۔ شیخ اس جوان سے غصے ہوئے اور اُسی وقت گھوڑے سے گر گیا۔ لوگوں نے دیکھا تو اُسی چابک کا نشان شیخ کے جسم پر لگا ہوا تھا۔ اس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ آپ شیخ نصیر الدین اودھیؒ کے ہم عصر اور ہمسایہ تھے۔

سلطان محمد بن تغلق کی طرف سے جس قدر سختی اور تکلیف مشائخ پر وارد ہوتی تھی شیخ نصیر الدین اُسے اپنے مشائخ کے حکم کے مطابق برداشت کرتے رہتے تھے لیکن صلاح الدینؒ بادشاہ کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔ آپ اکثر مناجات میں کہا کرتے تھے کہ "الٰہی اس وقت کی حرمت سے کہ جب تو نے صلاح الدینؒ درویش کو فیل سفید (سفید ہاتھی) کا نام دیا۔ الٰہی اُس وقت کی برکت سے کہ جب تو نے صلاح الدین درویش کو امروہہ کے مقام پر درخت کے نیچے سلام کہا"۔ اسی قسم کے بہت سے کلمات آپ زبان پر لاتے تھے۔ آپ بڑے باکمال تھے۔ آپ کا مقبرہ شیخ نصیر الدینؒ کے مزار کے پاس دہلی میں واقع ہے۔ آپ کا عرس بائیس ماہ صفر کو ہوتا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شیخ خاصہ بن شیخ خضر صالحی جن کا مزار قصبہ انبیٹھی میں ہے شیخ صلاح الدینؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپکے دادا نے کسی تقریب کے موقع پر دہلی سے جا کر جام اور میں سکونت اختیار کر لی اور شیخ خضر یعنی شیخ خاصہ کے والد اُسی جگہ پیدا ہوئے۔ اور قصبہ ایجوق میں خالی کر کے وہیں رہ گئے۔ مخدوم شیخ خاصہ وہاں سے نقل مکانی کر کے انبیٹھی میں مقیم ہو گئے۔ چنانچہ آپ کی اولاد علم و عرفان سے آراستہ آج تک قصبہ مذکور میں موجود ہے شیخ خاصہ کی وفات ۹۲۲ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ صلاح سیّاح سہروردی قدس سرہٗ

عارف صاحب ولایت، گنجینہ علم و ہدایت اختیار تصرف و جوانمردی مقتدائے زماں شیخ صلاح سیّاح سہروردی قدس سرہٗ آپ طریقت میں بڑی شان اور حالِ قوی رکھتے تھے۔ لطائف اشرفی میں تحقیق کے ساتھ لکھا ہے کہ آپ کو سلسلہ سہروردیہ میں خلافت تھی لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس بزرگ کے آپ مرید تھے۔ آپ بڑے سیّاح تھے۔ آپنے وقت کے تمام مشائخ

کی صحبت حاصل کی تھی۔ جس زمانے میں شیخ داؤد محمود قدس سرہ ردولی کے قریب موضع پالتی پور میں سکونت پذیر تھے آپ بھی سیر و سیاحت کرتے ہوئے ردولی پہنچے اور وہیں سکونت کرلی۔ اور ایک جہان آپ کے گرد ہو گیا۔ اور فیض یاب ہوا۔ شیخ صلاح اور شیخ داؤد کے درمیان بہت محبت تھی۔ اور اکثر اکٹھے رہتے تھے۔ ایک دن حضرت شیخ داؤد نے غلبۂ استغراق میں آکر اُن سے کہا کہ ایسی جگہ رہائش رکھو جہاں سے تمہارے حجرے کا چراغ مجھے نظر آئے اور میرے حجرے کا چراغ آپ کو نظر آئے اور درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔ پس شیخ صلاح نے ایک حوض کے کنارے بلند مقام پر رہائش اختیار کی۔ اور آج تک اُن دونوں بزرگوں کے مزارات کے درمیان بھی کوئی چیز حائل نہیں ہے۔ بلکہ جن لوگوں نے درمیانی زمین آباد کرنا چاہی ناکام رہے۔ شیخ صلاح بہت خوش و خرم رہتے تھے لیکن ساری عمر شادی نہ کی اور نہ ہی ساز و سامان بنایا اور نہ خانقاہ قائم کی۔ ابدال کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ حضرت شیخ صلاح صوفی بھی اُسی زمانے میں گزرے ہیں۔ آپ کے اور شیخ صلاح سہروردی کے درمیان بھی بے حد محبت تھی اور کسی وقت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ اغلب یہی ہے کہ دونوں بزرگ اکٹھے ردولی آئے۔ لیکن شیخ صلاح سہروردی مجرّد اور شیخ صلاح صوفی عیالدار تھے۔ چنانچہ آج تک آپ کی اولاد ردولی میں آباد ہے۔

شیخ ابو محمد شیخ صلاح صوفی کی اولاد میں سے ہیں۔ جن کی عمر ایک سو سال کے قریب تھی۔ اور میر سید علاؤالدین اودھی کے مرید تھے۔ اُنہوں نے میر سید محمود محقق سے بھی تربیت حاصل کی۔

وہ بڑے عاشق مزاج اور لطیف الطبع شیرین سخن اور موحد تھے۔ آپ اپنے اجداد سے یہ روایت بیان کرتے تھے کہ شیخ صلاح صوفی شاہ شجاع کرمانی کی اولاد میں سے تھے چنانچہ شاہ شجاع قدس سرہ کے کمالات کشف المحجوب اور تذکرۃ الاولیاء میں درج ہیں۔ آپ کرمان کے بادشاہوں کی اولاد میں سے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ سید بھی تھے "نُور علی نور" دونوں چیزیں مقبول ہیں۔ مجاہدات شاقہ کے بعد آپ تکمیل و ارشاد کے مرتبہ کو پہنچے۔ شاہ شجاع کے ایک فرزند تھے وہ بھی عارف تھے۔ ان کے حالات طبقۂ ہفتم میں بیان ہو چکے ہیں۔ الغرض شیخ ابو محمد نے اس فقیر (کاتب حروف) سے کہا کہ شیخ صلاح صوفی سلطان علاؤالدین خلجی

کے زمانے میں کرمان سے ہندوستان آئے۔ آپ بڑے عارف صاحب اسرار تھے اور انہوں نے خرقۂ خلافت اپنے دادا شاہ شجاع سے حاصل کیا تھا اور کئی پشتوں تک سجادہ قائم رہا۔ بعد میں آپ کی اولاد نے زمینداری شروع کر دی اور مشیخیت ختم ہو گئی۔ لیکن ان کی اولاد طلب حق سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں بھی آپ کی اولاد میں سے ایک بزرگ شاہ سکندر نامی شاہ تمیص قادریؒ کے مرید تھے اور طریقت میں تربیت حاصل کر چکے تھے۔ بڑے خوش اخلاق، کریم الطبع اور حمیدہ صفات انسان تھے ۱۲۷۰ھ میں ان کا وصال ہوا۔ اور قصبہ ردولی میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ صلاح صوفی، شیخ صلاح سہروردی اور شیخ داؤد تینوں ردولی میں رہتے تھے اور ان کے درمیان بہت محبت تھی اور صحبت باتے محرمانہ میں مشغول رہتے تھے۔ شیخ صلاح صوفیؒ کا مزار بھی ردولی میں شیخ صلاح سہروردیؒ کے مزار کے قریب ہے۔ میر سید اشرف جہانگیرؒ ان بزرگوں کی وفات کے مدت بعد ردولی تشریف لائے اور نہایت ادب سے ان کے مزارات پر حاضری دیتے تھے اور فیض پاتے تھے۔ اسی مرتبہ شیخ صفی الدین حنفی جو امام ابو حنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے اور ان کے علوم کے وارث تھے۔ خواجہ خضر علیہ السلام کی وصیت کے مطابق میر سید اشرف جہانگیرؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ ان کا حال اپنی جگہ پر آتا ہے۔ میر سید جہانگیرؒ نے بارھویں مکتوب میں شیخ صفی الدینؒ کے لئے وصیت لکھی ہے کہ مسجد بالی مویا میں برادر عزیز شیخ سماد الدینؒ کی صحبت اختیار کرو اور ان سے اسرار درویشانہ کی باتیں کیا کرو۔ نیز شیخ داؤد کے مزار پر حاضری دیا کرو کہ یہ بڑی دولت ہے۔ کیونکہ وہاں فیوض و برکات کی بارش ہوتی رہتی ہے نیز حضرت گنج شکرؒ کے قدم مبارک کی زیارت کیا کرو جو روضۂ متبرکہ کے قریب والی مسجد میں ہے۔ اور شیخ صلاح الدین سہروردیؒ اور شیخ صلاح صوفی اور شہدا کے مزارات پر بھی حاضری دیا کرو۔ اس سے بہت فیض حاصل ہوگا۔ شیخ صلاح سہروردی کے کمالات کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت مخدوم شیخ احمد عبدالحق قدس سرہٗ جیسے بلند پرواز شاہباز جب طویل سفر کے بعد ردولی تشریف لائے تو فرمایا کہ یہ شیخ صلاح سہروردی کی ولایت ہے پس ان کے مرقد پر جا کر مراقب ہوئے۔ آواز آئی کہ حوض کے اندر آؤ۔ جب حوض میں گئے۔ وہاں آپ کو چارپائی کی کچھ رسیاں اور پانی رکھنے کا گھڑا ملا۔ آپ کے دل میں خیال آیا

کہ گھڑے سے مراد طہارت ہے اور رسیوں سے مراد مصلّے ہے۔ پس اس قصبہ میں رہنے کی اجازت مل گئی۔ اس کا مفصل ذکر شیخ عبدالحق کے حالات میں آرہا ہے۔ شیخ صلاح سہروردیؒ کے مزار پر آج بھی فیض کی بارش ہو رہی ہے۔ شرط یہ ہے کہ دیکھنے والا صوفی اہلِ بصیرت ہو۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ احمد سروانیؒ

کاسبِ کارہائے دیدہ، محققِ جامِ وصال چشیدہ، مستقیم گشتہ بمقامِ عالی، محبِ صادق حضرت شیخ احمد سروانی قدس سرہٗ بڑے بابرکت اور مقبول بزرگ تھے۔ آپ کپڑا بننے کا کسب کرتے تھے آپ قاضی حمیدالدین ناگوریؒ کے مرید تھے اور خواجہ قطب الاسلام قدس سرہٗ سے محبت اور اعتقاد رکھتے تھے۔ جس مجلس میں خواجہ قطب الاسلام قدس سرہٗ کا وصال ہوا۔ آپ حاضر تھے۔

حضرت قاضی حمیدالدین ناگوریؒ کے چار نامور مریدین

سیرالعارفین میں سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ قاضی حمیدالدین محمد عطا ناگوری قدس سرہٗ اپنے کمال کے باوجود کسی کو مرید نہ کرتے تھے۔ سوائے اس کے کہ تین چار آدمیوں کو آپ نے اپنی بیعت میں قبول فرمایا۔ ان میں سے ہر ایک کے حالات لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ شیخ احمد نہروالیؒ

اوّل شیخ احمد نہروالی ہیں۔ درویشوں میں سے شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے کم کسی کی تعریف کی ہے۔ بجز شیخ احمد نہروالیؒ کے۔ جن کے حق میں آپ نے فرمایا ہے۔ ان کی مشغولی اور استغراق دس صوفیوں کا سرمایہ ہے۔ شیخ نصیرالدین اودھیؒ خیرالمجالس میں فرماتے ہیں کہ آپ پر کبھی کبھی ایسی حالت طاری ہوتی تھی کہ غائب ہو جاتے تھے۔ آپ کام نہیں کرتے تھے لیکن آپ کے کپڑے خود بخود سل جاتے تھے۔ ایک دن قاضی حمیدالدین نے فرمایا کہ احمد کب تک اس کام میں رہوگے۔ جب آپ گھر آئے تو

جاہا کر میخ کو حکم کر دیں کیونکہ وہ شست ہو چکی تھی۔ جونہی آپ نے میخ پر ہاتھ رکھا آپ کے چوٹ لگی۔ آپ نے کہا لے میرے پیر میرا ہاتھ توڑ دیا۔ اسی دن سے آپ نے یہ کام ترک کر دیا اور پورے طور پر حق میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے مرید بہت تھے۔ جمعہ کی نماز کے لئے جاتے وقت آپ بڑی ہاہو سے جاتے تھے۔ آپ کے کمالات مشائخ چشت کے ملفوظات میں اکثر ملتے ہیں۔ آپ کا مزار قصبہ بداؤں میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

۲۔ شیخ عین الدین قصابؒ

قاضی حمید الدینؒ کے دوسرے مرید شیخ عین الدین قصاب ہیں۔ جن کی دہلی کے بازار نوہتہ میں دکان تھی اور گوشت بیچتے تھے۔ آپ اہل کشف و کرامت تھے اور جو بات منہ سے نکلتی تھی، پوری ہوتی تھی۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں دیکھا ہے اور ان کی صحبت میں بیٹھا ہوں۔ اکثر خلائق ان سے فیض یاب ہوئی ہے۔ قاضی فخر الدین ناقلہ آپ کے پاس بہت جایا کرتے تھے۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا چاہتے ہو۔ اس نے کہا کسی جگہ کی قضا درکار ہے۔ پس اُسے قضا مل گئی۔ مولانا وجیہہ الدین ابتدائے حال میں آپ کے پاس گئے۔ آپ نے پوچھا کیا چاہتے ہو۔ انھوں نے کہا میری خواہش ہے کہ عالم ربانی ہو جاؤں۔ چنانچہ ان کی مراد پوری ہوئی۔ ایک دفعہ مولانا احمد آپ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ کی محبت کی خواہش ہے۔ چنانچہ وہ بھی واصلانِ حق میں سے ہو گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ شیخ محمود موئینہ دوز

قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے تیسرے مرید شیخ محمود موئینہ دوز تھے۔ آپ خواجہ قطب الاسلام کے مصاحبان اور معتقدین میں سے تھے۔ خواجہ قطب الاسلام کے ملفوظات میں آپ کا اکثر ذکر آتا ہے۔ آپ کا مزار حضرت خواجہ کے روضہ کے قریب حوض شمسی کی طرف ہے۔ جس کسی کو کوئی مہم پیش آتی ہے۔ آپ کے مزار سے پتھر اٹھا کر ایک طرف رکھ دیتا ہے۔ جب مراد پوری ہوتی ہے تو پتھر کو شکر سے تول کر آپ کی روح کو ایصال ثواب کرتا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

۴۔ شیخ حسن رسن تابؒ

قاضی حمید الدین کے چوتھے اور محبوب ترین مرید شیخ حسن رسن تاب تھے۔ جو بداؤں میں رہتے تھے اور رسن تابی کا پیشہ کرتے تھے۔ آپ کو شیخ شاہی موئے تاب بھی کہتے ہیں۔ لیکن قاضی صاحب آپ کو شیخ شاہی روشن ضمیر کہتے تھے۔ آپ کشف و کرامات اور عشق و حلال میں بے نظیر تھے۔ جس روز قاضی صاحب نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ کسی کو شیخ محمود کے پاس بھیج کر کہلایا کہ آج میں نے ایک کاسب صاحب دل کو خرقہ پہنایا ہے۔ تم اس کے متعلق کیا کہتے ہو۔ شیخ محمود نے کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا ہے کیونکہ جو کام آپ سے سرزد ہو گا۔ مستحسن اور پسندیدہ ہو گا۔ اس کے بعد آپ نے شیخ حسنؒ کو قصبۂ بداؤں کی طرف رخصت کر دیا۔ وہاں جا کر آپ ہمیشہ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے اور طالبان اور مریدین کی تربیت کرتے تھے۔ آپ کا حال اور روش عجیب تھی۔ سلطان المشائخؒ نے آپ کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ کے ملفوظات میں اکثر آپ کا ذکر آتا ہے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ شیخ نظام الدین ابوالمؤید یعنی شیخ جمال کے دادا جن کا مزار قصبۂ کول میں ہے۔ دہلی سے بداؤں جا کر بیمار ہو گئے۔ ایک دن شیخ شاہی رسن تاب ان کی عیادت کے لئے گئے۔ شیخ نظام الدینؒ نے فرمایا۔ میرے لئے دعا کیجئے اور ہمت کیجئے کہ مجھے اس مصیبت سے نجات ملے۔ انھوں نے کہا کہ میں ایک بازاری آدمی ہوں اور آپ شیخ کامل کے حق میں ناکس کی دعا کس طرح کارگر ہو سکتی ہے۔ شیخ نے بھی اصرار کیا کہ ضرور دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا ایک دوست ہے جس کا نام شرف الدین ہے۔ اس کی دکان میری دکان کے پاس ہے۔ وہ درزی کا کام کرتا ہے۔ ان سے رجوع کرنا چاہیئے۔ شیخ نظام الدینؒ نے انھیں بلوا بھیجا شیخ حسن نے شیخ شرف الدین کو مخاطب کر کے کہا کہ حضرت شیخؒ بیمار ہیں۔ ناف سے اوپر میری

ذمہ داری ہے۔ اور ناف کے نیچے آپ کی۔ چنانچہ دونوں حضرات مراقب ہو گئے۔ اور شیخ نظام الدین ابوالمویدؒ اسی وقت اچھے ہو گئے۔ الغرض جب آپ کی کرامات کا چرچہ ہُوا تو خلقت آپ پر ٹوٹ پڑی۔ بداؤں میں ایک اور درویش رہتے تھے جن کا نام محمد نجاشی تھا۔ ایک دن اُن کی شیخ رسن تاب رحمۃ اللہ علیہ سے مسجد میں ملاقات ہو گئی۔ شیخ شاہی رسن تاب سیاہ فام تھے۔ شیخ محمد نجاشی نے اُن سے کہا کہ اسے سیاہ تم نے بہت ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ تو جل نہ جائے اللہ کا حکم ایسا ہُوا کہ ان ایام میں شیخ شاہی رسن تاب کے گھر میں آگ لگ گئی انہوں نے بہت کوشش کی کہ باہر نکل جائیں لیکن گھر کے اندر جل گئے۔ آپ کا مزار بداؤں میں زیارت گاہِ خلق ہے رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ بدرالدین موئے تابؒ صاحب ولایت جن کا مزار بداؤں میں ہے شیخ شاہی موئی تاب کے بھائی ہیں۔ آپ اپنے بھائی شیخ شاہی کی وصیت کے مطابق خواجہ قطب الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا "آؤ شیخ بدرالدین صاحب ولایت!" پس حضرت خواجہ سے انہوں نے نہایت نعمتیں حاصل کیں اور اجازت لے کر بداؤں میں مقیم ہو گئے۔ آپ کا مزار بداؤں میں عیدگاہ شمسی کے پیچھے ہے۔ حضرت خواجہ قطب الاسلام کی برکت سے آج تک اُن کو شیخ بدرالدین صاحبِ ولایت کہتے ہیں ؎

شاہان چہ عجب گر بنوازند گدارا

فی الحقیقت آپ اس علاقے کے صاحبِ ولایت ہیں اور ہر خاص و عام کو اُس کی استعداد کے مطابق فیض پہنچا رہے ہیں۔ آپ کا مزار اس علاقہ کا قبلۂ حاجات ہے۔ دو ماہ ذیقعد ۱۰۰۸ھ کو یہ فقیر کاتبِ حروف بھی وہاں جاتے ہوئے بداؤں گیا اور شرف زیارت سے بہرہ مند ہُوا۔ بڑے عظیم الشان بادشاہ ہیں جو قبر میں بیٹھ کر حکومت کر رہے ہیں۔ جب اس فقیر کو آپ کی روحانیت سے تعلق پیدا ہُوا تو آپ نے باطنی انعامات سے نوازا اور بعض امور جن کی خواہش تھی بلا طلب عطا فرما دیئے۔

ان نعمتوں کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔ قصبہ بداؤں کے معمر لوگوں کے ذریعے یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ یہ تین بھائی تھے، بڑے بھائی شیخ محمد موئی تاب تھے جن کا لقب **شیخ شاہی موئے تاب** تھا؛ دوسرے بھائی **شیخ عثمان**، اور سب سے چھوٹے شیخ ابابکر ؒ جن کا لقب شیخ بدرالدین صاحب ولایت ہے۔ یہ دو بھائی بھی شیخ شاہی کے مرید تھے۔ جب وہ جل چکے تھے اور تھوڑی سی جان باقی تھی تو وہ دونوں مرید حاضر ہوئے۔ آپؒ نے وصیت فرمائی۔ شیخ عثمانؒ کی قبر میری قبر کے سامنے بنانا تاکہ جو شخص میری زیارت کو آئے اس کی زیارت بھی کر لے۔ اور جو خرقہ خلافت میں نے شیخ حمید الدین ناگوریؒ سے حاصل کیا ہے۔ وہ شیخ ابابکر کے لئے ہے۔ اس سے شیخ عثمانؒ کے چہرہ پر ذرا ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ تم دونوں بھائی اس خرقہ سمیت خواجہ قطب الاسلام کی خدمت میں جاؤ کیونکہ وہ ہمارے اور تمہارے مخدوم ہیں۔ جس کے لیے وہ حکم دیں وہی صاحب خلافت ہوگا۔

اس کے بعد دونوں بھائی خواجہ قطب الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؒ نے پہلے شیخ عثمان کو طلب کر کے بٹھایا اور فرمایا کہ یہ جو وصیت شیخ شاہی نے تمہارے حق میں کی ہے کہ اس کی قبر میری قبر کے سامنے ہو تمہارے لیے یہی نعمت کافی ہے۔ اس کے بعد شیخ ابابکر کو آپ نے طلب فرمایا اور دیکھتے ہی فرمایا "آؤ بدرالدین صاحب ولایت!" اور خرقہ اپنے ہاتھ سے انہیں پہنچا دیا اور کمال مہربانی و نوازش کے بعد رخصت فرمایا کہ بداؤں جاکر لوگوں کی ہدایت میں مشغول ہو جاؤ۔ پس وہاں سے رخصت ہوکر آپ نے بداؤں میں سکونت اختیار کر لی اور اسی دن سے آپ کو شیخ بدرالدین صاحب ولایت کہتے ہیں۔ شیخ ضیاء الدین نخشبیؒ اپنی کتاب سلک سلوک میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابابکر موئی تاب بیمار ہوئے تو میں ان کی عیادت کے لیے گیا: آپ بار بار یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

ایں تن چو غبار لیست میان من و تو   اندک آنکہ از میان برخیزد

دریہ تن جو میرے اور تیرے درمیان غبار یعنی حجاب ہے تھوڑی دیر میں درمیان سے ہٹنے والا ہے) رحمۃ اللہ علیہ۔

شیخ جلال افغان: شیخ بدرالدین صاحبِ ولایت کے کمالات کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی وفات سے تین سو سال بعد شیخ جلالؒ نے آپ کی روحانیت سے تربیت حاصل کر کے مرتبہ کمال تک پہنچے، بداؤں کے معمر لوگ جو شیخ جلالؒ کے مقرب تھے روایت کرتے ہیں کہ وہ قوم افغان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کو جلال خان کاسی کہتے تھے۔ آپ شیر شاہ بادشاہ ہندوستان کے اُمراء میں سے تھے اور حضرت شیخ شاہ چشتیؒ کے مُرید تھے۔ جن کا مزار قصبہ نیگرمو میں ہے۔ جب افغانوں کی سلطنت کو زوال آیا اور اقبال اور دولت نے روگردانی کر لی تو شیخ جلالؒ نے اس سے متنفر ہو کر مکمل ترک کا ارادہ کر لیا اور شیخ شاہ محمد چشتیؒ سے بیعت کر کے طلب حق میں مشغول ہو گئے لیکن فتح باب میسر نہ آتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد شیخ محمد چشتیؒ نے اُن سے کہا کہ تمہارا کام آستانۂ متبرکہ حضرت شیخ بدرالدین صاحب ولایت بداؤنی" پر انجام پانا مقدر ہوا ہے تجھے وہاں جانا چاہیئے۔ پس شیخ جلالؒ بداؤں گئے اور کمالِ نیازمندی سے آستانۂ عالیہ میں جاروب کشی کرنے لگے۔ آپ اکثر اوقات تلاوت قرآنِ پاک میں مشغول رہتے تھے۔ کافی ریاضت و مجاہدات کے بعد آپ کو صاحبِ ولایتؒ کی روحانیت کے ساتھ حضوری حاصل ہو گئی اور بہت نعمت حاصل کی۔ اس حد تک اُن کے مزار مبارک سے آواز آئی کہ" جلال بدرالدین و بدرالدین جلال" اس کے بعد آپ کمال کو پہنچ گئے اور دنیا میں آپ کی بہت شہرت ہوئی۔ ہر طرف سے لوگ حاضر ہو کر فیض یاب ہونے لگے۔

ان میں سے ایک ہندو نومسلم مخدوم عبداللہ ہوئے۔

مخدوم عبداللہؒ ایک دن شیخ جلالؒ کے دل میں خطرہ گذرا کہ اگر کوئی میرا فرزند معنوی اس کام کے لائق ہوتا تو اس کی تربیت کر کے اپنی جگہ پر بٹھاتا صاحب ولایت کی روحانیت نے آپ کو اطلاع دی کہ ایک فرزند ابھی ہم تمہارے پاس لا رہے ہیں۔ نہایت محنت سے اس کی تربیت کرنا۔ اتفاق حسنہ سے ان ایام میں سرکار لکھنؤ کے پرگنہ ایسو ہر میں کایہ قوم کا ایک ہندو رہتا تھا جس کا ایک بارہ سالہ لڑکا حسن و جمال میں نہایت مشہور تھا۔ وہ ایک اُستاد کے پاس

گلستان پڑھتا تھا۔ جب اُس نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پڑھی۔ تو اُستاد سے دریافت کیا یہ کون شخص ہیں۔ اُستاد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات بیان کئے۔ سُنتے ہی نورِ اسلام اس کے دل میں چمک اُٹھا اور مسلمان ہوگیا لوگوں کے بہت شور وغل مچانے پر وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا اور چلتے چلتے بداؤں پہنچ کر شیخ جلالؒ کے دروازے پر جا پہنچا۔ اس وقت صاحبِ ولایت کی روحانیت نے انہیں آگاہ کیا کہ وہ فرزند تمہارے دروازے پر پہنچ گیا ہے۔ اس کا نام مخدوم عبداللہ رکھو اور وہ تمہارا جانشین ہوگا۔ شیخ جلال انہیں عزت کے ساتھ اندر لے گئے اور اس کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ حتےٰ کہ انہیں بھی صاحبِ ولایتؒ کی روحانیت کے ساتھ حضوری حاصل ہوگئی۔ شیخ جلالؒ کی عادت تھی کہ نصف شب تک صاحبِ ولایت کے آستانہ پر تلاوت کرتے تھے اور مشغول رہتے تھے۔ اس کے بعد اپنے فرزندان کے مکان پر جایا کرتے تھے۔ ایک رات حسبِ معمول جا رہے تھے کہ راستے میں کچھ چور مل گئے۔ انہوں نے شیخ کو غنیمت جان کر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ ایک تیر آپ کے بدن پر لگا۔ جس کے زخم سے آپ نے شہادت کا مرتبہ پایا جو بزرگ ترین مقامات ہے۔ آپ کو صاحبِ ولایتؒ کے مزار کے قریب دفن کیا گیا۔ آپ کی شہادت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے آخری حصے میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کی جگہ مخدوم عبداللہ مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے۔ آپ نے بہت شہرت حاصل کی اور خلقت آپ سے فیض یاب ہونے لگی۔ اکثر بزرگان نے آپ کو دیکھا اور اُن کے کشف و کرامات بیان کئے ہیں آپ کو شغلِ باطن میں بہت استغراق تھا۔ آپ ساری رات عبادت میں مشغول رہتے تھے اور اکثر نعلین چوبی (کھڑاویں) پہن کر کھڑے رہتے تھے۔ بڑے بابرکت بزرگ تھے اور دُور دُور سے لوگ جا کر آپ سے نیاز حاصل کرتے تھے۔

شیخ طٰہٰؒ

شیخ طاہا جو اکابر قصبہ رائے بریلی میں سے تھے آپ کی خدمت میں جا کر مقیم ہوئے اور ترک و تجرید اختیار کر کے ساری عمر آپ کی خدمت میں رہ کر واصل باللہ ہوئے۔

مخدوم عبداللہ نے جہانگیر بادشاہ کے عہد کے اواخر میں ۱۰۳۲ھ میں وفات پائی۔ اور شیخ جلالؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

ان کے بعد شیخ طاہا ان کے قائم مقام ہوئے اور چند سال خدمت ارشاد انجام دے کر راہئ ملک عدم ہوئے ان کا مزار اسی جگہ ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ضیاء نخشبیؒ

آپ بڑے بلند ہمت بزرگ تھے آپ شیخ فرید یعنی سلطان التارکین شیخ حمیدالدین صوفیؒ کے پوتے کے مرید تھے۔ آپ سلطان المشائخ کے ہم عصر تھے اور قصبہ بدایوں میں رہتے تھے۔ ہمیشہ گوشۂ تنہائی میں رہتے تھے۔ آپ بھی صاحبِ تصنیف تھے، چنانچہ آپ کی کتابیں مثل سلک سلوک، عشرہ مبشرہ، کلیات و جزئیات، اور طوطی نامہ وغیرہ۔ آپ کی سب تصانیف ایک دوسرے کے مشابہ ہیں لیکن سلکِ سلوک بہت ہی شیریں اور رنگین ہے۔ جس میں دلپذیر حکایات اور مشائخ کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ جو کچھ ان کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ وہ صحبتِ خلق سے کنارہ کش تھے اور رندانہ اور ملامتیہ مشرب رکھتے تھے۔ اور کسی کے انکار یا اعتقاد کی پرواہ نہیں رکھتے تھے۔ نہایت قوی الحال تھے اور اس وقت قصبہ بداؤں میں حضرت شیخ بدرالدین صاحبِ ولایتؒ کے مزار کے قریب نماز گاہِ شمسی کے سامنے اور اپنے استاد شیخ محمدؒ کے مزار کی پائینتی غریبانہ اور مردانہ طریق پر آرام فرما ہیں۔ آپ کی وفات ۷۵۱ھ میں ہوئی یہ کاتب حروف بھی مزار مبارک کی زیارت کا شرف حاصل کر چکا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

یہ قطعہ حضرت شیخ ضیا نخشبیؒ کا ہے ؎

نخشبی خیز باز مانہ بساز	ورنہ خود را نشانہ ساختن است
عاقلان زمانہ چنیں گویند	عاقلی باز مانہ ساختن است

(اے نخشبی اٹھ اور زمانہ سازی کر ورنہ لوگوں کی بدگوئی کا نشانہ بن جا۔ داناؤں نے کہا ہے کہ عقلمندی زمانہ سازی ہی میں ہے)

حضرت شیخ بدر الدین سمرقندی قدس سرہ

محتشم روزگار، پیر عالی مقدار، وارث علوم محمدی، مرشد کامل شیخ بدر الدین سمرقندی قدس سرہ کا مشائخ محققین میں شمار ہوتا ہے۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے سلسلہ فردوسی میں سے پہلے بزرگ جو ہندوستان میں وارد ہوئے آپ تھے۔ اور آپ کی بدولت اس سلسلۂ عالیہ نے بہت شہرت حاصل کی۔ صاحب اخبار الاخیار کہتے ہیں کہ آپ شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے مرید تھے لیکن کتاب مناقب الاصفیا جس میں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام فردوسی مشائخ کے حالات درج ہیں۔ اس کتاب میں یہ تصحیح کی گئی ہے کہ آپ نے تربیت اور خلافت شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے حاصل کی تھی اور شیخ نجم الدین کبریٰؒ کو بھی دیکھا تھا شیخ سیف الدین باخرزی کے حالات سترہویں طبقہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ شیخ بدر الدین سمرقندیؒ خواجہ قطب الاسلام بختیار اوشی قدس سرہ کے عہد میں دہلی تشریف لائے تھے۔ سلوک میں آپ بہت کوشاں رہتے تھے۔ سماع میں آپ کو بہت غلو تھا اور حالت سماع میں آپ جس شخص کی طرف متوجہ ہوتے تھے اس پر بھی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ آپ بڑے قوی الحال تھے۔ اور مریدین کی تربیت میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ بڑے بزرگ تھے۔ اور اکثر سلطان المشائخ کے ساتھ سماع سنتے تھے۔ بڑے خوبصورت اور نیک سیرت تھے وفات کے بعد آپکو دہلی میں سنگودہ کے مقام پر دفن کیا گیا۔ وفات کے تیسرے دن مجلس سماع ہوئی سلطان المشائخ بھی موجود تھے لیکن مجلس سے دور دوسرے احاطہ میں بیٹھے تھے جب سماع گرم ہوا اور صوفی اٹھ کر وجد کرنے لگے تو آپ بھی کھڑے ہوگئے۔ لوگوں نے کہا آپ دور ہیں بیٹھے رہیں لیکن سلطان المشائخ نے فرمایا کہ موافقت شرط ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ رکن الدین فردوسی قدس سرہٗ

آپ شیخ بدرالدین سمرقندیؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور ان کی جگہ مسند نشین ہوئے سلسلۂ فردوسی نے آپ کی وجہ سے بہت ترقی کی حتیٰ کہ ہندوستان بھر میں جہاں کہیں کوئی فردوسی ہے۔ شیخ رکن الدین سے نسبت درست کرتا ہے آپ نے بچپن سے شیخ بدرالدین سمرقندیؒ کے ہاں پرورش اور تربیت پائی اور ان کے فیض صحبت سے مرتبہ کمال پر پہنچ کر خلق کی ہدایت میں مشغول ہوئے۔ سلسلۂ فردوسی میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا اور خلقت میں بہت مشہور تھے۔ آپ شہر دہلی میں قیام پذیر تھے اور جب سلطان معز الدین کیقباد نے کیلوگری میں نیا شہر آباد کیا۔ آپ نے بھی دہلی سے نکل کر اسی جگہ سکونت اختیار کر لی۔ بظاہر سلطان المشائخ اور شیخ رکن الدین کے درمیان چنداں مسلسل ملاقات اور اخلاص نہ تھا۔ جیسا کہ سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ کی وفات کے وقت سلطان المشائخ قید حیات میں تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ عماد الدین فردوسیؒ

آپ شیخ رکن الدین فردوسیؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور ان کی وفات کے بعد مسند نشین ہوئے۔ آپ بڑے صاحب حال اور صاحب کرامت تھے لیکن ہمیشہ پوشیدہ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لئے کم لوگ آپ کے محرم حال ہوتے تھے۔ صاحب مناقب الاصفیاء لکھتے ہیں کہ یہ شیخ عماد الدین شیخ نجیب الدین کے باپ اور شیخ رکن الدین کے بھائی تھے۔ شیخ نجیب الدین نے ابتدائے حال سے لیکر انتہائے سلوک تک اپنے چچا شیخ رکن الدینؒ سے تربیت حاصل کی۔ آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ جیسے بزرگ بھی آپ کے مرید اور تربیت یافتہ ہیں۔ شیخ شرف الدینؒ کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں شیخ

نجیب الدین فردوسیؒ نے جب شیخ شرف الدین منیری البہاریؒ کو خرقہ خلافت عطا فرما کر رخصت کیا تو فرمایا کہ اگر راستے میں تجھے اس طرف سے کوئی خبر ملے تو واپس نہ آنا آپ راستے ہی میں تھے کہ پیچھے سے کسی نے آ کر اطلاع دی کہ شیخ کا وصال ہو گیا ہے۔ آپ نے واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن جب شیخ کی وصیت یاد آئی تو بہار کی طرف چلے گئے۔ شیخ نجیب الدین فردوسی کی وفات سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے عہد میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ صوفی بدھنی قدس سرہٗ

رئیس ارباب تجرید ممتاز درمقام تفرید فارغ از ما و منی فرد کامل شیخ صوفی بدھنی قدس سرہٗ آپ کے حالات عجیب و غریب ہیں۔ آپ تمام قیود صوری و معنوی سے آزاد تھے۔ سلطان المشائخ سے فوائد الفواد سے منقول ہے کہ قصبہ کیتھل میں ایک بزرگ رہتے تھے جن کا نام شیخ بدھنی تھا۔ وہ بڑے تارک تھے۔ حتیٰ کہ اپنا ننگے بن کو ڈھانپنے کے لیے کپڑا بھی نہیں رکھتے تھے۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص قوت لایموت اور ننگا پن ڈھانپنے کے لیے کپڑے کا بھی تارک ہے۔ تو پھر سزا سے بچ سکتا ہے۔ تب اس کا شمار ان لوگوں میں سے ہوگا ان لوگوں میں نہ ہوگا۔ (یعنی اہل اللہ میں شمار ہوگا دنیا داروں میں نہ ہوگا) شیخ نصیر الدین اودھیؒ فرماتے ہیں کہ صوفی بدھنی حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے ہم عصر تھے۔ آپ کو ذوق طاعت بہت تھا۔ آپ مسجد میں محراب کے سامنے رات دن نماز میں مشغول رہتے تھے۔ اور کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ خلقت آپ کے گرد رہتی تھی۔ ایک دن کچھ دانشمند آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ بہشت میں نماز بھی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ وہ دار اجر ہے یعنی اجرت ملنے کی جگہ ہے وہاں کھانے پینے کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ جو عبادت ہے دنیا کے لیے مخصوص ہے۔ صوفی بدھنی نے کہا کہ مجھے اس بہشت کی کیا ضرورت کہ جس میں نماز نہ ہو۔ آپ کی بعض باتیں ہندی میں کہیں جو تحریر میں نہیں آئیں۔ ایک دن صوفی بدھنی کا ایک مرید کسی پہاڑ کی بلندی پر بیٹھا تھا کہ اس کی

کسی مرد غیب سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے پوچھا کہ صوفی بدھنی کیسے آدمی ہیں۔ مرد غیب نے جواب دیا کہ بزرگ آدمی ہیں مگر افسوس۔ پس یہی کہا تھا۔ اور اس کے بعد فوراً استغفار پڑھا۔ اُسی آدمی نے صوفی بدھنی کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا اگر وہ فوراً استغفار نہ پڑھتا تو اسے پہاڑ سے اس طرح نیچے پھینکتا کہ گردن ٹوٹ جاتی۔ آپ فرماتے ہیں کہ مشغولی کے وقت مجھ پر ایسی حالت طاری ہوجاتی ہے کہ سر الگ ہاتھ الگ اور پاؤں الگ ہوجاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ خواجہ قطب الاسلامؒ اور صوفی بدھنی دونوں چنگیزی مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے تھے۔ ایک دن تمام بھوکے اور پیاسے تھے۔ خواجہ قطب الاسلام نے اپنی کرامت سے اپنی بغل میں ہاتھ ڈال کر کاک (آپ کی مشہور روٹی کا نام ہے) نکال لیتے تھے۔ اور صوفی بدھنی تمام قیدیوں کو پانی کا کوزہ دیتے رہتے تھے۔ اسی دن سے خواجہ کا لقب "کاکی" ہوگیا۔ اور صوفی کا لقب "بدھنی" ہوگیا جسے سندھی زبان میں کوزہ کہتے ہیں لیکن حضرت خواجہ کے ملفوظات میں یا کسی اور کتاب میں اس حکایت کا نشان مطلق نہیں ملتا۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ کو صوفی بدھنی کی اولاد بتاتے ہیں یہ لوگ اکثر قصبۂ کیتھل کے رہنے والے ہیں۔ بعض ناربں میں بھی رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک فہمیدہ آدمی ہے جس کا نام شیخ نظام ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ جب شیخ صوفی بدھنی سترعورت (لنگا یعنی ڈھانپنے کا کپڑا) نہیں رکھتے تھے ان کے ہاں فرزند کس طرح ہوئے۔ اس نے کہا یہ سچ ہے لیکن کیتھل میں کسی شخص کے گھر ایک لڑکی پیدا ہوئی تو دو تین دن کے بعد صوفی نے وہ لڑکی اس سے لے لی اور اسے اپنی بیٹی بنا لیا۔ جب اسے دودھ پینے کی ضرورت ہوتی تھی تو شیخ اس کے منہ میں اپنی انگلی دے دیتے تھے۔ جس سے دودھ نکلتا تھا۔ جب وہ لڑکی بالغ ہوئی تو اس کی شادی ہوگئی اور اولاد پیدا ہوئی۔ ہم ان کی اولاد میں سے ہیں اور اپنے آپ کو شیخ بدھنی کی اولاد سے منسوب کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت سیدی مولہ قدس سرہٗ

آپ بھی حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے معاصر ہیں۔ ان کے حالات عجیب و غریب ہیں جس قدر تصوف آپ سے سرزد ہوا کسی سے کم ہوا ہوگا۔ شیخ ضیا برنی جو حضرت سلطان المشائخ کے مرید تھے۔ تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں کہ سیدی مولہ ایک درویش تھے۔ جو عجیب و غریب طریق سے رہتے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت کے شروع میں آپ دہلی میں وارد ہوئے۔ دہلی آتے ہوئے راستے میں آپ اجودھن گئے اور دو تین دن حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں رہے۔ حضرت شیخ نے آپ کے باطنی حالات سے آگاہی پاکر فرمایا کہ سیدی تم دہلی جا رہے ہو۔ تم چاہتے ہو کہ وہاں جاکر کشف و کرامات دکھاؤ اور ہنگامہ برپا کرو۔ اگرچہ تم اپنی بہتری خود سوچ سکتے ہو لیکن میری ایک بات یاد رکھنا۔ وہ یہ کہ امرا و سلاطین سے میل جول نہ رکھنا۔

جس درویش نے ان لوگوں سے میل جول رکھا آخر کار بلا میں مبتلا ہوا۔ سیدی مولہ جب دہلی پہنچے تو حضرت شیخ کی نصیحت بھول گئے اور بے انداز تصرف دکھانے لگے اپنے گھر کے سامنے ایک عالی شان خانقاہ تیار کر لی۔ اور اس قسم کے کھانے تیار کرانے لگے۔ کہ امرا و سلاطین کو بھی میسر نہ آتے تھے۔ اس کے علاوہ نقد و جنس بھی تقسیم کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام امرا و ملوک، اکابر، فقرا اور عوام آپ کے گرد جمع ہو گئے اور اکثر اہل دولت آپ کے پاس رات دن رہنے لگے۔ آپ کسی سے کچھ قبول نہیں کرتے تھے۔ جس کسی سے کوئی چیز خریدتے تھے۔ اس سے کہہ دیتے تھے کہ فلاں پتھر کے نیچے اتنی رقم پڑی ہے جاکر اٹھا لو۔ وہ جاکر رقم اٹھا لیتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سکے ابھی ٹکسال سے نکل کر آئے ہیں۔ اکثر لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ وہ علم سیمیا جانتے ہیں۔ آپ ریاضت و مجاہدہ بہت کرتے تھے۔ اچھے کپڑے زیب تن کرتے تھے عمدہ غذا کھاتے تھے۔ اور نماز جمعہ کے لیے نہیں جاتے تھے۔ نماز پڑھتے تھے لیکن جماعت کے پابند نہ تھے۔ سلطان بلبن کے عہد میں تو آپ کی زیادہ شہرت نہ تھی لیکن سلطان معز الدین کیقباد کا عہد بے خبری اور غفلت کا زمانہ تھا۔ سیدی مولہ کا بہت

چرچا ہوا۔ لوگوں کی آمد و رفت بڑھ گئی۔ اس کے بعد سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں آپ کی شہرت پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی۔ تمام اراکین سلطنت اور بادشاہ کا بڑا لڑکا آپ کے معتقد ہو گئے۔ اور آپ شاہانہ تصرف دکھانے لگے۔ بعض حاسدوں نے بادشاہ کے کان میں یہ بات ڈال دی کہ سلطنت کے تمام اراکین اس بات پر متفق ہوگئے ہیں کہ جمعہ کے دن تجھے قتل کر کے سیدی مولہ کو خلیفہ مقرر کریں گے مکارم اخلاق حلم و دانائی کے باوجود سلطان جلال الدین نے سیدی مولہ اور دیگر ملزمین کو گرفتار کر کے اپنے پاس طلب کیا اور حالات دریافت کیے۔ لیکن کسی نے اقرار جرم نہ کیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے تمام علما کو جمع کر کے محضر قائم کیا۔ لیکن شریعت کیخلاف کوئی گناہ ثابت نہ ہوا۔ اس واقعہ کی تفصیل تاریخ فیروز شاہی میں درج ہے چونکہ سیدی مولہ کے ساتھ بہت لوگ زیر الزام تھے بادشاہ نے الگ الگ کر کے سب کو مناسب سزا دی۔ سیدی مولہ کو اپنے تخت کے سامنے کھڑا کر کے بادشاہ نے خود ان سے بحث و مباحثہ کیا۔ اس مجلس میں شیخ ابوبکر طوسی قلندر حیدری بھی اپنی جماعت کے ساتھ موجود تھے۔ بادشاہ نے اس جماعت کو مخاطب کر کے کہا کہ اے درویش لوگو میرا انصاف سیدی مولہ سے لو۔ ایک بے شعور قلندر نے اٹھ کر سیدی مولہ کو استرے سے مجروح کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے فیل بان کو اشارہ کیا جس نے ہاتھی کو آگے بڑھا کر سیدی مولہ کو ہلاک کر ڈالا۔ شیخ ضیا برنی کہتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ سیدی مولہ کے قتل کے بعد ایک ایسی آندھی آئی جس سے سارا جہان تاریک ہوگیا۔ اور اسی دن سے بادشاہ کے ملک میں فتور شروع ہوگیا۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ درویش کا قتل بہت بڑی آفت ہے۔ کسی بادشاہ کو راست نہیں آیا۔ ان ہی ایام میں اس قدر خشک سالی اور قحط ہوا کہ غلہ بالکل ختم ہوگیا اور ہزاروں آدمی بھوکوں مرنے لگے۔ چند یوم کے بعد خود سلطان جلال الدین بھی سلطان علاؤالدین کے ہاتھوں مارا گیا اور سب لوگوں پر سیدی مولہ کے ظاہری و باطنی کمالات مسلم ہو گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قاضی منہاج الدین جرجانی قدس سرہٗ

آپ تاریخ طبقاتِ ناصری کے مصنف اور خواجہ گنج شکرؒ کے معصر تھے ۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میں دوشنبہ کے دن ان کی مجلسِ ذکر میں جاتا تھا ایک دن مجلس میں بیٹھا تھا کہ انہوں نے یہ رباعی پڑھی ؎

لب بر لب لعل دلبراں خوش کردن   وآہنگ سر زلفِ مشوش کردن

امروز خوش است لیک فردا خوش نیست   خود را چو خسے طعمہ آتش کردن

(محبوب کے لال لبوں پر بوسہ دیکر خوش ہونا اور اس کی زلفوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا یہ سب آج اچھا ہے ۔ لیکن کل (قیامت کو) اچھا نہ ہوگا ۔ کیونکہ یہ اپنے آپ کو خس و خاشاک کی طرح آگ میں ڈالنے کے مترادف ہے) جب میں نے یہ رباعی سنی تو بے خود ہو کر رہ گیا ۔ اور کچھ دیر کے بعد ہوش میں آیا ۔ قاضی منہاج کا شمار افاضلِ روزگار میں ہوتا ہے ۔ آپ صاحب وجد و سماع تھے ۔ جب آپ قاضی مقرر ہوئے تو اہلِ سماع کو بہت تقویت حاصل ہوئی ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

اکثر بزرگانِ صاحب حال مثل شیخ علی کرد، جن کا وطن میرٹھ تھا ، مولانا نور ترک دہلوی ، مولانا مخلص الدین ساکن موضع کرک نزد بداؤن ، خواجہ علی مرید شیخ جلال الدین تبریزی ساکن بداؤں ، شیخ برہان الدین نسفی ، مولانا علی الدین اصولی ساکن بداؤن ، شیخ شہاب الدین خطیب ساکن ہانسی ، شیخ احمد ساکن بداؤن ، مولانا احمد حافظ وغیرہ حضرت گنجشکرؒ کے ہم عصر تھے ۔ اگر ان کے حالات لکھے جائیں تو کتاب طویل ہو جائے گی ۔ لہٰذا اختصار سے کام لیا ہے ۔

حضرت شیخ جمال الدین احمد جرقانی قدس سرہٗ

شیخ مشہور آفاق ، عارف باستحقاق ، رموز دانِ خلاقی مرشد وقت شیخ جمال الدین احمد جرقانی قدس سرہٗ بزرگانِ عالی مقام میں سے تھے ۔ آپ شیخ رضی الدین علی لالاؒ کے اکمل اصحاب میں سے ہیں جن کا ذکر طبقہ ہفتم میں ہو چکا ہے اور وہ شیخ مجد الدین

بغدادی کے خلیفہ تھے اور وہ شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے ..... الیٰ آخرہ ۔ شیخ رکن الدین علاؤالدولہ چہل مجالس میں فرماتے ہیں کہ شیخ احمد جرقانی بڑے ذاکر شاغل اور عالی مرتبہ بزرگ تھے۔ اور میں نے عالم غیب میں ان کے مقام کو شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے برابر اور شیخ رضی الدین علی لالا کے مقام کو سلطان بایزید بسطامی قدس سرہ کے برابر دیکھا ہے۔ صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ شیخ رضی الدین علی فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے احمد (شیخ احمد جرقانی) کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے جو کچھ لوگ جنید اور شبلی سے حاصل کرتے ہیں وہ اس سے حاصل کرتا ہے۔ ایک دن شیخ سعدالدین حمویؒ جرقان گئے اور کسی کو شیخ احمد کے پاس بھیجا۔ شیخ احمد بڑے متوکل تھے نہ آئے۔ انہوں نے دوبارہ آدمی بھیجا کہ آپ کو آنا چاہیئے کیونکہ مجھے اشارہ ہوا ہے جس طرح تمہارے لیے شیخ علی لالا نے اجازت نامہ لکھا ہے میں بھی لکھ دوں۔ شیخ احمد نے جواب دیا کہ میں حق تعالیٰ کی پرستش اجازت کے ذریعے نہیں کروں گا۔ شیخ علاؤالدولہ سمنانی فرماتے ہیں کہ ان کی یہ بات مجھے بہت پسند آئی۔ ایک دن شیخ احمد نے دیکھا کہ ان کے ایک مرید مراقبہ کر رہے ہیں۔ جوتا اتار کر اس کی گردن پر مارنے لگے مرید نے کہا میں تو مراقبہ کر رہا ہوں اور شیخ مجھ سے غصہ ہو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا مراقبہ اسے روا ہے جو ایک ہفتہ کچھ نہ کھائے اور جب کسی کے قدم کی آہٹ سنے تو سمجھے میرے لیے کھانا لا رہا ہے۔ آپ کا وصال ربیع الآخر ۶۰۹ھ میں ہوا رحمۃ اللہ علیہ

حضرۃ شیخ نورالدین عبدالرحمٰن اسفرائنی قدس سرہٗ

آپ شیخ احمد جرقانی کے بزرگترین اصحاب میں سے تھے۔ صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ آپ ارشادِ طالبانٗ اور تربیتِ مریدان اور ان کے حالات کے کشف میں شانِ عظیم رکھتے تھے۔ شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانیؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے پوچھا کہ اس زمانے میں کون اولیاء باقی ہیں۔ میں نے کہا شیخ ابن عجیل ہیں جو یمن میں رہتے ہیں اور تستر میں شیخ شمس الدین ساوجی ہیں اور خواجہ حاجی ہیں جو امہرد

میں رہتے ہیں اسی طرح میں نے چند مشائخ کا نام لیا انہوں نے کہا کہ جب یہ اولیاء اللہ
موجود ہیں تو تم نے شیخ نورالدین عبدالرحمٰن سے کیوں بیعت کی ہے اور ان کی طرف
کیوں متوجہ نہیں ہوئے۔ میں نے جواب دیا کہ میرے دل میں ایک خواہش تھی۔ جو
ارشاد کے بغیر پوری نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے میں نے سلوک کی طرف توجہ کی تاکہ اس
طریق کو معلوم کروں۔ اس وقت ان کے سوا دنیا میں کوئی بزرگ نہ تھا اور مجھے زیادہ
معلوم نہ تھا کہ بزرگ کس طرح ہوتے ہیں تاکہ جو زیادہ بزرگ ہوتا اسی کے پاس جاتا کیونکہ
اگر کسی کو لوہار سے کام ہے۔ اور سنار کی دکان پر چلا جائے تو لوگ اس پر ہنسیں گے۔
شیخ علاؤالدین سمنانی فرماتے ہیں کہ اگر آخر زمانے میں شیخ نورالدین عبدالرحمٰن
کا وجود نہ ہوتا تو سلوک کا نام ونشان نہ رہتا۔ لیکن چونکہ حق تعالیٰ نے اس طریق کو باقی رکھنا
تھا۔ ان کے ذریعے اسے زندہ کیا۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن میں جماعت خانہ میں
غائب ہوگیا۔ میں نے امام غزالی کو دیکھا کہ سر زانو پر اور قلم ہاتھ میں لیے حیران بیٹھے ہیں
میں نے ان سے پوچھا کہ امام کس فکر میں ہیں۔ آپ نے فرمایا میں کیوں متفکر نہ ہوں کہ میں
نے دنیا میں سیمرغ کی تیس صفات لکھی تھیں۔ اب دیکھتا ہوں کہ یہ سب غلط ہے
میں نے ان سے کہا آپ نہیں جانتے کہ سیمرغ مظہر قدس حق ہے۔ میں نے یہ واقعہ شیخ
نورالدین عبدالرحمٰن سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا عجیب ہے میں بھی ایک دفعہ موضع شغال
میں تھا۔ اس وقت مجھے حقائق و معارف میں کافی درک تھا۔ میں نے عالم غیب میں دیکھا
کہ حق تعالیٰ مجھ سے فرمارہے ہیں کہ تجھے امام غزالی کی حسرت کا علم نہیں کیونکہ کوئی حسرت
ان کی حسرت کے برابر نہیں ہوسکتی۔ وہ یہ کہ سلوک تمام کیے بغیر ہمارے پاس آیا ہے
اس کے بعد میں غیب سے باہر آیا اور میری زبان پر عقدہ واقع ہوا۔ میں نے خاموشی اختیار
کر لی اور اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔ شیخ نورالدین عبدالرحمٰن اسفرائنیؒ کے کمالات کا اس
سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی جیسے بزرگ آپ کے مرید
وخلیفہ ہیں۔ ان کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔ شیخ نورالدین عبدالرحمٰنؒ کی ولادت
ماہ شوال ۶۳۹ھ میں ہوئی اور وفات چوبیس جمادی الاول ۷۱۷ھ سلطان غازان (غازان
بن ارغون خان بن ابقا خان بن ہلاکو خان کے عہد میں موضع اسفرائن میں ہوئی شیخ زاہد گیلانیؒ

جو عارفِ کامل اور صاحبِ تصرف اور شیخ صفی الدین اردبیلی کے پیر تھے اور شیخ نورالدین کے ہمعصر تھے آپ کی وفات بھی اسی سال ہوئی اور گیلان میں مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ سعید الدین فرغانی قدس سرہٗ

سالکِ صراطِ مستقیم رموزدانِ حضرتِ علیم کاشفِ اسرارِ نورانی، محقق کامل شیخ سعید الدین فرغانی قدس سرہٗ شیخ صدرالدین محمد بن اسحاق قونوی قدس سرہٗ کے اکمل خلفاء میں سے تھے۔ اور وہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کے خلفا میں سے تھے۔ اگرچہ شیخ سعید الدین ابتدائے حال میں شیخ نجیب الدین برغش شیرازیؒ کے مرید تھے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد آپنے سلوک شیخ صدرالدینؒ کی خدمت میں تمام کیا۔ اور عالی مقامات پر پہنچے۔ صاحبِ نفحات لکھتے ہیں کہ آپ کا شمار اکمل اربابِ عرفان واکابر ذوق و وجدان میں ہوتا ہے مسائلِ علم حقیقت کو کسی نے اس ربط و ضبط سے بیان نہیں کیا جیسا کہ آپنے شرح قصیدہ تائیہ فارضیہ کے دیباچہ میں کیا ہے۔ (یہ کتاب احقر مترجم کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہاولپور کی ایک چھوٹی سی دکان سے دلائی) پہلے آپنے اس کی فارسی زبان میں شرح کر کے شیخ صدرالدین قونویؒ کو دکھائی۔ شیخ نے اس کی بہت تعریف فرمائی اور اپنی طرف سے بھی اس پر کچھ لکھا۔ شیخ سعید الدین نے شیخ کی تحریر کو بھی تبرکاً بعینہٖ اپنی کتاب کے دیباچہ میں درج کر دیا۔ شیخ سعید الدین کی دوسری کتاب مناہیج العباد الی المعاد ہے جس میں آپ نے ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات، مسائل عبادات و معاملات، سلوک و آداب شریعت و طریقت احسن طریق پر بیان کیے ہیں۔ بہت ہی مفید کتاب ہے۔ جو ہر طالب اور مرید کے لئے بہت ضروری ہے اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ مریدین کی مشائخ کے ساتھ تین طرح کی نسبت ہوتی ہے ایک خرقہ کے ذریعہ دوسرے تلقین اور تیسرے صحبت کے ذریعہ خرقہ کی تربیت بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔ اول خرقہ ارادت (یعنی مرید ہونے کے بعد خرقہ خلافت حاصل کرنا) جو سوائے ایک پیر کے کسی سے لینا جائز نہیں ہوتا۔ دوم خرقہ تبرک جو بہت سے مشائخ سے تبرک کی خاطر لینا جائز ہوتا ہے اور شیخ الشیوخ

شہاب الدین سہروردیؒ نے نسبت خرقہ کو شیخ ابوالقاسم جنید بغدادی قدس سرہٗ سے پہلے ثابت نہیں کیا۔ اور جنید بغدادیؒ سے مصطفےٰ علیہ السلام تک نسبت صحبت ثابت کی ہے نہ کہ نسبت خرقہ۔ لیکن شیخ مجدالدین بغدادیؒ نے کتاب تحفۃ البررہ میں لکھا ہے کہ نسبت خرقہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خرقہ پہنایا اور انہوں نے حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور حضرت کمیل ابن زیادؓ کو عطا فرمایا جو دست بدست ہم تک پہنچا ہے جیسا کہ اس کتاب کے مقدمہ میں خواجگان چشت کے خرقہ خلافت کی ترتیب کے تحت لکھا جا چکا ہے۔

حضرت شیخ مؤیدالدین جُندی قدس سرہٗ

شیخ مویدالدین الجندی قدس سرہٗ بھی شیخ صدرالدین قونویؒ کے مرید اور شاگرد ہیں۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ تمام ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے۔ اور شیخ ابن عربیؒ کی بعض کتب مثل فصوص الحکم اور مواقع النجوم کی شرح بھی لکھی ہے اور فصوص الحکم کی تمام شروح کا ماخذ آپ کی شرح ہے اور آپ کی شرح میں جو تحقیق ہے باقی تمام کتابوں میں نہیں ہے۔ آپ کا کمال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لکھتے ہیں کہ شیخ صدرالدینؒ نے فصوص کا خطبہ میرے لیے شروع کیا اور اس اثنا میں ان پر واردِ غیبی کا ظہور ہوا جو میرے باطن میں اتر آیا اس وقت آپ نے تصرف فرمایا اور تمام کتاب کا مضمون مجھ پر واضح ہو گیا اس سے میں بہت خوش ہوا کہ میں فصوص الحکم کے معنی سے بہرہ ور ہو گیا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اولیاءاللہ کو قوت حاصل ہوتی ہے کہ اس جسم خاکی سے مفارقت کے بعد ہر جگہ ظاہر ہو سکتے ہیں۔ ایک دفعہ میں بغداد میں تھا اور ایک شخص میری منزل گاہ میں مقیم تھا اور دعویٰ کرتا تھا کہ میں مہدی ہوں اور مجھ سے اس دعویٰ کی شہادت طلب کرتا تھا۔ میں نے کہا میں خدا تعالیٰ کے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ تو مہدی نہیں ہے۔ اس سے وہ میرا دشمن ہو گیا اور اپنی جماعت کے لوگوں کو مجھے نقصان پہنچانے کے درپے کر دیا۔ میں نے شیخ محی الدین

ابن عربیؒ کی روحانیت سے امداد طلب کی اور آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ نے ظاہر ہو کر ایک ہاتھ سے اس کے دو ہاتھ اور ایک ہاتھ سے اس کے دو پاؤں پکڑ کر اوپر اٹھایا اور فرمایا کہ زمین پر ماردوں۔ میں نے عرض کیا یا شیخ جس طرح حضور کا حکم ہو۔ اس کے بعد آپ چلے گئے۔ میں اٹھ کر مسجد میں گیا۔ اس مدعی نے اپنے لوگوں کے ساتھ مجھے نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا ہوا تھا لیکن میں نے ان کی طرف کوئی التفات نہ کیا اور محراب کے پاس جا کر نماز پڑھنے لگا لیکن وہ لوگ مجھ پر قادر نہ ہو سکے اور ان کے شر کو حق تعالیٰ نے مجھ سے دفع کر دیا اس کے بعد اس مدعی نے میرے ہاتھ پر توبہ کر لی اور سفر پر روانہ ہوا۔ آپ کے کلمات عالی اور خوارق بہت ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ عزیز بن محمد نسفی قدس سرہٗ

آشنائے بحرِ لاکنار کاشفِ مقاماتِ اسرار، مجتہدین طریقت چنانکہ در شریعت قطبِ ارشاد، شیخ عزیز بن محمد نسفی قدس سرہٗ کا شمار کاملین میں ہوتا ہے۔ جس قدر حقائق و معارف اور اصطلاحاتِ صوفیہ آپ نے اپنی تصانیف مثل کشف الحقائق اور اقصیٰ و تنزیل میں بیان کئے ہیں اس طائفہ کے کسی دوسرے بزرگ نے کم بیان کیے ہوں گے۔ آپ کا سلسلۂ ارادت کسی جگہ نظر نہیں آیا لیکن آپ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے والد شیخ محمد نسفیؒ کے مرید تھے، وہ شیخ سعد الدین حمویؒ کے اور وہ شیخ نجم الدین کبریٰؒ قدس سرہٗ کے۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ میں نے تربیت شیخ سعد الدین حمویؒ سے حاصل کی۔ اور یہ دونوں روایات صحیح معلوم ہوتی ہیں۔ آپ اپنے رسالہ کشف الحقائق میں فرماتے ہیں کہ ۶۱۷ھ میں کفار کا لشکر ماوراء النہر کے علاقے میں حملہ آور ہوا۔ یہ بیچارہ اور دیگر درویش بخارا میں تھے۔ جمعہ کا دن تھا پہلی ماہ رجب کو چنگیز خاں کا لشکر شہر میں داخل ہوا اور قتل و غارت شروع کر دی۔ ہمیں بہت تکلیف ہوئی چنانچہ ہم شہر سے نکل کر خراسان گئے اور شہر شہر اور موضع موضع سے گزرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ لیکن کسی جگہ قیام نہ کر سکتے تھے اس وجہ سے اس کتاب کی تالیف میں دیر ہو گئی حتیٰ کہ ۶۸۰ھ میں کتاب مکمل ہو گئی۔ میں نے چاہا کہ احباب کی نظر سے گذاروں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا جب تک میری ہجرت کو سات سو

سال نہیں ہوجاتے یہ کتاب خلق کے سامنے نہ ظاہر کرنا " اس سے ظاہر ہے کہ سات سو سال کے بعد لوگوں کے دلوں سے غرور اور تکبر کم ہوجائے گا اور حقائق اشیا کا ظہور ہوگا دوسری یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مذاہب کا اختلاف کم ہوجائے گا اور لوگ ایک مذہب پر آجائیں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر دور کے بعد لوگ زیرک تر (زیادہ دانا) ہوجاتے ہیں خاص طور پر دورِ قمر میں۔ جب دورِ قمر ختم ہوگا تو لوگ بے حد دانا ہو کر یک رنگ اور یک مذہب ہوجائیں گے۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ جس طرح آج ہے اسی طرح ہمیشہ رہے گا۔ اور سرِ مو ئے فرق نہ ہوگا۔ ہاں ممکن ہے کہ کسی ملک میں لوگوں کے اندر اختلاف مٹ جائے اور سب ایک قوم اور ایک مذہب اختیار کر لیں۔ اور ان کا غرور و تکبر کم ہوجائے اور حقائق و معارف ان کے اندر ظاہر ہوں۔ آپ اپنی کتاب مقصد اقصیٰ میں فرماتے ہیں کہ جوہرِ اوّل روحِ محمدؐ ہے اور جوہرِ اوّل دو کام کرتا ہے ایک یہ کہ فیض حق تعالیٰ سے حاصل کرتا ہے دوم یہ کہ فیض خلق تک پہنچاتا ہے۔ اب جاننا چاہیئے کہ یہ جو جوہرِ اوّل فیض حق سے لیتا ہے اس کا نام ولایت ہوا اور یہ جو فیض خلق کو پہنچاتا ہے اس کا نام نبوّت ہوا۔ پس ولایت نبوّت کا باطن ہوا۔ اور نبوّت ولایت کا ظاہر ہوا۔ اور یہ دونوں صفات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں جب تم نے ولایت اور نبوت کو سمجھ لیا تو تمہیں جاننا چاہیئے کہ شیخ سعدالدین حموی رحؒ فرماتے ہیں کہ جوہرِ اوّل کی دونوں طرفوں کے دو مظہر ہیں۔ اس جہان میں اس طرف کے مظہر جس کا نام نبوّت ہے خاتم انبیاؐ ہیں اور اس طرف کے مظہر جس کا نام ولایت ہے صاحب الزماں ہے اور صاحب زماں کے نام بہت ہیں۔ درویش صاحبِ زماں علم باکمال اور قدرت باکمال رکھتا ہے۔ علم اور قدرت ہمیشہ اس کے ہمراہ کر دیئے گئے ہیں جب ان کا ظہور ہوگا تو تمام زمین ظلم سے پاک ہو کر عدل سے آراستہ ہوجائے گی اور لوگ امن و امان میں آجائیں گے۔ شیخ سعدالدینؒ نے صاحب زماں کے حق میں کتابیں لکھی ہیں اور ان کی بہت تعریف کی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے اس کے آنے کی خبر دی ہے۔ اور علامات بیان فرمائی ہیں۔ لیکن معلوم نہیں کہ ان کا ظہور کہاں ہوگا۔ شیخ سعدالدین نے فرمایا ہے کہ ان کے ظہور کا یہ وقت نہیں ہے۔ بہت لوگ سرگرداں ہوئے اور

ان کو یہ گمان ہوا کہ صاحب زمان ہم ہیں اور وہ علامات جو ان کے حق میں بیان کی گئی ہیں ہمارے حق میں ظاہر ہوں گے۔ لیکن ظاہر نہ ہوئے اور یہ حسرت لے کر مر گئے کچھ اور لوگ ہیں جو اس خواہش میں مر رہے ہیں۔ انہوں نے صاحب زماں کے ساتھ ایسی چیزیں منسوب کر دی ہیں کہ اگر بیان کروں تو یقین نہیں کریں گے۔

جب تجھے یہ معلوم ہو گیا کہ ولایت باطنِ نبوّت ہے اور ولایت اور نبوت دونوں محمد علیہ السلام کی صفات ہیں۔ پس تجھے جاننا چاہیئے کہ اب تک صفتِ نبوّت ظاہر تھی اور اب صفت ولایت ظاہر ہو گی۔ جب کبھی نبوّت کا ظہور ہوا تو صورت کی بنیاد پڑ گئی اور اس صورت کے محل کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل کیا۔ جب یہ کام ختم ہو گیا تو نبوت بھی ختم ہو گئی۔ اب نبوّت ولایت ہے جو ظاہر ہو گی اور حقائق ظاہر کرے گی اور صاحب زمان جس کا ذکر ہو چکا ہے وہی ہے کہ جب ظاہر ہو گا ولایت ظاہر ہو گی۔ حقائق آشکارا ہوں گے۔ اور صورت پوشیدہ ہو گی اب تک مدارس میں علوم صورت پڑھائے گئے ہیں اور حقائق پنہاں تھے اس وجہ سے کہ وقتِ نبوّت تھا اور نبوت کا تقاضا تھا صورت کا اظہار کرنا جب صورت کا ظہور مکمل ہو چکا تو ولایت کے ظہور کا وقت آ گیا جب ولایت ظاہر ہوتی ہے حقائق آشکارا ہو جاتے ہیں اور صورت پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مدارس میں صورت پر بحث تھی۔ اب حقائق کی بحث ہے یعنی حقیقت اسلام، حقیقت ایمان حقیقت صلواۃ، حقیقت صوم، حقیقتِ حج ظاہر کرتے ہیں اور حقیقت بہشت و دوزخ ثواب و عقاب بیان کرتے ہیں۔ جب حقائق آشکارا ہو جائیں گے تو قیامت ظاہر ہو جائے گی۔ اور یہ ہے یوم قیامت کی حقیقت جو حق تعالیٰ کے اس قول میں بیان کی گئی۔ انکم ستَرَوْنَ رَبَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ کَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ، یعنی تحقیق تم جلدی دیکھو گے اپنے پروردگار کو قیامت کے دن جس طرح تم دیکھتے ہو چاند کو چودھویں رات میں۔

الغرض آپ نے اپنی تصانیف میں اس قسم کی باتیں لکھی ہیں جس سے آپ کے کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔ آپ اس طائفہ کے اکمل محققین میں سے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

کے بود خود زخود جدا ماندہ   من و تو رفتہ خدا ماندہ

طبقہ ۲۰

شیخ علی صابرؒ اور شیخ نصیر الدین محمود اودھیؒ وغیرہ کے مجمل حالات

حضرت شیخ علاء الدین علی احمد صابر قدس سرہٗ

آں آفتاب عشق ولایت • آں گنجینۂ نور ہدایت
آں خو کردہ بہ مقام تفرید • آں مستقیم گشتہ بفنائے توحید

آں موصوف بہ اوصاف اسوقاد (؟) قطب ابدال شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر قدس سرہٗ
انبیاء بنی اسرائیل کی اولاد میں سے تھے جن کا سلسلۂ نسب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جا ملتا ہے
آپ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے محبوب ترین خلیفہ تھے اور مرید ہونے میں اکثر احباب سے سابق تھے
صاحب اخبار الاخیار کے قول کے مطابق آپ حضرت شیخ کے داماد بھی تھے۔ آپ مردے باکمال میں سے تھے
اور شان عظیم رکھتے تھے۔ حال بلند اور ہمت قوی رکھتے تھے۔ غلبۂ استغراق ذات مطلق کی وجہ سے آپ ہرگز
دنیا کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تھے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

مے حرف وحدت کسے نوش کرد • کہ دنیا و عقبیٰ فراموش کرد
(جس نے وحدت کا پیالہ پیا • دنیا و عقبیٰ بھول گیا)

آپ ابتدائے سلوک سے اسقدر ریاضات و مجاہدات اور ترک و تجرید پر عمل پیرا ہوئے کہ احباب
آپ کی صحبت کی تاب نہ لاسکے۔ السلامت فی الوحدت والآفت بین الاثنین۔
(سلامتی تنہائی میں ہے اور آفت دو کے درمیان ہے) کے مطابق آپ ہمیشہ اکیلے رہتے تھے آپ
تمام صوری و معنوی قیود سے آزاد و بے نیاز تھے۔ آپ افراد کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ
نفس قاطع رکھتے تھے اور جو کچھ منہ سے نکالتے تھے فوراً ہو جاتا تھا۔

آپ قلب اسرافیل پر تھے اور ولایت موسوی رکھتے تھے۔ صلوٰۃ اللہ علیہ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اندر غلبۂ شوق و عشق اور غیرت فراوان تھا۔ آپ کے حالات شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کے حالات سے بہت مناسبت رکھتے ہیں صاحب لطائف اشرفی فرماتے ہیں کہ شیخ نجم الدین کبریٰ ولایت موسوی پر تھے۔ صلوٰۃ اللہ علیہ۔ اور مشائخ عظام کے درمیان یہ امر مسلم ہے کہ ہر ولی کسی نہ کسی نبی کی ولایت پر ہوتا ہے۔ حدیث مبارک۔ "العلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"

کا اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔ جس قدر تصرفات جلال شیخ علی صابرؒ سے ظاہر ہوئے ہیں خاندان چشتیہ کے کسی بزرگ سے ظاہر نہیں ہوئے ہوں گے۔ آپ یگانۂ روزگار اور بے نظیر وقت تھے۔ اس پاک سلسلے کے بزرگان سے متواتر منقول ہے۔ کہ حضرت گنج شکرؒ نے آپ کو خلافت عطا کر کے سلطان المشائخ سے پہلے دہلی بھیجا کہ وہاں سکونت اختیار کرو۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس معاملہ میں حضرت شیخ نے آپ کو اختیار دیا کہ کس مقام پر رہنا پسند کرتے ہو۔ شیخ علی صابرؒ نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو دہلی میں رہوں گا۔ پس آپ نے اجازت نامہ لکھ کر دیا۔ اور فرمایا کہ پہلے اسے شیخ جمال الدین ہانسویؒ کو دکھا دا اس کے بعد دہلی جانا۔ جب آپ ہانسی پہنچے تو اجازت نامہ ان کو دے کر درخواست کی کہ ابھی مجھے رخصت کیجیے۔ شیخ جمال الدینؒ نے فرمایا کہ اس قدر جلدی کیا ہے۔ دہلی کے صاحب ولایت کے لیے تو بہت بردباری کی ضرورت ہے آپ ایک ساعت بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ کام کس طرح سرانجام ہوگا۔ شیخ علی احمد صابر نے غلبہ استغنا سے بے نیازانہ جواب دیا جس سے شیخ جمال الدینؒ کے دل میں باوجود اپنے جمال کے غیرت بشری کار فرما ہوئی اور عنان صبر چھوڑتے ہوئے آپ نے اجازت نامہ پھاڑ دیا۔ شیخ علی صابرؒ جو عین مظہر جلال تھے کس طرح تاب لا سکتے تھے۔ فوراً بول اٹھے کہ "من سلسلہ ترا بریدم کہ ہرگز از تو سلسلہ مشائخ جاری نشود" (میں نے تمہارا سلسلہ کاٹ دیا اور تجھ سے ہرگز سلسلۂ مشائخ جاری نہ ہوگا) آخر یہی ہوا کہ شیخ جمال الدینؒ کا لڑکا جو بڑا دانشمند اور لائق سجادہ تھا ان ہی ایام میں دیوانہ ہو گیا اور اس کام کا نہ رہا۔ ان کا چھوٹا لڑکا برہان الدین اپنے والدؒ کی آخر عمر میں موجود تھا۔ شیخ جمال الدین نے بہت چاہا کہ اسے مرید کر کے وصیت کے ذریعے

بیعت کی اجازت دیں لیکن شیخ کی زبان جاری نہیں ہوتی تھی۔ دوسری باتیں کرتے تھے لیکن شیخ برہان الدین کے حق میں وصیت کرنا میسر نہیں آتا تھا۔ اسی وجہ سے شیخ جمال الدینؒ کا سلسلۂ مشائخ ختم ہو گیا۔ آپ کی وفات کے بعد شیخ برہان الدین کو بھی آخر وقت یہی معاملہ درپیش ہوا۔ اس لیے ان کے لڑکے شیخ قطب الدین منورؒ نے سلطان المشائخؒ سے بیعت کر لی جن کا ذکر آگے آئے گا۔

الغرض شیخ علی صابرؒ ہانسی سے واپس ہو کر حضرت گنج شکر کی خدمت میں پہنچے اور واقعہ حال بیان کیا۔ حضرت شیخ کو شیخ جمال الدینؒ کی گستاخی پسند نہ آئی اور شیخ علی صابر کے حق میں بہت مہربانی فرمائی اور فرمایا کہ وہ پھاڑا ہوا کاغذ تو اب نہیں سیا جا سکتا۔ لیکن میں تمہیں اس سے بہتر اجازت نامہ دیتا ہوں۔ خاطر جمع رکھو اور دل تنگ نہ ہو۔ چند روز کے بعد اپنے دست مبارک سے اجازت نامہ لکھ کر عنایت فرمایا اور قصبۂ کلیر کا صاحب ولایت بنایا اور وہاں جانے کا حکم فرمایا۔ قصبۂ کلیر دامن کوہ میں واقع تھا اس کی آب و ہوا نہایت معتدل تھی اور اس وقت بہت آباد تھا۔ جب آپ نے کلیر میں سکونت اختیار کی تو وہاں کے علمائے ظاہر اور بعض مشائخ نے آپ کا انکار کیا۔ اس وجہ سے کہ آپ قلندر مشرب تھے اور آپ کے ہاں ابدال کا گذر رہتا تھا۔ آپ باطنی آرائش میں اس قدر مستغرق تھے کہ آراستگی ظاہر کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ قولہٗ تعالیٰ۔ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿اولیاء اللہ وہ ہیں جن کو نہ خوف ہے نہ غم﴾ کا اشارہ اسی طرف ہے۔ اور ہر عہد کے اکثر قطب ابدال کا یہی دستور تھا۔ جیسا کہ شیخ شمس الدین تبریزیؒ اور شیخ فخر الدین عراقیؒ کے حالات سے ظاہر ہے۔ الغرض شیخ علی صابرؒ کے اصحاب بھی بہت بہت بے باکی سے کام لیتے تھے وہ یا تو لوگوں کی نظروں میں اسی طرح رہنے کی کوشش کرتے تھے یا اسی حال میں رہنے پر مامور تھے کیونکہ صوفی کو اپنے مقام پر اس قدر ذوق و مشاہدہ اور حال نصیب ہوتا ہے کہ ان کی بصیرت کے آگے لوگوں کی مدح و قدح کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ اگر کوئی صوفی کوتاہ ہمتی سے خلق کی جانب نظر کرتا ہے تو اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا ہے کہ جب تک سالک کے دل میں ذرہ بھر رعایت خلق باقی ہے اسے مقام معرفت

تک رسائی نہیں ہوتی۔ پس اس معاملہ میں صوفیائے اہل صفا کا مذہب یہ ہے کہ یہ لوگ وارث انبیائ ہیں صلوٰۃ علیہم۔ اور انبیاء معصیت سے پاک ہیں اس وجہ سے کہ ان کے تمام اقوال و افعال وحی کے مطابق ہوتے ہیں۔ اور خود درمیان سے اٹھ جاتے ہیں صوفیائے کرام بھی حق سبحانہ۔ تعالیٰ کے قول یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیدُ کے مطابق ذات مطلق میں اس قدر مستغرق ہوتے ہیں کہ کسی ظاہری و باطنی معاملے میں ان سے اس حال کے مخالف کوئی فعل سرزد نہیں ہوتا۔ اس مقام کی وجہ سے صوفیا کو معصیت سے معصوم سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ تمام موجودات میں مطلوب حقیقی کے متلاشی ہوتے ہیں کسی بزرگ نے خوب لکھا ہے۔ ؎

چو باد صبا در بدر کو بکو طلبگارِ اویم طلبگارِ او

(باد صبا کی طرح ہم دربدر کوچہ بکوچہ دوست کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں) پس اس قوم پر جو شخص اعتراض کرتا ہے حسد اور اندھے پن سے کرتا ہے۔ غرضیکہ جب شیخ صابر علیؒ کی بہت شہرت ہوئی اور لوگ آپ کے بے حد معتقد ہو گئے تو وہاں کے علماء اور مشائخ کے دل میں حسد پیدا ہو گیا اور متفق ہو کر یہ منصوبے بنانے لگے کہ کسی طرح آپ کو نقصان پہنچائیں۔ لیکن آپ کے رعب و جلال اور ظہورِ کرامات کی وجہ سے دم نہیں مار سکتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اصحاب سمیت نماز جمعہ پڑھنے کے لیے کافی پہلے جامع مسجد تشریف لے گئے اور ممبر کے پاس جا کر بیٹھ گئے لیکن بدقسمتی سے وہ وہاں کے علماء و مشائخ کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ جب وہ لوگ مسجد میں آئے تو سختی سے کہنے لگے کہ یہاں سے اٹھو اور کسی دوسری جگہ پر جا کر بیٹھو۔ آپ کے اصحاب نے نہایت اخلاق سے کہا کہ جگہ خالی تھی ہم آکر بیٹھ گئے۔ ہمیں معذور رکھو۔ لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور کہتے رہے کہ یہ ہمارے آباؤ اجداد کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ ہم تمہیں ہرگز یہاں نہیں بیٹھنے دیں گے۔ جب بات بڑھ گئی تو حضرت شیخ صابرؒ نے مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمایا کہ اس ملک کا صاحبِ ولایت اس مقام پر بیٹھنے کا تم سے زیادہ مستحق ہے۔ یہ سن کر اس ناعاقبت اندیش جماعت نے غصے سے نام لیتے ہوئے دریافت کیا کہ یہ کہاں سے معلوم ہو کہ آپ

صاحب ولایت ہیں۔ اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہے اس سے حضرت شیخ کی غیرت میں جو مظہر جلال تھی جوش آیا اور ایک حالت خاص میں آپ مسجد سے باہر آ کر فرمانے لگے کہ دلیل یہ ہے کہ تم اسی وقت ختم ہو جاؤ گے۔ آپ نے یہ کلمات منہ مبارک سے نکالے ہی تھے کہ ایک دم مسجد گر پڑی اور کئی ہزار آدمی اس کے نیچے دب کر مر گئے جن میں سے کم و بیش چار سو علماء و مشائخ تھے۔ اس سے سارا شہر ماتم کدہ بن گیا۔ اور شہر کے باقی ماندہ لوگ حاضر ہو کر معافی مانگنے لگے آپ نے غلبۂ حال میں فرمایا کہ ابھی کچھ نہیں ہوا میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی تھی جو منظور بھی ہو گئی ہے کہ اس شہر کا ایک شخص بھی زندہ نہ رہے اور اس کے بعد یہ شہر کبھی آباد نہ ہو کیونکہ میرے نزدیک اس گھر کی ویرانی آبادی ہے کسی بزرگ نے خوب کہا ہے ؎

منزلہائے تو شد سینۂ ویرانِ من لاجرم باشد ہمیشہ گنج در ویرانہ

(میرا ویران دل تیری منزل گاہ بن گیا ہے۔ اس وجہ سے کہ خزانہ ہمیشہ ویرانے میں ہوتا ہے) پس جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے نکلا تھا چند دنوں میں پورا ہو گیا اور اسی طرح ہوا۔ چنانچہ قصبۂ مذکور آج تک ویران پڑا ہے اور اس مسجد کے پتھر اب تک وہاں بکھرے پڑے ہیں۔ بعض سلاطین دہلی نے ہر چند کوشش کی کہ قصبۂ کلیر کو از سرِ نو آباد کریں لیکن آپ کی ولایت کے تصرف کی وجہ سے یہ بات میسر نہ آئی۔ غرضیکہ کرامات کا آپ سے اس قدر ظہور رہا کہ ان کو دائرۂ تحریر میں لانا مشکل ہے۔

جائیکہ کہ کس است حرفے بس است

روایت میں آیا ہے کہ اس ویرانے میں گرد و نواح کے لوگ اس کثرت سے آپ کی خدمت میں روزانہ حاضر ہوتے تھے کہ آبادی میں اتنے لوگ نہیں آتے ہوں گے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو اس قدر تصرف عنایت فرمایا تھا کہ مشائخ وقت حسرت کرتے تھے۔ اس وقت بھی جب تیرہ ماہ ربیع الاول کو آپ کا عرس ہوتا ہے تو ہر طرف سے ہزاروں لاکھوں آدمی آپ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتے ہیں اور تین دن تک طعام وافر تقسیم کرتے ہیں۔ ؎

زندہ آنست کہ جانے درو ست　　او ست کہ از عشق نشانے درو ست

(زندہ وہ ہے جس کے اندر جان ہے۔ یعنی وہ جس کے اندر عشق کا نشان ہے)

صاحب سیر الاولیا نے جہاں حضرت گنجشکرؒ کے خلفا کے حالات لکھے ہیں حضرت شیخ صابرؒ کے متعلق کچھ ذکر کیا ہے کہ ایک بڑے درویش اور صاحب نعمت تھے جن کو شیخ علی صابر کہتے ہیں۔ آپ بڑے ثابت قدم اور بلند ہمت تھے آپ قصبۂ کلیر کے رہنے والے تھے۔ گنج شکر سے رشتہ رکھتے تھے انہیں حضرت گنج شکر سے اجازت بعیت تھی۔ جس وقت حضرت گنج شکر کسی کو رخصت کرتے تھے تو اُسے نصیحت خاص کرتے تھے اور کچھ دیر اپنے پاس بٹھلاتے تھے۔ لیکن جب شیخ صابرؒ نے عرض کیا کہ بندہ کے حق میں کیا فرمان ہے تو حضرت گنج شکرؒ نے ان کے متعلق ہندی زبان میں فرمایا کہ "بھوگھا خواہی کرد" یعنی مزے کروگے اور زندگی راحت سے گذرے گی۔ پس آخر عمر تک آپ کی زندگی راحت سے گذری۔ آپ بڑے خوش باش اور کشادہ پیشانی تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

سیر الاولیا جو کہ ایک معتبر کتاب ہے اور سلسلہ چشتیہ کا دستور العمل ہے کی یہ عبارت مجھے بہت پسند آئی ہے۔ کیونکہ ان جامع کلمات میں حضرت گنج شکرؒ نے آپ کے حق میں جن نعمتوں کا اشارہ فرمایا ہے ان کی شرح کے لیے کئی دفتر بھی ناکافی ہیں۔ اگر لفظ "بھوگھا" سے دنیا و آخرت کی راحتیں مراد ہیں تو بھی درست ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ "بھوگھا" سے مراد تجلیاتِ جلال و جمال ہیں جو مختلف مظاہر میں سالک پر وارد ہوتی ہیں تو بھی صحیح ہے۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ اس سے مراد رانھتلائے قرب و بعدِ حق ہیں جو عین مشاہدہ حق میں عارف پر عتاب و خطاب ہوتی ہیں۔ یعنی کسی وقت لذتِ عتاب میں غرق ہوجاتا ہے۔ اور کسی وقت شوقِ خطاب میں بجلی کی طرح چمکتا ہے یہ بھی بے حد زیبا ہے۔ چنانچہ کسی بزرگ نے کہا ہے۔ ؎

گہ ناز کرشمہ گہ لطف گہ عتاب　　مسکین دلم چرا نشود زیں ہمہ خراب

(محبوب کبھی ناز کرتے ہیں کبھی لطف ہے کبھی عتاب ہے اس سے میرا مسکین

دل کیوں نہ خراب و برباد ہو)

لیکن ایک طائفہ کے نزدیک بہترین راحت تحیّر ہے جو عارفِ کامل کو توحید میں فنا سے حاصل ہوتی ہے۔ یعنی ذاتِ مطلق میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ جس قدر اپنے آپ کو ڈھونڈتا ہے نہیں پاتا۔ اس کے حرکات و سکنات سونے والے کی طرح ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے اَللّٰھُمَّ زِدْنِی تَحَیُّرًا یعنی اے میرے پروردگار میرا تحیّر زیادہ کر۔ کسی بزرگ نے اسی مقام کے متعلق کہا ہے ؎

منم تا سروپا جملہ تحیّر — تحیّر ہم تحیّر در تحیّر

(میں سراپا حیرت ہوں۔ حیرت پر حیرت در حیرت)

پس شیخ علی صابرؒ کے کمالات کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت گنج شکر قدس سرہٗ نے اپنے اکمل خلفاء مثل سلطان المشائخ کو بھی رخصت کے وقت وصیت فرمائی کہ دہلی جا کر مجاہدہ اختیار کرنا، ہمیشہ دیتے رہنا اور ہرگز نہ لینا اور حق تعالیٰ تجھے کسی کا محتاج نہ کرے لیکن حضرت شیخ صابرؒ کو اس کے سوا کچھ نہ فرمایا کہ "برو ہر چہ خواہی کرد" (جاؤ مرضی کروگے) کیونکہ صوفیا اہل صفا کے ہاں یہ امر مسلّم ہے کہ جب مرید پیر کے حضور میں مرتبۂ کمال پر پہنچ جاتا ہے اور ایسا مشاہدہ حقیقی جو کہ قربِ حق ہے حاصل کر لیتا ہے اسے پھر کوئی وصیت نہیں کی جاتی۔ کیونکہ وہ اس حال سے آشنا ہو گیا اور فنائے احدیت جلوہ گر ہو گئی۔ پس ایسے مرید کے حق میں وصیت کرنا فضول ہے اور فضول اس طائفہ کے ہاں روا نہیں۔ فہم من فہم۔ الغرض مخدوم صابرؒ نے آخری عمر میں خرقۂ خلافت شیخ شمس الدین ترکؒ کو عطا کیا اور پانی پت کی طرف رخصت کیا اور اس علاقے کا صاحبِ ولایت مقرر فرمایا۔ انہوں نے التماس کیا کہ اس جگہ شیخ شرف الدین بو علی قلندر ہیں۔ آپ نے فرمایا فکر مت کرو۔ ان کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل شیخ شمس الدین ترکؒ کے حالات میں یعنی اکیسویں طبقہ میں آ رہی ہے شیخ علاء الدین علی احمد صابر قدس سرہٗ کا وصال ۱۳ (تیرہ) ماہ ربیع الاول ۶۹۰ھ سلطان علاؤ الدین خلجی کے عہد حکومت میں ہوا۔ آپ سلطان المشائخ کے ہمعصر تھے اور دونوں حضرات کے

درمیان بے حد محبت تھی۔ آپ کا وصال سلطان المشائخ سے چند سال پہلے ہوا آپ کا مزار مبارک قصبۂ کلیر میں قبلہ حاجات ہے اور آپ کی ولایت کے تصرفات اسی طرح جاری ہیں اور طالبان و مریدان صادق الاخلاص کو ان کے حسب حال فیض پہنچا رہے ہیں اور تمام ظاہر و باطنی امور میں ممدو معاون ہیں۔ جیسا کہ اہل بصیرت سے مخفی نہیں اس بارے میں اگر مفصل لکھوں تو کتاب طویل ہو جائے گی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہ

آں پیشوائے مشائخ کبار، آں مستغرق در بحر اسرار، آں مقرب حضرت معبود قطب ارشاد شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہٗ بن شیخ یحییٰ اودھیؒ اکابر اولیائے ہندوستان میں سے ہیں آپ شان بزرگ علم وافر اور احوال مستور (پوشیدہ) رکھتے تھے آپ ابتدائے حال سے انتہائے سلوک تک ہمیشہ ریاضت اور مجاہدات میں مشغول رہے۔ تسلیم و رضا میں آپ بے نظیر تھے۔ آپ کا کمال یہ ہے کہ آپ سے خوارق عادات کا کم ظہور ہوا۔ الا ماشا اللہ۔ آپ سلطان المشائخ کے مرید اور بزرگترین خلیفہ تھے اور ان کے وصال کے بعد دہلی میں مسند ارشاد پر متمکن ہوئے اور ایک جہان کو ہدایت بخشی۔ آپ کے فیض صحبت سے بہت سے بزرگ مرتبۂ تکمیل و ارشاد کو پہنچے۔ چنانچہ آپ کے خلفا کا ذکر اپنی جگہ پر آ رہا ہے۔ میر سید اشرف جہانگیر سمنانی لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ اگرچہ سلطان المشائخ کے تمام خلفا شیوخیت اور ارشاد کی مسند پر متمکن تھے لیکن حق تعالیٰ نے جو ولایت حضرت شیخ نصیر الدین کو عطا فرمائی تھی کسی کو نہیں ملی تھی۔ اور جس قدر آثار ولایت اور انوار ہدایت کا ظہور آپ سے ہوا کسی سے نہ ہوا۔ بلکہ سارے ہندوستان میں کوئی صاحب ولایت آپ کی برابری نہیں کر سکتا۔ چنانچہ یہ کلمات سب لوگوں میں مشہور ہیں۔

"غلام بخت بلندش ایاز و محمود است۔ شب حصول وصول خدا معراجش۔ کمینہ منزل و ادنیٰ مقام محمود است"

اس کے بلند بخت کے غلام ایاز و محمود ہیں۔ حصول معرفت اور وصول الی اللہ آپ کے

زیریں مقامات ہیں)

آپ کا لقب چراغ دہلی ہے۔ صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری اوچیؒ زیارت بیت اللہ کو گئے۔ وہاں انہیں امام عبداللہ یافعیؒ کی صحبت مل گئی۔ انہوں نے فرمایا کہ اس سے پہلے دہلی میں بڑے بڑے مشائخ گذرے ہیں لیکن آج کل شیخ نصیر الدین محمود چراغ روشن کئے ہوئے ہیں۔ اسی دن سے آپ چراغ دہلی کے نام سے مشہور ہو گئے اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ نصیر الدینؒ کے دادا جن کا نام شیخ عبداللطیف یزدیؒ تھا خراسان سے لاہور آکر سکونت پذیر ہوئے جہاں آپکے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیخ یحییٰ تھا شیخ یحییٰ لاہور سے اودھ چلے گئے اور وہاں حق تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند عطا فرمایا جن کا نام شیخ نصیر الدین محمود رکھا گیا جب شیخ نصیر الدین نو سال کے ہوئے تو والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی والدہ نے جو نیکی و عفت میں بے نظیر تھیں آپ کو ظاہری تعلیم دلانے کی بے حد کوشش کی حتیٰ کہ ہر علم میں آپ کو کمال حاصل ہو گیا۔ پچیس سال کی عمر میں آپ سب کچھ چھوڑ کر مجاہدہ نفس میں مشغول ہو گئے۔ آپ بڑے مرتاض اور عبادت گذار تھے۔ سات سال ایک درویش کے ساتھ جنگلوں میں پھرتے رہے اور اکثر اوقات جنگلی پھل سے روزہ افطار کرتے تھے۔ تینتالیس سال کی عمر میں آپ دہلی پہنچے۔ اور سلطان المشائخ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ کچھ عرصہ آپ کی خدمت میں رہے لیکن کبھی کبھی اپنی والدہ اور ہمشیرہ کی خاطر اودھ چلے جاتے تھے۔ چند یوم وہاں رہ کر واپس آجاتے تھے اور سلطان المشائخ کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کرتے رہتے تھے اور سخت مجاہدات کرتے تھے۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دن سلطان المشائخ اپنے بالاخانہ سے اتر رہے تھے کہ آپ کی نظر شیخ نصیر الدین پر پڑی اس وقت وہ بڑ کے درخت کے نیچے متحیر کھڑے تھے آپ نے آدمی بھیج کر انہیں طلب فرمایا اور پاس بٹھا کر دریافت کیا کہ تمہارے دل میں کیا خواہش ہے اور اس کام سے تمہارا کیا مقصد ہے اور تمہارے والد کیا کام کرتے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرا مقصد آپ کی درازیٔ عمر کے لیے دعا کرنا،

درویشوں کے جوتے سیدھے کرنا، اوران کی خدمت کرنا ہے اور میرے والد سوداگری کرتے تھے۔ سلطان المشائخ نے بہت شفقت فرمائی اور فرمایا سنو جب میں حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک دفعہ میرا ایک دوست اور ہم سبق اجودھن میں آیا اور میرے پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر کہنے لگا کہ مولانا نظام الدین تجھے کیا ہوگیا ہے اگر تم تحصیل علم اپنے شہر میں تمام کرتے تو مجتہد زمانہ بن جاتے اور امیر کبیر ہوتے۔ لیکن میں نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب حضرت خواجہ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فراست باطن سے معلوم کرکے پوچھا کہ نظام اگر کوئی تجھ سے یہ پوچھے کہ تعلیم کیوں ترک کر دی ہے اور تمہارا کیا حال ہوگیا ہے تم اسے کیا جواب دوگے میں نے عرض کیا جو فرمان ہوگا وہی کہوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شعر کہنا ؎

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیرد برو   ترا سعادت بادا مرا نگوں ساری

(تو میرا ہمراہ نہیں ہے اس لیے اپنا راہ لے مجھے تو نے شرمندہ کیا ہے خدا تجھے جزائے خیر دے) اس کے بعد شیخ نے مٹھائی کا خوانچہ مجھے دیکر فرمایا کہ اسے اپنے سر پر رکھ کر اپنے اس دوست کے پاس لے جاؤ۔ جب اس نے مجھے دیکھا آہ وزاری کرتا ہوا بھاگ کر آیا اور میرے سر سے خوانچہ اتار کر حال دریافت کیا۔ میں نے اسے بتایا کہ حضرت خواجہ نے آپکے سوال کا اس شعر میں جواب دیا ہے۔ یہ سنتے ہی اس کا حال دگرگوں ہوگیا، اور میرے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا جونہی اس کی نظر آپ کے جمال ولایت پر پڑی بے اختیار قدموں میں جا پڑا۔ اور مرید ہوگیا۔ شیخ نصیر الدینؒ فرماتے ہیں کہ جب سلطان المشائخ بندہ کو یہ تلقین مجاہدہ فرما رہے تھے اور ترک آموز اور عشق انگیز اشعار پڑھ رہے تھے۔ تو آنکھوں سے آنسو دریا کی طرح بہہ رہے تھے اور بڑے ذوق وشوق کا عالم تھا۔ اس دوران میں سید حسین جو آپ کے محبوب ترین مرید تھے عالم شباب میں بن ٹھن کر خراماں جا رہے تھے۔ سلطان المشائخ نے نہایت شفقت سے فرمایا سید ادھر آؤ۔ یہاں بیٹھو اور سعادت حاصل کرو۔ چنانچہ وہ بیٹھ گئے اور اس مجلس کے اندر جو ذوق وشوق اور فیضان طاری تھا اس میں شریک ہوگئے۔

شیخ نصیرالدین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے نفس نے تکلیف دینا شروع کیا۔ اس کے دفعیہ کے لیے میں نے اس قدر سکنجبین پیا کہ قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتا میں نے اپنے دل میں کہا کہ آدمی کے لیے نفس کے تابع ہونے سے مرنا اچھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اس قدر مجاہدہ کیا کہ دس دن تک کچھ نہ کھایا۔ جب یہ خبر سلطان المشائخ تک پہنچی مجھے اپنے پاس بلا کر خواجہ اقبال (خادم خاص) سے فرمایا کہ ایک روٹی اور حلوہ لاؤ اور مجھے حکم دیا کہ کھاؤ میں غلبۂ خوف کی وجہ سے چند دن تک اسے کھاتا رہا۔ بعرضیکہ شیخ نصیرالدین محمودؒ سلطان المشائخ کے دس خلفاء میں جو عشرۂ مبشرہ کی مانند تھے مخصوص تھے اور فرماں برداری اور متابعتِ ظاہری و باطنی میں ممتاز تھے۔ ایک دن آپ نے امیر خسرو سے درخواست کی کہ خلوت کے وقت سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کریں کہ اگر فرمان ہو تو بندہ صحرا یا پہاڑ میں جا کر مشغول ہو جائے کیونکہ لوگوں کی آمدورفت سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ امیر خسرو کے ذمہ یہ کام تھا کہ عشا کے بعد سلطان المشائخ کی خدمت میں بیٹھ کر ہر قسم کے حالات سنایا کرتے تھے اس وقت انہوں نے شیخ نصیرالدین کی درخواست حضرت شیخ کے سامنے پیش کر دی۔ آپ نے فرمایا اُسے کہدو کہ تجھے لوگوں کے درمیان رہ کران کا جور و جفا برداشت کرنا چاہیئے۔ اور اس کے بدلے ایثار بخشش اور عطا سے کام لینا چاہیئے۔ اور اس میں اشارہ یہ تھا کہ ایک دن انہوں نے حضرت شیخ کا جانشین بننا تھا۔ چونکہ سلطان المشائخ کمال عقل و حکمت و کرامات سے موصوف تھے۔ ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق کام میں لگاتے تھے۔ کسی سے کہتے تھے زبان بند کرو اور دروازہ بھی بند کرو۔ دوسرے سے کہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ مرید بناؤ۔ اور شیخ نصیرالدین سے فرمایا کہ آپ کے بعد وہی مسند ارشاد پر متمکن ہوں گے۔ اور خلق کی ہدایت میں مشغول ہوں گے۔ چنانچہ شیخ نصیرالدین کے کمالات اظہر من الشمس ہیں کہ بتیس سال تک سلطان المشائخ کے سجادہ کا حق ادا کرتے رہے اور سرِ مُو فرق نہ آنے دیا۔ اس سے زیادہ کیا کرامت ہو سکتی ہے۔ اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ سلطان محمد تغلق شاہ نے جو ایک ظالم سرشت آدمی تھا۔ شیخ نصیرالدین محمود کو

بہت تکلیف دی تھی کہ جب اس نے ٹھٹھ (سندھ) کی طرف لشکرکشی کی تو حکم دیا کہ دہلی کے تمام علما و مشائخ اس حملے میں ساتھ رہیں اور شیخ نصیرالدین محمود بھی ساتھ چلیں۔ آپ نے نہایت حلم و بردباری سے بادشاہ کا حکم تسلیم کیا لیکن اتنا فرمایا کہ ہمیں ساتھ لے جانا مبارک نہیں ہے۔ شاید سلطان واپس نہ آسکے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ سلطان محمد راستے میں بیمار ہو گیا اور ٹھٹھ ابھی چودہ کوس دور تھا کہ بادشاہ اکیس ماہ محرم ۷۵۲ھ کو بیس سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔ چونکہ اس کا کوئی لڑکا نہیں تھا اس لیے تیسرے روز شیخ نصیرالدین نے علماء و مشائخ اور اراکین سلطنت کے اتفاق رائے سے سلطان فیروز شاہ بن رجب کو جو بادشاہ کا چچازاد بھائی تھا تخت پر بٹھایا۔ سلطان فیروز شاہ نے تمام علما کو جو سلطان محمد شاہ کے ظلم سے برباد ہو چکے تھے۔ عدل و انصاف اور کمال شفقت و احسان سے از سر نو آباد کیا چنانچہ اس کا مفصل ذکر تاریخ فیروز شاہی میں موجود ہے۔ چونکہ سلطان فیروز شاہ حضرت گنج شکر کے پوتے شیخ علاؤالدین کا مرید تھا اس لیے ہم سلسلہ ہونے کی وجہ سے شیخ نصیرالدین سے بھی پورا اعتقاد اخلاص رکھتا تھا۔ یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ سلطان محمد نے شیخ نصیرالدین کو اپنا پوشاک بردار مقرر کیا تھا محض غلط ہے اور اس کا کسی کتاب یا تاریخ میں ذکر نہیں آیا۔ میر سید محمد مکی بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ جب شیخ نصیرالدین محمودؒ سلطان فیروز شاہ کے ساتھ ٹھٹھ سے دہلی روانہ ہوئے اور بادشاہ کا لشکر قصبۂ ہانسی کے قریب اترا تو خبر ملی کہ شیخ قطب الدین منور (شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے پوتے) شیخ نصیرالدین محمود کی ملاقات کے لیے آ رہے ہیں حضرت شیخ نے بشیر خادم کے ذریعے کہلا بھیجا کہ آپ وہیں رہیں میں آپ سے ملنے کے لیے آ رہا ہوں سلطان فیروز شاہ بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتے ہیں۔ بس آپ وہاں تشریف لے گئے۔ جب بادشاہ کو معلوم ہوا تو وہ بھی سوار ہو کر شیخ قطب الدین منور کے مکان پر گیا۔ جب قریب پہنچا تو شیخ نصیرالدین نے اژدہام خلق سے تنگ آ کر فرمایا برادرم مولانا منور اب رخصت دیجیے۔ لیکن انہوں نے وداع نہ کیا اور خاموش کھڑے رہے۔ جب حضرت شیخ راستے میں بادشاہ سے دوچار ہوئے تو بادشاہ نے درخواست کی

کہ میں نے منت مانی ہوئی ہے کہ آپ دونوں بزرگوں کو ایک ہی مجلس میں دیکھوں اس لیے حضرت شیخ بادشاہ کے ساتھ واپس شیخ قطب الدین منورؒ کی خدمت میں گئے اور صحبت مصفا واقع ہوئی روانگی کے وقت شیخ منور نے فرمایا برادرم مولانا نصیرالدین اب رخصت۔ سلطان "اب" کا لفظ سن کر حیران ہوا اور حضرت شیخ سے وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے آنے سے پہلے میں ان سے رخصت ہو چکا تھا۔ لیکن انہوں نے رخصت نہیں کیا تھا کیونکہ جانتے تھے کہ ابھی صحبت باقی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ تم مجھے واپس لائے۔ سلطان نے کہا کیا حضرت کو یہ بات معلوم نہ تھی۔ فرمایا اس وجہ سے میں ان کی ولایت میں ہوں۔ لیکن میر سید محمد کی فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ جواب بادشاہ کی استعداد کے مطابق تھا ورنہ جب میں نے خلوت خاص میں عرض کیا کہ اے مخدوم آپ تو بینائے ہر دو عالم ہیں یہ کیا جواب تھا آپ نے فرمایا اے فرزند من میں تجلی ذات میں تھا اور مقام فردانیت میں مجھے کسی آثار و اخبار کا علم نہ تھا۔ لیکن شیخ منور اس وقت تجلی افعال میں تھے۔ ان پر قلوب اور دنیا کا حال سب روشن تھا۔ سبحان اللہ۔ آپ نے وسط سلوک ہی میں میر سید محمد کی کو فرما دیا تھا۔ جبکہ وہ ابھی خورد سالہ تھے کہ تجھے تین سو ساٹھ اولیاء کی نعمت حاصل ہو گی اور یہ چیز بتدریج آپ کو آخر عمر تک حاصل ہو گئی جس کا ذکر آگے آرہا ہے لیکن نہایت سلوک میں وہ اپنے آپ سے بے خبر تھے چنانچہ کسی بزرگ نے اس مقام کے متعلق کہا ہے ؎

من مست الستیم کہ از خود خبرے نہ | خبر کہ سوئے خرابات دگر سوگذرے نہ

(ہم مست الست ہیں یعنی روز الست سے مست ہیں اور ہمیں اپنی خبر ہی نہیں کیونکہ سوائے میخانہ کے کوچہ کے ہمارا گذر کسی اور طرف نہیں ہے یعنی استغراق ذات اس قدر ہے کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہیں)

سیر العارفین میں لکھا ہے کہ شیخ نصیر الدینؒ تسلیم و رضا کے آخری مقام پر متمکن تھے اس حد تک کہ ایک دن آپ حجرہ خاص میں مشغول تھے کہ عین استغراق میں ایک قلندر تراب نام خلوت میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا جس سے اس نے آپ کے بدن مبارک پر

گیارہ زخم لگائے اور خون نالی سے بہہ کر باہر نکل گیا۔ لیکن اس شہبازِ صحرائے احدیت کے استغراق میں فرق نہ آیا۔ جب مریدوں نے خون دیکھا تو اندر جا کر قلندر کو پکڑ لیا حضرت شیخ نے قاضی عبدالمقتدر تھانیسری، شیخ صدرالدین حکیم، اور شیخ زین الدین علی کو جو آپ کے عالی قدر مرید تھے بلا کر اپنی قسم دی کہ قلندر کو کچھ نہ کہنا۔ اور بیس روپے قلندر کو اس کے نذر کر کے رخصت کیا کہ ضرب لگانے میں تجھے تکلیف ہوئی ہوگی۔ سبحان اللہ! آپ کے کمالات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کس مقام پر تھے۔ اس واقعہ کے تین سال بعد تک آپ قید حیات میں رہے۔ میر سید محمد مکی قدس سرہٗ بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ حضرت قطب العالم شیخ نصیر الدین محمودؒ اٹھائیس سال تین ماہ اور دو دن مرتبہ قطب مدار پر فائز رہے اور یہ مرتبہ آپ کو آپ کے تحمل کی وجہ سے عطا ہوا تھا جب آپ تحمل پر پورے اترے اور ہر حال میں متحمل رہے تو اٹھائیس سال تین ماہ اور دو روز کے بعد مقامِ فردانیت میں نزول فرمایا اور مقامِ فردانیت سے عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی بحر المعانی میں میر سید محمد مکی یہ بھی فرماتے ہیں کہ اے محبوب اب تجھے جاننا چاہیے کہ مرتبۂ اقطاب اور قطب مدار کیا ہے۔ اقطاب وہ ہیں جو دلی کو ولایت سے معزول کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں اور مرتبۂ قطب مدار یہ ہے کہ وہ قطب عالم ہے اور اقطاب کو مقام قطبیت سے معزول کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ حق تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم فرما دیتے ہیں کہ جو کچھ قطب مدار کہے پورا کرو۔ احکامِ لوحِ محفوظ میں بھی اسے تصرف دیا جاتا ہے عرش اور کرسی بھی قطب مدار کے تصرف میں ہوتے ہیں۔ جب قطب مدار ترقی کرتے ہیں تو مقامِ فردانیت میں نزول کرتے ہیں۔ اور تصرفات ختم ہو جاتے ہیں۔ یعنی فردانیت مقامِ انبساط اور موانست ہے۔ اس مقام پر ان کے دل میں کسی چیز کی تمنا نہیں رہتی۔ اس کی مراد سب حق سبحانہٗ تعالیٰ کی مراد ہوتی ہے۔ بد نامرادی مرادِ مردانست" (نامرادی مردوں کی مراد ہے) حمید قلندر جو سلطان المشائخ کے مخلص مریدین میں سے تھے مدت دراز تک شیخ برہان الدین غریبؒ کی صحبت میں رہے۔ اور ان کے ملفوظ جمع کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ شیخ نصیر الدین کی خدمت میں رہنے لگے اور ان کے ملفوظات بھی جمع کیے جن کا نام خیر المجالس رکھا گیا جس میں آپ کے اکثر حالات

ومقامات بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ اکثر اس شعر پر سماع اور تواجد کرتے تھے۔

جفا بر عاشقاں گفتی نخواہم کرد ہم کردی، قلم بر بیدلاں گفتی نخواہم راند ہم راندی

(اے محبوب تو نے کہا تھا کہ عاشقوں پر ظلم نہیں کروں گا لیکن ظلم کیا۔ تم نے کہا تھا کہ بے دلوں پر یعنی عاشقوں پر قلم نہیں چلاؤں گا لیکن قلم چلایا)

صاحب سیر العارفین کہتے ہیں کہ جب شیخ نصیر الدین کے وصال کا وقت قریب آیا تو اپنے دونوں بھانجوں یعنی شیخ زین الدین اور شیخ کمال الدین کو جو آپکے محرم راز تھے۔ اپنے پاس بلاکر وصیت خاص فرمائی وہ دونوں عزیز حضرت شیخ کے مزار کے قریب آرام فرما ہیں۔ شیخ کمال الدین کی اولاد اب تک گجرات احمد آباد میں موجود ہے اور شیخ زین الدین کی اولاد قصبۂ چوراس میں ہے جو لکھنؤ سے سات کوس کے فاصلہ پر ہے۔ یہ خاندان انوار علم وصلاح سے آراستہ ہے۔ صاحب اخبار الاخیار فرماتے ہیں کہ مخدوم شیخ سماء الدین بجلوری ساکن لکھنؤ اور مولانا داؤد مصنف وغیرہ شیخ زین الدین کے مرید تھے۔ الغرض شیخ زین الدین و شیخ کمال الدین نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے بعد خرقۂ خلافت کا کس کے لیے حکم ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ ان درویشوں کے لیے جن کے متعلق تم لوگوں کا حسن ظن ہے اس کے بعد فرمایا کہ میری تحریر لاؤ تاکہ دیکھ لوں۔ آپ نے اپنے مریدوں کی فہرست میں سے اعلیٰ اوسط اور ادنیٰ درجہ کے مریدین کے نام دیکھ کر فرمایا کہ ہم ان کو کہتے ہیں کہ اپنے ایمان کا غم کھائیں بجائے اس کے کہ دوسروں کا بوجھ اٹھائیں۔ اس کے بعد وصیت فرمائی کہ جو خرقۂ خلافت مجھے سلطان المشائخ سے ملا تھا اسے میری قبر میں میرے سینہ پر رکھ دینا۔ میرے شیخ کا عصا میرے جسم کے برابر رکھ دینا۔ میرے شیخ کی تسبیح میری شہادت کی انگلی پر لپیٹ دینا اور کاسہ چوبین (لکڑی کا پیالہ) اینٹ کی بجائے میرے سر کے نیچے رکھ دینا اور نعلین چوبین (لکڑی کے جوتے) میری بغل میں رکھنا۔ چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق عمل کیا گیا۔ میر سید محمد گیسو دراز نے حضرت کو غسل دیا۔ اور جس چارپائی پر آپ کو غسل دیا گیا تھا حضرت گیسو دراز

نے اس کی رسی نکال کر گلے میں ڈال لی اور کہنے لگے کہ ہمارا خرقہ یہی ہے اور سید محمد گیسو دراز کو بعد میں جس قدر مقبولیت حاصل ہوئی اسی اعتقاد کی وجہ سے تھی۔ یہ فقیر کاتب حروف جب دوسری مرتبہ ۱۰۸۵ھ میں دہلی پہنچا جمعرات کا پورا دن اور جمعہ کی شب شیخ نصیر الدین محمود کے آستانہ مبارک پر گذاری اور سعادتیں حاصل کیں۔ جب حضرت شیخ کی روحانیت سے حضوری نصیب ہوئی تو میں نے گستاخی کر کے عرض کیا حضور کے اکثر مریدین و خلفاء صاحب مقامات و صاحب کرامات عالی تھے کیا وجہ تھی کہ حضور نے سلطان المشائخ کا خرقۂ خلافت ان میں سے کسی کو عطا نہ فرمایا۔ آپ نے فرمایا یہ درست ہے کہ میرے بعض مریدین صاحب کرامات تھے لیکن چونکہ اس وقت ان کے قلوب میں قدرے تعصب کا اثر تھا۔ اس سبب دیانت کا تقاضا یہ نہ تھا کہ اپنے پیر کا خرقہ ایسے مرید کو دوں جو ابھی تعصب کی قید سے رہا نہیں ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے پیر دستگیر کا خرقہ میں اپنے ساتھ قبر میں لے گیا۔ ہاں میں نے اپنا خرقہ اپنے بعض مریدین کو دیا ہوا تھا تاکہ پیرانِ چشت کا سلسلہ جاری رہے۔ اس کے بعد کمال شفقت سے بندہ کی جانب توجہ خاص فرمائی اور اس طریق کے اکثر فوائد بیان فرما کر مجھ پر تصرف فرمایا جس کی وجہ سے مراقبہ میں مجھ پر ایسی چیز کی تجلی ہوئی جو اس طرز جمال با کمال میں کبھی نہ ہوئی تھی۔ میں سجدۂ شکر بجالایا اور آنحضرت کی روحانیت کے تصرف سے متحیر ہوا کہ کتنے بڑے شاہبازانِ حق نما خاک کے پردے میں چھپے ہوئے ہیں تاکہ عالم باقی رہے۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود کی وفات شب جمعہ اٹھارہ ماہ رمضان ۷۵۷ھ کو سلطان فیروز شاہ کے عہد حکومت میں ہوئی آپ کا مزار دہلی میں قبلہ حاجات خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ قدس سرہٗ

آن عالم بعلوم ربانی، آن محرم اسرار سبحانی، آن گنجینۂ حلم وحیا، مقتدائے وقت شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ قدس سرہٗ جن کو صاحب سیر الاولیا نے سلطان المشائخ کے دس خلفا کا سرحلقہ (سردار) لکھا ہے تمام کمالات ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔ عشق و محبت

اور وجد و سماع میں آپ اپنے احباب میں ممتاز تھے۔ اور علوم ظاہری میں دہلی کے تمام علما آپکے شاگرد ہونے پر فخر کرتے تھے آپ اس قدر بلند ہمت تھے کہ تمام مرادات کو آپ ایک طرف پھینک کر مردانہ وار اس کوچہ میں گامزن ہوئے۔ ابتدائے حال سے لے کر انتہا تک اس دنیا میں آپ سلطان المشائخ کی طرح عیال داری سے پاک رہے اور مجردانہ زندگی بسر فرمائی۔ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہونے کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن ایام تعطیل میں آپ اور آپ کے برادرِ حالاتی مولانا صدرالدین پاتلی کپڑے دھونے کے لیے غیاث پور کے قریب دریا کے کنارے پر گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ شہر کے تمام علما اور اراکین سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں اور ان کے سامنے خاک بوسی کرتے ہیں۔ لیکن ان دونوں کو اہل تصوف کے ساتھ اعتقاد نہ تھا ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس آدمی نے جو یہ شہرت حاصل کر لی ہے۔ معلوم نہیں اس کی علمی حیثیت کیا ہے۔ چلو ان کے پاس جا کر دیکھ لیں۔ لیکن ہم سلام کر کے بیٹھ جائیں گے۔ اور دوسرے لوگوں کی طرح زمین بوسی نہیں کریں گے چونکہ حق تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی پیشانی میں رعب و جلال رکھا ہے دیکھتے ہی دونوں بھائیوں نے سر زمین پر رکھ دیا۔ ؎

سر خوبانِ عالم را زمین پیش تو بوسیدن

(خوبانِ عالم کو اس کے سوا چارہ نہیں کہ تیرے قدموں کی خاک چومیں)

الغرض وہ علمی اشکال جو ان کے دل میں تھا سلطان المشائخ نے اپنی فراستِ باطن سے معلوم کر لیا اور پہلی مجلس ہی میں اس کا جواب شافی دے دیا اور دوسری مجلس میں شرفِ بیعت سے مشرف ہو گئے۔ مولانا شمس الدین کمال صدق و اخلاق سے ترقی کرتے ہوئے مرتبۂ خلافت تک پہنچ گئے۔ شیخ نصیرالدین محمود نے ابتدا میں آپ سے کچھ پڑھا تھا۔ اس لیے وہ ہمیشہ آپ کے سامنے زانوئے ادب تہ کر کے بیٹھتے تھے اور استادی کے تمام حقوق ادا کرتے تھے۔ مولانا شمس الدینؒ پر فنائے احدیت کا اس قدر غلبہ تھا کہ ظاہری تکلفات کی طرف آپ بالکل متوجہ نہیں ہوتے تھے اگر امرا میں سے کوئی شخص نیازمندی سے پیش آتا تو آپ حیران ہوتے تھے کہ کیا کرتے ہیں۔ آپکے خادم کا نام فتو تھا آپ اُسے

اشارہ کر دیتے تھے کہ آنے والے سے اچھی طرح پیش آنا۔ چنانچہ وہ ان کے سامنے کھانا لاتا اور ہر قسم کی خاطر مدارات کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص نذر و نیاز پیش کرتا آپ اسے ہاتھ نہیں لگاتے تھے بلکہ وہی فتوا سے اٹھا کر خرچ اخراج کرتا تھا۔ آپ کسی کو بیعت نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص زیادہ عجز و نیاز اور اصرار کرتا تو آپ اس کا حال معلوم کر کے بیعت کرتے تھے آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر خلافت نامہ پر سلطان المشائخ کا نشان مبارک نہ ہوتا تو میں ہرگز اس کاغذ کی نگاہ داشت نہ کرتا۔ غرضیکہ آپ کی ہمت ان امور سے بلند تر تھی۔ صاحب سیر الاولیا مولانا سلیمان رودولوی سے جو شیخ نصیر الدین کے مرید تھے۔ نقل کرتے ہیں کہ میں جمعہ کی نماز کے بعد مولانا شمس الدین یحیٰی کی خدمت میں گیا میں نے دیکھا کہ آپ طب کی ایک کتاب پڑھ رہے ہیں میرے دل میں خیال آیا کہ یہ مشائخ کی مشغولی کا وقت ہے۔ اس قدر بڑے بزرگ کس طرح اس کام میں مشغول ہیں آپ نے سر اٹھا کر فرمایا کہ سلیمان اس سے بھی خالی نہیں ہوں دوسرے دن سلطان المشائخ کے احاطہ میں عرس تھا شیخ نصیر الدین محمود شیخ قطب الدین منور شیخ شمس الدین یحیٰی اور دوسرے مشائخ حاضر تھے۔ مجلس سماع گرم ہوئی قوالوں نے شیخ سعدی کی یہ غزل گانی شروع کی ؎

غم کز تو دارم بہ پیش کہ گویم	دوائے دلِ دردمند از کہ جویم
گرگشتہ گردم بہ تیغ جفایت	بہ پیش کس ایں ماجرا نگویم !
طبیبم تو باشی علاج از کہ خواہم	اسیر تو باشم خلاص از کہ جویم
ز سعدی چہ گویم چہ پویم چہ جویم	غم کز تو دارم بہ پیش کہ گویم

(۱) اے محبوب میرا غم تجھ سے ہے اور کس کے سامنے بیان کروں اور دردِ دل کی دوا کس سے طلب کروں۔

۲- اگر تیرے جور و ستم کی تلوار سے ہلاک بھی ہو جاؤں تو کسی سے یہ ماجرا بیان نہ کروں۔

۳- جب تو ہی میرا طبیب ہے تو علاج کس سے کراؤں۔ جب میں تیرا قیدی ہوں تو رہائی کس سے طلب کروں۔

۴- سعدی کے متعلق کیا کہوں۔ اس کا کیا کھوج نکالوں اور کیا تلاش کروں تجھ سے

ہے درد دل ملا ہے کس سے کہوں ۔)

اس غزل پر مولانا شمس الدین یحیٰیؒ کا حال دگرگوں ہو گیا۔ مجلس سے اٹھ کر قوالوں کے سامنے آئے اور ہاتھ سینے پر ملتے جاتے تھے ۔ اور وجد کر رہے تھے حتیٰ کہ مجلس ختم ہو گئی اور مولانا لذت سماع میں عاشقانہ حرکات وسکنات کرتے ہوئے گھر آئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیرہن میں وجود نہ تھا۔ اسی مستانہ حالت میں آپ چند روز زندہ رہ کر رحلت کر گئے واقعہ یہ ہوا کہ سلطان محمد بن تغلق شاہ بندگان خدا سے نہایت ظلم وستم سے پیش آ رہا تھا چنانچہ اس نے مولانا شمس الدین کو بلا کر کہا کہ آپ جیسا دانشمند اس جگہ کیا کر رہا ہے آپ کشمیر جائیں اور وہاں بت خانوں میں بیٹھ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں ۔ اب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس بزرگ کو کشمیر بھیج رہے ہیں آپکے کچھ احباب بھی اس محل میں موجود تھے ۔ آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں میں نے تو سلطان المشائخ کو خواب میں دیکھا ہے کہ مجھے طلب فرما رہے ہیں اب میں اپنے آقا کی خدمت میں جا رہا ہوں مجھے کہاں بھیجتے ہیں۔ دوسرے روز آپ بیمار ہو گئے اور سینہ مبارک پہ ایک بڑا پھوڑا نمودار ہوا اور چند روز کے بعد راہیٔ عالم بقا ہو گئے آپ کو سلطان المشائخ کے مزار کے قریب مولانا علاؤالدین کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ مولانا علاؤالدین آپ کے ہم سبق اور محرم راز تھے ۔ آپ کا مزار قبلۂ حاجات بنا ہوا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ قطب الدین منورؒ قدس سرہٗ

آں معدن صدق وصفا آں کان عشق ووفا، آں در جمیع اوصاف متصور، قطب ولایت شیخ قطب الدین منور قدس سرہٗ بن شیخ برہان الدین بن شیخ جمال الدین ہانسوی قدس سرہ جمیع فضائل مشائخ سے موصوف تھے اور علم وعقل وعشق وسماع میں لاثانی تھے ۔ سلطان المشائخ کے دس خلفا میں سے تیسرے خلیفہ آپ ہی ہیں ابتدائے سال سے انتہائے سلوک تک آپ نے سلطان المشائخ کی نظر شفقت ہی میں پرورش پائی ۔ آپ پر سلطان المشائخ کی خاص توجہ تھی اور اس لحاظ سے آپ مقام

احباب میں ممتاز تھے۔ آپ کو اور شیخ نصیر الدین محمود کو سلطان المشائخ نے ایک ہی دن خلافت عطا فرمائی اور فرمایا کہ تم دونوں بھائی ایک دوسرے سے بغل گیر ہو جاؤ اور ایک دوسرے کو مبارک باد دو۔ چنانچہ سیر الاولیا میں اس کا مفصل ذکر آیا ہے۔ کہتے ہیں کہ قصبۂ ہانسی میں چار قطب ایک ہی مقبرہ میں آرام فرما ہیں۔ اول شیخ جمال الدینؒ دوم شیخ احمدؒ سوم شیخ برہان الدینؒ چہارم شیخ قطب الدین منورؒ آپ نے اپنی عمر عزیز اپنے آباؤ اجداد کی خانقاہ میں حق تعالیٰ کی محبت اور عبادت میں گذار دی۔ آپ آخر عمر تک خوش رہے اور ارباب دولت سے ہرگز واسطہ نہ رکھا اور کم یا زیادہ جو کچھ غیب سے مل جاتا اس پر قناعت کرتے تھے۔ ایک دفعہ سلطان محمد بن تغلق شاہ نے خانقاہ کے اخراجات کے لیے دو گاؤں کا پروانہ لکھ کر آپ کے پاس ارسال کیا لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا اور توکل پر جمے رہے۔ آپ کو سماع کا بے حد شوق تھا۔ جو شخص آپ کو حالتِ سماع میں دیکھتا تھا فریفتہ ہو جاتا تھا۔ اور جب کبھی آپ سلطان المشائخ کا نام لیتے تھے یا سنتے تھے آپ پر بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کیں دولت از گفتار خیزد

(عشق صرف دیدار سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ کبھی کبھی محبوب کے ذکر مبارک سے بھی عشق پیدا ہو جاتا ہے) اور جب تک مرید کو پیر کے ساتھ اتنا عشق و محبت نہ ہو فیض کیسے حاصل ہو۔

صاحب سیر الاولیاء یہ بھی لکھتے ہیں کہ آپ کو ایک دفعہ سلطان محمد تغلق شاہ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ سلطان ہانسی کی طرف گیا ہوا تھا اور وہاں سے چار کوس کے فاصلہ پر موضع بنسی میں ڈیرہ لگایا۔ بادشاہ نے اپنے ایک ملازم نظام نامی کو جو جاسوسی کا کام کرتا تھا قلعہ ہانسی دیکھنے کے لیے بھیجا۔ اس نے واپس آکر بتایا کہ ہانسی میں ایک شخص رہتا ہے جو شیخ نظام الدین اولیاء کا خلیفہ ہے لیکن اس قدر مغرور ہے کہ اب تک وہ بادشاہ سلامت کے سلام کے لیے حاضر نہیں ہوا۔ سلطان محمد شاہ نے جسے درویش آزاری اور قتل عام کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ ایک آدمی کو حکم دیا کہ شیخ

قطب الدین منور کو ہر حال میں بلا کر لے آؤ۔ غرضیکہ اس آدمی نے حضرت شیخ کی خدمت میں جا کر بادشاہ کا حکم سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ اس معاملے میں کچھ اختیار میرے ہاتھ میں بھی ہے یا نہیں۔ اس نے کہا اٹھو مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ شیخ کو لے جاؤں۔ شیخ نے فرمایا الحمد للہ اپنے اختیار سے نہیں جا رہا ہوں۔ پس شیخ پیادہ سلطان کے لشکر کی طرف چل پڑے۔ بادشاہ کے ایلچی نے ہر چند کہا کہ گھوڑے موجود ہیں آپ سوار ہو جائیں لیکن شیخ نے قبول نہ کیا اور چار کوس پیادہ چل کر لشکر گاہ تک پہنچے۔ بادشاہ کے آدمی نے حضرت شیخ کا آنکھوں دیکھا حال بادشاہ کو سنایا لیکن اس نے کوئی توجہ نہ کی۔ اور شیخ کو اپنے پاس بلا بھیجا اور واپسی پر دہلی ساتھ لے گیا۔ ایک دن حکم دیا کہ شیخ قطب الدین منور کو حاضر کرو۔ شیخ نے بادشاہ کے سامنے جانے سے پہلے سلطان فیروز شاہ سے جو ان ایام میں بادشاہ کا ملازم تھا کہا کہ ہم درویش ہیں ہم بادشاہوں کی مجلس کے آداب اور بات کرنے کے طریقے نہیں جانتے۔ اس بارے میں آپ کا مشورہ کیا ہے سلطان فیروز نے کہا کہ لوگوں نے بادشاہ سے آپ کے متعلق بہت کچھ کہا ہے آپ کو چاہیے کہ تواضع اور اخلاق کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ جب سلطان محمد کو معلوم ہوا کہ شیخ قطب الدین آ رہے ہیں۔ بیٹھا ہوا تھا کھڑا ہو گیا اور کمان ہاتھ میں لے کر تیر اندازی میں مشغول ہو گیا۔ جب اس نے حضرت شیخ کو دیکھا تو تاب نہ لا سکا اور نہایت تعظیم کے ساتھ سامنے آ کر مصافحہ کیا۔ مصافحہ کرتے ہی آپ کی باطنی قوت نے بادشاہ کے ہاتھوں میں اثر کرنا شروع کر دیا۔ ناچار معتقد ہو کر کہنے لگا کہ میں آپ کے ملک میں گیا لیکن آپ نے مجھے شرفِ ملاقات نہ بخشا۔ شیخ نے فرمایا پہلے ہانسی کو دیکھو کہ کیا مقام ہے پھر وہاں رہ کر کون ایسا درویش ہو گا جو بادشاہوں کے دربار کا قصد کرے گا۔ میں نے اپنے آپ کو اس کے قابل نہ سمجھا اور گوشۂ نامرادی میں بیٹھ کر بادشاہ اور تمام مسلمانوں کے لیے دعائے خیر میں مشغول رہا۔ اس لیے مجھے معذور سمجھنا چاہیے سلطان محمد حضرت شیخ کے حسن تقریر سے بہت متاثر ہوا اور سلطان فیروز اور شیخ ضیا برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی کو حکم دیا کہ شیخ کا جو مقصود ہو پورا کرو۔ شیخ منورؒ نے فرمایا ہمارا مقصود فقر اور باپ دادا کے گوشۂ تنہائی میں بیٹھنا ہے۔ اس کے باوجود

بادشاہ نے ایک لاکھ روپے نذر کئے۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ میری ہستی سے زیادہ ہے میری ہستی کے مطابق تھوڑی چیز مجھے دے دو۔ کافی گفت و شنید کے بعد آپ نے دو ہزار تنکہ زر سونے کا تنکہ قبول فرمائے۔ اور اسے خواجہ قطب الاسلام اور سلطان المشائخ کے مزارات پر خرچ کر دیا۔ جو کچھ بچا شیخ نصیر الدین محمود کے پیش کیا۔ اور درویشوں میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے۔ ایک دفعہ ایک قلندر آپ کی خدمت میں جا کر بیہودگی سے پیش آیا یعنی جو کچھ شیخ عنایت فرماتے تھے اس پر قناعت نہیں کرتا تھا جب اس نے بہت شوخی کی تو شیخ نے فرمایا کہ پہلے اس مردار کو جو تمہارے پاس ہے خرچ کر دو اور اس کے بعد مزید طلب کرو۔ سید جلال الدین آپ کے ایک مرید تھے انہوں نے جب یہ بات سنی تو فوراً آئے اور قلندر کی ہمیانی کھولی اور جس قدر رقم تھی باہر نکال لی۔ اس سے قلندر بہت شرمندہ ہوا۔ آپ کے کمالات و کرامات بہت ہیں۔ جب آپ کا آخر وقت آیا تو اپنے بیٹے شیخ نور الدین کو اپنی جگہ پر بٹھایا اور سلطان محمد بن غیاث الدین تغلق شاہ کے عہد میں رحلت فرمائی۔ آپ کو اپنے جدِ بزرگوار کے مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ حسام الدین ملتانی قدس سرہٗ

آں مجاہدِ میدانِ تجرید، آں متوکلِ مقیم صحرائے توحید آں مجسم لشکلِ روحانی آزادِ وقت شیخ حسام الدین ملتانی قدس سرہٗ۔ صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ آپ زہد و ورع اور عشق و سماع میں ممتاز اور علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے چنانچہ علم فقہ میں دونوں ہدایہ اور بزدوری علم سلوک میں کتاب قوت القلوب اور احیاء العلوم کے آپ حافظ تھے۔ ترک و تجرید میں آپ بے نظیر تھے۔ اور علم معاملہ میں آپ صحابہ کرام کے مسلک پر تھے۔ سلطان المشائخ کے دس خلفاء میں سے جو تھے خلیفہ آپ ہیں اور عالم تفرید میں آپ نے سفر بہت کیا تھا۔ ایک دفعہ زیارتِ خانہ کعبہ

کے بعد جمعہ کے دن آپ دہلی واپس پہنچے۔ سلطان المشائخ کا دستور تھا کہ جمعہ کے دن نماز فجر کے بعد آپ کیلوکھری تشریف لے جاتے تھے۔ وہاں نہر کے کنارے ایک مکان آپ کے لیے مخصوص تھا۔ جہاں قیلولہ فرماتے اور مشغول ہوتے تھے اور نماز جمعہ کیلوکھری میں ادا کر کے شام کے وقت غیاث پورہ تشریف لاتے تھے۔ شیخ حسام الدین آکر کیلوکھری کی مسجد کے کونے میں مشغول ہو گئے۔ اس خیال سے کہ نماز سے فراغت کے بعد قدم بوسی کا شرف حاصل کر سکیں۔ سلطان المشائخ کو نور باطن سے یہ بات معلوم ہو گئی۔ آپ نے خواجہ ابوبکر مصلیٰ دار سے فرمایا کہ شیخ حسام الدین ملتانی زیارت حرمین شریفین سے ابھی واپس آیا ہے۔ اور مسجد کے کونے میں بیٹھا ہوا ہے اسے بلا لاؤ۔ وہ جا کر انہیں بلا لائے۔ آپ قدم بوسی سے مشرف ہو کر سلطان المشائخ سے فیض صحبت حاصل کیا اور قسم قسم کی نوازشات سے مالا مال ہوئے۔ اس کے بعد سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جو شخص بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتا ہے تو اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے علیحدہ نیت کر کے جانا چاہیے تاکہ خاص الخاص زیارت کا مستحق بنے اور طفیلی زیارت نہ کرے۔ (طفیلی کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور کام کی نیت سے جائے اور زیارت بھی کرتا آئے) شیخ حسام الدین نے سمجھ لیا کہ یہ الہام ربانی سے فرما رہے ہیں۔ اسی وقت مدینہ جانے کی نیت کی اور زیارت کر کے واپس آئے۔ زہے صدق و ارادت کہ ایک اشارہ پاکر اتنے طویل سفر پر اسی وقت واپس روانہ ہو گئے۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود خیر المجالس میں فرماتے ہیں کہ ایک دن مولانا حسام الدینؒ مولانا جمال الدینؒ اور مولانا شرف الدینؒ ہمارے خواجہ یعنی سلطان المشائخ کی خدمت میں آئے ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ نے مولانا حسام الدین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کوئی شخص دن کو روزہ رکھے اور رات کو جاگے تو اس نے ایک بیوہ عورت کا کام کیا۔ کیونکہ یہ تو ایک بیوہ عورت بھی کر سکتی ہے لیکن بندگان حق کی مشغولی جس کی وجہ سے وہ واصل اللہ ہوئے ہیں اور ہے۔ مولانا حسام الدین اور دوسرے احباب منتظر رہے کہ آپ وہ چیز بیان فرمائیں گے لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ بس یہی فرمایا کہ تم لوگوں کو بتاؤں گا

اس بات کو ہوئے چھ ماہ گزر گئے ایک دن ایک عزیز نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ آج سلطان علاؤالدین نے پچاس ہزار تنکۂ زر (سونے کا سکہ) لوگوں میں تقسیم کیئے ہیں حضرت شیخ نے مولانا حسام الدین کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ بادشاہ کا انعام بہتر ہے یا اس وعدہ کو پورا کرنا بہتر ہے جو تم سے کیا گیا ہے

مشغولیٔ حق کے چھ اصول

ں نے سر زمین پر رکھ کر عرض کیا کہ ایفائے وعدہ بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سالکین کی مشغولی کی بنا چھ چیزوں پر ہے پہلی بات یہ ہے کہ خلوت اختیار کرے اور بجز ہوائے نفس کی خاطر خلوت سے باہر نہ آئے دوسری بات یہ ہے کہ ہمیشہ باوضو رہے لیکن جب نیند غلبہ کرے تو فوراً سو جائے اور اٹھ کر فوراً وضو کرے۔ تیسری بات یہ ہے کہ صوم دوام (ہمیشہ کا روزہ) کا پابند ہو جائے تاکہ صفائے قلب حاصل ہو۔ چوتھی بات یہ ہے کہ غیر حق سے سکوت اختیار کرے (یعنی حق کے سوا ہرگز کلام نہ کرے) پانچویں بات یہ ہے کہ شیخ کے ساتھ دل کا رابطہ قائم رکھے۔ وھو عبارت من تعلق قلب المرید بالشیخ (یعنی اس کا مطلب ہے مرید کے دل کا تعلق شیخ کے ساتھ) چھٹی بات یہ ہے کہ نفی خواطر غیر حق (غیر حق کا خطرہ دل میں نہ آئے یعنی کسی لمحہ حق کی یاد سے غافل نہ ہو) اس کے بعد آپ نے ان کو خلوت میں بٹھا کر شغل باطن میں مشغول کیا اور مرتبۂ تکمیل تک پہنچایا۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ جس روز شیخ نصیر الدین محمود اور شیخ قطب الدین منور کو سلطان المشائخ نے خلافت عطا فرمائی اس سے دوسرے دن آپ نے شیخ حسام الدین کو طلب فرمایا آپ کے رعب و جلال کی وجہ سے ان کے جسم سے خون بہنے لگا۔ جب آپ کو خلافت نامہ اور خلعت مل چکی تو آپ نے وصیت کی درخواست کی۔ سلطان المشائخ نے اپنا ہاتھ آستین سے نکال کر شہادت کی انگلی سے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ترکِ دنیا، ترکِ دنیا، ترکِ دنیا، نیز فرمایا کہ کثرت مریدین کے لیئے کوشاں نہ رہنا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو شہر اور آبادی میں نہ رہوں بلکہ صحرا میں گوشہ نشینی اختیار کر لوں۔ آپ نے فرمایا کہ شہر میں عوام الناس کی طرح رہو۔ یہ نفس کا فریب ہے نفس چاہتا ہے کہ تمہارا وقت منتشر کرے کیونکہ جب تم شہر

سے باہر صحرا میں جاکر رہو گے۔ تو تم انگشت نما بن جاؤ گے کہ فلاں درویش فلاں جگہ گوشہ نشین ہے لوگ تمہارے پاس آئیں گے۔ اور وقت برباد کریں گے۔ اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ جب مجھے کوئی چیز فتوح میں ملتی ہے تو کچھ بال بچوں کے لیے چھوڑتا ہوں اور کچھ آنے والوں کے لیے رکھتا ہوں۔ لیکن جب کوئی موں تک کچھ نہیں آتا۔ تو نہ بچوں کے لیے کچھ ہوتا ہے نہ آنے والوں کے لیے اس بارے میں عرض یہ ہے کہ آیا ضرور بات کو پورا کرنے کے لیے قرض لے لیا کروں یا نہ۔ سلطان المشائخ نے کئی طرح سے ان کو سمجھا کر تسکین دی اور فرمایا کہ جب تم تدبیر میں پڑ جاؤ گے تو درویشی کیسے کرو گے۔ درویش وہ ہوتا ہے کہ اگر اس کے پاس کچھ ہے تو خرچ کرتا ہے ورنہ صبر کرتا ہے اور نامرادی اختیار کرتا ہے اور اپنے آپ کو تدبیر میں نہیں ڈالتا اس کے بعد فرمایا کہ درویش کو ہر دری نہیں ہونا چاہیئے۔ (اس کا مطلب شاید یہ ہے کہ درویش کو ہر دروازے سے توقع نہیں رکھنی چاہیئے) اور ہر دری درویش کی دو قسمیں ہیں ایک صوری (ظاہری) دوسرے معنوی (باطنی) صوری وہ درویش ہے جو کنج عزلت میں مشغول رہے اور دل میں یہ خیال رکھے کہ زید یا بکر سے مجھے کچھ ملے گا۔ اور ہر دری صوری بہتر ہے ہر دری معنوی سے کیونکہ ہر دری صوری جیسا کہ ہے اسی طرح اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے لیکن ہر دری معنوی اپنے ظاہر کو مشغولان حق کی طرح پیش کرتا ہے اور باطن میں در بدر پھرتا ہے نعوذ باللہ من ذالک (اللہ تعالیٰ اس سے بچائے) اس کے بعد مولانا حسام الدین نے عرض کیا کہ لوگ کرامت طلب کرتے ہیں فرمایا الکرامۃ ھی الاستقامۃ علی باب الغیب (کرامت یہی ہے کہ باب غیب پر جم کر بیٹھ جائے) تم اپنے کام میں مستقیم رہو کرامت کو کیا کرو گے۔ ایک دن قاضی محی الدین کاشانی نے سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کیا کہ بندہ نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت سوار ہیں اور آپ کے ساتھ بارہ اصحاب بھی سوار ہیں ان میں سے ایک حسام الدین ملتانی ہیں آپ نے فرمایا حضرت گنجشکر رحمۃ کے اصحاب میں سے کسی نے خواب دیکھا کہ حضرت گنج شکر چھ اصحاب کے ساتھ کشتی میں سوار ہیں اور ان میں سے ایک یہ درویش (سلطان المشائخ) ہے۔

شیخ حسام الدین کا کمال اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ سلطان المشائخ نے ان کی حکایت میں اپنی مثال دی۔ سلطان المشائخ نے ایک خط مولانا حسام الدین کے نام لکھا ہے ان کا عرفان اس خط سے ظاہر ہے۔ سلطان المشائخ کے مریدین میں سے ان کی طرح کمال فقر اور اخفائے حال کسی کو کم نصیب تھا ان کو شغل باطنی میں کمال استغراق حاصل تھا ایک دن آپ کہیں جا رہے تھے آپ کے کندھے سے جائے نماز گر گئی۔ غایت شغل باطن کی وجہ سے آپ کو مطلقاً خبر نہ ہوئی۔ کسی نے پیچھے سے کئی بار شیخ شیخ کر کے پکارا اور کہا کہ جائے نماز گر گئی ہے اٹھا لیجئے لیکن آپ نے پروا نہ کی چنانچہ اس آدمی نے خود جائے نماز اٹھائی اور سامنے آ کر کہنے لگا کہ میں نے کئی بار آواز دی کہ اپنا مصلیٰ اٹھا لیں لیکن آپ نے نہ سنا۔ فرمایا اے عزیز من! میں شیخ نہیں ہوں اور اپنے آپ کو اس مرتبہ پر نہیں سمجھتا۔ میں تو فقیر آدمی ہوں، غرضیکہ آپ کو شہرت سے بہت نفرت تھی۔ جب سلطان المشائخ کے وصال کے بعد سلطان محمد بن تغلق شاہ نے تمام مشائخ اکابر و علما کو جمع کر کے دیوگیر کی طرف روانہ کیا جہاں اس نے شہر دولت آباد بنوایا تھا اسی سال شیخ حسام الدین ملتانی گجرات چلے گئے وہاں آپ سے بہت خوارق عادات کا ظہور ہوا۔ آپ اس علاقے کے صاحب ولایت تھے اور وہیں آٹھ ماہ ذیقعد ۷۳۶ھ کو رحلت فرمائی آپ کا مزار پٹن گجرات میں مشہور و معروف اور قبلۂ حاجات ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ فخر الدین زرادی قدس سرہٗ

آں عالم بعلوم ربانی، آں عاشق مشاہدۂ سبحانی، آں ممتاز بہ ترک از آبادی افراد کامل شیخ فخر الدین زرادی قدس سرہٗ جمیع کمالات انسانی سے موصوف تھے۔ اور سلطان المشائخ کے دس خلفاء میں علم و حکمت و سخاوت و شجاعت و عشق و سماع و تجرید و تفرید میں بے نظیر تھے آپ ہرگز مشیخت پیری مریدی اور دیگر لوازمات دنیا مثل فرزند و زن کی رغبت نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے ساری عمر تجرد میں گزاری۔ آپ کے مرید ہونے کا واقعہ یہ ہے جیسا کہ سیر الاولیا میں لکھا گیا ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود اودھیؒ فرماتے ہیں کہ جب

میں دہلی میں مولانا فخر الدین ہانسوی ؒ سے تعلیم حاصل کرتا تھا تو شیخ فخر الدین زرادی بھی ان کی خدمت میں فقہ کی کتاب ہدایہ پڑھتے تھے اور دوسرا کوئی طالب علم آپ کی طرح لائق نہیں تھا۔ لیکن جب سلطان المشائخ کا ذکر آتا تھا تو اہلِ تعصب کا سا رویہ اختیار کرتے تھے۔ یہ بات مجھے سخت بری معلوم ہوتی تھی۔ میں ان سے کہتا تھا کہ آپ یہ باتیں اس لیے کرتے ہیں کہ آپ نے اس بادشاہِ عرفان کو نہیں دیکھا۔ غرضیکہ ایک دن میں ان کو سلطان المشائخ کی خدمت میں لے گیا۔ قدم بوسی کے بعد آپ نے شیخ فخر الدین کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ کیا پڑھتے ہو۔ انہوں نے کہا ہدایہ آپ نے پوچھا کہاں تک پڑھ چکے ہو۔ انہوں نے سبق کا مقام بتایا اور جو شبہ ان کے دل میں رہ چکا تھا حضرت شیخ سے اس کا انکشاف چاہا۔ شیخ نے کمال فراست سے ان کا اشکال معلوم کر کے تقریر شروع کی۔ اس گنجینۂ علوم کی لطافتِ تقریر اور حسنِ ادا کو دیکھ کر مولانا فخر الدین دنگ رہ گئے اس کے بعد انہوں نے آگے بڑھ کر میرے کان میں کہا کہ میں ابھی مرید ہونا چاہتا ہوں۔ سلطان المشائخ نے دریافت فرمایا کہ کیا کہتا ہے میں نے کہا مرید ہونا چاہتا ہے۔ آپ نے تبسم کر کے فرمایا دوسری مجلس میں کروں گا۔ شیخ فخر الدین نے عرض کیا کہ اگر اس مجلس میں مرید نہ ہوا تو خودکشی کر لوں گا سلطان المشائخ نے کمال مہربانی سے بیعت فرمایا۔ اس کے بعد شیخ فخر الدین نے دانشمندوں کے زمرہ سے نکل کر قیل وقال ترک کر دیا اور کاغذ اور کتابیں دوسروں کے حوالے کر دیں غرور، دانشمندی اور طلب جاہ و منزلت سر سے نکل کر درویشوں کے حلقہ میں داخل ہو گئے اور تمام قیود سے آزاد ہو گئے اور غیاث پورہ میں سکونت پذیر ہو کر سلطان المشائخ کے در کے سامنے بیٹھ گئے اور پانچ وقت نماز آپ کے ساتھ ادا کرنے لگے اور خلوت کے وقت شیخ کی مجالس میں شامل ہو کر فیوض حاصل کرنے لگے۔ حتیٰ کہ جب تک سلطان المشائخ قید و حیات میں رہے انہوں نے آستانہ سے سر نہ اٹھایا ؎

عشق از ما مسلّم است اے جان
کو نہد سر بر آستانۂ دوست

(عشق اسے راست آتا ہے جو دوست کے آستانہ پر سر رکھ دے)

جب سلطان المشائخ کا وصال ہو گیا تو شیخ فخر الدین زرادیؒ بے قرار ہو گئے

کچھ عرصہ کے لئے نہر کے کنارے جہاں سلطان فیروز شاہ نے شہر فیروز آباد کیا تھا ریاضت ومجاہدہ میں مشغول رہے۔ کچھ عرصہ کے لیے موضع نولی میں مقیم رہے۔ کچھ عرصہ سلطان علاؤالدین کے حوض کے کنارے مقیم رہے۔ اس کے بعد سفر پر روانہ ہوئے اور خواجہ بزرگ قدس سرہ کی زیارت کے لیے اجمیر شریف گئے۔ وہاں سے حضرت گنجشکر کی زیارت کے لیے اجودھن گئے۔ الغرض صحرا، پہاڑ اور غاروں میں عبادت کرتے رہے۔ چنانچہ کوئی آپ کے حالات سے آگاہ نہ ہوا۔ اور آپ نے عمر اپنے پیر بے نظیر کی محبت میں گذار دی اور سلطان المشائخ کی نظرِ شفقت کی برکت سے دنیا میں مقبولیت حاصل کی۔ چنانچہ آپ کے مفصل حالات وخوارق سیر الاولیا میں مفصل درج ہیں۔ ذوقِ سماع کا آپ پر بہت غلبہ تھا۔ آپ بڑے سریع البکا (دردمند) تھے تمام احباب میں آپ سب سے زیادہ گریہ جگر سوز رکھتے تھے۔ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ جب سلطان محمد بن تغلق شاہ دہلی کی خلقت کو دیوگیر بھیج رہا تھا تاکہ وہاں اپنے نام پر شہر آباد کرے۔ اور ان ایام میں اس کی یہ بھی خواہش تھی کہ ملکِ ترکستان اور خراسان پر قبضہ کرلے اور چنگیز خاں کی اولاد کو باہر نکال دے۔ اس خیال سے اس نے چاہا کہ ایک عظیم الشان دربار منعقد کرے اور تمام لوگوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دے۔ اس سلسلے میں اس نے شیخ فخرالدین زرادی، شیخ شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین محمود کو طلب کیا۔ جب یہ بزرگ بادشاہ کے پاس گئے تو اس نے شیخ شمس الدین اور شیخ فخرالدین کو اپنے سے اوپر اور شیخ نصیر الدین کو اپنے سے نیچے جگہ دی۔ اس کے بعد اس نے شیخ شمس الدین سے کہنا شروع کیا کہ ہم چنگیز خاں ملعون کی اولاد کو نکالنا چاہتے ہیں۔ اس کام میں آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ شیخ نے فرمایا انشاء اللہ تعالےٰ سلطان نے کہا یہ کلمہ شکی ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ مستقبل کے لیے یہی کہنا مناسب ہے۔ یہ جواب سن کر بادشاہ پیچ وتاب کھانے لگا اور کہا کہ آپ مجھے نصیحت کریں تاکہ میں اسی طرح عمل کروں۔ شیخ نے فرمایا کہ غضب (غصہ) کو قابو میں لائیں۔ بادشاہ نے کہا کونسا غضب۔ شیخ نے جواب دیا غضب سبعی (درندوں جیسا غضب) اس سے وہ اور بھی غضبناک ہوا چنانچہ اس کے چہرے پر غضب کے آثار نمودار ہوئے

لیکن کچھ نہ کہا۔ اور حکم دیا کہ کھانا لاؤ۔ جب کھانا آیا تو شیخ فخر الدین اور سلطان محمد نے ایک ہی برتن میں کھانا شروع کیا۔ سلطان حضرت شیخ کو خوش کرنے کے لیے گوشت ہڈیوں سے الگ کر کے آپ کے سامنے رکھنے لگا۔ کھانے ختم ہونے کے بعد رخصت کے وقت بزرگوں کے لیے بادشاہ نے خلعت اور چاندی کا نذرانہ تیار کرایا۔ ہر شخص خلعت اور چاندی ہاتھ میں لے کر جا رہا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ شیخ فخر الدین کو خلعت اور چاندی پیش کی جائے خواجہ قطب الدین دبیر نے جو سلطان المشائخ کا مرید اور شاگرد تھا خلعت اور چاندی اٹھالی اس خیال سے کہ شیخ فخر الدین آزاد آدمی ہیں اسے ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ اس سے بادشاہ رنجیدہ خاطر ہوا لیکن خواجہ قطب الدین چونکہ مشائخ کی محبت میں غرق تھا اس نے مطلقاً پروا نہ کی پس جب سب لوگوں کے ساتھ بادشاہ نے علماء و مشائخ کو دیوگیری بھیجا تو شیخ فخر الدین زرادیؒ بھی وہاں تشریف لے گئے اور وہاں سے بیت اللہ کی زیارت کا احرام باندھا۔ جب آپ کوکن تھانہ پہنچے اور جہاز پر سوار ہونے لگے تو دولت آباد کے دوستوں کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر لکھا ہے

رفتنِ حج بہانہ افتاداست ۔۔۔ یار آوارگی بسر دارد

(دوست کے سر پر آوارگی سوار ہے اس لیے حج کا بہانہ بنالیا ہے)

غرضیکہ شیخ فخر الدین صحیح سلامت خانہ کعبہ پہنچ گئے۔ حرمین کے طواف کے بعد آپ بغداد گئے۔ وہاں کے علماء مشائخ آپ کی آمد کو سعادت سمجھ کر استقبال کو باہر آئے اور شہر میں لے گئے کچھ عرصہ وہاں ٹھہر کر آپ علم حدیث کا درس دیتے رہے اور وہاں کے تمام علما آپ کے کمالات کے قائل ہو گئے۔ وہاں سے سلطان المشائخ کی زیارت کی خاطر دہلی کی طرف بذریعہ جہاز روانہ ہوئے۔ اس جہاز میں بادشاہ کا بہت سامان تھا جس کی وجہ سے بوجھ بڑھ گیا اور جہاز ڈوبنے لگا۔ جہاز والے شیخ فخر الدین کے پاس گئے اور عرض کیا کہ اجازت ہو تو کچھ سامان دریا میں ڈال دیا جائے تاکہ جہاز ہلکا ہو جائے۔ آپ نے فرمایا مجھے اوروں کے مال میں تصرف کا حق کیا ہے کہ دریا میں ڈالنے کا حکم دے دوں۔ آپ اسی طرح مصلے پر بیٹھ کر قبلۂ ظاہری و باطنی کی طرف منہ کر کے بحرِ مشاہدہ میں غرق ہو گئے۔ اور مرتبہ شہادت سے فائض ہوئے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے

فرمایا ہے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواۃ بل احیاء ولکن لا تشعرون (جو اللہ
کی راہ میں شہید ہو گئے ہیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں یعنی
ان کی زندگی کا تم کو شعور نہیں) رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ علاء الدین نیلی قدس سرہ

آں حافظ کلام ربانی، آں عارف رموز سبحانی، آں مغلوب ساختۂ نفس بضرب
سیلی مقتدائے وقت شیخ علاؤالدین نیلی قدس سرہ تمام فضائل سے آراستہ تھے
آپ سلطان المشائخ کے دس خلفاء میں سے تھے۔ سب سے پہلے سلوک کے متعلق آپ نے
کلام فرمایا ہے آپ کشف حقائق میں اپنا نظیر نہیں رکھتے مولانا فریدالدین شافعی جو خطہ
اودھ کے شیخ الاسلام تھے کی مجلس میں قاری کشاف آپ تھے اور شیخ شمس الدین
یحیی اور دیگر علماء شہر اودھ سننے والے تھے۔ سلطان المشائخ سے بیعت کے بعد آپ نے
یہ سب کام ترک کر دیئے اور سلوک الی اللہ میں مشغول ہو گئے۔ ایک دن سلطان المشائخ
بالا خانہ کی چھت پر صبح کی نماز ادا کر کے بیٹھے تھے کہ شیخ علاؤالدین آ گئے جو احباب
سلطان المشائخ کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکے تھے شیخ علاؤالدین کے پیچھے نماز پڑھنے
لگے۔ انہوں نے قرأت اس خوش الحانی سے پڑھی کہ سلطان المشائخ پر کیفیت طاری ہو
گئی۔ اور ذوق وشوق کی حالت میں آپ نے مصلے خواجہ اقبال کو دیکر فرمایا کہ جب وہ نماز
سے فارغ ہوں تو انہیں دے دینا۔ جب انہوں نے سلام پھیرا تو دیکھتے ہیں کہ ایک
فرشتہ صفت آدمی اس آسمان ولایت کی بہشتی خلعت لیے کھڑا ہے انہوں نے نہایت
تعظیم کے ساتھ خواجہ اقبال سے جو اہل دہلی کے مقبول تھے وہ مصلیٰ لے لیا اور سر زمین پر رکھ
دیا۔ اور ہمیشہ مصلے کا حق ادا کرتے رہے۔ ایک دفعہ شیخ شمس الدین یحییٰ اور شیخ علاؤالدین
اور اودھ کے دوسرے احباب سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھے ان ایام میں طاعون
کا خطرہ تھا جنہوں نے دہلی کے گرد نواحی علاقوں میں تباہی مچا رکھی تھی اور لوگ قلعہ بند
ہو گئے۔ چار دن کے بعد سلطان المشائخ نے اودھ کے لوگوں کو رخصت فرمایا جب

دہلی سے ایک منزل دور ہو گئے تو شیخ علاؤالدین تپ محرقہ میں مبتلا ہو گئے اور ناچار اسی منزل میں ٹھہر گئے۔ جب سلطان المشائخ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے ان لوگوں کے لیے خرچ بھیجا اور شیخ علاؤالدین کے لیے پالکی بھیجی تاکہ سوار ہو کر واپس آئیں۔ ادب شیخ ادا کرنے میں شیخ علاؤالدین اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ سلطان المشائخ کی پالکی پر ہرگز سوار نہ ہوتے تھے۔ اور جب تک قید حیات میں رہے اس کی تبرک کے طور پر نگاہ داشت کی۔ آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ باوجودیکہ سلطان المشائخ نے آپ کو مجاز مطلق بنا دیا تھا آپ نے ایک آدمی کو بھی مرید نہ کیا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ سلطان المشائخ اگر قید حیات میں ہوتے تو میں یہ خلافت نامہ واپس کر دیتا اور عرض کرتا کہ اگرچہ حضرت مخدوم نے کمال بندہ نوازی سے مجھے دولت خلافت سے سرفراز فرمایا ہے لیکن بندہ اپنے آپ کو اس بلند عہدے کا اہل نہیں سمجھتا۔ آپ سلطان المشائخ کی محبت میں اس قدر بے اختیار تھے کہ آخر عمر میں آپ نے فوائد الفوائد اور سلطان المشائخ کے ملفوظات کو اپنے قلم سے لکھ کر ورد بنا لیا اور ہمیشہ اپنے سامنے رکھتے تھے۔ کسی نے آپ سے کہا کہ آپ کے پاس ہر علم کی اتنی معتبر کتابیں ہیں ان کی طرف آپ کوئی رغبت نہیں کرتے کیا وجہ ہے۔ فرمایا اے غافلو! دنیا سلوک کی کتابوں سے پڑ ہے لیکن میرے شیخ کے ملفوظات جن سے میری نجات وابستہ ہے کہاں اور یہ کہاں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

مرا نسیم تو بادِ صبا کجا است کہ نیست کجا است زلفِ تو مشکِ خطائی است کہ نیست

(مجھے تیری نسیم چاہیئے باد صبا کی مجھے ضرورت نہیں۔ میں تیری زلف کا طلب گار ہوں مجھے مشکِ خطا کی ضرورت نہیں) آخر چند روز کے لیے آپ بیمار ہو کر راہئ ملک بقا ہو گئے۔ اور سلطان المشائخ کے احاطہ میں گنبد دہلیز کے سامنے اپنے احباب کے ساتھ دفن ہو گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ برہان الدین غریب قدس سرہٗ

آں عاشق محنت فراق کشیدہ، آں بعد از دیر جام وصال چشیدہ، آں مخصوص تقرب حضرت قریب، قطب ولایت شیخ برہان الدین غریب قدس سرہ تمام کمالات انسانی سے آراستہ تھے۔ آپ ذوق و سماع اور درد عشق و محبت میں سلطان المشائخ کے خلفا میں نظیر نہیں رکھتے تھے آپ اپنے اکثر یاران اعلیٰ سے پہلے مرید ہوئے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ جب سلطان المشائخ حضرت گنج شکرؒ سے خلافت لیکر دہلی تشریف لائے تو یہ دو عزیز ہمراہ تھے ایک شیخ برہان الدین اور دوسرے شیخ حسام الدین ملتانیؒ۔ شیخ برہان الدین غریب سلطان المشائخ سے وہ اعتقاد و محبت رکھتے تھے کہ جب تک زندہ رہے کبھی غیاث پورہ کی طرف پیٹھ نہ کی۔ صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ یہ بات یاران اعلیٰ میں سے کسی کو حاصل نہ تھی۔ آپ دل دادگان عشق و محبت کے لیے مرہم اور درماندگان درد عشق کے لیے دوا تھے۔ امیر خسروؒ امیر حسن اور دوسرے خوش طبع حضرات لطافت طبع کی وجہ سے آپکے اسیر محبت ہو چکے تھے اور اکثر آپ کی صحبت میں رہتے تھے اور شیخ نصیر الدین محمودؒ طالب علمی کے زمانہ میں آپ ہی کے ہاں ٹھہرتے تھے اور کبھی اس عاشق صادق کی امامت بھی کرتے تھے۔ شیخ برہان کو سماع کا بے حد شوق تھا۔ ان کی اور ان کے احباب کی رقص کی طرز علیحدہ تھی چنانچہ احباب آپ کو دوستوں کی برہان کہا کرتے تھے جو شخص ایک ساعت آپ کی خدمت میں بیٹھ جاتا آپکے کلام عشق آمیز کے ذوق اور محاورۂ دل فریب کی وجہ سے باقی عمر کے لیے آپ کے جمال ولایت کا عاشق ہو جاتا تھا بندگان خدا کے لیے اعتقاد و محبت میں آپسے بہتر کوئی پیر نہ تھا ان کمالات کے باوجود آپ نہایت عاجزی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ چنانچہ میر سید کرمانی نے آپ کی مدحت میں لکھا ہے ؎

غریب است ایں حجت حق بدنیا   حبیب اللہ فی الدنیا غریب

(شیخ برہان الدین غریب دنیا میں حجت ہیں۔ اس دنیا میں اللہ کا حبیب برہان الدین غریب ہے) سیر الاولیا میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب آپ کی اسی سال کو پہنچ گئی اور

آپ نہایت ضعیف اور سوختہ محبت تھے تو کمزوری کی وجہ سے آپ گلیم دوہری کر کے اس پر بیٹھ جاتے تھے۔ بعض حاسد لوگوں نے سلطان المشائخ سے جا کر شکایت کی وہ اپنے گھر میں مسند نشین ہو کر بیٹھ گئے ہیں یہ سنکر سلطان المشائخ رنجیدہ خاطر ہوئے چنانچہ جب شیخ برہان الدین حاضر خدمت ہوئے تو آپنے ان سے بات نہ کی اور بے توجہی سے پیش آئے۔ وہ حیران ہو کر اٹھے اور جماعت خانہ چلے گئے لیکن اسی وقت خواجہ اقبال خادم نے آکر سلطان المشائخ کا حکم سنایا کہ اس جگہ مت رہو اور فوراً اپنے گھر چلے جاؤ۔ یہ دیکھ کر آپ کیلیے دنیا تاریک ہوگئی۔ حیران تھے کہ کہاں جاؤں اور کیا کروں۔ ناچار گھر جا کر گر گئے اور زار و قطار رونے لگے۔ چند یوم کے بعد امیر خسروؒ اکثر احباب کے مشورہ سے طوق گلے میں ڈالکر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مولانا برہان کی تقصیر کی معافی کی درخواست کی۔ سلطان المشائخ نے تبسم کر کے فرمایا کہ اسے بلاؤ۔ چنانچہ وہ بھی طوق گلے میں ڈال کر حاضر ہوئے اور سر زمین پر رکھ دیا۔ سلطان المشائخ کا یہ اعراض (بے پروائی) محض ان کی تکمیل کے لیے تھا۔ مولانا برہان الدین نے از سر نو بیعت کی۔ جب دوسرے احباب اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے تو میر سید حسین اور میر سید خاموش جو سلطان المشائخ کے محبوب ترین مرید تھے اور خواجہ مبشر جو آپکے قدیم خدمت گاروں میں سے تھے اور گھر میں بچوں کی طرح تربیت حاصل کی تھی سب نے متفقہ طور پر خواجہ محمد اقبال سے کہا کہ مولانا برہان الدین حضرت شیخ کے پرانے مریدین میں سے ہیں اور اخلاص و اعتقاد میں سب احباب میں ممتاز ہیں۔ سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کرنا چاہیئے کہ اسے خلافت سے مشرف فرمائیں۔ خواجہ اقبال نے کہا مولانا برہان الدین مستعد ہو کر آجائیں تاکہ میں انہیں سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کروں۔ جب مولانا آئے تو خواجہ اقبال ان کو حضرت شیخ کے سامنے لے گئے۔ سید خاموش بھی ساتھ تھے۔ سلطان المشائخ جماعت خانہ کی چھت پر اپنے بالاخانہ میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور لحاف اوڑھے ہوئے تھے لیکن آپکا چہرہ مبارک لحاف سے باہر تھا۔ خواجہ اقبال نے عرض کیا کہ مولانا برہان الدین آنحضرت کا قدیم غلام پا بوسی کے لیے حاضر ہوا ہے اور کرم کا امیدوار ہے۔ سلطان المشائخ نے آنکھ کھول کر

مولانا اور خواجہ اقبال کی طرف دیکھا مولانا زمین بوس ہوئے۔ اس کے بعد خواجہ اقبال نے آپ کے خاص کپڑے کھولے اور کلاہ اور پیرہن جسے آنحضرت استعمال کرچکے تھے۔ باہر نکالا اور سلطان المشائخ کے پاس سے جاکر ہاتھ لگوایا اور آپ کے سامنے مولانا برہان الدین کو پہنا دیئے اور کہا کہ آپ بھی خلیفہ ہیں۔ سلطان المشائخ خاموش رہے اور خاموشی رضامندی کی علامت ہے۔ سلطان المشائخ کے وصال کے بعد مولانا برہان الدین چند سال قید حیات میں رہے آپ لوگوں کو مرید کرتے رہے اور طالبانِ صادق کی تربیت فرماتے رہے اور اکثر لوگ آپ کی تربیت سے مرتبہ کمال پر پہنچے۔ ان میں سے ایک شیخ زین الدین تھے جو آپ کے بعد مسند نشین ہوئے اور ان کی بدولت مولانا کا سلسلہ ملک دکھن میں بہت پھیل گیا۔ شیخ زین الدین کا ایک مرید تھا جس کا نام میر حسن تھا۔ انہوں نے آپ کے ملفوظات لکھے ہیں۔ عمدہ کلمات کا مجموعہ ہے شیخ رکن الدین حماد جو کتاب شمائل الاتقیا کے مصنف تھے بھی شیخ برہان الدینؒ کے مرید تھے۔ غرضیکہ آخر عمر میں مولانا برہان الدین غریب دیوگیری کی طرف چلے گئے اور وہاں بہت شہرت پائی۔ اور اسی جگہ رحمت حق سے پیوست ہوگئے

میں حاضر ہونے کا اشتیاق ہوا۔ دل میں خیال آیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اڑکر اپنے پیر کی خدمت پہنچ جاتا اور فوراً سلطان المشائخ کے دیدار سے مشرف ہوتا۔ حق تعالیٰ نے اسی وقت آپ کو اڑنے کی طاقت عطا فرمائی۔ اڑتے ہوئے غیاث پورہ پہنچ گئے اور زیارت سے فیض یاب ہوئے۔ ایک دفعہ سلطان المشائخ کے زانو مبارک میں درد شروع ہوا جس سے زانو سوج گیا اس تکلیف سے آپ کو کمزوری لاحق ہوگئی۔ لوگ دور دور سے طبع پرسی کے لیے حاضر ہو رہے تھے۔ اور مولانا یوسف بھی چندیری سے آئے ہوئے تھے جب زیارت سے مشرف ہوئے تو فاتحہ پڑھ کر زانو پر دم کی۔ دوسرے دن سلطان المشائخ نے فرمایا کہ بہت لوگ آئے اور دعا کی لیکن کسی کی دعا اتنی مؤثر ثابت نہیں ہوئی جتنی مولانا یوسف کی۔ کل انہوں نے میرے زانو پر دم کیا۔ اور آج آرام ہو گیا ہے اور اب میرا جسم ہلکا ہوگیا ہے۔ غرضیکہ تیسرے دن سلطان المشائخ نے غسل فرمایا۔ ایک دن سلطان المشائخ خوش بیٹھے تھے۔ خواجہ محمد اقبال خادم کو فرمایا کہ فلاں کاسہ چوبیں (لکڑی کا پیالہ) میوے سے پر کرکے لے آؤ آپ نے کاسہ ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ

تیس سال سے یہ کاسہ میرے پاس ہے آج میں اسے مولانا یوسف کے پاس روانہ کرتا ہوں۔ انہوں نے دامن دراز کیا اور آگے بڑھے۔ سلطان المشائخ نے کاسہ مولانا یوسف کی جھولی میں ڈال دیا۔ اور فرمایا کہ حق تعالیٰ نان اور ایمان عطا کرے۔ مولانا یوسف کہتے ہیں کہ اس روز سے ہمارے ہاں کسی چیز کی کمی واقع نہ ہوئی اور حق تعالیٰ مجھے ایمان سے رکھتے ہیں۔ اور امید ہے کہ ایمان کے ساتھ اس دنیا سے لے جائیں گے آپ کے حصول خلافت کا واقعہ سیر الاولیا میں اس طرح درج ہے کہ سلطان علاؤالدین خلجی نے ایک افسر کو کثیر فوج دے کر چندیری فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ افسر سلطان المشائخ کا بہت معتقد تھا۔ اس نے سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ بادشاہ نے آج مجھے فوج کشی کا حکم دیا ہے اگر حضرت شیخ اپنے کسی مرید کو میرے ساتھ روانہ فرما دیں تو اس کی پناہ میں ہو جاؤں گا۔ سلطان المشائخ نے مولانا وجیہ الدین کو طلب فرما کر خلافت و اجازت عطا فرمائی اور چندیری کا صاحب ولایت بنا کر ان کے ساتھ آپ کا مزار دیوگیر عرف دولت آباد میں آج تک قبلۂ حاجات خلق بنا ہوا ہے اور وہ ولایت آپ کے زیر تصرف ہے۔ برہان پور شہر بھی آپ کے اسم مبارک سے آباد ہوا ہے آپ کے بڑے بھائی قاضی منتجب خواجہ گنجشکرؒ کے مرید تھے۔ اور وہاں کے لوگ ان کو زرزری زربخش کہتے ہیں۔ ان کا مزار بھی دیوگیر میں مولانا برہان الدین کے مزار کے قریب ہے بڑے عالی مقام بزرگ تھے۔ شیخ برہان الدین غریبؒ کا وصال بارہ صفر ۷۳۲ھ کو ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا وجیہ الدین یوسف ثانی قدس سرہٗ

آں طیارِ عالم ملکوت، آں مقیم عالم جبروت، آں رموز دان سبحانی قطب اقلیم مولانا وجیہ الدین ثانی قدس سرہٗ آپ سلطان المشائخ کے حکم کے مطابق قصبۂ چندیری میں سکونت پذیر تھے۔ اور آپ کے اکمل خلفاء میں سے تھے۔

صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ مولانا وجیہ الدین یوسفؒ مرید ہونے اور خلافت

حاصل کرنے میں بھی اپنے تمام احباب سے سبقت لے گئے تھے آپ زہد و عبادت اور درد و عشق میں بے نظیر تھے۔ اور تمام اخلاق حسنہ سے آراستہ تھے غرضیکہ آپ کے محاسن و مناقب تحریر سے باہر ہیں۔ مولانا برہان الدین غریب آپ کی بدولت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جس طرح وہ (مولانا وجیہ الدین) مولانا عمر کلاگھری کی وجہ سے حاضر ہوئے تھے۔ سیر الاولیاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ مولانا وجیہ الدین کو سلطان المشائخ سے عجیب عشق تھا۔ ایک دن آپ سرائے دھاری سے جو دہلی سے چھ سات کوس دور ہے حضرت سلطان المشائخ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ چند قدم چلنے کے بعد آپ کے دل میں خیال آیا کہ پیر کی خدمت میں سر کے بل جانا چاہیئے۔ پس آپ نے غیاث پورہ کی جانب سر کے بل چلنا شروع کیا۔ چنانچہ صدق اعتقاد کی وجہ سے تیسری قلابازی کے بعد آپ نے اپنے آپ کو سلطان المشائخ کے دروازے پر پایا اور زمین بوس ہوئے۔ اسی طرح ایک دفعہ اور چندیری سے سلطان المشائخ کی خدمت بھیج دیا تھوڑے عرصے کے بعد وہ علاقہ فتح ہوگیا اور مولانا وجیہ الدین وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ اس کے بعد جو شخص چندیری کے علاقے سے سلطان المشائخ کی خدمت میں مرید ہونے کے لیے آتا تو آپ اُسے مولانا وجیہ الدین کے پاس بھیج دیتے تھے کہ ان سے جاکر بیعت ہو جاؤ اور یہی خیال کرو کہ مجھ سے بیعت کر رہے ہو۔ لیکن جو شخص اُن کے پاس مرید ہونے کے لیے جاتا تھا تو فرماتے تھے کہ جب تک سلطان المشائخ موجود ہیں میں کسی کو مرید نہیں کر سکتا۔ ہاں میرے پاس سلطان المشائخ کا کپڑا ہے وہ تمہارے سامنے رکھتا ہوں اور تمہیں بیعت کی تلقین کرتا ہوں تم یہی تصور کرو کہ سلطان المشائخ موجود ہیں غرضیکہ اسی طرح آپ لوگوں کو بیعت کرتے رہے حتیٰ کہ جب آخر عمر میں سلطان المشائخ نے دس حضرات کو خلافت عطا فرمائی تو ان میں سے ایک مولانا وجیہ الدین یوسفؒ تھے۔ جن کو دوبارہ خلافت سے نوازا گیا۔ اس وقت سلطان المشائخؒ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ چونکہ شیخ وجیہ الدین کو سب لوگوں سے پہلے بیعت اور خلافت ملی تھی اس لیے یہ دوسری سعادت ان کے حصے میں آئی ہے نورٌ علیٰ نورشد۔ مولانا وجیہ الدین بڑے

مکرم و معظم تھے اور کشف و کرامات کا دروازہ آپ پر کشادہ تھا۔ خلق خدا کثرت سے آپ سے بہرہ مند ہوئی۔ آپ کا مزار قصبہ چندیری میں قبلۂ حاجات خلق ہے رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا شہاب الدین قدس سرہٗ

آں پیشوائے اخلاق، آں آزادِ علائق، آں شیخ عالی مقام، مقتدائے قوم حضرت مولانا شہاب الدین قدس سرہٗ سلطان المشائخ کے مرید، خلیفہ اور امام تھے۔ آپ رو صاحب حال، خلیق اور بلند ہمت بزرگ تھے اور اہل تصوف کے تمام اوصاف سے آراستہ تھے۔ آپ کا ذوقِ سماع نہایت قوی تھا۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ جب مولانا شہاب الدینؒ بیعت سے مشرف ہوئے تو سلطان المشائخ نے حکم دیا کہ خواجہ نوح کو تعلیم دیا کرو۔ خواجہ نوح اور ان کے بڑے بھائی خواجہ ہارون دونوں آپ کے ہمشیرہ زادے تھے۔ اور آپ نہایت لطف و کرم سے انہیں اپنے فرزندوں کیطرح تربیت دیتے تھے۔ خواجہ ہارون اور خواجہ نوح کے کمالات کا مفصل ذکر سلطان المشائخ کے اقربا کے احوال میں لکھا گیا ہے۔ الغرض مولانا شہاب الدین کو حجرہ خورد جو جماعت خانہ کے درمیان تھا مل گیا۔ اور آپ سلطان المشائخ کے خاص احباب اور خدمتگاروں کے ساتھ پرورش پانے لگے۔ آپ سلطان المشائخ کے لئے اکثر وضو کا پانی مہیا کرتے تھے رفتہ رفتہ آپ مرتبہ تکمیل تک پہنچ گئے۔ آپ قرآن نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ آپ کے دل میں یہ تمنا تھی کہ سلطان المشائخ کی امامت سے فائض ہوں اور یہ بات ممکن نہ تھی کیونکہ اس عہدے پر آپ نے خواجہ محمد بن شیخ بدرالدین اسحاق کو جو حضرت گنج شکرؒ کے نواسے تھے [۱] کو مقرر کیا ہوا تھا۔ جب کسی خاص مصروفیت کی وجہ سے وہ امام نہ ہو سکتے تھے تو ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی خواجہ موسیٰ امامت کا کام کرتے تھے چنانچہ ان دونوں حضرات کے حالات سیر الاولیاء میں بیان کیے گئے ہیں ایک دفعہ خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ گنج شکرؒ کی زیارت کے لیے اجودھن گئے ہوئے تھے خواجہ اقبال خادم نے ان کی بجائے مولانا شہاب الدین کو امامت کے لیے آگے کیا

مولانا نے اس خوبی سے قرأت پڑھی کہ سلطان المشائخ پر کیفیت طاری ہوگئی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے مولانا شہاب الدین کو مصلےٰ خاص عطا فرمایا اور بہت مہربانی سے پیش آئے۔ اس وقت سے لیکر سلطان المشائخ کی آخر عمر تک مولانا شہاب الدین امامت کے فرائض انجام دیتے رہے آپ کی وفات کے بعد مولانا شہاب الدین دیوگیر چلے گئے اور وہاں خلقِ خدا کی ہدایت میں مشغول ہوگئے۔ اس کے بعد دیوگیر سے دہلی واپس آئے اور مدت تک مسند ارشاد پر متمکن رہے آپ کی وفات دہلی میں ہوئی اور دہلی کے مضافات میں اپنے گھر کے اندر دفن ہوئے رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے بعد آپ کے لڑکے شیخ رکن الدین امام مسند نشین ہوئے شیخ رکن الدین تربیت مریدین میں خاص شان رکھتے تھے آپ بڑے قوی الحال تھے۔ آپ کے کمالات کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ خواجہ مسعود بیگ جیسے شاہباز آپ کے مرید اور تربیت یافتہ تھے۔ ان کے حالات اپنی جگہ پر لکھے جا چکے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ سراج الدین عثمان قدس سرہٗ

آں آئینہ جمالِ ذاتِ مطلق، آں کاشفِ اسرارِ مُصدق، آں محبوبِ حضرت سبحان، قطبِ ولایت حضرت شیخ سراج الدین عثمان قدس سرہٗ آپ کو اخی سراج الدین بھی کہتے ہیں۔ آپ کا لقب سلطان المشائخ کی زبان مبارک پر گذرا تھا آپ نے فرمایا تھا کہ "ایں آئینہ ہندوستان است" (یہ ہندوستان کا آئینہ ہے) سبحان اللہ آخر اسی طرح ہوا۔ آپ سلطان المشائخ کے دسویں خلیفہ ہیں۔ آپ تمام ظاہری و باطنی کمالات سے مزین تھے۔ عشق و محبت اور ذوقِ سماع میں آپ بے نظیر ترک و تجرید میں ممتاز اور لطف و کرم میں مشہور تھے۔ تربیت مریدین میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے۔

اگرچہ سلطان المشائخ کے تمام خلفاء صاحب مقامات عالی تھے۔ لیکن دو بزرگ ایک شیخ نصیر الدین محمود اور دوسرے اخی سراج الدین کی چاشنی اور ہی تھی ان دو حضرات سے

کثیر التعداد خلقت فیض یاب ہوئی اور بہت بزرگ صاحب خلافت وارشاد ہوئے
چنانچہ آج تک ان دو حضرات سے تمام ہندوستان میں سلاسل جاری ہیں اور قیامت
تک جاری رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان المشائخ کے خلفا کا ذکر کرتے ہوئے پہلے
شیخ نصیر الدین سے شروع کیا اور اخی سراج الدین پر ختم کیا۔ اور اس کے بعد دوسرے
کامل مریدین کا ذکر کیا جائے گا۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ جو احباب اودھ اور
ہندوستان سے آکر سلطان المشائخ کے مرید ہوئے تھے ان سب سے پہلے اخی سراج الدین
مرید ہوئے۔ عین جوانی کی حالت میں جبکہ آپ کے رخسار پر بال بھی نہیں آئے تھے آپ
لکھنوتی قدیم سے جسے گور کہتے ہیں، آکر سلطان المشائخ کے حلقہ بگوش ہوئے اور احباب
کے درمیان تربیت پانے لگے۔ بعض مقامات پر آپ کو اخی سراج اودھی لکھا گیا۔
آپ کے آبا و اجداد اودھ میں رہتے تھے۔ اس کے بعد آپ کے والد لکھنوتی جا کر سکونت
پذیر ہوئے۔ چنانچہ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ پہلے آپ اپنی والدہ کو ملنے لکھنوتی گئے
اور پھر سلطان المشائخ کی خدمت میں جا کر مقیم ہو گئے آپ نے اکثر اوقات مجرد اور فارغ البال
رہ کر سلطان المشائخ کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ آپ کے پاس کاغذ اور قلم دوات کے سوا
کچھ نہ تھا اور جماعت خانہ کے ایک کونے میں پڑے رہتے تھے اور حضرت شیخ کے
ظاہری و باطنی فیوض سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ سیر الاولیاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ
جب بعض احباب کو سلطان المشائخ نے خلافت کے بارہ میں مختار بنایا تو اخی سراج
کو بھی اختیار دیا گیا۔ جب ان دس حضرات کی فہرست سلطان المشائخ کے پیش کی گئی
تو اخی سراج کے متعلق آپ نے فرمایا کہ ان کے لیے پہلی چیز علم ہے یعنی وہ چنداں عالم نہیں
ہیں اس پر مولانا فخر الدین زرادی نے عرض کیا کہ میں انہیں چھ ماہ میں عالم بنا دوں گا اور
جو کما تھا کر کے دکھایا۔ سیر الاولیاء کے مصنف محمد کرمانی لکھتے ہیں۔ کہ اخی سراج نے
بڑی عمر میں علم حاصل کیا اور شروع میں میرے ساتھ میزان اور صرف وغیرہ پڑھتے تھے
مولانا فخر الدین نے ان کی خاطر صرف کو آسان کر کے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام عثمانی
رکھا گیا۔ یہ کتاب وہ مولانا فخر الدین سے غیاث پورہ میں پڑھتے تھے۔ اور مولانا رکن الدین
سے میرے ساتھ کافیہ، مفصل، قدوری اور مجمع البحرین پڑھتے تھے اس کتاب میں یہ بھی

لکھا ہے کہ جب ان کو خلافت نامہ مل گیا۔ تو ہندوستان جانے سے پہلے (یعنی پورب کی طرف) انہوں نے وہ خلافت نامہ شیخ نصیر الدین محمودؒ کے ذریعے اودھ بھیج دیا۔ اور خود سلطان المشائخ کی خدمت میں رہ گئے اور تعلیم حاصل کرتے رہے۔ جب سلطان المشائخ کا وصال ہوا آپ تین سال مزید تعلیم میں مشغول رہے اور خود حضرت شیخ کے احاطہ کے اندر خواجہ جہاں مرحوم کے گنبد میں رہتے تھے۔ جس وقت سلطان محمد شاہ تغلق نے دہلی کی خلقت کر دیوگیر کے علاقے کی طرف روانہ کیا آپ لکھنوتی چلے گئے سلطان المشائخ کی بعض معتبر کتابیں اور پارچات جو آپ کو تبرک کے طور پر ملے تھے وہ بھی ساتھ لے گئے اور اس علاقے کو اپنی ولایت کے جمال سے مزین کر کے خلق خدا کی ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ اس ملک کے امراء و ملوک آپ کے مرید ہو گئے۔ آپ بڑے باکمال اور صاحب تصرف تھے۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ جب اخی سراج کو سلطان المشائخ سے لکھنوتی یعنی بنگال کی خلافت ملی اور آپ نے چاہا کہ اپنے اصلی وطن کو جائیں تو سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس علاقے میں شیخ علاؤالدین بڑے عالم فاضل اور ذی جاہ بزرگ رہتے ہیں میں وہاں کس طرح رہ سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ فکر مت کرو، وہ تمہارا خادم ہو جائے گا۔ پس یہی ہوا اور اس علاقے میں سب سے پہلے وہ شخص آپ کے مرید ہوئے۔ وہ شیخ علاؤالدین، علاؤالحق تھے۔ آپ کے فیض صحبت سے وہ صاحب کمال ہو کر خلافت سے مشرف ہوئے اور آپ کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ ان کی بدولت آپ کے سلسلہ کو بہت شہرت ہوئی۔ چنانچہ اُن کے حالات اپنے مقام پر آ رہے ہیں۔ اخبار الاخیار میں شیخ حسام الدین مانکپوریؒ کے ملفوظات سے منقول ہے کہ ایک دن سلسلہ سہروردیہ کے ایک درویش شیخ سراج الدین کے مہمان تھے۔ نماز عشاء کے بعد شیخ سراج الدین کپڑے اتار کر سو گئے لیکن وہ درویش ساری رات نماز میں مشغول رہے۔ جب صبح ہوئی تو شیخ سراج الدین نے اٹھ کر عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی۔ اس درویش نے حیران ہو کر کہا۔ عجیب بات ہے۔ آپ ساری رات سوتے رہے ہیں اور صبح کی نماز بے وضو پڑھی ہے۔ شیخ اخی سراج الدین بہت تواضع سے پیش آئے اور فرمایا کہ آپ بزرگ آدمی ہیں۔ آپ ساری رات کام کرتے رہے ہیں لیکن میرے پاس کچھ مال ہے اور چور اس مال کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ ساری رات اس کی نگہبانی کرتا رہا ہوں اگرچہ عاشق مسجد میں نہیں آتا لیکن عاشق ہمیشہ نماز میں ہے۔ آپ کے کمالات و کرامات

ہبت ہیں۔ صاحب سیر الاولیا فرماتے ہیں کہ جب شیخ سراج الدین عثمانؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے لکھنوتی قدیم کے نواح میں جو آج کل ڈنگوہ کے نام سے مشہور ہے۔ اپنے لئے مدفن پسند کیا پہلے آپ نے وہاں سلطان المشائخ کے تبرکات جو ساتھ لائے تھے۔ دفن کرائے اور وصیت کی کہ مجھے ان تبرکات کی پائنتی دفن کیا جائے۔ اس وجہ سے آپ کا مزار قبلۂ حاجات خلق بنا ہوا ہے اور ہندوستان بھر میں آپ کے خلفا آج تک لوگوں کی ہدایت میں مشغول ہیں۔ صاحب اخبار الاخیار شیخ حسام الدین مانک پوری کے ملفوظات سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت شیخ محمد قدس سرہٗ کو بھی سلطان المشائخ کے خلق میں لکھا گیا ہے جو اپنے آپ کو امراء و ملوک کے لباس میں چھپائے رکھتے تھے اور بادشاہِ وقت کی صحبت میں جا پہنچتے تھے۔ ایک دفعہ وہ قصبۂ مانک پور گئے۔ وہاں کا قاضی ان سے ملنے آیا اور دل میں یہ خیال کر لیا کہ اگر انھوں نے مجھے مصری دی تو سمجھوں گا کہ صاحب ولایت ہیں۔ آپ نے کسی سے کہا کہ لوگ میرے امتحان کے لئے آرہے ہیں مصری کا ٹکڑا لاؤ۔ جب قاضی آپ کی خدمت میں پہنچا تو مصری کا ٹکڑا پہلے سے موجود تھا لیکن یہ روایت اخبار الاخیار کے سوا کسی اور کتاب میں نظر نہیں آئی۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ شیخ محمد کا مزار کہاں ہے البتہ شیخ حسام الدین مانک پوری کے دادا مولانا جلال الدین شیخ محمد کے مرید تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین بدایونی قدس سرہٗ کے بعض نامور مریدین

حضرت شیخ ابوبکر ماندوی

آپ علم و زہد و تقویٰ سے آراستہ تھے

اور صورت و سیرت میں اصحاب سلف کی طرح تھے۔ آپ سلطان المشائخ کے مقرب تھے۔ حضرت گنجشکرؒ سے خلافت ملنے سے پہلے انہوں نے سلطان المشائخؒ سے عرض کر رکھا تھا کہ جب آپ خلافت سے مشرف ہوں گے تو میں آپ سے بیعت کروں گا۔ جب سلطان المشائخ خلافت سے مشرف ہوئے تو کتاب سیر الاولیا کے مصنف کے دادا پیر سید محمد کرمانیؒ نے جو حضرت گنجشکرؒ کے مرید تھے۔ شیخ ابوبکر کو وہ بات یاد دلائی۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے دلیل چاہیے ایک دن سلطان المشائخ خواجہ قطب الاسلامؒ کی زیارت سے واپس آ رہے تھے راستے میں شیخ ابوبکر مل گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سلطان المشائخؒ کی پیشانی مبارک سے نور نکل کر آسمان تک پہنچ رہا ہے۔ یہ دیکھتے ہی انہوں نے اپنا سر شیخ کے قدموں میں رکھ دیا اور بیعت کی درخواست کی۔ سلطان المشائخؒ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا کہ تم دلیل کے منتظر تھے۔ انہوں نے کہا۔ بس میں نے دیکھ لیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت ان کو بیعت کر لیا اور اپنا کلاہ ان کے سر پر رکھ دیا۔ خواجہ ابوبکر ماندویؒ بڑے بابرکت مرد تھے۔ ان کی قبر سلطان المشائخؒ کے احاطہ میں یاران اعلیٰ کے چبوترے کے درمیان ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت قاضی محی الدین کاشانیؒ: آپ علم و حلم، زہد و تقویٰ میں یاران اعلیٰ کے درمیان مشہور تھے۔ آپ قاضی قطب الدین کاشانی کی اولاد میں سے تھے۔ جو شہر دہلی کے استاد اور علم و کرامت میں مشہور تھے۔ ان

فضائل کے باوجود سلطان المشائخؒ کے مرید بھی تھے اور حضرت شیخ کی نظروں میں بہت معزز تھے۔ آپ جس وقت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں آتے تھے تو حضرت شیخ کھڑے ہو جاتے تھے اور یہ دولت کم کسی کو میسر تھی۔ نیز آپ کے آنے سے مجلس بھی طویل ہو جاتی تھی اور علمی اشکال، حکایاتِ اہل طریقت، رموز عشق، سوالات و جوابات اور لطائف بہت بیان ہونے لگتے تھے۔ مرید ہوتے ہی آپ نے دنیا سے قطع تعلق کر لیا اور تمام اوراد و دستاویز جو خاندان میں چلے آتے تھے شیخؒ کی خدمت میں لاکر پارہ پارہ کر دیے۔ اور فقر و مجاہدہ اختیار کر لیا۔ اس کام میں آپ بڑے ثابت قدم رہے اور سلطان المشائخ کی خواہش تھی کہ انہیں اپنا خلیفہ اور جانشین بنائیں۔ اتفاقاً بعض لوگوں نے قاضی محی الدین کاشانی کے حالات سلطان علاؤالدین سے بیان کیے۔ بادشاہ نے کہا کہ عہدۂ قضا کا وہ وارث ہے۔ انعام واکرام دیکر اُسے اس عہدہ پر فائز کیا جائے جب انہوں نے یہ بات سنی تو سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کیا کہ بادشاہ نے میری خواہش کے بغیر یہ حکم صادر کیا ہے۔ سلطان المشائخ یہ سنکر غصہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ خواہش ضرور تمہارے دل میں گزری ہوگی۔ غرضیکہ قاضی محی الدین کا بخت سیاہ ہوگیا اور حیران ہوئے کہ کیا کرنا چاہیئے۔ آخر ایک سال کے بعد سلطان المشائخ ان سے راضی ہو گئے اور انہوں نے از سر نو بیعت کی۔ اُن کا انتقال سلطان المشائخ کے سامنے ہوا۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولانا وجیہ الدین پائلی رح : آپ زہد و تقویٰ، شدت مجاہدہ، ترک و تجرید میں اپنے عہد میں ممتاز تھے۔ آپ خضر علیہ السلام کے صحبت یافتہ تھے۔ ایک دن ان کی ایک مردِ غیب سے ملاقات ہوئی اور ان کے دل میں انکار کی صورت پیدا ہوئی۔ انہوں نے کہا اگر تمہیں کوئی مشکل پیش ہو تو دریافت کرو۔ چونکہ مولانا ایک عالم متبحر تھے۔ ان کی سب باتوں کا اچھی طرح جواب دیتے گئے۔ حتیٰ کہ مسئلہ قضا و قدر بھی بیان کر ڈالا۔ اس کے بعد مردِ غیب نے پوچھا کہ تم کس کے مرید ہو۔ مولانا نے عرض کیا کہ سلطان المشائخ کا۔ انہوں نے فرمایا۔ سلطان المشائخ ہمارے قطب ہیں۔ ایک دفعہ مولانا وجیہ الدینؒ حضرت گنجشکرؒ کی زیارت

کے لئے اجودھن گئے۔ روضۂ مبارک سے آواز آئی "خوش آمدی ابو حنیفہ ثانی"۔
[خوش آئے اے ابو حنیفہ ثانی]۔ حالت یہ تھی کہ اس بزرگ کے پاس کوئی کتاب
نہیں ہوتی تھی، لیکن سبق کے وقت بڑے بڑے علماء آپ کے سامنے دو زانو ہو کر
بیٹھتے تھے۔ ایک دن سلطان المشائخ کی مجلس میں ان کا جوتا گم ہو گیا۔ حضرت شیخ نے
کمالِ شفقت سے خاص جوتا عطا فرمایا۔ مولانا نے سعادت مندی اس میں سمجھی کہ جوتے
کو سر پر باندھ کر ننگے پاؤں چلے گئے۔ جب یہ واقعہ سلطان المشائخ کی خدمت میں
بیان کیا گیا تو آپ نے کہلا بھیجا کہ خواجہ قطب الاسلام کی زیارت کے لئے جاؤ
جب مولانا مزارِ اقدس پر حاضر ہوئے تو گم شدہ جوتا بھی مل گیا۔ انتقال کے بعد آپ کو
قاضی کمال الدین صدر جہاں کے احاطہ میں حوضِ شمسی کے کنارے دفن کیا گیا۔

حضرت مولانا فخر الدین مروزی : آپ جمالِ ورع اور کمالِ تقویٰ سے مزین تھے۔ آپ حافظِ قرآن تھے اور سلطان المشائخ
کے قدیم مصاحبین و مریدین میں سے تھے۔ آخر عمر میں آپ سلطان المشائخ کے ساتھ
غیاث پورہ میں مقیم ہو گئے اور ترک و تجرید اختیار کر کے اپنا وقت کلام پاک لکھنے
میں صرف کرتے تھے اور لوگوں سے بالکل علیحدہ رہتے تھے۔ آپ بڑے باکرامت
بزرگ تھے اور اکثر مردانِ غیب سے ملاقات رکھتے تھے۔ ایک دن انہوں نے سلطان
المشائخ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک دفعہ مجھے سخت پیاس لگی۔ لیکن میرے پاس
کوئی آدمی نہ تھا جو پانی پلاتا۔ ناگاہ پانی سے بھرا ہوا کوزہ پیدا ہو گیا۔ میں نے وہ کوزہ توڑ دیا
اور پانی گر گیا۔ کیونکہ میں کرامت کا پانی نہیں پینا چاہتا تھا۔ سلطان المشائخ نے فرمایا پینا
چاہیئے تھا۔ ایک دفعہ مجھے بھی کنگھی کرنے کی ضرورت ہوئی، لیکن کنگھی لانے کے لئے
کوئی آدمی نہ تھا۔ اس اثنا میں دیوار میں شگاف پیدا ہوا، اور شگاف سے کنگھی نکل آئی، اور
میں نے وہ کنگھی استعمال کی۔

سلطان المشائخ نے مولانا فخر الدین مروزیؒ کے پاس اپنے ہاتھ سے ایک خط
لکھا تھا۔ جس کا نسخہ یہ ہے:-

"اصحاب طریقت اور ارباب حقیقت اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی تخلیق کا اہم مطلوب اور اعظم مقصود رب العالمین کی محبت ہے اور محبت دو قسم کی ہے۔ محبتِ ذات اور محبتِ صفات۔ محبت ذات وہبی ہے۔ (یعنی حق تعالیٰ کی دین ہے اور کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتی) اور محبتِ صفات کسبی ہے۔ (یعنی کوشش سے حاصل ہو سکتی ہے) جو کچھ وہبی ہے۔ بندہ کے کسب و عمل سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور جو چیز کسبی ہے۔ وہ کوشش سے حاصل ہو سکتی ہے۔ محبت دائمی ذکر ہے۔ مع تخلیۃ القلب عما سواہ (یعنی محبت ذکر دوام کا نام ماسوائے اللہ سے قلب کے خالی ہونے کے ساتھ) اور اس کام کے لئے فراغ (فراغت) شرط ہے اور فراغت کے لئے چار موانعات ہیں۔ (یعنی چار چیزوں کی وجہ سے فراغت حاصل نہیں ہوتی) اور جو چیز مانع شرط ہے۔ مانع مشروط ہے۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ خلق ــــ دنیا ــــ نفس ــــ شیطان۔ دنیا کو دفع کرنے کا طریقہ قناعت ہے اور نفس اور شیطان کو دفع کرنے کا طریقہ ہر وقت حق تعالیٰ سے مدد مانگنا ہے۔"

آپ کے کمالات کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سلطان المشائخ نے ان مختصر الفاظ میں کیا خزانہ عطا فرمایا ہے۔ انتقال کے بعد مولانا فخر الدین بھی سلطان المشائخ کے احاطہ میں یاران اعلیٰ کے چبوترہ میں دفن ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ فصیح الدین : آپ علم و فضل اور تقویٰ سے آراستہ تھے اور اکثر یاران اعلیٰ سے بیعت ہونے میں سابق تھے۔ آپ سلطان المشائخ کی مجلس میں اکثر علمی سوالات کرتے تھے۔ حقائق و معارف پر گفتگو کرتے تھے اور جوابہائے شافی حاصل کرتے تھے۔ آپ کے بیعت ہونے کا سبب یہ تھا کہ تعلیم کے زمانے میں قاضی محی الدین کاشانی اور مولانا فصیح الدین اکٹھے

رہتے تھے. مولانا فصیح الدین کے دل میں حق تعالیٰ نے جذبہ پیدا فرمایا کہ راہِ حق میں قدم رکھیں اور علم کے ساتھ عمل کو بھی شامل کریں۔ ان دنوں وہ سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹوں کو پڑھاتے تھے. راہِ حق کا جذبہ پیدا ہوتے ہی انہوں نے بادشاہ کے بیٹوں کو پڑھانا بند کر دیا اور حق تعالیٰ کے کرم کے امیدوار ہو گئے. ایک دن قاضی محی الدین کاشانیؒ اُن کے گھر آئے اور کہنے لگے کہ میں نے سلوک مشائخ کی ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے پیر کے جھنڈے کے نیچے ہوگا پس مجھے بھی کسی بزرگ کا ہاتھ پکڑنا چاہیئے اور اس کی شفاعت حاصل کرنا چاہیئے. ان ایام میں چند بزرگ شہر دہلی میں آئے تھے. یہ دونوں حضرات اس فکر میں تھے کہ کس سے بیعت کریں، چنانچہ وہ ایک سید کے پاس گئے. جنہوں نے بہت مشائخ کو دیکھا ہوا تھا. ان سے دریافت کیا کہ کس سے بیعت کریں. انہوں نے جواب دیا کہ آج کل شیخ نظام الدین خلیفۂ شیخ فرید الدین گنجشکرؒ سب مشائخ کے سردار ہیں. جو علم تقویٰ عقل، عشق، دَرد، ذوق سے آراستہ ہیں. یہ دونوں عزیز آپ کی خدمت میں پہنچے اور بیعت کی درخواست کی. آپ نے قاضی محی الدین کاشانی کو تو بیعت کر لیا. لیکن مولانا فصیح الدین سے یہ فرمایا کہ حضرت گنجشکرؒ سے دریافت کر کے مرید کروں گا. وہ حیران ہوئے کہ خواجہ گنجشکرؒ تو عرصہ ہوا وصال پا چکے ہیں. یہ کس طرح دریافت کریں گے سلطان المشائخ نے فرمایا کہ مجھے جو مشکل پیش آتی ہے. پہلے حضرت گنجشکرؒ سے پوچھتا ہوں، پھر عمل کرتا ہوں. الغرض دوسرے دن مولانا بھی بیعت سے مشرف ہو گئے اور ظاہری و باطنی کمالات سے ممتاز ہوئے. آپ کا انتقال بھی سلطان المشائخ کے سامنے ہوا.

حضرت مولانا جمال الدین: آپ واصلانِ حق میں سے تھے. مشغل باطن میں آپکو کمال استغراق تھا. آپ سلطان المشائخ کی مجلس میں اس قدر مستغرق رہتے تھے کہ اپنی خبر تک نہ ہوتی تھی. حضرت شیخ فرماتے تھے کہ مولانا جمال الدین پر ایسا وقت آتا تھا کہ غیرِ حق کا انہیں ہوش نہیں ہوتا. اس سے اُن کے کمال کا اندازہ ہو سکتا ہے. آپ کا وصال بھی سلطان المشائخ کی زندگی میں ہوا. رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا جلال الدین اودھی: "آپ ترک و تجرید سے موصوف تھے آپ ابتدا سے انتہا تک ہمیشہ تارک الدنیا رہے۔"

آپ اکثر یارانِ اودھ سے مرید ہونے میں سابق تھے اور سب کے ہاں مکرم و معظم تھے۔ ایک دن اودھ کے یارانِ اعلیٰ نے اتفاق رائے سے فیصلہ کیا کہ سلطان المشائخؒ سے تعلیم و بحث کرنے کی اجازت طلب کرنی چاہیئے۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک عالم متبحر تھا۔ لیکن سلطان المشائخ کی تربیت کی وجہ سے سب مشغول بحق تھے اور اگرچہ تعلیم و تدریس کا کام ان کی ساری عمر کا پیشہ تھا۔ لیکن اب اس کام سے ان کی مشغولی میں فرق آتا تھا۔ غرضیکہ انہوں نے مولانا جلال الدینؒ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اس بارے میں حضرت شیخ سے عرض کریں۔ جب سب احباب حاضر تھے۔ مولانا جلال الدینؒ نے عرض داشت پیش کی کہ اگر اجازت ہو تو احباب کبھی کبھی بحث کر لیا کریں۔ سلطان المشائخ کو معلوم ہو گیا کہ یہ سب احباب کا متفقہ معروضہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں کیا کروں۔ مجھے ان لوگوں سے اور کام لینا ہے اور یہ لوگ پیاز کی طرح پوست در پوست میں (یعنی ان پر کئی پردے پڑے ہوئے ہیں) چند روز کے بعد مولانا جلال الدینؒ بیمار ہو کر راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ کریم الدین سمرقندی: "آپ مکارم اخلاق میں بے نظیر تھے اور اہل تصوف کے تمام اوصاف سے مزین تھے"

آپ کئی علوم میں ماہر تھے اور آپ کی طبیعت نہایت لطیف، عقلِ کامل اور فراست مکمل تھی۔

آپ کے والد خواجہ کمال الدین سمرقندی جو ملک خراسان کے وزیر تھے۔ کسی تقریب کے سلسلے میں ہندوستان پہنچے۔ ہندوستان کے بادشاہ اُن کے ساتھ بڑی نوازش سے پیش آئے اور ملتان سے ہانسی دیپالپور اور اجودھن کا علاقہ ان کو تفویض کر دیا۔ وہ حضرت گنجشکرؒ کے مرید تھے۔ خواجہ محمد بن شیخ بدرالدین اسحاقؒ کی لڑکی کا عقد نکاح بھی سلطان المشائخ کے حکم کے مطابق خواجہ کریم الدین سے ہو گیا تھا۔ اس خانوادۂ بزرگ

سے قرابت داری کی وجہ سے سلطان المشائخ کی ان پر خاص توجہ تھی. آپ کی لطافت طبع، نظم دل پذیر اور ہمت بلند کی وجہ سے اکثر اہل دانش آپ کے گرویدہ تھے. خصوصاً شیخ ضیا برنیؒ، امیر خسروؒ اور امیر حسنؒ کو آپ سے بہت محبت تھی.

سلطان المشائخؒ کے وصال کے بعد سلطان محمد تغلق شاہ نے آپ سے ملاقات کی درخواست کی اور شاہی انعام واکرام کے بعد بادشاہ نے آپ کو شیخ الاسلام کا لقب دیکر ست گاؤں کے علاقے کا وزیر الملک مقرر کیا. آپ نے وہاں جاکر مسلمانوں کے امور ومشکلات کو نہایت تدبر سے حل کیا اور عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر آپ نے تمام امور بوجہ احسن انجام دیئے. خواجہ کریم الدینؒ بڑے حسین وجمیل ہونے کے علاوہ زیور اخلاق حمیدہ سے بھی مزین تھے اور بادشاہ سے ہمیشہ خلوتیں حاصل کرتے تھے. آخر ست گاؤں میں وفات پائی اور آج تک آپ کا مزار زیارت گاہ خاص وعام ہے. آپ کے دولڑکے تھے ایک خواجہ احمد دوسرے خواجہ نظام الدینؒ. یہ دونوں بزرگ اپنے اسلاف کی طرح تمام ظاہری و باطنی اوصاف سے موصوف تھے. رحمۃ اللہ علیہ.

حضرت قاضی شرف الدین فیروز گہی :

آپ دولت علم وزہد وترک سے آراستہ تھے. آپ حافظ قرآن تھے اور عاشق بارگاہ رب العالمین تھے. جو شخص آپ کو دیکھتا تھا. یہی خیال کرتا تھا کہ کوئی فرشتہ آسمان سے اتر آیا ہے. گھر میں جس قدر اشیاء مثل غلہ اور لکڑی کی ضرورت ہوتی تھی. آپ خود اٹھا کر لے آتے تھے. آپ طریق سلف پر کاربند تھے اور دولت خواری اور ملک تنہائی میں خوش رہتے تھے. آپ صرف دو کپڑے زیب تن کرتے تھے. ایک جامہ (پیراہن) اور ایک چادر. آپ کو سلطان المشائخ کے دربار میں کافی رسائی حاصل تھی. جس مجلس میں مولانا حسام الدین ملتانی اور دوسرے مقرب احباب حاضر ہوتے تھے. زیادہ تر گفتگو یہی بزرگ کیا کرتے تھے. آخر آپ دیوگیر تشریف لے گئے اور وہیں آپ کا وصال ہوگیا.

حضرت مولانا حسام الدین ادہمی :

اس بزرگ کو دار الان کہا کرتے تھے. آپ بڑے عالم اور متقی تھے. اگرچہ آپ

علما کی پرورش کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ کا مسلک تصوف تھا۔ کمالِ زہد کی وجہ سے آپ ہر روز غسل کیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنا وطن ملتان چھوڑ کر سلطان المشائخ کی خدمت میں سکونت اختیار کرلی تھی اور وفات کے دن تک دہلی میں رہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ مبارک

آپ کوہِ جمو کے باشندہ تھے۔ آپ کو امیر داد بھی کہتے تھے۔ دراصل آپ سلطان علاؤالدین خلجی کے امیر داد تھے اور مرید ہونے کے بعد سب کچھ ترک کر دیا تھا۔ آپ کا ظاہر و باطن حسین تھا اور اپنے شیخ کے جمال پر عاشق تھے۔ آپ اُن کے حق میں بہت مہربانی فرمایا کرتے تھے اور چند خطوط بھی ان کو لکھے تھے۔ آپ کے کمال کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب یارانِ اودھ مثل شیخ شمس الدین یحییٰ، شیخ نصیر الدین محمود اور شیخ علاؤالدین وغیرہ جب سلطان المشائخ سے رخصت ہوتے تھے تو آپ حکم فرماتے تھے کہ جب کوہِ جمو جاؤ تو شیخ مبارک کو ضرور ملنا۔ آپ بڑے بلند ہمت تھے۔ جو شخص آپ کے پاس طعام بھیجتا تھا۔ آپ بھی اپنے گھر سے خوانچے آراستہ کر کے اس کے پاس ارسال کرتے تھے آپ نماز بڑے سکون کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ آخر عمر میں آپ بیمار ہوئے اور رحلت کر گئے۔ آپ کا مزار سلطان المشائخ کے روضہ کے پائیں میں ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ مویدالدینؒ

آپ کرہ کے رہنے والے تھے۔ آپ وفا و صفا سے آراستہ اور زہد و تقویٰ سے پیراستہ تھے۔ ابتدا میں آپ بڑے امیر وکبیر تھے اور بادشاہ اور بادشاہ زادوں کے ہاں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ جس وقت سلطان جلال الدین کی طرف سے سلطان علاؤالدین کرہ کے حاکم تھے۔ خواجہ مویدالدین اُن کے مشیر اعلیٰ تھے۔ لیکن سلطان المشائخ سے بیعت کے بعد آپ نے تمام خواہشاتِ دنیا ترک کر دیں اور آپ کی خدمت میں رہنا اختیار کر لیا۔ ان ایام میں سلطان علاؤالدین تخت نشین ہوا اور اس بزرگ کو یاد کیا۔ جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ وہ تارک الدنیا ہو چکے ہیں تو سلطان المشائخ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ مہربانی فرما کر انہیں اجازت دیں تاکہ کوئی کام ان کے سپرد کیا جائے

سلطان المشائخ نے فرمایا۔ وہ دوسرے کام میں مشغول ہے اور اس کی استعداد بھی رکھتا ہے۔ پیغام لانے والے نے عرض کیا کہ حضرت آپ چاہتے ہیں کہ سب آپ کی طرح ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ میری طرح کیا مجھ سے بہتر ہو جائیں۔ جب بادشاہ نے یہ جواب سُنا تو ان سے نا اُمید ہو گیا۔ حق تعالیٰ نے انھیں مرتبہ کمال پر پہنچایا۔ ان کی قبر سلطان المشائخ کے روضہ کے پائنتی یاران اعلےٰ و خدمت گاران کے ساتھ ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ تاج الدین داوری:

آپ بڑے زاہد و متقی تھے۔ شروع میں آپ اہل دنیا سے تھے۔ حق تعالےٰ کے فضل سے آپ نے ترک اختیار کر لیا اور سلطان المشائخ کی محبت میں سب کچھ چھوڑ کر فقر و مجاہدہ اختیار کر لیا۔ جب حضرت شیخ کا نام سنتے تھے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ آپ کو سماع کا بہت شوق تھا اور رقصِ عاشقانہ کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ذوق و شوق سے حاضرین کے قلوب کو بھی راحت حاصل ہوتی تھی۔ آپ قوالوں کو بیش بہا خلعتیں عطا کرتے تھے۔ علو ہمت اور ترک و تجرید میں آپ بے نظیر تھے۔ آخر آپ دیوگیر سے واپس آتے ہوئے مالوہ کے علاقے میں کیتول کے مقام پر آپ بیمار ہو گئے اور نزع کی حالت میں تبسم کرتے ہوئے آپ نے جان مشاہدہ حق میں تسلیم کر دی۔ خواجہ حکیم سنائی نے اسی مقام کے متعلق لکھا ہے۔ ؎

عاشقے را یکے فسردہ بدید — کہ ہمے مرد خوش ہمے خندید
گفت خوبان چو پردہ برگیرند — عاشقاں پیش شاں چنیں میرند

(کسی نے عاشق کو دیکھا کہ مرتے وقت ہنس رہا تھا وجہ دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ جب معشوق چہرے سے پردہ اٹھاتا ہے تو عاشق اس کے سامنے اسی طرح مرتے ہیں۔)

الغرض آپ کی نعش کو دہلی لا کر سلطان المشائخ کے احاطہ میں یاران اعلےٰ کے چبوترہ پر دفن کیا گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ضیاء الدین برنی : آپ مقبولِ خاص و عام تھے آپ نہایت لطیف الطبع اور ظریف تھے۔ جس مجلس میں یہ طوطیٔ خوش گفتار موجود ہوتے تھے۔ سب لوگوں کے کان ان کی طرف ہوتے۔ آپ تمام فضائل سے آراستہ اور تمام علوم سے بہرہ مند تھے۔ آپ سلطان المشائخ کے بہت مقرب تھے۔ آپ اکثر اونچے اونچے سوال کرتے تھے۔ اور جوابِ شافی حاصل کرتے تھے۔ امیر حسنؒ اور امیر خسروؒ آپ کے بڑے دوست تھے اوائل عمر میں ہی آپ نے اپنے والد کے ساتھ سلطان المشائخ سے بیعت کرلی تھی اور اپنے شیخ سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ ان کے ساتھ غیاث پورہ سکونت اختیار کرلی تھی اور تمام عمر وہیں گزار دی اور سلطان المشائخ کی مہربانی روز بروز بڑھنے لگی۔ آخر آپ لطافت طبع اور تاریخ دانی میں لاثانی استعداد کی وجہ سے سلطان محمد تغلق شاہ کے دربار میں عالی رتبے پر تعینات ہوگئے۔ اس سے مال و دولت اور جاہ و منزلت کی کوئی حد نہ رہی۔ ستر سال کی عمر میں آپ نے گوشہ نشینی اختیار کرلی اور بادشاہ کی طرف سے آپ کو معقول وظیفہ ملتا رہا۔ اس اثناء میں آپ نے متعدد کتابیں لکھیں مثلاً ثنائے محمدی، صلوٰۃ کبیر، عنایت نامۂ الٰہی، ماثرِ ذات اور تاریخ فیروز شاہی وغیرہ۔

اس کے باوجود آلِ رسول کی محبت آپ کے دل میں بہت راسخ رہی۔ آخر چند روز بیمار رہ کر عاشقانہ اور مردانہ وار آپ دار البقا کی طرف رحلت کرگئے۔ وفات کے وقت آپ کے پاس ایک پیسہ تک نہ تھا بلکہ اپنے تن کی پوشاک بھی خیرات کردی تھی۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ سلطان المشائخ کی صحبت کا اثر بادشاہ کی صحبت پر غالب آگیا اور فقراء و مسلمین کی طرح آپ نے جان دی۔ آپ کی قبر سلطان المشائخ کے احاطہ میں اپنے والد کے پائنتی واقع ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ موید الدین انصاری : آپ اپنے شیخ کی محبت میں جاہ و منزلت ترک کرکے روزِ اول سے لے کر زندگی کے آخری دن تک یادِ حق کے سوا کسی کام میں مشغول نہ ہوئے اور نہ کسی دوسرے شخص

کی طرف متوجہ ہوتے. سوائے سادات کرام کے خصوصاً میر سید حسین کرمانی جو سلطان المشائخ کے محبوب اور فرزند کے لقب سے موصوف ہو چکے تھے. سماع میں آپ پر شدت سے گریہ طاری ہو جاتا تھا اور اس وجہ سے یارانِ اعلیٰ میں آپ بڑے معزز تھے. زندگی بھر میں آپ سے کوئی فرض اور سنت ترک نہ ہوئے. وفات کے بعد آپ سلطان المشائخ کے احاطہ میں یارانِ اعلیٰ کے چبوترہ پر دفن ہوئے. رحمۃ اللہ علیہ.

حضرت خواجہ شمس الدینؒ: آپ حضرت امیر خسروؒ کے بھانجے تھے. آپ اپنے شیخ کی محبت میں مشہور تھے. نماز کے وقت جب تک آپ سلطان المشائخ کے چہرہ مبارک پر نظر نہ ڈال لیتے تھے تکبیر تحریمہ نہیں پڑھتے تھے. الغرض جب اس عاشق صادق پر بیماریٔ عشق غالب آگئی تو سلطان المشائخ خود ان کی طبع پرسی کے لئے روانہ ہوئے. راستے میں جب ان کی وفات کی خبر سُنی تو فرمایا الحمد للہ دوست بدوست رسید (الحمد للہ دوست دوست سے جا ملا) آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے. رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا نظام الدین شیرازیؒ: آپ یارانِ اعلیٰ کے درمیان علم و عمل اور زہد و عشق میں مشہور تھے. آپ اہلِ تصوف کے جمیع اوصاف سے متصف تھے. آپ نہایت شیریں زبان تھے اور سماع کا بے حد شوق رکھتے تھے. چنانچہ قوال آپ کے جماعت خانہ کے ملازم تھے. آپ دن میں ایک مرتبہ ضرور سماع سنتے تھے. آپ کی عمر بہت دراز تھی. وفات کے بعد آپ اپنے گھر کے اندر دفن ہیں جو حصار سری میں تھا. رحمۃ اللہ علیہ.

حضرت خواجہ سالارؒ: آپ موضع نہن کے باشندہ تھے. آپ سلطان المشائخ کی محبت میں دیوانہ تھے اور جو حکم ہوتا تھا اس میں سرِ مو تفاوت نہیں کرتے تھے اور آپ نے صحبت خلق اور دنیا سے قطع تعلق کر کے خلوت اختیار کر لی تھی جو کچھ غیب سے مل جاتا تھا اس پر قناعت کرتے تھے اور مخلوق کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتے تھے. آپ پر ذوق سماع غالب تھا اور سماع میں بے اختیار

گریہ کرتے تھے. آپ اکثر شیخ حسام الدین ملتانی خلیفہ سلطان المشائخ کی خدمت میں رہتے تھے. وفات کے بعد آپ سلطان المشائخ کے احاطہ میں دفن کئے گئے رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا فخر الدین میرٹھی : آپ بڑے زاہد اور متقی اور سلطان المشائخ کے سابق مریدان میں سے تھے. رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولانا علاء الدین : آپ بڑے بزرگ اور سوختہ عشق تھے. دہلی ترک کر کے آپ سلطان المشائخ کے ساتھ غیاث پور میں مقیم ہو گئے تھے. آپ نورانی بزرگ تھے اور ہمیشہ عشق کے متعلق کلام کرتے تھے رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمود : آپ بڑے عالم اور فاضل اور حافظ قرآن تھے. سلطان المشائخ کے حلقۂ ارادت کے بچے آپ سے حفظ قرآن کرتے تھے. رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولانا کستواری : آپ بڑے ذاکر شاغل تھے اور یاران اعلیٰ میں بڑے معتبر تھے آپ کمالات ظاہر و باطن کے مالک تھے اور آخر عمر میں حضرت شیخ نصیر الدین محمود نے آپ کو خلافت دیدی تھی۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا ملتانی : آپ بڑے عالم و فاضل تھے اور انہوں نے شجرۂ مشائخ چشت کو نہایت فصاحت و بلاغت سے عربی میں نظم کیا تھا. رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولانا فوق : آپ گنج علم و فضل تھے اور تقویٰ میں کامل تھے. رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا جعفر : آپ پر ذوق سماع کا بہت غلبہ تھا اور بڑے خوش نویس تھے. سلطان المشائخ کی تمام کتابیں آپ لکھتے تھے. رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ عبد الرحمٰن سارنگپوری: آپ صورت درد اور ذوق و شوق تھے۔ سماع میں آپ پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے اہلِ مجلس بے حد متاثر ہوتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا بدایونی: آپ ترک و تجرید میں مشہور تھے اور زندگی بھر میں آپ نے مکان بنانے کی خاطر بھی اینٹ پر اینٹ نہیں دھری تھی۔ ذوق سماع میں آپ مشہور تھے اور غلبہ حال میں آکر مجلس سے باہر نکل جاتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا کہ سماتی: آپ بڑے بزرگ تھے اور اکثر احباب سے مرید ہونے میں سابق تھے۔ شیخ نصیر الدین محمودؒ آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا محبوب عرف شکر خان: آپ تھانیسر کے رہنے والے تھے اور نورِ باطن کی وجہ سے دو جہان کا کشف آپ کو حاصل تھا۔ عشق و محبت میں ممتاز تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا دہاری: آپ کو اعنبی بھی کہتے تھے۔ بڑے نورانی بزرگ تھے۔ پہلے بڑے دنیادار تھے۔ بعد میں آپ کو سلطان المشائخ کی صحبت حاصل ہوئی اور آپ نے ملفوظات پر ایک کتاب لکھی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا یوسف بدایونی: آپ بڑے پاکباز بزرگ تھے اور بڑی اچھی تقریر کرتے تھے۔ یارانِ اعلیٰ میں آپ بڑے معزز تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سراج الدین حافظ بدایونی: آپ بڑے لطیف الطبع اور فضائل کے مالک تھے۔

حضرت مولانا قاضی شہ پالی: علم و فضل اور عشق میں آپ کا بڑا حصہ تھا۔ سماع میں آپ پر گریہ و رقص طاری ہو جاتا تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا قوام الدین یگدانہ : آپ اودھ کے رہنے والے تھے آپ اسلاف کی روش پر تھے۔ سلطان المشائخ نے آپ کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ نیک مرد ہے آپ بڑے مجاہد اور مرتاض تھے اور نہایت اچھے قاری تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا برہان الدین ساوی : آپ بڑے عالم زاہد اور متقی تھے۔ سلطان المشائخ کی نظر کرم سے آپ کا شمار یارانِ اعلیٰ میں ہونے لگا۔ آپ سماع طریقِ سلف پر سنتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا جمال الدین اودھی : آپ بڑے عاقل، ذاکر شاغل اور سماع پر فریفتہ تھے۔ سلطان المشائخ نے آپ کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ جوانِ صالح ہے۔ ایک دن ایک عالم خراسان سے آئے اور یارانِ سلطان المشائخ کے ساتھ بحث کرنا شروع کیا۔ مولانا جمال الدین نے اُسے مغلوب کر لیا۔ خواجہ اقبال خادم نے یہ خبر سلطان المشائخ تک پہنچا دی۔ آپ نے فرمایا۔ لالا تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ وہ غالب آ گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سب کے سامنے وہ غالب آ گئے ہیں اور مولانا وجیہ الدین پایلی وغیرہ عزیزان منصف تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اُسے سب یاران کے ساتھ یہاں بلا لاؤ۔ جب سب لوگ حاضر ہوئے تو سلطان المشائخ نے فرمایا۔ تم پر خدا کی رحمت ہو کہ تم نے اپنے علم کو فروخت نہیں کیا۔ اس کے بعد قوالوں کو طلب کیا گیا اور سلطان المشائخ سماع میں مشغول ہو گئے۔ سماع کے دوران اس کی طرف نگاہ کر کے فرمایا۔ اے جوانِ عاشق سماع سنو۔ جوں جوں سماع گرم ہوتا گیا۔ اس کا ذوق بڑھتا گیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تمہیں سماع سے بہت فائدہ ہو گا سنتے رہو۔ اس کے بعد آپ نے اُسے خلعت خاص سے مشرف فرمایا۔ ؎

زہے سعادت۔ و زہے دولت

رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ نظام الدین مولیٰ : ان کے حالات سیر الاولیاء میں درج ہیں لیکن کتاب مناقب الاصفیا میں لکھا ہے کہ شیخ نظام الدین مولیٰ نے جو سلطان المشائخ کے اصحاب میں سے تھے۔ علاقہ بہار میں

میں بڑی شہرت پائی اور بہت مرید اور طالبان حق آپ کے پاس آتے تھے۔ شیخ شرف الدین منیری نے ان کی محبت کی وجہ سے جنگل ترک کر کے شہر میں سکونت اختیار کر لی۔ شیخ نظام الدین نے مجد الملک حاکم شہر کو بلا کر کچھ رقم اس کے حوالہ کی اور فرمایا۔ کہ شیخ شرف الدین کے لئے پختہ مکان تیار کرایا جائے۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت قاضی عبدالکریم قدوائیؒ

آپ کے متعلق سلطان المشائخ نے فرمایا تھا۔ ان کا جسم ہاتھی کا ہے اور علم جبرائیل کا۔ آپ قاضی قدوہ کی اولاد میں سے تھے۔ قاضی قدوہ کا سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک جاملتا تھا۔ آپ بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ وہ روم سے ہندوستان آئے تھے اور اودھ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ کہتے ہیں کہ قاضی قدوہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کے مرید تھے اور خلافت حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ سے حاصل کی تھی۔ ان کا مزار بھی شہر اودھ میں زیارت گاہ خلق ہے۔ ان کا ایک لڑکا تھا۔ جن کا نام قاضی عزیز الدین تھا۔ انہوں نے اودھ چھوڑ کر قصبہ سترکھ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کا مزار بھی سترکھ میں ہے۔ ان کی اولاد بہت تھی۔ جن سے کافی اولیاء اللہ تھے۔ چنانچہ قاضی شہاب الدین کا مزار بھی اس علاقہ میں زیارت گاہ خلق ہے۔ صاحب سیر الاولیاء نے قاضی عبدالکریم کے حالات نہیں لکھے۔ لیکن کمالات کی وجہ سے مشہور ہے کہ وہ سلطان المشائخ کے یاران اعلیٰ میں سے تھے۔ آنحضرت کی تربیت اور اجازت کے بعد آپ اس علاقہ میں گئے اور موضع کریم پور، پرگنہ، ابراہیم آباد میں مقیم ہو گئے۔ آپ گوشۂ تنہائی میں رہ کر اپنے آپ کو چھپائے رکھتے تھے۔ کسی وجہ سے وہاں کے لوگ آپ کے مخالف ہو گئے اور درپئے آزار ہوئے۔ آپ نے پیران چشت کے دستور کے مطابق کئی دفعہ صبر سے کام لیا۔ جب لوگوں نے بہت شدت اختیار کی تو آپ بھی شدت سے پیش آئے اور چند روز کے اندر مخالفین نیست و نابود ہو گئے۔ اس کے بعد آپ کریم پور سے نقل مکانی کر کے موضع سرسندہ پرگنہ دیوی چلے گئے اور بقیہ زندگی وہاں گزار دی۔ قاضی عبدالکریم کے کمالات و کرامات بہت ہیں۔

آپ کا مزار موضع سرسندہ میں قبلۂ حاجاتِ خلق ہے۔ اُن کی بھی بہت اولاد تھی، مخدوم شیخ محمد آب کش دریا آبادیؒ آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں۔ اُن کے حالات اپنی جگہ پر آ رہے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت قاضی قوام الدین قدوائیؒ

آپ بڑے عالی ہمت اور صاحبِ حال بزرگ تھے اور تمام کمالاتِ انسانی سے آراستہ تھے۔ آپ کا مزار موضع رسولی پرگنہ سدھور میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ غرضیکہ سلطان المشائخ کے دس خلفاء تھے۔ جنکا ذکر سیر الاولیاء میں آتا ہے لیکن آپ کے مریدین اور یارانِ اعلیٰ کی کوئی حد نہ تھی۔ حق تعالےٰ نے فیضِ لامتناہی کی چابی آپ کے ہاتھ میں دیدی تھی اور مشرق سے مغرب تک تمام عالم آپ سے فیض یاب ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

آں سوختۂ عشق و ساختۂ جمع فضائل، آں گنجینۂ اسرار و حق شناس بے دلائل، آں مقبول در موجوداتِ دنیا والدین، سلطان الشعرا حضرت امیر خسرو قدس سرہ۔ آپ جمیع کمالاتِ ظاہری و باطنی میں بے نظیر اور سلطان المشائخ کے محبوب ترین مریدین میں سے تھے۔ جو خلوت و جلوت میں حضرت شیخ کے محرمِ راز تھے۔ تمام خلفاء اور یارانِ اعلیٰ میں سے جو بے تکلفی امیر خسروؒ کو حضرت شیخ کے ساتھ اور کسی کو نہ تھی اس حد تک کہ شیخ نصیر الدین اودھیؒ اور شیخ برہان الدینؒ غریب جیسے جلیل القدر اصحاب آپ ہی سے شفاعت کی درخواست کرتے تھے کہ خلوتِ خاص میں حضرت شیخ سے فلاں عرض کرنا۔ صاحبِ سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ امیر خسروؒ تمام متقدمین اور متاخرین (یعنی سلطان المشائخ کے متقدمین اور متاخرین مریدین) پر سبقت لے گئے تھے۔ آپ کا باطن مصفا تھا اور طریقِ اہلِ تصوف آپ کی صورت اور سیرت سے عیاں تھا۔ اگرچہ آپ کا تعلق بادشاہوں سے تھا۔ لیکن وہ اس قول کے عین مطابق تھا کہ "کمر بر خدمتِ سلطان بہ بند و صوفی باش" (بادشاہ کی دربار میں کمربستہ رہ کر صوفی رہ)۔ جب امیر خسروؒ پیدا ہوئے تو اُن کے والد امیر سیف الدینؒ نے جو لاچین ترک تھے، انہیں کپڑے

لپیٹ کر ایک مجذوب صاحبِ نعمت کی خدمت میں لے گئے۔ جو گھر کے پاس رہتے تھے۔ مجذوب نے دیکھ کر فرمایا کہ تم ایسے شخص کو لائے ہو، جو بادشاہ سے دو قدم آگے ہوگا۔ آپ کی ولادت قصبۂ مومنا باد عرف بیتالی میں ہوئی جو دریائے گنگا کے کنارے پر واقع ہے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ امیر خسرو آٹھ برس کے تھے کہ اُن کے والد اپنے تین لڑکوں اعزالدین علی شاہ، حسام الدین احمد اور ابوالحسن خسرو کو بیتالی سے دہلی لائے۔ وہ سلطان المشائخ کے ابتدائے ظہور کا زمانہ تھا۔ امیر سیف الدین لاچین اپنے تینوں لڑکوں کے ساتھ حضرت شیخ کے مرید ہو گئے۔ وہ بڑے صالح اور خدا پرست بزرگ تھے۔ اُسی سال کی عمر میں انھوں نے شہادت پائی۔ چنانچہ امیر خسرو نے اُن کے متعلق یہ مرثیہ لکھا ہے:

سیف از سرم گذشت دلِ من دو نیم ماند۔ دریائے خون رواں شد و دُرِ یتیم ماند

(سیف یعنی امیر سیف الدین کا سایہ میرے سر سے اُٹھ گیا اور میرا دل غم سے دو ٹکڑے ہو گیا۔ دل سے خون کا دریا بہہ نکلا اور دُرِ یتیم رہ گیا سیف کے معنی تلوار کے بھی ہیں، یعنی والد کی موت کیا تھی، تلوار میرے سر پر چل گئی، جس سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ دوسرے مصرع میں دریائے خون اور دُرِ یتیم کو یکجا کرنے میں یہ خوبی ہے کہ دُر یعنی موتی ہمیشہ دریا کی تہہ میں پلائے جاتے ہیں۔)

والد کی وفات کے بعد اعزالدین علی شاہ نے بادشاہ کے دربار میں بہت عزت پائی۔ آپ سلطان المشائخ کے بھی منظورِ نظر تھے اور بڑے عالم و فاضل تھے۔ یہاں تک کہ امیر خسرو جو شعر کہتے تھے۔ پہلے اُن کی نظر سے گذارتے تھے اور ان کی اصلاح کے بعد شائع کرتے تھے۔ ان کے کمالات کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ امیر حسنؒ نے فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ سلطان المشائخ کے دو پاک اعتقاد مرید ہیں۔ ایک شیخ نصیر الدین محمود اودھی دوسرے اعزالدین علی شاہ نیز سلطان المشائخ نے کئی بار آپ کو اپنی خلعتِ خاص سے مشرف فرمایا تھا۔ اس کے بعد امیر خسروؒ آنحضرت کی خدمت میں اس قدر مقبول ہوئے کہ سارا جہان اُن کا محتاج ہو گیا۔ آپ ہر فن میں بے نظیر تھے۔ چنانچہ آپ کی تصانیف

خصوصاً اعجاز خسروی سے آپ کے کمالات عیاں ہیں. علم موسیقی میں بھی آپ لاثانی تھے. اس علم میں آپ نے ایک باقاعدہ دستور العمل مقرر کیا ہے. جس کی آج تک سب پیروی کر رہے ہیں. سلطان المشائخ نے بارہا فرمایا کہ اپنے وجود سے مجھے رنج ہوتا ہے لیکن ترک اللہ سے مجھے کوئی رنج نہیں ہوتا. ترک اللہ سے آپ کی مراد امیر خسرو ہے. چنانچہ امیر خسروؒ فرماتے ہیں. ؎

بر زبانت چو خطاب ترک اللہ رفت

دست ترک اللہ بگیر و ہم باللہ اش سپار

چوں من مسکین ترا دارم ہمینم بس بود

نیست حاجت خواہش امروزش امروزگار

ترجمہ: اے شیخ جب تیری زبان مبارک سے مجھے ترک اللہ کا خطاب مل گیا تو ترک اللہ کا ہاتھ پکڑ اور اسے اللہ کے سپرد کر. جب مجھ مسکین کا تو ہے تو مجھے نہ کسی چیز کی ضرورت ہے نہ خواہش.

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ سلطان المشائخ تمام امور میں آپ سے مشورہ لیتے تھے اور جس وقت آپ چاہتے تھے. سلطان المشائخ کی خدمت میں جا سکتے تھے کسی وقت منع نہ فرماتے تھے. امیر خسروؒ جو شعر کہتے تھے. حضرت شیخ کے پیش کرتے تھے. چنانچہ ایک دن سلطان المشائخ نے فرمایا کہ کلام عشق انگیز اور زلف و خال آمیز کہا کرو. اسی دن سے امیر خسروؒ نے محبوبوں کی زلفوں میں پیچ و تاب کھانا اور ان کی دل آویز صفات بیان کرنا شروع کر دیا. ایک دن انہوں نے سلطان المشائخ کی خدمت میں ایک شعر لکھ کر پیش کیا. آپ نے پوچھا. کیا چاہتے ہو. چونکہ آپ کو ذوق کلام تھا. عرض کیا کہ شیرینی سخن چاہیئے. فرمایا چارپائی کے نیچے جو شکر کا طاس پڑا ہے. اٹھا لاؤ اور اپنے سر پہ نثار کر لو اور تھوڑا سا کھا بھی لو. انہوں نے حکم کی تعمیل کی. اس سے آپ کے کلام میں اس قدر شیرینی پیدا ہوئی کہ مشرق سے لے کر مغرب تک سارے جہان میں مقبول ہو گئے اور شعرائے سلف و خلف (یعنی گزشتہ اور آنے والے) کا فخر بن گئے. لیکن ساری عمر اس درخواست سے پشیمان رہے کہ اس سے

بہتر چیز کیوں نہ طلب کی۔ اس بزرگ کے اوقات مقرر تھے۔ ہر رات تہجد کے وقت سات پارے قرآن مجید سے پڑھتے۔ ایک دن سلطان المشائخ نے پوچھا کہ اے ترک تمہاری مشغولی کا کیا حال ہے۔ عرض کیا کہ میرے مخدوم کچھ عرصہ سے آخر شب میں گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ تھوڑا سا ظہور شروع ہو گیا ہے۔ حضرت شیخ نے اپنے ہاتھ سے ذوق وشوق کے بارے میں چند خطوط امیر خسرو کو لکھے۔ جنکا ذکر سیر الاولیا میں آیا ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت نے امیر خسرو سے فرمایا کہ میرے لئے دعا کرو کیونکہ تیری بقا میری بقا پر منحصر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تجھے میرے قریب دفن کیا جائے۔ آخر یہی ہوا۔ کبھی کبھی آپ از لطف وکرم فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک قبر میں دو آدمی دفن ہو سکتے تو میں اور خسرو یکجا دفن ہوتے۔ آپ نے یہ شعر فی البدیہہ کہا تھا۔ ؎

گر زہبر ترک ترکم ارہ برتارک نہند
ترک تارم گیرم و اما نگیرم ترک ترک

(اگر ترک (امیر خسرو) کو چھوڑنے کے لئے کوئی شخص میرے سر پر آرہ چلائے تو اپنے سر کو ترک کر دوں گا۔ لیکن ترک (خسرو) کو ترک نہیں کروں گا) نیز آنحضرت نے امیر خسرو سے عہد کیا ہوا تھا کہ جب بہشت میں جائیں گے تو انہیں بھی ساتھ لے جائیں گے۔

ایک دن آپ نے امیر خسرو سے فرمایا کہ آج رات عالم واقعہ میں تمہارے لئے ایسی نعمت طلب کرنی ہے جو مجھے پسند تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ میری دعا قبول ہو گئی ہے اور تمہارے دل میں وہ حال پیدا ہو جائیگا۔ نیز فرمایا کہ آج رات اس دعا گو کو بتلایا گیا کہ خسرو درویشوں کا نام نہیں ہوتا (کیونکہ خسرو کے معنی ہیں بادشاہ) خسرو کو محمد کاسہ لیس کے نام سے پکارا کرو (کاسہ لیس کے معنی ہیں پیالہ چاٹنے والا یعنی بزرگان کا تبرک اور پس خوردہ کھانے والا۔ کاسہ لیس عام طور پر نمک پرور وہ غلام کے معنوں میں آتا ہے) جب غیب سے اس خطاب سے مشرف ہوئے تو سلطان المشائخ نے انکو کلاہ خاص عطا فرمایا۔ آپ

کئی بار حضرت شیخ کی خاص خلعت سے مشرف ہوئے ہیں آنحضرت نے اُن کو وصیت فرمائی تھی کہ مشائخ کے کلمات کا مطالعہ کرتے رہیں اور کمالِ شفقت سے آپ نے یہ دو شعر ان کے حق میں فرمائے۔ ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خواست
ملکیست ملکِ سخن آں خسرو راست
ایں خسرو ماست ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدا ناصر خسرو ماست

ترجمہ: خسرو جس کی نظیر نظم و نثر میں کم ملتی ہے۔ سخن یعنی کلام کا ایک ملک ہے جس کا خسرو بادشاہ ہے۔ یہ ہمارا خسرو ہے۔ ناصر خسرو نہیں ہے۔ (یاد رہے۔ یہ ناصر خسرو ایک ادیب اور عالم و فاضل تھے۔) اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ ہمارے خسرو کا ناصر یعنی مددگار ہے۔

سبحان اللہ اُن کے کمالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان المشائخ نے ان کی اس قدر تعریف فرمائی ہے۔ امیر خسرو سلطان تغلق شاہ کے ساتھ لکھنوتی میں تھے کہ سلطان المشائخ کے وصال کی خبر پہنچی، آپ اس سفر سے واپس ہوئے۔ اپنا چہرہ کالا کر لیا اور کپڑے پھاڑ لیے۔ جسم پر مٹی مل لی اور جا کر احاطہ سلطان المشائخ میں گر گئے اور یہی کہتے رہے کہ اے مسلمانان! میں کون کتا ہوں کہ ایسے بادشاہ کے لئے گریہ کروں، لیکن میں اسلئے روتا ہوں کہ سلطان المشائخ کے بعد میں زیادہ دیر نہیں رہ سکوں گا۔ چنانچہ شیخ کے بعد آپ چھ ماہ اور دوسری روایت کے مطابق تین ماہ زندہ رہے اور چہار شنبہ کے دن ۷۲۵ھ واصل حق ہوئے اور سلطان المشائخ کی پائنتی دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امیر حسن علاء سنجری:

آں معدنِ صدق و صفا، آں مجمع فضائل و وفا
آں پاک از صغائر و کبائر مقبول حق امیر حسن علاء

سنجری شاعر قدس سرہ۔ تمام فضائل انسانی سے آراستہ تھے۔ آپ کا شمار سلطان المشائخ کے مریدینِ خاص اور اصحاب اعلےٰ میں ہوتا ہے۔ اگرچہ آپ زمرہ اہلِ دنیا سے منسوب تھے۔

تاہم سلطان المشائخؒ کی صحبت کے طفیل آپ صوفیائے اہل صفا کے صفات سے موصوف تھے۔ ذوقِ سماع اور چاشنئ عشق بدرجۂ اتم رکھتے تھے۔ آپ کی توبہ کا واقعہ سیر العارفین میں اس طرح لکھا ہے کہ ایک دن سلطان المشائخ حضرت خواجہ قطب الاسلام کی زیارت سے واپس ہو کر حوضِ شمسی کے کنارے پہنچے جہاں بعض بزرگان کے مزارات ہیں۔ شیخ برہان الدین غریب بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے بزرگان کے مزارات پر فاتحہ پڑھا۔ آپ کیا دیکھتے ہیں کہ امیر حسن سنجریؒ اپنے دوستوں کے ساتھ حوض پر بیٹھے شراب پی رہے ہیں۔ ابتدائے حال میں چونکہ آپ قصبہ بدایوں میں ان کے ہم صحبت رہ چکے تھے۔ امیر حسن نے بڑھ کر یہ رباعی پڑھی۔

سالہا باشد کہ با ہم صحبتیم
گر ز صحبتہا اثر بودے کجا است
زہد شان فسق از دل ما کم نکرد
فسق ما بل بہتر از زہد شما است

ترجمہ: کئی سال ہم آپ کی صحبت میں رہے۔ اگر صحبت میں کوئی اثر ہے تو کہاں ہے۔ تمہارے زہد نے ہمارے دل سے فسق کم نہ کیا۔ اس لئے ہمارا فسق تمہارے زہد سے بہتر ہے۔

جب سلطان المشائخ نے ان سے یہ اشعار سنے تو فوراً فرمایا۔ "از صحبت اثر ہا است" (صحبت کا اثر ہے) ان الفاظ نے ان پر اس قدر اثر کیا کہ فوراً سر ننگا کر کے آپ کے قدموں پر گر گئے۔ اور تمام غیر شرعی امور سے توبہ کر لی۔ اس کے بعد بیعت سے مشرف ہوئے بلکہ ان کے تمام دوست بھی تائب ہو کر حضرت شیخ کے مرید ہو گئے۔ مرید ہونے کے بعد امیر حسن نے یہ شعر پڑھا۔

اے حسن توبہ آں زماں کردی
کہ ترا طاقت گناہ نماند

ترجمہ: اے حسن تو نے توبہ اُسوقت کی، جب گناہ کی طاقت ہی نہ رہی۔

حق تعالےٰ نے امیر حسن کو سلطان المشائخ کی برکت سے تمام امور میں قبولیت عطا فرمائی تھی۔ خصوصاً شعر و سخن میں۔ صاحبِ سیر الاولیا فرماتے ہیں کہ اُن کی دلسوز غزلیات عاشقوں کے دلوں میں آگ لگا دیتی ہیں اور اُن کی لطافتِ روح افزا اہل ذوق کے لیئے سامانِ ورد ہے۔ ان کا کلام شیخ سعدیؒ کی چاشنی رکھتا ہے۔ چنانچہ ایک شعر میں خود فرماتے ہیں۔ ؎

حسؔن گل ز گلستانِ سعدی آوردہ است
کہ اہلِ معنی گل چینِ آں گلستانند

ترجمہ: حسؔن سعدی کے گلستان (باغ) سے پھول چن کر لایا ہے۔ کیونکہ اہل ذوق اس گلستان کے گلِ چین (پھول چننے والے ہیں) یاد رہے کہ شیخ سعدیؒ شیرازی کی مشہور اور معرکتہ الآرا کتاب کا نام بھی گلستان ہے۔

تمام شعرائے وقت میں سے فی البدیہہ کوئی آپ سے بہتر شعر نہیں کہتا تھا۔ شاہانِ دہلی آپ کے کلام کے عاشق تھے۔

آپ نے سلطان المشائخ کے ملفوظات بھی جمع کیئے ہیں، جنکا نام فوائد الفواد ہے۔ جو اہل دل حضرات کے لیئے سرمایۂ جان اور عاشقوں کے لیئے دستور العمل ہے۔ امیر خسروؒ بارہا یہی کہتے تھے کہ کاش! کہ جن کتابوں پر میں نے اپنی عمر صرف کی ہے۔ امیر حسنؒ کی ہوتیں اور جو ملفوظات انہوں نے لکھے ہیں، وہ میرے ہوتے تاکہ دین اور دنیا میں وہ میرے لیئے باعثِ فخر ہوتے۔ امیر حسن نے ساری عمر تجرد میں گزاری سلطان المشائخ کے وصال کے بعد جب سلطان محمد تغلق شاہ نے اکثر بزرگان اور دہلی کے لوگوں کو دیوگر بھیجا تو آپ بھی اِدھر چلے گئے اور اسی جگہ وفات پائی۔ آپ کا مزار دیوگیر عرف۔ دولت آباد میں شیخ برہان الدین غریب کے مزار کے پاس واقع ہے اور

زیارت گاہِ خلق ہے۔ وہاں لوگ آپ کو حسن شیر کہتے ہیں، کیونکہ رات کے وقت کوئی شخص اُن کی قبر پر نہیں رہ سکتا۔ اگر کوئی شخص جہل وحماقت کی وجہ سے وہاں رہتا ہے تو اس کے سامنے شیر نظر آتا ہے۔ آپ کے کمالات بہت ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مخدوم فخرالدین بن رُکن الدین

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ چونکہ سلطان المشائخ نے آپ کو بجلوری کا خطاب دیا تھا۔ لوگ انہیں قاضی فخرالدین بجلوری کہتے تھے۔ آپ بڑے بزرگ اور اہل تصوف کے تمام صفات سے موصوف تھے۔ آپ شانِ عظیم، کرامات وافر اور ہمت بلند رکھتے تھے۔ آپ کا شمار سلطان المشائخ کے مخلص ترین مریدین میں ہوتا ہے۔ اگرچہ صاحب سیرالاولیا نے سلطان المشائخ کے مریدین میں ان کا ذکر نہیں کیا، لیکن حضرت شیخ سعداللہ کیسہ واز بن شیخ محمد کستوری جو شیخ نصیرالدین محمودؒ کے بزرگ ترین مرید تھے، کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ مولانا فخرالدین سلطان المشائخ شیخ نظام الدین بدایونیؒ کے مخلص مرید تھے۔ لیکن آپ نے زیادہ تر تربیت ہمارے شیخ (شیخ نصیرالدین محمودؒ) سے حاصل کی تھی اور ہمارے شیخ کے ساتھ انہیں بے حد محبت تھی۔ اُسی مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ دہلی میں ایک عزیز کے گھر مجلس منعقد تھی، جس میں تمام اکابر اور اشرافِ شہر موجود تھے۔ اس مجلس میں ایک شخص شیخ علی خلوتی بھی تھے جنہوں نے ہمارے شیخ کے متعلق کچھ ناپسندیدہ باتیں کہیں، قاضی فخرالدین بجلوریؒ سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے شیخ علی خلوتی کو سخت الفاظ میں جواب دیا جس سے وہ بہت شرمسار ہوئے۔ جب یہ بات حضرت شیخ نصیرالدین تک پہنچی تو آپ نے قاضی فخرالدینؒ کو بلا کر ماجرا دریافت کیا۔ جب انہوں نے سارا حال بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ درویش کو چاہیئے کہ کسی سے بدلہ نہ لے۔ بزرگانِ دین کا کام اخلاقِ حمیدہ، حلم اور تحمل ہے۔ لیکن غلبہ محبت سے یہ ہو جاتا ہے۔ اُس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ سعداللہ کیسہ وازؒ کو قاضی فخرالدین بجلوری کے ساتھ بہت محبت تھی اور کبھی اُن کی خاطر کستور سے بجلور جاتے تھے اور ان کی سماع وغیرہ کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ قاضی فخرالدینؒ

اور شیخ نصیرالدین کے کمال محرمیت (محرم راز ہونا) کا پتہ اس حکایت سے چلتا ہے کہ میر سید محمد گیسو درازؒ اپنی ایک کتاب سمر میں لکھتے ہیں کہ قاضی فخرالدین بجلوری نے مجھ سے کہا کہ ایک دن شیخ نصیرالدین محمود اودھیؒ نے کچھ رقم مجھے دیکر فرمایا کہ شراب لے آؤ۔ چنانچہ میں نے شراب لا کر پیش کی۔ آپ نے فرمایا پیالہ بھر دے۔ میں نے چند پیالے بھر کر پیش کئے۔ اس کے بعد فرمایا، ایک پیالہ تم بھی پیو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ خدا شاہد ہے کہ شہد خالص تھی۔ سبحان اللہ کیا احوال اور کیا راز تھے۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ معدنِ معانی میں فرماتے ہیں کہ بعض عارفین کامل کی نظر کمالِ سلوک میں اپنی عبادت اور تقویٰ پر نظر پڑتی ہے تو یہ عبادت اور تقویٰ کا گھمنڈ ان کے مشاہدہ کے لئے حجاب بن جاتا ہے اور وہ عام طور پر اسی میں رہ جاتے ہیں۔ لیکن عاشقانِ صادق اور شاہبازانِ جاں باز۔ اُسے بت اور زنار سمجھتے ہوئے۔ اپنے آپ کو شراب خوری اور شاہد بازی کی ملامت میں ڈالتے ہیں تاکہ ان کی نظر عبادت اور تقویٰ سے قطعاً اٹھ جائے اور وہ خود بینی جو باعثِ حجاب تھی۔ معدوم اور مطلوب ظاہر ہو جائے۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کام بہت مشکل ہے اور ہر کم حوصلہ کو میسر نہیں آتا۔ خواجہ حافظؒ نے اسی مقام کے متعلق فرمایا ہے۔ ؎

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافری است

راہ رُو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

ترجمہ:- اپنے تقویٰ اور علم پر تکیہ کرنا طریقت میں کفر ہے۔ سالک اگرچہ ہزار ہنر کا مالک ہو، اسے توکل کرنا چاہیئے۔

پس عارف کامل غلبۂ عشق میں اگر عنایتِ حق پر توکل کرتا ہے اور عمر بھر کی عبادت اور تقویٰ اس لئے دریائے معصیت میں پھینک دیتا ہے کہ حجاب نہ بنے۔ اُسوقت حق تعالیٰ بھی اس کے اخلاصِ صادق پر نظرِ رحمت کرتے ہوئے حقیقتِ اشیاء کو بدل دیتے ہیں، تاکہ اس کی معصیت عبادت بن جائے۔ جیسا کہ شیخ نصیرالدین محمودؒ کے لئے شراب کو شہد بنا دیا۔ اور انھوں نے اس نازک معاملے میں قاضی فخرالدین بجلوریؒ کے سوا کسی کو محرم راز

نہ بنایا۔ قاضی فخرالدینؒ کے کمالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ (ممکن ہے یہ قاضی صاحب کا امتحان ہو، جس طرح شمس تبریزی نے مولانا رُوم کا امتحان لیا تھا) فَمَن فَہم۔
خواجہ ابوالحسن نوری سے تذکرۃ الاولیاء میں منقول ہے کہ میں نے چالیس برس ریاضت اور مجاہدہ کیا۔ لیکن دروازہ نہ کھلا۔ میں نے حیران ہو کر جب اچھی طرح غور کیا تو آفت یہ نظر آئی کہ میرا نفس میرے دل کے ساتھ مل گیا تھا۔ پس میں نے دوسری چیز پر ہاتھ مارا۔ مثلاً اگر میرا نفس نماز روزہ اور صدق سے خوش ہوتا تو میں اس کے خلاف کرتا تاکہ وہ سب کچھ باہر نکال کر پھینک دوں۔ اس سے میرے اندر اسرار ظاہر ہو گئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس طائفہ کے معاملات ایسے نہیں کہ جن کو عقل پر قیاس کیا جائے۔ یہاں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کونسا گناہ نیکی کا حکم رکھتا ہے اور کونسی نیکی گناہ بن جاتی ہے۔
جیسا کہ سیرالاولیاء میں سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ سلوک میں سالک کو ایسے احوال پیش آتے ہیں کہ وہی احوال حاکم وقت ہو جاتے ہیں۔ تفسیر حسینی میں لکھا ہے کہ کوئی ایسا آدمی نہیں کہ جسے حق تعالیٰ پیشانی کے بالوں سے نہیں پکڑتا کیونکہ حق تعالیٰ کے تمام کام عدل پر ہیں۔ بحرالمعانی میں لکھا ہے کہ صراط مستقیم وہ ہے کہ منتہی غیرِ حق سے نہیں بلکہ حق سے واصل ہو۔ آمدیم بر سرِ مطلب۔ شیخ یحییٰؒ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ شیخ نصیرالدین محمود اودھیؒ نے چاہا کہ خرقۂ خلافت قاضی فخرالدین کو عطا کریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں اس کام کے قابل ہوتا تو سلطان المشائخ مجھے خرقۂ خلافت عطا فرماتے۔ میں اس کام کے قابل نہیں ہوں۔ مجھے معذور فرمائیں۔ مخدوم کی مہربانی میرے لئے کافی ہے۔ سبحان اللہ اس بات سے قاضی فخرالدینؒ کی بلند ہمتی ظاہر ہوتی ہے۔ سلطان المشائخ سے اُن کی بیعت اور اُن کی اولاد کا آنحضرت سے فیض ہونے کے حالات یہ ہیں کہ قاضی رکن الدین یعنی ان کے والد اُن دنوں قصبہ سرکھہ میں سکونت پذیر تھے۔ آپ بڑے بزرگ تھے اور تمام کمالاتِ انسانی سے آراستہ تھے۔ ان کی قبر بھی اسی جگہ ہے۔ اتفاقاً شیخ نصیرالدینؒ کا قصبہ سرکھہ میں گذر ہوا، اور قاضی فخرالدینؒ ان کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اُن کے دل میں مرید ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ شیخ نصیرالدینؒ نے انہیں سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچا دیا۔

لیکن دہلی میں جاکر اُن کے دل میں دو تین چیزیں آئیں۔ ایک یہ کہ سلطان المشائخ ان کو بجلوریؒ کہہ کر مخاطب کریں اور وہاں رہنے کی اجازت دیں۔ دوم یہ کہ اس وقت آپ کے ہاتھ میں کوئی کھانے یا سونگھنے والی چیز ہو، جو مجھے عنایت کریں۔ سوم یہ کہ خود مرید ہونے کے لئے حکم فرماویں۔ چونکہ آنحضرت روشن ضمیر تھے۔ آپ نے فوراً خواجہ اقبال خادم سے کہا کہ لالا قاضی فخرالدین بجلوری دروازے پر کھڑا ہے۔ بُلا لاؤ۔ جب زمین بوسی سے مشرف ہوئے تو آپ (شیخ) کے ہاتھ میں گلاب کا پھول تھا۔ آپ نے انکو عطا فرمایا۔ قاضی فخرالدین نے اسے منہ میں ڈالکر کھالیا۔ حاضرین مجلس یہ دیکھ کر چین بہ جبیں ہوئے۔ آں حضرت نے فرمایا، فخرالدین کی اولاد اس پھول کی طرح ہوگی۔ اِس کے بعد انکو بیعت۔۔ سے مشرف کیا اور کلاہِ خاص عطا کر کے فرمایا کہ قصبۂ بجلور جاؤ اور شادی کر لو اور ملک عمر شہید اور تغلق شہید کی قبروں کے درمیان سکونت اختیار کرو۔ تمہاری اولاد لکھنؤ میں سکونت اختیار کریگی۔ اس کے بعد آپ نے بجلور پرگنہ کے موضع کندونی کا پروانہ لکھ کر عنایت فرمایا کہ یہ تمہارے اور تمہاری اولاد کے گذارہ کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ موضع مذکور کئی پشت تک قاضی فخرالدین کی اولاد کے ہاتھ میں رہا۔ لیکن آپ کی اولاد میں سے ایک شخص پیارا نام نے آپ کے نوشتہ پر اکتفا نہ کیا اور احتیاطاً شیر شاہ افغان بادشاہ سے پروانہ حاصل کرلیا۔ اسی وقت سے وہ جاگیر اُن کے ہاتھ سے نکل گئی قاضی فخرالدینؒ کے کمالات اور کرامات بے شمار ہیں، جن کی یہاں گنجائش نہیں۔

آپ کا مزار بجلور میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ خصوصاً عید قربان کے دن جو جمعہ کے دن واقع ہو۔ اکثر لوگ زیارت کے لئے جاتے ہیں اور غایت اعتقاد کی وجہ سے سات بار مزار کا طواف کرتے ہیں۔ خواجہ حافظ شیرازی نے اسی وجہ سے فرمایا۔

؎ بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

ترجمہ: جس خطۂ زمین پر اے محبوب۔ تیرے قدموں کا نشان لگ گیا، صدیوں تک اہلِ نظر اس پر سجدہ کرتے رہیں گے۔

قاضی فخرالدینؒ کے چار لڑکے تھے۔ بڑے لڑکے کا نام قاضی بدیع الدین تھا۔ جو تمام فضائل سے آراستہ تھے۔ انہیں تمام ظاہری و باطنی علوم کی تربیت اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ ایک کتاب پڑھ رہے تھے کہ والد صاحب کی موت کا وقت قریب آگیا۔ حیران و پریشان تھے کہ کتاب کس کے ہاں ختم کروں گا۔ آپ نے آنکھ کھول کر فرمایا کہ روزانہ میری قبر پر آجانا کتاب ختم کرا دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہوتا رہا۔ جب بات لوگوں میں مشہور ہوگئی تو آپ نے فرمایا۔ بابا اب مجھے معاف کرو۔ کیونکہ راز ظاہر ہوگیا ہے قاضی بدیع الدین کے کمالات کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے والد کی روحانیت سے فیض حاصل کرتے رہے۔ ویسے تو آپ لکھنؤ میں متوطن ہو گئے تھے۔ لیکن آپ کا مزار قصبہ بجلور میں اپنے والد کے پائنتی واقع ہے۔ ان کا ایک لڑکا تھا۔ جسکا نام قاضی شہاب الدین تھا۔ وہ بھی بڑے بزرگ اور صاحبِ مقاماتِ عالی تھے۔ جن کے کرامات بہت مشہور ہیں۔ ان کا مزار لکھنؤ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

قاضی بدیع الدین کے ایک لڑکے کا نام شیخ منور تھا۔ جنکا مزار قصبہ سیکتھ میں ہے۔ آپ اس علاقے کے مشہور بزرگ ہیں۔ قاضی فخرالدین کے دوسرے لڑکے کا نام قاضی مبارک تھا۔ وہ بھی بڑے صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ ان کی اولاد میں اکثر بزرگ ہوئے ہیں مخدوم شیخ محمد مینا کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ شیخ مبارک مخدوم شیخ قوام الدین کو کمال محبت اور یگانگی سے دہلی سے لکھنؤ لائے۔ ان کا مزار بھی بجلور میں ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

قاضی فخرالدینؒ کے تیسرے لڑکے کا نام قاضی سماء الدین تھا۔ آپ صاحبِ کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ آپ کے پوتے شیخ فخرالدین لکھنوی اپنی کتاب ارشاد المخلصین میں لکھتے ہیں کہ اس فقیر کے جد مخدوم شیخ سماء الدین مخدوم خواجہ زین الدین کے مرید تھے۔ جو خواجہ نصیرالدین محمودؒ کے خواہر زادہ تھے۔ لیکن انکی خلافت شیخ قطب الدین کیؒ سے تھی۔ ان کی قبر لکھنؤ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ ان کا ایک لڑکا تھا جسکا نام شیخ سعد الدین تھا۔ وہ ظاہری و باطنی علوم کے جامع اور بڑے صاحب حال بزرگ تھے۔ آپ شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب ہوئے۔ آپ کا مزار بھی لکھنؤ میں ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

اُن کے آٹھ لڑکے تھے، جو سب کے سب صاحبِ کمال تھے۔ مخدوم شیخ فخرالدینؒ ثانی اُن میں سے تھے۔ اُن سب کے حالات شیخ فخرالدین ثانی کے حالات میں لکھے جائیں گے۔ شیخ فخرالدین کے چوتھے لڑکے کا نام قاضی قطب الدین ہدایہ دان تھا وہ اپنے اُستاد کے ساتھ مناظرہ کرتے تھے۔ استاد نے بددعا دی جس کی وجہ سے لاولد فوت ہوئے۔ غرضیکہ قاضی فخرالدین کی اولاد میں اس قدر بزرگ صاحبِ ولایت پیدا کہ دوسرے سلسلہ میں نہیں پائے جاتے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ کرک قدس سرہٗ

آپ کا شمار کاملین وقت اور عقلائے مجانین (جمع مجنون) میں ہوتا ہے۔ کہ یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ آپ شیخ اسماعیل قریشی سہروردیؒ کے مرید تھے۔ کہتے ہیں کہ شیخ اسماعیلؒ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ ملتانیؒ کے بھائی یا بھائی کے لڑکے تھے اور اسی خانوادہ بزرگ سے خلافت حاصل کی تھی۔ آپ بڑے صاحبِ احوال و مقامات تھے۔ باطنی اشارہ پاکر آپ ملتان سے الہ آباد تشریف لے گئے اور موضع نہرولی میں جو الہ آباد سے چار کوس غرب میں ہے۔ سکونت کرلی۔ آپ کا مزار بھی اسی جگہ زیارت گاہِ خلائق ہے۔ یہ فقیر بھی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے۔ بہت پر فیض جگہ ہے۔ اُن کی اولاد اب تک وہاں موجود ہے۔ غرضیکہ جب شیخ اسماعیل موضع نہرولی میں مقیم ہوگئے اور ان کے کمالات کا شہرہ ہوگیا تو اکثر لوگ آپ کے مرید ہونے لگے۔ خواجہ کرک جو وہاں کے فضلاء میں سے تھے، بھی آکر مرید ہوگئے۔ تربیت کے بعد اُن پر عظیم الشان واردات کا ظہور ہونے لگا۔ جس میں مستغرق ہوگئے۔ آپ خلق سے بالکل بے نیاز ہوگئے۔ کیونکہ توجہ الی الخلق سب سے بڑا حجاب ہے۔ چنانچہ شیخ اسماعیلؒ نے انکو مجاز بنا کر رخصت کردیا اور وہ جا کر قصبۂ کرہ میں مقیم ہوگئے۔ لیکن غلبۂ حال کی وجہ سے انہوں نے طریقِ ملامتیہ اختیار کرلیا۔ آپ ہمیشہ لوگوں کے سامنے بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ لیکن لوگوں کو کیا معلوم کہ کیا پی رہے ہیں۔ آپ سے بے اختیار کرامات کا ظہور ہونے لگا اور چاروں طرف

لوگ جمع ہونے لگے۔ آپ تمام قیود سے متنفر تھے۔ آپ شعر مستانہ بھی کہا کرتے تھے
آپ کے ایک مرید نے یہ اشعار جمع کئے ہیں۔ جب یہ فقیر خواجہ کرکؒ کی زیارت کے
لئے ۱۲۷۰ھ میں حاضر ہوا، مجاورین نے وہ اشعار دکھائے۔ ان میں سے دو
رباعیات یہ ہیں۔ ؎

اندر طلب دوست چو مردانہ شدم | اول قدم از وجود بیگانہ شدم
او علم نمے شنید لب ہر بستم | او عقل نمے خرید دیوانہ شدم

ترجمہ: دوست کی طلب میں جب میں نے دلیری سے قدم رکھا تو
پہلے قدم پر اپنے وجود سے بیگانہ ہوگیا۔ چونکہ دوست کو میرے علم کی
ضرورت نہ تھی، میں نے لب بند کر لئے۔ اسے عقل درکار نہ تھی، تو میں
دیوانہ ہوگیا۔

کرک نہ پوشید گہے خرقہ | سر نہ تراشید زموے زرہ
خرقہ چہ پوشی و تراشی چہ سر | ہر دو دوکان است ازیں درگذر

ترجمہ: خواجہ کرک نے نہ کبھی خرقہ پہنا نہ سر منڈایا۔ خرقہ پہننے
اور سر منڈانے کی کیا ضرورت۔ یہ دوکانداری ہے۔ اسے ترک کرنا
بہتر ہے۔

تاریخ نظامی میں لکھا ہے کہ جب ملک علاؤالدین یعنی سلطان جلال الدین خلجی کا
داماد اور برادر زادہ حاکم کرہ اور مانکپور تھا تو اس نے بہت فوج جمع کر لی اور دیوگر کی
طرف روانہ ہوا۔ اس ملک کو فتح کر کے تاخت و تاراج کر ڈالا اور بے شمار مال و دولت
جمع کر کے واپس آگیا۔ یہ دیکھ کر سلطان جلال الدین اس سے خائف ہوا اور یہ فیصلہ کیا
کہ دیوگیر جا کر علاؤالدین کو اس کی دولت سمیت قبضے میں لے لے۔ چنانچہ کشتی
میں سوار ہو کر کرہ کی طرف روانہ ہوا۔ اُس کی آمد کی خبر سُن کر علاؤالدین کو فکر لاحق ہوئی اور
خواجہ کرکؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت عجز و نیاز مندی سے باطنی امداد طلب
کی۔ خواجہ کرکؒ نے فرمایا۔ ؎

ہر کس کہ کند با تو جنگ سر در کشتی تن در گنگ

ترجمہ: جو شخص تمہارے ساتھ جنگ کرے گا۔ اس کا سر کشتی میں ہوگا اور تن دریائے گنگا میں۔

ملک علاؤالدین یہ بشارت سنکر خوش خوش واپس آیا۔ دو تین دن کے بعد یعنی سترہ ماہِ رمضان ۶۹۵ھ کو سلطان جلال الدین اُسی حال میں مارا گیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل کتبِ تاریخ میں موجود ہے۔ اس کی جگہ ملک علاؤالدین تخت نشین ہوا۔

خواجہ کرکؒ کا مزار قصبہ گرہ میں ہے۔ زیارت گاہِ خلق ہے۔ آپ سلطان المشائخ کے ہم عصر تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت میر سید علاءالدین کنتوری قدس سرہٗ ...... کمال ریاضت و مجاہدہ سے آپ کا قلب نہایت مصفا ہو چکا تھا۔ آپ عالم ملکوت کے اکثر مغیبات (غیب کی چیزیں) عالم کثرت میں بے پردہ دیکھتے تھے۔ عالم ارواح کے ساتھ آپ کا تعلق نہایت قوی تھا۔ اور آپ دنیا میں رہ کر بہشت کا مزہ لیتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے اپنی تصانیف میں مفصل بیان کیا ہے۔ ان کے دادا میر سید شرف الدین نیشاپوری اپنے بھائی سید محمدؒ سمیت ہلاکو خان کے حملے کے وقت خراسان سے نکل کر ہندوستان آئے۔ میر سید محمد بنگال چلے گئے اور سلہٹ کے علاقے میں مقیم ہو گئے۔ جہاں آج تک اُن کی اولاد موجود ہے۔

میر سید شرف الدین جو ظاہری و باطنی کمالات کے مالک تھے۔ قصبہ کنستور میں مقیم ہو گئے۔ ان کے بعد ان کے لڑکے میر سید اعزالدین مسند نشین ہوئے۔ اُن کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جنکا نام میر سید علاؤالدین رکھا گیا۔ علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کے بعد آپ مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔ آپ نے جود و سخا اور سیر و طیر میں بہت شہرت حاصل کی علوم نوادر مثل ہیمیا، ریمیا، کیمیا اور سیمیا میں آپ کامل مہارت رکھتے تھے۔ عملیات میں بھی آپ ماہر تھے چنانچہ آپ نے ان چاروں علوم کو ایک

رسالہ میں نہایت احسن طریق سے بیان کیا ہے۔ اس فقیر کاتب حروف نے ابتدائے سلوک میں ان عملیات کے حصول میں چند چلے کئے اور عمدہ نتائج حاصل ہوئے۔ ان میں موکلات کا بھی ظہور ہوا۔ موکلات (وہ روحیں جو عملیات کے اثر سے ظاہر ہوتی ہیں۔) نے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ میر سید علاؤالدین کنتوریؒ کے سامنے ظاہر ہوتے تھے۔ اس سے ان کے کمالات کی تصدیق ہوتی ہے۔ آپ شیخ نصیر الدین محمودؒ کے ہم عصر تھے اور ایک روایت کے مطابق آپ نے خرقۂ خلافت بھی اُن سے حاصل کیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے سلسلہ سہروردیہ میں خلافت حاصل کی اور شیخ نصیر الدین محمودؒ ان کے صحبت کے پیر تھے۔ جب آپ سے کرامات کا بہت ظہور ہونے لگا تو بعض حاسدوں نے سلطان محمد شاہ تغلق کو آپ کے خلاف بھڑکایا۔ بادشاہ بہت ظالم تھا اور اہل تصوف سے بہت عناد رکھتا تھا۔ اس نے غصے میں آکر آپ کو طلب کیا۔ چونکہ آپ کے چہرے پر ولایت اور سیادت کے انوار چمک رہے تھے۔ بادشاہ بے ادبی سے باز رہا۔ بلکہ بادشاہ نے درخواست کی کہ لشکرِ اسلام کے ساتھ رہا کریں۔ لیکن آپ نے یہ دعوت قبول نہ فرمائی اور فرمایا کہ ہم نامراد آدمی ہیں، ہمیں گوشۂ تنہائی سے محبت ہے۔ ہمیں معذور رکھا جائے۔ بادشاہ نے کہا۔ اگر آپ ہماری فوج کے ساتھ نہیں جا سکتے تو کم از کم اپنے دو صاحب زادوں کو ہمارے ساتھ روانہ کریں۔ چونکہ بادشاہِ اسلام کی متابعت ضروری ہے۔ آپ نے اپنے دونوں لڑکوں یعنی سید عزالدین سید جمال الدین کو بادشاہ کے پاس بھیجدیا اور خود اپنے وطن کنتور چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ نے کشمیر کی طرف لشکر کشی کی۔ کشمیر میں بڑا قحط رونما ہوا۔ یہ حالت ہو گئی کہ تنبول کے پتوں کا ایک بیڑہ ایک اشرفی میں بکنے لگا۔ یہ دونوں صاحبزادے اپنے والد بزرگوار کے تصرف سے روزانہ دو سو بیڑے خرچ کرتے رہے۔ بعض حاسدوں نے بادشاہ سے یہ شکایت کی کہ سید زادے کیمیاگر ہیں، ممکن ہے۔ کسی وقت باغی ہو جائیں۔ بادشاہ کو غیرتِ سلطنت لاحق ہوئی۔ اس نے میر سید عزالدین کو طلب کر کے بغیر کوئی بات پوچھے شہید کر دیا لیکن بعد میں بہت پچھتایا کہ ان کے والد

نے یہ لڑکے میرے سپرد کیے تھے۔ اُن کو کیا جواب دوں گا۔ اپنی شرمندگی دُور کرنے کے لیے اس نے چھوٹے بھائی سید جمال کو واپس وطن بھیج دیا اور چند مواضعات کا پروانہ خانقاہ کے خرچ کے لیے لکھ کر ساتھ دے دیا۔ جب وہ دہلی کے قریب پہنچے تو شیخ نصیر الدین محمود استقبال کے لیے باہر آئے اور اپنے گھر لے گئے۔ آپ سید زادہ کے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا کہ میر سید علاؤ الدین کا اسی وقت وصال ہو گیا ہے، آؤ فاتحہ پڑھ لیں۔ بعد میں جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ واقعی اسی وقت اُن کا وصال ہوا تھا۔ اس کے بعد شیخ نصیر الدینؒ نے سید جمال الدین کو ہدایات دیں اور خواجگان چشت کا خرقہ مرحمت فرما کر اپنے وطن کی طرف رخصت کیا تاکہ اپنے والد کی مسند پر بیٹھ کر لوگوں کو ہدایات دیں۔ شیخ جمال الدین نے روانگی کے وقت جاگیر کا پروانہ جو بادشاہ سے حاصل کیا تھا، حضرت شیخ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے اُن مواضعات میں صرف دو پر حرف "ص" لکھ دیا۔ ایک کا نام جرولی تھا دوسرے کا نام بردلی۔ یہ دونوں مواضعات آج تک کنتور کے قریب میر سید جمال الدین کی اولاد کے قبضے میں ہیں۔ میر سید اشرف جہانگیر سمنانی "لطائف اشرفی" میں فرماتے ہیں کہ قصبہ کنتور کے سادات صحیح النسب ہیں اور اکابر سادات کی اولاد ہیں۔ نیز آپ نے اُن سادات سے فرمایا کہ آپ لوگ یہاں کے لوگوں کے ساتھ رشتہ ناطہ نہ کریں۔ میر سید علاؤ الدین کا مزار قصبہ کنتور میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ آپ کا سن وفات نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن آپ نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے کہ میں سلطان محمد تغلق شاہ کے عہد میں دہلی گیا اور شیخ ابوالبرکات اور شیخ یحییٰ جو حضرت خضر علیہ السلام کے ہم صحبت تھے، کی صحبت حاصل کی اور خوب لطف اٹھایا۔ سلطان مذکور ۷۲۵ھ میں تخت نشین ہوا، اور ستائیس سال حکومت کرنے کے بعد ۷۵۲ھ میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت میر سید امیر ماہ قدس سرہٗ

آں سالک ہمدم نسیم وصال آں موصوف بصفاتِ جمال و جلال آں عارف

پیشوائے ارباب یقین مقتدائے وقت میر سید امیر ماہ بن سید نظام الدین قدس سرہ۔
آپ کا شمار کاملین روزگار و بزرگان صاحب اسرار میں ہوتا ہے۔ آپ شانِ عظیم کرامات وافر، حالِ قوی اور ہمت بلند کے مالک تھے۔ آپ کے والد میر سید نظام الدین شہر بغداد کے عالی نسب سادات میں سے تھے اور حادثہ ہلاکو خان کے وقت ہندوستان تشریف لائے۔ آپ بہرائچ میں مقیم ہوئے اور اسی جگہ وصال پایا۔

میر سید امیر ماہ ظاہری علوم حاصل کرنے کے بعد میر سید علاؤالدین جاوری کی خدمت میں جاکر مرید ہو گئے اور کمالاتِ ظاہری و باطنی سے بہرہ مند ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد سلسلۂ سہروردیہ کا خرقۂ خلافت حاصل کیا اور مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے قطب الاولیا شیخ نظام الدین ابوالمویدؒ جنکا مزار قصبۂ کولی میں ہے۔ کے پوتے شیخ جمال بھی ان کے مرید تھے۔ میر سید علاؤالدین جاوری، شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے اکمل خلفاء میں سے تھے اور بڑے صاحبِ کمال تھے۔ آپ سلطان المشائخ کے ہم عصر تھے اور عمر آپ کی دراز تھی۔ آپ کا مزار موضع جاور میں ہے جو شہر دہلی کے قریب ہے۔ میر سید امیر ماہ ظاہری و باطنی سفر کے بعد بہرائچ میں مسندِ ارشاد پر بیٹھے اور خلقِ خدا کو فیض پہنچایا۔ آپ کا ایک لڑکا تھا۔ جنکا نام سید تاج ماہ تھا۔ وہ قوی الحال اور غلبۂ استغراق میں مستغرق رہتے تھے۔ انہوں نے طریق ملامتیہ اختیار کر لیا تھا اور اپنے جمالِ ولایت کو اغیار کی نظروں سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ میر سید امیر ماہ سخت بیمار ہو گئے او بچنے کی امید نہ رہی۔ سید تاج ماہ نے کمال بلند ہمتی سے اپنے آپ کو اپنے والد بزرگوار پر قربان کر دیا۔ خود بیمار ہو گئے اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کے بعد میر سید امیر ماہ تندرست ہو گئے۔ لیکن اُن کے دل میں یہ خیال رہتا تھا کہ سید تاج ماہ پر کیا گزری ہو گی۔ رات کو جو مجاور ان کی قبر پر سویا تھا۔ اس کے ہاتھ کی ہتھیلی پر ہرے رنگ میں یہ شعر لکھا ہوا ظاہر ہوا اور جب تک وہ زندہ رہا۔ وہ حروف اسی طرح رہے ؎

بگوائے مرغ زیرک حمدِ مولیٰ - کہ جانِ تاج مہ بر عرش بردند

ترجمہ: اے دانا پرندے خدا کی حمد کر اور اُنکو بتا دو کہ تاج مہ کی جاں عرش پر لے گئے۔

شیخ عین الدین قتال بن شیخ سعد اللہ کیسہ دار کنستوریؒ نے بھی میر سید امیر ماہؒ سے تربیت حاصل کی تھی۔ اُن کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔ میر سید امیر ماہ کے کمالات اُن کی تصانیف سے ظاہر ہیں، چنانچہ اپنے ایک رسالے میں لکھتے ہیں کہ علوی فقیر محمد امیر ماہ خادم اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمات طالبانِ عشق کے مراتب میں برسنن طریق الوصل سلطان فیروز شاہ کے عہد حکومت میں جمع کئے گئے اور اس رسالہ کا نام رسالۃ المطلوب فی عشق المحبوب رکھا گیا۔ اس رسالے میں لکھتے ہیں کہ اے عزیز آدم علیہ السلام کو سلطانِ عشق نے اس دن منہ دکھایا جب وہ بہشت سے باہر لائے گئے اور دنیا میں تنہا چھوڑ دیا۔ نوح علیہ السلام کو سلطانِ عشق نے طوفان کے اندر کشتی میں منہ دکھایا۔ یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں۔ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکتے وقت۔ یعقوب علیہ السلام کو اسوقت جب یوسف علیہ السلام اُن سے جُدا ہوئے۔ یوسف علیہ السلام کو اسوقت جب وہ بازارِ مصر میں سترہ درہم کے عوض فروخت ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اسوقت جب وہ مصر سے باہر نکلے اور فرعون اُن کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ سلیمان علیہ السلام کو اس وقت جب اُن کی انگوٹھی گر گئی اور ان کے ملک سے باہر جا پڑی۔ زکریا علیہ السلام کو اسوقت جب اُن کے سر پر آرہ چلایا گیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس روز سلطانِ عشق نے منہ دکھایا جب آپ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حسین بن منصور کو اُس روز جب انہیں دار پر چڑھایا گیا۔ عین القضاۃ ہمدانی کو اس وقت جب بوریا میں لپیٹ کر آگ میں پھینکا گیا اور اس رسالہ کے جمع کرنے والے کو (یعنی مصنف کو) اس روز سلطانِ عشق نے منہ دکھایا جب خطۂ بہرائچ میں جو اس فقیر کی جائے پیدائش ہے۔ سپہ سالار سعد الدین مسعود غازی علیہ رحمہ کے پائنتی کتاب فرحت العاشقین کے مطالعہ میں مشغول تھا۔ اسی وقت خواجہ خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ آپ

نے ایک عالم کی صورت میں ہوا میں کھڑے ہوکر فرمایا!
اے فرزند ہوشیار ہو جاؤ کہ لشکرِ عشق دوڑا ہوا آ رہا ہے۔ اسی ہفتہ کے اندر کفار کے لشکر نے جمع ہو کر بھڑائچ پر حملہ کیا اور گھروں کو جلا دیا۔ خانقاہ میں بھی چند آدمی شہید ہو گئے اور اس فقیر کو بھی زد و کوب کیا۔ بلکہ عشق کی ضربیں منہ پر پڑیں جیسے کہ چاند کے منہ پر ہیں میں شکر بجالایا کہ عشق نے اس فقیر کو منہ دکھایا۔ اسوجہ سے وہاں سے ترک سکونت کر کے اودھ چلا گیا۔ کیونکہ یہ عشق بازی ہے بلکہ جاں بازی ہے۔ اس رسالے میں آپ نے اکثر اولیا کرام کے حالات و مقالات بیان فرمائے ہیں۔ آپ کی عمر بہت دراز تھی۔ شیخ نصیر الدین محمودؒ کے وقت سے لے کر میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے وقت تک قیدِ حیات میں رہے۔ چنانچہ میر سید اشرف جہانگیرؒ نے جس کتاب میں ہندوستان کے تمام سادات کا ذکر کیا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ بھڑائچ کے سادات بہت مشہور ہیں۔ ان میں سے سید ابو جعفر امیر ماہ کو اس درویش نے دیکھا تھا۔ وادیٔ ہجر میں بے نظیر تھے اور سالار مسعود غازی شہید کے مزار پر اور خضر علیہ السلام کی صحبت میں سید ابو جعفر امیر ماہ اور یہ درویش (میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ) یکجا تھے۔ ہم خضر علیہ السلام سے اکثر مشایخ کے حالات اور مقاماتِ مشیخت کے متعلق دریافت کرتے تھے۔ اُس وقت خضر علیہ السلام کے ساتویں مرتبہ دانت از سرِ نو نکل آئے تھے۔
آپ کے کمالات کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا۔ میر سید امیر ماہ کا مزار بھڑائچ کے خطہ میں زیارت گاہِ خلق ہے اور آپ کی اولاد اب تک وہاں آباد ہے۔ ان میں سے میر سید احمد کو اس فقیر نے (مصنف کتاب مراۃ الاسرار) نے بادشاہ جہانگیر کے عہد میں دوسری مرتبہ دیکھا۔ بڑے نیک آدمی تھے۔ اسوقت میر سید علاؤالدین اخلاقِ محمدی سے متصف ہیں اور اپنے اجداد کی مسند پر متمکن ہیں۔ سید امیر ماہ کا سنِ وفات نظر سے نہیں گزرا، لیکن آپ سلطان فیروز شاہ کے معاصر تھے اور سلطان مذکور ۷۵۲ھ میں چالیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ سلطان فیروز شاہ بہت محسن، بلند ہمت

رعایا پرور، سپاہ دوست اور درویشوں کا عقیدت مند تھا اور حضرت خواجہ گنجشکر قدس سرہ کے پوتے شیخ علاؤالدینؒ کا مرید تھا۔ وہ ...ھ میں بھرائچ جاکر سلطان الشہدا سالار مسعود غازی قدس سرہٗ کے مزار پر حاضر ہوا، اور میر سید امیر ماہ کی زیارت سے بھی مشرف ہوا۔ یہ صحبت کافی دیر تک رہی اور اس سے بادشاہ کو بہت فائدہ ہوا ہم نے اس کا مراعات مسعودی میں مفصل ذکر کیا ہے۔ خواجہ شمس الدین سراج مصنف تاریخ فیروز شاہی لکھتے ہیں کہ سلطان چند یوم بھرائچ میں رہا۔ ایک رات بادشاہ نے سلطان الشہدا کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے بادشاہ کو دیکھتے ہی اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ لیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑھاپا آگیا۔ اب آخرت کی فکر ہونی چاہیئے اس خواب سے بیدار ہو کر وہ سلطان الشہدا مسعود غازی کے مزار کے پائنتی بیٹھ گیا اور خرقۂ صوفیہ پہن کر تائب ہوا۔ اس کے بعد دہلی جاکر اپنے لڑکے سلطان محمد کو تخت پر بٹھایا اور خود طاعت و عبادت میں مشغول ہو گیا۔ حتیٰ کہ ۷۹۰ھ میں راہی ملک بقا ہوا۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ

آں جائے نشین انبیاء با استحقاق، آں غریق بحر مشاہدہ باتفاق، آں خوگرفتہ بہ کمال بردباری قطب مشائخ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ کاملان وقت میں سے تھے۔ آپ شان بزرگ احوال مستور اور بلند ہمت کے مالک تھے۔ ابتدائے حال سے لے کر انتہائے سلوک تک آپ پیکر سنت نبوی رہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم اور اولیاء محفوظ ہیں۔ آپ اس کے صحیح نمونہ تھے۔ آداب مذہب صوفیہ جس قدر آپ کی تصانیف میں پائے جاتے ہیں اور کہیں نہیں ملتے۔ آپ کے والد شیخ یحییٰ منیری بھی بڑے بزرگ اور صاحب کرامات و مقامات تھے۔ ان کا مزار منیر میں زیارت گاہ خلق ہے۔ شیخ شرف الدینؒ، شیخ نجیب الدین فردوسی قدس سرہٗ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کے حالات طبقۂ سابقہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہ سلسلۂ عالیہ شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ، پر منتہی ہوتا ہے۔ مناقب الاصفیا ایک معتبر کتاب

ہے۔ جو شیخ شرف الدینؒ کے سلسلہ کے خلفاء میں سے کسی نے لکھی ہے۔ اس کتاب میں سلسلۂ فردوسیہ کے تمام مشائخ کے مفصل حالات درج ہیں۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ قصبہ منیر میں ایک بزرگ رہتے تھے۔ جو صاحبِ کشف و کرامات تھے اور شیخ شرف الدین کے والد جس وقت ان کے پاس جاتے۔ وہ سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔

ایک دفعہ جب وہ حسبِ دستور اُن سے ملنے گئے تو انہوں نے تعظیم نہ کی۔ ان کے والد حیران ہوئے کہ کیا ماجرہ ہے۔ اس بزرگ نے ان کے دل کی بات سے آگاہ پاکر فوراً فرمایا کہ جس شخص کی میں تعظیم کرتا تھا۔ اب وہ شکمِ مادر میں چلا گیا ہے۔ جب شیخ شرف الدین پیدا ہوئے تو اُن کی والدہ جو ایک صالحہ عورت تھیں۔ کبھی بلا وضو دودھ نہیں دیتی تھیں۔ صغیر سنی ہی میں آپ سے عجیب و غریب حالات ظاہر ہونے لگے۔ تحصیل علم میں آپ بڑی کوشش کرتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد آپ والدین سے اجازت لے کر مولانا شرف الدینؒ کے ہمراہ ستار گاؤں کی طرف چلے گئے جو بنگال میں ہے۔ مولانا شرف الدینؒ بڑے عالم اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ اور علم ایمیا، سیمیا وغیرہ سے واقف تھے اور لوگ کثرت سے آپ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ اس وجہ سے بادشاہِ دہلی نے خائف ہو کر انہیں ستار گاؤں بھیج دیا تھا۔ جس وقت مولانا شرف الدینؒ، شیخ شرف الدین کو دیکھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ جوان تربیت کے قابل ہے۔ پس جو علوم کہ جانتے تھے۔ سب انہیں سکھا دیئے

چونکہ آپ نہایت بلند ہمت تھے۔ آپ نے اس پر اکتفا نہ کیا۔ ستار گاؤں سے واپس آکر آپ اپنی والدہ کے ہاں منیر چلے گئے۔ ستار گاؤں میں آپ کو ایک بیماری لگ گئی تھی۔ سب طبیبوں نے اتفاقِ رائے سے کہدیا کہ اس مرض کا علاج شادی ہے۔ چنانچہ آپ کی شادی ہو گئی اور ایک لڑکا پیدا ہوا۔ انھوں نے لڑکے کو اپنی والدہ کے حوالہ کر کے فرمایا کہ اسے میرا قائم مقام سمجھو اور مجھے راہِ حق میں چھوڑ دو کہ جہاں چاہوں چلا جاؤں۔ پس والدہ سے رخصت ہو کر آپ دہلی گئے۔ اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدینؒ۔

لودیا قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد سلطان المشائخ نے انہیں پتبنول کا پتہ دیکر رخصت فرمایا اور حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ شہباز ہے۔ لیکن ہمارے جال میں پھنسنا اس کے مقدر میں نہیں ہے۔ باہر آکر اُن کے دل میں خیال گزرا کہ اگر شیخی یہی ہے تو میں بھی شیخ ہوں۔ وہاں سے آپ پانی پت گئے اور شیخ شرف الدین بوعلی قلندر کی خدمت میں کچھ عرصہ رہے۔ لیکن وہاں سے بھی یہ کہکر چلدیئے کہ شیخ ہیں لیکن مغلوب الحال ہیں۔ دوسروں کی تربیت نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ رخصت ہوتے وقت بوعلی قلندرؒ نے اتنا فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوہِ حرا (غارِ حرا) میں فتح باب ہوئی (یعنی دروازہ کھلا) اور تمہاری کوہ راجگر میں فتح باب ہوگی۔

اس کے بعد ان کے بڑے بھائی نے خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کا ذکر کیا اور اُن کی بڑی تعریف کی۔ یہ سُنکر انہوں نے فرمایا کہ دہلی کا جو قطب ہے (یعنی سلطان المشائخ) انہوں نے تو مجھے ترک کرکے واپس موڑ دیا۔ دوسرے کے پاس کیسے جاؤں۔ آپ کے بھائی نے کہا۔ بزرگوں کے حق میں ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے۔ اس سے آپ پشیمان ہوئے اور خواجہ نجیب الدین کی خدمت میں چلے گئے۔ لیکن آپ کے دل میں کچھ دہشت پیدا ہونے لگی۔ دل میں خیال آیا کہ جب شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا تو دہشت نہ تھی۔ اب کیا بات ہے۔ اس میں کوئی راز ہے کہ اب مجھے دہشت ہورہی ہے۔ جب حضرت خواجہ کے سامنے گئے۔ تنبول کا پتہ اسی طرح منہ میں تھا۔ خواجہ نجیب الدینؒ نے دیکھ کر فرمایا۔ منہ میں بھی پتہ ہے اور دستار میں بھی۔ لیکن کہتا یہ ہے کہ "میں بھی شیخ ہوں"۔ یہ سنتے ہی آپ نے پتہ منہ سے نکالکر پھینک دیا اور وہشت کی حالت میں دوزانوں ہوکر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بیعت کی درخواست کی اور مرید ہوگئے اس کے بعد حضرت خواجہ نے مہربانی فرمائی اور سلسلۂ فردوسیہ کے تمام اذکار و مشاغل تعلیم فرمائے اور عقائد مذہب صوفیہ خصوصاً وحدت الوجود سے آشنا کیا اور خرقۂ خلافت تمام تبرکاتِ سلسلہ سمیت عطا فرمایا۔ اسوقت شیخ شرف الدینؒ نے عرض کیا کہ یہ بڑا کام ہے۔ مجھ بیچارہ سے کس طرح سرانجام ہوگا۔ خواجہ نجیب الدینؒ

نے فرمایا۔ میں نے یہ اجازت نامہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم
سے لکھا ہے۔ مرتبہ نبوت تمہاری تربیت کرے گا۔ میرے مشائخ کی ولایت بھی
تمہارے کام میں لگی ہوئی ہے۔ اسباب کا فکر مت کرو۔ اس کے بعد رخصت فرمایا
اور حکم دیا کہ اگر راستے میں کوئی خبر موصول ہو تو واپس نہ آنا۔ ایک دو منزل گئے تھے کہ
حضرت خواجہ کے وصال کی خبر سُنی۔ واپس جانا چاہا، لیکن اُن کی وصیت یاد آئی۔ اسلیے
آگے چلتے رہے۔ جب بنارس سے گزر کر ایک دو منزل آگے گئے تو اجازت نامہ
اور تبرکات اپنے بھائی کے حوالہ کر کے جنگل کے اندر گھس گئے اور ہمراہیوں کی نظروں
سے غیب ہو گئے۔ انہوں نے بہت تلاش کیا۔ لیکن نہ پایا۔ انہوں نے اجازت نامہ
اور تبرکات ان کی والدہ کے حوالہ کر دیئے۔ آپ کی والدہ بہت مغموم ہوئیں اور گریہ وزاری
میں مبتلا ہو گئیں۔ کچھ دنوں کے بعد شدت سے بارش ہونے لگی۔ آپ کی والدہ رونے
لگیں کہ میرے شرف الدین کا کیا حال ہو گا۔ اُسی وقت آپ آگئے اور صحن میں کھڑے ہو
گئے۔ والدہ نے کہا اندر آؤ۔ آپ نے فرمایا۔ باہر آکر دیکھو کہ اس بارش میں میرا کیا حال
ہے۔ جب والدہ باہر آئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ ان کے کپڑے بالکل خشک ہیں اور جس جگہ
وہ کھڑے ہیں، وہاں قطعًا بارش نہیں ہو رہی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ حق تعالیٰ ہماری اس
طرح حفاظت فرماتے ہیں، آپ میرا فکر کیوں کرتی ہیں۔ اب مجھے اللہ کے سپرد کرو اور مجھ
سے راضی رہو۔ ناچار والدہ نے انہیں رخصت کیا۔ آپ نے کئی سال جنگل اور پہاڑ میں
گذار دیئے اور بڑے کمالات حاصل کئے۔ ایک دفعہ قاضی زاہد دانشمند نے جو آپ کا
مخلص اور معتقد تھا۔ عرض کیا کہ سُنا ہے مخدوم نے تیس سال تک کچھ نہ کھایا اور نہ بول
براز کو گئے۔ آپ نے فرمایا، اے زاہد اجو ریاضت اور مجاہدہ شرف الدین نے کیا
ہے۔ اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہو جاتا لیکن شرف الدین کچھ نہیں بنا۔ اس بات سے آپ کی
بلندیٔ ہمت ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمال کے باوجود
اکثر فرمایا کرتے تھے۔ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ (ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں
کیا) غرضیکہ ایک مدت تک کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کہاں ہیں۔ بعض لوگوں نے نشاندہی

کی کہ فلاں جنگل میں ہیں۔ ایک دن حضرت سلطان المشائخ کے مرید مولانا نظام الدین مولیٰ شہر بہار میں تشریف لے گئے۔ آپ کبھی کبھی شیخ شرف الدین کی ملاقات کے لئے جنگل میں اپنے اصحاب سمیت تشریف لے جاتے تھے اور صحبت ہائے محرمانہ گرم ہوتی تھیں۔ جب شیخ شرف الدین نے دیکھا کہ یہ حضرات میری خاطر خطرناک جنگل میں آتے ہیں۔ ان سے فرمایا کہ آپ لوگ تکلیف نہ کریں۔ جمعہ کے دن شہر کی جامع مسجد میں میں حاضر ہو جاؤں گا اور اسی جگہ ملاقات ہوگی۔ مولانا نظام الدین مولیٰ اور ان کے اصحاب یہ خوشخبری سنکر خوش ہوئے اور شہر جا کر ایک درویشانہ مکان مسجد کے قریب بنایا۔ پس آپ ہر جمعہ کے دن شہر میں آتے اور نماز جمعہ کے بعد اس گھر میں بیٹھ کر احباب کے ساتھ سرگرم مجلس رہتے اور کبھی کبھی دو ایک روز وہاں رہ کر چلے جاتے تھے۔ اس کے بعد مولانا نظام الدین مولیٰ نے مجد الملک حاکم بہار کو طلب کر کے فرمایا کہ ہمارے پاس مالِ حلال میں سے کچھ رقم ہے۔ میرے بھائی شرف الدین کے لئے ایک مکان تیار کرادو۔ انھوں نے اُس چھوٹے سے مکان کو گرا کر ایک بڑی عمارت تیار کرائی۔ اور آپ اس میں رہنے لگے۔

لیکن کبھی کبھی آپ راجگر کے جنگل اور پہاڑ کی سیر کے لئے چلے جاتے تھے۔ جب آپ کے کمالات کی شہرت ہوئی تو خلق خدا آپ پر ٹوٹ پڑی۔ یہ دیکھ کر سلطان محمد شاہ نے مجد الملک حاکم بہار کو حکم دیا کہ شیخ شرف الدینؒ کے خدام کے لئے پتھر سے ایک پختہ خانقاہ تیار کرائی جائے۔ کہتے ہیں کہ آج تک وہی عمارت موجود ہے۔ تغلق شاہ کے بعد جب سلطان فیروز شاہ تخت نشین ہوا، تو اس نے خانقاہ کے خرچ کے لئے ایک گاؤں وقف کر دیا۔ اگرچہ خلقت کا ہجوم بڑھ گیا۔ لیکن آپ ہمیشہ ستر کرامت کے لئے (کرامات کو پوشیدہ رکھنے کے لئے) کوشاں رہتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی حالت سکر میں بے اختیار کوئی چیز آپ سے ظاہر ہو جاتی تھی۔ ایک دن ایک آدمی چند مردہ مکھیاں لایا اور کہنے لگا کہ شیخ یحییٰ و یمیت (زندہ کرتا ہے اور مردہ کرتا ہے) کے مقام میں ہیں انہیں زندہ کیجیے۔ آپ نے بہت معذرت کی کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ مردہ زندہ کروں۔

لیکن وہ شخص بڑبڑاتا ہوا شیخ احمد چرم پوش کے پاس چلا گیا. آپ نے صبر سے کام لیا اور خاموش بیٹھے رہے. جب شیخ احمد سے ماجرا بیان کیا تو انہوں نے کہا سبحان اللہ! یہ ستر جو حق تعالیٰ نے شیخ شرف الدینؒ کو عطا فرمایا ہے. ہمارے بس کی بات نہیں (یعنی ہم اس قدر اپنے آپ کو نہیں چھپا سکتے. جیسے شیخ شرف الدینؒ نے وسعت ظرف کی وجہ سے اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے) چنانچہ انہوں نے مکھیوں سے کہا کہ اڑ جاؤ اور مکھیاں فوراً اڑ کر چلی گئیں. یہ دیکھ کر اس بے نصیب نے کہا کہ میں نے تجلی کا مشاہدہ کر لیا اور ہیبت کا بھی مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں. انہوں نے فرمایا، جاؤ، راستے میں دیکھ لو گے. راستے میں کسی گھوڑے نے ایسی لات ماری کہ مر گیا. جب یہ خبر شیخ شرف الدینؒ کو ہوئی تو آکر اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے اور اس کے حق میں حسن خاتمہ کی دعا کی. یہ تھی آپ کی بردباری جس کی وجہ سے آپ انبیاء اور اولیاء کے قائم مقام ہو گئے. یہ شیخ احمد چرم پوش بڑے بزرگ تھے. جن کا مشرب قلندرانہ تھا اور شیخ شرف الدینؒ سے انکو بہت محبت تھی. ان کا مزار بھی شہر بہار میں زیارت گاہ خلق ہے. رحمۃ اللہ علیہ.

اس کتاب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ تمام مشائخ وقت یکجا تھے. اُن میں سے ہر ایک بزرگ نے اپنی اپنی خواہش کا اظہار کیا. جب شیخ شرف الدین کی نوبت آئی تو آپ نے کہا کہ میری آرزو یہ ہے کہ میرا نام نہ اس جہان میں ہو نہ اُس جہان میں. حدیث پاک اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللہُ (جب فقر کی تکمیل ہوتی ہے تو اللہ ہی اللہ ہوتا ہے) کا اسی مقام کی طرف اشارہ ہے. اس کتاب میں لکھا ہے کہ شیخ عز کاکوئیؒ اور احمد بہاریؒ صاحب مقامات اور مست وحدت تھے اور شیخ شرف الدینؒ کے ساتھ بے حد محبت رکھتے تھے. اتفاقاً دونوں بزرگ سلطان فیروز شاہ کے عہد حکومت میں دہلی گئے. غلبۂ حال کی وجہ سے انہوں نے بے پردہ باتیں کہیں. جس پر علمائے ظواہر نے اُن کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا. باوجودیکہ دہلی میں بے شمار بزرگ تھے کسی نے انہیں دیوانگی کا عذر دیکر بچانے کی کوشش نہ کی. جب یہ خبر شیخ شرف الدینؒ تک پہنچی

تو آپ نے فرمایا کہ جس شہر میں ایسے موحدین کا خون گرایا جائے وہ کب آباد رہ سکتا ہے۔

چنانچہ کچھ عرصے کے بعد امیر تیمور صاحب قران نے حملہ آور ہو کر دہلی کو تاخت و تاراج کر دیا۔ الغرض بعض لوگوں نے شیخ شرف الدینؒ کی بات سلطان فیروز شاہ تک پہنچا دی، بادشاہ نے علماء کو طلب کر کے کہا کہ میں نے آپ لوگوں کے فتویٰ کے مطابق انہیں قتل کیا ہے۔ لیکن شرف الدین نے یہ کہا ہے۔ علماء نے متفق ہو کر کہا کہ ہم نے کتاب و سنت کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ شیخ شرف الدینؒ کو طلب کیا اُس زمانے میں مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاریؒ قدس سرہٗ دہلی میں تشریف فرما تھے۔ بادشاہ آپ کا بے حد معتقد تھا، چند دن گزر گئے، لیکن بادشاہ کو حضرت مخدوم کی زیارت نصیب نہ ہوئی۔ خدام سے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ انہوں نے کہا۔ شیخ شرف الدین منیریؒ کے خطوط مخدوم جہانیاںؒ کو موصول ہوئے ہیں۔ اُن کے مطالعہ میں مصروف ہیں اور خلوت سے باہر نہیں آتے۔ یہ سُنکر بادشاہ پشیمان ہوا اور نوکروں کو حکم دیا کہ حضرت مخدوم کو ہرگز تکلیف نہ دیں اور خلوت میں رہنے دیں۔ کیونکہ بزرگوں کو اپنی جگہ سے ہلانا اچھا نہیں ہوتا۔ اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو درویش علماء کا محتاج ہے۔ درویش نہیں ہے۔ علماء جو کچھ کتاب میں دیکھتے ہیں وہی کہتے ہیں لیکن درویش اگر کتاب میں کچھ نہیں پاتا تو لوح محفوظ سے بات کرتا ہے۔ اگر لوحِ محفوظ میں کچھ نہیں پاتا تو حضرت عزت سے بات کرتا ہے۔ غرضیکہ آپ کے کمالات و کرامات بے شمار ہیں۔

حقائق و معارفِ توحید بیان کرنے میں آپ بے نظیر تھے۔ تصوّف میں آپ قاضی عین القضات ہمدانیؒ کی اقتدا کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی تصانیف میں اکثر ان کا ذکر کیا ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "آں عاشقِ فانی عین القضات ہمدانی" دوسری جگہ پر انہیں "مست الست یزدانی قاضی عین القضات ہمدانی دُرِ معدن معانی" کہا ہے۔ آپ نے اپنے ملفوظات میں اُن کی بہت تعریف کی ہے۔ شیخ شرف الدینؒ کے

کثرت سے خطوط موجود ہیں۔ جو آپ نے اپنے مریدین اور طالبانِ حق کو لکھے بخصوصاً وہ خطوط جو آپ نے شیخ مظفر بلخی کے نام لکھے ہیں، صوفیہ کرام کے لئے دستور العمل کا درجہ رکھتے ہیں، آپ اکثر مقامات پر انہیں امام مظفر لکھتے ہیں کہ ان کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔ آپ نے ایک رسالہ وحدت الوجود کے اثبات میں لکھا ہے جس کا نام ارشاد السالکین ہے۔ آج تک کسی معترض سے اس کی تردید نہیں بن پڑی آپ نے کتاب آداب المریدین (مصنف شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ) کی شرح بھی لکھی ہے۔ جس سے بہتر کوئی کتاب تصور میں نہیں آسکتی۔ آپ کی عمر بہت دراز تھی۔ سلطان المشائخ کے وقت سے لیکر میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کی تشریف آوری تک۔ آپ قید حیات میں رہے۔ چنانچہ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ جب آخر عمر میں شیخ شرف الدینؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کے خلفاء اور مریدین میں سے کون آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائے تو آپ نے فرمایا کل ایک سید صحیح النسب، تارک دنیا، حافظِ قرآن، بالادست ولایت سے آرہا ہے۔ جس کا نام میر سید اشرف ہے۔ وہ امامت کرے، چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین کر کے لوگ منتظر تھے کہ کون آتا ہے۔ صبح کے وقت جب کچھ دیر ہوگئی تو آپ کا خادم قدیم شیخ جلالی شہر سے باہر نکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ میر سید اشرف جہانگیرؒ اپنے اصحاب سمیت تشریف لا رہے ہیں، شیخ جلالی فراست سے سمجھ گئے کہ وہی ہیں۔ پس نہایت تواضع سے وہ انہیں شیخ کے مکان پر لے گئے اور انہوں نے وصیت کے مطابق نمازِ جنازہ کی امامت کی۔ جب شیخ کے جسم کو قبر میں اُتارا گیا تو آپ کا ہاتھ قبر سے باہر نکل آیا۔ لوگوں نے حیران ہو کر میر سید جہانگیرؒ سے حقیقت حال دریافت کی۔ انہوں نے شیخ کی روحانیت سے دریافت کر کے بتایا کہ حضرت شیخ کو کوہِ راجگیر میں مردان غیب سے ایک کلاہ ملا تھا اور آپ نے وصیت کی تھی کہ اُسے بھی میرے ساتھ دفن کیا جائے، لیکن تم لوگ یہ بات بھول چکے ہو۔ چنانچہ انہوں نے وہ کلاہ لاکر شیخؒ کے ہاتھ میں دیا۔ کلاہ پہنچتے ہی آپ کا ہاتھ اندر چلا گیا۔ آپ کے کمالات کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے آپ

کی وفات پنج شنبہ کے دن چھ ماہِ شوال ۷۸۲ھ میں سلطان فیروز شاہ کے عہد میں ہوئی
کسی نے تاریخ وصال یوں نکالی ہے۔ ؎

روز پنج شنبہ زمہ شوال شش بد اے جوان
کرد رحلت شیخ شرف الدین یحییٰ زیں جہاں
سال ہفتصد بود ہجری و دگر ہشتاد و دو
ایں چنیں قطب مشائخ سوئے جنت شد رواں
کے بود خود زخود جدا ماندہ
من د تو رفتہ و خدا ماندہ

طبقہ ۲۱

در بیان مجملے از احوال شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ
و ذکر شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم

حضرت شاہ شمس الدین ترک پانی پتی قدس سرہ

آں شمس لازوال، آں پروردۂ آب وحال، آں فارغ از مستقبل و ماضی آں بر نقد احوالِ خویش راضی، آں گنجینۂ عشق و ہدایت قطب ابدال شاہ شمس الدین ترک صاحبِ ولایت قدس سرہ، آپ حضرت شیخ علاؤالدین علی احمد صابر قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ طریقت میں آپ کی شانِ عظیم، کرامات و ہمت بلند اور تجرد کمال پر تھا۔ غایت تجرد کی وجہ سے آپ اکثر لباسِ قلندرانہ چرمی پہنتے تھے۔ آپ دنیا عقبیٰ اور رسوم خلق سے بالکل مستغنی تھے اور ریاضات مجاہدات، ذوق و شوق، تصفیہ باطن اور استغراق میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی روحانی قوت کا یہ عالم تھا کہ معمولی سی توجہ سے ساکنانِ عالم سفلی کو مقام علوی میں پہنچا دیتے تھے اور قہر و لطف کا جو کلمہ آپ کی زبان مبارک سے نکلتا، فوراً اسی طرح ہو جاتا تھا اور میرے مشائخ نے تواتر کے ساتھ آپ کے حالات اسطرح روایت کیے ہیں کہ شیخ شمس الدین ترکؒ حضرت خواجہ احمد یسویؒ کی اولاد میں سے تھے۔ جن کا سلسلۂ نسب حضرت محمد حنیفہ بن امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سے جا ملتا ہے۔ جب

آپ سنِ تمیز کو پہنچے۔ آپ کو تحصیل علم کا شوق دامنگیر ہوا۔ کچھ عرصہ آپ ترکستان میں علم حاصل کرتے رہے۔ جب آپ تمام علوم عقلی و نقلی (علم عقلی سے مراد منطق و معقول اور علم نقلی سے مراد علم کتاب و سنت ہے) سے فارغ ہوئے۔ اور روحانیت میں سے کچھ حاصل نہ ہوا تو آپ نے سب کچھ چھوڑ کر مکمل تجرید و تفرید اختیار کر لی اور مردانہ وار راہِ طریقت میں گامزن ہوتے ہی آپ تلاشِ شیخ میں ترکستان چھوڑ کر ماوراالنہر تشریف لے گئے اور وہاں کے مشائخ کی زیارت کی۔ لیکن چونکہ آپ کا نصیب کسی اور جگہ تھا۔ وہاں کسی بزرگ کے ساتھ وابستگی پیدا نہ ہوئی۔ ناچار ہندوستان کا رُخ کیا اور سیر کرتے ہوئے بہت محنت و مشقت کے بعد کلیر شریف پہنچے اور حضرت مخدوم علی احمد صابر قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آں حضرت کا جمالِ ولایت دیکھتے ہی آپ تمام علمی مقدمات بھول گئے۔ اور بے اختیار سر اُن کے قدموں میں رکھ دیا۔ بیعت سے مشرف ہوئے اور کلاہِ ارادت حاصل کی (شاید مرید ہوتے وقت کلاہ عطا ہوتا تھا) اس کے بعد ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ حضرت مخدومؒ کی صحبت میں رہ کر آپ آں حضرت کی نظرِ کیمیا اثر سے ہر ساعت فیوض حاصل کرنے لگے۔ حتیٰ کہ سلوک تمام ہو گیا پس خواجگان چشت کے وسیلہ سے آپ مرتبۂ تکمیل و ارشاد تک پہنچ کر دوسروں کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ اور کثرت سے اظہارِ کرامات ہونے لگا۔ لیکن کمالِ ظرف و بلند پروازی کی وجہ سے آپ اُن کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ غرضیکہ آخر عمر میں حضرت مخدومؒ نے انہیں اپنے پاس بلا کر خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور قسم قسم کی نعمتوں سے جو آپ نے حضرت گنجشکر رضی اللہ عنہ سے حاصل کی تھیں۔ شیخ شمس الدین ترکؒ کو نوازا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اجازت نامہ لکھ کر اُن کے حوالے کیا۔ اس کے بعد وصیت فرمائی کہ جب میں اس جہاں سے پردہ کروں تو تین دن سے زیادہ نہ رہنا۔ حق تعالیٰ نے تمہیں ولایتِ دیار پانی پت عطا فرمائی ہے۔ وہاں جا کر سکونت اختیار کرنا اور خلقت کی ہدایت میں مشغول ہو جانا۔ میں ہر حالت میں تمہارا ممد و معاون رہوں گا۔ اس پر حضرت شاہ شمس الدین نے عرض

کیاکہ چونکہ حضرت مخدوم کی ولایت دائمی ہے۔ بندہ کا ارادہ یہ تھا۔ ساری عمر آستانہ عالیہ کی جاروب کشی کرتا۔ لیکن اب فرمان ہوا ہے کہ پانی پت جاؤں۔ وہاں شیخ شرف الدینؒ بو علی قلندر رہتے ہیں۔ معلوم نہیں اُن کے ساتھ کس قسم کی صحبت رہے گی۔ آپ نے فرمایا۔ فکر مت کرو۔ اُن کا وقت آخر ہے۔ تمہارے وہاں پہنچتے ہی وہ چلے جائینگے پس حضرت کے وصال کے بعد آپ تین دن قصبۂ کلیر میں رہے۔ اس کے بعد وصیت کے مطابق آپ پانی پت کی طرف روانہ ہوئے۔ جب شہر میں پہنچے تو رہنے کی جگہ نہ تھی۔ اس لئے آپ دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے۔ شیخ شرف بو علی قلندر کو آپ کے آنے کی اطلاع ہو گئی۔ آپ نے فوراً بوریا بستر اٹھایا اور چل پڑے۔ ان کا ایک حلوہ فروش لڑکا منظورِ نظر تھا۔ اس نے پوچھا۔ اس وقت آپ کہاں جا رہے ہیں۔ میں آپ کو ہرگز نہیں جانے دوں گا۔ شیخ نے فرمایا۔ اب میں یہاں ہرگز نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ یہ ولایت کسی دوسرے کے سپرد ہو گئی ہے اور مجھے اور مقام پر بلایا گیا ہے۔ اس لڑکے نے ضد میں آکر پوچھنا شروع کیا کہ وہ صاحبِ ولایت کون ہیں۔ مجھے دکھائیں۔ اس کے بعد میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ چونکہ اس نے بہت اصرار کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ فلاں محلے میں جاؤ۔ فلاں شکل کا ایک درویش قلندرانہ چرمی لباس پہنے دیوار کے سائے میں بیٹھا ہے۔ لیکن ان کے ساتھ گستاخی نہ کرنا۔ دور سے دیکھ کر واپس چلے آنا۔ جب یہ لڑکا وہاں پہنچا دیکھا کہ شاہباز بیٹھا ہے۔ جس کی ولایت کے انوار آفتابِ جہاں تاب کی طرح چمک رہے ہیں، حلوہ فروش لڑکا اور دائیں بائیں دو شیر بیٹھے حفاظت کر رہے ہیں۔ اس نظارے کی تاب نہ لا سکا اور پشیمان ہو کر واپس آیا اور شیخ سے کہنے لگا کہ واقعی اب یہاں رہنا اچھا نہیں۔ پس شیخ شرف الدینؒ پانی پت سے چل کر موضع بودہ کھیرہ پہنچے اور چند دن وہاں رہ کر رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے۔ شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ کے کمالات کا ذکر اپنی جگہ پر آرہا ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

غرضیکہ شاہ شمس الدین ترکؒ نے اپنے پیر کی وصیت کے مطابق پانی پت میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ کی تشریف آوری کی بے حد شہرت ہوئی اور چاروں طرف سے

خلقت آنے لگی۔ آپ کئی سال تک مریدین کی تربیت میں مشغول رہے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ حجرۂ خاص کے دروازے پر بیٹھے اپنے اصحاب کے سامنے حقائق و معارف بیان فرمار ہے تھے کہ ایک صاحبِ جمال نوجوان شیخ جلال نام جو پانی پت کے اکابر زادوں میں سے تھا۔ نہایت خوبصورت عراقی گھوڑے پر سوار حسن دزیبائی کے عالم میں سامنے سے گزرا جب آپ کی نظر اس کے حسن و جمال پر پڑی آپ نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مجھے اپنی نعمت اس جوان کے چہرے میں چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اُدھر جب اُن کی نظر حضرت شیخؒ کے نورِ ولایت پر پڑی۔ چونکہ وقت آچکا تھا۔ فوراً گھوڑے سے اُتر کر سر قدموں میں رکھ دیا۔ آپ نے ان کا سر اوپر اٹھا کر فرمایا، گھوڑے پر سوار ہو کر اسے پھراؤ۔ انہوں نے سوار ہو کر چکر دیئے اور آپ نے اپنی باطنی قوت سے ان کے قلب سے سب کچھ باہر نکال کر پھینک دیا اور شیخ جلال پر توحید کے انوار اسطرح برسے کہ ہر چیز کو پیچھے چھوڑ کر اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰہ ؛ (جب فقر کی تکمیل ہوتی ہے تو اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے) کے میدان میں گھوڑا دوڑا دیا اور بیعت سے مشرف ہو گئے۔ اُسوقت شیخ نے جو کلاہ چرمی پہن رکھا تھا۔ اُتار کر اُن کے سر پر رکھا اور فرمایا ؎

آنچہ بصد سال کسے نیافتہ ہم نفسے در نفسے یافتہ

ترجمہ ؛ جو کچھ سو سال میں بھی لوگوں کو نہیں ملتا۔ تم نے آن کی آن میں پالیا۔

پس شیخ جلال تھوڑے سے عرصے میں حضرت شیخؒ کی نظرِ عنایت سے مرتبۂ تکمیل اور ارشاد تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب نکاح کر لو۔ کیونکہ مجھے عالمِ باطن میں تمہاری اولاد ہزاروں کی تعداد میں نظر آرہی ہے۔ شیخ جلالؒ نے نہایت عجز و انکسار سے عرض کیا کہ مجھے تعمیل حکم سے کوئی عذر نہیں۔ لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ بُری اولاد باعثِ رنج و غم ہوتی ہے۔ آپ نے کمالِ شفقت سے فرمایا کہ جو نیک ہوں گے۔ وہ تمہارے ہیں اور جو بد ہوں گے وہ میرے ہیں۔ شمس فقیر

ہرگز بہشت میں قدم نہیں رکھے گا۔ جب تک کہ تمہاری ساری اولاد کو ساتھ نہ لے جائے۔ شیخ جلالؒ نے یہ خوشخبری سُنکر شادی کر لی۔ چنانچہ آپ کی اولاد کثرت سے پانی پت اور اس کے گرد و نواح میں اَب تک موجود ہے۔ حق تعالےٰ قیامت تک آپ کی اولاد پر نظرِ رحمت رکھے۔ آخرِ حیات میں آپ نے جو خرقۂ خلافت اور نعمتِ دو جہاں حضرت مخدوم صابرؒ قدس سرہٗ سے حاصل کی تھی۔ شیخ جلالؒ کو عطا کر دی۔ اور انہیں اپنا جانشین مقرر فرما کر انیسؔ ماہ شعبان کو واصلِ حق ہو گئے۔ آپ کا سنِ وفات نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن آپ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کے ہم عصر تھے اور شیخ نصیر الدینؒ نے ۷۵۷ھ میں سلطان فیروز شاہ کے عہد میں رحلت فرمائی۔

حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی قدس سرہٗ

آں امام روندگان صراط مستقیم آں عالم بہ تعلیم حضرت علیم، آں محرم اسرار و رازہائے نہانی، قطب الارشاد شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی قدس سرہٗ آپ کا شمار کاملین وقت میں ہوتا ہے۔ طریقت میں آپ کی شان بلند، حال قوی اور ہمت نہایت بلند تھی۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کے بعد سلسلۂ فردوسیہ میں طریقِ سلوک و مشربِ اہلِ حق کو آپ ہی نے از سرِ نو زندہ کیا۔ تربیت مریدین میں آپ بے نظیر تھے آپ کے دامِ تربیت میں اکثر شاہبازانِ راہِ سلوک پرورش پا کر مرتبۂ تکمیل و ارشاد تک پہنچے ہیں۔ اکثر مشائخ وقت نے علمِ تصوف میں آپ کی اقتدا کی ہے۔ لیکن آپ کے اور شیخ عبد الرزاق کاشیؒ کے درمیان جو شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے ایک واسطہ سے خلیفہ تھے۔ کسی مصلحت کی بنا پر مسئلہ وجود پر قدرے نزاع لفظی واقع ہوا تاکہ لوگ اس اہم مسئلہ کے متعلق غلطی میں مبتلا نہ ہو جائیں اس کا ذکر اس کتاب کے دیباچہ میں ہو چکا ہے

آپ شیخ نور الدین عبد الرحمٰن اسفرائنیؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور وہ شیخ احمد جوزقانی کے وہ شیخ رضی الدین علی لالا کے، وہ شیخ مجد الدین بغدادیؒ کے اور وہ شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ شیخ علاؤ الدولہ دراصل سمنان کے شاہی خاندان سے

تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ چہل مجالس میں فرماتے ہیں کہ میرے چچا ملک جلال الدین سمنانی بادشاہ وقت ارغون کے وزیر تھے اور میرے ماموں قاضی ضیاء الدین تمام مملکت کے قاضی اور بادشاہ کے مصاحب تھے۔ آپ خود بھی بادشاہِ وقت ارغون خان کے مقرب تھے۔ چنانچہ چہل مجالس میں اس کا اکثر ذکر آیا ہے۔ آپ نے اپنی کتاب عروۃ الوثقیٰ میں اپنی توبہ کا سبب مفصل بیان فرمایا ہے۔ جسکا ذکر مجملاً اس کتاب کے دیباچہ میں ہو چکا ہے۔ صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ آپ نے پندرہ سال کی عمر سے بادشاہ کے دربار میں جانا شروع کیا۔ ایک جنگ میں آپ کے دل میں جذبہ حق پیدا ہوا اور اس کے بعد آپ ۶۸۶ھ میں شیخ نور الدین عبدالرحمان کی خدمت میں بغداد میں جا پہنچے اور مرید ہو گئے اور حجاز سے واپسی کے وقت ۶۸۹ھ میں خلافت اور اجازت سے مشرف ہوئے۔ ۷۲۰ھ کے بعد خانقاہ سکاکیہ میں سولہ سال کے عرصے میں آپ نے ایک سو چالیس چلے کئے۔ اس کے علاوہ آپ نے ایک ۱۳۰ سو تیس چلے اور کئے۔

اقوال آپ کے کمالات وکرامات اس قدر ہیں کہ دائرہ تحریر میں نہیں آسکتے۔ لیکن آپ کے بعض اقوال جو سالکین کے لئے ضروری ہیں، اس جگہ درج کئے جاتے ہیں:

آپ چہل مجالس میں فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک آدمی نے مجھ پر اعتراض کیا کہ فلاں ہندو ظالم آدمی ہے۔ لیکن آپ اُس کی تربیت کر رہے ہیں۔ میں نے کہا وہ تو مسلمان ہے لیکن اگر کوئی یہودی یا آتش پرست بھی میرے پاس آئے۔ میں اُسے بھی راہِ حق کی تلقین کروں گا اور ہرگز دریغ نہیں کروں گا۔ تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ کونسا مذہب کامل تر ہے اور عقل کے تقاضا کے مطابق اس دین کو قبول کرے۔ کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آدمی ستر ہزار پردوں کے اندر محجوب ہے۔ جب وہ لا الٰہ الا اللہ آدم رسول اللہ کہتا ہے اور ریاضت کرتا ہے تو دس ہزار پردے رفع ہو جاتے ہیں۔ جب وہ نوح رسول اللہ کہتا ہے تو بیس ہزار پردے دور ہو جاتے ہیں۔ جب وہ موسیٰ رسول اللہ کہتا ہے تو چالیس ہزار پردے رفع ہو جاتے ہیں اگر داؤد رسول اللہ کہتا ہے تو پچاس ہزار پردے اٹھ جاتے ہیں۔ اگر وہ عیسیٰ روح اللہ کہتا ہے تو ساٹھ ہزار پردے اٹھ جاتے

ہیں اور جب تک لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں کہتا باقی دس ہزار
پردے نہیں اٹھتے. پس جو آتش پرست میرے پاس آتا ہے. میں اسے مرتبہ بمرتبہ
اور مقام بمقام سلوک طے کراتا ہوں اور جب وہ میرے قبضے میں آجاتا ہے اور اُسے
کچھ نظر نہیں آتا تو میں اُسے بتاتا ہوں کہ یہ کام کریگا تو یہ حاصل ہوگا اور یہ کام کرے گا تو
یہ حاصل ہوگا. جب وہ میری بات پر اعتبار کرکے اسی طرح عمل کرتا ہے تو اس کے پردے
ہٹنا شروع ہوجاتے ہیں. جب ساٹھ ہزار پردے اُٹھ جاتے ہیں تو میں اُسے کہتا ہوں
کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمام حجاب دُور ہو جائیں تو محمد رسول اللہ پر ایمان لے آؤ. تو
وہ فوراً ایمان لے آتا ہے. نیز مرشد کے لئے واجب نہیں کہ وہ لوگوں سے کہے
کہ میں مرشد ہوں اور خلق کو دعوت دیتا ہوں. کیونکہ یہ خاصۂ پیغمبری ہے اور پیغمبر کے
لئے یہ فرض ہے کہ وہ کہیں کہ میں پیغمبر ہوں. لیکن جب کوئی طالبِ حق آ لئے اور
حق تعالےٰ اس کے باطن کو نورِ ارادت (مرید ہونا) سے منور کرے اور اپنے آپ
کو مرشد کے حوالہ کر دے تو اسوقت مرشد کے لئے لازم ہے کہ سالک کی طرف کماحقہٗ
متوجہ ہو اور جان و دل سے اسکی خدمت کرے. آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہم نے عالم
غیب میں مشاہدہ کیا ہے کہ بعض اوقات ہم نے ہزار سال تک دریا میں سیر کی ہے. چنانچہ
ہم نے شب و روز کو شمار کیا اور ہزار سال پورے ہوئے. جب عالم غیب سے واپس آئے
تو اس قدر وقت بھی نہ گذرا تھا، جتنا نمازِ فجر اور طلوعِ آفتاب کے درمیان ہوتا ہے. عالم
غیب میں اس قسم کی باتیں بہت ہوتی ہیں. یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں کی حق بین نگاہیں
نہ تھیں اور وہ تناسخ میں گرفتار ہوگئے. انکو یہ وہم لاحق ہوگیا کہ ہماری روح اس سے پہلے
کسی اور جسم میں تھی اور وہ عمر ہزار سال تھی یا جس قدر اس نے عمر گذاری، اب سمجھتا ہے
کہ دوسرے جسم میں تھا. ہندوستان کے برہمنوں اور ترکستان کے بخشیوں کا مذہب
یہی ہے. (اباحتی بھی یہی کہتے ہیں).

اسلام کے بعض فرقے جو مرشد کامل نہیں رکھتے ہیں. اسی چکر میں پھنس گئے
ہیں اور بعض بزرگان کے اقوال کو بغیر سمجھے اپنے دعوے کی دلیل میں پیش کرتے ہیں اور

شیطانِ لعین نے انکو اِس موضوع پر کتابیں لکھنے پر آمادہ کیا ہے۔ جس سے مسلمانوں کے درمیان فتنہ پیدا ہوگیا ہے۔ ایک جماعت۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول پیش کرتی ہے۔ جو آپ نے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

قصّہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ مذاق کر رہے تھے، کیونکہ آپ کبھی کبھی مذاق بھی کر لیا کرتے تھے۔ حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے کہا، یہ جوانی ہے یا بچپن ہے یا اسی طرح کوئی لفظ استعمال کیا۔ اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اے سلیمان شاید تم دشتِ ارژنہ (ارژنہ کا جنگل) بھول گئے ہو، جو ایسی باتیں کرتے ہو۔ حضرت سلیمان فارسیؓ نے جواب دیا نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ وہ برقع پوش سوار ہی تھا۔ یہ سُنکر حضرت سلیمان فارسیؓ نے معذرت کی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان فارسیؓ کی چار سو سال عمر تھی۔ اور ملکِ فارس کے رہنے والے تھے۔ حضرت علیؓ کی ولادت سے دو سو ۲۰۰ سال پہلے شہر سے باہر نکل کر مرشد کی تلاش میں جا رہے تھے تاکہ حق تعالے تک رسائی ہو سکے۔ آپ ایک صحرا میں پہنچے، جسے دشتِ ارژنہ کہتے ہیں کہ ایک خونخوار شیر سے دوچار ہو گئے۔ اب شیر سے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی کہ اچانک ایک سوار ظاہر ہوا۔ جس کے ہاتھ میں ایک لمبا نیزہ تھا۔ اُس نے نیزے سے شیر پر حملہ کر کے دُور بھگا دیا۔ حضرت سلیمانؓ نے یہ واقعہ کسی سے بیان نہ کیا تھا۔ اس سے ایک گروہ نے یہ عقیدہ بنا لیا ہے کہ حضرت علیؓ اپنی پیدائش سے دو سو سال پہلے کسی اور جون (وجود) میں ہوں گے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ حق تعالےٰ نے اُن کی روح کو کئی ہزار برس پہلے پیدا فرمایا اور حق تعالےٰ جانتے تھے کہ کونسی روح کس بدن میں جائیگی اور اسکا کیا نام ہوگا۔ تمام روحیں فرشتوں کی

طرح عالم ارواح میں رہتی ہیں۔ جس طرح حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ آدمی کی شکل اختیار کر کے زمین پر جاؤ اور لوگوں سے بلاؤں کو دور کرو اسی طرح پیدائش سے پہلے بعض خاص رُوحوں کو بھی حکم ملتا ہے۔ کہ ظاہری صورت اختیار کر کے خلق خدا کی امداد کریں اور پھر عالم ارواح میں چلے جائیں۔ حضرت جبرائیلؑ کا قصہ سب کو معلوم ہے کہ کس طرح آدمی کی شکل اختیار کر کے حضرت مریم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا ۔ جبرائیل علیہ السلام کبھی دحیہ کلبی کی شکل میں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ وہ بشر بن جاتے تھے ان ارواح کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روح نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانی شکل اختیار کر کے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مصیبت کے وقت مدد فرمائی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ انکی روح اسوقت موجود نہ تھی۔ اس قسم کی ارواح بہت ہیں۔ جنکا اہل کشف حضرات مشاہدہ کرتے ہیں کہ ولادت سے قبل کس حال میں ہیں اور کیا کرتی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکایت کشف کے ذریعہ معلوم ہو چکی ہوگی۔ اس میں کونسی قیامت ہے ارواح کو اس قسم کا شعور ہوتا ہے۔

حضرت علاؤالدولہ سمنانیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مذہبی تعصب بری چیز ہے اور اس میں غلو (زیادتی) نہیں کرنی چاہیئے۔ فرماتے ہیں کہ شہر رے میں ایک دفعہ حنفیوں اور شافعیوں کے درمیان بہت جھگڑا ہوا، اور اس جنگ وجدل میں ساٹھ ہزار آدمی ہلاک ہو گئے۔ مجھے یہ بات بہت بری لگی۔ خصوصاً اُن لوگوں کی طرف سے جو سب کچھ جانتے ہیں اور پھر بھی اس غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس وقت سلطان محمد نے حکم دیدیا تھا کہ خلفائے راشدین کی بجائے خطبے میں بارہ اماموں کا نام لیا جائے تو ایک ایلچی

سے نے اصفہان جاکر یہ حکم پہنچایا۔ وہاں ایک شخص تھا جو بڑا عالم اور عقل مند تھا۔ اس سے نے چاہا کہ اس ایلچی کو تکلیف دے اور ملک میں فتنہ برپا کرے نوبت یہاں تک پہنچی کہ اصفہان میں بڑا فساد برپا ہوا اور کافی آدمی مارے گئے۔ ایک دن میں نے اس سے کہا کہ تم عقل مند آدمی ہو، یہ کام کیوں کر رہے ہو۔ تہیں معلوم نہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا تو خدا اور رسول کے سوا کسی کا نام نہ لیا۔ اُن کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی خطبے میں کسی کا نام نہیں لیتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت امام حسنؓ بھی کسی کا نام نہیں لیتے تھے حضرت امیر معاویہ اور بنی امیہؓ بھی کسی کا نام نہیں لیتے تھے۔ جب بنی عباس کی سلطنت قائم ہوئی تو انہوں نے خطبے میں اپنا نام درج کرنا چاہا۔ علماء نے کہا اگر ہر حال میں آپ نے اپنا نام درج کرنا ہے تو پہلے خلفائے راشدین کا نام درج کرو اور پھر اپنا تاکہ لوگ تمہیں بُرا نہ کہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین کا نام خطبوں میں آنے لگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ خطبات میں خلفائے راشدین کا ذکر نہ فرض ہے نہ سنت۔ تم عالم آدمی ہو تم نے عوام کی تقلید کیوں کر رکھی ہے۔ بدعت کا ترک کر دینا اُس فتنہ و فساد سے بہتر ہے کہ جس میں مسلمانوں کی جانیں تلف ہو جائیں۔ اس نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے اگر صحابہ کا نام ترک کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن بارہ اماموں کا نام کس طرح لیا جا سکتا ہے۔ میں نے کہا یہ بھی تقلید ہے۔ اگر عباسیوں کی تقلید میں تین سو سال خلفائے راشدین کا نام لیا جا سکتا ہے تو فتنہ و فساد ترک کرنے کے لئے فرزندانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لینے میں کیا حرج ہے۔ آخر آپ دن میں پانچ مرتبہ التحیات میں اُن کا ذکر کرتے ہیں اور اُن پر درود بھیجتے ہیں۔ حضرت شیخ رکن الدین علاءالدولہ سمنانیؒ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے عجیب اعتقاد بنا لئے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ درویش کو گدا اور محتاج رہنا چاہیئے۔ انہیں معلوم نہیں کہ حق تعالےٰ کسی بزرگ کو لوگوں کا محتاج نہیں کرتا حق تعالےٰ کے دوست کیوں حق کے سوا کسی دوسرے کے محتاج رہیں۔ آخر یہ دنیا تمام نعمتوں کے ساتھ اہل اللہ کے دم سے قائم ہے بلکہ تخلیق کائنات کا باعث یہی لوگ

ہیں۔ شیخ مجدالدین بغدادیؒ کی خانقاہ کا سالانہ خرچ دو لاکھ دینار زر (اشرفی) تھا۔ اور میں نے حساب لگایا ہے کہ میں نے صوفیہ کی خدمت میں پانچ لاکھ دینار وقف کئے ہیں، لیکن لوگ کہتے ہیں کہ درویشوں کو مال کی کیا ضرورت۔ مجھے یقین ہے کہ عنداللہ یہ بات پسندیدہ ہے اور عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ گدائی سے یہ بہتر ہے۔ لہٰذا لوگوں کے اعتراضات کی پروا نہیں کرنی چاہیئے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کسی شخص کے لئے مرتبہ ولایت پر پہنچنا ممکن ہے۔ بجز اس کے کہ حق تعالےٰ اس کی پردہ پوشی کرے اور لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رکھے۔

حدیث: **اولیائی تحت قبائی** ؛ (میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں) کے معنی یہی ہیں اور یہ قبا صفتِ بشری ہے۔ نہ کہ پردہ۔ یعنی حق تعالےٰ اس کے اچھے صفات کو بھی عیب کی صورت میں لوگوں کی نظروں میں ظاہر کرتا ہے اور **لا یعرفھم غیری** ؛ (میرے سوا اُن کو کوئی نہیں پہچانتا) کے معنی یہ ہیں کہ جب تک اُس کے باطن کو منور نہیں کیا جاتا۔ اُسے کوئی نہیں پہچانتا۔ پھر بھی وہ نور پہچانا جاتا ہے نہ کہ وہ شخص۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن ایک درویش نے شیخ کی خدمت میں عرض کیا، جب اس جسم کی مٹی کو ادراک نہیں، یعنی جب مردہ جسم میں کوئی اِدراک نہیں اور جب روح جسم سے نکل کر عالمِ ارواح میں چلی جاتی ہے تو کسی بزرگ کی قبر پر جاکر اسکی طرف متوجہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ جس جگہ بیٹھ کر ہم اُن کی طرف متوجہ ہوں۔ اُن کی روح وہاں موجود ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا قبر پر جانے کے بہت سے فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ جب اُنکی زیارت کی خاطر کوئی زیادہ سفر کر کے جاتا ہے تو اُن کی توجہ بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جب کوئی ان کے جسم کے پاس بیٹھ کر اُن کے حسن کا مشاہدہ کرتا ہے۔ تو ان کا حسن اُن کے جسم کی طرف بھی متوجہ ہوتا ہی اور بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ روح کے لئے کوئی حجاب نہیں، لیکن جس جسم کے ساتھ اُسے ستر سال صحبت رہی ہے اور قیامت کے دن بھی اسی جسم کے ساتھ اُٹھے گا اور ابدالآباد تک اس کے ساتھ رہے گا۔ اس جسم کے

ساتھ اُسے گہرا تعلق ہوتا ہے یہ بات اہل معنی پر محقق ہو چکی ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس لیے آئے ہیں کہ لوگوں پر ان کے اپنے عیب اور حق تعالیٰ کا کمال ظاہر کریں، انکا عجز اور حق کی قدرت، اُن کے ظلم اور حق کا عدل، انکے جہل اور حق کے علم، اُن کے ذلت اور حق کی عزت، اُن کی بندگی اور حق کی الوہیت، اُن کے فقر اور حق کے غنا، انکی تقصیر اور حق کی نعمت، انکی فنا اور حق کی بقا، اُن پر واضح کریں۔ اسی طرح شیخ کا بھی یہی کام ہے کہ مریدین کی آنکھوں کو کھول کر مندرجہ بالا حقیقت سے آگاہ کریں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مرشد ان تین چیزوں کے سوا مرید کو سب کچھ سکھا سکتا ہے۔

(اوّل : طلب ، ، دوم : اخلاق ، سوم : عشق)

یہ تینوں چیزیں مواہبات، میں سے ہیں، (یعنی قدرت کی طرف سے انسان کے اندر وولیت کی جاتی ہیں اور کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتیں) جس کی قسمت ہوتی ہے۔ اُسے ملتی ہیں۔ الغرض آپ نے اپنی تصانیف میں اہل تصوف کیلئے بے شمار فوائد بیان فرمائے ہیں۔ جنکا بیان اس مختصر کتاب میں ممکن نہیں۔ آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے کئی صاحبِ ارشاد خلفاء ہوئے ہیں۔ جنھوں نے گم گشتگان بادیہ ضلالت کی ہدایت فرمائی۔ اُن میں سے ایک شیخ علی مصریؒ ہیں۔ جن کے شام اور روم میں بہت مرید ہیں۔ لیکن چونکہ آپ انصاف پسند تھے۔ آپنے تمام مریدین کو بلا کر فرمایا کہ تم بھی حق کے طالب ہو اور میں بھی، لیکن میں نے ابھی تک سلوک تمام نہیں کیا۔ اب میں نے عالم واقعہ میں دیکھا ہے اور عالم شہادت میں سُنا ہے کہ خراسان میں ایک مکمل شیخ ہیں۔ چلو انکی خدمت میں چلیں۔ پس آپ انکی خدمت میں پہنچے اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر سلوک تمام کیا۔ اس کے بعد شیخ نے انکو بیعت کی اجازت فرمائی اور جتنے مرید آپ کے ہمراہ گئے تھے، سب کو اُن کے حوالہ کیا۔ اُن میں سے ایک شیخ نجم الدین محمد بن محمد الادقانیؒ تھے۔ جو کمالاتِ ظاہری و باطنی سے مزین تھے۔ اسی سال کی عمر میں انہوں نے ۶۰۶ھ میں انتقال فرمایا اور حصار میں دفن ہوئے جو اسفرائن کے علاقے

میں سے ہے۔ اُن میں سے دوسرے شیخ رضی محمد دہستانی ہیں جو ایک قافلے کے ساتھ سمنان گئے اور شیخ نے اشارہ غیبی پاکر انکو بلایا اور تربیت فرمانے لگے۔ انہوں نے اس قدر خدمت کی کہ اس سے زیادہ طاقتِ بشری سے باہر تھا۔ اس کے بعد تین سال کے لئے انکو ایک ذکر میں مشغول رکھا اور کئی خلوتیں کرائیں۔ اس سے انکو بہت ترقی ہوئی شیخ رکن الدین علاء الدولہ چہل مجالس میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ قوی واردات کا اُن پر نزول ہوتا تھا لیکن میں انکی نفی کر دیتا تھا تاکہ اس سے بھی زیادہ ترقی کریں۔ حتیٰ کہ کچھ عرصے کے بعد اُن پر اسم صمد کی تجلی ہوئی۔ یہ وہ مقام ہے۔ جہاں سالک کو کھانے پینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ جب انہوں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو دل میں غرور پیدا ہوا، اور دل میں کہنے لگے کہ نہ کھانا حق تعالٰے کی صفت ہے جو میرے اندر پیدا ہو گئی ہے۔ پس دل ہی دل میں خدائی دعویٰ کرنے لگے اور کھانا بالکل ترک کر دیا۔ چنانچہ میں نے اُسے مارنا شروع کیا اور اس کے منہ میں مکرملی دیکر شربت ڈالتا تھا۔ لیکن وہ نکالکر باہر پھینک دیتا تھا۔ اس کے بعد میں نے اُسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا کہ اپنی خوشی سے کھائے گا لیکن چھ سال تک اس نے کچھ نہ کھایا۔ اس کے بعد ہم مکہ معظمہ گئے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ مجھ سے ایک ساعت کیلئے بھی بے نیاز نہ ہوا۔ ورنہ وہ اس ورطے (چکر) میں ہلاک ہو جاتا۔ کہ کے بعد جب ہم مدینہ پہنچے تو میں نے اس سے کہا کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہو اور میرے مرید ہو تو اسی طرح کرو جس طرح کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور میں کرتا ہوں۔ ورنہ اُٹھ کر چلے جاؤ اور اسکے بعد ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی تعلق نہ ہو گا۔ اسوقت ہمارے ایک دوست شیخ علی موجود تھا۔ اس نے اُسکے منہ میں ایک لقمہ دیدیا۔ میں نے کہا اب تین لقمے روزانہ کھایا کرو۔ دوبارہ مکہ جانے پر میں نے اس سے کہا کہ اب درویشوں کی طرح کھاؤ۔ غرضیکہ رفتہ رفتہ وہ ورطے سے بچ نکلا۔

آپ کے ایک اور خلیفہ شیخ ابو البرکات تقی الدین علی دوستی تھے۔ جو شیخ کے سامنے مرتبہ تکمیل اور ارشاد کو پہنچ گئے اور بلا واسطہ تقرب حق سے بہرہ ور ہوئے۔ ایک دن

حضرت شیخ فرمارہے تھے کہ سالک پر جب تجلی صُوری ہوتی ہے تو اُسے تجلی صوری تصور کرنا چاہیئے. اور حق تعالےٰ کو اس صورت سے منزہ سمجھنا چاہیئے لیکن اُسے حق تعالیٰ کی تجلی سمجھنا چاہیئے. جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے یہ الفاظ سُنے. اِنّی اَنَا اللہ (تحقیق میں اللہ ہوں) اب جو شخص درخت کو حق سمجھے کافر ہے اور جو شخص یہ کہے کہ یہ بات اللہ تعالےٰ نے نہیں کہی. وہ بھی کافر ہے. پس تجلی صُوری کے متعلق یہی اعتقاد رکھنا چاہیئے. اس روز علی دوسی موجود تھے. حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس سال مجھے علی دوسی کی ایک بات بہت پسند آئی ہے. جو درویشوں کے ایمان تازہ کرنے کیلئے بیان کی جاتی ہے. اس سال حق تعالےٰ نے اس پر ایک مرتبہ کل موجودات کی صورت میں تجلّی فرمائی، جس پر انہوں نے اس تجلی کی لفظی صورت کو اپنے الفاظ میں حق تعالیٰ کی تنزیہہ اور حمد کے طور پر بیان کیا. حق تعالیٰ نے ان سے پوچھا کیا تو نے مجھے دیکھا ہے انہوں نے کہا نہیں. حق تعالےٰ نے فرمایا، یہ جو کچھ تم نے دیکھا کیا تھا. انہوں نے جواب دیا کہ یہ تیرے صفات کے آثار وافعال تھے. لیکن تو اس سے منزہ اور پاک ہے. حق تعالےٰ نے اسکی تعریف کی. اسکی اس بات کو پسند فرمایا.

آپ کے ایک اور خلیفہ شیخ عبداللہ غرجستانی تھے. جنکے والد خورد سالی میں فوت ہوگئے تھے اور انکی والدہ نے دوسری شادی کرلی تھی. چنانچہ گھر سے بھاگ کر انہوں نے درویشوں کی صحبت اختیار کرلی اور اُن کے ساتھ حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے. جب شیخ کی نظر ان پر پڑی تو نورِ فراست سے اُن کے قلب کی حالت دیکھ کر اپنے پاس رکھ لیا. یہ دیکھ کر دوسرے درویش خفا ہوئے اور حاکمِ وقت کے پاس جاکر شکایت کی چونکہ حضرت شیخ کو سب جانتے تھے. اسلئے اُن کا داویلا سودمند ثابت نہ ہوا. اس کے بعد آپ اُن کی تربیت میں مشغول ہوگئے. آپ کی نظرِ کرم سے بلند مقامات پر فائز ہوئے. حضرت شیخ اُن سے جس قدر محبت کرتے تھے کسی دوسرے سے نہیں کرتے تھے. تکمیل کے بعد شیخ نے انکو طوس بھیج دیا. جہاں وہ مریدین کی تربیت میں مشغول ہوگئے.

آپ کے خلفاء میں ایک شیخ شرف الدین محمود بن عبداللہ مفرد قامی تھے. جو کمالات

ظاہری و باطنی میں ممتاز تھے۔ میر سید علی بن شہاب الدین ہمدانی اُن کے مرید ہیں۔ انہوں نے شیخ تقی الدین علی دوسی سے بھی تربیت حاصل کی ہے۔ میر سید علی ہمدانیؒ کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔ میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے بھی خورد سالی میں حضرت شیخ سے تربیت حاصل کی تھی چنانچہ لطائف اشرفی اور دوسری کتابوں میں انہوں نے اسکا ذکر کیا ہے۔ حضرت شیخ کے دوسرے مریدین کا ذکر سلوک کی اکثر کتابوں میں آچکا ہے۔ طوالت کے خوف سے یہاں سب کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ شیخ رکن الدین علاء الدولہ احمد سمنانی بن ملک شرف الدین ماہ ذی الحجہ ۶۵۹ھ میں ہلاکو خان کے عہد میں پیدا ہوئے اور ستتر (۷۷) سال قید حیات میں رہ کر اکیس ماہ رجب ۷۳۶ھ کو سلطان ابو سعید بہادر خان بن سلطان محمد خدابندہ بن ارغون خان بن القاخان بن ہلاکو خان کے عہد میں انتقال کیا اور قطب الزمان عماد الدین عبد الوہاب کے احاطہ میں دفن ہوئے۔ سلطان ابو سعید مذکور سلطان محمد تغلق کا ہم عصر تھا۔

حضرت شیخ صفی الدین ابوالفتح اسحاق قدس سرہٗ

آں سر حلقۂ ارباب ہدایت، آں کاشف اسرار ولایت، آں عارف باستحقاق، مقتدائے حضرت شیخ صفی الدین ابوالفتح اسحاق قدس سرہٗ آپ کو اہل عراق و خراسان شیخ صفی الدین اردبیلی کہتے ہیں، آپ کا مزار بھی اردبیل میں ہے۔ آپ بڑے بزرگ مقبول درویش تھے۔ مریدین کی تربیت میں آپ مہارتِ تامہ رکھتے تھے، آپ شیخ زاہد گیلانیؒ کے مرید تھے۔ جو سید جمال الدین تبریزیؒ کے مرید تھے۔ وہ شیخ شہاب الدین اہریؒ کے وہ شیخ رکن الدین سنجابیؒ کے وہ شیخ قطب الدین اہریؒ کے وہ شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ کے تا آخر سلسلہ۔ اکثر مورخین آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ تک ملاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ شیخ صفی الدینؒ اپنی والدہ کے ذریعہ مرید ہوئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آپ کے ایک خلیفہ نے آپ کے ملفوظات جمع کئے ہیں اور اکثر احوال و کرامات و کلمات حقائق و معارف جو آپ کی زبان سے نکلے مفصل بیان کئے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ

شیخ صفی الدینؒ کی والدہ بڑی عابدہ وزاہدہ تھیں، آپ جو خواب دیکھتے تھے۔ والدہ سے بیان کرتے تھے اور وہ تعبیر بتاتی تھیں۔ ایک دن آپ نے ایک خواب دیکھا۔ جب والدہ سے تعبیر دریافت کی تو انہوں نے کہا۔ اسکی تعبیر مرشد کامل کے پاس ہے۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ آپ نے کہا۔ مرشد کامل کہاں ہے۔ انہوں نے کہا تلاش کرنا چاہیئے پس والدہ سے اجازت لے کر آپ تلاش شیخ میں گھر سے نکلے اور بارہ سال تک سرگردان پھرتے رہے۔ جہاں کسی بزرگ کی خبر سنتے حاضر ہوتے تھے۔ لیکن چونکہ آپ کا حصہ کسی اور کے پاس تھا کسی جگہ آپ مطمئن نہ ہوئے۔ کسی نے آپ سے یہ کہا کہ تمہارا مقصود شیخ زاہد گیلانی کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ آپ گیلان گئے اور پہلی ہی مجلس میں شیخ نے آپ کے خواب کی تعبیر بیان کردی۔ اب شیخ صفی الدینؒ کو اپنی والدہ کی بات یاد آئی۔ اور سمجھ گئے کہ شیخ زاہد گیلانی ہی مرشد کامل ہیں پس آپ فوراً مرید ہو گئے۔ شیخ نے آپ کو ایندھن فراہم کرنے کی خدمت سپرد کی۔ آپ کئی سال یہ خدمت انجام دیتے رہے ایک رات شیخ زاہد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے فرزند کو تم نے ایندھن پر لگایا ہے اور انکی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی انہوں نے شیخ صفی الدینؒ کو بلا کر خرقۂ خلافت عطا کیا۔ بے حد نوازش کی اور اپنی لڑکی ان کے عقد میں دیدی۔ اس کے بعد مشائخ سہروردیہ کا خلافت نامہ لکھ کر انکو دیا اور شہر اردبیل کی طرف روانہ کیا۔ جو آپ کا اصلی وطن ہے۔ اردبیل پہنچکر آپ مسندِ ارشاد پر بیٹھ گئے اور خلقت آپ کے گرد جمع ہونے لگی۔ بے شمار لوگ آپ کے مرید ہو گئے۔ جن میں سے کافی مرتبہ تکمیل کو پہنچے۔ آپ کے کمالات کا عراق اور خراسان میں بہت شہرہ ہے۔ آپ حضرت شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ کے ہم عصر تھے۔ چنانچہ چہل مجالس میں لکھا ہے کہ ایک دن ایک درویش نے شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ سے کہا کہ اردبیل میں ایک بزرگ ہیں۔ جنکا نام شیخ صفی الدینؒ ہے جو ہر وقت طالبین کی تربیت میں مشغول رہتے ہیں۔ انکو اپنے مریدین کی کثرت پر ناز ہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی بزرگ نہیں ہے اور سب کو ہمارے پاس آنا چاہیئے۔

شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ نے فرمایا کہ آجکل کا زمانہ بھی عجیب زمانہ ہے۔ میں ہمیشہ اُنکے متعلق دریافت کرتا رہتا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنے مریدین کو لقمۂ حلال کا حکم دیتے ہیں اور ذکرِ حق تعالیٰ میں مشغول کرتے ہیں۔ سب مجھے یہ دونوں باتیں پسند ہیں۔ دنیا میں اُن کی طرح ہزاروں بزرگ ہیں جو لوگوں کو حرام کھانے سے منع کرتے ہیں اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھتے ہیں۔ بہرحال ممکن ہے سلوک طے کراتے ہیں یا نہیں کراتے۔ یہ با... تو ضرور ہے کہ لوگ اُن سے منفعت حاصل کر رہے ہیں اور انکی برکت سے بہت سے مفسدین راہِ راست پر آرہے ہیں۔ شیخ صفی الدینؒ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ایک دن ایک چور نے آکر آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور مرید ہوا۔ آپ نے اپنا خرقہ اُسے پہنایا اور از روئے غیرت فرمایا کہ ہوشیار رہنا۔ میرا خرقہ یا سر لیتا ہے یا سر بلند کرتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد بشریت نے غلبہ کیا اور رات کے وقت وہ پھر چوری کے لئے نکلا۔ وہ خرقہ بھی زیبِ تن تھا۔ کسی پہاڑ پر جارہا تھا۔ وہاں سے ایسا گرا کہ ایک درخت میں اٹک گیا اور اُسی جگہ ملک الموت کو جان دیدی۔

ملفوظات میں یہ بھی لکھا ہے کہ علاقہ ختلان میں حضرت شیخ کا ایک مرید رہتا تھا جو بڑا صاحبِ حال تھا۔ جب سماع سنتا تھا تو پانچ چھ دن بے خود رہتا تھا۔ ایک دفعہ شیخ کی خدمت میں آیا ہوا تھا۔ اُس نے شیخ سے بے باکانہ کلام کیا اور شیخ کے مصلیٰ پر قدم رکھدیا۔ شیخ نے غصہ میں آکر فرمایا کہ سنگسار ہوگا۔ جب وہ ختلان واپس گیا تو اس کی حالت دگرگون ہوگئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اُسے سنگسار کردیا گیا۔

ملفوظات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مرید حضرت شیخ کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ راستے میں اسقدر برف باری ہوئی کہ وہ برف کے نیچے دب گیا۔ ذرا سی جان باقی تھی کہ حضرت شیخ کا تصور کیا۔ شیخ فوراً گھوڑے پر سوار ہوکر وہاں پہنچے اور اسکا ہاتھ پکڑ کر باہر نکالا۔ جب اس نے آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو اردبیل میں پایا اور جاکر حضرت شیخ کی قدم بوسی کی۔ شیخ صفی الدینؒ نماز فجر کے بعد دوشنبہ کے دن بارہ محرم ۷۳۵ھ کو سلطان ابوسعید کے عہدِ حکومت میں فوت ہوئے اور اردبیل میں دفن ہوئے۔ اردبیل

آذربائیجان میں ہے۔ آپ کی قبر قبلۂ حاجات خلق ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

آپ کی وفات کے بعد آپ کے لڑکے شیخ موسیٰ مسند نشین ہوئے۔ وہ بھی تمام ظاہری و باطنی کمالات سے مزین تھے۔ انہوں نے اپنے والد کے قدم بقدم سلوک طے کیا۔ امیر تیمور صاحب قران آنکی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور فتح روم کی بشارت پائی۔ بعض لوگ جو علم تاریخ سے واقف نہیں ہیں، کہتے ہیں کہ امیر تیمور شیخ صفی الدینؒ کی زیارت کے لئے گیا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ امیر تیمور شیخ صفی الدین اردبیلی کی وفات کے ایک سال بعد ۷۳۶ھ میں پیدا ہوا تھا۔ تاریخ عباسی میں لکھا ہے کہ امیر تیمور نے حضرت خواجہ علی بن شیخ صدرالدین کی زیارت کی اور انکے ہاتھ پر بیعت بھی کی لیکن یہ روایت بہت ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ امر تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ امیر تیمور حضرت شیخ زین الدین ابوبکر تابیادیؒ کا مرید تھا اور اکثر امیر برکہؒ کی صحبت میں رہتا تھا۔ امیر تیمور نے پیر برکہؒ سے بہت فوائد طریقت حاصل کئے۔ لیکن شیخ صدرالدین کا بھی معتقد تھا اور ترکمان قوم جسے روم سے قید کر کے لایا تھا۔ ان کی سفارش سے رہا ہوئی۔ وہ لوگ شیخ صدرالدینؒ کے مرید ہو کر اسی جگہ مقیم ہو گئے۔

غرضیکہ شیخ صدرالدین بن شیخ صفی الدین نے جو بی بی فاطمہ بنت شیخ زاہد گیلانیؒ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ تقریباً نوے سال عمر پائی اور امیر تیمور کے عہد میں فوت ہو کر اردبیل میں اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند شیخ خواجہ علی بن شیخ صدرالدین مسند نشین ہوئے اور مریدین کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد زیارت حرمین شریفین کو گئے اور واپسی پر یکم ماہ ربیع الاول ۸۳۲ھ کو بیت المقدس میں فوت ہو گئے اور اسی جگہ دفن ہوئے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند شیخ ابراہیمؒ مسند نشین ہوئے اور ۸۵۱ھ میں اردبیل میں فوت ہوئے۔

اُن کے بعد اُنکے فرزند شیخ جنید بن شیخ ابراہیم مسند پر بیٹھے۔ لیکن خادموں کے ساتھ شاہانہ طریق پر پیش آتے تھے۔ چنانچہ اپنے چچا شیخ جعفر کی عداوت اور آذربائیجان

کے بادشاہ جہان شاہ نامی کے وہم کی وجہ سے آپ دیار بکر چلے گئے۔ دیار بکر کے والی داؤ زون حسن نے بادشاہ جہان شاہ کی رقابت کی وجہ سے اپنی بہن خدیجہ بیگم کا نکاح اُن کے ساتھ کر دیا اور ان کے بطن سے سلطان حیدر پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد شیخ جنید سلطان خلیل والیٔ ولایت شیروان کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور سلطان حیدر اپنے والد کی مسند پر بیٹھے۔ اس اثناء میں داؤ زون حسن جہان شاہ کو قتل کر کے آذر بائیجان اور عراق کا بادشاہ ہو گیا۔ اس سلسلہ میں عقیدت مندی کی وجہ سے اس نے اپنی لڑکی شاہ بیگم کا عقدِ نکاح سلطان حیدر کے ساتھ کر دیا۔ اُن کے بطن سے شاہ اسمٰعیل پیدا ہوئے۔ سلطان حیدر نے اپنے والد کا انتقام لینے کی خاطر تمام مریدین اور عقیدت مندوں کو جمع کر کے شیروان پر حملہ کر دیا۔ سلطان خلیل کا لڑکا خسرو یسار بہت بڑی فوج لے کر میدان میں آ گیا۔ دورانِ جنگ میں سلطان حیدر کے ایک تیر لگا جس سے وہ ۸۹۳ھ میں فوت ہو گئے۔ شاہ اسماعیل بن سلطان حیدر اپنے والد کے مسند پر بیٹھے اور سولہ سال کی عمر میں ۱۵ محرم ۸۹۵ھ میں اپنے والد کی وراثت چھوڑ کر والدہ کے ملک میں چلے گئے اور مشیخیت کا سلسلہ چھوڑ کر بادشاہ عالم گیر بن گئے۔ اور عراق، خراسان اور آذر بائیجان وغیرہ کے علاقے فتح کر لئے۔ اس کے بعد بادشاہِ روم پر غالب آ کر بغداد بھی فتح کر لیا۔ ان سے بعض ایسی کرامات اور خوارق عادت ظہور میں آئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ سلطان محمد خدابندہ بن ارغون خان نے خواجہ نصیر طوسی کے ذریعہ شیخ صفی الدین اردبیلی اور شیخ علاء الدولہ سمنانی کے وقت میں مذہب امامیہ اختیار کر لیا تھا۔ شاہ اسماعیل نے ۹۰۶ھ میں از سر نو مذہب امامیہ کو رائج کیا۔ لیکن چونکہ اُن کے اجداد صوفی تھے۔ اسلئے لوگوں کے تقاضے کی بنا پر انہوں نے اس مذہب میں کچھ رد و بدل شروع کیا۔ لیکن لوگ اِن کے مخالف ہو گئے۔ شاہ اسماعیل نے ۱۹ رجب ۹۳۰ھ میں وفات پائی اور اردبیل میں دفن ہوئے۔

ان کے تین لڑکے تھے۔ ۱۔ شاہ طہماسپ۔ ۲۔ مرزا بہرام۔ ۳۔ مرزا سام شاہ اسماعیل کی وفات کے بعد شاہ طہماسپ تخت نشین ہوئے۔ "بندہ شاہ ولایت

طہماسپ "اُن کی تاریخ تخت نشینی اور مہر کا نشان ہے۔ وہ بڑے عالی قدر اور رعایا پرور
بادشاہ تھے۔ اس وقت کے سب بادشاہ اُن کا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ ہمایوں
بادشاہ بن بابر بادشاہ شیر شاہ افغان کے ساتھ جنگ کے دوران میں شاہ طہماسپ کے
ہاں پناہ گزین ہوئے۔ شاہ طہماسپ ۱۵ صفر ۹۸۴ھ میں فوت ہوئے اور انکی جگہ اُن
کا لڑکا شاہ اسماعیل ثانی تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کو تہ تیغ
کر کے کل اٹھارہ ماہ سلطنت کی اور چالیس سال کی عمر میں ماہِ رمضان ۹۸۵ھ میں فوت
ہو گیا۔ اس کے بعد اسکا بھائی شاہ سلطان محمد تخت پر بیٹھا۔ لیکن بھائیوں اور امراء کی شرارت
سے ایک دن بھی چین سے نہ بیٹھ سکا۔ آخر تنگ آ کر اُس نے تاج و تخت اپنے
بیٹے عباس مرزا کے حوالے کیا۔ شاہ عباس کی عمر اگرچہ بارہ سال تھی، لیکن اس نے
محنت کر کے سلطنت کو درست کیا، اور ماوراء النہر کے سلاطین سے جنگ کر کے سلطنت
بڑھائی۔ نیز اس نے مذہبی تعصب کو دُور کر کے عدل و انصاف سے کام لیا۔ جس
کی وجہ سے اس کی شہرت ہو گئی اور مختلف ممالک کے سوداگر آنے لگے۔ شاہانِ
ہند بھی اُن سے محبت سے پیش آتے تھے۔ آخر اس نے ۱۰۳۸ھ میں وفات پائی
اور اردبیل میں دفن ہوئے۔ اسکی اولاد آج تک خراسان و عراق میں حکمران ہے۔ اور
اس وقت یعنی ۱۰۵۰ھ میں میر سید صفی بن شاہ صفی بن شاہ عباس بن سلطان محمد
بن شاہ طہماسپ بن شاہ اسماعیل عراق و خراسان میں بادشاہی کر رہا ہے۔ کہتے
ہیں کہ عدالت میں اپنے اجداد کی طرح ہے۔ اس کے دو لڑکے مرزا مظفر اور مرزا رستم
اپنے دشمنوں کے خلاف امداد طلب کرنے کے لیے جلال الدین اکبر بادشاہ ہندوستان
کے پاس آئے۔ اکبر اُن کے حسب و نسب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت عزت
سے پیش آیا اور دونوں کو پنج ہزاری کا منصب عطا کر کے جاگیریں دیں اور ہندوستان
میں ٹھہرا لیا۔ اُن کی اولاد کی آج تک شاہانِ ہند عزت کرتے ہیں۔ خصوصاً مرزا مراد کام بن
مرزا مراد اپنی قابلیت کی وجہ سے سب سے زیادہ ممتاز اور شاہانِ وقت کے
مقرب تھے۔ پانچ ہزاری منصب پر فائز ہونے کے علاوہ مکرم خانی خطاب رکھتے تھے

اور صاحب علم و نقارہ بھی تھے۔ بہت فقیر دوست اور خوش خلق آدمی تھے اس وقت اُن کا انتقال ہوگیا ہے اور مرزا رستم بن مرزا اکرم خان اپنے باپ کا قائم مقام ہی۔ اور تمام اوصاف حمیدہ سے آراستہ ہے۔

حضرت خواجہ بابا سماسی قدس سرہٗ

آں پیشوائے اکابر روزگار آں سر حلقۂ عارفاں صاحب اسرار آں ممتاز بحق شناسی مقتدائے وقت خواجہ بابا سماسی قدس سرہٗ۔ آپ کا شمار کاملانِ وقت اور اہل تمکین میں ہوتا ہے۔ آپ کشف دقائق اور تربیت مریدین میں بے نظیر تھے۔ آپ خواجہ علی رامیتنیؒ کے اصحاب کبار میں سے تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ آپ کے نام پر لکھا جاتا ہے (یعنی سلسلۂ نقشبندیہ سماسیہ) آپ کے حالات مجملاً پندھویں طبقہ میں حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے ذکر کے تحت لکھے جا چکے ہیں۔ صاحب رشحات لکھتے ہیں کہ خواجہ محمد بابا سماسیؒ، حضرت خواجہ عبدالخالقؒ کے اکمل و افضل اصحاب میں سے ہیں۔ آپ کی جائے پیدائش قصبۂ سماسی ہے۔ جو رامتین کے دیہات میں سے ایک دیہہ ہے۔ آپ کا مزار مبارک بھی اسی جگہ ہے۔ جب حضرت خواجہ عزیزاں کی وفات کا وقت قریب آیا تو خواجہ محمد بابا سماسیؒ کو آپ نے اختیار دیا کہ آپ کی نیابت میں مستحق مریدین کو خلافت تفویض کریں۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ کو آپ نے اپنی فرزندی کا شرف بخشا تھا حضرت خواجہ نقشبندؒ کی ولادت سے پہلے جب کبھی ہندوان کے محلے سے گزرتے تو فرماتے تھے کہ مجھے اس جگہ سے مرد کی بُو آتی ہے۔ ایک دن یہ ہندوؤں کا محلہ عارفوں کی خانقاہ بن جائیگا۔ ایک دفعہ جب وہاں سے گزرے تو فرمایا کہ اب وہ خوشبو زیادہ ہوگئی ہے۔ شاید وہ مرد پیدا ہوگیا ہے۔ تین دن کے تھے کہ اُنکے دادا اُنکو خواجہ محمد بابا کی خدمت میں لائے۔ آپ نے فرمایا یہ میرا فرزند ہے اور میں نے اسے اپنی فرزندی میں قبول کیا ہے۔ اپنے اصحاب کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ یہ وہی مرد ہے۔ جس کی خوشبو مجھے آتی تھی۔ ایک دن یہ مقتدائے روزگار ہوگا۔ پس آپ نے امیر کلال جو آپ کے بزرگ ترین خلیفہ تھے۔

سے فرمایا کہ میرے فرزند بہاؤالدین کی تربیت میں کوتاہی نہ کرنا۔ انہوں نے کھڑے ہوکر سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا کہ اگر میں نے کوتاہی کی تو مرد نہ ہوں گا۔ یہ پورا واقعہ یعنی امیر کلال کی تربیت اور خواجہ محمدؒ بابا کی نوازشات کا مفصل حال مقامات میں درج ہے۔ وہاں مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ خواجہ محمد بابا پر اکثر غلبہ استغراق رہتا تھا۔ قصبۂ سماسی میں آپ کا ایک چھوٹا سا باغ تھا۔ کبھی کبھی آپ اس باغ سے ٹہنیاں کاٹتے تھے اور اس کام میں بہت دیر لگ جاتی تھی کیونکہ غلبۂ استغراق کی وجہ سے کلہاڑی آپ کے ہاتھ سے گر جاتی تھی اور آپ کافی دیر تک خاموش کھڑے رہتے تھے۔

خواجہ محمد بابا سماسیؒ کے چار خلفاء تھے۔ جو سب کے سب کامل و اکمل تھے۔ اوّل: صوفی سوخاریؒ قدس سرہٗ موضع سوخار بخارا سے دو کوس دور ہے بڑے بابرکت مرد اور صاحبِ ارشاد بزرگ تھے۔ دوم: آپ کے فرزند خواجہ محمد سماسیؒ جو سب سے زیادہ مقرب تھے۔ سوم: مولانا کلال قدس سرہٗ جو آپ کے اکابر اصحاب میں سے تھے۔ صاحب رشحات فرماتے ہیں کہ آپ خواجہ محمد بابا کے افضل و اکمل خلیفہ تھے۔ آپ سید تھے۔ آپ کا مدفن موضع سوخاری ہے۔ آپ درس گری کا کام کرتے تھے۔ بخارا کی زبان میں درس گر کو کلال کہتے ہیں۔ مقامات میں لکھا ہے کہ

حضرت سید امیر کلال قدس سرہٗ کی والدہ فرماتی تھیں کہ جب وہ میرے بطن میں تھے تو جب میں لقمۂ شبہ (جس کے حلال ہونے میں شک ہو) منہ میں ڈالتی تھی۔ تو پیٹ میں سخت درد ہوتا تھا۔ جب یہ واقعہ کئی بار ہوا تو میں سمجھ گئی کہ اس بچے کی وجہ سے ہے۔ اس کے بعد میں نے احتیاط سے کام لیا۔ جب امیر سید کلال جوان ہوئے تو کشتی کرنے لگے اور لوگ ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ ایک دن حضرت خواجہ محمد باباؒ کا وہاں سے گزر ہوا، اور تھوڑی دیر کیلئے ٹھہر کر کشتی دیکھنے لگے۔ بعض لوگوں کے دل میں خیال ہوا کہ کیا وجہ ہے کہ حضرت شیخ اس بدعت کو دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے فراستِ باطن سے معلوم کر کے فرمایا کہ اس ہنگامے میں ایک مرد ہے۔ جس کی صحبت میں پہنچ کر بہت لوگ صاحبِ کمال ہوں گے۔ ہماری نظر اس پر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ

اُسے شکار کریں۔ اس اثناء میں امیر سید کلال کی نظر حضرت خواجہ پر پڑی۔ جسکا اثر یہ ہوا کہ جونہی حضرت خواجہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ امیر سید کلال بھی پیچھے ہوئے۔ جب خواجہؒ اپنے گھر پہنچے تو امیر کو بلا لیا اور راہ طریقت میں ڈال کر اپنا فرزند بنا لیا۔ اس کے بعد کسی نے امیر کو اکھاڑے میں نہ دیکھا۔ آپ بیس سال تک حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ کی خدمت میں رہے۔ ہفتے میں دو دفعہ آپ سوخاری سے سماسی جاتے تھے سوخاری اور سماسی کے درمیان پانچ کوس کا فاصلہ ہے۔ اس مدت میں آپ خواجگان کے طریق پر گامزن رہے۔ لیکن کسی شخص کو اپنے حال سے آگاہ نہ ہونے دیا۔ حتیٰ کہ آپ خواجہ کی تربیت سے مرتبۂ کمال کو پہنچ گئے اور بہت لوگ آپ کے ہاں تربیت حاصل کر کے فیض یاب ہوئے۔ کہتے ہیں، چودہ بزرگوں نے آپ سے خلافت حاصل کی۔ اُن میں سے چار اکابر خلفاء تھے۔ آپ کے لڑکے بھی چار تھے اور ہر لڑکے کو تربیت کی خاطر ایک ایک خلیفہ کے سپرد کر دیا تھا۔

پہلے خلیفہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند تھے۔ آپ نے اپنے بڑے لڑکے سید برہان الدین کو اُن کے سپرد کیا۔ صاحبِ رشحات کہتے ہیں کہ ایک دن آپ نے خواجہ بہاؤالدینؒ سے فرمایا جب ایک استاد کسی شاگرد کی تربیت کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنی تربیت کے اثر کا شاگرد میں مشاہدہ کرے تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ اُس کی تربیت کارگر ثابت ہوئی ہے اور شاگرد کے اندر کوئی خلل دیکھے تو اس کی اصلاح کرے فرمایا میرا لڑکا امیر برہان حاضر ہے آج تک کسی نے اس کی روحانی تربیت نہیں کی۔ میرے سامنے اس کی تربیت کرو تاکہ میں اس کے اثر کا مشاہدہ کروں اور مجھے تمہارے کمالات کا یقین ہو جائے۔ خواجہ بہاؤالدینؒ مراقب بیٹھے تھے اور حضرت امیر کی طرف متوجہ تھے۔ اس لئے آپ ادباً خاموش رہے۔ حضرت امیر نے فرمایا۔ خاموش مت بیٹھو۔ اس کے بعد خواجہ بہاؤالدینؒ امیر برہان کے باطن کی طرف متوجہ ہوئے، تو توجہ کے اثرات فوراً امیر برہان کے ظاہر و باطن میں نمودار ہو گئے۔ آپ کی حالت میں عظیم الشان تبدیلی واقع ہوئی۔ اُن پر حالت سکر حقیقی طاری ہو گئی۔ یہی وجہ ہے۔ امیر برہان الدینؒ

کا مقام سکر اور جذبِ عظیم تھا۔آپ کا طریق ترک اور خلق سے انقطاع تھا۔آپ کے کمالات اس سلسلہ کی کتابوں میں مفصل درج ہیں۔

امیر سید کلالؒ کے دوسرے خلیفہ مولنا عارف آپ کا مولد اور مدفن موضع گر ... ہے۔جو قصبۂ ہزارہ کے قریب دریائے گوہک کے کنارے واقع ہے اور شہر بخارا سے نوکوس دُور ہے۔امیر کلال اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے اصحاب میں خواجہ بہاؤالدین اور مولانا عارف ... ریوگری کے مثل کوئی نہیں ہے۔آپ خواجہ بہاؤالدینؒ سے کئی سال پہلے مرید ہوئے۔خواجہ بہاؤالدینؒ خلافت حاصل کرنے کے بعد چند سال مولانا عارفؒ کی خدمت میں رہے۔اسکا حال رشحات میں مفصل درج ہے۔

مولانا عارفؒ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی تدبیر کی بندش میں ہے اسکا مقام دوزخ ہے اور جو شخص حق تعالیٰ کی تقدیر کی بندش میں ہے،اسکا مقام بہشت ہے آپ کے کمالات کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امیر کلالؒ نے اپنے دوسرے لڑکے امیر حمزہؒ کو مولانا کی تربیت میں دیدیا۔امیر حمزہؒ آپ کی صحبت میں مرتبۂ کمال پر پہنچے۔چنانچہ اپنے والد بزرگ کی وفات کے بعد انکی مسند پر بیٹھے اور انکے فیض صحبت سے ایک جہان مستفیض ہوا اور اکثر صاحبِ کمال ہوئے۔چنانچہ رشحات میں آپ کا اور آپ کے خلفاء کا مفصل ذکر آیا ہے۔اس کمال کے باوجود امیر حمزہؒ کا مشغلہ شکار تھا اور یہی آپ کی وجہ معاش تھی۔

امیر سید کلالؒ کے تیسرے خلیفہ حضرت خواجہ کن سردنیؒ ہیں۔کن سردن بخارا کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے۔امیر کلال نے اپنے تیسرے لڑکے امیر شاہ کو آپ کے حوالہ کیا اور آپ کی تربیت سے امیر شاہ درجہ کمال کو پہنچے۔امیر شاہ صحرا سے نمک اکٹھا کر کے شہر لے جاتے تھے اور بسر اوقات کرتے تھے۔

امیر کلالؒ کے چوتھے خلیفہ شیخ جمال الدینؒ دہستانی ہیں اور آپ نے اپنے چھوٹے لڑکے امیر عمر کو ان کے حوالہ کیا تھا۔امیر عمر شیخ جمال الدینؒ کی تربیت سے بلند مقامات

پر پہنچے۔ آپ بڑے صاحبِ کرامت تھے۔ جس کا مفصل ذکر رشحات میں موجود ہے امیر سید کلالؒ نے ممالک شرق و غرب کی سلطنت کی خوشخبری امیر تیمور صاحب قران کو دی تھی لیکن امیر تیمور کی سلطنت کے ابتدائی زمانے میں ہی یعنی ۷۷۲ھ میں آپ کا وصال ہو گیا رحمۃ اللہ

حضرۃ خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ

آں سر حلقۂ عارفانِ صاحبِ احوال، آں غریقِ مشاہدۂ ذوالجلال، آں باتفاق ہادی حق پسند قطب الاولیا خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ آپ کا اسم گرامی محمد بن محمد البخاری ہے۔ آپ کا شمار اکابر اولیاء کرام میں ہوتا ہے۔ آپ بڑے بلند ہمت اور عالی شان بزرگ تھے اور نفس قاطع رکھتے تھے (یعنی بڑے صاحبِ تصرف تھے)

تھوڑی سی توجہ سے ساکنانِ سفل کو مقامات علوی پر پہنچا دیتے تھے جس قدر ریاضات و مجاہدات، توکل اور تجرید آپ عمل میں لائے۔ کسی بزرگ سے کم سننے میں آئے ہیں۔ صاحبِ نفحات الانس لکھتے ہیں کہ اگرچہ آپ کو خواجہ محمدؒ بابا سماسیؒ نے اپنی فرزندی میں قبول فرمایا تھا اور میر سید کلالؒ نے آپ کی تربیت فرمائی تھی، لیکن سب سے زیادہ فیض آپ کو حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ کی روحانیت پاک سے ہوا، چنانچہ نفحات میں مفصل لکھا ہے کہ خواجہ عبدالخالقؒ نے ذکر خفی اور حقائق سلوک کی تعلیم کے علاوہ آپ کو وصیت فرمائی کہ متابعت سنت میں کمربستہ رہیں اور ہر حال میں عمل بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل کریں اور احادیث نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کو ہمیشہ اپنا لائحہ عمل سمجھیں۔ غرضیکہ مقامات میں خواجہ نقشبندؒ کی ولادت سے لے کر وفات تک مفصل حالات درج ہیں۔ اس میں کچھ یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

آپ کی عمر چار سال تھی کہ آپ سے خوارق عادت کا ظہور ہونے لگا۔ (یعنی کرامات ظاہر ہونے لگیں) اُن ہی ایام میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت حکیم آتا جو ترک مشائخ میں سے تھے آپ کو درویشی کی تلقین کر رہے ہیں۔ بیدار ہونے کے بعد اس

درویش کی شکل آپ کے سامنے تھی۔ ایک دن بخارا کے بازار میں اُن سے ملاقات ہوگئی آپ نے انکو پہچان لیا۔ لیکن صحبت میسر نہ آئی۔ جب گھر گئے تورات کو ایک قاصد نے آکر کہا کہ وہ خلیل نامی درویش آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ آپ فوراً اُن کے پاس پہنچے اور اپنا خواب بیان کرنا چاہتے تھے کہ انہوں نے ترکی زبان میں فرمایا کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے۔ مجھے معلوم ہے۔ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس بات سے میرے اندر عجیب کیفیت پیدا ہوئی اور میرے دل میں اُن کے ساتھ قوی محبت پیدا ہو گئی۔ نیز آپ کی صحبت سے عجیب وغریب چیزیں مشاہدہ میں آنے لگیں۔ میں چھ سال اُن کی خدمت میں رہا۔

اس کے بعد وہ ملکِ ماوراالنہر کے بادشاہ ہو گئے اور لوگ انکو سلطان خلیل کہنے لگے اور اس حالت میں بھی اُن کی خدمت کرتا رہا اور ایام بادشاہی میں بھی ان سے عجیب وغریب حالات مشاہدہ میں آتے رہے۔ آپ میرے ساتھ نہایت لُطف وکرم سے پیش آتے تھے اور آدابِ صحبت تعلیم کرتے تھے۔ جس سے مجھے بے حد فائدہ ہوا اور سیر وسلوک میں بہت اضافہ ہوا چنانچہ چھ سال مزید میں نے اُن کی خدمت میں بسر کئے اور آدابِ سلطنت بجالاتا رہا۔ خلوت میں میں اُنکا محرم راز تھا۔ وہ خواص کے سامنے فرمایا کرتے تھے۔ جو شخص رضائے حق کے لئے میری خدمت کرتا ہے۔ خلق کے نزدیک عزت حاصل کرتا ہے۔ مجھے معلوم تھا اس سے ان کی مراد کیا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد انکی مجازی سلطنت میں زوال آگیا اور آناً فاناً ان کا جاہ وحشم رخصت ہوگیا۔ یہ دیکھ کر دنیا کے متعلق میرا دل بالکل سرد ہوگیا۔ پس میں بخارا چلا گیا اور وہاں ایک گاؤں میں سکونت اختیار کر لی۔ جس کا نام انور تون تھا۔

غرضیکہ جب آپ سلطان خلیل سے جدا ہوئے تو خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرُّہٗ نے عالم معاملہ میں آپ کو ذکر خفی کی تعلیم دینا شروع کی۔ چونکہ خواجہ محمد بابا سماسیؒ نے آپ کی تربیت کا کام میر سید کلال کے سپرد کیا تھا۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بھی ذکر خفی کی تعلیم دی۔ اس کے ساتھ آپ ذکر جہری بھی کرتے تھے۔ خواجہ محمود ابجر فغنویؒ

سے کے زمانے سے لے کر امیر سید کلال تک ذکرِ جہری کا رواج تھا۔ لیکن خواجہ نقشبندؒ کے زمانے میں ذکرِ خفی شروع ہو گیا۔ آپ نے کئی برس امیر سید کلال کی خدمت میں رہ کر سلوک کی تکمیل کی۔

ایک دن امیر کلالؒ نے اصحاب کے مجمع میں آپ کو مخاطب کر کے فرمایا، کہ خواجہ محمد باباؒ نے تمہارے حق میں جو وصیت کی تھی، میں نے پوری کر دی ہے۔ اب تمہاری روحانیت کا طائر بیضۂ بشریت سے باہر آچکا ہے۔ لیکن تمہاری ہمت کا طائر بھی بلند پرواز ہے۔ اب تمہیں اجازت ہے۔ ترک و تاجیک میں جہاں جاؤ طلبِ حق سے دریغ نہ کرنا۔ اس کے بعد خواجہ امیر کلال سے نعمت و خلافت لے کر رخصت ہوئے اور حضرت قثم شیخ کی خدمت میں گئے۔ شیخ قثم حضرت خواجہ احمد یسویؒ کے سلسلہ کے ایک ترک بزرگ تھے۔ آپ دو تین ماہ انکی خدمت میں رہے اور فیوض حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد قثم شیخ نے بھی خلافت عطا کی اور فرمایا میرے نو لڑکے ہیں، تم بھی میرے لڑکے ہو، لیکن تم اُن سب پر مقدم ہو۔ خواجہ نقشبند اپنے مقامات میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ابتدائے سلوک میں مجھے حق تعالےٰ کے ایک دوست سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے فرمایا تم اللہ کے دوست معلوم ہوتے ہو۔ میں نے عرض کیا، میری آرزو یہی ہے کہ اولیاء کرام کی نظرِ شفقت سے دوست بن جاؤں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تمہاری وجہ معاش کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ کچھ مل جائے تو شکر کرتا ہوں، نہیں ملتا تو صبر کرتا ہوں۔

انہوں نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا یہ تو آسان کام ہے۔ اصل کام یہ ہے کہ تمہارا نفس اس قدر رام ہو جائے کہ اگر ایک ہفتہ کچھ نہ ملے تو سرکشی نہ کرے۔ میں نے بعد عجز و نیاز اُن سے امداد چاہی۔ انہوں نے فرمایا، صحرا میں چلے جاؤ۔ جہاں تمہارے نفس کی امیدیں منقطع ہو جائیں۔ تین دن وہاں رہنا، چوتھے روز تم ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچو گے، وہاں ایک برہنہ گھوڑے پر (بغیر زین) تمہیں ایک شہسوار نظر آئے گا۔ اسے سلام کر کے آگے چلے جانا۔ جب تین قدم آگے جاؤ گے تو وہ تم سے کہیگا کہ اے جوان میں نے تمہارا قرض ادا کرنا

ہے۔ لیلو ا لیکن اُن کی طرف التفات نہ کرنا۔ اس کے بعد میں صحرا میں گیا۔ جو کچھ انہوں نے فرمایا تھا۔ مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد اس بزرگ نے فرمایا کہ ضعیفوں، ناتوانوں، محتاجوں اور دل شکستگان کی دل جوئی میں کمربستہ ہو جاؤ اور ان کے ساتھ عجز و نیاز سے پیش آؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی اور کافی عرصے تک اس طریق سے سلوک طے کرتا رہا۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اب حیوانات کی تیمارداری میں مشغول ہو جاؤ۔ کیونکہ یہ بھی مخلوقِ خدا ہے اور حق تعالےٰ کو انکی دل جوئی بھی مطلوب ہے۔ جہاں کہیں زخمی جانور دیکھو۔ اس کے علاج میں کما حقہٗ کوشاں ہو جاؤ۔ چنانچہ میں ایک مدت تک یہ کام کرتا رہا۔ جہاں کہیں مجھے ایسا جانور ملتا اس کو جانے دیتا اور رات کو اس کے سموں کے نشان سے تلاش کر کے جاتا اور علاج کرتا سات سال تک یہی کرتا رہا۔ اس کے بعد اس بزرگ نے فرمایا کہ اس درگاہ کے کتوں کے ساتھ بھی نیاز سے پیش آؤ اور ان سے مراد طلب کرو۔ اس اثنا میں تجھے ایک کتا ملیگا۔ جس سے تجھے سعادت ہو گی۔ یہ اشارہ پا کر میں نے اس خدمت کو غنیمت سمجھا اور بدل و جان کمربستہ ہو گیا۔ ایک رات میں نے ایک کتا دیکھا۔ اُسے دیکھتے ہی میرا حال دِگرگوں ہو گیا۔ میں نہایت عجز سے اس کے پاس گیا اور مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اسوقت وہ کتا پیٹھ کے بل سو گیا اور اپنا منہ اور چاروں پاؤں آسمان کی طرف کر کے گریہ کی سی آواز نکالنے لگا۔ میں نے بھی نیاز کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھا لیئے اور آمین کہتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ خاموش ہو کر کھڑا ہو گیا اس سے مجھے سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت شیخ سعدیؒ نے اس مقام کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎

ازاں بر ملک شرف داشتند!
کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند!

ترجمہ:۔ وہ لوگ اس لئے فرشتوں پر شرف رکھتے تھے کہ اپنے آپ کو کتے سے بہتر نہ سمجھتے تھے۔

حضرت خواجہ اپنے مقامات میں فرماتے ہیں کہ ان ایام میں میں نے ایک اور جانور دیکھا۔ جسے آفتاب پرست کہتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ سورج کے مشاہدہ میں

مستغرق کھڑا ہے اور اس پر ایک خاص حالت طاری ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اس سے بھی دعا کرا لوں، چنانچہ میں نہایت عجز و ادب کی حالت میں اس کے پاس کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھ دعا میں اٹھا لئے۔ کچھ دیر بعد وہ جانور استغراق سے باہر آیا اور اپنی پیٹھ زمین پر رکھی اور منہ آسمان کی طرف کر کے دیر تک پڑا رہا۔ میں آمین کہتا رہا۔ اس کے بعد اس بزرگ نے فرمایا کہ راستوں کی طرف مشغول ہو جاؤ۔ راستے میں اگر کوئی ایسی چیز ہو، جس سے لوگوں کو کراہت آئے تو دور کرتے رہو۔ چنانچہ میں اس کام میں مشغول ہو گیا اور سات سال تک میرے آستین اور دامن خاک آلودہ رہے۔ مولانا روم نے اسی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے۔

در بہاراں کے شود سر سبزہ سنگ
خاک شو تا گل بروید رنگ و رنگ

ترجمہ: بہار کے موسم میں پتھر اور پہاڑ پر کب سبزہ پیدا ہو سکتا ہے
خاک ہو جاؤ تا کہ رنگ و رنگ کے پھول پیدا ہوں۔

الغرض خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو عمل کہ اس حق تعالےٰ کے دوست نے بتایا، میں نے صدقِ دل سے بجا لایا اور ہر عمل کا نتیجہ اپنے اندر مشاہدہ کیا۔ اس حکایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حق تعالیٰ نے خواجہ بہاؤ الدین کو تمام اشیاء کی حقیقت سے آگاہ فرمایا تھا اور صوفیا کرام کے نزدیک یہ مقام بہت بلند ہے اور اس کے اوپر کوئی مقام نہیں ہے۔ بزرگان جب تک اس مقام پر نہیں پہنچتے۔ چین نہیں لیتے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے اور ایک جہان آپ سے فیض یاب ہوا اور اکثر اصحاب مثل خواجہ علاؤ الدین عطار اور خواجہ محمد پارسا وغیرہ، مرتبۂ تکمیل و ارشاد پر فائض ہوئے۔ ان کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں، صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا آپ کی درویشی موروث ہے (یعنی ورثہ میں ملی ہے) یا مکتسب ہے (حاصل کردہ) آپ نے جواب دیا کہ "بحکم جذبۃٌ من جذباتِ الحق بایں سعادت مشرف شدم" (یعنی یہ ایک جذبہ ہے۔ جذباتِ حق میں سے جس کی بدولت

میں فیض یاب ہوا) اس کے بعد آپ سے پوچھا گیا کیا آپ کے طریق میں ذکر جہری، سماع اور خلوت ہوتے ہیں. فرمایا نہیں. انہوں نے پوچھا. آپ کے طریقہ کی بنا کس چیز پر ہے. فرمایا.

خلوت در انجمن، ظاہر و باطن با حق ہے
از درون شو آشنا از بیرون بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا روش کم بود اندر جہاں ہے

ترجمہ: لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے مشغول بحق ہونا، ظاہر و باطن میں حق کے ساتھ مشغول رہنا. اپنے باطن سے آشنا ہونا اور باقی ساری دنیا سے بیگانہ رہنا. اس سے بہتر روش دنیا بھر میں نہیں ہے.

نیز فرمایا! ہمارا طریقہ صحبت شیخ ہے اور خلوت اور گوشہ نشینی میں خوامخواہ کی شہرت ہے. اور شہرت میں آفت ہے. خیریت جمعیت میں ہے (یعنی لوگوں کے ساتھ رہنے میں خیریت ہے) اور جمعیت صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ہے بشرطیکہ ہر شخص اپنے نفس کی نفی کرے.

فرمایا! سنت نبوی پر چلنا بہت بڑا کام ہے. حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور صحابہ کرام کی اقتدار، یہ دونوں مختصر کام ہیں، لیکن اس سے نفع عظیم ہوتا ہے. فرمایا "**لا الہ**" میں الٰہ طبیعت کی نفی ہے (یعنی اپنے نفس کی نفی) اور "**الا اللہ**" میں اثبات حق جل جلالہٗ ہے. (یعنی فنا فی اللہ) اور "**محمد الرسول اللہ**" سے مراد اپنے آپ کو **فاتبعونی** کے مقام پر لانا ہے (یعنی اتباع رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) ذکر کا مقصد یہ ہے. کلمہ توحید کی حقیقت تک رسائی ہو اور حقیقت کلمۂ توحید یہ ہے کہ ماسوائی کی بالکل نفی کردی جائے. زیادہ کہنا شرط نہیں ہے.

نیز فرمایا کہ سِر توحید تک پہنچنا آسان ہے. لیکن سِر معرفت تک رسائی مشکل ہے

فرمایا. حضرت عزیزان یعنی خواجہ علی رامتنیؒ قدس سرہ، فرمایا کرتے تھے کہ اس طائفہ کے نزدیک زمین مثل دستر خوان کے ہے. (یعنی پوری دنیا انکی نظر میں ہوتی ہے) اور ہم کہتے ہیں کہ ناخن کی پشت کی مانند ہے. کہ کوئی چیز انکی نظر سے غائب نہیں ہوتی. آپ کے کرامات مثل مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ بے شمار ہیں. خواجہ نقشبندؒ کے وجہ تسمیہ میں بہت اختلاف ہے. بعض کہتے ہیں کہ جب خواجہ محمد بابا سماسیؒ نے آپ کی تربیت کا کام سید امیر کلالؒ کے سپرد کیا تھا تو فرمایا تھا کہ نقشبند ا اسی وجہ سے آپ کو نقشبند کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہر طالب جو صدق دل سے آپ کی خدمت میں جاتا ہے. آپ کے فیضِ نظر سے اُسکے دل میں نقشِ معنوی بندھ جاتا ہے. جس کی وجہ سے مطلوب کے ساتھ پیوستہ ہو جاتا ہے. اسی وجہ سے آپ کو نقشبند کہتے ہیں. بعض کا خیال یہ ہے کہ آپ اپنے مریدین کو نقش اسمِ اللہ لکھ کر دیتے تھے. تاکہ قلب صنوبری پر اسکا تصور جمائے اور "القلوب بیت اللہ" (دل خدا کے گھر ہیں) کے مصداق اسکا دل اللہ کے نور سے بھر جائے. خواجہ عبد الرزاق بن خواجہ عبد اللہ احرارؒ جو جملہ فضائل انسانی سے ممتاز تھے اور آج ہندوستان میں اُن کی طرح سلسلۂ نقشبندیہ کا کوئی بزرگ نہیں ہے. یہ فرماتے ہیں کہ باقی بزرگان کی طرح رزقِ حلال کی خاطر آپ بھی بند بافی یا قالین بافی کا کام کرتے تھے. اسی وجہ سے آپ کو نقشبند کہتے ہیں اور آخری وجہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے. آپ کو خواجۂ بزرگ بھی کہتے ہیں. خواجہ بزرگ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر سے پوچھا گیا کہ آپ کی نماز جنازہ میں کون سی آیت پڑھی جائے. فرمایا آیت پڑھنا بڑا کام ہے. یہ شعر پڑھ دینا۔

چیست ازیں خوب تر در ہمہ آفاق کار
دوست رسد نزد دوست یار بہ نزدیک یار

چنانچہ حضرت خواجہ نے فرمایا. میرے جنازہ میں یہ شعر پڑھنا:

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو
شیئاً للہ از جمال روئے تو

ترجمہ: ہم مفلس ہو کر تیرے کوچے میں آئے ہیں۔ یعنی اعمال کچھ نہیں ہیں۔ اپنے حسن و جمال سے کچھ خیرات دیجئے۔

حضرت خواجہؒ دو مرتبہ زیارت بیت اللہ کو گئے۔ آخری مرتبہ آپ نے خواجہ محمد پارساؒ کو دیگر اصحاب سمیت نیشاپور کے راستے سے روانہ کیا اور خود ہرات کے راستے تشریف لے گئے اور راستے میں شیخ زین الدین ابابکرؒ تاشبادی سے ملنے کی خاطر تاباد تشریف لے گئے۔ اس سفر کے بعد آپ بخارا تشریف لے گئے۔ آپ کی ولادت محرم ۷۱۸ھ میں قصرِ عارفان میں ہوئی تھی۔ یہ ایک گاؤں ہے جو بخارا سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ کی عمر چہتر سال تھی۔ آپکا وصال امیر تیمور کے عہد میں شب دوشنبہ تین ماہ ربیع الاول ۷۹۱ھ کو ہوا۔ اور قصرِ عارفان ہی میں دفن ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات کا شعر یہ ہے۔

مسکن و ماویٰ او چوں بود قصرِ عارفاں　　قصرِ عارفاں زین سبب آمد حساب رحلتش (۷۹۱)

آپ کا مزار ولایت ماوراء النہر کے لوگوں کا قبلہ حاجات ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا عبداللہ یافعی قدس سرہٗ

آں عالم ترین بعلوم ولایت　　آں مسند نشین بساطِ ہدایت،

آں ہمراز و ہم مشرف شافعی مقتدائے دین شیخ عفیف الدین ابوعبداللہ العافعی قدس سرہٗ آپ کا اصل وطن یمن تھا، لیکن آپ ہمیشہ حرمین شریفین میں رہتے تھے۔ آپ کو عبداللہ یافعی بھی کہتے ہیں۔ آپ کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے اور صاحبِ تصنیف تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے تاریخ مراۃ الجنان اور روضتہ الریاحین فی حکایات صالحین زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کے ساتھ نہایت اچھے اشعار بھی منسوب ہیں۔ خزانہ جلالی میں لکھا ہے کہ آپ نے خرقۂ ارادت حضرت رشیدالدین ابی عبداللہ بغدادیؒ کے ہاتھ سے پہنا۔ (یعنی مرید ہوئے) جو شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ آپ کو ایک خرقہ اپنے

والد شیخ جمال الدینؒ سے بھی ملا۔ ایک خرقہ شیخ عزالدین ابوالعباس احمد فاروقی سے بھی حاصل کیا۔ وہ بھی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ تھے۔ امام عبداللہ یافعی کو ایک خرقہ سلسلہ قادریہ، ایک خرقہ حضرت شیخ ابومدین مغربیؒ کے سلسلہ سے اور ایک سیدی احمد کبیر رفاعیؒ سے بھی ملا۔ آپ ہر قسم کے کمالات سے مزین تھے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری قدس سرہٗ دو سال تک امام عبداللہ یافعیؒ کی خدمت میں مدینہ میں رہے اور قسم و قسم کی نعمتیں حاصل کیں۔ انہوں نے عوارف المعارف اور تصوف کی دوسری کتابیں آپ سے پڑھیں اور طریقۂ ذکر آپ سے حاصل کیا۔ نیز انہیں مقراض چلانے، توبہ کرانے، خرقہ پہنوانے اور ذکر کی تلقین کی اجازت بھی آپ سے حاصل کی۔ غرضیکہ اکثر اولیائے وقت نے آپ سے فیض حاصل کیا صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ شیخ علاؤالدین خوارزمی فرماتے ہیں کہ ایک رات میں شام کے ایک شہر میں عشار کے بعد خلوت میں بیٹھا تھا اور دروازہ اندر سے بند کر رکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ چند اور لوگ بھی میرے ساتھ خلوت میں بیٹھے ہیں۔ معلوم نہیں کس طرح اندر آ گئے۔ کچھ عرصہ میرے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ہمارا سلام اپنے استاد عبداللہ یافعی کو دے دینا۔ میں نے پوچھا۔ آپ انکو کیسے جانتے ہیں۔ وہ تو حجاز میں ہیں۔ انہوں نے کہا وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ کہہ کر وہ کھڑے ہو گئے اور دیواریں سے گزر کر باہر چلے گئے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں ساحل شام پر ماہِ رجب ۷۴۲ھ میں خلوت گزین تھا کہ کچھ لوگ وہاں آ گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہاں سے آئے۔ جب انہوں نے مجھ پر سلام کہا اور مصافحہ کیا تو میں نے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ سبحان اللہ آپ بھی پوچھتے ہیں کہ ہم کہاں سے آئے ہیں۔ اسکے بعد میں نے اُن کے سامنے کھانا رکھا۔ انہوں نے کہا۔ ہم کھانا کھانے نہیں آئے۔ میں نے کہا۔ کس لئے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپ ہمارا سلام عبداللہ یافعیؒ کو پہنچا دیں اور ان سے کہیں، آپ کو خوشخبری بشارت ہو۔ میں نے پوچھا کہ آپ اُن کو کیسے جانتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو مل چکے ہیں اور وہ ہم سے مل چکے

ہیں. میں نے کہا کیا آپ کو اس بشارت سے خوشی ہوئی ہے. انہوں نے کہا، ہاں اور اس طرح بات کر رہے تھے کہ گویا اپنے بھائی کا ذکر کر رہے ہیں. یہ کہہ کر وہ فوراً غیب ہو گئے. امام عبداللہ یافعیؒ کا سن وفات نظر سے نہیں گزرا. لیکن کتاب تاریخ مراۃ الجنان میں انہوں نے ۷۵۰ھ تک کے واقعات لکھے ہیں. معلوم نہیں کہ اس کے بعد کتنے سال زندہ رہے. لیکن سیر العارفین کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کے ہم عصر تھے.

چنانچہ اس کتاب میں لکھا ہے کہ جب مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری بیت اللہ میں امام عبداللہ یافعیؒ سے ملے تو انہوں نے فرمایا کہ شہر دہلی میں جتنے درویش تھے، سب چل بسے. لیکن ان کا اثر اور برکت شیخ نصیر الدین میں ہے. اور وہ اس وقت چراغِ دہلی ہیں. جو مشائخ کے طریق کو اپنے وجود کی شمع سے روشن کئے ہوئے ہیں، چنانچہ مخدوم جہانیاں نے اسی وقت ارادہ کر لیا کہ جب سفر بیت اللہ سے واپس جائیں گے تو دہلی جا کر شیخ نصیر الدینؒ کی خدمت میں حاضری دینگے.

جب حضرت مخدوم آپ کی خدمت میں پہنچے تو فرمایا کہ امام عبداللہ یافعیؒ کی بات سے آپ کو حسنِ ظن پیدا ہو گیا ہے. مخدوم جہانیاں نے جواب دیا کہ حق تعالےٰ امام عبداللہ یافعیؒ پر رحمت کرے کہ مجھے اس دولت سے بہرہ مند کیا ہے.

حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری قدس سرہ

فرزند صوری و معنوی حضرت مصطفےٰ وارث ولایت خاص علی المرتضیٰ، موصوف بصفات حضرت باری، قطب اقطاب مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاریؒ کا شمار جلیل القدر عارفین میں ہوتا ہے. علوم ظاہری و باطنی اور فقر و استغنا میں آپ بے نظیر تھے. تمام ظاہری و باطنی امور میں آپ حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقشِ قدم پر سختی سے گامزن تھے.

آپ بڑے مقبول صاحب الحال بزرگ تھے اور تصرف میں کمال حاصل تھا آپ کو چاروں سلسلوں کی خلافت حاصل تھی. سیر العارفین میں لکھا ہے کہ آپ کے ۔ ۱۲

حضرت سید جلال الدین سُرخ ؒ جنکا سلسلۂ نسب میر سید جعفر مرتضیٰ بن امام نقی رضی اللہ عنہ
سے جا پہنچتا ہے۔ بخارا سے ملتان تشریف لے آئے اور شیخ الاسلام حضرت شیخ
بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ سے بیعت ہو کر خلافت حاصل کی۔ وہاں سے رخصت
ہو کر انہوں نے اوچ (تحصیل احمد پور شرقیہ ضلع بہاول پور) میں سکونت اختیار کر لی آپ
کے تین فرزند تھے۔ ایک سید احمد کبیر، دوسرے سید بہاؤ الدین، تیسرے سید محمدؒ
سید احمد کبیرؒ کے ہاں دو فرزند بے نظیر پیدا ہوئے۔ ایک سید جلال الدین حسین المعروف
مخدوم جہانیاں ؒ، دوسرے سید صدر الدین عرف شیخ راجو قتال، مخدوم جہانیاں اپنے والد
سید احمد کبیر کے مرید ہوئے اور شیخ راجو قتال اپنے بڑے بھائی مخدوم جہانیاںؒ کے مرید
اور خلیفہ تھے۔ ان کے حالات اپنی جگہ پر آ رہے ہیں۔ مخدوم جہانیاں نے پہلے شیخؒ
رکن الدین ابو الفتح بن شیخ صدر الدین بن شیخ بہاؤ الدین ذکریاؒ سے تربیت حاصل کی اور خلافت
سلسلۂ سہروردیہ سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد آپ حرمین شریف کی زیارت کو گئے
اس اثناء میں آپ کے اکثر مشائخ وقت کی صحبت حاصل کی اور استفادہ کیا۔ جب آپ
مدینہ گئے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی پائنتی کھڑے ہو کر کہا
"السلام علیکم یا جدی" اندر سے آواز آئی "وعلیکم السلام یا ولدی" پس شیخ بدر الدین یمنیؒ
اور دوسرے بزرگان نے جو اسوقت روضہ اقدس کے مجاور تھے۔ آپ کے نسب
کی صحت کی تصدیق کی۔ اس کے بعد آپ نے مکہ معظمہ جا کر امام عبد اللہ یافعیؒ سے فیضان
صحبت حاصل کیا اور ساری دنیا کا سفر کر کے آپ نے چاروں سلسلوں اور اکتالیس گروہوں
کے مشائخ سے استفادہ کیا۔ کتاب مذکور میں شیخ راجو قتال سے نقل ہے کہ آپ نے
تین سو سے زائد مشائخ صاحب ارشاد سے فیض صحبت اور خلافت حاصل کی۔ آخر
شیخ نصیر الدینؒ چراغ دہلی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے مشائخ چشت کا خرقہ حاصل
کیا اور قسم قسم کے ظاہری و باطنی نعمتوں سے بہرہ ور ہوئے اور اس قدر تمکین اور دل
جمعی حاصل ہوئی کہ پھر کسی اور مشائخ کی صحبت کی ضرورت نہ رہی اس کے بعد آپ مریدین
کی ہدایت و تربیت میں مشغول ہو گئے اور ایک جہاں نے آپ سے استفادہ کیا۔

خزانہ جلالی میں لکھا ہے کہ ان ایام میں سلطان محمد تغلق بادشاہ درویش زادوں کو درویشی کے لباس سے نکال کر قبا (امیروں کا لباس) پہنا رہے تھے۔ شیخ نصیرالدینؒ نے مخدوم جہانیاں کو خلعت اور دستار پہنا کر فرمایا کہ اسی لباس میں بادشاہ کے پاس جاؤ اور وہ تجھے درویشی کے لباس میں باہر نہیں نکالیگا۔ مخدومؒ وہی لباس زیب تن کئے ہوئے بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ نے ملکِ سندھ کی شیخ الاسلامی اور علاقہ سیوستان میں خانقاہِ محمدی کے چالیس گاؤں کی جاگیر کا پروانہ لکھ کر حضرت مخدوم کو دیا۔ بادشاہ کے دربار سے واپس ہو کر آپ شیخ نصیرالدینؒ کی خدمت میں گئے اور عرض کیا کہ بادشاہ نے خانقاہِ محمدی کے فقرا کی خدمت میرے سپرد کی ہے۔ لیکن میں نے اس بارے میں شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ سے اجازت حاصل نہیں کی۔ شیخ نے فرمایا، میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ فقرا کی خدمت کرو اور کوئی خرقہ طلب کرے تو اسے دیا جائے۔ پس حضرت شیخ نے آپ کو سلسلہ چشتیہ کا خلافت نامہ دے کر رخصت کیا۔ صاحبِ سیر العارفین نے مخدوم جہانیاں کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی ہے کہ ایک دفعہ شبِ عید میں آپ شیخ بہاؤالدینؒ کے مقبرہ میں مشغول تھے اور عیدی طلب کی۔ کیونکہ بچے ہمیشہ باپ سے عیدی حاصل کرتے ہیں۔ اندر سے آواز آئی کہ حق تعالیٰ نے تجھے مخدوم جہانیاں کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ تمہاری عیدی یہی ہے۔ اس کے بعد آپ شیخ صدرالدینؒ کے مقبرہ پر حاضر ہوئے اور یہی درخواست کی۔ وہاں سے بھی یہی آواز آئی کہ تمہاری عیدی وہی ہے۔ جو تمہیں مل چکی ہے۔ وہاں سے بھی آپ شیخ رکن الدین یعنی اپنے مرشد کے روضہ پر حاضر ہو کر متوجہ ہوئے۔ وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ عیدی وہی ہے جو میرے والد اور دادا نے دی ہے۔ جب صبح ہوئی تو جو شخص آپ کو ملتا تھا۔ مخدوم جہانیاں کے لقب سے پکارتا تھا۔ اگرچہ آپ کو تمام سلاسل سے خلافت ملی ہوئی تھی۔ لیکن جو شخص آپ سے بیعت کرتا آپ اُسے سلسلہ سہروردیہ میں یا سلسلۂ چشتیہ میں داخل کرتے تھے۔ لطائف اشرفی کی روایت کے مطابق آپ کو اپنے آباد اجداد یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تک سے اجازت و خلافت

ملی ہے. جیسا کہ اس کتاب کے مقدمہ میں شجرۂ حسینیہ بخاریہ میں بیان کیا جا چکا ہے اور آج تک اوچ اور گجرات کے شہر احمد آباد میں آپ کی اولاد کے توسط سے یہ سلسلہ جاری ہے. میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ اپنی کتاب لطائف اشرفی میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں اکثر بزرگان کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں. لیکن جس قدر حقائق و معارف اور دقائق و عوارف اور خوارق عادت سنیہ اور اطوار معاملات یقینیہ حضرت مخدوم جہانیاں سے صادر ہوئے ہیں. متاخرین میں سے کسی بزرگ سے نہیں ہوئے، آپ مظہر العجائب و مصدر الغرائب تھے اور اپنے اجداد کرام کے ورثہ سے مشرف تھے.

میر سید اشرف جہانگیر فرماتے ہیں کہ جب یہ فقیر پہلی مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ نے قطبیہ اور غوثیہ نوعیت کے قسم و قسم کے مقامات و درجات عطا فرمائے. پہلی رات جب آپ کی اجازت سے میں آپ کی خلوت گاہ میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کے جسم کے اعضاء علیحدہ ہو کر سات مقامات میں پڑے ہیں اور ہر عضو مختلف زبانوں میں حق تعالےٰ کی لامتناہی تسبیح و حمد بیان کر رہا ہے. یہ دیکھ کر میں گھبرایا. آپ نے اپنی اصلی حالت میں آ کر فرمایا کہ یہ مقام تجھے مبارک ہو. دوسری مرتبہ جب [illegible] خلوت میں حاضر ہوا تو آپ کا جسم تجلی اسم الٰہی یا بسیط کی وجہ سے اس قدر وسیع ہو چکا تھا کہ پورا کمرہ آپ کے جسم سے بھر گیا تھا. بلکہ سوراخوں سے بھی گوشت باہر نکل رہا تھا. تھوڑی دیر کے بعد آپ نے اپنی اصلی حالت میں آ کر فرمایا، یہ مقام بھی تجھے مبارک ہو.

تیسری مرتبہ جب میں خلوت میں گیا تو آپ کا جسم مبارک شیشے کی طرح لطیف اور مصفا ہو چکا تھا اور خورد ترین ذرات بھی سارے جسم میں سے نظر آ رہے تھے. کچھ دیر کے بعد آپ اپنی اصلی حالت میں آئے اور فرمایا. برادرم سید اشرف یہ سب تجھے مبارک ہو. رخصت کے وقت آپ نے حلقۂ اصحاب میں ذکر جہری اور تمام حاجات کے لئے تعویذ غفوری عنایت فرمایا. نیز فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان محبت ازلی

اور انسِ لم یزلی واقع ہو چکا ہے۔ جس میں دوری یا نزدیکی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

میر سید اشرف جہانگیر فرماتے ہیں کہ جب میں آخری مرتبہ اوچ جاکر حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوا تو کمالِ شفقت سے آپ نے اُن تمام مشائخ کے نام گن گن کر وہ سب فیوض عطا فرمائے جو آپ ان مشائخ سے حاصل کر چکے تھے چنانچہ لطائف اشرفی اور آپ کے مکتوبات میں اسکا مفصل ذکر آیا ہے۔ ان کمالات کے باوجود آپ ہمیشہ کرامات چھپانے کے لئے سعی بلیغ کیا کرتے تھے اور نہایت عجز و نیاز کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ جب سلطان فیروز شاہ کے عہدِ حکومت میں حضرت مخدوم دہلی تشریف لے گئے تو بادشاہ آپ کا بے حد معتقد ہوگیا اور قدم بوسی کے لئے اکثر حاضر ہوا کرتا تھا۔ اتفاقاً بادشاہ کے وزیر خان جہان نے ایک اہل کار کے لڑکے کو قید کر رکھا تھا اور اس پر بے حد سختی کرتا تھا۔ اس اہل کار نے حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوکر سفارش کی درخواست کی۔ مخدوم وزیر کے گھر پر تشریف لے گئے۔ لیکن اس بدبخت نے محل کے اندر سے کہلا بھیجا کہ میں ہر گز آپ کی سفارش قبول نہیں کرونگا۔ آپ کی شکل تک نہیں دیکھوں گا۔ دوسری دفعہ میرے گھر پر مت آنا۔ لیکن حضرت مخدوم سات دفعہ اس کے مکان پر گئے اور ہر بار یہی جواب سنتے رہے۔ جب آپ آٹھویں مرتبہ تشریف لے گئے تو اس نے کہلا بھیجا کہ اے سید تمہیں شرم نہیں آتی کہ کئی بار تمہیں جواب دے چکا ہوں لیکن باز نہیں آتے۔ آپ نے فرمایا ہر مرتبہ آنے میں مجھے ثواب حاصل ہوتا ہے۔ میری خواہش یہ ہے کہ اس مظلوم کو چھوڑ دو تاکہ تمہیں بھی ثواب ملے۔ جہان خان آپ کے حلم و اخلاق کی وجہ سے اس قدر متاثر ہوا کہ ننگے سر اور گلے میں رسی ڈالے ہوئے باہر آیا اور آتے ہی مخدوم کے قدموں پر گر گیا اور بیعت ہوگیا اور قیدی کو خلعت اور گھوڑا دیکر آزاد کر دیا۔ نیز حضرت مخدوم کی خدمت میں بھی بے شمار نذرانہ پیش کیا۔ لیکن مخدوم نے وہ بھی اس مظلوم کو بخشش فرمایا اور گھر واپس آگئے۔ سبحان اللہ! بزرگان نے اسقدر حلم سے کام لیا جب ہی تو میراث انبیاء علیہم السلام سے مشرف ہوئے۔

آپ کے زمانے میں کوئی ولی یا بادشاہ ایسا نہ تھا جو آپ کا گرویدہ نہ ہو۔ جب شیخ علاؤالحق کا بنگال میں انتقال ہوا تو آپ نے اپنے اصحاب کو وصیت کی کہ میری نمازِ جنازہ مخدوم جہانیاں پڑھائیں اور تم لوگ سبقت نہ کرنا۔ وہ لوگ حیران تھے کہ مخدوم جہانیاں اوچ میں ہیں۔ کس طرح یہاں آئیں گے۔ اسی فکر میں تھے کہ حضرت مخدوم پہنچ گئے اور نمازِ جنازہ کی امامت کی۔ اس کے بعد اُن کے فرزند شیخ نور قطب عالم کی تربیت کی خاطر آپ نے چند روز قیام فرمایا اور اپنے سامنے ایک چلہ کرایا اور انواع و اقسام کے فیوض سے مالا مال کر کے واپس چلے گئے۔ جب آپ جون پور پہنچے تو وہاں کا حکمران تمام اکابر سمیت استقبال کے لیے باہر آیا اور کمال عقیدت مندی سے مرید ہو گیا اُس کے ساتھ کئی ہزار نفوس اور مرید ہوئے۔ لطائف اشرفی سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان ابراہیم شرقی بھی مرید ہو گیا تھا۔ سلاطین گجرات آپ کے کمترین مریدین میں سے تھے اس کے متعلق مزید تفصیل سید برہان الدین المعروف قطب عالم گجراتیؒ کے حالات میں آئیں گی۔ آپ کے حالات و کرامات کا حال کتاب خزانہ جلالی اور مناقب قطبی میں تفصیل سے درج ہے۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ جس بزرگ کے ساتھ مصافحہ کرتے تھے، اس سے نعمت حاصل کر لیتے تھے۔ یعنی آپ اُن کی خدمت میں اس قدر متوجہ ہوتے تھے اور اسقدر ادب سے پیش آتے تھے کہ وہ بزرگ بے اختیار ہو کر اپنی نعمت انکو دیدیتے تھے۔ آپ کی ولادت شب برات یعنی ۱۵ ماہ شعبان ۷۰۷ھ کو ہوئی اور اٹھہتر سال قیدِ حیات میں رہ کر دس ماہ ذوالحجہ بروز چہار شنبہ (یعنی یوم عید قربان) ۷۸۵ھ سلطان فیروز شاہ کے عہد کے اواخر میں عالم بقا کو رحلت کر گئے آپ کا مزار مبارک اوچ میں خلق کا قبلۂ حاجات ہے۔ آپ کا ایک فرزند تھا جنکا نام سید ناصر الدین محمودؒ تھا۔ ان کی بہت سی اولاد تھی۔ اُن کے اکثر فرزند مرتبۂ ولایت کو پہنچے، ان میں سے ایک شاہ جلالؒ تھے۔ جو بھائیوں کے نزاع کی وجہ سے اوچ چھوڑ کر شہر قنوج میں جا کر مقیم ہوئے آپ کشف و کرامات میں بہت مشہور تھے اور بڑے عالی قدر بزرگ تھے شہر قنوج اور گرد و نواح کے اکثر لوگ آپ کے سلسلے میں مرید تھے اور اب تک یہ سلسلہ

جاری ہے۔ آنحضرت کے بعض فرزندوں کے مزار قصبہ شکارپور میں ہیں، جو دہلی کے نواح میں ہے۔ ان میں سے شاہ عمرؒ اور شاہ محمودؒ اور شاہ کبیرؒ وغیرہ صاحب کشف و کرامات تھے، چنانچہ اس علاقے میں ان کی بڑی شہرت ہے۔ آپ کے ایک فرزند شاہ قطب عالمؒ ہیں، جنکا مزار ولایت گجرات میں ہے۔ ان میں سے بعض کے حالات اپنی جگہ پر آ رہے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ

آں معدنِ عشق و ہمدمِ وصال، آں کلیدِ خازنِ حضرتِ ذوالجلال، آں مست الست نغماتِ سبے ساز محبوب حق حضرت سید محمد گیسو دراز قدس سرہ ابن سید یوسف الحسینی دہلویؒ، آپ حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلیؒ قدس سرہٗ کے بزرگ ترین خلفاءؒ میں سے تھے، سید ہونے کے علاوہ آپ علم اور ولایت میں بھی ممتاز تھے۔ آپ شانِ رفیع، مشرب وسیع، احوال قوی، ہمتِ بلند اور کلمات عالی کے مالک ہیں، مشائخ چشت کے درمیان آپ ایک خاص مشرب رکھتے ہیں، اسرارِ حقیقت میں آپ کا طریق مخصوص ہے۔ غلبۂ شوق و عشق کی وجہ سے آپ اکثر بے پردہ کلام فرماتے ہیں جیسا کہ آپ کی تصانیف سے ظاہر ہے۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے، کہ آپ کو گیسو دراز اس لئے کہتے ہیں کہ ایک دن آپ نے کچھ اور لوگوں کے ساتھ خواجہ نصیرالدین محمودؒ کی پالکی اٹھائی ہوئی تھی۔ پالکی اٹھاتے وقت آپ کے بال جو قدرے لمبے تھے، پالکی میں پھنس گئے۔ آپ نے شیخ کے ساتھ ادب اور غلبۂ عشق کی وجہ سے بال چھڑانے کی کوشش نہ کی اور سارا سفر اسی طرح طے کیا اس کے بعد جب شیخ کو اس بات کا علم ہوا تو ان کے دل صدق اور حسن ادب سے خوش ہوئے اور یہ شعر پڑھا۔ ؎

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد　　واللہ خلاف نیست کہ آں عشق باز شد

ترجمہ:- جو شخص سید گیسو دراز کا مرید ہوا، یقیناً عشق باز ہوا۔

لیکن میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے ایک خط میں لکھا ہے کہ سادات

دراز گیسو نہایت عالی نسب اور عالی شان ہیں اور میر سید محمد گیسو دراز کا سلسلہ اُن کے ساتھ جا ملتا ہے۔ لہٰذا لقب گیسو دراز انہوں نے ہندوستان میں حاصل نہیں کیا بلکہ اُس خاندان سادات نے ہندوستان سے باہر اپنے علاقے میں یہ لقب پایا تھا۔ بہر حال یہ دونوں روایات قابل قبول ہیں۔ میر سید گیسو دراز کے کچھ ملفوظات ہیں جنکا نام جوامع الکلم ہے۔ یہ ملفوظات آپ کے ایک مرید محمد نے جمع کئے ہیں اس کتاب میں لکھا ہے کہ آپ شیخ الاسلام نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کی اپنے اوپر شفقت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شروع میں میں چاہتا تھا کہ جلدی جلدی شیخ کی خدمت میں جایا کروں۔ لیکن مجھے آدابِ صحبت معلوم نہ تھے اور میں نے اپنے والد سے سنا تھا کہ آداب سیکھے بغیر بزرگوں کی خدمت میں نہیں جانا چاہیئے۔ میرے والد سلطان المشائخ کے اصحاب میں سے تھے۔ سلطان المشائخ کے اور اصحاب بھی میرے والد کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ اُن سے بھی دیکھا سنا تھا۔

ایک دفعہ میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا تم ہمیشہ بے گاہ آتے ہو، اور مجھے اسوقت تکلیف ہوتی ہے۔ البتہ تجھے ایک حکایت سناتا ہوں۔ اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی۔ میں حیران ہوا کہ سبحان اللہ! شیخ قدس سرہٗ کے دل میں ضرور کوئی مقصد ہے۔ جو میرے سامنے حکایت بیان کرنا چاہتے ہیں۔ زہے خوش نصیبی۔

ایک دفعہ میں اشراق کے بعد حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ جس وضو سے تم صبح کی نماز پڑھتے ہو، کیا وہ طلوعِ آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ عرض کیا۔ جی ہاں! فرمایا اسی وضو کے ساتھ ایک دوگانہ اشراق ادا کیا کرو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے بعد فرمایا۔ ایک دوگانہ شکر النہار استخارہ بھی پڑھا کرو۔ چنانچہ کچھ عرصہ میں اسی طرح کرتا رہا۔ ایک دن فرمایا۔ کیا دوگانہ اشراق پڑھتے ہو۔ عرض کیا۔ جی ہاں! فرمایا اگر چار رکعت چاشت بھی ساتھ پڑھ لیا کرو تو نماز چاشت بھی ہو جائے گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی دوسرے وقت میں نماز چاشت ادا کرو۔ بلکہ اسی وقت چار رکعت چاشت پڑھ لیا کرو۔ تمہاری نماز چاشت ادا ہو جایا کرے گی۔ میں ماہِ رجب میں ہمیشہ روزہ رکھتا تھا۔ آپ نے دریافت

فرمایا کیا رجب میں روزہ رکھتے ہو۔ عرض کیا۔ جی ہاں! فرمایا شعبان میں بھی روزہ رکھا کرو
عرض کیا۔ نو دن کیلئے۔ فرمایا اگر اکیس دن اور روزہ رکھ لو، تو تمہارے تین مہینے ہو جائیں
گے (یعنی روزہ کے تین ماہ) عرض کیا حضور کی برکتِ دعا سے ضرور رکھونگا۔ اس بات
کا ذکر میں نے والد صاحب سے کیا۔ ان ایام میں میرے والد حضرت شیخ کی خدمت
میں پیوستہ نہ تھے۔ انہوں نے مجھ سے کچھ بات کہی۔ میں نے کہا جو جی میں آئے کہیں
لیکن میں شیخ کے فرمان سے ہرگز نہیں ہٹوں گا۔ ماہِ رمضان کے بعد شوال کے چھ
روزے بھی رکھتا تھا۔ کبھی کبھی روزۂ داؤدی بھی رکھتا تھا۔ ایک دن میں شیخ کی خدمت
میں حاضر ہوا، فرمایا ہمارے خواجگان نے روزہ داؤدی نہیں رکھا (صوم دوام)، ہمیشہ کا
روزہ رکھا ہے۔ اس کے بعد تم بھی صوم دوام رکھو۔

غرضیکہ شیخ نصیرالدین محمودؒ نے کمالِ شفقت اور کمالِ حکمت سے آپ کی
آہستہ آہستہ تربیت کر کے تکمیل وارشاد کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیا۔ حتیٰ کہ آپ
مقبولِ عالم و عالمیان ہو گئے اور ایک جہان نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ آپ
کے کمالات کا شہرہ سارے عالم میں پھیل گیا۔

اولیاء اللہ کے اعضا الگ الگ ہو جانے کا سبب

آپ جوامع الکلم میں فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ الاسلام فریدالدین گنجشکر قدس سرہ، کے پوتے شیخ منور فضل اللہ
نے مجھ سے پوچھا۔ آپ کو اکثر لوگوں نے شیخ کے گنبد کے اندر سات ٹکڑے ہوتے
ہوئے دیکھا ہے۔ یہ کیا راز ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ! مجھے کس نے دیکھا
اور کون کہتا ہے۔ اگر آپ اس طرح سے دریافت کریں کہ کتبِ سلوک میں لکھا ہے کہ
صوفی کی یہ حالت ہوتی ہے تو میں علی الاطلاق کہوں گا۔ علی الیقین مجھے معلوم نہیں،
انہوں نے کہا علی الاطلاق ہی بتائیے۔ میں نے کہا۔ یہ تجلی جلال کا اثر ہے۔ سالک پر،
اس حالت میں پہاڑ بھی گر جاتے ہیں اور پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ ایک آگ
سی لگ جاتی ہے اور یہ آگ جلانے والی آگ نہیں ہوتی لیکن اس آگ کے ہر شرارے

میں صد ہزار آتش کی طاقت ہوتی ہے۔ جو صوفی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے ٹکڑے ٹکڑے کیا صد ہزار ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اُن پہاڑوں اور آگ کے درمیان ایک صورت ہوتی ہے۔ جس کا مشاہدہ اُس صوفی کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اس حالت میں ایک نہایت جمیل اور لطیف صورت پیدا ہوتی ہے اور ان تمام ٹکڑوں کو اپنی طرف بلاتی ہے اور ہر ٹکڑہ دوڑ کر اس کی طرف آتا ہے۔ اس کے بعد قدرت سے اس سے بھی زیادہ قوی زیادہ مکمل اور زیادہ لطیف صورتِ حالت میں دل حق تعالیٰ کے ساتھ حاضر ہوتا ہے اور یہ بہشت ہے بلکہ ہزار بہشت اس گھڑی پر قربان کر دی جائیں تو سستی ہے۔ ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بہ خوب روئے
بہ از انکہ چتر شاہی ہمہ عمر ہائے وہوئے

ترجمہ:۔ فراغتِ دل کے ساتھ اگر محبوب ماہ رخ پر ایک لحظہ نظر نصیب ہو جائے تو شاہی تاج و تخت اور جاہ و جلال سے بدرجہا بہتر ہے۔

مقامِ وصل سے مقامِ عشق بلند ہے

نیز فرمایا کہ ہمارے مشائخ صوفیائے عاشق تھے لیکن حضرت شیخ شہاب الدینؒ اور آپ کے متبعین واصلین و عارفین تھے۔ لیکن عشق اور جہان ہے ایک دفعہ اس مضمون پر گفتگو ہو رہی تھی کہ فقہاء کو صوفیاء سے کیوں اختلاف ہوتا ہے آپ نے فرمایا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ صوفی بھی اپنے آپ کو فقہا میں شامل کر دیں۔ اُن کے ساتھ اُن کی طرح رہیں۔

آفاتِ طریقت

فرمایا ہر چیز میں کوئی نہ کوئی آفت ہوتی ہے۔ لیکن عشق میں دو آفتیں ہیں، ایک آفتِ ابتدا۔ دوسری آفتِ انتہا۔ آفت ابتدا یہ ہے کہ محبوب کی طلب میں اس کے دل کے اندر اس قدر سوز و گداز ہوتا ہے۔ کہ وہ اسکے اندر گھر جاتا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد اُسے اس درد و غم سے لذتِ کامل

حاصل ہونے لگتی ہے اور محبوب کے وصال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، وہ سمجھتا ہے کہ درد و غم کے سوا چارہ نہیں اور اس حالت پر قناعت کرلیتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ درد و غم اس کی طبیعت بن جاتی ہے۔ وہ اس کا خوگر بن جاتا ہے اور ذوقِ درد نہیں رہتا اور نہ لذت حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح وہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور ضائع ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک (خدا تعالےٰ اس سے پناہ دے)

آفتِ انتہا یہ ہے کہ جب محبوب کا وصال حاصل ہوتا ہے تو وصال کی لذت میں مشغول ہو جاتا ہے اور ہجر و فراق کی آگ مٹ جاتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد وصال اسکی عادت اور طبیعت بن جاتی ہے اور ذوقِ وصال بھی جاتا رہتا ہے اور ان دونوں حالتوں میں محبوب کی خاطر ذوق و شوق اور راحت و خوشی نہیں رہتی۔ وصالِ بے ذوق اور لذتِ غم بغیر فراق کس کام کی ہے۔ لہٰذا سالک ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور اس کے پاس کچھ نہیں رہتا۔ جب عشق چلا جاتا ہے تو وہ ذوقِ جمال محبوب سے محروم ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ۔ اگرچہ وصال ہوتا ہے۔ لیکن ذوق نہیں ہوتا۔ جس سے کہ وہ راحت حاصل کرے۔ خالی وصال کس کام کا ہے۔ لیکن عشقِ برخوردار (کامیاب عشق) یہ ہے۔ ابتدائی حالت میں لذت فراق، ذوقِ الم اور حرقتِ ہجر (ہجر کی آگ) میں مشغول رہے اور انتہاء میں وصال جس قدر زیادہ ہو۔ اسکا ذوق و شوق بھی زیادہ تر ہوتا جائے اور درد پر درد کا اضافہ ہوتا جائے اور ذوق حاصل ہو۔ یہ وہ عاشق ہے کہ جس کی عاقبت بالخیر ہوتی ہے۔ وہ اپنے عشق سے برخوردار ہوتا ہے اور حظِ کامل حاصل کرتا ہے۔ اگرچہ عارف اِسے نقصان کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ لیکن ذوق اِسی میں ہے۔ شرط یہ ہے کہ نظر نفع و نقصان پر نہ ہو۔

ذوق سماع ختم ہو جانے کی وجہ

آپ فرماتے ہیں کہ عوارف المعارف (مصنفہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ) میں لکھا ہے کہ کامل کو ذوقِ سماع نہیں ہوتا۔ لیکن یہ وہ کامل ہے کہ جسے انتہائے عشق والی آفت لاحق ہوگئی ہے اور اُسے ٹھنڈا کر دیا ہے۔ یعنی وصال اسکی عادت بن گئی ہے۔ ذوق مفقود

ہوگیا ہے اور وہ سرد پڑ گیا ہے۔ انتہائے محمود (کامیاب انتہا) یعنی وہ انتہا جو آفت سے محفوظ ہو، یہ ہے کہ جسکا اس شعر میں اشارہ ہے۔ ؎

عجبے نیست کہ سرگشتہ بوَد طالبِ دوست

عجب این است کہ من واصل و سرگردانم

ترجمہ: کمال یہ نہیں کہ عاشق طالب دوست میں سرگشتہ ہو کمال یہ ہے کہ میں واصلِ دوست ہوں اور سرگرداں بھی۔ یعنی چونکہ محبوبِ حقیقی کی کوئی انتہا نہیں، اسلیئے کہ حسن وجمال کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ عاشق جسقدر قرب و وصال کے مدارج طے کرتا ہے۔ اس سے بلند تر منازل نظر آتے ہیں۔ ہر منزل سے اُوپر اور منزل نظر آتی ہے اور ھَل مِن مزید کے نعرے لگاتا ہوا، دائم تگ و دَو میں رہتا ہے۔ شیخ سعدی شیرازیؒ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایانے

بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

ترجمہ: یعنی نہ دوست کے حسن وجمال کی کوئی انتہا ہے۔ نہ سعدی کی مدح وثنا کی کوئی حد ہے۔ سعدی کی حالت اس مریضِ استسقاء کی ہے۔ جو دریا کے کنارے بیٹھا عشقِ الٰہی کے جام پر جام پی کر مر چکا ہے۔ لیکن دریائے حسن وجمال اسی طرح رَواں دَواں ہے۔

سماع میں حالت محمود کیا ہے

آپ نے فرمایا کہ سماع میں محمود حالت یہ ہے کہ بے خود نہ ہو باخود رہے۔ اور اپنے حرکات وسکنات اقوال وافعال سے باخبر ہو، ہاں اگر اس پر کیفیت یا حالت طاری ہے۔ تو اس میں مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اس حالت میں جو حرکات وسکنات اس سے صادر ہوں اس سے منع نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ حالتِ سماع میں کبھی کبھی بے ہوشی بھی طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ حالت محمود نہیں ہوتی۔ سماع میں مقصود جمع اور دل کو ایک چیز پر لانا ہے۔

اور باقی سب چیزوں سے دل کو خالی کرنا ہے۔ لہٰذا بے خودی اس کے لئے مباین و معیوب ہے۔ (یعنی بے خودی حالتِ محمود کے منافی ہے۔) یہ کسی حالت میں محمود نہیں ہو سکتی۔

آپ فرماتے ہیں کہ مولانا جلال الدین مغربیؒ فصوص الحکم (مصنفہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ) میں مہارت رکھتے تھے۔ بڑے دانا اور جہاندیدہ آدمی تھے اور اکثر مشائخ کے صحبت یافتہ تھے۔ وہ کسی کے سامنے زیادہ نہیں جھکتے تھے۔ بڑے محکم عارف تھے۔ اور فصوص کا مذہب رکھتے تھے اور اس کے معتقد تھے۔ انہوں نے فصوص کی ایک لطیف شرح بھی لکھی تھی۔ ایک سال تک میں بھی ان کا ہم خیال تھا۔ جو کچھ احادیث و کلام اللہ میں موافق حال ہوتا میں بیان کرتا تھا اور فصوص کی تمام باتوں کو ثابت کرتا تھا۔ ایک دن میں نے فصوص کے ایک مسئلہ کی مخالفت میں ایک لطیف سا اشارہ کیا ــــــ اس سے مولانا چونک اٹھے اور فرمانے لگے کہ سید من میں آپ کا معتقد ہوں۔ اس قسم کی باتیں آپ کیوں کرتے ہیں۔ چنانچہ میں منقول اور معقول کے ذریعہ (یعنی علومِ شریعت اور منطق و معقول کے ذریعہ) اپنی بات ثابت کرنے لگا۔ حتیٰ کہ اختلاف کی بالکل گنجائش نہ رہی۔ تقریباً چھ ماہ اسی موضوع پر گفتگو جاری رہی اور ہر روز فصوص کے مسائل پر بحث ہوتی رہی۔ میں فصوص کی مخالفت میں بولتا رہا اور اپنی بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچاتا رہا۔ لیکن وہ ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ میر سید صلِّ علیٰ محمد (یعنی درود ہو حضرت محمد صلی اللہ وسلم پر) کیونکہ عربوں کی عادت ہے کہ جب کوئی شخص بحث کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ صلِّ علیٰ محمد یعنی بحث چھوڑ دو اور محمد پر درود بھیجو۔ ایک دن بحث بہت بڑھ گئی۔ انہوں نے کہا۔ میر سید محمد! تھوڑی دیر رک جائیں۔ یہ کہہ کر وہ مراقبے میں چلے گئے۔ وہ اسی سال کے بزرگ تھے اور میں میری عمر بیس سال سے چند سال زائد تھی۔ مراقبہ کے بعد انہوں نے کہنا شروع کیا کہ میر سید درویشوں کے درویش ہیں (یعنی درویشوں کے سردار ہیں) جس نے مجھے مسلمان کر دیا ہے۔ انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگا کر سر نیچے کیا اور فرمایا کہ جو شخص آپ سے سلوک طے کرتا ہے بحر مخصوص ہی

جاتا ہے۔ میں اچھا بولنے والا تھا۔ حق تعالیٰ نے مجھے دولتِ بیان عطا کی تھی۔ میں نے جس قدر کوشش کی، میری نظر میری قوتِ گویائی سے ہٹ جائے۔ یہ بات ہرگز حاصل نہ ہوئی اور میری نظر اپنی قوتِ گویائی پر رہی (یعنی اپنی قوتِ گویائی پر ناز کرتا رہا) اور اسی وجہ سے میں بہت غمگین تھا کہ کیوں میری نظر میری قوتِ گویائی سے نہیں ہٹتی (اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جمال الدین مغربیؒ جب بندہ نواز سید محمد گیسو دراز کے استدلال سے قائل ہو گئے تو ندامت کی حالت میں اپنی قوتِ گویائی کی ان الفاظ میں مذمت کرتے رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میر سید جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ دکن کی طرف میں جب پہلی مرتبہ گیا تو بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ کی زیارت ہوئی۔ میں نے انکو بڑا عالیشان بزرگ پایا۔ آپ نے بہت کتابیں لکھی ہیں۔ آپ نے اپنی آخری تصنیف میں صاحبِ فصوص الحکم (شیخ ابن عربیؒ) کے وحدتِ وجودِ مطلق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس فقیر نے اسکی بہت تاویل کی اور قسم قسم کے دلائل عقلی و نقلی پیش کئے۔ لیکن آپ کو اس کتاب کی ترمیم کے لئے آمادہ نہ کر سکا۔

جب دوسری مرتبہ دکن جانے کا اتفاق ہوا تو آپ کا وصال ہو چکا تھا۔ آپ کے صاحب زادگان میر سید عبداللہ اور میر سید حنفی اللہ سے ملاقات ہوئی۔

صحابہؓ میں افضل کون ہے

میر سید محمدؒ گیسو دراز اپنی کتاب جوامع الکلم میں فرماتے ہیں کہ جب مسائل کلامیہ (علم الکلام کے مسائل) میں فضائلِ صحابہ کا ذکر ہوتا ہے تو ابہام کی وجہ سے میں کوئی بحث شروع نہیں کرتا سوائے ان لوگوں کے سامنے جو صحابہ کرام میں خلوص رکھتے ہیں میرا صدقِ دل سے عقیدہ یہ ہے کہ افضل صحابہ حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ، ان کے بعد حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد حضرت علیؓ ہیں۔ لیکن لوگ نزاع لفظی میں مبتلا ہیں۔ میں اس سے پرہیز کرتا ہوں۔ (یاد رہے کہ آپ سید ہوتے ہوئے صدیق اکبرؓ کی فضیلت کے قائل ہیں۔ اس وجہ سے کہ آپ اہل عرفان و بصیرت ہیں) علما کا اس بات پر بھی اختلاف ہے کہ

مسلمان کے لئے موت بہتر ہے یا حیات۔ بعض حیات کو بہتر سمجھتے ہیں۔ بعض موت کو۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حیات بہتر تھی اور آپؐ کے بعد موت بہتر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اپنے اصحاب کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا کہ کس کے متعلق۔ اس نے کہا۔ عمارؓ کے متعلق۔ آپ نے فرمایا۔ وہ مومن ہے پُر از ایمان۔ اس کے بعد اس نے پوچھا کہ سلمانؓ کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا وہ علم اولین وآخرین رکھتا ہے۔ اس کے بعد اس نے خلیفہ اول کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحبِ راز (محرم راز) تھا۔ اُس نے پھر پوچھا کہ اے علیؓ! کیا آپ مجھے پسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ نیز فرمایا کہ میں جو چیز چاہتا ہوں، پاتا ہوں۔ اگر میں خاموش رہوں تو وہ مجھ سے کلام کرتا ہے (شاید اللہ تعالےٰ کلام فرماتے ہیں) اور چاہتا ہے کہ میں کسی چیز کی خواہش کروں۔ قوت القلوب میں لکھا ہے کہ ہذا مقام المحبوب (یہ مقام محبوبیت ہے) آپ فرماتے ہیں کہ دو چیزیں امتِ رسول اللہ علیہ السلام کے لئے بدعت ہیں۔ اول صورتِ قلندر۔ دوم یہ کہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھیں اور رسولِ خدا کو جو لوگ جان سے زیادہ عزیز ہیں، انکو قتل کریں۔ اور ٹکڑے ٹکڑے کریں اور ان کی مستورات اور فرزندان کو قید کر کے رسوا کریں۔ کیا اس حالت میں ایمان باقی رہتا ہے۔ یہ کون سا ایمان ہے اور کون سا دین ہے۔

فرمایا تفسیر المعانی میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حضرت علیؓ کو کسی کام کے لئے بھیجا تھا۔ جب وہ واپس آئے تو آپ نے فرمایا کہ اے علیؓ کیا تجھے معلوم ہے کہ رات حق تعالےٰ نے مجھ پر کیا مہربانی فرمائی۔ انہوں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ رات میں نے حق تعالیٰ سے ابو طالب اور اپنے والد اور والدہ کے لئے مغفرت کی درخواست کی۔ فرمان ہوا کہ جو شخص

میری توحید اور تمہاری نبوت پر ایمان نہیں لایا اور جس نے بتوں کو باطل نہیں کہا ہم اُسے بہشت نہیں دیں گے۔ ہاں تم فلاں بلندی پر جاکر اپنے والدین اور ابوطالب کو آواز دو وہ زندہ ہوکر تمہارے پاس آجائیں گے۔ تم انکو دعوتِ ایمان دینا۔ وہ تمہارے ساتھ ایمان لائینگے۔ میں نے اسی طرح کیا اور بلندی پر جاکر آواز دی۔ انہوں نے زمین سے سر نکالا اور مجھ پر ایمان لے آئے۔ پس انہوں نے عذاب سے نجات حاصل کی۔ میر سید محمدؐ گیسودراز فرماتے ہیں کہ یہ روایت غریب (ضعیف) ہے۔ یہ بات تفسیر المعانی میں میں نے دیکھی ہے۔ کسی اور کتاب میں نہیں دیکھی۔ میر سید محمدؒ گیسودراز کی ایک مشہور تصنیف کتابِ اسمار ہے۔ جس میں آپ نے بہت حقائق و معارف، دقائق واشارات بیان فرماتے ہیں، جنکا سمجھنا بہت مشکل ہے۔

آپ کے دیوان میں سے ایک غزل یہاں لکھی جاتی ہے۔

غزل

۱۔ گر خم خمار کشاید دہن	جملہ جہاں مست شود ہمچو من
۲۔ گر بتِ من برقع ندرخ برکشد	ہر طرفے گردد شور و فتن
۳۔ جرعہ چوں جرعہ بادہ بکش	سنگ بکف آرو سر خم بشکن
۴۔ بادہ رود ہر طرفے ہمچو جوے	باش درانجا کشادہ دہنے
۵۔ خانہ چو خانہ خمار نیست	نغمہ در و رقص در و دف بزن
۶۔ بوئے کجا یابم در گلستانے	سرو کجا جویم اندر چمن
۷۔ گوہر اگر خواہی در بحر جوی	چوب کجا باشد اندر یمن
۸۔ یار کجا یابم در دہر نیست	راز کرا گویم تنہا چو من
۹۔ پیش ابوالفتح محمد بگو	بس کند از شور زیادہ سخن

۱۔ ترجمہ :- اگر خمار یعنی شراب خانے کا مالک اپنے خم کا منہ کھول

دے تو سارا جہان میری طرح مست ہو جائے۔

۲. اگر میرا محبوب چہرے سے نقاب اٹھا دے تو ہر طرف شور اور فتنہ بپا ہو جائے۔

۳. ایک ایک گھونٹ شراب مت پی، پھر اٹھا کر خم توڑ دے۔

۴. تاکہ شراب ہر طرف نہر کی طرح بہہ جائے اور بس تو اپنا منہ کھول لے۔

۵. میرا گھر شراب خانہ کی طرح ہے۔ پس تم اس کے اندر خوب گاؤ، رقص کرو اور دف بجاؤ۔

۶. تیری خوشبو باغ میں کہاں پاؤں اور سرو قد کو چمن میں کہاں حاصل کروں۔

۷. اگر تو گوہر کی تلاش میں ہے، تو سمندر میں ڈھونڈ۔ لکڑی یمن سے کہاں ملتی ہے۔

۸. یار کو کہاں پاؤں، دنیا میں کہیں نہیں ملتا۔ دل کا راز کس سے کہوں کوئی محرم راز نہیں۔

۹. ابوالفتح محمد سے کہو کہ زیادہ شور نہ کرے اور خاموش ہو جائے۔ یعنی اپنے آپ کو کہہ رہے ہیں کہ بس اب چپ رہ۔

حضرت میر سید محمد گیسو دراز کے کمالات و کرامات بے شمار ہیں۔ آپ شروع ہی دہلی میں رہتے تھے، لیکن شیخ نصیر الدین محمودؒ کی وفات کے بعد اپنے شیخ کی وصیت کے مطابق دکن تشریف لے گئے اور شہر گلبرگہ میں سکونت اختیار کر لی، وہاں آپ مقبولِ عام ہوئے اور ساری خلقت آپ کی گرویدہ ہو گئی۔ چنانچہ آج تک وہاں کے سلاطین و امراء اپنی لڑکیوں کی شادی آنحضرت کی اولاد سے کرتے ہیں۔ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ آپ کی ولادت چودہ ماہ رجب ۷۲۰ھ کو دہلی میں ہوئی اور ایک سو پانچ سال زندہ رہ کر ۸۲۵ھ میں سلطان فیروز شاہ بن غیاث الدین محمد شاہ بن سلطان علاؤالدین المعروف حسن کانگو بھمنی کے عہد میں رحلت فرمائی اور گلبرگہ میں دفن ہوئے۔ آپ کا مزار وہاں کے لوگوں کا قبلہ حاجات

ہے۔ دکن کے سلاطین کو بہمنی اسلئے کہتے ہیں کہ حسن کانگو بہمن بن اسفندیار کیانی سلطان
غیاث الدین تغلق شاہ کا غلام تھا اور سلطان المشائخ کا مرید تھا۔ جب سلطان غیاث الدین
تغلق نے اُسے دکن کی حکومت دے کر روانہ کیا تو سلطان المشائخ نے فرمایا کہ انشاء اللہ
وہاں کی بادشاہی بھی تجھے ملے گی۔ حسن کانگو اس خوشخبری سے شادمان ہو کر دکن گیا اور ہمیشہ
اسی مقصد کی فکر رہنے لگا۔ چند سال تک اس نے سلاطین کی اطاعت کی۔ جب سلطان محمدؐ
شاہ بن غیاث الدین تغلق نے ٹھٹھہ کے قریب وفات پائی، تو حسن کانگو قلعہ دولت آباد میں
شاہی علم اُٹھا کر خود سلطان علاؤالدین بہمن کے خطاب سے بادشاہ بن بیٹھا۔ حسن کانگو کی وجہ
تسمیہ یہ ہے کہ جب حسن لڑکا تھا۔ تو اُسکے والد کا انتقال ہو گیا۔ کانگو اسکے والد کا مخلص زاردار
تھا۔ چونکہ باپ کے انتقال کے بعد کانگو نے اسکی اپنے بیٹے کی طرح پرورش کی۔ اسلئے
اسکا نام حسن کانگو ہو گیا اور ۷۴۸ھ میں اُسکے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اُس نے گیارہ سال سات
دن سلطنت کی اور مر گیا۔ اسکی اولاد سے سترہ حکمرانوں نے ایک سو چھہتر ۱۷۶ سال سلطنت کی۔
اسکے بعد ۹۳۵ھ میں غلامان اُسکی اولاد پر غالب آ گئے اور دکن کی سلطنت کو چار حصوں
میں تقسیم کر کے چار غلام اس پر حکمران ہو گئے۔ یعنی نظام الملک احمد نگر میں عادل خان بیجاپور
میں، قطب الملک گولکنڈہ میں اور ملک برید شہر بدر میں! اسکے بعد سارا ملک طوائف الملوکی
کا شکار ہو گیا اور کئی سال تک ان چار حکمرانوں کی اولاد نے حکومت کی۔ حتیٰ کہ ۱۰۴۵ھ میں
شاہ جہان بن جہانگیر بن اکبر بادشاہ نے دہلی سے دکن پر لشکر کشی کی اور قلعہ دولت آباد کو
نظام الملک کی ولایت سمیت اپنے تصرف میں لایا۔ قلعہ احمد نگر کو اکبر بادشاہ پہلے فتح کر
چکا تھا۔ اب عادل خان دوئی بیجاپور، قطب الملک والی گولکنڈہ اور ملک برید حاکم شہر بدر نے
اطاعت قبول کی اور سکہ شاہجہان کے نام جاری ہوا اور دکن کی ولایت تین سو سال کے
بعد دوبارہ شاہانِ دہلی کے قبضے میں آ گئی۔

حضرت میر سید مکیؒ

آں مستِ بادۂ بے خمار، آں فارغ از گفتگوئے اغیار، آں موصوف بر اوصاف مزکی، افرادِ کامل حضرت محمد مکی قدس سرہٗ آپ شیخ نصیر الدین محمودؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ بڑے صاحب الحال اور بلند ہمت بیباک اور بے نیاز تھے۔ سخن مستانہ کہا کرتے تھے۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد شرفاء مکہ میں سے تھے۔ وہاں سے دہلی تشریف لائے اور قصبہ سرہند میں سکونت اختیار کی۔ آپ کا مزار بھی سرہند میں ہے۔ آپ نے بہت کتابیں لکھی ہیں، چنانچہ بحر المعانی، دقائق المعانی، حقائق المعانی، رسالۂ روح اور رسالۂ دیگر مسمی پنج نکات اور بحر الانساب مشہور ہیں۔ آخری کتاب میں آپ نے اہل بیت حضرت رسالت پناہ کا نسب نامہ لکھا ہے آپ نے اپنے اجداد کا نسب نامہ بھی لکھا ہے۔ آپ بہت جہاندیدہ تھے اور اکثر مشائخ وقت

کی صحبت حاصل کر چکے تھے۔ آپ نے تمام رجال اللہ کی صحبت بھی حاصل کی تھی اور دوسری آسمانی کتابوں مثلاً توریت، انجیل، زبور وغیرہ کا بہت مطالعہ کر چکے تھے۔ بحر المعانی میں آپ نے اسکا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ آپ کے کمالات آپ کی تصانیف سے ظاہر ہیں کہ بات کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتے ہیں۔ آپ بحر المعانی میں فرماتے ہیں کہ اس فقیر نے بیس سال تک شاہان حضرت لایزالی کے آستانہ پر جبیں سائی کی ہے۔ چار سال تین ماہ اور بارہ دن سے اپنے پیر فرد حقیقت حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کی خدمت میں رہا۔ مرید ہونے کے بعد تین کاموں میں مشغول ہو گیا۔

اول یہ کہ نماز پنجگانہ کیلئے حضرت کو وضو کرانا اس فقیر کے ذمہ تھا۔ دوم آپ کے چراغ کے لئے تیل بہم پہنچانا، سوم یہ کہ آپ کے استنجا کے ڈھیلے میں اپنے چہرہ پر رگڑ کر ہموار کرتا تھا۔ یہ خدمت میں نے سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد میں کی یعنی جب میرے والد بزرگوار ایک ہزار سوار لے کر کہنائچ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اس کے بعد اپنے شیخ کی اجازت سے میں نے تین سو بیاسی ۳۸۲ مشائخ کی صحبت حاصل کی اور ان کی خدمت میں کمر بستہ رہا۔ ان میں سے ہر ایک بزرگ نے اس فقیر کے حال پر نوازش فرمائی۔ اس مقام پر آپ نے ان تین سو بیاسی ۳۸۲ بزرگوں کے نام، اوقات ملاقات اور دیگر احوال و کوائف جو آپ نے وہاں دیکھے سب تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ میں عبد مناف کے بھائی صفوان بن قصیرؓ جو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ ایک غار میں مشغول تھے۔ اسوقت آپ کی عمر نو سو بیانوے ۹۹۲ سال تھی، انہوں نے فرمایا کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں درازیٔ عمر کی دعا فرمائی تھی اور یہ واقعہ غرائب میں سے ہے۔ نیز فرمایا کہ اس فقیر نے سیر عالم میں ——— اسقدر مذاہب دیکھے ہیں کہ اگر ان کا حال لکھوں تو اس کتاب بحر المعانی کو اٹھانے کے لئے اونٹ درکار ہوں۔ بحر المعانی میں آپ فرماتے ہیں کہ ساٹھ سال تک علوم ظاہری اور حصول کمالات کے لئے کوشاں رہا۔ محبوب ازلی اور مقصود ابدی سے غافل رہا۔ اب بیس ۲۰ سال سے دیکھ رہا ہوں جو کچھ آنکھ دکھاتی ہے اور سن رہا ہوں جو کچھ سننا

ہوں۔

اے محبوب! اہل ظاہر کا معیار عقل و فہم اسرار بیان کرنے سے مانع ...ہے۔ ورنہ رخت علم یزلی کو ہم نے صحرائے ابد میں پھینک دیا ہے (ہم منازل عرفان طے کر چکے ہیں) اے محبوب! رموز کا اگر ایک شمہ بیان کروں تو کوئی سننے والا نہیں ہے۔ جو کچھ میں کتاب بے حرف اور بے صوت کے احکام کے متعلق کہتا ہوں۔ خلقت نہیں جانتی اور جو کچھ خلقت کہتی ہے۔ تینتیس ۳۳ سال ہوئے۔ میں اس سے توبہ کر چکا ہوں اور جو کچھ میں پہلے کہا کرتا تھا۔ اب اسکی ضرورت نہیں رہی۔

اُس کتاب میں آپ نے تمام ابدال، اوتاد، اقطاب اور رجال اللہ کے نام، مراتب اور احوال اس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ اس سے بہتر تصور میں نہیں آ سکتا۔ جیسا کہ اس کتاب کے مقدمہ میں بیان آچکا ہے۔

حلاج کا مقام

بحر المعانی میں آپ فرماتے ہیں کہ اے محبوب! فصوص الحکم کے مصنف شیخ ابن عربی کہتے ہیں کہ منصور حلاج پر تجلی ذات ہوئی تھی اور افراد پر فائض تھے۔ لیکن یہ فقیر کہتا ہے کہ اگر ان پر تجلی ذات ہوتی تو انا الحق بالکل نہ کہتے اور حضرت بایزید بسطامیؒ سبحانی ما اعظم شانی کا نعرہ نہ لگاتے کیونکہ تجلی ذات، محویت ہے۔ اسے کیا معلوم کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰہ کَلَّ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ کو پہچانا اسکی زبان بند ہو گئی) تجلی کے متعلق ہے اور مَنْ عَرَفَ اللّٰہ طَالَ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ کو پہچانا اسکی زبان دراز ہو گئی) یہ تجلی صفات میں استغراق ...ہے۔ پس سالک کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت سمجھے یعنی وجود حادث (انسان کا وجود) واجب الوجود (حق تعالیٰ) کی صفات کے نور جمال میں مستغرق ہو جائے اور واجب الوجود (حق تعالیٰ) کی صفت حادث الوجود (انسان) پر طاری ہو جائے اور حادث الوجود اپنی صفت حدوث سے پاک ہو جائے۔ جب حادث پر صفت واجب الوجود طاری ہو جاتی ہے تو سبحانی ما اعظم اور انا الحق اور اِنَّ اللّٰہَ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَر کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ کیا کروں ابن عربی آج زندہ نہیں ہیں۔ ورنہ میں ان سے کہتا جو کچھ کہتا اور وہ

سُنتے جو کچھ سُنتے۔ میں نے جو کچھ بیان کیا میری کتاب بحر المعانی کے شان کے شایان نہیں ابھی تک میں نے حقائق بیان نہیں کئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن کچھ لکھوں گا۔

اے محبوب! جب فردِ حقیقت شیخ نصیر الدین محمودؒ کی توجہ سے میرے سلوک میں ترقی ہوئی اور تجلی صفات سے تجلی ذات میں جو مقام فردانیت ہے۔ بشرط مستوری نزول کیا تو میں نے فردِ حقیقت کو عالم واقعہ میں دیکھا کہ ذکر خفی کر رہا تھا (یعنی اپنے شیخ کو عالم واقعہ میں دیکھا) یہ دیکھ کر میں نے آپ کے قدموں پر سر رکھا۔ آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا اے شہباز میدان لاہوت، اے ساکن عالم جبروت اور اے طائر، عالم ملکوت و ناسوت! اس کے بعد آپ نے میری آنکھ میں سرمہ لگا کر فرمایا کہ یہ سرمہ نورِ جمال ذات ہے۔ یہ واقعہ ۷۵۳ھ کا ہے۔ جب رات ہوئی تو میں سفر پر روانہ ہوگیا۔ شہر ختلان سے مصر گیا اور شیخ اوحد سمنانیؒ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اُسوقت قطب عالم وہی تھے انہوں نے بھی بندہ کے حق میں وہی کلمات فرمائے جو فردِ حقیقت (شیخ نصیر الدین محمودؒ) نے فرمائے تھے۔ انہوں نے اپنے حجرے کے اندر مجھے ایک کونہ عطا فرمایا۔ عشاء کی نماز اُن کے پیچھے ادا کی اور رات کے تین چوتھائی حصے میں ایک ختم قرآن اور تیرہ پارے زائد پڑھے۔ جب میں نے اپنی طرف نظر کی تو دیکھا کہ تمام جسم نور ہوگیا ہے اور عرش اعظم کا محیط ہوگیا ہے اور عرش اعظم میری نظر میں رائی کے دانے کے برابر ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے اپنے آپ پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ میرے جسم کے تمام بالوں نے میری صورت اختیار کرلی ہے۔ اُسکے بعد دیکھا کہ افلاک و انفس[1] کے تمام عالم لاکیف ہوگئے ہیں۔ اے محبوب! محو در محو اسی طرح طرفۃ العین (آنکھ جھپکنے کی دیر میں) میں نے تجلیات کے

---

(۱) افلاک سے مراد ظاہری دنیا اور انفس سے مراد انسان کے قلب کا عالم ہے۔

ستر ہزار عالم کی سیر کی۔ اس کے بعد حق تعالےٰ نے بلا واسطہ (یعنی براہِ راست) کلام سُنا۔ فرمان ہوا۔ "یا عبدی جلالی حجاب وجمالی انوار وانت بین الجلال والجمال" (اے میرے بندے میرا جلال حجاب ہے اور میرا جمال انوار ہیں اور تم جلال اور جمال کے درمیان ہو) کلام کے بعد میں تجلّی ذات سے مشرف ہوا جس کی کیفیت صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی۔ اس کے بعد میں نے پھر مقام لاہوت کی طرف نزول کیا۔ جس کا دوسرا نام مقام فردانیت ہے اے محبوب! تجلّی ذات کے بعد سترہ روز شیخ اوحد سمنانی کے حجرہ میں بے ہوش پڑا رہا۔ ان سترہ روز میں روزانہ شیخ میرے پاس آکر میری پیشانی پر بوسہ دیتے تھے۔ اگر شیخ میرے حال پر مطلع نہ ہوتے تو میرے ساتھی مجھے مردہ سمجھ کر دفن کر دیتے۔ اسکے بعد میں عالم صحو (ہوشیاری) میں آیا اور یہ نزول تجلّی کی وجہ سے تھا۔ اسکے بعد جس طرف نظر کرتا تھا۔ اپنے ساتھ ایک نور متصل دیکھتا تھا۔ اور یہ مقام فردانیت میں افاقہ کی صورت ہے جو ساری کائنات میں بر سبیل فتوت فائض ہے اور یہ سب فرد حقیقت قدس سرہٗ (شیخ نصیر الدین محمودؒ) کے وجود کی برکت سے تھا۔ کیونکہ ایک دن سلطان محققین امیر کبیر جعفر نصیر مکی یعنی اس فقیر کے والد حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ آں حضرت نے فرمایا کہ "امیر جعفر تمہارا لڑکا محمدؒ میدانِ لاہوت کا شہباز ہوگا۔ تین سو اسّی سے زائد اولیا۔ اقطاب۔ وافراد کا فیض اسکے اندر اتر کرے گا اور وہ ان نعمتوں سے مشرف ہوگا۔ اسوقت یہ فقیر شمس الدین یحییٰ سلطان المشائخ کے خلیفہ کے ہاں تلخیص پڑھتا تھا۔ الحمد للہ رب العلمین۔

اس کتاب میں آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو کچھ میری زبان اور قلم سے ظاہر ہوتا ہے زبان دل سے اقتباس کرتی ہے۔ دل میری روح سے اقتباس کرتا ہے اور میری روح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روح سے اقتباس کرتی ہے۔ روح حضرت علیؓ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی روح مبارک سے اقتباس کرتی ہے اور نبیؐ کی روح حضرت حق تعالےٰ کے کلام بے حرف

وبے صوت سے ۔ اے محبوب! جس قدر لکھتا ہوں۔ پیش در پیش اشکال پیدا ہوتے ہیں۔
یقین جانو کہ بحر المعانی کے ان کلمات کے متعلق کئی سال پہلے خضر علیہ السلام مجھ سے سفر و
حضر میں سوال کرتے تھے ۔ لیکن میں اُن سے بات نہیں کرتا تھا۔ اب بھی وہ دریافت
کرتے ہیں تو واللہ میں نہیں بتاتا۔ وجہ یہ ہے کہ ابتدائے حال میں چند سال اس فقیر کو
خضر علیہ السلام سے ملنے کی خواہش تھی۔ جب ملاقات ہوئی تو اِن باتوں کے متعلق
اس فقیر نے اُن سے دریافت کیا۔ لیکن تسلی بخش جواب نہ ملا۔ آج انہیں بہت خواہش
ہے۔ لیکن میں اجتناب کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ اپنی جان کے فکر میں ہیں۔ یعنی نیم جان کی حفاظت
کرتے ہیں اور میرا یہ حال ہے کہ اگر مجھے ایک ایک لحظے میں ہزار جان بھی دیں تو اسے قربان
کرنے سے دریغ نہ کروں۔ پس اے محبوب تو بھی جاں نثاری اور جاں سپاری میں کوشاں
رہ۔ تاکہ خضر جیسے ہزار آدمی تیرے پیچھے سرگردان پھریں۔

اولیائے اُمتِ محمدیہ کا مقام

اے محبوب! موسیٰ علیہ السلام علم نبوت اور علم ولایت میں کامل تھے۔ لیکن وہ خضر کے
تین علوم کے متحمل نہ ہو سکے اور خضر میرے ان کلمات کے پیچھے سرگردان ہے۔ پس
اے محبوب! چونکہ موسیٰ علیہ السلام تین اسرارِ الٰہی کے متحمل نہ ہو سکے۔ تم گدائے کوچۂ
محمدی ہو۔ اس وجہ سے بحر المعانی کے تمام کلمات کے متحمل ہو گئے ہو۔ اگر موسیٰ علیہ السلام
اس زمانے میں ہوتے تو اُن سے کہا جاتا جو کچھ کہا جاتا۔ پس تم اِس نعمت بے پایاں کا شکر
ادا کرو اور دعا کرو کہ دقائق المعانی بھی تمہارے لئے تحریر کر سکوں۔ بحر المعانی میں آپ نے
یہ بھی لکھا ہے۔ روز پنج سات۔ ماہ محرم ۸۲۴ھ چھبیسواں مکتوب لکھ رہا تھا اور اسرار
عشق بیان کر رہا تھا۔ جب قلم یہاں پہنچی کہ زیر غبار و خمار تو میری حالت دیگر گوں ہو گئی اس
وقت میں نے سر زانوں پر رکھا۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مسجد قبا
(مدینہ منورہ سے چند میل دور ایک مسجد ہے۔ جو سب سے پہلے تیار کی گئی۔ اسی مسجد
کے پاس ایک کنواں ہے۔ جس میں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مہر
نبوت گر گئی تھی) میں تمام صحابہ کرام اور اولیاء اللہ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لے کر

قطب عالم شیخ نصیر الدین محمودؒ تک کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی زبان میں فرمایا کہ اے فرزند! امیں لم یزل ولایزال بحر المعانی را بیار (اے میرے فرزند لم یزال ولایزال بحر المعانی لاؤ) میں نے فوراً پینتیس اور چھتیسواں مکتوب جہاں تک لکھ چکا لاکر پیش کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی سرعت سے اُسے فوراً پڑھکر فرمایا الحمد للہ الذی انہمك یا ولدی عالم الاسرار ، ثم قال ارشدك اللہ فی زیادۃ علمك (اللہ تعالےٰ کا شکر ہے جس نے اے میرے فرزند تجھے عالم اسرار میں منہمک کیا ہے۔ پھر فرمایا۔ اللہ تعالےٰ تمہیں زیادتی علم میں برکت دے) اور فارسی زبان میں فرمایا۔

"اے یاران ایں مصنف بحر المعانی مردیست کہ جمیع کلام مجید را معانی حقیقت بیان کند واگر علم روئے زمیں ہمیں شستہ شود ویک ورق نماندہ باشد وایں شخص قلم بر دست گیر د ہمہ علم را از سر نو بنویسد بندۂ فرمان شد کہ اے فرزند مست حضرت لم یزل ولایزال بیش ازیں اسرار در صحرا مہ کہ امور شریعت در جہاں قصور پذیرو واہلِ شریعت را در خواطر نفور گیرد پس من نیز قبول کرام وبحر المعانی را ہم ازیں مکتوب سی وششم با تمام رسانیدم"۔

ترجمہ: اے یاران بحر المعانی کا یہ مصنف وہ مرد ہے کہ جو تمام کلام مجید کے معانی حقیقت بیان کرتا ہے اور اگر تمام روئے زمین کا علم دھل جائے اور ایک ورق بھی باقی نہ رہے تو یہ شخص قلم ہاتھ میں لے کر تمام علم کو از سر نو لکھ سکتا ہے اس کے بعد فرمان ہوا کہ اے فرزند مست لم یزل ولایزال اس کے بعد رموز مت بیان کرو۔ کیونکہ دنیا میں امور شریعت میں خلل واقع ہوتا ہے اور اہل شریعت کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے پس میں نے قبول کیا اور بحر المعانی کو اسی چھتیسویں [36] مکتوب پر ختم کیا۔

اسکے بعد اے محبوب! حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحر المعانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا کی۔ انہوں نے مطالعہ کے بعد حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو دی انہوں نے خواجہ عبد الواحد زیدؒ کو دی۔ اسی طرح تمام مشائخ سلسلہ کے ہاتھوں ہاتھ یہ کتاب قطب عالم حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کے پاس پہنچی۔

غرضیکہ میر سید محمدؒ کی کے کمالات اس قدر ہیں کہ دائرہ تحریر سے باہر ہیں آپ کے کمالات آپ کی تصانیف سے ظاہر ہیں۔ آپ کا سن وفات نظر نہیں آیا۔ لیکن اخبار الاخیار میں لکھا ہے۔ آپ کی عمر بہت دراز تھی اور سلطان محمد تغلق شاہ کے عہد سے لیکر بہلول لودھی کے عہد حکومت تک قید حیات میں رہے۔ آپ کی عمر سو سال سے زیادہ تھی یاد رہے کہ سلطان محمد تغلق شاہ نے اپنے والد سلطان غیاث الدین تغلق کے بعد ستائیس سال حکومت کی اور اکیس محرم ۷۵۲ھ کو فوت ہوا۔ اس کے بعد سلطان فیروز شاہ بن رجب جو اسکے چچا کا لڑکا تھا۔ ارکان دولت کے اتفاق رائے اور شیخ نصیر الدین محمودؒ کی اجازت سے تخت نشین ہوا اور اڑتیس سال چند ماہ حکومت کر کے اٹھارہ رمضان المبارک ۷۹۰ھ میں فوت ہوا۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین بن فتح خان بن فیروز شاہ اپنے دادا کی جگہ تخت پر بیٹھا اور چھ ماہ سولہ دن حکومت کرنے کے بعد ۷۹۱ھ میں ملک رکن الدین کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے بعد ابابکر شاہ بن ظفر بن فیروز تخت نشین ہوا اور چند روز کے بعد قتل ہو گیا اسکے بعد سلطان محمد بن فیروز شاہ جو اپنے بھتیجے غیاث الدین سے بھاگ کر نگر کوٹ گیا ہوا تھا۔ ارکان دولت کی رائے سے دہلی کے تخت پر بیٹھا اور پانچ سال چند ماہ حکومت کر کے ۱۷ ربیع الاول ۷۹۶ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان سکندر بن محمد شاہ سلطان علاؤ الدین کے لقب سے اپنے باپ کے تخت پر بیٹھا۔ بعض اسے ہمایوں خان کہتے ہیں۔ ایک ماہ اور اٹھارہ دن حکومت کر کے فوت ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان ناصر الدین محمود بن سلطان محمد فیروز شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں طوائف الملوکی شروع ہو گئی چنانچہ اس نے چار افسروں کو فوج دے کر مختلف علاقوں کے لئے تعینات کیا۔ اُسوقت ایک نجومی موجود تھا۔ اس نے کہا کہ یہ چاروں افسر ایسے اوقات میں رخصت ہوئے کہ چاروں بادشاہ ہونگے آخر یہی ہوا۔ خواجہ جہان جسے بادشاہ نے جون پور کی طرف بھیجا تھا۔ وہاں جا کر باغی ہو گیا اور قنوج سے صوبہ بہار تک سارے علاقے پر قابض ہو گیا۔ چنانچہ سلاطین شرقیہ کا بانی وہی ہے۔ دلاور خان غوری کو مالوہ کی طرف بھیجا گیا۔ وہاں جا کر وہ خود مختار ہو گیا۔ اسی طرح مظفر خان بھی گجرات پہنچ کر خود بادشاہ بن بیٹھا۔ خضر خان جسے ملتان بھیجا گیا۔ والئے ملتان

بن گیا. اب سلطان محمود کے ہاتھ میں جس قدر تھوڑا بہت علاقہ رہ گیا تھا ۸۰۱ھ میں امیر تیمور نے فتح کر لیا. لیکن چند ماہ کے بعد امیر تیمور ماوراء النہر کی طرف چلا گیا اور سارے ہندوستان میں جا بجا علیحدہ سلطنتیں قائم ہو گئیں. آخر سلطان محمود نے ۸۱۵ھ میں وفات پائی اور خاندان فیروز شاہی کا خاتمہ ہو گیا. اس کے بعد خضر خان جس نے ملتان پر قبضہ کر لیا تھا. دہلی پر بھی قابض ہو گیا. لیکن خطبہ اور سکہ شاہ رُخ بن امیر تیمور کے نام جاری کیا اور اپنے آپ کو سند عالی کا خطاب دیکر مرزا شاہ رخ کی نیابت میں حکومت کرنے لگا اور سات سال دو ماہ حکومت کرنے کے بعد ۸۲۴ھ میں فوت ہو گیا. اس کے بعد اسکا بیٹا مبارک شاہ دہلی کے تخت پر بیٹھا اور تیرہ سال تین ماہ اور سولہ دن حکومت کرنے کے بعد فوت ہو گیا. اسکے بعد سلطان محمد خان بن فیروز خان بن خضر خان تخت نشین ہوا. اس نے بہلول لودھی کو اپنے فرزند کے طور پر تربیت دی اور لاہور کی حکومت عطا کی. سلطان محمد دس سال اور چند ماہ حکومت کرنے کے بعد ۸۴۷ھ میں فوت ہو گیا. اسکی جگہ اسکا بیٹا علاؤالدین تخت پر بیٹھا. وہ بڑا عیش پرست تھا. چنانچہ دہلی چھوڑ کر بدایوں چلا گیا اور وہیں عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا. بہلول لودھی نے موقعہ غنیمت جان کر لشکر جمع کیا اور لاہور سے چل کر دہلی پر حملہ کر دیا. سلطان علاؤالدین کو جب یہ خبر ملی تو اس نے کہلا بھیجا کہ میرے باپ نے تجھے فرزند بنایا تھا اور دہلی کا تخت تجھے مبارک ہو لیکن بدایوں میرے لئے چھوڑ دو. بہلول لودھی نے یہ پیش کش قبول کی اور دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہو گیا. بہلول لودھی سلطان شہ کا بھتیجا تھا. اس کے بعد اس نے جون پور پر حملہ کیا اور سلطان شاہ مشرقی سے سارا علاقہ چھین کر اپنی سلطنت میں شامل کر دیا وہ اڑتیس سال آٹھ ماہ آٹھ روز حکومت کرنے کے بعد ۸۹۴ھ میں فوت ہو گیا اور اسکی جگہ سکندر بن بہلول تخت نشین ہوا. سکندر عادل بادشاہ تھا. اٹھائیس سال پانچ ماہ حکومت کرنے کے بعد ۹۲۰ھ میں فوت ہوا اور اسکی جگہ ابراہیم لودھی بن سکندر تخت پر بیٹھا. نوَ سال کی حکومت کرنے کے بعد اس پر ظہیر الدین بابر نے بارہ ہزار سوار کے ساتھ حملہ کیا.

سلطان ابراہیم ایک لاکھ سوار اور ایک ہزار ہاتھی لے کر میدان میں آیا. لیکن لڑائی میں مارا گیا. اور بابر تخت نشین ہو گیا. بابر نے پانچ سال حکومت کی. اسکی حکومت صوبہ بہار سے لے کر

کابل اور قندھار تک تھی۔ ۹۳۷ھ میں بابر نے وفات پائی اور اُسکا لڑکا نصیر الدین محمد ہمایوں تخت نشین ہوا۔ اس نے نو سال حکومت کی اور اس عرصے میں ملک مالوہ، گجرات اور بنگال تک قبضہ کر لیا۔ اسوقت اسکے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب میرا کوئی دشمن نہیں رہا۔ اس سے غیرت الٰہی جوش میں آئی اور شیر خان افغان نے حملہ کر دیا۔ شیر خان سلطان ابراہیم کے امرا میں سے تھا۔ جب سے سلطان ابراہیم مارا گیا۔ وہ انتقام کے لئے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس نے قوم افغان کو جمع کر کے ہمایوں پر حملہ کر دیا اور فتح یاب ہوا۔ ہمایوں نے بھائیوں کے نفاق اور شیر خان کے غلبہ کے باعث شاہ طہماسپ صفوی سے امداد طلب کی اس نے بارہ ہزار فوج ہمراہ کر کے رخصت کیا۔ لیکن راستے میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ فوج قندھار سے واپس چلی گئی۔ ناچار ہمایوں نے قندھار، بدخشاں اور کابل کی سلطنت پر قناعت کی۔ چونکہ بعض درویشوں نے اسے فتح ہندوستان کی بشارت دی تھی اسلئے وہ اس بات کا منتظر رہا۔ شیر خان نے سارے ہندوستان پر قبضہ کر کے شیر شاہ کا لقب اختیار کر لیا اور پانچ سال حکومت کر کے فوت ہو گیا۔

اسکے بعد اسکا بیٹا اسلام شاہ تخت نشین ہوا اور نو سال حکومت کر کے ۹۶۰ھ میں فوت ہو گیا۔ اسکے بعد اسکا چچا زاد بھائی اور سالہ عادل شاہ تخت نشین ہوا اور محمد شاہ عادل کا خطاب اختیار کر کے حکومت کرنے لگا۔ لیکن کشت و خون کی وجہ سے افغان قوم اس سے ناراض ہو گئی۔ چنانچہ سکندر خان سور نے دہلی میں اور ابراہیم سور نے بہار میں علم بغاوت بلند کیا اور طوائف الملوکی شروع ہو گئی۔ ۹۶۲ھ میں نصیر الدین محمد ہمایوں نے کابل سے ہندوستان پر حملہ کر دیا اور شہر لاہور پر بلا مقابلہ قبضہ کر لیا۔ سکندر سور نے دہلی سے نکل کر پانی پت کے میدان میں مقابلہ کیا۔ لڑائی میں سکندر بھاگ نکلا۔ شہزادہ جلال الدین اکبر نے چودہ سال کی عمر میں سکندر کا تعاقب کیا۔ اس اثنا میں ہمایوں نے بڑھ کر دہلی پر قبضہ کر لیا اور تخت پر بیٹھ گیا۔ لیکن اٹھارہ ربیع الاول ۹۶۳ھ کو چھت سے گر کر ہلاک ہو گیا۔ اسکے بعد جلال الدین اکبر تخت نشین ہوا۔ چنانچہ اُسکے حالات خواجہ بزرگ حضرت معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے حالات کے ساتھ بیان ہو چکے ہیں۔ میر سید محمد کی کا مزار سرہند میں زیارت گاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا خواجگیؒ

آں عالم بعمل آراستہ، آں عارف بمعرفت پیراستہ، آں ممتاز بعشق آزادگی، مقتدائے قوم مولانا خواجگی قدس سرہٗ آپ تمام فضائل انسانی سے آراستہ تھے اور صاحب حال بزرگ تھے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید اور خلیفہ، مولانا معین الدین عمرانیؒ کے شاگرد اور قاضی شہاب الدین جونپوریؒ کے استاد تھے. اوائل حال میں آپ نے دہلی میں تعلیم حاصل کی. درس سے فارغ ہو کر آپ شیخ نصیر الدینؒ محمود کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے. مولانا معین الدین کو دوسرے علماء کی طرح شیخ نصیر الدین محمودؒ سے انکار تھا اور کبھی آپ کے پاس نہیں جاتے تھے. لیکن مولانا خواجگی دونوں حضرات کے بہت معتقد تھے اور اس نفاق کی وجہ سے پیچ و تاب کھاتے تھے. اتفاقاً مولانا معین الدین اس قدر بیمار ہو گئے کہ اطبا ان کے علاج سے عاجز آ گئے. ایک دن مولانا خواجگیؒ نے عرض کیا کہ اگر حضرت قدم رنجہ فرما کر شیخ سے ملاقات کریں اور دعا کی درخواست کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ شفا ہو جائے گی. اگرچہ مولانا کو دل سے یہ بات پسند نہ تھی. لیکن چونکہ تکلیف میں تھے. جانے کے لئے راضی ہو گئے. جب خانقاہ کے قریب پہنچے تو شیخ اٹھ کر اندر تشریف لے گئے اور ایک ساعت کے بعد واپس آئے. گھر میں ہر قسم کے کھانے تیار تھے. آپ خادم سے فرما کر آئے تھے کہ باہر لے آؤ. مولانا سے ملاقات کے بعد خادم نے دسترخوان لگایا اور قسم قسم کے کھانے نکال کر رکھ دیئے. اس نے برنج سادہ اور حوات جو مولانا کی مرض کے لئے مضر تھے. مولانا کے سامنے رکھے. یہ دیکھ کر مولانا معین نے ہاتھ ہٹا لیا لیکن حضرت شیخ نے فرمایا. بسم اللہ الرحمٰن الرحیم شروع کیجئے. شیخ کی ہیبت کی وجہ سے مولانا انکار نہ کر سکے اور چند لقمے تناول فرمائے. کھانے کے بعد مولانا پر کھانسی نے غلبہ کیا. شیخ نے فرمایا. طشت لاؤ. اسی وقت بلغم کا مادہ خارج ہوا اور مولانا کو مضر غذا سے شفا حاصل ہو گئی. اس سے مولانا کے دل میں شیخ کے لئے اعتقاد راسخ ہو گیا.

مولانا خواجگیؒ امیر تیمور کے حملہ سے پہلے دہلی چھوڑ کر چلے گئے تھے. کیونکہ میر سید محمدؒ گیسو درازؒ نے خواب میں یہ حملہ دیکھ لیا تھا. دہلی سے آپ کالپی میں جا کر مقیم ہو گئے. جہاں

آپ کا مزار زیارت گاہ خلق ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

مولانا احمد تھانیسریؒ بھی شیخ نصیر الدین محمودؒ کے مرید تھے اور علوم ظاہری و باطنی میں ممتاز تھے۔ مولانا خواجگی سے آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ لیکن جب مولانا خواجگی دہلی سے چلے گئے تو مولانا احمد انکے ساتھ نہ جا سکے۔ حتیٰ کہ امیر تیمور کی افواج دہلی میں داخل ہوئیں۔ سلطان محمود نے مقابلہ کی کوشش کی۔ لیکن شکست کھا کر آدھی رات کو گجرات کی طرف بھاگ گیا۔ چنانچہ امیر تیمور دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا اور شہر کے تمام اکابر کو جمع کر کے خطبہ امیر تیمور کے نام پڑھایا گیا۔ تین دن کے بعد امیر تیمور نے مجلس جشن منعقد کیا اور مغل لوگ شراب خوری اور عیش پرستی کی خاطر دہلی کے باغوں میں چلے گئے۔ جہاں امرائے دہلی کے عیال و اطفال جان بچا کر پناہ گزین تھے۔ لوگوں نے امیر تیمور سے جا کر کہا کہ سلطان محمود تو بھاگ گیا ہے۔ لیکن باقی لوگ اپنے مال و اسباب سمیت شہر کے باغوں میں جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ سنکر امیر تیمور نے تاخت و تاراج کا حکم دیدیا۔ اس حادثہ میں مولانا احمد بھی قیدی ہو گئے اور فتنہ کے فرد ہونے پر آزاد ہوئے اور امیر تیمور کے قرب میں پہنچ گئے۔ مولانا احمد اور شیخ الاسلام کے درمیان کچھ نزاع پیدا ہو گیا۔ یہ شیخ الاسلام مولانا برہان الدین مصنف ہدایہ کے پوتے تھے۔ امیر تیمور نے کہا کہ یہ صاحب ہدایہ کے پوتے ہیں۔ مولانا احمد نے کہا۔ ان کے دادا نے ہدایہ میں چند غلطیاں کی ہیں اور ان سے ایک غلطی ہو گئی تو کیا مضائقہ۔ شیخ الاسلام نے جواب دیا کہ کونسی غلطیاں کی ہیں، ثبوت دینا چاہیئے۔ مولانا احمد نے اپنے فرزندوں اور شاگردوں کو اشارہ کیا تاکہ تقریر کریں۔ امیر تیمور نے انکی عزت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ معاملہ دوسری مجلس کے لئے ملتوی کر دیا اور مولانا احمد اپنے بال بچوں سمیت کالپی چلے گئے۔ مولانا خواجگی کے ساتھ وہی برادرانہ تعلق از سر نو جاری ہو گیا۔ لیکن مولانا خواجگیؒ کے شاگرد اور فرزند معنوی قاضی شہاب الدین اور مولانا احمد کی اولاد کے درمیان کچھ نزاع واقع ہوا۔ قاضی نے اسکی شکایت مولانا خواجگیؒ کو کی اور مدد طلب کی۔ مولانا نے شیخ سعدیؒ کے یہ دو شعر جواب میں لکھے۔

اے پیش از انکہ در قلم آید ثنائے تو واجب براہل مشرق و مغرب دعائے تو
اے در بقائے عمر تو نفع جہانیاں باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو

ترجمہ: قبل اسکے کہ قلم تیری تعریف میں اٹھائی جائے۔ ہر شخص پر تیرے لیئے دعا واجب ہے۔ تیری زندگی سے سارے جہان کو فائدہ ہے۔ جو شخص تیری زندگی کے لیئے دعا نہیں کرتا۔ باقی نہ رہے۔

آخر یہی ہوا۔ مولانا خواجگیؒ کے کمالات بے شمار ہیں۔ مولانا احمد کا مزار بھی کالپی میں قلعہ کے اندر ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ صدرالدین حکیمؒ

آں محقق بقام حکمت رسیدہ، آں عارف جام وصال چشیدہ ، آں موصوف بصفات حضرت کریم سعید مادر زاد شیخ صدرالدین حکیم قدس سرہٗ آپ شیخ نصیرالدینؒ محمود چراغ دہلی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ تمام ظاہری و باطنی کمالات سے مزین اور سالکین کی تربیت میں بے نظیر تھے اخبارالاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کے والد سوداگر تھے اور سلطان المشائخ کے مرید تھے وہ نہایت بوڑھے ہو چکے تھے۔ لیکن کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ ہمیشہ اولاد کی آرزو میں رہتے تھے ایک دفعہ سلطان المشائخ پر ایک۔ خاص حالت طاری تھی انہوں نے آکر دعا کیلئے درخواست کی۔ آپ نے اپنی پشت مبارک اسکی پشت سے ملی اور فرزند کی بشارت دی چنانچہ اُنکے گھر میں لڑکا پیدا ہوا تو انہوں نے اسکا نام شیخ نصیرالدین کے نام پر رکھا۔ ایک دن وہ بچے کو سلطان المشائخ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے اُسے گود میں اٹھایا جب تک بچہ آپ کی گود میں رہا۔ آں حضرت کے حسن و جمال کو دیکھتا رہا۔ حاضرین مجلس یہ ماجرا دیکھ کر حیران رہ گئے۔ پس آنحضرت نے اپنے جسم سے کپڑا الگ کر کے اپنے ہاتھ سے سیا اور شیخ نصیرالدین کے حوالہ فرمایا اور اُنکے عُلوشان کے متعلق بشارت دی۔ جب شیخ صدرالدین سن تمیز کو پہنچے تو شیخ نصیرالدینؒ کے مرید ہوئے اور تربیت حاصل کر کے مرتبۂ کمال کو پہنچے۔ چنانچہ بڑے بڑے مشائخ آپ سے تربیت حاصل کر کے صاحب رشد و ہدایت ہوئے۔ شیخ فتح اللہؒ اور دیگر آپ کے خلفاء میں سے ہیں۔ اُن کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔ مخدوم شیخ احمد حسینیؒ

جنکا مزار قصبہ برن میں ہے۔ بھی شیخ صدر الدینؒ کے خلیفہ تھے۔ شیخ صدر الدینؒ نے حقائق و معارف اور سلوک الی اللہ پر بہت کتابیں لکھی ہیں۔ اس فن میں آپ کو بڑی دسترس تھی اسی وجہ سے آپ کو شیخ صدر الدین طبیبِ دلہا کہتے ہیں (یعنی دلوں کے طبیب) آپ کو علم طب میں بھی پوری مہارت حاصل تھی۔ ایک دفعہ کسی شہر میں ایک شخص بیمار ہوا۔ لوگوں نے آکر آپ سے علاج کی درخواست کی۔ آپ نے اپنے آدمی کو بھیجا کہ جا کر اسکا علاج کرو۔ اس نے علاج کیا تو وہ صحت یاب ہوگیا۔ آپ نے اپنے آدمی کو خط بھی دیا تھا کہ اس شہر میں فلاں جگہ پر ایک پتھر ہے۔ یہ خط اس پتھر کو دکھا دینا۔ جب اس نے خط پتھر کو دکھایا تو پتھر چلنے لگا اور ایک مقام پر جا کر رُک گیا اور زمین میں گڑھ گیا اور وہاں سے ایک خزانہ برآمد ہوا۔ لیکن آپ نے خزانے کی طرف بالکل التفات نہ کیا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

ہر کہ صاحبِ ہمت آمد مرد شد ہمچو خورشید از بلندی فرد شد

ترجمہ:۔ جو بلند ہمت ہوا مرد ہوگیا اور سورج کی طرح بلندی پر پہنچکر فرد ہوگیا۔

آپ کا مزار قلعہ دہلی کے اندر ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

میر سید علاؤ الدین ساکن سندیلہ بھی شیخ نصیر الدین محمودؒ کے مرید ہیں۔ تربیت کے بعد آپ نے انہیں لکھنؤ کے نواح میں قصبہ سندیلہ میں بھیجا اور تین سو بیگھہ زمین کا فرمان جو سندیلہ کے علاقہ میں تھی۔ خانقاہ کے خرچ کے لئے اپنے ہاتھ سے لکھ کر اُن کے حوالہ کیا چنانچہ آپ سندیلہ میں مقیم ہو گئے۔ بڑے عالی مقام بزرگ تھے۔ آپ کا مزار آج تک زیارت گاہِ خلق ہے۔ وہ زمین بھی آج تک آپ کی اولاد کے تصرف میں ہے اور کسی بادشاہ نے ضبط نہیں کی۔

میر سید علاؤ الدینؒ جنکا مزار قصبہ بنگر مو میں ہے۔ بڑے صاحبِ کرامات بزرگ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ بھی حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کے مرید تھے اور بعض کہتے ہیں کہ آپ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری قدس سرہٗ کے بھتیجے یا پوتے ہیں۔

حضرت قاضی عبد المقتدرؒ

آں مقتدائے اربابِ اسلام آں محرم بکلمات الہام
آں سر حلقۂ اصحاب یقین، پیشوائے قوم قاضی عبد المقتدر

قدس سرہٗ آپ بھی حضرت شیخ نصیرالدین محمودؒ کے خلفاء میں سے تھے. آپ بڑے صاحب کرامات، علوشان اور صاحب احوال بزرگ تھے. تربیت مریدین میں آپ بے نظیر تھے آپ ہمیشہ اپنے جمال ولایت کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے. آپ بڑے فصیح وبلیغ تھے. اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ ہمیشہ درس دیتے تھے. آپ فرماتے تھے کہ ایک شرعی مسئلہ پر تفکر اس ہزار رکعت نماز سے بہتر ہے. جس میں ریا اور عجب داخل ہو اور شیخ نصیرالدینؒ اور آپ کے خلفاء کا طریق اکثر شغل علم اور حفظ شریعت رہا ہے. قاضی عبدالمقتدر زمانۂ طالب علمی میں اکثر شیخ نصیرالدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر بحث کیا کرتے تھے. آں حضرت اس سے خوش ہوتے تھے اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے حتیٰ کہ آپ مرید ہوگئے اور تربیت حاصل کرکے مرتبۂ ارشاد کو پہنچے اور نسبت باطن سے فضیلت ظاہری کو مزین کیا. آپ اکثر فقر و فاقہ میں بسر کرتے تھے. شیخ ابوالفتح جون پوریؒ نے جو آپ کے پوتے، مرید اور خلیفہ تھے. آپ کے ملفوظات جمع کئے ہیں. اس میں لکھتے ہیں کہ میں نے قاضی شہر جو قاضی عبدالمقتدرؒ کے خلیفہ تھے اور شیخ نصیرالدینؒ کی صحبت بھی پا چکے تھے سے سنا ہے کہ ایک دن میں قاضی صاحب کی خدمت میں گیا. اس روز آپ کے گھر میں تین دن کا فاقہ تھا. غالباً قاضی صاحب نے بھی اس بات کا اظہار فرمایا. میں باہر گیا اور نہایت غم زدہ ہوکر آپ کے گھر کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا کہ دس یا پندرہ یا پچیس سکے میرے سامنے آگرے. میں نے انکو اٹھا کر شیخ کی خدمت میں پیش کیا. یہ دیکھ کر آپ غصہ ہوئے. میں نے جس قدر التجا کی کہ اس میں سے کچھ قبول فرمالیں. آپ زیادہ غصے ہونے لگے. یہ کرامت فی الحقیقت قاضی عبدالمقتدر کی تھی. چنانچہ وہ سکے قاضی صاحب کے مریدین نے قاضی شہر سے بڑی قیمت دیکر خرید لئے. اس سلسلے کے ایک بزرگ نے ایک کتاب لکھی ہے. جسکا نام مناقب الصدیقین ہے. اس میں انہوں نے تمام مشائخ چشت کے کرامات اور حالات لکھے ہیں.

انہوں نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ میرے پاس ایک طالب علم آیا جسکا گوشت بھی علم تھا، پوست. علم تھا اور ہڈیاں بھی علم. اس طالب علم سے انکی مراد

قاضی شہاب الدین سے ہے. جو حادثہ تیمور میں دہلی سے جون پور چلے گئے. مخدوم شیخ حسام الدین فتح پوریؒ بھی قاضی عبد المقتدرؒ کے خلیفہ ہیں. اُنکے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں. قاضی عبد المقتدرؒ بن قاضی رکن الدین کی وفات ۲۶ محرم ۷۹۱ھ اور دوسری روایت کے مطابق ۸۰۸ھ میں سلطان محمود بن سلطان محمد بن فیروز شاہ کے عہد میں ہوئی اور دہلی میں دفن ہوئے. آپ کا اور آپ کے والد کا مزار خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ کے احاطہ حوض شمسی کے جنوب سے ہے. جہاں شیخ عبد الصمد بن شیخ ابوالفتح جون پوری کا مزار ہے. مؤخر الذکر سکندر لودھی کے عہد میں تھے. آپ جون پور سے دہلی آئے اور اپنے اجداد کا مقبرہ تعمیر کیا. یہ مقبرہ اب تک باقی ہے. رحمۃ اللہ علیہ.

حضرت قاضی محمد ساویؒ بھی حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کے خلیفہ ہیں آپ علومِ ظاہری میں کامل تھے اور استادِ عہد مانے جاتے تھے اس کے بعد آپ نے حضرت شیخ کی خدمت میں تربیت حاصل کی اور مرتبہ کمال کو پہنچے. بڑے صاحبِ کمال بزرگ تھے. خواجہ اختیار الدین ایرجیؒ اُن کے خلیفۂ بزرگ ہیں. اُن کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں. قاضی محمد ساویؒ کا انتقال چودہ محرم ۸۰۹ھ کو سلطان محمود کے عہد میں ہوا اور قصبہ ایرج میں دفن ہوئے. رحمۃ اللہ علیہ.

حضرت مخدوم شیخ سلیمان رُدولیؒ

آپ بھی شیخ نصیر الدین محمودؒ کے خلیفہ تھے بڑے بزرگ شجاع، بلند ہمت اور عظیم الشان بزرگ تھے. آپ کا سلسلۂ نسب حضرت خالد بن ولیدؓ سے جا ملتا ہے. آپ تمام ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے اور صاحب تصرف و کرامات تھے. خوارق عادت مثل مردہ کو زندہ کرنا اور زندہ کو مردہ کرنا آپ سے صادر ہوئے. آپ شیخ یحییٰ و یمیت کے نام سے مشہور ہیں. سیر الاولیاء میں آپ کے حالات صرف اسی قدر ہیں کہ شیخ سلیمانؒ شیخ نصیر الدین محمود کے مرید تھے. لیکن لطائف اشرفی میں صاف لکھا ہے کہ آپ شیخ نصیر الدینؒ کے خلیفہ بھی تھے. چنانچہ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ قصبہ چالیس کے لوگ مخدوم شیخ سلیمانؒ کے مرید تھے. جو شیخ نصیر الدینؒ محمود کے خلیفہ

سے تھے۔ ایک دن چند لوگ قصبۂ مذکور سے آپ کے پاس مرید ہونے کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ شیخ زکریا بن شیخ سلیمان نے جو اپنے والد کے خلیفہ تھے، کہا کہ ابھی تمہارا حصہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ اس علاقے میں ایک بزرگ صاحبِ کمال اور سید آنے والے ہیں، یہ ولایت ان کے سپرد ہوئی ہے۔ تمہارا حصہ اُن کے پاس ہے۔ اُن ہی ایام میں میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ تشریف لائے اور قصبۂ جائس کے لوگ اُن کے مرید ہو گئے۔ قصبۂ ردولی کے بعض لوگ مثل مخدوم شیخ صفی وغیرہ بھی ان کے مرید ہوئے۔ چنانچہ جو کچھ اُن کی زبان مبارک سے نکلا تھا، ظاہر ہوا۔ شیخ سلیمان اور شیخ زکریا کے مزارات قصبۂ ردولی میں ہیں۔ آپ کے خاندان میں اکثر صاحبِ حال بزرگ پیدا ہوئے ہیں۔ اب بھی اُن کی اولاد میں سے شیخ احمد اور شیخ ابوالفتح زیورِ صلاح سے آراستہ اس شہر میں آباد ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت امیر رستم خراسانی بھی حضرت خالد بن ولیدؓ کی اولاد ہیں۔ چنانچہ آپ کی اولاد میں سے مخدوم شاہ مظفر اور شیخ حاتم وغیرہ، بہ کمالِ شجاعت و صلاح آراستہ آج کل قصبہ ابراہیم آباد میں آباد ہیں۔ چونکہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ کے وقت فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ نے خالد بن ولیدؓ کو سیف اللہ کا لقب عطا فرمایا ہے۔ اس وجہ سے اب تک ان کی اولاد میں شجاعت اور بزرگی کا اثر موجود ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ محمد متوکل کنتوریؒ

کاشفِ اسرارِ الٰہی، عارف بہ معرفتِ لامتناہی جامع بعلوم معنوی و صوری، مقتدائے وقت حضرت شیخ محمد متوکل کنتوری قدس سرہ، حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ بڑے باکمال اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ آپ کی اولاد کا بیان ہے کہ آپ کے والد خواجہ اعز الدین ہرات سے ہندوستان آئے۔ آپ ترکمان قوم سے تھے۔ آپ کا مزار قصبہ ایکھولی میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ شیخ محمد متوکل تعلیم سے فارغ ہو کر حضرت شیخ نصیر الدینؒ کی خدمت میں جا کر مرید ہوئے۔ اور سال ہا سال کی تربیت کے بعد مرتبۂ خلافت کو پہنچے۔ آں حضرت کی اجازت سے آپ قصبہ کنتور میں جا کر مقیم ہو گئے اور تربیت مریدین میں

مشغول ہوئے۔ آپ آں حضرت کی زیارت کے لئے اکثر دہلی جایا کرتے تھے آپ کے
فرزند شیخ سعد اللہ کیسہ دار نے آپ کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے۔ کہ
جب خلقت کی آمدورفت زیادہ ہوگئی اور لوگوں نے سفارش حاصل کرنے کی کوشش
کی تو آپ نے شیخ نصیر الدینؒ محمود کی خدمت میں اجازت چاہی تو انہوں نے فرمایا بابا محمدؒ
جس شخص پر تمہیں بھروسہ ہو، کہا مان لے گا۔ اس کے پاس سفارش کرو، اور جو شخص تمہارا کہا
نہ مانے، اس سے کچھ نہ کہو، کیونکہ جو شخص درویشوں کا کہنا نہ مانے، نقصان اٹھاتا ہے اور
تم خلقت کو نقصان پہنچانے کیلئے پیدا نہیں ہوئے۔ شیخ محمد کی عادت تھی کہ شیخ
کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سلطانؒ المشائخ اور خواجہ قطب
الاسلامؒ کی زیارت کے لئے بھی اجازت لے کر جاتے تھے اور کرنا بھی یہی چاہیئے۔ اس
کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک رات آپ قصبہ بھڑائچ میں اپنے حجرہ کے اندر مشغول تھے،
اور دروازہ اندر سے بند تھا۔ آپ نے اچانک آنکھ کھول کر دیکھا کہ ایک جوگی شکل آدمی حجرہ
کے کونے میں بیٹھے ہوئے ہیں، سارے جسم پر خاکستر لگا رکھی ہے اور نہایت مشغول ہیں
چنانچہ ان کے قرب کی وجہ سے شیخ کے مراقبہ میں کوئی خلل واقع نہ ہوا۔ گویا وہ غیر کے
لباس میں آشنا تھے۔ اس وجہ سے شیخ نے چاہا کہ انہیں سلام کریں، لیکن انہوں نے
سبقت کر کے پہلے خود سلام کیا۔ جب شیخ نے سلام کا جواب دیا تو وہ اٹھے اور مصافحہ
کر کے گفتگو کرنے لگے۔ شیخ نے جس طرف نگاہ کی حجرہ کے درودیوار سونے کے
تھے، لیکن آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی، وہ جانتے تھے کہ شیخ مرد مستغنی اور بے
نیاز ہے۔ اسلئے انہوں نے سر شیخ کے قدموں ... میں رکھ دیا اور کہنے لگے کہ میں آپ
کی ہمت آزما رہا تھا۔ اب مجھے حقیقی ایمان کے لئے دعا میں یاد رکھنا۔ دوسرے دن شیخ
نے ان سے کہا۔ اب پھر وہ جادو دکھاؤ، انہوں نے جس قدر کوشش کی، وہ بات
حاصل نہ ہوئی۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اہل تصوف کے لئے زکوٰۃ لینا بھی درست نہیں، اگر مل
بھی جائے تو مستحق کے حوالے کرنا چاہیئے، کیونکہ ہمارے خواجگان چشتؒ نے اسے
قبول نہیں کیا۔ ملفوظات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن شیخ محمدؒ بھڑائچ میں بیٹھے تھے کہ

عبدالعزیز نام شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُسے علم کیمیا اور سیمیا میں مہارت حاصل تھی، چنانچہ اس نے دونوں علم شیخ کو بتائے، لیکن آپ نے قبول نہ فرمائے، اس کے بعد اس نے کہا کہ میرے پاس کچھ اکسیر ہے۔ جو تانبے پر ملنے سے سونا بن جاتا ہے، آپ نے توجہ نہ فرمائی اور اپنے بھتیجے علاؤالدین سے کہا کہ ایسے شخص کو میرے سامنے نہ آنے دو۔ بلکہ شہر بہرائچ سے باہر نکال دو تاکہ درویشوں کے حال میں خلل انداز نہ ہو۔ جب یہ بات حضرت شیخ نصیر الدینؒ تک پہنچی تو آپ بہت خوش ہوئے اور اِسقدر نعمت عطا فرمائی کہ حد سے باہر ہے توکل ایسا ہونا چاہیئے۔ اسی وجہ سے آپ کو شیخ محمدؐ متوکل کہتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ جو مرید شیخ سے خلافت طلب کرے، خلافت کے قابل نہیں، مرید کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو ہرگز خلافت کے قابل نہ سمجھے۔ بلکہ شیخ از خود عطا کرے آپ فرماتے ہیں کہ انوارِ دوست کے لئے حوصلہ وسیع ہونا چاہیئے، تاکہ اسرارِ دوست اس کے اندر گھر کریں اور جو تجلی اس پر نازل ہو ظاہر نہ کرے۔ اگر ظاہر ہو جائے تو پھر وہ تجلی وارد نہیں ہوتی۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر قدس سرہ، سے کسی نے کہا کہ ایک دفعہ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ حالتِ خاص میں تھے، چنانچہ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر سارے شہر میں پھر رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے، جو شخص بندہ زکریا کو دیکھ لے گا۔ اس پر دوزخ حرام ہے۔ یہ سُنکر حضرت گنج شکر پر حال طاری ہوا اور آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے کہ جو شخص بندہ مسعود، اس کے فرزندان اور فرزندوں کے فرزندوں کو دیکھے گا۔ اس پہ دوزخ حرام ہے۔ فرزندوں سے مراد فرزندانِ معنوی ہیں اور شیخ محمد متوکل بھی آں حضرت کے فرزندِ معنوی ہیں، اُن کا مزار قصبۂ کینتور میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ سعداللہ کیسہ دار بن شیخ محمدؐ متوکلؒ: آپ اپنے والد کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کے کرامات مشہور ہیں، چونکہ شیخ محمد متوکل اور میر سید امیر ماہ بہرائچی کے درمیان بے حد محبت تھی اور آپ اکثر بہرائچ جایا کرتے تھے۔ شیخ سعداللہ کو میر سید امیر ماہ

کے پاس لے گئے تاکہ اُن سے بیعت کرائیں۔ انھوں نے کہا۔ اس کی پشت سے ایک فرزند پیدا ہوگا، جو میرا مرید ہوگا۔ آخر یہی ہوا مفصل حالات آگے آرہے ہیں۔ اس کے بعد شیخ سعداللہ اپنے والد کے ساتھ دہلی گئے اور شیخ نصیرالدین محمودؒ کے مرید ہوگئے۔ چھ ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ اُن کی مقبولیت بڑھ گئی اور ہر شخص شیخ محمد متوکل کی خدمت میں نذرانے لانے لگا۔ شیخ سعداللہ کو بھی نذرانے پیش ہونے لگے۔ اگرچہ آپ اپنے والد کی موافقت میں قبول کر لیتے تھے۔ لیکن دل میں کہتے تھے کہ میرے والد نے سالہا کے مجاہدات کے بعد خلافت حاصل کر کے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ ان کے لئے نذر قبول کرنا مباح ہے اور تجھے تو ابھی اس راستے کی بو تک نہیں ملی۔ تیرے لئے کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ اس لئے جو کچھ ملتا تھا اس میں سے کچھ اپنے والد کے لئے رکھ دیتے تھے۔

جب ایک مرتبہ پھر حضرت شیخ نصیرالدینؒ کی خدمت میں اپنے والد کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا تو پہلے آپ کے والد نے نذر پیش کی، بعدہٗ جو کچھ شیخ سعداللہ نے جمع کیا تھا، شیخ کے پیش کیا آپ نے فرمایا، شیخ محمد یہ کیا ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ یہ غلام زادہ کی نذر ہے آپ بہت خوش ہوئے اور زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے۔ "ہاں درویش کے صدق کی ایک علامت یہ ہے کہ صدق میں مشغول ہوا ہے۔ صاحب فتوح خواہد شد۔ (صاحب فتوح ہوگا) پس اُن کو بھی نذر قبول کرنے کی اجازت مل گئی اور حق تعالیٰ نے اُسی وقت سے اُن پر ظاہری و باطنی دولت کے دروازے کھول دیئے۔ کہتے ہیں، خضر علیہ السلام نے انہیں ایک کیسہ عطا کیا۔ جو کچھ چاہتے تھے اُسی کیسہ سے نکال لیتے تھے اور جب تک زندہ رہے۔ وہ کیسہ ہرگز خالی نہ ہوا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ میر سید ابراہیم نے وہ کیسہ انہیں عطا کیا تھا۔ شیخ ابراہیم کا مزار شیخ محمد متوکل کے مزار کے پہلو میں غرب کی جانب ہے۔ بڑے بابرکت بزرگ تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

انہوں نے اپنے ملفوظات میں اولیاء کرام کے کلمات اور حالات قلمبند کئے ہیں۔ اُن میں سے ایک سخن یہ ہے کہ جب مرید گناہ کرتا ہے تو میرے مشائخ چشت

بظاہر اس سے غصے نہیں ہوتے، بلکہ اپنے دل میں یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر میرے اندر کوئی بدبختی نہ ہوتی تو میرا مرید گناہ نہ کرتا اور یہ اُن کے کمال اخلاق کی علامت ہے کہ اسکا گناہ ظاہر نہیں کرتے اور اگر کہتے ہیں تو بطریق کنایہ بیان کرتے ہیں کہ اگر مرید پہنچا ہوا ہے تو خود سمجھ جائیگا اور اُسے صاف صاف بتلا کر شرمندہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ اس سے اس کے بدخو ہو جانے کا اندیشہ ہے اور یہ بہت خطرناک بات ہے۔ پس مشائخ اُسے نقصان دینے سے احتراز کرتے ہیں۔ شیخ سعداللہ کو میر سید اشرف جہانگیر سمنانی سے بھی خرقۂ خلافت ملا ہے۔ جب کہ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ آں حضرت کے خلیفہ شیخ محمد کنستوریؒ نے اصرار کیا اور حضرت کو اس قصبہ میں لے گئے جہاں شیخ سعداللہ رہتے تھے۔ جو خود جاتے وقت انہوں نے خرقہ کی درخواست کی۔ میر سید اشرف جہانگیرؒ نے اُن کی درخواست قبول کرتے ہوئے فرمایا۔ الفقراءُ کنفس واحد۔ بالخصوص خواجگان چشت رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ (تمام فقراء نفسِ واحد کی طرح ہیں، بالخصوص خواجگان چشتؒ) میر سید اشرفؒ کے مکتوبات میں یہ بھی ہے کہ شیخ سعداللہ کیسہ دار کنستوریؒ نے اُن سے چودہ سلسلوں بالخصوص سلسلۂ بدیع الدین الملقب بہ شاہ مدارؒ کے متعلق دریافت کیا۔ اس کے جواب میں انہوں نے ایک طویل خط لکھا جسکی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔ چودہ سلسلوں کا خلاصہ اس کتاب کے مقدمہ میں لکھا جا چکا ہے اور شاہ مدارؒ کے سلسلہ کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ بدیع الدینؒ کے مشائخ میں سے ایک سلسلۂ اویسی ہے۔ جس میں بہت سے بزرگ ہوئے ہیں۔ اس سلسلے کے سردار خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی تربیت حاصل کی۔ پس جس بزرگ کو اب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے یا کسی اور ولی اللہ کی روحانیت سے فیض ملتا ہے اور کسی ظاہری پیر کے مرید نہیں ہوتے تو انہیں بھی اویسی کہتے ہیں۔ حضرت بدیع الدینؒ بھی اویسی تھے۔ جو باطنی تربیت حاصل کر کے مرتبۂ تکمیل و ارشاد کو پہنچے۔ صوفیۂ کرام کے نزدیک یہ مقام بہت بلند ہے۔ خدا جس کے نصیب کرے۔ الغرض شیخ سعداللہ کیسہ دار

لو میر سید اشرف جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حد درجہ محبت اور یک جہتی تھی۔ جیسا کہ ایک دوسرے خطوط سے ظاہر ہے کہ کس قدر بلند مقامات کے متعلق اُن کے درمیان گفتگو ہوئی۔ شیخ سعد اللہ کا مزار شیخ محمد متوکل کے حرم میں ہے۔ آپ کا سن وفات نظر نہیں آیا۔ لیکن ملفوظات میں لکھا ہے کہ ۸۳۱ھ تک زندہ تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ بالو شیر سوار قدس سرہٗ کا مزار شیخ سعد اللہ کی پائنتی میں ہے۔ اوائل حال میں آپ شیر پر سوار ہو کر سانپ ہاتھ میں اور پتھر کا تختہ بغل میں لئے ہوئے گشت کیا کرتے تھے۔ آخر شیخ سعد اللہ کی نظرِ کرم سے انہوں نے اس بے بنیاد کام سے توبہ کی اور شغلِ باطن میں مشغول ہو کر مرتبہ ارشاد پر پہنچ گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ عین الدین قتال بن شیخ سعد اللہ کیسہ دار قدس سرہٗ بڑے بلند مقام صاحبِ حال اور مستجاب الدعوات تھے۔ آپ حضرت میر سید امیر ماہ بھرائچی کے مرید تھے اور مدت تک اُن کی صحبت میں ریاضت کرتے رہے۔ تکمیل کے بعد آپ اپنے والد بزرگوار کے پاس کنتور تشریف لے گئے۔ اپنے جمالِ ولایت کو ملامت کے پردہ میں پوشیدہ رکھا۔ اور شراب نوشی میں مشغول رہے۔ بعض لوگوں نے شیخ سعد اللہ کی خدمت میں شکایت کی تو انہوں نے منع فرمایا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ جس برتن میں پانی نکالتے۔ شراب بن جاتا تھا۔ شیخ سعد اللہ نے فرمایا کہ کوئیں سے پانی لاؤ۔ کوئیں سے بھی شراب نکلا۔ آپ نے دریا سے پانی منگوایا تو سارا دریا شراب ہو چکا تھا۔ آپ نے حیران ہو کر ایک اشرفی جو روزانہ دیا کرتے تھے۔ اُن کے پاس بھیج کر فرمایا۔ اپنے کام میں مشغول رہو۔ اس طرح کی بے شمار کرامات آپ سے منقول ہیں۔ مثلاً مردہ زندہ کرنا اور زندہ کو مردہ کرنا وغیرہ۔ غرضیکہ جب شیخ سعد اللہ کا آخری وقت آیا تو آپ کے بڑے لڑکے شیخ معین باہر گئے ہوئے تھے۔ شیخ نے فرمایا۔ ——— وہ موجود نہیں ہے اُسی شرابی کو بلاؤ۔ اُسوقت وہ شراب خانے میں بیٹھے تھے۔ آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر فرمایا کہ ابھی ہماری قسمت کا ایک پیالہ باقی ہے۔ لاؤ۔ اُسے پی کر آپ نے صراحی زمین پر

دے ماری اور پھر کبھی اس کے پاس نہ پھٹکے۔ جب والد کے پاس پہنچے تو آپ نے خرقۂ خلافت خواجگان چشت کی تمام امانتوں سمیت عطا فرمایا اور عالم بقا کو روانہ ہوئے شیخ عین الدین مسند پر بیٹھ کر مریدین کی تربیت میں مشغول ہو گئے اور بڑی شہرت حاصل کی۔ اور ایک جہان آپ کے گرد ہو گیا۔ آپ کا مزار بھی قصبہ کنتور میں زیارت گاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کی اولاد میں اکثر صاحبِ حال بزرگ پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک بزرگ شیخ مصطفٰے سلطان شاہجہان کے عہد میں سجادہ نشین تھے اور یہ فقیر کاتب حروف کئی مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہو چکا ہے۔ بڑے بابرکت عابد و زاہد اور خوش اخلاق بزرگ تھے۔ ان کا انتقال ۱۰۴۱ھ میں ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مولانا دانیال عودؒ

آں قتیل تیغ وصال، آں غریق بحر زلال، آں مقرب حضرت معبود، عارفِ کامل حضرت شیخ دانیال عود قدس سرہٗ آپ بھی حضرت شیخ نصیر الدین اودھیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ تمام کمالاتِ انسانی سے آراستہ تھے۔ بڑے بلند مقام، قوی الحال، بلند ہمت اور صاحبِ فراست بزرگ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عباس بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔ کتاب عمدۃ المطالب فی نسب آلِ ابی طالب میں جو بحر الانساب کے نام سے مشہور ہے اور اربابِ سیر کے نزدیک نہایت معتبر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پانچ فرزندوں یعنی حضرت امام حسنؓ، امام حسینؓ، محمد حنیفہؓ، عمرؓ اور عباسؓ کا مفصل ذکر ہے۔ ان میں سے حضرت عباسؓ کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ایک دن حضرت علیؓ نے اپنے بھائی عقیل کو جو اہل عرب کے نسب میں ماہر تھے، طلب کر کے فرمایا کہ میرے لئے عرب کے بہادر قبائل میں سے ایک عورت تلاش کرو، تاکہ میں اس سے نکاح کروں اور اس کے بطن سے فرزندانِ بافراست وجود میں آئیں۔ چھان بین کے بعد حضرت عقیلؓ نے عرض کیا کہ آپ ام البنین بنت حرام بن خالد بن ربیعہ سے

شادی کریں کیونکہ یہ خاندان جو بنی کلاب کہلاتا ہے، سارے عرب میں شجاعت اور جواں مردی میں ممتاز ہے، چنانچہ آپ نے ام البنین سے نکاح کر لیا اور ان سے حضرت عباسؓ وجود میں آئے۔ وہ بڑے صاحبِ فراست، شجاعت اور بلند ہمت تھے، آپ کی کنیت ابوالفضل اور لقب سقلہ ہے، کیونکہ جنگِ کربلا میں آپ مشک لے کر گئے تاکہ اہل بیت کے لئے پانی لائیں اور وہیں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اس جنگ میں امام حسینؓ کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ شیخ ابونصر مصنف کتاب سنجاری امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عباسؓ بن علیؓ کا ایمان بہت قوی تھا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ چونتیس سال کی عمر میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ آپ کا مزار بھی کربلا میں ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

آپ کے بعد ایک فرزند باقی رہ گیا، جنکا نام عبیداللہ بن عباس تھا۔ عبیداللہ کا بھی ایک بیٹا تھا جنکا نام حسن تھا، جس کے پانچ لڑکے ہوئے، اول: عبیداللہ جو کہ مدینہ کے حاکم اور قاضی تھے۔ دوم: عباس بن حسن جو نہایت فصیح اور خطیب تھے، سوم: حمزہ، چہارم ابراہیم، پنجم: فضل، جو بڑے عالم فاضل اور شجاعت میں نامور تھے۔ ان پانچ حضرات کی کثرت سے اولاد ہوئی جو مختلف علاقوں میں پھیل گئی۔ بعض بغداد چلے گئے، بعض سمرقند، بعض شیراز اور بعض خراسان میں جا کر سکونت پذیر ہوئے، چنانچہ اس کتاب میں سب کے مفصل حالات دے دیئے گئے ہیں۔ کاتب حروف حقیر فقیر عبدالرحمان بن عبدالرسول بن قاسم بن شاہ بدھ بن میاں شیخ بن میاں دانیال ثانی بن بدرالدین بن معین الدین بن قطب بن فرید بن نظام بن نصیرالدین بن دانیال عرف مولانا عود بن میر بدرالدین بن حسن بن فضیل ثالث بن عبداللہ بن عباس ثانی بن یحیٰی بن فضیل ثانی بن حسن بن عبیداللہ بن عباس بن علی کرم اللہ وجہہ ہے۔ ہمیں اپنے آباؤ اجداد سے اور معتبر یہی روایت ملی ہے کہ مولانا عود کے والد میر بدرالدین سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں خراسان سے ہندوستان آئے ایک مدت تک انہوں نے اغنیا کی صورت میں زندگی بسر کی، اس کے بعد جذبۂ حق کارفرما ہوا، اور سب کچھ ترک کر کے قصبۂ سرکہہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ حتیٰ کہ اس جہان سے رحلت

کر گئے اور اسی جگہ دفن ہوئے۔

آپ کا ایک فرزند تھا جنکا نام شیخ دانیال عرف مولانا عود تھا۔ آپ اپنی والدہ کو سترکھہ میں چھوڑ کر تحصیل علم کے لئے قصبۂ بیانہ چلے گئے اور وہاں قاضی عبداللہ سے اکثر علوم عقلی و نقلی حاصل کئے۔ قاضی عبداللہ نے آپ کے حسب و نسب اور قابلیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے، اپنی لڑکی کا عقدِ نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔ اس کے بعد مولانا دانیال کے دل میں کسی شیخ کامل کی خدمت میں جا کر سلوک طے کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اسوقت شیخ نصیرالدین محمودؒ کی شہرت شرق سے غرب تک پھیل چکی تھی، پس آپ نے دہلی جا کر آں حضرت سے بیعت کر لی اور کئی سال تک زیر تربیت رہے، حتیٰ کہ خرقۂ خلافت سے مشرف ہوئے، چونکہ حضرت شیخ آپ کو اکثر مولانا عود کے نام سے یاد کرتے تھے۔ آپ کا نام مولانا عود پڑ گیا ہے۔ بلکہ لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ کا نام دانیال ہے۔ اسکے بعد آپ بیانہ سے اپنے اہل و عیال کو لے کر دہلی میں متوطن ہو گئے۔ چونکہ قاضی عبداللہ نے اپنی لڑکی کو کثرت سے مال و دولت جہیز میں دیا ہوا تھا۔ ڈاکو اُن کے پیچھے ہوئے کہ موقع پا کر مولانا دانیال کو قتل کر کے ان کے مال پر قبضہ کر لیں۔ جب شیخ لکھنؤ سے گزر کر سترکھہ کے قریب پہنچے تو ڈاکوؤں نے آپ کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد ان کا ارادہ یہ تھا کہ شیخ کے گھر جا کر اہل و عیال کو قتل کر دیں۔ ناگاہ شیخ دانیالؒ کے جسم سے ایک خوفناک آواز برآمد ہوئی، جس سے سب ڈاکو اندھے ہو گئے۔ خادموں نے شیخ کا جنازہ اُٹھایا اور سترکھہ لے گئے۔ اور آپ کے والد میر بدرالدین کے پہلو میں دفن کر دیا۔ آپ کا مزار آج تک زیارت گاہِ خلق ہے۔

آپ کے ایک بیٹے تھے۔ جنکا نام شیخ نصیرالدین تھا۔ ان کی اولاد کثرت سے سترکھہ میں موجود ہے۔ جب سلطان بہلول لودھی کا زمانہ آیا۔ اس نے اس علاقے کے تمام مخادیم کو جمع کر کے ہر شخص کے استحقاق کے مطابق اسکے لئے روزی کا بندوبست کر دیا۔ اُسوقت شیخ دانیال کی اولاد میں سے صرف میاں شیخ موجود تھے۔ وہ بھی خادموں کے ہمراہ سلطان کے پاس گئے۔ بادشاہ نے انکو پرگنہ امیٹھی دونگر صوبہ لکھنؤ میں موضع تکرہ کا پروانہ

دیدیا۔ چنانچہ میاں شیخ ستر کہہ سے نقل مکانی کر کے امیٹھی چلے گئے۔ اُن کا مزار بھی اُسی جگہ ہے۔ ان کا ایک فرزند تھا۔ جسکا نام شاہ بدھ تھا۔ وہ بھی بڑے عابد و زاہد تھے۔ اور حضرت مخدوم شیخ خاصہ بن خضر چشتیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اُن کا مزار بھی قصبہ امیٹھی (شاید موجودہ امیٹھ) میں ہے۔ ان کی بہت اولاد تھی۔ سب سے بڑے بیٹے کا نام شاہ داؤد تھا۔ جو باپ کی زندگی میں وفات پا گئے۔ شیخ گوہر بن شاہ داؤد جو تمام فضائل سے آراستہ تھے۔ بادشاہ جلال الدین اکبر کے حکم سے جون پور کے مفتی ہو گئے۔ ان کے چار فرزند شیخ عبدالکریم، شیخ عبدالحکیم، شیخ علی اور شیخ مرتضیٰ شہر جون پور میں زیورِ علم اور بزرگی سے آراستہ اب تک موجود ہیں مصنف کتاب اور ہم نالائق جو شیخ قاسم و شیخ محمد بن شاہ بدھ کی اولاد ہیں۔ اس ویرانے میں پڑے ہیں۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ خواجگانِ چشت کے طفیل جو خالص و مخلص محبانِ اہل بیت و محبانِ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہماری عاقبت بخیر کرے۔ کیونکہ ہم نے مولانا عود سے لے کر آج تک کسی دوسرے سلسلے میں بیعت نہیں کی اور نہ اُسکے بعد ہمارے خاندان میں کوئی شخص کسی دوسرے سے بیعت کریگا کیونکہ ہم پشت بہ پشت خواجگان چشت... کے کرم پروردہ ہیں۔ غرضیکہ میرے والد عبدالرسول بن قاسم بن شاہ بدھ نے سنہ ۱۰۰۲ھ میں اکبر بادشاہ کے زمانے میں امیٹھی دونگر سے نقل مکانی کر کے موضع رسول پور عرف دھنتی پرگنہ لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی اور اس فقیر کی ولادت بروز پنجشنبہ نو ربیع الآخر سنہ ۱۰۰۵ھ کو واقع ہوئی۔ چار سال کی عمر میں میرے والد مجھے حضرت شیخ محمد بن بھنگی شیخ نظام الدین امیٹھی قدس سرہ کی خدمت میں لے گئے۔ آنحضرت نے تبرکاً یہ آیت تعلیم فرمائی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط علم القرآن جسکا اثر اب تک میں اپنے اندر محسوس کرتا ہوں۔ بہر حال چند سال کچھ ادب یعنی آروہی پڑھا اور چند سال والد کے ہمراہ علم معاش، سپاہ گری اور آداب سلاطین سیکھے اور کچھ دنیاوی عیش میں زندگی بسر کی۔ اُنیس سال کی عمر میں حق تعالیٰ نے عشقِ مجازی کے ذریعہ میرے قلب میں طلبِ صادق پیدا کر دی۔ یہ نور الدین جہانگیر کا زمانہ تھا۔ میرا دل حظوظ نفس سے پاک ہو گیا۔ چار پانچ برس امیروں کے ساتھ رہا۔ اس میں ریاضات شاقہ کرتا رہا اور ہر سلسلے کے مشاغل پر عمل کرتا رہا۔ جس سے کافی تصرفات

حاصل ہوئے۔ مختلف اطوار میں عالمِ مثال نمودار ہونے لگا۔ جیساکہ سالار مسعود غازی کے
حالات میں مجملاً بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس اثنا میں خلق سے میل جول بھی جاری رہا
حتیٰ کہ میرے باطن میں صوفیائے اہلِ صفا کے مشرب کی استقامت یعنی کثرت میں
شہودِ احدیت حاصل ہوگیا اور عشقِ حقیقی کا بے حد غلبہ پیدا ہوا۔ اس وقت تمام علائق دنیا
کو چھوڑ کر فقیر کا لباس اختیار کیا اور گوشۂ تجرید میں بیٹھ گیا۔ سات سال اور چند ماہ تک خواجگان
چشت قدس اسرارہم کی متابعت میں سلوک طے کرتا رہا اور بقدرِ استطاعت قسم قسم کے
مجاہدات میں مشغول رہا۔ حتیٰ کہ رنج راحت میں اور مجاہدہ مشاہدہ میں مبدل ہوگیا اور حقیقی فتح
باب سے نوازا گیا۔ اس کے بعد طالبین اور مریدین کی تربیت میرے سپرد ہوئی۔ رجب
١٠٣٢ھ میں میں نے اورادِ چشتیہ جمع کئے۔ جن سے ہر دوست بقدرِ استعداد فائدہ
اٹھاتا ہے۔ اس کے بعد اس نیاز مند نے اسبابِ معیشت بتدریج پیدا کئے اور
کئی سال سے بحکم الہام سب امور سرانجام دے رہا ہوں۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ خاتمہ بالخیر
کرے۔ اپنے متعلق یہ چند کلمات اس لئے لکھے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اما
بنعمت ربك فحدث (حق تعالیٰ کی نعمت کا اظہار کرو) یہ حروف ١٠٥٠ھ میں شہاب الدین
محمد شاہجہان کے عہد میں لکھے گئے۔

حضرت شیخ علاؤالحق والدینؒ

آں مقتدائے ارباب ولایت، آں گنجینۂ علم و ہدایت، آں ناطق بلسان حالی پیشوائے وقت

مخدوم شیخ علاؤالدین قدس سرہٗ شیخ سراج الدین عثمان المعروف اخی سراج کے مرید و خلیفہ
تھے۔ ان کے والد کو عمر بن اسعد لاہوری کہتے تھے۔ جو بادشاہ بنگال کی تمام سلطنت
کے وزیر تھے۔ عثمان بھی سلاطین بنگال کے امرا میں سے تھے۔ جو لاہور سے آ
کر بنگال میں ساکن ہوگئے تھے۔ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ آپ کا سلسلۂ نسب
حضرت خالد بن ولیدؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے القاب علاؤالدین گنج نبات (مٹھائی
کا خزانہ) اور شیخ علاؤالدین تل ہیں۔ اخی سراج کے مرید ہونے سے پہلے آپ علم و زہد اور
... و منزلت کی وجہ سے اپنے آپ کو گنجینۂ نبات کرتے تھے۔ جب یہ بات

سلطان المشائخ تک پہنچی توآپ نے غصے میں آکر اپنے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا میرے پیر بھی گنجشکر اور یہ بھی گنج نبات! اس کی زبان نہیں جلتی۔ یہ کلمات آں حضرت کی زبان مبارک سے نکلتے ہی اسکی زبان جل گئی اور مدت کے بعد جب شیخ اخی سراج الدینؒ کے مرید ہوئے تو زبان ٹھیک ہوگئی۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ جب شیخ سراج الدین اخیؒ سلطان المشائخ کی خلافت سے مشرف ہوئے اور اپنے اصلی وطن بنگال جانے کا ارادہ کیا تو سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہاں شیخ علاؤ الدین بڑا عالم و فاضل اور صاحب جاہ و منزلت ہے۔ میرا وہاں کیسے گزارہ ہوگا۔ آں حضرت نے فرمایا کہ غم مخور او خادم تو خواہد شد (فکر مت کرو، وہ تمہارا خادم ہو جائے گا) آخر یہی ہوا شیخ علاؤ الدین اپنے جاہ و حشم کے باوجود آپ کے مرید اور خادم ہو گئے۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اخی سراج اکثر اوقات سواری کرتے تھے اور پختہ کھانا آپ کے ہمراہ بھیج دیا جاتا تھا۔ شیخ کے خادم گرم دیگ شیخ علاؤ الدین کے سر پر رکھ دیتے تھے جس سے ان کے سر کے بال اڑ گئے تھے۔ شیخ کا گزر شیخ علاؤ الدینؒ کے رشتہ داروں کے گھر کے سامنے سے ہوتا تھا جو امرائے سلطنت تھے۔ لیکن اس سے ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا اور شیخ کے کھانے کی دیگ سر پر اٹھائے چلے جاتے تھے۔ آخر شیخ کی تربیت سے آپ بلند مقامات پر پہنچ گئے اور جس قدر فیوض اخی سراج نے سلطان المشائخ سے حاصل کئے تھے۔ وصال کے وقت سب شیخ علاؤ الدینؒ کے حوالہ کر کے انکو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ چنانچہ شیخ کے بعد آپ مسند ارشاد پر متمکن ہوئے اور آپ نے ایک جہان کو فیض یاب فرمایا۔ آپ کے کمالات کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ جیسے شاہباز اور بلند پرواز حضرت خضر علیہ السلام کی راہنمائی سے ملک خراسان سمنان کی بادشاہی چھوڑ کر آپ کی خدمت میں پہنچے اور حسن تربیت سے مرتبہ تکمیل و ارشاد پر پہنچے۔ باوجودیکہ بے شمار اولیائے کبار سے آپ کو راستے میں ملاقات ہوئی لیکن سب نے یہی فرمایا کہ تمہارا مرشد بنگال میں ہے وہاں جاؤ۔ خضر علیہ السلام نے ستر مرتبہ شیخ علاؤ الدینؒ کو خبر دی کہ ایک باز سمنان سے

اڑ چکا ہے اور بہت سے مشائخ نے جال پھیلا دیئے ہیں۔ لیکن میں آپ کے لئے لا رہا ہوں۔ چنانچہ اسکا مفصل ذکر میر سید اشرف جہانگیرؒ کے حالات میں آرہا ہے۔ آپ کے دوسرے صاحب سجادہ خلیفہ شیخ نور قطب عالم تھے۔ جو بڑے صاحب کمال اور کرامات تھے۔ ان کا ذکر اپنی جگہ پر آرہا ہے۔

آپ کے ایک اور خلیفہ حضرت شیخ نصیر الدین مانکپوریؒ ہیں۔ جو بہت بلند مقام بزرگ تھے۔ وہ شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ کے ہم مشرب تھے۔ یہ فقیر کاتب حروف انکی زیارت سے فیض یاب ہو چکا ہے۔ بڑے بزرگ اور صاحب تصرف تھے۔ آپ کا مزار سرائے مانکپور میں ہے۔

حضرت میر سید نظام الدین زید پوری قدس سرہ، شیخ نصیر الدین مذکورؒ کے کامل ترین خلفاء میں سے ہیں۔ کمال کسب کی وجہ سے آپ مرتبہ فردانیت پر پہنچ گئے تھے، ان کا مزار زید پور میں ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت سید محمد اعرج سے جا ملتا ہے۔ جو امام محمد تقی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ چنانچہ میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ احمد بن موسیٰ بن امام محمد تقیؓ کے بعد محمد اعرجؒ ہیں اور باقی اولاد اُن کی نسل سے ہے۔ جو سدھور کے قصبات میں آباد ہیں۔ ان قصبات میں سے ایک قصبہ زید پور ہے۔

حضرت شیخ علاؤالدین مجذوب اکبرآبادی قدس سرہ جو ماضی و مستقبل کے حالات بتاتے تھے، بھی سادات زید پور میں سے تھے۔ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ ابدال ہفتگانہ تھے۔ چنانچہ اُن کے سر حلقہ خواجہ ابواحمد چشتیؒ ابدال تھے اور مخدوم علاؤالحق بھی ابدال ہیں۔ آپ کے خوارق عادت بہت ہیں چنانچہ مخدوم کے فرمان کے مطابق آپ کے مریدین پہاڑوں میں مختلف مقامات پر مشغول رہتے تھے اور ان کے درمیان بہت طویل فاصلہ ہوتا تھا۔ جب خلوت کے بعد سب واپس آتے تھے تو ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ فلاں فلاں دن حضرت مخدوم میرے پاس تشریف لائے تھے۔ لیکن جب خانقاہ والوں سے دریافت کیا جاتا تو معلوم ہوتا

تھا کہ آپ خانقاہ سے باہر نہیں گئے تھے۔ لطائف اشرفی میں یہ بھی لکھا ہے کہ صورت تبدیل کر لینا ابدال کا خاصہ ہے۔ بلکہ بعض مشائخ بھی صورت بدلتے تھے اور بعض حضرات کو ہم نے دیکھا ہے کہ انکی روحانیت متجسد اور متمثل ہو جاتی ہے (یعنی ان کی روح کوئی نہ کوئی صورت اختیار کر کے ظاہر ہوتی ہے) اور اسی صورت میں کام کاج کرتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی جسمانی صورت میں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں بزرگ کو دیکھا کہ یہ کام کر رہا تھا۔ وہ کام کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ بزرگ ان کاموں سے بالکل متبرا ہوتے ہیں اور ہم نے بارہا اس چیز کا مشاہدہ کیا ہے۔ چنانچہ مخدومی شیخ علاؤالحق کو بعض بادشاہوں اور امیروں نے جو مرید تھے۔ یوں دیکھا ہے کہ جنگ کے دوران کفار سے لڑائی کر رہے تھے۔ لیکن انہوں نے خانقاہ سے باہر قدم نہیں رکھا۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایک دن چند قلندر شیخ علاؤالحق کی خانقاہ میں آئے ہوئے تھے۔ ایک بلی بھی ان کے ساتھ تھی۔ وہ بلی گم ہو گئی۔ قلندروں نے کہا۔ اے شیخ ہماری بلی لاؤ۔ شیخ نے فرمایا۔ بلی کہاں چاہتے ہو۔ ایک نے کہا۔ ہرن کے سینگ پر۔ آپ نے فرمایا سینگھ پر پاؤ گے دوسرے قلندر نے ، اپنا خصیہ دکھایا۔ آپ نے فرمایا خصیہ سے پاؤ گے۔ جب وہ لوگ باہر آئے تو جس نے سینگھ کی فرمائش کی تھی ایک گائے آئی اور بلی اس کے سینگھ سے برآمد ہوئی۔ جس شخص نے خصیہ دکھایا تھا اس کا خصیہ اسقدر سوج گیا کہ اسی مرض میں مر گیا۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے۔ شیخ علاؤالحق کی خانقاہ کا خرچ اسقدر ہوتا تھا کہ بادشاہِ وقت کو حیرت آئی۔ بادشاہ نے کہا، شاید آپ میرے خزانے کے افسر سے ساز باز کر کے اسقدر خرچ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس نے شیخ کو حکم دیا کہ میرے شہر سے باہر چلے جاؤ اور سنار گاؤں میں جا کر رہو۔ پس آپ دو سال سنار گاؤں میں رہے اور خادم سے فرمایا جس قدر روزانہ خرچ کرتے تھے۔ اب اس سے دگنا خرچ کرو۔ لیکن ظاہراً کوئی وجہ معاش نہ تھی۔ دو باغ جو آپ کو اپنے آباؤ اجداد سے ملے تھے۔ ان کی آمدنی آٹھ ہزار روپے تھی۔ لیکن کسی آدمی نے ان پر قبضہ کر لیا تھا اور کچھ نہیں دیتا تھا۔ شیخ نے اسے بھی کچھ نہ کہا اور خلق کو بے اندازہ بخشش کرتے رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس

قدر خرچ میرے شیخ اخی سراج الدین کرتے تھے، میرا خرچ اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔ آپ کے کرامات بے شمار ہیں۔ آپ کی وفات یکم ماہ رجب ۸۰۰ھ کو واقع ہوئی۔ کیونکہ شیخ علاؤ الحقؒ ملک بنگال کے صاحبِ ولایت تھے، اسلئے ابتدائے اسلام کی حقیقت اور وہاں کے بادشاہوں کے حالات یہاں لکھے جاتے ہیں۔

تمام اربابِ تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ بنگال میں اسلام قطب الدین ایبک کے زمانے میں ملک محمد بختیار کی کوشش سے پھیلنا شروع ہوا۔ محمد بختیار ایک ایسی قوم سے تعلق رکھتے تھے، جو ملک غور سے سلطان شہاب الدین غوری کے ساتھ ہندوستان آئی تھی اور قوم خلجی کا سلسلۂ نسب ترک بن یافث بن نوحؑ پر منتہی ہوتا ہے۔

جب ۵۸۹ھ میں سلطان شہاب الدین نے راجہ پرتھی راج کو قتل کر کے اپنے معتمد غلام قطب الدین ایبک کو ہندوستان کی حکومت سپرد کی اور خود غزنی چلا گیا تو محمد بختیار کو بھی قطب الدین کے ساتھ چھوڑا۔ قطب الدین نے تھوڑے عرصے میں قوت اور حشمت پیدا کر کے ملک گیری کی طرف توجہ کی، چنانچہ ملک بختیار کو لشکر دے کر ولایتِ شرقی کے لئے تعینات کیا تاکہ اسلام کو پھیلائے۔ اس نے اودھ فتح کر کے اسلام کو مروج کیا اور وہاں چند حکام تعینات کر کے ولایت بہار اور لکھنوتی کی طرف توجہ کی اور بنگال پر قبضہ کر کے ہر قصبے میں مسجد بنوائی اور قاضی مقرر کر کے دین محمدی کو رونق دی۔ اس نے ۶۰۲ھ میں وفات پائی۔ اس تاریخ سے لے کر سلطان محمد تغلق شاہ کے عہد یعنی ۷۴۰ھ تک ولایت بنگال سلاطین دہلی کے تصرف میں رہی۔ جب سلطان محمد شاہ بن تغلق کے عہد میں طوائف الملوکی شروع ہوئی تو ملک فخر الدین سلحدار اپنے آقا قدر خان حاکم بنگال کو قتل کر کے خود حکمران بن گیا۔ اس کے بعد علی مبارک خان نے جو قدر خان کا سپہ سالار تھا، سلطان فخر الدین کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اس کے بعد حاجی الیاس نے علی مبارک کو قتل کر کے سلطان شمس الدین بھنگڑہ کا لقب اختیار کر کے بنگال کا بادشاہ بن گیا۔ اس نے سلطان فیروز شاہ والیٔ دہلی سے صلح کر لی اور ۷۵۹ھ میں فوت ہو گیا۔

اس کے بعد اس کا لڑکا سلطان سکندر تخت نشین ہوا۔ ۷۵۹ھ میں سلطان فیروز شاہ

نے لشکرکشی کی اور سالانہ خراج مقرر کر کے واپس چلا گیا۔ سلطان سکندر کے بعد اُسکا لڑکا سلطان غیاث الدین تخت نشین ہوا۔ اور ۸۰۵ھ میں فوت ہوگیا۔ اس کے بعد اُسکا لڑکا سلطان السلاطین تخت پر بیٹھا اور ۸۸۵ھ میں فوت ہوگیا۔ اُسکی جگہ اُسکا بیٹا سلطان شمس الدین تخت نشین ہوا اور ۸۸۶ھ میں فوت ہوگیا۔ اس کے بعد اس خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور ایک ہندو زمیندار راجہ کنش نے حملہ کر کے مملکت پر قبضہ کرلیا اور اہل اسلام کو سخت تکلیف دی چنانچہ مسلمان وہاں سے بھاگنے لگے۔ اس کا ظلم اس حد تک تھا کہ شیخ نور قطب عالمؒ نے تنگ آکر سلطان ابراہیم والیٔ جون پور کے ہاں شکایت کا خط لکھا اور حضرت میر سید جہانگیر سمنانیؒ سے روحانی امداد طلب کی چنانچہ کنش فوت ہوگیا اور اس کے لڑکے نے اسلام قبول کر کے سلطان جلال الدین کا لقب اختیار کیا اور سلطنت کی باگ ڈور سنبھال لی۔ اس نے شیخ نور بن حضرت شیخ علاؤالحقؒ سے بیعت کرلی اور ساری عمر معتقد رہا اور سترہ سال حکومت کرنے کے بعد ۸۱۲ھ میں فوت ہوگیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

اس کے بعد اسکا بیٹا سلطان احمد سلطنت بنگال پر تخت نشین ہوا۔ وہ بھی شیخ نور قطب عالم کا مرید تھا۔ وہ اٹھارہ سال حکومت کر کے ۸۳۰ھ میں فوت ہوگیا۔ اسوقت سے لے کر ۹۳۹ھ تک بارہ مختلف خاندانوں کے حکمرانوں نے بنگال پر حکومت کی، ان میں سے ہر ایک شیخ علاؤالدین کے فرزندوں کا مرید اور معتقد رہا۔ آخری بادشاہ نصیب شاہ بن سلطان علاؤالدین تھا۔ جس نے ۹۳۹ھ میں وفات پائی۔ چند روز کے بعد بنگال پر شیر شاہ اور اسلام شاہ سوری بادشاہ دہلی کا قبضہ ہوگیا۔ چودہ سال سے زائد اس خاندان نے حکومت کی۔ انہوں نے ملک اڑیسہ کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرلیا تھا۔ اس کے بعد ۹۸۴ھ میں تمام ملک بنگال جلال الدین اکبر کے قبضے میں آگیا اور آج تک اس خاندان کے تصرف میں ہے۔

حضرت خواجہ مسعود بکؒ

آں مستِ شراب، بے خمار، آں فارغ از مشاہدۂ اغیار
آں سرحلقۂ عاشقان بلاشک بے باکِ جہاں خواجہ

مسعود بک قدس سرہٗ۔ آپ بڑے عالی مقام اور صاحب الحال بزرگ تھے۔ صاحب

اخبار اخیار لکھتے ہیں کہ آپ کا اصلی نام شیر خان ہے۔ آپ سلطان فیروز شاہ بادشاہ دہلی کے رشتہ دار تھے۔ آپ نے کافی عرصہ اہل دوست کی حیثیت سے زندگی بسر کی۔ آخر حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کے دل میں جذبۂ حق پیدا ہوا جس سے تمام دنیاوی خواہشات سے آپ کا دل سرد ہو گیا اور سب کچھ چھوڑ کر شیخ رکن الدین بن شہاب الدین امام کے مرید ہو گئے۔ جن کا ذکر خلفائے سلطان المشائخ میں ہو چکا ہے۔ شیخ کے فیض تربیت سے آپ تھوڑے عرصے میں مرتبۂ کمال پر پہنچ گئے اور مشائخ کے تمام اوصاف سے مزین و ممتاز ہو گئے۔ آپ پر اکثر استغراق کا غلبہ رہتا تھا اور مستانہ کلام کرتے تھے۔ سلسلۂ چشتیہ میں آپ کی طرح کسی بزرگ نے اس قدر اسرار حقیقت فاش نہیں کیے اور نہ مست رہے ہیں۔ آپ کے آنسو اسقدر گرم ہوتے تھے کہ جس کے ہاتھ پر گرتے تھے، جلا دیتے تھے۔ آپ نے علم توحید و تصوف میں بہت کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کی ایک کتاب تمہید ہے۔ جو حضرت عین القضاۃ ہمدانیؒ کی تمہیدات کے مطابق ہے یہ کتاب حقائق و معارف سے لبریز ہے آپ کے اشعار کا ایک دیوان بھی ہے جو آپ نے حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کی اجازت سے لکھا۔ اس میں ہر قسم کا لطیف کلام موجود ہے۔ آپ کی ایک اور کتاب ہے۔ جس کا نام مرأۃ العارفین ہے اس کے دیباچہ میں فرماتے ہیں:۔

"بداں کہ لسانِ وقت ناطق است و عین غیب۔ شاید ما نمایاں حاضریم و حاضران غائب ازاں روے کہ ما مائم پیدا نہ ایم۔ و ازاں روے کہ ما ما نہ ایم ہویدا ایم۔ اگر کشفِ رموزِ غیب جوئی ما را نگوئی۔ ایں حروف است کہ ظروف استتار است (اصل کتاب میں یہ لفظ استار ہے لیکن معلوم ہوتا ہے استتار ہے) و الفاظے است کہ نکاتش اسرار ست۔ و بیاضے است کہ در چشمِ دل سواد ریزد و دوائیست کہ در دماغ جان سودا انگیزد۔ نوریست دیدہ افروز ناریست پردہ سوز۔ ما شجرۂ اخضر طوریم کہ نار نما بہ آں نوریم کہ نورش بر ما تافتہ و ظلمت از ما شتافتہ و ما را بے ما یافتہ۔ او بہ ما از ما میگوید و شمارا بے شما سے جوید۔ حجاب اینست۔

چشم باز کن وخود را محرم راز کن اینجا صورتیست در آئینہ کشف متجلی و عروسے است بحلیہ ستر متجلی۔ این جلوہ مراۃ العارفین است۔ بشناس گرت چشم یقین است۔

جاننا چاہیئے کہ زمانے کی زبان بول رہی اور عین یعنی بولنے والا خود غیب ہے شاید ہم غائبین حاضر ہیں اور حاضرین غائب ہیں۔ اسوجہ سے کہ ہم ہم ہیں لیکن ظاہر نہیں ہیں اور اسوجہ سے کہ ہم نہیں ہیں، لیکن ظاہر ہیں۔ اگر تم حقیقت کے رموز کے طلبگار ہو تو مجھ سے نہ کہو۔ یہ حروف جو ہیں۔ استتار یعنی عالم غیب کے ظروف یعنی ذریعہ اظہار ہیں، اور یہ جو الفاظ ہیں۔ ان کے نکات اسرار کے آئینہ دار ہیں۔ یہ ایک ایسی بیاض ہے کہ دِل کی آنکھ میں سودا پیدا کرتی ہے۔ یہ وہ دوا ہے۔ جو دماغِ جان میں سودا پیدا کرتی ہے۔ یہ وہ نور ہے۔ جو آنکھوں کو روشن کرتا ہے۔ یہ وہ نار (آگ) ہے۔ جو پردہ جلاتی ہے۔ ہم کوہِ طور کے سرسبز درخت ہیں، جو نار نما نور ہیں یعنی بظاہر آگ دکھلائے دیتے ہیں، لیکن دراصل اس نورِ مطلق کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ (یہاں اس درخت کی طرف اشارہ ہے۔ جس کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھی اور جب آگ لینے کے لئے قریب پہنچے اور درخت سے آواز آئی: "اِنّی اَنَا اللہ" یعنی ہم اللہ ہیں۔) یہ وہ نور ہے۔ جو ہم پر چمکا ہے اور اس سے ہماری ساری ظلمت دور ہو گئی ہے اور ہم کو ہمارے بغیر پا لیا ہے۔ یعنی ہماری خودی ختم ہو گئی ہے اور ہماری روحانیت باقی رہ گئی ہے یا خود ذاتِ حق باقی ہے۔

لہٰذا اب وہ جو بات ہم سے کرتا ہے، ہمارے ذریعہ کرتا ہے۔ (یعنی خود متکلم ہے اور خود مخاطب) اور تم کو بغیر تمہارے تلاش کرتا ہے۔ (یعنی تیرے جسم کو نہیں بلکہ تیری حقیقت کو تلاش کرتا ہے) اور یہی ایک بڑا حجاب ہے۔ پس آنکھیں کھولو اور اپنے آپ کو محرم راز بناؤ۔ اس جگہ (محبوب کی) صورت ہے۔ جو کشف کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتی ہے۔ یہ ایک عروس (دلہن) ہے جو حلیہ (زیور) ستر (حجاب) کے ساتھ مُتجلّے ہے۔ (یعنی جس نے حجاب کا زیور پہن رکھا ہے) یہ جلوہ مراۃ العارفین ہے۔ اگر

تجھے چشمِ یقین حاصل ہے تو اسے پہچان۔

اُس کتاب میں آپ کا ایک شعر درج ہے۔ جو یہ ہے۔

۱۔ ما نسخۂ محمد مرسل افتادہ ایم

زیرا کہ ہر ولی است بایں نسخۂ نبی

ترجمہ: ہم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسخہ ہیں۔ کیونکہ ہر ولی اس نسخہ کی بدولت نبی ہے۔ یعنی ہدایت خلق پر مامور ہے۔

۲۔ رفت ز مسعود بک جملہ صفات بشر

چونکہ ہماں ذات بود باز ہماں ذات شد

ترجمہ: مسعود بک تمام بشری صفات کھو بیٹھا ہے۔ چونکہ ابتدا سے وہ ذات تھا۔ اب پھر ذات ہو چکا ہے۔ یعنی ذاتِ حق میں فنا ہو چکا ہے۔

آپ کے دیوان سے ایک غزل نقل کی گئی ہے۔ جو یہ ہے۔

۱۔ در آمد بتِ مست در دیدہ یکسر
دو عالم شدہ از جمالش منور

۲۔ سر زلف را تاب دادہ ز مستی
ازاں تاب تابع کردہ مہ و خور

۳۔ جمالش شراب و رخش گشت ساقی
دہانش صراحی، لب گشت ساغر

۴۔ چناں کردہ بے خود مرا بادۂ او
کہ از دست رفتم نہ پا ماندو نہ سر

۵۔ دراں بے خودی دلبر از در درآمد
مرا جست بگرفت چو غنچہ در بر

۶۔ دو چشم کہ از عشق او باز گشتہ
بعالم ندیدم مگر حسن دلبر

۷۔ بہر رُخ کہ کردم نظر یار دیدم
کہ ہر ذرہ بود است خورشیدِ انور

۸۔ ندا کرد در گوشِ دل ہاتفِ جاں
کہ معشوق و عاشق تویٔ نیست دیگر

۹۔ چہ گویم دوئی نیست در سرِّ وحدت
قلندر خدا داں خدا داں قلندر

۱۰۔ ازاں سرِّ آگاہ نے جز مصفّٰی
وزیں نور محجوب نے جز مکدر

۱۱۔ فعولن فعولن فعولن فعولن
نہ مسعود ماند نہ دلوار نے در

آپ کے چند اور اشعار جو بطریق مناجات لکھے ہیں۔ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ ؎

۱۲۔ مجرد شو از دین و دنیا قلندر
کہ راہِ حقیقت ازیں ہر دو بر سر

۱۳۔ جہاں چیست دانی بنزدیک مردان
طلسمات ابلیس پر شور و پر شر

۱۴۔ زنے بے وفائے مکارہ گیتی
طلاقش بینداز بگذار و بگذر

۱۵۔ مرا آرزوئے است دیرینہ یارب
بحق نبی زود گرداں میسر

۱۶۔ انا الحق زناں بر سرِ دار رقصم
چو منصور بر نفسِ گرداں مظفر

۱. میرا نشۂ شباب سے مست دلبر اچانک میری آنکھوں میں اُتر آیا اور اس کے جمال سے دونوں جہاں منور ہو گئے۔

۲. محبوب نے مستی کے عالم میں اپنی زلفوں کو تاب دے رکھی ہے اور اس ادا سے اُس نے مہر و خورشید کو ماند کر دیا ہے۔

۳. اسکا حسن و جمال شراب کا کام کر رہا ہے۔ یعنی اُسے دیکھ کر میں بھی بے خود ہو رہا ہوں اور اُسکا رخسار جو حسن و جمال کا حامل ہے۔ بطور ساقی یہ کام کر رہا ہے۔ اسکا دہن صراحی کا کام کر رہا ہے اور لب ساغر بن گئے ہیں۔ یاد رہے کہ محبوب کے لبوں کو شربت یا شراب سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

۴. مجھے اسکے شراب نے اس قدر بے خود کر دیا ہے کہ بے دست و پا ہو کر رہ گیا ہوں۔

۵. اس بے خودی کے عالم میں دوست میرے دروازے کے اندر آگیا اور مجھے غنچے کی طرح بغل میں لے گیا۔

۶. میری دو آنکھوں نے جو کہ عشق دلبر سے کھل گئی ہیں۔ دنیا میں سوائے حسنِ دوست کے کچھ نہیں دیکھا۔

۷. جس چہرے کی طرف میں نے دیکھا یار (حق تعالےٰ) نظر آیا۔ پس ہر ذرہ خورشید بن گیا ہے۔

۹. میں کیا بتاؤں وحدت میں دوئی نہیں۔ قلندر کو خدا سمجھ اور خدا کو قلندر۔

۱۰. اس راز سے سوائے پاکبازوں کے اور کوئی آگاہ نہیں ہے۔ اس نور کے عالم میں سوائے کثیف القلب اور مکدر دل کے کوئی محجوب نہیں۔ یعنی مکدر دل محجوب ہے باقی واصل ہیں۔

۱۱. اس مصرعے میں شاعر نے غزل کی بحر بتدی ہے۔ لیکن اسپر معانی بھی چسپاں کر دیئے ہیں۔ یعنی وہی ہے، وہی ہے، وہی ہے اور وہی موجود ہے نہ مسعود ہے نہ در ہے نہ دیوار۔

۱۲۔ اے قلندر دین اور دنیا دونوں سے آزاد ہو جا، کیونکہ راہِ حقیقت اِن دونوں سے برتر ہے۔

۱۳۔ دنیا ایک مکار اور بے وفا بڑھیا ہے۔ اُسے طلاق دیدے اور چھوڑ چھاڑ کر دور ہو جا۔

۱۴۔ اے اللہ! میرے دل میں ایک پُرانی آرزو ہے۔ وہ پوری کر دے وہ یہ کہ

۱۵۔ میں انا الحق کہتے ہوئے دار پر رقص کروں اور مجھے منصور کی طرح اپنے نفس پر فتح یاب کر دے۔

آخر آپ پر ایسا حال طاری ہوا کہ بے اختیار ہو کر آپ نے سرِ الٰہی فاش کر دیا اور سلطان فیروز شاہ کے زمانے میں علمائے ظاہر متفق ہو گئے اور قلعہ فیروز آباد کے نیچے دریائے جمنا کے کنارے آپ کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریا میں ڈال دیا اس کے بعد آپ کے معتقدین نے پانی میں جس قدر جال ڈالے جسم کا ایک ٹکڑہ بھی ہاتھ نہ آیا۔ لیکن خدا کی قدرت سے تمام اعضاء سلطان المشائخ کے حجرہ جو کیلوکری میں ہے کے نیچے جمع ہو کر مجسم ہو گئے۔ (یعنی پورا جسم بن گیا) اور لوگوں نے نکال کر دفن کر دیا۔ چنانچہ آپ کی جو تمنا ان اشعار میں تھی پوری ہو گئی اور آپ مشاہدہ حق میں شہید ہو کر مراد کو پہنچ گئے۔ آپ کا مزار آپ کے مشائخ کے احاطہ میں ہے۔ یعنی خواجہ قطب الاسلام کے قریب۔ لادو سرائے میں واقع ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت سید تاج الدین شیر سوار

آں خو گرفتہ بر فقر و تنہائی آں محظوظ گشتہ بعالم یکتائی، آں فارغ از گفتگوئے اغیار، ابدال مشرف، سید تاج الدین شیر سوار قدس سرہٗ کا شمار بزرگانِ روزگار اور مستِ بادۂ اسرار میں ہوتا ہے۔ آپ شیخ قطب الدینؒ منور بن شیخ برہان الدینؒ بن جمال الدین شیخ ہانسوی قدس سرہٗ کے مرید تھے، جن کے حالات سلطان المشائخ کے خلفاء میں بیان ہو چکے ہیں۔ صاحب اخبار الاخیار کہتے ہیں کہ آپ نارنول کے قبرستان میں ریاضت و مجاہدہ کر کے اس مقام پر پہنچ گئے کہ تمام جانور مسخر ہو گئے۔ یعنی جنگل کے جانور اور پرندے آپ سے انس و

محبت کے دام میں گرفتار ہو گئے۔ جب اپنے شیخ کی زیارت کے لیے ہانسی جانا چاہتے
تھے تو شیر کو جنگل سے طلب کر کے سوار ہو جاتے تھے اور سانپ پکڑ کر چابک بنا
لیتے تھے۔ جب ہانسی کے قریب پہنچ جاتے تو شیر اور سانپ کو آزاد کر کے پیدل شہر
میں داخل ہوتے۔ ایک دن شیخ قطب الدین منور دیوار پر بیٹھے تھے کہ شیخ تاج الدین اسی
طرح سکر و مستی میں شیر پر سوار ہو کر آ گئے۔ جب شیخ کی نظر ان پر پڑی تو فرمایا۔ اے سید یہ
شیر تو ایک جاندار چیز ہے۔ مردانِ حق اگر دیوار کو حکم کریں تو وہ بھی چل پڑتی ہے۔ کہتے
ہیں کہ اسی وقت وہ دیوار ہلنے لگی۔ آپ نے فرمایا اے دیوار میں نے ویسے بات کی
ہے۔ تجھے حکم نہیں دیا تو اپنی جگہ پر کھڑی رہ۔ یہ سنکر سید تاج الدین پر حالت طاری ہو
گئی اور فنائے توحید میں مستغرق ہو گئے۔ آپ کا مزار نارنول کے باہر ہے آپ
کی ولادت بھی نارنول میں ہوئی۔ (نارنول دہلی کے قریب ہے) جہاں حضرت خواجہ
بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ کے پیر بھائی شاہ ترکمان نارنولی کا مزار ہے۔

حضرت شیخ مظفر بن شمس الدین بلخیؒ

آں سرِ حلقۂ دردکشانِ جام وصال، آں در جمع مقاماتِ صاحبِ کمال، آں فارغ
از حوادثاتِ سختی و تلخی، توحید مست شیخ مظفر بن شمس الدین بلخی قدس سرہ۔ آپ شیخ شرف الدین
یحییٰ منیری قدس سرہ کے محبوب ترین خلفاء میں سے تھے۔ جنکا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔
آپ طریقت میں شان عظیم، ہمت بلند اور حال رفیع کے مالک تھے۔ شیخ شرف الدینؒ اپنے
مکتوبات میں آپ کو امام مظفر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ بے شک امام ارباب
توحید میں سے تھے۔ کتاب مناقب الاصفیا میں لکھا ہے کہ شیخ شرف الدین منیریؒ کے
ایک لاکھ سے زیادہ مرید تھے۔ ان میں سے تین سو واصل باللہ تھے۔ ایک اور روایت
کی رُو سے چالیس مرید واصل باللہ تھے۔ ان چالیس میں سے تین مرد نکلے۔ یعنی شیخ مظفر
بلخیؒ۔ ملک زادہ فضل اللہ اور مولانا نظام الدین دردن حصاریؒ اور ان تین حضرات میں سے
شولۂ عشق و سوز شیخ مظفرؒ کو ملا تھا۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے والد
شیخ شمس الدین بلخیؒ شروع میں دہلی میں سرکاری عہدہ دار تھے۔ ایک دن کسی افسر نے کسی

چیز کی طرف آنکھ سے اشارہ کیا، آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ نفاق کی علامت ہے
پس آپ نے عہدداری ترک کر دی اور اپنے حرم کو لکھا کہ میں نے تمام دنیاوی تعلقات
کو ترک کر دیا ہے، اگر تم میری موافقت کرنے کو تیار ہو تو سامان لڑکوں کو تقسیم کر کے میرے
پاس آجاؤ۔ انہوں نے اپنے دو لڑکوں یعنی شیخ مظفر اور شیخ معزالدین سے کہا کہ تم لوگ
اپنے باپ کا ترکہ سنبھالو، میں اسکی موافقت اختیار کرتی ہوں، چونکہ دونوں لڑکے مادر زاد
سعید تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی والد کی موافقت کرتے ہیں، پس سب کے سب
تارک ہو گئے۔ اگرچہ شیخ شمس الدین، شیخ احمد چرم پوش کے مرید و خلیفہ تھے لیکن
شیخ مظفر ایسے بزرگ کے مرید ہونا چاہتے تھے جو ظاہری و باطنی علوم کا مالک ہو، اس وقت
شیخ شرف الدین منیریؒ تمام ظاہری و باطنی علوم میں ممتاز تھے۔ پس شیخ مظفر اُن کی خدمت
میں حاضر ہوئے اور پہلی ہی مجلس میں جسقدر علمی اشکال رکھتے تھے، ان پر بحث شروع
کر دی، لیکن شیخ شرف الدینؒ چونکہ اخلاقِ کریمانہ رکھتے تھے۔ اُن کے ساتھ نرمی سے
پیش آئے اور ان کے تمام مشکلات وضاحت کے ساتھ حل کر دئے۔ یہ دیکھ کر شیخ
مظفر پشیمان ہوئے اور شیخ کے حسنِ اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بے اختیار مرید
ہو گئے۔ شیخ نے انکو خانقاہ کے فقرا کی خدمت پر مامور کر دیا، جب کچھ عرصے تک
آپ یہ خدمت بوجہ احسن انجام دے چکے تو شیخ آپ سے خوش ہوئے اور آپ
کی روحانی تربیت میں مشغول ہو گئے اور خلوت ہائے خاص سے بھی مشرف فرمایا۔
آپ نے کئی برس نہایت سخت مجاہدات کئے۔

ایک دفعہ شیخ نے آپ سے چلہ کرایا، لیکن آپ کی طبیعت شغلِ باطن پر نہیں
جمتی تھی، بلکہ ہر وقت بیوی کی شکل نظر میں رہتی تھی، جس سے بہت خلل واقع تھا
آپ نے شیخ سے عرض کیا کہ میری منکوحہ میرے کام میں حائل ہے، لہٰذا میں نے
اُسے طلاق دی۔ الغرض طلبِ حق میں اس قدر صادق تھے کہ تمام حجابات ہٹاتے گئے
آپ پر حال اس قدر غالب تھا کہ حسین بن منصورؒ اور عین القضاۃ ہمدانیؒ کی طرح مست
ہو کر نعرے لگاتے تھے، لیکن شیخ کی توجہ سے آپ مقامِ تمکین اور ارشاد کو پہنچ گئے

ایک دن آپ شیخ کی خدمت میں بیٹھے تھے ایک شخص منہاج الدین بھی آگیا۔ اور فرضیت حج کے متعلق گفتگو شروع کی۔ اس نے اشارۃً شیخ پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ حج تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور ذرا اپنے حاجی ہونے پر فخر کا اظہار کیا۔ لیکن شیخ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور کھڑے ہو گئے۔ شیخ مظفر کو ان گستاخانہ کلمات سے غصہ لگا اور شیخ منہاج الدین سے بحث شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ بات یہاں تک پہنچی کہ شیخ مظفر نے اُسے اپنی آستین کے اندر خانہ کعبہ کا مشاہدہ کرایا جس سے وہ خاموش ہو گیا۔ جب یہ بات شیخ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ جس قدر تم اپنی کرامت میں مشغول ہوئے۔ اسی قدر اپنے مقصود سے دور ہٹ گئے۔ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد شیخ بہت غصے ہوئے اور شیخ مظفر کو اپنے پاس نہیں بلاتے تھے۔ جب آپ کا غصہ فرو ہوا تو فرمایا کہ تجھے فوراً زیارت حرمین کے لئے جانا چاہیئے۔ یہ سنکر شیخ مظفر زیارت کعبۃ اللہ کو روانہ ہو گئے۔ شیخ حسین بن معزالدین یعنی شیخ مظفر کے بھتیجے اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ آپ زیارت حرمین سے فارغ ہو کر واپس آرہے تھے کہ شیخ کے وصال کی خبر سُنی اسوقت آپ نے ہندوستان آنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ان ایام میں آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ فی الحال گھر چلے جاؤ۔ دوسری مرتبہ اپنے بال بچوں سمیت آنا۔ چنانچہ دوسری مرتبہ آپ ہم لوگوں کو مکہ معظمہ لے گئے۔ وہاں پہنچکر آپ نے فرمایا کہ میں اس بابرکت سرزمین میں رہ کر ایک رسالہ لکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن سمجھے گا کون ؟ حضرت شیخ ہوتے تھے تو لکھنے میں مزہ آتا تھا۔ اب ہندوستان میں مردِ حق نہیں ہے۔ میں نے کہا۔ مشہور تو یہ ہے کہ کوئی جگہ مردانِ حق سے خالی نہیں۔ کیونکہ مردانِ حق کے وجود سے قائم ہے۔ فرمایا وہ صلحا (نیک لوگ) ہوتے ہیں۔ مردِ حق اور ہوتا ہے۔ اگر کوئی مردِ حق مل جائے تو اس کے گھر کا مجاور بن جاؤں۔ اس کے بعد آپ نے ساری عمر مکہ میں گزار دی۔ مناقب الاصفیا میں لکھا ہے کہ جب شیخ مظفر کے وصال کا وقت قریب آیا۔ آپ نے اکیس دن کچھ نہ کھایا اور کسی سے کوئی بات نہ کی۔ لیکن شیخ حسین سے اسقدر کہا۔ حضرت شیخ کو دیکھ رہا ہوں۔ لیکن کچھ نہیں

فرماتے معلوم نہیں کیا وجہ ہے۔

آپ نے ایک اور دفعہ شیخ حسین سے فرمایا کہ رات کو میں نے عجیب معاملہ دیکھا ہے کہ میں تجھ سے ایک راز کہتا ہوں یعنی مَن اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ (جو شخص اللہ کے دیدار کا جتنا طلبگار ہوتا ہے۔ اللہ اُسکا اتنا ہی طلب گار ہوتا ہے) یہ کہہ کر آپ استغراق میں چلے گئے۔ جب آپ کا آخری وقت آیا تو مشائخ فردوسیہ کی امانت اور خلافت اپنے بھتیجے شیخ حسینؒ کے سپرد کی اور واصلِ حق ہوئے۔

آپ کی وفات کا سن نظر سے نہیں گزرا لیکن شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے بعد آپ پانچ چھ سال قیدِ حیات میں رہے۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ پچیس سال تک شیخ مظفر جن واقعات اور معاملات کا اپنے سلوک میں مشاہدہ کرتے تھے۔ اپنے شیخ سے عرض کرتے تھے اور جواب سے بہرہ مند ہوتے تھے۔ شیخ شرف الدینؒ نے اپنے بعض خطوط میں لکھا ہے کہ میرے تمام خطوط شیخ مظفر کے مشکلات اور سوالات کا حل ہیں۔ اُسے چاہیئے کہ کسی سے بیان نہ کرے۔ لوگوں نے بہت کوشش کی، لیکن آپ نے کسی کو نہ دکھائے اور وصیت کی کہ میری وفات کے بعد یہ خطوط کفن میں رکھ کر میرے ساتھ دفن کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ اسرار سربستہ پوشیدہ رہ گئے۔ یہ سب خطوط مکتوب دو صدی سے زیادہ تھے۔ (مکتوب دو صدی حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے خطوط کا مجموعہ ہے۔ جو کہ کراچی میں طبع ہو چکا ہے) لیکن چند مکتوبات شیخ الاسلام شیخ شرف الدینؒ کے بستے میں رہ گئے۔ جنکی تعداد اٹھائیس بتائی جاتی ہے۔ یہ خطوط اب تک اہل سلوک کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ ان میں سے ایک مکتوب یہاں لکھا جاتا ہے۔

مکتوب اوّل: اَلحمدُ لِلّٰہِ دائماً۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است ۔۔۔ زیرآں گنجے کرم نہادہ است

(جو بلا و مصیبت کہ حق تعالیٰ نے طائفہ صوفیا پر نازل کی ہے۔ اُسکے نیچے

لطف و کرم کا خزانہ بھی رکھ دیا ہے۔)

برادرِ محترم امام مظفر پر کاتبِ حروف کے سلام و دعا ہوں۔
چاہیئے کہ اپنے کام میں مرد بن کر مشغول رہنا چاہیئے۔ مرد کو چاہیئے کہ کثرتِ شداید و مصائب۔ اور مختلف قسم کے امتحانات کو جو راہِ سلوک میں پیش آتے ہیں۔ راہِ حق میں خلل انداز نہ ہونے دے۔

اے برادر!

——— کتاب عظمت الانبیاء میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کے کام ایک طرح پر نہیں ہوتے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر انعام کس راستے سے نازل ہوتا ہے۔ راہِ نعمت سے یا راہِ محنت سے۔ راہِ عطا سے یا راہِ بلا سے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ولادت کے بعد تنور میں ڈالا گیا۔ اس کے بعد صندوق میں بند کر کے دریا میں پھینک دیا گیا۔ پھر دشمن کے ہاتھ میں دیدیا۔ آپ کے ہاتھ سے ایک قبطی کو موت دلا کر شہر بدر کرایا۔

دس سال شبانی کرائی (بکریاں چراتے رہے) شبِ تاریک اور طوفانِ ابر و باران میں بھیڑیے پہنچ کر بکریوں کو منتشر کر دیتے ہیں، آپ راستہ بھول جاتے ہیں، بیوی کو دردِ زہ شروع ہو جاتا ہے۔ سردی کی کوئی حد نہیں آگ جلانے کیلئے جس قدر کوشش کرتے ہیں چقماق کام نہیں کرتی جب ہر طرف سے مایوسی چھا گئی اور عاجز آ گئے تو ناگاہ غیب سے فتح شروع ہوئی۔ آپ نے بیوی سے کہا۔ سامنے آگ نظر آ رہی ہے میں لے آتا ہوں۔ جب آپ وہاں پہنچے تو دوسرا راز ظاہر ہوا۔ فرمان ہوا کہ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی
(تحقیق میں تمہارا رب ہوں۔ جوتا اتار دو، کیونکہ تم اسوقت وادیٔ مقدس طویٰ میں ہو۔ ہم نے تجھے پیغمبری عطا کی ہے اور جو وحی تم پر نازل ہو، گوش

ہوش سے سنو) ؎

ہرچہ در خلق سوزے و سازیست
اندراں مر خدائے را رازیست ۔

(دنیا میں جس قدر سوز و ساز ہے۔ اُس کے اندر خدا تعالیٰ کی طرف ایک راز ہے)۔

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں کہ :

اے برادر! عجب راز اور عجب کرشمۂ قدرت ہے کہ علما، زہاد اور بزرگانِ دین کے مزارات کو تو کافر توڑ رہے ہیں اور کافر کے بچہ کو بلا سبب ایمان کی دولت بخشی جاتی ہے اور دوستوں کی مسند پر بٹھایا جاتا ہے، ؎

کس چہ داند تا چہ حکمت مے رود
ہر وجودے راچہ قسمت مے رود

(کسی کو کیا معلوم کہ حق تعالیٰ کی تقدیر کیا ہے اور کسی کی قسمت میں کیا لکھا ہے)

آپ کے کمالات و کرامات اس قدر ہیں کہ یہاں اُن کی گنجائش نہیں، رحمۃ اللہ علیہ

حضرت میر سید علی بن شہاب الدین ہمدانیؒ

آں عارفِ کار ہائے دیدہ، آں پس از محنت جام وصال چشیدہ، آں کاشف رازہائے نہانی، قطبِ جہاں میر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ کا شمار کاملین روزگار میں ہوتا ہے۔ آپ بڑے رفیع الشان، بلند ہمت اور صاحب الحال تھے۔ صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ آپ تمام علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ آپ کی تصانیف اہل علم میں بہت مشہور ہیں، مثلاً سرّ النقطہ، شرح اسماء اللہ، اور شرح فصوص الحکم وغیرہ۔ آپ شیخ شرف الدین محمود بن عبداللہ مزدقانیؒ کے مرید تھے۔ لیکن آپ نے کسبِ طریقت شیخ تقی الدین علی دوستی سے کیا۔ جب شیخ تقی الدینؒ

کا انتقال ہوا تو پھر شیخ شرف الدین محمودؒ کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا کہ کیا فرمان ہے۔ انہوں نے باطن کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا! فرمان یہ ہے کہ تم دنیا کی سیر کرو۔ یہ دونوں بزرگ یعنی شیخ تقی الدین علیؒ اور شیخ شرف الدین محمود، شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی قدس سرہٗ کے اکمل خلفاء میں سے تھے۔ جو سلسلۂ فردوسیہ کے ممتاز بزرگ ہیں۔ حق تعالیٰ نے میر سید علی ہمدانی کو ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ آپ سے نیا سلسلہ ہمدانیہ شروع ہو گیا آپ کے ایک سلسلہ کی نسبت چند واسطوں سے خواجہ کمیل ابن زیاد رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتی ہے۔ غرضیکہ آپ نے اپنے شیخ کی اجازت سے تین مرتبہ ربع مسکون (ساری دنیا) کی سیر کی اور ایک ہزار چار سو اولیاء اللہ کی صحبت حاصل کی۔ چار سو اولیاء اللہ کو ایک مجلس میں دیکھا اور سب مشائخ سے فیضان حاصل کیا

اور اُن مشائخ سے چار سو کلمات جمع کئے۔ جس کا نام آپ نے اوراد فتحیہ رکھا ہے۔ اوراد فتحیہ کے وظائف تمام کاموں کے لئے نہایت مجرّب ہیں۔ میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے بھی میر سید علی ہمدانیؒ کی رفاقت میں ساری دنیا کا سفر کیا اور قسم قسم کے فیوض اور نعائم سے بہرہ مند ہوا۔ آپ کی صحبت میں مَیں نے اس قدر اسرار حقائق و دقائق اور کرامات کا مشاہدہ کیا۔ کہ اس سے بڑھ کر کہیں نہ ہوگا۔ کہتے ہیں کہ میر سید علی ہمدانیؒ اور امیر تیمور کے درمیان مخالفت ہو گئی۔ اِس میں بھی ایک حکمت تھی۔ وہ یہ کہ امیر تیمور نے انہیں اپنے ملک سے بدر کر دیا اور آپ کشمیر چلے گئے۔ جہاں آپ نے اسلام کی تبلیغ کی اور اس کانِ کفر کو اسلام کے نور سے منور کر دیا۔ جس طرح حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا راز یہ تھا کہ اہل مدینہ کو اسلام سے مشرف کیا جائے۔ اسی طرح میر سید علیؒ کے کشمیر آنے سے سارا خطہ نور علیٰ نور ہو گیا کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد کوئی نبی یا ولی کشمیر میں نہیں گئے تھے۔ آپ نے اپنی قوتِ ولایت سے بغیر کسی ظاہری اسباب کے اس کفرکدہ سے ظلمت کو یکسر دور کر دیا۔ چنانچہ کشمیر میں آج تک حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے آثار اور میر سید علیؒ کی خانقاہ موجود ہے۔ چونکہ آپ کشمیر کے صاحبِ ولایت ہیں

اِسلیئے یہاں کشمیر کے حالات بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تاریخ کشمیر

اقبال نامہ جہانگیری میں لکھا ہے کہ کشمیر اقلیم چہارم میں ہے۔ اس کا عرض خط استوا سے پینتیس ۳۵ درجے دُور ہے۔ اِس علاقے میں عہد قدیم سے راجاؤں کا تصرف تھا جنھوں نے چار ہزار سال تک حکومت کی۔ اُن کے مفصل حالات تاریخ راجہ ترنگ میں درج ہیں۔ جسکا جلال الدین اکبر کے حکم سے ہندی سے فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ ۷۱۲ھ میں یہ خطہ اسلام کے نور سے مشرف ہوا اور بتیس ۳۲ مسلمان حکمرانوں نے دوسو بیاسی سال تک حکومت کی۔ ملک کشمیر کا طول کپھل سے قنبرو تک چھپن ۵۶ جہانگیری کوس ہے اور عرض آٹھ کوس سے زیادہ اور دس کوس سے کم نہیں ہے۔ لیکن چونکہ میوہ ہائے دل پسند اور گل ہائے رنگ برنگ سے آراستہ ہے۔ اسیلئے اِسے کشمیر جنت نظیر کہا گیا ہے۔ منتخب التاریخ مصنفہ امیر احمد میں کشمیر میں اسلام کی ابتداء ۷۴۲ھ بتائی گئی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سلاطین سوداگر کی اولاد میں سے ایک شخص تھا جس کا نام شہمیر تھا۔ اسکا دادا بہت عابد و زاہد تھا۔ ایک دن کسی حالت خاص میں اُسکی زبان سے یہ نکلا کہ میرے لڑکے طاہر کا بیٹا، جسکا نام شہمیر ہوگا۔ ولایت کشمیر کا بادشاہ ہوگا اور کئی برس یہ ملک اُسکی اولاد کے تصرف میں رہیگا۔ جب شہمیر بلوغت کو پہنچا تو اُس نے اپنے والد سے یہ خوشخبری سُنکر کشمیر کا رُخ کیا۔ جب وہاں پہنچا تو کشمیر کے راجہ سیہ دیو نے قصبہ دوادر اُسکی رہائش کیلئے منتخب کیا، اور بہت مہربانی سے پیش آیا۔ لیکن اسی تاریخ سے کفار کی سلطنت میں خلل واقع ہوگیا اور روز بروز تنزل رونما ہونے لگا۔ ان ہی ایام میں لنگر جگ جرچگان کا دادا سے۔ ولایت وادر سے اہل و عیال سمیت آکر سکونت پذیر ہوا۔ چند یوم بعد یعنی ۷۲۴ھ میں دولچو نامی ایک ترک بادشاہ نے سترہ ہزار سوار اور پیادہ مغلوں کے ساتھ بارہ مولا کے راستے کشمیر میں داخل ہوکر قتل عام کا حکم دیدیا۔ جہاں کوئی نظر آتا تھا، قتل کر دیتے تھے، لیکن عورتوں اور بچوں کو قید کر لیتے تھے اور شہروں اور بستیوں کو آگ لگا دیتے تھے۔ یہ دیکھ کر راجہ سیہ دیو، کشتوار کی طرف بھاگ گیا حملہ آوروں نے کشمیر کو آٹھ ماہ تاخت و تاراج کرنے کے بعد ہندوستان کا رُخ کیا۔ جب

پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو قدرتِ الٰہی اور غضبِ ایزدی سے اس قدر برف باری ہوئی کہ تمام لشکر اور قیدی غرق ہو گئے اور ایک آدمی بھی زندہ نہ بچا۔ اس وقت سے کشمیر برباد ہو گیا اور اسکی اصلی حالت بگڑ گئی۔ وہاں کے جن لوگوں نے بھاگ کر پہاڑوں اور غاروں میں پناہ لے لی تھی، باہر آکر تباہی کا ملاحظہ کیا اور بے حد پریشان ہوئے۔ رفتہ رفتہ ہر ضلع میں الگ الگ حکومتیں قائم ہو گئیں۔ اس کے بعد رنجو نامی ایک شخص جو جنداں نسل سے تھا، پر گنہ لار میں لشکر جمع کر کے آہستہ آہستہ کشمیر کا بادشاہ ہو گیا اور شہمیر مذکور کو اپنا پیش دست (کارندہ) مقرر کر لیا۔ لیکن اس کی حکومت میں بھی خلل واقع ہو گیا اور شہمیر نے طاقت پکڑنا شروع کر دیا۔ راجہ رنجو پندرہ برس حکومت کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔ اس نے اپنی بہن کوتہ رنی کے ساتھ شادی کر رکھی تھی۔ شوہر کی وفات کے بعد کوتہ رنی تخت پر بیٹھی۔ جب شہمیر نے کشمیر کے تخت کو مرد سے خالی پایا تو وہاں کے امرا اور شرفا سے متفق ہو کر لشکر جمع کر لیا اور تخت پر قبضہ کر کے کوتہ رنی کو اپنے نکاح میں لے لیا۔

غرضیکہ شہمیر ۷۴۲ھ میں کشمیر کا بادشاہ بن گیا اور سلطان شمس الدین کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ تین سال پانچ ماہ حکومت کرنے کے بعد وہ فوت ہو گیا اور اس کی جگہ اسکا لڑکا جمشید تخت پر بیٹھا لیکن دو سال اور دو ماہ کی حکومت کے بعد وہ اپنے بھائی علی شیر سے شکست کھا کر بھاگ گیا۔ علی شیر ۷۴۸ھ میں تخت نشین ہوا، اور سلطان علاؤالدین کا لقب اختیار کر کے بارہ سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہو گیا اس کے بعد اسکا لڑکا سلطان شہاب الدین تخت نشین ہوا۔ اس نے گرد و نواح کے علاقوں پر قبضہ کر کے سلطان فیروز شاہ والئ ہندوستان سے صلح کر لی اور انیس سال حکومت کر کے راہئ ملکِ بقا ہوا۔ اگرچہ یہ لوگ اسلامی نام رکھتے تھے لیکن کافر مطلق تھے اور حلال و حرام میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ سلطان شہاب الدین کے بعد اسکا بھائی سلطان قطب الدین تخت پر بیٹھا۔ میر سید علی ہمدانیؒ اس کے عہد میں یعنی ۷۸۳ھ میں کشمیر کے اندر تشریف لائے۔ سلطان قطب الدین نے آپ کی بہت تعظیم کی اور فرمانبرداری میں کمربستہ ہو گیا۔ بادشاہ نے دو بہنوں کے ساتھ شادی کر رکھی تھی۔ آپ کے حکم سے

اس نے ایک کو طلاق دیدی اور دوسری سے دوبارہ نکاح کیا اس کے بطن سے سلطان سکندر بت شکن وجود میں آیا۔ سلطان علاؤالدین نے شیخ کے حکم کے مطابق کافرانہ لباس ترک کر کے اہل اسلام کا لباس اختیار کیا۔ اس روز سے کشمیر میں اسلام کو رونق ہوئی اور آپ نے اسلامی قوانین جاری کر کے شریعت کے اوامر اور نواہی کو رائج کیا اس کے بعد آپ زیارت بیت اللہ کے لئے بارہ مولہ کے راستے روانہ ہوئے لیکن راستہ میں کرہ سواد کی ولائیت میں چھ ذوالحجہ ۷۸۶ھ کو وفات پائی۔ وہاں سے آپ کے مریدین نعش کو ختلان لے گئے۔ جو بدخشاں کے نواح میں ہے اور وہیں دفن کر دیا۔[۱]

"بسم اللہ الرحمن الرحیم" آپ کی تاریخ وفات ہے۔ "سید ما علی ثانی" بھی تاریخ وفات ہے۔ آپ کا مزار ختلان میں قبلۂ حاجات ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کے بعد آپ کے فرزند میر سید محمد مسند نشین ہوئے۔ آپ بڑے عالم اور صاحب حال تھے۔ بائیس سال کی عمر میں آپ اپنے مریدین سمیت سکندر بن قطب الدین کے عہد میں کشمیر پہنچے۔ بادشاہ نہایت عقیدتمندی سے پیش آیا۔ میر سید محمدؒ نے تصوف پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ جو بادشاہ کے نام پر ہے۔ آپ کی دوسری تصنیف شرح شمسیہ ہے۔ جو علم منطق کے متعلق ہے۔ بادشاہ کا وزیر اور سپہ سالار جس کا نام ملک سیہ بٹ تھا۔ شیخ کے ہاتھ پر اسلام سے مشرف ہوا اور ملک سیف الدین کے لقب سے ملقب ہوا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے لوگ بھی مسلمان ہوئے۔ اُن ایام میں امیر تیمور نے ہندوستان فتح کیا اور از روئے محبت اس نے دو ہاتھی بطور تحفہ سلطان سکندر کے پاس ارسال کئے۔ سلطان سکندر بھی مناسب تحائف لے کر

۱؎ ایک روایت کے مطابق آپ کا مزار خلپائن میں ہے۔ ممکن ہے وہاں آپ کا مزار نہ ہو۔ صرف خانقاہ ہو۔ وہاں مسلمانوں کی کثرت یہی بتاتی ہے کہ کسی عظیم الشان بزرگ کے قدوم کی برکت ہے۔

بارہ مولہ کے راستے امیر تیمور کو ملنے روانہ ہوا لیکن راستے میں اُسے خبر ملی کہ امیر تیمور دریائے سندھ پار کر کے سمرقند چلا گیا ہے۔ چنانچہ سلطان سکندر نے تحائف امیر کے پاس بھیج دیئے اور خود واپس آگیا۔ اس کے زمانے میں اطراف و جوانب سے سادات، اشراف، علما و فضلا آکر کشمیر میں سکونت پذیر ہوئے اُن میں سے ایک میر سید محمد اصفہانی تھے۔ جو کتاب تنویر در شرح فرائض سراجی کے مصنف ہیں۔ دوسرے میر سید محمد خاوری تھے۔ جو خاور نامہ کے مصنف ہیں۔ یہ اُن کے کلام کا مجموعہ ہے۔ شرح لمعات بھی انہوں نے لکھی ہے۔ یہ دونوں بزرگ میر سید محمد بن میر سید علی ہمدانیؒ کے خاص مرید تھے۔ قاضی سید محمد حسین جو شیراز کے قاضی تھے۔ وہ بھی میر سید محمد کے مرید تھے۔ انکو کشمیر کی قضا بھی مرحمت ہوئی۔ احادیث زینیہ اُن کی جمع کردہ ہیں۔ ایک اور بزرگ جو اس زمانے میں مدینہ سے اہل و عیال سمیت آکر کشمیر میں متوطن ہوئے۔ میر سید محمد مدنیؒ تھے۔ جنکا مقبرہ اہل کشمیر کے لئے قبلۂ حاجات ہے۔ بابا بلبل جو شاہ نعمت اللہ کے مرید تھے۔ کا مزار بھی کشمیر میں ہے۔ بڑے بابرکت مرد تھے۔ غرضیکہ جب میر سید محمدؒ کو اطمینان ہو گیا کہ کشمیر میں اسلام مستحکم ہو گیا ہے تو آپ نے سلطان سکندر سے اجازت حاصل کر کے زیارت بیت اللہ کا قصد کیا۔ وہاں سے آپ ختلان تشریف لے گئے اور اُسی جگہ انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار میر سید علی ہمدانیؒ کے پہلو میں ہے۔

سلطان سکندر بائیس سال نو ماہ اور چھ دن حکومت کر کے دو محرم ۸۱۹ھ کو فوت ہوا۔ مسجد عالی جو اب تک کشمیر میں موجود ہے۔ اسکی یادگار ہے۔ اس کے بعد سالہا اس کی اولاد اور دیگر اقوام کے حکمران کشمیر میں حکومت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ سنہ ۹۹۴ھ میں جلال الدین اکبر نے کشمیر فتح کر لیا اور آج تک ۱۳۵۰ھ میں اسی خاندان کے تصرف میں ہے۔

طبقہ ۲۲

در حالات شیخ جلال الحق والدین پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
و میر سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم

حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی قدس سرہٗ

آں ہمدم نسیم وصال، آں گم گشتہ بحر وصال، آں مستقیم بمقام بقا، آں بہ تحقیق ہادی حق نما، آں مقتدائے ارباب یقین، قطب اقالیم شیخ جلال الحق والدین پانی پتی قدس سرہٗ آپ مرید و خلیفہ حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ ہیں آپ کا اس طائفہ کے محبان و محبوبان میں شمار ہوتا ہے۔ آپ شانِ عظیم، طبع کریم، لطفِ عمیم اور حالِ مستقیم رکھتے تھے۔ آپ نے اس قدر ریاضات و مجاہدات کئے کہ بھوک کی شدت سے آپ کا نفس امارہ صورتِ موہوم میں متجسم ہو کر آپ کے بدن مبارک سے جدا ہو چکا تھا لیکن آپ کی استقامت میں کوئی خلل واقع نہ ہوا۔ آخر میں آپ ذاتِ مطلق میں اسقدر مستغرق ہو گئے تھے کہ آپ سے اور کوئی کام نہیں ہو سکتا تھا۔ صرف پنجگانہ نماز کے وقت آپ کے مریدین آپ کو مراقبہ سے نکال کر نماز پڑھا لیتے تھے۔ اس کے بعد آپ مراقبہ میں چلے جاتے تھے۔ جس وقت آپ مراقبہ سے سر اٹھاتے تھے۔ جو کچھ زبانِ مبارک سے نکلتا تھا۔ فوراً ہو جاتا تھا۔ آپ کی روحانی قوت کا یہ عالم تھا کہ تھوڑی سی توجہ سے مریدین کو مقام جبروت و لاہوت پر پہنچا کر عالم بے رنگی سے آشنا کر دیتے

تھے۔ آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت شیخ احمد عبد الحق جیسے
شاہباز بلند پرواز اگرچہ مشائخ دہلی وغیرہ کی صحبت میں بہت رہے۔ لیکن کسی بزرگ
کا تصرف آپ پر کارگر نہ ہوا لیکن شیخ جلال الدین کے کمند ولایت میں گرفتار ہو گئے
اور تربیت حاصل کرکے بلند مقامات پر پہنچے۔ کہتے ہیں کہ آپ کے والد بڑے دولت
مند تھے اور جاہ و جلال سے پانی پت میں رہتے تھے ان کا سلسلۂ نسب چند واسطوں
سے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ شیخ جلال الدین بڑے
حسین وجمیل نوجوان تھے۔ ہمیشہ لباس فاخرہ زیب تن کرتے تھے اور عیش و عشرت
سے رہتے تھے اس کے ساتھ آپ کریم الطبع بھی تھے اور غربا پر کثرت سے خرچ
کرتے تھے۔ ایک دن عمدہ لباس پہنے، عطریات لگائے ہوئے عربی گھوڑے پر
سوار ہو کر حضرت شیخ شمس الدین ترک کی خانقاہ کے سامنے سے گذرے۔ حضرت
شیخ کی نظر اُن کے جمال پر پڑی اور تصرفِ ولایت سے انہیں اپنی جانب کشش فرمائی۔
اسکا اثر یہ ہوا کہ آپ نے گھوڑے سے اُتر کر شیخ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور مرید ہو گئے۔
اس کے بعد آپ نے تمام علائق سے منقطع ہو کر شیخ کی تربیت اختیار کر لی اور سالہا سال
کی ریاضت کے بعد مرتبۂ تکمیل کو پہنچے۔ شیخ کے وصال کے بعد آپ مسندِ ارشاد پر متمکن
ہوئے اور تربیت مریدین میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑے عرصے میں آپ کی بڑی شہرت
ہو گئی اور چاروں طرف سے لوگ حاضرِ خدمت ہونے لگے۔ آپ کے لنگر کا
خرچ اس قدر تھا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ اُسکی وجہ یہ تھی، خلافت دیتے وقت حضرت
شیخ نے آپ سے یہ فرمایا تھا کہ "ترا دیں ہم دادم و آں ہم دادم" (تجھے میں نے یہ
بھی دیا اور وہ بھی دیا یعنی دین و دنیا دیئے)۔

اس وجہ سے آپ ہر قسم کے ظاہری اسباب معیشت سے بے نیاز رہتے
تھے۔ اگرچہ آپ کے ہاں ملک املاک، مال اسباب، اونٹ گھوڑے کثرت سے
تھے۔ لیکن آپ کی ذات بابرکات اِن سب چیزوں سے آزاد تھی اور ذات احدیت
کے غلبۂ استغراق کی وجہ سے آپ کون و مکان سے بے پرواہ تھے اور اپنے

مشائخ کی طرح قلندرانہ مشرب رکھتے تھے۔ حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ آپ کے حلقۂ مریدین میں داخل ہوئے۔ تو چونکہ اُن پر تجرید و تفرید کا غلبہ تھا حضرت شیخ کے ناں مال و دولت اور جاہ و حشم دیکھ کر متنفر ہوئے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ نے آں حضرت کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ایک دن شیخ جلال الدین کے بعض مریدین نے میری دعوت کی اور طعام کے ساتھ انہوں نے مسکرات بھی لاکر رکھ دیئے جب میری نظر مسکرات پر پڑی تو کہا کہ یہ کیا شئے ہے۔ یہ کہہ کر مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا حضرت شیخ کے پاس جاکر کلاہِ ارادت (مرید ہوتے وقت جو کلاہ ملی تھی) واپس دے کر چلا گیا۔ جب شہر سے باہر جنگل میں پہنچا تو راستہ بھول گیا۔ جس قدر کوشش کرتا تھا کوئی راستہ نہ ملتا تھا۔ آخر تنگ آکر میں ایک درخت پر چڑھ گیا۔ دور ایک مردِ غیب نظر آئے اُن کے پاس جاکر پوچھا کہ راستہ کہاں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ شیخ جلال الحق والدین کے دروازے پر ہے۔ یہ بات انہوں نے چند بار کہی اور گم ہوگئے پس میں سمجھ گیا کہ یہ حق تعالےٰ کی طرف سے میری ہدایت کیلئے تھا کہ میرے کام کی کشائش حضرت شیخ جلال الدین کے دَر پر ہے۔ پس میں نے توبہ کی اور کمالِ ندامت کے ساتھ شیخ کے پاس واپس چلا گیا۔ جب وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت شیخ کلاہ ہاتھ میں لئے دروازے پر منتظر کھڑے ہیں۔ میں فوراً قدموں پر گر گیا۔ شیخ نے کمالِ شفقت سے مجھے اٹھاکر گلے لگایا اور ازسرِ نو کلاہِ ولایت میرے سر پر رکھ کر اسرارِ حق سے آشنا کیا اور فرمایا کہ بابا عبدالحق آج تم ہمارے مہمان ہو۔ اس کے بعد خادم کو حکم دیا کہ ہر قسم کے کھانے تیار کراؤ اور ہر قسم کے مسکرات بھی مہیا کرو۔ جب دستر خوان لگایا گیا تو آپ نے شیخ عبدالحقؒ کو دوسرے احباب سمیت طلب فرماکر اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا۔ بابا عبدالحق جس چیز کو ذاتِ احدیت سے جدا دیکھو اور بعید سمجھو۔ اُسے ہاتھ نہ لگاؤ اور اس سے پرہیز کرو۔ یہ کلمات سُنتے ہی اُن کی نظرِ حال توحیدِ حق پر پڑی اور اللّٰہ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تجلیات کی اُن کے قلب پر بارش ہونے لگی اور انکو ہر جگہ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (جدھر دیکھو ذاتِ حق ہے) کا مشاہدہ ہونے لگا۔ ظہورِ حق کی تجلیات کا اُن پر اسقدر غلبہ ہوا بے خود ہو کر

گر گئے اور زار زار رونے لگے۔ غرضیکہ کافی دیر تک اسی حالت میں پڑے رہے۔ حتیٰ کہ ماسوای اللہ مطلقاً آپ کے سینہ سے پاک ہو گیا۔ ؎

چو ممکن گردِ امکان برفشاند

بجز واجب دگر چیزے نماند

ترجمہ: جب ممکن (حادث) سے امکان (حدوث) کی گرد جھڑ گئی تو ذاتِ واجب الوجود کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔

ایک دن شیخ جلال الدینؒ کے کمالِ شفقت سے ان کے پاس جا کر فرمایا کہ بابا عبدالحقؒ ہوش میں آؤ اور کچھ کھاؤ۔ انہوں نے استغراق سے سر اٹھا کر عرض کیا کہ حضرت جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ کیا کھاتا، کہاں سے کھاتا اور کس کا کھلایا۔ حیران ہوں کہ کیا چیز کھا سکتا ہوں اور کس چیز سے پرہیز کر سکتا ہوں۔ اور حلال و حرام میں کیسے فرق کر سکتا ہوں۔ کسی نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔ ؎

غیرتش غیر در جہاں نگذاشت

لاجرم عین جملہ اشیا شد

ترجمہ: اس کی غیرت نے غیر کا وجود مٹا دیا۔ پس تمام کائنات اس کی عین بن گئی۔ سبحان اللہ!

جو مقام دوسرے لوگوں کو تکمیل کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ انکو شروع کے چند ایام میں مل گیا۔ بہرکیف چونکہ حضرت شیخ نے انکو کھانا کھلانے کے لیئے اصرار کیا کہ اگر خود رو پودے شماخ کی روٹی ہو تو کھاؤں گا۔ یاد رہے کہ شیخ احمد عبدالحقؒ کا مرید ہونے سے پہلے دستور تھا کہ اکثر جنگل میں رہ کر عبادت کرتے تھے اور جنگلی شماخ کھا لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ نے خادموں کو حکم دیا کہ شماخ کی روٹی تیار کریں خادموں نے سفید شماخ کی روٹی تیار کی اور ان کے سامنے رکھ دی۔ یہ دیکھ کر انہوں نے کہا کہ یہ سفید روٹی ہے۔ میں تو عام شماخ کھایا کرتا ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا۔ بابا۔ انّ اللہ جمیلٌ و یُحبُّ الجمال: (اللہ تعالیٰ جمیل ہیں اور جمال سے محبت کرتے ہیں) حق تعالیٰ

پاک ہیں اور پاک کو پاک روزی دیتے ہیں اور پاک کو ناپاک سے ہے جس سے مراد شرک سے ہے، پاک رکھتے ہیں، تم ہمیشہ حق تعالیٰ پر توکل کرتے رہے اور اس کے ساتھ لو لگائے رکھی۔ وہ تجھے ناپاک سے محفوظ رکھے گا اور پاک کے بغیر تمہارے اندر کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اسوقت تم دیکھ لوگے کہ دونوں جہانوں میں سوائے ذاتِ حق اور کوئی چیز نہیں، جب مرشدِ حق نما نے یہ ہدایت فرمائی تو انہیں اطمینان ہوا اور اپنے کام میں ثابت قدم ہو کر تربیت حاصل کرنے لگے۔ چونکہ ہمارے خواجگان چشت کا یہ دستور رہا ہے کہ مریدِ صادق کو اذکار و مشاغل تلقین کر کے دور بھیج دیتے ہیں چنانچہ حضرت گنجشکرؒ بھی خواجہ قطب الاسلام قدس سرہٗ کی زندگی میں قصبہ ہانسی میں مشغول رہے اسی طرح شیخ احمد عبدالحقؒ بھی حضرت شیخ کی اجازت سے اپنے قصبہ سنام میں مقیم ہو گئے اور قسم قسم کے مجاہدات کرنے لگے۔ آپ کے گھر میں ایک عورت تھی جسکا نام فاطمہ تھا۔ وہ بڑی صالحہ تھیں اور رات کو عبادتِ الٰہی میں اس قدر منہمک رہتی تھیں کہ شیخ عبدالحقؒ کوشش کے باوجود اُن سے سبقت نہ لے سکے آپ اُسے اپنے بچوں سے بھی زیادہ چاہتے تھے۔ قصبہ سنام میں ایک مجذوب بھی رہتا تھا جو مسجد میں پڑا رہتا تھا بہت سے مجذوب اور بے شمار لوگ ان سے نیازمندی کرتے تھے۔ شیخ عبدالحقؒ اور ان کے درمیان بے حد محبت تھی۔ آپ ان کے پاس جاتے تھے۔ وہ آپ کے سامنے کھانا رکھ کر کہتے تھے کہ یہ نعمتِ حق ہے۔ کھاؤ اور کھلاؤ۔ ایک دن ایک دراز قد مجذوب ولایت خراسان سے آیا۔ اور سنام میں رہنے والے مجذوب سے کہنے لگا کہ تم ملک خراب کر کے آگئے ہو۔ اب میں تمہاری ولایت خراب کرتا ہوں دوسرے دن فاطمہ نے شیخ عبدالحقؒ سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حوض میں لوگ مچھلیوں کو مار رہے ہیں، اس کی کیا تعبیر ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے۔ تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ سنام خراب ہو جائے گا اور میرے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ شہر دہلی تباہ ہو جائیگا۔ ان ہی ایام میں مغلوں کا لشکر حملہ آور ہوا۔ جس سے ملک تہ و بالا ہو گیا۔ شیخ عبدالحقؒ نے مجذوب کے پاس جا کر

دریافت کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا قہر حق نازل ہو چکا ہے۔ ہم بھی یہاں سے جانا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد شیخ عبدالحق حضرت شیخ جلال الدین کے پاس پانی پت گئے۔ وہاں بھی دیکھا کہ آں حضرت کوہِ شمال کی طرف جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ نے ایک طبق برنج کا شیخ عبدالحقؒ کو دیکر فرمایا۔ بابا احمد قہرِ حق نازل ہو چکا ہے۔ جاؤ تجھے اللہ کے سپرد کیا۔

حضرت شیخ نور قطب عالم قدس سرہٗ لکھتے ہیں کہ ہمارے مشائخ چشت نفس پرست نہیں تھے۔ بلکہ اپنے مریدین کو طعام شیرینی وغیرہ کے ساتھ نعمتِ دوجہاں بھی عطا کرتے تھے۔ چنانچہ اس طبقِ برنج کی برکت کا اثر آج تک باقی ہے اور انشاءاللہ قیامت تک اس سلسلے میں باقی رہیگا۔ اس بارے میں ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

آنچہ بصد سال کسی نیافتہ   ہم نفسے در نفسے یافتہ

(جو دولت کہ کسی کو سو سال تک حاصل نہ ہوئی یار لوگوں نے ایک لمحے میں حاصل کر لی۔)

اس کے بعد شیخ عبدالحقؒ بداؤں کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ حادثہ ۸۰۱ھ میں رونما ہوا۔ امیر تیمور صاحبِ قران ایک بہت بڑا لشکر لے کر یکم محرم سنِ مذکور میں دریائے سندھ پار کر کے لاہور پہنچا اور قتل و غارت شروع کر دی۔ ماہ ربیع الاول میں اس نے دہلی میں فیروز شاہ کے پوتے سلطان محمود پر حملہ کیا اور فتح یاب ہو گیا۔ سلطان محمودؒ نے بھاگ کر گجرات میں پناہ لی۔ امیر تیمور نے چند ماہ لوٹ مار کر کے ماہِ شعبان سنِ مذکور میں سمرقند کی طرف کوچ کیا۔ سلطان نے واپس آکر دہلی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ حضرت شیخ جلال الدینؒ نے بھی پہاڑ سے واپس آکر پانی پت میں سکونت اختیار کی۔ شیخ احمد عبدالحقؒ ملک ہندوستان کی تباہی کا مشاہدہ کر کے ولائت بھکر تشریف لے گئے اور مسجد میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ روزانہ جنگل میں جا کر لکڑیاں لے آتے تھے اور فروخت کر کے روٹی خریدتے تھے اور جو شخص آپ کے پاس آتا تھا اس کے سامنے رکھدیتے

تھے. اگر کوئی رحم دل اور عقلمند ہوتا تو آپ کو کھانے میں شامل کر لیتا تھا ورنہ آپ دم بخود ہو کر بیٹھے رہتے تھے اور کچھ نہیں کھاتے تھے. آپ تمام رات شغلِ حق میں مشغول رہتے تھے. مدت تک اس قسم کے مجاہدات کرتے رہے اور عجیب حالات رونما ہوتے تھے. ایک دن حالتِ سُکر میں آپ نے فرمایا " واللہ محمد حجاب آمد ورنہ ذاتِ پاک حق را حجاب نبود" (واللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حجاب بن کر آئے ہیں. ورنہ ذاتِ حق تعالیٰ کے لئے کوئی حجاب (پردہ) نہیں) اسی طرح آپ کی زبان مبارک سے کئی قسم کے شطحیات نکلتے تھے. لیکن جب عالم صحو (ہوشیاری) میں آتے تھے تو خادم عرض کرتے تھے کہ آج آپ کی زبان سے فلاں فلاں کلماتِ غیر شرع نکلے. آپ فرماتے تھے نعوذ باللہ منہا (میں اس کے متعلق اللہ سے پناہ مانگتا ہوں) میں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہوں. اس کا کفارہ دینا چاہیئے چنانچہ سخت سردی کے عالم میں آپ دریائے سندھ کے کنارے پر جا کر برف توڑتے تھے اور گلے تک پانی میں ایک پاؤں پر کھڑے ہو جاتے تھے اور دوسرا پاؤں ران پر رکھ کر یہ ذکر کرتے تھے:.

"دینِ محمد قائم دائم" اور سردی کی شدت سے جسم پھٹ کر جا بجا سے خون جاری ہو جاتا تھا. صبح کے وقت دوبارہ غسل کر کے آپ نمازِ فجر ادا کرتے تھے. چھ ماہ تک آپ اسی مجاہدہ میں رہے. حتیٰ کہ حق تعالیٰ نے آنکو سکونِ قلب عطا فرمایا. اس کے باوجود کوئی کلمہ خلافِ اصطلاحِ صوفیا آپ کی زبانِ مبارک سے نہ نکلا.

کیونکہ صوفیا کرام کے نزدیک تین مراتب (مراتبِ وجود) مقرر ہیں. پہلا احدیت[1]، دوسرا وحدت[2]، تیسرا واحدیت[3]. احدیت سے مراد مرتبہ ذات ہے (یعنی ذات لاتعین) وحدت سے مراد تعین اول یعنی مرتبہ صفات اور حقیقت محمدی ہے. واحد سے مراد عالم کون و مکان ہے. پس مرتبہ وحدت حجاب اور برزخ ہے. احدیت اور واحدیت کے درمیان، مرتبہ وحدت، مرتبہ احدیت سے فیض حاصل کرتا ہے اور عالم واحدیت تک پہنچاتا ہے. پس اگر وحدت یعنی حقیقتِ محمدی درمیان میں بطور برزخ حائل نہ ہوتی تو اہل کون و مکان ذاتِ احدیت کا بے پردہ مشاہدہ کرتے. یہی وجہ تھی کہ

آں حضرت کی زبان مبارک سے یہ کلمہ نکلا کہ "واللہ محمد حجاب آمد" والا ذات پاک
راحجاب نہ بود۔ (خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم خالق اور مخلوق کے درمیان حجاب
یعنی برزخ حائل ہوئے، ورنہ ذاتِ حق بے پردہ تھی) لیکن حفظِ شریعت (شریعت
کی پاس داری) میں آپ اسلئے کوشش فرماتے تھے کہ اہل عالم اس حقیقت سے آگاہ
نہیں ہی ممکن ہے کہ گمراہ ہو جائیں۔ اس لئے اولیائے راسخین کیلئے اسی قدر احتیاط لازمی
ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام کو محفوظ اور انبیا علیہم السلام کو معصوم کہا گیا ہے
ان حالات کی بنا پر آپ کی بہت شہرت ہوگئی اور کثرت سے خوارق عادت آپ سے
سرزد ہونے لگے، جس کی وجہ سے لوگ آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔ لیکن آپ کی
طبع مبارک متنفر ہوگئی اور آپ وہاں سے ترک سکونت کر کے سیر کرتے ہوئے پھر
پانی پت پہنچ گئے۔ شیخ جلال الدین قدس سرہٗ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی اور رخصت
کے وقت از راہِ شفقت فرمایا کہ بابا عبدالحق تمہاری ولایت کی بھی مجھے کوئی حد نظر نہیں
آتی، خواہ حیات میں خواہ بعد ممات۔ وقتِ اسیری میں میری اولاد کی دستگیری کے لئے
شیخ احمد عبدالحق کافی ہیں۔ آنحضرت کی وفات کے بعد شیخ عبدالحق ایک مرتبہ پانی پت
گئے اور حضرت شیخ کے سجادہ نشین کی تربیت کر کے فرمایا کہ افسوس اگر میں نہ آتا مخدوم
زادہ اسی طرح رہ جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک شیخ جلال الدین کی اولاد حضرت شیخ احمد
عبدالحق کے سلسلہ میں مرید ہوتے ہیں اور حضرت شیخ کی وصیت کے مطابق ظاہری
و باطنی نعمت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ چونکہ شیخ جلال الدین کی بہترین کرامت شیخ احمد
عبدالحق کا مرید ہونا ہے۔ اسلئے آپ کی مزید کرامات یہاں بیان نہیں کی گئیں شیخ احمد
عبدالحق کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔ شیخ جلال الدین کا وصال تیرہ ماہِ ربیع الاول کو
ہوا، لیکن پیدائش کا سال کہیں نظر نہیں آیا۔ اس قدر معلوم ہے کہ آپ سلطان محمود بن
محمد بن فیروز شاہ کے ہم عصر تھے اور سلطان محمود بیس سال دو ماہ سلطنت کر کے
پانچ ماہ، ذیلعقدہ ۸۱۵ھ کو فوت ہوا۔ آنحضرت کا مزار مبارک پانی پت میں قبلہ حاجات
خلق ہے رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ

آں سلطانِ مملکت، دنیا و دین، آں سر حلقۂ عارفانِ اربابِ یقین، آں محب و محبوب خاص ربانی، غوث الوقت حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ آپ یگانۂ روزگار تھے اور شان رفیع، ہمت بلند، کراماتِ وافر کے مالک تھے آپ حضرت شیخ علاؤالحق والدین بنگالی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے. جنکا ذکر پہلے طبقہ میں ہو چکا ہے، بلکہ آپ کو چودہ سلاسل سے خلافت، حاصل تھی. کیونکہ آپ نے تمام مشائخ وقت کی صحبت پائی ہے اور ان سے فیض یاب ہوئے ہیں.

سلطان المشائخ قدس سرہٗ کے بعد سلسلۂ مشیختِ ہدایت کو آپ ہی نے از سر نو زندہ کیا. حقائق بیانی میں آپ کلام الٰہی، احادیثِ نبویؐ، اقوالِ مرتضویؓ و اصحاب کرامؓ کے ترجمان تھے. لطائفِ اشرفی کے مصنف فرماتے ہیں کہ آپ کے والد ماجد سلطان ابراہیم ساداتِ نوربخشیہ میں سے تھے اور سمنان کے بادشاہ بھی تھے، میر سید اشرف جہانگیر مادر زاد ولی تھے اور علم لدنی کے دروازے آپ پر کشادہ تھے، آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن سات قرأت کے ساتھ حفظ کر لیا تھا. چودہ سال کی عمر میں آپ اکثر علوم عقلی و نقلی سے فارغ التحصیل ہو گئے تھے اور احادیث نبوی کی سماعت بھی کر چکے تھے. جب آپ کے والد کا انتقال ہوا تو اراکین سلطنت نے آپ کو تخت پر بٹھایا لیکن آپ شروع سے اس بات سے متنفر تھے اور اکثر شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانیؒ اور دیگر مشائخ وقت کی خدمت میں رہتے تھے. چونکہ مشائخ وقت کو معلوم تھا کہ آپ کا نصیب دوسری جگہ ہے اس لئے آپ کی تربیت کے لئے ان کی صحبت مفید ثابت نہ ہوئی. لیکن فرائض واجبات اور نوافل کی ادائیگی میں آپ صوفیائے کرام کے آداب میں سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے. (یعنی تمام اراکین صوفیا کرام کی موافقت میں ادا کرتے تھے) ایک رات خضر علیہ السلام نے آپ سے فرمایا کہ ابھی آپ نے سلطنت کا کام کرنا ہے. لیکن مجمل طریق پر اسم مبارک اللہ کے معانی کا ملاحظہ بلا واسطہ لسان اپنے قلب پر کرتے رہو. (یعنی زبان سے نہیں بلکہ دل سے اللہ اللہ کرتے

رہو) اور واقفِ انفاس بھی رہنا چاہیئے۔ (یعنی شغل پاس انفاس میں مشغول رہنا چاہیئے) اور ہرگز اس کام سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ پس آپ دو سال تک اس کام میں مشغول رہے اور اسکا نتیجہ ظاہر ہوا۔ اس کے بعد آپ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی روحانیت کی زیارت ہوئی۔ آں حضرت نے آپ کو اذکارِ اویسیہ تعلیم فرمائے۔ آپ مزید سات سال اس کام میں لگے رہے۔

ایک دفعہ ماہِ رمضان آخری عشرہ میں آپ شب بیدار رہے۔ ستائیسویں شب کو خضر علیہ السلام کی پھر زیارت ہوئی۔ انہوں نے فرمایا۔ اشرف سلطنت کے امور کے ساتھ اس کام کو سرانجام دینا مشکل ہے۔ اگر دوست کا وصال چاہتے ہو تو اٹھو اور ہندوستان جاؤ کیونکہ تمہارا ہادی و مرشد شیخ علاؤالدین وہاں ہے۔ یہ سنتے ہی انہوں نے سلطنت کو خیرباد کہا اور تخت اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کر کے اپنی والدہ سے رخصت طلب کی۔ آپ کی والدہ خدیجہ بیگم حضرت خواجہ احمد یسوی کی اولاد سے تھیں۔ والدہ نے کہا اے میرے بیٹے تمہارے وجود میں آنے سے پہلے حضرت خواجہ احمد یسوی کی روحانیت نے مجھے آگاہ کیا تھا کہ تیرے ہاں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا کہ جس کے نورِ ولایت سے دنیا منور ہوگی۔ اب وہ وقت آگیا ہے۔ مبارک باد۔ میں نے اپنا حق تجھے بخشا اور تجھے خدا کے سپرد کیا۔ پس آپ تیئس سال کی عمر میں کمالِ ہمت و جواں مردی سے ملکِ سمنان سے نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت شیخ علاؤالدولہ نے چند منازل تک آپ کا ساتھ دیا اور نہایت قیمتی سبق سکھانے کے بعد رخصت کیا۔ سمرقند تک آپ کے ساتھ بہت سے لوگ تھے۔ وہاں سب کو رخصت کر کے اکیلے اوچ شریف (تحصیل احمد پور شرقیہ۔ ضلع بہاول پور) پہنچے اور کچھ عرصہ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری کی صحبت میں رہ کر نعمتِ بے کراں اور قطبی غوثی درجے کی بشارت حاصل کی۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس کے بعد آپ دہلی پہنچ کر مشائخ چشت کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مشائخ وقت کی صحبت میں رہے۔ وہاں سے آپ بہار تشریف لے گئے اور حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری

کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد آپ شیخ علاؤالحق بنگالیؒ کی خدمت میں روانہ ہوئے۔
سمنان سے روانہ ہونے سے لے کر منزلِ مقصود پر پہنچنے تک خضر علیہ السلام نے
سترہ مرتبہ شیخ علاؤالحق کو خبر کی اور بتایا کہ سمنان سے ایک شاہباز پرواز کر چکا ہے
اور تمام مشائخ وقت نے اپنے جال بچھا دیئے ہیں، لیکن میں اُسے تمہارے پاس
لا رہا ہوں، جب آپ دو کوس کے فاصلہ پر پہنچے تو شیخ علاؤالحقؒ اپنے اصحاب
سمیت استقبال کے لئے باہر تشریف لے گئے، وہاں سے اُنکو سنگھاسن سواری میں
جو انکو اپنے شیخ اخی سراج الدینؒ سے ملی تھی، سوار کر کے ساتھ لے آئے اور خود دوسری
سواری استعمال کی۔ خادم خانقاہ نے شربت اور پان پیش کئے، شیخ نے پہلے چند
بیڑے خود تناول فرمائے، پھر کچھ بیڑے شیخ اشرف جہانگیرؒ کو دیئے۔ اس کے بعد حجرہ
میں لے جا کر آپ کو شرفِ بیعت سے مشرف فرمایا اور خاندانِ چشتیہ کے اذکار و
اشغال تعلیم فرما کر اپنے خاص لباس سے اُنکو ملبوس فرمایا۔ اسوقت آپ کی عمر ستائیس
برس تھی، انہوں نے آپ کے رہنے کے لئے ایک نہایت عمدہ مکان منتخب
فرمایا اور قسم قسم کی ظاہری و باطنی نعمتوں سے نوازا۔ آپ نے چار سال تک اپنے شیخ
کی خدمت میں رہ کر ریاضات و مجاہدات کئے اور مرتبہ تکمیل و ارشاد کو پہنچے، اسی
روز سے چاروں طرف سے "سید اشرف جہانگیر" کی آوازیں آنے لگیں، اسی وجہ سے
آپ کا لقب جہانگیر ہو گیا۔ آپ نے فی البدیہہ یہ اشعار کہے ہیں۔ ؎

مرا از حضرتِ پیرِ جہاں بخش
خطاب آمد کہ اے اشرف جہانگیر
کنوں گیرم جہانِ معنوی را
کہ فرمان آمد از شاہم جہانگیر

ترجمہ: مجھے پیر جہاں بخش سے یہ خط ملا کہ اے اشرف جہانگیر! اب جہانِ
معنوی یعنی باطنی دنیا کو لیتا ہوں، کیونکہ مجھے اب شاہِ ہمہ عالم سے یہی
فرمان ملا ہے۔

خواجگانِ چشت کی نعمت اور سلطان المشائخ کا خرقۂ خاص جو آپ نے اخی سراجؒ سے حاصل کیا تھا، عطا کرنے کے بعد شیخ نے آپ کو پسرانِ عظام کے تمام تبرکات عطا فرمائے اور ولایتِ جونپور آپ کے سپرد کی اور آپ کی سکونت کے لئے مقام کچھوچھہ مقرر فرمایا۔ نیز حضرت شیخ نے آپ کو جھنڈا گھنٹہ اور نقارہ بھی مرحمت فرمایا۔ پس مزید دو سال شیخ کی خدمت میں رہ کر حسبِ ہدایت آپ نے جونپور کے علاقے میں جانا تھا۔ لیکن آپ نے اپنے شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس ملک میں ایک شیر مرد رہتا ہے، میرا وہاں کیسے گزارہ ہوگا۔

اس سے آپ کی مراد حضرت شیخ حاجی چراغ ہند سہروردی تھے، جو حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح ملتانیؒ کے خلیفہ تھے اور ظفر آباد میں سکونت پذیر تھے۔ آں حضرت نے فرمایا، شیر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہاں تمہیں ایک بچہ ملیگا جو اسکا کام پورا کر دے گا۔ پس آپ روانہ ہوگئے۔ جب قصبۂ منیر میں پہنچے تو شیخ شمس الدین اودھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کا دستور تھا کہ سفر میں آپ کے ہمراہ گھوڑے اونٹ خیمے، خدمتگار، حاجت مند لوگ، فقرا، قلندر، صوفیا، وغیرہ بے شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ تقریباً پانچ سو افراد آپ کے ہم رکاب تھے۔ آپ کے اکثر اصحاب لباسِ تصوف میں تھے۔ یہ دیکھ کر شیخ شمس الدین کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ درویشوں کو اس شاہانہ شان و شوکت کی کیا ضرورت۔ جب آپ پر یہ خیال واضح ہوگیا تو آپ کو شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس سرہٗ کی یہ حکایت یاد آئی کہ یعنی جب کسی نے آپ پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ تو درویش ہیں، لیکن آپ کے گھوڑے باندھنے کے کیل بھی سونے کے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ الحمد للہ یہ کیل گِل میں ہیں، دل میں نہیں ہیں۔ (یعنی مٹی میں ہیں اور میرا دل اس سے آزاد ہے) چنانچہ میر سید اشرف جہانگیرؒ نے شیخ شمس الدین کے اعتراض پر فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھا۔ ؎

غرض از حاصل کار است اے پسر
مہر نوے کہ ظاہر است گو باش

بہر کس نیست لازم راہ تجرید
چو او آنِ تو شد تو آنِ او باش

اے بیٹے اصل مقصود کام ہے، تمہارا ظاہر جس طرح کا ہو ہونے دو۔ ہر شخص پر ترک و تجرید لازم نہیں، جب وہ تیرا ہو گیا ہے تو تُو اُسکا ہو جا یعنی جب تو اللہ کا ہو گیا اور اللہ تیرا ہو گیا تو جس شکل میں چاہو رہ سکتے ہو۔

وہاں سے آپ قصبہ محمد آباد کہنہ پہنچے اور وہاں ندی کے کنارے خیمہ لگا دیا۔

ایک دن علماء اور فضلا کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں آئی اور مختلف مضامین پر گفتگو ہونے لگی، رفتہ رفتہ خلفائے راشدین کے متعلق گفتگو ہونے لگی، جب آپ نے اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مناقب خلفائے راشدین پر میں نے ایک رسالہ لکھا ہے تو ہر شخص اس کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا۔ ملا حسین کتاب دار نے وہ رسالہ لا کر پیش کیا۔ چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب میں کچھ زیادہ بیان کیا گیا تھا۔ تمام علماء نے شدت سے بحث شروع کر دی، آپ نے منقول اور معقول (علمِ دین اور منطق و فلسفہ) میں سے جس قدر دلائل پیش کئے، انہوں نے تعصب کی وجہ سے سب نظر انداز کر دیئے اور آپ پر رفض کا (شیعہ ہونے کا) فتویٰ لگا کر گھروں کو چلے گئے۔ دوسرے دن انہوں نے فتوے لکھ کر نمازِ جمعہ کے بعد اعلان کرنا تھا تاکہ آپ کو بدنام کریں، علماء کا سرغنہ ایک شخص تھا جسکا نام سید خان تھا۔ وہ معقول آدمی تھا۔ رات کو اُسے خواب میں بتایا گیا کہ میر سید اشرف جہانگیر ایسے نہیں ہیں، جیسے تم لوگ سمجھ رہے ہو، تم لوگ اِسکا مقابلہ نہیں کر سکتے اگر خیریت چاہتے ہو تو توبہ کر کے اس سے معافی مانگ لو، سید خان اس خواب سے بے حد پریشان ہوا، اور صبح ہوتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا سر شیخ کے قدموں میں دھر دیا اور نہایت ادب سے معافی کا خواستگار ہوا۔ سید خان نے آپ کو یقین دلایا کہ

اَب علمار کے اعتراض کا جواب میں خود دوں گا حضرت کو کسی گفتگو کی ضرورت نہیں نماز جمعہ کے بعد سب لوگ جمع ہو گئے اور فتویٰ سامنے لایا گیا۔ سید خان نے کہا کہ تم لوگ یہی الزام لگاتے ہو کہ شیخ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حد سے زیادہ تعریف کی ہے۔ انہوں نے جواب دیا جی ہاں! سید خان نے کہا، یہ الزام غیر سید پر تو عائد ہو سکتا ہے لیکن سید پر عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے ماں باپ کی تعریف حد سے زیادہ کرے تو کوئی حرج نہیں، علما نے کہا آپ اس بارے میں کوئی روایت پیش کریں۔

سید خان نے کتاب جامع العلوم سے یہ نقل کیا کہ اَلنَّاس اَبْنَاءُ الدُّنیَا وَلَا یُلَامُ الرَّجُلُ عَلٰی حُبِّ اَبَوَیہِ وَ مَدحِ حِبہِمَاءُ (لوگ دنیا کے بیٹے ہیں اور اگر وہ اپنے والدین سے محبت کریں یا اُن کی تعریف کریں تو ان پر کوئی الزام وارد نہیں ہوتا) یہ سنکر سب علماء خاموش ہو گئے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے خوب فرمایا ہے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَہَقَ الْبَاطِلُ (حق کے آتے ہی باطل بھاگ گیا) اس کے بعد ہر معترض نے حضرت شیخ سے معافی طلب کی۔ لیکن اس وقت معافی مانگنے کا کیا فائدہ۔ حضرت شیخ نے مخلص لوگوں کے لئے دعائے خیر کی، چنانچہ سید خان کو جو بے اولاد تھے آپ نے چار فرزندوں کی بشارت دی اور وہ وجود میں آئے۔ لیکن منافقین کے حق میں آپ نے بددعا کی اور وہ بلا و مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ نعوذ باللہ منہا۔

پروانہ ازاں سوخت کہ با شمع در افتاد
با سوختگاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

پروانہ اس لئے جل گیا کہ اُس نے شمع کے ساتھ گستاخی کی، دل جلوں کے ساتھ جس نے گستاخی کی برباد ہوا۔

وہاں سے روانہ ہو کر آپ مظفر آباد پہنچے اور وہاں کے لوگ کمالِ نیازمندی سے پیش آئے۔

ایک دن بعض حاسدوں کے اشارے پر چند مسخرے جنکو بھانڈ کہتے ہیں کسی

زندہ جانور کو کفن دے کر چارپائی پر اٹھا لائے۔ روتے دھوتے خانقاہ میں آئے اور درویشوں سے درخواست کی کہ اسکا جنازہ پڑھائیں۔ درویشوں نے جس قدر بے پروائی سے کام لیا، سود مند ثابت نہ ہوا۔ جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو شیخ نے غصے میں آکر اپنے لوگوں سے فرمایا کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں کرو۔ تکبیر کہتے ہی اس جانور کی جان نکل گئی اور سچ مچ مردہ ہو گیا۔ انہوں نے اس جانور کو جس قدر حرکت دی اور چاہا کہ درویشوں کا مذاق اُڑائیں، مگر کچھ نہ بنا۔ اس کرامت سے سارے علاقے میں شور مچ گیا اور کثرت سے لوگ آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔ لیکن شیخ کی مقبولیت دیکھ کر حاجی چراغ ہند کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ ان ہی ایام میں شیخ کبیر سرہرپوری تحصیل علم سے فارغ ہو کر کسی جگہ مرید ہونا چاہتے تھے ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی چہرہ اور لال رنگ کے ایک بزرگ نے انہیں بیعت کیا ہے۔ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس ملک کے صاحبِ ولایت حاجی چراغِ ہند ہیں۔ اُن کے پاس جانا چاہیئے۔ جب ان کی خدمت میں پہنچے تو جو صورت انہوں نے خواب میں دیکھی تھی نہ پائی۔ حیران ہو کر ان کی خانقاہ میں رہنے لگے۔ جب میر سید اشرف جہانگیر سمنانی کی ولایت کا چرچا ہوا تو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی بزرگ ہیں۔ جن سے خواب میں بیعت کی تھی۔ پس سر قدموں میں رکھ دیا اور مرید ہو گئے۔ حضرت شیخ نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ وہی بچہ شیر ولایت سے ہے۔ جس کے متعلق میرے شیخ نے بشارت دی تھی۔ میں اُسکی انتظار میں تھا۔ غرضیکہ جب یہ خبر شیخ حاجی چراغ ہند کو پہنچی تو بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اور کہنے لگے کہ کبیر مر جائے کہ یہاں سے جا کر وہاں مرید ہو گیا ہے۔ جب میر سید جہانگیر نے یہ بات سُنی تو فرمایا! اے بیٹے کبیر فکر مت کرو۔ تم ایک دن پیر کبیر ہو گے۔ لیکن ملّا نے جو کچھ تمہارے حق میں کہا، تم بھی اُنکے حق میں کچھ کہو۔ شیخ کبیر نے کہا۔ پہلے حاجی چراغ مرے گا چنانچہ اسی طرح ہوا پہلے شیخ حاجی چراغ فوت ہوئے اور اس کے پانچ برس بعد شیخ کبیر نے رحلت کی۔

میر سید اشرف جہانگیر وہاں سے چل کر جون پور پہنچے اور وہاں بڑی شہرت

حاصل کی، جونپور کا حاکم کمال نیازمندی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوا، اور مناسب نذرانے پیش کئے، قاضی شہاب الدین ملک العلما بھی حاضرِ خدمت ہو کر فیض یاب ہوئے۔ انہوں نے اپنی تمام تصانیف آں حضرت کو دکھائیں، آپ نے جابجا اصلاح کرنے کے بعد شرفِ قبولیت بخشا اور قاضی صاحب کو آفرین دیکر ملک العلما کا خطاب عطا فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے انہیں سلسلۂ چشتیہ کے اشغال تلقین کر کے خرقۂ تبرک بھی عطا فرمایا۔ دو ماہ کے قریب آپ جونپور میں رہے اور ایک جہان آپ سے فیض یاب ہوا۔ اس کے بعد آپ اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق کچھوچھہ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک جوگی اپنے پانچ سو چیلوں کے ساتھ جو سب بڑے عابد و زاہد تھے، رہتا تھا اور قسم قسم کے تصرفات دکھاتا تھا۔ چونکہ وہ جوگی طالبِ حق تھا جب اس نے آں حضرت کی قوتِ ولایت کا مشاہدہ کیا تو پانچ سو چیلوں سمیت مسلمان ہو گیا اور بابا کمال نام پایا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کے فیضِ صحبت سے وہ مرتبہ ولایت پر پہنچے اور خلافت سے مشرف ہو کر ہدایتِ خلق پر مامور ہوئے۔ اس روز پانچ ہزار نفوس نے آپ سے شرفِ بیعت حاصل کیا، چنانچہ آپ نے اس جگہ سکونت اختیار کر لی۔ اور خانقاہ، حجرۂ خاص اور دیگر مکانات تیار کرائے اور ایک باغ بھی لگایا۔ تھوڑے عرصے میں وہ مقام مانند بہشت ہو گیا اور آج تک ہندوستان کے لوگوں کا قبلۂ حاجات ہے۔ کچھوچھہ کا نام آپ نے روح آباد رکھا۔ جیسا کہ آپ کے ایک شعر سے ظاہر ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

اشرف از دل برون کن میل سمنان را

کہ روح آباد سمنان است مارا

اشرف دل سے سمنان کی محبت دور کر۔ کیونکہ روح آباد (کچھوچھہ) ہمارے لئے سمنان ہے۔

روح آباد میں مقیم ہونے کے بعد آپ اکثر سفر میں رہتے تھے، چند مرتبہ آپ حرمین شریفین کی زیارت کو گئے۔ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ کے

سفر میں شیخ بدیع الدین معروف شاہ مدارؒ آپ کے ہم سفر تھے۔ مکہ معظمہ کی زیارت کے بعد شاہ مدار ہندوستان سے چلے آئے۔ لیکن میر سید اشرف جہانگیرؒ مدینہ منورہ، نجف، کربلا اور روم کی طرف سے چلے گئے اور مولانا جلال الدین رومیؒ کے فرزند سلطان ولدؒ اور دیگر مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ نیز صالحیہ دمشق میں شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ، کے مزار کی زیارت کی۔ اس کے بعد آپ نے مصر و یمن کے مشائخ کی زیارت کی اور دوبارہ بیت اللہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کرتے ہوئے آپ عراق سے چلے گئے اور آئمہ اہلِ بیتؓ اور دیگر بزرگانِ بغداد کی زیارت کی۔ اس کے بعد آپ کاشان تشریف لے گئے اور شیخ عبدالرزاق کاشیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کتاب فصوص الحکم، فتوحاتِ مکیہ اور اصطلاح کبیر ان سے پڑھیں اور اصطلاح حائق سند میں درج کرائی۔ وہاں سے آپ سمنان تشریف لے گئے۔ آپ کا ایک بھانجہ زندہ تھا اُسکی دل جوئی کر کے آپ وہاں کے مشائخ سے ملے اور مشہد سے چلے گئے۔ چند روز امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے آستانہ پر رہ کر فیض یاب ہوئے۔ اتفاقاً اُن ایام میں امیر تیمور بھی امام علی موسیٰ رضاؓ کے مزار کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور میر سید اشرف جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہو کر کمال عقیدت مندی سے پیش آیا۔ چنانچہ اُسکا ذکر مکتوبات میں مفصل موجود ہے۔ اس کے بعد آپ ہرات تشریف لے گئے اور وہاں کے بزرگان کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ کافی عرصہ وہاں قیام پذیر رہے وہاں سے آپ ماوراالنہر تشریف لے گئے اور خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کافی عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد آپ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ وہاں سے آپ ترکستان تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ احمد یسویؒ کے فرزندان سے فیوض حاصل کر کے واپس ہوئے اور قندھار، غزنی اور کابل کی سیر کرتے ہوئے اور وہاں سے مشائخ کی زیارت کرتے ہوئے ملتان پہنچے اور وہاں کے بزرگان کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد کمالِ اشتیاق سے آپ اجودھن (پاکپتن) پہنچے اور حضرت گنجشکر قدس سرہٗ کی زیارت سے فیض یاب ہو کر آپ اپنے مشائخ کی

زیارت کے لئے دہلی اور اجمیر گئے اور فیوض حاصل کئے۔ اس کے بعد آپ دکن کی طرف تشریف لے گئے اور حضرت میر سید گیسو دراز قدس سرہٗ کے مزار پر دوبارہ حاضری دی اور اس ملک کے تمام مشائخ سے ملے۔ سراندیپ کی سیر کے بعد آپ واپس آ گئے چند روز بعد گجرات کی سیر کو گئے اور اس علاقے کے اکثر لوگ مرید ہو گئے۔ دو بہن بزرگوں کو تربیت کے بعد خرقۂ خلافت بھی عطا فرمایا اور اسی جگہ ہدایت خلق کے لئے مامور فرمایا۔ غرضیکہ آپ نے تمام ہندوستان کے شہر شہر قصبہ بہ قصبہ بلکہ گاؤں گاؤں جا کر پیغام حق پہنچایا اور آج تک مختلف مقامات کے لوگوں میں آپ کی کرامات مشہور ہیں۔

آپ کے سفر کا مکمل ذکر لطائف اشرفی میں موجود ہے۔ ایک دفعہ آپ نے میر سید علی ہمدانیؒ کے ساتھ ساری دنیا کی سیر کی۔ جو وقت آپ سفر سے واپس آتے تھے۔ حضرت شیخ علاؤالحق کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور کافی عرصہ وہاں قیام فرماتے تھے۔ آپ مختلف اوقات میں شیخ کی خدمت میں بارہ برس کے قریب رہے۔ ان کی وفات کے بعد بھی دو دفعہ حاضری دی اور ان کے سجادہ نشین شیخ نور قطب عالم بن شیخ علاؤالحق قدس سرہٗ سے ملاقات کی۔ ان دونوں حضرات کے درمیان بے حد محبت تھی۔ جیساکہ دونوں حضرات کے خطوط سے ظاہر ہے۔

اپنے شیخ کی وفات کے بعد آپ جونپور تشریف لے گئے۔ وہاں سلطان ابراہیم شرقی، قاضی شہاب الدین ملک العلماء کے ذریعہ حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ نے جونپور میں دو دن قیام فرمایا۔ بادشاہ روزانہ آپ کی خدمت میں کمالِ نیازمندی سے حاضر ہوتا تھا۔ دورانِ حاضری میں اس نے عرض کیا کہ بندہ حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ سے شرف بیعت حاصل کر چکا ہے اور آپ کی خدمت میں بیعت کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے دونوں لڑکوں کو مرید کرایا اور قسم و قسم کے نذرانے پیش کئے۔

جب میر سید اشرف جہانگیرؒ ایک سو سے زائد اولیاء کرام سے فیض حاصل کرنے کے بعد آخری مرتبہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی خدمت میں اوچ حاضر ہوئے تو آں حضرت نے کمالِ شفقت سے وہ دولت کہ انہوں نے چار سو سے زائد مشائخ سے حاصل

کی تھی، تمام آپ کے حوالہ کر دی اور غوثی قطبی رُتبے پر پہنچا دیا۔ غرضیکہ اِس قسم کے کمالات اسوقت کسی بزرگ کو حاصل نہ ہوئے تھے۔ ایک دن آپ روح آباد عرف کچھو چھہ میں تشریف فرما تھے اور اکثر بزرگانِ وقت موجود تھے کہ علی نامی ایک قلندر پانچ سو قلندروں کے ساتھ بے ادبی سے مجلس میں داخل ہوئے۔ آپ اپنے مشائخ کی عادت کے مطابق جس قدر نرمی سے پیش آئے۔ وہ اعتراض کے بغیر اور کوئی چیز نہیں جانتا تھا۔ اس نے پوچھا کہ خطاب جہانگیری آپ نے کہاں سے حاصل کیا ہے۔ آپ نے اپنے شیخ کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن اس نے بے ہودہ اعتراض شروع کر دیئے۔ آپ نے جس قدر علمی و حالی دلائل دے کر اُسے قائل کرنے کی کوشش کی، وہ باز نہ آیا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے دلیل قطعی طلب کی۔ یہ دیکھ کر آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور آپ نے جوش میں آکر فرمایا! اے مکار "جہانگیر" کیا بلکہ میں "جان گیر" ہوں یہ سنکر وہ بے ہوش ہو کر گرا اور اسی وقت مر گیا۔ اس سے سارے شہر میں شور مچ گیا اور سب لوگ حیران اور پریشان ہو کر رہ گئے۔ باقی قلندر بہت پشیمان ہوئے اور معافی مانگ کر چلے گئے۔

ہندو علمائے سے بحث ایک مرتبہ بنارس میں چند ہندو علماء کے ساتھ آپ کی بحث ہوئی تو آپ نے ایک بُت کو زندہ کر دیا۔ اور بُت نے فوراً کلمہ توحید پڑھا۔ یہ دیکھ کر اس روز ایک لاکھ ہندو مسلمان ہوئے۔

اس قسم کی ہزاروں کرامات یعنی مردہ زندہ کر اور زندہ مردہ کرنا آپ سے مشہور ہیں۔ جب آپ کی عمر ایک سو سال سے تجاوز کر گئی تو آپ نے روح آباد میں سکونت اختیار کر لی اور باغ، حوض اور روضہ کی عمارت کو درست کرنے کی سعی فرمائی۔ جمشید قلندر کی امداد کے باوجود جو قلندروں کا سردار تھا اور آپ کی خدمت میں بارہ سال بسر کر چکا تھا۔ آپ نے باغ میں درخت اپنے ہاتھ سے لگائے اور محنت سے پرورش فرمائی۔ اب وہ باغ روضہ مبارک کے گرد جنگل بن گیا ہے۔ لیکن اُن درختوں پر کوئی پرندہ گھونسلا نہیں بناتا اور حوض کا پانی ہرگز گندہ نہیں ہوتا۔ حوض کا پانی آسیب زدہ کے لئے شفا ہے۔ جب

محرم کا چاند دیکھا جاتا تھا تو آں حضرت کا حال دگرگوں ہو جاتا تھا اور عجب ذوق کی حالت طاری ہو جاتی تھی، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے دادا امام حسینؓ کے وصال کا مہینہ ہے۔ آپ کا دستور تھا کہ غرۂ محرم میں عاشورہ دور کرتے تھے۔ کبھی آپ اپنے اصحاب سے مل کر دَور کرتے تھے۔ کبھی جنید قلندر کو حکم دیتے تھے۔ کہ اپنے قلندروں کو جمع کر کے دَور کریں۔ آپ اکثر اوقات عالم تحیر میں رہتے تھے۔ اگر کوئی شخص توحید یا معارف کے متعلق سوال کرتا تو دیر کے بعد جواب دیتے تھے آپ اپنے سب چھوٹے بڑے مریدین کو شغل نسبت (مراقبہ ذات) کا امر فرماتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ جب تعین کی سرحد پر پہنچ جائے تو شغلِ نسبت شروع ہو جاتا ہے (تعین کی سرحد وہ ہے۔ جہاں سے لاتعین شروع ہوتا ہے۔ یعنی مراقبۂ ذاتِ حق اور فنا فی اللہ کی ابتدا) نسبت صوفیا کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں کہ ہمیشہ قولہ تعالےٰ فَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي، (اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آدم کے اندر اپنی روح پھونکی) کے تصور میں مستغرق رہے اور غیرِ حق کا خیال دل میں نہ آنے دے، کیونکہ اسی میں سالک کا کمال ہے۔

جب آپ بیمار ہوئے تو ان ہی ایام میں مخدوم زادہ نور قطب عالمؒ سیر و سیاحت کرتے ہوئے وہاں پہنچے۔ ان کے علاوہ اس علاقے کے دوسرے مشائخ بھی آپہنچے۔ جب حضرت قطب عالمؒ نے ازراہِ شفقت دعا کی کہ حق تعالیٰ ہمارے بھائی کو شفا عطا فرمائے۔ کیونکہ آپ باعثِ ہدایتِ خلق ہیں تو آپ نے فرمایا۔ اب مخدوم زادہ کی عمر دراز ہو۔ کیونکہ میرے اور محبوب کے درمیان اب زیادہ حجاب حائل نہیں ہے کیا مخدوم زادہ یہ نہیں چاہتے کہ دوست دوست سے جا ملے۔ اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

دل زتن عریاں شدہ جان از خیال
مے خرامد در نہایات وصال

(روح تن سے عریاں یعنی ننگا ہو چکا ہے یعنی تن کا حجاب اٹھ گیا اور

جان میں خیال باقی نہیں رہا۔ اب ہماری روح وصالِ حق کی انتہائی گھاٹیوں کی سیر کر رہی ہے۔)

یہ بات سُنکر خلقت میں شور برپا ہوا، ماہِ مذکور کی پندرہ تاریخ کو تمام اقطاب، ابرار اخیار، ابدال، اوتاد اور سب رجالِ غیب طبع پرسی کے لئے حاضر ہوئے اور صحتِ جسمانی کے لئے دعا کی تو آپ نے فرمایا تم لوگ بہتر جانتے ہو کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنا محبوب کہا ہے اور بارہ سال ہوئے ہیں کہ اس نے زمین و آسمان کے خزانوں کی چابیاں میرے ہاتھ میں دی ہیں کہ اس میں تصرّف کروں۔ لیکن آج کی خاطر میں نے کوئی تصرّف نہیں کیا۔ حق تعالیٰ نے زندگی کا اختیار بھی میرے ہاتھ میں دیا ہے۔ کہ اگر چاہوں تو زندہ رہ جاؤں۔ لیکن اس خاکدانِ سفلی میں کب تک رہوں گا۔ اب میری خواہش یہ ہے کہ گلزارِ علوی کی طرف پرواز کروں۔ پس ماہِ مذکور کی بائیس تاریخ کو اس علاقے کی تمام خلقت مرید ہونے کیلئے جمع ہو گئی اور چار پانچ دن میں کئی ہزار آدمی بیعت سے مشرف ہوئے۔ بعض اہلِ صفا نے خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میری قبر اس طرح تیار کرو کہ اس کے اندر نماز پڑھی جا سکے۔ جب تیار ہو گئی تو کاغذ اور قلم دوات لے کر قبر کے اندر چلے گئے اور ایک دن رات وہاں رہ کر قبر کے حالات اور دوسرے مقاماتِ عالی جو وہاں رونما ہوئے۔ سب لکھ لئے۔ چنانچہ یہ سب حالات رسالہ بشارت المریدین میں موجود ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص خلوصِ دل کے ساتھ میری قبر پر آئیگا۔ انشاء اللہ ہرگز خالی نہ جائیگا اور اِس مقام پر ولایت ظاہری و باطنی کے عزل و نصب کے لئے اکثر رجال اللہ کا مجمع رہے گا۔ چنانچہ یہ بات آج تک اہلِ بصیرت پر ظاہر ہے۔

جب اس فقیر کاتب حروف کے دل میں خضر علیہ السلام اور دوسرے رجال اللہ کی زیارت کی خواہش پیدا ہوئی اور بے قرار ہوا تو حضرت خواجہ معین الحق والدین چشتی قدس سرہ نے فرمایا کہ میر سید اشرف جہانگیرؒ کے مزار پر جاؤ۔ وہاں تمہاری مراد پوری ہو جائے گی۔ بندہ نے عرض کیا کہ وہاں جانا ضروری ہے۔ فرمایا بابا، حضرت حق سبحانہٗ تعالےٰ نے ہر جگہ کو ایک خاص برکت اور خاصیت بخشی ہے اور ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر

فرمایا ہے۔ پس اُسی وقت ہر اس جگہ جانا چاہیے۔ تاکہ مراد حاصل ہو۔ پس یہ فقیر ۱۰۳۴ھ میں وہاں پہنچ کر محرم کے آخری عشرے میں معتکف ہوا۔ ایک رات حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا کہ حوض میں غسل کر رہے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ شروع نہ ہوا۔

ایک دفعہ دوسرے عشرہ ماہِ محرم میں خضر علیہ السلام کو تمام رجالِ وقت کے ساتھ دیکھا اور قسم و قسم کے فیوض حاصل کئے۔ اُسی جگہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت پاک، بعض صحابہ کرام اور اکثر مشائخ چشت مثل خواجہ بزرگؒ و خواجہ قطب الاسلامؒ، خواجہ گنجشکرؒ اور سلطان المشائخ وغیرہ کی بھی زیارت ہوئی نیز اِس مجمع میں بہت سے بزرگان ظاہر و باطن کی زیارت کی۔ یہ بھی دیکھا کہ خضر علیہ السلام اور امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک خوبصورت اور کوتاہ قد نوجوان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈالا اور عرض کیا کہ جہانگیر بادشاہ والئی ہندوستان بیمار ہے اور چند ایام میں اس دنیا سے چل بسے گا۔ اُسکے لڑکوں میں سے یہ جوان سلطنت کے قابل نظر آتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک اس کی پیٹھ پر پھیر کر فرمایا کہ باپ کے قائم مقام ہو جاؤ۔ اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جوان شاہ جہان بن جہانگیر بادشاہ ہے۔ اس کے بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کمالِ مہربانی سے شاہ جہان کو خواجگانِ چشت کے حوالہ فرمایا تاکہ اسکی حفاظت کریں۔ نیز کمال ذرہ پروری سے اس فقیر کو (مصنف کتاب) بھی معنوی خدمت سپرد ہوئی۔ اسوقت خواجگانِ چشت نے اس نوجوان کے جاہ و ملک کی محافظت اِس فقیر کے سپرد کی اور قسم و قسم کی نوازشات کی بارش ہوئی۔ اس جوان کے جسم کی حفاظت کے لئے سات ابدالوں میں سے ایک ابدال کو مامور فرمایا اور یہ حکم ہوا کہ کوہِ شمال کی طرف رہے اس ابدال کا نام شیخ فیروز تھا۔ اس کے تین چار سال بعد جہانگیر بادشاہ کا ۱۰۳۷ھ میں انتقال ہوگیا اور شہاب الدین محمد شاہ جہان صاحب قران ثانی دوشنبہ کے دن سات ماہ جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ کو اپنے باپ کے تخت پر بیٹھا۔ اس حکایت کا مقصد یہ ہے کہ ولایتِ جہانگیریؒ کے تصرف کی وجہ سے آج تک ولایتِ صوری و معنوی کا عزل و نصب

میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ کے مزار پر جاری ہے اور اکثر رجال اللہ کا مجمع وہاں رہتا ہے۔

میر سید اشرف جہانگیرؒ نے ستائیس محرم سال مذکور کو تمام بزرگان کو رخصت کر کے فرمایا کہ دائیں طرف کے قطب سے میری جگہ لے لی ہے اور بائیں جانب کے قطب دائیں جانب آ گئے ہیں۔ اسی طرح باقی رجال اللہ کا بھی ایک دوسرے کی جگہ تبادلہ ہو گیا ہے۔ اب اس دنیا میں میرا کام ختم ہو گیا ہے۔ آپ نے ماہِ مذکور کی اٹھائیس تاریخ کو اپنے مرید حاجی سید عبد الرزاق کو جو حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ کی اولاد سے تھے۔ خرقۂ خلافت عطا فرما کر اپنا جانشین مقرر کیا اور تمام خلفاء کو تبرکات عطا کر کے حاجی سید عبد الرزاق کے تابع کر دیا۔ چنانچہ اسکا مفصل حال سید عبد الرزاقؒ کے ذکر میں بیان کیا جائیگا۔ پس ظہر کی نماز کے بعد آپ نہایت ذوق و شوق کے عالم میں ڈٹ کر بیٹھ گئے اور خواجگانِ چشت کی موافقت میں قوالوں کو طلب فرمایا اور سماع شروع ہو گیا۔ قوالوں نے حضرت شیخ سعدیؒ کی غزل پڑھی۔ آپ بھی غلبہ شوقِ وصال کی وجہ سے قوالوں کے ساتھ شعر دہراتے رہے۔ ان میں ایک شعر یہ ہے۔

؎ گر بدست تو آمدست اجلم
قد رضینا بما جری القلم

ترجمہ: اے دوست اگر تیرے ہاتھ میں میرا اجل ہے تو جس طرح قلم چل چکی ہے میں بھی اس پر راضی ہوں۔

قوالوں نے یہ نظم بھی گائی۔ ؎

۱۔ خوب تر زیں دگر نباشد کار
یار خنداں رود بجانب یار

۲۔ سیر بنید جمالِ جاناں را
جان سپارد نگار خنداں را

۳۔ تنگ در بر نگار بر گیرد

تا قیامت • بخواب • درگیرد

ترجمہ : ۱۔ اس سے بہتر اور کوئی کام نہیں کہ دوست دوست کی طرف ہنستے ہوئے جائے۔

۲۔ جی بھر کر دوست کے جمال کا مشاہدہ کرے اور ہنستے ہوئے دوست کو جاں سپرد کر دے۔

۳۔ دوست سے خوب بغلگیر ہو اور قیامت تک اسی حالت میں دوست کے ساتھ رہے۔

شرح : دوست کے ساتھ قیامت تک سونے سے حدیث نبویؐ نُمْ کَنَوْمَۃِ الْعُرُوْس (سو جاؤ دولہا کی نیند) مراد ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب ولی اللہ کا وصال ہوتا ہے اور اسے حکم ہوتا ہے کہ اب قیامت تک دولہا کی نیند سو جاؤ۔ دولہا کی نیند سے یہ مراد ہے کہ عرب میں یہ دستور ہے کہ شادی کے وقت دولہا کو سلا دیتے ہیں اور دلہن کو جب اس کے پاس لایا جاتا ہے تو وہ خود آ کر اُسے جگاتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء کرام وفات کے بعد قیامت تک دولہا کی نیند سلا دیا جاتا ہے اور محبوب انہیں خود بلا کر وصال کا آغاز کرتا ہے۔ اس حدیث کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جب شادی کے بعد دولہا اور دلہن کا وصال ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے کو آغوش میں لے کر سو جاتے ہیں۔ ولی کی موت چونکہ وصالِ حق ہے۔ اسلئے وصال کے بعد انکو نُمْ کَنَوْمَۃِ الْعُرُوْس ؛ یعنی وصالِ حبیب کا مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے اور وہ قیامت تک وہ آغوشِ حبیب میں پڑا رہتا ہے۔ واللہ اعلم ؛

پس آپ نے عین ذوق وشوق اور مشاہدہ جلالِ حق میں جان دیدی، آپ کی عمر شریف ایک سو چھ سال یا ایک سو دس سال تھی، آپ کا وصال اٹھائیس محرم ۸۰۸ھ میں سلطان ابراہیم شرقی کے عہد میں ہوا، یہ قطعہ آپ کی تاریخ وصال کا ہے۔

چو سید اشرف آں شاہِ جہانگیر
دُرِ جاں را بہ سلک وصل حق سفت
خرد از بہر تاریخ وصالش
بوصل حق دید جاں منتہی گفت

سید اشرف بُد جہانگیر جہانِ معرفت
گشت چوں در بزم قرب از سرِ وصلش آگہی
از پے سال وصالش از خرد کردم سوالے
گفت تاریخش "بوصلِ حق دید جان منتہی"

اور "در نہایاتی وصال بھی آپ کی تاریخ وصال ہے۔ وصال کے بعد آپ مقام روح آباد عرف کچھوچھہ میں دفن ہوئے۔ آپ کا مزار آج تک قبلۂ حاجات خلق ہے۔ غرضیکہ چونکہ آپ جونپور کے صاحبِ ولایت ہیں، اسلئے سلاطین شرقیہ اور شہر مذکور کی تعمیر کے حالات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

تاریخ جونپور

تمام مورخین مثل صاحبِ تاریخ نظامی اس بات پر متفق ہیں کہ سلطان شرقی ملک سرور نامی سلطان محمد بن سلطان فیروز شاہ کا خواجہ سرائے تھا اور بادشاہ نے اُسے خواجۂ جہاں کا خطاب دے رکھا تھا۔ سلطان محمود بن سلطان محمد بن فیروز شاہ نے اُسے "سلطان المشرق" کا خطاب دے کر ۷۹۶ھ میں جونپور کا حکمران مقرر کیا۔ تاریخ جہاں آرا میں لکھا ہے کہ شہر جونپور کا بانی سلطان فیروز شاہ ہے۔ جس وقت سلطان بھرائچ سے بنگال کی طرف جا رہا تھا کہ اُسے دریائے گومتی کے کنارے ہموار زمین بہت پسند آئی۔ اسکو خیال آیا کہ اس جگہ اپنے نام پر ایک شہر آباد کرے۔ اتفاقاً اسی رات اس نے اپنے چچا زاد بھائی اور خسر سلطان محمد تغلق کو خواب میں دیکھا اس نے کہا کہ یہ شہر میرے نام پر آباد کرو۔ چونکہ اس کا اصلی نام سلطان محمد تغلق ملک جونہ تھا۔ اس لئے اس نے شہر کا نام جونپور رکھا۔ تاریخ محمدی میں لکھا ہے کہ جب سلطان

دوسری بار فتح بنگال کے بعد واپس آیا اور قصبہ ظفر آباد میں قیام کیا تو ۷۷۲ھ میں اُس نے موضع کرار ویران کر کے دریائے گومتی کے کنارے آبادی کے قریب ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کر کے وہاں شہر جون پور کی بنیاد رکھی اور مختلف علاقوں سے علمار مشائخ اور معززین وغیرہ کو جمع کر کے وہاں آباد کیا۔ اس شہر کی رونق اور نظم وضبط کے لیے ہمیشہ معتمد اور باحشمت افسران مقرر کیے جاتے تھے۔ جب سلطان محمود کے عہد کے آخری حصے میں امیر تیمور نے ۸۰۱ھ میں حملہ کیا تو سلطان محمود شکست کھا کر گجرات کی طرف بھاگ گیا۔ امیر تیمور آٹھ مہینے ہندوستان میں رہ کر سمرقند چلا گیا۔ اس کے بعد ہندوستان میں طوائف الملوکی شروع ہو گئی اور فیروز شاہی سلطنت ختم ہونے لگی۔ سلطان المشرق نے بھی جون پور میں علم بغاوت بلند کر کے خطبہ اور سکہ اپنے نام پر جاری کر دیا اور ہر گنہ، راپری و کول سے لے کر بہار تک قابض ہو گیا۔ ۸۰۲ھ اس کا انتقال ہو گیا۔ سلطان مشرقی کا ایک غلام تھا۔ جسے اس نے اپنا بیٹا بنا رکھا تھا۔ اس کا نام قرنفل تھا۔ اس کی وفات کے بعد قرنفل سلطان مبارک شاہ کا خطاب اختیار کر کے تخت پر بیٹھ گیا، لیکن ایک سال کے قریب حکومت کر کے فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی سلطان ابراہیم مشرقی جون پور کے تخت پر بیٹھا۔ ابراہیم نیک سیرت، درویش دوست اور رعیت پرور تھا اس کے نام پر کئی کتابیں مثل تفسیر بحر الامواج اور حاشیہ سندی، فتوی ابراہیم شاہی اور ارشاد قاضی شہاب الدین ملک العلمار نے تصنیف کیں۔ سلاطین وقت اکثر ان کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔ مسجد جونپور اور قلعہ رائے بریلی سلطان ابراہیم مشرقی کی یادگار ہیں۔ اس نے چالیس سال اور کئی ماہ پر امن سلطنت کی اور ۸۴۴ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمود تخت نشین ہوا۔ وہ بھی نیک دل۔ عالی قدر بادشاہ تھا اور مذہب اہل سنت وجماعت پر قائم تھا۔ کافی عرصہ کامیابی کے ساتھ حکومت کر کے ۸۶۲ھ میں فوت ہوا اسکے بعد اسکا بیٹا سلطان محمد تخت نشین ہوا۔ چونکہ وہ کمزور آدمی تھا۔ اراکین سلطنت نے اسے معزول کر کے اس کے بھائی سلطان حسین کو تخت پر بٹھایا۔ سلطان حسین بہت دانا مگر عیاش آدمی تھا۔ علم موسیقی سے اُسے بہت محبت تھی اور ہر وقت اسی شغل میں لگا رہتا تھا۔ بعض مقدمات (شاید راگ) اس نے خود ایجاد کیے۔ چنانچہ اس کے خیال بہت مشہور ہیں۔ عیش پرستی کے باوجود اس نے عظیم الشان لشکر جمع

دوسری بار فتح بنگال کے بعد واپس آیا اور قصبہ ظفرآباد میں قیام کیا تو ۷۷۲ھ میں اُس نے موضع کرار ویران کرکے دریائے گومتی کے کنارے آبادی کے قریب ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کرکے وہاں شہر جون پور کی بنیاد رکھی اور مختلف علاقوں سے علماء مشائخ اور معززین وغیرہ کو جمع کرکے وہاں آباد کیا۔ اس شہر کی رونق اور نظم وضبط کے لیے ہمیشہ معتمد اور باحشمت افسران مقرر کیے جاتے تھے۔ جب سلطان محمود کے عہد کے آخری حصے میں امیر تیمور نے ۸۰۱ھ میں حملہ کیا تو سلطان محمود شکست کھا کر گجرات کی طرف بھاگ گیا۔ امیر تیمور آٹھ مہینے ہندوستان میں رہ کر سمرقند چلا گیا۔ اس کے بعد ہندوستان میں طوائف الملوکی شروع ہوگئی اور فیروز شاہی سلطنت ختم ہونے لگی۔ سلطان الشرق نے بھی جون پور میں علم بغاوت بلند کرکے خطبہ اور سکہ اپنے نام پر جاری کر دیا اور ہرگنہ، راپری و کول سے لے کر بہار تک قابض ہوگیا۔ ۸۰۲ھ اس کا انتقال ہوگیا۔ سلطان مشرقی کا ایک غلام تھا۔ جسے اس نے اپنا بیٹا بنا رکھا تھا۔ اس کا نام قرنفل تھا۔ اس کی وفات کے بعد قرنفل سلطان مبارک شاہ کا خطاب اختیار کرکے تخت پر بیٹھ گیا، لیکن ایک سال کے قریب حکومت کرکے فوت ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی سلطان ابراہیم مشرقی جون پور کے تخت پر بیٹھا۔ ابراہیم نیک سیرت، درویش دوست اور رعیت پرور تھا۔ اس کے نام پر کئی کتابیں مثل تفسیر بحرالامواج اور حاشیہ سندی، فتویٰ ابراہیم شاہی اور ارشاد قاضی شہاب الدین ملک العلماء نے تصنیف کیں۔ سلاطین وقت اکثر ان کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔ مسجد جونپور اور قلعہ رائے بریلی سلطان ابراہیم مشرقی کی یادگار ہیں۔ اس نے چالیس سال اور کئی ماہ پرامن سلطنت کی اور ۸۴۴ھ میں فوت ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمود تخت نشین ہوا۔ وہ بھی نیک دل، عالی قدر بادشاہ تھا اور مذہب اہل سنت وجماعت پر قائم تھا۔ کافی عرصہ کامیابی کے ساتھ حکومت کرکے ۸۶۲ھ میں فوت ہوا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا سلطان محمد تخت نشین ہوا۔ چونکہ وہ کمزور آدمی تھا۔ ارکین سلطنت نے اسے معزول کرکے اس کے بھائی سلطان حسین کو تخت پر بٹھایا۔ سلطان حسین بہت دانا مگر عیاش آدمی تھا۔ علم موسیقی سے اُسے بہت محبت تھی اور ہر وقت اسی شغل میں لگا رہتا تھا۔ بعض مقدمات (شاید راگ) اس نے خود ایجاد کیے۔ چنانچہ اس کے خیال بہت مشہور ہیں۔ عیش پرستی کے باوجود اس نے عظیم الشان لشکر جمع

کر رکھا تھا اور ہمیشہ فوج کی تربیت میں مشغول رہتا تھا۔ سب سے پہلے اس نے تین لاکھ فوج اور ایک ہزار ہاتھیوں کے ساتھ اوڑیسہ پر حملہ کیا اور کثرت سے مال غنیمت حاصل کر کے واپس آ گیا۔ اس کے بعد اس نے راجہ مان حاکم گوالیار پر حملہ کر کے اُسے مطیع کیا۔ اپنی بیوی ملکہ جہاں جو مبارک شاہ بن خضر خاں بادشاہ دہلی کی اولاد سے تھی۔ کے اغوا کے بعد اس نے تین مرتبہ دہلی پر حملہ کیا۔ لیکن اس نے ہر بار سلطان بہلول لودھی کے ہاتھوں شکست کھائی۔ چوتھی مرتبہ سلطان بہلول لودھی نے جونپور پر حملہ کر کے اُسے شہر بدر کر دیا۔ جب بہلول لودھی کے بعد سکندر لودھی تخت نشین ہوا تو سلطان حسین نے مجبور ہو کر بادشاہِ بنگال کے ہاں پناہ لی۔ اور اسی جگہ ۹۰۵ھ میں وفات پائی۔ اس نے انیس سال سلطنت کی اور اس کی وفات پر سلاطین شرقی کا خاتمہ ہو گیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک جونپور سلاطین دہلی کے تصرف میں ہے۔ تاریخ محمدیؒ میں لکھا ہے کہ سلطان حسین شرقی کے عہد میں شیخ دانیال خضریؒ جونپور تشریف لے گئے اور وہاں کے اکثر لوگ آپ کے معتقد ہو گئے۔ ان میں سے دو سید زادے سید محمد اور سید احمد ترکِ دنیا کر کے آپ کے مرید ہو گئے۔ تربیت کے بعد سید احمد نے جونپور میں سکونت اختیار کر لی۔ چنانچہ ان کی اولاد آج تک جونپور میں بزرگی اور اصلاح کے زیور سے مزین ہے۔ سید محمد تکمیل کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے اور سلطان مظفر ثانی کے عہد میں گجرات۔ احمد آباد میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے اور دعوئ مہدیت کر دیا۔ اس سے ان کی بہت شہرت ہوئی اور لوگ کثرت سے مرید ہو گئے ایک مرتبہ شاہ شیخ جیو سجادہ نشین شاہ عالم محبوب عالم قدس سرہٗ بھی ان سے ملنے گئے اور چند ساعت ان کے ساتھ خلوت کی۔ جب باہر آئے تو اتنا فرمایا کہ سید محمدؒ مردِ عارف ہیں لیکن کشف میں غلطی کر بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد سید محمدؒ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے روانہ ہو گئے اور عراق و خراسان میں بڑی شہرت حاصل کی۔ آخر فرح کے قریب قتل ہو گئے۔ ان کے مریدین مدت تک سید محمدؒ کو مہدی آخر الزماں بتاتے رہے لیکن اس وقت ان کا نام و نشان نہیں رہا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہ

آں گنجینۂ اسرارِ ولایت، آں موصوف بصفاتِ ہدایت، آں فارغ از اندیشہ و اغیار، مقتدائے وقت خواجہ علاؤالدین عطارؒ۔

آپ کا اسم گرامی، محمد بن محمد بخاری ہے۔ آپ سلسلہ نقشبندیہ کے کبار مشائخ میں سے تھے۔ آپ بڑے بلند ہمت، رفیع الشان اور صاحب حال بزرگ تھے۔ آپ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیہ قدس سرہ کے مرید و خلیفہ اور داماد تھے۔ خواجہ بہاؤالدین کی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ لیکن خواجہ محمد کی اولاد اب تک موجود ہے۔ حضرت شیخ کی ایک دختر کا عقد نکاح سید امیر ابوالخیر ترکستانی کے ساتھ ہوا جو آپ کے خلیفہ و سجادہ نشین تھے۔ آج تک میر سید امیر کی اولاد بخارا میں ہے۔ خواجہ بہاؤالدینؒ کے مزار کی نگہداشت کر رہی ہے اشارہ غیبی سے آپ نے ایک لڑکی کا عقد خواجہ علاؤالدینؒ سے کر دیا تھا۔ آپ نے نہایت شفقت سے ان کو تربیت دی۔ پہلے یہ فرمان ہوا کہ شہر بخارا کے چاروں کونوں میں سیب فروخت کرو۔ چونکہ آپ کے رشتہ دار شہر بخارا میں امیر کبیر تھے۔ حضرت شیخ ان کو اسی کوچہ میں بھیجا کرتے تھے لیکن اس سے ان کے دل میں ذرہ بھر ملال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بعد ان کو اصلی کام میں لگایا گیا۔ حتیٰ کہ مرتبہ کمال پر پہنچ گئے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ نے اپنی زندگی میں بہت مریدین کی تربیت ان کے سپرد کر دی تھی۔ شیخ فرمایا کرتے تھے کہ علاؤالدین نے بڑی محنت کی ہے اس لئے اس کی ولایت کے انوار و آثار بدرجہ اتم و اکمل ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ کی اس قسم کی تربیت سے اکثر طالبان حق بڑے بڑے مدارج پر فائض ہوئے ہیں۔ نفحات الانس میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت میر شریف جرجانی (ساکن جارجیہ) خواجہ علاؤالدین عطارؒ کے اصحاب میں سے تھے۔ میر شریف جرجانیؒ

کے کثرت سے مرید تھے آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب تک مجھے شیخ زین الدین کلابادی کی صحبت نصیب نہ ہوئی مجھے رفض (شیعہ پن) سے نجات نہ ملی۔ یہ شیخ زین الدین مشائخ شیراز میں سے تھے۔ جن کا سلسلہ تین واسطوں سے شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ سے جا ملتا ہے۔ میر شریف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تک میں نے خواجہ علاؤالدین عطار کی صحبت اختیار نہ کی حق تعالےٰ کو نہ پہچانا۔ رشحات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ بخارا میں علماء کے درمیان رویتِ حق سبحانہٗ وتعالےٰ وعدم رویت پر بحث ہو گئی۔ علماء کا آنحضرت پر کلی اعتماد تھا۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ ہمارے درمیان حَکَم بن کر فیصلہ فرما دیں۔ منکرین رویت فرقہ معتزلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا تین دن مسلسل میرے پاس آتے رہو، اور باوضو ہو کر خاموش بیٹھو اس کے بعد فیصلہ دوں گا۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ تیسرے دن ان پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ بے خود ہو کر زمین پر لوٹنے لگے۔ جب افاقہ ہوا تو انہوں نے اپنے کان پکڑ لئے اور کمال نیازمندی سے آکر ایمان لے آئے۔ اس کے بعد ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ (از مترجم۔ ایک دفعہ یہی بحث علمائے اہل سنت معتزلہ کے درمیان بغداد میں شروع ہوئی۔ علمائے اہل سنت وجماعت حضرت خواجہ ابوبکر شبلی کو اپنا سر حلقہ بنا کر محفل مناظرہ میں لے گئے۔ مخالفین کی طرف سے زبردست تیاری کی گئی۔ بڑی بڑی کتب کے ذخیرہ ساتھ لائے گئے۔ اور بڑے بڑے مقررین بلائے گئے۔ ادھر شیخ عطار نے نہ قلم اٹھایا نہ دوات نہ کوئی کتاب، صرف رومال کندھے پر رکھ کر محفل میں تشریف لے گئے۔ جاتے ہی آپ نے پوچھا کہ اچھا بتاؤ تمہاری بحث کا موضوع کیا ہے۔ مخالفین نے کہا آپ ثابت کریں کہ حق رویت ممکن ہے۔ آپ نے فرمایا بس یہی بات تھی۔ فرمایا یہی بات کہ تم اس موضوع پر بحث کر

رہنے ہیں اس کا ثبوت ہے کہ رویت حق ممکن ہے ۔ کیونکہ محال کا تصور بھی محال ہے ۔ اس مختصر لیکن وزنی دلیل سے ان کی تسلی ہوگئی ۔ آپ نے مخالفین کے سردار سے یہ بھی دریافت کیا کہ آیا تمہارے دل میں حق تعالےٰ کی زیارت کی خواہش ہے اس نے کہا جی ہاں ۔ آپ نے فرمایا یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ زیارت ممکن ہے کیونکہ محال کی خواہش پیدا نہیں ہوتی ۔

اقوالِ زرّیں

خواجہ علاؤالدین کے ملفوظات خواجہ محمد پارساؒ نے جمع کئے ہیں ۔ صاحب نفحات نے اس سے انتخاب کیا ہے جن میں سے چند اس جگہ بیان کئے جاتے ہیں ۔

آپ فرماتے ہیں کہ "سابقہ عنایت ازلی باید دید و لحظہ از عنایت بے علت غافل نباید بود" یعنی حق تعالےٰ کی سابقہ عنایت کو پہچاننا چاہیئے اور ایک لمحہ بھی عنایت بے علت سے غافل نہیں رہنا چاہیئے ۔ یعنی جب انسان پر اللہ کی عنایت ہو تو اس کی علت اپنے اعمال کو نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ عنایت حق کو علت سمجھنا چاہیے قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :" فاذکرونی اذکرکم " یعنی تم میرا ذکر کرو تو میں تمہارا ذکر کرتا ہوں ۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ کے بندہ کو یاد کرنا اس وجہ سے ہے کہ پہلے بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے بلکہ بندہ کا پہلے اللہ کو یاد کرنا اس وجہ سے کہ پہلے حق تعالےٰ بندہ کو یاد کرتے ہیں تب بندہ کو توفیق ذکر ہوتی ہے ۔ آپ فرماتے ہیں کہ اپنی استغناء پر کڑی نظر رکھنی چاہیے اور حق تعالےٰ کی تھوڑی سی عنایت کو بہت سمجھنا چاہیے اور استغنائے حقیقی کے ظہور سے ترسان اور لرزاں رہنا چاہیے ۔ سالک کو چاہیئے کہ تین صفات سے خالی نہ رہے ۔ نگاہداشت خطرات ۔ مطالعہ ذکر دل کہ گویا کشتہ باشد مشاہدۂ احوال کہ بدل گذرا (یعنی دل کو ماسویٰ سے خالی رکھنا ذکر قلبی میں مشغول رہنا اور قلبی کیفیت پر نگاہ رکھنا) سالک کو چاہیے کہ خطرات و وساوس کو ذکر اہام میں مانع نہ ہونے دے اور ہر وقت دل کو

طرات سے پاک رکھے۔ اصل بات درخودرفتن ہے یعنی اپنے آپ میں گم ہوجانا۔ ازخودرفتن یعنی اپنے آپ کو گم کردینا حقیقت میں کوئی چیز نہیں صل مقصد درخودرفتن یعنی اپنے آپ میں گم ہوجانا ہے۔ ازخودرفتن علامت ہے درخودرفتن کی۔ اپنے آپ سے غیب ہونا اور حق کے ساتھ حاضر ہونا عشق کی کمی اور بیشی پر منحصر ہے۔ سالک اپنے آپ سے جس قدر غیب اور حق کے ساتھ جس قدر حاضر ہوگا اسی قدر اس سے عالم ناسوت و عالم ملکوت پوشیدہ ہوجائیں گے اور بھول جائیں گے۔ یہ فنا ہے لیکن جب سالک کی ہستی بھی اس پر پوشیدہ ہوجاتی ہے فنا الفنا ہے (فنا سے مراد اپنے آپ کو ذات حق میں گم کردینا ہے اور فنا الفنا کا مطلب یہ ہے کہ اس فنا کا بھی احساس باقی نہ رہے یعنی یہ بھی اسے احساس نہ ہو کہ میں فانی ہوگیا ہوں بلکہ ایک قسم کی لاشعوری کیفیت طاری ہوجانے اور شعور ذات کے سوا کوئی شعور باقی نہ رہے)

مقصود زیادہ ذکر نہیں ہے ایک سانس میں تین مرتبہ ذکر کرنا چاہیے۔ دائیں طرف سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ شروع کرکے دل تک پہنچادے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بائیں طرف سے نکالیں اور صبح سے پہلے اور شام کے بعد اور خلوت کے بغیر کوئی مجاہدہ نہیں ہوتا۔ شیخ علاؤالدین عطار فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں قطرہ خون از دل چکید
تا نشان قطرہ از آں یافتم

دل سے لاکھوں قطرہ ہائے خون نکلنے کے بعد قطرہ بھر آگاہی ہوتی ہے۔ یا ایک سانس میں نو دفعہ سے اٹھارہ تک کہے۔ اگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہو تو مشائخ کی ارواح سے استفادہ کرے اور فائدہ اس قدر ہوگا۔ جس قدر کہ شیخ سے نسبت قوی ہوگی۔ اس کام میں توجہ حق تعالےٰ کی طرف ہونی چاہیے اس بزرگ کی روح کو وسیلہ سمجھنا چاہیے۔ جیسا کہ لوگوں کے ساتھ

تواضع کی جاتی ہے تو اگرچہ ظاہری تواضع خلق کے ساتھ ہوتی ہے لیکن حقیقت میں تواضع حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے۔ ان معنوں میں بزرگان کو بظاہر آثار قدرت و حکمت سمجھنا چاہیے۔ مراقبہ کا طریقہ نفی اثبات کے طریقے سے زیادہ موثر اور جذب پیدا کرنے میں اکسیر ہے۔ مراقبہ کی بدولت عالم ملکوت میں تصرف ہو سکتا ہے۔ قلوب کو منور کرنے اور انوار و برکات حاصل کرنے کا بہترین طریقہ دوام مراقبہ ہے دوام مراقبہ سے جمعیت خاطر اور مقبولیت حاصل ہوتی ہے اور اس مقام کو جمع و قبول کے نام موسوم کرتے ہیں۔ غرضیکہ آپ کے کلمات و کرامات بے شمار ہیں۔ رشحات میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے وصال کے بعد آپ کے تمام اصحاب نے حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ سے بیعت کی اس وجہ سے کہ آپ علو مرتبت تھے حتیٰ کہ خواجہ محمد پارساؒ نے بھی ان سے تجدید بیعت کی۔ آپ کا وصال عشاء کے بعد شب شنبہ بیس رجب ۸۰۲ھ کو امیر تیمور کے عہد میں ہوا آپ کا مزار قصبۂ نوچغانیاں میں ماوراءالنہر کے لوگوں کیلئے قبلہ حاجات ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ حسن عطار قدس سرہٗ

آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت خواجہ حسنؒ مسند نشین ہوئے خواجہ حسن عطار حضرت خواجہ نقشبند کے نواسے تھے اور ایام طفلی سے آنحضرت کے منظور نظر تھے۔ رشحات میں لکھا ہے کہ ایک دن خواجہ حسنؒ دوسرے لڑکوں کے ساتھ باغ میں کھیل رہے تھے اور گاؤ سالہ پر سوار تھے اس اثنا میں خواجہ نقشبند کا وہاں سے گذر ہوا۔ آپ نے فرمایا عنقریب یہ لڑکا سوار ہوگا اور ذی شوکت بادشاہ اس کے رکاب گیر ہو کر دوڑیں گے۔ جب خواجہ حسن خراسان گئے تو باغ میں مرزا شاہ رخ بن امیر تیمور سے ملاقات ہوئی۔ بادشاہ

نے کمال اعتقاد سے آپ کی خدمت میں اونٹ پیش کیا اور چاہا کہ اپنے ہاتھ سے شیخ کو اونٹ پر سوار کرے۔ چنانچہ اس نے ایک ہاتھ سے رکاب پکڑی اور دولت ہاتھ میں عنان لے کر آپ کو سوار کیا۔ لیکن اونٹ نے کچھ شرارت کی تو بادشاہ اس کی عنان مضبوط پکڑ کر کچھ دیر تک ساتھ دوڑتا رہا اس کے بعد اونٹ نے شرارت بند کی اور آپ نیچے اتر آئے۔ یہ واقعہ دیکھ کر آپ کو حضرت خواجہ نقشبند کی پیش گوئی یاد آئی۔ نفحات میں لکھا ہے۔ آپ بڑے قوی الحال تھے۔ اسی وجہ سے آپ کا تصرف بہت بڑھا ہوا تھا۔ اور جب چاہتے تھے۔ لوگوں کو عالم شعور سے بے شعوری اور بے خودی میں پہنچا دیتے تھے اور ذوق فنا جو عام طور پر مجاہدات سائے ماوراء النہر اور خراسان میں آپ کے تصرفات مشہور ہیں۔ جو شخص آپ کا دست بوس ہوتا تھا۔ اکثر پاؤں میں گر کر بے خود ہو جاتا تھا۔ ایک دن آپ صبح کے وقت حالت استغراق میں گھر سے باہر نکلے جس شخص پر نظر پڑتی تھی بے خود ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ آپ حجاز مقدس کی زیارت کے لیے شیراز پہنچے۔ وہاں آپ کا ایک دولت مند مرید بیمار تھا۔ آپ کی شکل دیکھتے ہی صحت یاب ہو گیا اور خواجہ حسن بیمار ہو گئے۔ اور اسی مرض میں آپ کا وصال ہوا اور آپ کی نعش کو چغان لے جا کر دفن کیا گیا۔ آپ کی وفات شب دوشنبہ عید قربان کے دن ۸۲۰ھ مرزا شاہ رخ بن امیر تیمور کے عہد میں واقع ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ یوسف بن حسن عطار قدس سرہ

آپ کے بعد آپ کے فرزند خواجہ یوسف مسند نشین ہوئے رشحات میں لکھا ہے کہ آپ کی شیخ بہاؤ الدین عمر قدس سرہ کے ساتھ خط و کتابت تھی۔ ایک دن شیخ بہاؤ الدین نے اپنی مجلس میں فرمایا کہ بعض اکابر طریقت

ذکر کے وقت حبس دم کرتے ہیں۔ اور حبس دم کو شرط ذکر سمجھتے ہیں۔ اور یہ جوگیوں کی رسم ہے۔ لیکن طریقت میں حبس دم نہیں حصر دم ہے۔ جب یہ بات خواجہ یوسفؒ تک پہنچی تو انہوں نے شیخ بہاؤالدینؒ کو خط لکھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے حبس دم کی نفی کی ہے اور فرمایا ہے کہ مشائخ طریقت میں سے کسی نے نہیں بتایا۔ حالانکہ یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند اور آپ کے خلفاء حبس دم کے ساتھ ذکر تلقین کیا کرتے تھے۔ آپ نے کس طرح اس کی نفی کی ہے۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ میرا مقصد ان حضرات کے طریق کا انکار نہ تھا۔ خواجہ یوسفؒ ہر فن میں باکمال تھے اور ان کی ولایت کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ خواجہ علاؤالدین عطارؒ کے خلفا کے حالات رشحات میں مفصل درج ہیں۔ مثلاً حضرت شیخ عبدالرزاقؒ، حضرت مولانا ابوسعیدؒ، حضرت خواجہ عبد اصفہانیؒ، حضرت شیخ عمر ماتریدیؒ، حضرت مولانا احمدؒ، حضرت درویش احمد سمرقندیؒ، حضرت میر شریف جرجانیؒ وغیرہ جو سب کے سب صاحب ارشاد و ہدایت تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ

آں قائم مقام خواجۂ نقشبند، آں سر حلقۂ سالکانِ حق پسند، آں آشنائے بحرِ توحید و صفا، پیشوائے وقت خواجہ محمد پارساؒ قدس سرہٗ۔ آپ کا اسم گرامی محمد بن محمود بخاری ہے آپ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ آپ بڑے رفیع الشان، صاحب ہمت و صاحبِ کرامات تھے۔ آپ نے جس قدر حقائق و معارف بیان فرمائے کسی اور سے کم دیکھنے میں آئے ہیں۔ آپ اہل بیت و اصحاب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بے اختیار تھے جیسا کہ آپ کی

کتاب فصل الخطاب سے ظاہر ہے۔ صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ نے آپ کو سب اصحاب کے سامنے فرمایا کہ جو حق اور امانت کہ مشائخ عظام سے اس ضعیف کو ملی ہے اور جو کچھ میں نے اس راستے میں کمایا ہے وہ سب میں نے تمہارے سپرد کی اسے قبول کرو اور خلق کو پہنچاؤ۔ آپ نے نہایت عجز و انکسار سے قبول فرمائی۔ نیز خواجہ نقشبندؒ نے مرض الموت میں سب کے سامنے فرمایا کہ ہمارے وجود کا مقصد اس کا (خواجہ محمد پارساؒ کا) ظہور ہے۔ اور میں نے اس کی دونوں طریقوں میں تربیت کی ہے یعنی طریق جذب اور طریق سلوک سے۔ اگر اس نے توجہ کی تو جہان اس سے منور ہو گا۔ ایک اور موقعہ پر آپ نے حضرت خواجہ برخ رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو تشبیہ دی ہے۔ خواجہ برخؒ کا ذکر اکثر کتب میں پایا جاتا ہے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مستجاب الدعوات تھے۔ ایک اور موقعہ پر خواجہ نقشبندؒ نے ان کے متعلق فرمایا کہ وہ جو کچھ کہے گا اسی طرح ہو گا۔ نیز فرمایا کہ وہ جو کچھ کہتا ہے حق تعالیٰ کرتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ کہو یعنی طلب کرو، لیکن وہ (خواجہ محمد پارساؒ) نہیں کہتا۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے آپ کو ذکر خفی تعلیم فرمایا اور اجازت بخشی کہ حقائق و معارف میں سے جو کچھ جانتے ہو دوسروں کو تعلیم کرو۔ حضرت خواجہ کے وصال کے بعد آپ مسند ارشاد پر متمکن ہوئے اور ایک جہان آپ سے فیض یاب ہوا۔ آپ کے فیض تربیت سے بہت بزرگ مرتبۂ تکمیل پر پہنچے۔ اور خلقت کو فائدہ پہنچایا۔ رشحات میں لکھا ہے کہ جس وقت مرزا خلیل بن میران شاہ بن امیر تیمور سمرقند میں بادشاہ تھا اس زمانے میں مرزا شاہ رُخ بن امیر تیمور سلطنت خراسان کا بادشاہ تھا خواجہ محمد پارساؒ کبھی کبھی مسلمانوں کی مشکلات دور کرنے کے لیے مرزا شاہ رُخ کو خط لکھا کرتے تھے۔ یہ بات مرزا خلیل کو ناگوار گذری اور بعض حاسدین

کی ریشہ دوانیوں سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ مرزا خلیل نے کسی کو بخارا بھیج کر حکم دیا کہ خواجہ محمد پارسا کو صحرا کی طرف نکال دیا جائے ۔ خواجہ نے فرمایا بہت اچھا ۔ پہلے میں اپنے پیروں کے مزارات کا طواف کرتا ہوں پھر چلا جاؤں گا ۔ چنانچہ آپ نے گھوڑا طلب فرمایا اور سوار ہو کر خدام کے ساتھ قصر عارفان گئے اور خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور کچھ دیر مراقب رہ کر خوش و خرم باہر تشریف لائے ۔ اس کے بعد موضع سوخاری جا کر امیر کلالؒ کے مزار کی زیارت کی اور گھوڑے پر سوار ہو کر ایڑھی لگائی اور باہر تشریف لا کر خراسان کی طرف روانہ ہو گئے اور یہ شعر کہا ۔

ہمہ را زیر و زبر کن نہ زبر ماند و نہ زیر — تا بدانند کہ امروز دریں میدان کیست

سب کو زیر و زبر کر دے نہ نیچے والا رہے نہ اوپر والا تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ مرد میدان کون ہے ۔

وہاں سے واپس ہو کر گھر تشریف لے گئے ۔ اس کے فوراً بعد مرزا شاہ رخ کی فوج آ گئی اور ایلچی نے مرزا خلیل سے کہا کہ ابھی میدان جنگ مقرر کرد میں آ رہا ہوں ۔ تھوڑی دیر میں مرزا شاہ رخ نے آ کر مرزا خلیل کو قتل کر دیا ۔ اس قسم کے کرامات خواجہ محمد پارسا کی بہت ہیں ۔ جب آپ کی عمر شریف ستر سال سے تجاوز کر گئی تو ماہ محرم ۸۲۲ھ میں آپ نے حرمین شریفین کا قصد کیا ۔ راستے میں نسف ، صغانیاں ، ترمذ ، بلخ اور ہرات جا کر مشائخ کے مزارات کی زیارات کی ۔ ہر جگہ سادات و مشائخ ، علماء اور شرفاء نے آپ کی تعظیم کی ۔ مولانا جامیؒ فرماتے ہیں کہ جب ولایت جام سے گذرے ۔ میری عمر پانچ سال تھی ۔ میں نے اپنے والد کے ساتھ شرف قدم بوسی حاصل کیا ۔ آپ نے از راہ کرم مجھے ایک سیر مصری عطا فرمائی ۔ آج ساٹھ سال ہو چکے ہیں لیکن آپ کا منور چہرہ اب تک میری آنکھوں کے سامنے

ہے. جب آپ نیشاپور پہنچے تو گرمی کی وجہ سے آپ کے اصحاب کے درمیان سفر ملتوی کرنے کی گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے مولانا جلال الدین رومیؒ کا دیوان کھول کر فال نکالی تو یہ شعر نکلے ؎

رویداے عاشقانِ حق اقبال ابدلحق   رواں باشد ہمے چوں مہ بسوئے برج مسعود

مبارکباد تا ایں رہ بتوفیق امان اللہ   بہر شہرے بہر جائے بہر دشتے کہ پوئے

اے عاشقانِ حق ابدی اقبال مندی کے ساتھ روانہ ہو جاؤ جس طرح کہ چاند برج مسعود کی طرف جاتا ہے۔ اس راستے کا سفر اللہ تعالٰی کی امان میں مبارک ہو جہاں جاؤ اور جس شہر گاؤں اور مقام پر جاؤ مبارک ہو۔

پس نیشاپور سے روانہ ہو کر ماہ ذی الحجہ میں آپ مکہ معظمہ پہنچ گئے اور حج ادا کیا۔ اس کے بعد آپ بیمار ہو گئے اور اسی حالت میں مدینہ روانہ ہوئے ماہ مذکور کی تئیسویں تاریخ کو مدینہ پہنچے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت حاصل کر کے پنجشنبہ کے دن بتاریخ چوبیس ذی الحجہ ۸۲۲ھ مرزا شاہ رخ کے عہد میں آپ کا وصال ہو گیا اور مدینہ منورہ میں امیر المومنین حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک کے قریب دفن ہوئے۔ شیخ زین الدین نے مصر سے سنگ مرمر کی لوح تیار کرائی اور قبر پر لگادی۔ اس وجہ سے ان کا مزار ممتاز ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ ابو نصر قدس سرہٗ

آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت خواجہ ابو نصرؒ مسند نشین ہوئے۔ صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ علوم ظاہری اور رسوم طریقت میں آپ اپنے والد بزرگوار کے ہم پلہ ہو گئے تھے۔ لیکن نفی وجود اور بذل موجود میں آپ اُن سے بھی سبقت لے گئے (بذل بمعنی خرچ کرنا یا گم کرنا یعنی موجودات کو ذات حق میں گم کرنا) ستر حال (اپنے آپ کا چھپانا) میں آپ کا یہ کمال

تھا کہ آپ سے قطعاً کوئی چیز ظاہر نہیں ہوئی تھی اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا تھا۔ کہ آپ نے اس راہ میں قدم رکھا ہے یا طریقت کے متعلق کچھ جانتے ہیں اگر کوئی شخص آپ سے مسئلہ پوچھتا تو فرماتے تھے کہ کتاب دیکھ کر بتاؤں گا۔ جب آپ کتاب کھولتے تو وہی صفحہ نکلتا جو آپ دیکھنا چاہتے تھے یا ایک دو ورق آگے پیچھے۔ لیکن اس میں بحث نہیں کرتے تھے۔ ایک دن آپ کی مجلس میں شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ اور ان کی تصانیف کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے اپنے والد سے نقل کیا کہ وہ فرماتے تھے کہ فصوص جان ہے اور فتوحات دل۔ نیز فرمایا کہ جو شخص فصوص کو اچھی طرح سمجھتا ہے متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قوی ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ! لیکن میں نے اس زمانے میں سلسلۂ نقشبندیہ کے بعض حضرات کو دیکھا ہے جو حضرت شیخ ابن عربی اور ان کی تصانیف کے منکر ہیں اور اپنے مشائخ کے عقائد کا بھی مطالعہ نہیں کرتے۔ الغرض خواجہ ابو نصر پارساؒ ہر قسم کے کمالات کے مالک تھے۔ آپ کی وفات ۸۶۵ھ میں ہوئی۔ صاحبِ رشحات نے آپ کی تاریخ وفات اس قطعہ میں نکالی ہے۔

قطعہ

خواجہ عالم ابو نصر آنکہ شد — تکیہ گاہش مسند دار البقا

سر او چو با خدا پیوستہ بود — زیں سبب تاریخ شد سرِّ خدا

آپ کا مدفن شہر بلخ ہے۔

حضرت خواجہ علاء الدین غجدوانی قدس سرہٗ

صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ آپ خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ کے خلیفہ تھے اور ان کے حکم سے آپ خواجہ محمد پارساؒ کی خدمت میں رہتے تھے۔ آپ ہمیشہ استغراق میں رہتے تھے اور بڑے شیریں سخن تھے۔ کبھی

ایسا ہوتا تھا کہ دورانِ سخن آپ اپنے آپ سے گم ہو جاتے تھے جس وقت خواجہ محمد پارسا حرمین شریفین کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے لوگوں نے التماس کیا کہ خواجہ علاؤالدین بہت ضعیف ہو چکے ہیں۔ ان سے کوئی کام نہیں ہو سکتا انہیں اس سفر سے معذور رکھیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ان کے ساتھ اس کے سوا اور کوئی کام نہیں کہ ان کو دیکھ کر عزیزان کی نسبت تازہ ہو جاتی ہے۔ آپ کے کمالات کا اسی بات سے اندازہ ہو سکتا ہے۔

مولانا محمد نقاتریؒ اور خواجہ مسافر خوارزمیؒ بھی خواجہ نقشبندؒ کے اصحاب تھے اور آپ کی اجازت سے انہوں نے خواجہ محمد پارساؒ کی خدمت میں سلوک تمام کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہٗ

آں عالم بعلومِ حضرت الٰہی آں مستغرق بذات نامتناہی آں موصوف بصفت معروف گرخی۔ پیشوائے اولیاء خواجہ یعقوب چرخیؒ۔

صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ آپ کا اصل وطن چرخ تھا۔ رشحات میں لکھا ہے کہ چرخ حصار کے علاقے میں ایک گاؤں کا نام ہے تحصیل علوم کے بعد آپ نے خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں جا کر بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا ہم اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتے۔ آج رات دیکھ لو اگر تجھے قبول کرتے ہیں تو میں بھی قبول کروں گا۔ خواجہ یعقوب فرماتے ہیں کہ اس رات سے زیادہ سخت رات مجھ پر کبھی نہ گذری تھی۔ جب صبح کے وقت حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے قبول فرمایا لیکن یہ فرمایا کہ تم خواجہ علاؤالدین عطارؒ کی صحبت میں رہو گے۔ پس بیعت کے بعد آپ نے مجھے شغل وقوف عددی تلقین فرمایا۔ کچھ عرصہ تک میں آپ کی خدمت میں رہا۔ حتیٰ کہ آپ نے اجازت ارشاد عطا کر کے بدخشان جانے کا حکم دیا۔ الغرض

خواجہ نقشبندؒ کی وفات کے بعد خواجہ یعقوبؒ خواجہ علاؤالدین عطارؒ کی خدمت میں جا پہنچے اور فیوض حاصل کر کے مرتبہ تکمیل وارشاد کو پہنچے۔ جب تک خواجہ علاؤالدینؒ قید حیات میں رہے آپ اُن سے جدا نہ ہوئے ان کی وفات کے بعد آپ مسند پر بیٹھے اور لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے۔ حتیٰ کہ خواجہ ناصرالدین عبداللہ احرار قدس سرہٗ جیسے بزرگ نے بھی آپ کے زیرتربیت پرورش پائی۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ میں (خواجہ عبداللہ احرار) ہرات میں تھا کہ میرے دل میں مولانا یعقوب چرخیؒ کی زیارت کی خواہش پیدا ہوئی۔ پس میں ولایت چغانیاں کی طرف روانہ ہوا اور کافی محنت اور مشقت کے بعد وہاں پہنچا۔ جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے چہرہ پر تھوڑی سی بیاض (مرضِ برص کی سفیدی) دیکھ کر میرے دل میں کچھ نفرت پیدا ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے سیاست برتی اور درشت گوئی (سخت کلامی) سے کام لیا۔ یہاں تک کہ میرا باطن ان سے منقطع ہونے لگا۔ اور میں بہت مایوس اور مغموم ہوا۔ دوسری دفعہ جب حاضر ہوا تو آپ اس محبوبی اور لطف و کرم سے پیش آئے کہ اس سے پہلے ایسا محبوب نہ دیکھا تھا۔ آپ نے اس فقیر پر بہت عنایت فرمائی۔ اس وقت آپ مجھ پر ایک اور بزرگ کی صورت میں ظاہر ہوئے جن کے ساتھ مجھے کامل اعتقاد تھا اور بیعت ہونے کا ارادہ بھی رکھتا تھا لیکن چند سال ہوئے اس جہاں سے رحلت کر گئے تھے۔ ان کا نام مولانا سعدالدین کاشغریؒ تھا پس خواجہ یعقوب نے فرمایا کہ جو طالب کسی بزرگ کے پاس جاتا ہے اسے چاہیے کہ اس طرح جائے جیسے خواجہ عبداللہ احرار۔ یعنی چراغ تیار ہوا اور اس میں تیل اور بتی ڈال دی گئی ہو۔ (یعنی مجاہدات وغیرہ کر کے اور پاک وصاف ہو کر جانا چاہیئے صرف آگ لگانے سے اس کا کام بن جائے

خواجہ عبداللہ احرارؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دفعہ خواجہ محمد یعقوب قدس سرہٗ شیخ زین الدین خافیؒ کے ساتھ مصر میں ہم سفر تھے اور مولانا شہاب الدین لیسرانیؒ جو

علمائے کبار میں سے تھے کے ہاں تعلیم حاصل کرتے تھے اور دونوں کے درمیان بے حد محبت تھی۔ ایک دن انھوں نے مجھے فرمایا کہ تم خراسان میں رہے ہو سنا ہے کہ شیخ زین الدین خوافی مریدین کے خوابوں کی تعبیر بیان کرتے ہیں اور اس معاملہ میں بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ میں نے کہا جی ہاں اسی طرح ہے یہ سنتے ہی آپ استغراق میں چلے گئے اور آپ کی یہی عادت تھی کہ تھوڑی دیر کے بعد اپنے آپ میں گم ہو جاتے تھے۔ جب عالم صحو میں آئے تو زبان مبارک پر یہ شعر لائے ؂

چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم — نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

(چونکہ میں آفتاب کا غلام ہوں آفتاب سے براہ راست بات کرتا ہوں یعنی حق تعالیٰ سے کلام سن کر بات کرتا ہوں۔ نہ رات ہوں نہ رات پرست ہوں)

آپ بڑے صاحب کمال تھے۔ آپ کا ادنیٰ کمال یہ ہے کہ خواجہ ناصر الدین عبداللہؒ جیسے اکابر اولیاء آپ کے مرید و خلیفہ تھے جن کی وجہ سے خواجہ یعقوب چرخیؒ کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ انشاء اللہ ان کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا رحمۃ اللہ۔

حضرت خواجہ نظام الدین خاموش قدس سرہ

آپ حضرت خواجہ علاؤالدین عطارؒ کے خلیفہ تھے۔ خواجہ نقشبندؒ کی بھی آپ نے ابتدائے حال میں صحبت پائی تھی۔ صاحب نفحات لکھتے ہیں کہ آپ نے خواجہ علاؤالدینؒ کی خدمت میں پہنچنے سے قبل بہت ریاضت و مجاہدہ کیا۔ اور تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے لئے آپ نے بے حد کوشش کی۔ جب آپ کے دل میں خواجہ علاؤالدینؒ سے بیعت کی خواہش پیدا ہوئی تو خواجہ نقشبندؒ کے ایک مرید نے اُن سے کہا کہ مولانا نظام الدینؒ اب وہ وقت آگیا ہے کہ آپ اپنے زہد و تقویٰ کو ترک کر دیں۔ یہ بات آپ پر گراں گذری۔ جب خواجہ علاؤالدینؒ کی خدمت میں پہنچے تو آنحضرت نے بھی وہی بات کہی لیکن یہ بات آپ پر گراں نہ گذری۔ اس کے بعد آپ نے ان کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل

کی۔ اور مرتبہ تکمیل وارشاد پر پہنچ گئے۔ آپ کا استغراق اور جذب بہت قوی تھا۔ اسی جگہ لکھا ہے کہ ایک دن خواجہ علاؤالدین عطارؒ خواجہ محمد علی حکیم ترمذیؒ کے مزار کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے تو خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ میں ہمراہ نہ تھا اور گھر بیٹھے بیٹھے متوجہ ہؤا تو آپ کی روحانیت حاضر ہوگئی جب حضرت خواجہ مزار پر پہنچے تو اُسے خالی پایا اس کا سبب معلوم کر کے آپ پیچھے ہٹ گئے اور میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں بھی مشغول ہؤا تو اپنے آپ کو کبوتر کی شکل میں پایا اور آنحضرت کو شہباز کی شکل میں میں نے اپنی طرف پرواز کرتے ہوئے دیکھا۔ میں جس طرف بھاگتا تھا آپ میرے پیچھے پرواز کر رہے تھے۔ آخر میں نے پریشان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے پناہ طلب کی۔ اب کیا تھا۔ میں انوار لامتناہی سے محو ہوگیا اور خواجہ کو تصرف کی طاقت نہ رہی۔ اس غیرت کی وجہ سے آپ بیمار ہو گئے اور آپ کی بیماری کا سبب کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ چند روز کے بعد صحت پائی اور دوسری مرتبہ آپ مولانا نظام الدین کو خواجہ محمد علی ترمذیؒ کی زیارت کے لئے ساتھ لے گئے۔ اور ان کی شفاعت کی بناء پر آپ نے مولانا نظام الدین کا قصور معاف کر دیا۔ اور مہربان ہو گئے۔ خواجہ عبداللہؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے معلوم ہؤا کہ مولانا نظام الدینؒ بیمار ہو گئے ہیں جب میں ان کی خدمت میں گیا تو ان کو سخت سردی لگ رہی تھی۔ لوگوں نے آگ جلا رکھی تھی اور بہت سے کپڑے اوپر ڈال رکھے تھے لیکن ان کو اس سے بھی تسکین نہ ہوتی تھی۔ میں تھوڑی دیر کے لئے وہاں بیٹھ گیا۔ اس وقت جو مرید چکی پر آٹا پیسنے گیا تھا۔ گیلے کپڑوں کے ساتھ اندر آیا اور اُسے سخت سردی لگ رہی تھی۔ جب مولانا نے اُسے دیکھا تو فرمایا کہ اُسے گرم کرو کیونکہ یہ اس کی سردی ہے جو میرے اندر سرایت کر گئی ہے۔ جب اُسے گرم کیا گیا تو مولانا کی سردی بھی جاتی رہی اور اپنی اصلی حالت پر آگئے۔ آپ کے کمالات کا مفصل ذکر رشحات میں درج ہے۔

حضرت مولانا سعد الدین کاشغری قدس سرہٗ

آپ مولانا نظام الدین خاموش ؒ کے خلیفہ تھے۔ ابتدائے حال میں آپ تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ جب آپ کے دل میں طلب حق پیدا ہوئی تو سب کچھ ترک کر کے مولانا کی خدمت میں پیوست ہو گئے۔ اور آپ کے فیض تربیت سے مرتبۂ تکمیل وارشاد کو پہنچے۔ آپ پر استغراق کا بہت غلبہ رہتا تھا۔ جس شخص کو آپ کی حالت کا علم نہ ہوتا تھا سمجھتا تھا کہ آپ کو نیند آرہی ہے۔ صاحبِ نفحات الانس (مولانا جامیؒ) فرماتے ہیں کہ جب میں پہلی مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ جامع مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور اپنی عادت کے مطابق اپنے حال میں مستغرق تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید نیند آرہی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ آرام کرنا چاہتے ہیں تو گھر دور نہیں ہے۔ آپ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا کیا تمہارا اس بات پر اعتقاد نہیں ہے کہ ہم نیند سے مبرّا ہیں۔ آپ کے کمالات بھی رشحات میں مفصل درج ہیں۔ آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ جیسے اکابر اولیاء آپ کے مرید وجلیل القدر خلیفہ تھے۔ آپ کا وصال بروز چہارشنبہ سات ماہ جمادی الآخر ۸۰۶ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ زین الدین ابوبکر خوافی قدس سرہٗ

آں گنجینۂ علوم اسرار، آں در جمالِ مطلق بے اختیار، آں مستِ شراب مشرب صافی قطبِ ولایت شیخ زین الدین ابوبکر خوافی قدس سرہٗ۔ آپ بڑے محقق اور رفیع الشان تھے۔ خواجہ محمد پارساؒ آپ کو بہت چاہتے تھے اور خطوط میں ان سے نہایت احترام، اور تواضع سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ نفحات میں دیباچۂ مکتوبات نقل کیا گیا ہے۔ شیخ زین الدینؒ نے بڑی سیاحت کی تھی اور بڑے سخت ریاضات ومجاہدات کئے تھے۔ آپ نے اکثر مشائخ وقت کی صحبت پائی تھی آپ کی تربیت شیخ نور الدین عبدالرحمٰن مصریؒ

کے ہاں ہوئی تھی جو اپنے وقت میں قبلہ طالبین تھے اور مصر میں ارشاد و ہدایت خلق پر مامور تھے۔ آپ کو شیخ جمال الدین یوسف کورانیؒ اور ان کو دو مشائخ یعنی شیخ حسام الدین شمشیریؒ اور شیخ نجم الدین محمود اصفہانیؒ سے فیض حاصل تھا۔ اور یہ دو مشائخ شیخ عبدالصمد نطیریؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ جو شیخ علی بزغش شیرازیؒ کے خلیفہ تھے۔ اور شیخ علی بزغش حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ نفحات میں لکھا ہے کہ شیخ زین الدینؒ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ ابتداء سے لے کر انتہا تک آپ شریعت اور سنت نبوی پر سختی سے قائم رہے اور محققین صوفیاء کے نزدیک یہ سب سے بڑی کرامت ہے۔ شیخ عبدالرحمن مصریؒ نے تربیت دے کر آپ کو مرتبہ تکمیل وارشاد پر پہنچایا اور خلافت دے کر خراسان بھیجا جہاں آپ کا اصلی وطن خاف واقع ہے۔ وہاں جا کر آپ تربیت مریدین میں مشغول ہو گئے اور بڑی شہرت پائی۔ آپ فرماتے ہیں کہ جو خلافت نامہ حضرت شیخ نے مجھے عطا کیا تھا گم ہو گیا اور کئی سال کے بعد جب میں مصر گیا تو شیخ کا وصال ہو چکا تھا لیکن جب میں آپ کے خلوت خانہ میں گیا تو خلافت نامہ جوں کا توں وہاں موجود تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں مصر سے بغداد پہنچا تو جو کلاہ شیخ نے مجھے دیا تھا اور دوسرے مشائخ سے بھی پہنچا تھا میرے ساتھ تھا۔ وہاں سرتاج گیلانی سے میری ملاقات ہوئی تو وہ کلاہ انہوں نے مجھ سے طلب کیا۔ میں نے فقر و درویشی کے احوال کے تحت انہیں دے دیا رات کو خواب میں دیکھا کہ کلاہ میرے ساتھ جھگڑا کر رہا ہے اور جن جن بزرگان کے ہاتھوں سے گذرا تھا ان کے نام گن گن کر کہہ رہا ہے کہ میں فلاں فلاں بزرگان کے پاس رہا اور اب تم نے مجھے ایک شرابی کے حوالہ کر دیا ہے۔ صبح اٹھ کر ان کے ایک ساتھی کے ذریعے مجھے معلوم ہوا کہ وہ شراب خانہ گئے ہوئے ہیں۔ میں نے وہاں جا کر دیکھا تو وہ مست پڑے تھے اور کلاہ اسی طرح ان کے سر پر تھا۔ اس ساتھی نے کلاہ ان کے سر سے اتار کر مجھے دیا۔ نفحات اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ شیخ

احمد درویش سمرقندی شیخ زین الدین کے مرید اور خلیفہ تھے اور مشائخ کے کلمات کو ممبر پر خوب بیان کرتے تھے اور فصوص الحکم کے درس و تدریس میں بھی مشغول رہتے تھے میں نے ان کے ہاتھ سے فصوص کے آخیر میں لکھا دیکھا کہ ماہ ربیع الاول ۸۲۹ھ میں درویش آباد میں خلوت گزین ہوا۔ خلوت کی دوسری شب میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے سفید پوشاک زیب تن کی ہوئی تھی اور سیاہ بالوں کو شانہ لگائے عصا ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ آپ نے میری گردن میں زنبیل ڈالی اور شہر ہرات کے بازار غیر دنز آباد میں کچھ "دیر شیأ للہ" فرماتے رہے اور یہ بھی فرمایا کہ اس زمانے میں یہی حلال ترین نعمت ہے اس حالت میں خلفائے راشدین نے میری زنبیل کو جوا ہرات سے بھر دیا۔ اس کے بعد دوبارہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فصوص الحکم کا درس دینے کا حکم فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور فرعون کے حق میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہی کہو جو (کتاب میں) لکھا ہے۔ اس کے بعد عرض کیا کہ وجود کے متعلق کیا فرمان ہے آپ نے فرمایا تم نے نہیں دیکھا کہ اس میں لکھا ہے کہ وجود قدیم میں قدیم ہے اور حادث میں حادث ہے۔

نفحات میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ زین الدین کو آخیر حیات میں ایسا وقت آیا کہ تین شبانہ روز آپ اپنے آپ سے بالکل گم تھے۔ اس حالت سے نکلنے کے بعد ایک سال کے قریب خاموش رہے اور بہت کم بات کرتے تھے ایک دن آپ نے درویش احمد سمرقندی سے پوچھا کہ کیا تم نے کسی جگہ دیکھا ہے کہ جذبات کا غلبہ ہو اور جذبات پے در پے وارد ہوتے ہوں اور بالکل منقطع نہ ہوں۔ درویش احمد نے جواب دیا کہ میں نے ایسی کوئی جگہ نہیں دیکھی۔ شیخ زین الدین ابوبکرؒ نے شب یکشنبہ دو شوال ۸۳۸ھ کو مرزا شاہ رخ بن امیر تیمور قصبہ مالین نزد ہرات وفات پائی وہاں سے آپ کو درویش آباد لے گئے اور شہر ہرات کی عیدگاہ کے قریب دفن کیا۔

حضرت مولانا زین الدین ابوبکر تائبادی قدس سرہ

آپ شیخ زین الدین ابوبکر خوانیؒ سے پہلے تھے بڑے باکمال اور عالی مقام تھے۔ ظاہر میں آپ مولانا نظام الدین مروی کے شاگرد تھے اور باطن میں اویسی تھے اور مولانا احمد جامی کی روحانیت سے تربیت حاصل کی تھی۔
نفحات میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ مکہ معظمہ جاتے ہوئے تابیاد تشریف لے گئے اور مولانا زین الدینؒ سے ملے۔ تین دن ان کے ہاں قیام فرمایا۔ آپ کا حال بہت اعلےٰ تھا۔ امیر تیمور آپ کا مرید تھا۔ ماہ محرم ۷۹۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ اور تابیاد میں دفن ہوئے۔

حضرت شیخ سراج الدین عالم ملتانی قدس سرہ

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ شیخ زین الدین ابوبکر خوانی کے خلیفہ تھے آپ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے۔ آپ کا اصلی وطن ملتان تھا اور ہرات میں آپ نے پرورش پائی تھی۔ حضرت شیخ کے بعد آپ کی مسند پر بیٹھے۔ اور مریدین کی تربیت میں مشغول ہوئے۔ شیخ زین الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہزاروں آدمی میرے مرید ہوئے لیکن سراج الدین کی طرح کسی نے میری رضا جوئی نہیں کی۔ اس نے سالہا سال میرے در کی مجاورت کی اور خدمت میں مشغول رہا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جن اولیا اللہ کے متعلق علم ہے کہ ولی اللہ ہیں ان میں سے ایک شیخ سراج الدین ملتانی ہیں۔ آخر عمر میں آپ ہندوستان واپس آ گئے۔ آپ کا مزار علاقہ نہر والہ قدیم پٹن گجرات میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت قوام الدین سنجانی قدس سرہٗ

صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ قصبہ سنجان خواف کے رہنے والے تھے۔ آپ سرکاری افسر تھے اور سنجان کا نظم و نسق اور جمع خرچ آپ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ کے دل میں اچانک طلب حق پیدا ہوئی اور سب کچھ ترک کر کے سلوک میں مشغول ہو گئے نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ نے مولانا جلال الدین رومیؒ کی بعض غزلیات کا جواب لکھا اور ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام جنون ہم مجانین تھا۔ اس کتاب میں انہوں نے نہایت عمدہ کلمات لکھے ہیں۔ آپ شیخ زین الدین خوافیؒ کے ہم عصر تھے ان دونوں بزرگان کے درمیان خط و کتابت رہی ہے جس کا مفصل ذکر نفحات میں آیا ہے مولانا سخی قہستانی نے آپ کی تاریخ وصال یوں بیان کی ہے ؎

امیر تارک سالک قوام ملت دین — کہ در طریق طلب مثل شاہ ادہم بود
بسال ہفصد و سی و چہار میلادش — بسلخ روزہ و آغاز عید عالم بود
شب مفارقتش بر شہور ہشتصد و ہشت — بر اقتضائے قضا پنج شب مقدم بود

رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت میر سید قاسم انوار قدس سرہٗ

آں محقق کارہائے دیدہ، آں در پردہ ملامت جام دجال چشیدہ، آں معدان عشق و اسرار، مست آجید میر سید قاسم انوار قدس سرہٗ۔

آپ کو شاہ قاسم تبریزی بھی کہتے ہیں۔ اوائل حال میں آپ شیخ صدر الدین بن شیخ صفی الدین اردبیلی کے مرید ہوئے انکا ذکر پہلے طبقہ میں ہو چکا ہے اسکے بعد شیخ صدر الدین علی بی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو شیخ اوحد کرمانی کے خلیفہ تھے۔ نفحات میں لکھا ہے کہ لوگوں کے درمیان میر سید قاسم کی قبولیت اور انکار کے متعلق اختلاف

ہے (یعنی بعض لوگ آپ کی ولایت کے قائل ہیں اور بعض قائل نہیں) بہر حال دو چیزیں آپ کی یادگار باقی ہیں ایک آپ کا دیوان جو حقائق و معارف کشف و عرفان، اور ذوق و وجدان، سے لبریز اشعار پر مشتمل ہے دوسرے وہ جماعت جو اپنے آپ کو ان سے منسوب کرتی ہے یہ لوگ مرید بتاتے ہیں ظاہراً ان سے غیر اسلامی افعال صادر ہوتے ہیں لیکن شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرب توحید کا آپ پر غلبہ تھا اور جمیع امور میں آپ کی نظر مبداء پر تھی (یعنی ذات حق پر) اس وجہ سے آپ ہر قسم کے اعتراضات سے بالا تر ہو کر رہتے تھے۔ آپ کی طبیعت مائل بہ کرم تھی اس لئے جس قدر فتوح ہوتی تھی لنگر میں خرچ کر دیتے تھے اور نفس پرست لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے اور آپ کے ظاہری اقوال کے معتقد تھے۔ لیکن آپ کی ذات اس سے بالا تر تھی۔ نفحات کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ خواجہ ناصرالدین عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ جب میں میر سید قاسم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا ایسا نظر آتا تھا۔ کہ ساری کائنات آپ کے گرد گھوم کر آپ کے اندر سما رہی ہے۔

نیز خواجہ عبداللہ فرماتے ہیں کہ میر قاسم کے دادا نے حضرت خواجہ نقشبندؒ کی صحبت پائی تھی اور ان کے مسلک پر تھے۔ اس سے پایا جاتا کہ میر سید قاسم کا طریق بھی وہی تھا۔ غرضیکہ میر سید قاسم کے کرامات و کمالات بہت مشہور ہیں۔

جب بادشاہ وقت کو جامع مسجد ہرات میں کسی نے زخم لگایا تو آپ اس ہنگامے سے گریز کر کے بلخ و سمرقند چلے گئے اور وہاں سے آکر جام میں سکونت اختیار کر لی۔ آخر ۸۳۷ھ میں وصال پایا۔ آپ کا مزار خرجرد جام میں زیارت گاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ کمال خجندی قدس سرہ

صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ بڑے بزرگ تھے اور شعر و سخن میں اس لیے مشغول رہتے تھے کہ پوشیدہ رہیں۔ بلکہ شاید اس لئے کہ ظاہر

پر باطن کا غلبہ رہے اور عبودیت کی صورت ملحوظ رکھی جا سکے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

این تکلفہائے من در شعر من۔ کَلِّمِیْنِیْ یَا حُمَیْرَا ایں است

(یعنی شعر و سخن میں میرا مشغول رہنا کَلِّمِیْنِیْ یَا حُمَیْرَا ہے)

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب غلبہ حال ہوتا تھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جن کا دوسرا نام حمیرا تھا فرماتے تھے کہ مجھ سے باتیں کرو۔ چنانچہ ان کی باتوں کی وجہ سے آپ استغراق ذات سے نکل کر عالم محو میں آجاتے تھے۔ اسی طرح شیخ کمال کا شعر و سخن سے بھی یہی مقصد تھا کہ محویت ذات سے نکل کر ہوشیاری میں آنے کا موقعہ ملتا رہے)

آپ ہمیشہ ریاضات و مجاہدات میں رہتے تھے اور مشرب ابدالان کے مطابق گوشت نہیں کھاتے تھے۔ آپ کے کرامات بہت مشہور ہیں وہاں ایک موضع تھا جو ہمیشہ دریا کی طغیانی سے غرق ہو جاتا تھا۔ جب سیلاب کا موسم آنے لگا تو لوگوں نے امداد طلب کی۔ فرمایا اس سال میرا خیمہ اس موضع میں لگا دو۔ چنانچہ دریا کو طغیانی آئی لیکن وہاں کوئی نقصان نہ ہوا۔ شیخ زین الدین خوانی فرماتے ہیں کہ میں ان کی خدمت میں تبریز جایا کرتا تھا اور آپ مجھے طریقت کی تلقین کیا کرتے تھے۔ نفحات میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کا ایک خلوت خانہ تھا جہاں ہمیشہ مشغول رہتے تھے اور دوسرا کوئی شخص وہاں نہیں جاتا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد جب دیکھا گیا تو اس کے اندر ایک بوریا اور پتھر کے سوا جس پر آپ سر رکھتے تھے کچھ نہ تھا۔ آپ کی وفات ۷۰۳ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار تبریز میں ہے آپ کی قبر پر یہ شعر لکھا ہوا ہے ؎

کمال از کعبہ رفتی بر در یار ہزارت آفریں، مردانہ رفتی

(اے کمال تو کعبہ سے جا کر دوست کے در پر پہنچ گیا۔ تجھ پر ہزار آفریں کہ مردوں کی طرح گیا) رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرۃ مولانا محمد المعروف مغربی قدس سرہٗ

صاحب نفحات فرماتے ہیں کہ آپ شیخ اسماعیل سیبی کے مرید تھے اور وہ شیخ نور الدین عبد الرحمٰن اسفرائنی کے کہ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے سیر و سیاحت کرتے ہوئے آپ مغرب (الجزائر و مراکش) جا پہنچے۔ وہاں آپ نے ایک بزرگ سے خرقہ خلافت حاصل کیا جن کی نسبت شیخ محی الدین ابن عربیؒ سے تھی۔ آپ شیخ کمال خجندیؒ کے ہم عصر تھے اور اکثر ہم صحبت بھی ہوتے تھے۔ اس زمانے میں شیخ کمالؒ نے یہ مطلع کہا تھا ؎

چشم گر اینست و ابروایں و نازو عشوہ ایں　　الوداع اے زہد و تقویٰ الفراق اے عقل و دین

(اگر دوست کی چشم جادو اثر اور ابرو اور عشوہ غمزہ اسی طرح رہے تو زہد و تقویٰ اور عقل و دین کو ہم الوداع کہتے ہیں)

جب مولانا مغربیؒ نے یہ شعر سنا تو فرمایا کہ شیخ کمال بڑے بزرگ ہیں وہ ایسے شعر کیوں کہتے ہیں کہ جن سے سوائے مجاز کے اور کوئی مضمون نہ نکل سکے۔

شیخ کمال کو یہ بات معلوم ہوئی تو ایک دفعہ دوران ملاقات فرمایا کہ چشم عین (آنکھ) ہے اور عین سے اشارہ عین ذات کی طرف ہے اور ابرو چونکہ آنکھ پر یا عین ذات پر پردہ ہے اس لئے اس سے مراد صفات ہیں۔ جو ذات پر حجاب ہیں۔ جب مولانا مغربی نے یہ توضیح سنی تو تواضع سے پیش آئے اور داد دی۔ (احقر مترجم کا خیال یہ ہے کہ یہ شعر بذات خود حقیقت سے لبریز ہے معلوم نہیں مولانا مغربی کو کیوں اعتراض کی ضرورت محسوس ہوئی اور حضرت شیخ کمال نے دور افتادہ تفسیر سے کیوں کام لیا؟)

چشم، ابرو، اور ناز و عشوہ سے مراد تعینات ہیں جو صفات باری تعالےٰ ہیں۔ یعنی محبوب حقیقی کے حسن و جمال کا جو تمام تعینات پر بکھرا ہوا ہے یہ عالم ہے کہ مشاہدہ کرتے ہی ہم عقل و ہوش کھو بیٹھتے ہیں اور عقل گم ہوتے ہی تکلف

شریعت سے آزاد ہوکر دین کو بھی الوداع کہہ دیتے ہیں اور ذات میں محو اور مستغرق ہو جاتے ہیں اور یہ مقام فنافی اللہ ہے۔

اگر چشم وابرو سے مراد تعینات عالم بھی لی جائے تب بھی شعر کے یہ معنی واضح ہیں کہ جب محبوب حقیقی کے حسن وجمال پر نظر پڑتی ہے تو عقل وہوش گم ہو جائے اور یہی فنافی اللہ ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

آتش رخسار گل خرمن بلبل ہو بخت ... چہرۂ خنداں شمع آفت پروانہ شدہ

نیز مست گشتم از دو چشم ساقی پیمانہ نوش ... الوداع اے ننگ و ہستی الفراق اے عقل و ہوش (مترجم)

ایک دفعہ شیخ اسماعیل سیبیؒ درویشوں کو چلے میں بٹھا رہے تھے آپ نے مولانا مغربی کو بھی طلب فرمایا۔ مولانا مغربی نے یہ غزل پیش کی ؎

۱۔ ما مہر تو دیدیم ز ذرات گذشتیم ... از جملہ جہاں از پئے آں ذات گذشتیم

۲۔ در خلوت تاریک ریاضات کشیدیم ... در واقعہ از سبع سموات گذشتیم

۳۔ دیدیم کہ ایں ہا ہمہ خواب است وخیالات ... مردانہ ازیں خواب وخیالات گذشتیم

۴۔ با ما سخن از کشف وکرامات مگوئید ... چوں از سر کشف وکرامات گذشتیم

۵۔ اے شیخ اگر جملہ کمالات تو اینست ... خوش باش کزیں جملہ کمالات گذشتیم

۶۔ ایں جا بحقیقت ہمہ آفات طریق اند ... ما در طلب از جملہ آفات گذشتیم

۷۔ ما از پئے نورے کہ بود مشرق انوار ... از مغربی و کوکب و مشکات گذشتیم

ترجمہ: ا (ہم نے اب آفتاب عالم تاب کا مشاہدہ کر لیا ہے اور ذرات سے گذر چکے ہیں یعنی چھوٹے موٹے تعینات کائنات سے گذر کر ذات احدیت تک رسائی حاصل کر چکے ہیں اور سارا جہان چھوڑ کر اس ذات (باری تک) پہنچ چکے ہیں۔

۲۔ تنگ وتاریک خلوت گاہوں میں مجاہدات کرکے اب ہم سات آسمانوں سے گذر چکے ہیں۔

۳۔ یہ دنیا خواب وخیالات کا مجموعہ ہے ہم مردانہ وار اس خواب وخیال کو چھوڑ کر واجب الوجود ہستی تک پہنچ چکے ہیں۔

۴۔ ہمارے ساتھ کشف و کرامات کے متعلق گفتگو مت کرو کیونکہ یہ عالم صفات سے متعلق ہے اب ہم عالم صفات سے گذر کر ذاتِ حق میں رسائی حاصل کر چکے ہیں!

۵۔ اے شیخ اگر آپ کے سب کمالات یہی ہیں یعنی کشف و کرامات تو آپ ان سے خوش رہیں ہم تو ان کمالات کو پیچھے چھوڑ کر ذات حق تک پہنچ گئے ہیں۔

۶۔ اس دنیا کی ہر چیز دوست تمہے راستے میں آفت ہے لیکن ہم طلب صادق رکھتے تھے ان آفات سے گذر چکے ہیں

۷۔ ہم اس ایک نور کی خاطر جو مشرق الانوار ہے۔ یعنی جہاں سے سب انوار نکلتے ہیں مغربی اور کوکب اور مشکات سے گذر چکے ہیں۔ مغربی شاعر کا تخلص بھی ہے اور سورج کو بھی مغربی کہتے ہیں کیونکہ آخیر میں سورج مغرب میں چلا جاتا ہے نیز اس شعر میں آیۃ کریمۃ اللہ نور السمٰوٰت والارض کی طرف اشارہ ہے جس میں کوکب، شرقی غربی اور مشکواۃ کا ذکر ہے شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمام سمات دجوانب اور مکان و زمان کی قید سے آزاد ہو کر اس ایک نور مطلق کو پا چکے ہیں جس سے تمام انوار نکلتے ہیں (دیوان مغربی جو احقر مترجم کے پاس ہے کے ملاحظہ سے معلوم ہوا کہ یہ غزل بہت طویل ہے لیکن یہاں مؤلف نے صرف سات اشعار پر اکتفا کیا ہے)

شیخ اسمٰعیل سیسیؒ نے جب یہ غزل سنی تو خوش ہوئے اور آفرین دی۔ شیخ مغربی کی تصانیف میں سے ایک رسالہ بھی ہے جس کا نام جام جہان نما ہے یہ رسالہ آپ کے بلند مقام پر دلالت کرتا ہے۔

آپ کا وصال ساٹھ سال کی عمر میں میر سید نعمت اللہ ولیؒ اور مرزا شاہ رخ بن امیر تیمور کے زمانے میں ۸۰۹ھ میں ہوا رحمۃ اللہ علیہ

حضرت میر سید نعمت اللہ ولی

آں شاہ باز عالم جبروت، آں مستقیم گشتہ بمقام لاہوت، آں نتیجہ انوار امیر المومنین علیؑ، سلطان الفقراء امیر سید نعمت اللہ ولی قدس سرہٗ۔ آپ بزرگترین محققان صوفیہ اہل صفا تھے اور اس راستے میں اپنے اجداد کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ آپ ہر چیز سے مستغنی رہتے تھے۔ تذکرہ دولت شاہی میں لکھا ہے کہ آپ نے بے شمار اکابر اولیا سے تربیت حاصل کی۔ لیکن آپ کی بیعت حضرت امام عبداللہ یافعیؒ سے تھی۔ آپ کا فتحباب بلخ کے نواح میں ایک پہاڑ پر ہوا تھا۔ یہ پہاڑ رجال اللہ کی منزل گاہ مشہور ہے اور اسی جگہ آپ نے پہلا چلہ کیا تھا۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں کہ ؎

ظاہرم اندر کہستان باطنم در کوہ صاف — صوفیانِ صاف را صد مرحبا باید زدن

(میرا ظاہر یعنی جسم کہستان میں ہے اور باطن کوہ پاک میں یعنی ذات حق میں ہے لہذا صوفیان پاک کو صد آفرین کہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں)

مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ آپ امام عبداللہ یافعیؒ کے مرید تھے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے امیر سید نعمت اللہؒ نے شیخ صدر الدین شیرازیؒ کی صحبت بھی پائی ہے آپ کو حکام اور اہل دنیا کی طرف کثرت سے تحائف اور نذرانے پیش ہوتے تھے۔ آپ اس میں سے خود بھی کھاتے تھے اور مستحقین کو بھی دیتے تھے ایک دفعہ مرزا شاہ رخ نے آپ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے آپ مشتبہ غذا کھاتے ہیں اس میں کیا حکمت ہے آنحضرت نے یہ شعر لکھ کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا ؎

گر شود چوں جملہ مالا مال۔ — کے خورد مرد خدا الا حلال

(اگرچہ مالا مال کیوں نہ ہو جائے۔ لیکن مرد خدا ہمیشہ حلال کھاتا ہے)

مرزا شاہ رخ اس سے مطمئن نہ ہوا اور ہمیشہ آپ کا امتحان لینے کے

در پے ہو گیا۔

ایک دن اس نے کسی کی بکری غصب کر کے پکوائی اور آپ کو کھانے پر بلایا آپ نے بلا تکلف بکری کا گوشت کھا لیا۔ بادشاہ نے کہا آپ نے مشتبہ گوشت کیوں کھایا ہے آپ نے فرمایا تحقیقات کرنی چاہیئے کہ یہ گوشت کہاں سے آیا ہے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بکری کے مالک نے وہ بکری میر سید نعمت اللہ ولی کے لیے نذر کر رکھی تھی لیکن بادشاہ کے نوکروں نے اسے زبردستی اٹھا لیا تھا اس وقت بادشاہ کو معلوم ہوا کہ حق تعالےٰ اولیاء اللہ کے باطن کو حرام سے محفوظ رکھتے تھے۔ چنانچہ اس نے معافی طلب کی اور وعدہ کیا کہ آیندہ کبھی بزرگوں کی آزمائش نہیں کروں گا۔ آپ کے ہرات جانے کا سبب یہ تھا اہل کرمان نے آپ پر قسم و قسم کی تہمتیں لگائیں۔ مرزا شاہ رخ۔ آپ کی امداد کر رہا تھا۔ آپ کے کمالات قیاس سے باہر ہیں۔ ایک بزرگ نے آپ کی شان میں یوں کہا ہے ؎

دست در ہند قدر ماہان۔ ایں چنیں بخشش کنند شاہاں

(ہاتھ ہندوستان میں ہے یعنی ملک ہند آپ کے تصرف میں ہے اور رہائش ماہان میں آپ جسے چاہتے ہیں سلطنت عنایت کرتے ہیں۔ ماہان آپ کی جائے سکونت کا نام ہے)

اور یہ واقعہ اس طرح ہے کہ جب سلطان فیروز شاہ بہمن بادشاہ دکن نے جسکا پایۂ تخت گلبرگہ شریف تھا اپنے بھائی سلطان احمد پر حملہ کر کے شہر بدر کر دیا تو وہ نہایت غم و اندوہ کی حالت میں ندی کے کنارے سر منہ لپیٹے پڑا تھا۔ ناگاہ وہاں ایک عظیم القدر بزرگ ظاہر ہوئے اور بارہ ترکی تاج اس کے سر پر رکھ کر فرمایا کہ اس ملک کی سلطنت میں نے خدا کے حکم سے تجھے دی۔ اٹھ اور شہر کی طرف جا۔ جب وہ اٹھا تو وہ تاج اس کے سر پر تھا اس کے دل کو بہت تقویت ہوئی اور شہر گلبرگہ کی طرف چل پڑا۔ اب کیا تھا جس چھوٹے بڑے کی نظر اس تاج پر پڑتی تھی مطیع و فرمانبردار ہو جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ سلطان فیروز کے تمام امرا اس کے ساتھ مل گئے اور سلطان غیرت کی وجہ سے بیمار ہو کر مر گیا۔ سلطان احمد شاہ پانچ شوال

۸۲۵ھ کو اپنے بھائی کی جگہ تخت نشین ہوا تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ شاہ نعمت اللہ ولی کی مہربانی تھی چنانچہ بادشاہ نے تحفے اور نذرانے آنحضرت کی خدمت میں کر ان کی طرف روانہ کئے اور بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے اپنے فرزند شاہ خلیل اللہ کو دکن کی طرف بھیجا تاکہ اس ملک کو نور ہدایت سے منور کرے۔ جب شاہ خلیل اللہ وہاں پہنچے سلطان احمد شاہ اپنے تمام خویش اور ارا کین کے ساتھ مرید ہو گیا۔ اس کے بعد شاہ خلیل اللہ شہر بدر میں مقیم ہو گئے اور بڑی شہرت پائی۔ آپ کا مزار بھی اسی جگہ ہے سلطان احمد شاہ بارہ سال حکومت کر کے ۸۳۸ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد نو پشت تک اس کی اولاد میں سلطنت رہی اور یہ سب سلاطین شاہ خلیل اللہ کی اولاد کے مرید ہوتے تھے اور اپنی لڑکی کا عقد نکاح بھی سجادہ نشین کے ساتھ کرتے تھے۔

شاہ نعمت اللہ ولی کے بعض فرزندان یزد کی طرف چلے گئے اور وہاں انکی بڑی عزت ہوئی اور شاہان وقت اپنی لڑکیاں ان کے عقد نکاح میں دیتے رہے ان میں سے دو سید زادے جو شاہ عباس صفوی کے بھانجے تھے یعنی میر ظہر الدین اور میر میران نور الدین جہانگیر کے وقت میں ہندوستان آئے اور ان کی بہت عزت و تکریم ہوئی۔

چنانچہ جہانگیر نے اپنے بھائی مرزا دانیال کی لڑکی کی شادی میر ظہر الدین کے ساتھ کر دی جس کے بطن سے مرزا نعمت اللہ وجود میں آیا۔ یہ شہزادہ بہت نیک سیرت ہے میر میران کو بھی اس فقیر نے دیکھا تھا۔ بے حد شریف، بے تکلف اور بلند ہمت تھے اور جہانگیر کے ہاں وہ بہت مکرم تھے۔ اس وقت میر میران کے لڑکے اصالت خان اور خلیل خان بھی خلیفہ وقت شاہجہان کے ہاں بہت معزز ہیں۔ شاہ نعمت اللہ ولی بڑے صاحب کرامت تھے آپ نے شعر بھی کہے ہیں ان میں سے ایک شعر یہ ہے ؎

نعمت اللہ ہست دائم باخدا نعمت از اللہ کے باشد جدا۔

(نعمت اللہ ہر دم باخدا رہتا ہے نعمت خدا کب خدا سے جدا ہو سکتی ہے یعنی نعمت عطا کرتا حق تعالیٰ کی صفت ہے اور صفت و موصوف

ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے)
آپ نے اکثر شعر اہل بیت کی مدحت میں کہے ہیں۔ چنانچہ چند اشعار حسب ذیل ہیں ؎

۱۔	دوشینہ بما درے کشودند	اسرار نہاں بمن نمودند
۲۔	ما عاشق آل مصطفےٰ ایم	پیوستہ گدائے مرتضےٰ ایم
۳۔	داریم وفا بہ آل حیدرؓ	تا ظن نہ بری کہ بے وفا ایم
۴۔	بے گانہ شدیم از خوارج	ما مست ز بادہ خدا ایم
۵۔	در میکدہ شو چو نعمت اللہ	ما مست ز بادہ خدا ایم
۶۔	اندر ازلم چنیں نمودند	ما نیز بخلق مے نمائیم

۷۔ تا ہست علی امام عالی است　　بر مملکتِ دو کون والی است

۱۔ گذشتہ رات مجھ پر دروازہ کھولا گیا اور پوشیدہ رازوں سے مجھے آگاہ کیا گیا۔
۲۔ ہم آل مصطفےٰ کے عاشق ہیں اور ہمیشہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے در کے گدا ہیں۔
۳۔ ہم آلِ حیدر کے وفادار ہیں تو یہ گمان نہ کر کہ ہم بے وفا ہیں۔ ۴۔ ہم خارجیوں سے بے گانہ ہیں کیونکہ آلِ علی کے دوست ہیں۔ ۵۔ میخانہ میں تو بھی نعمت اللہ کی طرح مست ہو جا۔ کیونکہ ہم خدائی شراب سے مست ہیں۔ یعنی مست مئے واحدت۔ ۶۔ جس طرح ہمیں ازل سے دکھایا گیا۔ ہم بھی خلق کو اسی طرح دکھاتے ہیں۔ یعنی جو امور مجھ پر ظاہر ہوئے ہم نے خلق پر ظاہر کر دیئے۔
۷۔ جب تک علی کرم اللہ وجہہٗ ہیں امام عالی مقام ہیں۔ اور دو جہان کے بادشاہ ہیں۔

آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے کلمات کی شرح میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے اور اس میں اس طرح حقائق و معارف بیان کیئے ہیں۔ کہ جس کی نظیر نہیں ملتی اگرچہ شیخ عبدالرزاق کاشی اور دیگر بزرگان نے شروح (جمع شرح) لکھی ہیں۔ لیکن شاہ نعمت اللہ ولی کی شرح سب سے زیادہ ممتاز ہے آپ کی وفات مرزا شاہ رخ بن امیر تیمور کے عہد میں ۸۲۷؁ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۸۳۴؁ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار قصبہ ماہان میں ہے جو ولایت میں ہے۔ آپ کی عمر پچھتر سال سے زائد تھی۔ آپ کا لنگر اور خانقاہ آج تک وہاں کے فقراء و اکابر کے لیئے جاری ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت میر سید صدر الدین راجو قتال قدس سرہٗ

آں معدنِ عشق و انوار، آں مستِ شرابِ بے خمار، آں ہمدم نسیم وصال قطب ولایت میر سیّد صدر الدین راجو قتال قدس سرہٗ۔

صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ آپ اپنے والد حضرت میر سید احمد کبیر کے مرید و خلیفہ تھے۔ اور اپنے بڑے بھائی حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری قدس سرہٗ سے بھی خلافت پائی تھی۔ آپ ان کی وفات کے بعد ان کی مسند پر متمکن ہوئے اور ایک جہان آپ سے فیض یاب ہوا۔ مخدوم جہانیاںؒ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالے نے مجھے خلقت کے ساتھ مشغول کیا اور شیخ راجوؒ کو اپنے ساتھ۔ آپ ہمیشہ عالم استغراق میں رہتے تھے اور خلقت سے میل ملاپ نہیں رکھتے تھے۔ آپ بڑے بلند مرتبہ اور مستجاب الدعوات تھے۔ قہر یا لطف میں سے جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے نکلتا تھا فوراً ہو جاتا تھا۔ تاریخ محمدی میں لکھا ہے کہ مخدوم جہانیان کے سلسلہ کے اکثر لوگ شیخ راجو قتال کے ذریعہ داخل سلسلہ ہوئے۔ اور بعض آپ کے فرزند شیخ ناصر الدین محمودؒ کی وساطت سے شیخ ناصر الدین بن مخدوم جہانیان کی اولاد میں بڑے عالی مقام بزرگ پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ جس وقت مخدوم جہانیان مرض موت میں مبتلا تھے ایک ہندو جس کا نام ناہوںؔ تھا اور فارسی دان تھا سلطان فیروز شاہ کی طرف سے علاقہ اوچ شریف کا حاکم مقرر تھا۔ وہ طبع پرسی کے لیے حاضر ہوا اور یوں عرض پرداز ہوا کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات بابرکات کو صحت بخشے کیونکہ آپ کا وجود مبارک اولیا اللہ کے لیے ایسے ہے جیسے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم انبیاء تھے۔ یہ سن کر آنحضرت شیخ راجو قتال کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اس سخن سے یہ آدمی بحکم شریعت مسلمان ہو گیا ہے۔ پس آپ اور ایک دو مسلمان جو وہاں بیٹھے ہوئے اس بات پر گواہ ہو گئے۔ جب ناہوںؔ مذکور نے مجلس کا یہ رنگ دیکھا تو وہاں سے بھاگ کر دہلی چلا گیا اور سلطان فیروز شاہ سے واقعہ بیان کیا۔ چونکہ

بادشاہ اسے اچھا سمجھتا تھا۔ اس نے قاضیوں سے دریافت کیا کہ اگر یہ بات شریعت اسلام کے مطابق تم پر ثابت ہو جائے تو کیا کرو گے۔ اس نے کہا خواہ کچھ ہو جائے مسلمان نہیں ہوں گا۔ اس اثنا میں مخدوم جہانیاںؒ کا وصال ہو گیا اور شیخ راجو گواہوں کو ساتھ لا کر بادشاہ کے پاس دہلی تشریف لے گئے۔ جب شہر کے قریب پہنچے بادشاہ سمجھ گیا کہ قاضیوں کے سلسلہ میں تشریف لا رہے ہیں چنانچہ بادشاہ نے دو تین بڑے علماء کو بلا کر مشورہ کیا۔ شیخ محمد بن قاضی عبدالمقتدرؒ بڑے دانشمند اور تیز طبع تھے۔ انہوں نے کہا چونکہ آپ شیخ کے استقبال کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں پہلی ملاقات میں ان سے دریافت کریں کہ حضرت اس کافر کے سلسلہ میں تشریف لائے ہیں جب شیخ اس بات کا اقرار کریں کہ ہاں اس کافر کے سلسلہ میں آیا ہوں تو میں بحث میں شامل ہو جاؤں گا بادشاہ کو یہ بات پسند آئی اور شیخ محمد کو ساتھ لے کر شیخ کے استقبال کے لیے روانہ ہوئے۔ جب ملاقات ہوئی تو بادشاہ نے پوچھا کہ حضرت اس کافر کے سلسلہ میں تشریف لائے ہیں آپ نے فرمایا ہاں اس مسلمان کے سلسلہ میں آیا ہوں یہ سن کر شیخ محمد نے کہا کہ ابھی اس کا اسلام شریعت کی رو سے ثابت نہیں ہوا۔ شیخ راجو قتال کی غیرت جوش میں آئی۔ فرمایا مخدوم زادہ! تمہاری اس بات سے دیانت کی بو نہیں آتی۔ جاؤ اپنے کفن کا بندوبست کرو۔ اس کے فوراً بعد اس کے پیٹ میں سخت درد پیدا ہوا اور گھر چلا گیا۔ قاضی عبدالمقتدر نے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری یہی ایک آنکھ (اکلوتا بیٹا) ہے اسے معاف فرما دیں۔ شیخ نے فرمایا اس کا کام تمام ہو چکا ہے لیکن اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا جو اہل تقویٰ ہو گا چنانچہ شیخ محمد فوت ہو گئے۔ ان کی بیوی حاملہ تھیں ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ابوالفتح رکھا گیا ان کا مزار جون پور میں ہے۔ ان کے حالات اپنی جگہ پر آ رہے ہیں۔ کتاب مکارم اخلاق میں شیخ ابوالفتح اپنے والد کا نام شیخ عبدالحی بتاتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے والد ان سے پہلے وفات پا گئے تھے واللہ اعلم بالصواب

الغرض وہ تناہسن گواہوں کی شہادت کے باوجود اسلام نہ لایا۔ اس لئے اسے قتل کردیا گیا۔ (اس لیے کہ شریعت کی رُو سے مسلمان ہوکر مرتد ہوگیا) اور مرتد کی سزا قتل ہے) اس کے بعد شیخ راجو قتال ؒ اپنے وطن واپس تشریف لے گئے۔

جِنّ کا مُسلمان ہونا

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک جن مخدوم جہانیان ؒ کی خدمت میں آکر مسلمان ہوگیا اور مرید ہوا۔ آنحضرت نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ تھوڑے عرصے میں اس کی شہرت بڑھ گئی اور قوم جنات میں اس کا بہت چرچا ہونے لگا۔ اسی دفعہ وہ جن حضرت راجو قتال ؒ کی خدمت میں جا کر تسبیح کرنے لگا۔ اسی وقت نیچے گر پڑا اور چلانے لگا کہ "میں جل گیا جل گیا"۔ لوگوں نے پانی کی مشکیں بھر کر اس پر گرائیں لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا اور اسی وقت مر گیا۔ اس قسم کی کرامات آپ سے بہت مشہور ہیں اور آپ کے کمالات اظہر من الشمس ہیں۔ آپ سلطان فیروز شاہ کے عہد سے لے کر مبارک شاہ بن خضر خان کے عہد تک مخدوم جہانیان کی مسند پر متمکن رہے اور سجادگی کا حق ادا کرتے رہے۔ آپ کے اکثر مرید مرتبہ خلافت وارشاد کو پہنچے آپ کا مزار بھی **اوچ شریف** میں زیارت گاہ خلق ہے آپ کا وصال شب تاریخ سہ شنبہ سولہ جمادی الآخر ۸۲۷ھ ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (اس علاقے میں آپ حضرت راجن قتال ؒ کے نام سے موسوم ہیں) ہمارے حضرت مولانا سید محمدؒ ذوقی شاہ صاحب جو مخدوم جہانیان کی اولاد میں سے ہیں فرمایا کرتے تھے کہ آپ قتال اس لیے کہلاتے ہیں کہ مریدین سے نہایت سخت مجاہدہ لیتے تھے)

خضر خاں

خضر خاں کے حالات تاریخ نظامی میں یوں لکھے گئے ہیں کہ ملک مردان دولت شاہ سلطان فیروز شاہ کے اکابر ارکین سلطنت میں سے تھا۔ ملک سلیمان یعنی خضر خان کے والد کو اس نے ایام طفولیت میں اپنا فرزند بنا رکھا تھا۔ ایک دن ملک مردان شاہ نے حضرت مخدوم جہانیان

کو اپنے مکان پر دعوت دی - اور ملک سلیمان ہاتھ دھلانے کی خدمت پر تعینات ہوئے - حضرت مخدوم جہانیاں نے ملک سلیمان خان کو دیکھ کر فرمایا یہ جوان سید زادہ اس خدمت کے لائق نہیں - یہ سن کر تمام اہل مجلس نے ان کی سیادت کی تصدیق کی اور اس روز سے ان کی عزت بڑھ گئی کچھ عرصہ بعد سلطان فیروز شاہ نے ملک مردان دولت شاہ کو ملتان کا حاکم مقرر کیا - اس کی وفات کے بعد ملک سلیمان حاکم ہؤا - وہ بھی تھوڑا عرصہ حکومت کرنے کے بعد فوت ہوگیا اور خضر خان حاکم ملتان ہؤا - اس وقت سے وہ سلطان فیروز شاہ کے اکابر ارکین میں شمار ہونے لگا - جب سلطان محمود بن سلطان محمد بن سلطان فیروز شاہ فوت ہوگیا اور اس کے بعد کوئی شخص سلطنت کے قابل نہ رہا تو خضر خاں نے ملتان میں لشکر جمع کر کے دہلی پر حملہ کیا اور پندرہ ربیع الاول ۸۱۷ھ کو دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا لیکن کمال ادب سے اس نے سلطنت اپنے نام پر نہ کی بلکہ خطبہ اور سکہ مرزا شاہ رخ بن امیر تیمور کے نام پر جاری کیا اور اپنے آپ کو مسند عالی (وزیر اعظم) خضر خاں کا خطاب دیا - سبحان اللہ! حضرت مخدوم جہانیاں کی ایک نگاہ کرم سے وہ اس مقام پر پہنچا - اس کی اولاد تین پشت تک سلطنت کرتی رہی - خضر خاں مرد صالح اور صادق القول تھا اور نہایت پسندیدہ اخلاق اور پاک طینت تھا - اس کی بزرگی اس کے عالی نسب پر دلالت کرتی ہے اس نے ستائیس سال حکومت کرنے کے بعد سترہ جمادی الاول ۸۲۴ھ کو وفات پائی - اس کے بعد سلطان علاؤالدین نے سات سال حکومت کی اور سلطان بہلول لودھی ہندوستان کا بادشاہ بن گیا -

حضرت شیخ کبیر الدین اسماعیل قدس سرہ

آپ شیخ راجو قتال کے اکابر خلفاء میں سے تھے آپ مشرب اہل تصوف میں ممتاز تھے صاحب سیر العارفین نے لکھا ہے کہ وفات کے وقت آپ نے اپنے دونوں لڑکوں یعنی شیخ عبدالشکور اور عبدالغفور کو طلب کر کے اپنا پیرہن پہنایا اور فرمایا کہ جب کوئی مشکل پیش آئے تو میری قبر کی طرف متوجہ ہو جانا مشکل آسان ہو جائے گی -

حضرت شیخ سراج الدین سوختہؒ

آں ہمچناں تقوی و صلاح آراستہ آں انوار کشف بپیرایۂ خود ساختہ، آں خرقۂ وجود را با پیوند فقر دوختہ، مقتدائے وقت شیخ سراج الدین سوختہ قدس سرہٗ۔
آپ بڑے بزرگ تھے۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ ابتدائے حال سے حضرت مخدوم جہانیانؒ کی خدمت میں پیوست ہو گئے تھے اور مدت تک آپ سے تربیت حاصل کرتے رہے آپ آنحضرت کی کمال شفقت کی وجہ سے دوسرے امام جنہوں نے صرف علم ظاہری حاصل کیا تھا آپ کا رشک کرتے تھے۔ آنحضرت نے روشن ضمیری سے ان کے قلوب سے آگاہ ہو کر فرمایا کہ سراج جب تک کعبہ کو نہیں دیکھ لیتا تکبیر تحریمہ نہیں کہتا۔ کہتے ہیں کہ آپ صاحب کشف و کرامات تھے لیکن اخفائے راز میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔

شیخ بدیع الدین شاہ مدارؒ

اخبار الاخیار میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ بدیع الدین المعروف شاہ مدار قدس سرہٗ ہر مز سے آکر کالپی میں مقیم ہوئے۔ آپ کا طریق جذب الخلائق تھا۔ ہر خاص و عام آپ کا گرویدہ تھا۔ آپ کے بعض امور خلاف شریعت معلوم ہوتے تھے۔ اس وقت قادر شاہ بن سلطان محمود کالپی کا حکمران تھا۔ شاہ مدارؒ کی شہرت دیکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن آنحضرت کے خادموں نے کہا یہ ملاقات کا وقت نہیں ہے اور نہ ہی اس وقت ہم اطلاع دے سکتے ہیں۔ کسی نے قادر شاہ سے یہ بھی کہہ دیا کہ شاہ مدار اس وقت کسی جوگی کے ساتھ خلوت میں ہیں۔ یہ سن کر وہ غضب ناک ہوا اور آپ کے خادموں سے کہا کہ اپنے مخدوم کو کہہ دو کہ یہاں سے چلا جائے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر چلا گیا۔ جب یہ بات شاہ مدار کو معلوم ہوئی تو باہر تشریف لائے اور ندی کے کنارے بیٹھ کر اس کے حق میں بددعا کی۔ آپ نے خادم سے کہا کہ تین دن

تک انتظار کرو اس کے بعد وہاں جاکر معلوم کرنا کہ کیا حال ہے۔ ادھر جونہی قادر شاہ وہاں سے رخصت ہوا اس کے جسم پر آبلے نکل آئے اور درد سے بے چین ہو کر شیخ سراج الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور آبلے ختم ہو گئے۔ شاہ مدار کے خادم نے جاکر سارا ماجرا آنحضرت سے بیان کیا۔ اخبار الاخیار میں یہاں تک حکایت بیان کی گئی ہے لیکن دوسری روایات سے یہ پایا جاتا ہے کہ یہ خبر سنتے ہی شاہ مدار نے فرمایا "سراج کیوں نہ جل گیا" جونہی آپ کی زبان سے یہ کلمات نکلے شیخ سراج الدین کے جسم پر آبلے نمودار ہوئے اور اسی عارضہ سے ان کا انتقال ہو گیا۔ گویا انہوں نے اپنے آپ کو قادر شاہ پر قربان کر دیا۔ اسی وجہ سے وہ شیخ سراج الدین سوختہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ بات شیخ سراج الدین کی بلند ہمتی کو ظاہر کرتی ہے۔ غرضیکہ شاہ مدار وہاں سے رخصت ہو کر قنوج کی طرف چلے گئے اور خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین والحق چشتی قدس سرہ کے باطنی اشارہ سے آپ مانک پور میں مقیم ہو گئے۔ اس کے بعد جونپور کی طرف چلے گئے اور اس علاقے کے لوگوں کو فیض پہنچایا اس کے بعد آپ دوبارہ مانکپور تشریف لے گئے اب آپ کی سارے ہندوستان میں شہرت ہو گئی اور آپ کے فیض صحبت سے کافی لوگ مرتبہ تکمیل و ارشاد کو پہنچے۔ آپ کے تقربات حیات و ممات میں برابر ہیں۔ آپ کے مفصل حالات رسالہ صراط صدادی میں درج ہیں۔ یہ شیخ سراج الدین سوختہ" کا مزار کالپی میں ہے۔

حضرت شیخ اخیؒ راج گیری

آں مستِ شراب ساقیٔ مطلق، آں بے اختیار در مشاہدہ حق الحق، آں فارغ از جاہ و شیخی سر حلقہ ابدال مخدوم شیخ اخی راجگیری قدس سرہ۔

آپ کا اسم گرامی جمشید ہے۔ جب آپ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کمال لطف سے آپ کو اخی (بھائی) کہا اس وجہ

سے آپ کا لقب اخی ہوگیا۔ آپ مجرد تھے اور تمام علائق دنیا سے آزاد تھے
آپ کا توکل بڑھا ہوا تھا۔ آپ نہایت قوی حال اور نفس قاطع رکھتے تھے (یعنی
جو بات کہتے تھے وہی ہوجاتا تھا) شیخ اخی جمشید قدوائی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اس
قوم کا سلسلہ نسب انبیاء بنی اسرائیل سے جاملتا ہے۔ آپ کا اصلی وطن موضع
ذیرموت ہے جو پرگنہ دریاآباد میں واقعہ ہے۔ عین عالم شباب میں آپ کے دل
میں طلب حق پیدا ہوئی۔ آپ سب کچھ ترک کرکے مخدوم جہانیاں قدس سرہ کی
خدمت حاضر ہوئے اور سالہا تربیت حاصل کرکے مرتبہ تکمیل وارشاد پر پہنچے۔
اس کے بعد حضرت مخدوم نے اجازت الہامی کے مطابق ان کو جونپور بھیج دیا۔
آپ کو خلقت کے ہجوم سے نفرت تھی اور ہمیشہ استغراق میں مستغرق رہتے تھے
اس لئے شہر قنوج کی سکونت آپ کو موافق نہ آئی اور کئی شہروں کی سیر کرتے ہوئے
آخر موضع راجگیر میں جو دریائے گنگا کے کنارے پر ہے قیام فرمایا کسی بزرگ نے
آپ کے متعلق فرمایا ہے ؎

تا ز قنوج آمدی در راجگیر گشتہ شیدائے تو برنا و پیر۔

(اے شیخ جب سے آپ قنوج سے راجگیر تشریف لائے۔ ہر
چھوٹا بڑا آپ کا شیدائی ہوگیا)

آپ اپنا جمال ولایت لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھتے تھے لیکن کبھی کبھی آپ
سے خوارق عادت بھی سرزد ہوجاتے تھے۔ رفتہ رفتہ آپ کی شہرت اس قدر
ہوگئی کہ سلاطین آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ان میں سے ایک سلطان الشرق
خواجہ جہانیان بادشاہ جونپور ہے جو آپ کے فیض نظر جونپور کا بادشاہ ہوگیا تھا۔ اور
سلاطین شرقیہ اس سے منسوب ہیں۔ ان کا مفصل ذکر میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ
کے حالات میں ہوچکا ہے

غرضیکہ شیخ اخی قرب حق میں اس قدر ممتاز ہوگئے تھے کہ حضرت مخدوم
جہانیان نے اشارہ غیبی پاکر آپ سے دعا درخواست کی۔ شیخ اخی نے نہایت

انکسار سے عرض کیا کہ بندہ کی کیا مجال کہ آنحضرت کے لیے دعا کرے۔ جب حضرت مخدوم نے اصرار کیا تو آپ نے عرض کیا کہ حضرت مخدوم دعا کریں اور بندہ آمین کہے گا۔ آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کا کیا مقام تھا۔ قطب وقت حضرت شیخ نظام الدین امیٹھی قدس سرہٗ حال میں آ کر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ شیخ سعد خیر آبادی صاحب حال تھے اور شیخ اخی راجگیری بے پردہ تھے۔ لیکن ان کمالات اور درجات عالی کے باوجود آپ مشرب عشق اور ذوق وشوق میں بے اختیار تھے اور اہل ظاہر کے تکلفات اور خلق کی مدح وذم (تعریف یا شکایت) کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عاشق صادق اپنی ہستی کو ذات احدیت میں گم کر کے عالم کثرت میں ہر وقت جمال وحدت کا مشاہدہ کرتا ہے اور ہر مظہر (ہر چیز) اور ہر حال میں اس کا ذوق ذات کے سوا اور کوئی مطلوب نہیں ہوتا۔ جب کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ "الحمد للہ الذی خلق الاشیاء وھو عینھا" یعنی تعریف ہے اس ذات پاک کی کہ جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ان کا عین ہے۔ غرضیکہ جب ملک ہندوستان میں ایام نوروز کی طرح ہولی منائی جاتی ہے تو سب اہل ہنود شہر شہر قصبہ بہ قصبہ اور خانہ بخانہ خوشیاں مناتے ہیں اور گاتے بجاتے اور رقص کرتے پھرتے ہیں۔ ایک دفعہ ان ایام میں مخدوم شیخ اخی عالم ذوق وشوق میں بیٹھے وجود مطلق میں مستغرق تھے کہ ہندوؤں کا ایک بڑا گروہ خوب صورت لڑکوں کو بنا سجا کر گاتے بجاتے اور رقص کرتے وہاں سے گزرا یہ دلفریب نظارہ دیکھتے ہی آپ بے اختیار ہو گئے اور اس جماعت کے ساتھ شامل ہو کر گانے اور رقص کرنے لگے اور تین شبانہ روز تک ان کے ساتھ ناچتے کودتے رہے۔ اس سے سارے ملک میں شور برپا ہو گیا اور شہر قنوج اور گرد ونواح کے لوگ جمع ہونے لگے۔ جس شخص کی شیخ اخی پر نظر پڑتی تھی کپڑے پھاڑ کر اس ہنگامے میں شریک ہو جاتا تھا جب شور حد سے زیادہ بڑھ گیا تو شہر کے قاضی مفتی اور اکابر اور بعض ظاہری مشائخ نے جمع ہو کر فتویٰ دے دیا کہ شیخ اخیؒ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا اور اسے سزا دینی چاہیے

تاکہ یہ فتنہ ختم ہو جائے اور شریعت میں رخنہ نہ پڑے جب سب نے دستخط کر دیئے تو محضر نامہ میر سید احمد منجہلی کی خدمت میں لے گئے کیونکہ آپ سب علماء اکابر کے سردار تھے۔ چونکہ میر سید احمد اہل باطن بھی تھے انہوں نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہم لوگ نفس پرست ہو گئے ہیں ہمیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ حق تعالےٰ کے دوستوں کے حال میں مزاحم ہوں۔ پس وہ فتویٰ ختم ہو گیا لیکن اس میں حصہ لینے والے گوناگوں مصائب میں گرفتار ہو گئے اور آج تک ان کی اولاد اس نحوست میں مبتلا ہے اور ان میں سے اکثر گھر بار سمیت تباہ و برباد ہو گئے ہیں۔ ؎

چراغے را کہ یزداں بر فروزد ہر آں کو تف زند ریشش بسوزد

(جو چراغ کہ حق تعالےٰ روشن کرتا ہے اس پر پھونک مارنے والا اپنا چہرہ جلاتا ہے)

لیکن میر سید احمد کو حق تعالےٰ نے اس قہر سے پناہ بخشی اور ان کے اور ان کی آل اولاد کو دولت باطن سے نوازا گیا۔ شیخ اخی نے دعا دی کہ میر سید احمد کی دیگ قیامت تک گرم رہے گی اور اس دعا کا اثر آج تک ظاہر ہے میر سید احمد سلاطین وقت کے ہاں بہت معزز تھے اور ان کے پوتے میر سید صدر الدین بھی سلطان سکندر اور سلطان ابراہیم لودھی کے ہاں بہت معظم و محترم رہے چنانچہ آپ بادشاہوں کی دائیں طرف بیٹھتے تھے تاریخ ابراہیم شاہی میں لکھا ہے کہ میر سید صدر الدین سلطان سکندر لودھی کے عہد کے تمام اکابر و علماء کے سردار تھے۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید عبد الغفار بھی بڑی شان و شوکت سے رہتے تھے ان کے لیے با دن ہزار روپے مقرر تھے اور یہ ساری رقم محتاجوں پر خرچ ہوتی تھی ان کے حق میں شیخ فخر الدین بجلوری فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ! جو ایمان و یقین سید عبد الغفار کو مرغ کا گوشت کھانے اور قسم قسم کی نعمتوں کے ہوتے ہوئے حاصل ہوا ہے مجھے ریاضت و مجاہدہ سے بھی حاصل نہیں ہوا۔ انہوں نے قنوج سے ترک سکونت کر کے قصبہ بھائی میں قیام فرمایا

میر سید صدر جہاں نے بڑی شہرت پائی اور کمالات

ہوئے۔ چنانچہ جلال الدین اکبر کے زمانے میں آپ صاحب نوبت اور سارے ملک کے صدر الصدور تھے اور سارے ہندوستان کے لوگوں پر آپ کے احسانات فراوان ہوئے۔ دنیا کے ساتھ آپ نے عقبیٰ بھی کمائی۔ جیسا کہ کسی نے لکھا ہے ع۔ دنیا خورد و عقبیٰ برد (دنیا کھائی اور عقبیٰ پائی)

آپ کا مزار سہانی میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ آپ کی وفات ۱۰۳۱ھ میں ہوئی۔ آپ کے بعد آپ کے محبوب ترین فرزند میر سید نظام الدین مسند نشین ہوئے آپ کے کمال شجاعت، سخاوت اور خدا پرستی کا یہ عالم تھا کہ سلطان شہاب الدین محمد شاہجہان نے کمال جوہر شناسی سے آپ کو صاحب نوبت اور مرتضیٰ خانی کا خطاب عطا فرمایا ہے اور آج میر سید نظام الدین مرتضیٰ خانی سارے ہندوستان کے لوگوں میں ممتاز اور مکرم ہیں۔ دعا ہے کہ حق تعالےٰ مخدوم شیخ اخی جمشید قدس سرہ کی برکت سے سادات کا خاندان قیامت تک سر سبز رہے۔ یاد رہے کہ میر سید صدر الدین مذکور میر سید کمال ترمذی کی اولاد ہیں جو حادثہ ہلاکو خاں کے وقت ترمذ سے دہلی پہنچے اور سلطان علاؤ الدین خلجی نے انہیں نہایت عزت و اکرام سے کیتھل میں آباد کیا۔ ان سے بہت اولاد وجود میں آئی جن میں سے میر سید صدر الدین کے پر دادا نے شہر قنوج میں سکونت اختیار کی۔ حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ کیتھل کے سادات نہایت صحیح النسب ہیں۔ سید نظام الدین مرتضیٰ خاں کا انتقال ۱۰۶۹ھ میں ہوا اور اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آمدم بر سر مطلب پہلے مدعیوں نے شیخ اخی کے خلاف جو فتویٰ تیار کیا اسے فتوح کے افسران کے پیش کیا لیکن سود مند نہ ہوا۔ اس کے بعد انہوں علمائے جونپور کو لکھا کہ سلطان الشرق کو مطلع کر کے اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کریں اور مخدوم شیخ اخی کی جان بچنے نہ پائے۔ شیخ اخی نے بھی بحکم اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اولو الامر منکم آپنے مشائخ کی موافقت میں سلطان الشرق کو ایک خط لکھا جس سے آپ کا کمال ظاہر ہوتا ہے اس خط کا بادشاہ پر اس قدر اثر ہوا کہ اس پر رقت طاری

ہوگئی اور بارگاہ الٰہی میں سجدہ ہائے شکرانہ ادا کرنے لگا اور آپ کی خدمت میں تحائف ارسال کر کے معافی کا خواستگار ہوا۔ مخدوم اخی راجگیری کی وفات دس شوال سہ شنبہ کو ہوئی اور آپ کا مزار آج تک موضع راجگیر میں حاجت روائے خلق ہے۔

آپ کے گھر میں ایک عورت تھی جس نے چلانا شروع کیا کہ افسوس ایسے بڑے شیخ نے سہ شنبہ جیسے منحوس دن کو وفات پائی ہے۔ ایک دو گھنٹے کے بعد آپ نے کفن سے سر نکال کر کہا اگر تمہارے نزدیک آج کا دن منحوس ہے تو ہم کل اس جہان سے جائیں گے۔ پس آپ نے بدھ کے دن وفات پائی۔ آپ کی وفات کا سال نظر سے نہیں گذرا لیکن آپ سلطان ابراہیم شرقی کے آخر عہد تک قید حیات میں رہے اور سلطان ابراہیم نے تقریباً چالیس برس سلطنت کر کے ۸۴۴ھ میں وفات پائی مخدوم شیخ اخی نے نہ شادی کی تھی نہ آپ کی کوئی اولاد تھی۔ آپ نے اپنے ہمشیرہ زادہ شیخ نور ولد شیخ قیام الدین ساکن موضع دھرامو کو اپنے فرزند کی طرح تربیت فرمائی اور اپنا جانشین مقرر کیا۔ ان سے بہت اولاد وجود میں آئی۔ ان میں سے ایک شیخ فتح اللہ راجگیریؒ سر حلقۂ عاشقاں وعارفان وقت تھے۔ ان کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ قوام الدینؒ

قدوۂ بزرگانِ اربابِ ہدایت، باتفاق ولی صاحبِ ولایت پیشوائے مردان اہل یقین، عارف کامل شیخ قوام الدین قدس سرہٗ بہت بلند مرتبہ اور عالی

مشرب تھے۔ تربیت مریدین میں آپ ماہر فن تھے۔ آپ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے مرید تھے لیکن تربیت اور خلافت حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے حاصل کی تھی۔ آپ کئی برس مخدوم جہانیاںؒ کی خدمت میں رہے اور زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئے۔ آپ نے اکثر مشائخ کی صحبت پائی ہے خاص طور پر آپ حضرت شیخ صدر الدین راجو قتالؒ کے محرم راز تھے شیخ محمد مینا حضرت مخدوم جہانیان کے ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ شیخ قوام الدین ترک و تجرید میں بہت بلند مقام تھے۔ آپ ہرگز اسباب معیشت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن آپ سماع سن رہے تھے لیکن رنگ نہیں جمتا تھا۔ آپ نے گھر جا کر دیکھا کہ شاید سامان دنیا میں سے کوئی چیز گھر آئی ہے تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ گھر میں ایک گڑ کا ٹکڑا پڑا تھا جو آپ کی حاملہ بیوی کے لئے رکھا گیا تھا۔ جب تک آپ نے اس گڑ کو گھر سے نہ نکالا آرام نہ آیا ایک دن آپ خانقاہ سے باہر نکلے کیا دیکھتے ہیں ایک کتا بھوک کے مارے بے چین پڑا ہے آپ نے بلند آواز سے کہا کہ میں اپنے سات حج دو روٹی کے عوض فروخت کرتا ہوں کوئی ہے خریدنے والا۔ ایک آدمی آ گیا۔ آپ نے سات حج کے بدلے اس سے چند روٹیاں لے کر کتے کے آگے ڈال دیں۔ اس سے آپ کے کمالات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جب مخدوم جہانیاںؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے شیخ قوام الدینؒ سے پوچھا کہ اپنے مشائخ کی نعمت و امانت کس کے سپرد کروں۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے بھائی اور خلیفہ شیخ صدر الدین راجو قتال بڑے بلند مقامات پر پہنچ چکے ہیں ان سے بہتر کون ہو سکتا ہے پس آنحضرت نے ان کو اپنا سجادہ نشین مقرر فرمایا نیز آپ نے ایک خرقہ اپنے بیٹے شیخ ناصر الدینؒ کو بھی عطا فرمایا۔ جب سید ناصر الدین کی والدہ کو معلوم ہوا کہ شیخ قوام الدین کے مشورے سے شیخ راجو قتال سجادہ نشین مقرر ہوئے ہیں تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ جس شخص نے یہ مشورہ دیا ہے اس کی اولاد محروم رہے گی۔ یہ سن کر شیخ قوام الدینؒ

پر وجد طاری ہو گیا اور کہنے لگے کہ الحمد للہ انہوں نے میرے ایمان کے متعلق کچھ نہیں فرمایا۔ اگر میری اولاد محروم رہے گی تو میری معنوی اولاد بہت ہے چنانچہ آپ کی روحانی وراثت شیخ بدناؒ کو ملی۔ غرضیکہ مخدوم جہانیان کا وصال ہو گیا۔ ابھی آپ دفن نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق شیخ راجو قتال اور مخدوم جہانیان کے فرزندان کے درمیان سجادگی کے متعلق تنازعہ شروع ہو گیا۔ اور کافی شدومد پیدا ہو گئی۔ اتفاقاً ان ایام میں دو صاحب دل مجذوب اوچ شریف میں رہتے تھے۔ انہوں نے آکر کہا کہ جھگڑا اچھا نہیں ہم مخدوم جہانیانؒ سے دریافت کرتے ہیں۔ جو کچھ آپ فرمائیں گے اس پر عمل کرنا چاہیے چنانچہ انہوں نے آں حضرت کے جنازہ کے سامنے کھڑے ہو کر آپ کی روحانیت سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ اب میرے ہاتھ میں ولایت نہیں رہی لہٰذا اب میرے لیے اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں تم لوگ جو مصلحت دیکھو اسی طرح کرو۔ پس ان بزرگوں نے شیخ راجو قتال سے دریافت کیا کہ آپ کو جو نعمت حضرت مخدوم سے ملی ہے وہ پسند ہے یا خانقاہ حضرت مخدوم کی نعمت ایسی ہے کوئی آپ سے چھین نہیں سکتا۔ خانقاہ آپ کے کس کام کی۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ آپ خانقاہ کو مخدوم کے فرزندان کے لیے چھوڑ دیں۔ شیخ راجوؒ نے یہ بات تسلیم کر لی اور خانقاہ ان کے حوالہ کر دی۔

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ قوام الدین پہلے دہلی میں رہنے لگے چونکہ آپ کے اور شیخ مبارک بجلوریؒ کے درمیان بے حد محبت تھی شیخ مبارکؒ اصرار کر کے آپ کو لکھنؤ لے گئے۔ شیخ بدناؒ لکھتے ہیں کہ شیخ قوام الدین کا ایک نجومی بیٹا تھا جن کا نام نظام الدین تھا۔ جوش شباب میں آکر وہ دہلی چلے گئے اور سلطان محمد بن سلطان فیروز شاہ کے ہاں ملازم ہو گئے۔ بادشاہ نے ان کے والد بزرگوار کا خیال کرتے ہوئے ان پر مہربانی کی اور صاحب علم ونقارہ بنا دیا۔ لیکن حضرت شیخ کو یہ بات پسند نہ آئی اور اپنے لڑکے سے ناراض ہو گئے ایک

دفعہ نظام الدین نقارہ و علم کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے والد کے جماعت خانہ کے صحن میں آئے۔ شیخ کی غیرت فقر جوش میں آئی فرمایا اسے نابرخوردار! قوام الدین کے صحن خانہ میں گھوڑے کا کیا کام۔ دوسرے دن وہ شکار کو گیا اور گھوڑے سے گر کر فوت ہو گیا۔ آپ نے اپنے خادم خاص قطب نامی سے فرمایا کہ میں نے حق تعالےٰ سے درخواست کی ہے کہ اگر میرا کوئی لڑکا نہ ہوا تو شیخ محمد مینا کو اپنے بیٹے کا نعم البدل بنا کر رکھوں گا۔ جب شیخ محمد مینا وجود میں آئے تو شیخ کے بہت منظور نظر ہوئے اور سلسلہ چشتیہ کے لیے باعث رونق ہوئے۔ شیخ نے اپنے فرزند کی طرح ان کی پرورش کی اور اپنی رحلت سے پہلے ان کو خلیفہ مخدوم شیخ سارنگ کے حوالہ کر کے اس جہان فانی سے کوچ ہو گئے۔ شیخ قوام الدین کا مزار لکھنؤ میں زیارت گاہ خلق ہے

مخدوم شیخ سارنگ

آپ شیخ قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ آپ بڑے صاحب کرامت، بلند ہمت اور رفیع الشان تھے۔ ترک و تجرید میں آپ اپنے زمانے میں بے نظیر تھے۔ شیخ مینا ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ آپ اہل ہنود کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اسلام سے مشرف ہوئے جب ان کی بہن کا عقد نکاح سلطان محمد بن فیروز شاہ سے ہوا۔ تو بادشاہ کے ہاں رہنے لگے۔ آپ کو ملک سارنگ کہتے تھے۔ آپ کا شمار بادشاہ کے اراکین دولت میں ہوتا تھا۔ ولایت مالوہ میں شہر سارنگ پور آپ کا آباد کیا ہوا ہے۔ جب مخدوم جہانیاں اور شیخ راجو قتال دہلی تشریف لائے ہوئے تھے اس وقت ملک سارنگ ایک صاحب جمال نوجوان تھے۔ سلطان فیروز شاہ اکثر کھانا اور دیگر اشیاء ملک سارنگ کے ذریعہ حضرت مخدوم کی خدمت ارسال کرتا تھا۔ ایک دن شیخ راجو قتال نے کمال شفقت سے

فرمایا کہ ملک سارنگ اگر تم پنجگانہ نماز پر قائم ہو جاؤ تو میں مخدوم جہانیاں کا پس خوردہ تجھے دیا کروں گا۔ چونکہ آپ کا وقت آچکا تھا یہ بات فوراً قبول کر لی اور پابند نماز ہو گئے۔ ایک دن پھر شیخ راجوؒ نے آپ سے کہا کہ اگر نماز اشراق اور چاشت بھی پڑھو تو میں کھانا تمہارے ساتھ کھایا کروں گا یہ بات بھی آپ نے قبول کر لی۔ ایک دفعہ آپ نے مخدوم جہانیان اور شیخ راجوؒ کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ اس سے نور معرفت آپ کے دل میں سرایت کر گیا اور آپ کی حالت دگرگوں ہو گئی اور چند روز کے بعد شیخ قوام الدین سے بیعت کر لی۔ ابھی آپ امراء کا لباس پہنتے تھے کہ شیخ نے آپ کو مشائخ چشت کے طریق پر شغل باطن تلقین فرمایا جو بہت موثر ثابت ہوا چند روز آپ نے اپنا حال امرا کے لباس میں پوشیدہ رکھا اور اپنے کام میں مشغول رہے۔ جب سلطان محمود بن سلطان محمد کا وقت آیا تو آپ نے یکبارگی اسباب دولت وحشمت ختم کر کے تجرید و تفرید میں قدم رکھا اور اپنے بال بچوں سمیت پیادہ زیارت حرمین شریفین کے لیے ایک قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ چونکہ پیادہ چلنے کی عادت نہ تھی پاؤں میں آبلے پڑ گئے اور قافلے سے پیچھے رہ گئے تیسرے دن آپ آخر شب کو اٹھے اور بال بچوں سے فرمایا کہ آنکھیں بند کر دو اور میرے پیچھے تین قدم چلو۔ جب آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو قافلے کے قریب پایا اور حق تعالےٰ کی مہربانی سے منزل مقصود پر پہنچ گئے کچھ عرصہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ رہنے کے بعد واپس ہندوستان تشریف لائے اور شیخ یوسف بدھ ایرجیؒ جو اپنے وقت کے شیخ الشیوخ تھے کی خدمت میں پیوست ہو گئے اور سالہا تربیت حاصل کر کے مرتبہ کمال کو پہنچے اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ شیخ یوسف بدھ ایرجیؒ کے حالات اپنی جگہ پر آ رہے ہیں اس کے بعد شیخ سارنگ کبھی کبھی اپنے پیر شیخ قوام الدین کی خدمت میں لکھنؤ جاتے اور فیض حاصل کرتے تھے جب مخدوم کی وفات کا وقت

آیا تو فرمایا کہ شیخ سارنگ فی الحقیقت اس وقت موجود نہیں ہے تاکہ اپنے مشائخ کا خرقہ ان کے حوالے کرتا۔ لہٰذا قبر میں ساتھ لے جا رہا ہوں البتہ ایک بے آستین کفن جو فقرائے اہل تجرد کا لباس ہے چھوڑ جاتا ہوں یہ شیخ سارنگ کے حوالہ کر دینا آپ کی وفات کے تیسرے دن شیخ سارنگ پہنچ گئے اور اس کفن کو اپنی موت کا سامان بنا کر رکھ دیا۔ چونکہ آپ کو اپنے پیر سے بے حد محبت تھی لہٰذا ان کے مزار پر رہنا چاہتے تھے لیکن اژدہام (ہجوم) خلق سے آپ کو نفرت تھی اس لیے شہر لکھنؤ سے دو تین کوس دور موضع سارنگپور عرف منجھکنوہ جو پرگنہ فتح پور میں ہے جا کر وہاں ویرانے میں سکونت اختیار کر لی۔ اس اثنا میں شیخ راجو قتالؒ نے بھی مشائخ چشتیہ و سہروردیہ کا خلافت نامہ اور اجازت نامہ آپ کے گھر بھیج دیا۔ اس کے بعد سلاطین وقت نے خانقاہ کے خرچ کے لیے کئی ہزار بیگھے زمین کا پروانہ لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ لیکن آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ اس بلا سے ابھی نجات ملی ہے دوبارہ گرفتار نہیں ہوتا۔ پس آپ نے ہمیشہ فقر و فاقہ میں زندگی بسر کی اور نہایت ہمت و استقلال کے ساتھ رہے۔ آپ کے کرامات و کمالات بے شمار ہیں لیکن اس سے بڑی کیا کرامت ہو سکتی ہے کہ شیخ محمد مینا چشتی بڑے عالی مرتبہ بزرگ آپ کے مرید و خلیفہ تھے۔

شیخ محمد میناؒ

شیخ محمد مینا چشتی بڑے صاحب ذوق و سماع تھے اور مشائخ چشت کے مسلک کو انہوں نے بوجہ احسن اس ملک میں پھیلایا۔ آپ کا تفرقہ قوی تھا (یعنی آپ کا نزول مکمل تھا۔ تفرقہ اس حالت کو کہتے ہیں جب سالک مقام فنا فی اللہ یعنی استغراق ذات سے نکل کر عالم صحو اور ہوشیاری میں نزول کرتا ہے یاد رہے کہ جن بزرگان کا عروج زیادہ بلند ہوتا ان کا نزول بھی زیادہ

مکمل اور قوی ہوتا ہے نزول مکمل نہ ہو تو اکثر ان پر بے خودی چھائی رہتی ہے۔ اور دنیاوی زندگی کے فرائض بوجہ احسن انجام نہیں دے سکتے درحقیقت صاحب کمال بزرگ وہ ہوتے ہیں جن کا تفرقہ یا نزول زیادہ مکمل اور زیادہ قوی ہو۔ اور یہی شان بقائیت یا بقا باللہ ہے)

آپ اپنے زمانے کے قطب تھے اور ایک جہان آپ سے فیض یاب ہوا۔ اس علاقے کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہیں آپ کی عمر بہت طویل تھی اور اس جہان سے مردانہ وار رخصت ہوئے۔ آپ کی وفات تین صفر ۸۸۴ھ کو ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

مخدوم شیخ سعد خیر آبادیؒ

حضرت مخدوم شیخ سعد خیر آبادی آپ کے خلفاء میں سے ہیں آپ بڑے صاحب کمال اور اہل سلوک تھے۔

حضرت شیخ مخدوم صفی شاہی پوریؒ

آپ شیخ سعد خیر آبادی کے بزرگترین خلیفہ تھے سیر سلوک میں آپ نے بڑی ترقی حاصل کی تھی۔ آپ پر عشق و سماع کا غلبہ رہتا تھا۔ چنانچہ اس کا اثر ظاہر ہے۔

حضرت میر سید خورد زید پوریؒ

آپ شیخ سعد خیر آبادی کے خلیفہ تھے چنانچہ آپ کے کمال کا اثر آپ کے فرزندان سے ظاہر ہے۔

آپ شیخ صفیؒ کے اعظم خلیفہ تھے اور تمام علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے ۔ بہت ریاضت و مجاہدہ کے بعد آپ کا فتح باب ہوا بڑے باکمال بزرگ تھے ۔ رحمۃ اللہ علیہ آپ کا اور مخدوم سارنگ کا مزار موضع مسطور میں زیارت گاہ خلق ہے ۔

حضرت شیخ اختیار الدینؒ

آں تارک جمیع مرادات' آں مستغرق در مشاہدۂ ذات آں مقتدائے عرفاء وارباب یقین' ہمدم نسیم وصال شیخ اختیار الدین قدس سرہٗ ۔
آپ کا پورا نام شیخ اختیار الدین عمر ایرجیؒ ہے کیونکہ آپ کے آباواجداد خطۂ ایرج کے اکابر میں سے تھے اور اس علاقے میں بادشاہ کی طرف سے عہدیدار تھے ۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے تائید الٰہی سے آپ کے دل میں طلب حق کا جذبہ پیدا ہوا تو یکبارگی تمام تعلقات قطع کر کے اور وزارت و امارت و انعامات ترک کر کے طلب علم و طریق سلوک کی طرف متوجہ ہوئے اور شیخ نصیر الدین محمودؒ کے خلیفہ حضرت قاضی محمد شادیؒ کے مرید ہو گئے کئی سال ان کی خدمت میں ریاضت و مجاہدہ کرنے کے بعد مقامات عالی پہ پہنچے اور خرقۂ خلافت حاصل کر کے مسند ارشاد و ہدایت پر متمکن ہوئے آپ تربیت مریدین میں اس قدر مشاق تھے کہ حضرت شیخ یوسف بدھا ایرجی جیسے اکابر اولیاء آپ کی تربیت سے مرتبہ تکمیل کو پہنچے ۔ آپ کی وفات چودہ محرم ۸۰۹ھ کو ہوئی آپ کا مزار قصبہ (مذکور) میں زیارت گاہ خلق ہے ۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ یوسف بُدھا ایرجی

آپ شیخ اختیار الدین کے مرید و خلیفہ ہیں لیکن مخدوم جہانیان اور شیخ

راجو قتال سے بھی خلافت و اجازت حاصل کی تھی۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کے آبا و اجداد ولایت خوارزم سے آکر قصبۂ ایرج میں مقیم ہوئے۔ شیخ یوسف کو حق تعالیٰ نے بزرگان کے طفیل عالی مقامات پر پہنچا کر ہدایت خلق پر مامور فرمایا۔ آپ اپنے وقت کے شیخ الشیوخ تھے۔ آپ نے امام عراقیؒ کی کتاب منہاج العابدین کا ترجمہ کیا۔

آپ شعر بھی کہتے تھے۔ مخدوم شیخ سارنگ نے بھی ایک خرقۂ خلافت آپ سے حاصل کیا اور رسالہ مکیہ آپ سے پڑھا۔ تاریخ محمدی کے مصنف آپ کے مرید ہیں۔ ایک دفعہ آپ کی خانقاہ میں مجلس سماع گرم تھی اور آپ پر وجد طاری تھا لیکن عین حالت وجد میں آپ کا وصال ہو گیا۔ اور صحن خانہ میں دفن ہوئے سلطان علاؤالدین نے جو سلاطین مالوہ میں سے تھے آپ کی قبر پر عالی شان گنبد تیار کرایا۔ آپ کی وفات ۸۴۴ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت میر سیّد ید اللہ

آں گنجینۂ عشق و اشتیاق، آں غریق وصل و ہمیشہ مشتاق، قتیل تیغ مشاہدہ، شہید شوق میر سید ید اللہ قدس سرہٗ۔

آپ بڑے عالی مقام بزرگ تھے مشرب عشق و سوز میں آپ بے نظیر تھے۔ آپ اپنے دادا میر سید محمد گیسو دراز کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کے والد میر سید بدھ حضرت سید محمد گیسو دراز کی زندگی میں وفات پا گئے تھے اس کے بعد آپ نے اپنے پوتے میر سید ید اللہ کو خلافت دے کر اپنا جانشین مقرر فرمایا اور اس شیر بیشۂ ولایت نے سجادگی کا حق کما حقہٗ ادا کیا۔ میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ دوسری مرتبہ جب میں دکن گیا تو میر سید محمد گیسو درازؒ رحلت کر چکے تھے لیکن آپ کے پوتے شاہ ید اللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بڑے عالی مقام بزرگ تھے۔ اخبار الاخیار میں

لکھا ہے کہ ایک دن میر سید محمد گیسو دراز وضو کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی کلاہ اتار کر رکھ دی تھی۔ میر سید یداللہ کے بچپن کا زمانہ تھا۔ انہوں نے کلاہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ دی۔ آپ نے کمال شفقت سے فرمایا تجھے یہ خلعت مبارک ہو الحمد للہ کہ امانت حق دار کو پہنچ گئی۔ اس کے بعد آپ جس کسی کو مرید کرتے اس کا ہاتھ نیابت کے طور پر سید یداللہ کے ہاتھ میں دیتے تھے۔ لیکن اسے ذکر وغیرہ کی تلقین آپ خود کرتے تھے۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ میر سید یداللہ کو ایک عورت سے سخت محبت تھی۔ انہوں نے کافی مدت تک اسے چھپائے رکھا اس کے بعد اس سے نکاح کر لیا۔ ہندوستان کی رسم کے مطابق جب صبح کے وقت آپ کو دلہن کا مشاہدہ کرایا گیا تو اس کے حسن و جمال پر نظر پڑتے ہی آپ پر حالت طاری ہو گئی۔ ایک نعرہ مارا اور جان مشاہدہ حق میں تسلیم کر دی اب دلہن نے ان کو گلے لگایا تو وہ بھی جاں بحق ہو گئیں۔ دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ رحمۃ اللہ علیہا۔ گویا میر سید محمد گیسو دراز نے اپنے دیوان میں یہ شعر ان کے مناسب حال لکھا تھا۔

ز خوباں ہر چہ آید آں ہمہ خوب جفا و جور ایشاں محض مطلوب

(محبوب سے جو کچھ حاصل ہو سب بہتر ہے اور ان کا جور و ستم مطلوب اصلی ہے)

حضرت میر شیخ پیارہ رح

آپ میر سید یداللہ کے مرید تھے اور تربیت میر سید گیسو دراز سے حاصل کی تھی۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ جب آپ میر سید گیسو دراز کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا تم کسی جگہ عاشق ہوئے ہو لیکن اس کے اظہار سے ڈر رہے ہو انہوں نے عرض کیا کہ بندہ عشق سیکھنے کے لیے حاضر خدمت ہوا ہے مجھے کیا معلوم عشق کیا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا میری غرض تمہارا امتحان

ہے تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ تمہارا مشرب کیا ہے۔ اگر کوئی بات ہے تو
دل کھول کر کہہ دو۔ شرم مت کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ایک دفعہ میں ایک
ہندو عورت پر عاشق ہو گیا۔ لیکن کسی طرح سے اس کا وصال حاصل نہیں ہوتا تھا۔
ناچار میں نے زنار باندھا اور جس بت خانہ میں وہ عبادت کے لیے جاتی تھی۔
وہاں چلا گیا تاکہ اس کا دیدار کر سکوں۔ میر سید محمد گیسو دراز نے اسے بغل میں لے
کر فرمایا تو بڑا عالی ہمت ہے طریق عشق سیکھنے کا تجھ سے زیادہ کون مستحق ہو سکتا
ہے یہ کام بلند ہمت لوگوں کا ہے ایمان سے بڑھ کر کونسی چیز عزیز ہو سکتی ہے لیکن
تم نے ایمان جیسی چیز کو بھی عشق مجازی پر قربان کر دیا۔ اب میں تجھے عشق حقیقی سکھاتا
ہوں۔ چنانچہ آپ نے ان کو حضرت خواجہ گنج شکرؒ کے حجرہ میں جو خواجہ قطب الاسلام
قدس سرہ کے روضہ اقدس میں داخل ہے چلہ کرنے کا حکم دیا اس سے وہ انکشاف
معرفت کے قابل ہو گئے۔ اس کے بعد آنحضرت کے حکم سے آپ میر سید
ید اللہؒ کے مرید ہو گئے اور ان کے فیض صحبت سے آپ مرتبہ تکمیل وارشاد
کو پہنچے۔ چنانچہ شاہ جلال گجراتیؒ جیسے شاہ باز عالم آپ کے مرید ہوئے۔ ان
کے حالات اپنی جگہ پر آ رہے ہیں۔ شیخ پیارہ کا سلسلہ شاہ جلال اور شیخ مصباح العاشقین
کی وجہ سے بہت پھیلا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ علاؤالدین قریشی

آپ کا اصلی وطن گوالیار ہے۔ آپ میر سید محمد گیسو دراز کے خلیفہ ہیں حضرت
شیخ اپنے نور باطن سے آپ کی کیفیت معلوم کر کے آپ کو ترک و تجرید کی نعمت
عطا فرمائی اور آخر عمر تک آپ اس پر قائم رہے آپ کو مخلوق خدا کا بہت خیال
رہتا تھا۔ اس حد تک کہ خادم کو حکم دے رکھا تھا کہ گھر سے جھاڑو دینے کے بعد
جو کوڑا کرکٹ جمع ہو اسے باہر نہیں پھینکنا چاہیے بلکہ گھر کے اندر رکھنا چاہیے
تاکہ خلق کو اس سے تکلیف نہ ہو آپ بڑے صاحب کمال تھے۔ آپ کا مزار کالپی

میں زیارت گاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ علاوالدین قریشی ثانی

آپ بھی میر سید محمد گیسو دراز کے خلیفہ تھے۔ آپ حرمین شریفین کی زیارت کو گئے اور کتاب العارف حضرت شیخ کو پیش کیا۔

آپ کی تصانیف بہت ہیں مثلاً عالم تصوف میں تکملہ آپ کی مشہور کتاب ہے۔ آپ کا مزار بھی کالپی میں حاجت روائے خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ فتح رح

بزرگترین مشائخ روزگار، محقق در علم تصوف و اسرار از جمیع اطوار اولیا آگاہ مقتدائے وقت، مخدوم شیخ فتح قدس سرہٗ کو شیخ اودھی کہتے ہیں۔ لیکن آپ کا اصل وطن شہر دہلی ہے۔ آپ بڑے جلیل القدر اور عالی مرتبہ ولی اللہ تھے۔ آپ شیخ صدرالدین حکیم کے خلیفہ تھے جن کا ذکر حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی کے خلفاء میں ہو چکا ہے۔ صاحب اخبارالاخیار فرماتے ہیں کہ شیخ فتح اودھی اوائل حال میں دہلی کے اکابر علماء میں سے تھے اور مدت تک جامع مسجد دہلی میں منار شمسی کے نیچے درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آخر عمر میں آپ نے شیخ صدرالدین کے مرید ہو کر ریاضت و مجاہدہ اختیار کیا لیکن لطف نہ آیا۔ چنانچہ آپ نے شیخ کی خدمت میں اس بات کی شکایت کی۔ شیخ نے فرمایا درس بند کر دو۔ اور کتابیں کسی کو دے دو۔ آپ نے اس پر عمل کیا لیکن چند عمدہ کتابیں گھر رکھ دیں۔ اس سے بھی کام نہ بنا تو تنگ آ کر آپ نے باقی کتابیں بھی علیحدہ کر دیں رات کو خواب میں دیکھا کہ دریا کے کنارے بیٹھے کتابوں کو دھو رہے ہیں اور آنکھوں سے پانی جاری ہے۔ اس سے آپ کے قلب سے ماسوا کا نقش دور ہو گیا اور دل میں علم باطنی نے قرار پکڑ لیا۔ حتیٰ کہ آپ مرتبہ تکمیل و ارشاد

کو پہنچے۔ اس کے بعد شیخ نے آپ کو خلافت دے کر اودھ کی جانب روانہ کیا تاکہ مریدین کی ہدایت میں مشغول ہوں۔ آپ شہر اودھ کے مشائخ کے سر حلقہ تھے اور بڑے صاحب کرامات تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ قاسم اودھیؒ

آپ شیخ فتح اودھیؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام آداب السالکین ہے۔ اس میں اپنے شیخ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ جو درویش اپنے مریدین اور احباب کو مصلےٰ، شانہ (کنگھی)، عصا، تسبیح، سوئی دھاگہ، کاسہ (پیالہ)، نمکدان، طشت، آفتابہ (کوزہ)، کفش (جوتا) عطا کرتے ہیں ان میں سے ہر چیز کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ مصلےٰ کے معنی طاعت اور عبادت پر استقامت ہیں۔ تسبیح سے مراد جمعیت خاطر یعنی دلجمعی ہے۔ (جیسے تسبیح کے پریشان دانے یک جا پروئے جاتے ہیں) کنگھی سے مراد خیر و برکت ہے کیونکہ اس سے سر کی اصلاح ہوتی ہے۔ عصا سے مراد یہ ہے کہ اسی ایک ذات کا سہارا لینا چاہیے۔ مقراض کا مطلب قطع علائق دنیاوی ہے سوئی سے مراد صورت اور معنی یعنی ظاہر کا باطن کے ساتھ پیوند کرنا ہے سوئی دھاگے سے مراد دوست سے پیوست ہونا بھی ہے۔ ابریق و کاسہ سے مراد پاس فقر اور مہمان نوازی ہے پانی، نمکدان، طشت اور آفتابے سے مراد سفرہ (دستر خوان) ہے یعنی مشائخ کا لنگر اس کے حوالے ہو گیا۔ جوتے سے مراد ثابت قدمی ہے۔ اس قسم کی باتیں اس کتاب میں بہت ہیں۔ حضرت شیخ محمد عیسےٰ تاج جونپوری بھی حضرت شیخ فتح اللہ کے خلیفہ ہیں اور حضرت شاہ موسےٰ عاشقان حضرت شیخ حاجی چراغ ہند ظفر آبادی کے خلیفہ ہیں اور حضرت شیخ جمال گوجرہ شیخ مظفر بلخی کے خلیفہ ہیں۔ یہ دونوں بزرگ شیخ فتح اللہ اودھی کے ہم عصر تھے۔ ان کے مزار بھی اودھ میں ہیں۔ ت شیخ

فتح کا مزار بھی اودھ میں ہے آپ کا سن وصال نظر نہیں آیا۔ لیکن آپ سلطان ابراہیم شرقی کے معاصر تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مخدوم ابوالفتح جونپوریؒ

برگزیدۂ حضرت ذوالجلال، پرورش یافتہ بہ نورِ وصال، عارف بعلومِ معنوی وصوری قطب ولایت مخدوم شیخ ابوالفتح جونپوری قدس سرہٗ کا شمار کاملین وقت میں ہوتا ہے۔ فقر ریاضت اور ذوق سماع میں آپ بے نظیر تھے۔ آپ اکثر بے پردہ کلام فرماتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کے اور قاضی شہاب الدین ملک العلما کے درمیان بحث شروع ہوگئی۔ شیخ ابوالفتحؒ اپنے دادا قاضی عبدالمقتدرؒ کے شاگرد، مرید اور خلیفہ تھے جن کا ذکر حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی کے خلفاء میں ہوچکا ہے۔ کتاب مکارم الاخلاق میں لکھا ہے کہ شیخ ابوالفتحؒ چودہ مہینے والدہ کے بطن میں رہے تھے جس کی وجہ سے قاضی عبدالمقتدر بہت پریشان ہوئے رات کو شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانیؒ نے خواب میں فرمایا تمہارے گھر ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کی کنیت میں نے اپنے نام پر رکھی ہے۔ پس آپ چودھویں مہینے پیدا ہوئے اور ابوالفتح نام رکھا گیا۔ ایک دن شیخ محمد جمال الدینؒ جو شیخ عثمان سیاحؒ کے مرید تھے شیخ عبدالمقتدر کے گھر مہمان ہوئے جب ان کی نظر کیمیا اثر شیخ ابوالفتح پر پڑی فرمایا قاضی صاحب آپ کا نام آپ کا یہ پوتا روشن کرے گا۔ مَنْ سَعَدَ سَعَدَ فِی بَطْنِ اُمِّہٖ (جو سعید ہوا وہ ماں کے پیٹ سے سعید ہوا) کا اسی طرف اشارہ ہے چونکہ آپ کے والد شیخ عبدالحی کا انتقال شیخ عبدالمقتدرؒ کی حیات میں ہوچکا تھا خواجگان چشت کی ساری نعمت سجادہ اور خرقہ شیخ ابوالفتح کو ملا۔ دادا کے بعد ان کی مسند پر متمکن ہوئے اور ایک جہان آپ سے فیض یاب ہوا چونکہ امیر تیمور کے حملے کے وقت دہلی کے تمام اولیاء کرام حکم باطنی کے مطابق مختلف خدمات پر مامور ہوگئے

تھے شیخ ابو الفتح بھی جونپور تشریف لے گئے۔ سلطان ابراہیم شرقی آپ کی کرامات سے متاثر ہو کر بہت عزت و اکرام سے پیش آیا اور جونپور میں آپ کی مستقل رہائش کا انتظام کیا۔ قاضی شہاب الدین ملک العلماء جو قاضی عبد المقتدرؒ کے شاگرد تھے بھی امیر تیمور کے حادثہ کے وقت دہلی سے جونپور چلے گئے

مکارم الاخلاق میں لکھا ہے کہ شروع میں جب شیخ ابو الفتح جونپور پہنچے تو فقر و فاقہ میں زندگی بسر ہونے لگی رہنے کے لیے گھر تک نہ تھا اس لیے آپ سایہ دیوار کے لیے گزارہ کرتے تھے۔ جب لوگ زیارت کے لیے آتے تو آپ کے مریدین ان پر بوریا کا سایہ کرتے تھے۔ کئی کئی فاقوں کے بعد کھانا میسر ہوتا تھا۔ اس لئے آپ اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ سر اور پاؤں کانپنے لگے اور نماز کے لیے کھڑا ہونے کی طاقت بھی باقی نہ رہی۔ لیکن آپ نے نہایت ہمت و استقلال سے کام لیا اور اخلاص کی طرف بالکل توجہ نہ دی۔ ایک دن آپ دیوار کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے ایک دولت مند تاجر جو آپ کے دادا شیخ عبد المقتدرؒ کا مرید تھا کمال نیاز مندی سے حاضر خدمت ہوا۔ یہ دیکھ کر آپ کے ایک مرید نے آپ سے عرض کیا کہ جامع مسجد کے قریب ایک مکان پچاس روپے میں فروخت ہو رہا ہے اگر شیخ لے لیں تو مناسب معلوم ہوتا ہے آپ کو یہ بات ناگوار گذری اور اسے سختی سے فرمایا کہ چپ رہو ہمیں مکان سے کیا کام یہ سن کر سوداگر نے پوچھا کہ کیا شیخ کے پاس روپیہ نہیں ہے۔ یہ کہہ کر وہ گھر گیا اور پچاس روپے لا کر پیش کئے۔ لیکن شیخ نے قبول نہ کئے۔ جب اس نے بہت ضد کی تو فرمایا ہم ہرگز اپنے مشائخؒ کی سنت کے خلاف عمل نہیں کریں گے کیونکہ جو شخص فقر و فاقہ کی اطلاع پا کر ہمارے خواجگان چشت کے پاس کوئی چیز لاتا تو وہ ہرگز قبول نہیں کرتے تھے۔ چند روز کے بعد حق تعالیٰ نے اپنے خزانہ غیب سے آپ کا رزق فراخ کر دیا اور وہ گھر جو مسجد کے قریب تھا بلا تکلف خرید لیا گیا۔ علاوہ ازیں وہاں ایک حجرہ خانقاہ، اور عالی شان عمارت تعمیر ہوئی

ایک دن آپ اس حجرے کے اندر جمال توحید میں مستغرق بیٹھے تھے کہ وہی سوداگر آیا۔ شیخ نے از راہ شفقت اسے اندر بلایا۔ وہ بلند عمارتیں اور شان و شوکت دیکھ کر حیران ہوا۔ اس نے بے ادبی سے کہنا شروع کیا کہ جس شخص نے اس قدر عالی شان عمارت بنوائی ہے۔ اس کے پاس بہت روپیہ پیسہ ہوگا۔ شیخ نے غصہ آکر فرمایا ہاں میرے پاس بہت سونا چاندی ہے یہ حجرہ سونے سے بھرا ہوا ہے اور دوسرا حجرہ چاندی سے بھرا ہوا ہے۔ جو چاہتا ہوں خرچ کرتا ہوں لیکن چوروں کا ہاتھ میرے خزانے تک نہیں پہنچ سکتا اور دوسروں کے مال کو چور خوب اٹھا سکتے ہیں۔ اس نے کہا اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمارے مال کے حق میں بد دعا کر رہے ہیں شیخ نے فرمایا مجھے کوئی اختیار نہیں ہے جو کچھ مجھ سے کہلواتے ہیں کہتا ہوں ان ہی ایام میں اس سوداگر کا مال دہلی سے جونپور جا رہا تھا۔ راستے میں سب مال چوروں نے لوٹ لیا۔ جب مریدین نے خوشامد کے طور پر شیخ کے سامنے یہ حکایت بیان کی اور کہا کہ جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے نکلا تھا پورا ہو گیا ہے آپ نے اعتراض کیا کہ اسے کرامت نہیں کہتے کیونکہ اس قسم کی چیزیں اکثر ہر شخص سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ غرضیکہ آپ کرامات چھپانے کی بے حد کوشش کرتے تھے۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ آپ بھی اپنے دادا کی طرح بڑے عالم و فاضل تھے۔ اور ان کی وصیت کے مطابق ہمیشہ درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔

آپ بڑے فصیح انسان تھے اور عربی و فارسی زبان میں شعر بھی کہتے تھے غرضیکہ آپ ہر فن مولا تھے۔ یہ شیخ فخر الدین بجلوری اور شیخ محمد آبکش دریا آبادی آپ کے خلفا میں سے تھے

حضرت شیخ فخر الدین بجلوری رح

آپ شیخ الاسلام سعد اللہ بجنوری کے فرزند تھے۔ آپ آٹھ بھائی

تھے۔ کچھ مجذوب تھے اور کچھ سالک۔ غرضیکہ سب کے سب عارف باللہ تھے۔ لیکن شیخ فخر الدین شیخ ابوالفتح جونپوری کے فیض صحبت سے مرتبہ تکمیل وارشاد کو پہنچ گئے آپ کا سلسلہ لکھنؤ میں آج تک جاری ہے۔ آپکی تاریخ وفات لفظ "شیخ" سے نکلتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالسلام پرّاںؒ

آپ شیخ فخر الدین کے برادرزادہ اور مرید تھے۔ آپ سیر وطیر معنوی میں بے نظیر تھے (سیر کے معنی ہیں چلنا اور طیر کے معنی اڑنا) آپ کا مزار بھی لکھنؤ میں ہے۔

حضرت میر سیّد علاؤالدین اودھیؒ

آپ شیخ عبدالسلام پرّاں کے خلیفہ اور میر سید احمد ماہرو کی اولاد ہیں۔ جو بغداد سے چل کر ہندوستان آئے آپ کو ولایت سادات میں ماہرو کہتے تھے حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی لکھتے ہیں کہ سادات ماہرو جو اودھ میں سکونت پذیر ہیں اس فقیر کے ہم نسب ہیں۔ میر سیّد علاؤالدین بڑے صاحب کمال، صاحب سماع اور صاحب ارشاد تھے ۹۷۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ "وہ اسے عارفے صدا" آپ کی تاریخ وصال ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

حضرت شیخ محمد آبکشؒ

آپ مخدوم شیخ عبدالکریم قدوائی کی اولاد میں سے تھے اور شیخ ابوالفتح جونپوری کی خدمت میں تربیت حاصل کرکے مرتبہ تکمیل وارشاد کو پہنچے۔ آپ ارشاد وتوکل میں نہایت ثابت قدم تھے۔ شیخ اسماعیل اور شیخ جہاں

دریا آبادی آپ کی اولاد ہیں اور توکل پر قائم ہیں۔ آپ کی وفات ۸۸۴ھ میں ہوئی رحمۃ اللہ علیہ۔

شیخ ابوالفتح کی ولادت چودہ محرم ۷۸۲ھ کو دہلی میں ہوئی اور وفات دس ربیع الاول ۸۵۸ھ کو سلطان ابراہیم شرقی کے بیٹے سلطان محمود شرقی کے عہد میں ہوئی۔ آپ کا مزار جونپور میں حاجت روائے خلق ہے۔

اگرچہ شہر میں بہت اولیاء اللہ آرام پذیر ہیں لیکن ولایت باطن کا تصرف آپ کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت شیخ حسام الدینؒ

آں باتفاق عارف صاحب کمال، آں مخصوص بمشاہدہ جلال وجمال آں مستغرق بتمام دین مقتدائے عالم مخدوم شیخ حسام الدین قدس سرہٗ۔ آپ کو شیخ حسام الدین فتح پوری کہتے ہیں۔ بڑے عالی مقام، صاحب حال اور عالم وفاضل تھے اور تمام کمالات انسانی میں بے نظیر وقت تھے۔ آپ حضرت قاضی عبدالمقتدر تھانیسریؒ کے مرید اور اعظم خلیفہ ہیں جن کا ذکر شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلیؒ کے خلفا میں ہو چکا ہے کتاب مکارم الاخلاق یعنی حضرت شیخ ابوالفتح جونپوری کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ایک دن قاضی عبدالمقتدر اپنی خانقاہ میں علماء فضلاء اور خلفا کی جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے کہ رجال اللہ میں سے ایک صوفی شکل آدمی آکر مجلس میں بیٹھ گئے آداب ظاہری کی بنا پر قاضی صاحب نے ان سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو اور کیا نام ہے۔ چونکہ وہ بزرگ باطنی دوستی کی بنا پر آئے تھے انہوں نے ظاہری آداب کا خیال نہ کیا اور بے تکلف کہنے لگے کہ چند سال ہوئے آپ اور ہم فلاں مسجد کے پیچھے ہر رات اکٹھے رہتے تھے اور آج جبکہ میں پرانی دوستی کی وجہ سے آپ کے گھر میں آیا ہوں تو آپ اس بے پروائی۔

سے پیش آرہے ہیں - قاضی صاحب نے دائیں بائیں دیکھ کر اس بات
سے قطعی انکار کر دیا - اس سے وہ بزرگ بہت شرمندہ ہوکر ناراض ہو گئے
اس کے بعد قاضی صاحب نے جس قدر تواضع اور دل جوئی کی سود مند نہ ہوئی
اور وہ غصے ہو کر اٹھ کر چلے گئے - اس سے قاضی صاحب بہت پریشان
ہوئے - اس راز کا علم شیخ حسام الدین کے سوا کسی اہل مجلس کو نہ تھا - انہوں
نے قاضی صاحب کا اضطراب دیکھ کر اس بزرگ کا پیچھا کیا اور انہیں خلوت
میں لے جا کر دل جوئی کی اور عرض کیا کہ ہمارے مخدوم اس شہر کے مقتدا ہیں
اور انہوں نے اپنے جمال ولایت کو پردہ درس و تدریس میں چھپا رکھا ہے
آپ جانتے ہیں کہ رازہائے باطن کو اہل ظاہر کی نظروں سے چھپانا ہوتا ہے -
آپ ناراض نہ ہوں بہر کیف انہوں نے اس قسم کی پسندیدہ باتوں سے ان
کو راضی کر کے رخصت کیا اور قاضی صاحب کی پریشانی دور ہوئی - (قاضی عبدالمقتدرؒ
بڑے باکمال اور بڑے ارشاد و تمکین بزرگ تھے اور یقیناً اس رجال الغیب
سے آپ کا مرتبہ زیادہ بلند ہو گا - اس کے علاوہ آداب باطنی کے رو سے
آپ حق پر بھی تھے پھر اس پریشانی کی کیا وجہ؟ بات یہ ہے کہ ایک ولی اللہؒ کا
حق تعالےٰ کے ساتھ ایسا گہرا تعلق ہوتا ہے کہ جو شخص اسے تکلیف پہنچائے
اللہ تعالےٰ ہرگز اسے معاف نہیں کرتے خواہ وہ بزرگ خود معاف کیوں
نہ کر دیں - لہٰذا اولیاء اللہ کے ساتھ نہایت ادب و تواضع سے پیش آنا چاہیے
اور کسی صورت میں ان کو ناراض نہیں ہونے دینا چاہیے - یہاں ایک اور نکتہ
بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ عام اعتبار سے ہر مسلمان اللہ تعالےٰ کا ولی ہے قرآن مجید
میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اللہ ان لوگوں کا ولی یعنی دوست
ہے جو ایمان لائے) اب چونکہ عام ولایت میں ہر شخص شامل ہے - اور
ولایت خاص صرف ان بزرگان کا حصہ جن کا ذکر اس کتاب میں ہو رہا ہے لہٰذا
خدا کا خوف رکھنے والے لوگ کسی مسلمان کو بھی ناراض نہیں ہونے دیتے کیونکہ

ایک لحاظ سے ہر مسلمان ولی اللہ ہے ممکن ہے اللہ تعالےٰ ایک عام مسلمان کی ناراضگی سے ایسے ناراض ہو جائیں کہ توبہ پر بھی معاف نہ فرمائیں اور خاص طور پر مظلوم، بے کس اور مسکین لوگوں پر تو حق تعالےٰ کی خصوصی نظر پڑتی ہے اور عام طور پر ظلم بھی ایسے لوگوں پر کیا جاتا ہے۔ ڈرنے کا مقام ہے (احقر مترجم)

ایک دفعہ اسی رجال غیب کو شیخ حسام الدین سے ملنے کا اتفاق ہوا تو فرمایا کہ رات اسی مسجد کے پیچھے رجال اللہ کے مجمع میں میں نے قاضی عبدالمقتدر کو خوب پکڑا کہ اس دن مجلس میں آپ نے مجھے ذلیل کیا۔ اب ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اور صبح کے وقت سب لوگوں کے سامنے آپ کو ظاہر کر دوں گا۔ لیکن قاضی صاحب نے وہی عذر کیا جو پہلے آپ نے ان کی طرف سے کیا تھا۔ اس لئے میں نے انہیں چھوڑ دیا۔ شیخ حسام الدین کے کمالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اپنے شیخ کے کس قدر ہم راز تھے۔ قاضی عبدالمقتدر کی وفات کے بعد آپ کے پوتے شیخ ابوالفتح جونپوری اور شیخ حسام الدین کے درمیان خوب محبت اور راز و نیاز واقعہ ہوا اکثر اوقات دونوں بزرگ اکٹھے رہتے تھے۔ شیخ ابوالفتح عنایت تواضع فرماتے تھے کہ شیخ حسام الدین کی ذات بابرکات آج میرے دادا کی بجائے ہے۔ اسی طرح شیخ حسام الدین ان کو اپنے پیر کی جگہ سمجھتے تھے حادثہ امیر تیمور میں دونوں بزرگ دہلی چھوڑ کر جونپور چلے گئے۔ جب قصبہ فتح پور سے گذرے تو شیخ ابوالفتح نے فرمایا کہ اس مقام پر کوئی صاحب ولایت نہیں ہے۔ چنانچہ غیبی اشارے سے وہ شیخ حسام الدین کو وہاں تعنیات کر کے خود جونپور چلے گئے۔ لیکن دونوں بزرگوں کے درمیان اس قدر محبت تھی کہ شیخ حسام الدین کبھی کبھی انہیں ملنے جونپور جایا کرتے تھے اور ذوق و سماع کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔

ایک اور معتبر روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ مخدوم شیخ حسام الدین شیخ ابوالفتح کی زیارت کے لیے جونپور جا رہے تھے راستے میں قصبہ ایچوئی پڑتا تھا اس

وقت شیخ بدہن چھ ماہ کے تھے ان کے والد نے انہیں شیخ حسام الدینؒ کی خدمت میں لاکر عرض کیا کہ اس سے پہلے میرے چند بچے چھوٹی عمر میں فوت ہو چکے تھے آپ دعا فرمادیں کہ میرے اس بچے کی عمر دراز ہو۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ کبیر کبیر ہو گا (بہت بڑا ہو گا) اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ حضرت کی توجہ سے اسے کچھ علم بھی نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا عالم ہو گا۔ تھوڑی دیر توقف کر کے عرض کیا کہ علم بے عرفان بے نمک ہوتا ہے۔ آپ کو یہ بات بہت پسند آئی فرمایا اللہ کی مہربانی سے عالم بھی ہو گا اور عارف بھی۔ چنانچہ جس طرح آپ نے فرمایا اسی طرح ہوا۔ شیخ بدہن کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔ مخدوم حسام الدین اور شیخ اخی جمشید راجگیریؒ کے درمیان محبت کی وجہ سے خط و کتابت بھی ہوئی اس سے ایک خط یہاں درج کیا جاتا ہے۔

مکتوب مسکین حسام الدین
بجانب

قدوۃ العارفین، برہان المحققین، مخدوم شیخ اخی جمشید سلمہ اللہ تعالےٰ

یہ بندہ سالکین کے قدموں کی خاک بلکہ ان کے در کا کتا ہے

سگِ درگاہ مولےٰ شو مگر روزے قبول افتی

(اپنے مالک کے در کا کتا بن جا شاید ایک دن تو قبول ہو جائے۔

یہ مشرک وہم و گمان کے صحرا میں پڑا ہے کیا کرے اور کہاں جائے اپنے سر پر مٹی ڈالتا ہے اور کہتا ہے

نمے دانم کرا مانم بدین سیرت گرفتارم — نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد و بدکارم

(معلوم نہیں کہاں جاؤ۔ ایسے چکر میں نہیں گیا ہوں۔ نہ ہندو ہوں نہ مسلم ہوں نہ مرتد بدکار ہوں۔)

میرا حال یہ ہے

دردل ہمہ شرک در روئے برخاک چہ شود — زہرے کہ بجاں رسید تریاق شود؟

(جب دل شرک سے بھرا ہوا تو مٹی پر چہرہ رگڑنے (سجدہ کرنے)
سے کیا فائدہ - جو زہر جان کے اندر پہنچ چکا ہو کیا تریاق
بن سکتا ہے؟)

پہلے مسلمان بننا چاہیے اس کے بعد مسلمانوں کے کام کرنے چاہئیں
ورنہ نماز روزہ تلاوت قرآن وغیرہ سے کیا فائدہ - جیسا کہ کسی نے کہا
ہے ؎

مصحف بکف گرفتہ کفرے درو نہفتہ | بطال مست گشتہ بر بستر ریائی

(تیرے ہاتھ میں قرآن ہے اور دل میں کفر چھپا رکھا ہے - تو کذاب
اور مست ہو کر ریاکاری میں مصروف ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ مردان خدا کے کام اور ہیں اور ہم جیسے ہیجڑوں
کے کام اور جیسے ہیجڑوں کی شکل مردوں کی ہوتی ہے اور مردوں کی سی قوت
نہیں ہوتی اسی طرح ہم بھی صورت میں تو مرد ہیں لیکن مردوں جیسے کام نہیں
اگر مرد مردوں جیسے کام کریں تب مرد کہلانے کے حق دار ہیں - ورنہ،
ہیجڑوں کو مردوں سے کیا نسبت - آج ہر شخص اپنی جگہ پر لاف زنی
سے کام لے رہا ہے لیکن اس سے کیا فائدہ - اَفَرَءَیْتَ مَنِ
اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (کیا تو نے نہیں دیکھا اسے جس نے اپنی خواہشات
نفسانی کو معبود بنا رکھا ہے) انہوں نے اپنی خواہشات کو خدا بنا لیا ہے اور
غفلت کی وجہ سے نہیں جانتے کہ ؎

زنہار مگو خدا پرستم | بد تر ہوائے خود پرستی

(تو ہرگز یہ لاف زنی نہ کر کہ میں خدا پرست ہوں حقیقت یہ
ہے کہ تو بدترین خود پرست ہے)

ع ہر چہ دل پسند تست خداوند تست

(جس چیز سے تجھے محبت ہے اسی کو تو نے خدا بنا لیا ہے یعنی

اسی کے لیے سب کچھ کرتے ہو)

تیری خواہش تیرا معبود ہے لہٰذا ہماری قیل وقال سے کیا فائدہ۔ ہر شخص صمدیت کے آگے سجدہ کرتا ہے علم بے عمل وبال ہے اور قول بے فعل تباہی ہے۔ اگر توحید کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے تو قول وفعل میں مطابقت پیدا کر۔ اس وقت تو موحّد کہلائے گا۔ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (اللہ تعالےٰ کے ہاں یہ بڑا گناہ ہے کہ جو کہیں اس پر عمل نہ کریں) قطعہ

آں عزہ بگفت ایں چہ سود۔ کارے بسر زبان نشد راست
تا کے بزباں خدا پرستی۔ اینست مگر ہوا پرستی۔

(اس نے کہا کہ کیا وجہ کوئی کام زبان سے درست نہ نکلا۔ بات یہ ہے کہ زبان سے خدا پرستی کب تک! یہ تو ہوا پرستی ہے۔ خدا پرستی یہ ہے کہ عمل بھی ساتھ ہو)

اب یہ محجوب ہوا پرست (یعنی کاتب) موحّد کو کیسے پہچان سکتا ہے اور کہاں دیکھ سکتا ہے تاکہ اس کی طرف جائے اور اس کا دامن پکڑے اب التماس یہ ہے کہ آں برادر (مکتوب الیہ) جو کفر کی ظلمت سے نکل چکے ہیں حق تعالےٰ کی محبت کے صدقے میں مجھ جیسے مشرک کو اپنے پاس بلائیں یا اسے باطنی دولت سے سرفراز کریں تاکہ خود غرضی نہ کرے اور آپ کے جوتے سیدھے کرے تاکہ آپ کی صحبت کی برکت سے کفر سے نجات پائے کیا کروں دریائے ضلالت میں غرق ہوں اور کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ حدیث نبوی میں آیا ہے کہ الغریق یتعلق بکل حشیش "یعنی غرق ہونے والا ہر تنکے پر ہاتھ مارتا ہے (جس سے بچ سکے) غرضیکہ اس بچارے کے قلب پر ہر وقت یہی وارد ہوتا ہے کہ حق تعالےٰ کی محبت دو طرح سے حاصل ہوتی ہے یا شیخ کی نظر سے یا احباب کی صحبت سے۔ لیکن آج نہ شیخ ہے نہ احباب

کی صحبت ہماری بدقسمتی سے یہ حالت ہوگئی اب کیا کیا جائے ؎

صحبت نیکاں زجہان دور گشت　　　خوان عسل خانہ زنبور گشت

(نیکوں کی صحبت دنیا میں نہیں ملتی ۔ شہد سے بھرا ہوا برتن بھڑوں سے پُر ہو گیا ہے)

اب یہ بیچارہ (کاتب) صحبت کا طالب ہے جب خود پرستوں کو دیکھتا ہے تو خواجہ ابوسفیان کا قول کہتا ہے ۔ زاہد الزمان الشکوہ دلزوم البیوۃ لیکن کیا کروں اب خواجہ جنید کا قول سامنے رکھتا ہوں آپ فرماتے ہیں ۔ اَلْعُزْلَۃُ مُقَارِفَۃُ الشَّیْطَانِ والصحبت رضنا الرحمان (گوشہ نشینی شیطان سے قرب کا نام ہے اور مشائخ کی صحبت سے حق تعالےٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے) اس حدیث نبوی کا مطلب بھی یہی ہے ۔ (الشیطان مع الواحد ومن الاثنین بعید ۔ (شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دُور رہتا ہے)

زہے صحبت مشائخ کہ جہاں شیطان کا گذر نہیں ہو سکتا ۔ (کیونکہ صحبت میں کم ازکم دو آدمی ہوتے ہیں) لیکن جو شخص کہ لشکر شیطان میں گھرا ہوا ہے اس سے کیا خیر کی توقع ہو سکتی جو کچھ میں نے اپنی دیوانگی سے تحریر کیا ہے یہ سب قال ہے لیکن درویشی حال ہے نہ قال کسی عاشق نے خوب کہا ہے ؎

ہر بند زبان کہ عاشقان　　　در عشق ہمے خرند گفتار

(زبان بند کر کیونکہ عاشق لوگ طالب گفتار نہیں ہوتے)

بندہ نہایت صدق حال سے التماس کرتا ہے کہ آں برادر صادق اس بندہ کا صدق قبول کریں ۔ اور اس بے چارہ کو اپنے اوقات میں یاد رکھیں کیونکہ برادر مومن سے ظاہری و باطنی امداد طلب کرنا ضروری ہے ۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

یاری یاران مدد محکم است ۔　　　کار کہ بے یار برآید کم است

(دوستوں کی دوستی مستقل امداد ہے۔ کیونکہ دوستوں کی مدد کے بغیر بہت کم کام سر انجام ہوتے ہیں)

لہٰذا آپ لطف و کرم کی نگاہ کریں اور حق تعالےٰ سے دعا کریں کہ دولت ایمان عطا فرمادیں۔ خواجہ اوحدؒ فرماتے ہیں رباعی ؎

اے اوحدؔ خستہ دل بساماں نشدی — ذرہ ذرہ کردی تبہ پشیمان نشدی

صوفی کبود پوش شدی پیر حلہ دار — ایں جملہ شدی مسلمان نشدی

(اے اوحد ساماں کی وجہ سے تو خستہ دل نہ ہوسکا۔ تو ذرہ ذرہ ہوکر تباہ ہوگیا لیکن اب تک تائب نہیں ہوا اگرچہ تم نیلے کپڑے پہن کر صوفی بن بیٹھے ہو اور شیخ کہلاتے ہو یہ سب کچھ تو ہوگئے لیکن مسلمان نہیں ہوئے)

مندرجہ بالا اشعار کہنے والے بزرگ نے ایمان کی دولت کے ہوتے ہوئے اپنے ایمان پر اس قدر روئے ہیں۔ یہ بیچارہ ایمان کے نہ ہوتے ہوئے کیوں بے فکر ہوجائے۔ کسی نے خوب لکھا ہے ؎

مست چہ خسپی کہ کمیں کردہ اند — کار شناساں نہ چنیں کردہ اند

(تو مست اور غافل ہوکر کیوں سویا ہوا ہے شکاری کمین گاہ میں تیری گھات لگائے بیٹھے ہیں یعنی نفس و شیطان تیری تباہی کے منصوبے بنارہے ہیں اور تو غافل ہے جو لوگ حقیقت سے آگاہ ہیں وہ ایسا نہیں کرتے)

یہ خط پڑھ کر جواب سے ممنون فرمادیں اور فاتحہ کی امداد بھی فرمادیں۔

مخدوم حسام الدینؒ کے اس خط سے آپ کی بزرگی اور عاجزی ظاہر ہے حضرت مولانا رومؒ نے اسی حقیقت کی جانب اشارہ فرمایا ہے ؎

درِ ہر پیر زن مے زد وہم پیر — بگفتا کز شفاعت یادم آور

عجب کارے کہ شیرانِ شکاری — دریں رہ خواستند از مور یاری

(ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ہر بڑھیا کا دروازہ کھٹکھٹا کر التجا کرتے

ہیں کہ میرے لیے دعا کیجیے - عجیب راز ہے کہ شیر چیونٹی سے امداد طلب کرتے ہیں)

آپ کا سن وفات نظر نہیں آیا - لیکن آپ سلطان ابراہیم شرقی کے ہم عصر تھے اور سلطان ابراہیم ۸۴۴ھ میں فوت ہوا - آپ کا مزار مبارک فتح پور میں زیارتگاہ خلق ہے آپ کی اولاد میں اکثر بزرگان پیدا ہوئے ہیں اور اس وقت آپ کی مسند پر حضرت شیخ ابوالفضل متمکن ہیں جامع جمیع کمالات ہیں۔

حضرت بابا اسحاق مغربیؒ

بزرگ ترین ارباب توحید، مستقیم بمقام فقر و تجرید، مقبول ترینِ متابعانِ رسولِ عربیؐ، مقتدائے اہلِ تفرید بابا اسحاق مغربیؒ بڑے عالی مقام بزرگ تھے اور ہمیشہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنے کی فکر میں رہتے تھے آپ شیخ مغربیؒ کے مرید و خلیفہ تھے جنہوں نے دوسرے ریاضات و مجاہدات کے علاوہ چالیس حج پیادہ کئے تھے - چنانچہ ان کے کرامات بہت مشہور ہیں - شیخ محمد مغربیؒ کا سلسلہ کبر سنی کی وجہ سے دو تین واسطوں سے حضرت شیخ ابومدین مغربیؒ سے جا ملتا ہے - جن کا ذکر سولہویں طبقہ میں ہو چکا ہے - کتاب تحفۃ المجالس جو حضرت شیخ احمد کے ملفوظات پر مشتمل ہے اور جو آپ کے ایک خلیفہ شیخ محمود بن سعید ایرجیؒ نے جمع کئے ہیں میں لکھا ہے کہ بابا اسحاقؒ اپنے شیخ کی وفات کے بعد تین چار دن مزار پر بیٹھے رہے - ہر روز خادم آکر لنگر کا خرچ طلب کرتا تھا اور آپ مزار کی پائنتیں سے اٹھا کر دے دیتے تھے - چوتھے دن بابا اسحاق نے خیال کیا لنگر کے خرچ کے لیے روزانہ شیخ کی خدمت میں عرض کرنا اچھا نہیں ہے پس آپ نے رخصت کی درخواست کی اور ہندوستان کی طرف آنے کا حکم ملا - آپ سیر کرتے ہوئے سلطان فیروز شاہ کے عہد میں اجمیر شریف پہنچے اور مدت تک حضرت خواجہ غریبؒ کے مزار مبارک پر مقیم رہے - ایک رات آپ کو حضرت

خواجہ بزرگ قدس سرہٗ سے بشارت ملی کہ قصبہ گہتو کہ جاؤ جو ناگور کے قریب ہے۔ پس آپ وہاں جا کر متوطن ہو گئے اور ساری عمر فقر و فاقہ اور مسکنت و استغنا میں گذار دی۔ آپ اپنی ولایت کے جمال کو لوگوں سے ہمیشہ چھپا رکھتے تھے لیکن دوستان حق سے کیسے چھپا رہ سکتا ہے۔ آخر سلطان فیروز شاہ نے آپ کی خدمت میں نیاز مندی اختیار کی اور دوسرے لوگ بھی اطراف و جوانب سے آنے لگے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سیر کرتے ہوئے قصبہ میرتھ کی طرف تشریف لے گئے اور ندی کے کنارے توت کے درخت کے نیچے چند روز قیام فرمایا۔ وہاں ایک دولت مند ہندو مہیش نامی رہتا جو اس علاقے کا سردار تھا۔ وہ آپ کا عقیدت مند ہو گیا اور اکثر اوقات آپ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ ایک دن اس نے کمال عجز و نیاز سے عرض کیا کہ حق تعالےٰ نے مجھے ہر چیز عطا فرمائی ہے لیکن اولاد نہیں ہے یہ دیکھ وہ بہت رویا۔ بابا اسحاقؒ نے فرمایا یا حی یا قیوم کی برکت سے تیرے پانچ لڑکے ہوں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ بڑا لڑکا مجھے دینا اس نے خوشی سے قبول کر لیا۔ اس کے بعد بابا اسحاق خراسان چلے گئے اور کئی سال کی سیر کے بعد دہلی واپس آئے اور بہت شہرت پائی۔ وہاں سے آپ میرٹھ چلے گئے اور اسی ندی کے کنارے ڈیرہ ڈال دیا۔ وہاں ایک توت کا درخت تھا جس کے پتے جھڑ چکے تھے لیکن آپ کی تشریف آوری کے بعد وہ سرسبز ہو گیا۔ اس کرامت کے ظہور کے بعد آپ کی اور بھی شہرت ہوئی۔ اس وقت وہی مہیش نامی ہندو بھی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کی دعا کی برکت سے حق تعالےٰ نے مجھے پانچ لڑکے عطا کئے ہیں۔ آپ نے فرمایا بڑا لڑکا فوراً مجھے دے دو۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ دوسرے دن اس نے آپ کو اپنے مکان پر دعوت دی لیکن بڑے لڑکے کو چھپا دیا اور اس کی بجائے ایک نوکر کے لڑکے کو عمدہ کپڑے پہنا کر اپنے چار لڑکوں سمیت بابا کی خدمت میں حاضر

کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے تمہارے بڑے لڑکے کی ضرورت ہے۔
اس نے غلام زادہ کی طرف اشارہ کیا کہ بڑا لڑکا یہ ہے۔ بابا نے فرمایا
وہ تمہارے گھر میں چھپا ہوا ہے مہیش نے کہا آپ میرے گھر میں بیٹھے
ہیں جہاں اسے دیکھو لے لو۔ بابا نے بلند آواز سے فرمایا فرزند قوام الدین
پردہ کیوں کر رہے ہو۔ فوراً آجاؤ۔ بچہ لبیک کہہ کر نکل آیا اور آتے ہی بابا
کے قدموں پر گر گیا۔ اس کے بعد اس نے کلمہ شہادت پڑھا۔ آپ نے
کمال مہربانی سے اسے اپنی فرزندی میں قبول فرمایا آپ اسے قصبہ کھتور
میں ساتھ لے گئے اور تربیت شروع کر دیں آپ کے فیض نظر سے
اس نے تھوڑے عرصے میں تمام ظاہری و باطنی علوم طے کر لئے لیکن
پچیس سال کی عمر تک پہنچتے ہی اس کا انتقال ہو گیا جس سے بابا اسحاق کو بہت
قلق ہوا اور تین چار سال تک اس کے فراق میں روتے رہے۔ جب آپ کی حالت
زیادہ خراب ہونے لگی تو ہاتف نے آواز دے کر تسلی کرائی اور فرمایا کہ ہم نے تجھے
قوام الدین سے بہتر فرزند عطا کیا ہے اس کی صورت بھی آپ کو دکھائی گئی اور فرمایا
کہ اس فرزند سے تمہارا سلسلہ روشن ہو گا۔ پس اس وقت سے بابا اسحاق اس فرزند
کی تلاش میں رہنے لگے۔ آپ نے اپنے مریدین سے کہلایا تھا کہ جہاں اس حلیہ کا
آدمی نظر آئے میرے پاس لے آنا یا مجھے مطلع کرنا ان ایام میں شہر دہلی میں ایک
تیز اور سیاہ رنگ کی آندھی آئی جس سے سارا جہان تاریک ہو گیا اور خلق خدا بید
پریشان ہوئی۔ اتفاقاً ایک دایہ کسی شریف زادے کو باہر لے جا رہی تھی۔ طوفان
کی وجہ سے راستہ بھول گئی اور ایک ایسی جگہ جا پہنچی جہاں ایک قافلہ فروکش تھا۔
قافلے والوں نے خوب صورت بچہ دیکھ کر دایہ کو ورغلایا اور بچے سمیت اپنے
ساتھ لے گئے۔ راستے میں عجیب نساج نے قافلہ والوں سے بچہ خرید لیا اور
قصبہ پیدا ؤنہ میں اپنے بچوں کی طرح پرورش کرنے لگا حسن اتفاق سے مولانا شہاب الدین
کے نواسے مولانا صدر الدین کا گذر قصبہ پیدا ؤنہ میں ہوا انہوں نے بچے کو

دیکھا۔ جب مولانا صدرالدینؒ بابا اسحاقؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس حلیہ کا فرزند کہیں نظر آئے تو مجھے مطلع کرنا۔ چونکہ انہوں نے وہ بچہ دیکھا ہوا تھا عرض کیا کہ فلاں جگہ موجود ہے۔ چنانچہ وہاں جا کر وہ اس بچہ کو لائے اور بابا کے پیش کیا آپ نے فوراً پہچان لیا اور اپنی فرزندی میں رکھ کر پرورش کرنے لگے آپ اسے ایک منٹ کے لیے اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے۔ اس کا نام شیخ احمدؒ رکھا گیا۔ اس وقت بچے کی عمر چار سال تھی چونکہ قصبہ کھٹو میں رہتے تھے۔ اس لئے شیخ کھٹو کے نام سے مشہور ہو گئے۔

بابا اسحاق کی صحبت میں شیخ احمدؒ نے بہت ترقی کی اور تھوڑے عرصے میں ایسے مرتبہ محبوبی کو پہنچ گئے کہ جس کی نظیر نہیں۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ جب شیخ احمد کھٹو بارہ سال کے تھے تو بابا اسحاق انہیں مشائخ چشت کے مزارات کی زیارت کے لیے دہلی لے گئے۔ وہاں شیخ احمدؒ کے بھائی نے انہیں پہچان لیا اور کہا کہ یہ میرا بھائی ملک نصیر الدین ہے جو سیاہ طوفان میں گم ہو گیا تھا۔ ان کے ماں باپ بھی اس وقت زندہ تھے۔ انہوں نے جس قدر کوشش کی شیخ احمد بابا اسحاقؒ کو چھوڑنے پر رضامند نہ ہوئے۔ ان ایام میں مخدوم جہانیاں دہلی تشریف لائے ہوئے تھے اور سلطان فیروز شاہ بمع امرائے دولت روزانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ شیخ احمدؒ نے پوچھا کہ یہ کیا ہجوم ہے بابا اسحاقؒ نے فرمایا کہ لوگ مخدوم کی زیارت کے لیے آرہے ہیں آؤ تجھے بھی ان کا مرید بناتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کا بندہ اور مرید ہوں مجھے دوسروں سے کیا کام۔ اس جواب سے بابا بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ انشاء اللہ تعالےٰ سلاطین امراء اور اکابر کمال نیاز مندی سے تمہارے پاس آئیں گے۔ اس کے بعد آپ قصبہ کھٹو چلے گئے۔ ایک دن بابا اسحاقؒ نے شیخ احمدؒ کو اپنے سامنے بٹھا کر یہ حدیث نبوی پڑھی اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَ یُحِبُّ الْجَمَالَ (تحقیق اللہ خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو پسند فرماتا ہے)

یہ حدیث بھی پڑھی کل جمیل اللہ تعالےٰ (سب جمیل اللہ تعالےٰ ہے یعنی دنیا میں جو حسن وجمال ہے درحقیقت اللہ تعالےٰ کا حسن وجمال ہے)۔ اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

فرستادیم آدم را به بیروں۔ جمال خویش در صحرا نہادیم
(ہم نے آدم کو باہر بھیجا اور اپنا جمال صحرا میں رکھ دیا۔)

اس کے بعد فرمایا کہ بابا احمد میں تمہارا عاشق ہوں۔ غرضیکہ بابا اسحاقؒ کے لیے دنیا میں شیخ احمدؒ کے سوا کوئی ظاہری مطلوب نہ تھا اور حقیقتاً خدا تعالےٰ نے شیخ احمدؒ کو اس قدر حسن وجمال عطا فرمایا تھا کہ جو شخص دیکھتا تھا والہ وشیدا ہو جاتا تھا۔ علم موسیقی میں بھی شیخ احمدؒ حلق داؤدی رکھتے تھے۔ پس جہاں حسن یوسفی اور حلق داؤدی جمع ہوں دوسری طرف نظر کیسے جا سکتی۔ حضرت شیخ اوحد کرمانی قدس سرہٗ نے اسی طرح اشارہ فرمایا ہے ؎

زاں مے نگرم بہ چشم در صورت۔ زیرا کہ ز معنی است اثر در صورت
ایں عالم صورتست وما در صوریم معنی نتواں دید مگر در صورت

(میں اپنی آنکھوں سے اس لیے صورت میں نظر کرتا ہوں کہ باطن کا ظہور صورتوں میں یعنی تعینیات عالم میں ہے۔ یہ جہان ظاہری صورتوں کا ہے اور ہم صورتوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ باطن کا شاہدہ سوائے ظاہری اشیا کے کہیں نہیں کیا جا سکتا ہے اور حقیقت کا مشاہدہ صرف مجاز ہی میں ہو سکتا ہے)

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ احمد کھٹوؒ پچیس سال ہی کی عمر میں بابا اسحاق کی منشا کے مطابق تمام ظاہری وباطنی کمالات میں کامل ومکمل ہو گئے۔ پس آپ نے ان کو مشائخ عظام کا خرقہ اور نعمت کر کے سترہ شعبان کو قصبہ کھٹو میں انتقال فرمایا جہاں آپ کا مزار زیارت گاہ خلق ہے۔

حضرت شیخ احمد کھٹو گجراتی قدس سرہ

آں ماہتاب جمال ولایت، آں معدن انوار ہدایت، آں مستغرق بہ مشاہدہ ذاتی محبوب وقت شیخ احمد کھٹو گجراتی قدس سرہ۔

آپ حضرت بابا اسحاق مغربی کے مرید، شاگرد، خلیفہ و جانشین تھے۔ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ شیخ احمد کھٹو بڑے عالی شان اور بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ آپ مسند فقر پر بیٹھ کر اَلْفَقْرُ کَنْزٌ مِّنْ کُنُوْزِ اللّٰہِ۔ (فقر ایک خزانہ ہے اللہ کے خزانوں میں سے) کے مصداق شاہانہ تصرفات عمل میں لاتے تھے۔ آج تک آپ کے مزار مبارک سے شان ولایت ظاہر ہے اور مشرق سے مغرب تک آپ کے کمالات کا شہرہ ہے تحفۃ المجالس میں لکھا ہے کہ بابا اسحاق کے وصال کے تین دن بعد آپ اربعین (چلہ) میں بیٹھ گئے اور کھجور کے پچیس دانے اور وضو کے لیے ایک مشکیزہ پانی کا لے کر حجرہ کا دروازہ بند کر دیا۔

جب عید الفطر کے دن آپ حجرے سے باہر آئے تو اکیس دانے طاق میں پڑے تھے یعنی چالیس دن میں آپ نے صرف چار دانے کھائے اس قسم کے مجاہدات آپ سے بہت منقول ہیں۔ چند روز کے بعد آپ سفر پر روانہ ہوئے اور دہلی جا کر مسجد خانجہان میں گوشہ نشین ہو گئے اور ریاضات شاقہ کرنے لگے۔ اتفاقاً حضرت مخدوم جہانیاںؒ بھی ان دنوں دہلی تشریف لے گئے۔ ایک دن آپ مسجد خانجہان میں تشریف لے گئے۔ ابھی آپ پالکی سے نہیں اترے تھے کہ شیخ احمد حجرہ سے باہر نکل کر حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے کمال شفقت سے انہیں ہم کنار کیا اور تین دفعہ ان کے کان میں کہا "اے جوان دوست کی بو آتی ہے۔ مجھے دعا میں یاد رکھنا" یہ کہہ کر آپ پالکی پر سوار ہوئے اور اپنی منزل گاہ

پر پہنچ گئے چند روز کے بعد شیخ احمد خلقت کے اژدہام سے تنگ آکر سفر پر روانہ ہوئے اور بارہ سال تک عالم تجرید میں گامزن رہے۔ اس عرصے میں آپ حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے اور دربار نبویؐ سے انعامات حاصل کیے۔ اس کے بعد آپ نے ہندوستان آکر دہلی میں سکونت اختیار کی۔ جب ۸۰۱ھ میں امیر تیمور نے دہلی پر حملہ کیا تو سلطان فیروز شاہ کے پوتے سلطان محمود نے مقابلہ کیا لیکن حملہ کی تاب نہ لا سکا۔ اور شکست کھا کر قلعہ دہلی میں قید کر دیا تھا۔ لیکن آدھی رات کو چند آدمیوں کے ساتھ قلعہ سے باہر نکل کر گجرات کی طرف بھاگ گیا۔ اور امیر تیمور دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا چند روز کے بعد جب سلطان محمود کے متعلقین سے کچھ ناز یبا حرکات سرزد ہوئیں تو امیر تیمور نے سب کو قید کر دیا۔ ان قیدیوں میں شیخ احمد کھٹو بھی شامل تھے۔ لیکن امیر تیمور کے حملے سے چند روز پہلے شیخ احمد نے اپنے متعلقین سے فرما دیا تھا کہ دہلی پر قہر نازل ہونے والا ہے تم لوگ جونپور چلے جاؤ۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ خود کیوں نہیں جاتے فرمایا میں دہا کے عوام کی موافقت کروں گا۔ اتفاقاً اس زمانے میں دہلی میں سخت قحط پڑا اور بے شمار قیدی بھوکوں مرنے لگے۔ جس مکان میں شیخ احمد قید تھے وہاں چالیس نفوس اور بھی محبوس تھے۔ شیخ احمدؒ عالم غیب سے روزانہ ایک ایک کاک (روٹی) ہر ایک آدمی کو دیتے رہے جب لوگوں نے آپ کی اس کرامت کا ذکر امیر تیمور کے سامنے کیا تو اس نے آپ کو ان چالیس آدمیوں کے ساتھ طلب کر کے بہت معذرت کی۔ آپ نے فرمایا تقدیر اسی طرح تھی معذرت کی ضرورت نہیں ہے۔ امیر تیمور کو یہ کلمات بہت پسند آئے اور شیخ کو ان چالیس آدمیوں سمیت رہا کر دیا اور یہ بھی حکم دے دیا کہ جس شخص کو شیخ احمد رہا کرانا چاہیں اسے چھوڑ دیا جائے۔

پس آپ کی سفارش سے اکثر لوگ رہا ہو گئے۔ لیکن جو لوگ تاریخ سے بے خبر ہیں وہ یہ حکایت حضرت خواجہ قطب الاسلام قدس سرہٗ سے منسوب کرتے ہیں لیکن حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔

غرضیکہ امیر تیمور کو حضرت شیخ کے ساتھ کمال اعتقاد پیدا ہو گیا اور اس کے اکثر لشکری آپ کے مطیع ہو گئے۔ جب سات ماہ کے بعد امیر تیمور دہلی سے ولایت چلے گئے تو شیخ احمد بھی ان لوگوں کے خلوص کی بنا پر سمرقند تک ساتھ گئے۔ اس کے بعد آپ نے کے خراسان جاکر وہاں کے مشائخ کی زیارت کی چند روز کے بعد آپ گجرات تشریف لے گئے۔ نواب مظفر خان جو سلطان محمود بن سلطان محمد کی جانب سے وہاں کا حاکم مقرر ہوا ان کی رحلت کے بعد وہاں کا بادشاہ بن گیا۔ چونکہ اس سے قبل دہلی میں وہ شیخ احمدؒ سے بہت اعتقاد رکھتا تھا حضرت شیخ کی آمد کو اس نے نعمت الٰہی سمجھا اور شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ اسی جگہ متوطن ہو جائیں۔ آپ نے کمال شفقت سے ان کی بات مان لی۔ حق تعالےٰ نے سلطان مظفر کو بہت فتوحات عطا فرمائیں۔ اور اس کی سلطنت کے تمام لوگ آپ کے معتقد ہو گئے۔ سلطان مظفر کی وفات کے بعد اس کا پوتا سلطان احمد تخت نشین ہوا۔ وہ بھی حضرت شیخ کے سامنے نہایت نیازمندی سے پیش آیا اور مرید ہو گیا۔ جس کی وجہ سے شیخ احمد کی بہت شہرت ہو گئی اور بے شمار کرامات آپ سے سرزد ہوئیں ایک دن سلطان احمد نے عرض کیا کہ حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کا شوق دامن گیر ہے۔ شیخ نے فرمایا ہم خضر علیہ السلام سے کہیں گے دیکھیں کیا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے بادشاہ کی خواہش کا ذکر حضرت خضر علیہ السلام سے کیا۔ انہوں نے فرمایا، بادشاہ سے کہدیں کر ریاضت کرے۔ اس کے بعد آپ کے حجرہ میں اس سے ملاقات کرینگے سلطان احمد نے حکم کی تعمیل کی اور چلہ کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ احمد حضرت خضر علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے فرمایا ایک چلہ اور کر لے تاکہ ہر قسم کی آلودگی اس سے دور ہو جائے۔ بادشاہ نے اس

پر عمل کیا اس کے بعد ایک اور چلہ کا حکم ہوا۔ جب تین چلّے ہو گئے تو سلطان احمد جمعہ نماز کے بعد شیخ کے حجرہ میں حاضر ہوئے اور زیارت نصیب ہوئی۔ حرف وحکایت (بات چیت) کے بعد سلطان احمد نے عرض کیا کہ عجائبات عالم میں سے کچھ دکھائیں خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ دریائے سارمتی کے کنارے جہاں اب صحرا ہے ایک بہت بڑا شہر آباد تھا جسے آباد ان باد کہتے تھے۔ اس شہر کے لوگ بہت خوش حال تھے۔ ایک دن مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے کچھ رقم حلوائی کو دے کر کہا کہ حلوہ دو۔ اس نے کہا آپ درویش معلوم ہوتے ہیں۔ ہم آپ سے کچھ نہیں لیتا آپ جس قدر حلوہ چاہیں اٹھالیں۔

اسی طرح دوسری مرتبہ بھی اس نے رقم لینے سے انکار کر دیا اور حلوہ مفت دے دیا غرضیکہ اس شہر میں اس قدر صاحب ثروت اور صاحب ہمت لوگ بستے تھے۔ چند قرون کے بعد جب میرا وہاں سے گذر ہوا تو وہاں نہ شہر تھا نہ شہر کے لوگ۔ یہ دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ وہاں ایک بوڑھا آدمی بیٹھا تھا جس کی عمر ڈیڑھ سو سال تھی میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے اس نے کہا میں نے صرف یہی سنا ہے کہ یہاں ایک بڑا شہر آباد تھا اور اس کا نام آباد ان باد تھا۔ یہ ہے دنیا کا حال۔ سلطان احمد نے کہا اگر آپ کا حکم ہو تو میں وہاں از سر نو ایک شہر آباد کروں۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ مبارکباد لیکن شرط یہ ہے کہ سب سے پہلے ایسے چار آدمی پیدا کرو جن کا نام احمد ہو اور جن سے عصر کی سنتیں بھی قضا نہ ہوئی تھی۔ اس کے بعد ان چار آدمیوں کی اتفاق رائے سے شہر آباد کرو اور اس کا نام احمد آباد رکھو۔ ولایت گجرات میں بہت چھان بین کے بعد اس وصف کے دو آدمی ملے۔ ایک قاضی احمد۔ دوسرے ملک احمد لیکن دو اور نہیں ملتے تھے۔ اس وقت شیخ احمد کھٹو نے فرمایا کہ ایک میں ہوں اس کے بعد سلطان احمد نے کہا اس بندہ سے بھی سنت قضا نہیں ہوئی پس اللہ تعالےٰ کے حکم اذا اراد اللہ شیئاً ھیی اسبابہ (جس وقت اللہ تعالےٰ کسی چیز کے

پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیئے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں ۔) کے مصداق چاروں احمد اکٹھے ہوئے اور دریائے سابرمتی کے کنارے جاکر جس جگہ خضر علیہ السلام نے نشان دہی کی تھی سات ذیقعد ۸۲۲ھ کو شہر احمد آباد کی ساعت مسعود میں بنیاد رکھی اور تین سو ساٹھ محلے تیار کر کے اس کے گرد قلعہ تیار کر دیا ۔ لیکن قلعہ کی دیوار قدِ آدم تک پہنچتے ہی گر گئی ۔ یہ دیکھ کر سلطان احمدؒ پریشان ہوئے اور شیخ احمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ آپ موقعہ پر تشریف لےجا کر متوجہ ہوئے تو ایک جوگی کی صورت ظاہر ہوئی ۔ اس نے کہا میرا نام مانک ناطمعؒ ہے یہ قدیم مقام میری جگہ ہے ۔ اس وقت آپ چار احمد جمع ہو کر اپنے نام پر شہر آباد کر رہے ہیں ۔ لیکن جب تک میرا نام شہر کے ساتھ شامل نہ ہو ۔ قلعہ کی دیوار نہیں رہ سکتی ۔ ناچار شیخ نے ایک جگہ کا نام مانک چوک رکھا ، اور فرمایا کہ اس جگہ تمہارا نام دنشان رہ جائے گا ۔ مانک چوک کی وجہ تسمیہ یہی ہے ۔ اس کے بعد قلعہ کی دیوار بنائی گئی اور شہر آباد ہو گیا اور آج تک ہندوستان کے کسی بادشاہ نے اس خوبصورتی سے کوئی شہر آباد نہیں کیا ۔ بلکہ روئے زمین کا بہشت کہا جائے تو بجا ہے ۔

اس قسم کی کرامات شیخ احمدؒ سے بہت مشہور ہیں ۔ تحفۃ المجالس میں شیخ احمدؒ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ میں جہاز میں بیٹھ کر زیارۃ (بیت اللہ) کے لیئے جا رہا تھا ۔ اتفاقاً سمندر میں طوفان آ گیا اور کشتی سمندر کے کنارے ایک پہاڑ سے جا لگی ۔ پہاڑ پر ایک بلند عمارت تھی کشتی والوں نے کہا یہ شہداء کا مقام ہے ۔ مجھے بھی الہام کے ذریعے یہی معلوم ہوا چنانچہ میں نے مصلیٰ پانی پر بچھایا اور اس پر بیٹھ کر ادھر روانہ ہو گیا ۔ جب پہاڑ پر پہنچا تو نہایت مصفا و مرتفع اور دلکشا عمارت دیکھی جہاں خوبصورت فرش لگے ہوئے تھے لیکن وہاں کوئی شخص موجود نہ تھا میں نے ساری عمارت کی سیر کی ۔ چونکہ قیلولہ (دن کی نیند) کا وقت آ گیا تھا ۔ میں ایک پلنگ پر لیٹ گیا ۔ تھوڑی دیر کے بعد انتالیس سوار شہید نمودار ہوئے اور اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے ایک پیدل شہید نے اس مقام پر آ کر سلام کیا ۔ میں نے کئی مرتبہ سلام کا جواب دے کر پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے اور پیادہ کیوں پھر رہے ہیں ۔ جبکہ دوسرے لوگ سوار ہیں ۔ انہوں نے کہا میرا نام سید اللہ داد ہے اب مجھے امید ہے کہ آپ کی توجہ سے سوار ہو جاؤں گا ۔ تھوڑی دیر کے بعد غیب سے کھانا نمودار ہوا روزانہ انتالیس تھال اترتے تھے اس روز چالیس تھال آئے ۔

یہ دیکھ کر سب شہداء حیران ہوئے سید اللہ داد نے کہا میرے گھر میں ایک درویش آیا ہوا ہے شاید ایک تھال اس کا حصہ ہے۔ پس جب شہداء میرے پاس آئے ہم سب نے مل کر کھانا کھایا اور اور نماز ظہر باجماعت ادا کی کچھ راز و رموز کی باتوں کے بعد میں نے واپس جانا چاہا سید اللہ داد نے درخواست کی کہ میرا گھر احمد آباد گجرات میں ہے میرا باپ سید نور محمد اور میری والدہ بوبو جیو ہے جو محلہ اساول میں رہتے ہیں مہربانی فرما کر تھوڑی دیر کیلئے وہاں چلے جانا اور میرے والدین کو یہ پیغام دینا کہ فلاں جگہ دو ہزار روپے دفن ہیں نکال کر خرچ کر دیں ان کا حق ہے اور میری سواری کا گھوڑا ذبح کر کے گوشت فقراء میں تقسیم کر دو۔ وہ گھوڑا میری سواری کے لیئے مجھے مل جائیگا۔ اور میری جوان بیوی اس گھر میں موجود ہے اس کا کسی کے ساتھ نکاح کر دیں میں نے کہا انشاءاللہ جب وہاں جاؤں گا تو آپ کا پیغام پہنچا دوں گا۔ اس کے بعد میں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھے اور فوراً اسی کشتی پر پہنچ گیا کعبۃ اللہ کی زیارت کے بعد فارغ ہو کر جب احمد آباد پہنچا تو اساول کے محلے میں جا کر سید نور محمد کو تلاش کیا اور جس طرح سید اللہ داد نے بیان کیا تھا سب کچھ صحیح پایا پیغام دے کر میں اپنے مقام پر چلا گیا غرضیکہ اس قسم کی دلچسپ حکایات تحفۃ المجالس میں شیخ احمد کھٹو سے بہت مذکور ہیں۔ جب آپ کی عمر سو سال سے تجاوز کر گئی تو آپ نے شیخ صلاح الدین راجپوت بچہ کو جسے آپ نے مسلمان کر کے پرورش فرمائی تھی خرقہ خلافت عطا کر کے اپنا جانشین مقرر کیا اور سب لوگوں کو ان کی اطاعت کی وصیت کی۔ تاریخ شمع جلالی کے مطابق آپ کی ولادت ۷۳۸ھ میں ہوئی آپ کی عمر ایک سو گیارہ سال تھی اور وفات بروز پنجشنبہ چودہ شوال ۸۴۹ھ سلطان محمد بن سلطان احمد شاہ کے عہد میں ہوئی قطعہ

افتاد در جہاں چہ بلائے عظیم در ود — قطب زمان کہ احمد کھتو ئی نقل کرد
روز چہار دہم ماہ عید الفطر — در مقصد چہل و نہم ایں سال وصل کرد

آپ کی تاریخ وصال لفظ "مخدوم الاولیا" سے نکلتی ہے اور لفظ "قطب" سے آپ کی مدت عمر ظاہر ہوتی ہے آپ مدفن قصبہ سرکیج میں ہے جو احمد آباد گجرات کے متصل ہے آپ کی قبر پر سلطان محمد بن سلطان احمد نے شیخ صلاح الدین کے زیر اہتمام عالیشان روضہ تیار کرایا آپ کا مزار آج تک قبلہ حاجات خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

طبقہ ۲۳

در بیان شیخ احمد عبد الحق ردولوی
مع فرزندان و ذکر شیخ نور قطب عالم وغیرہ رحمہم اللہ تعالےٰ

حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی قدس سرہٗ

آں خورشید ظہورِ عشق ولایت آں گنجینۂ اسرارِ ذوق و ہدایت آں مستقیم مقام لازوال آں مست شراب خمخانہ جلال و جمال، آں غریق بحرِ مشاہدہ ذات مطلق قطب ابدال مخدوم شیخ احمد عبد الحق قدس سرہ۔

آپ حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی کے محبوب ترین مرید و خلیفہ تھے۔ بادہ توحید کے سرمستوں کے سردار تھے اور بڑے بلند مقام، قوی الحال اور بلند ہمت اور مستجاب الدعوات تھے۔ تھر دلطف میں سے جو کچھ آپ کے خیال میں آتا تھا فوراً وقوع پذیر ہو جاتا تھا۔ آپ نے میدان تجرید و تفرید میں اس قدر مجاہدات کئے کہ کسی نے کم کئے ہوں گے۔ اس حد تک کہ چھ ماہ تک قبر میں رہ کر حق تعالےٰ سے "عبد الحق" کا خطاب حاصل کیا، ابدی زندگی پائی، اور براہ راست حق تعالےٰ کی طرف سے بطریق الہام خدمت رشد و ہدایت پر مامور ہوئے۔ اس کے بعد ہمیشہ مشاہدہ حق میں مستغرق اور محظوظ رہتے تھے اور

کبھی آنکھ مراقبہ سے نہیں کھولتے تھے ماسوائے چند مواقع کے مثل پنجگانہ نماز اور تہجد یا تربیت مریدین اور مخلص احباب کی خاطر ہوتا یہ تھا کہ جب نماز کا وقت قریب آتا یا کوئی ملاقات کے لیے آتا تھا تو خادم تین مرتبہ "حق حق حق" کی آواز بلند کرتے تھے۔ یہ سن کر آپ آنکھ کھولتے تھے اور سبب دریافت فرماتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب پہلی مرتبہ "حق" کہتے تھے تو آپ عالم لاہوت سے عالم جبروت کی طرف آتے تھے دوسری آواز پر جبروت سے عالم ملکوت کی طرف اور تیسری آواز پر ملکوت سے عالم ناسوت کی طرف نزول فرماتے تھے۔ اس کے بعد آپ پھر فنائے احدیت میں مستغرق ہو جاتے تھے۔ جب آپ نماز جمعہ کے لیے یا پھر اور کام کے لیے باہر تشریف لے جاتے تھے تو خادم حق حق حق کی آواز دیتا ہوا آگے چلتا تھا اور آواز حق کے اثر سے آپ قدم اٹھاتے جاتے تھے۔ جب کبھی خادم خاموش ہو جاتا تھا تو آپ متحیر ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے اور دائیں بائیں آگے پیچھے کی خبر نہیں ہوتی تھی۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

ما مست الستیم کہ از خود خبرے نے　　　جز کوئے خرابات دگر سو گذرے نے

(ہم روز الست کے مست ہیں اور اپنے آپ کی خبر نہیں رکھتے
سوائے میخانہ کی گلی کے ہمارا کسی طرف گذر نہیں)

حضرت شیخ کے ذوق و شوق کی وجہ سے آپ کے اصحاب و مریدین کے ہاں اسم "حق" کا اس قدر معمول ہو گیا تھا کہ یاد حق کے بغیر کوئی سانس نہیں لیتے تھے اور کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ السلام علیکم اور وعلیکم السلام کی بجائے، اور دریافت حال کے جواب میں الحمد للہ کی بجائے اور آذان سے قبل و بعد غرضیکہ ہر ظاہری و باطنی شغل کی ابتدا اسم حق سے شروع کرتے تھے۔ بلکہ انتہا بھی اسی سے کرتے تھے۔ چنانچہ آج تک ان لوگوں کے درمیان یہ عمل جاری ہے۔ نیز سلسلہ چشتیہ میں حضرت خواجہ ابو محمد چشتی اور خواجہ قطب الاسلام بختیار اوشی قدس سرہ کے بعد مشاہدہ وجود مطلق

ہیں اس قسم کا استغراق اور تحیر دوام جو مخدوم شیخ احمد عبدالحق کو حاصل تھا اس سے زیادہ قیاس میں نہیں آسکتا۔

لطائف اشرفی میں حضرت خواجہ گنج شکرؒ سے منقول ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور اخص (خاص الخاص) اولیا کرام مقام تحیر میں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کا ورد کیا کرتے تھے۔ اللھم زدنی تحیرًا (یااللہ میرے تحیر میں برکت دے) پس یہ مرتبہ صاحب قاب قوسین اَوْاَدْنیٰ کا خاص ورنہ ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "لی مع اللہِ وقتٌ لا یسعنی فیہ ملکٌ مقرب ولا نبی مرسل" (حق تعالےٰ کے ساتھ مجھے ایسا وقت میسر آتا کہ جس میں نہ کوئی مقرب فرشتہ اور نبی اور رسول کی رسائی ہو سکتی ہے) جاننا چاہیئے کہ حدیث پاک العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء وارث ہیں انبیاء علیہم اسلام کے) سے یہی مقام مراد ہے جسے اکثر صوفیا کرام مقام نہیں بلکہ حال کے نام سے موسوم کرتے ہیں یہ مقام وہبی ہے نہ کہ کسبی (یعنی اللہ تعالےٰ کی دین ہے کوشش سے حاصل نہیں ہوتا)۔

کیونکہ صاحب کشف المحجوب اور دیگر اکابر صوفیاء کرام کے نزدیک جو کچھ کسب سے حاصل ہوتا ہے اسے مقام کہتے ہیں اور جو وہبی طور پر حاصل ہوتا ہے اسے احوال کے نام سے موسوم کرتے ہیں پس یقیناً خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ورثہ جس کا نام عالم کثرت میں احدیت کا مشہور ہے وہبی ہوگا نہ کہ کسبی۔ شعر

ہر کرا آں آفتاب اینجا بتافت ۔۔۔ آنچہ آنجا وعدہ بود اینجا بیافت

(جس کسی پر آفتاب وحدت اس دنیا میں چمکا جس چیز کا قیامت میں وعدہ تھا اسے اس جہان میں حاصل ہو گئی یعنی دیدار الٰہی۔)

حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہٗ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ پر ختم ہوتا ہے۔ آپ کے دادا جن کا نام

شیخ داؤد تھا جو کچھ لوگوں کے ساتھ ہلاکو خاں کے حادثہ میں بلخ سے ہندوستان آئے اور سلطان علاؤالدین خلجی نے اودھ میں آپ کی معاش کا انتظام کر دیا جس کی وجہ سے آپ نے ردولی میں سکونت اختیار کر لی۔ شیخ داؤد بڑے بزرگ تھے اور شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی قدس سرہ کے مرید تھے۔ اگرچہ آپ نے حضرت شیخ سے تربیت حاصل کی تھی لیکن اپنے آپ کو ظاہرداری کے لباس میں پوشیدہ رکھتے تھے۔ آپ کا مزار قصبہ ردولی کے جنوب میں واقعہ ہے۔ لیکن ظاہر نہیں ہے۔ آپ کا ایک لڑکا تھا جن کا نام شیخ عمرؒ تھا۔ وہ بھی بڑے بابرکت آدمی تھے اور صلاح و تقویٰ سے مزین تھے ان کا مزار بھی اپنے والد کی قبر کے پاس ہے۔

شیخ عمر کے دو لڑکے تھے ایک کا نام شیخ تقی الدینؒ تھا جو بڑے بافضیلت بزرگ تھے۔ آپ ردولی سے ترک سکونت کر کے دہلی متوطن ہو گئے تھے۔ دوسرے لڑکے قطب ولایت، معدن صدق و ہدایت مخدومی قبلہ گاہی مرشد معنوی شیخ احمد عبدالحق قدس سرہ تھے جن کے کمالات کا شہرہ شرق سے غرب تک پھیل چکا تھا اور جن کے قرب کا مرتبہ عرش معلی سے تجاوز کر کے فنائے احدیت میں یک رنگ ہو گیا۔ سچ ہے مَنْ سَعَدَ سَعَدَ فی بطن امّہٖ (جو سعید ہوا وہ ماں کے پیٹ سے سعید ہوا۔ الحدیث) نیز آیۂ پاک اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (اولیاء اللہ کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے) آپ کے حق میں صادق آتی ہے۔ قطب وقت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ نے آپ کے حالات ابتداء سے لے کر انتہا تک ملفوظات کی شکل میں قلمبند کئے ہیں۔ جو مجملاً یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ بعض مقدمات دوسری کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ ملفوظات مذکور میں لکھا ہے کہ شیخ احمد عبدالحق سات سال کی عمر میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے تھے۔ ایک دن آپ کی والدہ نے مادرانہ شفقت کی بنا پر فرمایا کہ بابا احمد

آپ کے والد بھی مشائخ تھے لیکن ایسے نہیں تھے کہ ابھی تک تم پر فرض نماز واجب نہیں ہوئی اور تم نوافل میں اس قدر محنت کر رہے ہو۔ چونکہ آپ محبت حق میں بے اختیار تھے اور اسم الہادی جو انبیاء و اولیاء کے قلوب کا مربی ہے آپ کی تعلیم کر رہا تھا اس لئے والدہ کی بات کو خلاف رضائے حق سمجھتے ہوئے فرمایا کہ یہ ماں نہیں ہے راہ زن ہے جو اپنا کام تو کر رہی ہے اور مجھے حق تعالیٰ سے باز رکھنی چاہتی ہے۔ پس غایت شوق میں آپ مستانہ وار گھر سے نکلے اور سفر اختیار کیا۔ حدیث پاک بِیْ یَسْمَعُ وَ بِیْ یُبْصِرُ وَ بِیْ یَنْطِقُ کے مصداق ذکر حق بلا تکلف آپ کی زبان پر جاری ہو گیا اور طلب صادق کی وجہ سے آپ کو چشم باطن سے ہر جگہ جمال حق نظر آنے لگا اور ہر شے سے آپ کو نغمہ جاہدوا فی سبیل اللّٰہ (اللہ کی راہ میں جہاد کرو) سنائی دینے لگا غرضیکہ طویل مسافت کے بعد آپ دہلی پہنچے اور اپنے بھائی شیخ تقی الدینؒ سے ملے اس خیال سے کہ وہ عالم آدمی ہیں ممکن ہے علم معرفت کے حصول میں امداد کر سکیں۔ لیکن آپ کے بھائی علم ظاہری کا درس دیا کرتے تھے اور آپ علم معرفت کے طالب تھے اس لئے آپ کو دوسری قسم کی صحبت راست نہیں آتی تھی۔ شیخ تقی الدینؒ آپ کا حال دیکھ کر حیران ہوئے اور آپ علمائے

دہلی کے پاس لے گئے۔ تاکہ کوئی اچھا مشورہ دیں۔ علماء نے غور و خوض کے بعد آپ کے لیے کتاب میزان تجویز کی۔ جب آپ لفظ ضَرَبَ ضَرَبَا پر پہنچے تو فرمایا کہ راہ حق میں "مارنے اور مارے جانے" کے کیا معنی۔ مجھے ایسا علم سکھائیے کہ جس سے ذات حق کی معرفت حاصل ہو اس کے علاوہ مجھے کسی چیز سے سروکار نہیں ہے۔ یہ سن کر علماء حیران رہ گئے اور آپ کی طلب صادق پر عش عش کرنے لگے۔ لیکن چونکہ یہ ان کی بس کی بات نہیں تھی۔ انہوں نے ٹال دیا اور شیخ تقی الدینؒ سے کہا اس بچے کو اپنے حال پر چھوڑ دیں ہم اور آپ کچھ نہیں کر سکتے۔

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مخدوم کی شاہزادہ سے بیحد محبت ہوگئی اور راز و رموز کی صحبتیں ہونے لگیں۔ آپ جمال مطلق کا صورت مقید میں مشاہدہ کرتے تھے۔ المجاز قنطرۃ الحقیقت (مجاز حقیقت کا زینہ ہے۔)

لیکن کسی نے سچ کہا ہے کہ السکون علی قلوب اولیاء حرام (ساکن رہنا اولیاء اللہ کے قلب پر حرام ہے۔ یعنی ہر آن اور ہر لحظہ ترقی کرتے رہتے ہیں) اس لئے آپ نے دہلی کو خیرباد کیا۔ اور جس جگہ کسی بزرگ کا نام سنتے تھے اپنے دل کے درد کی دوا طلب کرتے تھے۔ لیکن کسی جگہ آپ کی تسکین نہ ہوتی تھی۔ آخر آپ پانی پت جا کر قطب العارفین حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی قدس سرہٗ کے مرید ہوئے اور مطلوب حقیقی کو پایا۔ اس کا مفصل ذکر حضرت شیخ کے حالات میں ہو چکا ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ جلال الدینؒ نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا اور اور اپنے بیٹوں کی تربیت کا کام بھی آپ کے سپرد کیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ کا وصال ہوگیا اور آپ نے ولایت بنگال کا سفر اختیار کیا۔ اس زمانے میں حضرت شیخ نور قطب عالم قدس سرہٗ قصبۂ بندوہ میں مسند ارشاد پر متمکن تھے جب آپ وہاں پہنچے تو اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنے کی خاطر کوتوال کے ہاں قیام فرمایا ایک دن آپ کے دل میں شیخ نور قطب عالم کو ملنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ لیکن درویشوں کے پاس خالی ہاتھ جانا بے ادبی ہے اس لئے آپ نے دریا کے کنارے سے کچھ ہرا گھاس توڑا اور ان کی خدمت میں پہنچ کر پیش کیا۔ شیخ نے فرمایا باصفا است آپ نے فرمایا آرے باعزت است (کیا صفائے قلب حاصل ہے جواب دیا جی ہاں عزت ہے) غرضیکہ دونوں بزرگ تھوڑی دیر تک اکٹھے بیٹھے رہے لیکن ان کے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ اس کے بعد آپ افسردہ خاطر وہاں سے اٹھے اور اپنے مقام پر آ کر کمال سوز و گداز اور عشق و محبت میں ہائے ہائے کرنے لگے اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا اے

احمد تو نے اپنی عمر کے پچاس سال ضائع کر دیے۔ ساری دنیا میں پھرے لیکن اب تک اپنے مقصد کو نہیں پہنچے۔ محبان حق میں سے تجھے اب تک کوئی ایسا بزرگ نہیں ملا جو محبوب حقیقی کا پتہ بتائے۔ تم نے ساری زندگی برباد کر دی۔ اب واپس وطن جا کر چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔ سبحان اللہ! کس قدر بلندی ہمتی ہے کہ باوجودیکہ حضرت شیخ جلال الدین قدس سرہ کے ہاں نعمت دو جہان پائی اور بادہ توحید سے سیراب ہوئے اور سلوک کی تمام منازل طے کیں لیکن چونکہ آپ کا ظرف نہایت وسیع اور حوصلہ بلند تھا آپ ہر لحظہ ھل من مزید" (اور لاؤ اور لاؤ) کا نعرہ مارتے تھے اور دل مضطر کی ہرگز تسکین نہیں ہوتی تھی۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

قدح چہ سیر کند آتش بلند مرا   سبو سبو خم وہ دل لوند مرا

(ایک پیالہ میرے شعلہ عشق کی کس طرح تسکین کر سکتا۔ مجھے شراب وحدت کی کئی صراحیاں اور کئی خم چاہئیں)

الغرض آپ وہاں سے اپنے وطن ردولی تشریف لے گئے۔ راستے میں شہر بہار میں دو مجذوب رہتے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک کا نام سلطان علاؤالدین تھا جو ننگے رہتے تھے۔ دوسرے مجذوب کو لوگ "نیم لنگوٹی" کہتے تھے کیونکہ وہ لنگوٹی باندھتے تھے۔ پہلے سلطان علاؤالدین سے ملاقات ہوئی لکڑی ہاتھ میں لئے ہوئے وہ حضرت شیخ کو ایک طرف لے گئے اور کہنے لگے کہ بابا احمد مردان حق پرواز کرتے ہیں اور وقت ضائع نہیں کرتے۔ اس کے بعد نیم لنگوٹی نے بھی یہی بات کہی۔ اس سے آپ کو تسکین ہوئی کہ مردان حق کی طرف سے یہ بشارت ہے کہ مقصود حقیقی تک پہنچ جاؤ گے۔ اس کے بعد آپ کے دل میں آتش عشق اور بھی بھڑک اٹھی اور وہاں سے آپ اودھ پہنچے اور دل میں کہنے لگے کہ احمد تجھے مطلوب حقیقی کی کسی بزرگ نے خبر نہیں دی شاید قبروں سے یہ بات حاصل ہو جائے۔ چنانچہ کئی برس تک آپ مزارات کے مجاور رہے اور رات دن اسی طلب میں منہمک رہے آپ یا

ہادی یاہادی کے نعرے لگاتے رہے مدت کے بعد جب اہل قبود سے محرم ہو گئے تو آپ نے دل میں کہا کہ احمد صحبت ہم جنس شرط اول ہے اب تم بھی مرجاؤ اور قبر میں دفن ہو جاؤ۔ چنانچہ آپ نے اپنے ہاتھ سے قبر کھودی۔ خادموں نے آپ کو دفن کر دیا اور آپ تمام تعلقات دنیاوی سے منقطع ہو کر حق کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ غرضیکہ چھ ماہ تک آپ قبر میں گوشہ نشین رہے۔ عالم باطن سے جو واردات اور انوار نازل ہوتے آپ قطعاً ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس قسم کے مکشوفات قابل پرستش نہیں ہیں احمد ان سب کو چھوڑ کر آگے بڑھو۔ پس رفتہ رفتہ آپ ایسے دریائے وحدت میں پہنچ گئے جو کیفیت و کمیت سے پاک ہے۔ (کیف کے معنی ہیں کیسا اور کم کے معنی ہے کتنا یعنی بحر بے پایاں) اور معلم حقیقی سے آپ نے یہ آواز سنی اِنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا یعنی ہمارے سوا کوئی موجود نہیں۔ چنانچہ یہ مژدہ بے حرف و بے صوت بے زبان و بے دہان سن کر آپ مطلوب حقیقی تک پہنچے کہ جس کے اسرار کے اظہار سے قلم قاصر ہے اَفْہَمَ مَنْ فَہِمَ (سمجھا جو سمجھا)۔ چھ ماہ کے بعد قبر خود بخود پھٹ گئی۔ اور جسم و جان سے جو کچھ بچ چکا تھا خادموں نے لحافوں میں ڈال کر نکال لیا۔ اس سے سارے جہان میں شور مچ گیا اور ہر پیرو جوان حاضر خدمت ہونے لگا۔ اس کے بعد آپ مسند ارشاد پر بیٹھ کر مریدین کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ آپ کے خلفاء مثل شیخ بختیار اور شیخ مخلص کے حالات اپنی جگہ پر لکھے گئے ہیں۔

جس وقت آپ قبر سے باہر تشریف لائے تو لوگ روغنی روٹیاں اور شکر آپ کی خدمت پیش کرنے لگے۔ اس میں سے آپ تھوڑا سا تناول کر لیتے تھے اور باقی لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ جو شخص ہمارا تبرک ہماری اجازت کے بغیر کھائے گا۔ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ چنانچہ آج تک یہی دستور جاری ہے آپ کے سجادہ نشین کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کچھ تبرک نہیں کھاتا۔

حضرت شیخ نے ایک کتیا پال رکھی تھی۔ جب آپ قبر سے باہر آئے تو وہ حاملہ ہو گئی۔ آپ نے چھٹے دن کھانے تیار کرائے اور شہر کے عوام و خواص کو دعوت دے کر کھانا کھلایا تین چار دن کے بعد شیخ جمال گوجرہؒ نے عرض کیا کہ آپ نے کتیا کی شادی پہ مجھے یاد نہ فرمایا۔ آپ نے کمال جوہر شناسی سے فرمایا کہ کتیا کی شادی تھی کتوں کو دعوت دی گئی۔ آپ تو انسان تھے آپ کو کیسے بلایا جاتا۔ یاد رہے کہ شیخ جمال گوجرہ شیخ مظفر بلخیؒ کے خلیفہ تھے اور وہ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ ان کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔

ایک دن آپ اپنے مریدین کے ساتھ حجرہ کی دیوار بنا رہے تھے۔ اور خود دیوار پہ بیٹھے تھے۔ شیخ جمال الدین تیز گھوڑی پر سوار ہو کر وہاں سے گذرے اور کہنے لگے کہ آیا یہ ممکن ہے کہ یہ دیوار چلنے لگے۔ آپ نے فرمایا یہ کونسی بڑی بات ہے۔ یہ کہتے ہی دیوار چل پڑی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا بھائی جمال اب اپنی گھوڑی کو چلاؤ۔ انہوں نے جس قدر کوشش کی اور چابک لگائے گھوڑی اپنی جگہ سے نہ ہل سکی۔ شیخ جمال نے شرمندہ ہو کر معافی مانگی تاکہ سلامت رہیں ایک دن آپ شیخ فتح اللہ اودھیؒ کی خانقاہ میں تشریف لے گئے۔ اور ان سے بچوں جیسا سلوک کیا۔ اس میں اشارہ یہ تھا کہ مشیخت کی قید میں رہنا بچوں کا کام ہے فنائے مطلق کا طالب بننا چاہیے۔ شیخ فتح اللہ حیران رہ گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ اسی طرح آپ ایک دن شیخ زین الدین اودھیؒ کی خانقاہ میں تشریف لے گئے لیکن دربان نے اندر جانے کی اجازت نہ دی۔ چند دنوں کے بعد آپ نے پتھر اور ڈھیلوں کو تھال میں جمع کیا اور سرپوش ڈال کر دوبارہ تشریف لے گئے۔ دربان یہ سمجھا کہ کوئی نذر لے جا رہے ہیں اس لئے اندر جانے سے نہ روکا۔ آپ نے جا کر تھال شیخ کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ پتھر اور ڈھیلے دیکھ کر حیران ہوئے۔ آپ نے فرمایا کیا لوگ اس قسم کی نذر آپ کے پیش نہیں کرتے۔ شیخ شرمندہ ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے ان سے دو ہزار

روپے قرض حسنہ طلب کیا۔ شیخ نے کہا ہم تو فقیر ہیں ہمارے پاس دو ہزار روپے
کہاں ہیں۔ یہ سن کر آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ اگر آپ نہیں دیتے تو
جبراً لیا جائے گا۔ چند روز کے بعد شیخ زین الدین کا انتقال ہو گیا۔ حکومت
نے شیخ کے بھتیجوں کو قید کر کے سارا مال و اسباب چھین لیا۔ اس کتاب میں
یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ حالت جلال میں بیٹھے تھے اتفاقاً قاضی رضی
کے لڑکے قاضی بدھ حاکم اودھ نے جو جوانی اور غرور دنیا کے نشے میں مست
تھا آ کر سوال کیا کہ سنا ہے آپ لوگوں کو حق تعالےٰ دکھاتے ہیں۔ آپ نے
فرمایا کیا تو دیکھنا چاہتا ہے اس نے کہا جی ہاں! آپ نے بوقلموں (شاید بوقلموں
اس زمانے میں اس مشین کو کہتے تھے جس سے رنگ و رنگ کے شیشے لگے
ہوتے تھے۔) اور سورج کے سامنے گھمانے سے بے شمار رنگوں کی شعائیں
آنکھوں کے سامنے گھومتی نظر آتی تھیں اس کو آفتاب کے سامنے گھما کر فرمایا دیکھ اس
بدبخت نے بات نہ سمجھی اور کہنے لگا کہ شیخ بوقلموں کو حق بتاتے ہیں یہ درویشی
کا فطور ہے۔ پس اس کو پکڑ کر کھینچنا شروع کیا اور شیخ اپنے
مریدین سمیت حق حق حق کہہ رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد اس کے باپ قاضی رضی
نے لڑکے کا جنازہ شیخ کی خدمت میں لا کر عرض کیا حضور میری یہی ایک آنکھ
تھی۔ آپ معاف فرما دیں۔ آپ نے فرمایا تیر نشانے پر لگ چکا ہے اب
معافی مانگنا بے سود ہے جاؤ اسے دفن کرو۔ اس کرامت کے ظہور سے
دنیا میں شور مچ گیا اور خلقت ہر طرف سے گرد آنے لگی۔ آپ ہمیشہ مشیخت
اور کثرت خلق سے متنفر تھے۔ آپ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ اَلشُّهْرَةُ اٰفَتٌ
یَرْضِیْهَا کُلٌّ وَالْخُمُوْلَةُ رَاحَةٌ یَرْضِیْهَا اَحَدٌ (شہرت ایسی آفت ہے جیسے ہر شخص
پسند کرتا ہے اور گمنامی راحت ہے جسے کوئی پسند نہیں کرتا) احمد ایسی جگہ پر
جا کر رہے گا جہاں اس کا کوئی نام نہیں لے گا۔ چنانچہ اودھ سے سکونت ترک
کر کے آپ ردولی چلے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ کے گھر
والوں میں سے کوئی زندہ باقی نہیں رہا۔ سوائے دائی حیات کے جو ایام طفولیت

میں آپ کو دودھ پلاتی تھیں۔ وہ بھی سو سالہ ہوچکی اور آنکھوں کی روشنی کھو بیٹھی تھیں۔ آنحضرت نے کمال حقوق شناسی سے جاکر اس کے قدموں پر سر رکھا اور فرمایا میں آپ کا لڑکا احمد ہوں اور محض آپ کی خدمت کے لیے یہاں آیا ہوں۔ دائی حیات حیران ہوئی کہ پچاس سال کے بعد احمد کہاں سے آ گئے پس شفقت معنوی کی وجہ سے ان کے پستان سے دودھ جاری ہوگیا اور آنحضرت کو بغل میں لے کر بہت روئیں۔ آپ نے بھی ان کی موافقت کی تسلی دے کر بقیہ عمر ان کی خدمت کے لیے کمربستہ ہوگئے۔ ایک دن دائی حیات نے کہا بیٹا میری ایک بات مان لو۔ اگر قبول کرو تو کہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا۔ انہوں نے کہا میرے دل کی خواہش ہے کہ آپ شادی کرلیں۔ آپ نے فرمایا میں اس کام کی استعداد نہیں رکھتا۔ کیونکہ میرے اندر تین عیب ہیں ایک فقیری دوسرے دیوانگی تیسرے بڑھاپا۔ نیز درویش کے لیے مناسب نہیں کہ ولایت درویشی میں کسی اور کو داخل کرے۔ کیونکہ یہ ولایت حضرت شیخ صلاح مرحوم سے منقطع نہیں ہوئی۔ میں شادی کس طرح کرسکتا ہوں۔ غرضیکہ آپ نے جتنے عذر کیے دائی حیات نے ایک قبول نہ کیا۔ ناچار آپ شیخ صلاح سیاح سہروردیؒ کے مزار پر جاکر مراقب ہوئے کہ کیا بشارت ملتی ہے۔ شیخ کی قبر سے آواز آئی کہ بھائی احمد گندو گھرو کے حوض میں جاؤ۔ جب آپ حوض مذکور پر تشریف لے گئے تو ایک رسی اور گھڑا ملا۔ آپ کے دل میں القا ہوا کہ اس سے نماز اور طہارت مراد ہے شاید میرا یہاں رہنا اور یہاں کی ولایت کا ملنا مراد ہے دائی حیات اس بشارت سے بہت خوش ہوئیں اور اپنے خاندان میں سے ایک لڑکی آپ کے عقد نکاح میں دلا دی۔ اس کے بطن سے تین لڑکے اور چار لڑکیاں وجود میں آئیں۔ جب لڑکا پیدا ہوتا تھا تو دنیا میں آتے ہی حق حق حق اس کی زبان پر ہوتا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ احمد کو تو شہرت پسند نہ تھی۔ یہ بچہ چاہتا ہے کہ دنیا میں شور پیدا کرے لہذا زندہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ پس وہ بچہ ایام طفولیت ہی میں فوت ہوجاتا تھا۔ ایک دن رشتہ داروں میں سے ایک لڑکا آپ کے گھر

آیا تقاضائے بشری سے آپ کی اہلیہ اسے دیکھ کر رونے لگیں ۔ آپ بالاخانہ میں مشغول تھے ۔ اس کے حال سے باخبر ہو کر نیچے آئے اور سبب دریافت کیا ۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ سے مخفی نہیں ہے ۔ فرمایا ہاں ایک لڑکا ہونا ہے مگر ابھی وہ خام ہے اور سفر درپیش ہے کیونکہ شیخ بدرالدین ساکن قصبہ راڑی جو حضرت شیخ صدرالدین حکیم چشتیؒ کے خلیفہ تھے انتقال کر گئے ہیں اور سب نعمت میرے سپرد ہوئی ہے نیز ان کے لڑکے شیخ نصیرالدینؒ کی تربیت کے لیے بھی مجھے وصیت کی گئی ہے ۔ اب میں وہاں جاتا ہوں تاکہ نعمت شیخ نصیرالدین کے حوالہ کروں اور اپنے آنے والے لڑکے کو بھی پختہ کر کے لاؤں اور تیرے حوالہ کروں بشرطیکہ تو اس کی رضا کے مطابق کام کرے ۔ پس سفر کے بعد آپ جب واپس ردولی تشریف لائے اور وعدہ پورا کیا کچھ عرصہ کے بعد شیخ عارفؒ پیدا ہوئے اور پیدا ہوتے وقت لفظ "حق" زبان پر نہ لائے ۔ بلکہ عام لڑکوں کی طرح روتے ہوئے پیدا ہوتے ۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ یہ لڑکا نگہداشت کے قابل ہے ۔ چنانچہ آپ کے بعد شیخ عارف مسند ارشاد پر متمکن ہوئے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔ شیخ عارف اور شیخ نصیرالدین کی تربیت کے حالات اپنی جگہ پر بیان کئے جائیں گے ۔

غرضیکہ اس وقت سے آنحضرت کی سکونت ردولی میں رہی ۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ آپ کی اولاد کو قیامت تک اپنے آباؤ اجداد کی مسند پر سرسبز و خرم رکھیں ۔ آپ کی مشغولی کے لیے دو حجرے تھے ۔ ایک جلالی ۔ دوسرا جمالی حجرہ جلال مکان کی چھت پر تھا اور جمالی اس کے نیچے تھا ۔ جس وقت مظہر جلالی آپ پر متجلی ہوتا تھا اور آپ کو جلال آتا تھا ۔ آپ اوپر تشریف لے جاتے تھے اور فرزندان اور مریدان میں اضطراب عظیم پیدا ہو جاتا تھا اور جس پر غصہ آتا تھا ۔ فوراً ہلاک ہو جاتا تھا ۔ سبحان اللہ ! عجب حالت رونما ہوتی تھی کہ جس شخص پر نظر پڑتی تھی عالی مقامات پر پہنچ جاتا تھا اور اپنی مراد کو پالیتا تھا ۔ جب ذرا سی نگاہ تھر ہوتی تو فی الفور معدوم ہو جاتا تھا ۔ اس قسم کے کرامات کم سننے میں

آئے ہیں۔ جب سے آنحضرت قصبہ ردولی میں متوطن ہوئے وہاں کی ولایت بھی آپ کے سپرد ہوئی اور کسی درویش کی مجال نہ تھی کہ بغیر اجازت شہر میں داخل ہو سکے۔ اگر کوئی آ بھی جاتا تھا اس سے نعمت سلب ہو جاتی تھی۔ چنانچہ شیخ مسعود اولیا، خلیفہ حضرت شیخ سعدی کیسہ واز کنتوری قدس سرہٗ کی ولایت آپ کی نظر غیض سے سلب ہوئی۔ یہ حکایت اس کتاب کے مقدمہ میں رجال اللہ کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے۔

حضرت شمس الدین فریادرس جو میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے اکثر بسودی جاتے ہوئے ردولی میں سے گذرتے تھے۔ لیکن جب حضرت شیخ احمد عبدالحق قدس سرہٗ وہاں مقیم ہوئے تو حضرت میر سید اشرف جہانگیر نے انہیں منع کر دیا کہ آج سے ردولی کے اندر ہرگز قدم نہ رکھنا۔ اس کے بعد شیخ شمس الدین ہمیشہ دائیں بائیں طرف سے گذر جاتے تھے اور ردولی کے اندر داخل نہیں ہوتے تھے۔ میر سید اشرف جہانگیر کے ایک اور خلیفہ شیخ سماؤ الدینؒ قصبہ ردولی میں رہتے تھے ان کی قبر بھی وہیں ہے۔

ایک دن ان کے ایک مرید نے مخدوم شیخ احمد عبدالحق قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ جو کیفیت آپکے مریدین میں دیکھتا ہوں اپنے شیخ کی خانقاہ میں نہیں پاتا۔ اس لئے میرا ارادہ ہے کہ حضور کے غلامان میں شامل ہو جاؤں۔ آپنے فرمایا قبول کر لیا۔ اسکے پیر بھائیوں نے اسے زدوکوب کی اور کہا کہ تم مرتد ہو گئے ہو لیکن وہ باز آیا اور آپکی خانقاہ میں داخل ہو گیا۔ اسکے بعد وہ مرید اکثر آپکی خدمت میں التماس کرتا تھا کہ روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق دامنگیر ہے اگر اجازت ہو تو سفر اختیار کروں آپنے فرمایا ہم دونوں اکٹھے چلیں گے۔ ایک دن اس نے بہت اصرار کیا تو آپنے فرمایا اچھا آج رات میں آؤنگا۔ اور تجھے ساتھ لے جاؤنگا۔ اس مرید کا گھر موضع آسوہ میں تھا۔ آپ آخر شب کو جنگل میں سے گذرتے ہوئے اسکے گھر پہنچے اور حق حق کی آواز دی۔ وہ آدمی آپکے پیچھے ہو لیا۔ اور دیکھا کہ تین بزرگ آگے جا رہے ہیں ایک شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ دوسرے سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاؒ اور تیسرے آپ ہیں جب موضع اینجو لیا

یں پہنچے تو پَو پھوٹنے لگی اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا ظاہر ہوا آپ نے اسکا ہاتھ پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر رکھ دیا اور عرض کیا کہ اس بچارے کو قدم بوسی کی آرزو تھی۔ وہاں پہنچنا اسکے لیے دشوار تھا اسکے بعد اس نے دیکھا کوئی شخص موجود نہیں ہے۔ حیران ہو کر آپکی خانقاہ میں گیا۔ آپنے دیکھتے ہی پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کسطرح نصیب ہوئی۔ اس نے سر زمین پر رکھ کر نیازمندی کا اظہار کیا

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ردولی کی جامع مسجد میں جمعہ کے دن حضرت مخدوم اور حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے خلیفہ شیخ ذکریا بن شیخ ذکریا بن شیخ سلیمان اکٹھے بیٹھے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ جمال حق مطلق کے مشاہدہ میں آنکھیں بند کر کے مستغرق رہتے تھے۔ اسوقت شیخ ذکریا با آواز بلند تلاوت کر رہے تھے۔ آپنے سر اٹھا کر فرمایا کہ آہستہ پڑھنا چاہیے اور مراقبہ میں چلے گئے۔ شیخ ذکریا کو خیال ہوا کہ آپ پر نیند کا غلبہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک دو مرتبہ پوچھا کہ آپ کو نیند آ رہی ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپکے زانو پر ہاتھ رکھ کر ہوشیار کیا غصہ کی حالت میں آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے "میرے سامنے کون کون سو جائیں گے"۔ پس نماز سے فراغت کے بعد جب گھر کو روانہ ہوئے تو شیخ ذکریا کے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ نوکروں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر گھر پہنچے اور بستر پر لیٹ گئے اور دوسرا جمعہ دیکھنا نصیب نہ ہوا یعنی اسی بیماری میں وفات پا گئے۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن حاکم ردولی نے آپکی خانقاہ سے چارپائی اٹھوالی۔ اس زمانے میں میر سید قطب مجذوب بھی جو واصلان حق میں سے اس شہر میں رہتے تھے اور اکثر اوقات شراب نوشی میں مشغول رہتے تھے انہوں نے شراب کا پیالہ بھر کر میاں خضر کو دیا کہ میرے بھائی احمد عبد الحق کے پاس لے جاؤ اور کہو کہ اجازت ہو تو لگاؤں۔ خضر شراب لے گیا اور خانقاہ کے دروازہ پر پہنچکر کھڑا ہو گیا کیونکہ اندر جانے کی ہمت نہ تھی آپنے نور باطن سے معلوم کر لیا اور با آواز بلند فرمایا میاں خضر جس حالت میں ہو اندر چلے آؤ۔ اس نے اندر جا کر شراب کا پیالہ پیش کیا اور پیغام دیا۔ آپ نے شراب پی کر فرمایا جاؤ اس سے کہو کہ ضرورت نہیں ہے۔ ایک دو گھنٹے کے بعد شہر میں شور مچ گیا اور اس ظالم حاکم کا جنازہ باہر لایا گیا۔

ایک دفعہ ملک ذکو حاکم ردولی نے آپکے داماد شیخ فرید کو کسی سلسلے میں قید کر لیا۔ آپ

اسکی رہائی کے لیے اسکے پاس تشریف لے گئے لیکن اس بدبخت نے انکار کر دیا بلکہ پہلے سے زیادہ تکلیف دینے لگا۔ آپ خانقاہ میں واپس آئے اور حجرہ جلالی میں جاکر مشغول ہو گئے اور ساری رات وہاں گذار دی۔ صبح کے وقت مریدین خاص مثل شیخ بختیار وغیرہ نے عرض کیا کہ حجرہ کا دروازہ کیوں نہیں کھولتے۔ فرمایا آج ماتم ہے دوپہر کے وقت آپنے دروازہ کھولا اور اپنے محرم راز مرید شیخ برہان سے فرمایا کہ باہر جاکر دیکھو اس حرام خور کا جنازہ آرہا ہے اس نے جاکر دیکھا تو لوگ ملک ذکو کا جنازہ لئے آرہے تھے۔ آپ بھی باہر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ ادا کی۔ اس قسم کی کرامت کی وجہ سے لوگ آپکو شیخ احمد قتال کہتے تھے۔ ایک دن آپ حجرہ جلالی میں مشغول تھے کہ ایک شور برپا ہو گیا کہ دوسیجہ غیر مسلم جو علاقہ نارہ کا زمیندار تھا۔ لشکر جمع کرکے ردولی پر حملہ آور ہوا ہے۔ آپ نے غیرت میں آکر عصا ہاتھ میں لیا اور باہر تشریف لے گئے۔ شمال کی طرف ایک بڑا باغ تھا آپ نے وہاں جاکر ایک درخت کے تنے میں عصا گاڑھ دیا اور فرمایا کہ میں نے دوسیجہ کا سر کاٹ ڈالا ہے۔ اب اسکی مجال نہیں کہ ردولی کی طرف آئے۔ چنانچہ اس نے اپنا رخ بدل دیا اور موضع کھرنسہ پر حملہ شروع کر دیا۔ والئ کھرنسہ نے مقابلہ کیا اور دوسیجہ کو قتل کرکے اسکا سر ردولی لے آیا اور باقی جسم جلا دیا۔ چنانچہ اس روز سے آج تک جب کوئی زمیندار ردولی پر حملہ کرتا ہے مارا جاتا ہے یا شکست کھا کر واپس جاتا ہے۔

ایک دفعہ آپ سیر کرتے ہوئے موضع بھریلہ میں پہنچ گئے۔ اسوقت بھریلہ کان کفر تھا۔ آپنے وہاں جاکر آذان دے دی۔ اس سے کافر لوگ بہت ناراض ہوئے اور تکلیف دینے پر آمادہ ہو گئے لیکن غلبہ حال کی وجہ سے نزدیک نہ آسکے۔

اس زمانے میں بھریلہ کا زمیندار مر چکا تھا اور اس کی بیوہ ویدی رانی حکمران تھی وہ عقلمند عورت تھی۔ اس نے کمال نیازمندی سے آپکی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپنے یہاں نماز کی آذان دی ہے۔ میرے اور میرے بیٹوں کے لیے اب کیا حکم ہے آپنے فرمایا تجھے اور تیرے لڑکوں کو ہم نے موضع کورہ اور تھلورہ دیا ہے۔ وہاں جاکر رہو۔ قید سے محفوظ رہو گے۔ چند ایام کے بعد سلطان ابراہیم شرقی نے ازدر خان بدخشی کو موضع بھریلہ میں آباد کرایا اور اسلام کا حکم جاری کیا۔

ویدی رانی اپنے خویش قبیلہ کرے کر موضع مذکور میں چلی گئی اور آج تک اسکی اولاد وہاں موجود ہے اور کبھی قید نہیں ہوئی۔ جب سلطان شرقی شاہ جونپور کسی تقریب کے سلسلے میں پرگنہ اسولی میں گیا تو حاکم اودھ قاضی رضی نے حضرت شیخ کے کمالات کا اس سے ذکر کیا بادشاہ نے آپ کے لنگر کے لیے کچھ نقدی اور ردولی کے علاقے میں چار موضع اور دو ہزار بیگھے زمین کا پروانہ لکھ کر قاضی رضی کے ذریعے آپ کی خدمت میں بھیجکر عرض کرایا کہ قبول فرمادیں لیکن آپ نے انکار کر دیا اور کوئی چیز قبول نہ کی۔ بلکہ قاضی رضی سے فرمایا کہ سلطان رزاقی کا دعوہ کرتا ہے رزاق مطلق اللہ جل جلالہٗ ہے۔

آپ کو ذوق سماع بہت تھا۔ ایک دن حالت، ذوق و شوق میں آپ نے اپنی خادمہ سے فرمایا کہ گھر میں جو کچھ ہے لاکر قوالوں کو دیدو۔ اس نے عرض کیا کہ گھر میں کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے وہی خادمہ قوالوں کو بخش دی۔ ایک دن غلبۂ حال کی وجہ سے آپ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد　　　چراغ مقبلاں ہرگز نہ میرد

اگر دنیا سراسر ختم ہو جائے۔ خدا کے بندوں کا چراغ ہرگز نہیں بجھتا۔

فرمایا جس طرح گازرون میں خواجہ اسحاق گازرونیؒ کا چراغ جل رہا ہے اور قیامت تک جلتا رہے گا۔ اسی طرح میں طعام کی دیگ پکاتا ہوں جسے لوگ ہمیشہ کھاتے رہیں گے اور فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ اس کے بعد آپ نے ایک دیگ پکوائی اور شارع عام میں رکھوادی جو شخص آتا تھا دل کھول کر کھاتا تھا لیکن دیگ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی تین دن کے بعد فرمایا اے احمدؔ دنیا میں شور برپا ہو جائے گا کہ احمد ایسا بزرگ ہے۔ لیکن الشھرۃ آفۃ یتمنیھا کل واحد والخمولۃ راحۃ لا یرضیھا احد۔ شہرت آفت ہے جسے ہر شخص پسند کرتا ہے اور گمنامی راحت ہے جسے کوئی پسند نہیں کرتا)

رزاق مطلق وہی جل جلالہ ہے وہ جانے اور اس کے بندے تو درمیان میں نہ آ۔ نام و نشان چھوڑ کر فانی ہو جا اور بے نشان کو محبوب رکھ۔ پس آپ

نے دیگ زمین پر دے ماری اور توڑ ڈالی۔

آپ فرماتے ہیں کہ منصور بچہ تھا۔ برداشت نہ کر سکا اور راز فاش کر دیا۔ بعض مردانِ خدا ایسے ہیں کہ دریا نوش کر جاتے ہیں اور دم نہیں مارتے آپ نے فرمایا نظامی بچہ تھا۔ جس نے یہ شعر لکھ ڈالا ؎

صحبت نیکاں از جہاں دور گشت خوانِ عسل خانۂ زنبور گشت

نیکوں کی صحبت جہاں میں باقی نہیں رہی۔ شہد کا برتن بھڑوں کا گھر بن چکا ہے۔

صحبت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح صحابہ کرام کو حاصل تھی۔ واصلانِ حق کو اب بھی میسر ہے۔ آپ نے کمال بصیرت سے تمام بزرگان کے مقامات کی نشان دہی کی ہے کہ فلاں بزرگ اس جگہ تک پہنچے ہیں اور فلاں اس جگہ تک غرضیکہ آپ ہر ایک بزرگ کی منازل و مقامات کا مفصل ذکر کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو ایسا تصرف اور بلند مقام عطا فرمایا تھا جو تحریر سے باہر ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم اپنی جان کے آپ مالک ہیں۔ ملک الموت ہماری اجازت کے بغیر ہماری جان قبض نہیں کر سکتا میری موت میرے اختیار میں ہے۔ اگر چاہوں تو مر جاؤں اور چاہوں تو ابدالآباد تک اسی حالت میں زندہ رہوں۔ لیکن میں اپنے اختیارات چھپاتا ہوں۔ یعنی موت قبول کرتا ہوں تاکہ ملک الموت کو یہ راز معلوم نہ ہو سکے۔

در کوئے تو عاشقاں چناں جان دہند کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

اے محبوب تیرے کوچے میں عاشق اس طرح جان دیتے ہیں کہ ملک الموت کو بھی خبر نہیں ہوتی۔

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ اپنے مریدین سمیت سفر میں تھے۔ جنگل کے اندر ایک نہایت سرسبز و شاداب درخت تھا جسکے نیچے صاف ستھرا صحن تھا۔ آپ نے وہاں قیام فرمایا اور فنائے مطلق میں مشغول ہو گئے۔ حتیٰ کہ آپ کی روح پرواز کر گئی۔ یہ دیکھ کر مریدین بہت پریشان ہوئے ان کی سب سے زیادہ پریشانی یہ تھی کہ لوگ کہیں گے کہ حضرت شیخ کے

ہاں فتوح بہت جمع ہو گئی ہو گی لہٰذا ان لوگوں نے آپ کو قتل کر دیا ہے۔ اُن کا اضطراب دیکھ کر آپ اُٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ میری خواہش تھی کہ اسی جگہ دفن ہوتا لیکن تم لوگ پریشان ہو گئے اس لئے چند روز اور اس دنیا میں رہ جائیں گے پس آپ وہاں سے اٹھے اور اپنے مقام پر تشریف لے آئے۔ جاننا چاہیئے کہ حق تعالےٰ نے آپ کو بے حد تصرف عنایت فرمایا تھا اور حضوری تام (مکمل حضور) آپ پر منجلی ہو گئی تھی۔ اس لئے مقام قرب وعزت میں آپ اس قدر مستغرق رہتے تھے اور ذات احدیت میں اس قدر انہماک تھا کہ جب آپ کے کسی مرید کو سفر آخرت پیش آتا تو آنحضرت کی خدمت میں آ کر رخصت کی درخواست کرتا تھا۔ اگر اجازت مل جاتی تو چلا جاتا ورنہ خیر۔

چنانچہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ حضرت شیخ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ آپ کا ایک مرید تھا جن کا نام مخلص تھا۔ آپ کے فیض تربیت سے وہ مرتبہ تکمیل وارشاد کو پہنچ چکے تھے اور عالم معنوی ان پر اس حد تک متجلی (منکشف) ہو چکا تھا کہ اس کثیف دنیا میں رہنا انکے لئے مشکل تھا۔ ایک دن انہوں حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا یہ لباس پرانا ہو چکا ہے اگر اجازت ہو کہ اس فانی جہان سے انتقال کر جاؤں۔ آپ نے کمال شفقت سے فرمایا کہ چند روز صبر کرو ہم دونوں اکٹھے چلیں گے۔ اس سے مخلص کو معلوم ہو گیا کہ حضرت اجازت نہیں دیں گے۔ اب چونکہ ان کا دل دنیا سے بالکل سرد ہو چکا تھا اور زیادہ دیر تک رہنا دشوار تھا۔ انہوں نے لڑکے بہرام سے کہا کہ میں اس دنیا سے جانا چاہتا ہوں۔ وفات کے فوراً بعد میری تجہیز و تکفین کرنا اور قبر میں دفن کرنے کے بعد حضرت شیخ کو اطلاع دینا۔ اور میری یہ وصیت ہرگز نہ بھولنا۔ بہرام حیران تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ پس انہوں نے چادر اوڑھی اور جاں بحق ہو گئے بہرام پریشان ہو کر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ماجرا بیان کیا۔ آپ نے مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمایا کہ مخلص میری مرضی کے خلاف چلا گیا ہے اس کے کیا معنی چنانچہ آپ اُن کے جنازہ پر تشریف لے گئے اور چادر چہرے

۔۔سے اُٹھا کر کان میں بلند آواز سے فرمایا "مخلص مخلص" جب تقریباً چالیس پچاس بار یہی لفظ دہرایا تو وہ زندہ ہو گئے اور اُٹھ کر آپ کے قدموں میں سر رکھ دیا اس کے بعد وہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینہ پر ملتے رہے اور ادب کی وجہ خاموش کھڑے رہے۔ آپ اسے حیات ثانی عنایت کر کے خانقاہ میں لے گئے۔ جب مخلص اپنے گھر گئے تو اپنے لڑکے کو ملامت کرنے لگے کہ میری وصیت پر عمل کیوں نہ کیا۔ مجھے دفن کرنے سے پہلے حضرت مخدوم کو کیوں اطلاع کر دی۔ اب اے بہرام تم حضرت کی خدمت میں جاؤ اور نہایت عجز و انکسار سے میرے لئے اجازت طلب کرو۔ میں اس جہان میں ہرگز نہیں رہ سکتا۔ بہرام نے حضرت مخدوم کی خدمت میں جا کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا چند دن اور ٹھہر جاؤ ہم اور تم اکٹھے پردہ پوشی کریں گے۔ نیز آپ نے فرمایا تمہارا باپ کہاں جائے گا۔ مجھے پوچھ کر بتاؤ تاکہ میں بھی وہاں آ جاؤں۔ بہرام نے والد کے پاس جا کر پیغام دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ آنے اور جانے کا سوال نہیں ہے میں تو ایک مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام پر جانا چاہتا ہوں اور پرانے لباس کو چھوڑ کر نیا لباس اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ باپ سے جا کر کہو کہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے طلب کرے۔ مخلص نے جو پروردہ اخلاص تھے جواب دیا کہ مجھے اپنے پیر دستگیر کی توجہ سے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس دنیا سے انتقال کروں۔ حضرت مخدوم نے ان کے صدق و اخلاص کو دیکھ کر اجازت دیدی اور فرمایا کہ مخلص سے کہو جب تمہاری خواہش یہی ہے تو جہاں تمہارا مقام ہے چلے جاؤ۔ جب بہرام نے اپنے والد کو یہ خوشخبری سنائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ (جب فقر کی تکمیل ہوتی ہے تو اللہ رہ جاتا ہے) کی چادر اوڑھ کر دوست کے ساتھ ہمرنگ ہو گئے۔ سچ ہے اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ بَلْ يَنْقَلِبُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ (تحقیق اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف انتقال کرتے ہیں۔) کا مطلب یہی ہے۔ فھم من فھم (سمجھا جو

سمجھا) وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک وقعہ مخلصؒ کے لڑکے بہرام اور شمس الدین جو حضرت شیخ کے مرید تھے سیر کی خاطر قصبۂ رابزی کی طرف گئے اور شیخ نصیر الدین بن شیخ بدر الدین چشتیؒ کی خانقاہ میں ٹھہرے۔ چونکہ شیخ نصیر الدینؒ کے چھوٹے بھائی شیخ قدوۃ الدین مدت سے حضرت شیخ احمد عبد الحق قدس سرہٗ سے بیعت کرنے کے خواہشمند تھے۔ انہوں نے بہرام اور شمس الدینؒ سے درخواست کی۔ چونکہ اُن کے دل میں طلب صادق تھی۔ بہرام نے ان کو کوئی چیز بتائی جس سے ان کی حالت دگرگوں ہوگئی اور سب کچھ چھوڑ کر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ حضرت شیخ طبیب قلب تھے آپ نے قدوۃ الدین کی طرف بالکل توجہ نہ فرمائی بلکہ مار مار کر خانقاہ سے باہر نکال دیا۔ آپ کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب تک کوئی شخص چند برس تک خانقاہ کا پانی نہ بھرتا اور لنگر کے لئے ایندھن جمع کر کے قسم و قسم مجاہدات نہ کرتا اُسے مرید نہیں بناتے تھے اگرچہ شیخ قدوۃ الدین بڑے نازک اور ملوک صورت تھے لیکن کئی برس شوق سے یہ خدمات انجام دیتے رہے۔ اور آستانۂ عالیہ پر جبیں سائی کرتے رہے۔ ایک دن حضرت شیخؒ نے ان کے صدق اعتقاد کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں بیعت سے مشرف کیا۔ اور ان کی تربیت کی طرف مشغول ہوگئے۔ سب سے پہلے آپ نے ان کو زمین میں دفن کر دیا اور خود اوپر بوریا بچھا کر بیٹھ گئے اور توجہ دیتے رہے پندرہ دن کے بعد ان کو زمین سے باہر نکال کر خرقۂ خلافت عطا کیا اور اپنے وطن کی طرف رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تجھے نعمت بہ زیادہ دیا ہے اس قسم کی تربیت کسی ولی اللہ نے نہیں دی۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ مراقبۂ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ میں سرنگوں بیٹھے تھے کہ میر سید کبیر کی بیعت کی نیت سے حاضر ہوئے اور کمال نیاز مندی آپ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوگئے۔ چونکہ بخشش کا وقت آچکا تھا۔ آپ نے سر اٹھا کر سید کبیر کی طرف دیکھا۔ دیکھتے ہی ان کے قلب میں جذبۂ حق موجزن ہوگیا اور وہ واصلان و مجذوبان حق میں سے ہوگئے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

از اثر یک نگہت گشت مست   ہم بت ہم بت گرد ہم بت پرست

(اے محبوب تری ایک ہی نظر سے بت، بت گر اور بت پرست سب مست ہو گئے۔)

اس کے بعد سید کبیرؒ ہمیشہ بادۂ توحید میں مست رہے۔ ان کا مزار حضرت شیخ کے مزار کے غرب میں واقع ہے۔ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ہمارے دائرہ میں سے گذرے گا۔ اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک دائرہ سے مراد ان حضرات کا دائرہ مشرب ہے اور آتش دوزخ سے مراد شرک و فراق ہے یعنی جو شخص ہمارے دائرۂ بیعت میں داخل ہوگا شرک وفراق سے نجات پائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ واصلانِ حق کے لئے شرک وفراق حرام ہے نیز حضرت فرماتے تھے کہ کوئی ہمارے کبوتر کو شکار نہیں کر سکتا۔ یعنی ہمارے مریدین پر کسی کا دستِ تصرف دراز نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہ پایۂ اعتقاد سے گر سکتا ہے۔ لہٰذا اُسے اس راہ میں گمراہی اور انانیت (خودی) درپیش نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی اور کے جال میں پھنس سکتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ چترِ شاہی (بادشاہی تخت و تاج) ہمارے بچوں کے سر پر ہے اور ان حضرات کے نزدیک مبتدی (ابتداء کرنے والے) کو طفل یعنی بچہ کہتے ہیں اور تاج شاہی سے مراد کشف و کرامات ہے یعنی بعض درویش جو اپنے کشف و کرامات پر فخر کرتے ہیں ہمارے نزدیک بچے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ منتہیٰ کا کیا مقام ہوگا (منتہیٰ سے مراد وہ لوگ ہیں جو سلوک تمام کر کے واصل باللہ ہو چکے ہیں۔) کیونکہ خواجگانِ چشت نے درویشی کے پندرہ مقامات بیان کئے ہیں۔ اُن میں سے پانچواں مقام کشف کرامات ہے جو عالم جبروت میں سالک پر جلوہ گر ہوتا اور اکثر لوگ اسی مقام پر رہ جاتے ہیں پس جب سالک دس اور مقام طے کر لیتا ہے تو مرتبۂ لاہوت پر پہنچ جاتا ہے اس وقت کشف و کرامات کی طرف مطلقاً متوجہ نہیں ہوتا۔ یہ تسلیم و رضا کا مقام ہے یعنی سالکِ منتہیٰ فنائے احدیت میں

مستغرق ہو جاتا ہے اور جس قدر اپنے آپ کو اور اپنی مراد کو تلاش کرتا ہے نہیں پاتا پس تصرف کس چیز پر کرے۔ ہاں اگر تصرف کرتا ہے تو ارادۂ حق سے کرتا ہے نہ کہ اپنی خواہش سے۔ بیت ؎

تو زخود گم شو وصال اینست وبس تو مباش اصلا کمال اینست وبس

(تو اپنے آپ سے گم ہو جا وصال یہی ہے تو مطلقاً نہ رہ کمال یہی ہے)

یہ منتہی کا مقام استغراق اور ذاتِ مطلق میں مشاہدۂ حق الحق ہے پس حضرت شیخ اور آپ کے فرزندان اور مریدانِ کامل کا استغراقِ دوام اسی مقام کی وجہ سے تھا اور اس مقام سے زیادہ بلند اور کوئی مقام نہیں۔ وهو الآن كما كان لا تغير فى ذاته وصفاته فى حدوث الاكوان۔

(اللہ عزوجل اب بھی اسی طرح ہے جس طرح ازل میں تھا اور نہ اس کی ذات میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے نہ صفات میں حدوث عالم کون و مکان کے اندر۔)

چوں قطرہ غرقِ دریا شد چہ باشد وجودِ قطرہ جز دریا نباشد

جب قطرہ دریا میں غرق ہو گیا تو اس کا وجود ختم ہو گیا۔ اب دریا اور قطرے میں کوئی فرق نہیں رہا۔

غرضیکہ جب آپ کی عمر ایک سو بیس۱۲۰ سال کے قریب ہوئی تو آپ نے اپنے اہل خانہ سے فرمایا کہ حق تعالےٰ کے فرشتے کئی مرتبہ مجھے بلانے آئے ہیں کہ احمد کب تک اس خاکدانِ فانی (جسم) میں رہو گے عالم علوی کی طرف انتقال کرو۔ میں نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا اس جہاں کے متاع کے طور پر میرا ایک لڑکا ہے جب تک اس کی شادی نہ دیکھ لوں گا اس جہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اب مجھے شرم آتی ہے۔ میرے بیٹے شیخ عارف کی جلدی شادی کر دو۔ کیونکہ اس کے سوا مجھے یہاں اور کام نہیں ہے۔ چنانچہ چند یوم کے اندر ان کی شادی ہو گئی اور ان کی ظاہری و باطنی تربیت کے بعد ان کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور اپنی مسند پر بٹھا کر اس سرائے فانی سے رحلت فرما گئے۔

لیکن آپ کا تصرف حیات و ممات میں یکساں ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کا تصرف قبر میں چالیس برس کے بعد ختم ہو جاتا ہے کیوں کہ ولایت صوری سے ولایت معنوی تک پہنچ جاتے ہیں۔ لہٰذا مقام اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ لیکن صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ چار اولیاء اللہ قبر میں زندوں کی طرح تصرف کر رہے ہیں۔ ایک شیخ معروف کرخیؒ دوسرے شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ تیسرے شیخ عقیل منبجیؒ چوتھے شیخ حیات بن قیسؒ حرانی۔ تکملہ میں بھی بعض شہداء کے حالات میں لکھا ہے کہ قبر کے اندر زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں۔ میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ بھی لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ جس طرح دیارِ ولایت میں بعض بزرگ بعدِ مرگ تصرف کر رہے ہیں ہندوستان میں بھی اولیاء اللہ متصرف ہیں مثل حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیریؒ قدس سرہٗ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ، حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ، سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء اللہ قدس سرہٗ۔ اپنی قبروں میں بیٹھے تصرف کر رہے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اکثر اولیاء کرام صاحب تصرف ہیں۔ اور بعض اولیاء اللہ کا تصرف یکساں ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ احمد عبدالحق قدس سرہٗ کے تصرف میں بعد انتقال کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ آپ کی رحلت سے پچاس برس بعد آپ کی روحانیت سے تربیت حاصل کر کے مرتبہ تکمیل و ارشاد کو پہنچے۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آرہی ہے اس فقیر کاتب حروف نے بھی دو سو سال کے بعد آنحضرت کی روحانیت سے تربیت حاصل کی اور آج تک جب کسی بات میں کوئی اشکال پیدا ہوتا ہے آنحضرت عین بیداری کی حالت میں متوجہ ہوتے ہیں اور امداد کرتے ہیں۔ غرضیکہ آپ کے کمالات و تصرفات دائرہ تحریر و تقریر سے باہر ہیں۔ آپ کی وفات پندرہ جمادی الثانی ۸۳۷ھ کو سلطان ابراہیم شرقی کے عہد حکومت میں ہوئی۔ قطعہ ذیل کے آخری مصرع سے

تاریخ وفات نکلتی ہے ؎

حضرت مخدوم قطب ابدال حق ۔۔۔ چوں حجاب ہستی خود کردہ شق
بہر تاریخش ندا آمد از غیب ۔۔۔ عارف حق احمد عبدالحق بحق ۸۳۷ھ

آپ کا مزار مبارک قصبہ ردولی میں قبلہ حاجات ہے ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

حضرت شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق قدس سرہ

آپ بڑے صاحب کمال بزرگ تھے ۔ سر سے پاؤں تک آپ حسن اخلاق سے آراستہ اور صاحب کرامات تھے ۔ جب آپ کو تعلیم کی خاطر استاد کے سامنے بٹھایا گیا ۔ حضرت شیخ احمد عبدالحق نے فرمایا کہ اے معلم اسے اپنے علم میں سے کوئی چیز تعلیم نہ کر کیونکہ اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرُ (علم سب سے بڑا حجاب ہے ۔) میں اسے علم خود پڑھاؤں گا ۔ تمہارے پاس صرف ادب سکھانے کی خاطر بھیجا ہے ۔ چنانچہ آپ نے کمال شفقت سے شیخ عارف کو تربیت دے کر مرتبہ تکمیل وارشاد پر پہنچا دیا ۔ آپ کے وصال کے بعد مسند ارشاد پر متمکن ہوئے اور ایک جہان نے آپ سے ہدایت حاصل کی ۔ آپ نے پچاس سال تک سجادگی کا حق ادا کیا اور خواجگان چشت کی امانت کو اپنے بیٹے شیخ محمدؒ کے سپرد کر گئے شیخ پیارہ آپ کے خادم تھے ۔ جنہوں نے آنحضرت سے تربیت حاصل کی تھی ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

حضرت مخدوم شیخ محمد بن شیخ عارف قدس سرہ

آپ اپنے والد بزرگوار کے قائم مقام تھے آپ کے کمالات کا اسبات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ جیسے عالم لاہوت میں پرواز کرنے والے شاہباز آپ کے مرید تھے ۔ اگرچہ انہوں نے شیخ احمد عبدالحق قدس سرہ

کی روحانیت سے براہ راست فیضان حاصل کیا لیکن حضرت شیخ کے باطنی حکم کی بنا پر وہ شیخ محمدؒ کے مرید ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اس سے بڑھ کر شیخ محمدؒ کی کونسی بڑی کرامت ہوگی۔ رسالہ لطائف قدوسی میں لکھا ہے کہ جب آخر عمر میں حضرت شیخ محمد مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے اپنے بڑے لڑکے شیخ اولیاء عرف شیخ بدھ کو یاد فرمایا۔ وہ اس وقت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں شاہ آباد گئے ہوئے تھے۔

شیخ احمد عبدالحق قدس سرہ کی روحانیت نے اسی وقت شیخ عبدالقدوس کو حکم دیا کہ میرے بیٹے شیخ بدھ کو فوراً اودھ (یعنی رودولی) پہنچاؤ۔ وہ اسی وقت شیخ بدھ کو رودولی لے آئے۔ اس وقت شیخ محمد حالت نزع میں تھے۔ آپ گاہے گاہے ذات احدیت میں مستغرق ہو جاتے تھے۔ جب عالم ہوشیاری میں آتے تھے۔ تو فرماتے تھے کہ سبحان اللہ سمجھ گیا سمجھ گیا۔ شیخ عبدالقدوس نے دریافت کیا کہ آپ کیا سمجھ گئے۔ آپ نے فرمایا میں توحید مطلق کو سمجھا۔ جب روح پرواز ہونے کا وقت آیا تو آپ پر استغراق کا غلبہ ہو گیا۔ شیخ عبدالقدوس نے عرض کیا کہ یہ مردان حق کی ہوشیاری کا وقت ہے۔ آپ نے فرمایا ہماری طرف سے بے فکر ہو جاؤ اس وقت ذات حق کے سوائے میرے سینہ میں کوئی چیز نہیں سما سکتی پس آپ ذوق وشوق کے عالم میں اٹھ کر بیٹھ گئے اور خرقہ خلافت اور مشائخ چشت کی امانت شیخ بدھ کو عنایت فرمائی اور اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس کے بعد شیخ عبدالقدوس نے عرض کیا کہ حضور تو اس ہوشیاری اور اس دولت کے ساتھ جا رہے ہیں۔ مجھ غریب کا کیا حال ہوگا آپ نے فرمایا بابا تجھے کیا غم ہے تم ولی اللہ ہو۔ اس وقت معلوم ہو گیا کہ آپ کو طلب کرنے کا یہ مقصد تھا کہ شیخ عبدالقدوس اس بشارت سے ابدی کامیابی حاصل کریں گے اور شیخ بدھ آپ کے خلیفہ اور جانشین ہو کر مفاخرت دارین حاصل کریں گے تھوڑی دیر کے بعد شیخ محمدؒ نہایت خوش وخرم دارالبقا کی جانب رحلت کر گئے حضرت شیخ عبدالقدوس نے چند روز کے بعد شیخ بدھ سے اجازت طلب کی اور اپنے وطن واپس گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ بڈھن قدس سرہٗ

آپ کا اصلی نام شیخ اولیاء ہے اور شیخ بدھ کے نام سے مشہور ہیں اپنے والد کے وصال کے بعد مسند ارشاد پر متمکن ہوئے اور بڑے کمالات حاصل کئے مخدوم شیخ عبدالرحمٰن قدوائی جن کی عمر ایک سو سال کے قریب تھی آپ کے مرید تھے وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات شیخ بدھ اپنی اہلیہ کے ساتھ سوئے ہوئے تھے جب اتفاقاً وہ بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ شیخ بدھ نیند کر رہے ہیں اور ان کی ایک اور صورت مصلے پر نماز پڑھ رہی ہے۔ انہوں نے ڈر کر شور مچانا شروع کیا شیخ بدھ بیدار ہو گئے اور وہی ایک صورت رہ گئی۔ آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا کہ راز فاش نہ کرنا۔ واضح رہے کہ کسب کمال سے یہ صورت مثالی حاصل ہوتی ہے صوفیا کی اصطلاح میں اسے وجود مکتسب کہتے ہیں۔

غرضیکہ آپ کے خوارق عادت بے شمار ہیں۔ آخر آپ پیران چشت کی امانت فرزند کے سپرد کر کے پردہ پوش ہو گئے۔ شیخ بدھ نے ایک خرقۂ خلافت اپنے چھوٹے لڑکے شیخ منصور کو بھی عطا فرمایا۔

حضرت شیخ منصور قدس سرہٗ

آپ بہت باکمال بزرگ تھے۔ آپ نے بہت سفر کیا اور اکثر مشائخ مثل شیخ جلال تھانیسری وغیرہ کی صحبت پائی۔ آپ بڑے مرتاض (صاحب ریاضت) تھے اور کافی بزرگوں کی صحبت پائی۔ چنانچہ شیخ عالم بن شیخ منصور کی جو صاحب سجادہ تھے راقم الحروف نے بارہا زیارت کی ہے آخر عمر میں آپ عالم ارواح معنوی کے ہم صحبت ہو گئے تھے۔

حضرۃ شیخ عبدالرحمن قدوائی قدس سرہٗ

آپ شیخ بدھ کے مرید تھے لیکن تربیت اور خلافت حضرت شیخ منصور سے حاصل کی۔ آپ اس فقیر (مصنف کتاب ہٰذا) کے بہت محرم راز تھے جن سے بندہ نے بہت فیضان اخذ کیا۔ بڑے بابرکت عارف اور ماہر فن مشائخ تھے۔ آپ نے ہمیشہ فقر اور گمنامی کی زندگی بسر کی اور مردانہ وار اس جہان سے رخصت ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرۃ شیخ پیر بن شیخ بدھ قدس سرہٗ

آپ حضرت شیخ بدھ کے بڑے لڑکے تھے اور والد کی وفات کے بعد ان کی مسند پر بیٹھے آپ بڑے عظیم القدر بزرگ تھے۔ آپ اکثر اوقات شغل باطن میں مشغول رہتے تھے۔ بڑے قوی الحال، صادق المعاملہ اور حقائق آگاہ تھے۔ شیخ محمد صوفی جو سو سالہ بزرگ تھے اور اکثر مشائخ کے صحبت یافتہ تھے بھی شیخ پیر کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ ایک دفعہ انہوں نے اس فقیر سے فرمایا کہ جب بھی میں شیخ پیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ کو سکر الٰہی میں مست پایا ہے۔ آپ کی آنکھیں مشاہدہ میں اس قدر سرخ رہتی تھیں کہ ان کی طرف نگاہ نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس کے باوجود آپ نہایت خوش اخلاق اور متواضع تھے آخر عمر میں آپ نے مشائخ چشت کی امانت اپنے لڑکے شیخ قطب الدین کے حوالے کی اور رحلت فرما گئے۔

حضرۃ مخدوم شیخ قطب الدین قدس سرہٗ

اپنے والد کی وفات کے بعد آپ مسند ارشاد پر متمکن ہوئے آپ نے صوفیاء کرام کے تمام مقامات طے کر لئے تھے اور تجرید میں گامزن ہو کر آپ نے حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا اور اکثر بلاد کی سیر کرتے ہوئے مشائخ وقت کی صحبت سے مشرف

ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد واپس آکر آپ مریدین کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ شیخ معروف مجذوب جو قصبہ ہانی کے رہنے والے تھے آپ کے مرید تھے۔ حضرت قطب الابدال مخدوم علی احمد صابرؒ کی زیارت کے لیے آپ کلیر شریف گئے اور بہت نعمت حاصل کی۔ حضرت شیخ نے آپ سے عالم معاملہ میں فرمایا کہ اب آپ کا وقت قریب پہنچ چکا ہے۔ اپنے وطن کو واپس جاؤ۔ اور اپنی ہڈیوں کو اپنے داداکے پہلو میں پہنچا دو۔ آپ نے عرض کیا کہ میرے آباؤ اجداد کی عمریں دراز تھیں۔ میں نے کیا قصور کیا ہے کہ پچاس ساٹھ سال کی عمر میں جا رہا ہوں۔ حضرت مخدوم صابر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تم نے اپنی عمر کے بیس سال رحمت خاں کو دے دیئے تھے۔ اب جاؤ اور مشائخ چشت کی امانت کو محفوظ رکھو۔ اس امانت سے مراد مرشدی حضرت شیخ حمید ہیں۔ یہ اس طرح ہے کہ رحمت خان جلال الدین اکبر بادشاہ کے امراء میں سے تھے اور شیخ قطب الدین کے مرید تھے۔ ایک دفعہ وہ سخت بیمار ہو گئے۔ آپ ان کی طبع پرسی کے لیے تشریف لے گئے اور دیکھا کہ وہ بہت اضطراب میں ہیں۔ آپ کو ان کے حال پر رحم آیا اور بے اختیار فرمایا کہ میں نے اپنی عمر کے بیس سال تمہیں دیئے۔ حق تعالےٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وہ فوراً شفایاب ہو گئے۔ آپ یہ بات بھول چکے تھے۔ لیکن حضرت مخدوم صابر قدس سرہٗ نے آپ کو یاد دلائی۔ چنانچہ شیخ قطب الدین نے حضرت مخدوم سے دریافت کیا کہ میری زندگی کے کتنے دن باقی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین ماہ کی مہلت ہے یہ سن کر آپ فوراً گھر آئے اور خرقہ خلافت اور خواجگان چشت کی امانت اپنے فرزند شیخ حمید کے سپرد کی۔ اس کے تین ماہ بعد آپ نے وفات پائی۔

حضرت شیخ حمید بن شیخ قطب الدین قدس سرہٗ

آپ تمام کمالاتِ انسانی سے آراستہ اور علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ مخدوم شیخ عبدالرحمٰن قدوائی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مخدومی

قبلہ گاہی (حضرت شیخ احمد عبدالحق ؒ) کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے تھے کہ "ہماری ساتویں پشت کا جب ظہور ہوگا تو وہ بعینہ ہماری طرح ہوگا"

چنانچہ یہی ہوا۔ اپنے والد شیخ قطب الدین کی وفات کے تیسرے دن اپنے ملک کے رسم و رواج کے مطابق آپ اپنے آباواجداد کا خرقہ زیب تن کر کے خانقاہ میں بیٹھ گئے جب لوگوں نے بیعت کی درخواست کی تو آپ نے کمال صدق و راستی سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ بھائیو ابھی تک میں نے اپنے آپ کو نہیں پہچانا ۔ دوسروں کا ہاتھ کس طرح پکڑ سکتا ہوں ۔ اس کام کی اصل دیانت ہے ۔ اس لیے اس وقت اگر میں لوگوں کو بیعت کرنے کی جرأت کروں تو دیانت کے خلاف ہوگا ۔ پس آپ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوگئے چنانچہ پہلا کام جو آپ نے کیا، یہ تھا کہ حجرہ کے اندر خلوت گزیں ہوگئے اور ایک سال تک باہر قدم نہ رکھا ۔ اس دوران میں کھانے پینے کی طرف توجہ نہ کی بلکہ جب کھانے یا گوشت کی بو آتی تھی تو بے قرار ہو جاتے تھے ۔ عالم باطن سے آپ کو اس قدر انس ہوگیا تھا کہ اہل عالم کی شکل تک دیکھنا پسند نہ تھا ۔ حتیٰ کہ آپ نے حضرت مخدومی قبلہ گاہی کے نقش قدم پر سلوک طے کر لیا ۔ اس کے بعد آپ تربیتِ مریدین اور ہدایتِ خلق کی طرف متوجہ ہوئے ۔ لیکن جو عبادت اور ریاضت آپ نے شروع کی تھی قبر تک اس پر پابند رہے ۔ بلکہ آخر عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا ۔ آپ اکثر تفسیر زاہدی کا مطالعہ کرتے تھے ۔ ایک دن اس فقیر نے عرض کیا کہ حضرت مخدومی قبلہ گاہی (حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی قدس سرہٗ) چھ ماہ تک قبر میں خلوت گزیں ہوئے ۔ آپ کے دوسرے آباواجداد بھی مسند پر بیٹھنے سے پہلے چھ ماہ خلوت میں بیٹھتے تھے لیکن آپ نے ایک سال خلوت فرمائی ہے ۔ فرمایا وہ اہل صفا تھے اور میں بہت کثیف تھا ۔ اس لئے ایک سال خلوت کی ۔ آپ کا مشرب عشق و محبت، اور ذوق و شوق تھا اور ہر وقت کلماتِ توحید آپ کی زبان پر رہتے تھے ۔ خواجگان چشت کی رسم کے مطابق آپ کو سماع کا بہت شوق تھا اور خوش الحان قوال ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ۔

قوالی میں اکثر دیوان مغربی، حضرت بو علی قلندر، اور دیوان خواجہ حافظ شیرازی کی غزلیں گائی جاتی ہیں۔ کبھی کبھی آپ پر وجد بھی طاری ہو جاتا تھا اور آپ قوالوں کو بہت رقومات عطا کرتے تھے۔ اگرچہ آپ کو فتوحات (نذرانے) بہت ملتے تھے لیکن لنگر کا خرچ اس سے زیادہ تھا۔ کشفِ قلوب اور کشفِ قبور میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ اس فقیر کو بھی اس عارفِ ربانی کے ہاں ایک خلوت نصیب ہوئی۔ آپ روزانہ فقیر کے خلوت خانہ میں تشریف لاتے تھے اور عالمِ باطن سے جو کچھ احقر پر وارد ہوتا تھا وہ مفصل حضرت شیخ کے سامنے بیان کرتا تھا۔ آپ قطب وقت تھے حضرت مخدومی قبلہ گاہی (حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی قدس سرہٗ) نے عالم معاملہ میں اس فقیر کو بتا دیا تھا کہ میرا بیٹا شیخ حمید قطب وقت ہے۔ جب یہ عاصی خلوت سے باہر آیا تو آپ نے خرقہ خلافت مع امانت خواجگان چشت عطا فرمایا اور فقیر کے حال پر بہت توجہ فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تجھے ملا ہے سب شیخ احمد عبدالحق قدس سرہٗ کے حکم سے ملا ہے۔ کیونکہ ہمارے مشائخ کا سلسلہ تجھ سے روشن ہوگا۔

اس وقت خواجگان چشت کی ولایت تمہارے سپرد کر دی گئی ہے۔ اب اپنے گھر میں بیٹھ کر اللہ تعالےٰ کے حکم سے ولایت تقسیم کرتے رہو اور تجھے یہ کام مبارک ہو۔ اس عنایت بے پایاں کا کس زبان سے شکر ادا کروں۔

کچھ عرصے کے بعد یعنی جہانگیر بادشاہ کے ایام سلطنت میں جمادی الاول کی دو تاریخ ۱۰۳۲ھ کو آپ نے وصال فرمایا اور اپنے جد بزرگوار کے پہلو میں بمقام ردولی دفن ہوئے۔

حضرت شیخ نور الحق بن شیخ علاء الحق بنگالی قدس سرہٗ

آں سر حلقۂ عارفانِ ہمدم وصال، آں محب ترینِ مقربان حضرتِ ذوالجلال، آں ممتاز بعشق در جمیع مقامات عالی محبوبِ حق مخدوم شیخ نور الحق بن شیخ علاء الحق بنگالی قدس سرہٗ۔

آپ کا اصلی نام شیخ احمد اور لقب نور الحق ہے۔ آپ کے والد کا نام شیخ عمر اور لقب شیخ علاؤ الحق ہے۔ آپ کے دادا کا نام شیخ اسعد لاہوری ہے آپ کو شیخ نور قطب عالم کہتے ہیں کیونکہ آپ سرحلقۂ اقطاب تھے۔ آپ بڑے عالی مقام بزرگ تھے۔ غایت سوز و درد سے آپ پر ہر وقت گریۂ جگر سوز طاری رہتا تھا۔ ذوقِ سماع میں آپ کو بہت غلو تھا۔ تربیتِ مریدین اور ان کے معاملات کے حل کرنے میں آپ بے نظیر تھے۔ ابتدائے حال سے لے کر انتہا تک آپ اپنے والد کے مرید خلیفہ اور جانشین تھے۔ شیخ علاؤ الحق کے حالات پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ اگرچہ شیخ کے فرزند بہت تھے لیکن طریقت کی خدمت آپ شیخ نور الحق کے سوا کسی سے نہیں لیتے تھے چنانچہ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ خانقاہ کے تمام فقراء کی خدمت یعنی کپڑے دھونا پانی گرم کرنا وغیرہ آپ کے ذمہ تھا۔ اس سے پہلے بیت الخلا کی صفائی کا کام بھی آپ کے سپرد تھا۔ ایک دفعہ ایک درویش کے پیٹ میں درد تھا۔ وہ بے وقت بیت الخلا گیا۔ آپ صفائی کر رہے تھے اس لئے غلاظت آپ کے جسم اور کپڑوں پر لگ گئی۔ اتفاقاً شیخ علاؤ الحق وہاں سے گذر رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر آپ خوش ہوئے اور اس روز سے دوسری خدمت ان کے سپرد کر دی۔ یہ بھی فرمایا کہ تم نے یہ خدمت اچھی طرح انجام دی ہے۔ اب اسے ختم کرو اور دوسرا کام کرو۔ کتاب رفیق العارفین میں حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری رح کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ شیخ نور الحق آٹھ سال تک اپنے پیر کے گھر کا ایندھن لاتے رہے۔ ایک دفعہ اعظم خان نے جو آپ کے خاندان کے امراء میں سے اور ملک بنگال کے وزیر تھے آپ کو اس حالت دیکھ کر کہا قاضی نور تمہاری زندگی برباد ہو گئی۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ علاؤ الحق نے ایک دن دیکھا کہ لکڑیوں کا گٹھا سر پر لئے آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے ایندھن تیری کیا ہستی کہ نور کے سر پر سوار ہو یہ کہتے ہی گٹھا سر سے اوپر ہوا میں چلنے لگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ فلاں جگہ پر عورتیں پانی نکالتی ہیں زمین پر کیچڑ پھیل گئی ہے جس کی وجہ سے عورتیں پھسل جاتی ہیں اور گھڑے ٹوٹ جاتے ہیں۔ وہاں سے گھڑے اٹھا کر ان کو باہر نکال دیا کرو۔ چار سال تک آپ یہ خدمت

انجام دیتے رہے اور مشائخ عظام کے عرس کے موقعوں پر آپ پانی بھرتے رہے۔ چنانچہ آپ کی موافقت میں جب خلفاء کی دستار بندی ہوتی تھی تو پہلے پانی کا گھڑا سر پر رکھ کر چلتے تھے۔ یہ دیکھ کر بنگال کے بعض لوگ ہنستے تھے لیکن ان کے مقامات میں روز بروز ترقی ہوتی تھی۔ عبادات اور ریاضات میں اس قدر مجاہدہ کرتے تھے کہ طاقت بشری سے باہر تھا۔ حضرت گنج شکر کی متابعت میں آپ کنوئیں میں الٹا لٹک کر صلوٰۃ معکوس ادا کرتے تھے۔ پہلی رات آپ نے چار سو رکعت پڑھی ایک رات آپ کا دستار مبارک کنوئیں میں گر گیا۔ شیخ علاؤالدین کو یہ بات معلوم ہو گئی۔ آپ کنوئیں پر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ شیخ نورالحق ننگے سر کنوئیں سے باہر آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے نور دوسرا دستار ہم سے طلب نہ کرنا۔ یہ کہنا تھا کہ دستار کنوئیں سے باہر آپڑا اور آپ نے اٹھا کر سر پر باندھ لیا۔

غرضیکہ آہستہ آہستہ آپ نے تمام مقامات و منازل طے کر لئے اور مرتبہ تکمیل وارشاد پر پہنچ گئے۔ اس کے بعد شیخ علاؤالدین قدس سرہٗ نے آپ کو اپنی مسند پر بٹھا کر اس جہان سے رحلت فرمائی۔ صاحب لطائف اشرفی (حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی) فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ حضرت نورالحق کی وفات کے بعد آپ کے دوسرے لڑکوں نے حضرت شیخ نورالحق سے خلافت اور سجادگی کے بارے میں جھگڑا کیا اور یہ قصہ بہت طویل ہو گیا۔ اتفاقاً ان ایام میں میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ اپنے شیخ کے فاتحہ کی خاطر وہاں تشریف لے گئے۔ ان کو معلوم تھا کہ حضرت شیخ کی وصیت کے مطابق شیخ نورالحق حق پر تھے۔ اس لئے ایک دن آپ شیخ نورالحق کو باہر لے گئے اور ایک پہاڑ کے قریب جا کر فرمایا کہ یہ لوگ آپ کی مخالفت ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ مصلحت یہ ہے کہ کل آپ ان کو یہاں لے

آئیں اور ان سے کہیں کہ جو شخص اس پہاڑ کو ہلا دے والد بزرگوار کے سجادہ کا وہی مستحق ہو گا۔ آپ نے ابھی بات ختم نہ فرمائی تھی کہ پہاڑ ہلنے لگا۔ میر سید اشرف جہانگیر نے فرمایا میں ابھی مخدوم زادہ سے بات کر رہا ہوں تم فی الحال ساکن رہو۔ پہاڑ ساکن ہو گیا۔ دوسرے دن فریقین مع خلقت پہاڑ کے قریب پہنچ گئے۔ دوسرے فریق

کے لوگوں نے جس قدر کوشش کی اور مراقبے کئے پہاڑ میں کوئی جنبش نہ ہوئی لیکن جونہی شیخ نورالحقؒ نے اشارہ کیا پہاڑ کو جنبش ہوئی اور چلنے لگا۔ اسی دن سے مخالفت ختم ہوگئی اور آپ تربیت مریدین میں مشغول ہوگئے۔ سلاطین وقت اور بہت لوگ آپ کے گرد جمع ہونے لگے اور آپ کی شہرت مشرق سے مغرب تک پھیل گئی۔

ان کمالات کے باوجود آپ سجادہ پر نہیں بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں اس کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ سجادہ کا حق یہ ہے جو اس پر بیٹھے اسے دائیں بائیں نہیں دیکھنا چاہیے۔ رفیق العارفین میں لکھا ہے کہ آپ گلیم نہیں اوڑھتے تھے۔ اور سردی میں کوئی چیز سر پر رکھ لیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ گلیم وہ پہن سکتا ہے جو حظوظِ نفس سے باز رہے۔ آپ فرماتے تھے کہ "پیرانِ مانفس نے راندند ہر کرا نعمتے مے دادند میان طعام و آب ایثار مے کردند" (ہمارے مشائخ نفس پرستی نہیں کرتے تھے بلکہ جب کسی کو نعمت دیتے تھے خورد و نوش سے باز رہ کر اس کی حاجت روائی کرتے تھے) جب کوئی شخص حضرت شیخ نورالحق کی خدمت میں حاجت روائی کے لیے آتا تھا آپ فاتحہ پڑھتے تھے اور ولایت کا زور نہیں دکھاتے تھے۔ بلکہ یہ مصرعہ پڑھتے تھے۔ "قفل مہمات را فاتحہ آمد کلید (اشکلات حل کرنے کے لیے فاتحہ چابی ہے۔)

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کا ایک مرید تھا جس کا نام سید علی اکبر تھا۔ بہت ریاضت و مجاہدہ کرتا تھا۔ چنانچہ چالیس قرنقل سے ایک چلہ کیا کرتے تھے۔

ایک دن ان پر حالت طاری ہوئی اور کہنے لگے کہ جو شخص علی اکبر کا چہرہ دیکھے گا اس پر دوزخ کی آگ حرام ہوگی۔ یہ سن کر ان کے گرد لوگوں کا ہجوم ہوگیا اور بڑی شہرت ہوئی۔ جب حضرت نور قطب عالم کو یہ بات معلوم ہوئی تو بہت پریشان ہوئے کیونکہ سلطان غیاث الدین شاہ بنگال بہت سخت آدمی تھا ممکن ہے اس قدر ہجوم دیکھ کر اسے بادشاہی چلے جانے کی فکر ہو۔ جب سید علی اکبر کو آپ کے

سامنے لایا گیا تو آپ نے ایک تیز نگاہ ڈالی اور مٹھائی کا ٹکڑا طلب کر کے انہیں کھانے کو دیا اور خود نماز میں مشغول ہو گئے۔ مٹھائی کھاتے ہی ان کی حالت سلب ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے جس قدر کوشش کی وہ حالت واپس نہ آئی۔ آپ نے فرمایا میری خواہش تھی کہ تجھے بلند مقامات پر لے جاتا لیکن تم نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑا مارا ہے۔ مشائخ چشت کی موافقت میں آپ ستر حال بہت فرماتے تھے (اپنے آپ کو پوشیدہ رکھتے تھے) اور نہایت عجز وانکسار سے کام لیتے تھے۔

ایک دن سلطان غیاث الدین نے آپ کی خدمت میں طعام کا خوانچہ بھیجا۔ آپ نے نہایت عزت واحترام سے خوانچہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ یہ دیکھ کر شیخ حسام الدین مانکپوری کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ وہ دنیا کا بادشاہ ہے اور آپ دین کے بادشاہ ہیں اس قدر تعظیم کی کیا ضرورت تھی۔ آپ نے اس کے دل کے خطرہ سے آگاہ ہو کر دوسرے دن ان کو حدیث کی کتاب دکھائی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ہمارے امرا کی تعظیم کی اس نے میری تعظیم کی اور جس نے میرے امرا کی مخالفت کی اس نے میری مخالفت کی اور جس نے میری مخالفت کی اس نے حق تعالےٰ کی مخالفت کی اور کافر ہوا۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آنحضرت نے فرمایا بابا نور امامت کیا کرو تاکہ تیری برکت سے دوسروں کی نماز قبول ہو۔ پس کچھ عرصہ آپ امامت کرتے رہے۔ ایک دن صبح کی نماز میں آپ کو مشاہدہ حق میں اس قدر استغراق ہوا کہ سلام بھول گئے اور اسی طرح بیٹھے رہے۔ حتیٰ کہ سورج نکل آیا۔ ایک دفعہ آپ نماز پڑھا رہے تھے کہ فرمایا میں حق تعالےٰ کو دیکھ رہا ہوں الصلوۃ معراج المومنین (نماز مومنوں کا معراج ہے)۔ اس کے بعد عالم ہوشیاری میں آکر فرمایا کہ ساری عمر میں مجھ سے یہی دو شطحیات سرزد ہوئے ہیں۔

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت قطب عالم نے فرمایا کہ مشائخ متقدمین نے سلوک کی ننانوے منازل مقرر کی ہیں یعنی اسمائے الٰہی کی تعداد کے مطابق جن کے بعد سلوک تمام ہوتا ہے مشائخ چشت نے پندرہ منازل مقرر کئے ہیں اور اس فقیر نے تین منازل اختیار کیں۔ پہلی منزل حاسبوا قبل ان تحاسبوا (اپنی نیکیوں

اور برائیوں کا حساب کر و قبل اس کے کہ تمہارا حساب ہو) دوسری منزل مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فِی الدِّینِ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ "۔ (جس شخص کا حال دو دن برابر رہا وہ خسارے میں رہا) تیسری منزل اَلْفَقْرُ نَفْیُ الخَوَاطِر (فقر کا مطلب دل کو ماسوی اللہ سے پاک رکھنا ہے پہلی منزل میں اپنے نفس سے حساب کرنا ہے کہ دن رات میں کون سا اچھا کام اور کون سا برا کام کیا۔ پس اس کوشش میں لگا رہے کہ ہر ساعت نیکیاں زیادہ ہوں اور برائیاں دور ہو جائیں۔ دوسری منزل یہ ہے کہ دو دن اس کا حال برابر نہ رہے یعنی ہر روز اور ہر آن ترقی کرتا ہے اور اپنے حال پر قناعت کر کے نہ بیٹھ جائے تیسری منزل یہ ہے کہ ہر لحظہ اپنے دل کی غیر اللہ سے محافظت کرے ۔

ہر خیالِ غیرِ حق را دزد داں ۔۔۔ ایں ریاضت سالکاں را فرض داں

(ہر ماسوای اللہ کے خیال کو چور سمجھو اس کام کو فرض قرار دیدو)

پس حق تعالےٰ کے ذکر فکر، ذوق و شوق اور عشق و محبت کے بغیر کوئی سانس نہ نکلے ان کاموں سے سالک کا کام انجام کو پہنچتا ہے اور ریاضت کی انتہا یہ ہے کہ جس وقت اپنے دل کی طرف نگاہ کرے اسے مشغول بحق پائے خواہ نیند میں ہو خواہ بیداری میں۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن قطب عالم مشغول تھے کہ یکایک دل میں جذبہ پیدا ہوا اور آپ حجرہ سے باہر جا کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے آواز آئی کہ ع فکرت رہا کن عاشقا دیوانہ شو دیوانہ شو

(اے عاشق فکر چھوڑ دے اور دیوانہ ہو جا دیوانہ ہو جا۔)

وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن قطب عالم گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ اور پالکی پر بیٹھ گئے اور زبان مبارک سے یہ فرماتے رہے "ساری عمر ہم روتے رہے اور آنکھوں سے پانی بہتا رہا" آخر آپ اپنی بیوی کے گھر تشریف لے گئے۔ انہوں نے دین کے متعلق کوئی سوال کیا۔ وہاں سے آپ گریہ کرتے ہوتے، باہر آئے اور فرمایا اگر میں بخشا گیا تو اس عورت کے طفیل بخشا جاؤں گا۔ شیخ حسام الدین رح مانکپوری فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ سوار ہو کر جا رہے تھے اور خلقت آپ کے ہمراہ تھی لیکن آپ کثرتِ گریہ سے بے ہوش تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں

کا دریا بہہ رہا تھا ۔ آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے "حق تعالےٰ نے
اس قدر مخلوق میرے تابع کر دی ہے کہ کل قیامت کے دن میرا سر ان کے
قدموں کے نیچے پامال ہو" ایک دن کسی نے آپ سے کہا کہ میری آپ کے
ساتھ باب السلام (مدینہ منورہ) پر ملاقات ہوئی تھی ۔ آپ نے فرمایا "یارو"
میں نے گھر سے باہر کبھی قدم نہیں رکھا بعض لوگ ہم شکل ہوتے ہیں ۔ اس نے
کہا مخدوم میں نے آپ کو دیکھا ہے ۔ آپ نے اسے کچھ دے کر رخصت
فرمایا اور اس بات کے تذکرے سے منع فرمایا ۔

جب آپ نے حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری کو خرقہ خلافت اور
مشائخ چشت کی امانت عطا فرما کر قصبہ مانکپور کی طرف رخصت فرمایا اور اس
علاقے کا صاحب ولایت بنایا تو انہیں وصیت کی کہ سخاوت میں آفتاب
کی طرح تواضع میں پانی کی طرح تحمل میں رہنا کی طرح رہنا اور خلقت کا ظلم سہتے رہنا ۔
چنانچہ ان کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں ۔

غرضیکہ حضرت شیخ نور قطب عالم قدس سرہ کے کمالات و کرامات
اظہر من الشمس ہیں ۔ آپ کے پُر درد خطوط بھی بہت ہیں جن کے چند اقتباسات
یہاں درج کئے جاتے ہیں ۔

مکتوب نور بجانب نجم ۔ یہ بے چارہ غمزدہ نور مسکین جس نے عمر برباد کر دی ہے
اور مقصود کی بو تک نصیب نہیں ہوئی ۔ حیرت اور حسرت کے میدان میں گیند کی
طرح سر گردان ہے ۔ بیت ؎

ہمہ شب بہ زاریم شد کہ صبا نداد بوئے ۔
نہ دمید صبح بختم چہ گنہ بود صبا را ۔

(میں ساری رات روتا رہا اور باد صبا نے ذرہ بھر محبوب کی خوشبو
نہ پہنچائی باد صبا کا کیا قصور میری قسمت کی صبح ہی نہ پھوٹی)

عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہو گئی ہے ، تیر نشانہ سے خطا کر گیا ہے ۔ نفس امارہ

سے ایک لمحہ نجات نہیں۔ جگر میں آگ لگی ہوئی ہے آنکھوں سے دریا بہہ رہے ہیں سر میں خاک ہے۔ حصولِ مراد سے تہی دست ہوں۔ ندامت اور خجالت اور آہ وزاری کے سوا کچھ حاصل نہیں ؎

دلِ مردانِ دیں پر درد باید　　زمحنت فرقِ شاں پر گرد باید

(طالبانِ حق کا دل درد سے بھرا ہوا ہونا چاہیے اور محنت و مجاہدہ کی وجہ ان کے سر میں خاک رہنی چاہیے)

درویش کا قرار بے قراری، درویش کی عبادت غیر حق سے بیزاری، غیر حق میں مشغولی گرفتاری، استغراقِ باطن کے بغیر عبادت بے کاری، ظاہری وجاہت بدکاری خونِ جگر پینا بزرگواری، اور ماسوی اللہ سے آنکھیں بند کرلینا برخورداری ہے عوام ظاہری عبادت میں کوشاں رہتے ہیں اور خواص طہارت باطن میں۔ آپکی وفات دس ماہ ذیقعدہ ۸۱۸ھ کو ہوئی یعنی نورِ حق ہوا نور سے تاریخ وفات ان الفاظ سے نکلتی ہے "نور با نور شد"۔ آپ سلطان ابراہیم شرقی کے معاصر تھے۔

حضرت شیخ رفعۃ الدین قدس سرہٗ

آپ حضرت شیخ نور قطب عالم کے بڑے لڑکے تھے۔ آپ بڑے منکسر المزاج اور صاحب حال تھے۔ شیخ حسام الدین مانکپوریؒ فرماتے ہیں کہ شیخ رفعۃ الدین نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں بازاری کتے سے بھی کمتر ہوں آپ کے کمالات کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے ؎

ازاں بر ملائک شرف داشتند　　کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

(بندگان خدا اس لئے ملائک پر فضیلت رکھتے تھے کہ اپنے آپ کو کتے سے بھی بہتر نہیں سمجھتے تھے)

حضرۃ شیخ انور قدس سرہٗ

آپ شیخ نور قطب عالم قدس سرہٗ کے چھوٹے لڑکے ہیں ۔ بڑے بزرگ اور بلند ہمت تھے ۔ آپ کے ذمہ یہ خدمت تھی کہ بکریاں چراتے تھے اور خانقاہ کے درویشوں کے لیے ذبح کرتے اور انکو کھلاتے تھے لیکن خود نہیں کھاتے تھے ۔

شیخ حسام الدین مانکپوریؒ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ایک دن میں نے مخدوم زادہ شیخ انور سے دریافت کیا کہ عشق کیا ہے فرمایا مردان حق جو آنکھ اٹھا کر دیکھتے ہیں انہیں دوست نظر آتا ہے یا خیال دوست یا پیام دوست ورنہ آنکھ کیوں کھولیں شیخ نور قطب عالم کی اولاد میں بڑے عالی مقام بزرگ گذرے ہیں ۔ چنانچہ آج تک آپ کا سجادہ قائم ہے ۔

حضرت شیخ سبحانی قدس سرہٗ سلسلہ سہروردیہ کے ایک بزرگ صاحب کشف و کرامات تھے اور حضرت نور قطب عالم کے ہم عصر تھے ۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایک دن کسی نے ان سے کہا کہ اس جگہ پر ایک قطب کا نزول ہوگا چنانچہ انہوں نے ایک مجلس منعقد کی اور شیخ نور قطب عالم سے گذارش کی آپ کے سوا یہاں کوئی قطب نہیں ہے غریب خانہ پر تشریف لائیے ۔ آپ نے دعوت قبول کر لی اور ان کے مکان پر تشریف لے گئے ۔ طعام کے بعد قوالی شروع ہوئی تمام اکابر اور اشراف جمع تھے ۔ قوالی کے شروع ہوتے ہی قاضی صدر جہاں نے اٹھ کر کہا کہ یہ غیر شرع ہے اور چلے گئے ۔ اس کے بعد مفتی بھی چلا گیا ۔ اسی طرح تمام منکرین سماع مجلس چھوڑ کر چلے گئے ۔ اس کے بعد مولانا تاج الدین نے جو شیخ علاؤالحق کے داماد یعنی شیخ نور قطب عالم کے بہنوئی تھے اور بڑے عالم فاضل آدمی تھے قوالوں کو منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے ۔ قوال یہ بیت پڑھ رہے تھے ۔

آں سوار کج کلاہ کج تاج سلطانے منست ۔۔۔ بس تراہا کرد و برجان ویرانے منست

(وہ کج کلاہ کج تاج میرا بادشاہ ہے اور اسی کی وجہ سے میرے ویران دل پر بجلیاں گر رہی ہیں کج کلاہ اور کج تاج سے مراد لااوبالی شان رکھنے

والا مطلق العنان محبوب ہے)

اس شعر سے شیخ نور الحقؒ پر حالت طاری ہو گئی۔ لیکن مولانا تاج الدین نے بحث شروع کر دی۔ حضرت شیخ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب مولانا نے بہت شور مچایا تو شیخ قطب عالم نے جوش میں آ کر فرمایا "مولانا تاج الدین چندیں شوخی مکن" (یعنی اس قدر شوخی نہ کرو) مولانا جب گھر پہنچے تو سارے جسم پر آبلے تھے اور مرض برص میں مبتلا ہو گئے۔ جب شیخ کی ہمشیرہ نے عاجزی کی تو فرمایا اب اس سے کوئی فائدہ نہیں البتہ حالت زیادہ خراب نہ ہوگی۔ اس قسم کے کرامات آپ سے بہت سرزد ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت حاجی میر سیّد عبدالرزاقؒ

آں سید کریم الطرفین، آں مخاطب بخطاب نور العین، آں اشرف آفاق حاجی، میر سیّد عبدالرزاق قدس سرہٗ۔ آپ مقتدائے وقت اور میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ میر سیّد اشرف جہانگیر ستائیس سال کی عمر میں حضرت شیخ علاؤالحق کے مرید ہوئے شیخ نے ان کے لیے اپنی خانقاہ کے قریب حجرہ عطا فرمایا جہاں وہ مشغول رہتے تھے۔ ایک دن حضرت شیخ کی خدمت میں جانے کے لیے کمر باندھ رہے تھے کہ شیخ خود تشریف لائے۔ اور دریافت فرمایا کہ کیا کر رہے ہو آپ نے جواب دیا کہ خدمت شیخ کے لیے کمر باندھ رہا ہوں شیخ نے فرمایا مضبوط باندھنا۔ اشارہ یہ تھا کہ شادی سے گریز کرنا چاہیے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے ساری عمر شادی نہ کی اور مجرد اور مسافر رہے۔ لیکن آپ اس خیال سے ذرا پریشان تھے کہ ہمارا بیٹا ہمارا جانشین نہ ہوگا حضرت شیخ علاؤالحق ان دل کے خطرے سے آگاہ ہو کر مراقبہ میں چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا کہ حق تعالےٰ نے تجھے ایک فرزند معنوی عطا فرمایا ہے۔ جو تمہارا جانشین ہوگا اور تمہارا سلسلہ جاری رکھے گا۔ اسی دن سے آپ اس معنوی فرزند کی جستجو میں رہنے لگے۔ جب کچھ عرصے کے بعد آپ دوبارہ

خراسان اور عراق کی سیر کے لیے تشریف لے گئے تو سید حسین عبدالغفورؒ سے ملاقات ہوئی۔ سید حسین غوث صمدانی محبوب سبحانی میر سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی اولاد میں سے تھے اور میر سید اشرف جہانگیرؒ کی خالہ زاد بہن ان کے گھر میں تھیں۔ جو میر سید عبدالرزاق کی والدہ تھیں۔ چنانچہ میر سید عبدالرزاق کو بارہ سال کی عمر میں آپ نے اپنا فرزند بنالیا اور ان کے والدین نے رضا و رغبت کے ساتھ آپ کے ساتھ رخصت کر دیا اور بڑا جشن منایا۔ اسی وقت سے سیّد عبدالرزاقؒ آپ کے زیر سایہ پرورش پانے لگے اور تمام ظاہری و باطنی علوم طے کر کے مرتبۂ کمال کو پہنچے۔ آپ کمال شفقت سے فرمایا کرتے تھے کہ لوگ صلب (پشت) سے بچے نکالتے ہیں میں نے عبدالرزاق کو اپنی آنکھوں سے نکالا ہے اور یہ شعر فی البدیہہ آپ کی زبان سے نکلا ؎

چہ نور دیدہ ام از نور دیدہ کہ نور دیدہ باشد نور دیدہ

(میں نے اپنی آنکھوں کے نور سے کیا نور دیکھا ہے جو میری آنکھوں کا نور بن گیا۔)

اس دن سے آپ کا خطاب "نور العین" ہو گیا۔ نیز فرمایا کہ میں نے سید عبدالرزاق کی اولاد کو خزانۂ الٰہی میں شریک کیا ہے اور حق تعالیٰ سے درخواست کی ہے: کہ اگر عبدالرزاق کی اولاد قانع ہو تو ان کو کسی کا محتاج نہ کیجیے۔ ان کی ادنیٰ سی توجہ سے لوگوں کے کام بن جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں حیات و ممات میں اپنی اولاد کے ساتھ ہوں۔ اس کے ساتھ آپ نے یہ نظم پڑھی ؎

کسے کو اولیا را مردہ داند۔ پس آنکس مردہ است واں زندہ باشد

شرف در زندگی باشد نہ مردہ بہر جا خوانیش آیندہ باشد

(جو شخص اولیاء اللہ کو مردہ سمجھتا ہے وہ خود مردہ ہے اور اولیاء زندہ ہیں اشرف زندہ ہے نہ کہ مردہ جہاں اسے یاد کرو گے پہنچ جائیگا۔)

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن آپ خوش وقت تھے اور ایک مرید کے حق میں بخشش و نوازش فرما رہے تھے۔ جب آپ کی نظر میر سید عبدالرزاق

پر پڑی تو فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو مکمل تجھ پر نثار کیا ہے اور مجھ سے کوئی چیز دریغ نہیں کی اور تمہاری اولاد کے حق میں حق تعالےٰ سے یہ درخواست کی ہے کہ ہمیشہ مقبول و مسعود رہیں اور تمہاری اولاد میں سے ہر طبقہ میں ایک رجال غیب اور مجذوب ہوگا اور وہ ایسا شخص ہوگا جس کے اندر میری حالت اتر آئے گی۔

میر سید عبدالرزاق کے کمالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کیا مرتبہ تھا چنانچہ آپ کی ولایت کا فیض آج تک بارانِ رحمت کی طرح لگاتار جاری ہے۔ سید عبدالرزاق نے آنحضرت کی دعا سے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ اس میں سے بارہ سال بیعت سے قبل گذرے۔ اڑسٹھ سال سفر و حجر میں آنحضرت کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا اور آنحضرت کے وصال کے بعد چالیس سال تک حق سجادگی ادا کیا اور قسم قسم کے کرامات ظہور میں آئے۔ وفات کے بعد آنحضرت کے مقبرہ میں پہلو بہ پہلو دفن ہوئے۔ یگانہ روزگار میر سید عبدالرزاق کے چار سعادت مند لڑکے تھے۔ سید شمس الدین، سید حسن، سید حسین، سید فرید۔ میر سید اشرف جہانگیر نے وفات کے وقت چاروں صاحبزادوں کو طلب فرمایا۔ سید شمس الدین کی اٹھارہ سال عمر تھی اور بہت سمجھدار تھے۔ ان کو آپ نے جامۂ سبز عنایت کیا اور فرمایا کہ علوم سے بہت بہرہ ور ہوگا لیکن عمر تھوڑی ہے۔ چنانچہ وہ اس جہان سے لاولد گئے۔ سید حسن کو جامۂ تبرک عطا کر کے فرمایا کہ "بحسن احسن الوجود واکبر الوفوہ ہوگئے۔"

چنانچہ ان کے فرزند کافی مدت تک صاحب دولت و حشمت رہے اس کے بعد آباواجداد کی طرح درویشی کی طرف راغب ہوئے۔ چنانچہ آج تک صلاح و بزرگی سے آراستہ آستانہ متبرکہ میں موجود ہیں۔ اس کے بعد آپ نے سید حسین کو جامہ تبرک عطا کر کے فرمایا کہ ہمارا حسین ثانی حسین ہے۔ اس خاندان سے بزرگ پیدا ہوں گے۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔ ان کی اولاد سے اکثر عارفان باکمال وجود میں آئے۔ جن میں سے بعض سالک اور بعض مجذوب تھے۔ چنانچہ میر سید جعفر عرف شاہ لاڈ اور میر سید جہانگیر ہر خاص و عام کے علم میں ہیں۔ اس کے بعد آپ نے سید فرید کو طلب کر کے فرمایا کہ آؤ فرید ثانی تجھ سے محبت الٰہی اور خلعت لامتناہی کی بو آتی ہے۔ ان کو

بھی آپ نے جائزۂ تبرک عطا فرمایا۔ چنانچہ ان کی اولاد سے بڑے صاحب حال و صاحب کرامات بزرگ وجود میں آئے ہیں لیکن اسوقت سید فرید کی اولاد سے کوئی باقی نہیں رہا۔ ان کی نسل شیخ محی الدین سے منقطع ہو گئی۔

میر سید عبدالرزاق کے پانچویں لڑکے شیخ احمد کی ولادت میر سیدا شرف جہانگیر قدس سرہٗ کے وصال کے بعد ہوئی۔ لیکن وہ بھی بڑے صاحب حال تھے۔ انہوں نے اپنے والد بزرگوار سے تربیت حاصل کی تھی۔ ان کی اولاد قصبہ جائس میں آج تک بزرگی اور صلاح کے زیور سے مزین ہے۔ میر سیدا شرف جہانگیرؒ کی وفات کے بعد آپ کے پانچوں بیٹوں نے آپ سے تربیت حاصل کی اور مرتبہ کمال وارشاد کو پہنچے اور سب نے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ لیکن آپ کے سجادہ نشین میر سید حسینؒ ہوئے اور آج تک ان کی اولاد آستانہ عالیہ پر قائم ہے۔ یہ فقیر کاتب حروف باطنی حکم کے مطابق، محرم ۱۰۴۴ھ میں میر سیدا شرف جہانگیرؒ کے آستانۂ ولایت بخش پر حاضر ہو کر معتکف ہوا۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ان دنوں حضرت حسین شریفؒ بن سید علی بن سید محمود بن حاجی بن سید جعفر عرف شاہ لاڈ بن میر سید حسین مذکور سجادہ نشین تھے۔ بڑے صاحب اخلاق اور صاحب الحال تھے۔ اس فقیر کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آئے۔ جب یہ فقیر اعتکاف سے فارغ ہوا تو آپ مجھے اپنے گھر لے گئے اور ضیافت کی اور بہت تواضع سے پیش آئے۔ شام کے وقت دعائے غفوری جو حضرت مخدوم جہانیاں کی طرف سے اس سلسلہ میں معمول تھی اس فقیر کو مرحمت فرما کر رخصت فرمایا۔ اس کے بعد یہ فقیر میر سیدا شرف جہانگیر کے آستانہ پر حاضر ہوا لیکن حیران تھا۔ وجہ یہ تھی کہ شروع میں جب بندہ آپ کے مزار پر حاضر ہو کر نماز تہجد کے بعد مراقب ہوا تو آنحضرت نے ایک خرقہ اس فقیر کے کندھوں پر ڈال دیا اور فرمایا کہ یہ پیراہن مجھے حضرت مخدوم جہانیاں میر سید جلال الدین بخاری (اوچ شریف) سے ملا تھا میں نے تجھے دیا۔ جب سید حسن شریف نے مجھے رخصت کیا تو مجھے کچھ ناامیدی ہو گئی کیونکہ اس خرقہ کا کوئی اثر مجھ پر ظاہر نہ ہوا تھا۔ چنانچہ میں روضۂ اقدس پر مراقب ہوا نصف شب کے بعد حضرت سید حسن شریفؒ کے خادم خاص

سید سلطان نے آکر ان کا پیغام دیا کہ میں نے آپ کو رخصت کیا تھا لیکن حضرت میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ نے مجھے امانت عطا فرمائی ہے۔ صبح کو آئیں اور لے کر گھر جائیں صبح ہوتے ہی خادم مذکور نے دوبارہ آکر کہا کہ میر سید حسن آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ بندہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نہایت عزت و اکرام سے پیش آئے اور فرمایا کہ مجھے ایک پیراہن میرے والد میر سید علی نے آخر عمر میں امانت کے طور پر دیا تھا کہ اسے احتیاط سے رکھنا اور میر سید اشرف جہانگیر جسے چاہیں اسے دے دینا۔ آج رات آنحضرت نے فرمایا ہے کہ یہ امانت عبدالرحمن چشتی (مصنف کتاب ہذا) کے لیے رکھی تھی اسے دے دو۔ چنانچہ آپ نے وہ پیراہن اور خواجگان چشت اور دوسرے چند سلاسل کے اجازت نامے لکھ کر اس فقیر کو عنایت فرمائے اس قسم کے بزرگ اس سلسلے میں اب تک موجود ہیں کسی بزرگ نے خوب کہا ہے ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد۔ چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد۔

(ساری دنیا تباہ و برباد ہو جائے لیکن پھر بھی مقبولان بارگاہ کا چراغ ہرگز نہ بجھے گا)

غرضیکہ میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ کے بہت خلفاء صاحب کمال تھے جن میں سے بعض عرب و روم میں، بعض ایران و توران میں اور بعض دکن اور گجرات میں تھے ان سب کے مفصل حالات لطائف اشرفی میں بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ملک میں جو خلفاء ہیں ان کے حالات یہاں لکھے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ کبیر عباسیؒ

ان میں سے ایک حضرت شیخ کبیر عباسی ہیں جو قصبہ سرپور کے رہنے والے تھے۔ انکا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ کس طرح حضرت شیخ حاجی چراغ ہندوستان اور حضرت میر سید اشرف جہانگیر کی ظفر آباد میں ملاقات کیوقت مرید ہوئے شیخ کبیر بڑے صاحب حال و بلند مرتبہ بزرگ تھے

آپ کا انتقال میر سید اشرف جہانگیر کے سامنے ہوا اور آنحضرت نے آپ کے بیٹے شیخ محی الدین کو تربیت دے کر خدمت ارشاد سپرد کی آنحضرت ان کو دریتیم کہا کرتے تھے لطائف اشرفی میں آپ کے کمالات کا ذکر آیا ہے۔

میر سید اشرف جہانگیرؒ کے ایک اور خلیفہ شیخ شمس الدین صدیق تھے جو شیخ شمس فریادرس کے نام سے مشہور تھے۔

آپ کے حق میں آنحضرت نے فرمایا تھا کہ شمس الدین اشرف ہے اور اشرف شمس الدین ہے۔ شیخ شمس الدین تمام ظاہری و باطنی کمالات کے جامع اور بڑے صاحب کرامت تھے۔

چنانچہ آنحضرت کے حسینِ حیات میں خلافت حاصل کر کے تربیت فرزندان و مریدین میں مشغول ہو گئے اور ان کو بلند مقامات پر پہنچایا۔ حضرت شیخ سدہا جونپوری جو بہت صاحب کمال تھے آپ کے اکابر خلفا میں سے تھے۔ شیخ شمس الدین کا مزار اودھ میں ہے آپ کی مشغولی کا حجرہ شہر لسودی میں تھا۔ وہ بھی زیارت گاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ معروفؒ

آپ بھی حضرت میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں آپ قصبہ الدی مو کے رہنے والے تھے اور سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے حق میں بھی آنحضرت نے فرمایا تھا کہ اشرف معروف ہے اور معروف اشرف ہے۔ اس سے زیادہ کیا کمال ہو سکتا ہے۔ آپکا مزار قصبہ مذکور میں زیارت گاہ خلق ہے۔ آپ کی اولاد آج تک صلاح و بزرگی کے انوار سے آراستہ ہدایت خلق میں مشغول ہے۔

حضرت مخدوم خیرالدین انصاریؒ

آنحضرت کے اور خلیفہ حضرت مخدوم خیرالدین انصاری قدس سرہٗ ہیں جو قصبہ سدھور کے رہنے والے تھے۔ آپ شیخ الاسلام حضرت خواجہ عبداللہ انصاری کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے دادا خواجہ نظام الدین شہر ہرات سے ہندوستان پہنچے اور قصبہ مذکور میں سکونت اختیار کر لی۔ مخدوم خیرالدین بڑے عالم فاضل تھے اور شیخ شمس الدین اودھی کی خانقاہ میں میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بعض مسائل فقہ و اصول میں آپ کو چند اشکال درپیش تھے جو آنحضرت نے پہلی مجلس میں حل کر دیئے اور دوسرے دن بیعت سے مشرف کیا۔ چار سال تک آپ ریاضات و مجاہدات شاقہ میں مشغول رہے اور شیخ کی خدمت کرتے رہے اور تربیت حاصل کرتے رہے

تکمیل سلوک کے بعد آپ کو خرقۂ خلافت ملا۔ ایک مرتبہ آنحضرت آپ کی عزت افزائی کے لیے قصبہ سدھور میں تشریف لے گئے اور شہر کے اکثر چھوٹے بڑے مرید ہوئے ۔اس کے بعد آنحضرت قصبہ جائیس کی طرف چلے گئے اور سدھور کے لوگوں کی تربیت کا کام مخدوم خیرالدینؒ کے سپرد فرمایا۔ لیکن قاضی محمد صدیق سدھور سے جائیس تک آپ کے ہمراہ گئے اور بہت خدمت و ریاضت کے بعد شرف خلافت سے مشرف ہوئے۔ مخدوم خیرالدین بڑے صاحب حال اور صاحب کرامت تھے آپ کا مزار قصبہ سدھور میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ علی بن خیرالدینؒ

آپ اپنے والد کے مرید اور خلیفہ تھے وہ بھی صاحب کمال اور صاحب حال بزرگ تھے ان کا مزار بھی قصبہ سدھور میں ہے۔ حضرت مخدوم خواجگی بن شیخ علی جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔

تحصیل علوم کی خاطر باہر گئے ہوئے تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا اور مشائخ کی امانت ان کے لیے چھوڑ گئے لیکن آپ نے اس پر اکتفا نہ کیا اور جونپور جاکر مخدوم سدھا جو مخدوم شمس الدین اودھیؒ کے خلیفہ تھے کے ہاں مدت تک رہ کر تربیت حاصل کی اور خرقہ خلافت حاصل کرکے سدھور واپس آئے اور اپنے والد شیخ علی کی مسند پر متمکن ہوئے۔ جہاں آپ کی بڑی شہرت ہوئی۔ باوجودیکہ آپ کے تین چار بیٹے تھے آپ نے وفات کے وقت خرقہ خلافت کسی کو نہ دیا اور اشارہ باطنی کے مطابق مخدوم شیخ خاصہ بن شیخ خضر صالحیؒ کو خلافت و امانت مشائخ چشت عطا کیا۔ اس وجہ سے آپ کے لڑکے نے مانک پور جاکر حضرت حاجی سید نورالحق قدس سرہ سے تربیت حاصل کی اور خلافت حاصل کی۔ مخدوم خواجگی کا مزار قصبہ سدھور میں زیارتگاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مخدوم شیخ خاصہؒ

آپ مخدوم خواجگی کے داماد اور خلیفہ تھے اور قصبہ انچولی کے رہنے والے تھے آپ کا سلسلہ نسب شیخ صلاح قریشی دہلویؒ سے جا ملتا ہے ان کے حالات انیسویں طبقہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ مخدوم خواجگی کی وفات کے بعد مخدوم خاصہ نے قصبہ امیٹھی میں سکونت اختیار کرلی۔ اتفاقاً اس زمانے میں امساک باران تھا۔ لوگ اضطراب کی حالت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا میری شامت کی وجہ سے بارش بند ہوگئی۔ پس آپ اپنے آپ کو منہ سیاہ کرکے شہر سے باہر آئے تو حق تعالےٰ نے اسی وقت موسلادھار بارش شروع کردی اور اپنے مقبول بندہ کو سرخروئی عطا فرمائی۔ آپ کے کمالات و کرامات بہت مشہور ہیں۔ حضرت شیخ نظام الدین بن شیخ لیسین عثمان ساکن امیٹھی خورد سال تھے۔ شیخ خاصہ نے اپنی لڑکی ان کے ساتھ منسوب کردی اس سے اہل خانہ اور دوسرے رشتہ دار ناراض ہوگئے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ یہ بچہ قطب وقت ہوگا۔ آخر یہی ہوا۔ اس نعمۃ

کاتب حروف کے دادا شیخ بدھ شیخ خاصہ کے خلیفہ تھے مخدوم خاصہ نے آخر حیات میں خرقہ خلافت اور خواجگان چشت کی ساری امانت اپنے بیٹے شیخ عبدالرزاق کے سپرد کی۔ اور اپنا جانشین مقرر کیا۔ آپ کی وفات ۹۲۰ھ میں واقع ہوئی۔ آپ کا مزار انبیٹھی میں ہے۔

حضرت مخدوم صفی الدین حنفیؒ

مخدوم خاصہ کے دوسرے خلیفہ مخدوم شیخ صفی الدین حنفی ہیں جو قصبہ ردولی کے رہنے والے تھے۔ آپ امام ابو حنیفہ کی اولاد میں سے تھے اور اپنے علم و فضل کی بنا پر ابو حنیفہ ثانی مشہور تھے۔ چنانچہ آپ کے کمالات آپ کی تصانیف سے ظاہر ہیں۔ میر سید اشرف جہانگیرؒ فرماتے تھے کہ بلاد ہندوستان میں میں نے اگر کسی کو فنونِ غرائب و شیونِ عجائب سے آراستہ پیراستہ دیکھا ہے تو وہ برادرم شیخ صفی الدین حنفیؒ ہیں۔ آپ کے مرید ہونے کا سبب یہ ہوا کہ ایک رات حضرت خضر علیہ السلام نے ان کی ایک کتاب کی طرف دیکھ کر فرمایا مجھے معلوم ہے کہ تم نے بہت ورق سیاہ کئے ہیں لیکن اب ان کو سفید کرنے اور صفحۂ دل کو انوار قدس سے منور کرنے کا وقت آیا ہے۔ یہ بات آپ کے دل میں گھر کر گئی اور اس سے آپ کے دل میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو گئی پس آپ نے بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ وہ شخص جس کے انوارِ ولایت اور آثارِ ہدایت سے سارا جہان پُر ہے اس شہر میں آنے والا ہے چند روز کے بعد میر اشرف جہانگیرؒ قصبہ ردولی میں تشریف لائے اور جامع مسجد میں قیام فرمایا۔ شیخ صفی الدینؒ اس سعادت کے منتظر تھے فوراً خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا برادرم شیخ صفی صفا آوردی بیا و دریاب (شیخ صفی تم صفا یعنی صفائے قلب لائے ہو آؤ اور نعمت حاصل کرو)۔ اس کے بعد فرمایا کہ حق تعالیٰ ایسا شخص چاہتا ہے جسے وہ اپنے قرب سے سرفراز کرے اور حضرت خضر علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ دلالت کرے ان کلمات سے شیخ صفی الدین کا عقیدہ اس قدر راسخ ہو گیا کہ اسی وقت مرید ہو گئے۔ آنحضرت نے تھوڑی سی مصری اپنے ہاتھ سے ان کے منہ میں ڈالی اور دعا کی کہ حصولِ نور الانوار مبارک ہو نیز فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ

سے استدعا کی ہے کہ تمہاری اولاد سے علم نہ جانے ۔ چنانچہ ان کی تربیت وارشاد کے لیے آپ نے وہاں چالیس روز قیام فرمایا تاکہ وہ ایک اربعین (چلہ) کرسکیں۔ اس عرصے میں آپ نے ان کو سلوک کے تمام اصول کی تعلیم دے کر خرقۂ خلافت عطا فرمایا اس وقت شیخ اسماعیل بن شیخ صفی الدین کی عمر چالیس دن تھی انہوں نے بچے کو لا کر آنحضرت کے قدموں میں ڈال دیا ۔ آپ نے فرمایا ہم نے اسے بھی قبول کیا یہ بھی ہمارا مرید ہے ۔ اس کے بعد شیخ صفی الدین کو قصبہ ردولی میں مسند نشین کر کے آپ شہر اودھ کی طرف چلے گئے شیخ سماء الدین ساکن قصبہ ردولی آپ کے ہمراہ گئے۔ کافی ریاضت کے بعد آنحضرت نے انکو بھی خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔

مخدوم صفی الدینؒ بہت صاحب کمال تھے اور کئی سال تک ہدایت خلق میں مشغول رہ کر شیخ اسماعیل کو اپنا جانشین بنایا اور خود عالم بقا کی طرف رحلت کر گئے۔ آپ کا مزار قصبہ ردولی میں ہے ۔ آپ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے دادا ہیں۔
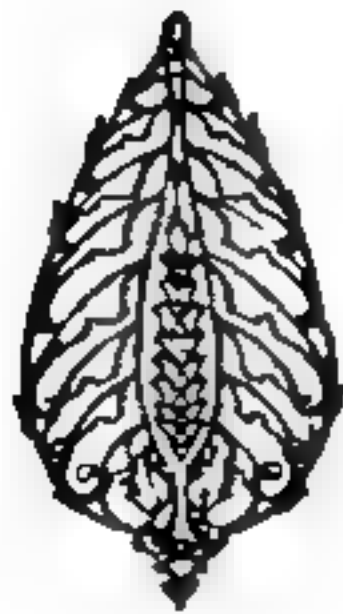
حضرت شیخ عبدالقدوس بن شیخ اسماعیلؒ

آں سرحلقۂ عاشقانِ جانباز، آں در جمیع مقاماتِ عارفان ممتاز، آں قطبِ وقت بے دلیل، مستِ توحید، حضرت شیخ عبدالقدوس بن اسماعیل قدس سرہٗ آپ بڑے عالی مقام اور صاحب ذوق سماع تھے۔ تمام ظاہری و باطنی کمالات میں اپنے وقت میں بے نظیر تھے۔ آپ فی الحقیقت اویسی تھے اور حضرت مخدوم شیخ احمد عبدالحق ردولوی قدس سرہٗ کی روحانیت سے تربیت حاصل کی تھی۔ لیکن ظاہری طور پر آپ حضرت شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔ چنانچہ آپ نے حضرت شیخ رکن الدین قدس سرہٗ کے ملفوظات میں اپنی بیعت کے مفصل حالات درج کئے ہیں اور حضرت شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس نے اپنے والد بزرگوار کے جمیع حالات ابتداء سے انتہا تک رسالہ لطائف قدسی میں لکھے ہیں (یہ رسالہ احقر مترجم کے پاس موجود ہے۔ ترجمہ اردو کا ارادہ ہے) نیز حضرت شیخ محمد ترکؒ ساکن ردولی نے جو آپ کے مرید و خلیفہ تھے بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تاریخ محمدی اور خلاصۃ التاریخ ہے۔ اس کتاب میں تمام سلاطین دہلی اور علماء مشائخ کے حالات درج ہیں اس میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے حالات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب اخبار الاخیار نے بھی آپ کا ذکر کیا ہے اس فقیر کاتب حروف نے ہر جگہ سے اقتباسات لے کر اس کتاب مراۃ الاسرار میں جمع کئے ہیں جب حضرت شیخ احمد عبدالحق مسافرت ظاہری و باطنی کے بعد قصبہ ردولی میں تشریف لائے اور مسند ارشاد پر متمکن ہوئے تو آپکا شہرہ شرق سے غرب تک بلند ہوا اسوقت شیخ اسماعیل بن شیخ صفی الدین حنفی بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آپ نے فرمایا شیخ صفی الدینؒ کی تربیت تمہارے لئے کافی ہے لیکن تمہاری پشت سے ایک فرزند سعید ازلی وجود میں آئے گا اور ہماری دولت اس کو ملے گی۔ چنانچہ باوجودیکہ شیخ اسمٰعیل کے تمام فرزند عالم و فاضل اور صالح تھے لیکن وہ نعمت شیخ عبدالقدوسؒ کو نصیب ہوئی۔ آپ کی ولادت حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ کے وصال کے بعد واقع ہوئی۔ جب آپ سن تمیز کو پہنچے تو شیخ عارف بن شیخ عبدالحقؒ بھی رحلت کر چکے تھے۔ شیخ محمد بن شیخ عارفؒ پر جو آپ کے ہم عصر تھے آپ کا اعتقاد درست نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ کے دل کے خمیر میں شیخ احمدؒ قدس سرہٗ کی محبت پیوست ہو چکی تھی۔ اس لئے آپ نے حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ کے روضہ اقدس کی جاروب کشی اختیار کر لی اور آنحضرت کی محبت میں گھلتے رہے۔ ایک رات کتاب کافیہ ہاتھ میں لئے آنحضرت کے مزار پر گئے۔ مزار سے آواز حق حق حق آنے لگی۔ اس سے آپ پر اس میں دولت قدر کیفیت طاری ہوئی کہ بے خود ہو کر گر پڑے اور اس بے خودی کی حالت ازلی و ابدی سے نوازے گئے۔ اس کے بعد آپ کو حکم ہوا کہ اپنے تختۂ دل کو "العلم حجاب الاکبر" (علم سب سے بڑا حجاب ہے) سے سیاہ نہ کرو۔ اور اصلی کام میں مشغول ہو جاؤ۔ چنانچہ آپ کو شغل باطن میں مشغول کیا گیا اسی روز سے آپ نے کتاب کا مطالعہ ترک کر دیا اور حضرت شیخ کی روحانیت سے اخذ فیض کرتے رہے۔ ظاہری طور پر آپ شیخ پیاراؒ کی صحبت میں بیٹھ کر حقائق و معارف کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ شیخ پیاراؒ حضرت شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق کے محرم راز خادم تھے۔ آپ نے ان سے بھی تربیت و ارشاد حاصل کیا۔ بڑے بابرکت بزرگ تھے۔ انکا مزار آنحضرت کے روضہ کے قریب ہے حضرت شیخ احمد عبدالحق کی روحانیت حضرت شیخ عبدالقدوس کی تربیت میں اسقدر متوجہ ہوئی کہ اگر آخر شب میں آپ پر نیند غالب آجاتی تو آنحضرت آپکو جگا دیتے تھے کہ اٹھو اور نماز تہجد ادا کرو۔ اگر آپ ماں باپ کے گھر جاتے یا کسی اور کام کی طرف متوجہ ہوتے تو اسی وقت آواز

حق حق حق آپ کو ظاہری کانوں سے سُنائی دیتی اور متنبہ ہو کر آستانہ عالیہ میں چلے جاتے اور اصل کام میں مشغول ہو جاتے۔ ایک مرتبہ کسی تقریب کے سلسلہ میں آپ اپنے والدین کے گھر گئے اور تین دن قیام فرمایا۔
حضرت شیخ نے عالم معاملہ میں فرمایا کہ ہم نے تمہارا گھر جلا دیا ہے اب بھی گھر نہیں چھوڑتے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سارے گھر کو آگ لگی ہوئی ہے۔ آپ نے اُسی وقت گھر چھوڑ دیا اور پھر کبھی واپس نہ گئے۔ شغل باطن کے مداومت کے علاوہ آپ ہر رات چار سو رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے اور تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتے تھے۔ بعض اوقات ساری رات ذکر جہر میں مشغول رہتے تھے حتیٰ کہ تصفیہ قلب میسر ہوا۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے چالیس برس تک خواجگان چشت کی موافقت میں نماز معکوس پڑھی۔ عشاء کے بعد آپ الٹے لٹک جاتے تھے اور تہجد کے وقت نیچے اترتے تھے۔ آپ اکثر صوم وصال رکھتے تھے اور ایسے ریاضات و مشاہدات شاقہ میں مشغول رہتے تھے۔ جو طاقت بشری سے بالا تھے آپ اکثر متواتر چلے کرتے تھے۔ چونکہ حضرت شیخ احمد عبدالحق چھ ماہ تک قبر میں مشغول رہے ان کی موافقت میں آپ نے بھی املی کے درخت کے سوراخ میں چھ ماہ خلوت فرمائی۔ وہ املی کا درخت اب تک قصبہ ردولی کے جنوب میں موجود ہے اور اس کے تنے میں اب تک ایک چھوٹے سے حجرے کے برابر سوراخ موجود ہے۔ اس فقیر کاتب حروف کی خواہش تھی کہ ایک چلہ اُس جگہ کرے لیکن میرے مرشد حضرت شیخ قطب الدین نے فرمایا کہ اس سے شہرت ہو جائے گی اور لوگوں کے ہجوم سے تمہارے کام میں ہرج واقع ہو گا۔ رسالہ لطائف قدوسی میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت شیخ عبدالقدوس کے دل میں خیال آیا کہ ظاہری طور پر کسی زندہ بزرگ سے بیعت کرنا ضروری ہے اسی رات حضرت شیخ احمد عبدالحق قدس سرہٗ نے قبر سے مجسم نکل کر فرمایا کہ اب تک تمہارے دل میں شک ہے کہ ہم مردہ ہیں۔ تم ہمارے

ہو کسی اور جگہ جانے کی ضرورت نہیں - اس کے بعد آنحضرت نے حضرت شیخ عبدالقدوس پر شیخ محمدؒ کے کمالات معنوی مکشوف فرمائے یہ دیکھ کر آپ انکے مرید ہو گئے - اور خرقۂ خلافت حاصل کیا حضرت شیخ محمدؒ نے آنحضرت کے باطنی حکم کے مطابق اپنی بہن یعنی شیخ احمد عارف کی لڑکی کا عقد نکاح حضرت شیخ عبدالقدوسؒ سے کر دیا - لیکن اس اعزاز کے باوجود آپ پیر کے گھر کا کام مثل جھاڑو دینا - پانی نکالنا گھر کے تمام افراد کے کپڑے دھونا اور جنگل سے ایندھن جمع کرنا وغیرہ خود کرتے تھے - اس کے علاوہ گل کاری بھی آپ کرتے تھے اور جب تک آپ ردولی میں رہے خدمات انجام دیتے رہے جب آپ سلوک تمام کر کے مرتبہ تکمیل وارشاد کو پہنچے تو آنحضرت نے باطن میں فرمایا کہ ہم نے تجھے بالادست (شمالی پہاڑی علاقہ) کی ولایت دی ہے - چنانچہ کچھ عرصے کے بعد حضرت شیخ عبدالقدوس ۸۹۶ھ میں یعنی سلطان سکندر بن بہلول لودھی کے ابتدائے عہد عمر خاں کاسی جو بادشاہ کے خاص امراء میں سے تھا اور آپکا عقیدتمند تھا کی درخواست پر بال بچوں سمیت ردولی سے شاہ آباد منتقل ہو گئے شاہ آباد دہلی کے نواح میں ایک قصبہ ہے - وہاں جا کر آپ کی بڑی شہرت ہوئی - آپ تیس سال سے زائد عرصہ تک یعنی سکندر اور ابراہیم لودھی کے ایام سلطنت تک شاہ پور میں مسند ارشاد پر متمکن رہے - جب ۹۳۲ھ میں ظہیر الدین بابر بادشاہ ولایت توران سے اپنا لاؤ لشکر اور توپخانہ لے کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور کافی جنگ وجدال کے بعد سلطان ابراہیم لودھی مارا گیا تو افغان قوم کی کثرتِ سکونت کی وجہ سے شاہ آباد ویران ہو گیا - اس لئے حضرت شیخ عبدالقدوس نے شاہ آباد چھوڑ کر قصبہ گنگوہ میں سکونت اختیار کر لی - وہاں آپ کی پہلے سے بھی زیادہ شہرت ہوئی اور سارے ہندوستان میں آپ کے کمالات کا چرچہ ہونے لگا اور ایک جہان آپ سے فیض یاب ہوا - آپ کے حسن تربیت سے بہت سے خلفائے عالی مقام وجود میں آئے -

جن کی وجہ سے جا بجا چشمہ ہائے ہدایت جاری ہو گئے۔ لیکن سب خلفاء کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ آپ کی عمر بہت دراز تھی۔ سلطان بہلول لودھی سے لے کر نصیر الدین ہمایوں کے عہد حکومت تک آپ مسندِ ارشاد و ہدایت پر متمکن رہے۔ سلاطین وقت کمال نیاز مندی و اخلاص سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ان لوگوں کو جو خطوط لکھے وہ آج تک محفوظ ہیں (احقر مترجم نے مکتوباتِ قدوسیہ کا ترجمہ کر دیا ہے۔ دعا ہے کہ شائع ہو جائے) علامہ شیخ ابو الفضل نے تذکرہ اولیائے ہند میں لکھا ہے کہ نصیر الدین ہمایوں بادشاہ حقائق و معارف سمجھنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا کیونکہ آپ اس فن میں ممتاز تھے۔ آخر عمر میں آپ پر شیخ احمد عبد الحق کی طرح استغراقِ دوام طاری ہو گیا تھا۔ جب نماز کا وقت آتا تھا تو خادم بلند آواز سے حق حق حق کی آواز دیتا تھا جس سے آپ عالم صحو (ہوشیاری) میں آکر نماز ادا کرتے تھے۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ شیخ عبد القدوس کی اولاد بہت تھی۔ اگرچہ آپ کے سب فرزند عالم فاضل، عابد اور صفات مشائخیت سے مزین تھے لیکن ان میں سے شیخ رکن الدین بڑے متبرک اور درویش مشرب بزرگ تھے اور والد بزرگوار کے نقش قدم پر تھے۔ حضرت شیخ کی عمر چوراسی سال تھی۔ جس میں سے پینتیس سال ردولی میں رہ کر اخذ فیض کیا، پینتیس سال شاہ آباد میں رہے اور چودہ سال گنگوہ شریف میں بسر کیے حتیٰ کہ ۹۴۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار گنگوہ شریف میں زیارت گاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری

آپ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے مرید اور خلیفہ بزرگ تھے اور تمام علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ آپ بڑے مرتاض اور عبادت گذار تھے اٹھارہ سال کے بعد آپ کے مجاہدات مشاہدات میں تبدیل ہو گئے اور حقیقی فتح باب نصیب ہوا۔ اس کے بعد حضرت شیخ عبد القدوس قدس سرہ کے تمام احوال و استغراق آپ

کے اندر منتقل ہو گئے اور ایک جہان آپ سے فیض یاب ہوا۔ جن میں سے اکثر مرتبہ تکمیل و ارشاد کو پہنچے ۔ استغراق اور ذوق سماع کے باوجود آپ ہر قسم کی عبادت اوراد اور آداب شریعت پر سختی سے پابند تھے ۔ گویا آپ جامع شریعت و طریقت تھے ۔ اسّی سال تک آپ روزانہ ایک ختم قرآن کرتے رہے ۔ چنانچہ آپ کے کمالات اظہر من الشمس ہیں ۔ تاریخ اقبال نامہ جہانگیری میں لکھا ہے کہ جب جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے بروز شنبہ دو محرم ۹۸۹ھ اپنے بھائی مرزا محمد حکیم کی بغاوت فرو کرنے کے لیے پنجاب کی طرف لشکر کشی کی اور تھانیسر میں پڑاؤ کیا تو بادشاہ حضرت شیخ جلال الدینؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوا اور کافی دیر تک حقائق و معارف پر گفتگو ہوتی رہی ۔ آخری صحبت میں بادشاہ کے اشارے سے شیخ ابوالفضل نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ دردِ عشق کی دوا کیا ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے سب سے چھوٹا راستہ کونسا ہے ۔ یہ سن کر آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور آپ نے نوکِ مژہ سے اپنے چہرہ مبارک پر سوال کا جواب لکھ دیا اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

آہ از استغنائے دلبر آہ آہ کز تعظیم بست بر کو بین راہ ۔

(محبوب کی بے پروائی پر بے حد افسوس ہے کہ اس نے ادب کی وجہ سے اپنی طرف آنے کا راستہ بند کر دیا ہے یعنی تعظیم، خوف اور رعب و جلال کی وجہ سے عاشق نزدیک نہیں پھٹک سکتے۔)

اس کے کچھ عرصہ بعد یعنی ذی الحجہ ۹۸۹ھ میں آپ پچانوے سال کی عمر میں رحلت فرما گئے ۔ آپ کا مزار تھانیسر میں ہے ۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ نظام الدین تھانیسریؒ

آپ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری قدس سرہ کے چچا زاد بھائی، داماد، مرید اور خلیفہ اور جانشین تھے ۔ بڑے صاحب ذوق تھے جو شخص آپ کے

ساتھ مجلس سماع میں شریک ہوتا تھا بقدر استعداد اس پر اس کا اثر صاف ظاہر ہو جاتا تھا۔ تربیت مریدین میں ید طولےٰ رکھتے تھے (ماہر فن تھے) اور سارے ملک میں آپ کی شہرت ہو گئی تھی۔ جب آٹھ ذی الحج ۱۰۱۴ھ کو جہانگیر بادشاہ کے لڑکے سلطان خسرو نے اپنے والد کے عہد حکومت کے پہلے سال بغاوت کی اور اکبر آباد سے روانہ ہو کر تھانیسر کے قریب گذرا اور حضرت شیخ نظام الدین کی خدمت میں زیارت کے لیے حاضر ہوا تو بعض حاسدین نے بادشاہ سے جاکر شکایت کی حضرت شیخ نے باغی شہزادہ کو فتح کی خوشخبری دی ہے چنانچہ بادشاہ نے آپ کا ہندوستان میں رہنا پسند نہ کیا۔ اس وجہ سے آپ بلخ تشریف لے گئے جہاں آپ کی بہت عزت و تکریم ہوئی اگرچہ آپ بظاہر ان پڑھ تھے لیکن علم لدنی کی بدولت آپ عالیان حق کے سامنے اس قدر حقائق و معارف بیان فرماتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ ماوراءالنہر کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہو گئے اور بہت سے لوگ آپ کے ہاتھ سے خرقۂ خلافت حاصل کر کے دوسروں کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ بلخ کا بادشاہ قلی شاہ اس قدر معتقد تھا کہ ہفتے میں ایک مرتبہ زیارت کے لیے حاضر ہوتا تھا۔ غرضیکہ آپ نے سالہا سال رشد و ہدایت میں مشغول رہ کر رحلت فرمائی اور شہر بلخ میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ

آپ شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کے پوتے اور صاحب سر (محرم راز) تھے۔ آپ کی والدہ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری کی بیٹی تھیں آپ نے کچھ عرصہ اپنی ولایت کو سپاہ گری میں پوشیدہ رکھا لیکن جب عشق نے غلبہ کیا تو آپ نے سب کچھ ترک کر کے حضرت شیخ جلال الدینؒ کی صحبت اختیار کی۔ چونکہ آنحضرت بہت ضعیف ہو چکے تھے ان کی تربیت کا کام حضرت شیخ نظام الدین کے

سپرد کیا۔ چنانچہ ریاضت و مجاہدہ کے بعد آپ نے خرقہ خلافت شیخ نظام الدینؒ سے حاصل کیا۔ کچھ عرصے کے بعد قطب الوقت حضرت شیخ حمید قدس سرہ نے بھی خلافت عطا فرمائی اور نورؒ علی نور ہو گئے۔ اس کے بعد گنگوہ واپس آئے اور اپنے جد بزرگوار حضرت شیخ عبدالقدوس قدس سرہ کی مسند ارشاد پر متمکن ہو کر تربیت مریدین میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے فیض صحبت سے بہت لوگ مرتبہ تکمیل و ارشاد کو پہنچے اس فقیر کاتب حروف اور حضرت شیخ ابو سعید کے درمیان بے حد محبت دیکھی تھی۔ آپ ستر حال (اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنا) میں بہت کوشاں رہتے تھے۔ نہایت درد مند، صاحب ذوق و عرفان تھے آپ جہان سے مردانہ وار گئے اور اپنے دادا کے آستانہ میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ محمد صادقؒ

آپ حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہ کے چچا زاد بھائی، خلیفہ اور جانشین تھے آپ ذوق و سماع اور سوز و عشق میں بے نظیر تھے۔ بڑے بلند ہمت اور صاحب خلق تھے آپ کافی عرصے تک مسند پر بیٹھ کر تربیت مریدین میں مشغول رہے رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ داؤدؒ

آپ شیخ محمد صادق کے فرزند ہیں اور اس وقت مسند ارشاد پر بیٹھ کر صورتاً و معناً اپنے والد بزرگوار کے قائم مقام ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کی ذات بابرکات کو آباؤ اجداد کی مسند پر قائم رکھے۔

حضرت شیخ محب اللہ صدیقی صدپوریؒ

آپ حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہ کے خلیفۂ اعظم ہیں۔ جب آپ تحصیل علوم

عقلی (فلسفہ منطق وغیرہ) اور نقلی (تفسیر - حدیث - فقہ وغیرہ) سے فارغ ہوئے تو دل میں طلب حق پیدا ہوئی - چنانچہ آپ بہت سے بزرگان کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن سود مند نہ ہوا - آخر آپ نے دہلی جاکر حضرت خواجہ قطب الاسلام بختیار اوشی قدس سرہٗ کے آستانہ پر استخارہ کیا - آنحضرت نے عالم معاملہ میں فرمایا کہ اس وقت شیخ صابر علی احمد کا سلسلہ گرم ہے - چنانچہ آپ حضرت شیخ ابوسعیدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور ریاضت و مجاہدہ کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا - اس کے بعد آپ صدر پور واپس آئے - اگرچہ صدر پور آپ کا قدیم وطن تھا لیکن آپ نے وہاں رہنا پسند نہ فرمایا کیونکہ یہ فقر و درویشی کے لئے مناسب نہ تھا - اس لیے آپ نے توکل و تجرید پر عمل کرتے ہوئے وطن چھوڑا اور حضرت شیخ احمد عبدالحق قدس سرہٗ کی حاضری کے لیے ردولی پہنچے - اتفاقاً یہ فقیر بھی اس وقت وہاں موجود تھا - قدیم دوستی کی وجہ سے آپ نے میرے ساتھ قیام فرمایا اور بڑی گرم اور مصفا صحبتیں ہونے لگیں اور ہم دونوں بہت محظوظ ہوئے - کچھ عرصے کے بعد حضرت شیخ کی طرف سے بشارت حاصل کر کے ہم دونوں رخصت ہوئے اور میرے غریب خانہ پر جاکر کچھ عرصہ قیام کیا ان ایام میں میر سید عبدالحکیم ساکن شہر ستنہ کے ساتھ آپ کے مراسم تھے ان کی خدمت میں رہ کر ظاہری و باطنی فیوض حاصل کئے اور الہ آباد جاکر سکونت اختیار کرلی - وہاں جاکر آپ کی بہت شہرت ہوئی - اگرچہ شروع میں فقر و فاقہ کا سامنا ہوا لیکن آپ ثابت قدم رہے بالآخر کشائش رونما ہوئی -

حقائق و معارف کے بیان میں آپ دست گاہ تامہ رکھتے تھے اور آپ کے کلمات بڑے موثر ثابت ہوئے - اکثر علماء جو مشرب توحید کے منکر تھے آپ کے فیض صحبت سے قائل ہوگئے اور یہی مسلک اختیار کرلیا - چنانچہ یہ امر آپ کی تصانیف سے ظاہر ہے - تقریباً بیس ۲۰ سال تک آپ مسند ارشاد پر بیٹھ کر رشد و ہدایت میں مصروف رہے اور ۹ رجب بروز پنجشنبہ بوقت غروب آفتاب

۱۰۵۸ھ انتقال فرمایا اور الٰہ آباد میں دفن ہوئے آپ نے ایک خورد سال لڑکا جن کا نام تاج الدین تھا پیچھے چھوڑا آپ کے خلفاء میں سے ایک حضرت میر سیّد محمد رسولدار قنوجی تھے جو جمیع کمالات صوری و معنوی سے مزین تھے۔ حضرت میر سیّد احمد حاجی سیاح قدس سرہٗ جو عارف و جہان دیدہ تھے، بھی خرقہ خلافت حضرت شیخ میٹھی گاذرگرونی سے حاصل کر کے گجرات پہنچے اور حکم باطن کے مطابق قصبہ سہالی میں سکونت اختیار کی۔ کثرتِ ریاضت اور صفائے باطن سے آپ کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ نباتات آپ سے زبانِ حال میں کہتی تھیں کہ میں فلاں مرض کی دوا ہوں۔ اس وجہ سے جو بیمار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا آپ کی توجہ سے شفایاب ہو جاتا تھا۔ علاقہ بداؤن میں ایک مردہ آپ کی توجہ سے زندہ ہوگیا۔ اس سے آپ کی شہرت بڑھ گئی۔ اس فقیر کاتب حروف کی ولایت کی بشارت میر سیدا حمد سیاح نے بھی بندہ کے والدین کو دی تھی۔ بڑے بابرکت اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ان کا مزار قصبہ سہالی میں زیارت گاہ خلق ہے اور آپ کی اولاد آج تک اپنی مسند پر قائم ہے۔

حضرت مخدوم شیخ محمد عیسیٰ تاج رح

آں از محتشمانِ عالی مقدار، آں گم گشتہ در مشاہدۂ انوار، آں خانۂ ہدایت را روشن سراج مقتدائے وقت حضرت مخدوم شیخ عیسےٰ تاج قدس سرہٗ شہر جونپور کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ سے جا ملتا ہے۔ آپ بڑے بلند مقام ولی اللہ تھے اور آپ کی ولایت پر تمام اولیاء اللہ متفق ہیں۔ آپ حضرت شیخ فتح اللہ اودھی کے مرید و خلیفہ تھے شیخ فتح اللہ کے حالات طبقہ سابق میں لکھے گئے ہیں۔

صاحب اخبار الاخیار (شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ) فرماتے ہیں کہ شیخ عیسےٰ تاج کے والد دہلی کے اکابر میں سے تھے اور فتنہ تیموری کے وقت

دوسرے اکابر کے ساتھ آپ بھی جونپور چلے گئے تھے۔ شیخ محمد بھی جن کی عمر اس وقت سات سال تھی اپنے والد کے ساتھ گئے اور چونکہ سعید ازلی تھے اس لئے وہ بھی شیخ فتح اللہ اودھیؒ کے مرید ہو گئے۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے پیر کے اشارے کے مطابق قاضی شہاب الدین ملک العلما کے ہاں تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علم سے فارغ ہو کر شیخ فتح اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شغل باطن میں مشغول ہو گئے۔ شغل باطن نے اس قدر غلبہ کیا کہ آپ کے حجرہ کے در پر ایک درخت تھا لیکن سالہا سال تک آپ کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہاں ایک درخت ہے۔ ایک دن درخت کے پتے آپ کی جائے نشست پر گر پڑے خادم سے پوچھا کہ پتے کہاں سے آئے ہیں۔ اس وقت خادم سے معلوم ہوا کہ حجرہ کے در پر ایک درخت بھی ہے۔ مراقبے میں سر اس قدر نیچے رکھتے تھے کہ گردن کی ہڈی باہر نکل آئی تھی اور زنخدان سینے سے لگ چکی تھی۔ آپ بڑے صاحب کرامات و کمالات تھے۔ آپ کا مزار جونپور میں حاجت روائے خلق ہے۔ آپ کے فرزند مثل جامع فضائل شیخ محمد ماہ وغیرہ آج تک آپ کی مسند پر مستقیم ہیں۔ آپ کی تاریخ وفات نہیں مل سکی لیکن آپ سلطان ابراہیم شرقی بادشاہ جونپور کے ہم عصر تھے آپ کے چھوٹے بھائی شیخ احمد عیسٰے تاجؒ بھی بڑے بزرگ تھے۔ وہ بھی شیخ فتح اللہ اودھیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے انہوں نے اپنے بڑے بھائی شیخ محمد عیسٰے تاجؒ سے بھی خلافت حاصل کی تھی۔ آپ کا مزار شہر بہار میں مشہور ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مخدوم شیخ بدھنؒ

آپ قصبہ اچولی کے رہنے والے تھے اور شیخ محمد عیسٰے تاج کے خلفاء میں سے تھے۔ بہت صاحب کرامات و کمالات تھے۔ یہ وہ شیخ بدھن ہیں۔ جنہوں نے وفات کے وقت اپنے بیٹے شیخ صدرالدین کو وصیت کی کہ

میری تجہیز و تکفین کے بعد میرے پہلو میں لٹنا اس کے بعد تم کو نعمت عطا کروں گا۔ انہوں نے اسی طرح کیا۔ لیٹتے ہی عالم ملکوت و جبروت از عرش تا تحت الثریٰ آپ پر مکشوف ہو گئے۔ اس کے بعد آپ اپنے والد کی مسند پر متمکن ہوئے۔ جو کچھ آپ کی زبان سے نکلتا تھا فوراً ہو جاتا تھا۔ آپ کی اولاد اب تک اچولی میں سجادہ پر قائم ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ سید فخر الدین عرف سید ملیتھ

آپ قصبہ امیتھی کے رہنے والے تھے۔ آپ بھی شیخ محمد علینے تاج کے خلیفہ تھے۔ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ سادات عالی نسب رضوی سے تعلق رکھتے تھے۔ میر سید اللہ داد مجذوب آپ کے پوتے ہیں۔ آپ کے کرامات ہر شخص پر روشن تھے۔ یہ فقیر دس بارہ سال کی عمر میں کئی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بشارت نعمت معنوی پائی۔ قصبہ امیتھی کے تمام سادات میر سید، معز الدین کی اولاد ہیں اور شہر لکھنؤ، بجلور، ابسارہ، اور امیتھی کے تمام اسادات یک جدی ہیں اور میر سید ہیں اور میر سید محمد حوض حاجی دہلوی کی اولاد ہیں۔ ان کے صحیح النسب ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

حضرت میر سید برہان الدین گجراتی رح

آں شمع خاندان نبوت وولایت، آں معدنِ انوارِ صداقت و ہدایت، آں مستغرقِ تجلیات ذاتی قطب عالم میر سید برہان الدین گجراتی قدس سرہٗ۔

آپ اپنے والد بزرگوار میر سید ناصر الدین محمود بن حضرت مخدوم جہانیان سید جلال الدین بخاری اوچی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ قطب عالم کے نام سے موسوم ہیں اور فی الحقیقت آپ گجرات کے قطب ولایت ہیں۔ جیسا کہ حضرت شیخ نور قطب عالم بنگال کے قطب ولایت ہیں اور قطب عالم

میر سید برہان الدین بڑے بلند مقام بزرگ تھے اہل بصیرت آپ کو ثانی مخدوم جہانیاں کہتے ہیں۔ آپ جمیع علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے اپنے وقت میں آپ کشف و کرامات اور علو درجات میں ممتاز تھے۔ آپ اشارہ باطنی کے مطابق اپنے اصلی وطن اوچ (بہاول پور) سے چل کر سلطان احمد بن تتار خاں بن سلطان مظفر بزرگ کے عہد حکومت میں احمد آباد گجرات تشریف لے گئے اور اس علاقے کو نور ولایت سے منور کیا۔ چونکہ سلاطین گجرات کو یہ ملک حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ کی دعا کی برکت سے ملا تھا اس لئے سلطان احمد مقدم آنحضرت سے نیازمندی اور عقیدت سے پیش آتا تھا بلکہ اس علاقے کے تمام لوگ آپ کی نیازمندی میں فخر کرتے تھے۔ بہت بزرگ آپ کے فیض صحبت سے مرتبہ تکمیل کو پہنچے۔ غرضیکہ آپ کی بہت مقبولیت ہوئی۔ حضرت شیخ احمد کھٹو بھی اس وقت قید حیات میں تھے دونوں بزرگوں کے درمیان محرمانہ صحبتیں ہوتی تھیں۔ صاحب تاریخ مراۃ سکندری لکھتے ہیں کہ قطب عالم ایک رات نماز تہجد کے لیے اٹھے اور طہارت کے لئے باہر تشریف لے گئے ناگاہ آپ کا پاؤں لکڑی کے ٹکڑے پر جا پڑا آپ کی زبان مبارک سے نکلا کہ یہ لکڑی ہے پتھر ہے لوہا ہے کیا چیز ہے۔ حق تعالےٰ نے اس لکڑی میں سب چیزیں جمع کر دیں۔ چنانچہ جو شخص اسے دیکھتا ہے تو اسے لکڑی نظر آتی ہے پھر دیکھتا ہے تو پتھر نظر آتا ہے ذرا غور سے دیکھتا تو لوہا نظر آتا ہے اور اس کا ایک حصہ ایسا ہے کہ کوئی شخص نہیں پہچان سکتا۔ اس وجہ سے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ کیا چیز ہے۔ غرضیکہ آپ بڑے صاحب کمالات تھے۔ اس سے زیادہ کیا کمال ہو سکتا ہے کہ آپ مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ کے پوتے ہیں اور آپ کے فرزند حضرت شاہ عالم محبوب عالمؒ جیسے بزرگ ہیں جن کو آپ اپنی مسند پر بٹھا کر پردہ پوش ہو گئے۔ آپ کی ولادت چودہ رجب ۷۹۰ھ میں ہوئی اور ستر سٹھ سال چار ماہ اور بیس سال زندہ رہ کر آٹھ ماہ ذی حجہ ۸۵۶ھ میں وفات پائی اور احمد آباد میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شاہ عالم محبوب عالمؒ

آپ حضرت شیخ برہان الدین کے منجھلے لڑکے تھے اور محبوب حق و محبوب عالم آپ کا لقب تھا کیونکہ فی الحقیقت آپ حق تعالےٰ کے محبوب تھے اور مخدوم جہانیان کا خاندان اس علاقے میں آپ کی بدولت روشن ہے اپنے والد کے وصال کے بعد آپ نے حضرت شیخ احمد کھٹو سے بھی فیض حاصل کیا - آپ کی شہرت شرق سے غرب تک پھیل گئی اور آج تک کرامات اور خوارق عادت آپ کے مزار مقدس سے رونما ہو رہے ہیں - اس قسم کے تصرفات محبوب حق کے سوا کس سے ظاہر ہو سکتے ہیں. صاحب اخبارالاخیار فرماتے ہیں کہ آپ پر سکر اور ذوق و شوق کا غلبہ رہتا تھا -

بعض اوقات آپ نہایت قیمتی ریشمی لباس زیب تن فرماتے تھے اور ملامتیہ مشرب اختیار کر رکھا تھا - آپ پر ذوق و عشق، محبوبی اور بے اکی کا غلبہ تھا چنانچہ اس قسم کا فیضان آج تک آپ کے مزار مقدس سے ہو رہا ہے شب جمعہ سارے احمد آباد اور اطراف و جوانب کے لوگ چھوٹے بڑے مرد عورت سب لباس فاخرہ پہن کر مزار پر حاضری دیتے ہیں اور دلی مراد پاتے ہیں. مزار پر نہایت عالی شان روضہ ہے جو بذات خود ایک دلفریب منظر ہے - اگرچہ اولیاء کرام مرتبہ محبوبی پر پہنچے ہیں لیکن اس قدر راز و نیاز کی کیفیت کسی کو نصیب نہیں ہوئی - جو درد مندوں کے سوز مفارقت کو راحت وصال بخشے - چنانچہ بزرگوں نے

کہا ہے کہ در کار بعنایت است باقی بہانہ و این راز ندانند الا عارف یگانہ (کام حق تعالیٰ کی عنایت سے بنتا ہے. باقی عبادات وغیرہ سب بہانہ ہے اور اس راز سے کوئی واقف نہیں سوائے عارف کے) - بیت

گر ناز و گر کرشمہ ہے لطف و گر عتاب | مسکیں دلم چرا نہ شود زیں ہمہ خراب

(کبھی ناز ہے کبھی کرشمہ ہے کبھی مہربانی ہے کبھی ظلم ہے، مسکیں دل اس سے خراب نہ ہو تو کیا کرے)

آپ کے کمالات کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عبداللطیف عرف داورلملک آپ کے کمترین بندگان میں سے تھے۔ ان کے حالات اپنی جگہ پر آ رہے ہیں۔ قاضی نجم الدین گجراتی بھی آپ کے مریدین میں سے تھے۔ آپ کی ولادت ستزہ ذی قعدہ ۸۱۰ھ کو ہوئی اور باسٹھ سال سات ماہ تین دن قید حیات میں رہ کر بروز شنبہ بوقت صبح بیس جمادی الآخر ۸۸۰ھ رحلت فرما گئے۔ آپ کا مزار مبارک احمد آباد (گجرات) میں قبلۂ حاجات ہے چونکہ آپ ممالک گجرات کے صاحب ولایت تھے اس لیے سلاطین گجرات کے حالات یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔ بلکہ سلاطین کے ذکر ہی میں آپکی مناقبت ہے۔

سلاطین گجرات

تاریخ مرأتِ سکندری میں سلاطین گجرات کے مفصل حالات درج ہیں۔ وہاں سے اس فقیر نے انتخاب کیا ہے۔ ایک دفعہ سلطان فیروزشاہ شکار کی خاطر باہر گیا سامنے ایک ہرن دیکھا اور اس کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا۔ اس طرح اپنے لشکر سے جدا ہو گیا شام کے وقت پرگنہ تھانیسر کے ایک گاؤں میں پہنچا جہاں زمیندار لوگ اکٹھے بیٹھے تھے بادشاہ بھی گھوڑے سے اتر کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا اور ایک آدمی کو موزہ نکالنے کا اشارہ کیا۔ وہ آدمی علم قیافہ اور فن فراست میں ماہر تھا۔ موزہ نکالتے وقت اس کی نگاہ بادشاہ کے تلے پر پڑی جہاں اسے بادشاہی نشان جسے ہندی زبان میں پدم کہتے ہیں نظر آیا۔ چنانچہ اس نے موضع کے نمبردار سے جو قوم تانگ سے تھا اور جس کا نام سدہارن تھا آہستہ کہا کہ یہ شخص بادشاہ ہے یا عنقریب بادشاہ ہونے والا ہے۔ سدہارن کو اس قیافہ دان پر پورا اعتماد تھا وہ بادشاہ کو گھر لے گیا اور خاطر تواضع کی۔ اس کی ایک بہن حسن و جمال میں شہرہ آفاق تھی۔ بادشاہ دیکھتے ہی اس پر عاشق ہو گیا۔ غرضیکہ اس نے رات وہیں بسر کی صبح کو لشکر بھی تلاش کرتا ہوا وہاں

پہنچ گیا۔ بادشاہ سدہارن اور اس کی بہن کو دہلی لے گیا مسلمان کیا اور بڑی نوازش سے پیش آیا۔ اس کے عشق میں روز بروز ترقی ہونے لگی۔ اس نے سدہارن کو اعلیٰ عہدہ پر مقرر کر کے وجیہ الملک کا خطاب دیا۔ اس کے لڑکے کو ظفر خاں کا خطاب دے کر عنایت اعتماد سے شرابخانہ کی خدمت سپرد کی۔ اسی وجہ سے لوگ ان کو کلال کہتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت وہ قوم کھتری سے تعلق رکھتے تھے اس قوم کے ایک فرد کو شراب سے زیادہ محبت ہوگئی تو کھتریوں نے اسے علیحدہ کر دیا۔ اس روز سے اس قوم کو تانگ کے نام سے موسوم کیا جاتا اور اس کی قوم کی زبان میں تانگ کے نام سے موسوم کیا جاتا اور اس کی قوم کی زبان میں تانگ کے معنی ہیں "نکالا ہوا یا خارج شدہ" لیکن دراصل وجیہ الملک اور ظفر خاں کی ترقی کا سبب یہ تھا کہ وہ حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ کے مرید ہو گئے تھے۔ ایک دن ظفر خاں کمال اخلاص کی وجہ سے کئی قسم کے کھانے تیار کرا کر حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی خدمت میں لے گیا۔ طعام سے فارغ ہو کر آپ نے خوش ہو کر فرمایا کہ اس کھانے کے عوض میں نے تمہارے لئے حق تعالےٰ سے سلطنت گجرات کی دعا کی ہے جو قبول ہوگئی ہے ظفر نے زمین بوسی کی اور گھر جا کر اپنے والدین سے ماجرا بیان کیا۔ اس کی والدہ نے کہا کیا ہی اچھا ہوتا کہ حضرت مخدوم یہ دعا تمہاری اولاد کے لیے بھی کرتے اس کے بعد کسی اور موقعہ پر ظفر خاں عطریات اور پان خوانچہ میں آراستہ کر کے حضرت مخدوم کی خدمت میں لے گیا آپ نے اس کے دل کی خواہش سے آگاہ ہو کر فرمایا خوش آمدی۔ اس کے بعد آپ نے مٹھی بھر کھجور اسے عنایت کی اور فرمایا کہ ان کھجور کے دانوں کی تعداد کے برابر تمہاری اولاد گجرات پر حکومت کرے گی۔ وہ تیرہ یا چودہ دانے تھے۔ القصہ جب سلطان فیروز شاہ کی وفات کے بعد سلطان محمد بن فیروز شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے ۷۹۳ھ میں اعظم ہمایوں ظفر خاں بن وجیہ الملک کو چتر اور بارگاہ سرخ جو بادشاہوں کا دستور تھا عطا کر کے

گجرات کا حاکم مقرر کیا۔ اس نے نہروالہ جس کا قدیم نام پٹن گجرات ہے میں سکونت اختیار کر لی اور تمام ملک گجرات پر تسلط جما لیا۔ جب سلطان محمد پانچ سال حکومت کرنے کے بعد ۷۹۶ھ میں فوت ہو گیا تو سلطان محمود بن سلطان محمد تخت نشین ہوا۔ تاتار خاں بن ظفر خاں جو سلطان محمد کا وزیر تھا اقبال خاں کی مخالفت سے ڈر کر اپنے والد کے پاس گجرات چلا گیا۔ چند روز کے بعد ۸۰۱ھ میں امیر تیمور نے دہلی کو تسخیر کر لیا اور سلطان محمود نے بھاگ کر گجرات اور وہاں سے قنوج میں پناہ لی جب امیر تیمور سمرقند چلا گیا تو ہندوستان میں طوائف ملوکی شروع ہو گئی۔ اور تاتار خاں نے اپنے والد کے خلاف خروج کر دیا۔ ظفر خاں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور سارا لشکر محل و تخت و تاج تاتار کے حوالہ کر دیا۔ تاتار خاں یکم جمادی الآخر ۸۰۶ھ کو قصبہ اساول میں تخت نشین ہوا اور محمد شاہ کا خطاب اختیار کیا۔ لیکن کثرت شراب خوری سے صرف دو ماہ سلطنت کر کے یکم شعبان ۸۰۶ھ کو فوت ہو گیا۔ جب اس کی وفات کی خبر اس کے والد ظفر خاں کو ہوئی تو اس نے ملک کی باگ ڈور پھر اپنے ہاتھ میں لی اور قصبہ پیر پور میں دوبارہ رسم تخت نشینی منائی۔ اس نے مظفر شاہ کا لقب اختیار کر کے مزید تین سال سلطنت کی اور نہروالی پٹن میں بیمار ہو گیا۔ چنانچہ اس نے سلطنت تاتار خاں کے لڑکے شاہزادہ احمد کے سپرد کی اور ۸۱۴ھ میں وفات پائی۔

سلطان احمد خاں بڑا صاحب حشمت اور عالی مقام بادشاہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ متقی و پرہیزگار اور حق پرست بھی تھا اور حضرت شیخ احمد کھٹو کا مرید تھا آنحضرت کے فیض صحبت میں اس نے تین چلے کئے اور اسے حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اور شہر احمد آباد کی بنیاد رکھی گئی۔ اس واقعہ کا مفصل حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سلطان احمد حضرت شیخ برہان الدین کا بھی معتقد تھا۔ اس نے تینتیس سال دو ماہ دس دن پر امن حکومت کی اور چار ربیع الآخر ۸۴۶ھ کو فوت ہو گیا۔

اس کے بعد اس کا لڑکا سلطان محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کے حسن انتظام سے تمام ملک میں امن وامان قائم کیا۔ ابتدائے حکومت میں بعض لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ سلطان محمود خلجی بادشاہ مالوہ نے شیخ کمال درویش کو اس غرض سے زر کثیر بطور نذر پیش کی ہے کہ فتح گجرات کے لیے اس کے حق میں دعا کریں یہ سن کر سلطان محمد کو غصہ آیا اور اس نے شیخ کمال کی بے عزتی کی اور جو رقم محمود خلجی نے بھیجی تھی ضبط کر لی۔ اس سے شیخ کمال بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اور دل ہی دل میں ملک گجرات کی خرابی کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ کئی برس ہی دعا کرتے رہے اور سلطان محمود خلجی کو امیدیں رکھا۔ جب سلطان محمد نے آٹھ سال نوماہ اور چودہ دن حکومت کرنے کے بعد محرم ۸۵۵ھ میں وفات پائی۔ سلطان قطب الدین احمد بن محمد شاہ یعنی اس کا بڑا لڑکا تخت نشین ہوا اور حضرت شیخ برہان الدین قدس سرہٗ کا مرید ہو گیا۔ اس وقت سلطان محمود خلجی نے شیخ کمال درویش سے اشارہ پا کر گجرات پر حملہ کر دیا۔ سلطان قطب الدین پریشان ہو کر حضرت قطب عالم کی خدمت میں حاضر ہوا اور امداد کی درخواست کی آنحضرت نے اسے تسلی دے کر رخصت فرمایا اور اپنے فرزند شیخ عالم کو شیخ کمال درویش کے پاس بھیجا کہ نہایت عجز و نیاز سے آپ کی خدمت میں گذارش کرنا کہ سلطان محمد نے آپ کے حق میں گستاخی کی تھی اور چلا گیا اب سلطان قطب الدین کے ساتھ مہربانی فرمائیں اور سلطان محمود خلجی کو احمد آباد پر حملہ کرنے سے منع فرمائیں۔ کیونکہ جنگ میں مسلمان مارے جائیں گے۔ غرضیکہ شاہ عالم نے جتنی منت کی اور اپنے والد بزرگوار کے حکم کے مطابق کئی مرتبہ شیخ کمال کے گھر پر تشریف لے گئے لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ کی بلکہ سخت جواب دیئے اور آسمان کی طرف ہاتھ دراز کر کے عالم غیب سے ایک خط حاصل کیا جس میں لکھا تھا کہ ولایت گجرات سلطان محمد خلجی کے نام لکھی جا چکی ہے۔ یہ دیکھ کر شاہ عالم کی ولایت حیدری کو غیرت آئی اور جوش میں آکر فرمایا کہ جس کا غذ پر قطب عالم

کا نشان نہیں باطل ہے اس کے بعد کاغذ شیخ کمال کے ہاتھ سے چھین کر پارہ پارہ کر دیا۔ کاغذ کے پھٹتے ہی شیخ بے ہوش ہو کر گر گئے اور گرتے ہی جاں بحق ہو گئے۔ جب حضرت قطب عالم کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا کہ شاہ عالم نے بچپن کی وجہ سے جلد بازی کی ہے صبر کرنا چاہیے تھا۔ غرضیکہ سلطان قطب الدین احمد نے حضرت قطب عالم اور شاہ عالم کے اشارے کے مطابق سلطان محمود خلجی پر حملہ کر دیا۔ اسے شکست ہوئی اور سلطان قطب الدین فتحیاب ہو کر گھر واپس آیا۔ جب بادشاہ کو دشمن کی طرف سے اطمینان ہوا تو اس نے اپنے چھوٹے بھائی فتح خاں کو قتل کر کے راستے سے ہٹانا چاہا۔ فتح خاں کی والدہ نے بھاگ کر بیٹے سمیت حضرت شاہ عالم کے گھر میں پناہ لے لی۔ کیونکہ حضرت شاہ عالم کی منکوحہ اس کی بہن تھی۔ قصہ یہ ہے کہ یہ دونوں بہنیں جام جیو بادشاہ ٹھٹھ کی لڑکیاں تھی۔ اس نے ایک لڑکی سلطان محمد کے عقد نکاح کے لئے اور دوسری حضرت شاہ عالم کے لیے بھیجی تھی۔ لیکن ان میں سے جو زیادہ خوبصورت تھی سلطان محمد نے اپنے لئے لے لی اور دوسری حضرت شاہ عالم کے پاس بھیج دی۔ حضرت شاہ عالم نے حضرت قطب عالم کے پاس جا کر شکایت کی۔ آپ نے فرمایا بابا دونوں تیرے نصیب ہوں گی۔ چنانچہ سلطان محمد کی وفات کے بعد شاہ عالم کی منکوحہ بھی فوت ہو گئیں اور شاہ عالم نے ان کی بہن یعنی فتح خاں کی والدہ کے ساتھ شادی کر لی۔ غرضیکہ جو کچھ حضرت قطب عالم کی زبان سے نکلا تھا پورا ہوا۔ فتح خاں نے حضرت شاہ عالم کی خدمت میں رہ کر پرورش پائی اور آپ نے اسے سلطنت گجرات کی بشارت دی۔ اس سے سلطان قطب الدین جلتا تھا اور سانپ کی طرح پیچ و تاب کھاتا تھا۔ لیکن کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ آخر کار تنگ آکر بادشاہ نے فتح خاں کو قتل کرنے کے لیے شاہ عالم کی حویلی پر حملہ کر دیا لیکن راستے میں گھوڑے سے گر پڑا اور اپنی تلوار سے زخمی ہو گیا اور اسی زخم کی وجہ سے ۸۶۳ھ میں فوت ہو گیا۔ اس

نے سات سال چھ ماہ اور تیرہ دن سلطنت کی۔ اس کے بعد داؤد شاہ بن مظفر شاہ تخت پر بیٹھا۔ یہ سلطان قطب الدین کا چچا تھا۔ چونکہ اس کا رویہ اچھا نہیں تھا۔ اراکین دولت اسے معزول کر کے حضرت شاہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فتح خاں کو جو آپ کا مرید اور پروردہ تھا تخت نشین کیا اور اسے سلطان محمود کا خطاب دیا تاریخ میں اسے سلطان بیکرہ بھی لکھتے ہیں۔ بڑا عالی قدر بادشاہ تھا یہاں تک کہ حشمت و بزرگی میں اس خاندان میں اس کے برابر کوئی بادشاہ نہیں ہوا اس کا لشکر اور خزانہ بے شمار تھا۔ بخشش و سخاوت میں بھی بے نظیر تھا۔ نہایت غریب پرور اور حق پرست تھا۔ حضرت شاہ عالم کے وصال کے بعد سلطان محمود بیکرہ کے دل میں طلب حق پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس نے قطب عالم کے خلیفہ شیخ سراج کی خدمت میں تربیت حاصل کی اور مرتبہ کمال کو پہنچ گیا۔ اس نے بچپن سال پرامن حکومت کی اور اٹھہتر[۶۹] سال کی عمر میں دو رمضان ۹۱۰ھ کو وفات پائی۔ اور حضرت شیخ احمد کھتو کے آستانہ میں دفن ہوا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا سلطان مظفر ثانی تخت نشین ہوا۔ یہ بادشاہ فرشتہ سیرت تھا اور عبادت، تقویٰ، سخاوت اور حق پرستی میں بے نظیر تھا۔ اس کے عہد حکومت میں شاہ عالم کی مسند پر آپ کے بھتیجے شاہ شیخ جیو بن سید محمد قطب عالم خلقت کی رشد و ہدایت میں مشغول رہے۔ سلطان مظفر شروع میں شیخ جیو کا عقیدت مند نہیں تھا۔ ایک دفعہ سخت بیمار ہو گیا اور طبیب ناامید ہو گئے۔ اس وقت اس نے ایک خواب دیکھا جس میں بتایا گیا کہ تیرا علاج شاہ شیخ جیو کی دعا میں ہے۔ ناچار وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کمال نیازمندی سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے اسی وقت کھانا تیار کرایا اور بادشاہ کے ساتھ کھایا۔ اس سے بادشاہ فوراً صحت مند ہو گیا اور آپ کا مرید ہو گیا۔ نیز اس نے طلب حق کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ کے فیض صحبت سے مرتبہ کمال کو پہنچ گیا اس نے چودہ سال نو ماہ حکومت

کی اور ۹۳۱ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا لڑکا سلطان سکندر تخت پر بیٹھا وہ اس قدر حسین تھا کہ لوگ اسے یوسف ثانی کہا کرتے تھے۔ لیکن وہ حضرت شاہ شیخ جیو کا ناحق دشمن ہوگیا اور اپنے چھوٹے بھائی بہادر خاں کے قتل کے درپے ہوگیا۔ بہادر خاں مجبور ہوکر دہلی گیا اور ابراہیم لودھی سے پناہ طلب کی۔ چونکہ بہادر خاں شاہ شیخ جیو کا مرید تھا رخصت کے وقت آنحضرت نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد تم گجرات کے تخت پر بیٹھوگے۔ لیکن میرے فرزند اور سجادہ نشین سید محمد عرف شاہ بدھ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ غرضیکہ سلطان سکندر چند روز کے بعد اپنے نوکروں کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ اس کی مدت سلطنت دو مہینے سولہ دن تھی۔ سلطان محمود بن مظفر شاہ اپنے بھائی کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ چار ماہ کے بعد بہادر خاں دہلی سے حملہ آور ہوا اور سکہ و خطبہ اپنے نام جاری کرکے تمام امراء کو سلطان محمود سے علیحدہ کرکے اپنے ساتھ کرلیا اور ماہ رمضان ۹۳۰ھ میں گجرات کے تخت پر بیٹھا اور سلطان بہادر شاہ کا خطاب اختیار کرکے سلطنت کرنے لگا۔ حضرت شاہ شیخ جیو کی دعا کی برکت سے بڑا عظیم الشان بادشاہ نکلا۔ بڑا مدبر اور صاحب حشمت تھا۔ اس نے اپنے ملک کو بہت وسعت دی اور تمام مالوہ کو فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ لیکن دہلی کے بادشاہ ہمایوں نے مقابلہ کیا اور اسے شکست دے کر ملک گجرات اور مالوہ کو سلطنتِ دہلی میں شامل کرلیا۔ سلطان بہادر شاہ نے بھاگ کر بندر دیو میں پناہ لی۔ جب ہمایوں نے شیر شاہ کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بنگال پر لشکر کشی کی اور مرزا عسکری کو گجرات کا حاکم مقرر کیا تو سلطان بہادر نے قطب عالم اور شاہ عالم کے باطنی اشارہ سے دوبارہ تمام ملک گجرات فتح کرلیا۔ لیکن چند سال کے بعد یعنی ماہ رمضان ۹۴۳ھ میں فرنگیوں کے ہاتھوں شہادت پائی۔ اس کی مدت سلطنت گیارہ سال نو ماہ تھی اس کی وفات کے بعد سلطان محمود شاہ

بن لطیف خاں بن مظفر شاہ تخت نشین ہوا۔ لیکن اکثر امراء باغی ہو گئے اور سلطان محمود اکثر بغاوتوں کو فرو کرنے میں مصروف رہا۔ ملک مالوہ پر شیر شاہ افغان قابض ہو گیا۔ حضرت شیخ محمود غوث شیر شاہ کی عداوت کی وجہ سے اس وقت گجرات آئے ہوئے تھے۔ اس کا مفصل ذکر اپنی جگہ پر آرہا ہے۔ سلطان محمود کی مدت حکومت اٹھارہ سال دو ماہ چند دن تھی اور ۹۶۱ھ میں بسہان نامی خدمت گار کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔ محمود آباد جو احمد آباد سے بارہ کوس کے فاصلہ پر ہے اس نے آباد کیا تھا۔ اس کے بعد رضی الملک جو سلطان احمد شاہ کی اولاد میں سے تھے عماد الملک کی حمایت سے تخت نشین ہوا لیکن عماد الملک حکومت خود کرتا تھا اور احمد شاہ صرف نام کا بادشاہ تھا۔ احمد شاہ نے تنگ آکر اسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن عماد الملک نے پیش دستی کر کے اسے قتل کر دیا۔ احمد شاہ میر سید مبارک بخاریؒ کا مرید تھا۔ اس کی مدت حکومت آٹھ سال تھی۔ ۹۶۹ھ میں اعتماد خاں نے سلطان مظفر بن سلطان محمود کو تخت نشین کیا اور سلطنت خود کرنے لگا۔ اس کے بعد امراء سلطنت کے درمیان نفاق پیدا ہو گیا اور گجرات میں ملوک طوائف پیدا ہو گئے۔ اعتماد خاں نے امراء کی مخالفت سے تنگ آکر جلال الدین اکبر بادشاہ دہلی کو دعوت دی اور فتح گجرات کی ترغیب دی۔ چنانچہ اکبر نے پٹن گجرات پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اعتماد خاں نے بادشاہ کی خدمت میں جا کر فصیل کی چابی پیش کر دی یہ دیکھ کر سلطان مظفر نے بھی اطاعت قبول کر لی اور اکبر بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ یہ ماہ رجب ۹۷۹ھ کا واقعہ ہے۔ سلطان مظفر کی مدت حکومت تیرہ سال چند ماہ تھی۔ چند سال کے بعد سلطان مظفر فتح پور سیکری سے مفرور ہو کر گجرات کی طرف چلا گیا اور ہاتھ مارتا رہا لیکن کامیاب نہ ہو سکا آخر اس نے اپنے استرہ سے اپنا گلا کاٹ ڈالا اور مر گیا۔

غرضیکہ ولایت گجرات میں ۱۰۰۱ھ کے اوائل سے اکبر بادشاہ کے تحت

مکمل امن وامان قائم ہوگیا۔ اس سے ظاہر ہے حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ کی دعا پوری ہوئی اور قوم تانگ چودہ پشت تک گجرات میں حکمران رہی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مخدوم سراج قدس سرہٗ

آں ہادیٔ مشکل کشائی، آں محقق حقیقتِ رہنمائی، آں محرم اسرار معراج، مقتدائے وقت، حضرت مخدوم شیخ سراج قدس سرہٗ۔ آپ شیخ علی خطیب کے مرید وخلیفہ تھے جو حضرت قطب عالم سید برہان الدین گجراتی قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے تھے آپ تربیت مریدین میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور بڑے بلند ہمت تھے۔

قطب عالم اور شیخ علی خطیب کے وصال کے بعد آپ نے مسند نشین ہوکر لوگوں کو فیض پہنچایا اور سارے ملک میں آپ کی شہرت ہوگئی۔ چونکہ سلطان محمود بیکرہ شاہ گجرات حضرت شاہ عالم کا مرید تھا اور آنحضرت کی وفات کے بعد اس کے دل میں طلب حق پیدا ہوئی اس لئے اس نے مخدوم سراج کی طرف رجوع کیا۔ مرأت سکندری میں لکھا ہے کہ ایک رات سلطان محمود نے چپکے سے آنحضرت کی خدمت میں حصول معرفت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا اس کام کی اصل ترک دنیا ہے بادشاہ نے صدق دل سے اقرار کیا کہ میں نے اپنے آپ کو حضور کے ہاتھ میں دے دیا ہے اگر میری اصلاح کے لیے ترک دنیا ضروری ہے تو میں رضا ورغبت سے سلطنت سے دست بردار ہوتا ہوں۔ آپ اس کے حسن اعتقاد سے خوش ہوئے اور فرمایا کہ فی الحال گھر چلے جاؤ میں اچھی طرح سوچ کر صبح جواب دوں گا۔ صبح کے وقت آپ نے بادشاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارے لئے بادشاہی چھوڑنا مصلحت نہیں ہے لیکن تمہاری تربیت کے لیے میں تمہاری

ملازمت قبول کرتا ہوں اس شرط پر کہ ظاہری طور پر تم کوئی محکمہ میرے سپرد کر دو بادشاہ بہت خوش ہوا اور اس میں اپنی سعادتمندی جان کر عرض پرداز ہوا کہ جو کام آنحضرت کو پسند آئے مبارک ہے۔ شیخ نے فرمایا میں فن سیاق میں کافی دسترس رکھتا ہوں اور یہ کام کرنے والے آدمی بھی میرے پاس بہت ہیں اپنی سلطنت میں خدمت استیفاء میرے سپرد کر دیں۔ بادشاہ نے صدق دل سے قبول کر لیا۔ دوسرے دن علی الصباح شیخ سراج نے اہل دنیا کا لباس پہن کر تلوار لگائی اور گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کی درگاہ کی طرف سوار ہوئے ہر کوچہ و بازار میں جو لوگ آپ کو غوث وقت سمجھتے تھے اس حال میں دیکھ کر بدظن ہوئے اور کہنے لگے کہ اس آدمی نے دین کو دنیا پر قربان کر دیا ہے۔ غرضیکہ لوگ اس قسم کی بہت باتیں بناتے رہے لیکن چونکہ آپ اس کام پر مامور تھے آپ نے لوگوں کے طعنہ و تشنیع کی ذرہ بھر پروا نہ کی اور جو کام آپ کے سپرد ہوا تھا بخوبی سرانجام دیتے رہے اور باطن میں بادشاہ کی تربیت میں مصروف رہے۔ جب بادشاہ نے اپنی استعداد کے مطابق سلوک تمام کر لیا اور اس پر معرفت حق کا دروازہ کھل گیا اور حضرت شاہ عالم کی پیشین گوئی پوری ہو گئی کیونکہ انہوں نے فرمایا تھا کہ ہمارے محمود کی عاقبت محمود ہے تو شیخ سراج نے اپنا عہدہ ترک کر دیا اور پھر کبھی بادشاہ کی شکل نہ دیکھی۔ واپسی کے وقت آپ نے بادشاہ سے کہہ دیا تھا کہ اگر ضرورت پیش آئے تو مجھے خط لکھ دیا کریں جواب لکھ دیا کروں گا۔ لیکن ملاقات کا خیال دل سے نکال دو۔ پس آپ نے اسباب دنیا کو جو آپ نے خاص مصلحت کے تحت اختیار کئے تھے یک دم تباہ کر دیا اور مجردانہ و قلندرانہ دنیا سے نکل کر پہلے کی طرح گوشہ نشین ہو گئے چنانچہ آپ کے حسن تربیت سے اکثر بزرگ مرتبہ تکمیل کو پہنچے اور دوسروں کی ہدایت میں مشغول ہوئے۔ آپ کے کرامات و کمالات بہت ہیں اس سے بڑھ کر کونسی کرامت ہے کہ اپنی مشیخت اور بزرگی کو ایک باطنی اشارہ

سے برباد کرکے اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے اس قدر ذلیل کیا۔ سچ ہے کہ ان لوگوں کے حالات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا خطا اور صریح غلطی ہے حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

ما بروں را ننگریم و قال را۔ ما دروں را بنگریم و حال را۔

(حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ ہم ظاہر اور ظاہری باتوں کو نہیں دیکھتے بلکہ باطن کو اور حالت قلب کو دیکھتے ہیں۔)

آپ کا مزار گجرات میں مشہور ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ داور الملک بن محمودؒ

آں مجاہد میدان صدق و صفا، آں شہید تیغ وصال و وفا، آں برگزیدۂ حضرتِ معبود، مقبولِ حق داور الملک بن محمود قدس سرہٗ۔

آپ کا اسم گرامی عبداللطیف بن محمود قریشی ہے سلطان محمود بیگڑہ نے آپکو داؤد الملک کا خطاب دیا تھا آپ حضرت شاہ عالم بن قطب عالم میر سید برہان الدین گجراتی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ تاریخ سکندری میں لکھا ہے کہ داور ملک سلطان بیگڑے کے عالیقدر امرا میں سے تھے اور بڑے متقی، پرہیزگار، محسن، عابد، حق پرست اور نیک کردار تھے۔ لباس دنیا میں رہ کر آپ آخرت کے کام میں مصروف تھے۔ آپ اکثر اوقات حضرت شاہ عالم کی خدمت میں رہتے تھے۔ ایک دن حضرت شاہ عالم وضو کر رہے تھے اور داؤد الملک پانی ڈال رہے تھے۔ اس وقت شہزادہ دکن نے جو مرض برص میں مبتلا تھا حاضر ہو کر شفا کی درخواست کی حضرت شیخ نے وضو سے فارغ ہو کر پانی کے چند قطرے اس پر پھینکے جس سے اس کا مرض فوراً جاتا رہا۔ اس کے بعد داؤد الملک کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب لوگ قطب الاولیا حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کی خدمت میں دعا کی درخواست کرتے تھے تو آپ ان کو سالار مسعود غازی کی روحانیت کے

حوالے کر کے خود فارغ ہو جاتے تھے۔ پس مجھے یہ ہی کرنا چاہیے اور ان کاموں سے فارغ رہنا چاہیئے۔ داود الملک کے دل میں خیال آیا کہ سالار غازی جیسا تصرف کیسے حاصل ہو سکتا ہے آپ نے ان کے دل کے خطرہ سے آگاہ ہو کر فرمایا جائے تعجب نہیں ہے۔ حق تعالےٰ یہ مرتبہ تجھے بھی عطا فرمائے گا۔ چند روز کے بعد سلطان محمود نے داود الملک کو تنہا قصبہ امروان کی طرف روانہ کیا جو ولایت گجرات کی سرحد پر تھا۔ آپ کے تصرف سے وہاں کے کفار اکثر مسلمان ہو گئے حتیٰ کہ اس قصبہ کے غیر مسلم بھی آ کر آنحضرت کے مرید ہو گئے۔ ان میں سے ایک شرارتی آدمی تھا۔ اس نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص میرا رشتہ دار ہے اس کے پاس ایک بے نظیر تلوار ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔ جب وہ آپ کی خدمت میں آئے تو وہ تلوار آپ ضرور دیکھیں۔ آپ کو تلواروں کا بہت شوق تھا۔ ادھر اس نے چپکے سے اس شخص کو کہہ دیا کہ داود ملک تجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ جس وقت وہ تجھ سے تلوار طلب کرے تم اس کا کام تمام کر دینا۔ جب وہ آدمی آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے بلا تکلف اس سے تلوار دیکھنے کے لیے مانگی۔ اس کے ساتھیوں نے چاروں طرف تلواریں نکال لیں اور داود ملک کو شہید کر دیا اسی دن سے لوگ آپ کی مزار پر زیارت کے لیے جمع ہونے لگے اور مرادیں حاصل کرنے لگے۔ آپ کے کمالات کی وہاں بہت شہرت ہے۔

آنکہ در راہ تو شہید انند — کشتنِ خویش شہی دانند

(جو لوگ کہ تیری راہ میں شہید ہو چکے ہیں۔ اپنی موت کو بادشاہی سمجھتے ہیں۔)

غرضیکہ جو کچھ حضرت شاہ عالم کی زبان مبارک سے نکلا تھا پورا ہوا اور داود الملک فی الحقیقت حضرت شاہ عالم کی نیابت میں متصرف ہیں۔ داود الملک کی شہادت ذیقعد ۸۸۹ھ میں واقعہ ہوئی اور لفظ ذیقعد سے تاریخ شہادت نکلتی ہے۔

حضرت قاضی نجم الدین گجراتیؒ

آپ بھی حضرت شاہ عالم کے مرید ہیں۔ تاریخ سکندری میں لکھا ہے کہ قاضی نجم الدین گجراتی بہت متعصب متشرع تھے۔ اس حد تک کہ ایک دن ایک سنار رباب مرصع کر کے سلطان محمود بیگڑہ کو پیش کرنے جا رہا تھا اتفاقاً قاضی صاحب کی نظر اس پر پڑ گئی۔ انھوں نے رباب سنار کے ہاتھ سے لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جب یہ بات بادشاہ تک پہنچی تو اس نے کمال حلم اور شریعت کے ادب سے صبر سے کام لیا۔ صرف اتنا کہا کہ اگر قاضی شریعت میں سچے ہیں تو حضرت شاہ عالم کو ارباب اور مزامیر و سماع سننے سے کیوں باز نہیں رکھتا۔ قاضی صاحب اس بات سے بہت متاثر ہوئے اور رباب اور مزامیر اور سماع کا مضمون فقہ کی کتابوں سے نکال کر اور کاغذ پر لکھ کر حضرت شاہ عالم کے پاس بحث کی خاطر لے گئے۔ آپ کی عادت تھی کہ ہفتے میں ایک دفعہ نماز جمعہ کی خاطر حجرہ سے باہر تشریف لاتے تھے اور نماز جمعہ کے بعد عصر تک خانقاہ میں بیٹھتے تھے اور مریدین کو تربیت دیتے تھے۔ اس کے بعد خلوت میں چلے جاتے تھے جہاں کسی غیر کا گذر نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ آپ عصر کے وقت خانقاہ میں بیٹھے تھے۔ کہ قاضی نجم الدینؒ کاغذ ہاتھ میں لئے بحث کی خاطر پہنچ گئے۔ جب ان کی نظر حضرت شاہ عالم کے جمال ولایت پر پڑی تو بات کرنے کی طاقت نہ رہی۔ جب حضرت شاہ عالم نے کاغذ پر نگاہ ڈالی تو بالکل سفید ہو گیا۔ اور رسمی مسائل کی سیاہی جو قاضی کے دل پر حجاب تھی۔ فوراً محو ہو گئی۔ آپ نے قاضی سے فرمایا دیکھو کاغذ پر کیا لکھا ہے۔ وہ کیا دیکھتے ہیں کہ کاغذ بالکل سفید ہے اور اس پر ایک حرف باقی نہیں۔ یہ دیکھتے ہی وہ آپ کے قدموں پر گر گئے۔ اس کے بعد آپ مرید ہو گئے اور چند روز تربیت حاصل کر کے واصل باللہ ہو گئے اور مسند ارشاد پر بیٹھ کر ہدایت خلق میں

مشغول ہوئے ۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مخدوم شیخ کبیرؒ

آں تارکِ تعلقاتِ کونین، آں ناظرِ جمالِ مطلق تعین، آں درِ عشق و آزادی بے نظیرِ وقت، صاحب ارشاد مخدوم شیخ کبیر چشتی، حضرت شیخ فرید بن عبدالعزیز بن سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری الصوفی سوالی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے ۔ حضرت شیخ حمید الدین صوفی حضرت خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے شیخ کبیر کو اپنے آباؤ اجداد کے سلسلے میں بھی خلافت تھی ۔ آپ بڑے عالی مقام بزرگ تھے اور سوز و عشق، ذوق سماع اور کرامات پوشیدہ رکھنے میں مشہور تھے ۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے ۔ آپ صاحب تصنیف بھی ہیں ۔ جب کفار نے ناگور میں فتنہ برپا کیا تو آپ گجرات تشریف لے گئے اور شہر احمد آباد میں گوشہ نشین ہو گئے ۔ تاریخ مرأت سکندری میں لکھا ہے کہ شیخ کبیر ہدایت و تربیت مریدین میں عدیم المثال تھے ۔ لیکن اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنے کی خاطر مسجد میں مجہول وش بیٹھ کر بچوں کو پڑھاتے تھے اور اپنے جمال ولایت کو اغیار سے پوشیدہ رکھتے تھے ۔ لیکن عشق و مشک چھپا نہیں رہتا۔ آپ کے ظاہر ہونے کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن ملک محمد بختیار جو سلطان محمود بیگڑہ کے اعظم امراء میں سے تھا، اس کوچے سے گذر رہا تھا ۔ جب اس کی نظر آنحضرتؒ کے جمالِ ولایت پر پڑی بہت متاثر ہوا اور آپ کی خدمت میں جا کر ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی ۔ نماز کے بعد آنحضرت نے ملک بختیار کے اندر جوہر قابلیت دیکھ کر اپنی طرف جذب کیا ۔ چنانچہ اس کا دل علائق دنیا سے سرد ہو گیا ۔ کچھ دیر کے بعد مدہوش اور متحیر ہو کر گھر چلا گیا اور تمام مال و دولت، ہاتھی گھوڑے وغیرہ کی فہرست بنا کر بادشاہ کے پاس بھیج دی کہ یہ آپ کی دولت ہے اور داخل خزانہ کر

دیں اور مجھے رخصت دیں۔ تاکہ اپنے کام میں مشغول ہو سکوں۔ بادشاہ حیران ہوا اور ارکان دولت کو ان کے پاس بھیج کر تسلی دلائی اور پوچھا کہ آپ کیوں متنفر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے جا کر دیکھا کہ ملک بختیار بالکل بے حال ہو چکے ہیں ناچار انہوں نے بادشاہ کے پاس جا کر بتلایا کہ وہ دیوانہ ہو چکا ہے اور اسے کوئی شعور نہیں اور نہ کوئی نصیحت کارگر ہو سکتی ہے۔ دوسرے دن انہوں نے باقی مال و اسباب بھی ترک کیا اور بیوی کا حق المہر ادا کر کے کہا کہ جہاں چاہو چلی جاؤ آپ کی بیوی بلند ہمت تھی اس نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ پس آپ اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر مجردانہ گھر سے باہر نکلے اور شیخ کی خدمت میں پیوست ہو گئے۔ یہ دیکھ کر شیخ خوش ہوئے اور ان کو پانی نکالنے کی خدمت پر لگا دیا۔ چنانچہ مدت تک وہ فقراء کے لیے دریا سے پانی لاتے رہے۔ یہ دیکھ کر لوگ ہنستے تھے کہ بادشاہ کی صحبت چھوڑ کر ملاں کبیر کا پانی بھر رہا ہے۔ لیکن ان پر اس کا ذرہ بھر اثر نہ ہوا اور روز بروز ان کے مراتب میں ترقی ہوتی رہی حتیٰ کہ شیخ کے حسن تربیت سے مرتبہ تکمیل و ارشاد تک پہنچ گئے اور بڑی شہرت پائی۔ چنانچہ شہر اور اطراف کے لوگ ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ جب ملک بختیار نے دیکھا کہ لوگ بہت غلو سے کام لے رہے ہیں اور شیخ کبیر کو بھی یہ بات پسند نہیں۔ تو گوشۂ تنہائی اختیار کیا۔ اور مریدین کی تربیت میں مصروف ہو گئے۔ ایک دن حضرت شاہ عالم کا ایک مرید آ کر ملک بختیار کی خدمت میں پیوست ہو گیا۔ حاسدوں نے یہ بات حضرت شاہ عالم سے جا کر کہی کہ ملک نے یہ گستاخی کی ہے۔ آپ نے فرمایا فکر نہیں۔ اصل مطلب مرید کی ہدایت ہے جہاں سے ہو جائے بہتر ہے۔ دوسرے روز حضرت شاہ عالم کی ملک بختیار سے کسی کوچہ میں ملاقات ہو گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے سے خرقہ طلب کیا۔ ملک نے کہا بادشاہوں کا کام بخشش و عطا ہے۔ شاہ عالم نے فرمایا ملک بھی بادشاہوں میں سے ہے آخر شاہ عالم نے اپنا پیرہن ملک بختیار کو عطا کیا اور ملک نے اپنا کلاہ ان کو دیا۔ اس سے ظاہر

ہے کہ حضرات صوفیہ کے ہاں اخلاص کے سوا کوئی چیز نہیں۔

حضرت شیخ کبیرؒ کے کمالات کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے مریدین اس مرتبہ کے لوگ تھے۔ حضرت خواجہ حسین ناگوریؒ بھی حضرت شیخ کبیر کے خلیفہ اور برادر زادہ تھے۔ انہوں نے شیخ کبیر کی وصیت کے مطابق حضرت خواجہ بزرگ معین الدین حسن اجمیری قدس سرہٗ کے روضہ پر سنگ سفید لگایا اور حضرت شیخ حمید الدین ناگوری یعنی اپنے جد امجد کے مزار پر بھی روضہ تیار کیا۔ ان کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شاہ جلال گجراتیؒ

آں قتیل بہ تیغ اغیار، آں شہید بمشاہدہ دلدار آں غریق بانوارِ ذاتی، حضرت شاہ جلال گجراتی قدس سرہٗ۔

حضرت شاہ پیارہ چشتی کے مرید خلیفہ تھے۔ نیز آپ حضرت میر سید یداللہ یعنی حضرت میر سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ کے پوتے اور جانشین کے محبوب ترین خلیفہ تھے۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ شاہ جلال گجراتی کا شمار اپنے وقت کے کاملین میں ہوتا ہے۔ آپ بڑے صاحب کرامات ظاہری و باطنی تھے۔ اور بڑے عالی مقام اور رفیع الدرجات تھے۔ آپ کا اصلی وطن گجرات ہے لیکن اشارۂ باطن کی وجہ سے آپ بنگال چلے گئے جہاں آپ نے بہت شہرت پائی۔ اور بےشمار مریدین اور طالبین حق آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ پر ایسا حال طاری تھا کہ تخت پر بیٹھ کر بادشاہوں کی طرح حکم دیا کرتے تھے یہ دیکھ کر بنگال کا بادشاہ آپ سے خوف کھانے لگا۔ اس لئے اس نے فوج کا ایک دستہ بھیج کر شاہ جلال کو قتل کرنا چاہا۔ فوجیوں نے خانقاہ میں داخل ہوتے ہی خون ریزی شروع کر دی۔ جس شخص پر وہ تلوار مارتے تھے شاہ جلال فرماتے تھے یا قہارؔ یا قہارؔ۔ جب شاہ جلال کے سر پر تلوار پڑی تو کہا یا رحمٰنؔ ان کلمات

کے ساتھ جان مشاہدۂ حق میں تسلیم کردی اور آپ کا سرزمین پر گر کر اللہ اللہ کہہ رہا تھا۔

حضرت شیخ مصباح العاشقین ساکن قصبہ ملانوہ حضرت شیخ جلال کے خلیفہ تھے اور آپ کے بعد سلسلہ ارشاد جاری رکھا۔ ان کے حالات اپنی جگہ پر آرہے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ وجیہ الدینؒ

آپ کا مزار قصبہ کہیری میں ہے۔ آپ شیخ محمدؒ مذکور کے خلیفہ ہیں اور حضرت شیخ حسن صوفی جن کا مزار قصبہ بدوسرائے میں ہے شیخ وجیہ الدین کے خلیفہ تھے۔ یہ دونوں حضرات صاحب ذوق، صاحب سماع، اور صاحب کرامت تھے رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ علی بر دہؒ

آپ بھی ولایت گجرات میں رہتے تھے۔ آپ کا شمار علمائے صوفیۂ موحد میں ہوتا ہے۔ آپ تمام ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں جن میں سے ایک تفسیر رحمانی ہے جو حقائق و معارف سے لبریز ہے۔ آپ نے عوارف المعارف کی شرح بھی لکھی ہے جس کا نام زوارق ہے۔ رسالہ بادلہ التوحید بھی آپ کی تصنیف ہے اس کے علاوہ آپ کی اور تصانیف بھی ہیں۔ (شاید یہ مخدوم علی مہائمی ہیں جن کا مزار بمبئی میں ہے)

حضرت شاہ میاں جیوؒ

آں مست مشاہدہ اسرار، آں بے نیاز گفتگوئے اغیار، آں گنجینۂ عشق و ہدایت حضرت شاہ میاں جیو قطب ولایت قدس سرہٗ۔ آپ بھی سلسلہ چشتیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک واسطہ سے حضرت میر سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ

کے مرید تھے آپ غلبۂ حال کی وجہ سے بے باک رہتے تھے اور لوگوں کی مدح و ذم (تعریف اور بدگوئی) کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے۔ بڑے بلند ہمت اور عالی مقام بزرگ تھے آپ شہر مندو جو سلاطین مالوہ کا پایۂ تخت تھا میں سکونت رکھتے تھے۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایک دن شہر مندو کا قاضی پالکی پر سوار گشت کرتے ہوئے حضرت شاہ میاں جیو کے مکان پر پہنچا۔ جب دروازے پر پہنچا تو آپ کو اس کے آنے کی اطلاع کی گئی۔ آپ نے مکان کی چھت سے جھانک کر قاضی کی طرف دیکھا تو کہاروں کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور دُرّہ قاضی کے ہاتھ سے گر پڑا۔ لیکن احترام شریعت میں وہ اس قدر راسخ تھا کہ اس نے درہ (چابک) اٹھالیا اور چھت پر چڑھنے کی کوشش کی۔ آپ نے قاضی کا ہاتھ پکڑ کر اوپر لے لیا۔ چھت پر جاکر قاضی نے دیکھا کہ شراب کا پیالہ پڑا ہے پوچھا یہ کیا ہے۔ آپ نے پیالہ بھر کر اسے دیا تو خالص شربت تھا تھا۔ اس کے باوجود قاضی نے وہ نہ پیا اور باہر آگیا۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ، ابتدائے ماہ رجب سے عاشورہ کے دن تک اعتکاف میں چلے جاتے تھے اور حجرہ کا دروازہ پتھروں سے بند کر دیتے تھے۔ اس چھ ماہ کے عرصے میں نہ کچھ کھاتے تھے نہ پیتے تھے جب آپ کے باہر آنے کا وقت ہوتا تو خادم عام لوگوں کو سامنے نہیں آنے دیتے تھے کیونکہ نظر جلال کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ اگر اتفاق سے کوئی آدمی وہاں پہنچ بھی جاتا تو آنحضرت کی نظر پڑنے سے ایک دو دن بے خود اور مدہوش پڑا رہتا تھا۔ وہی قاضی جو آپ کا منکر تھا اور بارہا آپ کی گرفت کر چکا تھا ایک دفعہ آپ کے حجرہ سے باہر آنے کے وقت موجود تھا۔ جونہی آپ کی نظر اس پر پڑی بے ہوش ہو کر گر پڑا اس کے بعد وہ آپ کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا۔ غرضیکہ آپ کے کمالات و کرامات اس قدر ہیں کہ یہاں ان کی گنجائش نہیں آپ کی ایک سو بیس سال عمر تھی آپ کے شیخ بھی ایک سو پچاس سال کی عمر میں فوت ہوئے تھے۔ حضرت شاہ

میاں جیو کا سن وفات نظر سے نہیں گذرا۔ لیکن آپ حضرت قطب عالم اور شاہ عالم گجراتی کے معاصر تھے۔ آپ کا مزار شہر مندو میں حاجت روائے خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

سلاطین مالوہ

چونکہ حضرت شاہ میاں جیو اس علاقے کے صاحب ولایت تھے سلاطین مالوہ کے حالات بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ منتخب التاریخ میں لکھا ہے کہ ولایت مالوہ میں اسلام سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں داخل ہو چکا تھا۔ سلاطین دہلی میں سے سب سے پہلے سلطان غیاث الدین بلبن نے اس علاقے کو فتح کیا۔ اس وقت سے لے کر سلطان محمد بن فیروز تغلق کے عہد تک سلاطین دہلی کے قبضے میں رہا۔ جب سلطان محمد بن سلطان محمد تغلق تخت نشین ہوا تو اس نے چار ملکوں میں حاکم تعینات کیے۔ خضر خاں کو ملتان کا والی مقرر کیا۔ ظفر خان بن وجیہ الملک کو گجرات کا، خواجہ سرور خان کو سلطان الشرق کا خطاب دے کر جونپور کے علاقے میں تعینات کیا اور دلاور خاں کو مالوہ میں بھیجا۔ ان کے رخصت ہوتے وقت شاہی نجومی حاضر تھا ان کے چلے جانے کے بعد اس نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ چاروں آدمی بادشاہ بن جائیں۔

جب امیر تیمور کے حملے کے وقت سلطنت دہلی میں خلل واقعہ ہوا تو ان چاروں حاکموں نے خود مختاری کا اعلان کر کے آزاد سلطنتوں کا آغاز کر دیا۔ دلاور خاں ۸۰۲ھ میں ملک مالوہ کا بادشاہ ہو گیا اور مختلف اقوام کے کل پندرہ بادشاہوں نے ایک سو پینسٹھ سال تک حکومت کی۔ اس کے بعد ۹۷۰ھ میں یہ علاقہ جلال الدین اکبر بادشاہ کے تصرف میں آ گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے دلاور خاں نے چند سال مالوہ میں حکومت کی اور ۸۰۹ میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ہوشنگ خاں تخت نشین ہوا۔ اس کے اور سلطان مظفر شاہ گجرات کے درمیان کافی جنگ

رہی۔ لیکن اس کے ساتھ صلح کر کے ہوشنگ خاں نے کالپی پر حملہ کر دیا۔ سلطان ابراہیم شرقی وہاں سے ہٹ کر جونپور چلا گیا۔ ہوشنگ خاں نے کالپی میں سکہ اور خطبہ اپنے نام پر جاری کر کے قادر شاہ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور خود اپنے پایہ تخت مندو کی طرف چلا گیا۔ چند سال سلطنت کرنے کے بعد ۸۳۸ھ میں فوت ہو گیا۔

اس کے بعد اس کا لڑکا سلطان محمود تخت نشین ہوا۔ لیکن چونکہ وہ بادشاہی کے قابل نہ تھا امراء اس پر غالب آ گئے اور آخر محمود خاں بن ملک مغیث خلجی نے اسے شراب میں زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ اس کی مدت سلطنت ایک سال اور چند ماہ تھی۔ اس کے بعد ملک مغیث خاں نے سلطان محمود خلجی کا لقب اختیار کر کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا۔

سلطان محمود قابل بادشاہ تھا اس نے حسن انتظام سے سارے ملک میں امن و امان قائم کر لیا۔ اس کے بعد اس نے سلطان قطب الدین والئی گجرات پر لشکر کشی کی اور تھوڑے عرصے کے بعد صلح کر کے اجمیر پر حملہ کر دیا اور ۸۵۹ھ میں رانا کے ہاتھوں سے قلعہ اجمیر چھین لیا۔ اس جنگ میں بے شمار راجپوت قتل ہوئے۔ اس نے حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کے آستانہ میں جامع مسجد تعمیر کی اور وہاں کی حکومت خواجہ نعمت اللہ معروف سیف خوانی کے حوالہ کر کے پایۂ تخت کی طرف چلا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے نظام الملک والئی دکھن اور علاقہ کھواره کے زمین داروں پر لشکر کشی کر کے ان پر غلبہ حاصل کر لیا اور ۸۷۳ھ میں فوت ہو گیا۔

اس کے بعد اس کا لڑکا غیاث الدین خلجی تخت نشین ہوا اور بخشش و عطا کی وجہ سے ہر دلعزیز ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے چھوٹے بھائی سلطان علاؤالدین کو رن تھمبور کا حاکم مقرر کیا۔ اور شہزادہ عبدالقادر کو ناصرالدین کا خطاب دے کر اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ اور وزارت اور تمام جنگی امور اس کے سپرد کر دیئے اور خود عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ اس کی مدت سلطنت

بتیس سال اور سات ماہ تھی۔ آخر ۹۰۶ھ میں فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ناصر الدین تخت نشین ہوا۔ لیکن جہاں اس کے والد کا عہد حکومت پُر امن رہا۔ ناصر الدین کے تخت نشین ہوتے ہی جگہ جگہ بدامنی پیدا ہو گئی۔ آخر گیارہ سال چند ماہ حکومت کرنے کے بعد ۹۱۷ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا سلطان محمود تخت پر بیٹھا۔ اس کی بھی ساری عمر جنگ وجدل میں گذری۔ پہلے اس کی جنگ اپنے بھائیوں اور ملازموں سے رہی۔ ان پر غالب آنے کے بعد رانا سانگا وغیرہ زمین داران نے جمع ہو کر اس پر حملہ کر دیا۔ لڑائی کے دوران بادشاہ زخمی ہو گیا لیکن رانا سانگا نے اسے شجاعت کی داد دے کر عزت واکرام کے ساتھ گھر واپس کر دیا۔ چند روز کے بعد سلطان بہادر گجراتی کے ساتھ جنگ ہو گئی جس میں سلطان محمود اپنے سات لڑکوں سمیت گرفتار ہو گیا اور قید ہی میں قتل کر دیا گیا۔ اس کی مدت سلطنت بیس سال چھ ماہ تھی۔ اس کے ساتھ خلجی خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور ولایت مالوہ سلطان بہادر گجراتی کے تصرف میں آ گئی۔ چار سال کے بعد سلطان بہادر کا ہمایوں بادشاہ سے مقابلہ ہوا جس میں وہ بھاگ گیا اور مالوہ کی سلطنت ہمایوں کے تصرف میں آ گئی۔ جب ہمایوں شیر خاں افغان کی بغاوت فرد کرنے کے لیے بنگال گیا تو ولایت مالوہ میں کوئی حاکم نہ تھا۔ یہ دیکھ کر ملو خاں ولد اقبال خان نے اپنے آپ کو قادر شاہ کا خطاب دے کر سلطنت مالوہ پر قبضہ کر لیا۔ اور ملک کو تمام امراء میں تقسیم کر دیا۔ جب شیر خاں نے ہمایوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ تو تمام ہندوستان اس کے قبضے میں آ گیا اور اس نے شیر شاہ کا خطاب اختیار کر کے مالوہ پر لشکر کشی کی۔ ملو خاں نے اطاعت قبول کر لی۔ اس کی مدت حکومت چھ سال تھی۔ شیر شاہ نے سجاول خاں کو شجاعت خانی کا خطاب دے کر ولایت مالوہ کا حاکم مقرر کیا۔ شیر شاہ اور اسلام شاہ کے عہد سلطنت میں شجاعت خاں حکمران رہا۔ لیکن عادل شاہ کے عہد میں اس نے وفات پائی۔ اس کے

بعد اس کا لڑکا بہادر خان حکمران ہوا اور بہادر شاہ کا خطاب اختیار کر کے سلطنت کرنے لگا۔ جب اکبر بادشاہ کا زمانہ آیا تو ۹۷۶ھ میں اس نے ادھم خاں کو ایک لشکر جرار دے کر بہادر شاہ پر حملے کا حکم دیا چنانچہ موضع کہور میں جو سارنگ پور سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے جنگ ہوئی۔ جس میں بہادر شاہ کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گیا۔ اس کا سب مال واسباب اور اہل عیال اور اس کی محبوبہ بیوی روپ متی ادہم خاں کے ہاتھ آئے اور بہادر خاں ادھر اُدھر پھرتا ہوا اکبر بادشاہ کے ہاں دہلی پہنچا اور اہل دربار ہوگیا۔ بہادر شاہ کی مدت حکومت سولہ سال تھی۔ اس کے بعد مالوہ کی حکومت مغلیہ خاندان میں رہی۔

حضرت شیخ عبداللہ شطاریؒ

ذکر آں ہادیِ حق پسنداں، شاہ سوارِ دردمنداں، محقق ازہمہ بے انکار، مرشد باستحقاق شیخ عبداللہ شطار قدس سرہٗ۔

آپ کا شمار کاملین وقت میں ہوتا ہے آپ تمام ظاہری و باطنی کمالات کے مالک تھے اور بڑی شان و شوکت سے رہتے تھے۔ آپ نے مشرب شطاریہ پر ایک رسالہ لکھا ہے اس میں آپ نے اپنا سلسلہ نسب بھی بیان کیا ہے۔ جو چند واسطوں سے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ سے جا ملتا ہے۔ شیخ عبداللہ شطار شیخ محمد عارف طیفوری کے مرید و خلیفہ تھے اور وہ شیخ محمد عاشق بن شیخ خدا قلی کے اور وہ اپنے والد شیخ خدا قلی ماورالنہری، قدس سرہٗ کے اور وہ خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کے وہ خواجہ ابوالنطفر کے وہ مولانا ترک طوسی کے وہ خواجہ ابی یزید عشقی کے وہ خواجہ محمد مغربیؒ کے اور وہ سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے اور وہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اور وہ اپنے آباؤ واجداد

کے خلیفہ تھے۔ سلسلہ طیفوریہ میں سب سے پہلے آپ نے شطار کا
لقب حاصل کیا۔ شطار کے معنی تیز رفتار کے ہیں اور صوفیہ کی اصطلاح
میں علم شطار شغلِ باطنی کو کہتے ہیں، جس سے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا مقام
حاصل ہوتا ہے۔

کتاب جواہر خمسہ میں لکھا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے کہ نزل علم الشطار قبل القرآن فی صدری فتحققت حقیقۃ الاشیاء
من الازل الی الابد (میرے سینہ میں علم شطار نازل ہوا قرآن سے پہلے اور
ازل سے ابد تک مجھے حقیقت الاشیاء سے آگاہی ہوگئی) - پس یہ علم شطار حضرت
رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ
کو پہنچا۔ اور آپ سے صوفیائے کرام کو حاصل ہوا۔ اس وجہ سے شغل باطن تمام
سلاسل کا معمول ہوگیا۔ جب شیخ عبد اللہ کو غایت ریاضت و مجاہدہ سے
علم شطار کما حقہٗ حاصل ہوگیا اور آپ اسی صفت سے موصوف ہو گئے تو شیخ
محمد عارف نے آپ کو شیخ عبد اللہ شطار کا لقب عطا فرمایا۔ چنانچہ سلسلہ
شطاریہ آپ سے شروع ہوا۔ آپ کے مریدین بھی اسی نام سے موسوم
ہیں۔ غرضیکہ شیخ محمد عارف نے آپ کو خرقہ خلافت دے کر ہندوستان
کی طرف روانہ کیا۔ شیخ نے آپ کو طبل اور علم (نقارہ اور جھنڈا) بھی عطا
فرمایا اور وصیت کی کہ جس جگہ جاؤ اعلان کر دو کہ جو شخص طالب حق ہے،
آئے تاکہ میں اسے عطا کردوں اور مشائخ روزگار کی خدمت میں جا کر کہو
کہ اگر آپ کے پاس کوئی چیز ہے تو مجھے عنایت کرو ورنہ جو کچھ میرے پاس
ہے حاضر ہے۔ یہ دیکھ کر بہت طالبانِ حق اور بے شمار خلقت آپ کے
گرد ہوگئی۔ آپ جس شہر میں جاتے تھے خیمے نصب کر کے اپنے شیخ کی
وصیت کے مطابق ہر سلسلے کا سلوک اختیار کرتے تھے۔ جب رفتہ
رفتہ آپ شہر مانک پور پہنچے تو حضرت شیخ حسام الدین مانک پوری، راجی

سید حامد، اور شاہ سید تینوں بزرگ اکٹھے بیٹھے تھے۔ حضرت شیخ حسام الدین نے کمال بردباری سے فرمایا کہ شیخ عبداللہ مسافر ہیں اور میں مقیم ہوں مناسب یہی ہے کہ میں ان کو ملنے کے لیے جاؤں۔ لیکن چونکہ مجلس سماع میں تینوں بزرگوں نے اپنے کپڑے قوالوں کو دے دیئے تھے اور پہننے کے لیے کچھ نہ تھا ایک مرید نے اتفاقاً ایک چشت قبا پیش کی اس کے تین حصے کرکے تینوں بزرگوں نے زیب تن کیا اور "اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللّٰہ" (جب فقر تمام ہوتا ہے تو اللہ ہی اللہ ہے) کا لباس پہن کر روانہ ہوئے۔ شیخ حسام الدینؒ ننگے سر تھے۔ ایک مرید پان کے پتے جمع کرکے کلاہ بنا لایا آپ نے اسے زیب تن کیا اور راستے میں ایک پرانی رسی پڑی تھی اس سے آپ نے کمر باندھ لی۔ یہ حالت دیکھ کر شاہ سید پر حالت طاری ہوگئی اور یہ مصرع فی البدیہہ کہا ع

از کفر مے ترسم مگر تو الٰہی

(کفر سے ڈرتا ہوں مگر تو میرا خدا ہے)

یہ سن کر راجی سید صادر نے جو شیخ حسام الدین کے محبوب ترین اور عارف ترین خلیفہ تھے نے فرمایا میاں سید وابھی "مگر" باقی ہے غرضیکہ جب شیخ عبداللہ شطار کو ان حضرات کے آنے کی خبر ہوئی تو خیمہ سے باہر نکل آئے اور کہنے لگے کہ مجھے ڈر ہے کہ برادرم شیخ حسام الدین کی آتش فقر سے میرا خیمہ جل جائے۔ ملاقات کے بعد سب بزرگ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ عبداللہ نے اپنے طریق کے مطابق درخواست کی کہ مجھے کچھ عطا کیجیے کہ طالب ہوں ورنہ جو کچھ میں نے اپنے مشائخ سے حاصل کیا ہے حاضر ہے۔ مخدوم شیخ حسام الدین نے کمال استغنا، عجز و انکسار سے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو آپ کے سامنے ظاہر کردں اور جو کچھ

میں نے اپنے مشائخ سے حاصل کیا اس قدر ہے کہ اب تک اس کے فوائد سے مستفیض ہو رہا ہوں اور آپ سے مزید کوئی چیز حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ شیخ عبداللہ اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور آپ کی بلندی ہمت کی داد دے کر فرمایا کہ الحمد للہ ہندوستان میں میں نے ایک ایسا عارف دیکھا ہے جس کی ہمت کونین سے بھی زیادہ بلند ہے اس کے بعد شیخ عبداللہ جونپور چلے گئے جہاں آپ کی بہت شہرت ہوئی اور مخدوم شیخ محمد معروف قاضن منیری اور دیگر احباب آپ سے تربیت حاصل کر کے مرتبہ ارشاد کو پہنچ گئے۔ چنانچہ آج تک آپ کا سلسلہ شیخ قاضن اور دوسرے خلفاء کے ذریعہ جابجا جاری ہے۔

ایک دن سلطان ابراہیم شرقی بادشاہ جونپور نے شیخ عبداللہ شطاری کی خدمت میں عرض کیا کہ سنا ہے آپ حق نمائی (اللہ تعالیٰ دکھانے کا) دعوہ کرتے ہیں۔ مجھ پر آپ کیوں نہیں کچھ ظاہر کرتے۔ شیخ نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ نے ہر شخص کو ایک کام کے لیے پیدا فرمایا ہے تم سلطنت کے کام میں مشغول رہو کیونکہ خلقت کا فائدہ اسی میں ہے۔ بادشاہ نے فرمایا اس مجلس میں بہت لوگ موجود ہیں کسی اور پر کرم کر دیجئے۔ شیخ نے جواب دیا کہ اس کے لیے جوہر قابل شرط ہے۔ بادشاہ نے کہا کئی ہزار آدمی موجود ہیں ایک میں بھی جوہر قابل نہیں ہے۔ یہ سن کر شیخ پر حالت طاری ہو گئی چاروں طرف نظر دوڑائی ایک خوب صورت نوجوان بادشاہ کو پنکھا کر رہا تھا۔ آپ نے اس پر توجہ فرمائی تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس کے بعد اس نے ترک اختیار کیا اور حضرت شیخ سے بیعت ہو کر حلقہ میں داخل ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ اور اہل مجلس دنگ رہ گئے لیکن چونکہ محفل دوسرا رنگ اختیار کر چکی تھی شیخ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اور مالوہ کی طرف چلے گئے۔ مالوہ کے بادشاہ نے آپ کو بہت عزت و تکریم کے ساتھ مندو میں ٹھہرایا۔ چنانچہ کئی برس وہاں قیام پذیر ہو کر ہدایت خلق

میں مشغول رہے۔ لطائف اشرفی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب میر سید اشرف جہانگیر سیر کرتے ہوئے مالوہ تشریف لے گئے تو شیخ عبداللہ شطاری نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کیا۔

حضرت شیخ عبداللہ کا مزار مندو میں واقع ہے۔ آپ کے سلسلہ کے ایک بزرگ پیر میرٹھی ہیں۔ ایک دفعہ جہانگیر بادشاہ کے ہمراہ مندو گئے اور مزار پر مقبرہ تیار کرایا۔ چنانچہ وہ عمارت اب تک موجود ہے۔ شیخ عبداللہ شطاری کی کرامات و کمالات بیان سے باہر ہیں۔ تربیت مریدین میں آپ بڑے ماہر تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ قاضن قدس سرہٗ

حضرت مخدوم شیخ قاضن منیری شیخ عبداللہ شطار کے خلیفہ تھے اور تربیت مریدین میں بے نظیر تھے۔ آپ سے دو بزرگوں نے خلافت حاصل کی۔ ایک حضرت میر سید علی قوامؒ جن کے کمالات بہت مشہور ہیں۔ آپ کا مزار جونپور کے نواح میں سرائے میران میں واقع ہے۔ دوسرے حضرت شیخ ابوالفتح سرمست۔ جو شیخ قاضن کے بیٹے اور جانشین تھے وہ بھی بڑے قوی الحال اور صاحب ارشاد تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ شیخ حمید المعروف شیخ ظہور شیخ ابوالفتح کے خلیفہ تھے۔ بڑے صاحب کمال اور عالی مقام بزرگ ہوئے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ بہلول و حضرت شیخ محمد غوث قدس سرہٗ

یہ دونوں حضرات شیخ ظہور کے خلیفہ اور دونوں بھائی تھے اور علائق دنیا سے دست بردار ہو کر کوہ چنار میں گوشہ نشین ہو گئے۔ تیرہ سال اور سات ماہ کے مجاہدات و ریاضات کے بعد ان کا فتح باب ہوا۔ ان سے کرامات

کا اس قدر ظہور ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ شیخ محمد غوث صاحب ارشاد تھے آپ کی تصانیف جواہر خمسہ اور اوراد غوثیہ آپ کے کمالات پر دلالت کرتی ہیں۔ دونوں بھائیوں کے کرامات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ ہمایوں بادشاہ شیخ بہلول کا مرید ہو گیا اور جب تک زندہ رہا شیخ کی دعا کی برکت سے اسے کبھی کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ جب ۹۴۵ھ میں ہمایوں کے چھوٹے بھائی مرزا ہندال نے علم بغاوت بلند کیا تو بادشاہ نے اس کی نصیحت کے لیے شیخ بہلول کو اس کے پاس بھیجا۔ مرزا ہندال نے اوباش لوگوں کے مشورہ سے شیخ کو شہید کرا دیا۔ آپ کی تاریخ وفات "قد مات شہیداً" سے نکلتی ہے۔ ہمایوں کی وفات کے بعد جب جلال الدین اکبر تخت نشین ہوا تو شیخ محمد غوث کا مرید ہو گیا۔ اور جب تک زندہ رہا اس کے اعتقاد اور اخلاص میں سر مو فرق نہ آیا۔ آپ کا وصال ۹۷۰ھ میں ہوا اور گوالیار میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت میر سید محقق قدس سرہ

آپ میر سید علاؤالدین کنتوری کی اولاد میں سے تھے جن کا ذکر بیسویں طبقہ میں ہو چکا ہے۔ میر سید محقق حضرت شیخ محمد غوث کے خلیفہ اور تمام ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے۔ آپ بڑے عبادت گذار تھے۔ آپ نے ساٹھ سال مجاہدہ کیا۔ اس فقیر کے ساتھ بہت مہربانی کرتے تھے آپ کی وفات ۱۰۲۳ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شاہ داؤد قدس سرہ

ذکر آں ہمیشہ در طلب مطلوب بے اختیار آں در ہمہ حال جوئندۂ دلدار آں سوختہ بآتش بے درد عاشق صادق شاہ داؤد قدس سرہ۔

آپ کا شمار مشتاقان روزگار میں ہوتا ہے آپ کو داؤد سرمست بھی کہتے ہیں۔ تربیت مریدین میں آپ کو بڑی دسترس تھی۔ آپ کا سلسلہ شطاریہ قلندریہ تھا۔ آپ شاہ قطب بینا دل کے مرید تھے جن کا ذکر شاہ خضر رومی کے حالات میں ہو چکا ہے۔ اس سلسلے کے سب بزرگان کی عمر بہت دراز تھی۔ ان میں سے آپ کی عمر ایک سو پچاس یا ایک سو بیس سال سے کم نہ تھی۔ اس وجہ سے آپ کی نسبت چند واسطوں سے حضرت شاہ خضر رومی کے ساتھ جا ملتی ہے جو حضرت خواجہ قطب الاسلام اوشی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔

صاحب اخبار الاخیار لکھتے کہ شاہ داؤد بڑے کامل درویش تھے اور قصبہ سرہرپور میں رہتے تھے جو جونپور کے نواح میں ہے۔ جب شیخ عبداللہ شطاری اس علاقے میں تشریف لے گئے اور سب لوگ آپ کے گرد ہونے لگے تو شیخ داؤد بھی ان سے ملنے گئے۔ شیخ عبداللہ کا دستور تھا کہ دربان دروازے پر رہتا تھا۔ دربان نے شیخ داؤد کو جانے سے روکا۔ شیخ داؤد بڑے قوی ہیکل تھے آپ نے دربان کو نیچے گرا دیا اور اس کے سینہ پر پاؤں رکھتے ہوئے بلا اجازت شیخ کے پاس چلے گئے۔ شیخ نے آپکا بڑا احترام کیا دوران مجلس میں شیخ عبداللہ کے ایک خادم نے کہا کہ کوئی بے ادب حق تعالےٰ تک نہیں پہنچا۔ شیخ داؤد نے جواب دیا کہ کوئی باادب حق تعالےٰ تک نہیں پہنچا لوگوں نے کہا اس کے کیا معنی؟ آپ نے فرمایا اگر میں ادب کرتا اور دربان کو نہ مارتا تو شیخ کی خدمت میں کیسے پہنچتا اور حق تعالےٰ تک کیسے پہنچتا۔ شیخ عبداللہ کو یہ بات بہت پسند آئی اور ان پر نظر شفقت فرمائی آپ کے کرامات اور کمالات بہت ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شاہ انور قدس سرہٗ

آپ حضرت شیخ داؤد کے مرید و خلیفہ تھے۔ بڑے عالی مقام بزرگ

ہوئے ہیں۔ آپ کا مزار قصبہ سرہرپور میں زیارت گاہ خلق ہے اور آپ کی اولاد قصبہ مذکور میں موجود ہے اور فقرا اور مسافروں کی خدمت کرتے ہیں۔ متواتر روایت میں ہے کہ شاہ نور نے اوائل حال میں بڑے مجاہدات کئے اور ہمیشہ شاہ داؤد کی خدمت میں مشغول رہے۔ ایک دفعہ ان سے کوئی کوتاہی ہوگئی شاہ داؤد نے فرمایا اگر تم نے میری خدمت میں تساہل سے کام لیا تو میں اپنی خدمت کے لیے دوسرا شاہ نور پیدا کروں گا۔ یہ کہہ کر آپ سرہرپور سے اٹھے اور قصبہ تانده پہنچ گئے۔ شیخ نور ثانی اس وقت اپنے کاروبار میں مصروف تھے۔ شیخ داؤد اچانک ان کے سر پر جا پہنچے اور اس کے اندر اپنے نور باطن سے جوہر فراست دیکھ کر فرمایا بابا کب تک لکڑی پر لکڑی مارتے رہو گے اس سے بہتر کام کرو۔ اس بات کا ان کے دل پر بہت اثر ہوا اور سب کچھ چھوڑ کر شاہ داؤد کے پیچھے ہو لئے۔ کچھ عرصہ ریاضت اور مجاہدہ کرنے کے بعد مرتبہ تکمیل کو پہنچ گئے اور شاہ داؤد سے خلافت حاصل کی آپ کا مزار قصبہ میں زیارت گاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شیخ پیرک قدس سرہٗ

آپ کا مزار قصبہ انبالہ میں ہے۔ آپ حضرت شاہ نور کے خلیفہ تھے صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ شیخ پیرک شیخ یوسف قتال جو دہلی کے رہنے والے تھے کے مرید تھے۔ ان کا سلسلہ حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری قدس سرہٗ کی وساطت سے حضرت مخدوم شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہٗ سے جا ملتا ہے۔ لیکن آپ نے تربیت حضرت شاہ نور سے حاصل کی۔ آپ بڑے صاحب حال بزرگ تھے اور آپ کا تصرف نہایت قوی تھا۔

حضرت مخدوم شیخ جمال قدس سرہٗ

ذکر آں صوفی باکمالِ عرفان آراستہ، آں محقق بکمالاتِ انسانی پیراستہ، آں مستغرق بمشاہدات ذوالجلال، سالک بے ریا مخدوم شیخ جمال قدس سرہٗ آپ کو شیخ جمال اولیا کہتے ہیں۔ آپ کا نام شیخ جمال گوجرہ بھی ہے بعض اوقات آپ طعام کی دیگ سر پر رکھ کر پھرتے تھے اور جو غریب ملتا تھا۔ اسے تقسیم کرتے تھے۔

ایک دن شاہ موسے عاشقاں کے گھر فاقہ تھا۔ شیخ جمال دیگ اٹھا کر ان کے گھر پر گئے اور سارا طعام ان کے حوالہ کر دیا۔ انہوں نے فرمایا جزاک اللہ اپنے جمال کے صدقے گوجران کے رنگ کی دیگ اٹھائے پھرتے ہو اور عشق کے عوض فروخت کرتے ہو اسی وقت سے آپ کا لقب شیخ جمال گوجرہ ہو گیا۔ بڑے بلند مقام اور رفیع الدرجات بزرگ تھے۔ آپ کے اندر بہت کشش تھی۔

آپ کا سلسلہ کبیرویہ فردوسیہ ہے۔ آپ شیخ مظفر بلخی کے مرید و خلیفہ تھے اور وہ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے جن کا سلسلہ پانچ واسطوں سے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ سے جا ملتا ہے۔ شیخ جمال نے اپنے پیر کے اشارہ کے مطابق شہر اودھ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور شاہ موسے عاشقان جو شیخ حاجی چراغ ہند کے خلیفہ تھے کے ہم عصر تھے۔ آپ شیخ فتح اللہ اودھی کے بھی معاصر تھے اور ان کے ساتھ محرمانہ صحبتیں ہوا کرتی تھیں۔ ان دنوں شیخ احمد عبدالحق ردولوی قدس سرہٗ اودھ تشریف لے گئے اور شیخ جمال آپ کے دام محبت میں اسیر ہو گئے اور اکثر اوقات آپ کی خدمت میں بسر کرتے تھے۔

چنانچہ شیخ احمد عبدالحق کے ملفوظات میں آپ کا دو دفعہ ذکر آیا ہے

وہاں لکھا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں نے بھکر سے پنڈوہ تک سیر کی۔ لیکن مجھے کوئی مسلمان نظر نہ آیا۔ سوائے ایک بچہ کے جو مجھے راستے میں ملا۔ بچہ سے آپ کی مراد شیخ جلال گوجرہ ہے۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت شیخ سے بہت فیض حاصل کیا۔ چنانچہ آپ صاحب ارشاد ہوئے اور آپ کے فیض تربیت سے کافی لوگ مرتبہ تکمیل کو پہنچے۔ غرضیکہ آپ بڑے صاحب کمال تھے۔ آپ کا مزار شہر اودھ میں آج تک زیارت گاہ خلق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مخدوم شیخ بھیک قدس سرہ

آپ حضرت شیخ جمال گوجرہ کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا مزار موضع بلھری میں ہے جو شہر اودھ سے چار کوس کے فاصلے پر ہے آپ بڑے عالی مقام بزرگ تھے۔ آپ بڑے عبادت گذار تھے۔ اس حد تک ایک دفعہ لومڑی کے سوراخ میں گھس گئے اور غلبہ استغراق کے سے چند سال اس کے اندر رہے اور نہایت مقام فنا حاصل کی۔ اس کے بعد اکثر اصحاب نے آپ سے خوب تربیت حاصل کی۔ ان میں سے ایک حضرت شیخ جمال الدین ہیں جن کا مزار جونپور کے علاقے میں بدہزار کے مقام پر ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کے دوسرے مرید شیخ رجب ہیں جو قوم حائک سے تھے ان کا مزار موضع رام دیہ میں ہے جو حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کے آستانہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے۔

حضرت شیخ کبیر ملامتی قدس سرہ

شیخ بھیک کے تیسرے خلیفہ شیخ کبیر ملامتی ہیں۔ جو پہلے شیخ تقی بن شیخ

رمضان حا یک سہروردی کے مرید تھے (جن کا مزار الٰہ آباد کے قریب موضع جھونسی میں ہے) لیکن بعد میں راما تند پیراکی کی صحبت میں جا پڑے ۔ جہاں انہوں نے بہت مجاہدات کئے اور ان پر توحید کا غلبہ ہو گیا ۔ جس کی وجہ سے اہل ظواہر کی رعایت کا خیال ان سے ترک ہو گیا اور بے پروا کلمات ان سے سرزد ہونے لگے ۔ چنانچہ ظاہری لوگوں نے آپ پر کفر کے فتوے صادر کئے لیکن اہل معرفت کے نزدیک آپ صحیح معنوں میں موحد تھے ۔ ہاں آپ کا مشرب رندانہ اور ملامتیہ ضرور تھا ۔ آخر میں آپ نے حضرت مخدوم بھیک سے سلسلہ فردوسیہ کا خرقہ خلافت حاصل کیا ۔ آپ کا طریق صلح کل تھا آپ کا مزار گورکھپور کے علاقے میں قصبہ مکہر میں واقع ہے ۔

حضرت شیخ کمال قدس سرہٗ

آپ شیخ کبیر ملامتی کے بیٹے تھے اور اپنے والد سے تربیت حاصل کی ۔ آپ کا مسلک بھی ملامتیہ تھا ۔ بلکہ اپنے والد سے زیادہ بے باک تھے والد کی وفات کے بعد آپ گجرات چلے گئے جہاں حضرت شاہ عالم محبوب عالم آپ سے بہت عزت و اکرام سے پیش آئے ۔ اس سے آپ کی بہت شہرت ہوئی ۔ آپ کا مزار احمد آباد گجرات میں ہے ۔

حضرت شاہ جانی اور شاہ درویش قدس سرہٗ

شیخ جمال گوجری کے دو اور خلفا شاہ جانی اور شاہ درویش تھے جن کے کرامات بہت مشہور ہیں ۔ ان کے مزار پرگنہ انزولہ علاقہ گورکھپور میں ہیں ۔

حضرت شیخ حسین بلخی بہاری قدس سرہٗ

آں سالک صادق الاخلاص، آں از بندِ دوئی مطلق خلاص، آں برگذشتہ از کار دبے کاری، موحد کامل شیخ حسین بہاری قدس سرہٗ واصل باللہ، صاحب ذوق وشوق اور قوی الحال تھے۔ آپ حضرت شیخ مظفر بلخی کے برادرزادہ تھے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ آپ اپنے چچا شیخ مظفر بلخیؒ کے مرید وخلیفہ تھے لیکن آپ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مرید تھے اور تربیت اور خلافت شیخ مظفرؒ سے حاصل کی۔ اوائل میں آپ دہلی میں تحصیل علم کرتے رہے۔ اس کے بعد جذبہ طلب حق رونما ہوا تو سب کچھ ترک کر کے راہ حق اختیار کر لیا۔ کہتے ہیں کہ آپ نے نصف کتاب عوارف المعارف حضرت شیخ شرف الدینؒ سے پڑھی تھی کہ آپ نے کمال جوہر شناسی سے ان کو نوشتہ توحید کہا۔ جب حضرت شیخ کی وفات کا وقت آیا۔ تو شیخ حسین کو فکر لاحق ہوا۔ آپ نے آنکھ کھول کر فرمایا بابا حسین فکر مت کرو۔ میرے بعد حضرت شیخ بدیع الدین شاہ مدار اس ولایت میں آئیں گے تم باقی نصف کتاب ان سے پڑھ لینا۔ چند سال کے بعد جب شاہ مدار جونپور تشریف لائے تو آپ بہار سے روانہ ہو کر ان کی خدمت میں پہنچے شاہ مدار کی عادت تھی کہ ہمیشہ برقعہ منہ پر رکھتے تھے۔ شاہ حسین کے آتے ہی انہوں نے برقعہ اتار کر فرمایا آؤ توحید کے سمندر خوش آمدید میں تمہاری انتظار میں تھا۔ شیخ حسین نے سر زمین پر رکھ یہ شعر فی البدیہہ کہا ؎

کہ میگوید کہ حق صورت نہ بندد۔ من اینک دیدہ ام ذات مصور

(کون کہتا ہے کہ حق تعالےٰ کی صورت نہیں ہے۔ میں اس وقت صورت حق دیکھ رہا ہوں)

یہ سن کر شاہ مدار بہت خوش ہوئے اور ان کو بغل میں لے کر بہت نوازش فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے نغمہ کتاب عوارف آنحضرت سے پڑھی اور روحانی فیوض بھی حاصل کئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے چچا شیخ مظفر سے تربیت حاصل کی اور سلوک تمام کیا اور ان کے ساتھ زیارت حرمین شریفین کے لیے گئے۔ مکہ معظمہ میں جب شیخ مظفر کی وفات کا وقت قریب آیا تو مشائخ فردوسیہ کا خرقہ خلافت شیخ حسین کو عطا کر کے اپنا سجادہ نشین مقرر کیا اور فوت ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد شیخ حسین اپنے وطن واپس آئے اور بہار میں سکونت اختیار کر کے شیخ شرف الدین کی خانقاہ میں مریدین کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے فیض صحبت سے اکثر لوگ مرتبہ ارشاد و تکمیل کو پہنچے۔ آپ کی اولاد اب تک بہار میں موجود ہے اور سلسلہ ارشاد جاری ہے آپ کی تصانیف میں سے آپ کے مکتوبات بہت مشہور ہیں۔ جو آپ نے شیخ شرف الدین قدس سرہ کے مکتوبات کی طرز پر لکھے ہیں اور حقائق و معارف کے دریا بہائے ہیں ان میں سے ایک مکتوب یہ ہے۔

دربیان معیت حق با خلق

برادران و دوستان! اس خط میں اسرار الوہیت میں سے ایک سر (راز) بیان کرتا ہوں۔ جو شخص شیخ الاسلام شیخ مظفر کے متابعت میں گم ہو، ہوتا ہے حق پر ہوتا ہے نہ کہ باطل پر اپنے دل کے اندر اس راز کو محفوظ کرتا ہے اور زندقہ (گمراہی) سے بچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں و ہو معکم این ما کنتم (اور وہ (اللہ تعالیٰ) تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو) اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو اور کسی چیز کے دوسری چیز کے ساتھ ہونے کو معیت کہتے ہیں اور

یہ یکجا ہونا مجازی ہوتا ہے یا حقیقی علمائے ظواہر کا مذہب یہ ہے کہ یہ یکجا ہونا مجازی ہے نہ کہ حقیقی وہ یہ کہتے ہیں کہ حق تمام ذرات عالم کے ساتھ ہے۔ لیکن ذات سے نہیں بلکہ علم سے اور تمام ذرات پر قادر ہے۔ عام متکلمین کا مذہب بھی یہی ہے۔ لیکن صوفیائے کرام ظاہری معنوں پر قناعت نہیں کرتے۔ بلکہ حقیقت سے آگاہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ تمام ذرات کے ساتھ معیت حق حقیقی ہے یعنی حق تعالےٰ بالذات یا ذات کے تمام اشیاء کے ساتھ ہے حقیقتاً نہ کہ مجازاً۔

لیکن یہ معیت جسمی نہیں کیونکہ حق تعالےٰ جسم نہیں ہے۔ نہ یہ معیت اس قسم کی ہے جو جوہر کی عرض کے ساتھ ہوتی ہے (جس طرح کپڑے پر رنگ) کیونکہ حق تعالےٰ جوہر نہیں ہے اور نہ یہ معیت عرض کی جوہر کے ساتھ معیت کی طرح ہے کیونکہ وہ عرض نہیں ہے پس متکلمین کے نزدیک معیت کی یہی تین قسمیں ہیں۔ لیکن صوفیاء کرام کے نزدیک ایک اور معیت ہے جسے چوتھی معیت کہتے ہیں۔ یہ متکلمین کے مفہوم کے علاوہ ہے۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ حق تعالےٰ کی کل کائنات کے ساتھ معیت اس طرح ہے جس طرح روح انسان کے جسم کے ساتھ ہے کیونکہ روح نہ جسم کے اندر ہے نہ باہر ہے نہ متصل ہے نہ منفصل (علیحدہ) بلکہ روح عالم ارواح کی چیز ہے اور لوازمات جسم سے یعنی حلول (داخل ہونا) خروج (باہر جانا) اتصال (باہم ہونا)۔ انفصال (علیحدہ ہونا) سے پاک ہے روح جسم کے ذرات میں کسے نہیں ہے اور دونوں کی حقیقت علیحدہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں روح اور جسم ایک ذات سے نہیں ہیں۔ کائنات کے ذرات کے ساتھ حق تعالےٰ کی معیت اسی قسم کی ہے۔ من عرف نفسہ عرف ربہ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا۔ اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ یعنی جس نے روح اور جسم کی معیت کی حقیقت کو سمجھ لیا اس نے

حق تعالےٰ اور کائنات کی معیت کو سمجھ لیا) اس حدیث پاک کا اشارہ اسی حقیقت کی طرف ہے (بعض کے نزدیک یہ حدیث نہیں ہے بزرگوں کا قول ہے)

اب اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حق تعالےٰ ہر گندی جگہ پر موجود ہے اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جس طرح گندی چیزیں پیدا کرنے سے حق تعالےٰ کے لیے کوئی عیب و نقص نہیں ہے گندی چیزوں کی معیت سے بھی کوئی نقص واقعہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ فعل بلا فاعل اور صفت بلا موصوف ممکن نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح روح جسم کے اندر متصرف ہے اور جسم کے تمام اجزاء اسی سے قائم ہیں لیکن جسم کی غلاظت مثلاً بول براز اور خون وغیرہ سے اس کی پاکی اور طہارت میں کوئی خلل واقعہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح ذات حق تعالےٰ میں اشیائے کائنات کی معیت سے کوئی نقص یا خلل واقعہ نہیں ہوتا۔ لیکن متکلمین حضرات ذات احدیت کی اشیاء کے ساتھ معیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں لہذا تاویل پر مجبور ہیں۔ "واللہ الھادی الی الصواب" (اللہ تعالےٰ نیکی کا راستہ دکھانے والا ہے) نظم ؎

۱۔ تو کے دیدی آں رخسار را — چشم مجنوں باید آں دیدار را۔
۲۔ تا نیابد عشق مجنونے پدید — کے لبود لیلیٰ بہ خاتونے پدید۔
۳۔ گر بہ چشم من بہ بینی روئے او — توتیا سازی زخاکِ کوئے او۔

ترجمہ ۱۔ (تو لیلےٰ کے چہرے کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ اس کے دیدار کیلئے تو مجنوں کی آنکھ چاہیے۔

۲۔ جب تک مجنوں کا عشق نہ ہو۔ لیلےٰ کیسے نظر آسکتی ہے۔

۳۔ اگر تو میری آنکھ سے دیکھے تو محبوب کی گلی کی خاک کا سرمہ بنالے)

چونکہ مریدین کے دل میں طلبِ حق کی آگ ٹھنڈی ہوگئی ہے اس لئے

ان کی حوصلہ افزائی کے لئے قلم اٹھائی گئی ہے تاکہ اگر تصفیہ قلب کی نعمت سے محروم رہ جائے تو مراقبہ میں اپنے آپ کو حق کے ساتھ اور حق تعالےٰ کو اپنے ساتھ سمجھے اور اکثر لوگ اس وجہ سے محروم رہ جاتے ہیں کہ اپنے آپ کو معیت حق سے دور سمجھتے ہیں اور بے ادبی سے حق کی رضا کے خلاف کام کرتے ہیں حق تعالےٰ سے انسان کے قرب کا کمال اسی خطہ سے ظاہر ہے۔

اس سے قبل سلسلہ فردوسیہ حضرت شیخ جمال اور آپ کے خلفاء کی وجہ سے اس علاقے میں قائم تھا اور اب یہ سلسلہ شیخ امان اللہ صدیقی ساکن قصبہ سندیلہ کے دم سے قائم ہے اور آپ حضرت شاہ دولت منیری کے مرید و خلیفہ ہیں جن کا ذکر رسالہ مرات الولایت میں آیا ہے اور وہ شیخ بدہن منیریؒ کے خلیفہ ہیں اور وہ حضرت شیخ سلطان کے اور وہ اپنے آپ حضرت شیخ احمد لنگر دریا کے اور وہ اپنے باپ شیخ حسین معز بلخی کے اور وہ اپنے چچا شیخ مظفر بلخی کے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت میر سید علم الدین قدس سرہٗ

ذکر آں سید پاک نہاد، آں در لباس اغنیا آزاد، آں مقتدائے ارباب یقین، رئیس قوم، میر سید علم الدین قدس سرہٗ۔

آپ کو سید علم الدین بلا متین کہتے ہیں۔ پرگنہ بدایوں کے تمام سادات آپ کی اولاد ہیں۔

آپ کا شمار اولیائے روزگار میں ہوتا ہے۔ آپ نے امیرانہ لباس میں سلوک طے کیا۔ آپ مخدوم جہانیاں میر سید جلال الدین قدس سرہٗ کے اکمل خلفاء میں سے تھے اور مخدوم شیخ اخی راجگیری کے ہم صحبت تھے آپ کا سلسلہ نسب سادات ترمذ سے جا ملتا ہے۔ میر سید کمال ترمذی

سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد میں ہندوستان آئے اور قصبہ کیتھل میں سکونت پذیر ہوئے ۔ اس کے بعد ان کے ایک بیٹے جو میر سید علم الدین کے پردادا تھے کیتھل سے قنوج چلے گئے ۔ ان کی اولاد تین مقامات پر آباد ہے ۔ میر سید عبدالغفار عموی و میر سید صدر جہاں قنوج سے نکل کر قصبہ بہانی پرگنہ بردر آباد چلے گئے ۔ ان کا ذکر شیخ اخی جمشید کے حالات میں ہو چکا ہے ان کے دوسرے بھائی قنوج میں رہ گئے ۔ میر سید شہاب الدین قنوجی وغیرہ ان کی اولاد ہیں ۔ میر سید علم الدین مخدوم اخی جمشید کے اشارہ کے مطابق سلطان ابراہیم شرقی کے ہاں نوکر ہو گئے ۔ سلطان مذکور آپ کی بہت عزت کرتا تھا ۔ چونکہ سلطان ابراہیم اس کوشش میں تھا کہ جہاں جہاں کفار فتنہ برپا کریں ان کی سرکوبی کر کے امن وامان قائم کیا جائے اور ان مقامات پر اہل اسلام کو آباد کیا جائے ۔ اس لیے کفار کی بغاوتوں کو فرو کر کے دیانت دار اور تجربہ کار مسلمانوں کو وہاں تعینات کیا اور مشہور مقامات پر مضبوط قلعے تعمیر کر دیئے ۔

چنانچہ قلعہ رائے بریلی وغیرہ آج تک موجود ہیں ۔ چونکہ اس علاقے کے کفار نے کبھی چین نہ دیا اس لیے تین اہم مقامات پر جو کانِ کفر تھے اس نے تین مشہور و معروف حکمران مقرر کیے ۔ پہلا ملک شمون تھا جو میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ کا مرید تھا اس نے اسے ردولی کے علاقے کا حاکم مقرر کیا ۔ دوسرا اژدر خان بدخشی تھا جسے اس نے دریاآباد کے علاقے میں تعینات کیا ۔ تیسرے میر سید علم الدین تھے جو کمال بزرگی اور اعلیٰ حسب و نسب کی وجہ سے ممتاز تھے ۔

ان کو اس نے سدھور کے علاقے کا حاکم مقرر کیا ۔ چونکہ وہاں کے کفار بہت سخت تھے اور مغلوب نہیں ہوتے تھے آپ نے شیخ اخی جمشید راجگیری کی خدمت میں درخواست کی اور مخدوم اخی جمشید کمال شفقت

سے خود وہاں تشریف لے گئے اور قلعہ کی مضبوطی اور اہل اسلام وسادات
کے لیے دعا کی۔ اس سے تمام فتنے رفع ہو گئے اور سادات کی اولاد آج
تک وہاں قائم ہے۔ میر سید علم الدین کا مزار قصبہ بلانون میں زیارت گاہ خلق
ہے۔ آپ میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہ کے ہم عصر تھے اور اپنے اکثر
احوال ان کی خدمت میں لکھا کرتے تھے اور توجہ کی درخواست کرتے تھے
آنحضرت ان کے جواب میں مکتوبات لکھ کر تسلی دیتے تھے۔ چنانچہ ایک
خط اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

۵۳
مکتوب پنجاہ وسیوم

برادر اعز الاسلام نتیجہ السادات العظام میر سید علم الدین دعائے برادرانہ
از درویش اشرف قبول فرماویں۔ اکابر نے فرمایا ہے کہ جو کچھ کتاب وسنت
اور صحابہ کرام کے عمل کے مطابق نہیں ہے ارباب معنی اور ارباب دین
کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں اور اہل تحقیق اور اصحاب طریقت کے خلاف
عمل کرنا گمراہی ہے۔ ابیات

ہر چہ نبود از کتاب ایزدی — یا نبود در حدیث مجتبیٰ۔
نزد ارباب ولایت اعتبار — نیست اسے فیروند ہر دو سریٰ

(جو چیز کتاب اللہ اور سنت نبوی میں نہیں ہے ارباب ولایت
کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں)

حق تعالےٰ فرماتے ہیں:

سنریهم ایاتنا فی الافاق و فی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق اولم
یکف بربك انه علی کل شیء شهید الا انهم فی مریة من لقاء ربهم الا انه بکل شیء
محیط۔ (ہم ان کو عنقریب آفاق اور نفوس میں اپنی نشانیاں دکھا دیں گے حتیٰ کہ
حق ان پر واضح ہو جائے گا کیا اللہ تعالےٰ کافی نہیں ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔
بلا شبہ یہ لوگ اپنے رب کے دیدار کے متعلق شک کرتے ہیں حالانکہ وہ تو ہر چیز پر

حاوی ہے یعنی کوئی چیز اس سے علیحدہ نہیں) لوگوں کے تین طبقات ہیں پہلا طبقہ اہل نفس کا ہے یہ لوگ دنیا اور حرص و ہوس کے بندے ہیں اور حق تعالے سے محجوب (پردے میں) اور منکر ہیں (یعنی راندے ہوئے) - چونکہ حق تعالے اور اس کی صفات کو پہچانتے قرآن کو مصطفے علیہ السلام کا کلام سمجھتے ہیں۔ انکے حق میں اللہ تعالے فرماتے ہیں

قل ارءیتم ان کان من عند اللہ ثم کفرتم بہ من اضل ممن ھو فی شقاق بعید۔ (یہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کے منکر ہیں۔ ان لوگوں سے زیادہ گمراہ کون ہے جو بے حد نقصان میں ہیں) جب کوئی شخص اس گمراہ فرقے سے نکل کر راہ ہدایت اختیار کرتا ہے تو تو نجات حاصل کرتا ہے اور آتش دوزخ سے بچ جاتا ہے ؎

ہر کہ ایمان آورد از کفر خویش — گر بر آید از دل و جاں بر ھدی

مے شود آزاد از بند جحود — ز آتش دوزخ کہ تا بد بر ہوا۔

(جو شخص کفر چھوڑ کر ایمان لے آتا ہے اور دل وجان سے راہ ہدایت اختیار کرتا ہے گمراہی کی قید نکل جاتا ہے اور آتش دوزخ سے نجات حاصل کرتا ہے)

دوسرا طبقہ اہل قلب کا ہے - اس طبقہ کے لوگ اس مرتبے سے ترقی کرتے ہیں اور ان کا آئینہ دل شکوک کے زنگ سے پاک د صاف ہو جاتا ہے۔ نظم ؎

ہر کرا آئینہ مرات دل — زنگ گیر داز دم نور ہدی

پر تو رخسار ایمان منعکس — شد چناں آئینہ از لطف خدا

(جس کسی کے نکڑہ دل کی پشت پر نور ہدایت نے زنگار کا کام کیا اس کا دل لطف ایزدی سے آئینے کی طرح چمکنے لگا اور اس کے اندر ایمان کا حسین چہرہ منعکس ہوگیا)

اس طبقہ کے لوگ آیاتِ الٰہی اور تصرفات نامتناہی سے استدلال کرتے ہیں اور مقاماتِ کریمہ میں تفکر اور کلمات عظیمہ میں تدبر کرتے ہیں اور اسماء و صفات الٰہی کی معرفت مظاہر آفاق و نفوس سے حاصل کرتے ہیں کیونکہ صفات مصادرِ اسماء ہیں اور اسماء مصادرِ افعال ہیں (یعنی صفاتِ الٰہی اسمائے الٰہی نکلتے ہیں اور اسمائے الٰہی سے افعالِ الٰہی ظاہر ہوتے ہیں) اس لئے وہ حق تعالٰے کے علم و قدرت و حکمت کا ایسی چشم عقل سے مشاہدہ کرتے ہیں جو آشوب حرص و ہوا سے پاک ہو جاتی ہے اور حق تعالٰے کی سمع و بصر و کلام کو انفس (نفوس) انسانی اور آفاق جہانی میں پاتے ہیں (انفس سے مراد انسان کے قلب کی دنیا اور آفاق سے مراد حکمت کائنات ہے) اس کے بعد وہ لوگ قرآن اور حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں۔ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ (حتیٰ کہ ان پر واضح ہو جاتا ہے کہ وہی حق ہے) اور یہ لوگ اہل برہان ہوتے ہیں۔ اور ان کے استدلال میں غلطی محال ہوتی ہے۔ نظم۔

ہر کہ در برہان و حجت رہ سپرد	حجت و برہان کہ خیزد از صفا
اہتمامے کن کہ از مرأتِ دل	خیزد از لطفِ خدا زنگ ہوا

(جس نے استدلال سے کام لیا وہ استدلال جو صفائے باطن سے پیدا ہوتا ہے پس حق تعالٰے کے لطف و کرم سے دل کے آئینہ سے حرص و ہوا کا زنگ دور کرنے کی کوشش کر)

تیسرا طبقہ اربابِ روح کا ہے۔ یہ لوگ مرتبۂ تجلیاتِ صفات سے گذر کر مقامِ مشاہدہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ لوگ عالم خفا (پوشیدہ رہنا) سے گذر عالم شہود احدیت میں پہنچ جاتے ہیں اور اسماء و صفات اور کثرت تعینات کے حجابات سے نکل کر حضرت احدیت میں مقیم ہو جاتے ہیں۔

اولم یکف بربک انہ علی کل شیءٍ شہید۔ کیا ان کو اپنا رب کافی نہیں جو ہر چیز پر حاوی ہے) اس آیت مبارک کا اس حقیقت کی طرف اشارہ

ہے۔ یہ لوگ خلق کو آئینہ حق سمجھتے ہیں یا حق تعالےٰ کو آئینہ خلق میں دیکھتے ہیں۔ اس سے اوپر ذات احدیت میں فنا کا مقام ہے اور محجوبان مطلق (جو لوگ حق تعالےٰ سے بالکل حجاب میں ہیں) کے حق میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔ الا انھم فی مریة من لقاء ربھم خبردار! یہ لوگ اپنے رب کے دیدار کے متعلق شک کرتے ہیں)

اگرچہ مقام تجلیات اسماء وصفات میں انہوں نے شک سے نجات حاصل کرلی ہے تاہم لقاء علی الدوام (ہمیشہ مشاہدہ حق میں رہنے) اور کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربك ذوالجلال والاکرام۔ جو کچھ ذات حق کے علاوہ ہے فانی ہے اور صرف ذات حق کو بقا ہے) سے قاصر ہیں اور اس تنبیہ کے مستحق ہیں الا انه بکل شیٔ محیط۔ ذات حق ہر شے پر حاوی ہے) اور اس حقیقت اور کل شیٔ ھالك الا وجهه کے معنوں سے سوائے اس آخری طبقہ کے لوگوں کے کوئی آگاہ نہیں ہے۔ ھوالاول ھوالآخر ھوالظاھر ھوالباطن کے یہی معنی ہیں اور تمام تعینات میں حق تعالےٰ کا شہود یہی ہے۔ محققان روزگار اور صوفیائے نامدار جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو پکار اٹھتے ہیں کہ اینما تولوا فثم وجہ اللہ (جس طرف دیکھو اللہ تعالےٰ کا چہرہ یعنی ذات ہے) اور یہ جو آپ نے کفار کی کثرت کے متعلق لکھا ہے اس فقیر نے ملک الامرا ملک شمون کو لکھ دیا ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ کچھ عرصے کے بعد سلسلہ علائیہ اور خالدیہ کے سب لوگ آپ کے ممد ومعاون ہو جائیں گے اور بدخشانی ترک سب سادات کے مخلص ہیں تمام مہمات میں ان لوگوں سے بھی امداد طلب کرنی چاہیے۔ قاضی شہر اللہ بھی اہل باطن میں سے ہیں ان سے بھی استفادہ کرنا چاہیے۔

ہر کرا با دودمان مرتضےٰ | حقد وکینہ سرزدہ سرزد بپا

(جو شخص حضرت علی المرتضٰی کے خاندان سے حسد و کینہ رکھے گا سر کے بل گرے گا۔)

۲- در براہ دوستی آید ہمہ۔ دوستدار حیدر است و مصطفیٰ

۳- کافروں را گربود انگیز جنگ فوج علوی سے دہد او را سزا

ترجمہ ۲- (اور جو شخص ان سے محبت سے پیش آئے گا وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور رسول خدا کا دوست ہے)

۳- کافر لوگ جنگ جوئی کرتے رہیں - فوج علوی ان کی سرکوبی کے لیے کافی ہے)

اسی طرح کبھی کبھی خط لکھ کر اخلاص و محبت کو تازہ کر لیا کریں - بالنبی و آلہ الامجاد -

---

حضرت شیخ حسام الدین قدس سرہٗ

آں سلطان فقر و معدن اسرار، آں مست مشاہدہ نور الانوار، آں سر حلقہ ارباب صدق و یقین، قطب ولایت مخدوم شیخ حسام الدین قدس سرہٗ۔

آپ کا شمار کاملین روزگار میں ہوتا ہے۔ آپ بڑے قوی الحال اور بلند ہمت اور بے نظیر وقت تھے - آپ حضرت شیخ نور قطب عالم قدس سرہٗ کے خلیفہ اعظم ہیں۔ شیخ کے بعد آپ ان کی مسند پر متمکن ہوئے اور ایک جہان آپ سے فیض یاب ہوا۔ اس حد تک کہ حضرت شیخ نور قطب عالم کے فرزند نے اپنے والد کے اشارہ کے مطابق خرقہ خلافت مخدوم شیخ حسام الدین سے حاصل کیا اور آج تک ان کی اولاد حضرت شیخ حسام الدین کی اولاد سے خرقہ حاصل کرتی ہے - اس سے بڑھ کر کیا بزرگی ہو سکتی ہے - آپ کا اصلی وطن مانک پور ہے۔

صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ شیخ حسام الدین مانکپوری کے

دادا مولانا جلال الدین بڑے عالم فاضل، عابد، صابر اور متقی تھے۔ آپ نماز عشاء کے بعد تھوڑی دیر کے لیے نیند کر لیتے تھے۔ جب سب لوگ سو جاتے تھے تو اٹھ کر ساری رات یعنی نماز صبح تک عبادت کرتے تھے آپ ہر روز اکتالیس بار سورہ یٰسین پڑھتے تھے۔ نماز چاشت کے بعد آپ علم دین کی تعلیم میں مصروف ہو جاتے تھے۔ آپ قرآن مجید لکھ کر بسر اوقات کرتے تھے اور بلا وضو قلم ہاتھ میں نہیں لیتے تھے۔ آپ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کے خلیفہ شیخ محمد کے مرید تھے یہ شیخ محمد امراء کے لباس میں پوشیدہ تھے۔ لیکن شیخ حسام الدین فقر و فاقہ میں بسر کرتے تھے اور بڑی ہمت و استقلال سے توکل پر قائم رہے حق تعالےٰ نے اس وجہ سے معدن کرم مخدوم شیخ حسام الدین کو پیدا فرمایا کہ آپ کی ولایت کے انوار آج تک جلوہ گر ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ غرضیکہ جب شیخ حسام الدین تعلیم سے فارغ ہوئے تو آپ کے دل میں طلب حق جلوہ گر ہوئی۔ چنانچہ آپ بے قراری سے تلاش شیخ میں مصروف ہو گئے حق تعالےٰ نے ان کی رہنمائی فرمائی۔ چنانچہ آپ اپنے نناویں خط میں جو آپ نے شیخ نظام الدین میراں شہ کو لکھا۔ لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ نور قطب کے کے ایک مرید نے مرید ہونے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ سردی کے موسم میں ایک بزرگ نے پانی لا کر فرمایا کہ اٹھو نماز تہجد ادا کرو۔ اس مرید نے اٹھ کر نماز تہجد پڑھی۔ چھ ماہ تک اس پر حالت جذب طاری رہی اور دیوانگی کی حالت میں رہا۔ اس کے بعد رات کو حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری قدس سرہٗ کو عالم معاملہ میں دیکھا کہ اسے اپنی جانب کھینچ رہے ہیں۔ اس اثنا میں حضرت شیخ نور قطب عالم مشرق کی طرف سے ظاہر ہوئے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور فرمایا کہ یہ میرا

ہے۔ اس کے بعد اس مرید نے ایک رات حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنجشکر قدس سرہٗ کو عالم معاملہ میں دیکھا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کسی جگہ لے گئے ہیں اور سماع میں مشغول ہو گئے ہیں۔ آنحضرت کے حال کے پرتو سے اس مرید کے دل میں قوی جذب پیدا ہو گیا اور غلبہ اشتیاق میں مغلوب ہو کر حضرت شیخ نور قطب عالم کی خدمت میں پنڈوہ گیا۔ راستے میں جس منزل پر پہنچتا تھا حضرت شیخ حاضر ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں فکر مت کرو جب پنڈوہ پہنچے تو نماز جمعہ کے بعد بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد غیب سے ایک ہاتھ ظاہر ہوا اور اس مرید کے ہاتھ پر جا پہنچا۔ مرید نے حیران ہو کر حضرت شیخ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا یہ میرے مشائخ عظام کا ہاتھ ہے انہوں نے بھی تجھے قبول کیا ہے۔ پس آنحضرت نے اسے چودہ ماہ اپنے پاس رکھ کر کئی چلّے کرائے اور مجاہدات میں مشغول رکھا۔ اس کے بعد اس مرید نے عرض کیا کہ میرا دل ذاکر ہو گیا ہے آپ نے فرمایا: ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشآء۔ (یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے) اس کے بعد فرمان ہوا کہ حضرت شیخ سراج الدین کی زیارت کے لیے جاؤ۔ چنانچہ وہ وہاں چلے گئے۔ شیخ بزرگ شیخ سراج الدین نے ان پر بہت نوازش فرمائی اور باطنی طور پر خرقہ خلافت عطا فرما کر شیخ نور قطب عالم کے پاس بھیج دیا اس کے بعد وہ مرید خلوت میں مشغول ہو گیا۔ ایک رات اس نے شیخ علاؤالحق قدس سرہٗ کو عالم معاملہ میں دیکھا۔ انہوں نے بھی اسے خرقہ خلافت عطا کیا اور شیخ نورالحق (نور قطب عالم) کو سفارش کی کہ یہ مرید بہت لائق ہے شیخ نورالحق نے اس مرید سے پوچھا کہ اے فرزند نور دیدہ بلکہ دیدہ نور کے کیا معنی ہیں۔ اس نے عرض کیا حضرت مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ پس شیخ نے فرمایا کہ میرا نام نور ہے اور تو میرے نور دیدہ (آنکھوں کا نور) ہو۔ نیز تم نوراللہ بھی ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے تجھے ننگی تلوار دی۔ اس کے بعد فرمایا کہ حق تعالےٰ نے تجھے

استغراق عطا فرمایا ہے۔ میں حق تعالےٰ سے تمہارے استغراق کی ترقی کی دعا کرتا ہوں اور ہمارے مشائخ نے استغراق اس شعر میں اپنے اصحاب کو تلقین کیا ہے ؎

چناں دراسم او کن چشم پنہاں ۔۔۔ کہ مے گردد الف در بسم پنہاں

(حق تعالےٰ کے اسم میں یعنی ذات میں اس طرح گم ہو جا جس طرح "بسم اللہ" میں الف گم ہو جاتا ہے)

اس کے بعد اس مرید کو رات کے وقت غیب سے یہ آواز آئی برات عشق ہم نے تمہیں سب نعمتیں بابرکت شیخ نور قطب کی بدولت عطا کی ایک اور رات ہاتف نے آواز دی کہ ہم نے تمہیں سب نعمتیں شیخ نور قطب کی بدولت عطا کی ہیں۔ اب جاننا چاہیے کہ وہ مرید شیخ حسام الدین کی ذات بابرکات تھی۔ حق تعالیٰ جسے چاہتا ہے کمال نوازش سے اس طرح پرورش کرتا ہے نیز شیخ حسام الدین اپنی کتاب انیس العاشقین میں لکھتے ہیں کہ اٹھارہ ماہ ربیع الآخر کو یعنی حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کے عرس کے دن حضرت شیخ نور الحق نے اپنے تمام فرزندان اور مریدان کے سامنے مجھے خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ اس کے بعد مانکپور کی طرف روانہ کر کے فرمایا کہ وہاں جاکر لوگوں کی ہدایت میں کمربستہ ہو جاؤ۔ شیخ حسام الدین نے عرض کیا کہ وہاں جاکر علاؤالحق کے خلیفہ شیخ نصیر الدین رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نصیر الدین حسام الدین کے ساتھ قیامت تک رہے گا۔ پس آپ مانکپور پہنچ کر مسند ولایت پر متمکن ہو گئے اور ایک جہان آپ سے فیض یاب ہوا۔ شیخ نصیر الدین چند روز کے بعد وفات پا گئے۔ شیخ حسام الدین کو تمام اولیائے وقت اکسیر عشق کہتے تھے کیونکہ آپ کے فیض تربیت سے اکثر لوگ مرتبۂ تکمیل کو پہنچے۔ چنانچہ آپ کا سلسلہ آج تک روشن ہے۔ شیخ حسام الدین بڑے مجاہد تھے۔ آپ کتاب رفیق العارفین میں فرماتے ہیں کہ خلافت کے بعد

سات سال تک میں نے فقر و فاقہ میں زندگی بسر کی جب بھوک لگتی تھی تو میں پانی پی کر مشغول ہو جاتا تھا۔ ایک دن میرے ایک لڑکے کو بھوک لگی تو میرے پاس آیا اور رونے لگا اور یہ الفاظ میری زبان سے نکلے ؎

(اے عجبا چوں تو لئے ہمچو منی را نہ پس)

اس کے بعد ایک شخص نے طعام کا خوانچہ ارسال کیا اور اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں بھیجا تھا۔ ایک اور آدمی نے ایک من داکھ بھیجی۔ یہ دیکھ کر مجھے بہت پشیمانی حاصل ہوئی اور دل میں کہنے لگا کہ کیوں یہ الفاظ زبان سے نکلے۔ نیز آپ لکھتے ہیں کہ مرید ہونے سے پہلے مجھے کئی کتابیں یاد تھیں لیکن حضرت شیخ نور الحق کے ہاں مرید ہونے سے مجھے سب کچھ بھول گیا۔ لیکن بات کرتے وقت یاد آجاتا ہے۔ بعض اوقات ایسی حالت طاری ہوتی تھی کہ اللہ کہنا بھی ممکن نہ ہوتا تھا۔ جب اللہ اکبر کہتا تھا تو اس حد تک کہ لوگ افسوس کرتے تھے کہ دانشمند جوان تھا دیوانہ ہو گیا ہے اس کے بعد میں نے حضرت قطب عالم کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ اور ہر منزل میں پیر کا جمال میرے سامنے تھا۔ جب کشتی میں سوار ہوا ایک درویش بھی ہمارے ساتھ تھا جب کشتی کنارے لگی تو وہ درویش پانی میں جا پڑا۔ اور کسی کو اس کا علم نہ ہوا۔ جب میں حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ درویش آپ کا ہم شکل تھا۔ ابتدائے سلوک میں ہر روز میں پندرہ پارے قرآن مجید کے پڑھتا تھا۔ اور نماز چاشت تک ختم کر لیتا تھا۔ تفسیر مدارک پاس ہوتی تھی۔ اگر معنی میں کوئی دقت ہوتی تو فوراً دیکھ لیتا تھا۔ اور بہت لطف آتا تھا۔ ایک دن ہاتف نے آواز دی کہ خوب پڑھتے ہو جیسا کہ پڑھنا چاہیے۔ اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص مقام قطبیت پر بھی پہنچ جائے تو اسے تلاوت قرآن ترک نہیں کرنی چاہیے۔ کم از کم ایک سپارہ روزانہ پڑھ لیا کرے۔ غرضیکہ اس طائفہ کے لوگوں کے احوال واطوار بیان سے باہر ہیں۔ ؎

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند ؎ تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند

(یار لوگ شراب پی پی کر چلے گئے شراب خانے خالی کر کے رخصت ہوئے)

ایک دن شیخ حسام الدین رح نماز جمعہ سے فارغ ہو کر اپنے گھر جا رہے تھے کہ راستے میں راجی سید حامد شہ جنکی عمر اس وقت سات سال تھی کے حسن وجمال پر آپ کی نظر پڑ گئی بے خود ہو کر کھڑے ہو گئے اور جمال مطلق کا مشاہدہ کرتے رہے اسی طرح متحیر اپنی خانقاہ میں تشریف لے گئے بعض لوگوں نے راجی سید حامد شہ کے والد سے یہ ماجرہ بیان کیا۔ چوں کہ اُن کے والد اہل بصیرت اور درویش سیرت تھے خوش ہو کر راجی سید حامد شہ کا ہاتھ پکڑ کر مخدوم کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا کہ میں اس لڑکے کو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اسی دن سے آپ راجی سید حامد شہ کی تربیت میں مشغول ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصے میں انہیں مرتبہ تکمیل وارشاد پر پہنچا دیا۔ اور عین شباب کی حالت میں خلافت دے کر جونپور کی طرف بھیج دیا تاکہ وہاں جاکر لوگوں کو ہدایت دیں۔ رخصت کرتے وقت انہیں گھوڑے پر سوار کیا اور خود پیادہ چل کر شہر سے باہر رخصت کیا۔ اس وقت آپ نے فی البدیہہ یہ شعر کہا ؎

مے روی و در رکابت مے رود جان حسام
فی امان اللہ رو واللہ خیر حافظا!

(تو جا رہا ہے اور تیرے ساتھ حسام الدین کی جان جا رہی ہے اللہ کی امان میں جاؤ اور وہی بہترین محافظ ہے۔)

جب راجی سید حامد شہ اپنے جمال ولایت کے ساتھ شہر جونپور میں داخل ہوئے تو شہر اور گرد ونواح کے علاقے میں آپ کی بے حد شہرت ہوئی اور تمام لوگ آپ کے قدموں پر گرنے لگے ان میں شیخ اللہ داد جو اکابر شہر میں سے تھے بھی آپ کے مرید ہو گئے اور آپ کے حسنِ تربیت سے تھوڑے عرصے میں مرتبہ ارشاد کو پہنچ گئے راجی حامد شہ نے انہیں خلافت دے کر جونپور میں تعینات کیا۔ اور خود شیخ حسام الدین کی خدمت میں مانک پور چلے گئے

چنانچہ شیخ اللہ داد کے فیض تربیت سے بہت لوگ مرتبہ ارشاد سے مشرف ہوئے حضرت شیخ معروف جونپوری جو حضرت شیخ نظام الدین امیٹھی کے پیر تھے حضرت شیخ اللہ داد کے خلفاء میں سے تھے۔ حضرت شیخ بہاو الدین جونپوری بھی راجی سید حامد شہ کے خلیفہ تھے۔ ان کے کمالات بہت مشہور ہیں۔ مخدوم ادہن ان کے فرزند خلیفہ اور سجادہ نشین تھے۔ حضرت سالار بدھ ساکن قصبہ کرہ شیخ بہاو الدین کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ تمام ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے۔ آپ کا مزار قصبہ کرہ میں واقع ہے ان کی اولاد آج تک زیور صلاح و علم سے آراستہ ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شاہ سیدو قدس سرہ

مخدوم شیخ حسام الدین کے ایک اور خلیفہ شاہ سیدو تھے جو شروع میں بادشاہ کے دربار میں رہتے تھے اور بڑے دولت مند تھے اس کے بعد حضرت شیخ کی توجہ سے ان کے دل میں طلب حق کا جذبہ پیدا ہوا اور سب کچھ ترک کر کے فقر و تجرید کے راستے پر گامزن ہو گئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا بڑے صاحب حال بزرگ تھے اور سماع کے عاشق تھے۔ آپ عاشقانہ شعر کہتے تھے۔ یہ شعر ان کے اشعار میں سے ہے ؎

دل گویدم سیدو بگو احوال خود یک یک برد
آں دم کہ خود مے آید او سیدو کجا گفتار گو

(مجھے دل کہتا ہے کہ اپنے دل کا حال اُسے (محبوب کو) ایک ایک کر کے سنا دے لیکن جب محبوب خود آتا ہے تو سیدو خاموش اور دم بے خود ہو جاتا ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

شاہ سیدو کا مزار فتح پور منوہ میں ہے۔

شیخ کمال الدین المعروف شیخ کالوؒ

شیخ حسام الدین کے ایک اور خلیفہ شیخ کمال الدین المعروف شیخ کالو صاحب اوراد تھے وہ بھی صاحبِ کمال اور صاحبِ سماع تھے ان کا مزار قصبہ گرہ میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

غرضیکہ شیخ حسام الدینؒ کے مریدین و خلفاء بہت ہیں۔ جن کے حالات کے لیئے یہاں گنجائش نہیں۔ ان کا ذکر اپنی اپنی جگہ پر آرہا ہے۔

شیخ حسام الدین نے آخری وقت میں مشائخ چشت کا خرقۂ خلافت اپنے فرزند قاضی شہؒ کو عطا فرمایا۔ اور قسم قسم کی نعمتوں سے ان کو مالا مال کر کے فرمایا کہ میرے بیٹے قاضی شہ کا پہلا مرید مرتبہ قطبیت کو پہنچیگا۔ راجی سید حامد شہ اس وقت موجود تھے فوراً گھر جاکر اپنے بیٹے راجی سید نور کو جن کی عمر چھ ماہ تھی اٹھا کر لے آئے اور قاضی شہ کا مرید کر دیا۔ جب شیخ حسام الدینؒ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ راجی سید حامد شہ کے خلوص اعتقاد پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ جو نعمت کہ حق تعالیٰ نے مجھے عنایت کی تھی راجی سید حامد شہ نے خود لے لی ہے۔ اور جو نعمت میرے فرزند کو ملی ہے اس میں انہوں نے اپنے فرزند کو شریک کر دیا ہے راجی سید نورؒ کے کمالات کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ شیخ نظام الدین انبیٹھی حضرت راجی سید نورؒ کے مرید ہیں لیکن خرقۂ خلافت انہوں نے شیخ معروف جونپوری سے حاصل کیا۔

حضرت شیخ نظام الدین جونپوری قدس سرہ

آپ بڑے باکمال بزرگ اور اپنے وقت کے قطب تھے۔ آپ کی ولادت سنہ ۹۰۰ھ میں سلطان سکندر لودھی کے عہد میں قصبہ انبیٹھی ودنگر میں واقع ہوئی۔ آپ کی عمر اکاسی ۸۱ سال تھی۔ آپ بڑے صاحبِ کرامت

تھے۔ آپ سے اس قدر کرامات کا ظہور ہوا کہ بیان سے باہر ہے آپ کے
تصرفات اس فقیر پر جو ہوئے اگر ان کو دائرہ تحریر میں لایا جائے تو ایک
بڑی کتاب بن جائے گی۔ آپ کے کمالات آج تک آپ کی مرقد مبارک
سے ظاہر ہیں آپ کی وفات ذی قعدہ ۹۸۰ھ میں سلطان جلال الدین اکبر کے
عہد میں ہوئی۔ ''او با دوست پیوست'' سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

آپ راجی سید حامد شہ میر سید شہاب الدین گردیزی کی اولاد میں سے
تھے۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ سلطان شمس الدین التمشؒ کے عہد میں
دو بھائی گردیز سے دہلی آئے ایک میر شمس الدین جو میوات کے علاقے میں
متوطن ہوئے۔ چنانچہ ان کی اولاد وہاں آباد ہے۔ دوسرے میر سید شہاب الدین
جنہوں نے مانک پور میں سکونت اختیار کی۔ آپ بڑے عظیم القدر، اہل باطن
اور صاحب تصرف بزرگ تھے۔ ان کی خلافت سلسلہ سہروردیہ میں تھی اور
باطنی حکم سے انہوں نے مانک پور کی سکونت اختیار کی۔ آپ کے فرزند پشت
بر پشت عالی مقام بزرگ تھے۔ جس وقت مخدوم جہانیاں میر سید جلال الدین بخاریؒ
حضرت شیخ علاء الحقؒ کے جنازے سے فارغ ہو کر بالادست (شمال) کی
طرف روانہ ہوئے تو آپ کا گزر مانک پور سے ہوا۔ تمام سادات نے
آپ کا استقبال کیا۔ ان میں سے اکثر صاحبِ خلافت تھے لیکن انہوں
اسلحہ و آلات جنگ لگائے ہوئے تھے۔ حضرت مخدوم نے دریافت
فرمایا کہ لباسِ فقر کے ساتھ سپاہیانہ ہتھیاروں کا کیا تعلق ہے۔ راجی
سید حامد شہ کے دادا میر سید عزالدین نے جو اپنے آباؤ اجداد کے سجادہ
نشین تھے۔ عرض کیا کہ اس علاقے میں فتنہ پرداز راجے اکثر مسلمانوں پر
حملے کرتے رہتے ہیں اس لئے یہاں ہتھیار بند رہنا پڑتا ہے۔ حضرت
مخدوم نے فرمایا آج سے تم اس ملک کے راجہ ہو اور کوئی دشمن آپ
لوگوں پر حملہ آور نہیں ہوگا۔ اسی دن سے میر سید عزالدین کی اولاد کا راجی

خطاب ہوگیا۔ راجی سید حامد شہ سلسلہ سہروردیہ چھوڑ کر مخدوم شیخ حسام الدین کے مرید ہوگئے اور چشتیہ سلسلہ میں داخل ہوگئے اور آج تک مخدوم شیخ حسام الدین اور راجی سید حامد شہ کی اولاد کے لوگ سلسلہ چشتیہ میں صاحب سجادہ ہیں۔ اور سلسلہ چشتیہ پر مضبوطی سے قائم اور سب صاحب سماع ہیں اور ان کے سب اطوار پسندیدہ ہیں۔ چنانچہ اس وقت شیخ حسام الدینؒ کے سجادہ پر شیخ سلطان بایزید اور راجی سید حامد شاہ کے سجادہ پر میر سید ابراہیم قائم ہیں۔ اور یہ فقیر کاتب حروف عبدالرحمٰن چشتی کئی بار شیخ حسام الدینؒ اور میر سید حامد شہ کے مزارات کی زیارت سے فیض یاب ہو چکا ہے۔ یہ فقیر ۱۰۵۰ھ میں مشائخ چشت کی زیارت کے لیئے دہلی گیا۔ واپسی کے وقت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ نے عالم معاملہ میں فرمایا کہ شیخ حسام الدین مانکپوری کی زیارت کر کے پھر اپنے گھر جانا۔ چنانچہ دہلی سے روانہ ہو کر یہ فقیر مانک پور گیا۔ اور اس آفتاب ولایت اور ماہتاب سیادت یعنی مخدوم شیخ حسام الدین اور راجی سید حامد شہ کی زیارت سے فیض یاب ہوا۔ اور اس وقت عجیب ذوق حاصل ہوا۔ انہوں نے اس فقیر کو اس قدر نعمت عطا فرمائی کہ تحریر سے باہر ہے۔ اور اس کا شکر یہ کس زبان سے ادا ہو سکتا ہے۔ اس کتاب کے دیباچہ میں اس فقیر نے لکھا ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، انتیس ۲۹ طبقات اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہوگی۔ لیکن جب تیئس ۲۳ طبقات ختم ہوئے اور میرے مرشد معنوی حضرت مخدوم شیخ احمد عبدالحق قدس سرہ کے حالات تیئسویں طبقہ میں لکھے جا چکے تو باقی طبقات اور خاتمہ لکھنے کے لیئے ہاتھوں میں طاقت نہ رہی۔ ناچار عمر خیام کی یہ رباعی پڑھ کر ساکت رہ جاتا تھا۔ رباعی۔

این ہستی تو ہستی ہست دگر است ——— وین مستی تو مستی ست دگر است
رو سر بگریبانِ تفکر در کش ——— کایں دستِ تو آستین دستِ دگر است

(تیری یہ ہستی دوسری قسم کی زندگی کی ہستی ہے اور تیری یہ ہستی دوسری قسم کی ہستی ہے جاؤ اور گریبان میں سر دیکر تفکر کرو کہ تمہارا یہ ہاتھ دوسری قسم کی آستین کا ہاتھ ہے۔)

چنانچہ کافی عرصے تک میں اس بارے میں حیران رہا اور اس انتظار میں تھا کہ باطن سے کیا حکم ملتا ہے۔ بارہ سال کے بعد دوسری مرتبہ یعنی ۱۰۶۵ھ میں مجھے حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیر قدس سرہ کے مزار پر حاضری کا اتفاق ہوا۔ چونکہ یہ کتاب بھی اس فقیر نے آں حضرت کے اشارہ باطنی پر شروع کی تھی مزید حکم کے لیئے آنحضرت کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوا تو آپ نے کمال شفقت سے فرمایا کہ یہ کتاب جو تم نے شیخ احمد عبدالحق کے حالات تک لکھی ہے یہی کافی ہے بس اس طبقہ میں شیخ حسام الدین مانک پوری کے حالات لکھ کر ختم کر دو۔ نیز آنحضرت نے فرمایا کہ ہم نے تجھے چار صاحب ولایت و صاحب تصرف بزرگان کے درمیان جگہ دی ہے یہ بزرگ زندہ کی طرح اپنی قبر میں بیٹھے ہوئے قیامت تک تصرف کرتے رہینگے اور ہمیشہ تمہارے ممد و معاون رہنگے: مغرب کی طرف شیخ بدیع الدین شاہ مدار ؒ ہیں۔ مشرق کی طرف میر سید اشرف جہانگیر ؒ، شمال کی طرف میر سید سالار مسعود غازی ؒ اور جنوب کی طرف شیخ حسام الدین مانک پوری ؒ ہیں۔ پس ان کے درمیان تم امن و امان سے رہو گے۔ اور پانچویں بزرگ بارگاہ عزت عزوجل کے مستوران میں سے شیخ احمد عبدالحق ؒ ہیں اور تم ان کی عین ذات میں ہو اور ان سے جدائی ممکن نہیں۔ اور میں نے تجھے اپنی فرزندی میں قبول کیا ہے تمہاری ہستی میری ہستی کے ساتھ متعلق ہے۔ جب تک میں ہوں تم بھی ہو گے۔ اور کیا چاہیے۔ جب حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ نے یہ فوائد ختم کیئے۔ اور اس بندہ کے حال نے دوسرا رنگ اختیار کر لیا تو مزید بات کرنے کی مجال نہ تھی۔ سجدۂ شکر الٰہی بجا لایا۔ ـہ

آفتاب اندر بدخشاں لعل سازد سنگ را
جز بر خاموش چہ گوید لعل شکرِ آفتاب

(جب آفتاب کی مہربانی سے بدخشاں میں پتھر لعل بن جاتا ہے تو سوائے خاموش کے لعل کس طرح آفتاب کا شکریہ ادا کرے۔)

پس ۱۰۶۵ھ میں اجمیر شریف سے گھر جا کر اس کتاب مرأت الاسرار کو باطنی حکم کے مطابق مخدوم شیخ حسام الدین مانک پوری قدس سرہ کے حالات پر ستائیس ماہ شوال سن مذکورہ کو ختم کیا۔

شیخ حسام الدینؒ کی ایک کتاب آپ کے مکتوب ہیں جو ایک سو اکیس خطوط پر مشتمل ہے یہ خطوط آپ نے اپنے خلفاء کی طرف لکھے ہیں۔ اور عشق و محبت سوز و گداز اور فنائے مطلق سے لبریز ہیں۔ آپکی وفات پندرہ رمضان المبارک ۸۵۳ھ میں ہوئی ؎

پنجاہ و سہ سال بود و ہشت صد
کاں شیخ بخلد شد مخلد !

رحمۃ اللہ علیہ

✻✻

در زمان مسعودؑ و آوان محمودؑ، عہد سلطنت ازلی، اساس فرازندہ، لوائے جہاں کشائے طرازندہ، سریر فرمان روائے دست پرورد توفیقات آسمانی، مورد تائیدات ربانی، افتخار افسر وتخت استزاد ار دولت وبخت، دریا دل، ابر دست، حق جو، یزداں پرست، نخل پیرائے ریاض سعادت سرمدی، گل چینِ صدیقہ خلق محمدی، ماہیچہ رایت نصرت وفیروزی، شمعہ ایوانِ دولت وبہروزی، اسلام پروز کفر سوز، خیر اندوز، رتار گسل، بت شکن، حق دوست، باطل دشمن، صبح خلافت طبقۂ رفیعۂ گورگانی، فروغ کوکبِ سلسلۂ علیۂ صاحبقرانی، خجستہ آثار، محامد اطوار، قدسی معالم، ابوالخرم، سروج الدین محمد حضرت شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ

نظم

الٰہی آسماں را تا مدار است	چمن را سبزی از خرم بہار است
فلک بادش لبریز پایۂ تخت	وزو سرسبز بادا گلشن بخت
بعدلش ہفت کشور تا شد آباد	زحق توفیقِ عالمگیریش باد

کتاب مرأت الاسرار در احوال ابرار کہ دیباچہ معرفت پژوہاں حق شناس وعنوان صحیفۂ کار کنان محفل اساس از تصنیفات مغفور مبرور شیخ عبدالرحمٰن چشتی است حسب الحکم شہنشاہ گیتی پناہ باہتمام خانہ زاد درگاہ سپہر نشان محمد عصام الدین خان دار وغہ کتاب خانہ بتاریخ یازدہم جمادی الاول ہغدہ موافق سنہ ۱۱۸۹ھ برسبیلِ نقل ....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاتمہ

چونکہ اس کتاب مرأت الاسرار کا پانچواں حاشیہ خلیفہ برحق شاہ جہان بادشاہ کے عہد حکومت میں مکمل ہوا۔ یہاں اس کے حالات بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کتب تاریخ اور معتبر لوگوں سے یہ محقق ہوا ہے کہ شاہزادہ سلطان خورم (شاہجہان) ماہ ربیع الثانی ۱۰۰۰ھ میں پیدا ہوا۔ اُس وقت اکبر بادشاہ محل میں آیا اور اپنے پوتے کو اپنی فرزندی میں قبول کیا۔ اور اس کی پرورش کا خاطر خواہ انتظام کیا۔ چنانچہ چودہ سال تک شہزادہ نے اپنے دادا کے سایہ عاطفت میں تربیت حاصل کی اپنی خداداد فراست کی بنا پر اکبر ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ بابا خورم میرا ہم طالع ہے (یعنی دونوں ایک ستارے کے زیر سایہ پیدا ہوئے ہیں)۔ دادا کی وفات کے بعد سلطان خورم اپنے تمام بڑے بھائیوں میں ممتاز رہا جب ۱۰۲۲ھ میں جہانگیر حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ کی زیارت کے لیئے حاضر ہوا تو شہزادہ خورم کو لشکر دے کر راجوں کی سرکوبی کے لیئے بھیجا۔ ان مہمات میں اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اور شہزادہ اپنے باپ کے پاس اجمیر شریف میں پہنچ گیا۔ چونکہ دکھن میں شہزادہ سلطان پرویز کامیاب نہ ہو رہا تھا جہانگیر نے اس کی جگہ شہزادہ خورم کو بھیجا وہاں جاکر اس نے بہت فتوحات حاصل کیں۔ جن سے خوش ہو کر جہانگیر نے اسے لقبِ شاہ جہانی سے ملقب کیا۔ اور یہ بیت اس کی مہر میں کندہ کر دیا۔ ؎

خدا شاہِ جہان کرد و بلند اقبال د داد افسر
بخورم شاہ بن شاہ جہانگیر بن شاہِ اکبر

(خدا تعالیٰ نے شہزادہ خورم بن جہانگیر بن اکبر کو شاہ جہان بنایا ہے اور بلند اقبال کر کے شاہی تاج کا مستحق فرمایا ہے)۔

اس کے بعد جہانگیر سات سال تک ولایت مالوہ و گجرات کی سیر کر کے پھر اجمیر شریف گیا اور زیارت خواجۂ بزرگ سے مشرف ہوا۔ وہاں سے اکبر آباد (موجودہ آگرہ) آیا۔ ان ایام میں یہ فقیر کاتب حروف بھی کسی تقریب کے سلسلے میں چند یوم جہانگیر کے ساتھ تھا اور اس کے ساتھ سلسلہ کلام باحسن وجوہ جاری تھا۔ اس زمانے میں عارف کامل میر سید نعمت اللہ قادریؒ جو بعد میں ولایت بنگال کے قطب ہوئے دکھن و گجرات کی سیر کر کے میر سید محمد گجراتی جو حضرت شاہ عالم محبوب عالم قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے جامع کمالات مخدوم شیخ عثمان ساکن بیانہ بھی اس تقریب کے سلسلے میں اکبر آباد آئے ہوئے تھے۔ یہ فقیر اور میر سید نعمت اللہ ایک سال تک روزانہ حضرت شیخ عثمان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے رہے۔ ایک دن میر سید نعمت اللہ نے شیخ عثمان کو بتایا کہ ایک رات جہانگیر نے میر سید محمد مسطورؒ کو خلوت میں طلب کر کے کہا کہ میرا دل آپ کے عرفان کی گواہی دیتا ہے۔ اس لیئے میں اپنے احوال آپ سے بیان کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور میرے آباؤ اجداد بھی مسلمان اور حق پرست تھے۔ جو تسبیح میں صبح شام پڑھتا ہوں خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے آفتاب کی پرستش کیلئے نہیں بلکہ یہ اسمائے الٰہی تسخیر آفتاب کے لیئے پڑھتا ہوں تاکہ وہ میرا معاون ہو۔ کیونکہ بعض سلاطین ماضی اور حکما و مشائخ نے تسخیر کواکب سے کام لیا ہے۔ چنانچہ آپ کے صوفیائے کرام کے ملفوظات سے یہ بات پائی جاتی ہے۔ آپ یقین جانیں کہ میں دل و جان سے طالب حق ہوں۔ اگر آپ فرمائیں تو میں بادشاہی بھی چھوڑ سکتا ہوں لیکن مجھ سے دو کام نہیں ہو سکتے اور اس سے عاجز ہوں ایک ترک شراب جس کی بچپن سے مجھے عادت ہے

دوسرے پنج گانہ نماز مجھ سے تمام نمازیں باقاعدہ طور پر ادا نہیں ہو سکتیں آپ
خدا کے لیئے مجھے راہِ حق بتائیں ۔ میر سید محمدؒ نے کہا کہ ہمارے مشائخ کے ہاں
پہلا رکن نماز بروقت پڑھنا اور ترکِ شراب ہے ۔ لیکن آپ اپنی اس نیت
نیک کی برکت سے دوستدارانِ حق کے زمرہ میں داخل ہو گئے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ
نے ہر شخص کو ایک خاص کام کے لیئے پیدا فرمایا ہے ۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی
خلافت عطا فرمائی ہے اور اپنا ملک آپ کے حوالے کیا ہے لہذا آپ کا کام یہ ہے
کہ ملکِ خداداد کی حفاظت کریں اور عدل و انصاف کے ساتھ خلق کی حاجت
روائی کریں ۔ ہر وقت یادِ خدا میں رہ کر اس قادرِ مطلق کو حاضر ناظر سمجھیں ۔ آپ
کی حق شناسی یہی ہے اور بس ۔ حضرت شیخ عثمانؒ بادشاہ وقت کی یہ
باتیں سن کر بہت خوش ہوئے اور دعائے خیر دی ۔

ایک دن جہانگیر بادشاہ نے کمال لطف و مہربانی سے شاہجہان کو
خلوت میں طلب کر کے کہا کہ بابا علم حاصل کرو کیونکہ عبادت الہٰی اور سلطنت
کے امور سر انجام دینے کے لیئے علم بہت ضروری ہے ۔ مجھے میرے والدِ محترم
اکبر بادشاہ ہمیشہ یہی وصیت کرتے تھے کہ علم حاصل کرنے کیونکہ تاریخ کی
کتابوں اور صوفیا کی تصانیف کے مطالعہ کے بغیر امور سلطنت کا انجام
دینا محال ہے ۔ اور اس زمانے میں علوم مذکور شیخ صوفی سے زیادہ کوئی نہیں
جانتا ۔ ان سے تعلیم حاصل کرو وہ مردِ صالح اور جامع علوم ہیں ۔ شیخ صوفی نے
عقلی و نقلی علوم حاصل کرنے کے بعد شیخ نظام الدین انبیٹھی سے بیعت کی اور شیخ کی
وفات کے بعد گجرات چلے گئے اور کئی سال شیخ وجیہہ الدین گجراتی کی خدمت میں
رہ کر تربیت حاصل کی ۔ جو حضرت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کے خلیفہ تھے ۔
وہاں رہ کر انہوں نے فصوص الحکم اور فتوحاتِ مکیہ کی سند حاصل کی ۔ اور فصوص
پر ایک دل پسند حاشیہ لکھا ۔ آپ علم حقائق میں بے نظیرِ وقت تھے ۔ چنانچہ
مخدومی شیخ حاتم ابراہیم آبادی نے فصوص الحکم کی سند ان سے حاصل کی تھی ۔

اور اس فقیر کاتب حروف نے فصوص کی سند شیخ حاتمؒ سے حاصل کی۔!
شیخ صوفی کی خدمت میں بھی یہ فقیر بارہا حاضر ہو چکا ہے۔ آپ کا شمار
(خاصانِ خدا) میں ہوتا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

بہر حال چند یوم اس فقیر نے اکبر آباد میں رہ کر دیکھا کہ روزانہ شیخ صوفی شاہجہان
کے پاس جا کر ایک دن تاریخ "طبقات ناصری" اور دوسرے دن مکتوبات حضرت
شیخ شرف الدین منیریؒ کی تعلیم دیتے تھے۔ اور اس ضمن میں علوم تفسیر واحادیث
و اصطلاح صوفیہ اور دیگر نوادر علوم کے خلاصہ سے شہزادہ کو مستفیض کرتے تھے
اور مذہب اہل سنت وجماعت سے جسکی بنیاد نصوص پر ہے اور جس کی
متابعت تمام صوفیا کرام نے کی ہے شہزادہ کو آگاہ کرتے تھے۔ جب ۱۰۲۸ھ
میں جہانگیر بادشاہ پہلی مرتبہ کشمیر کی سیر کے لئے روانہ ہوئے تو یہ فقیر اکبر آباد
سے اپنے گھر جا کر گوشہ نشین ہوا اور ترک وتجرید میں مشغول ہو گیا۔

کشمیر سے واپسی کے بعد بادشاہ کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وجہ یہ ہے کہ
سنت الٰہی کے مطابق اس وقت بادشاہ کی سلطنت کی پر حضرت شیخ پیر
شیخ پیر شطاریؒ جو اوتاد میں سے تھے لیکن بادشاہ کی ذاتی محافظت میرے
مرشد شیخ حمید چشتی قدس سرہٗ کے سپرد تھی جنکا ۱۰۳۲ھ میں وصال ہو
گیا۔ اور ان کی جگہ کوئی اور صاحبِ خدمت مقرر نہ ہوا۔ اس وجہ سے بادشاہ
سخت بیمار ہو گیا۔ جب چند سال یہی کیفیت رہی تو امورِ سلطنت کی طرف
توجہ نہ دے سکا اور سارا کام ملکہ نورجہاں نے سنبھال لیا۔ وہ ناقص العقل
عورت تھی۔ اس نے شاہزادہ شہریار کی طرف داری کی اور شاہجہان کی
مخالفت کرنے لگی جس کی وجہ سے ہر طرف بدنظمی پھیل گئی۔ ادھر بادشاہ کی
علالت بڑھتی گئی حتیٰ کہ وہ عادل بادشاہ تیئس ۲۳ سال سلطنت کرنے کے بعد
ماہ صفر ۱۰۳۷ھ میں کشمیر جاتے ہوئے راستے میں فوت ہو گیا اور لاہور
دفن ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ

شاہجہان جو ملکہ نورجہاں کی شرارت کی وجہ سے دکن چلا گیا تھا سات جمادی الاول کو اکبرآباد آیا اور تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد سارا ملک جو تباہ حال ہو چکا تھا دوبارہ رونق پذیر ہوا۔ اور عدل و انصاف کا دور شروع ہوا۔ حق تعالیٰ نے بادشاہ کو مذہب اہلسنت وجماعت پر عجیب استقامت عطا فرمائی تھی۔ وہ ہر معاملہ میں بلاتعصب قرآن وحدیث کی پابندی کرتے تھے۔ آیۃ پاک۔ قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

(اے پیغمبران لوگوں سے کہہ دو کہ میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوائے اہل بیت کی محبت کے) ۔ اور حدیث۔ اَهْلُ بَيْتِيْ كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ ۔ (میرے اہل بیت سفینہ نوح کی طرح ہیں) ۔ کی موافقت میں بادشاہ اہل بیت اور صحابہ کی محبت میں ثابت قدم تھا۔ چنانچہ ایک دن میر سید جلال بن میر سید محمد بخاریؒ سے جو حضرت شاہ عالم محبوب عالم گجراتی کے سجادہ نشین تھے۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ صحابہ کرام اور اہل بیت کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے جد امجد حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری قدس سرہٗ نے اوائل حال میں سلسلہ سہروردیہ سے عقائد اور حقائق دین کا استفادہ کیا ہے اور سلسلہ سہروردیہ کے سردار حضرت شیخ شہاب الدین عمر قدس سرہٗ ہیں کے عقائد کتاب "عوارف المعارف" میں درج ہیں۔ میں ان عقائد پر ایمان رکھتا ہوں۔ انہوں نے "عوارف المعارف" منگوا کر مطالعہ کیا۔ کتاب کی عین عبارت یہ ہے:۔

> صحیح عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام سے محبت اور تفضیل اور ترجیح سے پرہیز کرے۔ اگر اس کے دل میں کسی ایک کی محبت غالب ہو تو اسے پوشیدہ رکھے۔ کیونکہ اس کا اظہار واجب نہیں لیکن امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جو اختلاف رونما ہوا تھا ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ امیرالمومنین علی رضؓ

اجتہاد و خلافت میں حق پر تھے اور امور خلافت میں زیادہ لائق تھے،
اور امیر معاویہ حق پر نہیں تھے اور خلافت کے مستحق بھی
نہیں تھے "۔

اس پر بادشاہ نے کہا کہ الحمد للہ میرا عقیدہ بھی یہی ہے۔" ......

ایک دفعہ بادشاہ حضرت عرفان پناہ شیخ میانمیر لاہوری جو افرادِ
وقت کے سر حلقہ تھے کی خدمت میں گیا ہوا تھا۔ دوران گفتگو میں اس نے
خلافت کے معاملہ میں سوال کیا۔ حضرت شیخ نے کمالِ فراست سے اس قدر
فرمایا کہ کتبِ تفاسیر و حدیث آپ کے پاس بہت ہیں۔ مجھ سے کیا پوچھتے
ہو۔ جو چیز نصوص قطعی کے خلاف ہے اس پر اعتقاد نہ رکھو اور خاموش رہو۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ اِلَّا فِي الکتاب المبین۔
(کوئی خشک و تر ایسی چیز نہیں جو قرآن میں نہ ہو)۔ آپ کے ان جامع کلمات سے
بادشاہ بہت محظوظ ہوا۔ اور حضرت شیخ کی دانش و بینش پر آفرین کہنے لگا۔
نیز اصل مطلب بھی پالیا۔ چنانچہ بادشاہ کے مشرب صلح کل سے ہر شخص
واقف ہے۔ جب "ازبک" والیٔ توران نے ایران فتح کیا تو تعصب کے غلبہ میں
آکر اس نے بے شمار سادات، علماء و اکابر کو تہ تیغ کر دیا اور "خارجی" کے نام
سے موسوم ہوا جب ایران کے بادشاہ نے توران پر غلبہ حاصل کیا اس نے
بھی کئی ہزار علماء اکابر کو قتل کر دیا اور "رافضی" کے نام سے موسوم ہوا۔
لیکن شاہجہان نے جب علی مردان خان کو شکست دیکر ولایت قندھار پر
قبضہ کیا تو ایک شخص کو بھی رنجیدہ نہ کیا۔ بلکہ ہر شخص کو اسکی حیثیت کے
مطابق انعام و اکرام و جاگیر دے کر نوازا۔ اسی طرح جب ولایت بلخ کو والیٔ
توران سے فتح کیا تو وہاں بھی کسی شخص کو تکلیف نہ پہنچائی۔ بلکہ ہر شخص کو
اس کے حسب مرتبہ انعام و اکرام دیکر رضامند کیا۔ اور مشرب اعتدال کو ہاتھ
سے نہ جانے دیا۔ اور نہ غضب خداوندی کو دعوت دی۔ یہ استقامت عین

کرامت ہے کیونکہ اس نے قرآن و حدیث کے احکام کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ جب خلیفہ برحق (شاہجہان) کے عدل و انصاف کا شہرہ ہوا تو ہر ملک ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگ ہندوستان میں آکر اپنی مرادیں پانے لگے۔ اہل ہنود بھی اپنی جگہ پر تھے لیکن خلیفہ برحق کے دل میں دین محمدی کی اخوت و مساوات اس قدر غلبہ تھا کہ ہر گروہ مسلمانوں سے محبت کرتا تھا اور ہندو اور آتش پرست اسقدر مطیع و فرمانبردار ہو چکے تھے کہ ہر کوچہ و بازار میں گاؤکشی ہوتی تھی لیکن کوئی شخص اس پر اعتراض کرتا تھا نہ اس سے نفرت کرتا تھا بلکہ اپنی بیٹیاں رضا و رغبت کے ساتھ بادشاہ اور امرا سلطنت کو دیتے تھے۔ اسلام کے اس غلبہ کے باوجود مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا تھا جو خلیفہ برحق سے ناراض یا متنفر ہو۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ اسلام بے تعصب تھا اور قرآن و حدیث کے احکام کی پابندی کرتا تھا۔

بادشاہ کے چار بیٹے تھے اور ہر بیٹے کو اس نے بچپن سے جوانی تک علوم دین اور امورِ سلطنت کی تعلیم دے کر صاحب لشکر مقرر کیا تھا۔ سب سے بڑے بیٹے شہزادہ دارا شکوہ کو ولیعہد نامزد کر کے اپنے حضور ہی رکھا۔ اور شہزادہ شجاع کو حاکم بنگال مقرر کیا۔ شاہزادہ اورنگ زیب کو ولایت دکن سپرد کی۔ شاہزادہ مراد بخش کو ولایت گجرات کی حکومت دی۔ اگرچہ تمام شہزادگان بادشاہوں کی طرح شان و شوکت سے رہتے تھے لیکن والد بزرگوار کی اطاعت و فرمانبرداری میں سرِ مو تجاوز نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح بتیس ۳۲ سال تک نہایت امن و امان کے ساتھ سلطنت کے امور سرانجام ہوتے رہے اور بادشاہ اپنے شہزادوں سمیت خیر و عافیت سے دین و دنیا کے کاموں میں مصروف رہا۔ اور رعایا پروری کرتا رہا۔ امیر تیمور نے بھی بتیس ۳۲ سال حکومت کی تھی۔ غرضیکہ خیر و برکت کے عروج کے بعد آیۂ کریمہ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ

کی تجلّی کا ظہور ہوا اور بادشاہ کے اقبال کا آفتاب غروب پذیر ہوا۔ اس وقت شیخ فیروز کا جو سات ابدال میں سے تھے۔ اور بادشاہ کی محافظت پر مامور تھے ماہِ رمضان المبارک میں انتقال ہوگیا جس سے محافظت ساقط ہوگئی۔ اور بادشاہ کی صحت خراب ہونے لگی اور چند ایام کے اندر یعنی بتاریخ ۸ ماہِ ذوالحجہ ۱۰۶۷ھ وہ سخت بیمار ہوگیا اور یہ فقیر جو بادشاہ کی سلطنت کی محافظت پر مامور تھا ۱۲ ماہِ ذوالحجہ ۱۰۶۷ھ کو بیمار ہوگیا اور چند سال بسترِ علالت پر رہا جس سے ملک کی محافظت کا کام سرانجام نہ ہوسکا باوجودیکہ وکلات (دوسرے صاحبِ خدمت) حاضر رہتے تھے۔ لیکن تقدیرِ الٰہی کے مقابلہ میں تمام تدابیر ناکام رہیں۔ اور ہر طرف بدامنی پیدا ہوگئی۔ اور چاروں شہزادے سلطنت کے دعویدار بن گئے سب سے پہلے شاہزادہ محمد شجاع نے ولایت بنگال میں علمِ بغاوت بلند کیا۔ شاہزادہ داراشکوہ نے اپنے بڑے لڑکے محمد سلیمان شکوہ کو لاتعداد لشکر دے کر شاہزادہ محمد شجاع کو ختم کیا۔ ابھی یہ لشکر واپس نہیں آیا تھا کہ شہزادہ اورنگ زیب اور شہزادہ مراد بخش لشکرِ جرار لے کر اکبرآباد پہنچ گئے۔ ناچار داراشکوہ نے بادشاہ کو قلعۂ اکبرآباد میں بسترِ علالت پر چھوڑ تمام شاہی لشکر کے ساتھ اپنے بھائیوں کے خلاف محاذآرائی شروع کی۔ لیکن کافی جدوجہد کے باوجود داراشکوہ کو شکست فاش ہوئی اور لاہور کی طرف چلا گیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ بہت مایوس ہوا۔ لیکن بیماری کی وجہ سے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ اور نہ سلطنت سنبھال سکتا تھا۔ اس لیئے اس نے قلعہ اکبرآباد میں گوشہ نشینی اختیار کرلی اور شہزادہ اورنگ زیب علماء وقت کے اتفاق رائے سے ماہِ رمضان المبارک ۱۰۶۸ھ میں شاہجہان آباد (دہلی) میں تخت نشین ہوا۔ اور خطبہ اپنے نام پر جاری کیا۔ حق تعالیٰ کی تقدیر میں یہ تھا کہ شاہجہان بادشاہ کا خاتمہ تارکین دنیا کے زمرہ میں ہو اور آخرت میں جملہ اولیاء اللہ میں اس کا حشر ہو اس لیئے

سات سال تک عبادتِ الٰہی، تلاوتِ قرآن اور مطالعہ کتب تفاسیر واحادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مشغول رہا اور زرِ کثیر راہ حق میں غربا و مساکین میں تقسیم کرتا رہا۔ آخر بتاریخ ۲۶ ماہ رجب ۱۰۷۶ھ شہاب الدین محمد شاہ جہان صاحب قران ثانی عالم بقا کو روانہ ہوا۔ اس کا اور اس کی زوجہ ملکہ ممتاز محل کا مقبرہ اکبر آباد میں دریائے جمنا کے کنارے پہلے ہی سے تعمیر ہو چکا تھا۔ بادشاہ اپنی وصیت کے مطابق اس کے اندر دفن ہوا۔

رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ
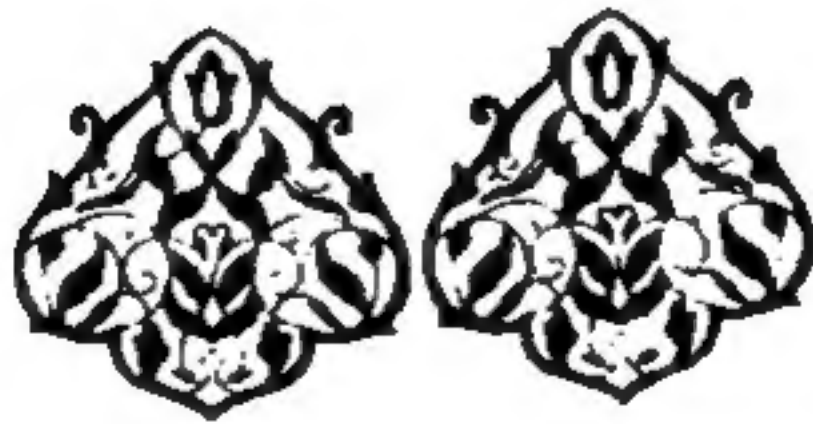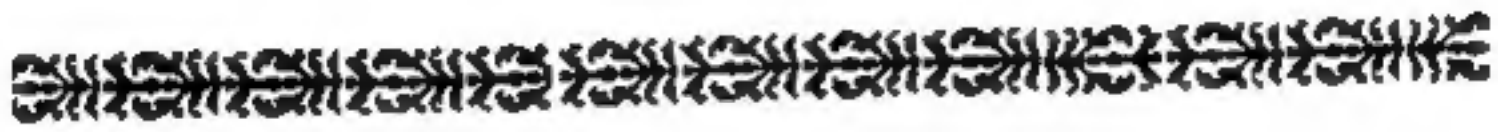
ہماری دیگر تصانیف

	پتہ
۱۔ سرِ دلبراں (مصنف) قطب زماں حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہؒ	محفل ذوقیہ، ۶۷سی سیکٹر اے ۱۴ نارتھ کراچی ۳۶
۲۔ تربیۃ العشاق ملفوظات 〃 〃 〃	نزد سخی حسن قبرستان 〃 〃
۳۔ برزخ (مصنف) 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃
۴۔ مضامین ذوقی (اردو) 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃
۵۔ مضامین ذوقی (انگلش) 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃
۶۔ بادہ و ساغر (روحانی ناول) 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃
۷۔ اسلامک سپریچوالزم (انگلش) 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃
۸۔ نیوسر چلائٹ آن ویدک ایرینز 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃
۹۔ حقیقتِ تصوّف (اردو) 〃 〃 〃	بزم اتحاد المسلمین ۸۰۔بی طارق روڈ لاہور چھاؤنی
۱۰۔ اِزا ایسپیکٹس آف فیتھ (مصنف) حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ	محفل ذوقیہ ۶۷سی سیکٹر اے
۱۱۔ ایوری ڈے پریکٹس اِن اسلام 〃 〃 〃	۱۴ نارتھ کراچی ۳۶ نزد سخی حسن قبرستان
۱۲۔ مارل میسیج آف گاڈ اینڈ ہز پرافٹ (مجموعہ احادیث) 〃	〃 〃 〃 〃
۱۳۔ مقام گنجشکرؒ (مصنف) مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال ربانی 〃	بزم اتحاد المسلمین لاہور
۱۴۔ اسلامک صوفی ازم (انگلش) 〃 〃 〃	۸۰۔بی طارق روڈ لاہور چھاؤنی
۱۵۔ روحانیتِ اسلام (اردو) 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃
۱۶۔ مشاہدہ حق 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃
۱۷۔ عظمتِ اہل بیت رسولؐ 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃
۱۸۔ شرح لوائح جامیؒ 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃
۱۹۔ مسئلہ وحدت الوجود و وحدت الشہود 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃
۲۰۔ پاکستان کی عظیم الشان دفاعی قوت	〃 〃 〃 〃
۲۱۔ اقتباس الانوار (تاریخ صوفیاء چشتیہ صابریہ) (مصنف) حضرت محمد اکرم قدوسیؒ 〃	〃 〃 〃
۲۲۔ جوامع الکلم (اردو ترجمہ) مصنف: حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ	〃 〃 〃
۲۳۔ مکتوبات قدوسیہ (اردو ترجمہ) مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری 〃	〃 〃
۲۴۔ مقابیس المجالس (ملفوظات) حضرت خواجہ غلام فریدؒ	〃 〃 〃
۲۵۔ تذکرہ حضرت خواجہ خدا بخش خیرپوریؒ 〃 〃	〃 〃 〃 〃
۲۶۔ تلقین لدنی (اردو ترجمہ) مصنف: حضرت شیخ محکم الدین سیرانیؒ	اردو اکیڈمی معرفت شہاب دہلوی صاحب ماڈل ٹاؤن اے۔ بہاولپور